فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

جلد دوم

یعنی امداد المفتین کامل

مفتئ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دارالاشاعت کراچی

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

یعنی امداد المفتین کامل

جلد دوم

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : مئی ۲۰۰۱ء شکیل پریس کراچی۔

ضخامت : 896 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26 نابھ روڈ لاہور
کشمیر بکڈپو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
دارالکتاب ایم اے جناح روڈ، لائٹ ہاؤس کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

عرض ناشر

مجموعہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند دراصل دو مستقل سلسلوں پر مشتمل ہے

(۱) **عزیز الفتاویٰ** جو عالم ربانی مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۴۴ھ تک تحریر فرمائے تھے اور پہلی مرتبہ ۱۳۵۷ھ میں اس کی اشاعت آٹھ مختصر جلدوں میں دارالاشاعت دیوبند سے ہوئی تھی۔

(۲) **امدادالمفتین** جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو مفتی صاحبؒ نے ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۶۲ھ تک دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کی حیثیت سے جو تقریباً چالیس ہزار فتاویٰ تحریر فرمائے تھے اسکا ایک مختصر حصہ آٹھ جلدوں میں دارالاشاعت دیوبند سے شائع ہوا تھا۔لیکن اس وقت ان دونوں سلسلوں میں تبویب وترتیب نہ تھی جس کی وجہ سے مسئلہ نکالنا بہت مشکل تھا پاکستان ہجرت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دونوں سلسلوں کی علیحدہ علیحدہ تبویب وترتیب کرا کر اور بہت سی اصلاحات کے بعد ۱۳۸۳ھ میں کراچی سے یہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ دو جلدوں میں شائع کرایا جس سے مطلوبہ مسئلہ نکالنا بہت آسان ہوگیا۔ جو الحمد للہ عوام اور خواص میں بہت مقبول ہے اور اسکے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

جدید اشاعت کی خصوصیات

اب جدید کتابت کے وقت برادر عزیز مولوی محمد رفیع عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی نے احقر کو مشورہ دیا کہ اب جب کہ اس کی طباعت کا تمام کام اعلیٰ معیار پر کیا جارہا ہے تو اسکی ترتیب جدید بھی از سر نو یعنی فقہی کتابوں کے اصول پر کرادی جائے یعنی ایک باب کے مسائل تو پہلے ہی یکجا ہو چکے تھے اب ہر باب کے تحت فصلیں قائم کی جائیں اور ہر فصل کے مسائل اس میں لکھ دیئے جائیں۔ اور ان میں بھی مناسبت سے ترتیب قائم کر دی جائے۔

اس طرح قارئین کو مطلوبہ مسئلہ تلاش کرنا مزید آسان ہو جائے گا چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ[۱] کے مشورہ سے یہ کام دارالعلوم کراچی کے استاد حدیث اور بہت سی مقبول عام کتابوں کے مصنف مولانا عاشق الٰہی صاحب مدظلہ کے سپرد کیا مولانا مدظلہ نے مولوی اشفاق صاحب ناقل فتاویٰ کی مدد سے پوری کتاب کی نئی ترتیب بڑی محنت سے مکمل فرمادی

جدید اضافے

جدید ترتیب کے علاوہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ فتاویٰ جو کراچی پاکستان میں قیام کے

۱؎ یہ حضرتؒ کے انتقال سے تقریباً ڈیڑھ دو سال قبل کا واقعہ ہے۔ ۱۲ محمد رضی

بعد لکھے گئے ان میں سے ایسے کئی سو فتاویٰ کا انتخاب کر کے وہ بھی اصل کتاب میں شامل کر دیئے گئے جن کی اشاعت اس نئے دور اور تقاضوں کے مطابق نہایت ضروری تھی۔ اسی کے ساتھ طباعت بھی عکسی اور عمدہ کاغذ پر کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو احقر اور ان سب حضرات کے لئے جنہوں نے اس کی تیاری میں حصہ لیا ہے۔ ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جو احقر ناکارہ کے والد ماجد اور شفیق مربی ورہنما تھے اُن کی حیات ہی میں انتقال سے تقریباً ڈیڑھ دو سال قبل اس فتاویٰ کی جدید ترتیب و کتابت کا کام شروع ہو چکا تھا۔ اور احقر کا معمول تھا کہ ہر اتوار کی شام کو کراچی شہر سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحبؒ کے سایۂ شفقت و رحمت میں پہنچ جایا کرتا تھا اور عشاء کے بعد تک حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل رہتا۔

اس فتاویٰ کی تیاری کا آپ کو انتظار لگا ہوا تھا اور تقریباً ہر ملاقات پر اس فتاویٰ کے بارہ میں ضرور دریافت فرماتے کہ بھائی اب اس کا کتنا کام باقی رہ گیا ہے۔

افسوس ہے کہ اب سے آٹھ ماہ قبل دس اور گیارہ شوال ۱۳۹۶ء کی درمیانی شب میں یہ عظیم سایۂ شفقت و رحمت ہمارے سروں سے اُٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰه وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

اور آج جبکہ اُن کی زندۂ جاوید یادگار فتاویٰ دارالعلوم دیوبند تیار ہو کر آیا ہے تو سوچ رہا ہوں کہ اگر حضرت والد صاحبؒ حیات ہوتے تو وہ اس کو دیکھ کر کس قدر خوش ہوتے۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ اُن کی روح جنت الفردوس میں ضرور خوشی محسوس کر رہی ہوگی۔ فقط

بندہ محمد رضی عثمانی

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ

اس کمپیوٹر ایڈیشن کی خصوصیات

اس نئے ایڈیشن کو جدید انداز سے کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کیا جارہا ہے تاکہ علماء کرام و قارئین کو سہولت ہو اور دیدہ زیب بھی لگے۔ سیٹنگ بھی پہلے سے بہتر کر دی گئی ہے۔ یہ عرض ناشر احقر کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائیں آمین۔

خلیل اشرف عثمانی

فہرست مضامین امدادالمفتین مکمّل ومبوّب

مضمون	صفحہ
صدق کے لئے نفس کے واقعہ محکی عنہ کی مطابقت کافی ہے	۱۹۷
والدین کے ترک تعلیم پر مجبور کرنا	۱۹۷
کیا جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے استاد تھے	۱۹۸
کسی عالم کو گالی دینا علی الاطلاق کفر نہیں	۱۹۹
فصل فی تعلیم القرآن و تعلمه	
(قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے مسائل)	
جبری تعلیم کی وجہ سے مکاتب قرآن کو بند کرنے یار کاوٹ پیدا کرنے کا حکم	۲۰۰
کتاب التفسیر	
(مباحث متعلقہ تفسیر قرآن)	
قرآن مجید کے نزول اور جمع وترتیب کے متعلق چند تحقیقات اور شریعت اولیٰ کا مطلب	۲۰۲
قصہ ہاروت وماروت کی تحقیق	۲۰۲
انسان سے فرشتے افضل ہیں یا نہیں	۲۰۳
مقام محمود کی تفسیر	۲۰۳
یقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر کرتے ہوئے زید کہتا ہے اس سے ذکر الٰہی مراد ہے نماز نہیں ہے	۲۰۴
انگریزی میں قرآن کا ترجمہ	۲۰۴
حضرات صحابہؓ سے اگر کسی آیت متواترہ کا انکار منقول ہو تو اس کا کیا مطلب ہے	۲۰۴
پکیو آرٹ پریس لاہور کے شائع کردہ یازدہ سورہ کے ترجمہ کے متعلق اظہار رائے	۲۰۵
کتاب ما یتعلق بالحدیث و السنة	
(حدیث وسنت سے متعلق مباحث)	
نماز عشاء کے بارے میں دو متعارض حدیثوں کا حل	۲۰۶
حدیث اقتلوا الوزغۃ ولو فی جوف الکعبۃ کی تحقیق	۲۰۶
حدیث میں قتل وزغۃ کا حکم گرگٹ وچھپکلی کو شامل ہے	۲۰۸
حدیث ناقصات عقل ودین سے صحابیات کی روایت مجروح نہیں	۲۰۹
بھوک کی شدت سے آنحضرت کے پیٹ پر پتھر باندھنے سے متعلق حدیث کی تحقیق	۲۱۰
شق الصدور روایات صحیحہ سے ثابت ہے	۲۱۱
کتاب التصوف و السلوك	
(تصوف وسلوک کا بیان)	
تصور شیخ جائز ہے یا نہیں	۲۱۲
بیعت کے وقت اپنا صافہ مریدوں کے ہاتھ میں دینا	۲۱۲
کتاب الذکر والدعا و التعویذات	
ذکر، دعا اور تعویذات کا بیان	
سحر اور رد سحر کا حکم	۲۱۳

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

والد ماجد سیدی وسندی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات لکھنے کا تقاضا دل میں عرصہ دراز سے تھا حضرات اہل علم و قلم کا اصرار بھی مدت سے چل رہا تھا مگر احقر اپنی نااہلیت اور قلت استعداد کی بناء پر اس کام سے پہلو تہی کرتا رہا، کیونکہ ایسی عظیم اور ہمہ گیر شخصیت کے حالات زندگی لکھنے اور اس کے ہمہ پہلو کمالات اور گوناگوں کارناموں کو بیان کرنے کے لئے جس فہم وبصیرت دقت نظر اور قدرت بیان کی ضرورت ہے افسوس کہ احقر اس سے خالی ہے پہلو تہی کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت والد ماجدؒ کے سامنے جب بھی کسی نے اس کا ذکر کیا تو سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قابل رشک تواضع وانکساری سے نوازا تھا کہ لاکھ یقین دلانے کے باوجود یہ باور کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ ان کے حالات زندگی واقعی قابل تذکرہ ہیں ان کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا تھا کہ "ہماری مثال ان حشرات الارض کی سی ہے جو روز پیدا ہوتے اور مرتے رہتے ہیں، کسی مکھی یا مچھر کی سوانح کون اور کیوں لکھے؟ ہم جیسے لوگوں کا تذکرہ اس سے زیادہ ممتاز نہیں بلکہ بندگان سلف کے سوانح اور تذکروں کی قدر کم کردینے کا سبب معلوم ہوتا ہے" (عرض حال)

۱۳۸۲ہجری میں جب فتاوٰی دارالعلوم دیوبند کی طبع ثانی کا ارادہ ہوا تو حضرت والد ماجد کے حکم سے اس کی ترتیب و تبویب کا کام کرنے کی سعادت اس ناچیز راقم الحروف کو حاصل ہوئی فتاوٰی دارالعلوم دیوبند درحقیقت دو کتابوں کا مجموعہ ہے (۱) عزیز الفتاوٰی جو حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب نور اللہ مرقدہ کے فتاوٰی پر مشتمل ہے (۲) امداد المفتین، جو حضرت والد ماجد کے فتاوٰی پر مشتمل ہے ضرورت تھی کہ دونوں اصحاب فتاوٰی کے مختصر حالات زندگی ان کے ساتھ شائع کئے جائیں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحبؒ کے حالات تو خود حضرت والد ماجدؒ نے قلمبند فرمادیئے تھے احقر نے موقع غنیمت جان کر ڈرتے ڈرتے حضرت والد ماجدؒ کے بھی مختصر حالات زندگی بھی تحریر کرکے خدمت میں پیش کئے ابتداء تو اس کو بھی ناپسند فرمایا پھر کچھ حضرات کے اصرار پر طبعی انقباض کے باوجود بہت سے قطع وبرید کے بعد اجازت مرحمت فرمادی، اور اس کے متعلق چند ارشادات بہ عنوان "عرض حال" تحریر فرماکر ساتھ شائع کرنے کا حکم دیا اس طرح حضرت والد ماجدؒ کے حالات زندگی پہلی بار ۱۳۸۳ھ میں شائع ہوئے۔

مگر افسوس کہ نہ تو ناچیز کی اہلیت اور قدرت بیان نے ساتھ دیا نہ فرصت و مہلت نے جیسا کیسا بن پڑا اس وقت قلمبند کرلیا جو کسی طرح بھی اس عظیم شخصیت کے تذکرہ کے شایان شان نہ تھا تاہم اتنا فائدہ اس کا ضرور ہوا کہ اس کے بعد پاکستان اور بیرون پاکستان کثیر التعداد رسائل جرائد اور مختلف علمی اور تحقیقی اداروں کی طرف سے جب بھی حضرتؒ کے حالات زندگی پوچھے گئے جواب میں اسی مضمون کی نشاندھی کردی گئی

چنانچہ اب تک جتنے اہل قلم نے حضرتؒ کے حالات زندگی پر مقالات لکھے سب کا بنیادی ماخذ یہی مضمون تھا۔ اب تیرہ سال بعد محرم ۱۳۹۵ھ میں جب کہ فتاوٰی دارالعلوم دیوبند نئی ترتیب و تبویب اور جدید اضافوں کے ساتھ شائع ہورہا ہے اس مضمون پر بھی نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مگر اب تو دنیا بدل گئی ہے، وہ مضمون احقر نے حضرت والد ماجدؒ کی حیات میں لکھا تھا اب مجھے یہ لکھنا پڑرہا ہے اور لکھتے ہوئے جگر پارہ پارہ ہوا جاتا ہے کہ وہ مقدس ہستی جن کے حالات زندگی پر وہ مضمون تھا اس دنیائے فانی سے رخصت ہوچکی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون. یہ المناک حادثہ جس نے زندگی کی بساط کو دفعۃً زیر وزبر کرڈالا ہے اب سے صرف تین ماہ دس روز پہلے یعنی کل دس اور گیارہ شوال کی درمیانی شب ۱۳۹۶ھ میں میرے مشفق والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوّر اللہ مرقدہ میرے صرف باپ ہی نہیں بلکہ میرے نکتہ رس مربّی، میرے اعظم استاذ میرے باریک بین شیخ اور میری زندگی کے ہر پہلو کے پیش ہادی ورہنما تھے ان کی ذات گرامی میرے لئے نجانے کتنے سائے تھے جو ایک دم سر سے اٹھ گئے ہیں ہر طرف دھوپ ہی دھوپ پھیلی نظر آتی ہے' زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا کہ رنج و غم اور صدمہ کسے کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صبر کا اتنا عظیم الشان اجر کیوں مقرر فرمایا ہے" ذمہ داریوں کا صحیح مفہوم بھی پہلی مرتبہ معلوم ہوا جن کے عجیب وغریب بوجھ سے آج کاندھے جھکے ہوئے سے محسوس ہوتے ہیں مسائل کے پہاڑ جوان کی حیات میں ایک کھیل نظر آتے تھے آج انہیں دیکھ کر اعصاب ٹھٹھرنے سے لگے ہیں۔ حضرت والد ماجدؒ نے یہ شعر اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب کی وفات پر کہے تھے کیا خبر تھی کہ کسی وقت یہ میرے دل کی آواز بن جائیں گے۔

یارب یہ کیا فضا ہے یہ کیسا سماں ہے آج — مشغول گریہ صبح سے کیوں آسماں ہے آج
کون اٹھ گیا ہے آج جہاں سے کہ یک بیک — تیرہ میری نگہ میں زمین و زماں ہے آج!
وہ والد شفیق وہ استاذ مہرباں! — وہ مرشد طریق عزیز و کہاں ہے آج!
کیوں آج پوچھتا نہیں کوئی رفیع[1] کو — کس حال میں ہے، کیوں نہیں آیا کہاں ہے آج
کل تک اداس دیکھ نہ سکتے تھے جس کو آپ — وہ وقف رنج و نالہ و درد وفغاں ہے آج!

ایسے میں کوئی بھی تحریر آسان نہیں، خصوصیت سے حضرت والد ماجدؒ کے حالات زندگی پر کچھ لکھنا پڑھنا ایسا کٹھن اور صبر آزما کام ہے کہ اس کے بیان کی بھی تاب نہیں ادھر وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مضمون پر محض نظر ثانی کافی نہیں مبسوط سوانح حیات کی ضرورت ہے جس میں ان کے علمی، تحقیقی، تربیتی اور سیاسی کارناموں کا مفصل بیان ہو سبق آموز اخلاقی وروحانی کمالات کو واضح کیا جائے، اور واقعات کی روشنی میں تعلیم وتربیت افتاء و تصنیف اور ملکی وسیاسی امور میں ان کے مشفقانہ، حکیمانہ، محققانہ اور معتدل مسلک و مزاج کی تشریح کی جائے۔

---

[1] اصل شعر میں "شفیع" ہے نقل میں بے اختیار قلم سے "رفیع" لکھا گیا، دل کی اس بے ساختہ آواز کو کیسے مٹاؤں؟

اس وقت احقر کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے یہ پورا عرصہ اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کے زیر سایہ نہیں بلکہ ان کی مشفقانہ مربیانہ آغوش میں بسر کرایا سفر و حضر میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صحبت و معیت نصیب فرمائی اور کبھی ایک ڈیڑھ مہینے سے زیادہ جدائی کی نوبت نہیں آئی بغدادی قاعدہ سے لیکر دورہ حدیث تک بلکہ اس کے بعد تدریس وافتاء اور تمام علمی ودینی کاموں میں ان سے تلمذ ورہنمائی کا شرف حاصل رہا ان کے تمام کاموں اور مصروفیات میں شریک رہنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے کسی استحقاق کے بغیر نصیب فرمائی شادی کے بعد بھی احقر کو عیالداری کے باوجود ان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنے کی دولت آخر تک حاصل رہی، اس لئے ان کی مقدس زندگی کا کوئی گوشہ بحمد اللہ نظر سے پوشیدہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر بجالاؤں کم ہے ان کی جدوجہد سے بھرپور زندگی متنوع اور ہمہ پہلو مصروفیات ان کے شب وروز کے سبق آموز مشاغل، تفقہ و تدین اور تواضع وتقویٰ کے عظیم الشان کارنامے نظروں کے سامنے ہیں تحریری یادداشتوں کا بھی بڑا ذخیرہ بحمد اللہ عرصہ سے جمع کرتا رہا ہوں مگر دماغ سن دل شکستہ اور زبان و قلم گنگ ہیں۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے ؟

سوچا کہ حالات زندگی پر جو مضمون احقر نے ۸۳ / ۱۳۸۲ھ میں لکھا تھا بالفعل اسے اشاعت کے لئے دے دیا جائے اور نظر ثانی یا مفصل سوانح نگاری کا کام (جس کا احقر اہل بھی نہیں) کسی صاحب قلم یا مناسب وقت کے لئے ملتوی کر دیا جائے مگر یہ بھی ممکن نظر نہ آیا کیونکہ اپنی ہر تحریر کی طرح میں نے اس مضمون میں بھی حضرتؒ کے اسم گرامی کے ساتھ ہر جگہ لفظ "مدظلہم" لکھا تھا، جو ہمیشہ دل کی گہرائیوں کے ساتھ دعاء ہی کی نیت سے بولتا، پڑھتا اور لکھتا رہا اور ہمیشہ اس کا وجود آور کیف محسوس کرتا رہا ہوں اب پورے مضمون میں "مدظلہم" کو "رحمۃ اللہ علیہ" سے تو بدلنا ہی پڑے گا حال کے صیغوں کو بھی ماضی سے بدلنا ہوگا۔ یہ صبر آزما ترمیم کیسی ہی دل خراش ہو مگر اس کے بغیر چارہ نہیں۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان

احقر محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

خادم دارالعلوم کراچی۔

۱۱ محرم الحرام ۱۳۹۷ھ

عرض حال
از ناکارہ خلائق محمد شفیع عفا اللہ عنہ

سلف صالحین کے عہد میں سوانح حیات صرف ان قابل تقلید علماء صلحاء اور بزرگوں کی لکھی جاتی تھی جو علمی مہارت ورسوخ اور اصلاح و تقوٰی کی رو سے اہل عصر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اور بجا طور پر یہ دین اور علم دین کی اہم خدمت تھی جس پر بہت سے فوائد و مصالح کا انحصار تھا۔

لیکن آج کل دوسرے معاملات کی طرح سوانح نگاری بھی ایک صحافیانہ کاروبار بن کر رہ گیا ہے ہر شخص جس نے کسی ذریعہ سے کوئی شہرت حاصل کرلی اس کی سوانح حیات لکھی جانے لگیں بلکہ خود اس کاروبار کو بھی ذریعہ شہرت کے طور پر استعمال کیا جانے لگا ہے جس میں کئی قسم کی خرابیاں ہیں۔

۱۔ جو لوگ علم و عمل اور اخلاق و کردار میں کوئی حقیقی مقام نہیں رکھتے، ان کی سوانح دیکھ کر عام مسلمان ایک مغالطہ کے شکار ہوں گے۔

۲۔ اور جب روح واخلاص اور ضرورت دین پر بنیاد نہ رہی تو عموماً ان سوانح میں مبالغہ آمیزی اور غلط سلط روایات بھی ضرور ہوتی ہیں جو خود اپنے لئے گناہ اور عام لوگوں کے لئے مضر ہے۔

۳۔ اور سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ موجودہ لوگوں کی سوانح حیات پڑھنے والے پچھلے بزرگوں کی سوانح حیات کو بھی اسی پر قیاس کرکے ان کے فوائد وبرکات سے محروم ہو جائیں گے میرے لئے سخت حیرت و تعجب کی چیز ہے کہ بہت سے احباب اور کئی اداروں نے خود مجھ سے اس کی فرمائش کی کہ اس سلسلہ میں کچھ لکھ کردوں بعض نے اس سے مایوس ہو کر یہ چاہا کہ وہ کچھ سوالات مجھ سے کرلیں اور پھر ان کے جوابات سے ایک سوانح تیار کرلیں مگر میرا جواب ان سب حضرات کے لئے یہی تھا کہ ہماری مثال ان حشرات الارض کی سی ہے جو روز پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں کسی مکھی یا مچھر کی سوانح حیات کون اور کیوں لکھے، ہم جیسے لوگوں کا تذکرہ کچھ اس سے زیادہ ممتاز نہیں بلکہ بزرگان سلف کے سوانح اور تذکروں کی قدم کم کردینے کا سبب معلوم ہوتا ہے اس وقت برخوردار مولوی محمد رفیع نے جو اوراق ترجمۃ المصنف کے عنوان سے لکھے، طبعی طور پر تو اس سے بھی شرم و ندامت محسوس کرتا ہوں مگر کچھ دوستوں کے اصرار پر اس میں آئے ہوئے کچھ بزرگوں کے مفید ارشادات اور علمی واصلاحی فوائد کے پیش نظر اجازت اشاعت دیدی۔ واللہ تعالی اسأل العفو والعافیہ۔

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ رمضان ۱۳۸۳ھ

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کے مختصر حالات زندگی

الحمد للہ وکفٰی و سلام، علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ امابعد! حضرت مفتی صاحب دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں والدہ ماجدہ سادات میں سے ہیں اجداد کا اصل وطن قصبہ جوراسی متصل منگلور تھا حضرت مفتی صاحبؒ کے پردادا حضرت میانجی امام علی صاحب بحالت طفولیت اپنے والد حافظ کریم اللہ صاحب کے ساتھ جوراسی سے دیوبند منتقل ہوئے تھے یہ پورا خاندان اہل علم کا تھا اس وقت کے مروج علوم و فنون اور فارسی زبان کی تعلیم زندگی کا مشغلہ تھا یہی وجہ تھی کہ میانجی امام علی صاحب پورے قصبہ دیوبند کے استاد مانے جاتے تھے اور دیوبند کے شیوخ اور دوسری قومیں سب ان کی انتہائی تعظیم واحترام کرتی تھیں۔

والد ماجد

مولانا محمد یاسین صاحبؒ قصبہ دیوبند میں ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے جب کہ تقریباً اسی سال دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی، اس طرح موصوف گویا دارالعلوم کے ہم عمر اور ہم قرن تھے فارسی زبان اور اردو نوشت خواند اپنے خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی تھی اور فارسی ادب کی تعلیم مولانا منفعت علی صاحب مدرس دارالعلوم سے اور انہوں نے مشہور شاعر غالب کے شاگرد خاص مولانا حشمت علی صاحب سے حاصل کی تھی۔

علوم عربیہ صرف و نحو اور منطق و فلسفہ پھر فقہ حدیث تفسیر کا پورا درس نظامی دارالعلوم دیوبند کے قرن اول میں مشاہیر و اکابر علماء سے حاصل کئے جن میں جامع العلوم والکمالات حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور مولانا سید احمد صاحب دہلوی ملا محمود صاحب دیوبندی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم آپ کے ہم عصر تھے علوم و فنون سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت استرشاد حاصل کی اور بکثرت حاضرباشی سے مشرف ہوئے دیوبند سے گنگوہ کا سفر اکثر پیادہ ہوتا تھا حضرت گنگوہیؒ کے مخصوص متعلقین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر مہتمم مولانا رفیع الدین صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی کے خلفاء میں اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے زمانہ طالب علمی ہی سے آپ پر بہت مہربان تھے۔

علوم و فنون کی ابھی تکمیل بھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے کچھ اسباق

درجہ فارسی کے آپ کے سپرد کر دئے تھے اس طرح تعلیم کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا تقریباً چالیس سال دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے علم کی خدمت میں مشغول رہے بہت سے جلیل القدر علماء محدثین آپ کے شاگرد ہیں حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبند حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ مولانا محمد یاسین صاحب شیر کوٹی امام اہل حدیث مولانا ثناء اللہ صاحبؒ امر تسری ان میں خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

فارسی زبان سے متعلق چند رسائل آپ کے نہایت مقبول اور عام مکاتب میں داخل درس ہیں رسالہ نادر شرح صفوۃ المصادر۔ مفید نامہ جدید۔ آمد نامہ جدید۔ انشا۔ فارغ

مفتی پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ

موصوف کی ولادت مرکز علوم اسلامیہ قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں ۲۰۔۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ درمیانی شب اور جنوری ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔

بچپن

اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے دین کی عظیم الشان خدمات کے لئے چنتا ہے تو عموماً بچپن ہی سے اس کی پرورش و تربیت ان خطوط پر ہونے لگتی ہے جو اس کے تابناک مستقبل کا حسین نقشہ تیار کرتے ہیں حضرت ممدوحؒ نے بزرگان دین کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت اپنے والد بزرگوار سے وراثت میں پائی تھی اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ لہو و لعب میں شریک ہونے کے بجائے آپ کی عادت تھی کہ جب بھی موقعہ ملتا والد بزرگوار کے ساتھ اکابر علماء و صلحاء کی بابرکت مجلسوں میں جا بیٹھتے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی مجلس میں حاضری اکثر ہوا کرتی تھی۔

تعلیم قرآن

آپ نے پانچ سال کی عمر میں جناب حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کی تعلیم شروع فرمائی۔

تعلیم فارسی وریاضی وغیرہ

حضرتؒ نے فارسی کی تمام مروجہ کتب اپنے والد محترم سے دارالعلوم دیوبند ہی میں پڑھیں۔ خط واملا کی مشق بھی اپنے والد ماجد کے پاس کی حساب وفنون ریاضی اپنے چچا جناب مولانا منظور احمد صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند سے حاصل کئے اور فن تجوید بقدر ضروری اپنے (عربی علوم کے) رفیق درس جناب الحاج قاری محمد یوسف صاحب میر ٹھیؒ سے (جو عرصہ دراز تک آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت قرآن فرماتے رہے)

حاصل کیا۔

عربی نحو صرف وفقہ کی ابتدائی کتابیں بھی اپنے والد موصوف سے فارسی تعلیم کے ساتھ ہی پڑھ لی تھیں تقریباً پانچ سال میں فارسی، ریاضی وغیرہ کی پوری تعلیم اور عربی کی ابتدائی کتب سے فراغت ہوئی۔

درجہ عربی کی باقاعدہ تعلیم

سولہ سال کی عمر میں فقہ اصول فقہ اور ادب وغیرہ کی متوسط کتابیں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں داخل ہو کر باقاعدہ شروع فرمادیں۔

آپ کے اساتذہ

آپ نے علم و تقویٰ کے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اس میں ہر طرف روحانیت و تقویٰ کے وہ بے مثل پہاڑ تھے جن کی رگ رگ سے علوم و معارف کے بے شمار چشمے اور آبشاریں نکل کر عالم اسلام کو سیراب کر رہے تھے حضرت مفتی صاحبؒ کے والد محترم کا ارشاد ہے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ وقت دیکھا ہے جب دارالعلوم کے دربان سے لیکر مہتمم تک ہر شخص صاحب نسبت ولی اللہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے بے نظیر ماحول میں آپ نے جن یکتائے روزگار اساتذہ سے استفادہ کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کا جنید۔ ابن حجر اور غزالی بنایا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اساتذہ بزرگوں کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم ان بزرگوں کے تبحر علمی اور باطنی کمالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ نہ کرتے تو ہمیں اپنے قدیم اسلاف۔ تابعین۔ تبع تابعین کے حیرت ناک واقعات کا مشاہداتی علم نہ ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے کمال علم اور پختگی کردار سے قرن اولیٰ کی وہ داستانیں تازہ کردی تھیں جن پر تاریخ انسانی ہمیشہ فخر کرتی رہے گی حضرت مفتی صاحبؒ کو جن اساتذہ کرام سے شرف تلمذ حاصل ہے ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

(۱) فخر المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہؒ کشمیری۔

(۲) مفتی اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰنؒ صاحب عثمانیؒ دیوبندی

(۳) شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمدؒ صاحب عثمانی دیوبندی

(۴) عارف باللہ حضرت مولانا سید میاں اصغرؒ حسین صاحبؒ

---

(۱) ولادت ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ وفات ۲ صفر ۱۳۵۲ھ۔ موصوف کی جامع تاریخ حیات نفحۃ العنبر بزبان عربی مجلس علمی ڈابھیل سے اور مختصر سوانح "حیات انور" کے نام سے اردو میں دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

(۲) تاریخی نام ظفر الدین ہے۔ (ولادت ۱۲۷۵ھ وفات ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۴۷ھ) مفصل تذکرہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (طبع جدید) کے طویل پیش لفظ میں دیوبند سے شائع ہو چکا ہے۔

(۳) مختصر تذکرہ حیات شیخ الاسلام کے نام سے ادارۂ سیرت پاکستان لاہور سے اور تفصیلی حالات تجلیات عثمانی کے نام سے ادارہ نشر المعارف چھملیک ملتان شہر سے شائع ہو چکا ہے (ولادت عاشورہ محرم ۱۳۰۵ھ وفات ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء پاکستان

(۴) دارالعلوم دیوبند کے مشہور محدث تقویٰ و طہارت عبادت و تقدس کے پیکر نہایت مفید تصانیف کثیرہ کے مصنف وفات ۱۳۶۴ھ بمقام راندیر۔ مختصر سوانح بنام حیات اصغر دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

(۵) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ [۱]
(۶) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد احمد صاحب ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ
(۷) جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ
(۸) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

طلب علم میں انہماک

علمی ذوق آپ کی زندگی کے ہر شعبہ پر ہمیشہ غالب رہا ہے زمانہ طالب علمی میں آپ جس انہماک اور جانفشانی سے اپنے اسباق کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتے تھے اس کی مثالیں اس زمانہ میں نایاب ہیں عربی تعلیم باقاعدہ شروع فرمانے کے بعد دارالعلوم ہی گویا آپ کا گھر بن چکا تھا اسباق سے فارغ ہو کر آپ اپنے ہم سبقوں کو روزانہ کے اسباق اس طرح تکرار کراتے تھے کہ استاد کی تقریر کا پورا چربہ اتار دیتے تھے۔

آپ کا تکرار طلباء میں بہت مقبول تھا۔ طلباء اتنی اہمیت سے اس تکرار میں شریک ہوتے کہ اس سے مستقل ایک درس کی سی صورت بن جاتی حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک مرتبہ طلباء دارالعلوم کراچی کو جن میں راقم الحروف بھی خوش قسمتی سے موجود تھا تکرار کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں مقامات کے تکرار میں شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی پوری تقریر کا اعادہ اسی ترتیب سے کیا کرتا تھا، جس طرح استاد محترم نے بیان کی تھی۔ بعض اوقات استاد محترم میری لاعلمی میں میرا تکرار سنا بھی کرتے تھے اور مجھے بعد میں پتہ چلتا کہ وہ سن کر بہت خوش ہوتے ہیں' اکثر صبح کو دارالعلوم جا کر پھر رات ہی کو واپسی ہوتی تھی اور بعض اوقات رات کو وہیں مولسری کے درخت کے نیچے کھلے فرش پر سو جایا کرتے تھے اور گھر واپسی ہوتی تو رات کا کبھی ایک بج جاتا تھا اور کبھی دو کیونکہ تکرار عموماً رات کو ہوا کرتا تھا حضرت نے دارالعلوم کراچی کے طلباء کو ایک مرتبہ نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ رات کو والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیدیں ان کے انتظار سے تکلیف ہوتی تھی بڑی منت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں۔

میں جب ایک دو بجے آتا تو وہ کھانا ٹھنڈا ہی کھالیا کرتا سردیوں کی راتوں میں شوربہ کا گھی جم جانے کے باعث شوربہ بالکل پانی ہو جاتا تھا لیکن میں اسی حالت میں کھالیا کرتا تھا۔

اگرچہ دیوبند آپ کا وطن تھا اور تمام اعزہ واقارب یہیں رہتے تھے لیکن طالب علمی میں رشتہ داروں کے یہاں جانے کا وقت بھی نہ ملتا تھا نہ محلے کے ہم عمر لڑکوں سے کبھی دوستانہ تعلقات ہوئے حتی کہ آپ کو دیوبند کے جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے تمام راستے بخوبی نہ معلوم تھے تعلیمی انہماک کے باعث کسی اور کام کی فرصت ہی نہ ملتی تھی اگر کبھی کچھ وقت ملتا تو فوراً کسی استاد کی خدمت میں جا بیٹھتے آپ کی غیر معمولی ذکاوت علمی ذوق و شوق اور صلاح تقوٰی کے باعث آپ کے اساتذہ کی مشفقانہ توجہ ہمیشہ آپ پر مبذول رہی جب آپ کے امتحانات

---

(۱) سوانح حیات بنام تذکرہ اعزاز دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔ دیوبند کے اکابر اساتذہ میں ممتاز بہت سی کتابوں پر آپ کے حواشی طبع ہو چکے ہیں

کے پرچے ممتحنین کے پاس پہنچتے تو عموماً وہ کہا کرتے اس کے پرچے کیا دیکھیں اس کے پرچے تو ہم سے انعامی نمبروں کا مطالبہ کریں گے زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص شاگرد و مرید اور مدرسہ عبدالرب کے بانی جناب حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ دارالعلوم تشریف لائے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے یہ معزز مہمان اور دوسرے اساتذہ کرام کے ساتھ کھڑے تھے کہ قریب سے حضرت مفتی صاحب بغل میں کتابیں دبائے ہوئے گزرے تو مہتمم صاحب نے آپ کو بلالیا اور معزز مہمان سے کہا۔

یہ دارالعلوم کا ایسا طالب علم ہے کہ اس کو اپنی کتابوں کے علاوہ کسی اور چیز کا ہوش بھی نہیں نہ اپنے کپڑوں کی خبر ہے نہ جان کی، لیکن کتاب کا کوئی سوال پوچھو تو محققانہ جواب شروع کردے گا۔ مولانا عبدالعلیؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ بچہ تو مولوی محمد یاسین صاحب کا لڑکا معلوم ہوتا ہے مولانا کا قیافہ مشہور تھا جس زمانہ میں آپ شرح جامی پڑھتے تھے شرح جامی کا امتحان شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے پاس چلا گیا اس وقت تک آپ نے کوئی کتاب مولانا سے نہیں پڑھی تھی اس لئے تحریر سے نہ پہچان سکے۔ آپ کا نہایت معیاری پرچہ دیکھ کر حیرت و مسرت ضبط نہ ہوئی اور پرچہ لیکر فوراً مہتمم صاحب کے پاس پہنچے اور کہا کہ یہ طالب علم کون ہے اس نے شرح جامی کی شرح لکھ دی یہ سن کر مہتمم صاحب سے بھی مسرت ضبط نہ ہوئی فوراً امتحان گاہ میں پہنچے ۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت کسی اور امتحان کا پرچہ لکھ رہے تھے آپ کو بلا کر تمام طلباء کے سامنے کھڑا کیا اور آپ کے سر پر ہاتھ رکھ کر سب طلباء کے سامنے اس ممتاز پرچہ کی غیر معمولی خوبی کا اعلان فرمایا۔

تھانہ بھون میں سب سے پہلی حاضری

جب آپ عربی علوم کا تیسرا سال پورا کر چکے (یعنی ہدایہ اولین ختم کرنے کے بعد) توآپ کے والد ماجد آپ کو اپنے ہم سبق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں لے گئے۔

اور ان سے مشورہ کیا کہ انہیں فلسفہ کی کتابیں پڑھائی جائیں یا نہیں، تردد اس لئے تھا کہ قدیم فلسفہ اسلامی عقائد کے سراسر خلاف ہونے کی بناء پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ نے س کے پڑھانے کی ایک مرتبہ ممانعت فرمائی تھی تو حضرت تھانویؒ نے فرمایا پڑھو تم فلسفہ پڑھ لوگے تو انشاء للہ اس سے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا بلکہ ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اس کو پڑھ کر اس کا رد کر سکو گے اور فلسفہ جاننے والوں سے مرعوب نہ ہوگے چنانچہ آپ نے اس کے بعد فلسفہ کی تمام متداول کتابیں نہایت ذوق و جانفشانی کے ساتھ پڑھیں حتی کہ اس کے ساتھ اتنا شغف ہو گیا کہ اس زمانہ میں دوسرے مضامین کی بہ نسبت آپ فلسفہ میں ممتاز سمجھے جانے لگے۔

جدید فلسفہ

دارالعلوم دیوبند کے نصاب میں قدیم فلسفہ رائج تھا اور جدید فلسفہ شامل نصاب نہ تھا آپ کے زمانہ طالب علمی کے آخری دور میں آپ کے استاذ محترم جناب حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ نے درس حدیث کے دوران کئی بار طلباء سے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں ہمارے اسلاف نے قدیم فلسفہ پڑھ کر اس کا رد کیا تھا کیونکہ اس وقت وہی رائج تھا لیکن آج کل قدیم کی جگہ جدید فلسفہ نے لے لی ہے اب دنیا میں یہی فلسفہ رائج ہے اس لئے جدید فلسفہ ضرور پڑھنا چاہئے تاکہ ان فتنوں کا مقابلہ کیا جائے چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ اور دوسرے ممتاز طلباء کے اصرار پر حضرت شاہ صاحبؒ نے جدید فلسفہ کی مشہور کتاب الفلسفۃ العربیہ بھی خصوصی طور پر ان حضرات کو پڑھائی۔

تحصیل علوم سے فراغت اور منصب تدریس

آخر ۱۳۴۳ھ کے ماہ شعبان میں وہ منزل آگئی جہاں رکے بغیر ایک کٹھن، پرپیچ اور بہت طویل مگر اصلی سفر شروع ہونے والا تھا آپ دارالعلوم دیوبند کی مکمل تعلیم سے نہایت ممتاز حیثیت کے ساتھ فارغ ہوئے آپ کے اساتذہ کرام اور جناب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگاہ انتخاب عرصہ سے آپ پر تھی چنانچہ فوراً ہی استاذ دارالعلوم کی حیثیت سے آپ کا تقرر کر دیا گیا۔

خدمت دین کا پر خلوص جذبہ

زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کا ارادہ تھا کہ علوم دینیہ کو کبھی ذریعہ معاش نہ بنائیں گے خدمت دین بغیر کسی معاوضہ کے لوجہ اللہ کریں گے اور معاش کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ اختیار فرمائیں گے چنانچہ اس خیال کے پیش نظر آپ نے اپنی تعلیم کے زمانہ میں کوئی دوسرے فنون کی تعلیم اور مشق بھی بہم پہنچائی۔

خطاطی

آپ نے خطاطی اور کاپی نویسی میں مہارت حاصل کی اور ابتداء میں بعض کتابیں آپ کے ہاتھ کی کتابت سے طبع بھی ہوئیں بڑے بڑے ماہرین فن نے یہ خط نسخ اور نستعلیق میں آپ کے زور قلم کی تحسین کی ہے۔

جلد سازی

اسی پر خلوص جذبہ کے ماتحت آپ نے جلد سازی (بک بائنڈنگ) میں بھی خوب دست رس حاصل فرمائی اس زمانہ میں اپنے مطالعہ کی کتابوں کی جلدبندی عام طور پر آپ خود ہی فرماتے تھے راقم الحروف نے اپنے بچپن میں حضرتؒ کے پاس ایک کتاب ایسی دیکھی ہے جس کے مصنف بھی آپ خود تھے کتابت بھی، اور غالباً جلد سازی بھی خود ہی کی تھی۔

طب یونانی

علمی خدمات کے معاوضہ سے مستغنی رہنے کی غرض سے آپ نے طب کے درسی نصاب کی بھی باضابطہ تکمیل (دارالعلوم دیوبند میں) فرمائی اس فن میں آپ کے رفیق درس جناب حکیم محفوظ الحق صاحبؒ مشہور حاذق طبیب ہوئے اور ضلع سہارنپور اور اطراف میں ان کو نہایت کامیاب اور بے نظیر طبیب سمجھا جاتا ہے۔[1]

حضرت مفتی صاحبؒ اور حکیم صاحب موصوف نے ایک ساتھ ہی فن طب سے فراغت حاصل فرمائی تھی نفیسی استاذ العلماء حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ صدر مدرس دارالعلوم سے اور شرح اسباب مولانا حکیم محمد حسن صاحب برادر شیخ الہندؒ سے پڑھی۔

لیکن حضرتؒ فرمایا کرتے ہیں کہ میرا یہ شوق باوجود پوری کوشش کے پورا نہ ہو سکا کہ علم دین کی خدمت کسی معاوضہ کے بغیر انجام دوں۔ اس لئے کہ جب تدریس وافتاء اور تصنیف و تبلیغ کا کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان علمی مشاغل کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا کام نہیں کیا جا سکتا یہ علمی مصروفیات اس قدر ہمہ گیر تھیں کہ کسی اور کام کے لئے وقت نکالنا ممکن نہ رہا۔ یہی بات امام مالکؒ نے اپنے وسیع تجربے کی بناء پر کہی تھی کہ **العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه کلك**. یعنی علم تمھیں اپنا ذرا سا حصہ بھی اس وقت تک نہیں دے سکتا، جب تک تم اپنا سب کچھ علم کو نہ دیدو۔

آخر مجبور ہو کر ان تمام فنون کو جو ذریعہ معاش کے طور پر حاصل کئے تھے ترک کرنا پڑا۔ اور یک سوئی کے ساتھ تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف اور تبلیغی خدمات میں ہمہ تن منہمک ہو گئے حالانکہ دارالعلوم دیوبند میں مالی وسائل کی کمی کے باعث اس وقت اساتذہ کرام کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوتی تھیں قارئین یہ جان کر حیرت میں رہ جائیں گے کہ ابتداءً دارالعلوم میں آپ کو صرف پانچ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا آپ نے اسی پر قناعت فرمائی پھر رفتہ رفتہ تنخواہ میں نہایت تدریج سے اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ جب آپ ۲۶ سال کی جلیل القدر خدمات کے باوجود دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو اس وقت بھی آپ کا مشاہرہ صرف ۶۵ روپے ماہوار تھا۔ حالانکہ اس درمیان میں دوسرے مدارس سے بڑی تنخواہوں پر بلانے کی مسلسل سعی ہوتی رہی مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپیہ تنخواہ کی پیش کش بار بار کی گئی مگر چونکہ پیش نظر تنخواہ کبھی نہ تھی اس لئے دیوبند کی قلیل پر قناعت کر کے کسی دوسری جگہ جانا پسند نہ کیا۔

---

(۱) یہ سطور زیر تحریر ہی تھیں کہ دیوبند سے یہ افسوسناک اطلاع ملی کہ حکیم صاحب ممدوح آخر ۱۳۶۳ھ کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ضلع سہارنپور کے لئے اور خصوصاً باشندگان دیوبند کیلئے آپ کا وجود سراپا رحمت تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائیں۔ اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔ آمین۔

آپ کا درس

آپ نے دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی کتابوں سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور بہت جلد درجہ علیا کے استاذ ہو گئے یوں تو آپ نے تقریباً ہر علم و فن کی جماعتوں کو اپنے درس سے مشرف کیا، اور ہر جماعت میں آپ کا درس ہمیشہ بہت مقبول رہا لیکن آپ کے دو درس خصوصیت کے ساتھ بہت مشہور ہوئے، ایک درس دورہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف کا اور دوسرا عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا۔ ان کتابوں کے درس میں مختلف ممالک عالم کے صرف طلباء ہی نہیں بلکہ دور دراز فاصلوں کے علماء و اساتذہ بھی شریک ہونا باعث سعادت و فخر سمجھتے تھے۔

آپ کے تلامذہ

آپ کے بلاواسطہ شاگردوں کی تعداد کم و بیش بیس ہزار ہو گی دنیا کے اسلامی ممالک ملائشیا، انڈونیشا اور ترکی، افغانستان ایران بخارا، سمرقند وغیرہ میں آپ کے شاگرد و علمائے کرام کی بہت بڑی تعداد ہے جن میں جلیل القدر محدثین مفسرین فقہاء علمائے معقولات اور مبلغین کی بہت بڑی تعداد ہے جو اپنی اپنی جگہ پر اس وقت دین کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مشہور و مستند علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے تقریباً ۱۹۵۴ء میں حضرت مفتی صاحبؒ کے دورہ مشرقی پاکستان میں احقر کو بھی ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہوا یہ دورہ پاکستان میں اسلامی دستور کی تحریک کی ایک کڑی تھی ایک کانفرنس کے سلسلہ میں ہم ڈھاکہ میں مقیم تھے کہ حضرت مولانا اطہر علی(۱) صاحبؒ کی دعوت پر یہ قرار پایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کشور گنج بھی تشریف لے جائیں اور وہاں بھی بیان فرمائیں۔

اس اجتماع کا کوئی خاص اعلان بھی نہیں ہوا تھا شاید کسی اخبار میں اس کی مختصر سی خبر شائع ہو گئی تھی اور بس! موسم بہار کی ابر آلود صبح کو ہم ڈھاکہ سے بذریعہ ریل کشور گنج کے لئے روانہ ہوئے گاڑی جس اسٹیشن پر بھی ٹھہرتی وہاں سے لوگ بڑی تعداد میں سوار ہو جاتے بڑی تعداد وضع قطع سے طلباء کی معلوم ہوتی تھی جوں جوں کشور گنج قریب آتا گیا نئے سوار ہونے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ لوگ پائے دانوں پر لٹکے ہوئے ہیں اور آنے والے ہر اسٹیشن پر ان میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے یہ غیر معمولی ذوق سفر دیکھ کر ایک اسٹیشن پر لوگوں سے وجہ دریافت کی انہوں نے بتایا کہ آج مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تقریر کشور گنج میں ہونے والی ہے ہم لوگ وہیں جارہے ہیں گاڑی جیسے ہی کشور گنج کے اسٹیشن میں داخل ہوئی پورا پلیٹ فارم "اللہ اکبر" اور "مفتی اعظم پاکستان زندہ باد" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا بہت بڑا جلوس پہلے سے پلیٹ فارم پر موجود تھا گاڑی کے تقریباً آدھے مسافر یہاں اتر کر جلوس میں شامل

(۱) یہ بزرگ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور والد صاحب بھی حضرت کے خلیفہ تھے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ دونوں ساتھیوں نے ایک ہی تاریخ کو یعنی ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ کو اس دار فانی سے داعی اجل کو لبیک کہا اور تقریباً ایک ہی وقت دونوں عظیم رفیقوں کی تدفین ہوئی۔ بندہ محمد رضی عثمانی۔

ہوگئے اور تقریباً ساٹھ ہزار آدمیوں کا یہ جلوس سیدھا جلسہ گاہ میں پہنچا عصر کے بعد جلسہ شروع ہوا میں حضرت مفتی صاحبؒ کے قریب ہی اسٹیج پر بیٹھا تھا کہ میں نے دیکھا کچھ فاصلے پر ایک صاحب نے اپنے برابر بیٹھے ہوئے کسی آدمی سے باتیں کررہے ہیں اور کبھی بے تابی کے ساتھ حضرت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کبھی میری طرف آخر انہوں نے مجھے نہایت ہی ملتجیانہ انداز میں جلسہ گاہ سے باہر کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ "ذرا وہاں آجاؤ" میں قدرے تذبذب کے بعد وہاں چلا گیا فوراً ہی وہ بھی تین چار نوجوانوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے وضع قطع سے یہ صاحب علم دین کے معلوم ہوتے تھے نہایت گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے اور نہایت ہی پر اشتیاق لہجے میں پوچھا کہ "میں نے سنا ہے آپ حضرت صاحب کے صاحبزادے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ میں نے کہا جی ہاں؟ بس اب کیا تھا بات بات پر بچھے جاتے تھے کہنے لگے میں چالیس میل پیدل چل کر اپنے گاؤں سے یہاں پہنچا ہوں مجھے کل ایک صاحب نے خبر دی تھی کہ حضرت مفتی صاحب کشور گنج تشریف لارہے ہیں میں یہ سن کر فوراً پیدل چل پڑا میں دراصل تقریر سننے کے لئے یہاں نہیں آیا بلکہ صرف حضرت کی زیارت کرنے اور حالات معلوم کرنے آیا ہوں اس لئے جب تک تقریر ہو آپ مجھے دیوبند کے تفصیلی حالات سناتے رہیں مغرب کے فوراً بعد احقر کو حضرت مولانا یوسف صاحب بنوریؒ کے ساتھ چاٹگام روانہ ہونا تھا مغرب تک تو میں ان کے بے تابانہ سوالات کا جواب دیتا رہا اور مغرب کے بعد ان کو تشنہ چھوڑ کر چاٹگام روانہ ہو گیا۔

ڈھاکہ میں جتنے روز قیام رہا اور مشرقی پاکستان (۱) کے جس شہر میں حضرت کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا ہر جگہ ہر وقت حضرت کو تلامذہ کے جھرمٹ میں پایا تلامذہ دور دور کے گاؤں سے آکر بے تابانہ ملتے رہے یہی حال مغربی پاکستان کے ہر سفر میں نظر آیا کہ جس جگہ آپ پہنچتے ہیں خواہ وہ چھوٹا سا قصبہ ہو یا کوئی بڑا شہر ہر جگہ آپ کے شاگردوں کا مجمع ہو جاتا۔

افتاء

استاذ العلماء مفتی اعظم جناب حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی خدمت میں حضرتؒ کو مشکوٰۃ اور جلالین شریف موطا وغیرہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تھا جس زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز کیا اسی عرصہ میں گاہے گاہے آپ کے استاذ موصوف آپ کو اپنے پاس آئے ہوئے کچھ فقہی سوالات اور استفتاء دیدیا کرتے اور حضرتؒ جواب لکھ کر پیش کردیتے مگر تدریسی مشاغل کے باعث یہ سلسلہ کچھ زیادہ نہ رہ سکا۔

صدر مفتی دار العلوم دیوبند

۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ موصوف دار العلوم کی ملازمت سے مستعفی ہوئے

---

(۱) افسوس کہ مشرقی پاکستان اب پاکستان کا حصہ نہیں رہا اور بنگلہ دیش کے نام سے علیحدہ ایک ملک کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

اس کے بعد چند سال مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا انتظام جاری رہنے کے بعد ۱۳۴۹ھ میں حضرتؒ کے اساتذہ اور منتظمین دارالعلوم نے صدر مفتی دارالعلوم کے منصب جلیل پر حضرت مفتی صاحب کا تقرر فرمادیا اس بارے میں مفتی صاحبؒ ممدوح فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مقدمہ طبع ثانی میں خود تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اپنی علمی بے بضاعتی سے بے خبر تو نہ تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کے لئے علم کے جس پایہ و منزلت کی ضرورت تھی اس سے پورا واقف بھی نہ تھا تعلیمی خدمتوں کی طرح حضرات اساتذہ اور بالخصوص سیدی واستاذی حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ محدث دارالعلوم اور سیدی وسندی مرشدی حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کی امداد واعانت کے بھروسہ اس بار کو بھی سر پر اٹھالیا کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس علم تک رسائی ہوئی کہ یہ کام مجھ جیسے بے بضاعت وبے لیاقت لوگوں کا نہیں۔ ؎

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے ہائے سوبھی ایک عمر میں ہوا معلوم

ارادہ کیا کہ اس خدمت سے استعفا پیش کردوں، سیدی حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ سے اس ارادہ کا ذکر کیا تو حضرت ممدوح نے اس کی اجازت نہ دی اور کام میں پورا غور وفکر کرنے کی ہدایت کے ساتھ چند اصول بھی ارشاد فرمائے جس سے یہ کام سہل ہو جائے۔"

دوسری طرف سیدی حضرت میاں صاحبؒ مولانا اصغر حسین صاحبؒ کو منجانب دارالعلوم باضابطہ احقر کے فتاویٰ پر نظر واصلاح کرنے کے لئے مامور کردیا گیا تھا اور اہم و مشکلات الفتاویٰ میں اکثر وبیشتر سیدی حضرت حکیم الامتہ قدس سرہ سے مراجعت رہتی تھی ان اکابر کی توجہ خاص اور برکات ظاہرہ وباطنہ کے سبب اس کام میں لگا رہا۔"

(ماخوذ از مقدمہ طبع ثانی فتاویٰ دارالعلوم مطبوعہ دیوبند)

۱۳۶۲ھ تک (تقریباً تیرہ سال) آپ درس حدیث کے علاوہ صدر مفتی دارالعلوم کے اس اہم منصب پر بھی فائز رہے۔ ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں مغربی پاکستان کے مدارس عربیہ کا ایک جائزہ ضخیم کتابی شکل میں شائع ہوا ہے جس میں مدارس عربیہ کی تاریخ اور اعداد وشمار ذکر کئے گئے ہیں حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمات فتاویٰ کے بارے میں اس کا ایک اقتباس قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا وہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔"

" حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی وقیع تصانیف[۱] متعدد ہیں آپ کے دارالعلوم دیوبند والے اہم منتخب فتوؤں کی ۸ جلدیں (بنام فتاویٰ دارالعلوم وامداد المفتین) طبع ہو چکی ہیں ابھی آپ کے فتوؤں کے پندرہ مستقل رجسٹرڈ دارالعلوم دیوبند میں غیر مطبوعہ باقی ہیں مطبوعہ مجلدات صرف ایک رجسٹر کا کچھ حصہ ہیں۔"

(ص ۲۹۳ جائزہ مدارس عربیہ)

۸۔ جلدیں عزیز الفتاویٰ کو شامل کر کے ہوتی ہیں ورنہ امداد المفتین جو صرف حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ پر مشتمل ہے اس کی چار جلدیں ہیں جو اس وقت قارئین کے زیر مطالعہ ہے۔

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ کی تصانیف سوا سو سے زائد ہیں جن میں سے اکثر طبع ہو چکیں اور بعض غیر مطبوع ہیں۔

بہر حال اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کے فتاوی کی جو چار ضخیم جلدیں شائع ہوئی ہیں وہ بارہ سال کے مجموعی فتاوی کا پندرھواں حصہ بھی نہیں اگر وہ سب فتاوی شائع کئے جائیں جو آپ نے اس تیرہ سالہ دور میں تحریر فرمائے تو وہ ساٹھ ضخیم جلدوں میں سما سکیں گے اور جو فتاوی اس زمانہ میں بھی درج رجسٹر نہیں ہوئے (جن کی تعداد بہت ہے) وہ ان کے علاوہ ہیں یہ سب اعداد و شمار تو صرف ان فتاوی کے ہیں جو آپ نے صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کی حیثیت سے تحریر فرمائے ہیں پھر اس کے بعد ۱۳۶۲ھ میں جب آپ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے تو عوام و خواص کے بکثرت رجوع کے باعث اور حضرت تھانویؒ کی ہدایت کی بناء پر افتاء کا سلسلہ اب بھی برابر جاری رہا تحریری بھی اور زبانی بھی۔

افسوس ہے کہ ۱۳۶۲ھ سے ۱۳۷۱ھ تک (نوسال[1] کے عرصہ میں) جو فتاوی جاری کئے گئے ان کی نقل رجسٹروں میں باقاعدہ محفوظ نہ کی جاسکی نہ ان کی صحیح تعداد کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کاش اس گراں قدر علمی سرمایہ کی حفاظت کا اس وقت کچھ انتظام ہو جاتا تو آج وہ علمی نوادر طبع ہو کر علماء و عوام کے سامنے آسکتے۔

وطن مالوف سے ہجرت پاکستان کے کافی عرصہ کے بعد ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم کراچی کے شعبہ دارالافتاء میں خوش نصیبی سے دوبارہ آپ کے فتاوی کے نقول محفوظ رکھنے کا انتظام ہو گیا اور بحمد اللہ آج تک یہ انتظام موجود ہے اس لئے "جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان" کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

"دارالعلوم کراچی کے صدر خود شیخ الجامعہ (حضرت مفتی صاحبؒ ہیں۔آپ مدت العمر دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے آپ نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے ساتھ بھی کچھ عرصہ افتاء کا کام کیا آپ اپنے دارالعلوم کراچی کے منتہی طلبہ کو باقاعدہ افتاء کی عملی تربیت دیتے ہیں آپ کے مفتی مولانا صابر علی صاحب فاضل امروہہ خلیفہ، مجاز حضرت تھانوی مرحوم ہیں۔

۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۹ء آٹھ سال کی مدت میں دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے (حضرت مفتی صاحبؒ کے قلم سے) ستر ہزار نو سو بارہ فتوے جاری ہوئے ان کے علاوہ مجلسی فیصلوں اور زبانی فتووں کی تعداد بے شمار ہے اکثر ضرورت مند اور اہل تنازعہ خود حاضر ہو کر اپنے مقدمات اور مسائل کے فیصلے کراتے ہیں۔

دارالعلوم (کراچی) سے پاکستان کے علاوہ ہندوستان، اسکاٹ لینڈ، فلپائن، امریکہ، کویت، حجاز، ایران، افغانستان، برما، سنگاپور، افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ بھی فتوے جاتے ہیں (ص ۲۹۵)۔

مذکورہ بالا اعداد و شمار پاکستان تشریف لانے کے بعد بھی صرف ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۹ء تک کے ہیں اس سے پہلے نو سال اور بعد کے اب تک چار سال کے فتاوی ان کے علاوہ ہیں جن کا نہ تھمنے والا سلسلہ تحریر کے علاوہ زبانی اور ٹیلی فون پر صبح و شام ہر وقت جاری ہے۔

سخت بیماری کی حالت میں اور عین آرام کے وقت حتی کہ رات کے ایک دو بجے بھی اگر کوئی اہل

---

(۱) یہ مدت دارالعلوم دیوبند سے استعفاء اور دارالعلوم کراچی میں دارالافتاء کے باقاعدہ قیام کی درمیانی مدت ہے۔

حاجت آجائے تو آپ دوسرے وقت پر نہیں ٹالتے، سفر کی حالت میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے آپ کو ہر وقت لکھتے رہنے کی خوب مشق ہے تیز رفتار ریل گاڑیوں میں خواہ وہ کتنی ہی تیز رفتاری سے دوڑ رہی ہو آپ فتاوی کی جوابی ڈاک بے تکلف تحریر فرماتے ہیں بڑے بڑے سفر اسی مشغلہ میں طے ہو جاتے ہیں۔

بیعت سلوک

سب سے پہلے آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی یہ وہ وقت تھا جب کہ حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۹ء میں انگریزوں کی قید مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند تشریف لائے حضرت مفتی صاحب زمانہ طالب علمی سے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں حاضری کا شرف رکھتے تھے حضرت بھی نہایت شفقت فرماتے تھے اسارت مالٹا سے پہلے دور مضان پورے حضرت شیخ الہند کے ساتھ تمام تراویح میں شرکت کی سعادت بھی حاصل تھی مگر اس وقت طالب علمی کی وجہ سے حضرت نے بیعت کرنا پسند نہ فرمایا تھا، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ مدرس تھے اس وقت بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں آپ نے حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی خدمت اقدس میں رہنا شروع کیا اور کافی عرصہ کے بعد ان کے دست مبارک پر تجدید بیعت کی ۱۳۶۲ھ تک سترہ سال مسلسل تھانہ بھون حاضری ہوتی رہی کئی کئی مہینہ مسلسل آپ کا قیام تھانہ بھون کی خانقاہ میں رہتا دارالعلوم دیوبند میں تدریس و افتاء کے ہمہ وقتی مشاغل کے باعث آپ کا مستقل قیام اگرچہ دیوبند میں تھا لیکن آپ کو جیسے ہی موقع ملتا، یا حضرت تھانویؒ یاد فرماتے آپ فوراً تھانہ بھون حاضر ہو جاتے اس کے علاوہ رمضان کی پوری تعطیلات اکثر مع اہل وعیال تھانہ بھون میں ہی گزرتیں۔ ۱۳۴۹ھ میں حضرت حکیم الامتہ تھانویؒ نے آپ کو اپنا مجاز بیعت و خلیفہ قرار دیا حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں آپ کا درجہ متعدد خصوصیات کا حامل ہے آخر عمر میں حضرتؒ نے اپنے خلفاء میں سے چند ناموں کا انتخاب کر کے ایک پرچہ طبع کرالیا تھا اور جو حضرات سلسلہ میں داخل ہونے کی درخواست کرتے تھے ان کو یہ پرچہ بھیج دیا تھا کہ اب مجھے طاقت و فرصت نہیں، ان حضرات سے رجوع کریں اس پرچہ میں حضرت مفتی صاحب رحمہ ، کا نام بھی شامل تھا۔

خانقاہ تھانہ بھون میں آپ کی خصوصیت

حضرت تھانویؒ کو اللہ جل شانہ نے حکیم الامتہ بنایا تھا آپ اپنے مریدین اور خلفاء کی استعداد کا جائزہ لیکر ہر ایک کو اس کے مناسب ریاضت یا دوسرے دینی امور تفویض فرمایا کرتے تھے حضرت مفتی صاحبؒ نے بچپن ہی سے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ سراسر دیانت و تقوی کا بے نظیر ماحول تھا جس کا اثر آپ کی پوری زندگی کے ہر پہلو پر شروع ہی سے نمایاں تھا طبعیت سلیم پائی تھی اس لئے حکیم وقت حضرت تھانویؒ نے آپ کو اوراد و ظائف اور ریاضت و مجاہدہ میں زیادہ لگانے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی بلکہ آپ کی

دینی فراست ٹھوس علمی استعداد اور منجھے ہوئے خالص علمی ذوق کے پیش نظر آپ کو اکثر وبیشتر تصنیف و تالیف کی تحقیقات اور فتوٰی وغیرہ کا کام سپرد فرمایا اسی لئے خود حضرتؒ کی تصانیف، فتاویٰ اور دوسری علمی تحقیقات میں ہاتھ بٹانے کا حضرت مفتی صاحب ممدوح کو خوب موقع ملا حضرت تھانویؒ ہر مشورہ طلب تحقیقی کام میں آپ سے مشورہ لیتے کبھی تھانہ بھون بلا کر، کبھی خط و کتابت کے ذریعہ، اس دور کی تمام علمی تحقیقات میں آپ حضرت کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ شریک رہے بارہا ایسا ہوتا کہ حضرت تھانویؒ کسی تصنیف کی ضرورت محسوس فرماتے لیکن مشاغل یا ضعف کے باعث خود یہ کام نہ فرما سکتے تو یہ کام حضرت مفتی صاحبؒ کے سپرد کر دیا جاتا۔ چنانچہ آپ کی متعدد وقیع تصانیف اس طرح معرض وجود میں آئیں مثلاً حیلئہ ناجزہ جو عورتوں کی ازدواجی الجھنوں کے بہترین حل کے طور پر اردو میں آپ نے تصنیف فرمائی اور احکام القرآن جو عربی زبان میں علوم کا بیش بہا ذخیرہ ہے حضرتؒ نے آپ کو اس کے لئے بلا کر تھانہ بھون میں رکھا اور اپنی نگرانی میں اس کا کام کرادیا ان دونوں تصانیف کا ذکر ہم آخر میں قدرے تفصیل سے کریں گے۔

اگر چہ حضرت تھانویؒ کے تمام ہی خلفاء علم و عمل، اور دیانت و تقوٰی اور اصلاح وارشاد کے درخشاں آفتاب ہیں، لیکن یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اپنے پیر و مرشد کے علمی مزاج کو سب سے زیادہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنایا تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت کو فتاویٰ کے بارے میں سب سے زیادہ اعتماد حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی تحقیقات پر ہوتا تھا بارہا کسی علمی تحقیق پر اپنے کئی خلفاء کو مامور فرمایا کہ ہر ایک اپنی اپنی تحریر پیش کرے حضرت مفتی صاحب بھی ان میں شامل ہوئے اور اکثر وبیشتر آپ کی ہی تحریر کو پیر و مرشد سب سے زیادہ پسند فرما کر دعائیں دیتے حضرت تھانویؒ کو آپ کے فتاویٰ پر کس قدر اعتماد تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ کئی بار حضرت تھانویؒ نے اپنے ذاتی معاملات حضرت مفتی صاحب ممدوح سے فتوٰی طلب کر کے اس پر عمل فرمایا ایک مرتبہ اپنی کسی ذاتی معاملہ میں حضرت تھانویؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ سے استفتاء فرمایا مفتی صاحبؒ نے جواب بھیجا تو حضرت تھانویؒ نے آپ کو خط میں لکھا کہ، آپ کا فتویٰ ملا اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے پڑھ کر دو خوشیاں ہوئیں، ایک تو اس کی کہ علم حاصل ہوا۔ دوسری اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔

ماہنامہ المفتی

دارالعلوم دیوبند میں تدریس افتاء کے ساتھ آپ نے اپنے ذاتی مصارف و انتظام سے ایک علمی ماہنامہ بنام المفتی بھی ۱۳۵۳ھ میں جاری فرمایا جس میں دیگر اکابر علماء دیوبند کے علاوہ حضرتؒ کے فقہی، تاریخی، اصلاحی اور سیاسی مضامین کا بھی نہایت گراں قدر علمی سرمایہ شائع ہوا اس میں اردو، فارسی اور عربی مختلف قسم کے مضامین بھی ہوتے کبھی نظم کی صورت میں کبھی نثر کی صورت میں یہ دلچسپ و مفید ماہنامہ آٹھ سال تک نہایت کامیابی سے جاری رہا اور علمی طبقہ میں بہت مقبول ہوا آٹھ سال کے ان تمام پرچوں میں حضرتؒ کے جتنے اردو کے متفرق مضامین، اور نظمیں شائع ہوئی تھیں بحمد اللہ وہ تمام بلکہ کچھ اضافوں کے

ساتھ اب ایک کتابی صورت میں کشکول کے نام سے شائع ہو گئے ہیں۔ یہ کتاب واقعی کشکول ہے، اس میں پہلا حصہ نثر کا اور دوسرا نظم کا ہے، نثر میں کہیں تاریخ کے دلچسپ عبرت ناک واقعات ہیں کہیں لطائف، کہیں خالص علمی تحقیقات، کہیں بزرگوں کے ایمان افروز ملفوظات اس کا ہر مضمون دوسرے مضمون سے بالکل الگ ہے قاری جہاں سے بھی کھول کر پڑھنا شروع کر دے محظوظ و مستفید ہوتا ہے حصہ نظم میں قصیدے مرثیے، قطعات، غزلیں غرض سب کچھ ہے یہ حصہ دیکھ کر قاری کو پہلی بار پتہ چلا کہ حضرتؒ نے شعر و سخن کا بھی کتنا منجھا ہوا ستھرا ذوق پایا ہے۔

بیرونی ممالک اور حج بیت اللہ کا سفر

۱۳۴۶ھ میں آپ نے سب سے پہلا حج کیا اس مبارک سفر میں آپ کے بچپن کے دوست حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی آپ کے ساتھ تھے ان کا بھی یہ پہلا حج تھا، پھر کراچی سے ۱۳۷۰ھ میں اپنی اہلیہ محترمہ اور دو صاحبزادگان کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے پھر تیسری بار ۱۳۷۱ھ میں حاضری کا موقع ملا۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں مؤتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے ملک شام، دمشق، اردن، لبنان، اور فلسطین جانے کا اتفاق ہوا تو واپسی میں چوتھی بار حج کے لئے حاضری ہوئی پھر ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں پانچویں بار(۱) حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اس کے علاوہ صرف عمرہ کے لئے بھی کئی بار کراچی سے مستقل سفر فرمایا عمرہ کے لئے آخری سفر ۱۹۷۰ء میں ہوا۔

سیاسیات میں فکری و عملی حصہ

آپ طبعاً ہنگاموں، جلسوں اور جلوسوں سے الگ رہنا پسند فرماتے ہیں، لیکن جب بھی اسلام اور مسلمانوں کی کوئی ضرورت اجتماعات اور سیاست میں علمی حصہ لینے کا تقاضا کرتی ہے آپ ان امور میں بھی پوری سرگرمی سے بقدر ضرورت شریک ہوتے ہیں پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں جب مجاہدین بلقان ہر طرف سے کفر والحاد کے نرغہ میں تھے اس کی نزاکت اکابر علمائے دیوبند نے بھی پوری شدت سے محسوس کی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے اپنے تلامذہ اور مریدین کے ذریعہ مجاہدین بلقان کے لئے چندہ جمع کرنے کی مہم شروع فرمائی۔ یہ وقت حضرت مفتی صاحبؒ کی نوعمری اور طالب علمی کا تھا آپ نے اس پر خلوص مہم میں نہایت سرگرمی سے رضاکارانہ حصہ لیا سخت بارش کے زمانہ میں پیدل گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع فرمایا۔

قیام پاکستان کے لئے سرگرم جدوجہد

جس زمانہ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور تدریس کے منصب جلیل پر فائز تھے اسی زمانہ میں مسلم

---

(۱) اس مبارک سفر میں احقر محمد رضی عثمانی اور احقر کی والدہ ماجدہ بھی حضرت کے ساتھ تھے اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں بھی حضرت نے حج فرمایا اور اسمیں بھی احقر محمد رضی اور والدہ صاحبہ کو حضرتؒ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ فقط ناشر

لیگ نے کانگریس کے علی الرغم مسلمانان ہندوستان کے لئے ایک الگ آزاد و خود مختار وطن پاکستان کا مطالبہ کیا اس موقعہ پر دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء اپنی آراء کی بناء پر دو مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے ایک گروہ جمعیۃ علمائے ہند کے سر کردہ زعماء کا تھا جو کانگریس کے ہم آواز ہو کر متحدہ قومیت کا حامی اور تقسیم ہند کے سخت خلاف تھا اور مطالبہ پاکستان کو کسی طرح صحیح نہیں سمجھتا تھا دوسرا گروہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مفتی صاحبؒ اور چند دوسرے علمائے کرام پر مشتمل تھا جو حکیم الامتؒ کی رائے کے مطابق مسلمانان ہندوستان کی نجات کی واحد صورت قیام پاکستان کو سمجھتے تھے اور جس طرح کا اشتراک جمعیۃ علمائے ہند کانگریس کے ساتھ کر رہی تھی اسے مسلمانوں کے لئے سیاسی اعتبار سے تباہ کن ہونے کے علاوہ شرعی حیثیت سے بھی قطعاً ناجائز سمجھتے تھے۔

شروع شروع میں یہ اختلاف آپس کے تبادلہ خیالات، علمی مباحثوں، اور دارالعلوم کی چار دیواری تک محدود رہا لیکن پاکستان کے لئے جو الیکشن ہونے والا تھا جوں جوں وہ قریب آرہا تھا مخالفین کا یہ پروپیگنڈہ زور پکڑتا جارہا تھا کہ "مسلم لیگ بے دین امراء کی نمائندہ" ہے اسے علماء کی تائید حاصل نہیں ادھر ارباب لیگ بری طرح محسوس کر رہے تھے کہ جب تک ہر محاذ پر علماء ان کے شانہ بشانہ کام نہ کریں الیکشن میں کامیابی ممکن نہیں۔

تحریک پاکستان کی خاطر دارالعلوم دیوبند سے استعفا

اب وقت آگیا تھا کہ مسئلہ کا صحیح پہلو کھل کر عوام کے سامنے آجائے، اور حضرت مفتی صاحبؒ وغیرہ پاکستان کا مطالبہ سیاسی و شرعی حیثیت سے جیسا کہ حق بجانب بروقت اور ضروری سمجھتے تھے، اس کا صرف اظہار ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کی آواز پوری قوت سے کھول کر پہنچادی جائے دارالعلوم دیوبند میں رہتے ہوئے اس اختلاف کا مسلسل اظہار نظم دارالعلوم کے لئے مناسب نہیں تھا اس لئے حضرت تھانویؒ کے مشورہ واجازت سے آخر دارالعلوم سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ ان حضرات کے لئے جس قدر صبر آزما تھا اس کا اندازہ ہر ایک نہیں کر سکتا ان حضرات نے اپنے بچپن جوانی اور بڑھاپے تک کے تمام شب وروز اسی چہار دیواری میں گزارے تھے زندگی کی ولولہ انگیز توانائیاں اس کی تعمیر میں صرف کی تھیں ان حضرات کے لئے یہ صرف ایک درسگاہ نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی امیدوں کا مرکز تھا ان کا وطن بھی صرف دارالعلوم تھا اور آغوش مادر بھی یہی تھی لیکن ملک وملت کی خاطر اس آغوش مادر کو خیرباد کہنا ناگزیر ہو گیا تھا بالآخر ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کا وہ دن آپہنچا جب شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی معیت میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی، حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت مفتی صاحب کے برادر عم زاد حضرت مولانا ظہور احمد صاحبؒ اور جناب خلیفہ محمد عاقل صاحبؒ اور دیگر دو علمائے کرام دارالعلوم کی خدمات سے استعفاء دیکر الگ ہو گئے۔

حضرت تھانویؒ جناب مفتی صاحبؒ کے علم و فضل کی بڑی قدر فرماتے تھے جب دارالعلوم سے

مستعفی ہو کر آپ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو آپ کو دیکھ کر حضرت تھانویؒ نے دیوان حماسہ کا ایک مصرعہ کچھ تصرف کر کے اس طرح پڑھا۔

اضاعوہ ای فتیً اضاعوا (یعنی لوگوں نے تجھے اپنے ہاتھ سے کھودیا اور وہ کیسے عظیم انسان کو کھو بیٹھے)

جمعیت علمائے اسلام کا قیام، اور قیام پاکستان کی شب و روز جدوجہد

دارالعلوم سے الگ ہو جانے کے بعد ان حضرات نے نومبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیۃ علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی جس کے مقاصد میں سر فہرست قیام پاکستان کے لئے موثر جدوجہد کرنا تھا اور جمعیۃ علمائے ہند کے اثرات سے جو اکثر مسلمان مطالبہ پاکستان سے منحرف تھے یا جو تردد کی حالت میں کھڑے تھے انہیں قیام پاکستان کی مجاہدانہ جدوجہد میں شریک کرنا تھا اس جمعیۃ کے سب سے پہلے صدر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ چنے گئے حضرت مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے حضرت مفتی صاحب کو اس جمعیت میں شرکت کی دعوت دی۔ تو ابتداءً حضرت مفتی صاحب نے یہ جواب دیا کہ ہنوز میرا اس پر شرح صدر نہیں خوف یہ ہے کہ علماء کا اپنا علمی وقار دوسروں ہی کا دست نگر ہو کر رہ جائے اپنی اسی رائے کی بناء پر تحریک پاکستان کی مکمل حمایت کے باوجود ایک عرصہ تک اس جمعیت کے بھی رکن نہیں بنے۔

مگر تحریک پاکستان کی روز افزوں ضرورت نے بالآخر اس یک سوئی پر قائم نہ رہنے دیا جمعیت کے اجلاس کانپور میں پہلی مرتبہ باقاعدہ جمعیت کے ممبر اور اسی کے ساتھ عاملہ کے رکن منتخب ہوئے بالآخر حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کی مجلس عاملہ کی باقاعدہ رکنیت اختیار فرمائی اور سرگرمی سے اس کے مقاصد کے حصول میں حصہ لیا۔

کانگریسی نظریہ کی تردید اور پاکستان کی حمایت میں تصانیف

اس مسئلہ میں عام فتاویٰ اور چھوٹے چھوٹے بے شمار مضامین کے علاوہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ایک مستقل کتاب، "کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ" تصنیف فرمائی جس میں مطالبہ پاکستان کے سیاسی مصالح کے علاوہ خاص طور سے آپ نے اس شرعی حیثیت کو نہایت تفصیل سے واضح کیا اس موضوع پر یہ پہلی علمی کتاب تھی جس میں غیر مسلموں سے مسلمانوں کی موالات، مصالحت اور استعانت کی تمام صورتوں کے علیحدہ علیحدہ شرعی احکام اتنی خوبی اور تفصیل کے ساتھ جمع کئے گئے دلائل میں حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی عادت کے مطابق قرآن و سنت اور فقہی عبارات کے نہایت معتمد شواہد پیش کئے ہیں اور عقل سیاست اور شریعت کے ہر پہلو سے یہ ثابت کر دیا کہ موجودہ حالات میں کانگریس کی حمایت دراصل کفر کی حمایت ہے اور اس میں حصہ لینا قرآن و سنت کی رو سے صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ ناجائز ہے مذکورہ تصنیف کے علاوہ آپ نے اس مسئلہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کے دس رسائل اور متفرق مضامین، ملفوظات و مکتوبات کا ایک مجموعہ مرتب کر کے کتابی شکل میں شائع فرمایا جس کا نام "افادات اشرفیہ در مسائل

سیاسیہ" رکھا یہ مجموعہ بھی اس موضوع پر بہت موثر ثابت ہوا۔

بروقت ایک اہم فتویٰ

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستان کی قسمت کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے ضلع سہارنپور اور مظفر نگر وغیرہ کے حلقہ انتخاب سے کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی جانب سے قائد ملت خان لیاقت علی خان مرحوم کھڑے ہوئے تھے اس حلقہ میں جمعیۃ علمائے ہند کا سب سے زیادہ اثر تھا اس لئے مسلم لیگ کی کامیابی سب کو ہی مشکل نظر آرہی تھی اس موقع پر اگر حضرت مفتی صاحبؒ کا فتوی بروقت شائع نہ ہوتا تو مسلم لیگ کی شکست بالکل یقینی تھی حضرت مفتی صاحبؒ کے فتوی نے انتخابات کی فضا کو یک سر بدل دیا مسلم لیگ کی شکست جو یقینی طور پر نظر آرہی تھی فتح میں تبدیل ہوگئی فتوی بڑے بڑے پوسٹروں کی شکل میں پورے حلقہ انتخاب میں چسپاں کر دیا گیا اور یہ عنوان جلی حروف میں تحریر تھا۔ "کانگریس کی حمایت کفر کی حمایت ہے"

جناب خواجہ آشکار حسین صاحب جو مسلم لیگ کی ہائی کمان کی جانب سے اس حلقہ کا جائزہ لینے پر مامور ہوئے تھے انہوں نے یہ واقعہ قدرے تفصیل سے ماہنامہ نقاد کراچی مورخہ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں تحریر فرمایا ہے، اس کے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

"سب سے سخت مقابلہ خود لیاقت علی خان کے حلقہ انتخاب میں تھا" آگے فرماتے ہیں کہ "ہم سہارنپور پہنچے وہاں حامیان لیگ نے کہا کہ یہاں مفتی محمد شفیع کے فتوے کے بغیر کام نہیں چلے گا میں نے دیوبند جاکر موصوف کا فتوی بھی حاصل کیا اور سہارنپور پہنچ کر اس کی طباعت کے انتظامات کرائے ۲۷ نومبر کو پولنگ ہونے والا تھا ۲۴ نومبر کو لیاقت علی صاحب سہارنپور پہنچے فاضل مضمون نگار تفصیل بتاتے ہوئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

"میں فوراً ڈاک بنگلہ پہنچا لیاقت علی صاحب بڑے جوش سے بغل گیر ہوئے اور فتوے کی کامیابی پر مبارک باد دی میں نے فوراً مفتی صاحب کا فتویٰ پیش کر دیا دیکھ کر اچھل پڑے پھر حالات کے متعلق استفسار کرنے لگے"

(ماہنامہ نقاد کراچی اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۶۷)

ریفرنڈم کے موقع پر سابق صوبہ سرحد کا تاریخی دورہ

یوں تو قیام پاکستان کی جدوجہد میں آپ نے پورے ہندوستان کے طول و عرض کے متعدد دورے کئے اور جگہ جگہ تقریروں کے ذریعہ فضاء کو ہموار کیا آپ کا علاقہ مدراس و دکن کا دورہ اس معاملہ میں بڑا کامیاب دورہ تھا خصوصیت سے آپ نے ریفرنڈم کے نازک موقع پر پورے صوبہ سرحد کا جو دورہ اپنے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی معیت میں کیا وہ ایک تاریخی اور انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔

صوبہ سرحد میں جب ریفرنڈم کا وقت قریب آیا تو کانگریسی لیڈروں، سرحدی گاندھی اور جمعیۃ علمائے ہند کے زعماء نے اپنی پوری قوتیں صوبہ سرحد پر مرکوز کردیں اور لگاتار دورے کر کے پختونستان کا ایک نیا نعرہ بلند کرادیا اور وہاں کی فضا اس حد تک پاکستان کے خلاف کردی کہ وہاں کے عوام مسلم لیگ اور پاکستان کو انگریزوں کا ایک جال سمجھنے لگے۔

اس خطرناک اثر کو زائل کرنے کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی معیت میں آپ نے پورے صوبے میں سخت گرمی کے زمانہ میں گاؤں گاؤں کا دورہ فرمایا اور پیر صاحب مانکی شریفؒ اور پیر صاحب ذکوری شریف نے اس دورے کا انتظام کیا اور خود بھی ان حضرات کے ساتھ مجاہدانہ سرگرمی سے شریک رہے اس دورہ کا حیرت ناک اثر مرتب ہوا اور پوری فضاء پاکستان کے حق میں ہوگئی جس کا خوشگوار نتیجہ ریفرنڈم میں پاکستان کی شاندار کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا سیاسی مبصرین کی قطعی رائے یہ ہے کہ اگر اس نازک وقت میں شیخ الاسلام جناب علامہ عثمانی اور حضرت مفتی صاحبؒ سرحد کا دورہ نہ فرماتے اور پیر مانکی شریف پیر زکوڑی شریف کے اپنے اثرات پوری طرح کام نہ کرتے تو ریفرنڈم میں مطالبہ پاکستان کی کامیابی ناممکن تھی اور ریفرنڈم میں ناکامی کا مطلب یہ ہوتا کہ پاکستان کا وجود ایک خواب پریشاں بن جاتا۔

تقسیم سے قبل دورہ سندھ

یکم ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء میں جمعیۃ علمائے اسلام کی ایک عظیم الشان کانفرنس حیدر آباد سندھ میں منعقد ہوئی اس کی صدارت کے لئے شیخ الاسلام مولانا عثمانی کی تجویز تھی مگر بروقت ان کی شدید علالت کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی تو مولانا موصوف نے حضرت مفتی صاحبؒ کو اس کانفرنس کی صدارت کے لئے تجویز فرما کر سندھ روانہ کیا۔

آپ یہاں دیوبند سے تشریف لائے یہاں کے علماء و عوام کے عظیم الشان تاریخی اجتماع کے سامنے آپ نے جو خطبہ صدارت پڑھا وہ ایمان افروز اور ولولہ انگیز ہونے کے علاوہ سیاست کے اسلامی اصولوں کا بے نظیر مرقع ہے، اس میں آپ نے سیاسی قیادت کے شرعی اصول اور امیر غیر صالح کی اطاعت کے حدود پر سیر حاصل بحث فرمانے کے بعد معترضین کے جوابات، اور علماء و عوام کے فرائض دل نشین انداز میں بیان فرمائے جو بہت موثر ہوئے یہ خطبہ صدارت اس زمانہ میں ہزارہا کی تعداد میں طبع ہوا لیکن پاکستان بن جانے کے بعد اس کی دوبارہ اشاعت نہ ہو سکی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

کانگریسی خیال رکھنے والے مسلمان جو گاندھی جی، پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کی قیادت کو شرعاً جائز قرار دے رہے تھے ان کا ایک بڑا اعتراض مسلم لیگ پر یہ تھا کہ اس کے لیڈر نو تعلیم یافتہ علم دین سے بے بہرہ اور اسلامی شعائر سے بے پردہ ہیں، اسی لئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کی حمایت کرنا

چاہئے۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے خطبۂ صدارت میں اس اعتراض کا جواب قرآن و سنت کی روشنی میں نہایت بسط کے ساتھ دیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کا ایک مختصر اقتباس یہاں ذکر کر دیا جائے۔

مسئلہ قیادت

اس جگہ سب سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی جماعت یا انجمن کا صدر و قائد ہونا اور چیز ہے اور امارت شرعیہ اور چیز ہے۔ بہت سے شبہات صرف یہاں سے پیدا ہوتے ہیں کہ ایک جماعت کے قائد کو اصطلاحی شرعی امیر قرار دیکر اس کے احکام اس پر جاری کئے جاتے ہیں اور اس کے تمام شرائط و صفات اس میں ڈھونڈے جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے مسٹر محمد علی جناح کو موجودہ جنگ آزادی کا ایک ماہر فن جرنیل ہونے کی حیثیت سے قائداعظم قرار دیا ہے نہ اس حیثیت سے کہ وہ کوئی مفتی ہیں ان سے حلال و حرام کے احکام میں فتویٰ لیا جائیگا یا اس حیثیت سے کہ وہ کوئی شیخ مرشد ہیں، ان سے اصلاح اعمال کا کام لیا جائیگا میرے خیال میں شاید ایک مسلمان بھی یہ خیال لیکر ان کو قائد نہیں کہتا ان کی قیادت ہندوستان کی مسلم جمہوریت نے صرف اس لئے تسلیم کی ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اور انگریز اس وقت خواہ بین الاقوامی مقتضیات سے یا اندرونی چیخ و پکار سے متاثر ہو کر جس قسم کی بھی آزادی ہندوستان کو دینا چاہتا ہے ہندو اپنی عددی اکثریت، مستحکم تنظیم اور بے حد و شمار سرمایہ کی بل بوتہ پر اس کا تنہا مالک بننا چاہتا ہے اس کا کھلا ہوا منصوبہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مستقل قوم اور ہندوستان کی عام اقلیتوں کو اپنا غلام بنائے رکھے اس کے لئے اس وقت جنگ جاری ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جنگ توپ تفنگ کی نہیں محض آئین اور قانون کی ہے۔

اور ادھر باتفاق موافق و مخالف یہ امر مسلم ہے کہ اس جنگ کے لئے مسٹر محمد علی جناح سے بہتر جرنیل نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں نہیں بلکہ کسی دوسری قوم میں بھی نہیں کس قدر بد نصیبی ہے اس قوم کی جو اپنے اندر ایسا جرنیل رکھتے ہوئے اس کو میدان عمل میں بڑھانے یا اس کے جھنڈے کے نیچے جنگ آزادی لڑنے میں اس لئے تامل کرے کہ وہ اپنے جرنیل میں تقویٰ و طہارت کے خاص اوصاف نہیں پاتی۔ ریل، موٹر، جہاز کا ڈرائیور اور کپتان مقرر کرنے کے وقت بڑے سے بڑا متقی دیندار اور دانشمند صرف اس کا اطمینان کر لینا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ ڈرائیوری کے فن میں ماہر اور مکمل ہے یا نہیں اس میں اعتماد ہو جانے کے بعد اس کے ذاتی اعمال و افعال کا اچھا ہونا نہ عقلاً اس کی گاڑی میں سوار ہونے سے مانع ہو سکتا ہے نہ شرعاً۔

اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کاموں کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں تو اس سے گاندھی اور نہرو کی قیادت کا جواز بھی نکل آیا کیونکہ ہندوؤں کی مسلم دشمنی کے مشاہدہ ہو جانے کے بعد ان کی مثال اس ڈرائیور کی سی ہے جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے خون کا پیاسا ہے اس نے موقع پایا تو ہلاک کئے بغیر نہ چھوڑے گا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اس گاڑی میں سوار ہو کر اپنی جان اس کے سپرد کر دینا نہ عقلاً

جائز ہو سکتا ہے نہ شرعاً۔

اس میں شبہ نہیں کہ تقوی و طہارت اسلام کا مقصود اعظم ہیں اور مسلمانوں کے ہر کام کو چلانے والے اگر متقی پارسا آدمی میسر آجائیں تو بلاشبہ سعادت کبریٰ اور موجب برکات ہے لیکن جو کام لینا ہے اس کا ماہر اگر کوئی متقی موجود نہ ہو یا وہ کام کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو یا اس کو اسباب میسر نہ ہوں تو غیر متقی ماہر فن سے وہ کام لے لینا آج اس شر القرون اور فسق و فجور کے زمانہ میں نہیں بلکہ خیر القرون میں بھی جرم نہیں سمجھا گیا۔

شرعی دلائل

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "السیاسۃ الشرعیہ" میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (جو جلیل القدر تابعی اور حضرت عمر فاروقؓ کے نقش قدم پر امور خلافت کو انجام دینے کے سبب عمرؒ ثانی کہلاتے تھے) آپ کے کسی صوبہ دار حاکم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ میں ایک فوج عہدہ کسی شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور دو آدمی میری نظر میں ہیں ایک تو نہایت قوی اور فنون حرب سے واقف ہے مگر متقی پابند شرع نہیں اور دوسرا نہایت متقی پارسا ہے مگر قوی ماہر فن سے نہیں آپ فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں میں سے کس کو یہ منصب سپرد کروں؟ آپ نے جواب دیا کہ۔

قوی کی قوت تو مسلمانوں کے کام آوے گی اور اس کے برے اعمال کی خرابی اس کی ذات کو پہنچے گی اور متقی کا تقوی اس کی ذات کے لئے ہو گا اور اس کے ضعف یا ناواقفیت سے جو نقصان ہو گا وہ سب مسلمانوں کو بھگتنا پڑے گا اس لئے اس کام کے واسطے قوی غیر متقی کا انتخاب کرنا چاہیئے۔

اقتباس کافی طویل ہو گیا، اس لئے اسے ہم یہیں چھوڑتے ہیں آگے مفتی صاحبؒ نے قرآن و سنت اور تاریخ کے جو ٹھوس دلائل اس مسئلہ پر ذکر کئے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

قائد اعظم سے چند ملاقاتیں[1]

اگرچہ مذکورہ بالا دوسرے بے شمار ٹھوس دلائل کی بناء پر حضرتؒ وغیرہ اکابر علمائے دیوبند مسلم لیگ اور اس کے زعماء کی پوری شدومد سے کھل کر حمایت کرتے رہے لیکن زعمائے مسلم لیگ میں دین سے عام بے رغبتی اور مغربیت کے رجحان سے ہر مسلمان کے دل میں خلجان ہوتا تھا علمائے کرام کی خواہش یہ تھی کہ زعمائے لیگ اسلامی شعائر کی پابندی اور تقوی و طہارت کے اوصاف سے بھی آراستہ ہوں، علماء کی جانب سے اس سلسلہ میں بھی ہر ممکن سعی کی گئی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جو ان علماء کے سرپرست تھے آپ نے قائد اعظم اور دوسرے زعماء مسلم لیگ کو متعدد وفود ان کے پاس بھیجے اسی سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے قائد اعظم سے دو مرتبہ ملاقات فرمائی۔

---

(۱) قائد اعظم سے ملاقاتوں کا علم احقر کو ذاتی طور پر بھی حاصل تھا، لیکن تمام تفصیلات یاد نہیں تھیں، چنانچہ بعض تفصیلات احقر نے اپنی یادداشت سے تحریر کی ہیں، اور اکثر تفصیلات جناب منشی عبدالرحمٰن صاحب (ملتان) کی تصنیف "تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی" سے لی گئی ہیں۔ محمد رفیع عفی اللہ عنہ۔

پہلی ملاقات

دسمبر ۱۹۳۹ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کی بعض تقاریر پڑھ کر حضرت تھانویؒ نے محسوس فرمایا کہ قائداعظم مذہب اور سیاست کو الگ الگ سمجھتے ہیں اس نظریہ کی اصلاح کے لئے علماء کا ایک وفد قائداعظم سے ملنے کے لئے دہلی روانہ ہوا جو حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ مہتمم خانقاہ تھانہ بھون پر مشتمل تھا تین حضرات کا یہ وفد ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی پہنچا شام کے سات بجے کا وقت ملاقات کے لئے طے ہوا مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا بیان ہے کہ۔

"وفد نے قائداعظم سے کہا کہ مسلمان کسی تحریک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس تحریک کو شریعت کے مطابق نہ چلائیں اس تحریک کے چلانے والے خود کو احکام اسلام کا نمونہ نہ بنائیں اور ان کے پیرو شعائر اسلام کی پابندی نہ کریں کیونکہ جب یہ سب خود کو احکام دین کا پابند بنالیں گے تو اس کی برکت سے نصرت و کامیابی خود بخود ان کے قدم چومے گی اور انشاء اللہ بہت جلد کامیابی نصیب ہو گی وفد نے مزید کہا کہ مسلمانوں کی سیاست کبھی مذہب سے الگ نہیں ہوئی مسلمانوں کے بڑے بڑے قائد مسجدوں کے امام بھی تھے اور میدان کے جرنیل بھی، خلفائے راشدینؓ حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ حضرت عمرو بن عاصؓ وغیرہ ہم سب مذہب و سیاست کے جامع تھے قائداعظم نے فرمایا کہ میرا تو خیال یہ ہے کہ مذہب کو سیاست سے الگ رکھنا چاہئے وفد نے کہا کہ پھر اس طرح کامیابی کی توقع نہیں۔

غرض یہ کہ اس موضوع اور بعض دوسرے اہم دینی مسائل پر تقریباً اڑھائی گھنٹہ گفتگو ہوتی رہی بالآخر قائد اعظم کے اس قول پر یہ مجلس ختم ہوئی۔

"دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو، میری سمجھ میں اب خوب آگیا کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے (روئداد ص ۷)۔ (ماخوذ از تعمیر پاکستان و علمائے ربانی ص ۸۱) اس کے علاوہ وفد نے قائداعظم کو ذاتی طور پر پابندی نماز کی تلقین کی جس پر انہوں نے آئندہ نماز کی پابندی کا وعدہ کیا۔

دوسری ملاقات

وزیراعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے جب یہ اعلان کیا کہ جون ۱۹۴۷ء تک حکومت ہند کی باگ دوڑ ذمہ دار ہاتھوں میں دے دی جائے گی قائداعظم نے اپنی تنہا رائے سے کسی تجویز کو منظور کرنا پسند نہ کیا بلکہ یہ شرط لگائی کہ مسلم لیگ کونسل کے فیصلے پر مدار رکھا جائے چنانچہ آخری فیصلہ پر پہنچنے کے لئے ۹ جون ۱۹۴۷ء کو دہلی میں مشترک ہندوستان کی اسمبلی کے مسلم ممبران کا ایک اہم تاریخی اجتماع ہوا اس میں شرکت کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کو خاص طور پر مدعو کیا گیا اسی اجتماع میں پاکستان قبول کرنے کا فیصلہ ہوا اس کانفرنس سے فارغ ہو کر ۱۱ جون ۱۹۴۷ء کو شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے قائداعظم کی قیام

گاہ پر ان سے ملاقات کی اور یہی ملاقات ریفرنڈم کے بارے میں دورہ سرحد کے لئے محرک ثابت ہوئی۔

قائد اعظم نے کھڑے ہوکر پرجوش خیر مقدم کیا، شیخ الاسلامؒ نے قائداعظم کو حصول پاکستان پر مبارکباد پیش کی تو انہوں نے کہا کہ۔

"مولانا اس مبارکباد کے مستحق تو آپ ہیں کہ آپ ہی کی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے"

اس کے بعد قائداعظم نے کہا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ سلہٹ اور صوبہ سرحد میں آئندہ ہونے والے ریفرنڈم کا ہے اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔

شیخ الاسلامؒ اور ان کے رفقاء نے فرمایا انشاء اللہ پاکستان اس میں کامیاب ہوگا۔ بشرطیکہ آپ اعلان کریں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہوگا۔

اس پر قائداعظم نے کہا کہ۔

"میں پاکستان کے مقدمہ میں مسلمانوں کا وکیل تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقدمہ میں کامیاب کیا پاکستان ان کو مل گیا اب میرا کام ختم ہوا اب مسلمانوں کی اکثریت و جمہوریت کو اختیار حاصل ہے کہ جس طرح کا چاہے نظام قائم کرے اور چونکہ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے تو اس کے سوا کوئی دوسری صورت ہو ہی نہیں سکتی کہ یہاں نظام اسلامی اور اسلامی ریاست قائم ہو۔"

اسی ملاقات میں صوبہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا تذکرہ آیا، کہ اس میں پاکستان کے لئے جدوجہد بڑی اہمیت رکھتی ہے اسی لئے سابق صوبہ سرحد کاوہ تاریخی دورہ آپ نے فرمایا جس کا حال ہم اوپر بیان کرآئے ہیں

(تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی ص ۱۵۲ تا ۱۵۶ و ۱۸۱)

پاکستان میں اسلامی دستور کے لئے وطن مالوف سے ہجرت

۲۷/رمضان ۱۳۶۶ھ کی شب قدر میں گویا نزول قرآن کی سال گرہ کے وقت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا اقتدار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دیدیا اس روز کراچی میں جو سب سے پہلا جشن آزادی منایا جانے والا تھا اس میں شرکت کے لئے دیوبند سے شیخ الاسلامؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ کو بھی مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت مفتی صاحبؒ اپنی شدید علالت کے باعث سفر نہ فرما سکے حضرت شیخ الاسلامؒ جشن آزادی میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ کا ہندوستان میں قیام، تحریک پاکستان میں پرزور حصہ لینے کے باعث خطرہ سے خالی نہ تھا مگر بناء پاکستان کے ساتھ ہی مشرقی پنجاب اور دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا ہر طرف سے راستے مسدود تھے اس لئے صبر کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

پاکستان بن جانے کے ساڑھے آٹھ ماہ بعد تک آپ تمام خطرات کے باوجود اپنے آبائی وطن دیوبند ہی میں مقیم رہے۔

ادھر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے پاکستان میں اسلامی دستور کی جدوجہد کا آغاز فرمایا

لیکن پہلے ہی قدم پر ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلامی دستور کا ایک اجمالی خاکہ مرتب کیا جائے تاکہ حکومت کے سامنے جو مطالبہ رکھا جائے وہ قدرے وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاسکے یہ خاکہ مرتب کرنے کے لئے آپ نے مندرجہ ذیل اجلہ علماء کی ضرورت کو محسوس فرما کر ان کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔

۱۔ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ

۲۔ حضرت مفتی صاحبؒ

۳۔ جناب حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی صاحبؒ

۴۔ جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (دکن) مقیم حال فرانس

ان حضرات کو پاکستان لانے اور ان کے سفر کا مکمل انتظام شیخ الاسلامؒ اور ان کے رفقاء کار نے خود کر دیا تھا۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی دعوت اور مقصد کی اہمیت نے آپ کو وطن مالوف سے ہجرت پر آمادہ کر دیا۔ ہجرت کے ۱۳ سال بعد جب آپ نے اپنے اعزہ واحباب سے ملاقات کے لئے اپنے قدیم وطن دیوبند تشریف لے گئے اس کا ایک سفر نامہ آپ نے تحریر فرمایا ہے جو "نقوش و تاثرات[1]" کے نام سے ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴ سے شائع ہو چکا ہے اس کے شروع میں بطور مقدمہ آپ نے اس ہجرت کا مختصر سا واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے، اس کو یہاں حضرتؒ ہی کے الفاظ میں "نقوش و تاثرات" سے نقل کیا جاتا ہے۔

"پاکستان وجود میں آیا تو اس کی محبت اور اس میں پیش آنے والی دینی اور علمی ضرورتوں کے تصور نے ترک وطن کے جذبات دل میں پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

دیوبند۔ جو میرے لئے صرف وطن جسمانی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے لائے ہوئے علوم کے ایک مرکز کی حیثیت سے وطن ایمانی بھی تھا۔ عمر عزیز کے ترپن سال اسی کی سرزمین میں گزرے اسی میں بال سفید ہوئے کبھی ایک مہینہ سے زائد اس سے غیر حاضر نہ رہا صرف ۱۳۴۶ھ کے پہلے حج میں ڈھائی مہینہ دیوبند سے باہر رہنے کی نوبت آئی تھی اور وہ بھی میرے لئے انتہائی مجاہدہ تھا اس کی فطری محبت کا یہ عالم کہ جب کبھی وطن سے سفر ہوتا تو مڑ مڑ کر دیکھتا جاتا تھا۔

تلفت نحو الحی حتی وجدتنی　　وجعت من الاصغاء لیتا واخدعا

(یعنی) میں نے وطن کی طرف مڑ مڑ کر اتنا دیکھا کہ میری گردن کی رگیں دکھنے لگیں۔ ایک طرف وطن مالوف کی محبت کا گہرا نقش، عیال کی کثرت، مالی وسائل کا فقدان زنجیر پا بنے ہوئے ہلنے کی اجازت نہیں دیتے، دوسری طرف یہ نیا ملک پاکستان جو مدتوں کی تمنا اور ہزاروں کوششوں اور محنتوں کے بعد وجود میں آیا اس کی طرف جانے اور وہاں اس ملک کو صحیح معنی میں اسلامی ملک بنانے کے لئے جدوجہد کا جذبہ ترک وطن پر

[1] یہ سفر نامہ کیا ہے نصائح اور عبرتوں کا نہایت ہی دل کش مرقع ہے 'اس میں آپ نے سفر دیوبند و تھانہ بھون کے تاثرات قلم بند فرمائے ہیں' جگہ جگہ بزرگان دیوبند و تھانہ بھون کے عبرت خیز 'اور بصیر افروز واقعات نے اسے اور بھی دلچسپ و مفید بنا دیا ہے۔ چھوٹے سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مجبور کر رہا تھا۔

ایک اور عجوبہ قدرت یہ تھا کہ میں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے جدی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنے پانچ بچوں کے ساتھ نہایت تنگی سے گزارا تھا اس دور انقلاب سے چند سال پہلے حق تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع فرمادیئے کہ جدی مکان کے عقب میں ایک افتادہ زمین خرید کر اپنا نیا مکان دو منزلہ اپنی مرضی اور ضروریات کے مطابق بنالینے میں کامیابی حاصل ہوگئی ساتھ ہی فارغ اوقات یک سوئی سے گزارنے کے لئے شہر کے قریب ایک باغیچہ اپنے ہاتھ سے لگایا عجیب اتفاق تھا کہ جس سال میں مکان کی تعمیر مکمل ہوئی اسی سال میں باغ پر پہلا پھل نمودار ہوا اور یہی وقت تھا جب ترک وطن کا جذبہ دل میں ابھر رہا تھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے نام پر اس دار ودیار اور گھر اور باغ کو چھوڑ کر پاکستان جانے کا فیصلہ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ اپریل ۱۹۴۸ء میں کر لیا گیا۔

روانگی

اپنے ساتھ صرف غیر شادی شدہ بچے اور ان کی والدہ تھی اور گھریلو سامان میں سے صرف بدن کے کپڑے اور علمی سامان میں سے صرف اپنے مسودات، باقی سب عیال اور سامان کتب خانہ دیوبند میں چھوڑ کر ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو دہلی کے لئے روانہ ہو گیا وہاں سے براہ جودھ پور کھوکھراپار کراچی پاکستان میں منتقل ہو گیا۔

کراچی میں

پاکستان میں ایسے مقامات بھی تھے جو اپنے وطن سے قریب ہو افضاء کے اعتبار سے ملتے جلتے تھے مگر تقدیر ازلی میں ہماری جگہ اس مقام میں لکھی تھی جو وطن کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے بعید علاقہ تھا وطن سے نکلے بھی تو کہاں پہنچے؟ مجھ جیسے کم ہمت مبتلائے حب وطن کے لئے جس کو ابھی مرضی کے مطابق گھر نصیب ہوا اور اپنے لگائے ہوئے باغ کا پہلا پھل اپنی ابتدائی حالت میں نمودار ہوا یہ وقت بہت ہی صبر آزما تھا اور کسی طرح اندازہ نہ تھا کہ اس عظیم انقلاب کو برداشت کر سکوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ اس نے اسی وقت میرے قلب کو ان سب چیزوں سے ایسا بے نیاز بنادیا کہ حیرت ہوگئی جس وقت میں نے مکان سے قدم نکالا، مکان میرے دل سے نکل گیا۔

حسن اتفاق

حسن اتفاق سے یہ ہجرت اس وقت ہوئی جب کہ میری عمر ۵۳ سال کی تھی جس سے اللہ تعالیٰ نے ہجرت نبوی کی سنت کا اتباع نصیب فرمایا کیونکہ آنحضرت ﷺ کا سن شریف بھی بوقت ہجرت ۵۳ ہی سال کا تھا۔

زندگی کا نیادور

نقل وطن کے بعد ایک نئے ملک، نئے ماحول وطن اصلی سے بہت دور اس کی آب وہوا سے بے حد مختلف شہر کراچی میں ایسے مکان میں قیام کیا جہاں آسمان صرف دریچہ سے نظر آسکتا تھا اور وہ بھی ایک مہربان نے رہنے کے لئے دیدیا تھا جس کے ہر وقت ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ لگا ہوا تھا جاننے پہچاننے والے گنے چنے چند نفوس تھے ہر طرف بیگانگی ہی بیگانگی کا دور دورہ تھا جو بچے ساتھ تھے وہ اتنے چھوٹے کہ بازار کی ضرویات بھی ان کے سپرد نہ کرسکتا تھا راستے معلوم نہیں بازار کا اندازہ نہیں۔ گھر میں کوئی سامان نہیں ہر چیز خریدنے بنانے کی ضرورت سامنے، باقی ماندہ عیال اور ضعیف بیوہ والدہ ماجدہ کی مفارقت سے دل زخمی۔

مگر شکر ادا نہیں ہو سکتا اس مالک کا کہ اس نے ہر قدم پر دستگیری فرمائی اور ان حالات میں بھی عیال اور والدہ ماجدہ کی فکر تو ہوئی مگر مکان، باغ، جائیداد کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آئے اللہ تعالیٰ نے چھ ماہ کے اندر یہ مشکل بھی حل کردی کہ والدہ ماجدہ اور باقی عیال بھی کراچی پہنچ گئے پھر آہستہ آہستہ دوسرے اعزہ واحباب بھی کراچی پہنچنے لگے اور کراچی نے وطن اصلی کی جگہ لے لی سات سال مختلف کرایہ کے مکانوں میں کہیں راحت سے کہیں تکلیف سے گزر گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع جگہ لسبیلہ ہاؤس پر مکان بنانے کے لئے عطا فرمادی اور وطن کے چھوڑے ہوئے مکان سے اور اپنے ارادہ اور خیال سے کہیں بہتر اور وسیع مکان بن گیا آیت قرآنی "[1] ومن یھاجر فی سبیل اللہ یجد فی الارض مراغما کثیرا وّاسعة "اور مہاجرین کے لئے قرآنی وعدہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آگیا اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ۔ لَنُبَوِّءَ نَّهُمْ فی الدُّنْیَا حسنةً.[2] کراچی میں یہ تیرہ سالہ زندگی[3] کن کن مشاغل میں گزاری اس کی داستان طویل ہے یہ مختصر سفر نامہ اس کا محل نہیں لیکن اتنا اظہار ناگزیر ہے کہ یہاں پہنچنے کے بعد دو چیزیں مقصد زندگی بن گئیں اول پاکستان میں اسلامی دستور قانون اور نظام اسلامی کے نفاذ کی کوشش۔ دوسرے اس طرف علوم دینیہ کا کوئی مدرسہ کراچی کے شایان شان نہ ہونے کے سبب یہاں کے مناسب حال ایک مدرسہ کا قیام۔ (نقوش وتاثرات از ص ۱۲ تا ص)

قرارداد مقاصد کے لئے کوشش

قائد ملت خان لیاقت علی خان مرحوم کے زمانہ میں جب قرارداد مقاصد زیر بحث آنے والی تھی اس وقت قرارداد مقاصد کو خاص اسلامی اصولوں پر مرتب اور منظور کرانے کے لئے آپ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحبؒ کے ساتھ تمام علمی وسیاسی مہمات میں برابر شریک رہے بالآخر دستور ساز اسمبلی نے یہ قرارداد مقاصد منظور کرلی جو سراسر ٹھوس اسلامی اصولوں پر مشتمل تھی۔

(۱) جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں وسعت اور فراخی پائے
(۲) ہم مہاجرین کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے۔
(۳) یہ سفر نامہ حضرتؒ نے ۱۵ جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۶۰ء میں تحریر فرمایا تھا۔ محمد رفیع عثمانی۔

بورڈآف تعلیمات اسلام کی رکنیت

پھر جب ۱۹۴۹ء میں یہ دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ دستور سازی کا کام شروع کیا تو حکومت پاکستان نے ایک "اسلامی مشاورتی بورڈ" بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ بورڈ پاکستان کے لئے اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے گا اور اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کریگی۔

اس بورڈ کے سربراہ جناب علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ مقرر ہوئے اور حضرت مفتی صاحبؒ جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (سابق استاذ جامعہ عثمانیہ دکن) جناب پروفیسر عبدالخالق صاحب اور مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد ممبر کی حیثیت سے نامزد کئے گئے جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری بورڈ کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔

یہ بورڈ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک قائم رہا اور حضرتؒ شروع سے آخر تک اس کے اہم رکن رہے اس بورڈ نے نہایت عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کے لئے جو سفارشات پیش کی تھیں اگرچہ ۵۶ء کے دستور پاکستان میں ان کی جھلک بڑی حد تک موجود تھی جس کے باعث وہ دستور "اسلامی دستور" کہلانے کا مستحق ہو گیا، لیکن افسوس کہ بورڈ آف تعلیمات اسلام کی تمام سفارشات کسی بھی دور کے دستور میں نہ تو تمام کی تمام روبہ عمل لائی گئیں اور نہ انہیں ارباب حل وعقد نے شائع کیا۔

لاء کمیشن کی رکنیت

بورڈ آف تعلیمات اسلام کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک محدود تھا پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا موجودہ قوانین کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے حکومت نے اواخر ۱۹۵۰ء میں ایک لاء کمیشن قائم کیا جس میں علماء کی جانب سے ابتداءً صرف علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ کو بطور ممبر لیا گیا باقی دو ممبران جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے تھے حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی نے محسوس فرمایا کہ اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے اس میں حضرت مفتی صاحب کی شرکت ناگزیر ہے چنانچہ انہوں نے لاء کمیشن میں اپنی شرکت باقی رکھنے کے لئے ارباب حل وعقد کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ مفتی صاحب کو بھی کمیشن کا رکن بنایا جائے بالآخر آپ کو بھی اس کا رکن بنالیا گیا یہ کمیشن ۲ سال تک قائم رہا لیکن وزارتوں کے تغیر و تبدل اور کچھ دوسرے عوامل کے باعث اس کی مساعی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکیں۔

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت

۱۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نوّر اللہ مرقدہ کی وفات کے بعد جناب علامہ سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہ جمعیۃ علمائے اسلام کے صدر منتخب ہوئے لیکن ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں سید صاحبؒ کی وفات کے بعد جہاں دستوری مساعی کی دوسری ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر

آپڑیں اسی کے ساتھ جمعیۃ علمائے اسلام کی صدارت بھی آپ کو سونپ دی گئی لیکن یہ وہ وقت تھا جب جمعیۃ علمائے اسلام میں انتشار پیدا ہو چکا تھا مغربی پاکستان میں ایک اور جمعیت اسی نام سے قائم ہو چکی تھی جس کا مرکزی جمعیۃ سے کوئی رابطہ نہ تھا حضرت مفتی صاحبؒ نے اسلامی دستور کی جدوجہد کے ساتھ ہی شب وروز محنت کر کے ان منتشر جماعتوں کو مرکز سے مربوط کیا اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ خاص حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے اس شرط پر کہ صدارت قبول فرمائی کہ جمعیۃ کی ذمہ داری کا تمام کام حضرت مفتی شفیع صاحبؒ انجام دیں اور اس مقصد کے لئے آپ کو جمعیۃ کا قائم مقام صدر بنادیا گیا۔

جتنے سرکاری اداروں میں آپ بحیثیت ممبر شریک ہوئے ان سب میں آپ نے اپنی شرکت کی یہ شرط ارباب حل وعقد سے ہمیشہ منوائی کہ ہم پر عوامی تقریر و تحریر کی وہ پابندیاں عائد نہیں ہوں گی جو سرکاری ملازمین پر ہوتی ہیں چنانچہ صدارت جمعیۃ علمائے اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ نے جمعیۃ علمائے اسلام کی جانب سے تحریک دستور اسلامی کے لئے مشرقی و مغربی پاکستان کے طول و عرض کے بار بار دورے کئے اور ضلع ضلع میں پہنچ کر اسلامی دستور کے لئے عوامی شعور کو بیدار کیا۔

قائم مقام صدر جمعیت علمائے اسلام کی حیثیت سے آپ نے تقریباً ۳ سال تک جمعیۃ کی خدمات انجام دیں آپ کی مساعی جاری تھیں کہ ملک میں انقلاب آیا اور مارشل لاء نے تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیدیا ، دوران مارشل لاء میں ہی حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ صدر جمعیۃ علمائے اسلام بھی رحلت فرما گئے۔

زکوٰۃ کمیٹی میں شرکت

حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کے احکام وصولی اور اس کے مصارف وغیرہ کے اسلامی قوانین مدون کرنے کے لئے ایک "زکوٰۃ کمیٹی" قائم کی آپ اس کے بھی اول سے آخر تک رکن رہے۔

مختلف دینی و علمی خدمات

تاسیس "دار العلوم کراچی"

پاکستان پہنچ کر آپ نے دو چیزوں کو اپنا مقصد زندگی قرار دے لیا تھا ایک پاکستان میں اسلامی نظام حکومت کے لئے کوشش دوسرے کراچی میں اس کے شایان شان دار العلوم کا قیام۔

چنانچہ شوال ۱۳۷۰ھ میں آپ نے نہایت بے سروسامانی کی حالت میں محلہ نانک واڑہ کی ایک مختصر عمارت میں صرف ایک استاذ اور چند طلباء سے ایک مدرسہ اسلامیہ قائم فرمادیا جسے اللہ تعالیٰ نے چند ہی ماہ کے اندر اندر "دار العلوم کراچی" کی حیثیت عطا فرمائی اور بحمد اللہ تعالےٰ آج اس کے مرکزی مقام کورنگی ٹاؤن اور ملحقہ شاخوں میں ایک ہزار سے زائد طلباء اور ۳۰ استاذ علوم دینیہ کی تعلیم و تعلم اور احیائے دین کے کاموں میں مشغول ہیں تعلیم قرآن حفظ و ناظرہ سے لیکر علوم و فنون عربیہ ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، ادب عربی ، صرف و نحو ، معانی و

بیان، منطق، فلسفہ، ریاضی، علم عقائد وکلام کی مکمل تعلیم ان کا شب وروز مشغلہ ہے۔

درس بخاری شریف

دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو جانے کے بعد آپ کے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں درس بخاری کی خدمات انجام دے رہے تھے کہ شیخ الاسلام سخت علیل ہو کر دیوبند تشریف لے آئے اس وقت مہتمم جامعہ اسلامیہ شیخ الاسلامؒ کی جگہ آپ کو لینے کے لئے دیوبند تشریف لائے ان کے اصرار اور شیخ الاسلام کے ارشاد پر آپ نے تین ماہ ڈابھیل میں بخاری شریف کا درس دیا پھر دارالعلوم کراچی میں کئی سال آپ نے مستقل طور پر بخاری شریف کے درس سے طلباء کو مستفید فرمایا اور وفات سے چند سال پیشتر تک دورہ حدیث کی کسی نہ کسی کتاب کا درس دارالعلوم کراچی میں آپ تقریباً ہر سال ہی دیتے رہے۔

خوش بختی سے راقم الحروف کو ۱۳۷۹ھ میں موطا امام مالک اور شمائل ترمذی میں بھی حضرتؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

سرکاری دارالعلوم کمیٹی کی رکنیت

حکومت پاکستان نے قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کی یادگار میں ۳ چیزیں قائم کرنا طے کیا تھا ایک ان کا مزار دوسرے جامع مسجد اور تیسرے ایک دینی دارالعلوم، دارالعلوم قائم کرنے کے لئے جو کمیٹی حکومت نے سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب کی قیادت میں بنائی تھی اس کے آپ بھی اول سے آخر تک رکن رہے اور دارالعلوم کے لئے نصاب کی تشکیل اور مقام کا انتخاب وغیرہ اس کمیٹی نے کیا مگر بعد کی حکومتوں کے بار بار انقلاب نے اس کام کو بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔

درس قرآن مجید کی تکمیل

جس زمانہ میں آپ آرام باغ کے پاس اقبال منزل میں مقیم تھے آپ نے مسجد باب الاسلام میں بعد نماز فجر عام فہم درس قرآن مجید کا سلسلہ شروع فرمایا اور مسلسل سات سال تک جاری رہنے کے بعد جب قرآن کریم مکمل ہو گیا تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے اس درس کو اسی قدر مقبولیت عطاء فرمائی کہ لوگ دس دس بارہ بارہ میل دور سے آکر اس میں پابندی سے شریک رہے اور شرکاء پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ کتنے ہی شرکاء کی زندگیوں میں حیرت ناک و خوشگوار انقلاب کا راقم الحروف نے خود مشاہدہ کیا۔ ابتدائی پانچ سال کے بعد آپ کا قیام یہاں سے تین میل دور لسبیلہ چوک کے قریب ہو گیا لیکن اس کے بعد بھی دو سال تک آپ نے ضعف کے اس زمانہ میں یہ درس جاری رکھا کسی اور گاڑی کا انتظام نہ ہوتا تو اکثر وبیشتر آپ کی آمد ورفت بس میں ہوا کرتی۔

چیلنج کا جواب۔دستور قرآنی!

جس زمانہ میں درس قرآن کا یہ سلسلہ جاری تھا اور آپ بورڈ آف تعلیمات اسلام کے ممبر بھی تھے اس وقت کے بعض ماہرین قانون نے ایک اخباری بیان میں دعویٰ کیا کہ علماء خواہ مخواہ اسلامی دستور کی رٹ لگاتے ہیں قرآن میں تو کہیں دستور کا نام نہیں اتفاق سے ان ہی دنوں یعنی ۳۰ / شوال ۱۳۷۲ھ ۱۲ / جولائی ۱۹۵۳ء کو درس قرآن میں سورہ نساء کی یہ آیت آگئی "ان الله یامرکم الخ" جس کا اسلامی دستور سے گہرا تعلق ہے آپ نے اس آیت سے دستور حکومت کے چند اہم دفعات کو ثابت کیا پھر ایسی اور ۲۸ آیات کی تفسیر بھی اس سلسلہ میں شامل فرمادی جس سے دستوری مسائل نکلتے ہیں چنانچہ آپ نے "ان الله یامرکم الخ" کی ایک آیت کے صرف نصف حصہ سے اسلامی مملکت کی ۶ دستوری دفعات ثابت کیں اور کل ۲۹ آیات کے مجموعہ سے ۱۸ دفعات کا استخراج فرمایا اس طرح یہ اب بھی جاری ہے اور اب تک سوا بارہ سپارے مکمل ہو چکے ہیں یہ درس پاکستان کے تمام ریڈیو اسٹیشن بیک وقت ہر جمعہ کی صبح کو نشر کرتے ہیں تقریر میں خاص طور سے علماء اور وکلاء کی بھی خاصی تعداد تھی ان کی خواہش ہوئی کہ اس تقریر کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور بالآخر دستور قرآنی کے نام سے شائع ہوئیں پھر اس کا ترجمہ انگریزی زبان میں شائع ہوا جس نے قرآن میں دستور کی نفی کرنے والوں کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

ریڈیو سے معارف القرآن

۳۰ / شوال ۱۳۷۳ھ ۲ / جولائی ۱۹۵۴ء سے ڈائریکٹر جنرل ریڈیو پاکستان جناب ذوالفقار علی بخاری صاحب کی خواہش اور اصرار پر آپ نے ہر جمعہ کی صبح کو معارف القرآن کے نام سے درس قرآن کا ایک مخصوص سلسلہ شروع فرمایا جس کو اب دس سال پورے ہو چکے ہیں اور یہ اب بھی جاری ہے اور اب تک سوا بارہ سپارے مکمل ہو چکے ہیں یہ درس پاکستان کے تمام ریڈیو اسٹیشن بیک وقت ہر جمعہ کی صبح کو نشر کرتے ہیں۔

یہ سلسلہ سورہ فاتحہ سے شروع ہوا اور ترتیب قرآنی کے مطابق البتہ مسلسل نہیں بلکہ اس میں ایسی منتخب آیات کی تفسیر آپ بیان فرماتے ہیں جن میں آج کل کے نو تعلیم یافتہ ذہن الجھے ہوئے ہیں اور جو ہمارے بگڑے ہوئے معاشرہ کا خاص علاج ہیں۔آپ اس درس کی بھی نہایت اہتمام سے پابندی فرماتے ہیں ریڈیو کے ضابطہ کے مطابق ایک تقریر تیس روپے بطور معاوضہ مقرر ہیں جس کی دس سال کی مجموعی رقم تقریباً پندرہ ہزار روپے بنتی ہے لیکن آپ نے ذمہ داروں کے اصرار کے باوجود اس میں سے ایک پیسہ بھی کبھی وصول نہیں فرمایا، محض لوجہ اللہ یہ خدمت بھی عرصہ تک جاری رہی۔یہ درس پوری دنیا میں نشر ہوتا رہا مسلمان نہایت شوق وذوق سے سنتے رہے اور مختلف ممالک سے اس کی پسندیدگی کے اظہار کے لئے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان میں اور خود حضرتؒ کے پاس مسلسل آتے رہتے تھے۔

ٹانگانیکا کے ایک مسلم[1] باشندہ نے راقم الحروف کو بتایا کہ وہاں کے ایک مشہور عالم کا معمول ہے کہ جمعہ

(۱) یہ جناب ابو القاسم ہیں جو تقریباً دو سال دار العلوم کراچی میں تعلیم حاصل کر کے اب وطن واپس جا چکے ہیں۔

کی صبح کو مسجد میں ایک بڑا جلسہ کرتے ہیں اور حضرت کا یہ درس ریڈیو سے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے ان کو سنواتے ہیں۔

اس درس کی مقبولیت کے پیش نظر کافی عرصہ سے اس کا سندھی ترجمہ بھی ریڈیو حیدرآباد سے نشر ہوتا رہا۔

تصنیف و تالیف کا نہایت اہم اور مفید سلسلہ

آپ کی تصانیف کا اہم امتیاز یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی وقتی ضرورت کے لحاظ سے جس وقت جس مسئلہ کی اہمیت محسوس ہوئی اس پر حسب ضرورت مختصر یا مفصل کوئی رسالہ یا کتاب لکھی گئی اور چونکہ پیش نظر صرف اسلام اور مسلمانوں کے خدمت ہے اس لئے ان کے حقوق اپنے لئے محفوظ نہ کئے اور کبھی کسی تصنیف سے رائلٹی وغیرہ مالی منفعت کا تعلق نہیں رہا آپ کی بہت سی تصانیف بے حد مقبول و معروف ہیں اور بنگلہ، سندھی، پشتو، گجراتی، انگریزی وغیرہ زبانوں میں ان کے تراجم بھی شائع ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

اس وقت تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہیں جو علوم قرآن و حدیث اور مسائل فقہیہ عقائد و کلام تصوف و اصلاح وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں سے اکثر شائع ہو کر مفید خلائق ہو رہی ہیں اور بہت سی تصانیف ایسی بھی ہیں جو باوجود نہایت اہم ہونے کے اب تک شائع نہیں ہو سکیں۔

دار الاشاعت اور ادارۃ المعارف

کراچی میں یہ دو ادارے اس غرض کے لئے قائم ہیں کہ اکابر علماء کی تصانیف شائع کریں ان کے ۱۰
پیش نظر آپ کی تصانیف کو خصوصیت کے ساتھ عمدہ طریق سے شائع کرنا ہے اور اس وقت تک تقریباً پچاس ساٹھ تصانیف شائع ہو چکی ہے آپ کی اکثر تصانیف آپ کے اساتذہ و اکابر بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی نظر فیض اثر سے گزری ہوئی اور آپ کی اصلاح و تصدیق کے ساتھ شائع ہوئی ہیں بیشتر اردو زبان میں ہیں تقریباً دس عربی زبان میں۔

شعر و سخن

دن رات کے علمی اشتغال سے بظاہر شعر و سخن کی فرصت کہاں، مگر خداداد طبعی ذوق نے اس سلسلہ میں بھی عربی فارسی اردو تینوں زبانوں میں جو کلام موزوں کر لیا ہے وہ بھی قابل دید اور نہایت دلچسپ اور مفید اصلاحی مضامین پر مشتمل ہے اردو فارسی کا کلام آپ کی تصنیف کشکول کے آخر میں شائع ہو چکا ہے عربی نظموں کا مجموعہ بنام نفحات الشمیم سے چھپا ہوا ہے۔

آپ کی تصانیف

آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ ہے لیکن جو کتب شائع شدہ آج کل دستیاب ہیں ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔[1]

اردو تصانیف

(۱) تفسیر معارف القرآن آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل
(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۸ حصے دو ضخیم جلدوں میں
(۳) علمی کشکول (علمی جواہر پارے)
(۴) مجالس حکیم الامت (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات
(۵) سیرت خاتم الانبیاء (آنحضرت ﷺ کی مختصر جامع سیرت
(۶) اسلام کا نظام اراضی مع فتوح الہند
(۷) میرے والد ماجد اور انکے مجرب عملیات
(۸) خطبات جمعہ وعیدین
(۹) رفیق سفر مع احکام سفر
(۱۰) مقالات صوفیہ
(۱۱) ذکر اللہ اور فضائل درود وسلام
(۱۲) ضبط ولادت عقلی وشرعی حیثیت سے
(۱۳) اسلام کا نظام تقسیم دولت
(۱۴) قرآن میں نظام زکوۃ مع احکام زکوۃ
(۱۵) بیمہ زندگی بیمہ اور انشورنش کی شرعی حیثیت
(۱۶) پراویڈنیٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ
(۱۷) مصیبت کے بعد راحت مع رسالہ دافع الافلاس
(۱۸) آداب المساجد (مسجد کے متعلق احکام ومسائل)
(۱۹) گناہ بے لذت (ایک اصلاحی کتاب)
(۲۰) نجات المسلمین یا گناہوں کا کفارہ
(۲۷) چہل حدیث مترجم
(۲۸) احکام القمار
(۲۹) سایۂ رسول (حضور ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں اس کی تحقیق
(۳۰) حکم الاقساط (ردبدعات)
(۳۱) ختم نبوت کامل تین حصے مکمل
(۳۲) آلات جدیدہ کے شرعی احکام
(۳۳) مسئلہ سود (سود کے مسئلہ پر جامع کتاب
(۳۴) تصویر کے شرعی احکام
(۳۵) مقام صحابہ (صحابہؓ پر تنقید کی شرعی حیثیت وغیرہ اہم مباحث
(۳۶) ایمان وکفر قرآن کی روشنی میں
(۳۷) سنت وبدعت (معتدل کتاب)
(۳۸) رویت ہلال کے شرعی احکام
(۳۹) احکام دعا
(۴۰) اوزان شرعیہ
(۴۱) السعیدین الشہیدین یا دو شہید
(۴۲) تاریخ قربانی مع احکام قربانی
(۴۳) بسم اللہ کے فضائل
(۴۴) جواہر الفقہ کامل دو جلد (چوالیس فقہی رسائل کا مجموعہ
(۴۵) علامات قیامت اور نزول مسیحؑ

(۱) یہ فہرست اس اشاعت میں ناشر کی طرف سے ملحق کی گئی ہے۔ محمد رضی عثمانی۔

(۲۱) آداب الشیخ والمرید (علامہ ابن عربی کے ایک رسالہ کی شرح
(۲۲) دعاوی مرزا (ردمرزائیت)
(۲۳) ممالک اسلامیہ سے قادیانیوں کی غداری
(۲۴) تسہیل وخلاصہ قصد السبیل
(۲۵) انسانی اعضاء کی پیوندکاری
(۲۶) اسوۂ حسینی یا شہید کربلاؓ (واقعہ شہادت)
(۴۶) اسلامی ذبیحہ
(۴۷) آداب النبی (آنحضرت ﷺ کے عادات واخلاق
(۴۸) شب برأت کے احکام
(۴۹) اسلام میں مشورہ کی اہمیت
(۵۰) حیلۂ ناجزہ
(۵۱) اصول اللغۃ مع تاریخ اللغۃ المنجد اردو کے ساتھ طبع ہوا

عربی تصانیف

(۵۲) احکام القرآن عربی
(۵۳) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (مطبوعہ دمشق)
(۵۴) اخلاف ام شقاق
(۵۵) النفحات
(۵۶) تحفۃ الوطن شرح نفحۃ الیمن
(۵۷) الازدیاد وغیرہ وغیرہ

آپ کی تصانیف کا تعارف تو اس مختصر تذکرہ میں ممکن نہیں مگر چند اہم تصانیف کا ذکر ناگزیر ہے۔

تفسیر معارف القرآن

اردو میں اپنے طرز کی پہلی عام فہم تفسیر قرآن جو ریڈیو پاکستان سے بارہ سال تک نشر ہوتی رہی اور جس کو پاکستان اور بیرون پاکستان کے ممالک میں بڑے ذوق وشوق سے سنا جاتا تھا یہ تفسیر جدید تعلیم یافتہ طبقے اور عوام اور علماء اور خطباء مساجد کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی ہے جو اپنی بے شمار خصوصیات کی وجہ سے موجودہ زمانہ کی مستند تفسیر سمجھی گئی ہے جس کے مطالعہ سے قرآن پاک کی عظمتوں سے آشنائی اور زندگی کی ہر شعبے میں قرآن پاک سے بہترین رہنمائی حاصل ہوتی ہے حضرت مفتی صاحبؒ کی زندگی ہی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ جلدوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

جلد اول۔ سورہ فاتحہ و بقرہ
جلد دوم۔ آل عمران ونساء
جلد سوم۔ مائدہ تاانعام
جلد چہارم۔ اعراف تاہود
جلد پنجم۔ سورہ یوسف تاکہف
جلد ششم۔ سورہ مریم تاروم
جلد ہفتم۔ لقمان تاحجرات
جلد ہشتم۔ قاف تاوالناس

زیر نظر کتاب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

یہ آپ کے قلم سے نکلے ہوئے قدیم و جدید تقریباً ایک لاکھ فتاویٰ میں سے تقریباً ایک ہزار کا مجموعہ ہے جو منظر عام پر آیا ہے باقی بہت بڑا ذخیرہ دارالعلوم دیوبند کے دفاتر میں، اسی طرح ایک عظیم ذخیرہ دارالعلوم کراچی کی پچیس جلدوں میں محفوظ ہے۔

ان فتاویٰ کی حیثیت کے بارے میں میں کیا عرض کر سکتا ہوں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھتا ہوں کہ اکابر علماء دیوبند اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ان پر اعتماد فرمایا ہے اور ان فتاویٰ کی اشاعت سے پہلے حضرت مفتی صاحب نے اپنی تواضع اور احتیاط کے پیش نظر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ سابق مفتی مظاہر علوم سہارنپور اور بعض دیگر علماء سے بھی نظر ثانی کرائی اور ان کے مشوروں سے بعض جگہ اصلاحات بھی فرمائی ہیں۔

کشکول یا ثمرات الاوراق

آپ کے مختلف مضامین اور متفرق مسائل پر علمی، فقہی تاریخی اصلاحی، مقالات کا مجموعہ ہے آخر میں آپ کے اردو، فارسی اشعار اور قصائد ہیں ایک مرتبہ شروع کیجئے تو چھوڑنے کو دل نہ چاہے۔

ختم نبوت

اس مسئلہ پر سب سے زیادہ مکمل مفصل کتاب ہے جس میں قرآن مجید کی سو سے زائد آیات اور دو سو دس احادیث اور سیکڑوں اقوال وآثار صحابہؓ اور تابعینؒ سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کا امکان نہیں۔ تشریعی اور غیر تشریعی ظلی بروزی کے الفاظ جو قادیانی دجل نے ملک میں پھیلائے ہیں ان کا نہ کوئی شرعی وجود ہے نہ وقوع امکان۔ قادیانیوں کی طرف سے اس سلسلہ میں جتنے شبہات ڈالے گئے ہیں ان سب کا مکمل مدلل دلوں میں اتر جانے والا جواب ہے تقریباً پانچ سو صفحات کی کتاب ہے۔

اسلامی نظام اراضی

یہ اپنے موضوع میں ایک نئی کتاب ہے عربی زبان میں بھی اس موضوع پر کوئی مستقل تصنیف میرے علم میں نہیں اس کتاب کے پہلے باب میں اسلام کا قانون اراضی مکمل مع دلائل قرآن وسنت کے بتلایا گیا ہے "کہ جب کسی خطہ ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو" تو اراضی کے متعلق اس کو کیا کیا اختیارات ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل اور فقہاء کی امت کی تحقیقات سے اس کی پوری تفصیل دی گئی ہے دوسرے باب میں خاص ہندوستان کی زمینوں کے احکام ہیں جو اسلامی فتوحات کے وقت مختلف ادوار میں نافذ کئے گئے ہیں تیسرے باب میں انگریزی تسلط کے زمانہ میں اراضی ہند پر انگریز کے

تصرفات اور ان کے شرعی احکام ہیں۔ چوتھے باب میں پاکستان کی اراضی کے مخصوص احکام ہندوؤں کی متروکہ جائیدادوں اور مسلمانوں کو کلیم میں ملی ہوئی اراضی سے متعلق احکام و مسائل ہیں پانچویں باب میں اراضی وقف ہندوستان وپاکستان کے احکام اور آخری باب میں ہندوستان اور پاکستان کی زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق اور عشر و خراج کے احکام ہیں دوسرے حصہ میں ہندوستان کی اسلامی فتوحات کی مختصر مگر نہایت اہم تاریخ ہے یہ کتاب اصل سے تو ایک فقہی کتاب ہے مگر ایک حیثیت سے اراضی دنیا اور بالخصوص ہندوستان پاکستان کی اراضی کی اہم تاریخ بھی ہے جو مستند کتب تاریخ سے لی گئی ہے۔

حیلئہ ناجزہ

یہ کتاب دراصل حکیم الامتؒ کی تصنیف ہے مگر حضرت نے اس کی تصنیف میں برابر مفتی صاحب اور مولانا عبدالکریم صاحبؒ کو شریک رکھا ہے اور آخر میں اس کا علان بھی فرمایا ہے یہ کتاب مسلمانوں کے عائلی قوانین پر نہایت اہم کتاب ہے ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے اور اسلامی قانون جاری نہ ہونے کے سبب جو بہت سی عورتوں پر مظالم ہو رہے تھے اس میں بڑی تحقیق و تفتیش سے مظلوم عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کی مشکلات کا حل مذاہب اربعہ سے نکالا گیا ہے اور پھر پورے مشترکہ ہندوستان کے مشاہیر علماء کے پاس بھیج کر ان کی آراء معلوم کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے تاکہ یہ مسائل باہمی اختلاف کا ہدف نہ بنیں اور کوشش کر کے اس کو ملک کا قانون بنوایا جاسکے۔ اس میں دوسرے مذاہب کے علماء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔

احکام القرآن بزبان عربی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنی آخر عمر میں اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ قرآن کریم تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے اس کی تفسیر میں ہر زمانہ کے علماء نے اپنے ماحول اور ضرورت کے مطابق جن مسائل کی اہمیت محسوس کی ہے انہیں پر زیادہ زور دیا ہے اس زمانہ کی جدید ضروریات اور ماحول کے جدید تقاضوں کے پیش نظر ضرورت تھی کہ احکام قرآنی پر کوئی مفصّل مدلّل کتاب لکھی جائے اپنے ضعف کی وجہ سے چند علماء کو اس کی تصنیف کے حصے تقسیم کئے گئے پانچویں اور چھٹی منزل حضرت مفتی صاحب کو سپرد ہوئی جو کچھ حضرت کی حیات میں آپ کی نگرانی میں لکھی گئی باقی کی تکمیل بعد میں ہوئی اس کی ابتدائی دو منزلیں حضرت مولانا ظفر احمد عثانی مدظلہ اور آخری منزل حضرت مولانا محمد ادریس صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے تحریر فرمائی ہے اس خیال سے کہ سب اسلامی ممالک کے لئے مفید ہو اس کی تصنیف عربی زبان میں کی گئی ہے یہ تصنیف وقت کی اہم تصنیف ہے حضرت حکیم الامۃ قدّس سرہ کو مرض وفات میں اس کی تکمیل کا بڑا اہتمام رہا مگر افسوس ہے کہ ہنوز اس کی طباعت کا کوئی انتظام نہیں ہو سکا۔[1]

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ اور مولانا ظفر احمد عثانیؒ کے تحریر کردہ حصص طبع ہو چکے ہیں۔ ناشر

آلات جدیدہ

شریعت اسلام کی جامعیت ہر نئے سے نئے مسئلہ کا جواب اپنے دامن میں رکھتی ہے مگر اس کا استخراج ہر شخص کا کام نہیں حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کتاب میں تمام آلات جدیدہ سے متعلق شرعی احکام قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ جمع فرمائے ہیں ریڈیو، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، انجکشن ایکسرے، ہوائی جہاز، آلہ مکبر الصوت، فوٹوگرافی، سینما اور فلم، انسان کا خون یا اعضا دوسرے انسان کے بدن میں استعمال کرنا وغیرہ مسائل پر تحقیق کے ساتھ کلام کیا ہے۔

اوزان شرعیہ

شریعت کے بہت سے احکام، خاص اوزان اور پیمانوں پر موقوف ہیں مثلاً درہم، دینار، صاع، میل ذرائع وغیرہ شریعت کے اصطلاحی الفاظ ہیں۔ زکوٰۃ، صدقۃ الفطر احکام سفر وغیرہ کے احکام انہیں اصلاحی الفاظ کے ساتھ کتب شریعت میں مذکور ہیں مگر ہندوستان پاکستان اور دوسرے ممالک کے مروجہ اوزان اس سے مختلف ہیں اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں شرعی اوزان اور پیمانوں کی صورت میں متعین کیا جائے اس کے لئے حضرت مفتی صاحب نے یہ رسالہ بڑی کاوش اور تحقیق سے تحریر فرمایا ہے۔

تحفۃ الوطن شرح نفحۃ الیمن

عربی ادب کی مشہور کتاب نفحۃ الیمن کا بہترین اور مفصل حاشیہ ہے جو کتاب کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

اصول اللغۃ

عربی لغت کی مختصر مگر جامع تاریخ کے علاوہ اس میں آپ نے لغت کے اصول تحریر فرمائے ہیں اردو میں یہ بھی اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہے عربی کی مشہور ڈکشنری المنجد کا ترجمہ جو حال ہی میں دارالاشاعت کراچی سے طبع ہوا ہے یہ رسالہ اس کے مقدمہ کے طور پر اس کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

اقتضا کے پیش نظر تصانیف کے طویل سلسلہ میں سے چند کا تعارف کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔
مضمون خاصا طویل ہو گیا مگر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح میں کتنے ہی مستقل عنوانات اور واقعات، ابھی تک قرطاس و علم تک نہ آسکے اور جو حالات بیان کئے گئے ان میں بھی ہر جگہ علمی اعتبار سے بہت سی تفصیلات محض اس لئے چھوڑ دی گئیں کہ طوالت کا خوف ہر قدم پر دامن گیر تھا۔ عدم گنجائش کے باعث یہ سلسلہ یہیں ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو پھر کسی وقت مفصل سوانح حیات بھی مرتب ہو جائے گی جس کے لئے بے شمار یادداشتیں ذہن میں اور بے شمار تحریری طور پر احقر کے پاس محفوظ ہیں۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان۔

کتبہ احقر ناکارہ محمد رفیع عثمانی
استاذ دارالعلوم کراچی
۶ شوال ۱۳۸۳ھ ۲۰ فروری ۱۹۶۳ء

تاریخ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
مع
مختصر تاریخ دارالعلوم

مرتبہ
احقر العباد محمد شفیع دیوبندی کان اللہ لہ ۱۳۶۶ھ

بسم للہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

امابعد! فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جس کے دو حصے علیحدہ علیحدہ عزیزالفتاوٰی اور امدادالمفتین کے نام سے موسوم ہو کر ۱۳۵۴ھ میں شائع ہونا شروع ہوئے اور ۱۳۶۲ھ تک اس کی آٹھ جلدیں بحمد اللہ تیار ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئیں لیکن پہلی طباعت میں مختلف وجوہ سے کچھ خامیاں رہ گئی تھیں جن کے ازالہ کے لئے طبع ثانی کا مجھے سخت انتظار واشتیاق تھا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ہزار ہا ہزار شکر کہ اس نے یہ موقع نصیب فرمایا اس طبع ثانی میں جو اصلاحات وترمیمات ہوئیں ان کا اجمالی تذکرہ ذیل میں آتا ہے۔

عزیزالفتاویٰ طبع اول کی تمہید میں احقر نے طبع آئندہ میں صفوۃ العلماء مفتی اعظم استاذ محترم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرّہ کا کچھ تذکرہ اور مختصر سوانح حیات شائع کرنے کی تمنا ظاہر کی تھی مگر افسوس کہ وہ اس وقت بھی تمنا سے آگے نہ بڑھی کیونکہ حوادث روزگار سے اس مفتی عصر شیخ وقت۔ استاد الاساتذہ کے طویل وعریض سلسلہ تلامذہ ومریدین کے باوجود ان کے احوال کہیں ضبط تحریر میں نہیں لائے گئے اور اب ان کا ضبط کرنا آسان نہیں، خدا کرے کہ ممدوح کے بڑے صاحبزادہ محترم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ناظم ندوۃ المصنفین دہلی اس طرف متوجہ ہوں تو یہ کام ہو سکتا ہے اس وقت حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے مفصّل حالات وسوانح کا اندراج تو نہ ہو سکے گا مگر اسی کا ایک باب دارالعلوم کے دارالافتاء اور فتاویٰ کی تاریخ ہے اس کو اختصار کے ساتھ یہاں درج کیا جاتا ہے جس کے ذیل میں قصبہ دیوبند اور دارالعلوم کی تاریخ کے بھی کچھ اجزاء مختصر طور پر آگئے ہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی مختصر تاریخ

تقریباً گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان میں تمام علوم دینیہ تفسیر وحدیث اور فقہ و فتوٰی کا مرکز دہلی دارالسلطنت تھا اور مدرسہ رحیمیہ کے نام سے حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ قدّس سرّہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی قائم کی ہوئی ایک درس گاہ علوم نبوت کا سرچشمہ بنی ہوئی اطراف و اکناف میں علمی ضیاء پاشی کر رہی تھی خاندان ولی اللہ کے نجوم ہدایت نوبت بہ نوبت ان فرائض کو انجام دیتے رہے اور اس دور میں ہندوستان اور بیرون ہند جہاں کہیں علوم دینیہ کی روشنی پہنچی وہ عموماً اسی بقعہ نور کی

کوئی کرن تھی۔ دیوبند کا دارالعلوم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے تیرھویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں دہلی کے اس دارالعلوم کے درخشاں ستارے سند العلماء مرجع الفضلاء حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب حضرت مفتی صدرالدین صاحب جیسے اکابر افاضات وافادات میں مشغول تھے رحمت حق سبحانہ وتعالیٰ نے دوآبہ کے شمالی گوشہ سے چند برگزیدہ افراد کو علوم نبویہ کی نشر واشاعت کے لئے منتخب فرمایا اور گنگوہ ونانوتہ سے جو سہارنپور کے مضافات کے دو قصبے ہیں اقطاب وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، ملا محمود صاحب دیوبندی، مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی وغیرہم کو دہلی کے اس(۱) دارالعلوم میں پہنچادیا یہ تکوینی انتخاب تھا۔ شاگرد ہر قسم کی استعداد و قابلیت اور صلاحیت میں مکمل اور اساتذہ اپنی شان تعلیم وتربیت میں بے نظیر۔ یہ حضرات دہلی کے درس سے فارغ ہوکر واپس آئے تو یہ اطراف علوم نبویہ سے بقعہ نور بن گئی اسی اثناء میں ۱۸۵۷ء کا قیامت خیز ہنگامہ ہندوستان میں کھڑا ہوگیا دہلی کے تمام اسلامی شعائر و ماثر فرنگی بربریت کا شکار ہوگئے مستقل مدارس تو کیا رہتے کبار علماء ومشائخ کے شخصی درس بھی قائم نہ رہ سکے فتنہ وہنگامہ فرو ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے چند مقبول بندوں کو کھڑا کردیا خیال تو سب ہی کو تھا مگر مسابقت کی فضیلت دیوبند کے چند بزرگوں کے حصے میں تھی یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حضرت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندی۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی وغیرہم ان حضرات کے باہمی مشورہ سے ایک مدرسہ کی ابتداء ہوئی چندہ کے لئے سب سے پہلے حضرت حاجی عابد حسین صاحب مرحوم نے پیش قدمی فرمائی کہ اپنا رومال پھیلادیا اور اپنا چندہ اس میں رکھ دیا۔ الغرض ۱۲۸۳ھ میں یہ عجائب قدرت اور نیرنگ تقدیر سے تھا کہ یہ درسگاہ نہ گنگوہ میں قائم ہوئی۔ نہ نانوتہ میں اور نہ تھانہ بھون میں جو اس وقت اکابر علماء کی کان تھے بلکہ یہ قرعہ فال قصبہ دیوبند کے حق میں نکل آیا جو اس وقت ایک گمنام اور کوردہ بستی تھی۔

اس قصبہ کی کوئی قدیم مفصل تاریخ تو موجود(۲) نہیں مگر اس کے شکستہ آثار صنادید آج تک بھی اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ بستی ہزار سال سے کہیں زائد عمر رکھتی ہے محلہ سرائے پیرزادگان میں ایک قدیم کنویں کے اندر ایک کتبہ سنسکرت زبان میں لکھا ہوا ہے جس میں اس کی تاریخ ۱۱۹ بکرماجیت پڑھی جاتی ہے (تاریخ دیوبند) یہاں قصبہ کے جنوب مشرق میں ہندوؤں کی ایک تیرتگاہ دی کنڈ کے نام سے مشہور ہے اور وہیں ایک بت کالی دیبی کے نام سے موسوم رکھا ہوا ہے مشہور یہ ہے کہ اس بستی کی اصل یہی تیرتگاہ ہے اور اسی کے

(۱) حضرت نانوتویؒ ۱۲۶۰ھ میں اور حضرت گنگوہیؒ ۱۲۶۱ھ میں دہلی پہنچے "تذکرۃ الرشید۔

(۲) حال ہی میں میرے محترم دوست سید محبوب حسن صاحب رضوی دیوبندی نے تاریخ دیوبند کے نام پر ایک کتاب نہایت تحقیق وتفتیش کے ساتھ لکھی ہے مگر ہنوز مکمل نہیں ہوئی اس کے بعض اجزاء ہوار رسائل میں چھپے ہیں انہی کے کچھ اقتباسات سے اس تحریر میں بھی مدد لی گئی ہے۔

نام سے قصبہ کا ابتدائی نام دیبی بن تھا رفتہ رفتہ دیبن نام ہو گیا احقر کے زمانہ طفولیت تک یہ نام بھی بہت زباں زد تھا اور قدیم کاغذات میں بکثرت یہ نام مذکور ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سیرت زبدۃ المقامات میں جو گیارہویں صدی کے اوائل کی تصنیف ہے ایک مکتوب بنام شیخ احمد دیبنی کے ذیل میں ہے "دیبن موضع است از مضافات سہارنپور میان دوآب" (تاریخ دیوبند) بعد میں دیبن سے دیوبند لقب مشہور ہو گیا آئین اکبری میں دیوبند نام درج ہے۔ مسلمان اس بستی میں کب سے مقیم ہوئے اس کی صحیح تاریخ کا پتہ چلنا متعذر ہے آئین اکبری جلد دوم میں اس قصبہ کے زمیندار گوجر بتلائے ہیں لیکن اس قصبہ کی بعض مساجد کے کتبات اور شاہی فرامین سے اتنا پتہ لگتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بھی اس میں خاصی قدامت رکھتی ہے قصبہ کے وسط میں ایک محلّہ قلعہ کے نام سے موسوم ہے یہاں ایک قدیم قلعہ تھا سلطان سکندر شاہ کے زمانہ میں حسن خان صوبیدار نے اس کی قدیم عمارت کو مسمار کر کے از سر نو پختہ اینٹوں سے تعمیر کرایا۔ اور اسی وجہ سے یہ قلعہ حسن گڈھ کے نام سے موسوم ہے۔ آئین اکبری میں بھی اس قلعہ کا ذکر ہے اور اس قلعہ کی جامع مسجد پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس کے بعینہٖ الفاظ یہ ہیں۔

"بناء شد ایں مسجد جامع در عہد سلطان سلطنت سکندر شاہ ابن سلطان
بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ، تحریر رجب المرجب ستہ عشر و تسعمائۃ ۹۱۰ھ"

جس محلّہ میں احقر کا مکان ہے اس میں بھی بعینہٖ اس جامع مسجد قلعہ کے نقشہ پر اسی انداز کی ایک قدیم مسجد ہے جو آدینی مسجد کے نام سے مشہور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامع مسجد بھی سلطان سکندر شاہ ہی کے عہد میں اسی وقت تعمیر ہوئی ہے اور دو جامع مسجدوں کا وجود قصبہ میں مسلمانوں کی کثرت کا پتہ دیتا ہے محلّہ سرائے پیرزادگان میں ایک مزار سید محمد ابراہیم صاحب نامی بزرگ کا اور اس کے گرد ایک خانقاہ کے آثار آج تک موجود ہیں جہاں اکبر شاہ کے عہد سے اس کے نام پر ایک جاگیر وقف تھی۔ سلطان عالمگیری اورنگزیب کے دو فرمان اسی جائیداد کے متعلق اس وقت بھی موصوف کے خاندان میں محفوظ ہیں جن میں پہلا ۲۷ شوال ۱۰۹۳ھ کی تحریر ہے۔ اور دوسرا ۱۱ شعبان ۱۰۹۷ھ کی۔

انہیں فرامین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس خانقاہ میں علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کا بھی انتظام تھا۔

۱۱۸۹ھ میں دیوبند پر قصبہ اندری ضلع کرنال کے سکھوں نے ایک لاکھ کی جمعیت سے حملہ کیا اور پورے قصبہ کو تاخت و تاراج کر دیا عمارتیں جلا ڈالیں یہ خانقاہ بھی اسی فتنہ میں ویران ہوئی۔

الغرض دسویں گیارہویں صدی ہجری میں دیوبند مسلمانوں کی ایک ممتاز بستی نظر آتی ہے جس میں تعلیم و تدریس اور اصلاح و تربیت کے اچھے آثار پائے جاتے ہیں لیکن دیوبند کا وہ زمانہ جس میں یہاں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جارہی تھی یہ اس کی ویرانی کے بعد کا زمانہ ہے جس میں یہ ایک ایسی کوردہ بستی ہو کر رہ گئی تھی کہ اس کے آس پاس بھی کہیں علم نہ تھا مشہور یہ ہے کہ اس وقت یہاں اگر کسی کنویں میں کوئی جانور گر جاتا تو کوئی اتنا مسئلہ بتلانے والا یہاں نہ تھا جو کنویں کے پاک کرنیکا طریقہ بتلادے لوگوں کو سفر کر کے دوسرے شہروں میں مسائل دریافت کرنے پڑتے تھے۔

مگر تقدیر الٰہی نے اس کو پھر مرکز علم[1] بننے کے لئے چن لیا اور اولیاء و علماء کے اتفاق سے ۱۲۸۳ھ میں یہاں ایک درسگاہ کی ابتداء موجودہ عمارت دارالعلوم کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں جو مسجد چھتہ کے نام سے معروف ہے ایک انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد اور ایک شاگرد سے ہوئی اور کیا حسن اتفاق ہے کہ استاد و شاگرد دونوں کا نام محمود ہے استاد حضرت ملا محمود صاحب دیوبندی اور شاگرد حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند نوراللہ مرقدہ ہما ابتداء کا ایسا محمود ہونا خود عاقبت محمودہ کی ضمانت پیش کررہا تھا۔

یہ درسگاہ اسی طرح اس مسجد میں پھر شہر کے ایک مکان میں دس سال تک جاری رہی۔ ۱۲۹۳ھ میں ایک مستقل عمارت کی بنیاد پڑی جس کی تاریخ اس وقت کے صدر مدرس حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے "اشرف عمارات" لکھی (مثنوی زیروبم حضرت تھانوی)

اس دارالعلوم کی تاسیس ایسے مخلص علماء و اتقیاء کے ہاتھوں ہوئی کہ خلوص، تقویٰ اور سادگی اور اتباع سنت اس کے ہر شعبہ سے نمایاں تھا نام و نمود اشتہار و اعلان مناصب عہدوں کی کشمکش کا وسوسہ بھی کسی کے دل و دماغ میں نہ تھا چند فرشتہ خصلت صحابہ صفت حضرات زہد و قناعت سے آراستہ انسانی پیکر میں یہاں جمع ہوگئے تھے۔ درس تدریس، وعظ و تبلیغ، تصنیف و تالیف فتویٰ و ارشاد کی ہر خدمت ہر ایک فرد سلف کے طرز پر حسب قدرت و فرصت انجام دیتا تھا۔ نہ کوئی ضابطہ کا دارالتصنیف تھا نہ دارالافتاء۔

اس زمانہ کے سوالات اور استفتاء زیادہ ترجمۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف رجوع ہوتے تھے ان حضرات کی طرف سے جوابات جاتے تھے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ اپنی مخصوص و ممتاز متواضعانہ فطرت کی بناء پر فروعی سوالات کا اکثر تو حضرت گنگوہیؒ کی طرف حوالہ فرمادیتے تھے اور جو تحریر فرمائے وہ افسوس ہے کہ کہیں نقل و ضبط نہ ہوئے بجز ان اہم مکاتیب کے جو کسی خاص سوال پر لکھے گئے بڑی حسرت کا مقام ہے کہ حضرت ممدوح کے مکاتیب بھی کچھ اہتمام کے ساتھ محفوظ نہ رہے ایک مدت کے بعد آپ کے مکاتیب کی اشاعت کے لئے ایک موقت الشیوع رسالہ بنام قاسم العلوم شائع ہونے لگا تھا مگر وہ بھی صرف چار نمبر نکل کر ختم ہوگیا وہ بھی آج کل نایاب ہیں ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لا یکون، ان مکاتیب میں مشکلات قرآن و حدیث کے سوالات اور ان پر حضرت موصوف کی تحقیقات کے وہ علمی جواہر ہیں کہ ان کی پوری قدر و قیمت انہیں جیسے حاملان علم جان سکتے ہیں عام اہل علم کی تو ان مضامین عالیہ تک رسائی بھی مشکل ہے ایک ایک جملہ میں علوم کے ابواب ہیں۔

الغرض حضرت قاسم العلوم قدس سرہ کی جو تحریرات ضبط بھی ہوئیں وہ برنگ فتاویٰ نہیں دوسری طرف قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ تاسیس دارالعلوم کے وقت سے دارالعلوم کے

---

(۱) احقر نے اپنے متعدد اساتذہ اور بزرگوں سے یہ روایت سنی ہے کہ حضرت مولانا سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ جب اس طرف سے گذرے اور اس مقام پر پہنچے جہاں آج دارالعلوم کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے اور اس وقت شہر کا کوڑا کباڑ ڈالنے کی جگہ تھی۔ تو دفعۃً اس جگہ ٹھہر گئے اور فرمایا کہ یہاں سے علوم نبوت کی بو آتی ہے۔

رکن شوریٰ اور ارکان وبانیان دار العلوم کے ساتھ مدرسہ کی صلاح وفلاح میں ہمیشہ سے ساعی تھے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت قاسم العلوم والخیرات کی وفات کے بعد سب اہل مدرسہ کی نظر حضرت ممدوح پر پڑی اور آپ ہی کو مدرسہ کا سرپرست قرار دیا گیا۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے یہاں فتاویٰ کی کثرت تھی اور یہیں سے دار العلوم کے فتاویٰ کا ابتدائی دور شروع ہوتا ہے اور فقہ وفتاویٰ کے باب میں اس دَور کی پوری جماعت میں سے حق تعالیٰ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کو چن لیا تھا اس زمانہ کے تمام علماء ومشائخ فتوے کے باب میں حضرت گنگوہیؒ کے فتاوے پر اعتماد کرتے تھے احقر نے سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے خود سنا ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ حضرت گنگوہیؒ کو ابو حنیفہ عصر فرمایا کرتے تھے (بلفظه او كما قال) اور سید حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا اعتقاد وعمل بھی حضرت گنگوہی کے فتاوے کے ساتھ اسی طرز کا تھا اور میرے استاد محترم شیخ مشائخ العصر حضرت العلا مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری سابق صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا حضرت شاہ صاحب کی زبان سے فقیہ النفس کا لفظ متاخرین میں سے یا تو صاحب بحر الرائق کی نسبت سے سنا ہے اور یا حضرت گنگوہیؒ کی نسبت۔ یہاں تک کہ علامہ ابن عابدین شامی کے تبحر علمی کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کو فقیہ النفس نہ فرماتے تھے۔

فتاویٰ دار العلوم کا پہلا دور فتاویٰ رشیدیہ

الغرض دار العلوم کے فتاویٰ کا ابتدائی دور فتاویٰ رشیدیہ سے شروع ہوتا ہے لیکن نہایت حسرت کا مقام ہے کہ حضرت ممدوح کے فتاویٰ کی نقول محفوظ رکھنے کا شروع میں نہ توکوئی انتظام تھا پھر کچھ مختصر اور ناتمام سا انتظام ہوا بھی مگر ان کے ضبط واشاعت یا حضرت ممدوح کی نظر ثانی کا کوئی موقع نہیں آیا ان کی اشاعت حضرت کی وفات کے بعد مختلف اطراف میں گئے ہوئے خطوط کو جمع کر کے کی گئی اور ان میں ایک اختلاط یہ بھی پیش آگیا کہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کی ظاہری بینائی نزول ماء سے جاتی رہی تھی (تذکرہ ص ۱۰۰ ج ۱) خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے تھے اس وقت اکثر خطوط اور فتاویٰ کا جواب حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرمایا کرتے تھے جن میں کبھی تو حضرت بطور املاء کے الفاظ لکھواتے تھے اور کبھی مضمون بتلادیا کہ یہ لکھدیں اس لئے جو استناد واعتماد کا درجہ حضرت ممدوح کے فتاوے کو ہونا چاہئے تھا اس میں ایک حد تک کمی رہ گئی فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے جو تین حصے شائع ہوئے ہیں ان میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مخصوص تلامذہ ومریدین اور خلفاء حضرت ممدوح کا فتاویٰ شائع شدہ فتویٰ کے خلاف نقل کرتے ہیں یہ ممکن ہے کہ ان میں ابتداء حضرت گنگوہی کا وہی فتاویٰ ہو جو شائع ہوا لیکن آخر تک حاضر خدمت رہنے والے اکابر علماء نے جو نقل کیا وہ وہی آخری فتویٰ اور راجح قول شمار ہوگا مثلاً ربوا فی دار الحرب کے متعلق فتاویٰ رشیدیہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے قول مشہور کے

موافق دارالحرب میں کفار سے سود لینے کو ناجائز لکھا ہے مگر حضرت گنگوہی قدس سرّہ کے متعدد خلفاء اور حضرت حکیم الامت قدس سرّہ سے بارہا یہ سنا کہ حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اس باب میں صاحبین اور جمہور کے موافق تھا اور اسی وجہ سے حضرت ممدوح نے حضرت حکیم الامت کے رسالہ تحذیر الاخوان پر دستخط نہیں فرمائے کہ اس کے مضمون سے حضرت کو اختلاف تھا اسی طرح سماع موتٰے کے مسئلہ میں جو مضمون فتاویٰ رشیدیہ میں طبع ہوا ہے استاذی وسیدی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی دارالعلوم حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ اس کے خلاف نقل فرماتے تھے واللہ اعلم بحقیقتہ الحال. خلاصہ یہ ہے کہ دارالعلوم کے ابتدائی دور میں اصل مدار فتویٰ حضرت گنگوہی قدس سرّہ تھے اور خاص دارالعلوم میں جو فتاویٰ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے نام آتے تھے ان کو حضرت ممدوح کبھی خود تحریر فرماتے اور کبھی کسی شاگرد کے حوالہ فرمادیتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی

تاآنکہ فتاویٰ کی کثرت ہوئی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بہت وقت اس میں صرف ہونے لگا تو ارباب شوریٰ نے آپ کو تعلیمی کام سے سبکدوش کرکے فتاویٰ کی اہم خدمت کے لئے مقرر کردیا۔ روئداد مدرسہ ۱۳۰۱ھ میں اس کے متعلق مذکور ہے۔ "اس موقع پر یہ بھی بہت ضروری ہے کہ جناب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو بوجہ کثرت تحریر استفتاء وغیرہ جو ہر طرف ملک ہندوستان سے بکثرت آتے تھے بہت کم فرصت تعلیم کی ہوتی تھی لہذا اہل شوریٰ نے مولانا مرحوم کو کار تعلیم سے سبکدوش کردیا تھا مگر تبرکاً مختصر کار تعلیم ان کے ذمہ رکھا تھا۔" (روئداد ۱۳۰۱ھ)

لیکن ان کی نقل وضبط کا کوئی انتظام ۱۲۹۶ھ سے پہلے نہیں ہوسکا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ حضرت ممدوح کی خدمت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوئے اور اس وقت کے بیشتر فتاویٰ ممدوح نے حضرت تھانوی قدس سرّہ سے لکھوائے اور خود ملاحظہ فرماکر اپنے دستخط کے بعد روانہ کرائے ان فتاویٰ کی نقل کا سیدی حضرت تھانوی قدس سرّہ نے اہتمام فرمایا جیسا کہ اپنے مقبول عالم امداد الفتاویٰ کے دیباچہ میں حضرت نے اپنے فتاویٰ کے تین حصے ذکر فرمائے ہیں ایک حصہ ۱۳۰۱ھ تک ہے اس کے اکثر بلکہ کل فتاویٰ وہ ہیں جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرّہ کی نظر واصلاح اور تصدیق کا شرف رکھتے ہیں دوسرا حصہ وہ فتاویٰ ہیں جو ۱۳۰۱ھ کے بعد قیام کانپور کے زمانہ میں لکھے گئے تا ۱۳۱۴ھ تیسرا حصہ ۱۳۱۵ھ کے بعد کا ہے جو زمانہ قیام خانقاہ تھانہ بھون میں لکھے گئے ان میں بیشتر حضرت گنگوہی قدس سرّہ سے بھی مراجعت کی گئی۔ اس لئے

فتاویٰ دارالعلوم کی قسط ثانی امداد الفتاویٰ

فتاویٰ دارالعلوم کی قسط ثانی امداد الفتاویٰ کو کہا جاوے تو بیجا نہیں ۱۳۰۱ھ میں حضرت مولانا محمد

یعقوب صاحب قدس سرہ کی وفات ہو گئی اس کے بعد سوالات واستفتاء کچھ تو مختلف مدرسین کے نام اور کچھ مہتمم دار العلوم حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آتے تھے چونکہ فتوی نویسی کے لئے اس وقت تک کوئی دار الافتاء اور خاص عملہ نہ تھا اس لئے طریق کار یہ رہا کہ استفتاء مختلف حضرات مدرسین میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے ہر شخص اپنے اپنے فتاوی لکھ کر پیش کر دیتا اور وہ دار العلوم سے روانہ کئے جاتے تھے مگر افسوس کہ ان فتاوی کی نقل کا بھی کوئی اہتمام نہ ہوا کیم شوال ۱۳۰۴ھ میں جب کہ مدرسہ کی شہرت عالمگیر ہونے کے سبب اطراف ملک سے سوالات کی کثرت دیکھی گئی اور مدرسین سے یہ کام لینے میں تعلیم کا بھی حرج نظر آیا اور فتاویٰ میں تاخیر ہونے کے سبب لوگوں کو تکلیف بھی تھی اس لئے مدرسہ کے ارباب شوریٰ نے مستقل دار الافتاء کی تجویز کر کے ایک اعلان کیا جس کے چند جملے یہ ہیں۔

" یہ خیال آیا کہ اس کار خیر کے لئے جداگانہ ایک فتوی نویس ذی استعداد جو اس کام کو بہت خوبی کے ساتھ انجام دے مقرر ہونا چاہئے۔ بلکہ ایک نائب جو فی الجملہ استعداد عربی بھی رکھتا ہو اس کے ماتحت رہے اور ایک رجسٹر میں آمد و روانگی سوالات وجوابات تحریر ہوا کریں اور نیز ایک کتاب جس میں نقل فتاویٰ درج ہو اس کے سپرد کی جاوے (الی قولہم) اس صورت کے انتظام سے منجملہ فوائد دیگر کے چند فوائد یہ ہیں کہ اس مدرسہ میں ایک بے نظیر مجلد فتاویٰ مثل فتاویٰ عالمگیری مرتب ہو جائے گا جس سے مثل فتاویٰ عالمگیری بہت کچھ فائدے متصور ہیں۔" (روئداد دار العلوم ۱۳۰۴ھ صفحہ نمبر آخری ٹائیٹل)

اعلان مذکور میں مستقل مفتی رکھنے کے لئے چندہ کی اپیل کی گئی یہ تجویز اور اپیل ۱۳۰۴ھ میں کی گئی تھی اس کا ظہور ۱۳۱۰ھ میں اس طرح ہوا کہ ۷ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ میں مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میرٹھ[1] سے بلا کر دار العلوم کا نائب مہتمم مقرر کیا گیا تھا۔ (روئداد ۱۳۰۹ھ صفحہ ۷)

دار العلوم میں دار الافتاء کا قیام ۱۳۱۰ھ

۱۳۱۰ھ میں سوالات کی روز افزوں کثرت وضرورت کو دیکھ کر ارکان دار العلوم اہل شوریٰ نے جن میں حضرت اقدس مولانا گنگوہی قدس سرہ بھی شامل تھے حضرت مفتی صاحب موصوف کو نیابت اہتمام کے بجائے مستقل مفتی مقرر فرما دیا جس کے متعلق روئداد ۱۳۱۰ میں یہ تحریر ہے۔

" چونکہ بفضل تعالیٰ اس مدرسہ کی شہرت دور دور ہے اس وجہ سے مقامات دور دراز سے استفتاء بکثرت آتے ہیں اور مدرسان عربی کو کار تعلیم سے اس قدر فرصت نہیں ہوتی کہ بلا حرج تعلیم ان کے جوابات لکھ سکیں اور اشاعت اور تعلیم علوم دین سے بڑا مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو مسائل شرعیہ دریافت ہوں اور تحقیق حق میں سہولت ہو (الی قولہ) لہذا بنظر مصلحت یہ تجویز قرار پائی کہ عہدہ نائب مہتمم کا تخفیف میں آوے اور مولوی عزیز الرحمٰن نائب مہتمم کو اس عہدہ سے جدا کر کے خدمت افتاء مدرسہ و تعلیم اسباق شرح ملا

(۱) حضرت مفتی صاحبؒ اس وقت شہر میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ میں مدرس تھے۔

سے نیچے کی کتب پر مقرر کئے جاویں اور مشاہرہ (۱) ان کا بدستور سابق رہے (روئداد ۱۳۱۰ھ ص ۲)

الغرض ۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم کے اندر مستقل دارالافتاء کی بنیاد پڑ گئی لیکن ہنوز کوئی نائب یا ناقل فتاویٰ مقرر نہ تھا اس لئے نقل فتاویٰ کا انتظام اب بھی نہ ہوا اور غالباً ۱۳۲۸ھ تک اسی طرح بلااہتمام نقل کے فتاویٰ روانہ ہوتے رہے مدرسہ کے دارالافتاء میں جو رجسٹر فتاویٰ کے محفوظ ہیں ان میں سے سب سے پہلا رجسٹر ۱۳۲۹ھ کا ہے جس سے آپ کے پیش نظر عزیزالفتاویٰ شروع کیا گیا ہے۔ ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۴۴ھ تک پورے چونتیس سال حضرت مفتی صاحب قدس سرہ اس اہم خدمت کو انجام دیا اور جس شان واعتماد سے انجام دیا اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے آپ کو اس منصب کے لئے تجویز کیا اور حضرت ممدوح کے سامنے ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک جو سن وفات حضرت گنگوہیؒ کا ہے حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ ملک میں شائع ہوتے رہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں بکثرت حضرت گنگوہیؒ کی طرف مراجعت فرماتے تھے خود احقر نے حضرت مفتی صاحبؒ سے اس مراجعت کے بہت سے واقعات سنے ہیں پھر اس زمانہ کے عامہ علماء ومشائخ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے فتاویٰ پر پورا اعتماد کیا الغرض یوں تو دارالعلوم کے فتاویٰ کا سلسلہ فتاویٰ رشیدیہ اور پھر امدادالفتاویٰ سے شروع ہوتا ہے اور یہ دونوں فتاویٰ درحقیقت آئندہ فتاویٰ دارالعلوم کے لئے قدوہ واسوہ ہیں لیکن مستقل دارالافتاء کے قیام کے بعد سے جو سلسلہ فتاویٰ کا شروع ہوا وہ یہی فتاویٰ ہیں جو عزیزالفتاویٰ کے نام سے آپ کے سامنے ہیں۔ ۱۳۴۴ھ میں بہ نیرنگ تقدیر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے اور اس وقت سے ۱۳۵۷ھ تک نائب مفتی مولانا مسعود احمد دیوبندی داماد حضرت شیخ الہندؒ جو زمانہ دراز سے حضرت مفتی صاحبؒ کی نیابت میں یہ کام کر رہے تھے اب بطور قائم مقام مفتی اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ ۱۳۴۷ھ میں ہجوم فتاویٰ اور ضرورت پر نظر کر کے ارباب دارالعلوم نے حضرت مولانا ریاض الدین صاحب کو مدرسہ عالیہ میرٹھ سے طلب کر کے یہ منصب سپرد کیا موصوف نے محرم ۱۳۴۹ھ تک یہ خدمت انجام دی لیکن پھر بمصالح مدرسہ موصوف کو تعلیم کی طرف منتقل کر کے اس ناکارہ خلائق کو اس خدمت کے لیے مامور کیا گیا۔ صفر ۱۳۴۹ھ سے ۱۳۵۴ھ تک پانچ سال حسب استطاعت احقر نے یہ خدمت انجام دی وسط ۱۳۵۴ھ بعض مصالح مدرسہ کی بناء پر احقر کو تعلیم وتدریس کے لئے مامور کیا گیا اور حضرت مولانا سہول صاحب بہاری سابق پروفیسر یونیورسٹی پٹنہ بہار کو اس منصب کے لئے لایا گیا مگر موصوف اپنی ذاتی ضروریات کی بناء پر یہاں زیادہ قیام نہ فرما سکے بلکہ ۱۳۵۵ھ سے ۱۳۵۷ھ تک اس خدمت کو انجام دینے کے بعد پھر اپنی سابق ملازمت پر پٹنہ بہار تشریف لے گئے وسط ۱۳۵۷ھ سے آپ کی جگہ مولانا حافظ کفایت اللہ صاحب میرٹھی کو لایا گیا مگر موصوف بھی اس جگہ زیادہ قیام نہ فرما سکے آخر ۱۳۵۷ھ میں اس جگہ سے منتقل ہو گئے۔ ۱۳۵۸ھ میں پھر قرعہ فال اس ناکارہ کے نام پر نکلا اور بجائے تدریس کے پھر خدمت

(۱) اس وقت آپ کا مشاہرہ صرف بیس تھا۔

افتاء پر مامور کیا گیا ۱۳۶۲ھ تک دوبارہ پانچ سال پھر اپنی قدرت واستطاعت کے موافق اس سلسلہ میں کاغذ سیاہ کئے مگر بہ نیرنگ تقدیر ۱۳۶۲ھ میں کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے کہ ۵ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ کو احقر نے دار العلوم کی ضابطہ کی خدمت سے استعفا پیش کردیا اور ملازمت سے یکسو ہوگیا گو اصل خدمت فتاویٰ جو بہر حال دار العلوم ہی کا فیض اور اسی کی خدمت ہے، بحمد اللہ جاری ہے اور امید و دعاء ہے کہ آخر دم تک جاری رہے ۱۳۶۲ھ میں مولانا فاروق احمد صاحب انبہٹوی سابق شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ بہاولپور کو یہ منصب تفویض کیا گیا تقریباً ایک سال سے کچھ زائد موصوف نے یہ خدمات انجام دی پھر ۱۳۶۴ھ میں استاذنا المحترم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دامت برکاتہم کو تدریس و تعلیم دار العلوم کے بجائے یہ منصب تفویض ہوا اور بفضلہ تعالیٰ تاحال حضرت ممدوح کا یہ فیض جاری ہے دعا اور امید ہے کہ عزیز الفتاویٰ کے بعد اب اعزاز الفتاویٰ کا مجموعہ تشنگان علوم کے لئے سیرانی کا ذریعہ ہو۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان..... یہ مختصر تاریخ ہے دار العلوم دیوبند کے فتاویٰ اور دار الافتاء کی جو اہل فن کی بصیرت اور احباب کی دلچسپی کے لئے ذکر کردی گئی اب چند امور ضروری بابت ہر دو حصہ عزیز الفتاویٰ و امداد المفتین ذکر کئے جاتے ہیں جن کا پیش نظر ہونا اس کتاب کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ضروری ہے۔

ضروری معروضات متعلقہ عزیز الفتاویٰ

(۱) تفصیل سابق میں آپ یہ معلوم کر چکے ہیں کہ مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمان صاحبؒ کے فتاویٰ کی نقل اور ضبط کا انتظام ۱۳۲۸ھ کے بعد سے ہوا اور دار الافتاء میں جو رجسٹر فتاویٰ محفوظ ہیں ان میں سب سے پہلا ۱۳۲۹ھ کا رجسٹر ہے لیکن اس رجسٹر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نقل بھی بہت سے مختلف لوگوں نے کی ہے جن میں اکثر نہایت بدخط ہیں پڑھنا بھی آسان نہیں پھر اغلاط کتابت سے بھرا ہوا ہے اس کے بعد کے رجسٹر جو صاف بھی ہیں ان میں بھی چونکہ کتابت کے بعد تصحیح و مقابلہ کا انتظام نہیں رہا اس لئے اغلاط کتابت ان میں بہت ہیں اور واضح ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو ان فتاویٰ پر نظر ثانی کا موقع نہیں ملا بجز ان فتاویٰ کے جو اس زمانہ کے رسائل ماہور القاسم والرشید میں شائع ہوئے ان پر شاید نظر ثانی کی گئی ہو مگر وہ بہت کم مقدار ہے پھر تمام رجسٹروں میں فتاویٰ بہ ترتیب تاریخ درج ہیں مضامین اور ابواب فقہ کی کوئی ترتیب نہیں علاوہ ازیں اطراف ملک سے ایک ہی مضمون کے بہت سے سوالات آتے ہیں اور ان سب کے جوابات نقل ہوتے ہیں اس لئے ایک ہی قسم کے سوال وجواب کا تکرار ان رجسٹروں میں بکثرت ہے ان وجوہ سے یہ تمام علمی ذخائر و دفاتر اس وقت تک تقریباً ناقابل انتفاع تھے اور اکابر دار العلوم کی وہ تجویز ۱۳۰۴ھ میں جس میں نقل فتاویٰ کی غرض یہ ظاہر کی گئی ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی طرح یہ مجموعہ فتاویٰ بھی مسلمانوں کے لئے ایک مفید ذخیرہ ثابت ہو بروئے کار نہ آسکتی تھی۔ ۱۳۵۹ھ میں اس ناکارہ خلائق کا تقرر جب دار الافتاء کی خدمت پر ہوا اور ان دفاتر کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تو ان کی تہذیب و ترتیب اور اشاعت کا خیال بار بار آیا مگر کام آسان نہ تھا پھر اشاعت کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت اس لئے ایک عرصہ تک یہ خیال تمنا سے آگے نہ بڑھا بلا آخر

۱۳۵۴ھ میں حق تعالیٰ نے اپنے فضل ورحمت سے ایک تجویز دل میں ڈالی کہ ایک ماہوار رسالہ المفتی کے نام سے جاری کر کے اس میں بتدریج ان فتاویٰ کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جائے چنانچہ بمشورہ سیدی حضرت حکیم الامت واستاذی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ بنام خدا تعالیٰ یہ سلسلہ شروع کر دیا معین ومددگار کوئی نہ تھا اول رجسٹر کو دیکھ کر اغلاط کی تصحیح، ابواب فقہیہ پر ترتیب، مکررات کا حذف، پھر کتابت وطباعت کا انتظام یہ سب کچھ خود ہی کرنا پڑا تصحیح اغلاط میں بڑی محنت اٹھانے کے باوجود تصحیح پر پورا اطمینان نہ ہو سکا۔ تبویب کا سلسلہ بھی پانچویں جلد چلانے کے بعد جلد ششم سے باقی نہ رکھا جا سکا سب سے بڑی فکر یہ دامنگیر تھی کہ ان فتاویٰ پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کی نظر ثانی نہیں ہوئی بہت سے مواقع میں ظن غالب یہ معلوم ہوا کہ اگر نظر ثانی ہوتی تو ان میں کچھ ترمیم ضرور ہوتی کیونکہ بہت سے مسائل جو وقتی حالات کے متعلق ہیں حالات بدل جانے سے ان کے احکام بدل جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ۱۳۲۸ھ میں جو فتاویٰ لکھے گئے ۱۳۵۴ھ میں ایسے مسائل میں بہت سا تغیر ہو جانا ناگزیر ہے احقر نے اس سلسلہ میں اپنا یہ معمول قرار دیا کہ جس جگہ یقینی طور پر کتابت کی غلطی ثابت ہو وہاں تو تصحیح کر دی اور جس جگہ شبہ رہا وہاں ترمیم نہ کی بلکہ حاشیہ میں متنبہ کر دیا اسی طرح جن مسائل کے احکام حالات بدل جانے کے سبب سے بدل گئے وہاں بھی حاشیہ میں تنبیہ کر دی معدودے چند مقامات ایسے بھی آئے ہیں جن میں حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ پر احقر کو شرح صدر نہیں ہوا اور میرا اپنا فتویٰ اس کے مطابق نہیں ہو سکا اور عزیز الفتاویٰ وامداد المفتین میں فتاویٰ کا اختلاف رہا ایسے مواقع میں بھی حاشیہ پر تنبیہ کر دی گئی ہے ان مسائل میں اہل علم اپنی بصیرت پر اور عوام دوسرے علماء کی طرف مراجعت کر کے جس پر اطمینان ہو اس پر عمل کریں۔ امور مذکورہ بالا کی رعایت اور تصحیح میں طبع اول میں کچھ خامیاں بھی باقی رہ گئی تھیں اب بعونہ تعالیٰ طبع ثانی میں ان کے ازالہ کی پھر کوشش کی گئی اور تبویب و ترتیب کا بھی از سر نو اہتمام کیا گیا خدا کرے کہ یہ کوشش ٹھکانے لگ جائے اور اکابر دارالعلوم کا مقصد پورا ہو اور اس ناکارہ وسیہ کار کے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔ (وما ذٰلك على الله بعزيز)

معروضات متعلقہ امدادالمفتین

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ یہ ناکارہ وآوارہ ہر ہنر اور علم وعمل سے عاری بندہ محمد شفیع دیوبندی ابن مولانا محمد یٰسین صاحب مدرس فارسی دارالعلوم ابن میاں جی تحسین علی صاحب ابن میاں جی امام علی صاحب[1] ساکن

---

(۱) میاں جی امام علی ابن میاں جی کریم اللہ صاحب ابن میاں جی خیر اللہ ابن میاں جی شکر اللہ اصل باشندے موضع جوراسی متصل قصبہ منگلور ضلع سہارنپور کے ہیں حضرت میاں جی کریم اللہ صاحب اول مع اہل وعیال دیوبند میں منتقل ہوئے یہ حضرات جہاں تک تسامع سے ثابت ہوا شیوخ عثمانی ہیں اور امہات وازواج کی طرف سے سادات کے ساتھ قریبی تعلقات رہے ہیں منتقل ہوئے پورے اسباب کسی قابل وثوق ذریعہ سے معلوم نہیں خاندان کے بعض لوگوں سے یہ سنا کہ نواب نجیب الدولہ کے زمانہ میں ہنود نے اس موضع کے مسلمانوں پر مظالم کئے اور حافظ کریم اللہ صاحب نے نجیب آباد جا کر نواب موصوف سے ان مظالم کا اظہار کیا موصوف نے ظالموں سے انتقام لیا پھر فتنہ واختلاف سے بچنے کے لئے حافظ صاحب ممدوح نے ترک وطن کر کے دیوبند میں قیام کر لیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ دیوبند میں جد امجد حضرت میاں جی امام علی صاحب فارسی پڑھاتے تھے اس وقت قصبہ کا شاید کوئی گھر خالی نہ تھا جو ممدوح کی شاگردی سے بے نیاز ہو احقر نے اپنے زمانہ کے بڑے بوڑھوں کو اپنے خاندان کے بچوں تک کی تعظیم اسی بناء پر کرتے ہوئے پایا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع۔

دیوبند عرض گزار ہے کہ احقر ۱۳۳۵ھ کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہوا تو میرے مربی حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب سابق مہتمم دارالعلوم نے مدرسہ میں ابتدائی کتب کی تعلیم احقر کے سپرد فرمادی۔ صفوۃ العلماء مفتی اعظم استاد محترم حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحبؒ کی خدمت میں احقر کو مشکوٰۃ اور جلالین شریف وغیرہ پڑھنے کا شرف حاصل تھا اور حضرت ممدوح بغایت عنائت فرماتے تھے۔ اس عرصہ میں گاہ گاہ کچھ سوالات عطا فرمادیتے اور احقر جواب لکھ کر پیش کردیتا تھا جو اصلاح و تصدیق کے بعد روانہ کئے جاتے مگر تعلیمی مشاغل کے سبب یہ سلسلہ کچھ زیادہ نہ رہ سکا اور ۱۳۵۰ تک تقریباً پندرہ سال احقر دارالعلوم میں تعلیم و تدریس کے کام میں مشغول رہا۔ فتوی اور منصب فتوی کا وہم و گمان بھی کہیں حاشیہ قلب میں نہ آسکتا تھا مگر نیرنگ تقدیر سے ۱۳۴۴ھ میں حضرت مفتی صاحب موصوف دارالعلوم کی ملازمت سے مستعفی ہوئے اور ارکان دارالعلوم کو اس جگہ کے انتظام کی فکر پڑی چند سال تک مختلف، صورتوں سے دارالافتاء کا انتظام جاری رہنے کے بعد ۱۳۴۹ھ میں احقر کے اساتذہ اور عمال دارالعلوم نے یہ خدمت اس ناکارہ کے سپرد کرنے کی تجویز طے کردی میں اپنی علمی بے بضاعتی سے بے خبر تو نہ تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کام کے لئے علم کے جس پایہ و منزلت کی ضرورت تھی اس سے پورا واقف بھی نہ تھا تعلیمی خدمتوں کی طرح حضرات اساتذہ اور بالخصوص سیدی واستاذی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ محدث دارالعلوم اور سیدی وسندی مرشدی حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی امداد واعانت کے بھروسہ اس بار کو بھی سر پر اٹھالیا۔ کئی سال تک کام کرنے کے بعد اس علم تک رسائی ہوئی کہ یہ کام مجھ جیسے بے بضاعت و بے لیاقت لوگوں کا نہیں ؎

سمجھے اتنا کہ کچھ نہ سمجھے افسوس معلوم ہوا کہ کچھ نہ معلوم ہوا

ارادہ کیا کہ اس خدمت سے استعفاء پیش کردوں۔ سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اس ارادہ کا ذکر کیا تو حضرت ممدوح نے اس کی اجازت نہ دی اور کام میں پورا غور و فکر کرنے کی ہدایت کے ساتھ چند اصول بھی ارشاد فرمائے جس سے یہ کام سہل ہوجائے دوسری طرف سیدی حضرت میاں صاحب (مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ) کو منجانب دارالعلوم باضابطہ احقر کے فتاویٰ پر نظر و اصلاح کرنے کے لئے مامور کردیا گیا تھا اور اہم مشکلات الفتاویٰ میں اکثر وبیشتر سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے مراجعت رہتی تھی ان اکابر کی توجہ خاص اور برکات ظاہریہ وباطنیہ کے سبب اس کام میں لگا رہا لیکن اب بھی یہ کسے خیال تھا کہ ایک ناکارہ وآوارہ کی تحریرات پریشان فتاویٰ کہلائیں گی یا کسی وقت بصورت فتاویٰ ان کی اشاعت ہوگی تاآنکہ احقر ہی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ استاذی المحترم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے فتاویٰ جو ایک بھاری تعداد میں دارالافتاء دس مجلدات ضخیمہ میں محفوظ ہیں اگر ان کی ترتیب و تبویب ہوکر اشاعت ہوجائے تو نہ صرف حضرت استاذ کی عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگے بلکہ دارالعلوم کی ایک بڑی خدمت بروئے کار آجائے جس کی پیشن گوئی اکابر دارالعلوم کی زبان پر اس وقت آئی تھی جب دارالعلوم میں مستقل

دارالافتاء کا افتتاح ہو رہا تھا" نقول فتاویٰ کو محفوظ رکھا جاوے تاکہ کسی وقت وہ بھی فتاویٰ عالمگیری کی طرح ایک مستند فتاویٰ ہو کر نافع خلائق ہو۔" (روئدادِ دارالعلوم ۱۳۴۰ھ)

الغرض حضرت مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ کی اشاعت کا خیال آیا حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ سے بطور مشورہ عرض کیا حضرتؒ نے بہت پسند فرمایا اور اشاعت کی ترغیب دی ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا کہ اپنے فتاویٰ کا بھی ایک سلسلہ اس کے ساتھ شائع ہوتا رہے تو بہتر ہے اور میرے تحریر کردہ فتاویٰ کا نام بھی حضرت قدس سرہ نے امداد المفتین تجویز فرمایا کیونکہ خود حضرت کے فتاویٰ کا نام امداد الفتاویٰ رکھا جا چکا تھا اور پھر خانقاہ تھانہ بھون میں جب فتاویٰ کا کام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مد ظلہم کے سپرد ہوا تو ان کے فتاویٰ کا نام حضرت نے امداد الاحکام تجویز فرمایا پھر مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلی نے جب خانقاہ میں فتویٰ کا کام کیا تو ان کے سلسلہ فتاویٰ کا نام امداد المسائل رکھا اسی سلسلہ امدادیہ کے تفاؤل کے ساتھ احقر کے محررہ مسائل کا نام امداد المفتین رکھا گیا اور ۱۳۵۴ھ میں بنام خدا تعالیٰ فتاوے کے دونوں سلسلوں کی اشاعت شروع ہو گئی۔ حضرت الاستاذ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ فتاویٰ بنام عزیز الفتاویٰ اور احقر کے محررہ مسائل بنام امداد المفتین شائع ہونے لگے آٹھ سال بحمد اللہ یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں سلسلوں کی آٹھ آٹھ جلدیں تیار ہو گئیں اس تمام سعی میں عزیز الفتاویٰ کی اشاعت تو اصل مقصود تھی اور اپنے فتاویٰ کو شائع کرنے سے میرا اصل مقصود یہ تھا کہ اہل علم کی نظر سے گزریں گے تو اغلاط کی اصلاح ہو جاوے گی چنانچہ اب جلد اول و دوم کی طبع ثانی کے وقت یہ دونوں جلدیں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کمتھلی مفتی تھانہ بھون اور حضرت مولانا محمد سعید صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور کو اصلاحی نظر سے دیکھنے کے لئے پیش کی حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب مد ظلہم نے کرم فرما کر باستیعاب ملاحظہ فرمایا اور چند مواقع میں اصلاحی مشورے بھی تحریر فرمائے جو اپنی اپنی جگہ بطور حواشی کے ثبت کر دیئے گئے اور بعض مواقع میں ان مشوروں کے موافق اصل کتاب میں ترمیم کر دی گئی اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ احقر کے کثیر التعداد فتاویٰ پر حضرت (میاں صاحب) مولانا سید اصغر حسین محدث دارالعلوم بھی نظر فرماتے رہے اور اہم فتاویٰ میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی نظر و اصلاح کا بھی شرف حاصل ہوا مگر افسوس کہ کام کرنے کے وقت اس کا اہتمام نہ ہوا کہ ایسے سب فتاویٰ پر ان حضرات کے دستخط یا کم از کم ان کی نظر سے گزرنے کی کیفیت لکھ دی جاتی بعض پر لکھی گئی، بعض پر نہیں بہر حال اب ان حضرات اکابر کی نظر و اصلاح کے بعد امید ہو گئی کہ یہ مجموعہ بھی ایک مفید مجموعہ ہو جائے گا۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

اہل علم اور ارباب فتویٰ سے ضروری درخواست

حضرات علماء اور ارباب فتویٰ سے باادب درخواست ہے کہ ان فتاویٰ میں جس جگہ کوئی غلطی یا خامی محسوس فرماویں میری زندگی میں تو مجھے مطلع فرما کر ممنون فرماویں کیونکہ احقر نے اپنے فتاویٰ اور جملہ تصانیف کے متعلق سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے مشورے اور تجویز کے موافق آپ کی تصنیف

ترجیح الرائج کی طرف ایک مستقل سلسلہ بنام "اختیار الصواب فی جمیع الابواب" شروع کردیا ہے جو امداد المفتین کا ضمیمہ ہوگا اس میں اپنے فتاویٰ اور تصانیف میں جس جگہ کوئی ترمیم واصلاح خود اپنی نظر ثانی سے یا کسی بزرگ کے ارشاد سے سمجھ میں آوے گی وہ درج کردی جائے گی تاکہ اس کی طبع جدید کے وقت اصلاح میں آسانی ہو اور میرے انتقال کے بعد جب تک مکتبہ دارالاشاعت جاری ہے اس کے ناظم کو مطلع فرماویں کہ وہ علماء کے مشوروں کو بصورت حاشیہ ان کے مواقع میں ثبت فرماویں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اسال الوقایة عن الغوایة وان لا یجعلنی من الذین ضل سعیهم فی الحیوٰة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا.

نہ بحرف ساختہ سرخوشم، نہ بہ نقش بستہ مشوشم، نفسے بیاد تومی زنم، چہ عبارت وچہ معانیم واللہ ولی التوفیق وهوبه حقیق و نعم الرفیق فی کل طریق.

العبدالضعیف محمد شفیع دیوبندی عفی اللہ عنہ ۱۳۶۶ھ

ضمیمہ

اقتباس از تحریر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب کی طبع ثانی کے وقت بحمد اللہ احقر کی دیرینہ آرزو پوری ہونیکے آثار شروع ہوئے کہ دار العلوم دیوبند کے فتاویٰ کی اشاعت پر خود دار العلوم کے ذمہ دار حضرات نے توجہ دی تمام رجسٹروں کے فتاویٰ کی اہتمام کے ساتھ بتویب کرائی اور بحمد اللہ اس کی پہلی جلد جو صرف کتاب الطہارت پر مشتمل ہے طبع ہو کر سامنے آگئی اس کے شروع میں دار الافتاء دار العلوم کی تاریخی معلومات پر خود اس دار العلوم کے محترم مہتمم صاحب نے ایک مقالہ لکھا، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا کچھ حصہ یہاں درج کر دیا جائے۔ وہو ہذا۔

الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی!

دار العلوم دیوبند میں تعلیم کے ساتھ ساتھ افتاء کا سلسلہ بھی ہمیشہ سے جاری رہا ہے، لیکن ابتداء اس کی کوئی منظّم اور ذمہ دارانہ صورت نہ تھی انفرادی طور پر اساتذہ اور علماء ادارہ مستفتیوں کے سوالوں کے جوابات دیدیا کرتے تھے، جسے جس سے مناسبت ہوئی اس نے اسی سے پوچھ لیا اور عمل پیرا ہو گیا عملی انضباط کی کوئی صورت نہ تھی۔

دار الافتاء دار العلوم

۱۳۱۰ھ میں جب کہ دار العلوم کی عمر بائیس سال تھی، اس میں افتائی خدمات کو منظّم بنانے کی داغ بیل ڈالی گئی گویا ضابطہ میں دار العلوم نے افتائی خدمات کی ذمہ داری لی، لیکن اب بھی اس کی کوئی اداری صورت نہ تھی ضمنی طور پر مختلف اساتذہ سے افتاء کا کام لیا جاتا رہا فرق اتنا تھا کہ پہلے مستفتی ان علماء سے کام لیتے تھے اب ادارہ کام لینے لگا لیکن عمل میں انضباط یا اداری صورت اب بھی نہ تھی۔

اس طرح دار الافتاء کی صورت تو قائم ہو گئی مگر اس کا کوئی ذمہ دار مفتی متعین طریق پر مقرر نہیں ہوا جس سے دار الافتاء میں ذمہ دارانہ صورت قائم ہوتی بلکہ یہ ادارہ بلا مدیر کے غیر ذمہ دارانہ انداز سے چلتا رہا۔

۱۳۱۰ھ میں اس شعبہ کو ایک مستقل شعبہ بنانے کا منصوبہ سامنے آیا، اور ارادہ کیا گیا کہ افتاء کے منصب کو کسی حاذق علوم مفتی کی ذمہ داری سے زینت دے کر اس شعبہ کو ذمہ دارانہ حیثیت دی جائے۔

منصب افتاء کی اہمیت و عظمت

افتاء کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے زیادہ مشکل دقیق اور اہم ترین سمجھا گیا ہے فقہ کی لاکھوں متماثل جزئیات اور ان کے متعلقہ احکام میں تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم کا تفاوت محسوس کرنا عمیق علم کو چاہتا ہے جو کہ ہر عالم بلکہ ہر مدرس کے بھی بس کی بات نہیں، جب تک فقہ سے کامل مناسبت، ذہن و ذکاء میں خاص

قسم کی صلاحیت اور قلب میں مادۂ تفقہ نہ ہو اس لئے مدارس دینیہ میں افتاء کے لئے شخصیت کا انتخاب نہایت پیچیدہ مسئلہ سمجھا گیا ہے جو کافی غورو فکر اور سوچ وچار کے بعد ہی حل ہوتا ہے اور پھر بھی تجربات کا محتاج رہتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند جیسے علمی مرکز کے دارالافتاء کے لئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جس میں خود بھی مرکز بن جانے کی صلاحیتیں موجود ہوں، اور علم وتفقہ کی امتیازی استعداد کے ساتھ صلاح وتقویٰ اور برگزیدگی کی شانیں اس میں موجود ہوں۔

چنانچہ قیام دارالافتاء کے منصوبہ کے ساتھ یہاں کے اکابر کو پہلی فکر منصب افتاء اور خصوصیت سے دارالعلوم جیسے مقدس ادارہ کے دارالافتاء کے شایان شان مفتی کے انتخاب کی ہوئی جس کے مضبوط کاندھوں پر اس عظیم ترین منصب اور وزن دار ادارہ کا بار رکھا جائے۔

دارالعلوم کی جاذبیت اور مقبولیت کا کرشمہ ظاہر ہوا، اور ایک ایسی شخصیت کا انتخاب عمل میں آیا جو گویا ازل سے اس عہدہ ہی کے لئے پیدا کی گئی تھی اور یہ انتہائی ذمہ داری اس ذات کے لئے اور وہ ذات اس ذمہ داری کے لئے منجانب اللہ موزوں اور منتخب کی جاچکی تھی۔

میں اس وقت عہدہ افتاء کی جس منتخب ہستی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں وہ ذات گرامی حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج الشیخ عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندی نور اللہ مرقدہ کی ہے جو جماعت دیوبند میں مفتیان ہند کے استاد و مربی تھے، اور آپ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے فتاویٰ کی روشنی میں کتنوں ہی کو مفتی بننے کی سعادت میسر آئی۔

حضرت ممدوح کا نام نامی اس سے بالاتر ہے کہ ہم جیسے اس کا تعارف کرانے بیٹھیں، جب کہ ہم اور ہمارے کام خود ہی ان ہستیوں کی نسبت اور نام سے متعارف ہیں تو ہم لوگوں کی کیا ہستی ہے کہ ہم ان کا تعارف کرانے کے مقام پر آنے کی جرات کریں لیکن یہ سطریں ان کا تعارف نہیں بلکہ صرف عقیدت مندانہ تذکرہ ہیں، جو اولاً اپنی قلبی محبت و تسکین کے لئے قلم پر آرہا ہے نیز اللہ کے برگزیدہ بندوں کا تذکرہ و عبادت بھی ہے کہ۔

اذا ذکرو اذکر اللہ واذا ذکر اللہ ذکروا (جب (ان پاک نہاد بندوں کا) ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے اور جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان بندگان خاص کا بھی ساتھ ہوتا ہے)

خاصان خدا خدا نباشند لیکن ز خدا جدا نباشند

اس لئے ان ہستیوں کا تذکرہ محض تاریخ ہی نہیں بلکہ طاعت و قربت اور تعلیم و عبرت بھی ہے۔

دوسرے اس لئے کہ جن فتاویٰ کا ذخیرہ اس زیر نظر مجموعہ میں پیش کیا جارہا ہے وہ اس مقدس ہستی کے ہی علمی افکار کا ثمرہ ہے اس لئے ضرورت تھی کہ فتاویٰ کے ساتھ صاحب فتاویٰ کا تذکرہ بھی سامنے لایا جائے تاکہ مفتی کی عظمت سامنے رہنے سے فتویٰ کی عظمت دلوں میں جاگزیں ہو کہ **قدر الشهادة قدر الشهود**.

حضرت مفتی اعظمؒ کا تذکرہ محررہ مولانا محمد طیب صاحب فتاویٰ دارالعلوم طبع دیوبند جلد اول کے شروع میں مفصل لگا ہوا ہے اس میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان.

بندہ محمد شفیع عفاء اللہ عنہ

۱۸/ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

حضرت نانوتویؒ کے آٹھ الہامی اور اساسی اصول
جن پر دارالعلوم دیوبند کی انتظامی بنیاد رکھی گئی!

وہ اصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں

(۱) اصل اول یہ ہے کہ تامقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔ (۲) ابقاء طعام طلبہ میں جس طرح ہوسکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔ (۳) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کی پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضرور ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہوں بدل و جاں قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئی اور بقدر ضرورۃ اہل مشورہ کی مقدار معتدبہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش ہو کہ مجھ سے نہ پوچھا ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر ہر اہل مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔ (۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بین اور دوسرں کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔ (۵) خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہوچکی ہے یابعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بیفائدہ ہوگا۔ (۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ، تجارۃ کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھریوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہی ہاتھ سے جاتا رہیگا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔ (۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکۃ بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔ (۸) تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیۃ اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

(فوٹو از سوانح قاسمی جلد اول)

مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند

تاریخی یادداشت از روئداد سالہائے قدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی و سلام علی عبادہ الذین اصطفٰی: اما بعد

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی طبع ثانی کے وقت اس کے مقدمہ میں دارالعلوم کی خدمت فتویٰ اور دارالافتاء کی ضروری تاریخ احقر نے لکھی تو دارالعلوم کی قدیم روائدادیں باستیعاب دیکھنے کا اتفاق ہوا اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی اہم تاریخی معلومات کے کچھ نوٹ بطور یادداشت لکھتا گیا بعد اختتام یہ ایک مفید مجموعہ نظر آیا تو اس کو بھی مقدمہ فتاویٰ کا ضمیمہ بنادینا مناسب معلوم ہوا۔

ابتداء دارالعلوم دیوبند ۱۲۸۳ھ

۱۵/ محرم ۱۲۸۳ھ میں اس مرکز علوم کی ابتداء نہایت سادگی سے حضرات ذیل کے مبارک ہاتھوں سے عمل میں آئی:

(۱) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ۔

(۲) شیخ وقت حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ۔

(۳) حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندیؒ والد ماجد حضرت شیخ الہند نوّر اللہ مرقدہما۔

(۴) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ والد ماجد حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ و حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مہتمم دارالعلوم و حضرت مولانا شبیر احمد، صاحب عثمانی مد ظلہم۔

(۵) جناب مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندی۔

(۶) جناب منشی فضل حق صاحب دیوبندی۔

(۷) شیخ نہال احمد صاحب رئیس دیوبندی۔

مدرسہ کے خزانچی اور مہتمم اعلیٰ حضرت حاجی عابد حسین صاحب اور مہتمم دوم منشی فضل حق صاحب مقرر ہوئے۔

دارالعلوم کا سب سے پہلا چندہ

سب سے پہلے حضرت حاجی صاحب موصوف نے اپنے رومال میں اپنا چندہ ڈال کر بچھادیا۔ اس وقت حاضرین مجلس سے جو چندہ جمع ہوا اس کی کل مقدار چار سو ایک روپیہ آٹھ آنہ تھی۔

دارالعلوم کے سال اول کے مصارف

کل مصارف سال اول کے ۱۲ / ۳۹۳ سال / ۱۲ ہوئے ایک سال کے بعد کل ماہوار خرچ پچاس روپیہ ہو گیا۔

سال اول کی تعداد طلباء و مدرسین

کل طلباء ۷۸ اور مدرسین دو تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدّس سرّہ و حضرت مولانا ملا محمود صاحب دیوبندی۔

پہلا امتحان سالانہ

حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب اور حضرت
مولانا ذوالفقار علی صاحب و مولانا مہتاب علی صاحب نے لیا۔

سال اول کے مخصوص طلباء

شیخ الہند حضرت سیدی مولانا محمود الحسن صاحب نوّر اللہ مرقدہ و مولانا منفعت علی صاحب دیوبندیؒ۔

سال دوم ۱۲۸۴ھ

اس سال میں عام ہندوستان میں قحط اور دیوبند میں کوئی وباء عام پھیلی جس سے مدرسہ کے طلباء و مدرسین منتشر ہو گئے اور انتظام مدرسہ متزلزل ہو گیا مگر پھر بحمد اللہ جلد ہی دو ماہ بعد درست ہو گیا۔

اسی سال میں حضرت حاجی عابد حسین صاحب حج کو تشریف لے گئے اور حضرت مولانا رفیع الدین صاحب دیوبندی مولانا محمد فرید الدین صاحب ابتدائے شعبان ۱۲۸۴ھ سے مہتمم مقرر ہوئے۔

اسی سال میں کتب ادب عربی اس درجہ نایاب تھیں کہ مقامات کے سوا کوئی کتاب کسی مطبع سے ہاتھ نہ آئی اس لئے اسباق طلباء میں حرج ہوا اہل مدرسہ نے اہل مطابع اور تجار کتب کو اس کی طرف توجہ دلائی۔

ترقی مدرسین

اس سال مدرسین کی تنخواہوں میں ترقی حسب ذیل ہوئی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اعلیٰ کی ۲۰ سے ۳۰ اور حضرت ملا محمود صاحب مدرس دوم کی ۱۵ سے ۲۰ ہو گئی۔

شیخ الادب کا تقرر

اسی سال ایک تیسرے مدرس ادب داں کے رکھنے کی تجویز ہوئی اعلان اخبارات میں دیا گیا کہ

ادیب حضرات درخواستیں بھیجیں۔

درجہ فارسی

اسی سال فارسی مدرس رکھنے کی تجویز ہوئی۔

درجہ قرآن

ذی الحجہ ۱۲۸۴ھ سے حافظ نامدار خاں صاحب کو تعلیم قرآن کے لئے مقرر کیا گیا اس سال حضرت شیخ الہندؒ نے کنز، میبذی، مختصر المعانی میں امتحان دیا۔

دارالعلوم کا ایک قانون

آئین دارالعلوم شائع شدہ ۱۲۸۴ھ میں ہے کہ کوئی طالب علم مدرسہ عربی سہارنپور کا جب تک سند صفائی مہتمم یا مدرس اعلی مذکور کی داخل نہ کرے بھرتی مدرسہ ہذا میں نہ کیا جاوے۔

۱۲۸۵ھ

بعد تلاش و تجسّس بسیار ایک عالم ذی استعداد یعنی مولوی سید احمد صاحب دہلویؒ حسب خواہش مہتممان آخر ماہ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ میں مدرس مقرر ہوئے۔

حضرت گنگوہیؒ کی تشریف آوری مدرسہ اور تحریری معائنہ

آج ۳ رجب ۸۵ھ کو یہ عاجز مدرسہ دیوبند میں حاضر ہوا اور اتفاق ملاحظہ حال مدرسہ و مدرسین و طلباء ہوا تو نقشہ سے ہونا ۵۸ طلباء عربی خواں سوائے فارسی خواں قرآن خواں کے معلوم ہوئے۔ الخ

آئین امتحان سالانہ کا تقرر

۲۰ نمبر اعلیٰ، ۱۹ متوسط، ۱۸ ادنیٰ تجویز ہوئے۔ اس سال کے امتحان میں مولانا فتح محمد صاحب تھانوی، استاذ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدّس سرّہ شریک ہوئے اور اعلی کتابوں میں امتحان دیا۔ حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی نے اس سال کتب حدیث ترمذی وغیرہ کا امتحان دیا۔

اسی سال فارسی کا امتحان دینے والوں میں کوئی صاحب محمد شفیع دیوبندی بھی ہیں اس سال میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے قرآن شریف کا امتحان دیا۔

احقر کے والد صاحب

احقر کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب نے پارہ عم میں امتحان دیا۔

۱۲۸۶ھ

حضرت حاجی عابد حسین صاحب نے حج سے واپس ہو کر پھر عہدہ اہتمام سنبھالا اور مولانا رفیع الدین صاحب حج کو تشریف لے گئے۔

اس سال احقر کے والد مرحوم نے نصف قرآن میں امتحان دیا۔

۱۲۸۷ھ

کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

۱۲۸۸ھ

اس سال جامع مسجد دیوبند کی تعمیر جاری ہوئی حاجی عابد حسین صاحب مہتمم مدرسہ کو اس کام میں غایت مشغولی رہی اس لئے مدرسہ کے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحب سابق مہتمم تجویز ہوئے شروع ذیقعدہ ۱۲۸۸ھ سے وہ مہتمم بنائے گئے۔

اس وقت تک مدرسہ ایک کرایہ کے مکان میں تھا اس سال ایک اعلان ضرورت تعمیر مکان کا کیا گیا۔

۱۲۸۹ھ

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی نے دار العلوم میں تاریخ یمینی سلم وغیرہ کتب میں امتحان دیا اس سال کے بعد مدرسہ مظاہر علوم میں حدیث پڑھی پھر آخر میں معقولات کی تکمیل دیوبند میں کی۔

(روئیداد ۱۲۸۹ھ ص ۲۳)

مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی

مولانا ناظر حسین صاحب دیوبندی مرحوم نے مراح الارواح میں امتحان دیا حکیم محمد حسن برادر حضرت شیخ الہند نے شرح مائتہ میں امتحان دیا۔

اس سال چند طلباء کو سند فراغ دی گئی جن میں حضرات ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبداللہ انصاری انبہٹوی۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی۔ مولانا قاضی جمال الدین صاحب فیتابادی۔ مولانا محمد فاضل صاحب ساکن پھلت۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہوی۔ مولانا فتح محمد صاحب تھانوی۔

۱۲۹۰ھ

پہلا جلسہ دستاربندی

۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ کو پہلا جلسہ دستاربندی جامع مسجد نو تعمیر میں منعقد ہوا پانچ فارغ التحصیل علماء کو دستار فضیلت دی گئی روئداد ۹۰ھ ص ۷ میں اس جلسہ کی قابل دید کیفیات درج ہیں بڑے بڑے مشائخ کا اجتماع ہے حضرت مولانا نانوتویؒ کی عجیب تقریر درج ہے اس روئداد میں حضرت نانوتویؒ کی تقریر جلسہ اور فارغ التحصیل حضرات سے سوالات وجوابات کی تفصیل درج ہے۔ اس لئے نہایت علمی مواد پر مشتمل قابل دید ہے۔

۱۲۹۱ھ

آخر روئداد میں درج ہے کہ مدرسہ تھانہ بھون مدرسہ دیوبند کی شاخ بنایا گیا امتحان سالانہ ملا محمود صاحب دیوبندی وغیرہم نے لیا۔ مولانا فتح محمد صاحب مدرس عربی اور ایک حافظ مدرس تھے۔

۱۲۹۴ھ

اس سال میں حضرت نانوتویؒ مولانا محمد یعقوب، مولانا رفیع الدین صاحب یہ سب حضرات حج کو تشریف لے گئے مع بہت سے رفقاء کے (روئداد ص ۲) والد مرحوم نے اس سال گلستان وغیرہ میں امتحان دیا۔

۱۲۹۷ھ ~

وفات حضرت نانوتویؒ

اس سال میں حضرت قاسم العلوم والخیرات کی وفات ہوئی۔ روئداد میں اسکی مکمل تفصیل موجود ہے۔ اسی سال میں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ تحصیل دورہ حدیث سے فارغ ہوئے دستاربندی ۹۸ھ میں ہوئی۔ اسی سال میں حضرت مولانا سید تھانویؒ نے ترمذی، میر زاہد، ملا حسن، مقامات، سبعہ معلقہ، سلم کا امتحان دیا۔ احقر کے والد مرحوم نے شرح وقایہ، میبذی، وغیرہ کا امتحان دیا۔

۱۲۹۸ھ

نظم فارسی مولانا فضل الرحمٰن صاحب مشتمل بر حالات بناء وابتداء دار العلوم۔ مندرجہ روئداد ۱۲۹۸ھ قابل دید ہے۔

مکان مدرسہ میں پہلا جلسہ دستاربندی

۱۷/ شوال دوشنبہ ۱۲۹۸ھ اول مرتبہ مکان مدرسہ میں ہوا دستاربندی حضرات ذیل کی ہوئی۔

~ ۱۲۹۵ھ و ۱۲۹۶ھ کی روئداد نہیں ملی۔

مولوی حافظ محمد اسحاق فرخ آبادی، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی، مولوی احمد سکندرپوری، مولوی حافظ بشیر احمد (مندولہ) دیوبندی، مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی، مفتی رحیم بخش صاحب شیرکوٹی، مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی۔

۱۲۹۹ھ

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے اسی سال دار العلوم میں بلا تنخواہ مدرسی کا کام شروع کیا اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب خلف حضرت نانوتویؒ نے بھی اس سال دار العلوم میں بلا تنخواہ مدرسی کا کام شروع کیا۔

حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے اس سال بقیہ کتب حدیث کا امتحان دیا۔ حضرت مولانا حبیب صاحب، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، احقر کے والد ماجد مولانا محمد یاسین صاحب مرحوم نے بھی کتب حدیث وغیرہ کا اسی سال امتحان دیا اسی سال دیوبند میں انجمن اسلامیہ کا کارخانہ کثیر المنفعت بشرکت جماعت علماء صلحاء قائم ہوا جس کا عشر مدرسہ کے لئے وقف تھا۔ اس حال میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم دار العلوم نے حضرت تھانویؒ کی تصانیف کا اشتہار من جانب مدرسہ دیا کہ لوگ ان کو بقیمت خریدیں صفحہ ٹائٹل روئداد ۱۲۹۹ھ

۱۳۰۰ھ

مولانا منفعت علی صاحب مدرس پنجم مقرر ہوئے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی کا درس دار العلوم میں

مولانا ذوالفقار علی صاحب و حضرت سیدی تھانویؒ نے بلا تنخواہ خدمت درس انجام دی۔

والد مرحوم نے اسی سال بقیہ کتب حدیث اور جلالین، بیضاوی کا امتحان دیا۔

۱۳۰۱ھ

اسی سال میں حسب دستور جلسہ دستار بندی ۱۴ / جمادی الاول ۱۳۰۱ھ کو ہوا جو چوتھا جلسہ تھا جس کی مستقل روئداد شائع ہوئی یہ جلسہ پہلے سب جلسوں سے زیادہ شاندار تھا مدرسہ میں چمن لگانے کی ابتداء اسی سال ہوئی اس جلسہ میں دو ڈھائی ہزار بیرونی مہمان تشریف لائے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی تقریر ہوئی جو بعینہ درج روئداد ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کا وعظ جو دیوبند میں تاریخی اور ضرب المثل ہے اسی وقت جامع مسجد میں ہوا جس میں تمام اہل مسجد پر وجدی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس جلسہ کی روئداد میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے بتلایا کہ اس جلسہ سے پہلے تین جلسے دستار بندی کے ہو چکے ہیں۔ پہلا ۱۲۹۰ھ میں ہوا جس میں پانچ علماء کی دستار بندی ہوئی دوسرا ۱۲۹۲ھ میں اس میں بھی پانچ کی دستار بندی ہوئی۔ تیسرا

۱۲۹۸ھ میں اس میں سات علماء کی دستاربندی ہوئی۔ اب ۱۳۰۱ھ میں گیارہ علماء کی دستاربندی ہوئی ہے ۱۸ سال میں کل تعداد علماء فارغین کی ۲۸ ہوگئی۔ فللہ الحمد

تعمیر مدرسہ کی ابتداء

۱۲۹۳ھ میں ہوئی اور تکمیل ۱۳۰۱ھ میں ہوئی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کی تاریخ "اشرف عمارات" نکالی۔ تعمیر پر کل خرچ ساڑھے بائیس ہزار روپیہ ہوا۔

حضرت حکیم الامت کی سند فراغت

اسی سال میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے نصاب درس سے فراغت حاصل کی اس سال دستاربندی حضرات ذیل کی ہوئی۔

(۱) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ (۲) حضرت مولانا محمد اسحاق نہٹوری
(۳) مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی (۴) مولانا عبدالمومن دیوبندی
(۵) مولانا ناظر حسن دیوبندی (۶) مولانا محمد صدیق دیوبندی
(۷) مولانا محمد یحییٰ صاحب دیوبندی (۸) قاضی نصرۃ الدین صاحب نگینوی
(۹) مولانا مولوی مرتضیٰ صاحب دہلوی (۱۰) مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرادآبادی

اسی سال دیوبند میں وباء عظیم آئی۔ اس میں صاحبزادہ مولانا محمد یعقوب مولانا۔۔۔۔ علاء الدین کی وفات ہوئی دو ڈھائی ہزار آدمی شہر کے ضائع ہوگئے اس وقت مردم شماری دیوبند کی بائیس ہزار آدمی تھے جس میں سے تقریباً ایک خمس لقمہ اجل ہو چکے شوال شروع ہوتے ہی وباء کا حملہ اس ترتیب سے ہوا کہ اول صغیر سن بچے بچیوں کی صفائی ہوئی بہت سے صاحب اولاد لا اولاد ہو گئے اس کے بعد جوانوں کی نوبت آئی اس کے بعد بوڑھے مرد و عورت کی صفائی شروع ہوئی ماہ ذی الحجہ میں اس کا عروج تھا اس وقت قصبہ کا یہ حال تھا کہ کوئی فرد بشر مرض سے خالی نہ تھا بازار سب بند، مسجدوں میں اذان و تکبیر بند، بعض مردے گھروں میں تین تین دن بے گور و کفن پڑے رہے مولانا محمد یعقوب صاحب کے خاندان میں ۷ اموتیں ہوئیں۔ ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ بوقت بارہ بجے شب بہ مقام نانوتہ بہ مرض فالج حضرت ممدوح کی وفات ہوئی والد ماجد مرحوم اسی سال نائب مدرس فارسی بمشاہرہ (صہ۵) مقرر ہوئے اسی وباء میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی وفات ہوئی جس کا مفصل واقعہ بعنوان حادثہ عظیم اس سال کی روئداد میں درج ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"اس موقع پر یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ایک عرصہ سے جناب مولانا محمد یعقوب صاحب مدظلہم کو بوجہ کثرت تحریر استفتاء وغیرہ جو ہر طرف ملک ہندوستان سے بکثرت آتے تھے بہت کم فرصت تعلیم کی ہوتی تھی لہذا اہل شوریٰ نے مولانا مرحوم کو کار تعلیم سے سبکدوش کر دیا تھا مگر تبرکاً مختصر سا کار تعلیم ان کے ذمہ رکھا تھا۔"

جس سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم کے سب سے پہلے مستقل مفتی حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ مقرر ہوئے۔ احقر کے والد ماجدؒ اسی سال نائب مدرس فارسی مقرر ہوئے۔

تنبیہ

(۱) یہ تمام یادداشتیں دارالعلوم کی مطبوعہ روئدادوں سے لی گئی ہیں اکثر جگہ الفاظ بھی وہی نقل کئے گئے ہیں کہیں کہیں بغرض تلخیص یا تبیین میرے الفاظ ہیں۔

(۲) اس جگہ چونکہ دارالعلوم کی کوئی تاریخ لکھنا منظور نہ تھا بلکہ اس کے قرن اول کی چند مفید معلومات تاریخ کی ایک یادداشت تھی جس کو مفید سمجھ کر شائع کر دیا گیا اس لئے تکمیل سنین کا بھی ارادہ نہیں کیا۔ جس قدر لکھی ہوئی موجود تھی اسی پر اکتفا کر کے ختم کرتا ہوں۔ واللہ اسال ان یرزقنا التأسی باسوۃ السلف الصالحین والعلماء الراسخین.

بندہ محمد شفیع عفی اللہ عنہ
دیوبند۔ یکم ربیع الاول ۱۳۶۷ھ چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الایمان و العقائد

(ایمان وعقائد کا بیان)

فصل فی المتفرقات

حق تعالیٰ اعضاء سے پاک ہیں

(سوال ۱) اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ جس طرح ہمارے ہاتھ پیر ہیں اسی طرح اللہ پاک کے بھی ہیں تو ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ شخص گمراہ ہے اہل سنت والجماعت سے خارج ہے لیکن تکفیر سے کف لسان کی جاوے تو بہتر ہے اور بعض حضرات نے کافر بھی کہا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حق تعالیٰ کا جہنم میں قدم رکھنے کا مطلب

(سوال ۲) کیا یہ صحیح ہے کہ جہنم جب شور کرے گا تو اللہ پاک اپنا بایاں پیر اس میں رکھیں گے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

(الجواب) حدیث صحیح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں فاما النار فلا تمتلی حتی یضع اللہ رجلہ یقول قط قط قط فھنا لک تمتلی ویزوی بعضھا الی بعض (بخاری، مسلم از مشکوٰۃ ص ۴۳۰) لیکن یہ حدیث متشابہات میں سے ہے جو کہ متکلم یعنی حق تعالےٰ، اور مخاطب یعنی نبی کریم ﷺ کے درمیان ایک راز ہے۔ امت کو اس کے معنی کی اطلاع نہیں دی گئی بلکہ اس کے پیچھے پڑنے کی اجازت بھی نہیں دی گئی کیونکہ آقا کے اسرار مخصوصہ کی تفتیش میں لگنا ایک غلام کے لئے سخت گستاخی ہے پھر بندہ اور معبود کا تو پوچھنا کیا اس لئے جمہور کا یہی مذہب ہے کہ متشابہات کے معانی کی تحقیق میں نہ پڑنا چاہئے بلکہ اس پر ایمان لانا چاہئے کہ جو کچھ حق تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے اگرچہ ہم نہیں جانتے اور ہمارے نہ جاننے سے کیا ہوتا ہے ہم تو اپنے پیٹ کے اندر کے حالات کو بھی نہیں جانتے اور بڑے سے بڑا ماہر اپنے نفس وروح کی حقیقت کو نہیں جانتا حق تعالیٰ کے اسرار کو جاننے کا دعویٰ کوئی صحیح العقل انسان نہیں کر سکتا اور یہ بات صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مذہب کے لوگوں میں یہ قدر مشترک مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات اور افعال کی حقیقت کا ادراک انسان نہیں کر سکتا کما ہو مصرح فی کتب الکلام والفلسفہ۔ فقط

بتوں کو سجدہ کرنا کفر ہے

(سوال ۳) زید کی منکوحہ ہندہ نے مندر میں جا کر بت کے آگے اپنا ہاتھ جوڑا اور بت کو سجدہ بھی کیا اور اس سے منت مراد بھی طلب کی ہندہ شرعاً مسلمہ رہی یا نہیں؟

(الجواب) یہ عورت بت کو سجدہ کرنے سے کافر ہو گئی۔

کما فی الاعلام بقواطع الاسلام و منها ای من موجبات الارتداد کل قول او فعل صدر عن تعمد او استهزاء بالدین صریح کسجود للصنم او الشمس سواء کان فی دارالحرب او فی دارالاسلام و فی المواقف و شرحها من صدق بما جاء به النبی ﷺ ومع ذالك سجد للشمس کان غیر مومن بالاجماع . واللہ تعالیٰ اعلم ٤ صفر ۱۳۵۰ھ

معتدہ کے نکاح اور وطی کو حلال سمجھنے والا فاسق ہے کافر نہیں

(سوال ٤) مسماۃ اصغری بیوہ معتدہ کا نکاح تین ماہ کے اندر اس کے والدین نے کر کے رخصت کر دیا گویا معتدہ کی وطی کو حلال جانا اور مسماۃ کو شوہر کے لئے حلال سمجھا حالانکہ نکاح اور وطی ناجائز ہے اب مسماۃ کے والدین اور شرکاء نکاح کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ان پر تجدید ایمان و نکاح موجب شریعت واجب ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اس نکاح کے گواہ اور نکاح پڑھنے والے سخت گناہ گار اور فاسق ہیں اور خوف کفر کا ہے مگر کفر کا حکم اور تجدید ایمان و تجدید نکاح کا حکم نہ کیا جاوے ۔ کمافی الخلاصة اما اذا قال الحرام هذا حلال لترويج السلعة او بحكم الجهل لا يكون كفرا في الاعتقاد هذا اذا كان حراماً لعينه وهو يعتقده حلالاً حتى يكون كفراً اما اذا كان حراماً لغيره فلا الخ مسئلہ مذکورہ میں اول تو ان نکاح پڑھنے اور پڑھانے والوں کے فعل کی تاویل ہو سکتی ہے اور دوسرے یہ نکاح بھی حرام بعینہ نہیں اس لئے اگر فی الواقع بھی حلال سمجھتے ہوں تو کفر کا حکم نہیں دیا جا سکتا لہذا تجدید ایمان و نکاح ضروری نہیں البتہ احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح کر لیں تو بہتر ہے۔

اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب

(سوال ٥) لا تكفر اهل قبلتك حدیث ہے یا نہیں اور اس کا کیا مطلب ہے ؟

(الجواب) حدیث لا تكفر اهل قبلتك کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ان لفظوں کے ساتھ تو یہ جملہ کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا لیکن اس مضمون کے جملے بعض احادیث میں وارد ہیں مگر قادیانی مبلغ جو ان الفاظ کو ناتمام نقل کر کے اپنے کفر کو چھپانا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں جیسے قرآن سے کوئی شخص لا تقربو الصلوٰۃ نقل کرے کیونکہ جن احادیث میں اس قسم کے الفاظ واقع ہیں ان کے ساتھ ایک قید بھی مذکور ہے یعنی بذنب او بعمل وغیرہ کی غرض یہ کہ کسی گناہ و معصیت کی وجہ سے کسی اہل قبلہ کو یعنی مسلم مسلمان کو کافر مت کہو چنانچہ بعض روایت میں اس کے بعد ہی یہ لفظ بھی منقول ہیں الا ان ترو کفراً بواحاً یعنی جب تک کفر صریح نہ دیکھو کافر مت کہو۔ خواہ گناہ کتنا بھی سخت کرے۔

یہ روایت ابو داؤد کتاب الجہاد میں حضرت انس ؓ سے اس طرح مروی ہے۔ الكف عمن قال لا اله الا الله ولا تكفره بذنبٍ ولا تخرجه من الاسلام بعمل نیز بخاری نے حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے مرفوعاً من شهد ان الا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلى صلا تنا واكل ذبيحتنا فهو المسلم اہل قبلہ سے

مراد بالاجماع امت وہ لوگ ہیں ہو جو تمام ضروریات دین کو مانتے ہیں نہ کہ یہ قبلہ کی طرف نماز پڑھ لیں چاہے ضرورت اسلامیہ کا انکار کرتے رہیں کما فی شرح المقاصد الجلد الثانی من صفحہ ۲٦۸ الی صفحہ ۲۷۰ قال المبحث السابع فی حکم مخالف الحق من اهل القبلة لیس بکافر مالم یخالف ماهو من ضروریات الدین الی قوله والا فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم و نفی الحشر و نفی العلم بالجزئیات و کذا بصدور شئی من موجبات الکفر الخ و فی شرح الفقه الاکبر دان غلافیه حتی و جب اکفاره لا یعتبر خلافه و وفاقه ایضاً الی قوله وان صلی الی القبلة واعتقد نفسه مسلماً لان الامة لیست عبارة عن المصلین الی القبلة بل عن المومنین و نحوه فی الکشف البزدوی صفحه ۲۳۸ ج ۳ وفی الشامی صفحه ۳۷۷ ج ۱ باب الامامة لا خلاف فی کفره المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات وقال الشامی ایضاً اهل القبلة فی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الامور التی علم ثبوتها فی الشرع واشتهر ومن انکر شیئا من الضروریات کحدوث العالم وحشر الا جساد وعلم الله سبحانه بالجزئیات و فرضیة الصلوٰة والصوم لم یکن من اهل القبلة ولو کان مجاهداً بالطاعات الی قوله و معنی عدم تکفیر اهل القبلة ان لا یکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیة غیر المشهورة هذا ما حققه المحققون فاحفظه و مثله قال المحقق ابن امیر الحاج فی شرح التحریر لابن همام و النهی عن تکفیر اهل القبلة هو الموافق علی ما هو من ضروریات الاسلام هذه جملة قلیلة من اقوال العلماء نقلتها واکتفیت بها لقلة الفراغة وتفصیل هذه المسئلة فی رسالة اکفار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین لشیخنا و مولانا الکشمیری مدظله والله اعلم.

اہل قبلہ کا مطلب

(سوال ٦) کلمہ گو اور اہل قبلہ کی شرعاً کیا تعریف ہے؟ قادیانی مرزائی ولاہوری مرزائی احمدی اہل قبلہ وکلمہ گو مسلمان ہیں یا نہیں اگر نہیں تو کس وجہ سے؟

(الجواب) کلمہ گو اور اہل قبلہ ایک خاص اصطلاح ہے اسلام اور مسلمانوں کی جس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں کہ جو کلمہ پڑھ لے خواہ کسی طرح پڑھے وہ مسلمان ہیں یا جو قبلہ کی طرف منہ کرے وہ مسلمان ہے بلکہ یہ لفظ اصطلاحی نام ہے اس شخص کا جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایم اے پاس ہے تو ایم اے ایک اصطلاحی نام ہے ان تمام علوم کا جو اس درجہ میں سکھائے جاتے ہیں نہ یہ کہ جو ایم اے کے الفاظ میں پاس ہوتا ہو اور یاد رکھتا ہو اس طرح اہل قبلہ کے معنی بھی باتفاق امت یہی ہیں کہ جو تمام احکام اسلامیہ کا پابند ہو کما صرح بہ فی عامۃ کتب الکلام اور اس کی مفصل بحث رسالہ اکفار الملحدین مصنفہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب میں موجود ہے ضرورت ہو تو ملاحظہ فرمایا جاوے مگر رسالہ عربی زبان میں ہے (اردو

زبان میں بھی اس مضمون کاایک رسالہ احقر کا ہے جس کا نام "وصول الافکار" ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسلامی طریقہ کے خلاف عبادت کرنے والا کافر ہے

(سوال ۷) قانون فطرت کا متبع خدا کی وحدانیت کا قائل اور اس کی ہستی کا مقر، برگزیدہ مرسلان ایزدی کا معترف محض اس بناء پر کہ وہ اپنا طریقہ عبادت طریقہ عبادت اسلامیہ سے جدا رکھتا ہے مشرک، کافر، دوزخی اور گناہ گار کہا جاسکتا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) جو شخص اپنا طریقہ عبادت طریقہ عبادت اسلامیہ سے جدا رکھتا ہے وہ رسالت کا معترف ہرگز نہیں ہوسکتا اگر وہ اس کا دعوی کرے تو محض نفاق اور جھوٹ ہوگا کیونکہ رسالت کا اعتراف جو شرعاً معتبر ہے وہ یہ ہے کہ رسول علیہ السلام کے احکام کو واجب الاطاعت سمجھے اور جب اس نے اس کے احکام و تعلیمات کو واجب الاطاعت نہ جانا تو وہ ہرگز رسول کا معترف نہیں۔ قرآن مجید کا صاف ارشاد ہے **فلا و ربك لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدو فی انفسهم حرجاً مما قضیت**. الایۃ لہٰذا ایسے شخص کو جو اپنا طریقہ عبادت اسلامی طریقہ سے علیحدہ رکھتا ہو کافر دوزخی وغیرہ کہنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کیا کافر بخشا جاسکتا ہے ؟

(سوال ۸) مشرک اور کافر کو اگر خدا چاہے تو بخشدے یہ کہنا درست ہے یا نہیں ؟

(الجواب) یہ کہنا اس معنی کے اعتبار سے تو درست ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں یہ بات داخل ہے کہ سخت سے سخت کافر کو بخشدے لیکن چونکہ اس نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر و مشرک کو ہرگز نہ بخشیں گے اس لئے اب اس خبر کا صحیح ہونا ضروری ہے اور یہ جب بھی ہوسکتا ہے جب کہ ان لوگوں کو بخشا نہ جائے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقائد اسلامیہ کی تفصیل نہ بتلا سکے تو کافر نہیں

(سوال ۹) ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدیں، شرعی حکم کے ماتحت وہ بغیر حلالہ کے شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوئی، مگر یہ شوہر اس کو ایک مولوی صاحب کے پاس لے گیا انہوں نے اس سے پوچھا کہ اسلامی عقائد کیا کیا ہیں، عورت جاہل تھی اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، مولوی صاحب نے اس کو کافر قرار دیکر نکاح اول کو باطل اور طلاق کو لغو ٹھیرایا اور اب بعد تجدید ایمان کے شوہر اول سے نکاح بلا حلالہ جائز کردیا مولوی صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غلط؟

(الجواب) اس شخص کی عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی، مولوی صاحب مذکور کی تاویل مذکور اس کو حلال نہیں کرسکتی، ایک قدیمی مسلمان کو محض طلاق سے بچانے کے لئے کافر ٹھیرانا اور اس وقت تک تمام عمر زنا میں مبتلا قرار دینا اور اولاد کو ولد الزنا قرار دینا اور تمام اعمال کو حبط کرنا کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے، حضرت ملا علی قاریؒ نے اس حیلہ و تاویل پر سخت انکار و ملامت فرمائی ہے۔ **قال فی شرح الفقه الاکبر وهذه مسئلة کثیرة الوقوع فی هذا الزمان خصوصاً فی بعض البلدان یصدر من قضاة السوء**

حیث تقع المراۃ مطلقۃ بالثلث مع انہا مسلمۃ قارئۃ للقران فیقول القاضی ماحکم الاسلام فھی لجھلھا بمراتب الکلام تقول لا ادری فیحکم بکفرھا و ببطلان نکاحھا الاول و یجدلھا النکاح الثانی و ایما یکفر القاضی بھذا العقل الشنیع الی آخر ماقال فیہ شرح فقہ اکبر ص ۲۲۰ مطبوعہ مجتبائی دھلی.

ماہنامہ نگار اور اس کے کفریہ مضامین

(سوال ۱۰) لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ نگار نامی نکلتا ہے جس میں انکار حدیث نبوی ہے کہ حدیث کو پس پشت ڈال دیا جائے کہ مہلک حربہ علماء کے ہاتھ میں فن حدیث ہے مضحکہ نماز و عبادات (۱) یوں تو جنون کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر جنون اپنی جگہ پر بڑا ہے مگر اللہ محفوظ رکھے اس جنون سے جو وہ اپنے متعلق نماز اور وظیفہ کی صورت میں انسان پر طاری کرے حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا عذاب انسان کے لئے یہ ہے کہ وہ ثواب آخرت کی امید میں اپنا سر کھپائے درانحالیکہ عالم ہمہ افسانہ ما دارد و ماہیچ۔ (۲) وہ روزانہ نماز و تسبیح کے بعد ایک بار آئینہ میں اپنے خط و خال کا بھی معائنہ کر لیا کریں کہ باچھیں پھاڑ پھاڑ کر گڑگڑانے اور آنکھیں بھینچ بھینچ کر زبردستی آنسوں نکالنے سے چہرہ کے اعصاب پر کیا اثر پڑتا ہے اور اگر ان کے اعتقاد کے مطابق واقعی جنت میں کوئی بد نصیب حور ان کو ملنے والی ہے تو ان کی یہ عبادت زدہ صورت دیکھ کر اس غریب کو کتنا ہی اپنی قسمت پر ماتم کرنا پڑے گا اور خدا کی اس غلط بخشی کو دنیا کیا کہے گی؟ حضرات انبیاء کی تکذیب بات یہ ہے کہ پیغمبر جتنے پیدا ہوئے سب مرد تھے اس لئے مرد کو حور و غلمان سب دیدیا اگر کوئی عورت کہیں پیغمبر ہو جاتی تو آپ یہ دیکھتے کہ عورتوں کے لئے جنت میں کیسے کیسے حسین نوجوان مردوں کا انتظام ہوتا؟

(۳) ابراہیم و داؤد کا مذہب اس وقت کے لئے موزوں رہا ہوگا لیکن اب وہ بیکار ہے موسیٰ و مسیح کی تعلیمات اس زمانہ کے لئے مناسب رہی ہوں گی لیکن اب لوگ ان میں سینکڑوں تاریخی و علمی نقائص نکال رہے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین، حقیقت مسیح یہ ہے کہ شہر ناصرہ کے رہنے والے ایک شخص یوسف نجار کا بیٹا یسوع نامی بچپن ہی میں فرقہ عسین کے اندر داخل ہو گیا اس لئے وہ بعض اوقات دولت مندوں کے خلاف بھی زہر اگلنے لگا تھا ممکن ہے کہ اپنی نفس کشی اور زہد و تقویٰ کی بناء پر وہ خود کو خدا کا بیٹا بھی کہہ بیٹھا ہو اور یہی بہانہ لوگوں کو اسے سزا دینے کا ہاتھ آیا ہو یہودیوں نے اسے ستانہ شروع کیا اس لئے وہ رمتے جوگی کی طرح فلسطین سے غائب ہو گیا نہ اسے کسی نے صلیب پر چڑھایا نہ کسی نے قتل کیا اور یہی ہمارے نزدیک صحیح تاریخی واقعہ ہے اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔ مثلاً حق تعالیٰ جل شانہ سے گستاخیاں (۱) واہ جی اللہ میاں آپ نے بھی کسی احمق کو رضوان بنایا اس بے حس مردہ کو دوزخ میں بھیج دیجئے اور ہمیشہ کے لئے تو صرف چند دن امتحاناً یہ منصب میرے سپرد کر دے پھر دیکھ تیری جنت کو کیا چیز بنائے دیتا ہوں اگر دن دھاڑے سب کے سامنے بہیں حوروں کے لئے باہم جنتیوں میں چھریاں نہ چلوا دیں تو سہی اور اس قسم کے تین سے زائد اور گستاخیاں ہیں اللہ تعالیٰ کی شان میں مذہب سے متعلق میرے نزدیک سب سے زیادہ مضرت رساں تحریک دنیا میں وہ

ہے جو قومیت ووطنیت کے رشتہ کو مذہب کی نگاہ سے اور بڑا ظالم تھا وہ جس نے اول اول اس بدعت کو انجام دیا حفظ قرآن سے متعلق بعض خاندانوں میں یہ بھی رواج ہے کہ بچوں کو ابتداء میں صرف قرآن پڑھایا ہی نہیں جاتا بلکہ حفظ کرلیا جاتا ہے اس سے قبل جب تحریر وطباعت کا رواج نہ تھا یا تھا تو بہت کم، اس وقت کم، اس وقت تو یقیناً اس کی ضرورت تھی کہ قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ کردینا چاہئے کہ اس کے محو ہونے کا اندیشہ نہ رہے لیکن اب جب کہ طباعت کے عام ہوجانے سے لاکھوں نسخے اس کے ہر سال شائع ہوتے رہتے ہیں اور حفاظ کی تعداد بھی بہت کافی ہوگئی ہے ہر بچہ کے دماغ پر اب ایسا بارڈالنے کی ضرورت نہیں۔

غرض کہ طرح طرح کے خرافات لکھتا ہے مسلمانوں کی جماعت ان تحریروں سے مشتعل ہوکر اب پھر رسالہ مذکور اور اس کے مدیر خلاف تادیبی وانسدادی کارروائیاں کرنا چاہتی ہے کہ ایسی کارروائیاں ایسے شخص کے مقابلہ میں شرعاً ضروری ہیں یا نہیں اور اس قسم کے استیصال کی کوشش ہر مسلمان پر بقدر استطاعت واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) جو کلمات کفر درج سوال ہیں ان میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اگر ان کا کہنے والا اور ایسا اعتقاد رکھنے والا بھی کافر مرتد نہ ہو تو پھر دنیا میں کوئی شخص کافر نہیں کہلا سکتا اور کفر وارتداد کے کوئی معنی بھی باقی نہیں رہتے اس لئے ایسا کہنے والا اور اعتقاد رکھنے والا قطعاً کافر مرتد ہے اس میں شبہ کی بھی گنجائش نہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس بدترین کفر کے ارگن کو مٹانے میں اپنی پوری سعی صرف کریں اس پرچہ کا خریدنا اپنے پاس رکھنا دیکھنا (اگر بضرورت تردید نہ ہو) سب حرام اور اعانت کفر ہے اور اس کے مضامین پر خوش ہونا یا دلچسپی لینا اگرچہ اعتقاد سے نہ ہو تب بھی قریب بکفر ہے فقہاء رحمہم اللہ نے مبتدعین کی کتابیں خریدنے اور پاس رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے اور نصوص شرعیہ اس پر شاہد ہیں تو ایسے دشمن اسلام پرچے کے رکھنے کو کیسے جائز کہا جاسکتا ہے مسئلہ واضح ہے اس لئے کسی سند وعبارت لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

نکاح بیوگان کو عیب سمجھنے والے کا حکم

(سوال ۱۱) کیا جو شخص یوں کہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کے نکاح دو جگہ ہوئے بعد طلاق کے مگر ہم تو اپنی لڑکیوں کا رشتہ بدل کر ایک کا نکاح دوسرے لڑکے سے کرنے کو عیب سمجھتے ہیں اگرچہ کچھ نقصان بھی پہنچے لڑکیوں کی قسمت، پس اب تھوک کیا چاٹیں ایسے شخص کے عقیدے کی نسبت کیا حکم ہے؟

(الجواب) اس کو معیوب سمجھنا سخت گناہ اور جہالت ہے توبہ کرے اور آئندہ ایسا عقیدہ اور خیال نہ رکھے۔

چیچک کے لئے سیتلا پر چڑھاوٴ اور اس کی منت کا حکم

(سوال ۱۲) آج کل ہمارے ملک بنگال میں چیچک کا مرض پھیل رہا ہے اور دس پندرہ موتیں روزانہ ہو رہی ہیں اور مسلمان لوگ مجبور ہو کر ماتا یا ستیلا (کہ جس کی ہندو لوگ بغرض شفا پوجا کیا کرتے ہیں) کی منت مانتے

ہیں اور ساتھ ہی اس کے اعتقاد رکھتے ہیں کہ ماتایا ستیلا کو چیچک کے ہیں اگر چاہے تو شفا دے سکتا ہے اور ہندو بھی اس عقیدہ پر مسلمانوں کو آمادہ کرتے رہتے ہیں اور اسی بناء پر مسلمان ماتایا ستیلا کو مخاطب کر کے اپنی جان کی پناہ مانگتے ہیں اب پوچھنا یہ ہے کہ آیا اس قسم کی پوجا و منت وغیرہ کو اس مرض میں کوئی دخل ہے یا نہیں اور پھر اس قسم کے اعتقاد رکھنے کا شرعاً کیا حکم ہے مدلل تحریر فرمادیں۔؟

(الجواب) ایسا اعتقاد رکھنا بالکل ہندوانہ عقیدہ اور شرک جلی ہے اور جو سراسر قرآن و حدیث کی بے شمار آیات اور روایات کے خلاف اور جمہور مسلمین کے عقائد کے خلاف ہے اعاذ اللہ المسلمین منہ نافع و ضار سوائے خداوند عالم کے کوئی چیز نہیں ظاہری اسباب اور ذرائع البتہ مخلوقات بھی بن جاتی ہیں لیکن ستیلا کو تو سببیت کا بھی کوئی دخل مرض میں ہرگز نہیں اور جو روایات بے وقوف اوہام پرست ہندوؤں میں مشہور ہیں اکثر حصہ تو اس کا غلط ہے اور اگر کوئی سچ بھی ہو تو وہ محض ان کے اعتقادی تخیل کا وبال ہی اور استدراج ہے جیسے بعض روایات میں مذکور ہے کہ یاجوج ماجوج کا آسمان کی طرف خداوند عالم پر حملہ کرنے کے لئے پتھر یا تیر پھینکیں گے تو ان کو خون میں رنگ دیا جائے گا وہ خوش ہوں گے کہ ہم نے معاذ اللہ خداوند عالم کو قتل کر دیا الغرض ستیلا کی منت وغیرہ ماننا شرک ہے۔ لمافی جامع، الفصولین ص ۲۱۴ ج ۲. التقرب الی غیر اللہ والذبح لہ کفر و بمثلہ صرح فی البحر من باب المرتدین (ص ۱۲۴ ج ۵)

ہیضہ چیچک وغیرہ میں جنات کا کچھ دخل ہے یا نہیں

(سوال ۱۳) ہیضہ اور چیچک دونوں کے متعلق یہ جو مشہور ہے کہ جنات خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیمار کے تلوار مارتے ہیں یا کسی قسم کے ہتھیار سے مارتے ہیں اور اس کی وجہ سے بیمار مر جاتا ہے آیا صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) بعض روایات حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ ان وبائی امراض میں جنات کا دخل ہوتا ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جنات خود کوئی اثر رکھتے ہیں بلکہ وہ بھی محض مامور من اللہ ہیں جیسے عام امراض خود موثر نہیں محض مسلط ہیں اسی طرح جنات کی تکالیف بھی حکم الٰہی سے موثر ہیں ورنہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

ہیضہ چیچک کے اسباب

(سوال ۱۴) ہیضہ اور طاعون اور چیچک کو عربی میں کن الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس میں مبتلا ہونے کے کیا اسباب ہیں آیا یہ ابتلاء من اللہ ہے یا ماتا اور سیتلا کی عدم پوجا یا کوئی اور سبب ہے؟

(الجواب) ہیضہ خود عربی لفظ ہے اور طاعون بھی اور چیچک کو عربی میں جدری کہا جاتا ہے ظاہری اور عام اسباب اس میں مبتلا ہونے کے مادی ہوتے ہیں اور کبھی کسی گناہ پر تنبیہ کرنے کے لئے بطور قہر الٰہی مسلط ہو جاتے ہیں اس کا باطنی اور روحانی علاج صدقہ و استغفار ہے نہ کہ اور سرکشی و طغیانی اور شرک و معصیت۔ واللہ تعالیٰ اعلم

"الافصاح عن تصرفات الجن والارواح"

(سوال ۱۵) ایک شخص مثلاً زید بظاہر نیک سیرت بااخلاق متقی پرہیز گار ہے اس پر یہ دیکھا اور سنا جاتا ہے کہ جنات آتے ہیں اور کبھی ارواح طیبہ آکر گفتگو کرتے ہیں نہ ان خبائث واجنہ کی صورت نظر آتی ہے نہ ان ارواح طیبہ کی شکل ظاہر ہوتی ہے البتہ جس کے سر پر ان کا ورود ہوتا ہے وہ نہایت سچے طریقے سے اس کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم ان کی صور واشکال کو بھی دیکھتے ہیں کوئی بصورت بزرگان دین ہوتا ہے اور کسی کی شکل نہایت مکروہ بدنما ہوا کرتی ہے۔ گفتگو اس امر میں ہے کہ آیا جنات وخبائث وارواح بزرگان دین کا کسی کے سر پر آکر بولنا کوئی امر واقعی ہے جس کا ثبوت شریعت طیبہ سے ملتا ہو یا نہیں اس مسئلہ کے متعلق عمرو بکر میں اختلاف شدید ہو رہا ہے ہر ایک کے استدلال حسب ذیل ہیں۔

عمرو کہتا ہے کہ یہ سب غلط باتیں ہیں ان کا شریعت سے کہیں ثبوت نہیں بزرگوں کے سر پر آکر بولنا بھی خرافات میں سے ہے چنانچہ اس پر سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلدم مرحوم ودیگر علماء شریعت کا فتویٰ موجود ہے نیز جب انسان کا انتقال ہو تا ہے تو دو حالت سے خالی نہیں یا اعمال صالحہ کئے ہوں گے یا اعمال سیئہ کئے ہوں گے صورت اول میں اس کی روح علیین میں ہو گی اور صورت ثانیہ میں سجین میں روح معذب ہو گی اگر علیین میں ہے تو وہ لذائذ وانعام کو چھوڑ کر کیوں دنیا میں آوے گی اور اگر معذب فی السجین ہے تو اس کو رنج والم سے کہاں فرصت کہ کسی کے سر آکر مکالمہ کریگی چنانچہ اچھے بندوں کے متعلق خود حدیث میں وارد ہے کہ قبر میں ان سے سوال وجواب کے بعد ملائکہ کہیں گے کہ نَمْ کنومۃ العروس اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس آرام و خواب شیریں کو چھوڑ کر کب آسکتے ہیں ونیز چونکہ اس کا ثبوت بھی کہیں سے نہیں ملتا اس لئے ایسا عقیدہ رکھنا لغو ہے اور لغو شے پر یقین رکھنا بھی حماقت ہے۔

بکر کہتا ہے کہ سوال زید تین اشخاص کے متعلق ہے خبائث اور اجنہ اور ارواح طیبہ تو ان تینوں کے متعلق یہ گزارش ہے کہ خبائث وشیاطین وبالفظ دیگر بھوت پریت۔ تو ان ہر ایک کو منجانب اللہ یہ حق حاصل رہتا ہے کہ غیروں کو ستاتے پھریں اور سر چڑھ کر ایذائیں دیں گالیاں سنائیں وغیرہ وغیرہ کیوں کہ امراض کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک ظاہری دوسری باطنی جس طرح ظاہری امراض بخار ولرزہ وغیرہ ایذارساں ہوتے ہیں بعینہ اس طرح امراض باطنیہ کے اسباب یہی شیاطین وغیرہ ہوا کرتے ہیں چنانچہ طاعون کو بحث الجن کہیں **الطاعون الجن** حدیثوں میں وارد ہے کہ شیاطین اجنہ کی شرارت ہوتی ہے دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی چند قسم کے ہوتے ہیں منجملہ ان کے یہ بھی ہوا کرتا ہے راندہ دربار فرما کر دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے کہ دربدر ٹھوکریں کھاتے پھرو۔ رہا کسی کے سر پر چڑھ کر بولنا تو یہ بھی ممکن ہے اور مشاہدات اس کی مصداق ہیں ونیز شیاطین کے متعلق مذکور ہے کہ **یجری مجری الدم**. ونیز خیشوم میں اس کا صبح کو آکر بیٹھا رہنا ان امور سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر سرایت کئے ہوئے رہتا ہے پھر اس کا سر چڑھ کر بولنا کچھ بھی مستبعد نہیں جب کہ وہ گمراہی کا خواہاں اور اس کی تدابیر میں سرگرداں رہتا ہے چنانچہ احد میں کفار کی شکست خوردہ جماعت کو اسی نے آواز دیکر واپس کیا تھا۔ ونیز **تلك الغرانیق العلی** کا قصہ مشہور ہے اگرچہ کل صحیح نہ ہو تاہم نفس شیطان کا اختلاط بالتکلم

ثابت ہوتا ہے و نیز ومامن مولود یصیح الا لمبس الشیطان او کما قال سے بھی ظاہر ہے الغرض شیطانوں کا وجود اور ان کا انسان کے ساتھ متعلق رہنا و نیز تکلم یہ بھی کچھ مستبعد نہیں بلکہ صدہا اسکی نظیریں موجود ہیں اجنہ بھی موجود ہیں ان کے وجود میں کلام نہیں و نیز ان کا انسانوں کے ساتھ تعلق بھی منکر نہیں ہو سکتا خرافہ کی حدیث شمائل و ترمذی و دیگر کتب احادیث میں مذکور ہے و نیز ابو تمیم انصاری کا واقعہ بھی مشہور ہے لیلتہ الجن کی حدیث بھی ان کے وجود و مکالمہ پر شاہد ہے اجنہ کا مختلف اشکال میں بدل جانے پر بھی قادر ہونا پایہ ثبوت تک پہنچا ہوا ہے جنات بھی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ان میں اخیار و اشرار ہر قسم کے ہوتے ہیں کبھی اگر اچھوں کا تسلط ہوا تو نیکی کی باتیں بتلاتے ہیں اور اگر بروں کا تسلط ہوا تو ایذائیں دیتے ہیں اشرار اجنہ کا سر پر چڑھ کر بولنا ستانا کچھ بھی منکر و مستبعد نہیں بلکہ اس کا تو مشاہدہ بھی ہوتا ہے چنانچہ اکام المرجان فی احکام الجان و نیز لفظ المرجان فی اخبار الجان. میں اس کی تفصیل موجود ہے و نیز حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی قلمی تحریر موجود ہے اس میں یہ مصرح ہے کہ ان کا سر پر چڑھ کر بولنا یا ستانا سب کچھ ثابت ہے اور ہر قسم کے جنات آتے ہیں اور سر پر چڑھ کر بولتے ہیں ان ہر ایک میں امتیازی کی صورت بھی بیان فرمائی ہے و نیز ان کے فتاویٰ میں بھی مسطور ہے و نیز مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی کا اس امر پر فتویٰ موجود ہے غالباً فتاویٰ جلد سوم میں مرقوم ہے کہ جنات کا تصرف علی الانسان ممکن و مشاہد ہے و نیز صدہا واقعات و شواہدات ایسے موجود ہیں کہ ان کا انکار قابل انکار ہے۔

ارواح طیبہ شہداء کے متعلق تو خود قرآن مجید میں ان کی حیات کے متعلق مصرح ہے ان کے متعلق ہمارے اکابر رحمہم اللہ اجمعین فرماتے ہیں کہ وہ بالکل آزاد ہیں اور انہیں کے حکم میں اولیائے کرام بھی داخل ہیں اور داخل نہ ہونے کی وجہ بھی نہیں دونوں عشق الٰہی میں جان بحق ہوئے البتہ اس باب میں موت کے ظہور و خفا کا فرق ہے چنانچہ جناب حکیم الامتہ مدظلہ العالی کے اکثر مواعظ میں مذکور ہے و نیز اکابر علماء سے اس کے متعلق تصریح موجود ہے کہ شہداء کی آزادی کے حکم میں اولیاء کرام کی ارواح طیبہ بھی داخل ہے غالباً شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ بزرگوں کی ارواح بھی عالم برزخ میں ترقی کرتی ہیں چنانچہ انبیاء کی ارواح کے متعلق احادیث میں مذکور ہے کہ اکثر انبیاء کو مشغول بصلوٰۃ و صوم پایا۔ اس سے ان کی زندگی وآزادی کا ثبوت ہوتا ہے والا مثل فالا مثل و نیز وہ خدا کے مقرب ہوتے ہیں (ان کو ان پر انعامات ہوتے ہیں مجملہ انعامات کے آزادی بھی تو ایک انعام ہے) نم کنومۃ العروس اس کے مخالف نہیں کیونکہ نائم کے لئے آزادی معارض نہیں ہے رہ گیا ان کا آنا اور سر پر چڑھ کر بولنا۔ اس پر بھی شاہ عبد العزیزؒ کے فتوے میں روشنی ڈالی گئی ہے ان کے آنے کی تصریح و نیز تکلم کی بھی تشریح موجود ہے مولانا عبد الحیٔ صاحب لکھنوی نے بھی اسی پر فتویٰ دیا و نیز مشارق الانوار میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ارواح طیبہ آکر بول سکتی ہیں۔ و نیز قال النبی ﷺ اذا خرج الروح من بدن ابن ادم و مضی ثلثۃ ایام یقول الروح یا رب ائذن لی حتی امشی وانظر الی جسدی الذی کنت فیہ فیاذن اللہ لہ فیجئی الی قبرہ و ینظر الیہ من بعید الی آخر الحدیث قال ابن عباس اذا کان یوم العید و یوم عاشوراء و یوم الجمعۃ الاولی من رجب و لیلۃ النصف من شعبان

و لیلة القدر و لیلة الجمعة تخرج ارواح الاموات من قبور هم و یقفون علی ابوابهم اوعلی ابواب بیوتهم الخ وروی عن ابی هریرة انه قال اذا مات المومن دارت روحه حول داره شهراً هکذا فی دقائق الاخبار ص ۱۸ للامام الشیخ عبدالرحیم ابن احمد القاضی و بهامشه کتاب الدر رالحسان فی البعث و نعیم الجنان للسیوطیؒ۔

اس کے علاوہ مشاہدات وواقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں خود ہمارے اکابر بھی اس کے مخالف نہیں۔

سوال یہ ہے کہ آیا عمرو کی رائے حق ہے یا بکر کا قول۔ اگر عمرو کا قول درست ہے تو کس بناء پر، اور اگر بکر کا قول صحیح ہے تو کیا اس کے قول کی صحت کے مذکورہ بالا دلائل کافی ہیں یا دیگر دلائل کی ضرورت پڑے گی۔ مدلل جواب عنایت کریں؟

(الجواب) مکالمہ مذکورہ میں اصولی طور پر اتنا تو صحیح ہے کہ جنات اور ارواح مفارقہ عن البدن خواہ ارواح طیبہ ہوں یا خبیثہ۔ ان کا تصرف زندہ انسان یا دوسری چیزوں میں ہوسکتا ہے کوئی دلیل شرعی، عقلی، یا نقلی اس کے منافی نہیں اور واقعات و تجارب اس کی صحت پر شاہد ہیں لیکن اس کی یہ مخصوص صورت کہ بزرگان دین کی ارواح کسی کے سر پر آکر بولیں، کلام کریں اور اسے ستاویں یہ امر معقول نہیں بلکہ ان کی طرف ایسی حرکت کا منسوب کرنا بے ادبی اور ان پر تہمت ہے اور جہاں کہیں ایسا واقعہ پیش آوے کہ کسی بزرگ یا شہید کا نام بتلا کر کوئی مخفی چیز کلام کرتی ہے وہ بعض شیاطین وجنات کا تصرف ہوتا ہے وہ جھوٹ موٹ بزرگان دین کا نام لے لیتے ہیں تاکہ ان کی بات مانی جائے۔

ارواح خبیثہ میں البتہ اس کا احتمال ہے لیکن حجت اس میں بھی کچھ نہیں کہ یہ قول اورفعل اس روح کا ہے جس کا نام لیا گیا ہے کیونکہ وہاں بھی شیاطین کے جھوٹ کا احتمال موجود ہے اور اس روح کا فعل و قول ہونے کی دلیل ہمارے پاس موجود نہیں تو ایسی صورت میں بلا دلیل کسی قول و فعل کو کسی روح کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

الغرض فیصلہ یہ ہے کہ اصولاً تو بکر کا قول صحیح ہے کہ اشیاء ثلاثہ کے تصرفات ہوسکتے ہیں اور فروعات وواقعات خاصہ کے متعلق عمرو کا قول فی الجملہ صحیح ہے مگر نہ اس بناء پر کہ ایسے واقعات کا پیش آنا عقلاً محال یا شرعاً ممنوع ہے بلکہ اس لئے کہ واقعات مخصوصہ کا ارواح مخصوصہ کی طرف منسوب کرنا خصوص اس بناء پر کہ ایک بے ہوش کی زبان پر اس کی طرف نسبت کی گئی ہے شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں احتمالات بہت ہیں مثلاً اول تو یہ بھی ممکن بلکہ اقرب ہے کہ یہ اس بے ہوش کا ہذیان ہو یا اگر صحیح واقعات بیان کرتا ہے تو اس کا کشف ہو جیسا کہ مجنون کو واقعات آئندہ کا کشف ہوجانا شرح اسباب وغیرہ کتب طب میں مصرح ہے، اور خارجی ہی اثر مانا جاوے تو شیطان و جن کا اثر ممکن ہے البتہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے اسی روح کا قول و فعل ہو کیونکہ اصولاً یہ کوئی ناممکن چیز نہیں مگر اتنے احتمالات ہوتے ہوئے کسی روح کی طرف واقعات مخصوصہ کی نسبت کرنا ایک قول بلادلیل ہے جو آیت لا تقف ما لیس لك به علم سے ممنوع و محظور ہے اور اگر کسی ایسے قول و فعل کی نسبت کی جاوے جو عار یا گناہ ہے تو تہمت و افتراء ہے جس کا گناہ ہونا

منصوص ومشہور ہے۔

جو دلائل بحر نے پیش کئے ہیں اصولاً تصرفات جنات اور ارواح کے ثبوت کے لئے وہ بھی کافی ہیں مزید توضیح کے لئے اتنا اور عرض ہے کہ کلام تین چیزوں کے آثار وتصرفات وغیرہ میں ہے جنات ارواح طیبہ اور ارواح خبیثہ۔ جنات کا وجود اور ان کے واقعات غریبہ تو قرآن کی بے شمار آیات اور احادیث نبویہ غیر محصور تصریحات میں اس طرح ثابت ہیں کہ یہ ضروریات دین میں داخل ہو چکا ہے جس کا انکار کرنا درحقیقت قرآن و حدیث کا انکار کرنا ہے اور اسی لئے جنات کے وجود کا مطلقاً انکار کردینا کفر ہے اسی طرح جنات کا انسانوں کے بدن اور دوسری اشیاء میں تصرف و تاثر کرنا اور اشکال مختلفہ میں پایا جانا یہ بھی احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی سے ثابت ہے۔

قال علیه الصلوة والسلام ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم. وقال علیه الصلوة والسلام . اقتلو اذو الطفیتین والا بتر وایاکم والحیة البیضاء فانها من الجن وروی الترمذی وقال حسن غریب عن ابی ایوب الانصاری انه کانت له سهرة فیها تمرو کانت تجیئ الغول فتاخذ منه الحدیث الیٰ قوله والغول بضم الغین المعجمه هو شیطان یا کل الناس وقیل هومن یتلون من الجن (الترغیب والترهیب للمنذری باب القرأة) وعن ابی بن کعب ان اباه اخبره فی حدیث طویل اخذبدابة کالغلام المحتلم وله یدکید الکلب و شعر کشعره فقال هذا خلق الجن (ترغیب و ترهیب باب القرأة) قال رواه ابن حبان فی صحیحه وغیره)

نیز حدیث خرافہ شمائل ترمذی وغیرہ میں مشہور ومعروف ہے اس کے علاوہ بہت سی احادیث اس باب میں صریح ہیں حاجت استیعاب نہیں۔

باقی رہا ارواح خبیثہ یا طیبہ کے افعال اور بولنا وغیرہ یہ بھی آثار سلف اور تجارب صادقہ سے ثابت ہے اور شریعت میں کہیں اس کی نفی وممانعت مذکور نہیں اس لئے جس طرح دوسری تجربہ کی چیزیں عادۃ تسلیم کی جاتی ہیں اور اس کے لئے قرآن وحدیث کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی اسی طرح یہ بھی کیا جائے گا مثلاً سناء یکی کا مسہل ہونا سب کو تسلیم ہے اور اس کے لئے کوئی نص قرآن وحدیث میں تلاش نہیں کرتا تجربہ کی بناء پر مانا جاتا ہے اسی لئے حکماء محققین بھی ارواح خبیثہ کے تصرفات کو تسلیم کرتے ہیں صرف افعال واقوال ارواح پر تو بعض روایات حدیث بھی موجود ہیں۔ مندرجہ ذیل آثار واقوال ہمارے مدعا کے لئے مثبت ہیں۔

قال ابن قیم فی زاد المعادفی هدیة ﷺ فی علاج الصرع. قلت الصرع صرعان صرع من الارواح الخبیثه الارضیة و صرع من الاخلاط الردیة والثانی هوالذی یتکلم فیه الاتباع فی سببه و علاجه واما صرح الارواح فائمتهم وعقلا ئهم یعتبرون به ولا یدفعونه و یعترفون بانه علاجه بمقابلة الارواح الشریفة الخیرة العلویة لتلك الارواح الخبیثه فتدافع آثارها و تعارض افعالها وقد نص علی ذلك بقراط فی بعض کتبه و باقی التفصیل فراجعه فی زاد المعاد ص ۷۸ ج ۲.

اور حدیث نم کنومۃ العروس یا حدیث ارواح کی جنت میں مستقر ہونے کی ان احوال وافعال کے کسی طرح

معارض نہیں حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں اس کو خوب مفصل لکھا ہے جس میں سے بعض آثار نقل کئے جاتے ہیں۔

ولا یضیق عطنك عن کون الارواح فی الملاء الا علٰی تسرح فی الجنة حیث شاء ت و تسمع سلام المسلم علیها عندق قبرها وتدنومنه حتی ترد علیه السلام و للروح شان اخر غیر شان البدن (کتاب الروح ۱۶۳ مطبوعه دارالمعارف) و ایضاً قال ان ماذکرنا ه من شان الروح یختلف بحسب حال الارواح من القوة والضعف والکبر والصغر (الی قوله) والروح المطلقة من اسرالبدن و علائقه و عوائقه من التصرف والقوة و النفاذو الهمة و سرعة الصعود الی الله تعالٰی والتعلق بالله ما لیس للروح المهینة المحبوسة فی علائق البدن و عوائقه (الی قوله) وکم قدر ای النبی صلی الله علیه وسلم و معه ابوبکر و عمر فی النوم قد هزمت ارواحهم عساکر الکفر والظلم فاذا بجیوشهم مغلوبة مکسورة (کتاب الروح ۱۶۵) ثم قال واما قول من قال ان الروح المئومنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاء ت فهذا مروی عن سلمان الفارسیؓ البرزخ هو الحاجز بین شیئین وکان سلمان ارادبها فی ارض بین الدنیا والاخرة مرسله هناك تذهب حیث شاء ت وهذا القول قوی الخ (کتاب الروح ص ۱۷۳)

عبارات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بکثرت تصریحات کتب حدیث میں اور بالخصوص ارباب سلوک کے اقوال میں موجود ہیں اور جس قدر ذکر کیا گیا ہے کافی ہے۔

(خلاصہ) یہ ہے کہ جنات اور ارواح کا اس عالم میں آکر انسان یا غیر انسان پر کسی قسم کا تصرف کرنا نہ عقلاً محال ہے اور نہ شرعاً ممنوع اور نہ کوئی دلیل عقلی یا نقلی ایسے تصرفات کی نفی پر موجود ہے اور جو دلائل عمرو نے پیش کئے ہیں سب مخدوش۔ مگر کسی خاص واقعہ کو کسی خاص روح کی طرف منسوب کرنا اس لئے درست نہیں کہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور کسی بے ہوش کا کہہ دینا حجت نہیں اور یہ بالکل ویسا ہے جیسے کسی زندہ انسان کی طرف واقعہ خاصہ کی نسبت کرنا بغیر دلیل کے جائز نہیں۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ انسان اس واقعہ پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔

(تنبیہ) یہ تمام آثار وافعال اور تصرفات جو جنات اور ارواح کے ذکر کئے گئے ہیں ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہم انسان مختلف قسم کے کاروبار کرنے کی باذن اللہ قدرت رکھتے ہیں اور کرتے ہیں اسی طرح یہ اشیاء بھی قادر باذن اللہ ہیں اور جب چاہیں اللہ تعالٰی ان کے افعال مذکورہ کو روک دیں ان کو کوئی اختیار اور تاثیر نہیں محض مشین کے کل پرزوں کی طرح چلانے والے کے تابع مشیت وارادہ ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالی اعلم. ۸ / جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

فصل فی کلمات الکفر

(جن کلمات سے کفر عائد ہوتا ہے)

اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر نکل جائے

(سوال ۱۶) زید کی زبان سے سبقت لسانی سے اللہ تعالیٰ کی نسبت اشرف المخلوقات نکل گیا اور کہنا چاہتا تھا اشرف الحاکمین فوراً عمر نے حکم لگادیا کہ یہ کافر ہوگیا اور اس کو تجدید ایمان ضروری ہے یہ حکم صحیح ہے یا غلط؟
(۲) عمر نے سبقت لسانی سے بجائے آیۃ انما المشرکون نجس کے انما الکافرون نجس کہا حالانکہ یہ لفظ قرآن شریف میں نہیں ہے اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) سبقت لسانی اور غلطی سے اگر کوئی کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کہنے والا گنہگار بھی نہیں ہوا کافر ہونا تو بہت بعید ہے صرح بہ فی البحر الرائق وغیرہ جس نے کفر کا حکم کیا محض غلطی کی حدیث صحیح میں ایک ایسے صالح بندہ کی تعریف اور مدح وارد ہوئی ہے جس نے فرط مسرت کے وقت بوجہ سبقت لسانی کے یہ کہہ دیا تھا انت عبدی وانا ربک الغرض غیر اختیاری چیزوں پر شرعاً مواخذہ نہیں لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا، البتہ استغفار کرے اور آئندہ ایسی بے پروائی سے بچے۔
(۲) اگر غیر اختیاری طور پر سبقت لسانی سے ایسا سرزد ہوا ہے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر اول میں گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ کہنا کہ میں کدو کو پسند نہیں کرتا کفر نہیں معہ تشریح واقعہ امام ابی یوسفؒ

(سوال ۱۷) مشہور ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کدو کو دوست رکھتے تھے اگر کوئی یہ کہے کہ میں کدو کو دوست نہیں رکھتا یہ کہنا اس کا کفر ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ یہ حدیث بیان کر رہے تھے کان رسول اللہ ﷺ یحب الدباء ایک شاگرد نے فوراً کہا ولکنی لا احبہ (مجھے تو کدو پسند نہیں) امام یوسفؒ نے فوراً تلوار نکالی کہ یا توبہ کرو ورنہ قتل کر دوں گا یہ واقعہ اسماء الرجال سیر کی کتب معتبر میں موجود ہے۔ لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں کدو کو دوست نہیں رکھتا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ نہ کدو کا دوست رکھنا ایمان کا موقوف علیہ ہے اور نہ ایسا کہنا کوئی شعار کفر ہے مگر ابو یوسفؒ کے واقعہ میں ایک وقتی بات یہ پیش آگئی تھی کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ جو اس نے کہا لا احبہ تو صورۃً معارضہ حدیث پیدا ہو گیا' اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معارضہ و مقابلہ کرنا کفر ہے۔

لہذا یہاں پر صورت کفر پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ نے تہدیداً وزجراً ایسا کیا نہ خیال کفر وارتداد۔ اور یہ واقعہ بعینہ ایسا ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اپنے صاحبزادے کے ساتھ پیش آیا کہ حضرت فاروقؓ نے حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو لاتمنعوا اماء

اللہ عن المساجد صاجزادے نے بوجہ وقتی ضرورت کے کہا واللہ لنمنعھن (بخدا ہم تو ان کو مسجد میں جانے سے روکیں گے) اور یہ کہنا ان کا فی الواقع حق تھا جس کا بعد میں خود حضرت فاروق نے بھی اعتراف کیا لیکن اس وقت چونکہ صورۃً حدیث کا معارضہ ہو گیا تو حضرت فاروق ایسے ناراض ہوئے کہ صاجزادہ سے کلام کرنا چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ بھی معتبر شروح حدیث میں مفصل موجود ہے۔

حسب ذیل اشعار مدحیہ کا پڑھنا کیسا ہے

(سوال ۱۸) آنحضرت ﷺ کی شان میں اشعار ذیل پڑھنا کیسا ہے ۔

وہی ہے عرش وہی عرش استوے ہو کر ☆☆ اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر۔

وہ یوں حسن اپناد کھائے ہوئے ہیں۔ ☆☆ محمد ﷺ کی صورت میں آئے ہوئے ہیں؟

(الجواب) یہ اشعار ایسے ہیں کہ اگر تاویل نہ کی جائے تو ظاہر ان کا شرک ہے اس لئے گو بوجہ احتیاط قائل کی تکفیر نہ کی جاوے مگر ان اشعار کا پڑھنا سننا سب گناہ اور خود آنحضرت ﷺ کی نافرمانی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے لا تطرونی الحدیث. یعنی میری مدح میں غلو نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح کی مدح میں غلو کیا۔

ایضاً (سوال ۱۹) اس شعر مرقومہ ذیل میں۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

کہ اس کا مطلب صرف مرقوم ذیل ہی ہے یا کچھ اور۔ مطلب وہ ہی ذات جو عرش عظیم پر خدا ہو کر جلوہ فرما تھے وہ اب مدینہ میں مصطفےٰ بن کر آئے ہیں لہٰذا اب محمد ﷺ خدا ہو گئے کیوں کہ خدا ہی مصطفےٰ بن کر مدینہ میں آیا ہے اگر اس کا یہی مطلب ہے یہ تو شعر جائز ہے یا ناجائز ہے یا مستلزم کفر ہے اگر جائز یا ناجائز یا مستلزم کفر ہے تو کیوں؟ اگر ناجائز و یا مستلزم کفر ہے تو اس کو جائز کہنے والا اور موافق شرع سمجھ کر پڑھنے اور پڑھوانے والا کیسا ہے آیا بدعتی و بد مذہب ہے یا نہیں اگر بدعتی ہے تو اس کے پیچھے امامت درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس شعر کا مطلب اور مضمون بالکل کفر ہی ہے اور شرک پر دلالت کرتا ہے اس کا پڑھنا بالکل حرام بالخصوص جائز سمجھ کر دوہرا گناہ ہے لیکن چونکہ ضعیف سی تاویل وحدۃ الوجد کے قاعدہ پر ہو سکتی ہے اس لئے احتیاطاً کہنے والے پر کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے گا جب تک اس کی زبان یا عبارت سے صراحتاً معلوم ہو کہ یہ شخص بلا کسی تاویل کے اس شعر کو اپنے ظاہری معنے میں استعمال کرتا ہے اور اعتقاد رکھتا ہے یہ شخص شرعاً بدعتی اور فاسق ہے اور بادشاہ اسلام پر اس کی تعزیر ضروری ہے ایسے شخص کی امامت درست نہیں۔ لمافی الدر المختار و خلف فاسق والمبتدع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کی توہین کفر ہے یا نہیں

(سوال ۲۰) زید جو کہ حافظ قرآن بھی ہے اور اپنی بستی میں جو مسجد ہے جس میں تقریباً بیس سال تک تراویح قرآن پاک سنایا ہے اس کی نسبت زید نے اپنے بھائیوں کے روبرو غصہ کی حالت میں اپنے باہمی نزاعات کے متعلق گفتگو میں یہ الفاظ کہا کہ مسجد کے گولیمارو۔ کیا اس کلمہ کے کہنے کی وجہ سے جو مفید اہانت شریعت ہے ارتداد زید کا حکم شرعی ہو کر موجب فسخ نکاح زید ہو گیا یا نہیں تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں۔ ایک عالم صاحب کا یہ خیال ہے کہ فتاوی مولانا عبدالحئی صاحب کے جلد اول ص ۷ ۴۴ میں ہے اگر گوید من نماز رالطاق نہادم یکفر۔ کذافی خزانۃ المفتین۔ پس جو شخص اتنالفظ زبان سے کہے فتویٰ اور حدیث کو طاق پر رکھو مجرد اس تکلم کے حکم ارتداد کا دیا جاوے گا اور نکاح فی الفور فسخ ہو جائے گا جیسا کہ کنز اور قدوری میں ہے وارتداد احدھما فسخ فی الحال انتھٰی مخلصاً اور یہ کلمہ کہ مسجد کے گولی مارواس کلمہ سے کہ من نماز رالطاق نہادم نہایت شدید ہے لہذا حکم شرعی واضح ہے عالم مذکور کا یہ قیاس خیال صحیح ہے یا نہیں؟ جواب میں اس امر کا بھی خیال ملحوظ ہونا ضروری ہے کہ فلانے کے گولی مارو زید کا بحالت غصہ تکیہ کلام ہے۔

(الجواب) الفاظ مندرجہ سوال مسجد کے گولی مارو توہین مسجد پر مشتمل ہیں اور کلمہ کفر ہیں لیکن کسی جملہ کا کفر ہونا اور چیز ہے اور اس کے کہنے والے کو کافر قرار دینا اور چیز اس لئے محض کلمہ کفر زبان سے نکلتے ہی کسی مسلمان پر کفروارتداد کا حکم لگانا سخت غلطی ہے بلکہ مفتی کا فرض ہے کہ دیکھے اس کلام میں کوئی قوی یا ضعیف سا احتمال ایسا بھی نکل سکتا ہے جس کی بنا پر یہ شخص کفر سے بچ جائے اگر نکلے، تو اس پر واجب ہے کہ اسی پر فتویٰ دے اور اس شخص کو مسلمان کہے کیونکہ مسلمان کو کافر کہنا وبال عظیم ہے اس لئے صاحب بحر الرائق نے باب المرتدین میں تصریح فرمائی ہے کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کلمات کفر یہ جاری کرنے کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہوں گا اور یہی مضمون شامی نے باب مذکور میں درج فرمایا ہے اور جامع الفصولین باب کلمات الکفر میں بھی اس کی تائید کی گئی ہے الغرض محض ان الفاظ مذکورہ کہہ دینے سے کفروارتداد کے احکام جاری کرنا صحیح نہیں بالخصوص جب کہ کہنے والے کا تکیہ کلام یہی الفاظ ہر جگہ ہوں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا دعویٰ کرنا

(سوال ۲۱) اللہ جل جلالہ کا کلام کرنا اپنے بندہ سے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ سے یہ منصب ودرجہ خاص انبیاء علیہم السلام کا ہے یا عام اگر خاص انبیاء علیہم السلام کا ہے اور نبوت ختم ہو چکی ہے اب فی زمانہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کلام فرمایا تو اس پر اور اس کلام کو حق جاننے والے اور اس کے معتقد پر شرعاً کیا حکم ہوگا۔
بنیوا بسند الکتاب. توجروا من اللہ الوھاب؟

(الجواب) اللہ تعالیٰ کا کلام بالمشافہۃ اور بطور وحی کے خاصہ انبیاء علیہم السلام جو آنحضرت ﷺ کے بعد قطعاً منقطع ہے اور مدعی اس کا کافر ہے صرح بہ فی شرح الشفاء.

البتہ بصورت الہام عامہ مومنین کو حاصل ہو سکتا ہے لیکن عرفاً اس کو کلام نہیں کہا جاتا اس لئے ایسے

الفاظ بولنا کہ (اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا) اگر اس کی مراد یہ ہے کہ بطور وحی کے بالمشافہتہ فرمایا تب تو کفر ہے اور اگر مراد اس سے بطور الہام دل میں ڈالنا ہے تب بھی درست نہیں کیونکہ اس میں ایہام ہوتا ہے ادعاء وحی کا اور کفر کے ایہام سے بچنا بھی ضروری ہے۔

کسی کو یہ کہنا کہ اول خدا تعالیٰ کے اور دوسرے تمہارے سپرد ہے

(سوال ۲۲) بوقت رخصت داماد خود رایاوقت سفر کردن یابوقت مردن می گویند کہ دختر من یااہالی وورثہ من اول بنزد خدا وبعدہ بدست تو سپردم۔ ایں چنیں گفتن جائز است یانہ؟

(الجواب) ایں چنیں گفتن جائز نیست بلکہ اندیشہ کفر است چہ بعض علماء ایں قسم کلمات را در کلمات کفریہ نقل کردہ اند۔ چناں کہ در خلاصۃ الفتاوی قاضی خان وغیرہ آوردہ اند ولکن احتیاط درباب فتویٰ ایں است کہ حکم بکفر قائلین ایں کلمہ نکردہ شود۔ آرے گناہ است ترک آں واجب۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم.

فصل فی الفرق الباطلة
باطل فرقوں کا بیان

وفات عیسیٰ علیہ السلام پر چند اشکالات اور ان کا جواب

(سوال ۲۳) لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعھا الا اتباعی ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان صفحہ ۲۴۶ ج ۲ الیواقیت الجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴ شرح فقہ اکبر ص ۱۰ میں بھی یہی مضمون ہے۔

(۲) ان عیسیٰ بن مریم عاش عشرین و مائة سنة الحدیث کنز العمال صفحہ ۱۲۰ جلد ۶ جلالین مجتبائی ص ۵۰، اس حدیث سے وفات ثابت ہوتی ہے (۳) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی وفات کیوں ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر کیوں نہ اٹھائے گئے؟

(۴) ماالمسیح بن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل. سورہ ال عمران اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر استدلال کرنا کیسا ہے

(۵) اموات غیر احیاء الآیۃ سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتی ہے

(۶) شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ لا نبی بعدی کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہو چکی لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) (۱) حدیث لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین. دو تین کتابوں میں مذکور ہے مگر سب میں بلا سند لکھی ہے اور جب تک سند معلوم نہ ہو کیسے یقین کر لیا جائے۔ کہ یہ حدیث قابل عمل صحیح ہے اگر اسی طرح بلا سند روایات پر عمل کریں تو سارا دین برباد ہو جائے اسی لئے بعض اکابر محدثین نے غالباً حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا ہے لو لا الا سناد یقال من شاء ماشاء دوسرے اگر بالفرض سند موجود بھی ہو اور مان لو

کہ صحیح بھی تو غایت یہ ہے کہ یہ حدیث دوسری احادیث سے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع آسمانی پر صریح ہیں اور درجہ تواتر کو پہنچ گئی ہیں ان کی معارض ہوگی اور تعارض کے وقت شرعی اور عقلی قاعدہ یہی ہے کہ اقوی کو ترجیح ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک غیر معروف حدیث ان تمام صحیح اور قوی متواتر روایات حدیث پر راجح نہیں ہو سکتی یہ قادیانی ہی مذہب کی خصوصیت ہے کہ مطلب کے موافق نہ ہو تو صحیح بخاری و مسلم کی حدیث کو معاذ اللہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جائیں اور مطلب کے بزعم خود موافق ہو تو ضعیف روایت کو ایسا اہم بنا ہیں کہ صحیح اور متواتر روایات پر ترجیح دیدیں کوئی مسلمان ایسا نہیں کر سکتا اس حدیث کی تحقیق پر مولانا سید مرتضٰی حسن صاحب مدظلہم ناظم تبلیغ دارالعلوم نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جو عنقریب طبع ہو کر شائع ہونے والا ہے۔

حدیث عاش علیہ السلام ماته و عشرین سنة سے وفات مسیح کا شبہ اور اس کا جواب

(۲) اس حدیث سے وفات کا ثابت کرنا قادیانی فراست ہی کی خصوصیات سے ہے اولاً اس لئے کہ حدیث خود متکلم فیہ ہے بعض محدثین نے اس کو قابل اعتماد نہیں مانا، ثانیاً اگر حدیث ثابت بھی ہو جائے تو صحاح ستہ میں جو قوی اور صریح و صحیح روایات حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع آسمانی اور نزول فی آخر الزماں کے متعلق وارد ہیں یہ حدیث ان کا معارضہ عقلاً و اصولاً نہیں کر سکتی ثالثاً حدیث کی مراد صاف یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زمین پر ایک سو بیس سال زندہ رہے آسمان پر زندہ رہنا چونکہ بطور معجزہ ہے اس لئے اس حیات کو حیات دینوی میں شمار نہ کرنا چاہئے تھا اور نہ کیا گیا اور اس حدیث میں زمین اور اس عالم عناصر کی حیات کا ذکر ہے بطور اعجاز جو حیات کسی کے لئے ثابت ہو اس کا اس میں شمار کرنا اور داخل سمجھنا عقل و نقل کے خلاف ہے۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح آنحضرت ﷺ کو آسمان پر کیوں نہ اٹھالیا گیا؟

(۳) حق تعالٰے کے معاملات ہر شخص کے ساتھ جداجدا گانہ ہیں کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالٰی سے یہ سوال کرے کہ جو معاملہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی موسٰی علیہ السلام کے ساتھ کیوں نہ کیا اور جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا وہی ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیوں نہ کیا اور نہ صرف ان معاملات و واقعات سے ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی ترجیح و تفضیل دی جا سکتی ہے جب تک دوسری صحیح و صریح روایات تفضیل پر دلالت نہ کریں انبیاء علیہ السلام کی تاریخ پڑھنے والوں پر مخفی نہیں کہ بعض انبیاء کو آروں کے ذریعہ دو ٹکڑے کر دیا گیا اور بعض کو آگ میں ڈالا گیا اور بعض کو خندق وغیرہ میں پھر کسی پر آفات و مصائب اول جاری کر دیئے پھر آخر الامر بچا لیا اور کسی کو اول ہی سے محفوظ رکھا اب یہ سوال کرنا کہ جیسے عیسٰی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا کر زندہ رکھا گیا ہے ایسے ہی حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ معاملہ کیوں نہ کیا گیا یہ تو ایسا ہی سوال ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جو معاملہ موسٰی علیہ السلام اور لشکر فرعون کے ساتھ بنص قرآن کیا گیا وہی معاملہ نبی کریم ﷺ اور کفار مکہ کے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ جنگ احد میں حضور ﷺ کا دندان مبارک شہید ہونے اور چہرہ انور زخمی

ہونے کی نوبت آئی آپ کو ہجرت کر کے وطن اور مکہ چھوڑنا پڑا غار میں چھپنا پڑا سب کفار قریش پر ایک دفعہ ہی آسمانی بجلی کیوں نہ آگئی یا دریا میں غرق کیوں نہ ہوگئے' جسے یہ سوال حضرت حق تعالیٰ کے معاملات میں بے جا ہیں ایسے ہی یہ بھی بالکل بے جا اور نا معقول سوال ہے کہ جیسے عیسٰی علیہ السلام کو زندہ رکھا آپ کو بھی زندہ آسمان پر رکھنا چاہئیے تھا۔ کیونکہ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا یا آسمان پر رہنا ان سے کوئی فضیلت نبی کریم ﷺ پر ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زیادتی عمر فضیلت ہوتی تو بہت سے صحابہ کرام ؓ اور عوام امت کی عمریں آپ سے دوگنی چوگنی ہوئی ہیں ان کو بھی افضل کہہ سکیں گے اور اسی طرح اگر آسمان میں رہنا یا چڑھنا ہی مدار فضیلت ہو تو فرشتوں کو حضور ﷺ سے افضل ماننا لازم آئے گا جو نصوص شرعیہ اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

آیت قد خلت من قبله الرسل. اور اموات غیر احیاء سے وفات مسیح پر استدلال صحیح نہیں

(۴) قد خلت من قبله الرسل سے عیسٰی علیہ السلام کی وفات پر استدلال کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جنہیں عربی عبارت سمجھنے سے کوئی علاقہ نہیں اور جو محاورات زبان سے بالکل واقف نہیں کیونکہ اول تو اس جیسے عمومات سے کسی خاص واقعہ مشہورہ پر کوئی اثر محاورات کے اعتبار سے نہیں پڑتا بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بیمار طبیب سے پوچھے کہ پرہیز کس چیز کا ہے وہ کہہ دے کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ مضر نہیں۔ اب اگر یہ بیوقوف جا کر پتھر یا لوہا کھائے یا سنکھیہ کھائے اور استدلال میں قادیانی مجتہدین کا سا استدلال پیش کرے کہ حکیم صاحب نے کہا تھا کہ ترشی اور تیل مت کھاؤ ترشی اور تیل کے سوا ساری چیزیں کھاؤ کوئی مضر نہیں اور ساری چیزوں میں پتھر اور لوہا اور سنکھیہ (زہر) بھی داخل ہے لہذا میں جو کچھ کھاتا ہوں حکیم صاحب کے فرمانے سے کھاتا ہوں انصاف کیجئے کہ کوئی عقلمند اس کو صحیح العقل سمجھے گا اور پھر یہ بھی انصاف کیجئے کہ اس قادیانی استدلال میں اور اس میں کوئی فرق ہے یا نہیں ذرا غور سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر بالفرض خلت کے معنی موت ہی ہوں تو بھی اس سے ان انبیاء کی موت ثابت نہیں ہو سکتی جس کے قرآن و حدیث کی دوسری نصوص حیات ثابت کرتی ہیں جیسے سب چیز کھاؤ کے قول سے پتھر اور زہر کا کھانا داخل مراد نہیں۔ اس کے علاوہ خلت کے معنے لغت میں موت کے نہیں بلکہ گزر جانے کے ہیں خواہ مر کر خواہ کسی دوسرے طریقہ سے جیسے عیسٰی علیہ السلام کے لئے ہوا۔

امام راغب اصفہانی مفردات القران میں اس لفظ کے یہی معنی لکھتے ہیں۔

والخلو يستعمل في الزمان و المكان لكن لما تصور في الزمان المضى فسر اهل اللغة خلا الزمان بقولهم مضى الزمان و ذهب قال تعالى و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل. انتهى. یہ لفظ صریح ہیں کہ خلت کے معنی قرآن شریف میں چلنے جانے اور گزر جانے کے جس میں عیسٰی علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بلا شبہ برابر ہوگئے تعجب ہے کہ قادیانی خانہ ساز پیغمبر کے صحابی اتنی سی بات کو کیوں نہیں سمجھتے اور اگر حق تعالیٰ ان کو چشم بصیرت عطا فرمائے اور وہ اب بھی غور کریں تو سمجھیں گے کہ یہ آیت بجائے وفات عیسٰی پر دلیل ہونے کے حیات کی طرف مشیر ہے کیونکہ صریح لفظ ماتت وغیرہ چھوڑ کر خلت شاید اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اختیار فرمایا ہے کہ کسی بے وقوف کو موت عیسٰی علیہ السلام کا شبہ نہ ہو جائے اگرچہ محاورہ

شناس کو تو پھر بھی شبہ کی گنجائش نہ تھی۔

(۵) اموات غیر احیاءٍ ۔ کی تفسیر باعتبار لغت بھی اور جو کچھ مفسرین نے تحریر فرمایا ہے اس کے اعتبار سے بھی یہی ہے کہ یہ سب حضرات ایک معین مدت کے بعد مرنے والے ہیں نہ یہ کہ بالفعل مر چکے ہیں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔ انك میت وانهم میتون۔ تو کیا اس کا یہ مطلب تھا کہ معاذ اللہ آپ اس وقت وفات پا چکے ہیں بلکہ بالاتفاق وہی معنے مذکور مراد ہیں کہ ایک وقت معین میں وفات پانے والے ہیں یہ بھی جھوٹی نبوت کی نحوست ہے کہ اتنی سی بات سمجھ میں نہ آئی۔

(۶) شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہو سکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں! ابن عربی کا قول ان میں سے فرمایئے کس میں داخل ہے اس لئے اس کا استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے۔ ثانیاً خود ابن عربی اپنی اسی کتاب فتوحات میں نیز فصول میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہو چکی ہے ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح وصاف رسائل ذیل میں مذکور ہیں' عقیدة الاسلام فی حیات عیسٰی علیه السلام التنبیه الطربی فی الذب عن ابن العربی وغیرہ.

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی ہے آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔

حدیث لو کان موسٰی و عیسٰی حیین کی تحقیق

(سوال ۲٤) لو کان موسٰی و عیسٰی حیین کیا یہ حدیث کسی حدیث کی کتاب میں موجود ہے یا کہ نہ بیہقی کا حوالہ دیا جاتا ہے اس میں ہے یا نہیں ؟

(الجواب) حدیث لو کان موسٰی و عیسٰی حیین کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں البتہ تفسیر ابن کثیر میں ضمناً یہ الفاظ لکھے ہیں اور اسی طرح اور بعض کتب تصوف میں نقل کر دیا ہے مگر سب جگہ بلا سند نقل کیا ہے اس لئے یہ حدیث بچند وجوہ احادیث مشہورہ کے معارض نہیں ہو سکتی اولاً معارض کے لئے مساوات فی القوة شرط ہے اور اس حدیث کا کہیں پتہ نہیں اور جہاں کہیں ہے تو وہ بلا سند ہے اور یہ قول ائمہ حدیث کا مقبول و مشہور ہے کہ لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء. ثانیاً اگر بالفرض یہ حدیث معتبر ہی ہو تو احادیث متواترہ دربارہ حیات و نزول عیسٰی علیہ السلام کے معارض ہو گی اور ترجیح کی نوبت آئے گی تو ظاہر ہے کہ احادیث کثیرہ متواترۃ المعنی کو اس کے مقابلہ میں ترجیح ہو گی نہ ایک اس حدیث کو جس کا حدیث ہونا بھی ہنوز متعین نہیں۔

ثالثاً اگر ان الفاظ کو صحیح اور ثابت بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے وفات عیسٰی علیہ السلام ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے معنے صاف یہ ہوتے ہیں کہ عالم زمین پر حیاۃ ہوتے کیونکہ حدیث میں اتباع نبوت کا ذکر ہے اور یہ اتباع اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے سو یہ صحیح ہے کہ اگر عیسی علیہ السلام اس عالم میں زندہ ہوتے آپ

کا اتباع کرتے اب چونکہ ایک دوسرے عالم میں زندہ ہیں اس لئے اتباع ان پر ضروری نہ رہا سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور اگر اس مضمون کو مبسوط دیکھنا چاہیں تو مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے اس مضمون پر مستقل رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے۔

نبوت غیر تشریعی کے متعلق شیخ اکبر کے قول کا مطلب

(سوال ۲۵) شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ لا نبی بعدی کے یہ معنی ہیں کہ تشریعی نبوت ختم ہوچکی لیکن غیر تشریعی نبوت ختم نہیں ہوئی یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) شیخ محی الدین ابن عربی کا قول استدلال میں پیش کرنا اول تو اصولاً غلطی ہے کیونکہ مسئلہ ختم نبوت عقیدہ کا مسئلہ ہے جو باجماع امت بغیر دلیل قطعی کے کسی چیز سے ثابت نہیں ہوسکتا اور دلیل قطعی قرآن کریم اور حدیث متواتر اور اجماع امت کے سوا کوئی نہیں۔۔۔ ابن عربی کا قول ان میں سے فرمائیے کس میں داخل ہے اس لئے اس کا استدلال میں پیش کرنا ہی اصولی غلطی ہے ثانیاً خود ابن عربیؒ اپنی اسی کتاب فتوحات میں نیز فصول میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ نبوت شرعی ہر قسم کی ختم ہوچکی ہے اور جس عبارت کو سوال میں پیش کیا ہے اس کا صحیح مطلب خود فتوحات کی تصریح سے یہ ہے کہ نبوت غیر تشریعی ایک خاص اصطلاح شیخ اکبرؒ کی ہے جو مرادف ولایت ہے نہ وہ نبوت جو مصطلح شرعی ہے کیونکہ جمیع اقسام نبوت کے انقطاع پر خود فتوحات کی بے شمار عبارتیں شاہد ہیں ابن عربی اور دوسرے حضرات کی عبارتیں صریح وصاف رسائل مذکور الصدر میں کچھ مذکور ہیں اور قلمی احقر کے پاس منقول لیکن سب کے نقل کرنے کی فرصت و ضرورت نہیں۔

اسی طرح صاحب مجمع البحار اور ملا علی قاری بھی اپنی دوسری تصانیف میں اس کی تصریح کرتے ہیں جو جمہور کا مذہب ہے یعنی ہر قسم کی نبوت ختم ہوچکی ہے آئندہ یہ عہدہ کسی کو نہ ملے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

فرقہ آغاخانی

(سوال ۲۶) شخصے از فرقہ اسمٰعیلیہ آغاخانیہ بازنے سنی حنفی مذہب نکاح نمودہ ازاں سہ فرزند متولد شدہ است۔ اکنوں زوجہ مذکورہ شنیدہ کہ نکاح مرد مذکور بامن صحیح نہ شدہ است لہذا از قبول کردن مرد آغاخانی انکار ورزیدہ اور ابنز وخود نخواہد تراشت۔ آیا باعتبار شرع نکاح مردن مذکور بازن مذکورہ صحیح شدہ است یانہ؟ نیز اولاد ثلاثہ حوالہ مادر کردہ شود یانہ؟

(الجواب) صحیح اور مکمل جواب تو فرقہ آغاخانیہ کے مخصوص عقائد معلوم ہونے پر ہوسکتا ہے اجمالاً یہ ہے کہ اگر یہ فرقہ ضروریات دین اور اسلام کے مسائل قطعیہ کا منکر ہے تو یہ باتفاق کافر ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت کا قائل ہو۔ قرآن کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کی غلطی کرنے کا قائل ہو یا صدیق اکبر کے صحابی ہونے کا منکر ہو وامثال ذلک۔ تو یہ شخص بلاشبہ کافر ہے اور مسلمان عورت کا نکاح کافر

سے منعقد نہیں ہو سکتا لہذا یہ نکاح باطل ہے اور جو اولاد پیدا ہوئی وہ اپنی والدہ کے حوالہ کردی جائے گی اور زوجین میں تفریق کردینا ضروری ہے اور اگر اس فرقہ کے عقائد میں کوئی چیز قطعیات اسلامیہ کے خلاف نہیں تو نکاح درست و صحیح ہو گیا اب بجز طلاق کے کوئی مخلص نہیں۔

لمافی الشامی نعم لا شك فی تکفیر من قذف السیدة عائشه اوانکر صحبة الصدیق اوا عتقد الالوهیة فی علی اوان جبرئیل غلط فی الوحی او نحو ذلك من الکفر الصریح الخ شامی باب المرتدین ص ۳۲۰ ج ۲۔

(نوٹ) بعد میں آغا خانیہ کے عقائد ان کی کتابوں سے بعض لوگوں نے نقل کر بھیجے جس میں ایسے صریح عقائد کفریہ بھرے ہوئے ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں اس لئے یہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دامت برکاتہم نے ان کے متعلق اپنے رسالہ القول الحقانی فی الحزب الاغا خانی میں یہی تحقیق فرمائی ہے یہ رسالہ احقر کے رسالہ وصول الافکار الی اصول الاکفار کا ضمیمہ ہو کر شائع ہوا ہے۔ واللہ تعالی اعلم (ربیع الثانی ۷۵ھ)

فصل فی الفرق الاسلامیه
(اسلامی فرقوں سے متعلق مسائل)

تحقیق واقعہ فدک

(سوال ۲۷) حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ زمانہ حضرت ابوبکر صدیقؓ میں فدک لینے کو گئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے فدک کا کاغذ لکھ دیا پھر عمر بن الخطاب نے ان سے چھین لیا اور کہا کہ گواہ لاؤ جب گواہ پیش ہوئے تو پھر بھی نہ دیا۔ کیا یہ صحیح ہے؟

(الجواب) محض جھوٹ ہے صحیح واقعہ جو تمام کتب حدیث میں صحیح و معتبر طور سے منقول ہے یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اور ابن عباسؓ نے میراث نبی کریم ﷺ کی طلب کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ایک حدیث صحیح ان کو سنائی جس میں آنحضرت ﷺ نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارے ترکہ میں میراث جاری نہ ہوگی بلکہ جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے اور پھر فرمایا کہ خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کی قرابت میرے نزدیک اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے مگر اس واقعہ میراث میں حق وہی ہے جو میں نے عرض کیا اور یہی ارشاد ہے نبی کریم ﷺ کا۔ یہ روایت بخاری اور مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسی نرمی اور ملاطفت سے جواب دیا کہ اس وقت حضرت فاطمہؓ راضی ہو کر اٹھیں۔ ازالۃ الخفاء صفحہ ۲۹ ج ۲

(۲۷ صفر ۱۳۵۰ھ)

واقعہ قرطاس کی حقیقت

(سوال ۲۸) قصہ قلم دوات۔ رسول اللہ ﷺ نے قلم دوات مانگا تو حضرت عمرؓ نے نہیں دینے دیا اور یہی کہا کہ ان کو تو خفقان ہو گیا ہے کیا یہ بھی صحیح ہے ؟

(الجواب) یہ بھی محض غلط ہے صحیح واقعہ اس میں بھی وہ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ معتبر کتب حدیث میں منقول ہے کہ جب آنحضرت ﷺ پر مرض کی شدت ہوئی اور چند صحابہ حاضر خدمت تھے آپ نے فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے لئے ایک پرچہ لکھ دوں تاکہ بعد میں پریشان نہ ہو اس پر صحابہ موجودین کے آپس میں اختلاف ہوا بعض کی رائے ہوئی کہ اس وقت آپ ﷺ سخت درد میں مبتلا ہیں تکلیف دینا اچھا نہیں اور کتاب اللہ (قرآن) ہماری ہدایت کے لئے موجود کافی ہے ہی اور بعض کی رائے تھی کہ نہیں یہ پرچہ لکھوالیا جائے تاکہ آپس میں اختلاف ہونے لگا تو خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا قوموا یعنی ہٹ جاؤ چنانچہ پھر یہ پرچہ نہیں لکھا (بخاری) جس سے معلوم ہوا کہ اس وقت جو کچھ تحریر فرمانے کا ارادہ تھا وہ کوئی نیا حکم نہ تھا بلکہ وہی احکام قرآنیہ کی تاکید وغیرہ تھی ورنہ حکم الٰہی کی تبلیغ سے آنحضرت ﷺ کسی کے کہنے یا اختلاف کرنے سے کیوں باز رہتے (مواہب لدنیہ) صفحہ ۲۶۷ ج ۲۔

حدیث افتراق امت کی تحقیق اور زنادقہ کی تشریح

(سوال ۲۹) امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ التفرقۃ الاسلام والزندقہ میں روایت **ستفترق امتی سبعاً و سبعین فرقۃ کلھم فی الجنۃ الا الزنادقۃ** نقل فرمایا ہے دریافت طلب یہ ہے کہ اس کے راوی اہل رجال کے نزدیک کیسے ہیں اور یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں ہے ؟

(الجواب) یہ حدیث باوجود مختصر سی تلاش کے کسی حدیث کی کتاب میں نہیں ملی اور نہ اس کی سند و رجال کا کچھ معلوم ہے۔

بلکہ تمام کتب صحاح وغیرہ میں اس کے خلاف اسی طرح ہے۔

تفترق امتی علی ثلث و سبعین فرقۃ کلھم فی النار الاملۃ واحدۃ الخ رواہ الترمذی و ابوداؤد و احمد (مشکوٰۃ)

البتہ کنز العمال میں حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔

تفترق ھذہ الامۃ علی ثلث و سبعین فرقۃ شرھا فرقۃ تنتحلنا و تفارق امرنا کنز العمال ص ۹۶ ج ۱ **ورمز للحلیۃ لا بی نعیم و مثلہ عن علی بلفظ اخر و نصہ. وان من اضلھا اواخمثھا من یتشیع او الشیعۃ** کنز العمال صفحہ مذکورہ۔

اور مجمع البحار صفحہ ۲۹ جلد اول۔ لفظ زندقہ کے تحت میں زندیق کی تعریف کرتے ہوئے کہا **ھم قوم من المجوس الی قولہ ثم استعمل لکل ملحد فی الدین والمراد ھھنا ای فی واقعۃ ان علیاً اتی بزنادقۃ فاحرقھم قوم ارتدو امن الاسلام وقیل قوم من السبائیۃ لصحابۃ عبداللہ بن سبا اظھروا**

الاسلام ابتغاءً للفتنة و تضليلاً للاسلام فسعى اولاً فى اثارة الفتنة على عثمانؓ ثم انضوىٰ الى الشيعة الخ

اس سے معلوم ہوا کہ زنادقہ کا اطلاق شیعہ پر بھی کیا گیا ہے اور حدیث علیؓ میں ایک قول کے موافق زنادقہ سے شیعہ ہی مراد ہے تو حدیث مذکور از کنزالعمال میں بھی جن کو اضل واخبث اور شر الفرق فرمایا ہے وہ بھی زنادقہ ہوئی اور دراصل ملحد اور زندیق اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جو بظاہر تو اصول اسلام قرآن و حدیث کو ماننے کے مدعی ہوں اور مسلمان ہونے کا دعوی رکھتے ہوں مگر نصوص شرعیہ میں تحریفات کرکے ان کے ظواہر کے خلاف اور جمہور سلف کے خلاف نئے نئے معنے تراشتے ہوں۔

صرح به فى ردالمحتار باب المرتدين و تفصيله فى رسالة اكفار الملحدين لشيخنا مولانا محمدانور شاه الكشميرى نور الله مرقده

اس لئے خلاصہ مضمون حدیث یہ ہو گیا کہ تہتر فرقوں میں سب سے زیادہ شریر اور گمراہ فرقہ زنادقہ ہے لیکن یہ اب بھی نہ نکلا کہ اس کے سوا سب جنتی ہیں جیسا کہ حدیث مذکورہ فی التفرقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ الغرض یہ حدیث بوجہ مخالفت جملہ طریق حدیث کے حجت نہیں معلوم ہوتی۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

حضرت معاویہؓ کی توہین کا شرعی حکم

(سوال ۳۰) زید نے حسب ذیل عبارت شائع کی ہے "امیر معاویہؓ ملوکیت پرستی کی صف میں سب سے آگے کھڑا ہوا دنیا کو ملوکیت کی لعنت میں گرفتار کر رہا تھا اس نے جمہوریت کو فنا کر کے ملوکیت کا تاج اس یزید کے سر پر رکھ دیا جو شراب کے نشہ میں مدہوش رہتا تھا اور کتوں کا منہ چاٹتا تھا۔" یہ عبارت حضرت امیر معاویہؓ کی توہین ہے یا نہیں ؟ اور یہ سب وشتم صحابہ ہے یا نہیں جو شخص ایسا کہے اور اس کی اشاعت کرے اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہئیے ؟

(الجواب) مذکورہ بالا عبارت بلاشبہ حضرت معاویہؓ کی توہین اور سب وشتم میں داخل ہے اس کا مرتکب سخت گناہ گار اور فاسق اور اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہے جب تک توبہ نہ کرے مسلمانوں کو اس سے اپنے خصوصی معاملات منقطع کر لینے چاہئیں عقائد نسفی میں اہل سنت والجماعۃ کی خصوصیات کے ذیل میں ہے۔ و تكف عن ذكر الصحابةؓ الابخير اور شرح عقائد نسفی میں ہے فسبهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشةؓ والا فبدعة و فسق و بالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصٰلحين جواز اللعن على معاويةؓ واحزابهؓ الخ شرح عقائد ص ۲۳۹۔ نبی کریم ﷺ نے مطلقاً کسی صحابی کے برا کہنے کے متعلق نہایت سخت وعیدیں ذکر فرمائی ہیں جن کو دیکھ کر مسلمانوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے چہ جائے کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے متعلق زبان درازی کی جائے جن کی شان میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات صادر ہوئے ہیں۔ يبعث الله تعالىٰ معاوية يوم القيامة وعليه رداء من نور الايمان ابن عساكر وغيره. از کنزالعمال ص ۱۹۰ ج ۶۔ اللهم علمه العلم واجعله هاديا مهدياً واهد به

قال لمعاویة اخرجه احمد والترمذی وقال حسن غریب والطبرانی وابن عساکر وغیرہ اور صحابہ کرام کی شان میں ادنیٰ گستاخی کرنے والے کے لئے حدیث نبوی کا یہ ارشاد ہے۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضا فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی فقد اذی اللہ تعالی ومن اذی اللہ یوشك ان یاخذہ. رواہ الترمذی عن عبداللہ بن مغفل. واللہ تعالیٰ اعلم

شیعہ فرقوں کے احکام

(سوال ۳۱) چند شخص اہل سنت کے شیعوں کی صحبت کے اثر سے شیعہ ہوگئے ہیں اور یہ مرض بوجہ رشتہ داری کے دن بدن بڑھتا گیا یہاں تک کہ علانیہ طور پر لعن طعن و تبرا گوئی خلفائے ثلثہ اور ازواج مطہرات پر شیعوں نے شروع کردی اور اس وجہ سے اہل سنت والجماعت اور شیعوں میں کشیدگی پیدا ہوگئی کہ جنازہ اور نماز مل کر پڑھنے کی رواداری بھی نہ رہی اور ان کی یہ حرکات ناشائستہ دیکھ کر سنیوں نے ان کو اپنی مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا اس رکاوٹ کی وجہ سے انہوں نے اپنی دوسری مسجد بنالی اور اپنا تنخواہ دار پیش امام بھی مقرر کرلیا اور اب جب کہ شیعوں کی تعداد بڑھنی شروع ہوگئی تو زبردستی سنیوں کی مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور شہر کی تمام مساجد پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام مسجدیں سب مسلمانوں کی ہیں اور ہر ایک مسلمان خواہ کسی فرقہ کا ہو ان میں اپنی اپنی مذہبی رسوم کے مطابق نماز ادا کرسکتا ہے کوئی مسجد کسی خاص فرقہ کی مخصوص نہیں ہوسکتی اس لئے تمام مسلمانوں کی مشترک ہیں اس لئے ہم کو بھی تمہاری مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حق ہے اور نیز خود حضرت رسول ﷺ نے عیسائی یا یہودی مہمانوں کو اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی تم اہل سنت والجماعت ہم کو اپنی مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روک کر قرآن کریم کی اس آیت ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ کی وعید میں داخل ہورہے ہو سنی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ تم شیعان امامیہ کا عقیدہ رکھتے ہو کہ موجودہ قرآن شریف تحریف شدہ ہے خلفائے ثلاثہ وازواج مطہرات نعوذباللہ کافر و منافق و غاصب تھے اور ان پر لعن و تبرا کرنا کار ثواب جانتے ہو جیسا کہ تمہاری کتابوں میں تصریحات موجود ہیں ایسے عقائد رکھنے والے اشخاص منکر ضروریات میں شمار ہوتے ہیں لہذا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں ایسے شخصوں کو ہماری سنیوں کی مسجدوں میں داخل ہونے کا کوئی حق نہیں اور نہ اس صورت میں ہم آیت ومن اظلم کی وعید میں آسکتے ہیں اور جناب سرور کائنات ﷺ نے اگر اپنے مہمانوں کو جو غیر مذہب تھے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو وہ اوائل اسلام میں ایسا ہوا اس کے بعد پھر ایسا ہوا ہی نہیں جیسا کہ تفسیر کبیر سے ظاہر ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اس تنازعہ میں کون فریق حق بجانب ہے سنی یا شیعہ جواب مدلل عنایت فرمائیں؟

(الجواب) قال فی الدر المختار فی البحر عن الجوھرة معزیا للشھید من سب الشیخین او لعنھما کفر ولا تقبل توبته و به اخذ الد بوسی وابو اللیث وھو المختار للفتویٰ انتھی. وبه جزم فی

الاشباه واقده المصنف. هذا ولکن رواه الشامی ردا بلیغاً فقال اولاً انه لیس بموجود فی الجوهرة ثم قال علی فرض ثبوته لا وجه له یظهر لما قد مناه من قبول توبةٍ من سب الانبیاء عندنا ثم قال نعلم ان ما ذکره فی الخلاصة من انه کافر قول ضعیف مخالف للمتون و الشروح ثم قال نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشهؓ وانکر صحبة الصدیقؓ اوا عتقد الا لوهیة فی علی اوان جبرائیل غلط فی الوحی او نحو ذالك من الکفر الصریح المخالف للقرآن. شامی باب المرتد ص۳۱۹ ج ۳ و ص ۳۲۰ ج ۳

عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ روافض کے مختلف فرقوں میں سے جو فرقے ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہیں مثلاً صحبت صدیقؓ کا انکار کریں یا حضرت عائشہؓ پر تہمت رکھتے ہیں یا قرآن مجید کو محرف اور غیر معتبر کہتے ہیں یہ لوگ تو قطعاً باجماع امت کافر ہیں اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے مگر خلفائے ثلثہ پر تبرا کرتے ہیں ان کے کفر میں اختلاف ہے مگر احتیاط اس میں ہے جس کو شامی نے اختیار کیا ہے کہ تکفیر نہ کی جائے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ فاسق ہیں بہر صورت سنی مسلمانوں کی مساجد میں ان لوگوں کا عمل دخل جائز نہیں رکھا جاسکتا کیونکہ اگر قسم اول کا عقیدہ رکھتے ہیں تو کافر ہیں ان کو مساجد کے معاملات میں حقدار بنانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر قسم ثانی میں داخل ہیں تب بھی سنی اہل محلہ کو حق ہے کہ ان کو اپنی مساجد میں آنے سے منع کر دیں کیونکہ ان سے عام مسلمانوں کو ایذا پہنچتی ہے اور اس سے بڑھ کر کیا ایذاء ہوگی کہ ان کے پیشواؤں کو برا کہنا ان کے مذہب کا جزو ہے اس لئے دوسری قسم کے روافض کے لئے اگرچہ فتویٰ ان کے کفر کا نہ دیا جائے گا مگر مساجد اہل سنت میں آنے سے روکنا جائز ہے البتہ جو روافض تبرا نہ کرتے ہوں بلکہ صرف حضرت علیؓ کو باقی خلفاء سے افضل کہتے ہیں اور مسجد میں کوئی فساد و تعصب نہیں کرتے ان کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ان سے کوئی ایذا نہیں ہے۔

قال فی الاشباه و یکره دخوله (یعنی المسجد) لمن اکل ذاریح کریهة و یمنع منه و کذا کل موذٍ ولو بلسانه (الاشباه والنظائر احکام المسجد)

خیر البشر بشر تھے

رسالہ "شہادت القرآن والخبر علی بشریة خیر البشر" کا مطالعہ کیا۔ مصنف دام مجدہ کی سعی مشکور پر دل سے دعاء نکلی یہ رسالہ رسالہ فیصلہ بشریت مصنفہ جناب امام بخش صاحب ویدی کا جواب ہے اور الحمد للہ کہ ہر پہلو سے کافی و وافی ہے حق طلب کے لئے شافی اور معاند کے لئے مسکت ہے جن مواضع میں مبتدعین کی فتنہ پردازی سے یہ مسئلہ بحث میں آچکا ہے وہاں اس کی اشاعت ضروری و مناسب ہے اللہ تعالیٰ مصنف دام مجدہ کو جزائے خیر اور رسالہ ہذا کو مقبولیت عامہ عطا فرما کر مسلمانوں کے لئے مفید بنائے۔ آمین

نفس رسالہ کے متعلق تو جو رائے تھی عرض کر دی لیکن در حقیقت اس بدیہی اور اجماعی مسئلہ کا بحث میں پڑ جانا اور اختلاف و مناظرہ کا قائم ہونا طرفین سے رسائل لکھے جانا یہ کوئی علمی بحث نہیں بلکہ

مسلمانوں کی علمی واعتقادی زندگی کا مرثیہ ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم کی نصوص صریحہ ایک دو نہیں بہت سی وارد ہوں اور جس کا اعلان خود نبی کریم ﷺ نے تمام عمر کیا ہو اور جس کو صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت نے ہمیشہ اپنا عقیدہ رکھا ہو اور جو تمام امت محمدیہ کا ایسا متفق علیہ عقیدہ رہا ہو کہ ساڑھے تیرہ سو برس کی مدت میں کسی شخص نے اس میں خلاف نہ کیا آج نام کے مسلمان ہیں کہ اس مسئلہ کو بھی خلاف وجدال کا معرکہ بنادیا جب اس مسئلہ میں بھی خلاف ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام بشر تھے تو کیا ان لوگوں سے بعید نہیں کہ کل کو خدا کے خدا ہونے میں بھی (نعوذ باللہ) کلام کرنے لگیں۔ ایسی یاوہ گوئی کا جواب اس کے سوا کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ان لوگوں کو بشریت وانسانیت عطاء فرمائیں اور چشم بصیرت کھولدیں اور خود سرور کائنات ﷺ کی عدالت عالیہ میں جن کی شان میں یہ لوگ بعنوان تعظیم سخت گستاخی کررہے ہیں عرض کریں۔

اے بسر اپردہ یثرب بخواب خیز کہ شد مشرق ومغرب خراب

واللهم اليك المشتكى وانت المستغاث المستعان ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم

احمد رضاخاں صاحب اور ان کے متعلقین کا حکم

(سوال ۳۳) میرا داماد اب مولوی حشمت علی لکھنوی رضاخانی فرقہ کا مرید ہو گیا ہے اور اس کا یہ حال ہے کہ خوب نعرہ لگاتا ہے یارسول اللہ یا علی مشکل کشا اور کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمام انبیاؤں کو غیب کا علم ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام خزانوں کی کنجیاں حضور ﷺ کو عطاء فرمادیں دین ودنیا کی سب نعمتوں کا دینے والا خدا ہے 'اور بانٹنے والے حضور ﷺ ہیں اور یہ بھی کہتا ہے کہ جب ہم اپنے گھر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں ہوتا تو ہم رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ کی روح مقدس ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے آپ فرمائیں میرا داماد کافر ہے یا نہیں۔ اگر کافر ہے تو اس کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟

(الجواب) مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کے متعلقین کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان کے کلام میں تاویل ہو سکتی ہے اور تکفیر مسلم میں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بہت احتیاط فرمائی ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے کلام میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ ضعیف اسلام کی ہو تو مفتی کو اس ضعیف وجہ کی بناء پر فتویٰ دینا چاہئے اگر وہ فی الواقع عقیدہ کے اعتبار سے مسلمان ہے تو فبہا ورنہ مفتی کا فتویٰ اس کو کچھ نفع نہیں دیگا۔ در مختار میں ہے۔

واعلم انه لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان فى كفره خلاف ولو كان ذلك رواية ضعيفة كما حرره فى البحر وغيره وفى الاشباه الى الصغرى و فى الدر وغيرها اذا كان فى المسئلة وجوه توجب الكفر وواحد يمنعه فعلى المفتى الميل لما يمنعه ثم لو نيته ذالك فعلم والا لم ينفعه حمل المفتى على خلافه الخ بناءً علیہ تکفیر کرنا اپنے داماد کی صحیح نہیں ' بلکہ وہ مسلمان ہے لیکن فاسق فاجر ہے کیونکہ اس کے عقائد مذکورہ سراسر خلاف شرع ہیں اور وہ ایک ایسے شخص کا مرید اور معتقد ہو گیا ہے جو ہرگز قابل مقتدا بنانے کے نہیں ہے ایسے لوگوں کے بارے میں مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

پس اس کو بہ نرمی سمجھایا جائے کہ وہ حشمت علی کی بیعت توڑ دے اور توبہ کرے ورنہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدے یا خلع کرلے کہ عورت مہر معاف کردے اور وہ طلاق دیدے۔ غرض بلا طلاق دیئے شوہر کے مسماۃ کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ مسعود احمد عفی اللہ عنہ

الجواب صحیح و فیہ مافیہ۔ بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ

فرق اسلامیہ مرجیہ معتزلہ وغیرہ کی روایات حدیث کا درجہ

(سوال ۳٤) حماد بن ابی سلیمان مرجیہ ۱۲۰ھ ہجری فقہ حنفی کے بڑے رکن اکثر مسائل انہیں سے مروی ہیں حضرت امام اعظمؒ کے استاد ہیں فقہ کے مسائل امام صاحب نے انہیں سے سیکھے ہیں عبدالکریم بن محمد مرجیہ وفات ۱۲۰ ہجری امام اعظم کے شاگرد۔ امام شافعیؒ کے استاد جرجان کے قاضی تھے تذہیب میں لکھا ہے کان من خیار عباد اللہ مرجیۃ اکابر بہترین بندہ بتلاتے ہیں عبداللہ بن شقیق بصری وفات ۱۲۱ھ تابعی ہیں اصحاب صحاح ستہ عائشہ صدیقہؓ حضرت ابوذرؓ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں ان کا مرجیہ ہونا تہذیب الکمال اور تہذیب اور شرح شمائل علامہ صاوی وملا عصام وغیرہ میں مصرح ہے قنیہ کا مولف معتزلی جس کو اس وقت کے عرف میں نیچری کہتے ہیں مختار مین محمود در مختار میں قنیہ کے کثرت سے حوالہ ہیں علی بن ہاشم شیعہ وفات ۱۸۰ھ امام بخاری کی شیوخ میں سے ہیں ابن حجر کہتے ہیں کہ انہیں قرآن شریف کے مخلوق ـــــ اور غیر مخلوق ہونے میں توقف تھا ان حضرات پر کفر کا فتویٰ اس وقت کے علماء نے کیوں نہیں لگایا۔؟

مفید المفتی و المستفتی ترجمہ فتاوی عزیزی صفحہ ۲۹ خوارج اخروی احکام میں بالاتفاق کافر ہے مگر دنیاوی احکام تو جائز ہیں نکاح کرنا وغیرہ جو مسلمان دین سے پھر جاوے اسے کافر اور مرتد بھی کہتے ہیں یہ بھی مرتد ہیں ان سے نکاح کیوں جائز اور صرف اخروی احکام میں کافر دنیاوی معاملات ان سے جائز یہ کیابات ہے؟

(الجواب) جن لوگوں کے متعلق سوال میں مرجیہ وغیرہ ہونا مذکور ہے بعض کے متعلق تو نقل صحیح نہیں مگر بعض کے متعلق صحیح ہے لیکن فرق اسلامیہ مثل معتزلہ مرجیہ وغیرہ کے متعلق جمہور علماء امت کا فتویٰ یہی ہے کہ ان کو کافر کہنے سے احتراز کیا جائے بلکہ فاسق کہا جائے لیکن فاسق عقیدہ جس کو اصطلاح میں مبتدع کہتے ہیں اور مسئلہ یہ ہے کہ مبتدع کی خبر کا اعتبار کرنا جائز ہے جب کہ یہ معلوم ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا بلکہ شہادت بھی شرط مذکور کے ساتھ قبول کی جاتی ہے۔ قال فی الدر المختار باب الشھادت تقبل من اھل الاھواء ای اصحاب بدع لا تکفر کجبر وقدرورفض و خروج و تشبیہ و تعطیل و کل منھم اثنا عشر فرقۃ فصاروا اثنین و سبعین فرقۃ وقال الشامی و انما تقبل' شھادتھم لان فسقھم من حیث الا عتقاد وما اوقعھم فیہ الا الغلو و التعمق فی الدین و الفاسق انما تر دشھادتہ' بتھمۃ الکذب مدنی (شامی ص ۴۱۴ ج ۴)

--------------------- تصانیف کتب اور نقل اقوال کا درجہ رکھتے ہیں جو شہادت سے کم ہے اس لئے ان کا مقبول ہونا بدرجہ اولی ثابت ہو گیا مگر بشرط مذکور اس کے خلاف وعادات سے یہ بات ثابت ہو کہ یہ بوجہ تعصب کے نقل میں غلطی نہیں کرتا ورنہ اس کی تصنیف مقبول نہ ہوگی جن لوگوں کی تصانیف کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہ سب اسی درجہ کے لوگ ہیں کہ ان میں شرط مذکور پائی جاتی ہے اسی لئے ان کی تصانیف اور روایت کو قبول کیا گیا ۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

فرقہ قدمیہ کے بعض احکام

(**سوال ۳۵**) فرقہ قدمیہ کے بعض حالات ذکر کئے جاتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے (۱) بلاواسطہ مرشد کامل کسی کو رسول خدا طریق مذکور سے تعلیم و تلقین ہوئی ہے یا نہیں اور ایسا ہونا ممکن الوقوع ہے یا نہیں ؟ (۲) بدون اجازت مرشد اس طرح کا کشفی حکم رسول اللہ ﷺ مسند ارشاد میں بیٹھ کر تعلیم و تلقین دینا علماء تصوف کے نزدیک جائز ہے یا نہیں ؟

(**الجواب**) ممکن عقلی تو ہے مگر عادت عامہ کے بالکل خلاف ہے اور تجربہ اور مشاہدہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ کوئی فرض بغیر معلم نہیں آتا بالخصوص سلوک کہ بغیر شیخ کامل کے اس کا طے ہونا عادۃً متعذر ہے شیخ محی الدین ابن عربی جو امام فن ہیں اپنے رسالہ **الامر المحکم المربوط** میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس طریق کی تحصیل بغیر شیخ و معلم کے عادۃً ناممکن ہے کوئی ولی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ (**ومن دام التفصیل فلیراجع رسالتی اداب الشیخ والمرید**) اور مولانا جلال الدین رومی جو امام العارفین ہیں اس امر کی سخت تاکید فرماتے ہیں جن کے بعض اشعار یہ ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرد — بے قلاوز اندریں صحرا مرد
نفس نتواں کشت الا ظل پیر — دامن آں نفس کش را سخت گیر

البتہ بطور خرق عادت کے کبھی کبھی کسی کو بلاواسطہ شیخ بھی یہ نوبت آئی ہے کہ اس کا سلوک طے ہو گیا لیکن مولانا رومی اس کو بھی یہی فرماتے ہیں کہ درحقیقت بلاواسطہ پیر نہ تھا بلکہ یہاں بھی کسی کامل کی نظر و توجہ اور دعا و ہمت نے ضرور کام کیا ہے اگرچہ اس کو خبر نہ ہو فرماتے ہیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید — ہم بعون وہمت مرداں رسید

(۲) نادر طور پر جن حضرات کو بلاواسطہ شیخ حاصل ہوا ہے جس کو طریقہ اویسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان لوگوں کا عام طریق سلف صالح یہ رہا ہے کہ وہ ارشاد و تعلیم و بیعت و تلقین نہیں کرتے اس لئے اگر کوئی شخص اس طرح خلاف عادت فیضیاب بھی ہوا تو اس کے لئے مسند ارشاد پر بیٹھنا اور تعلیم و تلقین کرنا مناسب نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

اہل سنت والجماعت کے امام کتنے ہیں۔۔۔۔!

(سوال ۳۶) اہل سنت والجماعت کے امام کتنے ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟

(الجواب) اہل سنت والجماعت کے لئے اصل میں تو تمام صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین جو آنحضرت ﷺ کی سنت پر چلنے والے ہیں سب ہی امام ہیں لیکن جن سے فقہ مرتب ہوا اور جزئیات فتاویٰ زیادہ منقول ہوئے وہ چار امام مشہور ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ

جو علمائے دیوبند کو کافر کہے

(سوال ۳۷) یہاں رنگوں میں مولوی حشمت علی رضوی لکھنوی آئے اور انہوں نے مجمع عام میں اکابر علمائے دیوبند کو ان کے متعلقین کو کافر کہا اور یہ بھی کہا کہ علمائے دیوبند وہابیہ خاص کر جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ و جناب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور جناب مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی و جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور دیوبندیوں کے پیشوا امام الوہابیہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید دہلویؒ (نعوذباللہ) سب کے سب کافر ہیں جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) کیا واقعی بقول حشمت علی رضوی کے اکابر علماء دیوبند کافر ہیں (۲) وہابی کی کیا تعریف ہے اور ان سے کون لوگ منسوب ہیں (۳) سنی حنفی کی کیا تعریف ہے اور بدعت کی کیا تعریف ہے اس پر کیا وعید ہے، براہ کرم اس کا جواب مفصل مدلل عام فہم مع حوالہ کتب ومہر و دستخط کے ساتھ جلد از جلد روانہ فرما کر مسرور فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں؟

(الجواب) حضرات علمائے دیوبند اکابر سے لیکر اصاغر تک اپنی تمام تصانیف اور تقریر اور تحریر میں ہمیشہ اس کا اعلان کرتے رہے ہیں کہ ہمارے عقائد وہی ہیں جو کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین اور ائمہ دینؒ کے رہے ہیں تمام علمائے حنفیہؒ کے عقائد میں کوئی عقیدہ ان کے مخالف نہیں ہے اور یہی سبق دار العلوم دیوبند میں تمام طلباء کو دیا جاتا ہے اور وہی کتب عقائد اہل سنت والجماعت کی پڑھائی جاتی ہیں اور جس کسی نے اس کے خلاف ہماری طرف منسوب کیا ہے یا ہماری عبارتوں کو تحریف کر کے اس پر الزام کیا ہے وہ سب افتراء محض ہے ہم اور ہمارے اکابر اس سے بری ہیں ان میں سے چند حضرات کی تحریریں بالفاظ شائع کر دی گئی ہیں جن کے بعض کلمات یہ ہیں۔

(از قدوۃ العلماء حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ العزیز، مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے جو بندہ پر الزام لگایا ہے بالکل بے اصل اور لغو ہے میں اور میرے اساتذہ ایسے شخص کو کافر اور مرتد اور ملعون کہتے ہیں کہ جو شیطان علیہ اللعن کو کیا بلکہ کسی مخلوق کو بھی جناب سرور عالم ﷺ سے علم میں زیادہ کہے (الی قولہ) غرض خاں صاحب بریلوی نے محض اتہام اور کذب خالص بندہ کی طرف منسوب کیا ہے، مجھ کو تو مدت العمر اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوا کہ شیطان تو کیا کوئی ولی اور فرشتہ بھی آپ کے علوم کی برابری کر سکے چہ جائیکہ علم میں زیادہ ہو یہ عقیدہ جو خاں صاحب بریلوی نے بندہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کا مطالبہ خان

صاحب سے روز جزاء ہوگا میں اس سے بالکل بری ہوں اور پاک۔ فقط حررہ خلیل احمد عفاعنہ۔

نقل فتویٰ از حکیم الامت جناب مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ بجواب خط جناب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مشفق مکرم سلمہم اللہ تعالیٰ۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کے خط کے جواب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ یہ خبیث مضمون میں نے کسی کتاب میں نہیں لکھا اور لکھنا تو درکنار میرے قلب میں بھی اس مضمون کا خطرہ نہیں گزرا۔ (۲) میری کسی عبارت سے یہ مضمون لازم نہیں آتا (۳) جو شخص ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے میں اس کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں (الی قولہ) میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیۃ ہونے کے باب میں یہ ہے (بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر) اسی طرح سے حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا نانوتویؒ اور حضرت شہیدؒ اور حضرت مولانا سید احمد صاحبؒ بریلوی کی غیر محصور تحریروں میں ان مضامین کو صریح اور صاف طور پر بیان کیا گیا ہے رسالہ المھند علی المفند وغیرہ میں ان تمام حضرات کے عقائد و مسائل مختلف فیہا خود ان ہی حضرات کے ذکر کئے گئے ہیں جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ان حضرات کرام کے عقائد تمام اعتقادیات میں وہی ہیں جو جمہور امت اور سلف صالح کے رہے ہیں ان کی تکفیر کرنا درحقیقت تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کرنا ہے اب اس کے بعد یہ دیکھا جاوے کہ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں حضرات فقہائے کرام نے کس قدر احتیاط فرمائی ہے اور تکفیر کے فتوے دینے والے حضرات نے اس کا کیسا صریح مقابلہ کیا ہے۔

جامع الفصولین میں ہے کہ و ینبغی للحاکم اذا رفع الیه هذا ان لا یبادر بتکفیر اهل الاسلام مع انه یقضی باسلام المکره وقال بعد ذالك بورق اعلم انه لو کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسیناً للظن بالمسلم جامع الفصولین باب کلمات الکفر ص ۲۹۶ ج ۲ و ص ۲۹۸ ج ۲ اور صاحب بحر الرائق فرماتے ہیں۔ والذی تحر ران لا یفتی بتکفیر مسلم ان امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره اختلاف ولوروایة ضعیفة فعلی هذا فاکثرالالفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بالتکفیر بها وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیٔ منها وقال قبله باسطر وفی الخلاصة وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم (الی قوله) وفی التتارخانیه لا یکفر بما هو محتمل ان لکفر نها یة فی العقوبة فیستد عی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة (بحر احکاماالمرتدین ص ۲۵ ج ۱۵ و مثله صرح الشامی فی باب المرتد ص ۳۱۰ ج ۳ انتهی. اور خود مولوی حشمت علی صاحب اور ان کی جماعت کے سید الطائفہ (احمد رضا خان بریلوی) نے اسی کو اپنی تحریروں میں تسلیم کیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنا درحقیقت اپنے آپ کو کفر پیش کرنا ہے اب ادھر تو حضرات فقہاء کرام کا یہ ارشاد کہ اگر کسی شخص کے کلام میں ننانوے وجہ سے کفر کا مضمون ثابت ہوتا ہو اور ایک وجہ سے اسلامی معنی بن سکتے ہوں تو ایسے معنوں کو ترجیح دیکر اس کو مسلمان کہا جائے گا اور ادھر ان

حضرات کرام کی اس قدر صاف اور صریح تحریریں اور ان کفریہ مضامین سے تبری و تحاشی اس کو دیکھ کر کوئی مسلمان اس کی جرات نہیں کر سکتا کہ ان فرشتہ صفت انسانوں پر الزام کفر عائد کرے اس عناد و تعصب سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرماوے اور ان حضرات کے حالات و مقالات کا کوئی شخص تھوڑا سا بھی مطالعہ کرے تو معلوم ہوگا کہ اگر یہ لوگ مسلمان نہیں تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں ان کی تکفیر در اصل جمہور امت کی تکفیر ہے (نعوذ باللہ تعالیٰ منہ)

آخر میں یہ بات سب سے زیادہ دلچسپ ہے کہ مولوی حشمت علی صاحب کے پیر و مرشد اور ان کی جماعت کے سید الطائفہ خود بھی اس کے مقر ہیں کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ اور ان کے متبعین مسلمان ہیں اسی پر ان کا فتویٰ ہے ملاحظہ ہو خاں صاحب کی کتاب تمہید ایمان صفحہ ۴۲ و ۴۳ پر حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں اولا سجن السبوح عن عیب کذب مقبوح دیکھئے بار اول ۱۳۰۱ھ میں مطبع انوار محمدی میں چھپا جس میں بدلائل قاہرہ دہلوی مذکور پر (یعنی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ اور ان کے اتباع پر پچھتر وجوہ سے لزوم کفر ثابت کر کے صفحہ ۹۰ پر حکم اخیر یہی لکھا علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے) وهو الجواب وبه يفتى و عليه الفتوىٰ وهو المذهب و عليه الاعتماد و فيه السلامه وو فيه السداد ثانیاً سلّ السُّیوف الهندیه علی کفر بابا النجدیه دیکھئے جو صفر ۱۳۱۶ھ میں چھپا اس میں بھی حضرت شہید دہلویؒ اور ان کے متبعین پر بوجوہ قاہرہ کفر کا ثبوت دیکر ۱۲۱ اور ۱۲۲ پر لکھا لزوم اور التزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کا کافر ہونا اور بات ہے ہم احتیاط برتیں گے اور سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے تمہید صفحہ ۴۲ و ۴۳ مولوی صاحب کے پیر مرشد مولانا شہید کے عدم کفر میں شک بھی نہیں کرتے بلکہ اس پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور جب مولوی حشمت علی صاحب ان کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر بتاتے ہیں اب دیکھئے کہ اس کا انجام کیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ فاسق مسلمان کو بھی ایسے اتہامات کی بناء پر کافر کہنا حرام ہے جن اتہامات کو حضرات مکفرین نے اس جماعت صلحاء پر عائد کیا ہے اور پھر یہ حضرات تو علم و عمل حب خدا اور حب رسول میں اپنی نظیر آپ ہیں بڑا ظالم ہے جو کہ ان حضرات پر ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے والی اللہ المشتکی وله الحمد اوله وآخره و لا حول ولا قوة الا بالله (۲) وہابی اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو شیخ عبدالوہاب نجدی کی پیرو معتقد ہے نجد کی ایک جماعت ان کے ساتھ منسوب ہے علمائے دیوبند کو نہ ان سے تلمذ شاگردی کا رشتہ حاصل ہے نہ عقیدت کا بلکہ بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں۔ (۳) سنی حنفی وہ شخص ہے جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کا پابند ہو۔ اور فقہی احکام میں امام ابو حنیفہؒ کا متبع اور مقلد ہو عقائد اہلسنت والجماعت کے مشہور و مطبوع ہیں سینکڑوں چھوٹے بڑے رسالے اس کے متعلق موجود ہیں عقائد نسفی و عقائد جلالی عام طور سے درس میں پڑھائی جاتی ہیں امام طحاوی جو حنفیہ کے بڑے امام ہیں ان کی ایک مستقل تصنیف "عقائد اهل سنت" کے نام سے چھپی ہے جس میں اہل سنت اور جماعت حنفیہ کے عقائد

لکھے گئے ہیں وہی عقائد ہمارے بزرگوں کے اور تمام علمائے دیوبند اصاغر واکابر کے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اور اسی کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو انہیں عقائد پر زندہ رکھے اور انہیں پر موت دے اور انہیں پر اٹھاوے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز اور بدعت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ نیا طریقہ جو دین میں ایجاد کیا جاوے اور شریعت نبویہ کے مشابہ ہو اور اس پر چلنے سے عبادت اور تقرب الی اللہ کا قصد کیا جاوے یہ تعریف امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب "الاعتصام بالسنة" میں نہایت مفصل اور مکمل طور سے بیان کی ہے ان کی اس کتاب کی غرض ہی رد بدعات ہے اور تقریباً وہی مضامین جو حضرت مولانا شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" اور دوسرے حضرات نے براہین وحفظ الایمان وغیرہ میں بیان کئے ہیں اس کتاب میں نہایت مدلل موجود ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں۔

فالبدعة اذن عبارة عن طريقة فى الدين مخترعة تضاهى الشريعة يقصد بالسلوك عليها المبالغة فى التعبد لله سبحانه و تعالى. الاعتصام جلد ا ص ۳۰۔ **والله تعالى اعلم. و علمه اتم.**

علماء دیوبند کے متعلق اہل بدعت کا فتویٰ تکفیر

(**سوال ۳۸**) ایک اشتہار جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علمائے دیوبند کافر ہیں سامنے نظر سے گزرا کہ جس پر حرمین شریفین مکہ معظمہ کے بھی دستخط ہیں اور اس میں عبارت تحذیر الناس اور حفظ الایمان وبراہین قاطعہ کی گڑبڑ کر کے فتویٰ لیا گیا ہے اور جس کا جواب انہوں نے یہ بھی دیا کہ عیاذباللہ کافر ہیں مولوی حشمت علی رضوی بڑی شدومد سے اس کو بیان کرتے ہیں اور پرزور لفظوں میں علماء دیوبند کو کافر کہتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ ان کے جنازہ کی نماز میں شرکت ان کے جنازہ پر یا ان کے پیچھے نماز ادا کرنا ان سے بیاہ شادی وغیرہ یا ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ان کی موت وزندگی میں ان سے مسلمان کا کوئی برتاؤ کرنا سب حرام حرام حرام وزہر تباہ کن اسلام ہے اہل اسلام بھائی ان فتاوی کو حاصل کریں اور بے دینوں کے منہ میں قہر الٰہی کا پتھر ٹھونسیں کہ یہ صرف بریلی اور دیوبندی کا جھگڑا نہیں بلکہ کفر واسلام کا جھگڑا ہے غرض کہ ایسی باتیں کہتے ہیں عوام لوگ کی روک تھام کے لئے جواب سے ہم کو مطلع کریں۔ **بینوا توجروا؟**

(**الجواب**) اس اشتہار میں علمائے دیوبند کی متبرک ومقبول جماعت کو کافر مرتد وغیرہ کہہ کر لکھنے والے نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے اس کا جواب تو صرف یہ ہے۔ **فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون و سيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون** . اور اگر کسی کو ان کی خاص عبارت کے متعلق شبہ ہے یا ان لوگوں کے ورغلانے سے پیدا ہو جائے تو اس کا مفصل جواب رسائل ذیل میں مذکور ہے ان کو دیکھا جاوے توانشاء اللہ آفتاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ ان حضرات پر جو کچھ الزامات لگائے گئے ہیں وہ سب یا بد فہمی کا نتیجہ ہیں یا افتراء وبہتان ہیں' عبارتوں کو کتر بیونت کر کے خیانت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جو کفری مضامین پر ان کی تحریف سے مشتمل ہوگئی تھیں لوگوں نے تکفیر کی رسائل یہ ہیں۔ **السحاب المدرار. تزكيته الخواطر. تغير العنوان. بسط البنان.**　　　**(والله تعالى اعلم)**

تقلید ائمہ کا حکم

(سوال ۳۹) تقلید از چہار مذہب یکے کردن واجب است یا سنت اگر سنت گفتہ شود ایں خلجان باقی است کہ ثبوت اواز اجماع امت نیز ہست کہ او حجتہ قطعی است و شخصیہ تقلید را گمراہی گوید آں چہ حکم دارد؟

(الجواب) آنکس کہ رتبہ اجتہاد ندارد تقلید عالم و مجتہد کردن بر او واجب است بنص قرآن فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون واحادیث کثیر دریں باب وارد شدہ است وایں قدر تقلید راکہ تقلید مطلق می نامند۔ آنحضرات نیز تسلیم کردہ اند کہ خود را عامل بالحدیث می گویند و غیر مقلد ہستند۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان در تصانیف خود بتصریح اورد ند باز تقلید مطلق بر دو نوع مشتمل است یکے آں کہ تقلید امام معین کند و در جمیع احکام شرعیہ رجوع بعالم واحد نمایند وآں را تقلید شخصی می نامند۔ و دوم آنکہ تعین امام یا لم واحد نکنند ہر کسے کہ بروقت میسر آید از وسوال کردہ عمل کنند وایں تقلید و غیر شخصی است ہر دو قسم فرد واجب است ہر دو را واجب خواہند گفت یعنی واجب مخیر بایں معنی کہ عبد مختار است کہ ازیں ہر دو بر ہر کہ عمل کند از عہدہ وجوب برآید چنانچہ در حضرات صحابہ عمل بر ہر دو قسم ثابت است تفصیش فرصتے میخواہد و بعضے ازاں آثار در رسالہ الاقتصاد فی التقلید والا جتهاد مذکور است رجوع بآں کافی است۔

ایں حکم اصل مسئلہ است ولکن دریں زمانہ کہ غلبہ ہوائے نفسانی عام و شامل گشتہ و مصداق اعجاب کل ذی رائی برایہ بظہور آمدہ جمہور علماء اتفاق کردند کہ ازیں دو قسم اقتصار بر قسم اول واجب است تا کہ تلعب بالدین و اتباع ہوا ورپردہ دین۔ مذہب انسانی نشود ایں مسئلہ مجتہد فیہ است اگر کسے ایں قدر را قطع نظر از تعصب واجب نہ پندارد و ائمہ سلف را احترام تام نمایند و مقلدین را مشرک و گناہ گار نداند مضائقہ نیست لکن شذوذ از جمہور امت و کافہ علماء چیزیست۔ بس منحوس انسان را کشاں کشاں بموارد عظیمہ می آرد و اجتناب از و ضروری است۔ پس حاصل کلام ایں است کہ تقلید امام تقلید امام معین دریں زمانہ نزد جمہور علمائے امت واجب است و ترک او اثم و گناہ۔ واللہ سبحانہ و تعالی اعلم. (۱۳۵۰ھ)

تقلید ائمہ اربعہ سنت ہے یا واجب اور اس شخص کا حکم جو تقلید ائمہ کو گمراہی کہتا ہو

(سوال ۴۰) مسئلہ تقلید از چار مذہب یکی واجب است یا سنت اگر سنت گفتہ شود ایں خلجان باقی ست کہ ثبوت او از اجماع است کہ او حجت قطعی است و شخصے کہ تقلید را گمراہی گوید آں چہ حکم دارد۔

(الجواب) آنکس راکہ مرتبہ اجتہاد ندارد تقلید عالم و مجتہد کردن واجب است بنص قرآن فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون واحادیث کثیرہ دریں باب وارد شدہ است و نیقدر راکہ تقلید مطلق می نماند آن حضرات نیز سر تسلیم خم کردہ اند۔ کہ خود را عامل بالحدیث می گویند و غیر مقلد ہستند چنانچہ نواب حسن خان در تصانیف خود بہ تصریح آورند باز تقلید مطلق بر دو نوع مستعمل ست یکے آنکہ تقلید امام معین کند و در جمیع احکام شرعیہ رجوع بعالم واحد نمانید آنکہ تقلید شخصی می نامند و دوم آنکہ تعین امام یا عالم واحد نکنند ہر کسے کہ بروقت میر آید از و سوال کردہ عمل کنند ایں تقلید غیر شخصی ست و چوں ہر دو قسم فرد واجب است ہر دو را واجب خواہند گفت یعنی

واجب مخیّر بایں معنی کہ انسان مختار است کہ ازیں ہر دو بر سر کہ عمل کند از عہدہ وجوب برایداین حکم اصل مسئلہ است ولکن دریں زمانہ کہ غلبہ ہوائی نفسانی عام وشامل گشتہ ومصداق اعجاب کل ذی رائی برآئیہ بظہور آمدہ جمہور علمائے اتفاق کردند کہ ازین ہر دو قسم اقتصاد بر قسم اول درحب است تاکہ تلعب بالدین واتباع ہوا در پردہ دین مذہب انسان نشود دریں مسئلہ مجتہد فیہ است کہ اگر کسے این قدر را قطع نظر از تعصیب واجب نہ داند وبرائمہ سلف رد نہ کند واحترام نام نمائند مقلدین را مشرک وگنہگار ندارد مضائقہ نیست لکن شذوز از جمہور امت وکافہ علماء چیز یست۔ بس منحوس کہ انسان راکشاں کشاں بموارد عظیمہ می اردور جتناب ازو ضروریست پس حاصل کلام است کہ تقلید امام معین درین زمانہ نزد جمہور علماء واجب است وترک اواثم گناہ اگر مزید تحقیق مسئلہ خواہند رسالہ اقتصاد وتقلید واجتہاد مطالعہ نمائیند۔ (واللہ اعلم)

آیت فاسئلو اھل الذکر سے تقلید کا ثبوت

(سوال ۴۱) آیت **وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیھم فاسئلو اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** الخ کیا مجتہدین عظام و مقلدین کرام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کا استعمال جو وجوب تقلید شخصی میں کیا جاتا ہے وہ بر محل ہے اور مراد کے موافق ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا ؟**

(الجواب) یہ بات سلف اور خلف میں متفق علیہ ہے کہ آیت قرآنیہ محض اپنے واقعہ نزول کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی بلکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے البتہ عموم لفظ وہی معتبر ہوگا جو تفسیر صحابہؓ و تابعینؒ کے خلاف نہ ہو، نیز مسئلہ اصول شریعت کے مخالف نہ ہو اس لئے اس بحث کی تو کوئی حاجت نہیں کہ آیت مذکورہ کا واقعہ نزول کیا ہے دیکھنا یہ ہے کہ آیت **فاسئلو اھل الذکر** کے الفاظ سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بے محل تو نہیں یعنی اس کے مدلول شرعی کے خلاف تو نہیں سو اس احقیر کے خیال میں اس آیت سے یہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتے کہ خود قرآن وحدیث سے احکام سمجھ کر عمل کر سکیں ان کے لئے یہ حکم ہے کہ اہل علم سے پوچھ کر عمل کیا کریں اسی کا نام تقلید ہے البتہ تقلید شخصی کے وجوب پر اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ مطلق تقلید کا ثبوت ہوتا ہے، ہاں مطلق تقلید کے چونکہ دونوں فرد ہیں ایک تقلید غیر معین اور ایک تقلید معین تو مطلق باطلاقہ دونوں فردوں کے جواز کا ضرور حامل ہے اس لئے آیت سے غیر مجتہد کے لئے مطلق تقلید کا وجوب اور معین غیر معین دونوں میں اختیار کرنے مستفاد ہوتا ہے چونکہ علماء نے دیکھا کہ غیر معین کو اختیار کرنے میں مفاسد کثیر اور اتباع ہوی وغیرہ کے خدشات غالب ہیں اس لئے اس سے منع کر دیا گیا لہذا تقلید کا دوسرا فرد یعنی تقلید معین لازم ہو گئی اس کی بعینہ مثال حضرت عثمانؓ کا عمل اور اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے کہ قرآن سبعہ احرف پر نازل ہوا اور عہد نبوت میں ساتوں لغات میں پڑھا گیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بعض نزاعت پہنچے تو آپ ﷺ نے دونوں کو یہ فرمایا کہ **ھکذا انزل و ھکذا انزل** پھر عہد صدیقیؓ میں جب اسلام بلد و عجم میں شائع ہوا اور قرآن عجمی لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچا تو سبعہ احرف کا اختلاف جو اختلاف محمود و مطلوب تھا اس تعریف کا ذریعہ منشا نظر آیا تو اجماع صحابہؓ حضرت عثمانؓ

نے سات لغات میں سے ایک حرف کو باقی رکھ کرباقی سے منع کردیا ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا اس بناء پر نہ تھا کہ وہ چھ لغات قرآنی نہ تھے بلکہ محض مفاسد کا سدباب کرنے کے لئے یہ ضرور داعی ہوئی ٹھیک یہی صورت تقلید کے مسئلہ میں پیش آئی کہ عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں ہر غیر مجتہد کو اختیار تھا کہ وہ کسی معین عالم کی تقلید کرے یا غیر معین طریق پر جس عالم سے چاہے مسئلہ پوچھ کر عمل کرے مگر قرون مابعد میں اس آزادی سے بجائے اتباع شریف کے اتباع ہوی کا گمان غالب ہو گیا اس لئے باجماع اہل حق تقلید غیر معین سے منع کر دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کے لفظ سے نفس تقلید پر استدلال بے محل نہیں نہ تقاسیر سلف کے خلاف ہے اور نہ کسی قاعدہ مسلم کے منافی۔ہاں تقلید شخصی کے وجوب پر محض اگر اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے دوسرے شواہد ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

کتاب السنّة و البدعة
(سنت وبدعت کابیان)

عشرہ محرم میں تعزیہ داری وغیرہ کے مسائل

(سوال ۴۲)(۱) عشرہ محرم میں تعزیہ داری دُلدُل قبر اور علم وغیرہ کی صورت بنانا۔
(۲) عشرہ محرم میں زینت ترک کرنا اور لذتوں کا چھوڑنا۔ گوشت وغیرہ نہ کھانا غمگین رہنا۔
(۳) تعزیہ داری کے کاموں میں کوشاں رہنا اور مددگار رہنا اور اپنا اسباب ان کو استعمال کے لئے دینا اور روپیہ پیسہ سے امداد کرنا۔
(۴) عشرہ محرم میں جہلاء سینہ پیٹتے ہیں یہ فعل کیسا ہے؟
(۵) مرثیہ خوانی اور واقعات شہادت پڑھنا اور نوحہ کرنا کیسا ہے؟
(۶) جو چیزیں تعزیہ داری دُلدُل اور علم پر بطور نذر نیاز کے لاتے ہیں ناریل وغیرہ توڑتے ہیں اور شب عاشورہ کو حلوہ وغیرہ تعزیہ کے سامنے رکھا جاتا ہے ان چیزوں کا بطور تبرک کھانا اور تقسیم کرنا کیسا ہے؟
(۷) دسویں رات کو تعزیہ دُلدُل اور علم وغیرہ کا شب میں گشت کرانا باجہ گاجہ کے ساتھ اور اس کو دیکھنا کیسا ہے؟
(۸) دسویں صبح کو شہادت کا ہوتا ہے تو اس روز بھی اس جوش و خروش اور دھوم دھام سے تعزیہ دلدل علم وغیرہ کے جلوس کو دفن کے لئے نکالا جاتا ہے تو اس کے ساتھ جانا کیسا ہے؟
(۹) امور مندرجہ بالا حرام ہیں یا کفر اور ان کے کرنے والے کیلئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ سب امور بدعت سئیہ ہیں اور بعض ان میں سے علاوہ بدعت ہونے کے خود بھی حرام ہیں اور بعض میں شرک کا بھی احتمال ہے اس لئے ان تمام امور کا ترک ضروری ہے اور واجب ہے۔ حدیث میں ہے **شرالا مور محدثاتها و کل بدعة ضلالة رواه مسلم وروی الطبرانی عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ من احدث حدثا او آوی محدثا علیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعین لا یقبل الله منه صرفا ولا عدلاً**۔ تعزیہ کا جلوس نکالنا اور اس کے ساتھ ان تمام ناجائز امور کا ارتکاب کرنا علاوہ بدعت ہونے کے کفار ہنود کے طرز عمل کے مشابہ ہے اس لئے بھی حرام ہے نیز یہ جلوس شان و شوکت کے ساتھ نکالنا اور باجہ گاجہ وغیرہ ساتھ ہونا تو علامت اظہار رخصت کی ہے دیکھنے والے اس سے یہی سمجھتے ہیں کہ اس کو غم واندوہ کا نشان کا قرار دینا بھی تعجب ہے۔

نوحہ و سینہ کوبی کرنا خود شرعاً حرام ہے۔ **کمافی مجمع البرکات یکره للرجل تسوید الثیاب و تخریقها للتعزیة واما تسوید الخدود و الا یدی وشق الجیوب وخدش الوُجُوہ و نثر الشعور و نثر التراب علی الرؤس والضرب علی الصدروالفخد و ایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاهلیة والباطل**۔ **کذافی المفردات مجموعة الفتاویٰ**

البتہ واقعات کربلا اور شہادت اہل بیت کو یاد کر کے رنجیدہ ہونا عین ایمان ہے مگر اس کو صرف محرم کی دس تاریخ میں محدود کر دینا ایک عجیب آفت ہے یہ تو ایک ایسی مصیبت ہے کہ مسلمان کو ہمیشہ ہی یاد رہنی چاہئیے۔ (واللہ تعالٰی اعلم) ۲۱ / صفر ۱۳۵۰ھ

عاشورہ محرم میں شادی بیاہ کرنا

(سوال ۴۳) دسویں محرم کو شادی بیاہ کرنا بچوں کو ختنہ کرانا اور شادی کا کھانا دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے۔ شریعت میں اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں باقی واقعہ شہادت کا غم وہ ایسی چیز نہیں کہ صرف اسی دن ہوا کرے جس کو اس واقعہ کا غم ہے وہ ہمیشہ غم رکھتا ہے اور شریعت میں سوائے خاوند کے کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ منانا جائز نہیں رکھا گیا۔ کما ورد فی الحدیث المعتبر لہذا نکاح شادی ولیمہ وغیرہ اس دن میں اور تمام عشرہ محرم میں بلاشبہ جائز ہے (واللہ تعالٰی اعلم)

تعزیہ داری کو روکنے کے لئے چاریاری کا جلوس نکالنا

(سوال ۴۴) یہاں پہلے سے چاریاری جھنڈا اٹھایا جاتا ہے زید اس کو روکنے کی کوشش کر رہا ہے اور مروجہ طریقہ کو ناجائز بتلاتا ہے عمر نے زید سے کہا کہ اس کے بند کر دینے سے اہل تشیع خوشیاں منائیں گے یہ دینی رسم ہے اس کو نہ روکو۔ زید نے جواب دیا کہ شیعوں کو رنجیدہ کرنے کے لئے ناجائز کام نہیں کیا جا سکتا؟ (۱) کیا زید کا قول صحیح ہے؟ (۲) از روئے شرع چاریاری جھنڈا اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) یہ جھنڈا اٹھانا موجب خیر و برکت ہے یا نہیں؟ (۴) رسم و رواج کو شریعت سے تعلق ہے یا نہیں؟ (۵) دین کے کسی فعل کو رسم و رواج کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) زید کا قول صحیح اور حق ہے لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (۲) یہ شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے اور مرتکب اس کے سخت گناہگار اور فاسق ہیں اس کو ترک کرنا لازم ہے۔ حدیث میں ہے کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار (۳) موجب خسران اور وبال ہے قال اللہ تعالٰی وتعاونوا علی البر و التقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان .ط (۴) شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں رسم و رواج کی کچھ حقیقت نہیں ہے لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (۵) دینی کام کو حکم شریعت کہنا چاہئیے رسم و رواج سے اس کو تعبیر کرنا مناسب نہیں فقط مسعود احمد۔

جوابات صحیح ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ ایک گناہ کو مٹانے کے لئے دوسرا مستقل گناہ کرنا عقل و نقل کے خلاف ہے شیعوں کی رسم مٹانے کے لئے ایک نئی بدعت اسلام میں جاری کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ دوسری جائز تدبیریں کی جائیں کہ مسلمان اس میں شریک ہونے سے بچیں مثلاً وعظ تبلیغ کے ذریعہ یا پنچائت کے ذریعہ لوگوں کو اس سے روکا جائے۔ محمد شفیع غفرلہ

کھانے پر فاتحہ دینے کا حکم

(سوال ۴۵) جو کھانا فقیروں کے واسطے پکایا ہو اس پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) کھانے پر فاتحہ پڑھنا بالکل بے اصل ہے (لیکن اگر ایسا کیا جائے تو یہ کھانا حرام نہیں ہوتا اس کا کھانا جائز ہے) نہ آنحضرت ﷺ سے کہیں ثابت ہے نہ صحابہؓ و تابعین سے نہ ائمہ مجتہدینؒ سے محض بدعت محدثہ ہے سمجھنے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو صحابہ کرامؓ جو ایسے کاموں کے عاشق تھے کبھی نہ چھوڑتے اور ہزاروں واقعات ان کے اس بارے میں منقول ہوتے حالانکہ تمام کتب تاریخ و سیر میں اس کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ بطرز مروج کھانے پر فاتحہ کسی نے پڑھی ہو اس لئے بدعت و ضلالت ہے۔ کمافی الحدیث الصحیح کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار مشکوٰۃ۔

۲۶ / صفر ۱۳۵۰ھ

چہلم۔چھ ماہی۔برسی وغیرہ بدعت ہیں

(سوال ۴٦) دسواں۔چہلم۔ شش ماہی۔برسی وغیرہ رسوم کے متعلق کیا حکم ہے چونکہ اس رسم کو آڑ پکڑ کر کھاجاتے ہیں بڑے پیٹ والے۔ نہیں ملتا غریبوں اور مسکینوں کو اس میں سے نہیں دیکھتے برادری والے مال یتیموں اور بیواؤں کا ۔دب جاتے ہیں قرض کے نیچے غریب بوجہ اس رسم کے۔؟

(الجواب) یہ تمام رسمیں سخت بری ہیں ان کو ثواب اور ضروری سمجھنا بدعت و گمراہی ہے آج کل مسلمانوں کو عام طور پر انہیں رسموں نے فقیر و گداگر بنادیا ہے عزت و آبرو بلکہ دین تک بیچتے پھرتے ہیں جہاں تک ہوسکے ان کے مٹانے کی کوشش کیجئے اور سمجھنے سمجھانے کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر یہ کوئی ثواب کا کام ہوتا تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اور دوسرے حضرات سلف اس کو نہ چھوڑتے کیونکہ وہ تو ہر نیک کام کے عاشق تھے مگر کسی ایک ضعیف روایت میں بھی اس کا ثبوت ان حضرات سے نہیں ہوتا بلکہ حضرات علماء نے ان کے بدعت و ناجائز ہونے کی تصریحیں کی ہیں البتہ اہل میت کی تعزیت و تسلی کے لئے ان کے پاس جانا قرآن شریف پڑھ کر یا کچھ کھانا وغیرہ کھلا کر میت کو ثواب بخشنا ثواب ہے۔بشر طیکہ معین تاریخوں میں نہ ہو' نام و نمود کے لئے نہ ہو۔ضروری و واجب نہ سمجھے۔ حضرات علماء نے اس کے متعلق جو لکھا ہے اس کا مختصر یہ ہے کہ مولانا عبدالحئی صاحبؒ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی شرح سفر السعادۃ سے ناقل ہیں: نعم تعزیت اہل امیت و تسلیہ و صبر فرمودن سنت و مستحب است امادریں اجتماع مخصوص روز رسوم و ارتکاب تکلفات دیگر و صرف اموال بے وصیت از حق یتامیٰ بدعت است و حرام انتہی۔

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول و الثالث بعد الا سبوع و نقل الطعام الی القبر فی الموسم و اتخاذ الدعوة لقراءة القرآن و جمع الصلحاء و الفقراء للختم و لقراءة سورة الانعام و الاخلاص۔

ملا علی قاری مکیؒ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ طیبی شارح مشکوٰۃ سے ناقل ہیں من

اصر علی امر مندوب و جعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعة اومنکر هذا محل تذکر الذین یصرون علی الاجتماع فی الیوم الثالث للمیت و یرونه ارجح من الحضور للجماعة و نحوه انتهی۔

اور امام نوویؒ کی شرح منہاج میں ہے واطعام الطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین و الاربعین والشهر السادس والسنة بدعة اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ دیگر از عادات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہاو چہلم و فاتحہ اولیانہ ایں ہمہ رادر عرب اولیٰ وجود بود مصلحت آنست از تعزیت وارثان میت تاسہ روز اطعام ایشاں یک شبانہ روز رسمے نباشد۔

الغرض یہ سب رسوم بدعات ہیں جن کا ترک واجب ہے (۳/ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

رسالہ ردع الناس عن محدثات الاعراس یعنی عرس مروج کا شرعی حکم

(سوال ٤٧) عرس کے لغوی معنی کیا ہیں اور اصطلاح شرح میں عرس کی کیا تعریف ہے قرون ثلثہ میں اس کا وجود تھا یا نہیں اور اگر نہیں تھا تو کب سے ہوا؟

(۲) آج کل ہندو بنگال کے چند مواضع مثلاً اجمیر۔ بریلی اور چاٹگام وغیرہ میں ایک تاریخ معین میں کوئی شاہ صاحب کسی مزار پر سجادہ نشین ہو کر بیٹھے ہیں اور ان کے مریدین و معتقدین کا جم غفیر ہوتا ہے اور مزار پر عمدہ سے عمدہ بیش بہا قیمت غلاف چڑھایا جاتا ہے اور اوپر شامیانے لگائے جاتے ہیں اور مزار پر چراغاں کیا جاتا ہے اور مزار کے گرد لوگ اس مردہ کی شان میں مضمون نعتیہ گاتے ہیں اور ناچتے کودتے ہیں یہ امور جائز ہے یا نہیں اس صورت کے ساتھ عرس کرنے والے اور اس میں شریک ہونے والے بدعتی ہیں یا نہیں؟

(۳) چند پیر یہاں ایسے بھی ہیں جو اپنے پیروں سے سجدہ کراتے ہیں اس قسم کے حکم کرنے والے اور اس کے عاملین مرتد اور بے دین ہیں یا نہیں اور بعض پیر گو زبان سے حکم نہیں کرتے لیکن مریدین انہیں سجدہ کرتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتے پس ایسے پیر کے لئے کیا حکم ہے کیا یہ لوگ حسب فرمان نبوی الساکت عن الحق شیطان اخرس کے شیطان نہیں ہیں اور یہ مرتکب معصیت کبیرہ ہیں یا نہیں اور بعض پیر اپنے مریدوں کو منع کرتے ہیں لیکن مرید نہیں مانتے اور سجدہ کرتے ہیں اس وقت کبھی منع کرتے ہیں اور کبھی دم بخود ہو کر رہ جاتے ہیں لیکن پھر بھی ------ عرس بند نہیں کرتے کہ جس سے اسی شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے بلکہ عرس کو باعث ثواب سمجھتے ہیں ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے پھر یہ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ میں کیا کروں لوگ سجدہ کرتے ہیں منع کرتا ہوں وہ نہیں مانتے میں معذور ہوں۔

(۴) پیر کی کیا تعریف ہے مرتکب امور بالا کو پیر بنانا اور اس کا معتقد ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) سجدہ لغیر اللہ مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے بعض لوگ سجدہ تحیہ کو جائز کہتے ہیں اور وہ یہ جاہل پیر لوگ ہیں کیا واقعہ بھی ایسا ہے کوئی ان میں فتویٰ تیسیر کا حوالہ بھی دیتا ہے اور کوئی فتح القدیر کا آیا وہ

عبارات صحیح ہیں یا نہیں؟

(۶) بدعت کی تعریف اور تقسیم مع حوالہ کتب تحریر فرماتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمائیے کہ کونسی بدعت معصیت ہے اور کونسی نہیں اور عرس اگر بدعت ہو تو عرس کرنے والے کو بدعتی کہیں گے اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہوگی، نیز عرس کے بدعت ہونے پر بھی اگر کوئی شخص اسے نہ چھوڑے بلکہ اس پر مداومت اور اصرار کرے اور اسے جائز اور قابل ثواب کرنے کے لئے کوشش کرے تو ایسا شخص مصر علی المعصیت ہے یا نہیں اور اصرار علی المعصیت عمداً اور باعث ثواب سمجھ کر کرنا کیسا ہے؟

(۷) جن بدبودار چیزوں کو کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کی گئی ہے اور وہ شخص مسجد میں بسبب اس اختیاری کے نہ آئے اور جماعت میں شامل نہ ہو لیکن نیت جماعت کی رکھے تو جماعت کا ثواب اسے ملے گا یا نہیں اور جو لوگ اضطراراً معذور ہوں ابخر اور اذفر ہوں تو آیا ان کے لئے بھی **لا یقربن مسجدنا** کا حکم ہوگا اور ان کے لئے بھی ممانعت ہو تو انہیں بنابر نیت حضوری جماعت کے جماعت کا ثواب مل گیا یا نہ؟

(الجواب) **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** - عرس بضم اول و بضمتین لغت عرب میں طعام ولیمہ کو نیز نکاح کو کہا جاتا ہے۔ کما صرح بہ فی القاموس آج کل ہمارے دیار میں جس کو لوگ عرس کہتے ہیں یعنی کسی بزرگ کی تاریخ وفات پر سالانہ ان کی قبر پر اجتماع اور میلہ قائم کرنا یہ فعل بھی بدعت مستحدثہ ہے اور یہ نام بھی اس کے لئے مستحدث ہے۔ قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر میں کیا قرون مابعد میں بھی صدیوں تک اس کا کہیں نام نشان نہ تھا بہت آخر زمانہ میں ایجاد ہوا ہے مشہور یہ ہے کہ جس طرح اور تمام بدعات کی اصل ابتداءً بری نہ تھی بعد میں لوگوں کی تعدی نے اس کو گناہ اور بدعت بنادیا اس طرح اس میں بھی ابتدائی واقعہ یہ ہوا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سالانہ غیر معین تاریخوں میں پیران کلیر حضرت مخدوم صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے اس کی خبر سن کر آپ کے مرید بھی آنے لگے پھر لوگوں نے اس خیال سے کہ حضرت شیخ کے ساتھ حاضری کے شائقین کو دشواری ہوتی ہے کوئی دن بھی متعین کردیا یہاں تک بھی منکرات کا ہجوم نہ تھا پھر بعد میں جہلاء و مبتدعین نے اس کو اس حد تک طول دے دیا کہ سینکڑوں محرمات اور افعال شرک و کفر کا تماشہ گاہ ہو گیا اور پھر یہ رسم سب جگہ چل پڑی اب مسئلہ عرس میں دو حیثیت قابل بیان ہیں اول نفس عرس خالی از دیگر منکرات دوسرے مع بدعت و منکرات مروجہ۔

سوامر اول کا جواب تو یہ ہے کہ اتفاقی طور پر کوئی شخص کسی بزرگ کے مزار پر بلا تعین تاریخ و بلا اہتمام خاص کے اگر ہمیشہ سالانہ بھی جایا کرے تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ منکرات مروجہ وہاں نہ ہوں کما اخرج **ابن جریر عن ابراھیم قال کان النبی ﷺ یاتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار**۔

ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے اس قسم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنے مکاتیب میں فرماتے ہیں کہ تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز بذکر انتقال ایشاں می باشد نہ دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است از مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۶۹ جلد ۳۔

لیکن کسی معین تاریخ کو ضروری سمجھنایاایسا عمل کرنا جس سے دیکھنے والوں کو ضروری معلوم ہو اور نہ کرنے والوں پر اعتراض کی صورت پیدا ہو یہ ایک بدعت سئیہ ہے جس کا اصول اسلام میں کہیں نام نہیں۔

امر دوم۔ یعنی عرس مصطلح مع منکرات مروجہ جو لوازم عرس سے سمجھتے جاتے ہیں اس کا جواب ظاہر ہے کہ ایک تو فی نفسہ بدعت اور پھر اس میں بہت سے مشرکانہ افعال اور بدعات اور امور قبیحہ کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لئے بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہو گیا جن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) چراغ جلانا جو بنص حدیث حرام ہے نبی کریم ﷺ نے قبروں پر چراغ جلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (مشکوٰۃ)

(۲) چادر وغیرہ چڑھانا جس کی حدیث صریح میں مخالفت ہے (بخاری)

(۳) ان کے نام کی نذر و منت ماننا جو مطلقاً حرام ہے۔ **قال فی البحر الرائق الاجماع علی حرمۃ النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشتغل بہ الذمۃ وانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ ولا اکلہ ولا التصرف فیہ بوجہ من الوجوہ** ۔

(۴) پھر اس نذر کی مٹھائی وغیرہ کو تبرک سمجھ کر کھانا اور تقسیم کرنا حالانکہ اس کا حرام ہونا اوپر کی عبارت بحر سے معلوم ہو گیا ہے اس کے حلال و تبرک سمجھنے میں تو اندیشہ کفر کا ہے۔

(۵) راگ باجہ وغیرہ جس کی حرمت و ممانعت پر احادیث کثیرہ صراحۃً وارد ہوئی ہیں تفسیر روح المعانی میں آیت لہو الحدیث کے ذیل میں تعداد کثیر ان روایات کی جمع کی گئی ہے فلیراجع۔ نیز شیخ ابن حجر مکیؒ کا رسالہ **کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع** بھی اس موضوع میں کافی [۱] شافی ہے۔ خود صوفیائے کرام کی ایک جماعت کثیرہ نے بھی اس کو ناجائز فرمایا ہے ملاحظہ ہو رسالہ حق السماع لحکیم الامۃ مولانا التھانویؒ۔

(۶) فاحشہ عورتوں کا گانا اور اجتماع جو بہت سے محرمات کا مجموعہ ہے۔

(۷) عام عورتوں کا قبروں پر جمع ہونا جس پر حدیث میں ارشاد ہے **لعن اللہ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ** ۔

(۸) قبروں پر مجاورین کا بیٹھنا جس کی ممانعت حدیث وفقہ کی معتبر کتاب میں منصوص ہے۔

(۹) قبر کا طواف کرنا جو قطعاً حرام ہے۔ ملا علی قاریؒ شرح مناسک باب زیارت روضہ اقدس میں فرماتے ہیں **ولا یطوف ای ولایدور حول البقعۃ الشدیفۃ لان الطواف من مختصات الکعبۃ المنیفۃ یحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء انتھٰی** ۔

(۱۰) سجدہ کرنا جو بقصد عبادت ہو کفر صریح ہے اور بلا قصد عبادت انتہائی درجہ کا گناہ کبیرہ ہے **کما سیاتی تفصیلہ** ۔ اگر تتبع کیا جاوے تو اس قسم کے سینکڑوں گناہ کا مجموعہ ان اعراس میں مشاہد ہو جائے گا۔

---

[۱] اور احقر کا رسالہ بزبان عربی "السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث" جو احکام القرآن کا جزو ہے ان تمام امور کا جامع ہے اس میں روایات حدیث، اقوال سنت، مذہب ائمہ، اعمال و اقوال صوفیہ نہایت شرح وبسط سے جمع کئے گئے ہیں مگر ہنوز طبع

و فی ذلك كفاية لمن اراد الهداية—اسی لئے جس وقت سے اس قسم کے عرس کا رواج ہوا ہے اسی وقت سے علماء امت بلکہ خود صوفیائے کرام جو محقق ہوئے ہیں اس سے منع کرتے رہے ہیں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو علاوہ علوم ظاہرہ کے ماہر و مفتی و قاضی ہونے کے خاندان نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلفاء میں سے ہیں ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں قبور اولیاء بلند کردن و گنبد براں ساختن و عرس امثال آں و چراغاں کردن ہمہ بدعت است بعض ازاں حرام و بعض مکروہ- پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر و سجدہ کنندگان رالعنت گفتہ اور بریقہ شرح طریقہ محمدیہ صفحہ ۱۲۲ج ا میں ہے-

واقبح البدع عشرة وعد منها طعام الميت و ايقاد الشموع على المقابر و البناء على القبر و تزيينه و البيوتة عنده والتغنى والسماء و اتخاذ الصعام للرقص و اجتماع النساء لزيادة القبور الخ—

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی مسائل اربعین میں فرماتے ہیں مقرر ساختن روز عرس جائز نیست در تفسیر مظہری می نویسد-لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الاولياء و الشهداء من السجود و الطواف حولها و اتخاذ السراج و المساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالا عياد و يسمونه عرساً. اصول کی بات وہی ہے جو امام مالکؒ نے فرمائی ہے مالم يكن يومئذ دينا لا يكون اليوم دينا-
اس لئے جس عبادت کی نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ تابعینؒ کے زمانہ میں اصل نہ ہو وہ عبادت نہیں گمراہی ہے رسالہ قشیریہ میں اکابر طرق کے بہت اقوال اس کی تائید میں لکھے گئے ہیں فلیر اجع ثمه و مثله فی مفتاح السنة للسيوطی صفحه ۵—
(۲) تفصیل مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والے بدعتی اور سخت گناہ گار ہیں-

سجدہ تعظیم کا حکم شرعی

(۳) غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح اور ارتداد محض ہے (نعوذ باللہ) اور اگر بہ نیت عبادت نہ ہو تو بلکہ قصد تعظیم معروف ہو تو ارتداد و کفر تو نہیں لیکن سخت گناہ اور قریب شرک ہے كذا قال ابن حجر المكى فى الاعلام بقواطع الاسلام على هامش الزواجر صفحه ۳۲ ج ۳—
وفى المواقف و شرحها من صدق بما جاء به النبیﷺ و مع ذالك سجد للشمس كان غير مومن بالا جماع لان سجوده لها يدل بظاهره انه ليس بمصدق و نحن نحكم بالظاهر فلذلك حكمنا بعدم ايمانه لان عدم السجود لغير الله داخل فى حقيقة الايمان حتى لو علم انه لم يسجد لها على سبيل التعظيم و اعتقاد الوهية بل سجدوا لها و قلبه مطمئن بالايمان لم يحكم بكفره فيما بينه و بين الله تعالى وان اجرى عليه حكم الكافر فى الظاهر انتهٰى ثم قال نقلاً عن الروضة و ليس من هذا ما يفعله كثير من الجهلة الظالمين من السجود بين يدى المشائخ فان ذلك حرام قطعا بكل حال سواء كان للقبلة او لغيرها و سواء قصد السجود لله او غفل وفى بعض صورة

ما یقتضی الکفر عافانا اللہ تعالٰی من ذلك انتھی فافھم انه قد یکون کفراً بان قصد به تعظیمه الخ
یہی مضمون حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ محدث دہلوی نے مائۃ مسائل کے مسئلہ (۳۳) میں ذکر فرمایا ہے اور حلبی نے شرح منیہ کبیر میں کہا ہے (**لو سجد للہ یکفر**) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا انتہائی درجہ کا سخت گناہ ہے اور جو پیر اپنے سامنے اس گناہ کو جاری رکھتے ہیں اگرچہ خود نہ کریں وہ بھی شریک گناہ ہیں اگر بالفرض لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے تو یہ پیر ہی کس کام کا ہے کم از کم اس کو ان سے علیحدہ ہو جانا فرض ہے۔

الغرض ایسے پیروں سے بیعت کرنا حرام ہے جو حدود شرعیہ کی پروا نہ کرتے ہوں جیسا کہ امام غزالیؒ نے اپنی اکثر تصنیفات میں اور رسالہ قشیریہ - عوارف المعارف وغیرہ میں خود ائمہ تصوف کے اقوال سے اس کو ثابت کیا ہے۔

بدعتی پیر سے بیعت ناجائز ہے

(۴) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **القول الجمیل** میں پیر یعنی شیخ کامل کی چند شرطیں لکھی ہیں جو شخص ان شرائط کے ساتھ موصوف نہ ہو اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا چاہئے بالخصوص جو شخص مرتکب امور مذکورہ فی السوال کا ہو اور معاصی کا مرتکب ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا حرام ہے۔ **ذالك كله ظاهر**
(۵) سجدہ کے متعلق جو تفصیل نمبر ۳ میں مذکور ہو چکی ہے اس سے اتنی بات بالاجمال ظاہر ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ضرور ہے کفر ہونے میں تفصیل ہے حرمت میں کوئی تفصیل نہیں فتح القدیر کی طرف اباحت کو منسوب کرنا غلط محض ہے۔

بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام و احکام

(۶) بدعت لغت میں ہر نئے کام کو کہتے ہیں خواہ عادت ہو یا عبادت جن لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں انہوں نے بدعت کی تقسیم دو قسم میں کی ہے سئیہ اور حسنہ جن فقہاء کے کلام میں بعض بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے وہ اس معنے لغوی کے اعتبار سے بدعت ہیں ورنہ در حقیقت بدعت نہیں اور معنی شرعی بدعت کے یہ ہیں کہ دین میں کسی کام کا زیادہ یا کم کرنا جو قرن صحابہؓ تابعینؒ کے بعد ہوا ہو اور نبی کریم ﷺ سے اس کے کرنے کی اجازت منقول نہ ہو نہ قولاً نہ فعلاً نہ صراحتہً نہ اشارۃً **ھذا ملخص مافی الطریقة المحمدیة وھو اجمع مارائیت من تعریف البدعة وان اردت التفصیل فراجع الی بریقة شرح الطریقة صفحه ۱۲۸ ج ۱۔**

پھر بدعت میں درجات ہیں بعض مکروہ کے درجہ میں ہیں بعض حرام بعض شرک اور مصر علی البدعۃ بہر حال فاسق ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے کما فی **الدر المختار وغیرہ و خلف مبتدع** ۔الخ۔

(۷) جب ان چیز کا ترک اس کے اختیار میں ہے اور ترک نہیں کرتا بلکہ جماعت کو ترک کر دیتا ہے تو خواہ نیت ہو یا نہ ہو ثواب جماعت نہ ہوگا البتہ جو معذور ہوں جیسے انجراذ فر (گندہ دہن پراگندہ بغل) وغیرہ ان کے لئے یہی مناسب ہے کہ جماعت میں شریک نہ ہوں تاکہ لوگوں کو ایزا نہ پہنچے ایسے لوگوں کو انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب گھر بیٹھے مل جائے گا کما صرح به الفقهاء والتفصيل في رسالتي آداب المساجد.

(ربیع الاولی ۱۳۵۰ھ)

اولیاء اللہ کی قبروں پر مختلف بدعات

(سوال ۴۸) مسجد میں درگاہ ہے درگاہ پر روزانہ اور جمعرات کو روشنی ہوتی ہے روشنی وغیرہ کے لئے تیل وغیرہ کا انتظام مسجد کی آمدنی سے اور اہل محلّہ کی طرف سے ہوتا ہے صرف درگاہ کے لئے تیل اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ تمام درگاہ کی روشنی میں خرچ نہیں ہو سکتا اگر باقی ماندہ تیل کو امام مسجد اپنے ذاتی مصارف کتب بینی وغیرہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہ؟

(۲) جب کہ مسجد میں حسب ضرورت کافی روشنی ہوتی ہے اور درگاہ کی روشنی کوئی فائدہ نہیں رکھتی روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں نیز جمعرات کے دن جو ختم درگاہ پر ہوتا ہے اس میں شرکت کرنے والا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۳) بزرگان دین کے صدہا مزار ہیں جن کی فاتحہ خوانی جائز و ناجائز دونوں طرح ہو رہی ہے فاتحہ خوانی کے لئے مزاروں پر حاضر ہونے کو واجب اور فرض سمجھنا کیسا ہے ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے یا مزاروں پر جانا ضروری ہے نیز اس طریقہ سے دعا کرنا کہ یا حضرت آپ اللہ کے دوست ہیں اور اس کے مقبول بندے ہیں آپ خدا سے میرے لئے دعا کیجئے کہ خدا مجھے مقصد میں کامیاب کر دے یہ دعا جائز ہے یا نہیں۔ مزاروں پر عرس ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

(۴) زید سنتا ہے کہ فلاں بزرگ کی درگاہ نہایت عالی شان ہے اس کو سن کر وہ سفر طے کر کے درگاہ کے دیکھنے جاتا ہے یہ جانا کیسا ہے؟

(۵) زید کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا اور وہاں بنام خدا نیاز کروں گا یہ کیسا ہے؟ اگر زید کا کام حسب منشاء ہو جائے تو چادر چڑھانا اس پر واجب ہے یا نہیں؟

(٦) مولود شریف جو مروجہ طریقہ سے ہوتا ہے کیا حکم رکھتا ہے مولود میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

(۷) شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی گیارہویں ایصال ثواب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۸) بزرگوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے جو کھانا مزاروں پر بھیجا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں اگر مکان میں فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کر دیا جائے تو کیا ثواب کم ہوتا ہے جیسے اکثر لوگوں کا مقولہ ہے کہ نیاز قبول نہیں ہو سکتی جب تک مزاروں پر نہ بھیجی جائے؟

(۹) امام حسینؓ کی فاتحہ خوانی جو عشرہ محرم میں ہوتی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے نیز ان کا ذکر شہادت پڑھنا کیسا ہے؟ فقط

(الجواب) قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں حدیث میں ہے لعن اللہ زوارات القبور و المتخذین علیها السراج اس لئے جو تیل درگاہ کی روشنی کے دیا جاتا ہے اس کو اصل مزار پر جلانا نہ چاہئیے البتہ اگر مزار کے متعلق حجرے ہوں یا راستہ پر روشنی کی ضرورت ہو وہاں جلایا جاسکتا ہے اور اگر کوئی مسجد درگاہ ہی کے متعلقات درگاہ میں سے ہو تو اس مسجد میں بھی یہ تیل جلایا جاسکتا ہے اسی طرح حجرہ امام اگر متعلقات درگاہ میں ہو تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذر مزار پر چڑھایا ہے تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس کی نذر کی گئی ہو صرح به فی البحر الرائق من کتاب النذر

(۲) قبر پر چراغ جلانا حرام ہے کمامر - اور ختم قرآن میں اگر دوسری بدعات نہ ہوں تو شرکت میں مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی ترک اولیٰ ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ بالفعل بدعات نہ ہوں رفتہ رفتہ بدعت سے بھی آگے تجاوز کر جاتی ہیں۔

(۳) ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہر جگہ سے پہنچتا ہے البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں عامہ مومنین کی قبروں پر جانے سے عبرت اور اعزاء و اقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی، دعاء میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہئیے بلکہ یوں دعا کرے تو مضائقہ نہیں کہ یا اللہ فلاں مقبول بندے کے طفیل سے ہمارا کام کردے۔

(۴) اگر وہاں بدعت و منکرات میں مبتلا نہ ہو تو جائز ہے۔

(۵) چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے اور نذر اس کی کرنا دوسرا گناہ ہے اور یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی۔

(۶) ناجائز ہے اور اگر بدعات و تعینات مروجہ سے خالی ہو تو جائز ہے۔

(۷) ایصال ثواب جائز ہے بشرطیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے۔

(۸) مزار پر پہنچنا فضول اور لایعنی حرکت ہے ہر جگہ سے ایصال ثواب ہو سکتا ہے اور اگر یہ عقیدہ ہے کہ اس کے بغیر ثواب ہی نہ پہنچے گا تو بدعت بھی۔

(۹) ایصال ثواب یا ذکر شہادت کے لئے عشرہ محرم کی تخصیص لغو اور بدعت ہے بلا تعیین کبھی کسی وقت اور کبھی کسی وقت کرے تو جائز اور ثواب عظیم ہے۔

بدعات متعلقہ طعام میت

(سوال ۴۹) ہمارے یہاں رواج ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو اس کے وارثوں کو تدفین میت سے پہلے تمام آبادی کے لئے کھانا تیار کرنا پڑتا ہے تاکہ بعد تدفین فوراً اس ماتم کدہ میں آکر اہل قریہ کھانا کھاویں اس طرح کھانے کا انتظام نہ کرنا اہل میت کے لئے ننگ و عار کا موجب ہوتا ایسے کھانے میں زیادہ مراعات تونگروں اور غنیوں کی رکھی جاتی ہے شاذ و نادر ہی کوئی مسافر یا مسکین اس سے تناول کر سکتا ہے ایسی دعوت کو صدقہ خیرات کہا جاسکتا ہے اور اس میں شریک ہو کر کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور امید ثواب ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ رسم بالکل بدعت و ناجائز ہے اور علاوہ بدعت ہونے کے اسراف محض ہونے کی وجہ سے بھی حرام ہے نیز اس لئے بھی کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی حالت اس کو مقتضی ہے کہ اپنے پیسہ پیسہ کو احتیاط سے خرچ کریں قرض لینے سے بچنا تقریباً ناممکن ہے- فی اٰخر الجنائز من فتح القدیر ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور لا فی الشرور وهی بدعة مستقبحة روی الامام احمد عن جریر بن عبدالله قال کنا نعدالا جتماع الی اهل المیت و صنعهم الطعام من النیاحة اور اس دعوۃ میں اغنیاء کو کھلانا اور بھی زیادہ ظلم علی ظلم ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

میت اور ایصال ثواب کے متعلق چند بدعات مروجہ کی تحقیق

(سوال ۵۰) گردانیدن قرآن شریف بر جنازہ طریق مسنون ہے یا نہیں؟

(۲) قبر پر جمعرات تک علماء کا بیٹھانا کہ حساب سے بچ جائے؟

(۳) روٹی سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا سنت ہے یا بدعت؟

(۴) ختم قرآن مجید پڑھ کر اجرت لینا؟

(۵) چالیسواں کرنا اور عرس مروجہ اور جمعرات کے روز چہلم تک دعا کے لئے خاص کرنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) بے اصل ہے اور اس سے صوم وصلوٰۃ فائتہ جو بذمہ میت ہوں ادا نہیں ہوتے-

(۲) یہ بھی بدعت ہے اور بے اصل ہے اس کی اصل شریعت میں نہیں ہے کماقال مولانا عبدالحئی الکهنوی فی مجموعة الفتاویٰ جلد اول ص ۸۱ -

(۳) یہ بھی بدعت ہے اور کچھ نفع اس تخصیص سے نہیں ہے اور قبور پر اس طریق سے قرآن پڑھنے کو فقہاء نے مکروہ فرمایا ہے کما قال فی شرح الفقه الاکبر ثم القراء ة عند القبور مکروہ عند ابی حنیفة و مالك و احمد فی روایة رحمهم الله تعالٰی الخ

(۴) قرآۃ پر اجرت لینا جائز نہیں اور اجرت لیکر قرآن شریف پڑھنے سے نہ قاری کو ثواب ہوتا ہے نہ میت کو ثواب پہنچتا ہے-قال تاج الشریعة فی شرح الهدایه ان القران بالا جرة لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری وقال العینی فی شرح الهدایه ویمنع القاری للدنیا والاٰخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ماشاع فی زماننا من قراء ة الاجزاء بالاجراة لا یجوز لان فیه الامر بالقراة واعطاء الثواب للا مر والقراء ة لا جل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ولولا الاجرة ماقراء احد لاحد فی هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسباً و وسیلة الی جمع الدنیا—انا لله وانا الیه راجعون شامی باب الایستجار علی الطاعات—

(۵) یہ جملہ رسوم بدعت اور ممنوع ہیں اگر میت کو ایصال ثواب کرنا مقصود ہو تو بلا تعین و تخصیص جو کچھ میسر ہو فقراء کو خفیہ طور سے دیدے-　　کتبہ مسعود احمد

میت والوں کی طرف سے لوگوں کو دعوت دینا

(سوال ۵۱) بعض بلاد پنجاب میں یہ رواج ہو چکا ہے کہ اگر کہیں میت ہو جاوے تو اس کے وارث جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے ہیں تو تمام برادری کو خوب مرغن کھانا کھلاتے ہیں خواہ وارث میت غنی ہو یا فقیر اس کا کوئی خیال نہیں کرتا بہت غلہ اور روغن خرچ کیا جاتا ہے اس کو بعض علماء حرام کہتے ہیں اور بعض مکروہ کے قائل، جو جانب اختیار کی جائے مدلل احادیث سے تحریر کیا جائے؟

(الجواب) قال فی الشامی فی کتاب الوصیۃ عن آخر الجنائز من الفتح ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور دون الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ- روی الامام احمد عن جرید بن عبداللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و صنعھم الطعام من النیاحۃ (شامی کتاب الوصیۃ ص ٤٦٤ ج ٥) عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ یہ رسم بدعت ہے اور اس کے کرنے والے اور اس کھانے کے کھانے والے گناہ گار ہیں اور جب انہیں کو ثواب نہیں ملا بلکہ الٹا گناہ ہوا تو میت کو کیا ثواب پہنچتا-

طعام فاتحہ کے بارے میں دو فتوؤں میں تطبیق

(سوال ۵۲) فتاویٰ رشیدیہ کے ہر حصہ میں و دیگر فتاویٰ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینا خیال و بدعت اور فتاویٰ عزیزیہ کے حصہ اول ص ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ جس کھانے کا ثواب حضرت امامین کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ و قل و درود پڑھایا جائے وہ کھانا تبرک ہو جاتا ہے اس کا کھانا بہت خوب ہے یہ اختلاف کیسا ہے؟

(الجواب) صحیح وہی ہے جو فتاویٰ رشیدیہ میں ہے قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ اور فقہاء کی تصریحات اسی کے موافق ہیں فتاویٰ عزیزی کے جس صفحہ کا حوالہ آپ نے دیا ہے اس پر تو یہ مضمون ملا نہیں[1] زیادہ تفتیش کی فرصت نہیں کہ اصل عبارت شاہ صاحب کی دیکھ کر اس کا مطلب عرض کرتا بہر حال فتاویٰ عزیزی کی عبارت میں تاویل کی جاوے گی حکم صحیح وہی ہے جو فتاویٰ رشیدیہ میں ہے-(واللہ تعالیٰ اعلم)

حیلہ اسقاط

(سوال ۵۳) میت کے ساتھ قرآن شریف کا لے جانا اور اس کا چند آدمیوں کے مابین پھیرنا اس کے عوض سوا روپیہ ملا کو دینا اور اس کا نام اسقاط رکھنا جیسا کہ زمانہ حال میں عام مروج ہے شرعاً جائز ہے یا نہ- چونکہ اس مسئلہ کے متعلق عوام الناس میں سخت نزاع اور جھگڑا پڑا ہوا ہے بعض بلا جواز کے قائل ہیں وہ ابتغو االیہ الوسیلۃ پیش کر کے جواز وسیلہ للمیت ثابت کرتے ہیں لہذا مہربانی فرما کر اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق پورا پورا ثبوت عطا فرمایا جاوے اور معنیٰ آیت شریف بھی حسب روایات مفسرین محققین واضح کر دیا

[1] غالباً مطبع کا فرق ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے ۱۲-

جائے تاکہ بعد اظہار حق نزاع و جھگڑا رفع ہو؟ بنیوا تو جروا؟

(الجواب) ہر حیلہ اسقاط ناجائز ہے-فقط حررہ گل محمد شاہ

جواب صحیح ہے-اور حیلہ اسقاط مروجہ عوام زمانہ بلاشبہ بدعت ہے اولاً اس لئے کہ اگر یہ کوئی کار خیر ہوتا تو نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس کے لئے زیادہ احق تھے کہ ان کی شفقت عام مومنین کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی مگر باوجود اس کے ایسے لوگوں کے ساتھ جن کے ذمہ نماز، روزہ وغیرہ قضاء واجب تھے ان حضرات نے یہ حیلہ تجویز نہیں فرمایا علاوہ ازیں بعض فقہاء نے جو کہیں اس کی اجازت دی ہے وہ اس وقت ہے کہ جب کہ اتفاقاً کسی آدمی کے لئے ضرورت پڑ جائے اور فساد عقیدہ عوام نہ ہو اور رسم بدعت نہ پڑ جائے ورنہ جب منکرات پر مشتمل ہو جاوے تو پھر اس کا ترک باتفاق ضروری ہو جاتا ہے صرح به الشامی وغیرہ جیسا کہ ہمارے زمانے میں طرح طرح کے منکرات اس میں پیدا ہو گئے ہیں اولاً تملیک فقراء اس طرح کی جاتی ہے اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی-ثانیاً اس رسم کے پڑ جانے سے عوام دلیر ہو جاتے ہیں کہ نماز، روزہ سب حیلہ اسقاط کے ذریعہ ساقط ہو جائیں گے۔ ثالثاً لوگوں نے اس کا ایسا التزام کر لیا ہے کہ اس کو ایک مستقل عمل اعمال تجہیز و تکفین میں سے سمجھتے ہیں جو یقیناً بدعت ہے (واللہ تعالی اعلم)

بعد نماز جنازہ میت کے گرد پھرنا اور صدقہ کرنا

(سوال ۵۴) آج کل رواج ہے کہ بعد از نماز جنازہ میت کے گرداگرد پھرتے ہیں اور کچھ پڑھ کر ملا کی ملک کرتے ہیں اور وہ قبلت کہتا ہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں کہ یہ سنت ہے-یہ امر شرعاً عند الاحناف مسنون و جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ عمل خود بھی بدعت سیئہ ہے قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی اور اس پر یہ مزید ہو گیا ہے کہ لوگوں نے اس پر اصرار بدرجہ سنت و وجب شروع کر دیا ایسی صورت میں تو بعض سنتوں کا ترک بھی ضروری ہو جاتا ہے کمافی المدخل لا بن امیر الحاج وغیرہ الغرض یہ عمل بدعت ہے اور حدیث میں ہے کل بدعة ضلالة -

بندہ محمد شفیع غفرلہ ۱۵/ صفر ۱۳۵۰ھ

گیارہویں، فاتحہ مروجہ، ایصال ثواب اور میلاد وغیرہ کے متعلق بحث نیز تقویۃ الایمان و حفظ الایمان اور بہشتی زیور کی شرعی حیثیت

(سوال ۵۵) (۱) گیارہویں شریف حضرت غوث پاک سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرنی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) طعام اور اس کے ساتھ کچھ پانی وغیرہ سامنے رکھ کر اس پر کچھ سورتیں قرآن مجید کی پڑھ کر اس کا ثواب کسی پیران عظام یا کسی اور اولیائے کرام یا کسی مسلمان کی روح کو ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں یا ویسے ہی کھانا مساکین کو تقسیم کر دیوے تو کیا اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

(۳) محض میلاد شریف کرنااور اس میں قیام کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(۴) پیری مریدی کرنا کیسا ہے اور جو اگر کوئی مرید نہیں ہوتے تو کچھ گناہ تو نہیں ہے ؟
(۵) کتاب تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان جو کہ مولانا محمد اسمعیل صاحب مرحوم یا کسی اور عالم نے تصنیف کی ہے اور کتاب تنبیہ الغافلین جو کہ سید عبداللہ شاہ صاحب ملا بغدادی عالم ربانی نے تصنیف کی اور نیز دیگر علماء بھی مثلاً مولانا محمد تقی صاحب دہلوی- مولانا محمد امین صاحب اور مولانا امیرین صاحب اور مولانا عبدالعزیز صاحب وغیرہ ہم نے تصنیف کی ہے اور کتاب بہشتی زیور اور حفظ الایمان جو مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے تصنیف کی ہے ان پر ہر چہار کتابوں کا احیا سمجھ کر اور حق جان کر رکھنا اور پڑھنا مذہب اہل سنت والجماعت میں درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا-
(نوٹ)اس کا جواب علماء شاہ جہانپور کا تحریر کردہ بھی ہے جس کا جواب میں اشارہ ہے-
(الجواب) مجیب صاحب شاہجہانپوری کا جواب ازروئے قواعد شرعیہ فقہیہ وکتب معتبرہ وحدیث وتفسیر صحیح نہیں- صحیح جواب جو عقائد اہل سنۃ والجماعت کے موافق یہ ہے-
(۱) گیارہویں شریف کی رسم جس کو عوام نے فرض وواجب کی طرح سمجھ رکھا ہے بلکہ بہت سے لوگ جو نماز روزہ کے پاس بھی نہیں جاتے بس گیارہویں شریف کو کافی سمجھتے ہیں یہ محض بدعت وناجائز ہے اگر کہا جائے کہ مقصود اس سے ایصال ثواب ہے تو تجربہ شاہد ہے کہ یہ خیال محض غلط ہے کیونکہ اگر ایصال ثواب ہی مقصود ہے تو خاص گیارہویں تاریخ میں پہنچ سکتا ہے دوسرے خاص حضرت غوث اعظمؒ ہی کی کیا تخصیص ہے کبھی ایصال ثواب ان کو کیا جاتا اور کبھی دوسرے بزرگوں کو جو ان کے بھی بڑے ہیں ظاہر ہے کہ حضرت غوث اعظمؒ جس شان اور جس درجہ کے کامل ولی اور اللہ تعالی کے مقرب بندے تھے صحابہ کرامؓ ان سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں لیکن ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ کوئی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے گیارہویں یا بارہویں کرتا ہو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ محض ایک رسم پڑگئی جس کا اتباع جاہلانہ طور پر لوگ کرتے ہیں ورنہ ایصال ثواب غرض نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ حضرت غوث اعظمؒ کو ایصال ثواب اس طرح کرے کہ اس میں بدعات شامل نہ ہوں تو بلاشبہ جائز و مستحسن ہے بدعات شامل نہ ہونے کی بہتر صورت تو یہ ہے کہ روپیہ نقد بالکل خفیہ طور پر غرباء ومساکین میں تقسیم کر کے ثواب پہنچادے- کیونکہ نقد دینے میں زیادہ ثواب ہے اور خفیہ دینے میں بھی بہ نسبت علانیہ کے زیادہ ثواب ہے اور کھانا کھلانا ہو تو بلاالتزام تاریخ معین جب وسعت ہو کھلاوے اس میں مضائقہ نہیں (کذافی العالمگیریہ ص ۲۳۸ ج ۴)
(۲) ایصال ثواب کے لئے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا ضروری نہیں بلکہ پڑھے بغیر صدقہ کردینے سے ثواب پہنچ جاتا ہے فاتحہ وغیرہ پڑھنے کو ایصال ثواب کی شرط سمجھنا ایک ایسی شریعت ہے جو قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں اور حدیث میں ہے کل من احدث فی امرنا ھذا فھو رد یعنی جو شخص ہمارے دینی کاموں میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات پیدا کرے وہ مردود ہے (مشکوۃ)

(۳) رسول کریم ﷺ کا ذکر مبارک اور آپ کے حالات طیبات کا پڑھنا اور سننا تو مسلمان کے لئے تمام امور میں خیرات وبرکات کا مدار ہے بلکہ واجب وضروری ہے لیکن محفل میلاد کی جو موجودہ زمانہ میں رسم پڑ گئی ہے اس میں طرح طرح کی بدعات اور ناجائز کام شامل ہو گئے ہیں اس لئے جمہور علماء امت نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس طرح اس محفل میں بوقت ذکر ولادت قیام کرنا بھی بالکل منگھڑت حکم ہے۔ شریعت اسلام میں کہیں اس کا نام ونشان نہیں حضور ﷺ کے ذکر ولادت کرتے ہیں یا مطلق ذکر کے وقت کھڑے ہو جانا نیز صحابہ کرامؓ کی ہزاروں کی جماعت میں سے کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ ذکر ولادت کرتے وقت تعظیماً کھڑے ہو گئے ہوں اور ظاہر ہے کہ اگر یہ قیام کوئی واقعی تعظیم کی چیز ہوتی تو صحابہ کرامؓ اس کو ہرگز نہ چھوڑتے کیونکہ ان سے زیادہ کوئی شخص حضور ﷺ کی تعظیم نہیں کر سکتا مفصل اس مسئلہ کی بحث اگر دیکھنی ہو تو رسالہ فتاویٰ میلاد اور طریقہ میلاد اور براہین قاطعہ وغیرہ منگا کر دیکھئے۔

(۴) پیری مریدی کرنا جائز ہے مگر اس میں سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ پیر عالم متبع سنت ہو اور مرید محض خدا کے لئے ان کی طرف اپنی اصلاح باطن کے لئے رجوع کرے دنیوی فتوحات کے لئے نہیں (کذا ذکرہ الشاہ ولی اللہ فی القول الجمیل) اس مسئلہ کی مفصل تحقیق چاہتے ہیں تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کا رسالہ مترجمہ اردو شفاء العلیل ترجمہ قول الجلیل منگا کر پڑھئے۔

(۵) تقویۃ الایمان، بہشتی زیور، حفظ الایمان وغیرہ کتابیں نہایت متبع بزرگ اور متقی حنفی المذہب عالموں کی تصانیف ہیں ان کو حق سمجھ کر پڑھنا پڑھانا باعث برکات اور اصلاح ظاہر وباطن ہے کیونکہ ان میں جو مسائل لکھے ہیں وہ سب قرآن وحدیث اور فقہ کی معتبر کتابوں سے لکھے ہیں اور ان کے علاوہ جن کتب کے متعلق دریافت کیا ہے وہ احقر کی نظر سے نہیں گزریں کہ ان کا حال معلوم ہوتا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

محفل میلاد، گیارہویں، عشرہ محرم کی بدعات

(سوال ۵۶) مولود شریف جو مروجہ طریقہ سے ہوتا ہے کیا حکم رکھتا ہے۔ مولود شریف میں قیام جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ناجائز ہے اور اگر بدعت وتعینات مروجہ سے خالی ہو تو جائز ہے

(سوال) شیخ عبدالقادر جیلانی کی گیارھویں ایصال ثواب کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایصال ثواب جائز ہے بشر طیکہ گیارہویں کی تخصیص نہ کرے۔

ایصال ثواب کے لئے عشرہ محرم کی تخصیص

(سوال ۵۷) حضرت امام حسینؓ کی فاتحہ خوانی جو عشرہ محرم میں ہوتی ہے اس کے لئے کیا حکم ہے نیز ان کا ذکر شہادت پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب) ایصال ثواب یا ذکر شہادت کے لئے عشرہ محرم کی تخصیص لغو اور بدعت ہے بلا تعین کبھی کسی

وقت کرے تو جائز اور ثواب عظیم ہے۔ (۲۹/ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

یوم عید میلاد النبی ﷺ اور اس میں شرکت

(سوال ۵۸) یوم النبی ﷺ کا بہت جگہ بہت چرچا ہے اور اس جگہ میں بھی اسکا اہتمام ہے اس میں شرکت کرنا و چندہ دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بنیوا توجروا۔

(الجواب) یوم النبی ﷺ کے جلسے جن تقیدات و تعینات کے ماتحت ہو رہے ہیں یہ تو وہی محفل میلاد ہے جس کو نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے میرے نزدیک تو قدیم طرز کی عید میلاد یا مطلق محفل میلاد میں اور ان جلسوں میں کوئی فرق نہیں جس طرح وہ بدعت ہیں بلاشبہ یہ بھی بدعت ہیں رسول اللہ ﷺ کا کیا یہی حق امت پر ہے کہ سارے سال میں صرف ایک دن اور وہ بھی محض تماشے کے طور پر آپ کا ذکر مبارک جھوٹے سچے رسالوں سے پڑھ دیا اور پھر سال بھر کے لئے فارغ ہو کر آئندہ بارہ وفات کے منتظر ہو کر بیٹھ جائیں ۔ افسوس! مسلمانوں کا فرض تو یہ ہے کہ کوئی دن آپ کے ذکر مبارک سے خالی نہ جائے البتہ یہ ضروری نہیں کہ ذکر فقط ولادت ہی کا ہو کبھی آپ کی نماز کا کبھی آپ کے روزہ کا اور کبھی آپ کے اخلاق و اعمال کا جو کہ سب سے زیادہ اہم ہیں کبھی ولادت باسعادت کا بھی ہو جائے تو باعث برکت ہے۔ (واللہ اعلم)

(جواب استفتاء دیگر)

یہ جلسے بحالت موجودہ بالکل بدعت اور بہت سے منکرات شرعیہ پر مشتمل ہیں اور آئندہ کے لئے جو خطرات سوال میں ظاہر کئے گئے ہیں قریب الوقوع معلوم ہوتے ہیں باقی رہا یہ سوال کہ ان جلسوں میں کچھ منافع تبلیغ احوال سیرت وغیرہ موجود ہیں سو یہ منافع ضرور موجود ہے بلکہ شاید اس دنیا میں کوئی بد سے بدتر فعل بھی نہ نکلے جس سے کوئی منافع حاصل نہ ہوا ہو لیکن شریعت ایسے منافع کے حق میں بھی یہی فیصلہ صادر کرتی ہے کہ (اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا) یعنی ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ اس لئے سرے سے ان جلسوں کی شرکت و اہتمام و التزام بدعت ہے جس کا ترک ضروری ہے اور یاد رکھئے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس طریق سے جو خود نبی کریم ﷺ نے امت کے ہاتھ میں دیا ہے نئی نئی شریعتیں اور نئے نئے طریقے بجائے اصلاح کے ہمیشہ افساد کا ذریعہ بنتے ہیں امام مالکؒ نے خوب فرمایا ہے۔ یعنی جو چیز آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔ (واللہ اعلم)

(اضافہ)

گیارہویں کے کھانے کا حکم

(سوال ۵۹) گیارہ تاریخ کا کھانا پکا کر غوث اعظم کے لئے ایصال ثواب کرنا اور یہ کہنا کہ یہ کھانا بڑے پیر صاحب کی نیاز کا ہے یا یہ کہنا گیارہویں کا ہے۔ ایسے کھانے حلال ہیں یا نہیں؟

(الجواب) اگر بڑے پیر صاحب ہی کے نام کی نذر ہے تو حرام ہے اگر کھانا مساکین کو بطور صدقہ کے خالصاً

لوجہ اللہ کھلائے اور پھر اس کا ثواب پیر صاحب کو بخشے تو یہ کھانا حرام نہیں ہوگا لیکن خاص گیارہویں تاریخ کا تعین کر کے کھلانا اور اس کا التزام کرنا یہ بدعت و ناجائز پھر بھی ہوگا اور دلیل مسئلہ یہ ہے- قال فی البحر الرائق من النذر النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الشمع والزیت و نحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالا جماع حرام لوجوہ منھا انہ نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا یجوز لانہ عبادۃ والعبادۃ لا یکون للمخلوق و منھا ان المنذ ورلہ میت والمیت لا یملک ومنھا انہ ظن ان المیت یتصرف فی الامور دون اللہ و اعتقادہ ذلک کفرالا ان قال یا اللہ انی نذرت لک ان شفیت مریضی او قضیت حاجتی ان اطعم الفقراء الذین بباب السیدۃ نفیسہ الی قولہ والنذر اللہ وذکر الشیخ انما ھو محل تصرف النذر و مستحقیہ (ثم قال ولانہ حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذہ بحر الرائق کتاب الایمان) (واللہ تعالیٰ اعلم)

نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرنا

(سوال ٦٠) ماقولکم ور الانبیاء فی الدعاء للمیت و قراء ۃ الفاتحۃ اوبشئی من القرآن لایصال الثواب الیہ بعد الفراغ عن الصلوٰۃ علیہ فھل یثاب للمیت ام لا. ام یضیع اللہ عمل العلمین افتونا ولکم الدرجات العلی فی جنات ولا فناء لھا؟

(الجواب) الدعاء للمیت وقراء ۃ الشئی من القرآن بعد صلوٰۃ الجنازۃ لایصال الثواب الی المیت لم یثبت عمن ھوا شفق علی امتہ واٰلہ واصحابہ من سائر الاباء والا مھات ولا عن احد من خلفائہ الراشدین ومن بعدھم من الصحابۃ والتابعین فلوکان فی ذلک حسنی لسبقونا الیھا فعرفنا من ھھنا انھا بدعۃ و ضلالۃ ولیس بعمل صالح قد قال فیہ تبارک و تعالیٰ لا یضیع عمل العاملین وقد صرح بہ خلاصۃ الفتاویٰ (واللہ تعالیٰ اعلم)

جنازہ کے ساتھ جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے

(سوال ٦١) جنازہ کے ساتھ متبعین کو بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے یا نہ اور اس کے ساتھ جھنڈا لے جانا اور مولود خوانی کرنا شرعاً کیسا ہے-؟ بینوا توجروا.

(الجواب) نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ تابعینؒ اور ائمہ دین میں کسی سے بھی کسی ضعیف روایت میں قولاً یا عملاً منقول نہیں اس لئے بدعت شنیعہ اور ایسا کرنا گناہ ہے اور اس کو ثواب باعث برکت سمجھنا دوسرا گناہ- لحدیث عائشۃؓ کل من احدث فی امرنا ھذا فھورد وقد وردت الاحادیث الکثیرۃ فی النھی عن الا بتداع فی الدین وسوء منقلب اھلھا- اعاذنا اللہ تعالیٰ-

مستدرک کی ایک روایت سے سجدہ لغیر اللہ کے جواز کا شبہ اور اس کا جواب

(سوال ۶۲) حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب، ثنا العباس بن محمد بن حاتم الادرى، ثنا ابوعامر عبدالملك بن عمر العقدى، ثنا كثير بن زيد عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان يوماً فوجد رجلاً و اضعا وجهه على القبر فاخذ برقبته وقال اتدرى ماتضع قال: نعم فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب الانصارىؓ فقال جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تبكوا اعلى الدين اذا وليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا وليه غير اهله هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه فى تلخيص المستدرك- المستدرك كتاب الفتن ص ۵۱۵ ج ٤

مہربانی فرما کر اس حدیث کی صحت رواۃ و سقم سے پوری بحث فرما کر اپنا مسلک واضح فرمائیں نیز اس حدیث کی توجیہ سے بھی تسلی بخش اطلاع فرمائیں-نوازش ہوگی؟

(الجواب) وبالله التوفيق-سائل کی غرض غالباً یہ ہے کہ اس حدیث کی بظاہر سجود و قبر یا سجود لغیر اللہ کا جواز مترشح ہوتا ہے اس کا جواب مانعین سجود کیا دیں گے-

پس واضح ہے کہ حدیث میں واضعا وجهه على القبر ہے واضعاً جبهته نہیں اور وضع الوجہ مطلقاً مستلزم سجود نہیں پھر اگر تسلیم کر لیا جاوے کہ یہاں وجہ سے مراد جبہہ ہے تو علی القبر کا لفظ بتلا رہا ہے کہ قبر مسجود علیہ جس کا اس سے مسجود لہ ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے علاوہ اگر ان عام احاث سے اغماض کر کے فرض کر لیا جائے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اپنے کسی حال میں قبر کو سجدہ کر رہے تھے (معاذ اللہ) تو یہ ایک اثر موقوف ان معتبر احادیث مرفوع کا معارضہ نہیں کر سکتا جن میں بعض صحابہؓ نے آپ کو سجدہ کرنے کا اذن طلب کیا اور آپ نے اجازت نہ دی اور یہ فرمایا کہ اگر میں اللہ کے سوا دوسرے کو سجدہ کرنے کی اجازت یا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے پس جب حضور اکرم ﷺ نے حالت حیات میں اجازت سجود کی نہ دی تھی تو بعد وفات اپنی قبر کو سجدہ کرنے کو کیسے جائز کہہ سکتے ہیں درانحالیکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت مطلقاً ثابت ہو چکی کہ جس میں آپ ﷺ بھی داخل ہیں-

اب ابو ایوبؓ کے اثر کا حال باعتبار سند کے سن لیجئے حاکم سے تو تعجب نہیں کہ انہوں نے صحیح الاسناد کہہ دیا کیونکہ ان کا تساہل اس بارہ میں ضرب المثل ہو چکا ہے-قال ابوسعيد الماردينى طالعت المستدرك الذى للحاكم من اوله الى آخره فلم ارفيه حديثا على شر طيهما قال الذهبى هذا اسراف و علومن الماردينى والا ففيه جملة وافراة على شرطيهما و جملة كثيرة على شرط احدهما و لعل مجموع ذلك نحو نصف الكتاب و فيه الربع مما صح سنده و فيه بعض الشئى و ما بقى وهو نحو الربع فهو مناكير واهيا نت لا تصح وفى بعض ذلك موضوعات و جمع الذهبى جزاءً فى الاحاديث التى فيه وهى موضوعات. وهى نحو مأة. مقدمه فتح الملهم ص ۱۰۱-

ہاں تعجب حافظ ذہبی سے ہے کہ انہوں نے ملخص میں اس کی تصحیح کیسے کر دی حالانکہ اس کے ایک راوی کثیر ابن زید کی نسبت علامہ مناوی شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں-و كثير بن زيد اورده الذهبى فى

الضعفاء وقال ضعفه النسائی و قبله غیرہ یعنی خود ذہبی اس کو ضعفا میں ذکر کر رہے ہیں۔
اس میں شبہ نہیں کہ اس کی توثیق و تضعیف میں اختلاف ہے جیسا کہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے مگر کتب رجال کے تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ توثیق کرنے والے بھی اکثر بصیغہ تلیین و تمریض' لاباس وغیرہ کا حکم لگا رہے ہیں چنانچہ ابو حاتم نے تو اپنی عبارت میں دونوں مضمون جمع کر رہے ہیں صالح لیس بقوی یکتب حدیثه اھ خلاصہ یہ کہ اگر تضعیف بھی نہ کیا جائے تو ایسا قوی بھی نہیں جس کی حدیث احکام میں قابل احتجاج ہو ہاں اعتبار استشہاد کی طور پر استعمال ہو سکتی ہے حافظ ابو جعفر طبری کہتے ہیں و کثیر بن زید عندھم کمن لا یحتج بنقله کذافی التهذیب آپ غور کیجئے کہ سجود لغیر اللہ کی اثبات میں ایسے کمزور نقل سے استناد کرنا کہاں تک جائز ہو سکتا ہے پھر آگے چلئے کثیر ابن زید یہاں داؤد بن صالح سے روایت کرتے ہیں داؤد کی نسبت حافظ ابن حجر خود ذہبی کا قول نقل کرتے ہیں قراءت بخط الذھبی لا یعرف اھ یعنی اس کا کوئی حال معلوم نہیں چنانچہ میزان میں ذھبی نے صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفاء کیا کہ اس سے کثیر بن زید کے سواء اور کوئی روایت نہیں کرتا یعنی مجہول العین ہوا حافظ ابن جو بھی تہذیب اور لسان میں اس سے زیادہ کچھ نہ بتلا سکے نہ توثیق و تضعیف کا کچھ حکم لگایا جس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہ راوی مجہول العین بھی ہے اور مجہول الوصف بھی اور علامہ مناوی نے فیض القدیر میں ابن حبان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کان میری اعوضوعات اھ (فیض ص ۳۸۷ ج ۶) یعنی موضوع احادیث روایت کرتا تھا تمام مواد پر نظر رکھتے ہوئے حیرت ہوئی کہ تلخیص مستدرک میں ذہبی نے ایسی اسناد پر صحیح کا حکم کیسے لگادیا بظاہر غفلت ہوئی۔

واللہ اعلم بالصواب۔(کتبہ العبد شبیر احمد العثمانی الدیوبندی) ۲۲ شعبان ۶۴ھ

سجدہ تعظیم۔قدم بوسی اور یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ وغیرہ کے احکام

(سوال ۶۳) پیر کو سجدہ تعظیمی کرنے والے اور پیر کے قدم پر آنکھ و سر لگا کر قدم بوسی کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) جو شخص بغداد کی طرف منہ کر کے غوث پاک کو سجدہ کرے اور زبانی کہے کہ غوث پاک اور اللہ دونوں ایک ہیں ان پر ازروئے شرع کیا حکم ہے؟

(۳) یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کی تسبیح بطور وظیفہ کے پڑھنے والے پر کیا حکم ہے؟

(۴) ان افعال مذکورہ کے کرنے والے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۵) جو پیر ایسے فعل اپنے مریدوں سے کرائے اس کی بیعت کو قطع کر کے دوسرے پیر صاحب طریقت کے ہاتھ پر بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب بحوالہ قرآن وحدیث شریف وفقہ دیا جاوے؟

(الجواب) (۱) یہ فعل کفر ہے اور حرام ہے اس کو توبہ کرنا اس فعل کو ترک کرنا واجب اور لازم ہے اور احتیاطاً تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرنا جائز ہے درمختار میں ہے و کذاما یفعلونه من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام و الفاعل و الراضی به آثمان لانه یشبه عبادة الوثن وھل یکفران علی وجھه العبادة والتعظیم کفر وان علی وجه التحیة لایصیروا أثما مرتکباً للکبیرة الخ

(۲) ایسا شخص فاجر اور فاسق اور سخت گناہ گار مرتکب حرام ہے بلکہ خوف کفر ہے جب تک توبہ نہ کرے اور ان افعال واقوال کو بالکل ترک نہ کرے مسلمانوں کو اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھنا چاہئے۔
(۳) علامہ شامی نے عدم تکفیر کو ترجیح دی ہے اور توبہ استغفار اور تجدید نکاح کا حکم فرمایا ہے جب کہ قائل کو یہ خبر نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور اگر وہ سمجھدار ہے اور معنی صحیح مراد لیتا ہے تو اس صورت میں "لا بأس به" فرمایا ہے۔ و ینبغی ان یرجح عدم التکفیر فانه یمکن ان یقول اردت اطلب شیئا اکرام الله تعالیٰ اه شرح الرهبانیه قلت فینبغی او یجب التباعد عن هذ ه العبارة وقد مرّان ما فیه یؤمر بالتوبة والا ستغفار و تجدید النکاح لکن هذا ان کان لا یدری ما یقول اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر انه لا باس به۔
(۵) ایسے شخص کو پیر بنانا جائز نہیں ہے۔ اس کی بیعت توڑ کر دوسرے پیر متبع شریعت سے بیعت ہونا بلا تامل جائز ہے ونعم ماقال العارف الرومی ای بسا ابلیس کآدم روی ہست۔بس ہر دستے نباید داد دست۔
والله تعالیٰ اعلم۔کتبہ مسعوداحمد عفی اللہ عنہ۔
جوابات صحیح ہیں۔اور چونکہ اس قسم کے افعال کرنے والوں کے افعال واقوال میں تاویلیں ہو سکتی ہیں اس لئے ان کو کافر نہ کہا جاویگا مگر اس میں شک نہیں کہ خوف اندیشہ کفر کا ہے۔(والله تعالیٰ اعلم) محمد شفیع۔

"رسالة المقالة الرضیه فی حکم سجدة التحیه"

بسم الله الرحمٰن الرحیم

اعلم انه قد اجتمعت کلمة الامة المحمدیه علی صاحبها الصلوٰة والسلام علی ان السجود لغیر الله تعالیٰ ان کان علی وجه العبادة والتقرب الیه فهو کُفْرٌ بَوَّاۃٌ وارتداد واضح اعاذنا الله تعالیٰ منه وهو مما یستحیل ان یباح فی شریعة من الشرائع اولا مة من الامم فی وقت من الاوقاف ولم یروعن احد ممن ینتحل الی الملة الاسلامیة او غیرها من الادیان السماویة من جوزه اوارتکبه وان کان علی وجه التحیة والتعظیم لا العبادة فالمسجود له ان کان مما لا یسجد الیه الا کافرو کان السجدة الیه من شعار الکفرة کالسجود للصنم اوالشمس اولغیر ها من الابنیة والا شجار التی عرفت فی بلادنا من معبودات البراهمة فهو ایضاً کفراً اجماعاً لا یختلف فیه اثنان ولا ینتطح فیه غفران وذالك لانا نحکم بالظاهرو ظاهره لا یسمع التاویل فان من سجد للصنم اوالشمس او ذهب الی الکنائس مع شدالزنار ثم ذهب یتأول بانه لم یفعل ذلك عبادة بل تحیة و تعظیما فقد کذب الظا هرون. اعتبرت امثال هذه التاویلات اعذاراً لم یبق کافر کافراً فان عبدة الاصنام کلهم یزعمون انهم انما یعبدونها لیقربوهم الی الله زلفی– نعم کان هذا الحکم مقصوراً علی الظاهر و احکام الدنیا وامر الباطن اوالحقیقة فهو مفوض الی عالم السرائر و الضمائر–

وذٰلك لمافی الاعلام بقوا طع الاسلام للعلامة ابن حجر الهیثمی عن المواقف و شرحها ان من صدق بما جاء به النبی ﷺ و مع ذلك سجد للشمس كان غیر مومن بالا جما ع لان سجوده لها یدل بظاهره انه لیس بمصدق و نحن نحكم بالظاهر فلذلك حكمنا بعدم ایمانه (الی قوله) حتی لو علم انه لم یسجد لها علی سبیل العبادة و اعتقاد الا لوهیة بل سجد لها و قلبه مطمئن بالتصدیق لم یحكم بكفره فیما بینه و بین الله وان اجری علیه حكم الكافر فی الظاهر. انتهٰی[1] و مثله فی كتاب الزواجر[2] لابن حجرؒ حیث قال و فی معنی ذلك كل من فعل فعلاً اجمع المسلمون علی انه لا یصدر الامن كافروان كان مصرحا بالا سلام كالمشی الی الكنائس مع اهلها بزیهم من الزنا نیرو غیرها–

والحاصل ان السجود لغیر الله تعالی ان كان بقصد العبادة او علی وجه یكون شعار الكفرة و یعلم بظاهره انه للعبادة وان انكر قصد العبادة فهو كفر اجماعاً–[3] بقی مالم یقصد فیه العبادة لغیر الله ولم یقع لسجود الكفرة فاختلفوا فی كونه كفراً وارتداداً بعد ما اتفقوا علی انه حرام و معصیة كبیرة یخشی علیه الكفر كما فی الاعلام[4] عن الروضة للنوری و لیس من هذا ما یفعله كثیر ون من الجهلة الظٰلمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذالك حراماً قطعاً بكل حال سواء كان المقبلة او لغیر ها وسواء قصد السجود لله او غفل و فی بعض صوره ما یقتضی الكفر اعاذنا الله تعالی من ذالك انتهی– و كما فی خطر[5] ردالمحتار عن الزیلعی و ذكر الصدی الشهید انه لا یكفر بهذا السجود ولانه یریدبه التحیه وقال شمس الائمة السرخسی ان كان لغیر الله تعالی علی وجه التعظیم كفر و فی الظهیریة یكفر بالسجدة مطلقاً ه وفی كراهیة الهندیة من سجد للسلطان علی وجه التحیه او قبل الارض بین یدیه لا یكفر ولكن یأثم لارتكابه الكبیرة هو المختار قال الفقیه ابو جعفرؒ وان سجد للسلطان بنیة العبادة اولم تحضره النیة فقد كفر كذا فی جواهر الاخلاطی انتهٰی– ثم من ذهب انه كفر مطلقاً قال انه لا فارق بین السجود للصنم والشمس وبین الآ باء والمشائخ وغیرهم من المخلوقین ومن فرق بینهما قال ان مشروعیة التعظیم والتكریم فی حق الآباء والمشائخ وامثالهم وجواز السجود لهم فی الشرائع السابقة كمافی قصة یوسف للابوین وفی قصة آدم علیه السلام للعالم الاكبر منهم قامت شبهة دارئة لكفر من سجد لهم و عند وقوع الشبهة لا نحكم بالكفر وانكان علی شفا حفرة منه لخطر الحكم بكفر مسلم–

(۱) اعلام علی هامش الزواجر ج۲ ص۳۳
(۲) زواجر ج۱ ص۲٤
(۳) نعم ان ثبت عذره من الاكراه وامثاله او علم بالیقین انه فعله استهزاءً وسخریة فلان حكم بكفره كما فی الزواجر ج ۱ ص۲٤ ومثله فی الاعلام ج ۲ ص ۳٤
(٤) اعلام بقواطع الاسلام ج ۲ ص ۳٤
(۵) رد المحتار استنبولی ج ۵ ص ۳۳۸

هذا ملخص ما فی الاعلام[1] بعد ما ذکر استشکال العزالدین عبدالسلام الفرق بینهما و بعض الفاظه و علی هذا فهذ الجنس (یعنی سجود التعظیم) قد ثبت للوالدولوفی زمن من الازمان و شریعة من الشرائع فکان شبهة دارئة لکفر فاعله بخلاف السجود لنحو الصنم اوالشمس فانه لم یردهو ولا ما یشا بهه فی التعظیم فی شریعة من الشرائع فلم یکن لفاعل ذلک شبهة لا قویة ولا ضعیفة فکان کافراً ولا نظر لقصد التقریب فیما لم تردالشریعة بتعظیمه بخلاف ماوردت بتعظیمه فاند فع الاستشکال واتضح الجواب عنه-

هذا بیان مذاهب الامة فی السجود لغیر الله تعالیٰ و تفصیل احکامه و یستشکل علیها قوله تعالیٰ واذ قلنا للملائکة اسجدو الأدم فسجدو - الأیة -

والجواب عنه ما فی احکام القران[2] للجصاص - وقد کان السجود جائزا فی شریعة آدم علیه السلام للمخلوقین و یشبه ان یکون قد کان باقیاً الی زمان یوسف علیه السلام فکان فیما بینهم لمن یستحق ضرباً من التعظیم و یراد اکرامه بتبجیله بمنزلة المصافحة والمعانقة فیما بیننا و بمنزلة تقبیل الیدوقدروی عن النبی ﷺ فی اباحة تقبیل الید اخبار وقدروی الکراهة الا ان السجود لغیر الله تعالیٰ علی وجه التکرمة والتحیة منسوخ بماروت عائشة و جابر بن عبدالله و انس ؓ ان النبی ﷺ قال ما ینبغی لبشر ان یسجد لبشر ولو صلح لبشر ان یسجد لبشرلامرت المرأة ان تسجد لزوجهامن عظم حقه علیها . لفظ حدیث انس بن مالک ؓ .

قال عبد الضعیف غفر الله له ذنوبه وستر عیوبه ان ملا حظة ما اختصت به الامة امیة من المزایا فی الاحکام واحکامها وماتکفل الحق سبحانه وتعالیٰ لها من حفظ هذه الشریعة واعلامها لنها قدحمیت عن اسباب الشرک ودواعیه کما جنبت عن عینه ودواعیه فان من حام جول حمی اوشک ان یقع فیه .بخلاف الامم السابقة فانها قد حرم علیها عین الکفر والشرک ولم یحرم علیهم کل ماعسی ان یکون سبباً للابتلاء به . الا تری ان التصاویر والتماثیل وصنعتها کانت مباحة فی الشرائع السابقة کما فی قوله تعالیٰ ویعملون له محاریب وتماثیل. الأیة. وقوله تعالیٰ واخلق لکم کهیئة الطیر وامثاله ولکن استعمالها بالتعظیم والتکریم صار ذریعة الی الابتلاء بالشرک فنهی الله سبحانه وتعالیٰ هذه الامة عنه -

ومن هذاالقبیل نهیه علیه السلام عن الصلٰوة وقت الطلوع والغروب واستواء الشمس فی الظهیرة.کما رواه الستة.ونهیه علیه السلام للعبید ان ینادو سیدهم بیارب وللسیّد ان ینادی عبده بیا عبد کما اخرجه مسلم فی الصحیح.حذر ان یکون ذلک فی مدی الدهر ذریعة الی الشرک وعبادة المخلوقین فتهلک الامة کما هلک من قبلها من الامم.

---

(۱) اعلام ج ۲ ص ۳۳

(۲) احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۳۵ .

فاذا تقرر هذا فقد حصحص الحق فی سجود التحیة انه لیس بکفر ولا شرک فی نفسه ولهذا ابیح فی الشرائع السابقة الاانه صار ذریعة الی الشرک فی القرون الخالیة فضلوا و هلکو فاقتضت العنایة الآلهیه لهذه الامة ان یحرم علیها السجود لغیر الله مطلقاً وان کان من قصد العبادة علی بون بعید- فنسخ ما کان علیها امم السابقة- من جواز السجود بقصد التحیة و التکریم هذا -

لایقال کیف نسخت آیة القرآن المبین بخبر الواحد لا نا نقول ان الروایة التی قالت الامة بکونها ناسخة قد بلغت حد الشهرة بل التواتر کما بینه حجة الله فی الارض شیخنا اشرف المشائخ فی هوامش تفسیره بیان القرآن. وهذه عبارته بلفظه سجدة التحیة کان مشروعاً فی شرع من قبلنا ونسخ فی شرعنا والناسخ مارواه الترمذی عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال لو کنت آمراً احدًا ان یسجد لاحد لامرت المراة ان تسجد لزوجها و فی العزیز ی قال الشیخ حدیث صحیح اه

وقال الترمذی وفی الباب عن معاذ بن جبل و سراقه بن مالک و صهیب وعقبه بن مالک بن جعشم و عائشة وابن عباس و عبدالله بن ابی اوفی وطلق بن علی وام سلمة وانس وابن عمراه وفی نیل الاوطار وقدروی حدیث ابی هریرةؓ المذکور فی البزار باسناد فیه سلیمان بن داؤد الیمامی وهو ضعیف واخرج قصة معاذ المذکورة فی الباب (التی عزاها الماتن الی احمد وابن ماجه عن عبدالله بن ابی اوفی) البزار باسناد رجاله رجال الصحیح واخرجها ایضا البزار- والطبرانی باسناد آخر وفیه النحاس بن قهم وهو ضعیف واخرجها ایضاً البزار و الطبرانی باسناد آخر رجاله ثقاة و قضیة السجود ثانیة عن حدیث ابن عباس عند البزار ومن حدیث سراقة عند الطبرانی و من حدیث عائشة عند احمد وابن ماجه ومن حدیث عصمة عند الطبرانی وعن غیر هٰؤلاء وحدیث عائشة الذی ذکره المصنف ساقه ابن ماجه باسناد فیه علی بن زید بن جدعان و فیه مقال (ضعفه کثیر ون ووثقه بعضهم واخرج له مسلم مقرونا بغیره کمافی التهذیب) و بقیة اسناده من رجال الصحیح(واورد هذا الحدیث ابن الجارودفی المنتقی فهو صحیح عنده فانه لا یاتی الا بالصحیح کما صرح به السیوطی فی دیباجة جمع الجوامع وحدیث عبدالله بن ابی اوفی ساقه ابن ماجه باسناد صالح اه مختصرا وفی الترغیب للمنذری بعد روایة انس بن مالک مع قصة الجمل رواه احمد باسناد جید رواته ثقاة مشهور ون والبزاز بنحوه و رواه النسائی مختصر اوابن حبان فی صحیحه من حدیث ابی هریرة بنحوه باختصار و فیه بعد روایة قیس بن سعد رواه ابوداؤد فی اسناده شریک وقد اخرج له مسلم وثق (قلت لما سکت عنه ابوداؤد فهو حجة عنده) وفیه بعد حدیث ابن ابی اوفی رواه ابن ماجه و ابن حبان فی صحیحه اه وساق فی کنز العمال بهذا الحدیث متونا عدیدة و طرقاً کثیرة

فسردمنها سوی التی ذکرنا ها آنفاحاکم عن بریدة و قیس ابن سعد (ولم یتعقب علیهما السیوطی بل صحهما فی الصغیر صریحاً فهما حدیثان صریحان) والترمذی عن انس و الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس و البیهقی عن ابی هریرة و عبدابن حمید عن جابر و الطبرانی فی الکبیر و سعید ابن منصور عن زید ابن ارقم اه وفی خصائص الکبریٰ روایات کثیر منها روایة ثعلبة بن ابی مالك عند ابی نعیم و راویة یعلی بن مرة عند الطبرانی وابی نعیم وجدت فی قرطاس عتیق بخطی ولم یحضرنی فی الاٰن من این کنت اخذته ان الحدیث رواه ابوداؤد و الطبرانی و الحاکم و البیهقی عن قیس بن سعد و الترمذی عن ابی هریرة والدارمی و الحاکم عن بریدة واحمد عن معاذ والطبرانی عن سراقة بن مالك و صهیب و عقبه بن مالك و غیلان بن مسلم و رواه ابن ابی شیبة عن عائشةؓ و البیهقی ایضاً عن ابی هریرة کذافی جمع الجوامع للسیوطی انتهٰی مافی القرطاس فهذه اسانید جدیدة بعضها صحیحة و بعضها حسن و بعضها ضعیف یقوی باٰخر و منتهی هذه الاسانید الی عشرین صحابیاً لو اقتصرنا علی الطرق المارة ' والحدیث اذاروی من عشرة فهو متواتر علی القول المختار - (کمافی تدریب الراوی) فهذا الحدیث متواتر بالا ولی وان اختلف احدفی تواتره للاختلاف فی العددالذی یحصل به التواتر فلا یمکنه ان ینکر من کونه مشهوراً ویکفی المشهور لنسخ المتواتر علی ما تقرر فی الاصول و یشهد له عمل الخلفاء والصحابةؓ من بعده مسند ماروا‌ه الحاکم فی المستدرك فی معرفة الصحابة ان عمرؓ لما نزل بالشام جاء دهقان یستدل علی امیر المومنین حتی اتاه فلما رای الدهقان عمر سجد فقال عمر ماهذا السجود فقال هکذا نفعل بالملوك فقال عمر اسجد لربك الذی خلقك (مستدرك ص ۸۲ ج ۳) وقال الذهبی فی التخلیص هکذا الحدیث صحیح (قلت) مسلم ترکوه- واطلنا الکلام فیه للضرورة الداعیة فی هذا الزمان والا یکفینا اجماع الامة ولم یوثرعن احد من السلف ولامن الخلف اختلف فی حرمة سجدة التحیة مع تفحص کثیر من کتب التفسیر والحدیث والفقه-وما نقل عن بعض الصوفیه فی کتب تواریخهم لم یثبت عنهم وان ثبت فلا عبرة بقوله لا نهم لیسوا ممن یعتد بقوله فی الاجماع فلا یعتد به ایضاً فی هذا المقام لان الاجماع السابق لا یرتفع بالا ختلاف اللاحق نعم لا یلام علیهم لعدم اشتغالهم بالتحقیقات العلمیة و مع ذالك لا یحتج بقولهم و ضیعهم لا سیما اذا ثبت النکیر عن بعض اکابر هم و یحتاج الی هذا الکلام اذا سلم ان سجود الملئکة لاٰدم و سجود اخوة یوسف و ابیه له کان سجود احقیقیا وکان تحیة لهما والحال انه مختلف فیه فقال بعضهم لم یکن سجودا حقیقیاً بل هو کنایة عن التعظیم وقال بعضهم کان آدم و یوسف بمنزلة الکعبة لنا فاللام بمعنی الی وقال بعضهم اللام للسبب ای کانت السجدة لله تعالٰی شکرا علی ما انعم الله علیهم لاجل یوسف وآدم علی نبینا و علیهما السلام واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال و حینئذٍ لا یحتاج

الی اثبات النسخ و یثبت الحرمة بخبر الواحد ایضاً و نقول ایضاً ان الاٰیة وان کانت قطعی الثبوت ولکنها ظنی الدلالة فلا بعد فی نسخها بحدیث ظنی الثبوت قطعی الدلالة کمالا یخفی- واللّٰہ اعلم بالصواب.

ترجمة المقالة المرضية فی حکم سجدة التحية
مسمی
اعدل التعليم فی حکم سجدة التعظيم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم

بعد الحمد والصلوٰۃ جاننا چاہئیے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم یہی ہے-

سجدہ عبادت

امت مسلمہ کا قرناًبعد قرنٍ اس بات پر اتفاق رہا ہے اور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو سجدہ کرنا خواہ وہ انسان زندہ ہو یا مردہ خواہ وہ از قبیل جمادات ہو یا حیوانات- الغرض کوئی بھی اللہ تعالےٰ کے سوا ہو اس کو سجدہ عبادت وبندگی کی نیت وارادہ سے کیا جاوے اور اس کو معبود قرار دیکر سجدہ کریں تو یہ سجدہ صریح کفر اور خروج عن الایمان ہوگا اور اس کا مرتکب یقیناً کافر و مرتد ہو جائے گا-

اور یہ سجدۃ العبادۃ کبھی کسی مذہب حق اور دین الٰہی میں مشروع اور مباح نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ کسی اہل علم نے علماء اہل السنۃ والجماعت میں سے اس کو کسی وقت جائز قرار دیا ہے بلکہ تمام علمائے سلف و خلف کا اجماع کفر وارتداد ہونے پر رہا ہے-

سجدہ تعظیم

البتہ سجدہ تعظیم یعنی حق تعالےٰ کے غیر کو سجدہ بندگی عبادت کے قصد سے تو نہ کریں بلکہ محض ادب و تعظیم کے طور پر جیسے قیام تعظیم کیا جاتا ہے اسی طرح پر سجدہ تعظیمی کیا جاوے اس کے حکم میں تفصیل ہے-

اگر یہ سجدہ تعظیم ان چیزوں کو کیا جاوے جن پر سجدہ کرنا خاص کفر کی علامت اور کفار کا شعار ہے جیسے بت یا پیپل کا درخت یا گنگا جمنا یا چاند سورج وغیرہ تو یہ سجدہ تعظیم بھی باجماع امت اور باتفاق علماء کفر و شرک ہے اس کا کرنے والا کافر مرتد ہے اگرچہ اس کا مرتکب نیت عبادت کی نہ رکھتا ہو کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر عمل سے متعلق ہیں نہ نیات سے- البتہ ممکن ہے کہ عند اللہ سبحانہ وتعالےٰ وہ مومن ہو مگر احکام دنیا کے لحاظ سے اس کا مرتکب کافر شمار ہوگا- اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن حجر ہیثمی اپنی کتاب الاعلام بقواطع الاسلام میں شرح المواقف سے نقل فرماتے ہیں جو کہ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کرے اور

اس پر ایمان لائے اور بایں ہمہ آفتاب کو سجدہ کرے تو وہ بالاجماع مومن نہیں اس لئے کہ شمس کو سجدہ کرنے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومن نہیں (ورنہ ایسی حرکت جو کہ بظاہر کفر ہے اختیار نہ کرتا) اور ہمارا حکم باعتبار ظاہر کے ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے مومن نہ ہونے کا حکم دیا گیا، ہاں اگر ہم کو یہ امر محقق ہو جائے کہ وہ سجدہ عبادت کے خیال سے نہیں کرتا اور اس کا اعتقاد یہ نہیں کہ آفتاب اس کا رب ہے اور اس کا دل ایمان سے بھرپور ہے تو دیانۃً اس کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن قضاءً اس کو کافر کہیں گے (اور تمام معاملات اس کے ساتھ وہی کئے جائیں گے جو کفار کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

نیز کتاب الزوج مصنفہ ابن حجرؒ میں ہے کہ جو شخص کوئی ایسا کام کرے کہ جو سوائے کافر کے کسی دوسرے سے صادر نہیں ہو سکتا تو وہ شخص کافر کہا جائے گا (یعنی قضاءً دیانۃً) اگرچہ وہ علانیہ اپنے اسلام کو ظاہر کررہا ہو جیسے یہودیوں کے کنیسہ میں یہود کے ساتھ ان کے طریقہ پر زنار وغیرہ پہن کر جانا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا کے غیر کو سجدہ کرنا عبادت کی نیت وارادہ سے یا ایسی نیت و کیفیت سے کہ یہ معلوم ہو کہ عبادت کے طور پر سجدہ کررہا ہے، اگرچہ وہ نیت عبادت کا منکر ہو تب بھی اس کا مرتکب بالاجماع کافر ہے۔

سجدہ تعظیم کی دوسری صورت

دوسرا سجدۃ التحیۃ وہ ہے کہ اس میں قصد غیر اللہ کی عبادت کا نہ ہو اور سجدہ بھی ان اشیاء کی طرف نہ ہو جن کو کفار سجدہ کیا کرتے ہیں اور جن کی طرف سجدہ کرنا شعار کافروں کا سمجھا جاتا ہے، اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا کہ وہ بھی کفر ہے اور بعض نے اس کا انکار کیا، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ یہ حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب قریب بالکفر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ردالمحتار میں امام زیلعیؒ سے منقول ہے، اس سجدہ کی وجہ سے کافر نہ ہوگا کیونکہ اس کی نیت عبادت کی نہیں بلکہ تعظیم و تحیہ مقصود ہے اور امام شمس الائمۃ السرخسی فرماتے ہیں کہ اس سجدہ کی وجہ سے بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرنا کفر ہے اور فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے خواہ کسی نیت و قصد سے ہو انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ جو سلطان اور بادشاہ کو سجدہ عبادت کی نیت اور عبادت سمجھ کر کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اس طرح وہ شخص جس نے سجدہ کیا اس وقت کوئی نیت نہ کی ہو (یہ قول جواہر اخلاطی میں منقول ہے) عالمگیری کتاب الکراہۃ میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم کرے اور زمین کو بادشاہ کے سامنے چومے کافر نہیں ہوتا مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی قول مفتی بہ ہے۔

جو لوگ کہ سجدہ غیر اللہ کو مطلقاً کفر کہتے ہیں تو اس میں ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جیسے سجدہ آفتاب اور بت وغیرہ کو کرنا کفر ہے اسی طرح اپنے آباء و مشائخ کو مخلوقات میں سے اور اولیاء اللہ کے مزارات کو سجدہ کرنا کفر ہے۔ (خواہ کسی نیت وارادہ سے ہو)

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آباء و مشائخ کے لئے سجدہ کرنا پہلی امتوں کے لئے جائز تھا جیسے حضرت

یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا (تو چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ کفر اور اس کے افعال کی اجازت کبھی کسی مذہب سماوی میں نہیں ہوئی) توآباء و مشائخ عظام کو سجدہ بطور تعظیم کے کرنا مماثل و مشابہ سجدہ آفتاب وبت کے نہیں کیونکہ آفتاب وبت ودرخت وغیرہ جن کو سجدہ کرنا کفار کا شعار ہے، ان کی تعظیم کا امر اور ثبوت امم اسلامیہ اور ملل حقہ اور ادیان سماویہ میں کہیں بھی نہیں۔

الغرض چونکہ سجدہ تعظیمی آباؤ مشائخ عظام کیلئے ہم سے پہلی شریعتوں میں مشروع تھا اگرچہ ہماری امت کے لئے حرام قطعی ہو گیا مگر جواز سابق کی بناء پر اس کا فعل کفر ہونا مشتبہ ہو گیا اور یہ اصول مسلم ہے کہ اگر کوئی شبہ کسی کے کافر ہونے میں واقع ہو جائے تو اس پر حکم کفر ہونا جاری نہیں کیا جائے گا لہذا جو آباء یا مشائخ کو سجدہ تعظیمی کرے اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے گا اگرچہ وہ شخص کافر ہونے کے قریب ہو جاتا ہے۔(کتاب الاعلام ص ۳۳ ج ۳)

چنانچہ کتاب الاعلام میں لکھا ہے چنانچہ سجدہ تعظیمی آباء و مشائخ کے لئے پہلی شریعتوں میں جائز اور مشروع تھا، تو اب سجدہ تعظیمی جو کہ آباء یا مشائخ کو کرے اس کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ اب اس کے فعل کفر ہونے میں جرم باقی نہ رہا (کیونکہ جب وہ کسی شرع میں مشروع ہے تو معلوم ہوا کہ وہ فعل کفر نہیں) اور سجدہ آفتاب اور سجدہ بت وغیرہ کہ یہ ایسا نہیں کیونکہ یہ کبھی جائز نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے تو اس کا مرتکب ضرور کافر ہو گا، کیونکہ یہاں پر اس کے جائز ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا اور پہلی صورت میں جائز ہونے کا شبہ ممکن تھا اور جن امور کی تعظیم اسلام میں مشروع نہیں ان کو سجدہ کرنے کی نیت کا اعتبار بالکل نہ ہو گا کہ وہ کہے کہ میں نے سجدہ تعظیم کے لئے کیا ہے نہ عبادت کے لئے اور مشائخ کو جو سجدہ کرے اس میں نیت کا اعتبار ہو گا اگر نیت عبادت کی سجدہ مشائخ میں ہو تو اس کا فاعل کافر ورنہ عاصی ہو گا اور یہ فعل تو گناہ کبیرہ ہو گا یہاں تک بیان تھا نداہب کا۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

قرآن کریم میں وارد ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکۃ اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ کیا اور تمام مقرب بارگاہ احد فرشتے جن میں حضرت جبرائیلؑ و میکائیلؑ جیسے مقرب فرشتے بھی شامل تھے۔ تمام ملائکہ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے اور یہ بحکم خداوند تعالےٰ ہوا اور سجدہ نہ کرنے سے شیطان ذلیل و کافر اور شقی ازلی ہوا تو اس تمام تر واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو سجدہ نہ فقط جائز ہے بلکہ مامور بہ ہے۔

جواب شبہ

امام ابوبکر جصاص حنفی اپنی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ سجدہ تعظیمی حضرت آدم علیہ السلام کے لئے بحکم الٰہی جاری کیا گیا تھا اور سب سے پہلے ان کے لئے مشروع ہوا، پھر ان کی امت میں بھی مشروع رہا ہے اور غالباً یہ سجدہ تعظیمی کی مشروعیت برابر باقی رہی یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام

کے زمانہ میں بھی ان کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اور اس زمانہ میں سجدہ غایت تعظیم کیلئے کیا جاتا تھا جیسے کہ ہماری شریعت میں معانقہ تعظیماً مشروع ہے، اسی طرح دست بوسی بھی بعض علماء کے نزدیک بلا کراہت مشروع اور بعض مکروہ فرماتے ہیں، مگر سجدہ کو شرع شریف نے کبھی کسی حالت میں کسی ذات کے لئے جائز نہیں کیا اور نہ ہو سکتا ہے اور سجدہ تعظیمی کی مطلقاً ممانعت احادیث صحیحہ وصریحہ سے قطعی طور سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جب چاہا کہ حضور ﷺ کو سجدہ کریں، تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں، سجدہ کی مستحق فقط ذات حق جل وعلا شانہ ہے نہ اور کوئی-خواہ ولی ہو یا پیر یا نبی یا کسی بزرگ کا مزار وغیرہ-

الغرض کوئی بھی ہو اس کو سجدہ کرنا قطعی حرام ہے جیسے کہ روایت سے ثابت ہے اور اس کے راوی حضرت عائشہؓ حضرت جابرؓ، حضرت انسؓ ہیں کہ سب کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ کسی بشر اور آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ زیبا ہوتا تو حکم کرتا کہ عورتیں اپنے ازواج اور خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لئے کہ خاوند کے حقوق زوجہ پر بہت زیادہ ہیں پس خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی شرعاً قطعی حرام ہے اور اس کے گناہ کا مرتکب عاصی ہے، اور یہ فعل گناہ کبیرہ ہے-

فائدہ

جہاں حق سبحانہ وتعالےٰ نے اس امت مرحومہ کو طرح طرح کی نعمتیں اور فضیلتیں عطا فرمائی ہیں اور کنتم خیر امۃ فرما کر اس امت کی شان کو دوبالا کیا ہے اسی طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی غایت رحمت کا فرمایا ہے اسی وجہ سے اس امت پر اس قسم کے احکام نازل فرمائے گئے جن سے کہ امت کی پوری طرح گمراہی سے حفاظت ہو اور جب ایک چیز کو ممنوع کرنا منظور ہو تو اس شئے کے لوازمات اور وہ تمام چیزیں حرام قرار دی گئیں جو کہ ذریعہ ہو سکتی تھیں اس شئے تک پہنچنے کا- مثلاً زنا حرام کیا تو اس کے ساتھ دواعی بھی حرام کئے گئے ہیں، بت پرستی حرام کی گئی تو ساتھ ہی جاندار کی تصاویر کا بنانا اور رکھنا یہاں تک کہ دیکھنا بھی حرام قرار دیا گیا اور چونکہ آفتاب پرست سورج کو صبح وشام پوجتے ہیں لہذا اس وقت خاص نماز فجر وعصر ممنوع قرار دی گئی، محض اس وجہ سے کہ آئندہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کرنے لگیں کہ یہ نمازیں تعظیم شمس کے لئے مشروع اور شرک کی بری بلا میں گرفتار ہو جائیں اور شریعت غراء میں اس کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ الفاظ میں بھی اہل شرک سے ادنیٰ سی مشابہت پیدا نہ ہو تاکہ کبھی ایک عرصہ دراز کے بعد یہ سبب شرک نہ ہو جائے اور امم سابقہ کی طرح یہ امت بھی ہلاک نہ ہو جائے-

چنانچہ فرمایا گیا کہ غلام اپنے آقا کو یارب کہہ کر آواز نہ دیا کرے، ادھر آقا کو بھی روک دیا کہ وہ اپنے غلام کو یا عبدی کہہ کر نہ پکارے-اس کی ہی برکت سے یہ امت مرحومہ اسلام باوجود یکہ اپنی عمر کی تیرھویں صدی ختم کر چکی ہے مگر دین میں زیادتی ونقصان اور شرک وکفر میں بفضلہ تعالےٰ ایسی مبتلا نہیں ہوئی جیسی پہلی امتیں اور بوعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون-اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ حفاظت میں رہے گی

اور یہ نعمت حفاظت تامہ خاصہ امت ابینہ کا ہے اور امم سابقہ میں یہ نعمت علی وجہ اکمل بحسب الاحکام نہ تھی کیونکہ ان کے لئے حرام صرف وہ اشیاء تھیں جن کا حرام کرنا منظور تھا اور ان کے دواعی حرام نہ تھے چنانچہ امم سابقہ کے لئے تماثیل و تصاویر کا استعمال مباح تھا۔ انہوں نے اس میں غلو کیا اور جو کوئی نامور انسان ہوتا ہے اس کی تصویر کی تعظیم کرنے لگے یہاں تک کہ شرک و کفر کی مصیبت میں مبتلا ہو گئے اس کے علاوہ ہزارہا نظائر اس کے موجود ہیں۔

الغرض اس تمام تقریر سے واضح ہو گیا کہ تحقیق اور حق سجدۃ التحیۃ کے بارے میں یہ ہے کہ سجدہ تعظیمی فی نفسہ کفر و شرک نہیں ہے۔ اسی وجہ سے پہلی امتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا البتہ ذریعہ کفر و شرک ضرور ہے اور صورت بھی فعل کفر ہے اور اسی وجہ سے یہ سجدہ تعظیمی امم سابقہ اور قرون ماضیہ میں ذریعہ شرک بن گیا تھا اور وہ کفر میں اس کی وجہ سے مبتلا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔ اور آخرت میں عذاب ابدی کے مستحق ہوئے تو اس بناء پر خداوند قدوس کی رحمت بے پایاں اور لطف و کرم عمیم کا تقاضا ہوا کہ اس امت خیر الامم پر انعام کیا جائے اور بقاء ہدایت اور نجات عن الضلالتہ کے لئے مناسب یہ ہے کہ ذریعہ کفر و شرک کو بھی حرام قرار دیا جائے اگرچہ وہ ذریعہ بہت دور کا تعلق کفر و شرک کے ساتھ رکھتا ہو (جیسے کہ تصاویر کا تعلق شرک سے) اسی وجہ سے سجدہ تعظیمی کا جواز منسوخ ہو گیا اور امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ و سلام کے لئے ہمیشہ کے لئے سجدہ تعظیم ممنوع قرار دیا گیا اس پر یہ شبہ ہے۔

شبہ ۔ سجدہ تعظیمی جب کہ کفر و شرک کی مذکورہ صورتوں میں داخل نہ ہوا تو اس کا جواز پہلی امتوں کے لئے آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں سے سجدہ کرانا اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحبزادوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا وغیرہ تو اس حکم قرآنی کو اس امت کے لئے منسوخ قرار دینا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب کہ یا خود قرآن کریم میں اس کا نسخ وارد ہوا ہو یا احادیث متواترہ سے نسخ ثابت ہو۔ اور مسئلہ مذکورہ میں بظاہر ایک خبر واحد (حدیث کی ایک اصطلاحی قسم ہے) کے سوا کوئی چیز ناسخ معلوم نہیں ہوتی تو یہ نسخ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب ۔ اول تو آیات جو سجدہ تعظیمی کے جواز کے متعلق نقل کی گئی سجدہ تعظیمی کے لئے صریح نہیں بلکہ دوسرے احتمالات بھی ان میں ہیں جو اکابر مفسرین سے ان کی تفسیر میں منقول ہیں جو آخر میں بضمن فائدہ نقل کئے گئے لہٰذا جواز سجدہ کا حکم بوجہ ظنی الدلالتہ ہونے کے قطعی نہ رہا بلکہ ظنی ہو گیا اور اس کا نسخ خبر واحد سے بھی ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں جس حدیث کی وجہ سے ہم ان آیات کو منسوخ قرار دیتے ہیں وہ خبر آحاد سے نہیں بلکہ حدیث مشہور ہے بلکہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔ اور اس قسم کی حدیث سے آیت کریمہ کا نسخ باعتبار علم الاصول صحیح اور درست اور واقع ہے اور اس حدیث کا مشہور اور حد تواتر کو پہنچنا بوضاحت ثابت ہے جس کی تفسیر حاشیہ بیان القرآن میں مذکور ہے۔

چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے اور حضرت سراقہ بن مالک اور حضرت صہیب اور حضرت عقبہ بن جعشم اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور حضرت طلق بن علیؓ اور حضرت ام سلمہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تو ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث مشہور ہے نہ کہ خبر واحد۔لہذا نسخ جائز ہے اور بعض اکابر نے کثرۃ رواۃ کی بناء پر اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔

الغرض حدیث **ما ینبغی لبشر ان یسجد لبشر ولو صلح لبشر ان یسجد لبشر لامرت المراۃ ان تسجد لزوجھا من عظم حقه علیھا** حدیث مشہور بلکہ متواتر۔لہذا اس کے ناسخ ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ یہ حدیث بیس صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور جو حدیث دس صحابہ سے منقول ہو وہ موافق قول راجح و مختار متواتر ہے لہذا یہ حدیث بھی علی وجہ اتم متواتر ہو گئی اور اگر کوئی متواتر بھی تسلیم نہ کرے تو مشہور ہونے سے منکر نہیں ہو سکتا اور حدیث مشہور سے نسخ آیت کریمہ جائز ہے جسے کتب اصول میں مصرح ہے۔

علاوہ ازیں اجماع امت یہی ہے کہ سجدہ تعظیمی حرام ہے اور کسی امام یا مجتہد یا فقیہ کا زمانہ سلف اور خلف میں اس بارے میں اختلاف مذکور نہیں بلکہ اجماع اس کی حرمت پر ہے، رہا یہ امر کہ بعض صوفیاء سے کتب تواریخ میں جواز منقول ہے اول تو یہ نقل صحیح نہیں اور اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان کے قول کا اعتبار بمقابلہ اجماع امت کے نہیں ہو سکتا۔جب کہ اجماع علمائے خلف و سلف اس کے خلاف پر قرناً بعد قرن رہا اور ہے ساتھ ہی یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ صوفیاء پر اس باب میں طعن بھی مناسب نہیں کیونکہ وہ تحقیقات علمیہ میں مشغول نہیں رہتے تھے وہ معذور ہیں لہذا ان کے فعل سے حجت پکڑنا درست نہیں خصوصاً جب کہ اکابر صوفیاء سے بھی حرمت سجدہ تعظیمی منقول ہے۔

فائدہ

معترض نے جو حجت قرآن کریم سے پکڑی ہے وہ مختلف فیہ ہے کیونکہ بعض مفسرین فرماتے ہیں **خروا له سجدو** اور **فسجد الملئکة کلھم اجمعون**۔اس کے امثال کے معنے سجدہ حقیقی کے نہیں بلکہ یہ کنایہ تعظیم سے ہے اور اس کی تائید میں فقہاء عرب کے کلام شعراء پیش کرتے ہیں اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ معنی **خروا له** اور **اسجدوا لآدم** کے یہ ہیں کہ پہلی آیت میں اخوۃ یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جہت سجدہ قرار دیا اور لآدم کے معنی الی آدم کے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ انہوں نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا اس طور سے کہ ان کے سجدہ کا رخ حضرت یوسف علیہ السلام کی جانب تھا اور ان کو بمنزلہ قبلہ بنائے ہوئے تھے اور اس طرح **اسجدوا لآدم** کے معنے کہ آدم کی طرف رخ کر کے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا اور بعض مفسرین کا یہ قول ہے کہ لام کے معنی سبب کے ہیں تو معنی **خروا له سجدا** کے یہ ہیں کہ اخوۃ یوسفؑ نے حق تعالیٰ کو سجدہ کیا حضرت یوسفؑ کی وجہ سے۔کیونکہ حق تعالیٰ کی بڑی نعمت یعنی حکومت ان کے خاندان میں آگئی بذریعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اور معنے **اسجدوا لآدم** یہ ہیں کہ حکم ہوا حق تعالیٰ شانہ کا کہ

ہم کو سجدہ کرو-اس نعمت کی وجہ سے جو تم پر آدمؑ کی وجہ سے کی گئی ہے-

الغرض ان اقوال کو اگر تسلیم کرلیا جائے تو پھر اس جواب کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ یہ آیتیں منسوخ ہیں بلکہ اس صورت میں کسی آیت سے سجدہ تعظیم کا جواز مستفاد ہی نہیں ہوتا-وھو المرام-

خلاصہ

تمام رسالہ کا یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا اگر بقصد عبادت ہو یا بصورت عبادت خواہ نیت عبادت کی نہ ہو یہ دونوں صورتیں باجماع کفر و شرک میں داخل ہیں، اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں بعض علماء تو ان کو بھی کفر و شرک قرار دیتے ہیں اور بعض اس میں احتیاط کرتے ہیں- مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرام و ناجائز اور قریب بکفر ہے حق تعالٰی سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وصلّی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد صلی اللہ علیه وسلم
حرره سید حسن صین عن الحوادث والفتن فی سبع مضین
من شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ

قبور مشائخ پر عرس کرنا

(سوال ٦٣) ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھاتین المسئلتین احدھما ان العرس الذی یفعل الناس فی ھذا الزمان علی قبور مشائخھم بتعیین الیوم ھل ھو جائز ام لا ولقول بعض العلماء لا ریب فی جوازه ولا شك ان کان تلاوة القرآن وتقسیم الماکولات الحلویة والسماع والرقص بالآلات احیانا اقوالھم وادلتھم صحیحة ام لا – فان کان العرس علی الطریقة المذکورة جائزاً فبای دلیلٍ والا فبای بینةٍ ؟

(الجواب) العرس المعروف علی قبور مشائخ من البدعات المخترعة فی الدین لم یجوز احد من الفقھاء ولم یرومن احد من الصحابة والتابعین و اتباعھم ثم من بعدھم الی مدة مدیدة ما یشاکله او یشا بھه وھو ان کان خالیا عن منکرات اخر بدعة و ضلالة فکیف اذا قارنھا منکرات لا تعدو معاصی لا تحدو فی البریقة شرح الطریقة المحمدیة ص ۱۲۲ ج ۱– واقبح البدع عشر و عد منھا طعام المیت و ایقاذ الشموع علی المقابر والبناء علی القبر و تزیینه و البیتوتة عنده و التغنی و السماع و اتخاذ الطعام للرقص و اجتماع النساء لزیارة القبور الخ وقال حضرت الشاہ محمّد اسحاق المحدث الدھلوی رحمة اللہ علیه فی المسائل الاربعین مقرر ساختن روز عرس جائز نیست و فی التفسیر المظھری لا یجوز ما یفعله الجھال بقبور الاولیاء والشھداء من السجود والطواف حولھا و اتخاذ السرج و المساجد الیھا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد و یسمونه عرساً–

عرس مشائخ کا حکم

(سوال ٦٤) مشائخین کرام کا سالانہ عرس ہوا کرتا ہے اس میں اکثر لوگ مزاروں پر سجدہ وغیرہ کرتے ہیں اگر منع کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں کیا گیا اور جو سجدہ وغیرہ اللہ کے لئے عبادت کی غرض سے کیا جاوے وہ حرام ہے اور ہم جو سجدہ کرتے ہیں تعظیم کی غرض سے کرتے ہیں اور وہاں پر چراغیں اگربتیاں وغیرہ جلائی جاتی ہیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہاں پر سماع بھی ہوتا ہے اس کا سننا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہاں پر کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے اس کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) عرس مشائخ یعنی سال بھر میں روز وفات کو متعین کرکے لوگوں کا وہاں اجتماع اور اس اجتماع کا اتنا اہتمام کہ فرائض وواجبات کی طرح ہو جائے اگر دوسرے منکرات و معاصی سے خالی ہو تب بھی بدعت و گمراہی ہے، قرون مشہود لہابالخیر میں اس کی ایک ادنیٰ نظیر بھی موجود نہیں اگر کوئی ثواب کا کام ہوتا تو ضرور تھا کہ سب سے زیادہ صحابہ کرام اس میں حصہ لیتے اور پھر سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کا عرس ہوتا اور پھر اس کے بعد ان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کے اعراس جن میں سے بہت سے حضرات کے مزارات یقینی طور پر معلوم بھی ہیں اور صحابہؓ کو بھی معلوم تھے، لیکن کہیں اس نوایجاد شریعت کا نام و نشان زمانہ سلف میں نہیں سنا جاتا اس لئے خود حضرات مشائخ صوفیاءؒ نے اس کو ناجائز اور بدعت قرار دیکر منع فرمایا ہے- حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد اور حضرت مرزا جان جاناںؒ کے خلیفہ راشد ہیں اپنے وصیت نامہ میں عرس کرنے کو بدعت فرماکر وصیت کرتے ہیں کہ میری قبر پر ہر گز نہ کیا جائے- اسی طرح شاہ اسحٰق صاحبؒ نے مسائل اربعین میں بدعت لکھا ہے اسی طرح ان دونوں حضرات سے پہلے صاحب شرح طریقہ محمدیہ نے بہت پر زور الفاظ میں اس بدعت پر رد فرمایا ہے یہ تو اس وقت تھا جب کہ عرس تنہا عرس ہی دوسرے مفاسد و معاصی سے خالی ہو اور پھر جب موجودہ زمانہ کے اعراس پر نظر ڈالی جائے تو سینکڑوں گناہ کبیرہ سے لبریز نظر آتا ہے-

قبروں پر چراغ جلانا تو خود ناجائز ہے حدیث میں اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر چراغ جلائے قبر کو سجدہ کرنا اگر بہ نیت عبادت ہو تو کفر صریح ہے اور اگر بہ نیت تعظیم ہو تو نہایت سخت گناہ کبیرہ قریب بہ شرک ہے بلکہ بعض علماء نے اس کو بھی کفر کہا ہے دیکھو کتاب **الاعتصام بقواطع الاسلام لابن حجر المکیؒ** - نیز علامہ شامی اور صاحب بحر الرائق نے بھی یہی تفصیل فرمائی ہے اور جامع الفصولین باب کلمات الکفر میں اسی کی تائید کی گئی ہے - گانا بجانا ایک مستقل گناہ ہے جس کے متعلق احادیث کے دفتر بھرے ہوئے ہیں حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس آفت عظمیٰ سے نجات عطا فرمائے- اللّٰھم آمین واللہ تعالی اعلم

عرس مروج کا حکم

(سوال ٦٥) عرس سرور کائنات ﷺ باذبح حیوانات بتاریخ وفات دہم قیام بوقت ذکر ولادت آل و اعراس مشائخ کبار مثل عرس خواجہ اجمیری و خواجہ بغدادی وغیرہما و فاتحہ چہارم و چہلم و ششماہی و سالانہ نمودن

مسلمانان را بحکم شرع شریف جائز باشد یانہ؟

(الجواب) جملہ افعال مذکورہ بدعات وسیئات ہستند کہ در خیر القرون نشانے واثرے ازینہا ثابت نتواں کرد بلکہ بسیارے ازینہا از منہیات شرعیہ صریحہ وصحیحہ است بناءً علیہ ارتکاب چیزے ازینہا ناجائز وگناہ عظیم است۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام **من احدث فی امرنا هذا فهو رد** مشکوٰۃ ظاہر است کہ اگر چیزے ازیں افعال ثواب وخیر بودے صحابہ کرامؓ وتابعین وائمہ دینؒ کہ تشنہ ہر خیر بودند در تحصیل ازیں ثواب جدوجہد بکار می بردند پس عدم ثبوتش بقواعد شرعیہ ثبوت عدم گشتہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**.

مزارات پر روشنی اور جمع شدہ تیل کا حکم

(**سوال ٦٦**) مسجد میں درگاہ ہے درگاہ پر روزانہ اور جمعرات کو روشنی ہوتی ہے روشنی کے لئے تیل کا انتظام مسجد کی آمدنی اور اہل محلّہ کی طرف سے ہوتا ہے، صرف درگاہ کے لئے تیل اتنی کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ تمام درگاہ کی روشنی میں خرچ نہیں ہو سکتا اگر باقیماندہ تیل کو امام مسجد اپنے ذاتی مصارف کتب بینی وغیرہ میں استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(**الجواب**) قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں حدیث میں ہے **لعن الله زوارات القبور والمتخذين عليها السرج** ۔اس لئے جو تیل درگاہ کی روشنی کے لئے دیا جاتا ہے اس کو اصل مزار پر جلانا نہیں چاہیئے البتہ اگر مزار کے متعلق حجرے ہوں یا روشنی کی طرف ضرورت ہو وہاں جلایا جا سکتا ہے اسی طرح اور اگر کوئی مسجد درگاہ ہی کے متعلقات میں سے ہو تو اس مسجد میں بھی یہ تیل جلایا جا سکتا ہے اسی طرح حجرۂ امام اگر متعلقات درگاہ میں ہو تو اس میں بھی جلا سکتے ہیں ورنہ بلا اجازت مالک دوسری جگہ استعمال کرنا جائز نہیں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ تیل بطور نذر مزار پر چڑھایا ہے تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس کی نذر کی گئی ہو۔ **صرح به في البحر الرائق من كتاب الصوم بحث النذر** ۲۹ ربیع الاولی ۱۳۵۰ھ

ایضاً --- (**سوال ٦٧**) جب کہ مسجد کے اندر حسب ضرورت کافی روشنی ہوتی ہے اور درگاہ کی روشنی کوئی فائدہ نہیں رکھتی روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں۔ نیز جمعرات کے دن جو ختم درگاہ پر ہوتا ہے اس میں شرکت کرنے والا کیا حکم رکھتا ہے؟

(**الجواب**) قبر پر چراغ جلانا حرام اور ختم قرآن میں اگر دوسری بدعات نہ ہوں تو شرکت میں مضائقہ نہیں لیکن پھر بھی ترک اولیٰ ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ بالفعل بدعت نہ ہوں رفتہ رفتہ بدعات سے بھی آگے تجاوز کرتی ہیں۔

زیارت قبور اور توسل کے بعض احکام

(سوال ٦٨) بزرگان دین کے صدہا مزار ہیں جن کی فاتحہ خوانی جائز و ناجائز دونوں طرح ہو رہی ہے، فاتحہ خوانی کے لئے مزاروں پر حاضر ہونے کو واجب اور فرض سمجھنا کیسا ہے، ایصال ثواب ہر جگہ سے ہو سکتا ہے یا مزاروں پر جانا ضروری ہے- نیز اس طریقہ سے دعا کرنا کہ یا حضرت آپ اللہ کے دوست ہیں اور اس کے مقبول بندے ہیں آپ خدا سے میرے لئے دعاء کیجئے کہ خدا مجھے اپنے مقصد میں کامیاب کرے یہ دعاء جائز ہے یا نہیں مزاروں پر عرس ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنا کیسا ہے ؟

(الجواب) ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں، ثواب ہر جگہ سے پہنچتا ہے البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں عامہ مومنین کی قبروں پر جانے سے عبرت اور اعزا واقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی- دعاء میں صاحب قبر کو خطاب نہ کرنا چاہئیے بلکہ یوں دعا کرے تو مضائقہ نہیں کہ یا اللہ فلاں مقبول بندے کے طفیل سے ہمارا کام کر دے-

زیارت قبور و توسل وغیرہ کے مسائل

(سوال ٦٩) اولیاء اللہ اور صلحاء کی قبروں پر حاضر ہو تو ان سے استمداد فیض ہوتا ہے یا نہیں ؟

(۲) فاتحہ کے بعد دعاء مانگنا کہ اے خدا ان بزرگ کے طفیل سے میرا کام پورا ہو- یا یہ کہے کہ اے فلاں بزرگ آپ اللہ کے مقبول بارگاہ خداوندی ہیں ہمارے مقاصد کے لئے دعا فرمایئے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظمؒ پر دعاء کا مقبول ہونا مجرب مثل تریاق ہے اس کا ثبوت ہے یا نہیں ؟

(۴) عام قبور پر بغرض فاتحہ عزیز و احباب حاضر ہوتے ہیں میت کو یہ معلوم ہوتا ہے اور وہ ہمارے کلام کو سنتے ہیں یا نہیں ؟

(۵) اہل قبر کی ارواح کا تعلق قبر سے رہتا ہے یا نہیں عذاب یا ثواب ہمیشہ قبر پر اہل قبر پر ہوتا رہتا ہے یا نہیں ؟

(۶) پنج شنبہ اور عیدین کو ارواح اپنی قبور اور مکانات پر آتی ہیں یا نہیں ؟

(الجواب) (او ۲) اس طرح اور اس عنوان سے توسل بزرگوں کے ساتھ جائز ہے مگر اہل قبر کو خطاب اگر سماع موتی کے اعتقاد پر مبنی ہے تو درست نہیں اور اگر محض احتمال کے درجہ میں ہے تو مضائقہ نہیں مگر پھر بھی احتیاط اجتناب میں ہے-

(۳) یہ مقولہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے- ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاوے میں اس کو نقل کیا ہے اور رد کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک کسی بزرگ کی قبر پر جاکر اگر وہ بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے دل دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو جائز ہے-

(۴) بعض روایات حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو اپنے اعزا واحباب کے آنے کی اطلاع ہوتی ہے اور خوش ہوتے ہیں- و سرد السیوطیؒ **هذه الاحاديث فی شرح الصدور** -باقی ان کے کلام سننے یا نہ سننے میں روایات حدیث واقوال ائمہ مختلف ہیں، عدل الاقوال اور اصح ومختار یہ ہے کہ جن جن مواضع میں میت کا کلام وغیرہ سننا منصوص ہے وہاں تو بلا تامل یقین کیا جاوے باقی عام کلام خطاب کے متعلق کوئی ضابطہ تو نہیں کہ ضرور سنتے ہیں لیکن نہ سننا بھی ضروری نہیں اگر حق تعالیٰ چاہیں تو سنادیں- غرض ایسی حالت نہیں جیسے زندگی میں بطور جریان عادت سننا ضروری ہوتا ہے-[1] **هذا هو التحقيق**-

(۵) تعلق قبر سے کچھ نہ کچھ باقی رہنا احادیث سے ثابت ہے لیکن یہ تعیین کہ کس قسم کا تعلق رہتا ہے مشکل ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روحیں قبروں پر رہتی ہیں اور بعض سے اس کے خلاف اس لئے اپنی طرف سے کوئی فیصلہ اس میں کرنا مناسب نہیں بلکہ سکوت وتوقف مناسب ہے کیونکہ حلال وحرام سے اس کا تعلق نہیں- **والمسئلة مع مالها و عليها ذكرها ابن القيم فی كتاب الروح مفصلاً و السيوطیؒ فی شرح الصدور ان شئت فراجعهما** -عذاب وثواب بعض چیزوں کا تو منصوص حدیث ہے کہ تا قیامت رہے گا جیسے خودکشی کا عذاب وغیرہ باقی اس سے عام ضابطہ معلوم نہیں ہو سکتا-

(۶) اس کا ثبوت نہیں سیوطی نے شرح الصدور میں جو اس مضمون کی روایتیں نقل کی ہیں سب ضعیف ہیں

۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

درگاہ ومزارات کی زیارت کے لئے جانا

(سوال ۷۰) زید سنتا ہے کہ فلاں بزرگ کی درگاہ نہایت عالی شان ہے اس کو سن کر وہ سفر طے کر کے اور درگاہ کو دیکھنے کو جاتا ہے یہ جانا کیسا ہے؟

(الجواب) اگر وہاں بدعات ومنکرات میں مبتلا نہ ہو تو جائز ہے-

قبروں پر چادر چڑھانے اور اس کی منت ماننے کا حکم

(سوال ۷۱) زید کہتا ہے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کی درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا اور وہاں بنام خدا نیاز کروں گا یہ کیسا ہے اگر زید کا کام حسب منشا ہو جائے تو چادر چڑھانا اس پر واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) چادر قبر پر چڑھانا خود بھی ناجائز ہے اور نذر اس کا کرنا دوسرا گناہ ہے اور یہ نذر صحیح بھی نہیں ہوئی اور کام پورا ہونے پر اس نذر کو پورا کرنے کے لئے چادر چڑھانا جائز نہیں اگر بطور شکرانہ صدقہ کر دے تو بہتر ہے-

بارش کے لئے قبروں کے پاس گائے ذبح کرنا

(سوال ۷۲) عوام الناس طلب باراں یا کسی دوسری حاجت کے لئے شہر سے دور نکل کر کسی اولیاء کرام کی قبر

---

(۱) اس مسئلہ کی پوری تحقیق احقر کے رسالہ "تکمیل السرور لسماع اهل القبور" میں مذکور ہے۔ یہ رسالہ احکام القرآن کا جز بزبان عربی ہے محمد شفیع عفی عنہ صفر ۱۲۶۶ھ

کے پاس گائے وغیرہ ذبح کرتے ہیں پس یہ فعل جائز ہے یا نہیں-اور مذبوحہ حلال ہے یا نہیں جیسا حکم ہو معتبر دلائل سے تحریر کیا جائے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کا حلت کی طرف اس مسئلہ میں رجوع ثابت ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز نہیں بلکہ ایسا کرنا گناہ اور زیادہ موجب غضب الٰہی ہے چندوجہ سے-اول توبارش نہ ہونے کے لئے شریعت نے نماز اور دعاء کی تعلیم فرمائی ہے قربانی کی نہیں تواس کام کے لئے قربانی اگر کوئی کرے خالص اللہ ہی کے نام کی کرے اور کسی فقیر پیر کا دخل نہ ہو تب بھی بدعت اور ناجائز ہو گی، دوسری وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ مزارات اولیاء کے پاس جاکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ان مزارات پر یہ گوشت چڑھاتے ہیں یا ان کے نام پر ذبح کریں گے اور دونوں صورتیں حرام ہیں-لقولہ تعالٰی واما اھل لغیر اللہ بہ اور اگر کوئی شخص ان رسوم کے متعلق یہ خیال وعقیدہ بھی نہ رکھے جب بھی دوسروں کا عقیدہ خراب ہونے کا تو خطرہ ضرور ہے، اس لئے اس حرکت کو ترک کرنا ضروری ہے ان واہیات کاموں کو چھوڑ کر سیدھے مسلمان کی طرح نبی کریم ﷺ کا اتباع کیوں نہ کیا جائے آپ نے کئی مرتبہ دعا پر اکتفا فرمایا اور ایک مرتبہ نماز استسقاء پڑھی-

ثواب کے لئے مزاروں پر کھانا بھیجنا

(سوال ۷۳) بزرگوں کی ارواح کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا مزاروں پر بھیجا جاتا ہے جائز ہے یا نہیں-اگر مکان میں فاتحہ دلا کر ایصال ثواب کر دیا جائے تو کیا کم ثواب ہوتا ہے جیسے اکثر لوگوں کا مقولہ ہے کہ نیاز قبول نہیں ہو سکتی جب تک مزاروں پر نہ بھیجی جائے؟

(الجواب) مزاروں پر بھیجنا فضول اور لایعنی حرکت ہے ہر جگہ سے ایصال ثواب ہو سکتا ہے اور یہ عقیدہ اس کے بغیر ثواب ہی نہ پہنچے گا عقیدہ فاسدہ ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں-

مجالس یوم النبی ﷺ کا شرعی حکم

(سوال ۷٤) ملک کے ہر گوشہ میں یوم ربیع الاول کی تحریک چل رہی ہے خصوصاً نگینہ میں یوم النبی خاص طور سے منایا جاتا ہے یہ جلسہ ۱۲ربیع الاول کو ہوتا ہے اگر اسی تاریخ کو یا کسی دوسرے ماہ میں تمام سال میں ایک دن خصوصیت کے ساتھ یوم النبی ﷺ منایا جائے اور اس میں سیرۃ ﷺ سنائی جائے تو شرعی حکم اس کے متعلق کیا ہے؟

(الجواب) نبی کریم ﷺ کی سیرت وحالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا اسلام کا اہم ترین فرض ہے اور میرے نزدیک ساری اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی ہر فلاح وبہبود منحصر ہے لیکن اس کے ساتھ یہ جان لینا نہایت ضروری ہے کہ شریعت نے ہر کام اور ہر عبادت کے لئے کچھ حدود وقواعد مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز کرنا ہر عبادت میں سخت گناہ ہے کوئی شخص اگر مغرب کی تین رکعتوں کے بجائے

چار پڑھنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ تلاوت قرآن اور تسبیح و تہلیل ہی ہوگی فی نفسہ کوئی گناہ کی چیز نہیں لیکن تجاوز حدود اور احداث بدعت ہونے کی وجہ سے ساری امت اس کو گناہ کہتی ہے نبی کریم ﷺ کی سیرت و حالات پر مسلمانوں کو مطلع کرنا یہ ایک ایسی ضرورت اور عبادت ہے جو آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ بعثت و نبوت کے بعد ہی سے اس کی ضرورت تھی بلکہ ابتدائی زمانہ میں اور قرون اولی میں جب کہ سیرت مدون نہیں ہوئی تھی اور منتشر کلمات مختلف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے اسی وقت اس کی ضرورت آج سے زیادہ تھی لیکن اس کے باوجود قرون اولی میں بلکہ اس کے بھی بہت بعد تک اس کی ایک نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کہ کہیں سالانہ جلسوں کا انعقاد اس کام کے لئے ان تعینات کے ساتھ کیا گیا ہو بلکہ اس مقصد کی تحصیل کا ذریعہ صرف یہ رکھا گیا کہ اول تو سیرت قدسیہ عام مسلمانوں کی نصاب تعلیم کا اہم جزو تھا اور جو عوام بالکل ہی پڑھنے پڑھانے سے جدا رہی ان کے لئے علماء کرام کے مواعظ حسنہ میں بلا قید تاریخ وبلا رسوم مروجہ اس مقصد کو باحسن وجوہ حاصل کر سکتے ہیں اور آج بھی اگر مسلمانوں کی قسمت میں صلاح و دوستی مقدر ہے تو یہی بزرگان سلف کا اسوہ حسنہ ان کو قعر مذلت وضلالت سے نکال سکتا ہے۔

امام مالکؒ کا مقولہ اس باب میں ہر وقت یاد رکھنے کے قابل ہے یعنی لن یصلح اخر هذه الامة الا ما صلح به اولها۔ یعنی اس امت محمدیہ کے آخری دور اور متاخرین امت کی اصلاح بھی اگر ہو سکے تو اسی ذریعہ اور اسی طریقہ سے جس کے ذریعہ اول مرتبہ اصلاح ہوئی تھی اور درحقیقت اگر غور کیا جائے تو سیرت قدسیہ ایسی چیز نہیں کہ سال بھر میں آپ ایک روز میں لوگوں تک پہنچا کر فارغ ہو جائیں بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہر مکتب و مدرسہ و اسکول کا اس کو جزو لازم قرار دیا جائے اور باقی عوام کو ہمیشہ مواعظ کے ذریعہ اس پر مطلع کیا جائے یہ تعینات خاصہ جو مجالس یوم النبی ﷺ کے اندر رائج ہو گئی ہیں اور وہ رسوم منکرہ جو ان جلسوں میں بڑھتی جا رہی ہیں کسی طرح قدیم طرز کے محفل میلاد سے کم نہیں البتہ اس کو ایک عنوان سے نیچرل لباس میں پیش کر دیا گیا ہے اس لئے ان جلسوں کی شرکت و اہتمام بعینہ مجالس میلاد مروجہ کا حکم رکھتا ہے جس کے متعلق ہمارے تمام اکابر اور بزرگوں کا فتویٰ شائع شدہ ہے بدعت اور قابل ترک ہے تفصیل کے لئے فتاویٰ میلاد حضرت گنگوہیؒ کا مطالعہ فرمایا جائے۔

میلاد شریف کے مختلف طریقے

(سوال ۷۵) میلاد شریف پڑھنا یا سننا کیسا ہے کون سے طریقہ پر جائز ہے اور کون سے طریقہ پر ناجائز ہے؟

(الجواب) محفل میلاد میں اگر کوئی تاریخ معین اور ضروری نہ سمجھی جائے شیرینی و روشنی وغیرہ کو ضروری نہ سمجھے روایات غلط نہ پڑھیں نظم پڑھنے والے بے ریش لڑکے نہ ہوں اور گانے کی طرح نہ پڑھیں اسی طرح اور دوسری رسوم بدعت سے خالی ہو تو مضائقہ نہیں۔ غرض یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک جب کہ ان رسوم بدعت سے خالی ہو تو ثواب اور افضل ہے اور اگر مروجہ طریق پر بدعات و رسوم سے بھرا

ہو تو نیکی برباد گناہ لازم ہے جیسے کوئی پاخانہ میں جاکر قرآن پڑھنے لگے (نعوذ باللہ)

سیرت کمیٹی کے نام کی مجلس کا حکم

(سوال ۷٦) ۱۲ ربیع الاول کو مسلمانوں نے جلسہ میلاد النبی ﷺ منعقد کیا بعض لوگوں نے دوسرے دن جلسہ کیا اس جلسہ کے بارے میں شرعاً حکم کیا ہے؟

(۲) بعض لوگ دوسرا جلسہ کرنیوالوں کو مرتد کہتے ہیں اور یہ کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی یہ صحیح ہے یا نہیں اور مرتد کہنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی مسلمان (العیاذ باللہ) مرتد ہو جائے تو وہ تائب ہو کر مشرف باسلام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) جلسہ میلاد جن تعینات و تقیدات کے ساتھ رائج ہو گیا ہے ہمارے نزدیک تو یہ وہی محفل میلاد ہے جس کو نئے لباس میں پیش کیا گیا ہے اور یہ بھی قدیم محفل میلاد کی طرح بہت سی بدعات و منکرات پر مشتمل ہو گیا ہے جن میں سے بہت سے سوالات مندرجہ ذیل میں بھی مذکور ہیں اس لئے ہمارے نزدیک تو ایک بھی مناسب نہیں کیا رسول اللہ ﷺ کا یہی حق ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ صرف آپ کا ذکر مبارک وہ بھی صرف ایک دن کے لئے کر کے فارغ ہو جائیں اور وہ بھی بہت سی بدعات ملا کر مسلمانوں کا تو یہ منصب ہے کہ کوئی دن آپ کے ذکر مبارک سے خالی نہ جائے بلکہ اپنے ہر کام میں حضور ﷺ کے اسوہ حسنہ کو یاد رکھے الغرض ہمارے نزدیک تو جلسہ میلاد کا صورت موجودہ پر انعقاد ہی بدعت ہے ایک ہو یا دو دونوں برابر ہیں۔

(۲) ایسے لوگ ہر گز اسلام سے خارج نہیں ہوتے ان کا خارج از اسلام کہنے والا سخت گناہ گار ہے بلکہ اس پر خوف کفر کا ہے۔ کمافی الخلاصة وقاضی خان۔

(۳) بلاشبہ مشرف باسلام ہو سکتا ہے اور اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے البتہ بعض خاص جزئیات میں بطور سیاست فقہاء نے لکھا ہے کہ توبہ قبول نہ کی جائے گی اس کی یہ مراد نہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہو گا بلکہ یہ مراد ہے کہ سزائے ارتداد کو اس سے معاف نہ کیا جائے گا اور یہ جزئی تو ان میں کسی طرح درج بھی نہیں جو عالم بلاوجہ لوگوں کو مرتد یا گمراہ کہتا ہے وہ خود گمراہ ہے حدیث میں ہے من قال هلك الناس فهو اهلك.

(واللہ تعالی اعلم)

ختنہ کی دعوت اور ہر وہ دعوت جس میں منکرات ہوں واجب الاحتراز ہیں

(سوال ۷۷) بعض جگہ دستور ہے کہ لڑکوں کے ختنہ کرنے کے بعد جب ساتواں دن ہوتا ہے تو لوگوں کی دعوت کی جاتی ہے اور لوگ کپڑے و روپیہ وغیرہ ساتھ لاکر دعوت میں شرکت کرتے ہیں بعض اوقات افلاس کی بناء پر لوگوں کو مجبور ہو کر لڑکے کو حد بلوغ تک پہنچا دینا ہوتا ہے اور بغیر اس رسم کے سنت مذکورہ کا ادا کرنا عار سمجھا جاتا ہے اس قسم کی دعوت میں شرکت جائز ہو گی یا نہیں اور روپیہ و کپڑے دینے والے

مرتکب گناہ صغیرہ ہیں یابدعت-
(۲) بعض جگہ رواج ہے کہ جب میت متمول ہوتا ہے تو ورثاء میت بہ نیت ایصال ثواب بہت بڑی ضیافت کرتے ہیں جس میں غیر معمولی روپیہ خرچ ہوتا ہے گاہ گاہ اس کے نہ کرنے کو باعث عار سمجھتے ہیں بعض واقعات ایسے بھی پیش آئے ہیں کہ مال میت سے دین (قرض) وغیرہ ادا نہیں کیا گیا اور ضیافت کرنا مقدم سمجھا گیا یہ شرعاً جائز بھی ہے یا نہیں؟
(الجواب) اس قسم کی رسموں کی پابندی کرنے والا مرتکب گناہ صغیرہ نہیں بلکہ کبیرہ کے مرتکب اور سخت گناہ گار ہیں کیونکہ اس میں بہت سے گناہوں کا مجموعہ جمع ہو گیا ہے-
(۱) دعوت کے لئے ساتویں روز کی اس تعیین کہ اس کے سوا کو برا سمجھیں یہ تعیین بدعت ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں **کما صرح به الطیبی فی شرح المشکوٰة تحت حدیث ابن مسعودؓ فی التزام الانصراف عن الیمین بعد الصلوٰة مانصه فیه ان من اصر علی مندوب و جعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان فکیف من اصر علی بدعة اومنکر انتهٰی**-
(۲) ختنہ کے وقت لوگوں کو دعوت دینا یہ خود ہی بدعت ہے مسند احمد میں حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو کسی نے ختنہ میں شرکت کے لئے بلایا آپ نے تشریف لے جانے سے انکار فرمایا آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ ہم لوگ عہد رسول اللہ ﷺ میں کبھی ختنہ میں نہ جاتے تھے البتہ غسل صحت کے بعد اگر کوئی بطور شکرانہ حدود شرعیہ اور اپنی گنجائش کی رعایت رکھ کر کچھ احباب واقربا کو کھانا کھلاوے تو جائز ہے اور اس کا کھانا بھی جائز ہے- **وهو مرادما فی العالمگیریه من الکراهیة لا ینبغی التخلف من اجابة الدعوة العامة کدعوة العرس والختان و نحو هما عالمگیری صفحه ۲۲۲ ج ٤**-
(۳) اس دعوت کو اتنا ضروری سمجھنا کہ ختنہ کو بلوغ تک ملتوی کیا جاوے یہ جداگانہ گناہ ہے کیونکہ امر مندوب پر اگر اصرار بدرجہ وجوب کیا جاوے تو یہ بھی مکروہ و ناجائز ہو جاتا ہے یہ تو کام مندوب و مستحب بھی نہیں غایت یہ ہے کہ مباح ہو-
(۴) لڑکے کو بلوغ یا بلوغ تک پہنچا دینا اور ختنہ نہ کرنا ایک مستقل گناہ ہے کیونکہ اس وقت اس کے ستر کو بلا ضرورت دیکھنا گناہ ہے جو دعوت اس قسم کی رسوم و ناجائز امور پر مشتمل ہو اگر یہ منکرات دعوت کھانے والوں کے سامنے دستر خوان پر ہیں تو کسی کو کھانا اور جانا جائز نہیں اور اگر کھانے سے جدا کسی اور جگہ یہ منکرات ہوں تو اس دعوت میں شریک ہو جانا جائز ہے بشرطیکہ یہ شخص قوم کا مقتدا نہ ہو، تو پھر ہرگز شریک نہ ہو- **کذا روی فی واقعات الامام ابی حنیفةؒ**- بہر حال ایسی دعوتوں میں اولیٰ یہی ہے کہ شریک نہ ہو۔ **کما قال فی العالمگیریة کتاب الکراهة و انما یجب علیه ان یجیبه اذا لم یکن هناك معصیة ولا بدعة وان لم یجبه کان عاصیاً و الامتناع اسلم فی زماننا الا اذا علم یقیناً بانه لیس فیها بدعة ولا معصیة کذافی الینا بیع ثم قال من دعی الی ولیمة فوجد ثمه لعباً اوغناءً فلا باس ان یقعد و**

یاکل فان قدر علی المنع یمنعهم وان لم یقدر یصبر وهذا اذا لم یکن مقتدیً به اما اذا کان ولم یقدر علی منعهم فانه یخرج ولا یقعد ولو کان ذلك علی المائدة لا ینبغی ان یقعدوان لم یکن مقتدی به هذا کله بعد الحضور واما اذاعلم قبل الحضور فلا یحضر عالمگیری مطبوعه هند صفحه ۲۲۳ –

(۲) ایسی دعوت کرنااور کھانا جائز نہیں کیونکہ اگر میت پر دین (قرض) ہے تب اس کے ترکہ میں مقدم ادائے دین ہے اس سے پہلے کسی خرچ میں روپیہ لگانے کا خود ورثہ کو بھی حق نہیں اور اگر دین نہ ہو تب بھی مشترک ترکہ میت سے ایصال ثواب کے لئے روپیہ خرچ کرنا بھی اچھا نہیں کیونکہ تمام ورثاء کی رضاء کا اس میں تحقیق ہونا مشکل ہوتا ہے بعض ان میں شرماشرمی راضی ہو جاتے ہیں دل سے راضی نہیں ہوتے۔

اور اگر میت کے مال سے بھی نہ ہو تب بھی مناسب نہیں کیونکہ یہ جو کچھ کیا جاتا ہے محض نام و نمود اور عار سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے جس کا کوئی ثواب خرچ کرنے والے ہی کو نہیں ملتا میت والے کو کیا پہنچے گا۔

نماز کے بعد مصافحہ کرنا

(سوال ۷۸) ہمارے یہاں ہر نماز کے بعد مصافحہ کرنے کا طریقہ ہے اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) یہ طریقہ بدعت ہے نبی کریم ﷺ سے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین سے اور ان کے بعد ائمہ دین اور اسلاف امت سے کہیں اس کا ثبوت نہیں۔

بعد نماز عصر وفجر مصافحہ کرنا

(سوال ۷۹) بعد نماز عصر وفجر مصافحہ کرنا سنت بتلایا جاتا ہے اگر کوئی مصافحہ نہ کرے تو اسے تارک السنّت کہہ کر ترک معاملات کیا جاتا ہے آیا کسی حدیث سے ثابت ہے یا کسی صحابی کا فعل ہے؟

(الجواب) مصافحہ بدعت ہے اس کو سنت کہنا دوسرا جرم ہے سنت ہونے کی کوئی دلیل معتبر نہیں۔

عید کے دن مصافحہ و معانقہ کرنا

(سوال ۸۰) عیدین میں بغل گیر ہو کر ملنا یا مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) یہ بدعت ہے اور شعائر روافض ہے ترک کرنا چاہئیے شامی میں ہے **و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلوٰة کل حال لان الصحابةؓ ما صافحوا بعد اداء الصلوٰة ولا نها من سنن الروافض اه – والله تعالٰی اعلم – کتبه مسعود احمد – الجواب صحیح بنده محمد شفیع عفی عنه**

نماز کے بعد بلاوجہ سجدہ سہو کرنا

(سوال ۸۱) اگر کوئی شخص ہر نماز کے بعد سجدہ سہو کرے تو نماز میں کچھ نقص تو نہیں آتا؟

(الجواب) بلاوجہ شرعی ہر نماز کے بعد سجدہ سہو کرنا بدعت و گمراہی ہے البتہ نماز میں کوئی واجب سہواً فوت ہو جاوے اس وقت سجدہ سہو مشروع ہے۔

سنت فجر کے بعد بالالتزام لیٹنا

(سوال ۸۲) فجر کی سنت اور فرض کے درمیان ایک شخص داہنی کروٹ پر لیٹ جاتا ہے ایک شخص نے منع کیا اور یہ کہا کہ اس کو حنفیہ نے منع کیا ہے اور بخاری کے حاشیہ پر جہاں فاتحہ کی ممانعت لکھی ہے وہاں ممانعت لکھی ہے اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) چھپکلی اگر بدن پر چڑھ جائے تو غسل واجب ہے ؟

(الجواب) فجر کی سنت اور فرض کے درمیان داہنی کروٹ پر کبھی کبھی لیٹ جانا حضور ﷺ سے ثابت ہے مگر مسجد میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں اور وہ بھی التزام کے ساتھ نہیں، یہی مراد ہے اس حدیث کی جو بخاری میں ہے اگر کوئی ایسا ہی کرے تو حنفیہ اس کو منع نہیں کرتے بلکہ ثواب کہتے ہیں۔

البتہ آج کل جو یہ رسم ہو گئی ہے کہ مسجد میں آکر لیٹتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اس کو حنفیہ منع کرتے ہیں کیوں کہ اول تو مسجد میں لیٹنا حضور ﷺ سے ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہوتا تب بھی سنت و مستحب ہوتا اب لوگ اس کو لازم وواجب کی طرح سمجھنے لگے تو ایسی حالت میں ترک ہی اولیٰ ہو گا۔

کذا قالہ الشامی فی مکروھات الصلوٰۃ صفحہ ۴۳۱ جلد ۱ -

(۲) چھپکلی کے بدن پر چڑھ جانے سے غسل وغیرہ شرعاً کچھ واجب نہیں ہوتا۔

خطبہ جمعہ کی بعض بدعات

(سوال ۸۳) شامی صفحہ ۵۷۵ قولہ - فالترقیۃ المتعارفۃ سے لیکر فیکون المعتبر ھو الثانی فتامل اور قولہ من الترضی سے تخطیط الحروف و النغم کا ترجمہ مع مالہ و ما علیہ بیان فرمائیں؟

(۲) مرقی کے معنی کیا ہیں؟

(۳) اس ترقیہ کے متعلق مفتی بہ مسئلہ کیا ہے؟

(۴) خطیب ممبر پر چڑھتے وقت کچھ دعا اور السلام علیکم کہہ کر ممبر پر بیٹھتا ہے کیا یہ فعل موافق شریعت کے ہے؟

(۵) یہ ترقیہ کیوں اور کب سے ایجاد ہوا؟

(الجواب) درمختار اور شامی نے اس جگہ دو بدعتوں پر رد فرمایا ہے جو بعض بلاد اسلامیہ میں خطبہ جمعہ کے اندر رائج ہیں ایک یہ کہ جب امام خطبہ کے لئے ممبر پر آئے تو ایک آدمی کھڑا کیا جاتا ہے جو لوگوں کو تحسین کی

یہ حدیث پڑھ کر سناتا ہے اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت-(یعنی جب تم اپنے پاس والے کو جمعہ کے دن خطبہ کے وقت یہ کہو کہ چپ رہو تو تم نے لغو حرکت کی ۱۲منہ)اور اسی لئے صاحب درمختار نے اس کو بدعت کہنے کے علاوہ اظہار تعجب بھی کیا ہے کہ لوگوں کو جس چیز سے منع کرتا ہے خود اسی کا ارتکاب کررہا ہے یہ حدیث سنانے والا چونکہ اونچی جگہ چڑھ کر سناتا ہے اس لئے اس فعل کو ترقیہ اور اس شخص کو اصطلاح میں مرقی کہتے ہیں-

دوسری بدعت یہ ہے کہ درمیان خطبہ میں جب امام آیت کریمہ ان الله وملٰئكته يصلون على النبى الآية- پڑھتا ہے تو یہی شخص باآواز بلند نغمہ کے ساتھ خوب آواز کو بنابنا کر اس کو پڑھتا ہے اور جب امام صحابہ کرامؓ کا نام لیتا ہے تو یہ آواز بلند کرتا ہے اور ہر ایک نام کے ساتھ رضی الله عنه کہتا ہے اسی کو درمختار میں ترضی و نحوہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یہ دونوں چیزیں بدعت و ناجائز ہیں - فرق اتنا ہے کہ ترقیہ میں صرف امام صاحب کے مذہب کے خلاف ہوتا ہے صاحبین کا نہیں کیونکہ قبل شروع الخطبہ صاحبین کلام کو جائز فرماتے ہیں اور ترضی اور قراءۃ آیت جو درمیان خطبہ میں کی جاتی ہے یہ باتفاق ائمہ ثلاثہ ناجائز ہے-

درمختار اور شامی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی صحیح ہے بلکہ احقر کے خیال میں تو ترقیہ بھی باتفاق ائمہ ثلاثہ مکروہ و ناجائز ہونا چاہئیے کیونکہ صاحبین جو قبل الخطبہ کلام کرنے کو جائز فرماتے ہیں ظاہر ہے ان کا مطلب اس کلام سے ہے جو فی نفسہ جائز ہو اور جو کلام یا کام کسی بدعت پر مشتمل ہو وہ تو جمعہ اور مسجد کے علاوہ بھی ہر وقت اور ہر جگہ ناجائز ہے خطبہ کے وقت میں بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔

صاحب درمختار کا مطلب اس جگہ صرف یہ ہے کہ صاحبین کے مذہب پر نفس کلام کی وجہ سے گناہ نہ ہوگا بدعت ہونے کی وجہ سے گناہ ہو وہ دوسری چیز ہے-

حاصل یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کہ دونوں چیزیں اول تو بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز باتفاق ائمہ ثلاثہ ہیں اور دوسرے خطبہ کے وقت میں کلام کرنا یہ مستقل گناہ ہے جس میں ترقیہ صرف امام صاحب کے نزدیک اور ترضی سب کے نزدیک گناہ ہے-

اس تفصیل سے سوالات نمبر ۱، ۲، ۳ کا جواب معلوم ہو گیا-

(۴) خطبہ کے لئے منبر پر چڑھتے وقت السلام علیکم وغیرہ کہنا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے کہیں منقول نہیں اس لئے ترک کرنا اس کا ضرور ہے-

(۵) علامہ ابن حجر کی عبارت جو شامی میں نقل کی ہے اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ صدر اول کے بعد یہ بدعتیں پیدا ہوئی ہیں اب یہ ٹھیک معلوم نہیں کہ کس نے اول ایجاد کی اور کیوں-

(نوٹ) خلاصہ مطلب درمختار اور شامی کا عرض کردیا گیا ہے جس سے انشاء اللہ ترجمہ خود حل ہو جائے گا بلفظہ ترجمہ کرنے کی نہ فرصت ہے نہ ضرورت- تخلیط و تنغیم سے مراد یہ ہے کہ حرف کو نغمہ کے ساتھ کھینچ کھینچ کر پڑھنا(والله سبحانه و تعالىٰ اعلم)

شب برات وشب قدر میں مسجدوں میں چراغاں کرنا

(سوال ۸٤) مسجد میں روشنی کس قدر کرنی چاہیئے اور شب برات و شب قدر میں روشنی کس قدر ہو، ان راتوں میں بہت سے لوگ شب بیداری کرتے ہیں اور مسجد میں قرآن شریف پڑھتے ہیں ان لوگوں کے خیال سے اگر اس قدر روشنی کردی جائے جس سے یہ لوگ قرآن شریف بآسانی پڑھ لیں تو جائز ہے یا نہیں اور قرآن شریف پڑھنے والوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی نظر کمزور ہے ان کو زیادہ روشنی کی ضرورت ہے اس صورت میں اگر اسی قدر روشنی کردی جائے جس سے یہ لوگ بآسانی قرآن شریف پڑھ سکیں جائز ہے یا نہیں۔(۲) ایک مسجد میں پچاس قندیلیں ہیں پچیس قندیلیں روشن کرنے میں قرآن شریف بآسانی پڑھ سکتے ہیں مگر اس خیال سے کہ پچیس اور روشن کرنے میں مسجد کی زینت ہو جاتی ہے کل پچاس قندیلیں روشن کردی جائیں تو درست ہے یا نہیں؟

(۳) بقدر حاجت روشنی کرنا اور مسجد کی زینت کے لئے روشنی کرنا اور حد سے زائد جو اسراف کے درجہ میں ہو ان میں کیا فرق ہے اور کون سی صورت جائز ہے؟

(۴) ایک مسجد میں پانچ در ہیں اور ایک در میں دو صف ہوتی ہیں اور ہر صف میں ۳۰ آدمی ہوتے ہیں اگر ہر در میں دو تین چراغ روشن کردیئے جائیں تو درست ہے یا نہیں بعض مسجدوں میں بجلی کے ذریعہ مسجد میں روشنی ہوتی ہے تو اگر بجلی کی روشنی نہ کرتے ہوئے چراغ روشن کردیں تو درست ہے یا نہیں؟

(۵) غنیۃ الطالبین اور سیرۃ الحلبیہ جلد ۲ اور بعض کتابوں میں مسجد میں چراغ جلانے کے متعلق بہت ثواب نقل کیا ہے اور سیرۃ حلبیہ میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے تراویح کے لئے جب لوگوں کو جمع کیا تو بہت سی قندیلیں روشن کردیں حضرت علیؓ کا اس طرف سے گزر ہوا تو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور دعا کی کہ جس طرح تونے مسجد کو روشن کیا ہے اللہ تعالیٰ تیری قبر کو بھی روشن کرے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد کی قندیلیں زینت کے خیال سے روشن کردی جائیں تو درست ہے اور یہاں جو شب برات و شب قدر میں قندیلوں کے روشن کرنے میں جو تیل خرچ ہوتا ہے وہ مسجد کے مال سے نہیں ہوتا بلکہ لوگ ان متبرک راتوں میں خاص قندیل روشن کرنے کے لئے دے جاتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۶) مسجد میں روزانہ دو ایک چراغ جلتا ہے اگر رمضان شریف میں تراویح کے لئے پانچ یا اس سے زائد روشن کردیئے جائیں تو درست ہے یا نہیں؟

(۷) زید کہتا ہے کہ زینت کے خیال سے مسجد میں زیادہ قندیلیں روشن کرنا درست ہے جب کہ اس کا تیل مسجد کے مال سے نہ خریدا جاوے اور فقہاء اور مفسرین مسجد کے متعلق لکھتے ہیں۔ **تنویرھا بالمصابیح زینوھا بالسرج، زینوا بالمصابیح**. ہاں طہارت خانوں، غسل خانوں اور بازاروں میں روشن کرنا اسراف ہے زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) شب برات اور شب قدر وغیرہ میں مساجد کو مزین کرنا یا روزمرہ کی ضرورت سے زائد چراغ جلانا جائز نہیں اور بہت سے مفاسد اور بدعات پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ اگر ساری خرابیوں سے قطع نظر کرلی

جائے اور ان مصالح کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جاوے جو زیادہ چراغ جلانے میں پیش کئے جاتے ہیں بلکہ یہ فرض کر لیا جائے کہ مساجد کی ایسی تزئین فی نفسہ مستحب اور اولیٰ بھی ہے تب بھی خاص خاص راتوں شب قدر و برات وغیرہ میں اس کا اہتمام کرنا بدعت ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کے عہد میمون سے لیکر تمام قرون مشہود لہا بالخیر میں اور پھر تمام ائمہ علماء دین و صلحاء کے زمانہ خیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اگر یہ کوئی ثواب کی چیز ہوتی تو نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اس کے احق تھے کہ عملاً اور قولاً اس کی طرف دعوت دیتے اور صحابہ کرامؓ سب سے زیادہ اس کے اہل تھے کہ اس کو قبول کرتے اور جو ضرورتیں زیادہ چراغ جلانے میں اس وقت بتلائی جاتی ہیں کہ لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں یہ اس وقت بھی موجود تھیں اور قرن صحابہ اور تابعین میں تو جمع قرآن اور کتابت مصحف کے بعد یہ ضرورت بہت زیادہ عام ہوگئی تھی جب ان حضرات نے اس ضرورت کو ضرورت نہ سمجھا بلکہ نفس اجتماع فی المساجد ہی سے احتراز کیا تو اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس بدعت کو سنت بنائے یا کار خیر اور باعث ثواب ہونا ثابت کرے ورنہ بقول امام مالکؒ گویا اس کا دعویٰ کرنا ہوگا کہ نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ نے زمانہ رسالت میں خیانت کی اور جو چیزیں ثواب کی تھیں وہ امت کو نہ پہنچائیں نیز یہ دعویٰ لازم آئے گا کہ ہم اس طریقہ سے اچھا طریقہ رکھتے ہیں جو صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کا تھا۔

قال مالك من احدث فی هذه الامة شيئا لم يكن عليه سلفها فقد زعم ان النبی ﷺ خان الرسالة (اعتصام للشاطبی ص ۲۱۵ ج ۲)

اور امام مالکؒ نے خوب فرمایا **لن ياتی اخر هذه الامة باهدی مما كان عليه اولها**۔

الغرض اگر اس طرح زیادہ چراغ جلانا فی نفسہ بالکل جائز بلکہ مستحب بھی ہوتا جب بھی خاص خاص راتوں کی اپنی طرف سے تخصیص کرنا اور ان میں زیادہ زینت چراغاں کرنا بدعت و ضلالت ہوتا اور اس کا ترک ضروری ہو جاتا جیسا کہ سلف صالح کے اعمال و اقوال اس پر شاہد ہیں۔

قال الشامی اذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة راحجاً علی فعل البدعة الخ (شامی مجتبائی ص ۴۳۱ ج ۱ باب مكروهات الصلوٰة)

کتاب الاعتصام جلد ثانی میں علامہ شاطبیؒ نے ایک عدد کثیر آثار سلف کا اس پر پیش کیا گیا ہے کہ اگر کسی حکم میں پہلے سے سنت مستحب ہونے کا بھی یقین ہو لیکن اس پر عمل کرنے سے لوگوں کے غلو اور تعدی عن الحدود کا خطرہ ہو تو اس مستحب کو بھی چھوڑ دینا چاہیے ابتداء شوال کے چھ روزے جن کی فضیلت حدیث میں منقول ہے حضرت امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک ان کا التزام مکروہ ہے وجہ یہی ہے کہ اس کے التزام، و اہتمام سے جزء رمضان ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے (اعتصام ص ۷۰ ج ۴) امام مالکؒ نے اس کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کہ چند آدمی کسی ایک مکان میں جمع ہو کر ایک ہی سورۃ کی تلاوت کریں (اعتصام ص ۱۶۷ ج ۲)

ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے پوچھا کہ ابو سعید تم ہماری اس مجلس کو کیسا سمجھتے ہو کہ ہم اہلسنت

والجماعت کے چند آدمی جو کسی پر طعن نہیں کرتے ایک گھر میں جمع ہو جاتے ہیں آج ایک شخص کے گھر میں کل کو دوسرے کے گھر اور جمع ہو کر قرآن شریف پڑھتے ہیں اور اپنے لئے اور عامہ مسلمین کے لئے دعا کرتے ہیں راوی کہتے ہیں کہ حضرت حسنؒ نے اس کو نہایت شدت سے منع کیا۔ ولفظه۔ قال فنهى الحسن عن ذاك اشد النهى (کتاب الاعتصام ص ۱٦٦ ج ۲)

ایسے ہی ایک دفعہ کا واقعہ میں حضرت ابن عباس اور طلحہؓ سے بھی ممانعت منقول ہے (اعتصام) یہ سب بیان اس تقدیر پر تھا کہ اس قسم کے چراغاں اور اس اجتماع مساجد کو فی نفسہ جائز قرار دیا جاوے اور تخصیص بعض امور کی وجہ سے بدعت ہو لیکن تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز فی نفسہ جائز نہیں جس کا بیان امور مفصلہ ذیل میں ہے۔ دوسرے یہ کہ شب برات اور شب قدر وغیرہ میں مساجد کے اندر اجتماع کا اہتمام والتزام یہ خود ایک مستقل بدعت ہے جس کی نظیر قرون مشہود لہا بالخیر میں موجود نہیں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اجتماع کوئی محمود چیز ہے بلکہ مسنون اور مستحب صرف وہی ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے علیحدہ علیحدہ اس مبارک رات میں بیدار رہ کر اپنی اپنی نوافل اور تلاوت میں مشغول رہیں علامہ شامی نے باب الوتر والنوافل میں اس کی بایں الفاظ تصریح فرمائی ہے۔ قال فی الدر المختار واحياء ليلة العيدين و النصف من شعبان الخ قال الشامی اشار بقوله فرادى الى ماذكر ه بعد فی منهيه و يكره الا جتماع على احياء ليلة هذه الليالى فی المساجد و تمامه فی شرحه و صرح بكراهة ذلك فی الحاوى القدسى وقال ما نقل من الصلوٰة فی هذه الاوقات يصلى فرادى غير التراويح (شامی مجتبائی ص ٤٦١ ج ١)

اور علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں خود اس زیادہ چراغ جلانے اور اجتماع کے بدعت ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ و لفظه و حاصله ان النار ليس ايقادها فی المساجد من شان السلف الصالح ولا كانت مما تزين به المساجد البتة ثم احدث التزيين بها حتى صارت من جملة ما يعظم به رمضان واعتقد العامة هذا (الى قوله) و مثله ايقاد الشمع بعرفة ليلة الثامن- ذكر النووى انها من البدع القبيحة وانها ضلالة فاحشة جمع فيها انواع من القبائح منها اضاعة المال فی غير وجهه و منها اظهار شعائر المجوس (الى قوله) وقد ذكر الطر طوسى فی ايقاد المساجد فی رمضان بعض هذه الامور وذكر ايضا قبائح سواها (اعتصام جلد ۲ صفحه ۲۷۳)

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح زیادہ روشنی کرنا علاوہ بدعت وضلالت ہونے کے اور بھی بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے مثلاً (۱) اضاعت مال بلا ضرورت اور جو ضرورت سوال میں ظاہر کی گئی ہے کہ لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں وہ خود ایک مستقل بدعت ہے اس کو کیسے ضرورت اسلامی قرار دیا جا سکتا ہے اور بجلی کی روشنی کا بھی یہی حکم ہے کہ قدر حاجت سے زیادہ پاور کی بتی استعمال کرنا یا ضرورت سے زیادہ بتیاں جلانا اضاعت مال اور اسراف میں داخل ہے۔

(۲) اس کثرت قنادیل سے چراغاں کرنا ہندوؤں کی دیوالی کے مشابہ ہے اس لئے بھی ممنوع ہونا چاہیئے اور

مسجد میں چراغ جلانے کی فضیلت جو سوال میں بحوالہ غنیۃ الطالبین اور سیرت حلبیہ لکھی گئی ہے وہ مطلق چراغ جلانے کے متعلق ہے۔ جس کا کوئی منکر نہیں اس قسم کی رسوم بدعیہ اور چراغوں کو اس سے ثابت کرنا سراسر افتراء ہے نیز بحوالہ سیرت حلبیہ جو لکھا گیا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے زیادہ قندیلیں تراویح کے لئے روشن کرادی تھیں اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قبر کو روشن کرے جیسا کہ تم نے ہماری مساجد کو روشن کیا یہ غلط ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی مراد ظاہری قندیلوں کا اضافہ کرنا نہیں تھا بلکہ نور قرآن سے مساجد کو روشن کرنا مراد تھا تو اس غلط روایت پر ایک بدعت کی بنیاد رکھنا سراسر بناء فاسد علی الفاسد ہے۔

(تنبیہ) -اس بیان میں سوالات کے ہر نمبر کا جواب مفصلاً آگیا فلیتدبر-

خلاصہ یہ ہے کہ شب برات اور شب قدر وغیرہ میں مساجد کو زیادہ مزین کرنا ایک بدعت ہے اور زیادہ روشنی کرنا اور چراغاں کی صورت اختیار کرنا دوسری بدعت اور لوگوں کا اہتمام و التزام کرکے جمع ہونا تیسری بدعت البتہ اتفاقی طور پر کچھ لوگ مسجد میں چلے جائیں اور بغیر تداعی کے جمع ہو جائیں تو اس حد تک مضائقہ نہیں جہاں تک اس اجتماع کے سنت سمجھے جانے کا خطرہ نہ ہو ان بدعات کے علاوہ چراغاں کرنے میں اسراف بیجا بھی ہے اور تشبہ بالہنود بھی اس لئے اتنے مفاسد کے ہوتے ہوئے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ ان منکرات کو حسنات عبادات سمجھ کر مساجد میں کیا جاوے اور بالخصوص اس مبارک رات میں کیونکہ مبارک مکانات اور مبارک اوقات میں جس طرح عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح بدعت و معصیت کا گناہ زیادہ ہونا چاہئیے جیسا کہ علامہ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں حرمین کے اندر تضاعف گناہ کی تصریح فرمائی ہے اور تمام علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ کوئی نیک کام اور نفلی عبادت جب بدعت کے ساتھ مل جائے تو اس کا بالکل چھوڑ دینا کرنے سے بہت زیادہ افضل ہے جیسا کہ بحوالہ شامی اوپر نقل کیا گیا ہے۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) ۷ اشعبان ۵۰ھ

فرائض کے بعد درود شریف پر اکتفاء کرنا

(سوال ۸۵) بسیار درود و خواندن بر نبی کریم ﷺ یعنی بعد ادائے فرائض ہیچ عبادت نمی کند بغیر درود جائز است یانہ -واین را اجر خواہد شود یانہ ؟

(الجواب) بعد ادائے فرائض اگر اکتفاء فقط بر فرائض کردہ وواجبات و سنن ترک کردہ بدرود مشغول شود جائز نیست-باز ہم ثواب درود باوحاصل خواہد شد اگرچہ گناہ ترک واجب واساءت ترک سنت زیادہ ازاں ثواب خواہد بود-البتہ اگر کسے فرایض وواجبات و سنن ادا کردہ و نیز حقوق عباد کہ باو متعلق باشد ادا نمودہ جملہ وقت او در درود صرف کند ایں فضیلتے است بس عظیم حق تعالیٰ ہر مومن را نصیب گرداند-

(واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

یارسول اللہ کہنا

(سوال ۸٦) خلاصہ سوال یہ ہے کہ یارسول اللہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) اصل یہ ہے کہ یارسول اللہ کہنا نہ قطعاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدہ سے یارسول اللہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ یہاں پر موجود ہیں یا ضرور میری آواز کو سنیں گے تو یہ جائز نہیں بلکہ ایک نوع شرک ہے اور اگر محض تخیل کے طور پر شاعرانہ وعاشقانہ خطاب کرتا ہے تو جائز ہے جیسے اہل معانی وبلاغت نے بیان کیا ہے کہ بعض اوقات معدوم کو موجود فرض کر کے یا غیر حاضر کو حاضر فرض کر کے خطاب کیا جاتا ہے اور یہ ایک نوع بلاغت ہے قرآن کریم میں بھی بکثرت موجود ہے اشعار و نظم میں یہ نوع بلاغت بلا کسی نکیر کے تمام علماء کے نزدیک جائز ہے بلکہ خود اجلہ علماء کا معمول ہے اور اس میں در حقیقت کسی عقیدہ وغیرہ کو دخل نہیں ہوتا بلکہ محبت کے آثار میں سے ہے اس لئے بعض لوگ کھنڈروں اور دیواروں کو خطاب کرتے ہیں کوئی بلبل و قمری کو خطاب کرتا ہے۔ ؎

تواے کبوتربام حرم چہ مے دانی زحال ماکہ جدااز حریم دلداریم

باللہ یا ظبیات القاع قلن لنا الیلای منکن ام لیلی من البشر – وغیر ذلک – ہر زبان میں اس کی نظائر بکثرت ہیں اسی طرح محبانہ شوق میں اگر کوئی بلا عقیدہ حاضر وناظر کے خطاب کرے تو مضائقہ نہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ محض یارسول اللہ یارسول اللہ کو وظیفہ بنانے اور عبادت سمجھ کر اسی لفظ کو رٹتا رہے یہ بدعت ہے اور بے معنی بھی ہے بخلاف یااللہ کے کہ نفس ذکر اسم ذات عبادت ہے جس صیغہ اور جس صورت سے بھی ہو۔

تقویۃ الایمان کے متعلق سوال وجواب

(سوال ۸۷) حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی تصنیف تقویۃ الایمان کے متعلق کیا رائے ہے۔ اور جو لوگ کفر کا فتویٰ دیتے ہیں وہ کس بناء پر عام طور پر اس کتاب کے متعلق جو اختلاف پیدا ہو چکے ہیں اس کی کیا وجہ ہے مہربانی فرما کر اس کتاب کے متعلق حق اور ناحق کا قطعی فیصلہ اور دیوبند کی آراء سے مطلع کریں چند سال ہوئے ہیں بدعتیوں نے بھی مدارس کی اسلامی فضاء کو مکدر بنا رکھا ہے اور قصبات و دیہات میں بھی عام طور پر ایسے زہریلے اثرات پھیل گئے ہیں اور یہاں اکثر جاہل طبقہ رہتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ علماء دیوبند سے بھی اس کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے تاکہ اطمینان خاطر ہو جاوے۔

(الجواب) تقویۃ الایمان در حقیقت تقویۃ الایمان ہی ہے جن لوگوں کے قلوب میں امراض ہیں وہ اس نسخہ تقویت سے بجائے قوت کے امراض پیدا کر لیتے ہیں اور صاحب تقویۃ پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں تقویۃ الایمان میں کوئی ایسا مضمون نہیں جو حدود شرعیہ سے متجاوز ہو بلکہ وہ خالص رد بدعات اور رسوم شرکیہ کے لئے نسخہ شفاء و قوت ایمان ہے مسلمانوں کو حرز جان بنانا چاہیئے مبتدعین جن عبارتوں پر اعتراض کرتے ہیں محض کم فہمی اور بغض و عناد کا نتیجہ ہے ورنہ اہل فہم ذرا سے غور کے ساتھ بشرط انصاف حقیقت

پر مطلع ہو سکتے ہیں ان عبارتوں کی توضیح اور اصلی مطالب واضح کرنے کے لئے حضرت مولانا مرتضی حسن صاحب مد ظلہم ناظم تبلیغ دارالعلوم نے دو رسالے مستقل لکھے ہیں ایک السحاب المدرار دوسرا "تزکیۃ الخواطر" ان کو ملاحظہ فرمانے سے واضح ہو جائے گا یہ حضرات فرشتہ صفت عین اقتداء نبوی پر قائم ہیں۔ ان کی کسی عبارت سے ادنیٰ سی گستاخی و بے ادبی مترشح نہیں ہو سکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جس جگہ ان مبتدعین نے فتنہ برپا کیا ہے وہاں رسائل مذکورہ اور دوسرے رسائل مثل توضیح المراد الشہاب الثاقب، الختم علی لسان الخصم، اسکات المعتدی، المہند وغیرہ رسائل کی اشاعت کرنے کی کوشش فرمائیں ان رسائل کے دیکھنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ رہے گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء کا التزام بدعت ہے

(سوال ۸۹) احادیث میں دبر الصلوٰۃ المکتوبۃ جس دعاء کا ذکر ہے کیا سنن رواتب کے بعد والی دعاء کو شامل نہیں ہے شیخ محدث دہلویؒ نے تو اسے جائز قرار دیا ہے اگر لوگوں کو سمجھا دیا جائے کہ اس کی سنیت کا خیال نہ کریں اور رواتب کے بعد بہئیۃ اجتماعیہ اگر دعا کر لی جائے تو کیا یہ بھی بدعت ہے؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) نفس دعاء دبر الصلوٰۃ المکتوبۃ ۔ تو بلاشبہ عام ہے بعد المکتوبہ متصلا اور بعد السنن الرواتب کو۔ لیکن گفتگو نفس دعاء میں نہیں بلکہ دعاء بھیئت اجتماعیہ میں ہے اس کی کوئی دلیل اور شاہد۔ سلف اور خلف کے تعامل و آثار میں بعد الرواتب موجود نہیں بہت سے علماء کو تو بھیئۃ اجتماعیہ بعد المکتوبۃ کے ثبوت میں بھی کلام ہے علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں اسی لئے اس کو بدعت کہا ہے لیکن مکتوبہ (فرض نماز) کے بعد متصلا اجتماع للدعاء نہیں بلکہ اجتماع سابق کا ابقاء الی ختم الدعاء ہے اور رواتب کے بعد مستقل اجتماع للدعاء ہوگا اس لئے وہ بدون تصریح شارع یا نقل تعامل بالتواتر کے قابل عمل نہیں ہو سکتا بخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں اجتماع تو صلوٰۃ مکتوبہ کے لئے ہوا تھا ختم مکتوبہ کے بعد مختصر سی دعاء مسنون پر ہر شخص عمل کرے تو خود بخود اجتماع سابق باقی رہ جائے گا بالقصد اجتماع دعا کے لئے نہ ہوگا اس لئے وہ باوجود عدم نقل بالتواتر کے بھی قابل تسامح ہے بالخصوص جب کہ اس پر تعامل بھی ثابت ہو کما فی رسالۃ استحباب الدعوات۔ تو اس کو بدعات کی فہرست میں داخل نہیں کیا جا سکتا بخلاف بعد الرواتب (سنتوں کے بعد) بہیئۃ اجتماعیہ کے کہ نہ اس پر تعامل ثابت ہے اور نہ کسی حدیث و اثر سے اس کا ثبوت ہے تو اس پر اجماع اور اس اجتماع کا التزام بلاشبہ بدعت کی حد میں آجاتا ہے علامہ طحطاویؒ کی عبارت احقر کی نظر سے بھی گزری ہے لیکن اس کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آئی اور قواعد مسلمہ کے خلاف صرف ان کی یہ تصریح ہمارے مشائخ کے نزدیک قابل تقلید و اتباع نہیں ہے (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم) (اضافہ)

اقارب میت کے یہاں اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

(سوال ۹۰) تعزیت کا امر مسنون ہونا کتب فقہیہ میں موجود ہے کہ بوقت تعزیت میت اور اس کے اقارب

کے لئے دعا کی جائے اور ان کو صبر دلایا جائے یہی تعزیت کی حقیقت ہے شامی میں موجود ہے کہ ہر دعاء کے وقت رفع یدین (ہاتھ اٹھانا مستحب ہے) کیاان مقدمات کو ملانے سے مروجہ فاتحہ یعنی اقارب میت کے یہاں جاکراور رفع یدین کر کے دعا کرنے کا جواز نہیں نکلتا؟

(الجواب) ہر گز نہیں - یہ اجتماعی دعاء مع رفع یدین کے اور اس پر التزام جب تک خصوصی طور سے ثابت نہ ہو عمومی دعاؤں کے فضائل اس کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہو سکتے کیونکہ میت ہو جانا اور اس کی تعزیت کرنا کوئی جدید حادثہ نہیں جو قرون مشہود لہابالخیر میں پیش نہ آیا ہو اور جس کے لئے عمومات سے استدلال کیا جائے - صدہا بلکہ ہزارہاواقعات تعزیت کے سلف سے منقول ہیں مگر یہ طریقہ کہیں ایک جگہ بھی منقول و ماثور نہیں پھر اس کو ایک رسم شرعی کی طرح پابندی سے ادا کرنا بلاشبہ بدعت کی حد میں داخل کر دیتا ہے حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہر جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے مالم یکن یومئذٍ دینا لا یکون الیوم دینا اگر یہ طریقہ محمود ہوتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ حضرات سلف کو اس کی توفیق نہ ہوتی -

(واللہ تعالٰی اعلم) ۲۲ / ربیع الاول ۱۳۶۳ھ (اضافہ)

کتاب العلم
(فصل فی تعظیم العلم و العلماء و آداب المفتی)
(مسائل متعلقہ دین وعلمائے دین)

بغیر علم فتویٰ دینا حرام ہے

(سوال ۹۱) اگر کوئی شخص جو عالم نہیں ہے کسی شرعی مسئلہ جواز یا عدم جواز کا فتوی دے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(الجواب) بغیر علم کے فتوی دینا حرام ہے اور جو شخص اس کے غلط فتوے پر عمل کرے گا اس کا گناہ بھی اس مفتی کے سر رہے گا۔ اور کفارہ اس گناہ کا یہ ہے کہ اپنے فتوے کے غلط ہونے کا اعلان کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے۔ ۴ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

صدق کے لئے نفس واقعہ میں محکی عنہ کی مطابقت کافی ہے

(سوال ۹۲) ظاہر ہے کہ قول حکایت کے صدق میں محکی عنہ کی مطابقت ضروری ہے لیکن شبہ یہ ہے کہ کسی ایسی مطابقت میں اتحاد فی المضمون کی مانند وجود اور عدم فصاحت وبلاغت، فنون بدیعیہ بھی معتبر ہیں یا زبان اور لغت کی مثل غیر معتبر۔ مثلاً زید نے عمر کو جو بکر کے قیام کا سخت منکر ہے مخاطب بنا کر کہا واللہ ان بکر القائم اب ناقل نے زید کے قول کی حکایت اس طرح کی کہ قال زید لعمر وقام بکر یا زید نے عمر سے جو بکر کے قیام سے خالی الذہن ہے مخاطب ہو کر کہا واللہ ان بکراً لقائم۔ اور ناقل نے زید کے قول کو اس طرح نقل کیا۔ قال زید لعمر وقام بکر۔ کیا حکایتیں اپنے اپنے محکی عنہ کے ساتھ مطابق اور صادق ہیں یا نہیں؟

(الجواب) صدق خبر کے لئے نفس واقعہ میں محکی عنہ کی مطابقت کافی ہے فنون بدیعیہ اور بلاغیہ کا تحفظ ضروری نہیں، اسی وجہ سے باتفاق فقہاء اور محدثین روایت بالمعنی جائز ہے حالانکہ تمام وجوہ بلاغت کا تحفظ روایت باللفظ میں ہرگز نہیں رہ سکتا۔ البتہ اگر کہیں رعایت بلاغت نہ کرنے سے متکلم کی مراد بالکل بدل جائے تو وہ صدق خبر کے لئے مانع ہوگا پس اگر ایسا قصداً کیا جائے تو قائل گناہ گار ہوگا اور اگر نادانستہ ہو گیا تو گناہ نہ ہوگا کما ھو مدلول القواعد۔ (واللہ تعالی اعلم)

والدین کا ترک تعلیم پر مجبور کرنا

(سوال ۹۳) زید تعلیم دین حاصل کر رہا ہے اس کے والدین اس کو تعلیم سے منع کرتے ہیں، منع کرنے کی اہم ضرورت یوں ہے کہ اس کی منکوحہ تقریباً تین سال سے بالغہ ہے اب والدین اس کی شادی کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن بایں شرط کہ تعلیم کو ترک کرے جب تک اپنی روزی کے لائق نہ ہو جائے آیا اب زید کو بروئے شریعت کیا کرنا چاہیئے؟

(الجواب) اس صورت میں بہتر اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ والدین کو تکمیل علم دین کے لئے جس طرح ہو

راضی کر لیوے اور اگر وہ اس بارے میں والدین کا کہنا نہ مانے تو نافرمان نہ ہوگا اور والدین کو لازم ہے کہ ابھی تکمیل علم دین کی وجہ سے اس کے نکاح کو ملتوی رکھیں اگر چہ اس کی زوجہ بالغہ ہوگئی ہے۔ شرح شرعۃ الاسلام فصل فی حقوق الوالدین میں ہے۔ ولا یترکھما لغزوا وحج اوطلب علم فی الخزانۃ انہ لو خرج بطلب العلم بغیر اذن والدیہ فلا بأس بہ ولم یکن ذلک عقوقاً الخ ۔ (واللہ تعالی اعلم)

کیا جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے استاد تھے

(سوال ۹۴) حدیث بخاری شریف میں سورہ اقراء کے بارے میں جو واقعہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں وحی لیکر تشریف لائے اور کہا کہ پڑھو اقراء۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں قاری نہیں ہوں پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ کر بھینچ لیا اور بڑے زور سے دبایا پھر چھوڑ دیا اس طرح تین مرتبہ کیا پھر تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑا اور بہت زور سے بھینچا اور پھر زور دیا اور کہا کہ پڑھو اقراء باسم ربك الذی خلق ۔ پھر حضور ﷺ نے پڑھ لیا اور اس واقعہ میں احقر کی عقل ناقص سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تین مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بھینچنے اور پھر تیسری مرتبہ بھینچنے پر حضور ﷺ کا اقراء پڑھنا کیا وجہ تھی اور اس سے یہ بھی مغالطہ پیدا ہوتا ہے کہ جبرائیلؑ نے حضور ﷺ کو تعلیم دی اور حضور ﷺ شاگرد اور حضرت جبرائیل استاد ہوئے حالانکہ حضور ﷺ اشرف الانبیاء اور اشرف المخلوقات اور فرشتوں کے سردار ہیں ایسی صورت میں رشتہ شاگرد اور استاد کا ہونا کیونکر ممکن ہے اس لئے ملتمس ہوں۔ جواب نہایت مدلل عقلی و نقلی ہو اس سے مشرح طور پر عاجز کو مطلع فرمادیں؟

(الجواب) نصوص شرعیہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو خود حق تبارک و تعالیٰ نے تعلیم دی ہے اور آپ کا مربی و معلم براہ راست دست قدرت ہے۔ حضرت جبرائیل درمیان میں محض واسطہ تبلیغ ہیں جیسے بڑی جماعتوں میں دور کے مقتدی جو امام کی آواز نہیں سنتے مکبرین کی آواز سن کر رکوع و سجدہ کرتے ہیں تو ان کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ لوگ ان مکبرین کے مقتدی ہیں اور مکبر ان کے امام ہیں بلکہ امام سب کا وہی ایک امام ہوتا ہے اور مکبر لوگ محض امام کی آواز یہاں تک پہنچاتے ہیں یا جس طرح کوئی استاد کسی مسئلہ کا حل ڈاک میں بھیج دے تو چٹھی رساں جو اس کو پہنچانے والا ہے اس کو استاذ و معلم نہیں کہتے بلکہ معلم اصل استاذ اسی کو کہا جاتا ہے حق تعالیٰ کی حکمت غامضہ کے اقتضاء سے بعض اوقات یہی پسند کیا گیا ہے کہ کلام بواسطہ جبرائیلؑ کیا جائے اگر چہ بعض اوقات میں بلاواسطہ کلام سے بھی مشرف فرمایا گیا ہے جیسا کہ لیلۃ المعراج میں تو دونوں صورتوں میں درحقیقت مربی و معلم خود حق تبارک و تعالیٰ ہیں جبرائیل محض مبلغ الفاظ یہی وجہ ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کو الفاظ بدل دینے کا اختیار نہ تھا۔ اور اگر خود معلم ہوتے تو معلم کو سب اختیار ہوتا ہے کہ اپنے شاگرد کو جس عنوان سے چاہے سمجھائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح چٹھی رساں محض مبلغ ہوتا ہے کہ الفاظ خط میں اس کو تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت جبرائیلؑ محض مبلغ اور سفیر اور قاصد کا درجہ رکھتے ہیں اور دلیل اس کی خود آیات سورہ علق ہیں کہ لفظ اقراء کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے باسم

ربک جس سے اشارہ ہے اس کی طرف کہ حق تعالیٰ آپ کا تربیت کرنے والا ہے وہی آپ کو تعلیم دیگا- و بمثله صرح الآ لوسی فی تفسیره روح المعانی حیث قال و التعرض لعنوان الربوبية المنبئة عن التربية والتبليغ الى الكمال للائق شيئاً فشيئاً- مع الاضافة الى ضميره ﷺ للا شعار بتبليغه ﷺ الى الغاية القاصية من الكمالات البشرية بانزال الوحى المتواتر- (روح ص ۱۷۹ ج ۳) نیز پھر اسی مضمون کا تتمہ اور پوری توضیح اس کے بعد کی آیات میں اس طرح فرمائی گئی ہے-

اقراء وربك الاكرام الذى علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم -جس میں خود حضرت حق کو معلم ظاہر کر کے بتلادیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ ہی آپ کو تعلیم دیں گے اور در حقیقت یہ آیت جواب ہے اس بات کا جو ابتداء وحی میں آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی کہ میں "قاری نہیں" تو اس پر فرمایا گیا کہ اگرچہ اصل سے قاری نہیں مگر آپ کا رب ایسا کریم ہے کہ وہ جس طرح لکھے پڑھوں کو تعلیم بذریعہ قلم دیتا ہے اسی طرح بلاواسطہ قلم و کتاب بھی تعلیم دے سکتا ہے-اسی وجہ سے اول علم بالقلم فرمایا اور پھر علم الانسان مالم يعلم ارشاد ہوا جس کا حاصل یہ تھا کہ آپ اگرچہ بالذات قاری نہیں لیکن اللہ کے نام پر پڑھئے کہ وہ آپ کو قاری بنادے گا تفسیر روح المعانی میں اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے- فكما علم سبحانه القارى بواسطة الكتابة بالقلم يعلمك بدونها و حقيقة الكرم اعطاء ما ينبغى لا لغرض (الى قوله) والا شعار بانه تعالىٰ يعلمه عليه الصلوٰة والسلام من العلوم مالا يحيط به العقول مالا يخفى (روح ص ۱۸۰ ج ۳) یہی راز ہے کہ جب تک جبرائیل علیہ السلام فقط اتنا لفظ کہتے رہے (اقراء) تو جواب میں آنحضرت ﷺ ماانا بقاری فرماتے رہے تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور جب یہ لفظ کہے اقراء باسم ربک الذی الایۃ تو فوراً پڑھنے لگے اور جبرائیلؑ کا دبانا یہ بھی بامر الٰہی تھا خود جبرائیلؑ کا فعل نہ تھا اس لئے معلوم ہوا کہ معلم واستاذ نبی کریم ﷺ کے جبرائیلؑ نہیں بلکہ آپ کی تعلیم کا متکفل خود حضرت حق جل وعلا نے کیا ہے ﷺ ولنعم ماقال العارف الجامیؒ

فیض ام الکتاب پرورد ش-لقب امی خدا از ان گرد ش　　　　ای لوح خواں بالوحی-تقدیرت سلالہ بطحا

فقط والله سبحانه و تعالىٰ اعلم باحوال خير خلقه و صفوة رسله ﷺ -

کسی عالم کو گالی دینا علی الاطلاق کفر نہیں

(سوال ۹۵) باہر سے لکھا ہوا فتویٰ برائے تصدیق جواب آیا جس میں عالم کو گالی دینے پر کفر کا حکم عائد کیا گیا تھا؟

(الجواب) عالم کی اہانت اگر کسی دنیوی بغض وعداوت کی وجہ سے نہ ہو بلکہ محض علم دین ہی کی وجہ سے ہو تو بلاشبہ یہ اہانت کفر ہے-اور کتب فقہ میں اسی اہانت کو کفر قرار دیا گیا ہے لیکن عام طور پر جو واقعات سے تجربہ ہوتا ہے عوام جو کسی عالم کی اہانت کرتے ہیں وہ محض علم کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اسباب زائدہ کی بناء پر ہوتی ہے اور یہ اہانت بھی اس میں شبہ نہیں کہ سخت کبیرہ گناہ ہے مگر اس کو کفر نہیں کہا جاسکتا تکفیر مسلم کا معاملہ

سخت اہم ہے اس میں اتنی عجلت اور جرات مناسب نہیں کما صرح به البحرمن کتاب المرتدین و بمثله صرح فی جامع الفصولین-اور علامت اس کی یہ ہے کہ سب علماء کی اہانت نہیں کرتے صرف کسی خاص عالم کی کرتے ہیں جس کے ساتھ کوئی واقعہ خاصہ پیش آتا ہو ورنہ اگر محض علم کی وجہ سے اہانت کرتے ہیں تو سب کی کرتے- (والله اعلم)

فصل فی تعلیم القرآن و تعلمه
(قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کے مسائل)

جبری تعلیم کی وجہ سے مکاتب قرآن کو بند کرنے یارکاوٹ پیدا کرنے کا حکم

(سوال ۹۶) قرآن پاک کا حفظ کرنا ضروری ہے یا نہیں اور ناظرہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں اور یہ دونوں امور دینیہ میں سے ہیں یا نہیں ان میں رکاوٹ پیدا کرنا مداخلت فی الدین میں داخل ہے یا نہیں جیسا کہ جبریہ تعلیم کے عملہ والے کرتے ہیں کہ مکتبوں کو بند کرتے ہیں یا لڑکوں کو مکتبوں سے جبر اٹھا کر اسکولوں میں لے جاتے ہیں حالانکہ قانون جبریہ تعلیم کی دفعہ (۸) فقرہ (۲) میں صاف لکھا ہے کہ بچے کو مذہبی وجوہ کی بناء پر اسکول کمیٹی نے مستثنےٰ کردیا ہو باوجود اس گنجائش کے مسلم اہل عملہ اور مسلم ممبران بچے کو جو قرآن پاک کی ناظرہ یا حفظ کی تعلیم پاتا ہو مستثنےٰ نہ کریں تو شریعت کا حکم ان کے بارے میں کیا ہے؟

(الجواب) قرآن مسلمانوں کے لئے مدار ایمان واسلام ہے اور ایمان واسلام ان کے لئے مدار بقاء وحیات، جو شخص تعلیم قرآن میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا کرتا ہے وہ در حقیقت مسلمانوں کا دشمن بلکہ خود اسلام کا دشمن ہے ان کی دینی ترقی کے ساتھ دینوی فلاح کو بھی مٹانے والا ہے، قرآن کا پڑھنا اور پڑھانا، حفظ اور ناظرہ یہ سب ایسے فرائض ہیں کہ مسلمانوں سے کسی حال ساقط نہیں ہو سکتے اور یہ محض شیطان کا دھوکہ ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچے جب کہ قرآن کو سمجھتے ہی نہیں تو پڑھنے سے کیا فائدہ-ان لوگوں نے دراصل قرآن کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں قرآن مجید کو انہوں نے ایک قصوں تاریخ کی کتاب سمجھ رکھا ہے کہ جب کوئی اس کو نہ سمجھے تو پڑھنے سے کیا فائدہ-حالانکہ قرآن تو وہ نسخہ ہے کہ جس کا سمجھ کر استعمال کرنا تو مفید ہے ہی بلکہ بے سمجھے اس کا پڑھنا اور وظیفہ بنانا بھی مزیل امراض ہے اور نجات آخرت کا سامان ہے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں خواہ سمجھ کر پڑھے یا بلا سمجھے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح خود زبان سے ہو چکی ہے (کمافی الترغیب و الترهیب للمنذری)بلکہ پڑھنے سے بھی آگے محض دیکھنا بھی ثواب رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے النظر فی القرآن عبادة -اور اگر یہ خیال ہو کہ قرآن کو چھوڑ کر تعلیم جدید حاصل کرنے سے مسلمانوں کی دینوی ترقی ہو گی تو اولاً تو سمجھنا چاہئیے کہ اگر بالفرض ایسا ہی ہو گیا تو ہم اس ترقی کو لیکر کیا کریں گے جو اسلام اور قرآن کو چھوڑ کر ہو کیونکہ وہ ترقی در حقیقت مسلمانوں کی یا اسلام کی ترقی نہ ہو گی بلکہ سودیسی انگریزوں کی اور مسلمان صورت نصاریٰ کی ہو گی بلکہ مسلمان صورت کہنا بھی شاید صحیح نہ ہو، ہاں نام

اسلامی ہوگا اکبر مرحوم نے خوب لکھا ہے۔

نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے تو پھر اس کو کیا کریں گے کوئی جنٹ کوئی حج ہے

اور ثانیاً یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر مریض کا ایک نسخہ سے علاج نہیں ہوا کرتا بلکہ ہر شخص کا مزاج و طبعیت جدا ہے، ہر شخص کی صحت و قوت کے لئے دوائیں جدا جدا ہیں۔ بعینہ اسی طرح اقوام دنیا کا حال بھی اشخاص کی طرح مختلف ہے جیسے ایک دوا ایک مرض میں ایک شخص کے لئے مفید ہوتی ہے اور دوسرے کے لئے اسی مرض میں مضر اسلام اور مسلمان جب سے دنیا میں آئے ہیں ان کے مزاج اور امراض و علل کا تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس قوم کا شیرازہ در حقیقت محض روحانیت پر قائم ہے اس کی سیاست و ریاست اسی میں منحصر ہے اس کی ترقی و تنزل روحانیت کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے محض مادی ترقی سے نہ کبھی اس قوم نے ترقی پائی ہے اور نہ آئندہ پانے کی توقع ہے مسلمان اسی وقت تک ترقی یافتہ قوم تھی جب تک ان کا انہماک مادیات میں نہ تھا اور جس دن سے وہ اس آفت میں گرفتار ہوئے وہی دن ان کے تنزل کا پہلا قدم تھا حیرت ہے کہ مسلمان آج کل بھی اپنے اندلس کی سلطنت اور اس میں اسلامی آثار تعمیرات و ایجادات کو مسلمانوں کی ترقی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ہی چیزیں شیرینی میں ملا ہوا زہر تھا جس نے ان کی حقیقی ترقی کو فنا کیا اور کیسے نہ ہوتا کہ صادق مصدوق ﷺ فرما چکے تھے **فواللہ لا الفقرا خشی علیکم ولکن اخشی ان تبسط علیکم الدنیا**۔ (الحدیث) الغرض اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ تعلیم جدید اور ترک مذہب و ملت نے ایک انگریز یا ایک ہندو کو دنیوی ترقی کے اوج اعلی پر پہنچا دیا ہے تو اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو ہنس کی چال چل کر اپنی بھی چال بھول جانا خسران دنیا و آخرت ہے ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی تاریخ کا مرقع لوگوں کے سامنے ہے حیرت ہے کہ اس پر غور نہیں کیا جاتا کہ کسی قرن اور کسی زمانہ میں مسلمانوں نے مذہب و قرآن سے اعراض کر کے دینی ترقی تو کیا پاتے کبھی دنیوی ترقی و اعزاز کا منہ نہیں دیکھا۔ امت محمدیہ کے ایک بہت بڑے امام مدینۃ الرسول ﷺ کے سب سے بڑے استاذ حضرت امام مالک بن انسؒ نے اس عقدہ کو خوب حل فرمایا ہے **لن یصلح اخر ھذہ الا مامۃ الا ماصلح بہ اولھا۔ ذکرہ العلامۃ الشاطبی فی کتاب الاعتصام**۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اسلام و ایمان کی بنیاد ہے اس کا ناظرہ پڑھنا بھی ایسا ہی ہے جیسا حفظ پڑھنا اور بلا سمجھے پڑھنا بھی فرائض میں ایسا ہی داخل ہے جیسے سمجھ کر پڑھنا بھی ایسا ہی فرض ہے، اس میں رکاوٹ پیدا کرنا شیاطین اور کفار کا کام تھا، جو آج کل قسمت سے مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے، ایسے مسلمان یقیناً انتہائی درجہ کے فاسق ہیں اور خطرہ اس سے بھی زائد کا ہے ان کے کہنے پر کان لگانا بھی گناہ ہے، حق تعالیٰ مسلمانوں کو اس آفت سے بچائے۔ **(واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)**

کتاب التفسیر
(مباحث متعلقہ تفسیر قرآن)

قرآن مجید کے نزول اور جمع وترتیب کے متعلق
چند تحقیقات اور شریعت اولیٰ کا مطلب

(سوال ۹۷) دوسرے پارہ سیقول کے شروع میں یہ شبہ ہوا ہے کہ جلالین کے حاشیہ پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت سیقول الخ تلاوت پہلے اور نزول بعد کو ہوا ہے، سوال یہ ہے کہ تقدم تلاوت اور تاخر نزول کی کیا صورت ہے مہربانی فرماکر تفصیل کردیں اور پہلے تلاوت اور نزول بعد کو اور کتاب اور رسائل میں نظر آیا ہے احقر کے خیال میں نہیں آیا جیسے ایضاح الادلہ میں بھی ہے۔
(۲) مصاحف قرآن کی جمع وترتیب کیا حضرات صحابہؓ کے زمانہ میں ہوئی یا بعد کو، کیونکہ قراء بعض تابعی معلوم ہوتے ہیں اس کو بھی تصریح فرمائیں؟
(۳) امام شعرانی میزان میں شریعت اولیٰ سے کیا مراد لیتے ہیں اور شریعت اولیٰ کی کچھ تفصیل عنایت فرمائیں؟
(الجواب) جلالین کے حاشیہ کی عبارت تو سامنے نہیں اور سرسری طور پر دیکھی تو ملی نہیں۔ لیکن اگر وہ عبارت صحیح ہے تو یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ قبل از نزول باقاعدہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر یہ آیت جاری ہوگئی ہو اور وہ بھی ایک قسم کی وحی ہے کہ ما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی۔ مصرح ہے لیکن اس طرح کی وحی کو قرآن یا نزول قرآن نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے یہ صحیح ہوگیا کہ قراءت مقدم ہوئی اور نزول بعد میں۔
(۲) ترتیب مصحف جو امام کے نام سے موسوم ہے حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں اجماع صحابہ کے ساتھ ہوئی ہے، بعض تابعین بھی اس کی خدمت میں شریک ہوں تو کیا بُعد ہے۔
(۳) شریعت اولی کا لفظ جو امام شعرانیؒ سے نقل فرمایا ہے اگر پوری عبارت نقل فرماتے یا حوالہ صفحہ وباب وغیرہ تحریر فرماتے تو دیکھ کر کوئی تحقیقی بات لکھی جاتی اس طرح کیا عرض کیا جائے اور سرسری طور پر یہ خیال میں آتا ہے کہ شرائع انبیاء۔ سابقین مراد ہوں گے۔ (**واللہ تعالی اعلم**)

قصہ ہاروت وماروت کی تحقیق

(سوال ۹۸) ہاروت وماروت کے قصے کا بیضاوی وغیرہ نے انکار کیا ہے مگر سید امیر علی صاحب نے تفسیر مواہب الرحمٰن میں حافظ ابن حجر وغیرہ سے باسانید ثابت کیا ہے تو انکار صحیح ہے یا ثبوت؟
(الجواب) قصہ ہاروت وماروت کا تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں بہت مفصل لکھا ہے مگر یہ سب اسرائیلی روایت سے لکھا گیا ہے، نیچے کی سندیں اگرچہ قوی بھی ہیں مگر منتہائے سند سب کا اسرائیلی روایات پر ہوتا ہے جن کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جاوے نہ تکذیب۔ الغرض آنحضرت ﷺ سے تو اس قصہ کا

ثبوت کسی روایت میں نہیں ہے اوراسرائیلی روایت میں ہے ان کااعتبار نہیں (واللہ تعالی اعلم)

انسان سے فرشتے افضل ہیں یا نہیں

(سوال ۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کافر ومشرک بعد ازدرجہ بلوغ کے من جہت خلقت وذریۂ بنی آدم کے ملائکہ سے افضل ہے اورآیت ولقد کرمنا بنی ادم داخل ہے یا نہیں ؟بینوا بالدلیل الواضح ولکم الاجر من رب العباد ؟

(الجواب) کافرومشرک بلکہ عامہ مومنین سے بھی ملائکہ افضل ہیں کیونکہ اگر عبادت وعبدیت سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو اصل خلقت کے اعتبار سے ان کی خلقت نور سے ہے اور انسانوں کی خلقت عناصر ارضیہ سے اور ظاہر ہے کہ یہ ظلمانی ہیں اوراگر عبدیت وعبادت پر نظر کی جائے توعامہ مومنین میں معاصی اوررذائل موجود ہیں ملائکہ میں نہیں، لہذا وہی افضل ہوئے، البتہ عوام ملائکہ سے خواص اولیاء اللہ اور خواص ملائکہ سے گروہ انبیاء علیہم السلام افضل ہے اور یہی مرادآیت کریمہ ولقد کرمنا بنی آدم سے لی گئی ہے کیونکہ جب کسی قوم میں ایک شخص کو تمام مخلوقات پر فائق کردیا جائے تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ قوم تمام مخلوقات سے افضل ہوگئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس قوم کا ہر فرد تمام باقی مخلوقات کے ہر فرد سے افضل ہو۔

قال الشیخ ملا علی قاریؒ فی شرح الفقه الاکبر و منها تفضیل الملائکة فخواصهم افضل بعد الانبیاء من عموم الاولیاءو العلماء و افضلهم جبرائیلؑ کمافی حدیث رواه الطبرانی و عامة الملئکة افضل من عامة المئومنین لکونهم مجرمین و الملائکة معصومین – شرح فقه اکبر مجتبائی ص ۱٤٤ واللہ سبحانه و تعالی اعلم– ۷ جمادی الثانی ۵۰ھ ہجری

مقام محمود کی تفسیر

(سوال ۱۰۰) اللہ تعالے کے اس قول میں اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً ومن اللیل فتهجدبه نافلة لك عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محموداً (بنی اسرائیل) مقام محمود سے کیا مراد ہے ہرایک مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق مقام محمود کی تفسیر کی ہے اور بعضوں نے بعینہ وہی لفظ (مقام محمود) اپنی تفسیروں میں لیا ہے لیکن علامہ شبلی مرحوم نے لکھا ہے کہ مقام محمود سے مرتبہ شفاعت مراد ہے، کیا یہ درست ہے نیز حضور ﷺ نے مقام محمود کی کیا تفسیر فرمائی اور امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مقام محمود کے کیا معنی لئے تشریحاً تحریر فرمایئے ؟

(الجواب) مقام محمود کی تفسیر جمہور سلف صحابہ وتابعین سے یہی منقول ہے کہ وہ شفاعت کبریٰ کا مقام ہے جس میں تمام انبیاء علیہم السلام عاجز ہوں گے اورآنحضرت ﷺ آگے بڑھیں گے بعض روایات حدیث

سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے-واللہ سبحانہ و تعالی اعلم - ۱۳/ محرم ۱۳۵۱ ہجری

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃ کی تفسیر کرتے ہوئے زید کہتا ہے اس سے ذکر الٰہی مراد ہے نماز نہیں ہے

(سوال ۱۰۱) زید نے ایک ایسے مجمع میں جہاں ہندو مسلم موجود ہیں الف لام میم کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد عام طور پر ذکر الٰہی ہے اس سے نماز اسلامی مراد نہیں - نماز ہر مذہب کی عبادت کو کہتے ہیں-یہ قول اس کا صحیح ہے یا نہیں ؟

(الجواب) آیت یقیمون الصلوۃ وغیرہ میں صلوٰۃ سے مطلق ذکر الٰہی مراد قرار دینا قرآن کی تحریف اور نصوص حدیث واجماع امت کی تکذیب ہے بالخصوص ہر مذہب کی عبادت کو نماز کہنا تو کفر صریح ہے- اعاذنا اللہ و سائر المسلمین منه-

انگریزی میں قرآن کا ترجمہ

(سوال ۱۰۲) قرآن پاک کا ترجمہ انگریزی میں بغیر عربی عبارت کیسا ہے اور قرآن کے عربی الفاظ کو انگریزی وغیرہ میں پیش کرنا یا چھاپنا کچھ منع ہے کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ ایسے شخص کو قتل کا حکم فرماتے تھے ؟

(الجواب)اگر قرآن مجید کی عربی عبارت رسم خط وغیرہ کسی چیز میں کوئی تغیر نہ کیا جائے اور نیچے قرآن مجید کا صحیح ترجمہ کسی عالم ماہر کا کیا ہوا ہو خواہ کسی زبان میں -اردو یا انگریزی یا فارسی میں تو جائز ہے اور اگر ماہر عالم کا کیا ہوا نہ ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس میں مغالطوں اور تلبیسات کا احتمال ہے حنفیہ کا یہی مذہب ہے-امام مالکؒ کا یہ قول احقر کی نظر سے نہیں گزرا اور اگر ثابت بھی ہو تو بلاشبہ مؤول عن الظاہر ہے-

حضرات صحابہؓ سے اگر کسی آیت متواترہ کا انکار منقول ہو تو اس کا کیا مطلب ہے

(سوال ۱۰۳) فتاوی امدادیہ کے آخر میں صفحہ ۲۲۹ چنانچہ حضرت عائشہؓ کو بطور قطع رسول ﷺ سے کذبوا با تشدید معلوم ہو چکا اور بالتخفیف نہ بتواتر نہ رسول اللہ ﷺ سے بلاواسطہ معلوم ہوا تھا لہذا انکار فرمایا-اور اتفاقاً بالتشدید بھی ازاں متواتر رہا اگر بالفرض نہ ہوتا تو بھی کچھ حرج نہ تھا کیونکہ آپ کو مرتبہ قطع دوسرے طریق سے موجود اور حاصل تھا بالجملہ بندہ کا تواتر اور عدم تواتر صحابہ کی قطعیت کے لئے کسی طرح مزاحم نہیں تو یہ دونوں مقیس اور مقیس علیہ برابر ہوئے ہاں بعد کو صحابہ کیلئے یہ صورت ممکن نہیں کیونکہ ان کو بجز تواتر کے قطع کا کوئی ذریعہ نہیں تو اگر انکار کریں تو یقیناً بعض صورتیں اگر انکار رسم کی طرف راجع کیا جائے تو زیادہ چسپاں ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ رسم کے یہاں کیا معنی ہیں اس طرح رجوع کیا جائے۔؟

(الجواب) امداد الفتاوی کو دیکھنے سے جو مطلب احقر کی سمجھ میں آیا ہے عرض کرتا ہوں یعنی مابعد صحابہ کے لئے کسی قراءت متواترہ کا انکار جائز نہیں اور جہاں کہیں کسی عالم یا بزرگ سے اس کے خلاف منقول ہے کہ قراۃ متواترہ کے خلاف کسی قراءت کو ترجیح یا قراءت متواترہ کا انکار کیا اس خلاف کو اصل الفاظ کی

نہ کیاجاوے بلکہ رسم خط کے متعلق قرار دیا جائے مثلاً قرآن مجید میں ہے۔ لا نتم اشد رهبة فی صدورهم من الله . اس کا رسم خط قاعدہ کے اعتبار سے وہی ہونا چاہئیے جواوپر درج ہے لیکن قرآن میں اس کا رسم خط ایک الف کے اضافہ کے ساتھ اس طرح ہے لانتم اور یہ رسم خط ظاہر ہے کہ خلاف معنی مراد کے لئے موہم ہے کہ اگر کوئی شخص اس میں خلاف کرے تو وہ اصل آیت و قراءت کا خلاف نہ ہوگا بلکہ صرف رسم خط کا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

پیکوآرٹ پریس لاہور کے شائع کردہ یازدہ سورہ کے ترجمہ کے متعلق اظہار رائے

(سوال ۱۰٤) پنجسورہ مترجم برائے تقریظ روانہ کیا ہے ؟

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحیم- لمابعد-یازدہ سورہ مترجم پیکوآرٹ احقر نے مطالعہ کیا سورہ یٰسین شریف کا ترجمہ باستیعاب دیکھا اور باقی سورہ کا مختلف مقامات سے ماشاء اللہ ترجمہ نہایت عمدہ بامحاورہ ہونے کے ساتھ الفاظ کی رعایت کر کے لکھا گیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ترجمہ میں کوئی ایسی چیز نظر سے نہیں گزری جو طریقہ سلف اور عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف ہو بعض مسامحات نظر آئیں جو عوام کے لئے قابل التفات نہیں اور اہل علم اس کی خود تصحیح کر لیں گے اور آخر میں چند عبارتیں درود شریف کی بھی لکھی گئی ہیں جو ایک مفید صورت ہے لیکن درود لکھی کے متعلق یہ لکھنا کہ اس کے پڑھنے سے ایک لاکھ درود کا ثواب ملے گا اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں اور بغیر نقلی دلیل کے اپنی طرف سے ثواب کے درجات مقرر کرنے کا کسی کو حق نہیں اس لئے آئندہ ایڈیشن میں اس کو بدل دینا چاہئیے۔

تنبیہ :بعد میں بعض حضرات سے یہ سننے میں آیا کہ پورا ترجمہ قرآن جو اس پریس نے شائع کیا ہے اس میں کچھ قادیانی وساوس بھی شامل ہیں اس لئے اطلاعاً عرض ہے کہ احقر کی یہ تحریر صرف اس جزو سے متعلق ہے جو احقر نے دیکھا ہے پورے ترجمہ کے متعلق میری کوئی رائے نہیں کیونکہ وہ میری نظر سے نہیں گزرا خریدنے اور پڑھنے والے بطور خود اپنا اطمینان کر لیں۔

کتاب ما یتعلق بالحدیث والسنة
(حدیث وسنت سے متعلق مباحث)

نماز عشاء کے بارے میں دو متعارض حدیثوں کا حل

(سوال ۱۰۵) ایک روایت عاصم بن حمید السکونی سے ابوداؤد باب وقت العشاء صفحہ ۶۰ مطبوعہ نولکشور میں مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں فانکم قد فضلتم بها علی سائر الامم لم تصل امة قبلکم ایک دوسری روایت میں ابن عباس سے اس کتاب کے باب المواقیت صفحہ ۵۶ مطبوعہ مذکور میں مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں هذا وقت الانبیاء من قبلك و الوقت مابین هذین الوقتین-دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں بظاہر جو تناقض ہے اس کی تطبیق کی کیا صورت ہے؟

(الجواب) ملا علی قاری نے تبعاللبیضاوی اس تعارض کا یہ جواب دیا ہے کہ وقت عشاء میں انبیاء سابقین خود نماز پڑھتے تھے ان کی امتوں پر یہ نماز فرض نہیں تھی جیسے صلوٰۃ تہجد کہ نبی کریم ﷺ پر واجب تھی اور آپ ﷺ کی امت پر نہیں جب حدیثوں کے الفاظ دیکھے جاتے ہیں تو اس کی پوری تائید ہو جاتی ہے کیونکہ حدیث اول میں تو نفی امم سابقہ سے کی گئی ہے انبیاء سابقین سے نہیں اور حدیث دوم میں اس کا اثبات انبیاء سابقین کے لئے ہوا ہے امم سابقہ کے لئے نہیں-
حافظ ابن حجر نے اس تعارض کو ایک دوسری طرح رفع کیا ہے مگر وہ اتنا واضح نہیں
کذافی بذل المجهود شرح ابی داؤد صفحہ ۲۲۷ جلد ۱-

حدیث اُقْتُلُوا الوَزَغَةَ ولَو فِي جَوْفِ الْكَعْبَة کی تحقیق!

(سوال ۱۰۶) چھپکلی حدیث قتل وزغہ میں داخل ہے یا نہیں-اگر ہے تو کوئی اور صریح حدیث یا روایت فقہی اس کے مارنے کے متعلق بھی وارد ہے یا نہیں اگر داخل نہیں تو اقتلو االوزغة ولوفی جوف الكعبة سے کیا مراد ہے؟

(الجواب) روی البخاری و مسلم و النسائی وابن ماجة عن ام شریك ؓ انها استأ مرت النبی ﷺ فی قتل الوزغان فامرها بذلك و فی الصحیحین ان النبی ﷺ امر بقتل الوزغ و سماه فویسقاً وقال[1] كان ینفخ النار علی ابراهیم علیه السلام و كذلك رواه الامام احمد فی مسنده

(۱) اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نار ابراہیم میں پھونک مارنے والا وزغہ تو اب موجود نہیں اس کی وجہ سے آج کل کے وزغات کو قتل کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ مراد حدیث یہ ہے کہ یہ جانور خود اپنی فطرت میں خبیث ہے اور اس کا یہ خبث طبعی ہے اس کا سبب بنا کر اس نے حضرت ابراہیم کی آگ میں پھونک مار کر بڑھانا چاہا اور یہ خبث طبعی اس کی پورت نوع میں ہر وقت موجود ہے اس لئے ہر وقت ہر جگہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا۔

وفی الحدیث الصحیح من روایۃ ابی هریرةؓ قال ان النبی ﷺ قال من قتل وزغۃ فی اول ضربۃ فلہ کذا وکذا حسنۃ ومن قتلھافی الضربۃ الثانیۃ فلہ کذا کذا حسنۃ دون الاولیٰ ومن قتلھا فی الثالثہ فلہ کذا کذا حسنۃ دون الثانیۃ و فیہ ایضاً ان من قتلھا فی الاولی فلہ مائۃ حسنۃ و فی ا لثانیہ دون ذلک و فی الثالثۃ دون ذٰلک وروی الطبرانی عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال اقتلواالوزغۃ ولوفی جوف الکعبۃ لکن فی اسنادہ عمر بن قیس المکی وھو ضعیف وفی الکامل فی ترجمۃ وھبۃ ابن حفص عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال من قتل وزغۃ فکانما قتل شیطاناً وفی الباب عن عائشۃ فی ابن ماجۃ و عنھا فی تاریخ البخاری وعن عبدالرحمن بن عوف فی مستدرك الحاکم اخرج الکل الدمیری - فی حیوۃ الحیوان فی لفظ الوزغۃ صفحہ ۳۴۸ جلد ۲-

مجموعہ احادیث مذکورہ سے قتل وزغہ کا حکم ثابت ہو گیا اگرچہ روایت ولوفی جوف الکعبۃ ضعیف ہے- کما صرح الدمیری-

اب دوسری بات یہ ہے کہ وزغہ کی تعریف کیا ہے اور اس میں چھپکلی داخل ہے یا نہیں اس کے متعلق کتب لغت وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزغہ ایک لفظ عام ہے جو گرگٹ اکرلیاکو بھی شامل ہے اور چھپکلی کو بھی اور لفظ سام ابرص فقط گرگٹ کرلیا پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے بعض اہل لغت نے تو وزغہ کا ترجمہ سام ابرص کر دیا ہے اور بعض نے یہ تصریح کی ہے کہ سام ابرص وزغہ کی ایک نوع خاص ہے جو بڑی ہے اور گھاس میں رہتی ہے-

قال فی القاموس تحت الوزغۃ محرکۃ سام ابرص وقال تحت البرص و سام ابرص من کبار الوزغ و مثلہ فی حیوۃ الحیوان تحت سام ابرص وقال فی مجمع البحار وھی ما یقال لہ سام ابرص ثم قال الوزغ دابۃ لھا قوائم تعدو فی الحشیش الخ قال فی النھایۃ لا بن اثیر وھی التی یقال لھا سام ابرص و مثلہ فی الدر المنیر للسیوطی-اوربرہان قاطع لغت فارسیہ میں ہے کرتش بروزن مفرش چلپاسہ راگویندواودر خانہابسیار است-گویند زون وکشتن آں جانورآں مقدار ثواب وارد کہ کے ہفت من گندم بمستحق دہد-اور نفائس اللغات لغت ہندیہ میں ہے چھپکلی معروف جانورے ست مانند آفتاب پرست بر دیوارہاو سقفہائے خانہ چسپد بعربی آں راوزغہ گویند-ودربہار عجم لغتہ فارسہ ص ۳۱۸ آوردہ چلپاسہ جانورے کہ درہندی چھپکلی خوانندہ ومثلہ فی الغیاث اور برہان قاطع میں لفظ کرس وکرش کے تحت میں لکھا ہے جانورے گزندہ وموذی از جنس چلپاسہ دست وپائے کوتاہ دارد وبیشتر در ویرانہامی باشد گویند ہر کرا بگزد وندان درزخم بماندوسام ابرص ہمان است-

ان تمام لغت عربی فارسی وہندی کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں وزغہ اور فارسی میں چلپاسہ لفظ عام ہے دونوں قسم پر صادق آتا ہے یعنی گرگٹ اور چھپکلی دونوں پر اور عربی میں سام ابرص اور فارسی میں کرلیا کریش وغیرہ گرگٹ کو کہا جاتا ہے حدیث قتل کا حکم لفظ وزغہ کے ساتھ ارشاد ہوا ہے اس لئے دونوں

قسموں کو شامل معلوم ہوتا ہے ۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

حدیث میں قتل وزغہ کا حکم گرگٹ اور چھپکلی دونوں کو شامل ہے

(سوال ۱۰۷) چھپکلی جسکو فارسی میں کرفش اور چلپاسہ اور پنجابی میں کرڑی کہتے ہیں وہ اکثر گھروں کے اندر مکانات کی چھت اور دیواروں پر رہتی ہے ، وہ حدیث قتل وزغہ میں داخل ہے یا نہیں، اگر ہے تو کوئی اور صریح حدیث یا کوئی فقہی روایت اس کے مارنے کے متعلق بھی وارد ہے یا نہیں اگر داخل نہیں تو اقتلو الوزغة ولو فی جوف الکعبة سے کیا مراد ہے مہربانی فرماکر اس کے متعلق اچھی تحقیق کے ساتھ سمجھادیں اور مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں ؟

(الجواب) روی البخاری و مسلم و النسائی و ابن ماجه عن ام شریكؓ انها استامرت النبی ﷺ فی قتل الوزغان فامرها بذلك و فی صحیحین ان النبی ﷺ امر بقتل الوزغ و سماه فویسقاً وقال کان ینفخ النار علی ابراهیم علیه السلام وکذلك و رواه الامام احمد فی مسنده و فی الحدیث الصحیح من روایة ابی هریرةؓ قال ان النبی ﷺ قال من قتل وزغة فی اول ضربة فله كذا كذا حسنة ومن قتلها فی الضربة الثانية فله كذا كذا حسنة دون الاولى ومن قتلها فی الثالثة فله كذا كذا حسنة دون الثانية و فيه ایضاً ان من قتلها فی الاولی وله مائة حسنة وفی الثانیة دون ذالك و فی الثالثة دون ذلك.

وروی الطبرانی عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال اقتلوا الوزغة ولو فی جوف الکعبة ، لکن فی اسناده عمرو بن قیس المکی وهو ضعیف۔

وفی الکامل فی ترجمة وهبة ابن حفص عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ قال من قتل وزغة فکانما قتل شیطانا۔

وفی الباب عن عائشةؓ عند ابن ماجة و عنها فی تاریخ البخاری وعن عبدالرحمن بن عوف فی مستدرك الحاکم اخرج الکل الد میریؒ فی حیوٰة الحیوان فی لفظ الوزغة، (حیوٰة الحیوان ص ۸ م ۳ ج ۲)

احادیث مذکورہ سے قتل وزغہ کے مضمون کی تائید ہوگئی اگرچہ حدیث ولوفی جوف الکعبة ضعیف ہے۔ لما صرح الد میری اب دوسری بات یہ ہے کہ وزغہ کی تعریف کیا ہے اور اس میں چھپکلی داخل ہے یا نہیں اس کے متعلق کتب لغت وغیرہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وزغہ ایک لفظ عام ہے جو گرگٹ (کرلیا) کو بھی شامل ہے اور چھپکلی کو بھی اور لفظ سام ابرص فقط گرگٹ (کرلیا) پر اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے بعض اہل لغت نے وزغہ کا ترجمہ سام ابرص سے کردیا ہے اور بعض نے یہ تصریح کی ہے کہ سام ابرص وزغہ کی ایک نوع خاص ہے جو بڑی ہے اور گھاس میں رہتی ہے۔

قال فی القاموس تحت الوزغة محرکه سام ابرص وقال تحت ابرص وسام ابرص من

کبار الوزغ و مثلہ فی حیوۃ الحیوان تحت سام ابرص – وقال فی مجمع البحار وھی ما یقال لہ ای الوزغۃ سام ابرص ثم قال الوزغ دابۃ لھا نوع تعدد فی الحشیش الخ – وقال فی النہایۃ لابن اثیر وھی اللتی یقال لھا سام ابرص و مثلہ فی الدر المنثور للسیوطی–

اور برھان قاطع لغت فارسیہ میں ہے – کرفش بروزن مغرش چلپاسہ وزغہ را گویندو آن در خانہا بسیار است گویند زدن و کشتن آں جانور امقدار ثواب دارد کہ کسے ہفت من گندم تصدق دہد اور نفائس اللغات لغتہ ھندیہ میں ہے چھپکلی معروف جانور ست مانند آفتاب ہرست بر دیوارہا سقفہائے خانہ ----آفر او وزغہ گویند در بہار عجم ص ۳۱۸ لغتہ فارسیہ آوردہ چلپاسہ جانورے کہ در ہندی چھپکلی خوانندو مثلہ فی الغیاث اور برھان قاطع میں کرلس وکرشن کے تحت میں لکھاہے جانورے گزندہ و موذی از جنس چلپاسہ است وہائے کوتاہ دارد و بیشتر در ویران ہامی باشد گویند ہر کم بجز دد ندان وے ورز ختم بماندو سام ابرص ہماں ست – ان تمام لغت عربی وو فارسی وہندی کی عبارتوں سے یہی معلوم ہوتاہے کہ عربی میں وزغہ اور فارسی میں چلپاسہ لفظ عام ہے دونوں قسم پر صادق آتاہے یعنی گرگٹ اور چھپکلی دونوں پر اور عربی میں سام ابرص اور فارسی میں کربہ اور کرشن وغیرہ فقط گرگٹ کو کہا جاتاہے –

حدیث قتل کا حکم لفظ وزغہ کے ساتھ ارشاد ہواہے اس لئے دونوں قسموں کو شامل معلوم ہوتاہے –

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (اضافہ)

حدیث ناقصات عقل و دین سے صحابیات کی روایت مجروح نہیں ہوتیں

(سوال ۱۰۸) زید کہتاہے کہ مطابق حدیث تمام عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں اور یہ حدیث جس موقع پر بیان فرمائی گئی اس مجمع میں ازواج مطہرات اور سیدۃ النساء فاطمہ زہرا بھی موجود تھیں لہٰذا ان کو بھی ناقص العقل والدین سمجھنا ضروری ہے تو پھر وہ حدیثیں جو حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہیں بہر صورت غیر معتبر ثابت ہونگی یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ حکم جو حدیث میں مذکور ہے عام حالات اور عام افراد نسوانی کے اعتبار پر آیاہے بعض افراد کا اس سے مستثنےٰ ہونا اس کے خلاف نہیں جیسا کہ مشہور ہے ع نہ ہر زن زن ست ونہ ہر مرد مرد، چنانچہ خود قرآن کریم نے ازواج مطہرات کو عام عورتوں سے ممتاز کرنے کے لئے ارشاد فرمایاہے۔ یا نساء النبی لستن کاحدٍ من النساء الأیۃ. جس سے معلوم ہوا کہ امہات المومنین عام عورتوں کی طرح نہیں اس کے علاوہ یہ نقصان عقل ودین بہ نسبت مردوں کے ہے اور ہر زمانہ اور ہر قرن کی عورتوں کا قیاس اسی زمانہ اور اسی قرن کے مردوں کے ساتھ کیا جائے گا تو ازواج مطہرات بہ نسبت نبی کریم ﷺ کے اور صحابہ کرامؓ کی عورتیں بہ نسبت صحابہ کرامؓ کے ظاہر ہے کہ اس درجہ کے عقل اور دین نہ رکھتی تھیں جس درجے کے ان کے مرد رکھتے تھے اور اسطرح قرون مابعد میں بھی ہر قرن کی عورتیں اس قرن کے مردوں سے عام حالات کے اعتبار سے دین عقل میں ناقص رہی ہیں اور اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ نے مردوں کی

مشہور روایات کے مقابلہ میں عورتوں کی روایت کو قبول نہیں کیا جیسا کہ کتب صحاح میں منصوص ہے۔

الغرض اول تو حدیث مذکورسے یہ لازم نہیں آتا کہ کوئی عورت اس سے مستثنیٰ نہ ہو بلکہ آیت مذکورہ سے تصریحاً ازواج مطہرات کا مستثنیٰ ہونا معلوم ہوتا ہے دوسرے نقصان عقلی ہر قرن کی عورتوں کا اسی قرن کے مردوں کے اعتبار سے ہوگا اس لئے سلف کرام کی عورتوں کو آج کل کے مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل کہنے کی بھی کوئی دلیل نہیں۔

بھوک کی شدت سے آنحضرت ﷺ کے پیٹ پر پتھر باندھنے کے متعلق حدیث کی تحقیق

(سوال ۱۰۹) ماقولکم دام فضلکم ایھا العلماء الراسخین فی تحقیق حدیث جابر الذی اورده البخاری فی صحیحه قال اتیت جابرؓ فقال انا یوم الخندق نحفر فعرضت کدیة شدیدة فجاء النبیؐ صلی الله علیه وسلم فقالوا هذه کدیة عرضت فی الخندق فقال انا نازل ثم قام و بطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثة ایام لا نذوق ذواقاً الخ جلد ۲ ص ۲٤٤ قال العلامة العینی فی شرحه قوله وقال ابن حبان الصواب الحجز بالزای اذا لا معنی لشد الحجر علی البطن من الجوع ورد علیه بما جاء فی الروایة التی ثانی نی رایت بالنبی صلی اللّٰه علیه وسلم خمصا شدیداً اوالخمص الجوع قلت فیه نظر لا یخفی انتهی. کلامه مختصراً و فی السیرة الحلبیة جلد ۲ ص ۳۵۱ قوله قال بعض الصحابه لبثنا ثلاثة ایام لا نذوق زاداوربط صلی الله علیه وسلم الحجر علی بطنه من الجوع اقول اوردابن حبان فی صحیحه لما اوردالحدیث الذی فیه نهیه صلی الله علیه وسلم عن الوصال وقالو اله مالك تواصل یا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انی لست مثلکم انی ابیت یطعمنی ربی ویستقینی قال یستدل بهذا الحدیث علی بطلان ماورد انه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یضع الحجر علی بطنه من الجوع لانه کان یطعم و یسقی من ربه اذا وصل فکیف یترك جائعا مع عدم الوصال حتی یحتاج الی شد الحجر علی بطنه قال و انما لفظ الحدیث الحجز بالزای وهو طرف الاز ار فصحفوا وزادواالفظ من الجوع .انتهی کلاً مها ملخصاً وهذه العبارة ایضاً موجودة فی الزرقانی فالمطلوب من حضرات العلماء الکرام ان الاصوب الحجر ام الحجز ا فیدونا بالنص الصریح بالدلائل الواضحة کی تنالو ا جزاء موفورا من رب العباد؟

(الجواب) الصواب الذی اطلق علیه الجمهور و نص علیه غیر واحد من روایات الحدیث هو الحجر باالرای المهملة فقد اخرج الترمذی عن ابی طلحة الانصاریؓ قال شکونا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم الجوع ورفعنا ثیابنا عن حجر حجر علی بطوننا فرفع رسول الله صلی الله علیه وسلم عن حجرین - .کذافی الترغیب والترهیب للمنذری و مثله فی عامة کتب الحدیث والسیرواما ما استدل به ابن حبان علی رده من حدیث یطعمنی ربی ویستقینی فجوابه ظاهر من

انه ليس بقاعدة كلية لجميع الاحيان والا وقات والا فتعارض روايات لا تحصى فى هذا الباب والظاهران يجمع بينهما باختلاف الاحوال فتارة ظهر عليه اثر الجوع وتارةً لا- ثم ان حديث يطعمنى و يستقينى ايضاً لا يدل على عدم ظهور اثر الجوع مطلقاً بل على انه يطيق تحمل شدته ولا يودى له الى ان يعجز عن الاعمال بخلاف سائر الامة اذاً فحديث عصب الحجر على البطن من الجوع مع اشتغاله فى عمل الجهاد لا يعارضه ورودولا صدرومما يدل على احساسه اثر الجوع ماروى عن كعب بن عجرة قال اتيت النبى صلى الله عليه وسلم فراء يته متغيراً قلت بابى انت مالى اراك متغيراً فقال مادخل جوفى ما يدخل جوف ذات كبد منذ ثلاث،الحديث- رواه الطبرانى ولا يحضرنى الان اسناده الا ان شيخنا الحافظ ابا الحسنؒ كان يقول اسناده جيد ذكره المنذرى فى الترغيب باب الفقر والزهد- ومثله روى عن ابن عمر اخرجه ابو الشيخ ابن حبان فى كتاب الثواب- (من الترغيب)(والله سبحانه و تعالى اعلم)

شق الصدر روایات صحیحہ سے ثابت ہے

(سوال ۱۱۰)واقعہ شق صدر آنحضرت ﷺ صحیح ومطابق واقع ہے یاغیر صادق؟

(الجواب) واقعہ شق صدر آنحضرت ﷺ روایات صحیح ومطابق واقع کے ہےبالکل صحیح ہے-

(والله تعالى اعلم)کتبہ فیض مفتی مدرسہ ہاتھراری-

جواب صحیح ہے -اوراس کے خلاف کااعتقاد بدعت وگمراہی ہے قطع نظر ان روایات صحیحہ سے جواس باب میں وارد ہیں خود جمہورامت کی مخالفت ایک ایسامہلک مرض ہے کہ جس کااثر بلاواسطہ ایمان پر پڑتا ہےبلکہ خود ضعف ایمان سے پیدا ہوتا ہےاور نتیجہ اس قسم کے ہذیانات کا یہ ہوتا ہے کہ کل دین الٰہی اور شریعت غرا ایک کھلونابن جائے تیرہ سوبرس تک کروڑوں علماء ومشائخ اگر معاذاللہ گمراہی اور غلط عقیدہ پر جمے رہے توآج کا کیااطمینان ہے کہ خیالی وروشنی کے دلدادہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ صحیح ہوگا- غرض اس کالازمی نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کے کسی قانون اور عقیدہ کااعتبار نہ رہے-(نعوذباللہ منہ واللہ اعلم)

کتاب التصوف و السلوك
(تصوف وسلوک کابیان)

تصور شیخ جائز ہے یا نہیں

(سوال ۱۱۱) تصور شیخ واستاذ وتصور نبی کریم ﷺ جائز ہے یا نہیں یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وشکل کاذہن میں تصور کرنااور دھیان میں لاناان اوصاف حسنہ کے ساتھ جواحادیث صحیحہ میں آپ کے شکل وشباہت کوبیان کیا گیاہے اس طرح، پیر، استاذ وشیخ وغیرہم کا تصور کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اگر تصور سے مطلق تصور متعارف مراد ہے تو بلاشبہ جائز ہے اس کے جواز میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں اور اگراس سے مراد تصور شیخ مصطلح صوفیہ ہے تواس میں یہ تفصیل ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک اس نام سے دو چیزیں موسوم ہوتی ہیں ایک شغل خاص ہے جس کو ان کی اصطلاح میں شغل رابطہ بھی کہتے ہیں اور دوسرے محض تصور جو کوئی خاص شغل نہیں صورت ثانیہ بھی بلاتکلف جائزاور نافع ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ بوقت ذکر جووساوس وخطرات قلب پر ہجوم کرتے ہیں ان کے دفعہ کرنے کے لئے مختلف صورتیں ہیں منتہی لوگوں کے لئے توعلاج یہ ہے کہ مذکور کی طرف توجہ کوزیادہ کردے اور سالک متوسط کے لئے یہ ہے کہ ذکر کی طرف قلب کی توجہ زیادہ کردے اور مبتدی کی توجہ چونکہ ان دونوں کی طرف دشوار ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے تصور شیخ کونافع سمجھا گیا کہ وہ محسوس بھی ہے اور محبوب بھی اس کا خیال جلدی جم جاتا ہے اور خیال جمنے سے خطرات مندفع ہوجاتے ہیں مگربعدانذفاع پھر اس تصور کو نہیں جماتے - کیونکہ اشتغال بغیر اللہ مخل بالمقصود ہے بہر حال - دفع خطرات کا ایک علاج ہے جو مبتدیوں کے لئے مشائخ نے تجویز کیا ہے اور تجربہ سے نافع ثابت ہوا ہے اور شریعت میں کوئی وجہ اس کی ممانعت کی نہیں اس لئے یہ بلاشبہ جائز ہے باقی رہی صورت اولیٰ جس کو شغل رابطہ کہتے ہیں اس کی اصلی حقیقت اگرچہ جائز ہے مگر عوام حقیقت کو نہیں سمجھتے اور طرح طرح کے معاصی میں مبتلا ہوجاتے ہیں بلکہ شرک کا شبہ ہونے لگتا ہے اسی لئے عوام کواس کا ترک ہی بہتر ہے کیونکہ اس کے نفع سے زیادہ اس میں نقصانات پیدا ہوجاتے ہیں اسی بناء پر اس کی حقیقت کابیان کرنا بھی فضول ہے اور زیادہ حاجت ہو توکسی محقق سے زبانی سمجھ لیجئے یا رسالہ - "التکشف" حصہ دوم ص ۳۰ دیکھ لیا جاوے اور اس کو بھی پھر کسی عالم سے سمجھ لیا جاوے - (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

بیعت کے وقت اپنا صافہ مریدوں کے ہاتھ میں دینا

(سوال ۱۱۲) یہاں ایک پیر کسی تعداد لوگوں کو دور تک بٹھا کر اپنی دستار ان کے ہاتھوں میں پکڑا کر ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ کر یہ سب دستار کو مثل مصافحہ دونوں ہاتھ سے پکڑتے ہیں مرید کرتا ہے، جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) یہ طریقہ مرید کرنے کا موافق شریعت کے ہے اور تفصیل اس کی قول جمیل مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میں موجود ہے - (واللہ تعالیٰ اعلم)

کتاب الذکر والدعاء والتعویذات
(ذکر، دعااور تعویذات کا بیان)

سحر اور رد سحر کا حکم

(سوال ۱۱۳) زید مع اپنی زوجہ ہندہ و سالے بکر کے اپنی بہو صالحہ پر بلاوجہ محض خباثت نفس کی بناء پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتا چلا آیا ہے صالحہ پر ہر قسم کی تہمت و بہتان بدکاری کے تراش کر اس کو تمام عالم میں بدنام کررہا ہے حالانکہ وہ عفیفہ و پاک دامن ہے علاوہ اس ایذارسانی کے جادو، سحر سفلی عمل کرتا اور کراتا ہے اور علانیہ کہتا پھرتا ہے کہ اگر صالحہ جادو سے نہ مر سکی تو میں خود خنجر سے جان لوں گا چنانچہ صالحہ نہایت تکلیف میں مبتلا ہے سحر ثابت ہو گیا ہے ایسے موذیوں کے لئے شرع شریف میں کیا حکم ہے اگر ان سحر کرنے والوں پر صالحہ کے والدین جواب میں ویسا ہی سحر کرادیں تو صالحہ کے والدین یا صالحہ قابل مواخذہ تو نہیں ہیں۔ شرک تو عائدہ نہیں ہوتا؟

(الجواب) سحر کی مختلف اقسام ہیں بعض تو کفر محض ہیں اور بعض نہیں جو اقسام کفر ہیں ان کا استعمال کرنا یا سیکھنا سکھانا ہر حال میں حرام قطعی ہے خواہ دفع ضرر کے لئے ہو یا کسی اور غرض سے البتہ جو قسم سحر کی کسی عقیدہ کفریہ پر مشتمل نہیں وہ اگر دوسروں کے اضرار کے لئے بلاوجہ شرعی استعمال کیا جاوے وہ بھی حرام ہے اور اگر رد سحر یا دفع ضرر کے لئے کیا جاوے تو یہ دوسری قسم جائز ہے اور تفصیل ان دونوں قسموں کی یہ ہے کہ جس سحر میں شیاطین و جنات وغیرہ سے استعانت و امداد طلب کی جائے اور ان کو متصرف و موثر مانا جائے یا جن میں قرآن شریف یا دوسرے اسلامی شعائر کی توہین کرنی ہو وہ تو کفر ہے اور جس میں یہ باتیں نہ ہوں بلکہ خواص ادویہ وغیرہ سے یا کسی اور خفی طریق سے اثر ڈالا جاتا ہے وہ کفر تو نہیں مگر اس کا کرنا بقصد اضرار حرام ہے اور بقصد دفع ضرر جائز۔ لہذا صالحہ کے لئے قسم دوم کا سحر کا استعمال جائز ہے اور اگر جان بچنے کی کوئی دوسری صورت نہ ہو تو قسم اول کا استعمال بھی جائز مگر خلاف اولیٰ ہے بشرطیکہ دل میں عقیدہ اسلامیہ کے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھے صرف زبان سے کلمات کہے۔ قال الشامی وفی ذخیرة الناظر تعلمه فرض لرد ساحر اهل العرب و حرام ليفرق به بين المرأة و زوجها وجائز ليوفق بينهما ثم قال فهذه انواع السحر الثلاثة قد تقع بما هو كفر من لفظ او اعتقاد اوفعل وقد تقع بغيره كوضع الاحجار وللسحرة فصول كثيرة فى كتبهم فليس كلما يسمى سحراً كفراً اذا ليس التكفير به بما يترتب عليه من الضرر بانسان يقع به مما هو كفر كا عتقاد انفراد الكواكب بالربوبية اواهانة القرآن او كلام لكفر و نحو ذلك اه شامى كتاب العلم ص ۴۲ ج ۱ - (والله تعالى اعلم)

ایسا سفلی عمل جس میں خدا کا نام لینا پاک رہنا ممنوع ہو

(سوال ۱۱۴) حافظ ---------- مرادآباد محلّہ نئی بستی مسجد ملا قاسم میں ایک عرصہ سے امام ہیں کچھ

مدت تک مقتدیوں کو ان سے نفرت پیدا ہو گئی ہے اور نماز پڑھنا ان کے پیچھے چھوڑ دیا وجہ یہ ہے کہ آپ سفلی عملیات کرتے ہیں ایک مرتبہ ایک مقتدی نے آپ سے مجرب حب کا عمل طلب کیا تو آپ نے یہ عمل لکھ کر دیا۔ اللھم کل یسین فلان بنت فلان کو دین بحق اللہ یا متین یا جمیع یا ارواح المومنین یا ہمزاد و یا ہمزاد۔

ایک مرتبہ ایک شخص امام مذکور کو نکاح پڑھانے کے لئے لے گیا جب لڑکی کا نام بسم اللہ بتلایا تو امام نے ایک بزرگ سے کہا کہ آپ ایجاب و قبول کرا دیجئے میں اس لڑکی کا نام اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا کیوں کہ میں ایک عمل پڑھ رہا ہوں اس کی وجہ سے بسم اللہ کو دو سال سے ترک کر رکھا ہے چنانچہ اسی وقت مقتدیوں نے ان کو امامت سے سبکدوش کر کے دوسرا امام مقرر کر لیا پہلے امام کے معاونین نے ثانی امام کو مختلف طریق سے اذیت دی جس کی وجہ سے وہ امامت چھوڑ کر چلے گئے اور سابق امام نے چند مقتدیوں کے سامنے توبہ کر کے نماز پڑھانا شروع کر دی مگر سفلی عملیات کو نہیں چھوڑا تو امام سابق کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں ان کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایسے عمل و تعویذات کرنا جن میں اللہ کے نام کو یا طہارت وغیرہ کو ترک کرنا پڑے سخت گناہ ہے اور فسق ہے بلکہ بعض مواقع میں خوف کفر کا ہے فقہاء نے اس میں یہاں تک احتیاط فرمائی ہے کہ ایسے تعویذ گنڈوں کو بھی منع فرمادیا کہ جس میں ایسے الفاظ یا منتر وغیرہ پڑھے جائیں جن کے معنی معلوم نہ ہوں۔ **کمافی خظر الشامی صفحہ ۲۵۳ ج ۵۔ قالوا وانما تکرہ العوذۃ اذ کانت بغیر لسان العرب ولا یدری ماھو لعلہ یدخلہ کفر او غیر ذلک۔**

الغرض ایسے سفلی عملیات کرنا فسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ **کمافی الدر المختار و یکرہ امامۃ عبد الی قولہ و فاسق.**

لہذا جب تک وہ ان عملیات کو ترک نہ کریں اور توبہ نہ کریں ان کو امام بنانا مکروہ ہے اسی طرح یہ عمل حب کا تعویذ بھی مکروہ ہے جیسا کہ شامی میں ہے **امراۃ ارادت ان تضع تعویذاً لیحبھا زوجھا ذکر فی الجامع الصغیر ان ذلک حرام لا یحل۔**[1]

یا بدوح یا جبرائیل میں استغاثہ ہے کہ نہیں

(سوال ۱۱۴ / ۲) یابدوح یا جبرائیل میں استغاثہ لغیر اللہ ہے یا نہیں اور اس کے مرتکب کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) یاجبرائیل وغیرہ الفاظ میں اگر عقیدہ یہ ہو کہ جبرائیل علیہ السلام اس آواز کو سنیں گے اور مدد کو پہنچیں گے تو عقیدہ شرکیہ اور حرام ہے اور اگر محض تحصیل برکت کی نیت سے لکھا ہے تو مضائقہ نہیں تاہم ایسے موہم الفاظ کا ترک اولیٰ ہے۔	یکم ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

---

(۱) سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اس کی مراد یہ بیان فرمائی ہے کہ ایسا تعویذ کرنا جس سے شوہر مسخر مسلوب الاختیار ہو جاوے یہ حرام ہے۔ مطلقاً محبت کے لئے تعویذ حرام نہیں۔ محمد شفیع عفی عنہ ۱۰ صفر ۱۳۶۶ھ

یا بدوح کا وظیفہ جائز ہے

(سوال ۱۱۵) یا بدوح کے کیا معنے ہیں اور اس کا ورد کیسا ہے؟

(الجواب) بدوح یہ لفظ عام طور پر بضم باء و تشدید دال مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں صحیح لفظ بدوح ہے بفتح باء و تخفیف ذال تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ[1] عبرانی میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اگر عربی قرار دیا جائے تو اس کے معنی عاجز کرنے والے کے ہیں-بہر حال خدا کا نام ہونا ثابت ہے تو یابدوح کا وظیفہ بے تامل جائز ہے-

جن نقوش میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو اس کو دفن کرنا

(سوال ۱۱۶) نقوش میں اللہ تعالیٰ و رسول ﷺ کے نام ہوتے ہیں زمین میں دفن کر کے اوپر آگ جلانا کیسا ہے؟

(جواب) دفن کرنا جائز ہے فقہاء نے ناقابل تلاوت قرآن مجید کے اوراق کے لئے بھی دفن کرنے کی صورت بہتر فرمائی ہے کما فی الشامیة وغیرہ اور دفن کرنے کے بعد اوپر آگ جلانا بھی کوئی بے حرمتی نہیں اس لئے جائز ہے-[2]

عملیات میں یوم اور وقت کی تعیین منجانب اللہ ہے یا نہیں

(سوال ۱۱۷) عملیات میں یوم اور وقت کا تعین منجانب اللہ ہے یا اس کا تعلق کواکب سے ہے اور اس کا لحاظ شرعاً کیسا ہے؟

(الجواب) اکثر عملیات میں وقت اور یوم کا تعین منجانب اللہ نہیں بلکہ محض تجربہ کی بنیاد پر لوگوں نے یہ تعینات کئے ہیں اگر ان اوقات و حالات خاصہ کو موثر بالذات نہ سمجھے بلکہ ایسا تعین سمجھے جیسے دھان مونجی بونے کے لئے برسات کا موسم متعین کیا جاتا ہے اور کسی کام کے لئے جاڑے کا موسم کسی کے لئے گرمی کا تو ان تعینات میں بھی کوئی مضائقہ نہیں

فجر و عصر کے بعد تسبیحات کا حکم

(سوال ۱۱۸) بعد نماز عصر و فجر قبل دعاء امام جو تسبیح پڑھتے ہیں مستحب ہے یا سنت-اگر سنت ہے تو موکدہ یا غیر موکدہ-

---

(۱) ھکذا افادہ شیخنا العلامة مولانا محمد انور شاہ الکشمیری قدس سرہ ۱۲ محمد شفیع

(۲) بعض روایات میں حضرت عثمان غنیؓ سے جمع قرآن کے وقت بقیہ مصاحف ناقابل تلاوت کو آگ میں جلانا منقول ہے-کذا فی السیر لشمس الائمہ لیکن جمہور فقہاء نے دفن کی صورت کو زیادہ بہتر قرار دیا ہے کیونکہ انبیاءؑ کے ساتھ بھی یہی دفن کا معاملہ کیا جاتا ہے ۱۲ محمد شفیع

(۲)بعد سلام قبل دعاء امام و موذن و مقتدی کاباہم گفتگو کرنا کیا حکم رکھتا ہے ؟

(الجواب) سنت ہے مگر غیر مؤکدہ۔کیونکہ موکدہ ہونے کی وجوہ اس میں موجود نہیں۔

(۲)بہتر تو یہ ہے کہ دعاء سے فارغ ہو کر کلام کیا جائے تاکہ دوسروں کی تسبیح و تہلیل میں خلل نہ پڑے اور اپنے لئے بھی یہی مناسب ہے کیونکہ فرض نمازوں کے بعد جو دعاء کی جاتی ہے اس کی غرض یہی ہے کہ فرضوں کے ساتھ جو دعاء متصل ہو گی اس کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہے کیونکہ حدیث میں دعاء الصلوٰۃ عقیب الصلوٰۃ کی فضیلت آئی ہے اور جب درمیان میں سلسلہ کلام شروع ہو گیا تو یہ اتصال تام باقی نہ رہا لیکن اگر کوئی ضروری کلام بھی کر لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں کیوں کہ خود دعاء مانگنا اور تسبیح و تہلیل کرنا ہی کوئی واجب یا سنت موکدہ نہیں ہے۔

فجر اور عصر کے بعد تسبیحات اور اجتماعی دعاء کی تحقیق

(سوال ۱۱۹) بعد نماز فجر و عصر مقتدیوں کی طرف رخ کر کے یا یمین و یسار پھر کر امام تھوڑی دیر تسبیح و تہلیل کرتا ہے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں یہ سنت ہے یا نہیں نیز رسول ﷺ کے خارج صلوٰۃ جماعت کے ساتھ دعاء مانگنے میں صیغہ مفرد بھی منقول ہے یا جب کبھی حضور صلعم نے جماعت کے ساتھ جس میں دوسرے لوگ آمین کہتے ہیں دعاء مانگی صرف جمع ہی کے صیغوں سے مانگی مدلل بدلائل تحریر فرمایا جاوے ؟

یہاں پر ایک مرتبہ ایک امام نے نماز عصر کے بعد یہ دعاء پڑھی **رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ الخ** تو عمر مولوی صاحب نے اعتراض کیا کہ دعا میں اپنے نفس کی تخصیص کرنا اور مقتدیوں سے آمین کہلوانا خیانت ہے، امام مسجد نے جواب دیا کہ خیانت اس وقت ہے جب صیغہ مفرد کے ساتھ دعاء کا مضمون بھی خاص ہو اور اگر مضمون دعاء خاص نہ ہو ایسا ہو کہ شامل ہو سکے ساری جماعت کو تو پھر صیغہ مفرد سے دعا مانگتے ہیں اس میں خیانت نہیں خاص کر قرآن و احادیث کی منقولہ ان دعاؤں میں جن کا مضمون تمام مسلمانوں کے لئے محتاج الیہ ہو۔ سو یہ دعاء **رب اجعلنی الخ** ایسی ہے کہ اس کے مضمون کے سب مسلمان حاجت مند ہیں جیسا کہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب قبلہ مدظلہ العالی مفتی دیوبند نے مناجات مقبول کے ہمراہ اپنے رسالہ احکام الرجاء فی احکام الدعاء کے ادب نمبر ۲۳ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قول نقل کیا ہے کہ روایت ابوداؤد میں ہے کہ جو امام اپنے نفس کو دعاء میں خاص کرے اس نے قوم سے خیانت کی مراد یہ ہے کہ نماز کے اندر امام ایسی دعاء نہ مانگے جو صرف اس کی ذات کے ساتھ مخصوص ہو مثلاً یہ کہے **اللھم اشف ابنی** (اے اللہ میرے بیٹے کو شفا دے) بلکہ ایسی دعاء مانگے جو سب کو شامل ہو جیسے **اللھم اغفرلی وارحمنی وغیرہ ھذا ما افادہ شیخنا** حکیم الامتہ مولانا اشرف علی دامت برکاتہم **والشراح الحدیث فیہ مقالات یا باھانسق الحدیث** (رسالہ مذکورہ ص ۸) امام مسجد کی اس دلیل پر مولوی صاحب نے کہا کہ مولانا اشرف علی صاحبؒ کے منقولہ قول میں نماز کے اندر قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں ہے لہذا جو

توجیہ صیغہ مفرد کے خیانت نہ ہونے کی امام کے لئے مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمائی ہے وہ نماز کے اندر اور خارج نماز دونوں کے لئے عام ہے، مولوی صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے علاوہ ازیں مولوی صاحب کی تائید میں مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ میں جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۱۵۸ تا ۱۶۱ کا دعاء کے بارے میں سوال وجواب بھی امام مسجد کو دکھایا گیا (معروض ہے کہ مجموعۃ الفتاویٰ کے ان سوال وجواب کو ضرور ملاحظہ فرمایا جائے بسبب طوالت نقل نہیں کیا جاتا) حاصل جواب فتویٰ یہ ہے کہ اگرچہ بغیر سلام نماز فرض امام کا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا جیسا فی زماننامروج ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھا مگر جب حدیث ثوبانؓ کا مطلب اکثر کے نزدیک یوں ہوا کہ نماز میں جس مقام پر مقتدی آمین کہتے ہیں وہاں صیغہ جمع سے امام دعاء کرے تاکہ خیانت نہ ہو تو حدیث ثوبانؓ کو عام رکھنا چاہئیے ہر اس دعاء کے لئے جس میں امام دعا کرے اور مقتدی آمین کہیں خواہ داخل صلوٰۃ ہو یا خارج صلوٰۃ بعد فرض ہو یا اور کسی موقعہ پر۔

مجموعہ فتاویٰ کے اس فتویٰ پر امام مسجد کہتا ہے کہ یہ ایک وجہ تطبیق ہے حدیث ثوبانؓ اور ان حدیثوں کے درمیان جن میں دعائیں بصیغہ افراد منقول ہیں مجھے تسلیم ہے کہ اس طرح بھی منطبق ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک وجہ تطبیق مولانا محمد اشرف علی صاحبؒ سے بھی احکام الدعاء کے حوالہ مذکورہ میں منقول ہے وہ بھی رد نہیں کی جا سکتی مگر چونکہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی وجہ تطبیق زیادہ عمدہ ہے اس لئے اس کی بناء پر ہر الفاظ دعائیہ بصیغہ افراد جو قرآن وحدیث میں منقول ہیں اور ان کا مضمون عام اور شامل جمیع المسلمین کو ہو سکتا ہے ان میں تغیر بھی نہیں کرنا پڑتا اور خیانت بھی نہیں ہوتی پس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی توجیہ کو اوفق بالمرویات اور راجح سمجھتا ہوں علاوہ ازیں امام مسجد یہ بھی کہتا ہے کہ مولانا عبدالحیٔ اور دیگر شراح حدیث ثوبانؓ نے مذکورہ کی بناء پر نماز کی دعاؤں کے ان مواقع میں جہاں مقتدی آمین کہتے ہیں امام کے خیانت سے بچنے کی یہ صورت قرار دی کہ دعاؤں میں صیغہ جمع اختیار کرے پھر داخل نماز پر خارج نماز دعاء کو قیاس کیا اور مقتدیوں کے آمین کہنے کے مواقع پر خارج صلوٰۃ ادعیہ میں بھی امام کے لئے جمع کے صیغہ کا حکم دیا اسی طرح مولانا اشرف علیؒ کی توجیہ کو سمجھنا چاہئیے کہ حدیث ثوبانؓ کی بناء پر نماز کے اندر امام اس وقت خائن ہوگا جب کہ صیغہ مفرد کی وہ دعائیں پڑھے جن کا مضمون شامل جمیع مسلمین نہ ہو سکے لہذا اسے نماز کے اندر پر قیاس کر کے مولانا تھانویؒ کی توجیہ خارج نماز اس دعاء پر جاری ہو گئی جس میں امام دعاء کرے اور مقتدی آمین کہیں اور ترجیح کی کوئی وجہ نہیں کہ مولانا عبدالحیٔ اور دیگر شراح حدیث کی توجیہ عدم خیانت بصیغہ جمع کو داخل نماز پر قیاس کر کے خارج صلوٰۃ دعاء میں بھی جاری کیا جائے اور حضرت مولانا تھانویؒ کی توجیہ عدم خیانت بصیغہ مفرد بشرط عموم مضمون دعا کو صرف داخل نماز خاص کیا جائے اور خارج صلوٰۃ دعاء مع الجماعۃ میں اس کو منع کیا جائے۔ **ومثل هذا العجب العجائب لا عدل فيه ولا صواب.**

(الجواب) اس میں بعض اجزاء سنت اور حدیث سے بالتخصیص ثابت ہیں اور بعض مستحب ہیں کہ عموم روایات سے اس کا ثبوت ملتا ہے مثلاً امام اگر بعد فراغ نماز اپنی جگہ بیٹھے تو روبقبلہ نہ بیٹھے بلکہ یا مقتدیوں کا

استقبال کرے یا داہنے بائیں مائل ہو کر بیٹھے یہ سنت ہے روایات حدیث بالخصوص اس پر شاہد ہیں جو عامہ کتب حدیث میں موجود ہیں اور صاحب بدائع نے نقل کی ہیں (ص ۱۶۰ ج ۱) اور زاد المعاد میں ابن قیمؒ نے کافی تفصیل نقل کی ہے اب رہا مولانا عبد الحئیؒ کی تحقیق کا سوال سو ظاہر ہے کہ وہ ایک بڑے عالم ہیں اگر ان کی تحقیق کسی کو اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے تو وہ اس کو اختیار کرے لیکن دوسروں کو اس پر مجبور کرنے کا حق نہیں اور نہ یہ کوئی ایسی چیز ہے جس پر معرکہ مباحثہ گرم کیا جائے بلکہ اس قسم کے مباحث میں پڑ جانے کے بجائے تسبیح و نفل وغیرہ میں وقت صرف کرنا بہتر ہے اب رہا تسبیح و تہلیل کرنا پھر مجمع کے ساتھ دعاء کرنا اور مجمع کا آمین کہنا یہ امور مجموعی حیثیت سے آنحضرت ﷺ سے فعلاً مروی نہیں ہیں لیکن روایات قولیہ میں **دعاء دبر الصلوٰۃ کلھا** کی ترغیب اور بعض تسبیحات واوراد کے فضائل مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب چیزیں امور مستحبہ ہیں بدائع الصنائع میں ایک مستقل فصل اس پر رکھی ہے۔ **بیان ما یستحب ان یفعل عقیب الفراغ من الصلوٰۃ۔**

اور احکام کی تفصیل میں موجود ہے (ص ۱۵۹ ج ۱) اور چونکہ یہ افعال دعاء و تسبیحات امام و مقتدی سب کے لئے بعد نماز مستحب ہیں اگر سب ہی اس میں مشغول ہوں گے تو یہ ایک اقتران اتفاقی ہوگا نہ کہ اجتماع مستقل اس لئے ان افعال کو فی نفسہا مستحب کہا جائے گا اور اجتماع کو نہ ضروری سمجھا جائے اور نہ بدعت غیر مشروع کہا جائے اس لئے عامہ سلف سے اس اجتماع پر نکیر منقول نہیں اور علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں جو اس کو بدعت فرمایا ہے اس کا حاصل بھی احقر نے یہی سمجھا ہے کہ اجتماع للدعاء کو مقصود اصلی مثل دیگر عبادات کے سمجھنا بدعت ہے نہ یہ کہ اقتران اتفاقی کے طور پر مجتمعاً دعاء کرنے کو بدعت کہا جاتا ہے اس مسئلہ کی پوری تحقیق سیدی حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے رسالہ **استحباب الدعوات عقیب الصلوات** میں موجود ہے۔

باقی وہ حدیث ابو داؤد جس میں مذکور ہے کہ جو امام اپنے نفس کو دعاء میں خاص کرے اس نے قوم سے خیانت کی اس میں دو چیزیں قابل غور ہیں اول تو یہ کہ اختصاص کے معنی کیا ہیں کیا صیغہ مفرد سے دعاء کرنا اختصاص ہے یا کہ ایسی دعاء کرنا جو امام کی ذات کے ساتھ خاص ہو۔ دوسرے یہ کہ اختصاص کو خیانت قرار دینا صرف نماز کے لئے ہے یا فراغت عن الصلوٰۃ کے بعد بھی امام کو اختصاص کا حق نہیں پہلے مسئلہ میں سیدی حکیم الامتہ قدس سرہ سے کوئی بات سنی ہوئی یاد نہیں لیکن خود جو سمجھ میں آیا وہ یہ کہ صیغہ مفرد سے دعاء کرنا اختصاص بموجب للخیانتہ نہیں کیونکہ امام ساری قوم کا وکیل ہے وہ اگر صیغہ مفرد سے بھی کوئی ایسی دعاء کرے جو پوری قوم کے مقاصد کو حاوی ہو تو بے محل نہیں اور نہ اختصاص ہے جیسے کوئی زعیم القوم یہ کہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ فلاں کام اس طرح کر دیا جائے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قوم نہیں چاہتی، الغرض امام اگر کوئی ایسی دعا کرتا ہے جو عام قوم کے مقاصد کو حاوی ہے تو خواہ صیغہ جمع سے کرے یا صیغہ مفرد سے دونوں صورتوں میں وہ اختصاص اور خیانت نہیں ہے بشرطیکہ نیت اس کی اختصاص کی نہ ہو ہاں اگر وہ ایسی دعا کرے جس کا مضمون امام کی ذاتیات ہی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے **اللھم اشف ابنی** وغیرہ

تو یہ اختصاص موجب خیانت ہے اس لئے اگر وہ صیغہ جمع بھی استعمال کرے تو خیانت سے خارج نہ ہوگا اور دوسرے مسئلہ میں تو حضرت والا قدس سرہ نے بتصریح فرمایا تھا اور خود بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امام کا ممنوع عن الاختصاص ہونا یہ صرف نماز کے اندر ہے نماز سے خارج اس کو اختیار ہے کہ اپنی ذات سے متعلق کوئی دعاء کرے یا عام دعاء کرے کیونکہ امام کا مفہوم حقیقی یعنی امامت بعد فراغت نماز کے ختم ہو چکا اب اس کو امام کہنا ہی مجاز ہے اور عموم مجاز کا تکلف کرنا اس جگہ بے وجہ تکلف ہے۔

الغرض نماز کے اندر کا لفظ قید احترازی ہے اور مراد یہ ہے کہ خارج نماز امام کو ہر ایک قسم کی دعاء کا اختیار ہے خواہ اس کی ذات سے مخصوص ہو یا عام مسلمانوں کی حوائج سے۔اب رہا یہ قصہ کہ ایسی دعاء جو ایک مجمع کے ساتھ کی جاتی ہو اور قوم اس پر آمین کہتی ہے سو اول تو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ عہد نبوت اور خلفاء راشدینؓ کے تعامل سے یہ محض اقتران اتفاقی کے طور پر ثابت ہوتا ہے اس اجتماع کو ایسا مقصود بنالینا کہ امام کو دعاء مخصوص کرنے کی اجازت نہ ہو یہ خود حد سے تجاوز ہے اس لئے علامہ شاطبیؒ نے اس کو بدعت بھی کہہ دیا ہے یہ بعد نماز کی دعاء یقیناً حدیث ابوداؤد میں داخل نہیں۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (اضافہ)

شوہر کو مطیع کرنے کے لئے تعویذ کرنا

(سوال ۱۲۰) بلاد دکن میں دستور ہے کہ شوہر کو مطیع کرنے کے لئے پان کا بیڑا اس طرح کھلایا جاتا ہے کہ پان کا بیڑا الٹی نلی غسل کرتے وقت انگوٹھے میں دبالیتی ہے اس پر تمام پانی غسل کا گرتا ہے وہی پان شوہر کو عام طور سے کھلایا جاتا ہے یہ طریقہ موجب مواخذہ ہے یا نہیں؟

(الجواب) شوہر کو بلاوجہ شرعی مطیع کرنے کی تدبیریں خواہ بیڑا اندکور کھلانے سے یا کسی تعویذ وغیرہ کے ذریعہ سے مکروہ ہے البتہ اگر شوہر ظلم کرتا ہے اور اس کے جائز حقوق ادا نہیں کرتا یا اس سے نفرت رکھتا ہے تو یہ تدبیریں جائز حدود کے اندر جائز ہیں اور اس صورت میں بیڑا اندکور بھی کھلانا جائز ہے بشرطیکہ اس پر کوئی نجاست نہ لگی ہو غسل کا پانی تو مفتی بہ قول کے موافق نجس نہیں ہے۔

قال الشامی و ردفی الحدیث النہی عن التوالة بوزن عنبة وهی ما یفعل لیحب المراء ة الی زوجها (شامی باب العلم ص ۴۱ ج ۱)

بیوی کا اپنے شوہر کے لئے حب کا عمل کرانا کیسا ہے

(سوال ۱۲۱) جواب لیکن اگر خاوند ظلم کرتا ہو اور بیوی کے حقوق ادا نہ کرتا ہو تو پھر حب کا ایسا تعویذ کرنا اور کرانا جائز ہے جس میں منتر جنتر وغیرہ کوئی ناجائز چیز اور شوہر کو مسحور مسلوب الاختیار کرنا نہ ہو۔

یکم ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

گمشدہ چیز کے لئے نام نکالنے کے واسطے قرآن کا استعمال

(سوال ۱۲۲) کسی کا روپیہ گم ہو گیا تھا اس نے سارق کو معلوم کرنے کے واسطے لوٹے پر قرآن شریف رکھ

کر اور قرآن مجید پر جوتہ رکھ کر (نعوذباللہ) جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لکھ کر قرآن شریف کے اوپر رکھ کر تدبیر کی اس فعل سے فاعل اور مفعول اور حاضران مجلس پر شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) فی العالمگیریة من کتاب الکراهة صفحه ٤٨٩ جلد ٥ الاتکاء بالکتاب الذی فیه الاخبار لا یجوز الا علی نیة الحفظ به و فی موضع آخر منها- رجل وضع رجله علی المصحف ان کان علی وجه الاستخفاف یکفر والالا-

پہلی روایت سے حدیث کی کتاب پر ٹیک لگانا ناجائز ثابت ہوا تو قرآن پر ٹیک لگانا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوا اور جوتہ رکھنا تو سخت توہین ہے اس میں تو اندیشہ کفر کا ہے اگر بہ نیت توہین ایسا کرتا تو کافر ہو جاتا مگر چونکہ اس عمل کے کرنے والے کی نیت توہین کی نہیں اس لئے ہم اس پر کفر کا حکم نہ کریں گے مگر سخت گناہ گار اور فاسق ہے توبہ کرنا ضروری ہے-

ہندو پنڈت کا تعویذ باندھنا

(سوال ۱۲۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو پنڈت سے تعویذ لیکر جسم میں باندھنا جائز ہے یا نہیں اور اگر کسی شخص نے باندھ لیا ہے تو اس کو علیحدہ کرنا اس پر ضروری ہے یا نہیں؟ والسلام

(الجواب) ہندو پنڈتوں سے تعویذ لینا اور باندھنا احتیاط کے خلاف ہے کیونکہ یہ لوگ عموماً کلمات کفریہ یا توں سے استعانت وغیرہ کے الفاظ یا ایسے منتر جنتر لکھتے ہیں جن کا اعتبار کفر ہے ظاہر ہے کہ ایسے تعویذ کا استعمال حرام ہے البتہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے تعویذ میں کوئی ایسی چیز نہیں لکھی جس کا اعتقاد حرام ہو تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن بہر حال ایک کافر کے لکھے ہوئے نقوش سے طلب شفا غیرت اسلامی کے بالکل خلاف ہے- قال الشامی عن اعلام العوام فی تحقیق السحر و الکهانة باب العلم ما یشیر الی ما قلنا (شامی کتاب العلم ص ۳۱)ثم قال فی الدر المختار کتاب الکراهیة التمیمة المکروهة ما کان بغیر العربیة- غیر عربیہ سے مراد بھی ایسے ہی کلمات ہیں جو نامعلوم المراد ہوں اور جن میں شرک وغیرہ کا احتمال ہو-(شامی ص ۲۵۳ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

ذکر جلی جائز ہے یا نہیں

(سوال ١٢٤) ان الذکر الجلی ،کیف هو هل جائز ام لاهل الذکر المسطور کان فی زمان رسول الله ﷺ اوفی زمان خلفاء الراشدینؓ ام کان فی زمان الائمة الاربعةؒ ام لاوما الرأ ی فیه للامام الاعظمؒ وان بعض العلماء یقول بعضهم باوسطهم صوتاوهم المستدلون بان المئوذن فی وقت الصلوٰة یرفع صوته والتکبیر فی الصلوٰة والقراءة فی الصلوٰة الجهریة و تعلیم الاولاد فی المدارس والمکاتب کلها ذکر جلی مبارك و یفهم من الأیات القرانیة والاحادیث منع الذکر الجلی کما قال الله تعالٰی فی القرآن المجید- اذکر ربك فی نفسك تضرعاً و خیفةً ودون

الجهر من القول بالغدو و الاصال ولا تکن من الغافلین وفی اية اخری ادعو ربکم تضرعاً و خفیة انه لا یحب المعتدین وفی آیة اخری قل من ینجیکم من ظلمات البر والبحر تدعونه تضرعاً و خفیة الاٰیة. وفی آیة اخری اذ نادیٰ ربه نداءً خفیاً وفی آیة اخری واغضض من صوتك ان انکر الاصوات لصوت الحمیر-

والله اعلم بمراد کلامه قال رسول الله ﷺ ایها الناس اربعو اعلی انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائباً انکم تدعون سمیعاً بصیراً وهو معکم والذی تدعونه اقرب الی احدکم من عنق راحلته هذا اذ جعل الناس یجهرون بالتکبیر رواه ابوموسیٰ الاشعری فما الحکم علی القائلین بالذکر الجلی بانکر الاصوات واوسطها، بینوا بالکتاب توجروا بیوم الحساب؟

(الجواب) الصحیح المختار فی هذا الباب عند مشائخنا عمت فیوضهم ما اورده الشامی عن الفتاویٰ الخیریة وقال ان هناك احادیث ا قتضت طلب الجهر واحادیث طلب الاسرار والجمع بینهما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص والا حوال فالا سرار افضل حیث خیف الریاء او تاذی المصلین اوالنیام والجهر افضل حیث خلا مما ذکر لانه اکثر عملاً ولتعدیة فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذکر فیجمع همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه و یطردالنوم ویزید النشاط، انتهیٰ ملخصاً (شامی کتاب الحضر والا باحة. ص/ ۲۷۸ .ج/ ۵- قلت و بهذا حصل جواب ما اورد السائل من الا یرادات علی الذکر الجلی)

ذکر جہر کے متعلق معتدل فیصلہ

(سوال ۱۲۵) چونکہ عورت ومرد سب کو حالت ذکر میں جذب پیدا ہو جاتی ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنے کی وجہ سے آواز دور تک جاتی ہے اور بعض اشخاص بے ہوش ہو کر شور و شغب (بصدائے ہاہا ہو ہو) کرتے ہیں اور زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر گرتے ہیں پس اس طریقہ جدیدہ میں خصوصاً عورتوں کو ذکر اذکار کی تعلیم دینا اہل شریعت وطریقت کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مردوں کے لئے ذکر جہر میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح اور احوط واعدل قول اس بارے میں وہ ہے جو صاحب فتاویٰ خیریہ نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں روایات حدیث مختلف ہیں بعض سے ذکر جہر کی اولویت مفہوم ہوتی ہے اور بعض سے ذکر خفی کی لیکن تطبیق بین الروایات یہ ہے-

والجمع بینهما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص والا حوال کما جمع بین الاحادیث الطالبة للجهر بالقراء ة والطالبة للاسرار بها ولا یعارض ذلك خیر الذکر الخفی لانه حیث خیف الریاء اوتاذی المصلین اوالنیام- والجهر ذکر بعض اهل العلم انه افضل حیث خلا مما ذکر لانه اکثر عملاً ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر ویصوف سمعه الیه ویطرد النوم و یزید النشاط – الخ فتاویٰ خیریه ص ۱۸۱ ج ۲

وبمثله صرح العلامة الشامی من کتاب الحظر والا باحة فی ردالمختار-
یہ کل بحث مردوں کے ذکر میں تھی، عورتوں کاذکر جہر کرنا مطلقاً باتفاق ناجائز ہے اسی لئے عورت کی اذان وغیرہ کو شریعت نے جائز نہیں رکھا- نہایہ شرح ہدایہ میں ہے منھیه عن رفع الصوت لان فی صوتها فتنه ولذا جعل النبی ﷺ التسبیح للرجال والتصفیق للنساء انتهٰی (من حواشی الهدایة باب الاذان) بالخصوص عورت کو اگر جذب کی کیفیت پیدا ہوئی جو کہ ذکر جہر کے خواص اکثریہ میں سے ہے تو اس پر جو مفاسد کشف ستر وغیرہ کے پیش آویں گے وہ مستقل گناہ ہوں گے-(واللہ تعالیٰ اعلم)

ذکر جہری وسری کی تحقیق

(سوال ۱۲۶) ذکر بالجہر افضل ست یا بالسر؟ اگر بالجہر افضل ست تو معنی حدیث مرقوم الذیل وعبارات کتب فقہ وآیات قرآنیہ چست ادعو ربکم تضرعاً و خفیة الخ وا ذکر ربك فی نفسك تضرعا و خفیه ودون الجهر من القول بالغدووالاٰصال الخ وقال رسول الله ﷺ خیر الذکر الخفی الحدیث وقال ایهاالناس اربعو علٰی انفسکم فانکم لا تدعون اصما ولا غائبا انما تدعون سمیعاً بصیراً-

وفی النهایة شرح الهدایة المستحب عند نافی الاذکار- الخفیة وفی الهدایة ان الجهر بالذکر بدعة والا صل فیه الاخفاء- معنی ایں روایات واحادیث وکتب فقهیہ بیان فرمایند واگر ذکر بالجہر ناجائز وبدعت است چنانکہ آیات واحادیث وکتب فقہیہ دال ست بریں تقدیر- عظمائے حنفیہ چوں حضرت گنگوہیؒ حضرت تھانویؒ وحضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ اسرارھم-وحضرات چشتیہ ذکر بالجہر چرا کردند وکنانندو طریق حضرات صوفیہ مخالف شرع ست یا موافق شرع شریف اگر موافق شرع ہست مستند کش از کدامی حدیث وآیت قرآنی ست،واگر مخالف شرع ہست موافق طریق اوشان عمل کردن چگونہ جائز شد ۱۲-
(۲) تعریف جہر مفرط چیست وحد ذکر جلی کیست وہر جائیکہ ایذاء و تشویش مصلی ونائم نبود ذکر جلی درآنجا بصوت اعلیٰ وارفع جائز است یانہ؟

واز کتب معلوم میشود کہ جہر کلی مشکک ست کہ متفاوت الصدق علی الافراد ست اعلیٰ وادنیٰ چگونہ امتیاز کردہ بود واُلہ امتیاز چیست-(بنیوا بالدلیل تو جروا بالاجر الجزیل)

(الجواب) قال فی روالمختار - قوله رفع صوت بالذکر الخ اقول اضطرب کلام صاحب البزازیة فی ذلك؟ فتارة قال انه حرام وتارة قال انه جائز و فی الفتاوٰی الخیریة من الکراهیة والاستحسان جاء فی الحدیث مااقتضی طلب الجهربه نحوان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم رواه الشیخان-و هناك احادیث اقتضت طلب الاسرار- والجمع بینهما بان ذلك یختلف باختلاف الاشخاص والا حوال کما جمع بذلك بین احادیث الجهر والا خفاء بالقرائة ولا یعارض ذلك حدیث خیر الذکر الخفی لا نه حیث خیف الریاء او تاذی المصلین

او لنیام فان خلا مماذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملا ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع همه الی الفکر و یصرف سمعه الیه و یطرد النوم و یزید النشاط اه ملخصاً— و تمام الکلام هناك فراجعه و فی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی — اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجهر فی المساجد و غیرها الا ان یشوش جهرهم علی نائم او مصل او قاری اه (ردالمحتار احکام المساجد ص ۶۱۸ ج ۱)

(۱) عبارت مر قومہ سے معلوم ہوا کہ روایت حدیث ذکر جہر کے متعلق بظاہر متعارض ہیں اور یہی سبب علماء و مشائخ کے اختلاف کا ہوا ہے اور اہل تحقیق نے روایات مختلفہ کی تطبیق اس طرح فرمائی ہے کہ اگر ریاء کا اندیشہ ہو یا سونے والوں کے آرام میں خلل یا نمازیوں کی تشویش کا سبب ہو تو ذکر جہر ممنوع ہے اور روایات منع ایسے ہی مواقع پر محمول ہیں اور جس کسی نے ذکر جہر کو بدعت کہا ہے وہ بھی مطلق نہیں بلکہ خاص قسم کے التزامات کے ساتھ ہو تو وہ بدعت ہے مطلق جہر بالذکر کو بدعت کہنے کے کوئی معنی نہیں جب کہ روایات صحیح میں اسکا جواز واستحسان ثابت ہے جیسے حدیث ان ذکر فی ملاء الحدیث اور جب ذکر جہر ان غوائل ریاء و تشویش مصلین ونائمین وغیرہ سے خالی ہو تو وہ جائز ہے اور نصوص جواز اسی صورت پر محمول ہیں رہا افضل وغیر افضل کا سوال- سو وہ احوال واشخاص کے اعتبار سے مختلف ہے کسی کے لئے جہر افضل ہے اور کسی کے لئے سر افضل اور کسی وقت جہر افضل کسی وقت سر افضل تعین اس کا عوام کو خود نہیں کرنا چاہیئے کسی شیخ کامل سے کرانا چاہیئے- تقریباً یہی مضمون اس مسئلہ کے متعلق حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے بھی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے-

(۲) اور حد جہر مفرط و متوسط کی عرفی امر ہے اس کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جا سکتا عرفاً جس کو جہر مفرط سمجھا جاوے وہ مفرط ہے جس کو متوسط سمجھا جاوے وہ متوسط ہے اور مختار ہمارے مشائخ کا یہ ہے کہ جس کے لئے اس کا شیخ جہر کو تجویز کرے ان کو اتنا جہر کرنا چاہیئے جس سے قلب پر اثر پہنچ سکے اور دماغ پریشان نہ ہو اس سے زیادہ جہر فضول ہے البتہ کسی وقت غیر اختیاری طور پر جہر میں شدت پیدا ہو جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اور یہ امر ہر حال میں قابل نظر ہے کہ اس کے جہر سے دوسروں کی نماز تسبیح میں یا نیند میں خلل بغیر ان کی اجازت کے نہ آئے— واللہ تعالیٰ اعلم-

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ دیوبند
۲۹ رجب ۱۳۶۴ھ (اضافہ)

بعد تحریر جواب معلوم ہوا کہ اس کا جواب حضرت استاذ العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے جو تحقیق اپنی شان کے مطابق ہے اس لئے اس کو بھی یہاں درج کیا جاتا ہے-

جواب سوال مذکور استاد شیخ الاسلام
حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

اول چند مقدمات ذہن نشین کر لئے جائیں۔
(۱) جیسا کہ شیخ ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک ذکر قلبی یعنی دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی طرف دھیان کرنا اور اس کی دلائل قدرت اور آیات تکوینیہ و تنزیہیہ میں غور و فکر کرنا۔ دوسرا ذکر لسانی یا قولی۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اس کی حمد و ثناء قرأۃ قرآن اور دوسروں کو وعظ نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانا۔ عموم لغت کے اعتبار سے سب داخل ہیں ہاں عرفاً کبھی کبھی صرف تسبیح و تہلیل وغیرہ ان اذکار پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو محض مدح و ثناء پر مشتمل ہوں اس لئے محدثین صیغہ الصلوٰۃ میں اذکار اور ادعیہ کے لئے الگ الگ ابواب رکھتے ہیں۔
(۲) اخفاء یا خیفہ وغیرہ الفاظ کا اصل مطلب کسی چیز کو دوسروں سے چھپانے کے اور کسی کام کو پوشیدہ طور پر کرنے کے ہیں جو بات دوسروں سے چھپا کر کی جائے اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں خواہ اس لئے کہ اس قدر پست آواز سے کہی جا رہی ہے کہ دوسرے نہ سن سکیں یا اس طرح کے لوگوں سے علیحدہ ہو کر تخلیہ میں کہی جاوے۔ بہر حال اخفاء ذکر و دعاء خفض صوت کو مستلزم نہیں۔
(۳) جہر اور مخافتہ کی حد کیا ہے اس کا پورا انضباط مشکل ہے علامہ ابن عابدینؒ نے قرأۃ فی الصلوٰۃ میں فقہاء کے مختلف اقوال نقل کرنے اور اس پر تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد آخر میں یہ قرار دیا ہے کہ۔

فقد ظهر بهذا ان ادنى المخافتة اسماع نفسه اومن يقربه من رجل اورجلين مثلا واعلاها مجرد تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي ولا تعتبر هنا (اى القراة) فى الاصح وادنى الجهر اسماع غيره ممن ليس بقربه كاهل الصف الاول واعلاه لاحدله فافهم تحرير هذا المقام فقد اضطرب فيه كثير من الافهام اه (درمختار ص ۴۹۹ ج ۱)

اس سے جہر اور مخافتہ میں تشکیک بھی ثابت ہوئی اور ایسی چیز جس میں مراتب مختلف ہوں اس کے بعض برزخی مراتب کے لئے من وجہ ایک کا اور من وجہ دوسرے کا اطلاق اضافتہ مستبعد نہیں جیسے صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کے وقت کو کوئی نہار میں کوئی لیل میں شامل کرتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ من وجہ لیل اور من وجہ نہار ہے جیسا کہ میں نے فتح الملہم میں نقل کیا ہے۔
(۴) عقلاً و نقلاً یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ایک چیز دوسرے سے فی نفسہ افضل ہو مگر عوارض کی بناء پر بعض حالات و اوقات میں مفضول کو افضل سے فضیلت حاصل ہو جائے مثلاً تاخیر عشاء الیٰ ثلث اللیل مستحب ہے لیکن تقلیل جماعت کے خوف سے تعجیل مستحب ہو جاتی ہے و نظائرہ کثیرۃ۔
مقدمات مذکورہ کے بعد معلوم ہونا چاہئیے کہ قرآن و حدیث میں جہاں مطلقاً ذکر اللہ کا حکم یا ترغیب آئی ہے وہ ذکر جہری اور سری دونوں کو شامل ہے اب جن مواضع میں نصوص سے ذکر کی نوعیت باعتبار جہر یا اسرار کی متعین ہو گئی اس میں کوئی کلام ہی نہیں ہو سکتا ہاں تو وہی جانب وجوباً یا استحباباً متعین رہے گی۔

البتہ جہاں نصوص سے کوئی خاص جانب متعین نہیں اس میں جوازیاافضلیت میں اختلاف ہو سکتا ہے جمہور علماء کے نزدیک ایسے عام اذکارو ادعیہ میں دونوں جانبوں کا جواز مسلم ہے اور جس کسی نے جہر کو بدعت کہہ دیا وہ اس کے بعض مراتب یا بعض خصوصی احوال کے اعتبار سے ہوگا۔ خلواز موانع کی صورت میں دونوں کی نفس اباحت میں نزاع نہیں۔ہاں افضلیت میں کلام ہے بعض فقہاء نے اس افضلیت کے اختلاف پر محمول کیا ہے۔

لیکن نصوص پر نظر کرنے نیز بعض علماء کے اقوال میں غور کرنے سے یہ سمجھ میں آتا ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ شارع کے نزدیک ان اذکار وادعیہ میں اصل اخفاء ہے خواہ وہ خفض صوت سے حاصل ہو یا تخلیہ اختیار کرنے سے جیسا نصوص مذکورہ فی السوال۔ ادعوربکم تضر عاوخفیہ اور خیر الذکر الخفی سے واضح ہے اور واذکر ربك في نفسك کے بھی ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں یعنی مجمع سے علیحدہ ہو کر تنہائی میں ذکر کرنا۔ جیسا کہ حدیث صحیح وان ذکر فی ملاء کے مقابلہ میں رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ بعض احادیث میں وان ذکر نی فی نفسی کے بجائے ان ذکر نی خالیاً کے ہی الفاظ آتے ہیں رہا آیت ودون الجھر من القول سے متصود بظاہر جہر مفرط کی نفی کرنا ہے جیسا کہ حدیث انکم لاتدعون اصماً ولا غائباً میں اشارہ ہے کیونکہ اصم یا غائب کو آواز دینے میں نسبتہً جہر مفرط کی ضرورت پڑتی ہے اسکا ردنبی کریم ﷺ نے فرمایا یعنی اس قدر چلانے کی ضرورت نہیں دھیمی آواز سے اللہ کو پکارو وہ سمیع و قریب ہے اور ذکر اور مذکور کی عظمت و جلال کا مقتضی بھی یہی ہے کہ اصوات میں خشوع پیدا ہو۔قال اللہ تعالٰی وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا ھمساً الایتہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر اور دعا میں اصل اخفا اور افراط جہر سے احتراز کرنا ہے باقی کسی خاص احوال و واقعات میں خصوص مصالح یا دواعی کی بناء پر اگر اظہار یا جہر قوی ہو تو عارضی فضیلتہ و استحباب ہو سکتا ہے، رہی وہ حدیث جس میں ذکر فی النفس اور ذکر فی اعلاء کی تقسیم اور ہر ایک کی جزاء مذکور ہے اس میں سے ایک کی دوسری پر فضیلتہ کا میرے نزدیک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا اگر چہ بعض کے مزعوم کے خلاف حافظ وغیرہ نے تو اس حدیث سے ذکر خفی کی افضلیت پر استدلال کیا ہے۔

ہاں بعض احادیث اس مضمون کی جاہے صغیر میں ہیں اور سند بھی اس کی خاصی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جب میرا ذکر اپنے نفس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ملائکہ کی ایک جماعت میں کرتا ہوں اس سے بلاشبہ فضیلت ذکر فی الملاء کی نکل ہی ہے لیکن اس قسم کے سب احادیث کے متعلق مجھے یہ خیال گزرتا ہے کہ ان میں ذکر سے مراد اعم ہے خاص دعاء والا ذکر مراد نہیں جس میں ہماری یہ سب بحث تھی مثلاً دعاء الناس الی اللہ جس کے معنی دعوۃ وارشاد کے ہیں اور جو ذکر متعدی ہے وہ یہاں ذکر فی الملاء سے مراد ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جہر ناگزیر ہے لیکن وہ ہماری بحث سے اس وقت خارج ہے اس طرح قرأۃ قرآن کا بھی ارادہ کر سکتے ہیں اس کے جہر فی الملاء میں کوئی کلام نہیں بلکہ بہت سے فوائد ہیں۔

یستحب ان یجھر بقرائۃ لانہ ینبہ القلب و یجمع الھمۃ و یصرف السمع الیہ و ینفی النوم والکسل و یزید فی النشاط و یوقظ الراقد و یرغب فی العبادۃ ولأن المعتدی فضل و تضاعف النیۃ تضعف الاجر الی اصلاح القلب وقد صوب رسول اللہ ﷺ ابابکرؓ فی الاسرار و عمر فی البحر و لاکن قال لابی بکرؓ ارفع قلیلاً و العمرؓ اخفض قلیلاً وھو المناسب دلیلاً لقولہ عزوجل ولا تجھر بصلاتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبیلاً اہ ملخصاً

آخر میں اسطراد احدیث خیر الذکر الخفی کے متعلق اس قدر گزارش کرتا ہوں کہ اس کی تصریح کی طرف سیوطیؒ نے اجمالاً اشارہ کیا ہے لیکن اس کا راوی محمد بن عبدالرحمٰن ابی لبیبہ (بالباء الموحدین) متکلم فیہ ہے۔ دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور یحییٰ بن معینؒ نے اس کی حدیث کو لاشئی قرار دیا ہے اس کی توثیق میں بجز اس کے کہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے اور کوئی نہیں ملا اور ابن حبان اس معاملہ میں ذرا متساھل ہیں چنانچہ متعدد ایسے رواۃ ہیں جن کو وہ کتاب الثقات اور کتاب الضعفاء دونوں میں ذکر کر دیتے ہیں بظاہر وہ ایسے راوی ہیں جو ان کے نزدیک توثیق و تضعیف دونوں کے تحت میں آسکتے ہیں۔

نیز محمد بن عبدالرحمٰن مذکور کی یہ حدیث سعد ابن ابی وقاصؓ سے حافظ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں ارسال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

کتبہ، شبیر احمد العثمانی عفااللہ عنہ دیوبند ۵ شعبان ۱۳۶۴ھ

اوقات مکروہہ میں تلاوت قرآن کا حکم

(سوال ۱۲۷) تلاوت قرآن شریف یعنی قبل طلوع و غروب آفتاب یعنی درمیان عصر و مغرب ناجائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) طلوع و غروب کے وقت تلاوت قرآن شریف اگرچہ جائز ہے لیکن اوقات مکروہہ میں بہ نسبت قرآن کے دعاء اور درود و تسبیح افضل ہے قال الشامی الصلاۃ علی النبی ﷺ والدعاء و التسبیح افضل من قرأۃ القرآن فی الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا. الخ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

چند آدمیوں کا مجتمع ہو کر باواز قرآن مجید پڑھنا

(سوال ۱۲۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بہت سے لوگ ایک جگہ مجتمع ہو کر ختم کلام مجید کے وقت یا پانچ چھ آدمی حجرہ میں بیٹھ کر آواز بلند کے ساتھ جو علی وجہ التلاوۃ قرآن شریف پڑھتے ہیں جس میں نہ اسماع مقصد ہوتا ہے اور نہ کوئی سنتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ سے عموماً جو لوگ قرآن خوانی کرتے ہیں شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) فی کراھیۃ العالمگیریۃ عن القنیۃ یکرہ القوم ان یقرؤا القرآن جملۃ لتضمنھا ترک

الاستماع والانصات الامور بهما ص ۲۱۳ ج ۲ – فی شرح المنیة الکبیری بحلبی وقیل لا باس به الکل فی القنیة والاصل ان الاستماع للقرآن اذا قرأ فرض کفایة لانه اقامت حقه بان یکون ملتفتاً الیه غیر مضیع وذلك یحصل بانصات البعض کما فی ردالسلام حین کان لرعایة حق المسلم کفی فیه البعض عن الکل الاانه یجب علی القاری احترامه بان لایقرأ فی الأسواق و مواضع الاشتغال فاذا قرأ کان هو المضیع لحرمة فیکون الاثم علیه دون اهل الاشتغال دفعا للحرج فی الزامهم ترك اسبابهم المحتاج الیها– ص ٤٦٥

عبارت مرقومہ بالا سے معلوم ہوا کہ بہتر توباتفاق یہی ہے کہ ہر شخص قرآن مجید علیحدہ علیحدہ ایسی طرح پڑھے کہ دوسرے لوگوں کے جو کاروبار میں مشغول ہوں کانوں میں نہ پڑے لیکن بضرورت وبقدر ضرورت اس کی اجازت دی گئی ہے کہ چند آدمی ایک جگہ جمع ہو کر قرآن مجید بآواز پڑھیں جیسا کہ مکاتب میں تعلیم و تعلم کے وقت جس کی اجازت عالمگیری کتاب الکراہیۃ میں مذکور ہے اسی طرح چند طالب علم اگر ایک حجرہ میں یا چند آدمی ایک مسجد میں قرآن بآواز بلند پڑھیں تو یہ بھی جائز ہے لیکن جس جگہ لوگ دوسرے کاروبار میں مشغول ہوں وہاں پڑھنا بآواز بلند جائز نہیں ہے اور اگر اس نے پڑھا تو یہ گناہ گار ہوگا-کاروبار والے اس کی وجہ سے گناہ گار نہ ہوں گے- (واللہ تعالیٰ اعلم)

استعاذہ ماثورہ میں " اضل " ض سے ہے یا "ذ" یا "ز" سے ہے

(سوال ۱۲۹) حدیث میں جو استعاذہ آیا ہے اللهم انی اعوذبك من ان اضل اواضل اوازل او اذل اخیر کے دو لفظوں میں کسی روایت کے اندر ایک جگہ ذال سے آیا ہے یا دونوں جگہ، سب روایتوں میں زاء سے وارد ہے اور برتقدیر زاء دوسرا صیغہ باب افعال کا معروف آیا ہے یا مجہول یا دونوں تصریح فرمائیں؟

(الجواب) کتاب الاذکار للنووی میں دونوں جگہ صرف ذال لکھا ہے لیکن حوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی کو احقر نے دیکھا تو ان میں ذال نہیں زاء ہے مگر بذل المجہود میں ہے وقال فی فتح الودود بالزای فی اکثر النسخ و قیل بالذال المعجمة اور ضبط اعراب کے بارے میں بذل المجہود میں ہے-

ان اضل بصیغة المتکلم من الضلالة او بصیغة المتکلم من الاضلال-

اواضل بصیغة المجهول المتکلم من الاضلال اوالمعلوم اذا کان الاول من الضلالة انتهی-

اور ظاہر ہے کہ اعراب کے یہ سب احتمالات ازل اور اوازل میں بھی صحیح ہیں البتہ نسائی اور ابوداؤد میں ایک دوسری حدیث ان لفظوں سے بھی مروی ہے جس میں لفظ ذلة بالذال کی تصریح ہے- عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ نعوذ بالله من الفقر ومن القلة والذلة وأن اظلم اواظلم رواه ابوداؤد و النسائی و اللفظ للنسائی –(واللہ تعالیٰ اعلم)

کتاب حقوق المعاشرة و آدابها
(حقوق معاشرت اور اس کے آداب)

کسی شرعی جرم کے مرتکب کابائیکاٹ کرنا

(سوال ۱۳۰) قوم نے زید کو فعل ناشائستہ سے باز رکھنے کے لئے حق پانی بند کردیا تھا ڈیڑھ سال بعد زید سے معافی مانگنے کے لئے کہا گیا تو زید نے معافی نہ مانگی اس کے بعد زید سے مکمل طور پر تعلقات منقطع کردیئے اب زید نے عدالت میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعوی کیا ہے شرعاً زید اور عام مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) ہندوستان میں چونکہ حدود شرعیہ جاری نہیں ہوسکتی اس لئے جو مسلمان کسی سخت جرم کا ارتکاب کریں - جیسے زنا، سود خوری، شراب خوری، ترک نماز وغیرہ تو ایسے لوگوں کے ساتھ اگر عام مسلمان کچھ دنوں کے لئے بطور تنبیہ اس سے تعلقات منقطع کرلیں اور اس کو اپنے حقہ پانی میں شریک نہ کریں، بیاہ شادی میں اس کے شریک نہ ہوں تو یہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے لمافی اتحاد البصائر فی ترتیب الاشباہ و النظائر ص ۹۶ یکرہ معاشرۃ من لا یصلی ولو کانت زوجۃ الا اذا کان الزوج لا یصلی لم یکرہ للمراۃ معاشرتہ کذافی نفقات الظھیریۃ انتھی - واللہ تعالٰی اعلم

سلام کا مسنون طریقہ

(سوال ۱۳۱) سلام کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

(۲) السلام علیکم کہتے ہوئے ہاتھ کا پیشانی یا سینہ تک اٹھانا سنت ہے یا نہیں عوام بوقت سلام ہاتھ اٹھانے کو سنت و تہذیب کہتے ہیں یہ قول درست ہے یا نہیں؟

(۳) ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فرامین گرامی تخلقوا باخلاق الناس اتقوا مواضع التھم ماراہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن سے یہ بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ عوام کی موافقت کے لئے ہم بھی سلام کے وقت باہم تواضع و تعظیم کے لئے ضرور جھکیں اور ہاتھ اٹھاویں یہ اقوال صحیح ہیں یا نہیں اور ہمیں سلام کے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئیے یا نہیں؟

(۴) ہر وہ امر جو خیر القرون میں عام طور پر معمول بہ نہ ہو لیکن بعد میں مثل زمانہ حاضرہ موجودہ کے عام یا اکثر اہل اسلام میں معمول و مروج ہو اس کی پابندی و عمل کو عوام ضروری خیال کرتے ہوں تو ہم ایسے عمل نو پیدا پر عوام کی موافقت کے لئے پابندی و عمل کریں یا بلحاظ خیر القرون احتراز کریں؟

(الجواب) سلام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زبان سے السلام علیکم کہے ہاتھ سے اشارہ نہ کرے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہے، یہی طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے معتبر طریق سے منقول ہے-

(۲) ہاتھ سینہ یا پیشانی تک بوقت سلام اٹھانا بلا ضرورت خلاف سنت ہے البتہ اگر ضرورت ہو مثلاً جس کو سلام کیا جائے وہ دور ہو یا بہرہ ہو اس وقت ہاتھ سے اشارہ کر کے زبان سے لفظ سلام کہہ دینے میں بھی مضائقہ نہیں لیکن صرف اشارہ ہاتھ سے کر دینا اس وقت بھی سنت سلام ادا کرنے کے لئے کافی نہیں۔

(۳) ان ارشادات عالیہ میں **تخلقوا باخلاق الناس** تو کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس سے حجت پیش کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور **اتقوا مو ضع التهم** حدیث بیشک ہے۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ جو کچھ اچھا یا برا کام لوگ کرنے لگیں وہی سنت ہو جائے اور اسی پر عمل کرنا صحیح ہو جائے۔ البتہ **ماراٰه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن** سے کسی کو شبہ ہو جائے تو بعید نہیں۔ لیکن جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہ حدیث مرفوع نہیں ایک صحابی کا قول ہے دوسرے اس حدیث میں عام مسلمان مراد نہیں بلکہ خاص قرن صحابہ و تابعین کے مسلمان مراد ہیں کہ وہ جس چیز کو پسند کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہونے کی علامت ہے ہر زمانے میں مسلمانوں کا اور بالخصوص ہمارے دور کے مسلمانوں کا یہ حکم نہیں اور نہ حدیث میں وہ مراد ہیں ورنہ آج کل تو جس قدر بری باتیں اور معاصی اور بدعات ہیں عام طور پر مسلمان انہیں کو پسند کرنے لگے ہیں اگر اس قاعدہ کو عام کیا جائے تو سارے معاصی حسنات ہو جائیں گے۔

الغرض لوگوں میں کسی کام کے اندر خلاف سنت رواج پڑ جانے سے وہ کام جائز نہیں ہو جاتا اس لئے سلام کا طریقہ مسنونہ ہرگز نہ چھوڑا جائے۔

(۴) نمبر ۳ میں اس کا جواب آچکا ہے رواج عام کی وجہ سے طریقہ سنت کو چھوڑنا جائز نہیں۔ **لقوله عليه الصلوٰة والسلام انی ترکت فیکم امرین تمسکتم به لن تضلوا کتاب الله و سنتی ولقوله علیه السلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔ مشکوٰة۔** (والله تعالیٰ اعلم)

والدین اور مشائخ کے قدم چومنا

(**سوال ۱۳۲**) بزرگوں کے یا والدین کے پاؤں پر گرنا اور قدموں کو چومنا جائز ہے یا نہیں؟

(**الجواب**) والدین یا مشائخ و علماء کے پیر چومنے میں اختلاف ہے بعض علماء جائز فرماتے ہیں بعض ناجائز فرماتے ہیں اور ترک بہر حال سب کے نزدیک اولیٰ ہے اور ان کے سامنے زمین پر گرنا یا زمین چومنا یہ سب کے نزدیک حرام ہے۔ **قال فی الدر المختار طلب من عالم اوزهد انّ یدفع الیه قدمه و یمکنه من قدمه اجابه و قیل لا یرخص فیه ثم قال وکذا ما یفعلونه من تقبیل الارض بین ید العلماء و العظماء فحرام الفاعل و الراضی به آثمان لا نه یشبه عبادة الوثن اه** ۔ (از شامی ص ۳۳۷ ج ۵ کتاب الحظر والاباحة) (والله تعالیٰ اعلم)

کتاب السیر والمناقب
(انبیاء اور بزرگوں کے حالات ومناقب)

رسالہ ماموں القبول فی ظل الرسول ﷺ یعنی سایہ رسول؟

(سوال ۱۳۳) سرور کائنات ﷺ کا سایہ تھا یا نہیں۔ بعض واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر نقل صحیح سے یہ ثابت ہو جائے کہ بطور معجزہ نبی کریم ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا تو کوئی مسلمان اس کے تسلیم کرنے میں تامل نہیں کر سکتا لیکن نقل صحیح اس باب میں کوئی موجود نہیں حدیث کی کتب متداولہ صحاح ستہ وغیرہ میں اس مضمون کی کوئی حدیث وارد نہیں۔ البتہ خصائص کبریٰ میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مضمون کی ایک حدیث مرسلاً روایت کی ہے۔

باب المعجزة فی بوله و غائطه ﷺ اخرج الحکیم الترمذی من طریق عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی عن عبدالملك بن عبدالله بن الولید عن ذکوان ان رسول الله ﷺ لم یکن یری له ظل فی شمس ولا قمر ولا اثر قضاء حاجة خصائص ص ۷۱ ج ۱ - مطبوعة دائرة المعارف وقال فی باب الآیة فی انه ﷺ لم یکن یری له ظل - اخرج الحکیم الترمذی عن ذکر ان بمثله ثم قال ای سیوطیؒ قال ابن سبع من خصائصه ان ظله کان لا یقع علی الارض وانه کان نوراً فکان اذامر فی الشمس او القمر لا ینظر له ظل قال بعضهم ویشهد له حدیث قوله علیه السلام فی دعائه واجعلنی نوراً خصائص ص ٦٨ ج ۱ - وبمثله ذکره فی المواهب نقلا عن الفخر الرازیؒ مواهب صفحه ۳۹۸ جلد ۲ - لیکن یہ روایت بچند وجوہ ثابت و معتبر نہیں۔

(۱) اول اس لئے کہ دھوپ اور چاندنی میں چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے واقعات جو سفر و حضر میں مجامع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے تمام عمر نبوی میں پیش آئے ہیں ظاہر ہے کہ غیر محصور اور نہایت کثیر التعداد ہیں پھر دیکھنے والے صحابہ کرامؓ ہزاروں ہزار ہیں، پھر صحابہ کرام کی عادت سے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی ذرا ذرا سی بات اور نقل و حرکت اور آثار و حالات کے بیان کرنے کا انتہائی اہتمام فرماتے تھے ان امور کا مقتضیٰ یقینی طور پر یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ معجزۃً ثابت ہوتا تو اس کی روایات صحابہ کرام کی ایک جم غفیر سے منقول ہوتی اور یقیناً حد تواتر کو پہنچتی لیکن جب ذخیرہ حدیث پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس بارے میں صرف ایک حدیث اور وہ بھی مرسل اور وہ بھی سنداً بالکل ضعیف وواہی نکلتی ہے جو قرینہ قویہ اس امر کا ہے کہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

(۲) یہ حدیث مرسل ہے اور محدثین کی ایک عظیم الشان جماعت مرسل کو حجت نہیں سمجھتی۔

(۳) اس حدیث کا پہلا راوی عبدالرحمن بن قیس زعفرانی بالکل ضعیف و مجروح اور کاذب ناقابل اعتبار ہے

بلکہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا ملاحظہ ہوں اقوال ذیل-
قال فی المیزان كذبه ابن مهدی و ابوذرعة وقال البخاری ذهب حديثه وقال احمد لم یکن بشئی و خرّج له الحاكم حديثا منكراً و صححه و مثله فی التقريب وقال فی تهذيب التهذيب كان ابن مهدی يكذبه وقال احمد حديثه ضعيف ولم يكن بشئی متروك الحديث وقال النسائی متروك الحديث وقال ذكرياء الساجی ضعيف كتبت عن حوثرة المنقوی عنه وقال صالح بن محمد كان يضع الحديث وقال بن عدی عامة ما يرويه لا يتابعه عليه الثقات قلت وقال الحاكم روی عن محمد بن عمرة حماد بن سلمة احاديث منكرة منها حديث من كرامته المؤمن على الله ان يغفر لمشيعة قال وهذا عندی موضوع و ليس الحمل فيه الا عليه وقال الحاكم ابواصمد ذاهب الحديث وقال ابونعيم الاصبهانی لا شيئی-
اور دوسرا راوی عبدالملک بن عبداللہ بن عبدولید بھی مجہول الحال ہے کتب متداولہ میں اس کا حال مذکور نہیں-

الحاصل اول تو ایک ایسے عامة الورود واقعہ میں تمام صحابہ کرام کا سکوت اور صرف ایک حدیث مرسل کا اس میں مذکور ہونا ہی علامت قویہ روایت کے غیر ثابت وغیر معتبر ہونے کی ہے ثانیاً روایت مرسل ہے ثالثاً اس کا راوی بالکل کاذب واضع حدیث ہے جس سے اگر حدیث کو موضوع کہہ دیا جائے تو بعید نہیں اور بعض حضرات نے جو سایہ نہ ہونے پر اس سے استدلال کیا ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو حق تعالیٰ نے قرآن میں نور فرمایا ہے یا آپ اپنی دعاؤں میں اجعلنی نوراً فرمایا کرتے تھے سو یہ استدلال بالکل ناقابل التفات ہے- ظاہر ہے کہ آیت میں نیز حدیث دعاء میں نور ہونے سے یہ کسی کے نزدیک مراد نہیں کہ عالم عناصر کی کیفیات وآثار آپ ﷺ میں نہ تھے یا آپ ﷺ کی دعاء وخواہش یہ تھی کہ عالم عناصر کے آثار مخصوصہ سے علیحدہ ہو کر معاذ اللہ ہوا کی طرح غیر مرئی ہو جائیں بلکہ باتفاق عقلاء وعلماء مراد یہ ہے کہ جس طرح نور ذریعہ ہدایت وبصیرت ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ ذریعہ ہدایت ہیں اور چونکہ نبی کا انتہائی کمال اسی میں ہے کہ شان نبوت وہدایت درجہ کمال میں ہو اسی لئے نبی کریم ﷺ اپنی دعاؤں میں اس کا کمال طلب فرماتے تھے اور اسی معنی کی بناء پر قرآن کو اور تورات کو بنص قرآن نور کہا گیا ہے، اسی معنی سے صحابہ کرامؓ کو نجوم ہدایت فرمایا گیا ہے علاوہ ازیں یہ دعاء اجعلنی نوراً تو تمام امت کو تلقین فرمائی گئی ہے، اسمیں حضور ﷺ کی خصوصیت بھی نہیں ہے بعض حضرات نے سایہ نہ ہونے کی یہ توجیہ کی ہے کہ جس طرف حضور ﷺ چلتے تھے سر مبارک پر فرشتے یا ابر رحمت سایہ فگن رہتا تھا یہ اگر ثابت بھی ہو تو دوسری صحیح وصریح روایات اس کے معارض موجود ہیں- مثلاً صحیح بخاری کی حدیث میں دربارہ ہجرت بروایت عائشہؓ مذکور ہے-
ان ابا بكر قام للناس و جلس رسول الله ﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم یر رسول الله ﷺ يحيى ابابكر حتى اصابت الشمس رسول الله ﷺ فاقبل ابوبكر حتى ظلّل عليه بردائه فعرف الناس رسول الله ﷺ عند ذلك كذا فی المواهب- وقال الزرقانی فی شرح المواهب و

عن ابن عقبة عن الزهری فطفق من جاء من الانصار یحسبه ایاه حتی اصابت الشمس اقبل ابوبکر بشیٔ اظله به شرح المواهب للزرقانی ص ۳۵۰ ج ۱- وبمثله یروی تظلیله علیه السلام فی حجته الوداع وھو مشھور و مذکور فی عامة الکتب-
اس لئے یا تو سایہ نہ ہونے کی حدیث کو بمقابلہ ان روایات کے غیر ثابت قرار دیا جائے اور یا یہ کہا جائے کہ پہلے ایسا ہو گا بعد میں یہ صورت نہ رہی، قسطلانی نے مواہب میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے، چنانچہ حدیث ہجرت مذکور الصدر کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے - فظاهر هذا انه علیه الصلوٰة والسلام کانت الشمس تصیبه وما تقدم من تظلیل الغمام والملائکة له کان قبل بعثته کما هو صریح فی موضعه زرقانی ص ۳۵۱ جلد اول-

آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ ہونے کی تحقیق

(سوال ۱۳۳ / ۲) اہل السنۃ والجماعۃ کے کیا دلائل ہیں کہ حضرت محمد ﷺ ہماری طرح آدمی تھے اور اپنی والدہ مکرمہ ماجدہ سے تولد ہو کر کے اور آپ کے سایہ مبارک نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اور پھر یہ عقیدہ والے کیسے مجرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آپ کی والدہ معظّمہ کی ناف شگاف کر کے پیدا کیا اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور سے پیدا کیا؟
(الجواب) سایہ نہ ہونا حضور ﷺ کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ایک نہایت ضعیف روایت ہے صرح بہ السیوطی فی الخصائص اور تفصیل اس کی احقر کے رسالہ فی ظل الرسول میں مذکور ہے ضرورت ہو تو اس کو دیکھ لیا جائے اور تولد ہونا حضور ﷺ کا براہ ناف یہ بالکل کسی حدیث سے ثابت نہیں اس کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے-

آنحضرت ﷺ کے والدین کا بعد وفات زندہ ہو کر مسلمان ہونا

(سوال ۱۳۴) ایک واعظ صاحب نے یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے دعاء کی ہے کہ خداوند کریم میرے والدین کو زندہ کردے تاکہ میں ان کی خدمت کروں، اسی وقت دونوں قبریں شق ہو گئیں اور دونوں زندہ ہو گئے پھر آپ نے دونوں کو اپنی شریعت پر مسلمان کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟
(الجواب) اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کی شرح میں تین مستقل رسالے لکھے ہیں اور اس حدیث کی توثیق کی ہے اور شامی نے باب المرتد میں بھی حدیث کی تصحیح اکابر محدثین سے نقل کی ہے-

ولفظه الا تریٰ ان نبینا ﷺ الله تعالیٰ بحیاة ابویه له حتی امنا به کمافی حدیث صححه القرطبی وابن ناصر الدین حافظ الشام وغیرهما فانتفعا بالایمان بعد الموت علی خلاف القاعدة اکراماً لنبینا ﷺ شامی مصری ص ۳۱۵ ج ۳-

آنحضرت ﷺ کی صورت ولادت

(سوال ۱۳۵) ایک شخص کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پسلی چاک کر کے پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟

(الجواب) یہ مضمون اگرچہ کوئی محال بات نہیں لیکن کسی حدیث سے یا تاریخ کی معتبر کتاب سے ثابت نہیں اس لئے ایسی بحثوں میں پڑنا ہی فضول ہے حضور ﷺ کے صحیح و متفق علیہ فضائل اتنے ہیں کہ آدمی عمر بھر بیان کرے تو ختم نہ ہوں۔ (واللہ اعلم)

حضرت آدمؑ سے آنحضرت ﷺ کی ولادت تک کتنے سال کا عرصہ ہے

(سوال ۱۳۶) حضرت آدمؑ کی پیدائش سے اب تک کتنے برس ہوئے ان کی پوری تواریخ؟

(جواب) حافظ حدیث ابن عساکر نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل کئے ہیں بعض مورخین نے آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت اور حضرت آدمؑ کے درمیان چھ ہزار ایک سو پچپن سال کا فاصلہ لکھا ہے یہ مضمون اوجزالسیر لخیر البشر مصنفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ، مسعود احمد عفااللہ عنہ

آنحضرت ﷺ کے حالات بطرز ناول لکھنا

(سوال ۱۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کتاب مسمی باعتماد محمود بطرز ناول لکھی ہے جس میں سیرت ﷺ کو مجمل طور سے وقت پیدائش سے لیکر وصال تک لکھا اور اس میں ذات گرامی حضور ﷺ کو بلفظ محمود اور حضرت ابوبکرؓ کو بلفظ خلیل تعبیر کیا لیکن کسی جگہ محمود کے ساتھ کسی تعظیمی لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا۔ صرف لفظ محمود حضور ﷺ کی ذات کے لئے لایا گیا ہے اور ساری کتاب میں محمود و خلیل کو ایک عام انسان کی طرح ظاہر کیا گیا ہے اور جس طرح کہ ناول میں انسان کے فرضی یا اصلی واقعات بیان کئے جاتے ہیں، اس طرح کتاب مذکور میں بے سروپا واقعات نبی کریم ﷺ کے منسوب کئے گئے ہیں اور نہایت بے ادبی کے ساتھ مثل عام لوگوں کے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اسمائے گرامی درج کئے ہیں جیسے علی وغیرہ۔ حالانکہ خود مصنف نے اپنے نام کے ساتھ اسی کتاب کے سرورق پر حسب ذیل القاب تحریر کئے ہیں۔ از رشحات قلم حقیقت رقم لسان الصلحا عزیز الشعراء ابوالصدق حضرت مولوی حافظ یوسف علی خاں صاحب عزیز اسدی سابق ناظم دینیات۔

اب دریافت طلب حسب ذیل امور ہیں۔

(۱) کیا نبی کریم ﷺ کو کسی نام کے ساتھ مختص کر کے بلا کسی تعظیمی لفظ کے بے ادبانہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا سیرت نبوی کو فرضی قصہ کے طرز پر ترتیب دینا خلاف روایات صحیحہ جائز ہے؟

(۳) نبی کریم ﷺ کی جانب کوئی لفظ یا کلام طویل منسوب کرنا جس کا ثبوت کتب سیرت میں نہ ہو جائز ہے؟
(۴) کیا کسی صحابی کی جانب کوئی فلسفی تقریر کرنا اگرچہ وہ اثبات وحدانیت کے لئے کیوں نہ ہو جائز ہے؟
(۵) کیا کتاب مذکور کی تعلیم طلبہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۶) کیا اسلام نے اعتماد نفس کی تعلیم دی ہے یا اعتماد علے اللہ کی، کتاب مذکور کا اقتباس درج ذیل ہے ص ۱۳ ڈیڑھ سال گزرا کہ محمود کے ہوش گوش کچھ اور ہی ہو گئے تھے ایک دن سونے سے پہلے وہ سلیم الفطرت بچہ اپنے دادا سے اپنی ماں کو پوچھنے لگا اور وہی معمولی جواب سن کر اس نے دریافت کیا ابا اللہ کہاں ہے شفیق دادا نے چمکار کر کہا کہ اے جان عبدالمطلب وہ سب جگہ ہے۔ محمود (بھولے بھالے منہ سے) دادا آیا وہ نظر تو نہیں آتا۔ خواجہ عبدالمطلب (تعجب اور خوشی) سے ہاں بیٹا دیکھو نا ہوا بھی تو نظر نہیں آتی، اللہ ہوا چلانے والا ہے پھر وہ کیونکر نظر آئے، محمود اچھا ابا اللہ کا گھر کہاں ہے ص ۱۵ اچچا کے یہاں محمود دو چار دن تو چپ چاپ رہا، پھر اس نے اپنی شفیق چچی سے کہا اماں بی میں دن بھر گھر میں یوں خالی تھالی بیٹھا کیا اچھا لگتا ہوں آپ چچا جان سے پوچھ دیں تو یہ بھیڑ بکریاں ہی چرالایا کروں۔ ص ۱۶ محمود کے بے مثال ادراک دماغ اور بے نظیر حساس طبعیت نے سال بھر کے متواتر موسمی مشاہدوں میں بتدریج ارتقاء کا مسئلہ پالیا۔ ص ۱۸ محمود میاں خلیل ہمارے شہر میں جو یہ ظلم اور خونریزی ایک مدت سے چلی آرہی ہے آخر بھائی یہ کب تک کبھی اس کم بخت کا انسداد بھی ہوتا ہے خلیل صاحب کیا کہوں جب سے والد صاحب قبلہ آنکھوں سے معذور ہوئے ہیں اور خون بہا کے مقدمہ میں میرے پاس آنے لگے ہیں انہیں دیکھ دیکھ کر جو مجھ پر گزرتی ہے میرا ہی دل جانتا ہے محمود تو پھر تم اپنے پاؤں پر کھڑے کیوں نہیں ہوتے ارے بھائی اور ملکوں کے انعامات دیکھ رہے ہو یا نہیں آج آدمی بہت کچھ ہی کرتے ہیں۔ بھائی بھیڑ چال ہمیں پسند نہیں ص۲۰ محمود (کفار سے خطاب) حضرات آپ میں اکثر بزرگ نیک نفس تجربہ کار بھی ہیں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اتنی سی عمر میں یہ اندازہ کر لیا ہے کہ بقول میرے دادا صاحب مرحوم کے انسان جس کام میں پڑ جاتا ہے پورا کر کے رہتا ہے۔ ص ۲۴ محمود کو اپنے نفس پر بھروسہ تھا اور اپنی عقل خداداد سے برابر قوم کی رہنمائی کرتا رہتا تھا ص ۱۰۷ خلاصہ صفیہ (محمود کی پھوپھی) کو اپنا قول جو خواجہ عبداللہ کے انتقال کے وقت رسمی طور سے نکل چکا تھا یاد آتا تھا اے ہے بچہ باپ پر بھاری ہے۔ ص ۱۰۹ حج کے بعد جب محمود مدینہ پہنچا تو اس کی عمر تریسٹھ برس کی ہو چکی تھی وہ اپنے حواس کی قوت اعتماد کی برکت اور اخلاق کا ثمرہ پا چکا تھا۔ الخ ساری کتاب اسی قسم کے طرز کلام سے بھری ہوئی ہے۔
(۲) زید نے ایک کتاب مسمی اعتماد محمود لکھی ہے اور وہ ناول کے طرز پر ہے اور آپ کے نام محمد ﷺ چھوڑ کر جو سب سے اشہر ہے محمود اور خلیل سے مکالمہ شروع کیا ہے محمود سے مراد آنحضرت ﷺ کی ذات لی ہے اور خلیل سے حضرت ابوبکرؓ کو مراد لیا ہے کتاب کو من اولہ الی آخرہ دیکھا گیا محمود کے نام پر نہ تو ﷺ کا اشارہ کنایۃً اور نہ صراحۃً موجود ہے؟

(نمبر ۳) شروع کتاب کو اس طور سے کیا جاتا ہے اللہ کی شان ابھی محمود ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ کو تجارت کی راہ میں آخرت کا سفر پیش آگیا جوان بیوہ کو یہ خبر جیتے جی مار مار گئی دن بیقراری میں اور رات آہ وزاری میں بسر ہوتی بڑی بوڑھیوں نے باتیں بنائیں لو بھینا جورو خصم کو کھا گئی - اے ہے بچہ باپ پر بھاری ہے -

(۴) آگے یہ مسطور ہے اس واقعہ سے کئی دن گھر پر خورد ونوش حرام رہا آخر جبر کا نام صبر -

(۵) ص ۱۲ پر یہ لکھا ہے اللہ آمین کرتے بچہ اٹھنا بیٹھنا سیکھا، گھٹنوں چلا پاؤں لئے، رسم آبائی کے موافق دودھ بڑھا اور خدا کے فضل سے چھٹے برس میں قدم رکھا ماں کے ساتھ ناظہال پہنچا - صورت ماشاء اللہ سیرت سبحان اللہ، کچھ دن یوں ہی چو چلونیں گزرے تھے تو ماں تومیحہ سے اللہ میاں کے یہاں پہنچی اور بچہ کو دادھال پہنچا دیا گیا -

(۶) صابر بچہ دادا ابا کی چھاتی سے لپٹا رہتا اور جب کبھی ماں کی ہڑک اٹھتی تو پوچھتا ابا اماں کہاں گئی - بوڑھا دادا آنسو پی کر کہہ دیتا کہ بیٹا وہ تو اللہ کے یہاں گئی -

(نمبر ۷) یہ رنگ دیکھ کر مکہ والے اپنی ضد پر اڑ گئے انہوں نے محمود کو لالچ سے پر جانا چاہا کہ وہ بہت روپیہ فراہم کر دیں گے اس کو بادشاہ مان لیں گے اس کی شادی نہایت حسین باکرہ عورت سے کر دیں گے اور اس کے اس مراق کا علاج بھی اپنے خرچ سے کر دیں گے -

(نمبر ۸) ص ۷۴ میں جب مکہ اس قدر آسانی سے فتح ہو گیا تو محمود کے مشن نے قبول عام کا درجہ حاصل کرنا شروع کیا -

(۹) ص ۸۶ یوں مسطور ہے - اہل علم غور فرمائیں دنیا من حیث المجموع متغیر ہے اور ہر متغیر حادث اور ہر حادث کے لئے محدث کا ہونا لازمی، کیونکہ ہر چیز بطور خود پیدا نہیں ہو سکتی اگر ایسا ہو تو وہ یقیناً تغیر و فنا سے مبرا ہو اس لئے کہ زوال و فنا ایک نقص ہے اور کوئی اپنے آپ کو نقص قبول نہیں کیا کرتا پس جو چیز فطری طور پر زوال پذیر ہے وہ اپنے وجود میں بھی محدث کی محتاج ہے اور یہی محدث خدا ہے -

(۱۰) خلیل نے اس محشر خیز طوفان میں یہ کہہ کر بڑے بڑے ہمت والوں کی لغزش خیال اور مزلت قدم کی اصلاح کی الامن کان یعبد محمداً فان محمداً قد مات و من یعبد الله فهو حی لا یموت

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ کتاب جس کو ناول سے تعبیر کیا جائے مخرب اخلاق ہے یا نہیں اور یہ الفاظ آپ ﷺ کی شان میں استعمال کرنا سوء ادبی ہے یا نہیں اور یہ خطبہ خلیل کا اس عبارت سے صحیح ہے یا نہیں اور اگر کسی مسجد میں امام ہو اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز درست ہو گی یا نہیں تاوقتیکہ زید توبہ نہ کرے - یا ایسے الفاظ سے علماء کے سامنے اقرار کرے کہ جس سے علماء فیصلہ کریں کہ زید تائب ہو گیا ہے؟

(الجواب) یہ ناول سخت بیباکی و گستاخی سے لکھا گیا ہے اور بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے اول یہ کہ نبی کریم ﷺ کی طرف ایسے قول کی نسبت کرنا حرام ہے جو حضور ﷺ نے نہ فرمایا ہو اگرچہ اس کے مضمون میں کوئی خرابی نہ ہو -

حدیث میں اس کے لئے سخت وعیدیں مذکور ہیں من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من

النار اور اس ناول میں محض شاعرانہ طرز پر بہت سی بے اصل باتیں حضور ﷺ کی طرف محمودی نام کے پردہ میں منسوب کی ہیں۔

دوم یہ کہ یہ حضور ﷺ کے حالات طیبات کو ایسے سوقیانہ انداز سے لکھا ہے جس میں کہ گستاخی ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرے اگر بالفرض لکھنے والے کی نیت گستاخی کی نہ ہو مگر الفاظ اس کے موہم ضرور ہیں قرآن مجید میں صحابہ کرام اور عام مسلمانوں کو خطاب کر کے راعنا کہنے سے منع کیا ہے۔ ارشاد ہے **لا تقولو اراعنا وقولوا انظرنا**. ظاہر ہے کہ صحابہ کرام سے یہ احتمال بھی نہ تھا کہ وہ راعنا کے لفظ سے کوئی ایسے معنی مراد لیتے جس میں معاذ اللہ گستاخی کا کوئی پہلو ہوگا مگر مسلمانوں کو شان نبوت کا ادب سکھلانے کے لئے ایسے الفاظ سے بھی روک دیا جس سے کسی شخص کو وہم گستاخی ہو سکے، یا کوئی معنی خلاف ادب نکالنے کی گنجائش ہو الغرض نبی کریم ﷺ کا ہر قول و فعل اور ہر حرکت و سکون امت کے لئے سنت و شریعت ہے آپ کے حالات عام سوانح کی طرح نہیں کہ اس میں شاعری کھپ سکے آپ ﷺ کے حالات لکھنے والوں کا فرض ہے کہ شاعری سے قطع نظر کر کے صحیح صحیح واقعات بے کم وکاست لکھیں اور لکھتے وقت شان نبوت کا احترام ملحوظ رہے عامیانہ اور سوقیانہ انداز نہ ہو لہذا اس ناول کی اشاعت اور دیکھنا پڑھنا وغیرہ سب ناجائز ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے رسائل کی اشاعت بند کرنے کی کوشش کریں۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

آنحضرت ﷺ کے فضلات کی تحقیق

(**سوال ۱۳۸**) مسئلہ اس بارے میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بول و براز پاک ہے جواب لکھا ہوا آیا تھا اور جواب میں طہارت کے اقوال نقل تھے جیسا کہ شامی کتاب الطہارۃ میں لکھا ہے اس پر حضرت مفتی صاحب نے عبارت ذیل لکھی ہے۔؟

(**الجواب**) اس مسئلہ میں مشائخ کے اقوال اور دلائل وآثار مختلف ہیں حوالہ جات مندرجہ جواب سے طہارت کا ثبوت ہوتا ہے اور ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں طہارت کے تمام دلائل کو رد فرمایا ہے بہر حال مسئلہ نہ اعتقادات میں سے ہے نہ حلال و حرام میں سے۔ اس لئے زیادہ کاوش کی حاجت نہیں دونوں طرف گنجائش ہے۔

حضرت ہاجرہ کنیز تھیں یا شہزادی

(**سوال ۱۳۹**) اسرائیل ونصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت ہاجرہ صدیقہؓ لونڈی تھیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام لونڈی زادے، (نعوذ باللہ) مگر مسلم کہتا ہے کہ حضرت ہاجرہ شہزادی مصر اور قطب عالم تھیں اور حضرت اسماعیلؑ امام الاناس ابراہیم خلیل اللہؑ کے آزاد ولی عہد تھے درانحالیکہ ازروئے باب الدیات اور کتاب سلاطین اول مشمولہ بائبل حضرت سلیمان نے دختر فرعون کے ساتھ اور ہود علیہ السلام نے فرعون کی

ملکہ کی بہن کے ساتھ شادیاں کیں نیز ازروئے باب نمبر ۲۱ آیت نمبر ۱۲ کتاب پیدائش بائبل حضرت ہاجرہ صدیقہ نے حضرت اسماعیل کی اھلیہ مصریہ قبطیہ لیں - علاوہ ازیں جناب مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ پیش کی تھیں یہ معزز خواتین تھیں یا محض بے عزت لونڈیاں ؟

(الجواب) سوال میں جو حوالے دیئے گئے اس طرح سے حضرت حاجرہ کے متعلق بائبل کتاب پیدائش باب ۲۱ آیت ۱۲ کا حوالہ ہے اس میں یہ الفاظ نہیں جو نقل کئے ہیں بلکہ اس میں حضرت ہاجرہ کا کنیز ہونا ذکر کیا ہے اسلامی تاریخوں میں ان کے متعلق روایات حسب ذیل ہیں۔

فی تاریخ الامم للطبری فردها (ای سارة) الی ابراهیم ووهب لها بأجر جاريةً كانت له قبطيةً (تم ذكر) قال محمد بن سيرينؒ فكان ابوهريرةؓ اذا حدث بهذا الحديث يقول فتلك امكم يا بنی ماء السماء اه (طبری ص ۱۲۶ ج ۱) وفیه بعد ذلك ان سارة قالت لابراهيمؑ تسربها جر فقد آذنت لك فى وطنها فحملت باسماعيل عليه السلام اه (ص ۱۳۰ ج ۱) و مثله فی التاريخ الكامل لا بن اثير الجزریؒ (ص ۳۶ ج ۱) وفيه كانت هاجر جارية ذات هيئة فوهبتها سارة لابراهيمؑ قالت خذها لعل الله يرزقك منها ولداً و كانت سارةؓ قد منعت الولد حتى اسنت اه (ابن اثير ص ۳۶ ج ۱)

تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر وغیرہ معتبر کتب سیر سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت ہاجرہؓ مصر کی شہزادی تھیں بلکہ کنیز ہونا حضرت سارۃ کی اور پھر ان کا ھبہ کر دینا حضرت خلیل اللہؑ کے لئے ثابت ہوتا ہے لیکن اس سے حضرت ہاجرہ یا ان کی اولاد کا معاذ اللہ کوئی عیب یا شرافت کے خلاف ہونا لازم نہیں آتا غور کرنے کی بات یہ ہے کہ عزت و شرافت کا معیار کیا ہے سو تمام اصول شریعت، قرآن وحدیث سے اور تمام عقلاء عالم کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ اصل شرافت کا معیار و مدار قبولیت عند اللہ اور تقرب الی اللہ ہے اس کے مقابلہ میں بادشاہ زادہ ہونا کسی کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا یہی وجہ ہے کہ اس وقت بھی جب کہ دین ودیانت کی کوئی قدر باقی نہیں رہی کوئی شریف آدمی اپنی عزت اس میں نہیں سمجھتا کہ کسی بادشاہ کی طرف اس کا نسب متصل ہو ہندوستان میں جتنے ہندو مسلمان ہوئے کسی کو آپ نسب سنیں گے کہ کسی بادشاہ یا راجہ کے ساتھ اپنا نسب ملاتے ہوں اور اس پر فخر کرتے ہوں بلکہ جن کو حقیقۃً کوئی نسبی تعلق حضور ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے ساتھ نہیں ہے وہ بھی خواہ مخواہ غلط نسبت کر کے اپنے آپ کو سید یا فاروقی دکھلانا چاہتے ہیں الغرض اصل شرافت اور فضیلت انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ سے تعلق ہے دین میں بھی اور اہل دنیا کے نزدیک بھی، کسی بادشاہ کی اولاد ہونا اس کے وقت میں باعث فخر ہو تو چند نسلوں کے بعد کوئی فخر کی چیز نہیں رہتی، پس اگر حضرت ہاجرہ مصر کی شہزادی ہی ہوتیں تو وہ کوئی قابل فخر چیز نہ تھی ہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیز ہونا وہ دولت و شرافت ہے کہ بڑے سے بڑے بادشاہ کو نصیب نہیں ــــ

ایں آں سعادتے ست کہ حسرت برو برد
جو پائے تخت قیصر وتاج سکندری

علاوہ ازیں نسب میں باپ کا اعتبار ہوتا ہے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام آزاد اور حر ہیں اگرچہ حضرت ہاجرہ کے بطن مبارک سے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (اضافہ)

ذبیح حضرت اسماعیل ہیں یا حضرت اسحاق ؟

(سوال ۱۳۹ / ۱) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسحاقؑ ہیں اور مسلمین کہتے ہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے ان میں کس کا قول صحیح ہے ؟

(الجواب) صحیح یہی ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں امام التفسیر حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ پر نہایت مبسوط اور مفصل کلام کر کے اسی کا ثبوت دیا ہے اور ابن اثیر جزریؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

روی سعید بن جبیرؒ و یوسف بن مهرانؒ والشعبیؒ و مجاهدؒ – و عطاء بن ابی رباحؒ کلهم عن ابن عباسؓ انه قال ان الذبیح اسماعیلؑ وقال زعمت الیهود انه اسحقؑ و کذبت الیهود– قال الشعبی و راء یت قرنی الکبش فی الکعبة– و استدل علیه محمد بن کعب بقوله تعالٰی– وبشّرناه باسحق ومن ورآء اسحق یعقوب بانه تعالٰی بشّر بابنه وابن ابنه فلم یکن یأمر بذبح اسحق وله من الله عزو جل ما وعده وذکره محمد بن کعب لعمر بن عبدالعزیز صدقته (الکامل لابن ایثر ص ۳۹ ج ۱) والله سبحانه و تعالٰی اعلم

کیا حضرت عثمان غنیؓ کے دو صاحبزادے تھے

(سوال ۱٤٠) حضرت عثمانؓ کے کوئی بیٹا تھا یا نہیں اگر تھا تو اس کا کیا نام تھا جس کی نسل سے ہم لوگ عثمانیوں کے سلسلہ میں چلے ہیں ؟

(الجواب) فی الانساب السمعانی هذه النسبة الی عثمان بن عفان اما نسباً اوولاءً و اتباعاً (الی قوله) فمن انتسب الیه ابوعمر و عثمان بن محمد بن عبدالملك بن سلیمان بن عبدالملك بن عبدالله بن عتبة بن عمرو بن عثمان بن عفان من اهل البصرة (الٰی قوله) و ابو عفان عثمان بن خالد بن عمر بن عبدالله بن الولید بن عثمان بن عفان– انساب باب العین والثاء–

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے دو صاحبزادے ہیں جن کی طرف عثمانی شیوخ منسوب ہیں ایک عمر دوسرے ولید۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

فاروق اعظمؓ کے کوئی فرزند ابو شحمہ نامی تھے یا نہیں ؟اگر تھے تو ان کی طرف زنا بالجبر کا جو قصہ منسوب ہے صحیح ہے یا نہیں ؟

(سوال ١٤١) حضرت فاروق اعظمؓ کے ابو شحمہ نامی کوئی فرزند تھے یا نہیں اگر تھے تو ان کی طرف جو قصہ زنا بالجبر کا اور اس کے جرم میں حضرت فاروق اعظمؓ کا حد جاری کرنا اور اس میں موت واقع ہونا صحیح ہے یا نہیں ؟

(الجواب) فی تذکرۃ الموضوعات - حدیث ابی شحمة ولد عمرؓ زناه واقامة عمرؓ عليه الحدود وموته (بطوله)لا يصح بل وضعه القصاص والذى ورد ماروى ان عبدالرحمن الاوسط من اولاد عمر ويكنى ابا شحمة كان غازيا ----- فشرب نبيذاً فجاء عمرو بن العاص وقال اقم على الحد فامتنع فقال انى اخبرابى اذا قدمت عليه فضربه الحدى داره فكتب اليه عمر يلوسه فقال الا فعلت به ما تفعل- بالمسلمين فلما قد م على عمرؓ ضربه و اتفق ان مرض فمات اھ - (تذكرة ص ١٨٠)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ ابو شحمہ حضرت فاروق اعظمؓ کے ایک صاحبزادہ کی کنیت تھی اور ان کی طرف زنا کا واقعہ منسوب کرنا کذب اور افتراء اور موضوع روایت ہے البتہ شرب نبید کا قصہ اور پھر نادم ہو کر خود اصرار کر کے اپنے اوپر حد شرعی جاری کرانا اور فاروق اعظمؓ کا دوبارہ حد جاری کرنا پھر اتفاقاً بیمار ہو کر وفات ہو جانا یہ منقول وماثور ہے- (واللہ اعلم) ۳/ذی الحجہ ۶۳ھ (اضافہ)

یزید کی ہلاکت کس سنہ میں ہوئی

(سوال ١٤٢) شہادت امام حسینؓ کے بعد یزید کتنے سال زندہ رہا؟

(الجواب) حضرت امام حسینؓ جس سال شہید کئے گئے اسی سال میں یزید بھی مارا گیا- قال السيوطى فى تاريخ الخلفاء و اهلك الله يزيد فى نصف شهر ربيع الاول من هذا العام تاريخ الخلفاء مصرى ص ٨١ ج ا-

حضرت حسینؓ کی شہادت سے صرف دوماہ بعد یزید بھی مارا گیا

(سوال ١٤٣) شہادت امام حسینؓ کے بعد یزید کتنے سال زندہ رہا؟

(الجواب) حضرت حسینؓ جس سال شہید کئے گئے اسی سال میں یزید مارا گیاقال السيوطى تاريخ الخلفاء واهلك الله يزيد فى نصف شهر ربيع الاول من هذا العام اه (تاريخ الخلفاء ص ٨١ ج ١) والله اعلم-

حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کا واقعہ شہادت

(سوال ١٤٤) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی وجہ شہادت جو اصح طریقہ پر ہو تحریر فرمادیں؟

(الجواب) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی وجہ شہادت جو اخبار متواترہ اور مستقل تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ آپ نے اقصائے پنجاب میں ہزاروں مسلمانوں کی معیت و معاونت کے ساتھ سکھوں پر جہاد کیا اور جہاد میں شریک ہوئے خاندان ولی اللہی کے تذکرے جن کتابوں میں موجود ہیں ان سب میں اس کا ذکر ہے، مستقل سیرت بھی آپ کی لکھی گئی ہے، حیاۃ طیبہ نام ہے پنجاب میں چھپی ہے لیکن اس پر کامل اعتماد نہیں کہ جتنے واقعات اس میں لکھے ہیں سب صحیح ہی ہیں ان کے اور دوسرے حضرات خاندان ولی اللہی کے صحیح حالات میں دو مختصر[1] رسالے حال ہی میں لکھے گئے ہیں ایک امیر الروایات اور دوسرا اشرف التنبہ -ان میں ان حضرات کے مختصر حالات متفرق درج ہیں-

حضرت مولانا محمد اسمعیل شہید حنفی عالم اور بزرگ تھے

(سوال ۱٤٥) مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کو غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ وہ غیر مقلد تھے دریافت طلب امر یہ ہے کہ حقیقت میں وہ غیر مقلد تھے یا حنفی تھے، جیسا کہ بعض علماء دیوبند کہتے ہیں-اگر حنفی المذہب تھے تو اس کے ثبوت میں ان کی کوئی تصنیف اردو یا بدرجہ مجبور فارسی کی ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ حنفی المذہب تھے آپ پیش کر سکتے ہیں اگر وہ خدانخواستہ غیر مقلد ہیں تو ان کی تصانیف کو دیکھنا کیسا ہے اور علمائے دیوبند ان کی بہت حمایت کرتے ہیں اگر وہ غیر مقلد ہیں تو ان کی حمایت کرنے سے کیا فائدہ مجھ کو ایک شخص نے تقویۃ الایمان کا حوالہ دکھایا جس میں ایک فصل ہے بیان در رد تقلید اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض دیگر تصانیف مولانا مرحوم موجود ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث تھے-دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ دعویٰ ان کا صحیح ہے یا نہیں اور ان کی تصنیف علاوہ تقویۃ الایمان کے اور صراط مستقیم اور منصب امامت کے دوسری بھی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث تھے منصب امامت اور صراط مستقیم کے مسائل سے کیا ثابت ہوتا ہے حنفی المذہب ہونا مہربانی فرما کر ان چاروں باتوں کا جواب دیا جائے- کیونکہ ان کے متعلق متضاد حالات مشہور ہو رہے ہیں؟

(الجواب) حضرت مولانا اسمعیل شہیدؒ حنفی المذہب عالم ربانی اور بزرگ تھے اور رد بدعات میں بہت زیادہ ساعی تھے ہر دینی کام میں جہاں ذرا بھی خلل دیکھتے تھے اس کا رد فرماتے تھے مسئلہ تقلید میں بھی ہندوستان میں افراط و تفریط سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ غیر مقلدین نے تقلید میں تفریط کی اور تقلید کو شرک مقلدین کو مشرک قرار دیا-ائمہ سلف پر طعن و تشنیع کو شیوہ بنالیا اور اسی طرح بعض مقلدین نے تقلید میں غلو اور افراط سے کام لیا کہ ائمہ مجتہدین کو چھوڑ کر ہر پیر و فقیر کی تقلید شروع کر دی خواہ اس کا فعل قول شریعت کے دائرہ میں ہو یا نہ ہو-

تقویۃ الایمان میں چونکہ تمام رسوم بدعیہ پر رد لکھا گیا ہے اس لئے اس غلو اور افراط فی التقلید کو بھی منع فرمایا

(۱) حال میں ان دونوں رسالوں کو مع ایک تیسرے رسالہ کے بنام ارواح ثلاثہ شائع کیا گیا ہے۔

گیا ہے اسی کے متعلق یہ فصل لکھی گئی ہے جیسا کہ خود تقویۃ الایمان کی مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوا کہ "سو سننا چاہیئے کہ اکثر لوگ مولویوں و درویشوں کا کلام اور کام کو سن کر سند پکڑتے ہیں (الی قولہ) ان مولویوں اور درویشوں کے قول و فعل کے خلاف کوئی آیت اور حدیث پڑھے تو اس کا انکار اور اس کے مطلب میں تکرار کرنے کو موجود ہو جائیں الخ"

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت شہید مطلقا تقلید کو منع نہیں فرماتے۔ بلکہ صرف اس غلو اور افراط کو روکتے ہیں کہ ائمہ دین مجتہدین سے گزر کر ہر کس و ناکس کی تقلید اختیار کر لی جائے۔ چنانچہ اسی فصل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کی خود ہدایت فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

تو ایسی بات پر یعنی جس میں کوئی نص صریح قرآن و حدیث و اجماع موجود نہ ہو مجتہدوں کے قیاس صحیح کے موافق عمل کرے پر وہ مجتہد بھی ایسا ہو کہ جس کا اجتہاد امت کے اکثر عالم مسلمانوں نے قبول کیا ہو جیسے امام اعظم اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الطھارۃ

(فصل فی فرائض الوضو)

(فرائض وضو کے مسائل)

پاؤں دھونے سے مرض کا اندیشہ قوی ہو تو ان پر مسح کر لیا جائے

(سوال ۱٤٦) ایک شخص عارضہ تنفس میں مبتلا ہے وضو کرنے میں پاؤں دھونے سے نزلہ ہو کر تکلیف دہ صورت اختیار کر لیتا ہے ایسی حالت میں اگر وضو کیا جاوے اور پاؤں پر مسح کر لیا جائے تو نماز جائز ہو گی یا نہیں؟

(الجواب) اگر تکلیف شدید ہو اور اس سے بچنے کی دوسری صورت نہ ہو تو پاؤں پر مسح کر لیا جائے اور باقی اعضا کو حسب دستور دھویا جائے- وذلك لمافی الشرح الكبير للمنية وكذلك اذا كان على اعضاء الوضوء كلها او على اكثرها جراحة يتيمم ولا يحب غسل الصحيح و التيمم لاجل الحرج وان كان على اقله اى اقل بدنه اواعضاء وضوئه جراحة واكثر اى اكثر البدن اواعضاء الوضوء صحيح فانه يغسل الموضع الصحيح و يمسح على المجروح ان لم يضر و الى قوله ثم الكثرة فى الاعضاء قيل تعتبر من حيث العدد حتى لو كانت الجراحة فى رأسه ووجهه و يديه ولم تكن فى رجليه يباح له التيمم (الى) وعلى عكسه لا يباح كبيرى ص ٦٤ كانپورى (والله سبحانه و تعالى اعلم) کتبہ، محمد شفیع غفر لہ

جواب صحیح ہے اگر ٹھنڈے پانی سے نقصان ہو تو گرم پانی سے پاؤں دھو کر فوراً خشک کر لے اگر کوئی ترکیب بھی نافع نہ ہو تو سردی کے اوقات میں مسح کر لے- (بندہ اصغر حسین عفا عنہ)

فصل فی سنن الوضوء و آدابه و مکروهاته

(وضو کی سنتوں، آداب اور اس کے مکروہات کا بیان)

بجائے مسواک کے برش استعمال کرنا

(سوال ۱٤٧) جو شخص بلاعذر بجائے مسواک کے بالوں کا برش استعمال کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) مسواک کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جو صورت علی المواظبة ثابت ہے وہ یہی ہے کہ لکڑی سے مسواک کی جائے اور لکڑیوں میں بھی پیلو درخت کی لکڑی زیادہ پسندیدہ ہے لیکن اگر لکڑی کی مسواک اتفاقاً موجود نہ ہو تو انگلی سے یا موٹے کپڑے وغیرہ سے دانت صاف کر لینا مسواک کے قائم مقام ہو سکتا ہے قال فی الهداية وعند فقده يعالج بالا صبع- اس سے ظاہر ہوا کہ برش کا اصل حکم بھی یہی ہے کہ اگر

اتفاقاً مسواک موجود نہ ہو تو اس کا استعمال قائم مقام مسواک کے ہو جائے گا۔ لیکن بطور فیشن اس کی عادت ڈال لینا مناسب نہیں اور نہ بلا ضرورت وہ مسواک کا قائم مقام ہو سکتا ہے بالخصوص آج کل جو برش عموماً اس کام کے لئے آتے ہیں ان میں خنزیر کے بالوں کا احتمال قوی ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ برش کے استعمال سے احتراز کیا جائے، کہیں مسواک ہاتھ نہ آئے تو انگلی وغیرہ سے صاف کر لینے پر اکتفا کریں۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

ایضاً ---- (سوال ۱٤۸) ایک شخص بلا از چہ مرض وبلا از استعمال دوا وبلا زچہ جراحت واقعہ فی الفم ہر وقت استعمال برش می نماید لیا آں شخص درزیر حکم حدیث **من تشبه بقوم فهو منهم** داخل می گردیانہ اگر داخل نمی گردد استعمال آں چیز مذکورہ کدام حکم از حل وحرمت ولباحت وکراہت میدار دیانہ واستعمال ایں چیز مذکورہ قائم مقام مسواک میگردد یانہ مع حوالہ کاملہ از کتب متداولہ ایں بحث راحل نمودہ زیادہ از فضائل و فواصل نباشد؟

(الجواب) برش اگر خنزیر کے بالوں کا ہے تو اس کا استعمال قطعاً حرام ہے اور اگر مشکوک ہے تو ترک اولیٰ ہے اور اگر مشکوک بھی نہیں تو اس کا استعمال جائز ہے لیکن بلا ضرورت سنت مسواک کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ سنت مسواک کی لکڑی ہی سے ثابت ہے۔

البتہ اگر کسی وقت لکڑی مسواک کے قابل موجود نہ ہو تو صرف انگلی سے یا موٹے کپڑے یا برش وغیرہ سے دانت صاف کر لینا اس کے قائم مقام بضرورت ہو جاتا ہے **کما فی الهدایه قعده یعالج بالاصباع**۔ لیکن بلا ضرورت اس کی عادت ڈالنا خلاف سنت ہے اور دوسری قباحت یہ بھی ہے کہ اصل شعار اہل اسلام کا نہیں۔

فصل فی نواقض الوضوء
(جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)

ستر دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

(سوال ۱٤۹) اکثر آدمی گرمی میں صرف تہہ بند باندھ کر باقی جسم ننگا رکھتے ہیں اور حرکت کرنے میں بے شرمی ہو جاتی ہے آیا جو لوگ پاس بیٹھتے ہیں ان کا وضو قائم رہ سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) خلوت میں ایسی حالت میں رہنا بلا کراہت درست ہے اور جلوت میں مروت ووقار کے خلاف ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ اور اگر واقع میں کشف عورت بھی ہو جاتا ہے تو گناہ ہے لیکن بہر حال پاس بیٹھنے والوں کے وضو میں اس سے کسی طرح کا خلل نہیں آتا۔ **بعدم الناقص وهذا كله ظاهر**۔

گرمی دانوں سے نکلنے والی رطوبت سے وضوٹوٹے گایا نہیں!

(سوال ۱۵۰) موسم گرما میں جو اکثر لوگوں کے بدن پر گرمی دانے نکلتے ہیں ان کے پھٹ جانے سے جو پانی نکلتاہے اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اگر یہ پانی اتنا زیادہ ہے کہ گرمی دانوں کے اوپر سے متجاوز ہو کر بدن پر بہنے لگے تو نا قض وضو ہونا چاہئیے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حکم بھی خون اور پیپ اور زخم کے پانی جیسا ہے- قال فی الدر المختار و ینقضه خروج کل خارج نجس بالفتح ویکسر منه ای من المتوضی الحی معتاداً اولا من السبیلین اولا الی ما یطهر الخ و فی شرح الکبیر للمنیة ص ۱۱۷ ایضاً رطوبات البدن واخلا طه لا یعطی لها حکم النجاسة الا بالا نتقال الی قوله ولا تکون منتقلة الا بالتجاوز والسیلان ثم قال نفطة وهی الجدری والبثرة قشرت فسال منها ماءٍ خالص اجتذب من خارج و التامت علیه اودم او صدید الی قوله ان سال عن راس الجرح نقض الخ.

فصل فی موجبات الغسل و فرائضه و سننه و آدابه
(جن چیزوں سے غسل واجب ہو جاتا ہے)

غسل کرتے وقت پیشاب کا قطرہ آجانا

(سوال ۱۵۱) جس شخص کو غسل کرتے وقت پیشاب کا قطرہ آتا ہے اس کا کیا حکم ہے ؟

(الجواب) اگر درمیان غسل پیشاب کا قطرہ آجائے تو غسل کے لوٹانے کی ضرورت نہیں صرف وضو کر لینا نماز وغیرہ کے لئے کافی ہے-

چھپکلی کے بدن پر چڑھ جانے سے غسل واجب ہو گیا نہیں ؟

(سوال ۱۵۲) چھپکلی اگر بدن پر چڑھ جائے تو غسل واجب ہے یا نہیں ؟

(الجواب) چھپکلی کے بدن پر چڑھ جانے سے غسل وغیرہ شرعاً کچھ واجب نہیں ہوتا-

فصل فی احکام الجنب
(جنبی کے مسائل)

جو عورت غسل سے معذور ہو اس سے مباشرت کرنا

(سوال ۱۵۳) ایک شخص کی بیوی دائم المریضہ ہے غسل سے معذور رہتی ہے اور کمزور بہت ہے غسل سے تکلیف ہو جاتی ہے مگر خاوند ضرورةً ہمبستر ہو گیا اور بیوی سے کہا کہ غسل کی نیت سے تیمم کر کے نماز پڑھتی

رہو تاوقتیکہ غسل نہ کر سکے تو کیا یہ جائز ہوگا ایسی حالت میں خاوند کا ہمبستر ہونا اور بیوی کا تیمّم کے ساتھ نمازیں ادا کرنا؟ بینوا توجروا

(الجواب) یہ صورت جائز ہے شوہر کے لئے ہمبستر ہونا بھی جائز اور بیوی کے لئے تیمّم سے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ (واللہ اعلم) (اضافہ)

فصل فی الحیض والا ستحاضہ
(حیض اور استحاضہ کا بیان)

مدت نفاس میں جس رنگ کا بھی خون آئے وہ نفاس ہے

(سوال ۱۵٤) ایک عورت کو بارہ روز نفاس آکر سفید پانی آگیا بعد میں پھر خون آگیا اس خون کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) مدت نفاس یعنی چالیس دن کے اندر جو خون آئے گا کہ وہ سب نفاس میں شمار ہوگا اور درمیان میں جو دن خالی گزریں گے وہ بھی نفاس ہی میں شمار ہوں گے۔

البتہ اگر چالیس دن سے زائد خون جاری رہا تو پھر دیکھا جائے گا کہ اس عورت کے نفاس کے متعلق کوئی عادت پہلے سے متعین تھی یا نہیں اگر متعین ہے تو ایام عادت کے بعد سے استحاضہ شمار ہوگا مثلاً تیس دن کی عادت تھی اور خون پچاس دن تک جاری رہا تو تیس دن نفاس اور باقی بیس دن استحاضہ ہوگا۔ کمافی الهداية و شرح الوقاية ۔ اور اگر پہلے سے کوئی عادت متعین نہ تھی تو چالیس دن نفاس اور باقی دس دن استحاضہ ہوگا۔

حائضہ کو عادت مقررہ کے خلاف خون

(سوال ۱۵۵) ایک عورت کو پانچ دن عادت حیض کی تھی بعد میں کبھی دس دن خون آتا ہے کبھی گیارہ دن تو پانچ دن کے بعد یہ بحکم حائضہ ہے یا طاہرہ؟

(الجواب) اگر دس دن کے اندر اندر خون آیا ہے تو کل حیض شمار ہوگا اور اگر دس دن سے تجاوز کر گیا تو صورت مذکورہ میں ایام عادت یعنی پانچ دن حیض اور باقی استحاضہ شمار ہوگا ۔ ھدایہ و شرح وقایہ ۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی احکام المعذور
(معذور کے احکام)

رطوبت والی بواسیر کا حکم

(سوال ۱۵٦) بادی بواسیر جس میں ہر وقت رساوٹ رہے اور جس کا روکنا ممکن نہ ہو ایسی صورت میں ادائیگی نماز کی کیا صورت ہوگی؟

(الجواب) جب کہ بواسیر کی رساوٹ کسی وقت بند نہیں ہوتی تو یہ شخص معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز فرض کے وقت ایک مرتبہ وضو کرلے اور پھر اسی وضو سے اس وقت کے اندر اندر جتنی چاہے نمازیں اور قرآن شریف پڑھے سب درست ہوں گی اگرچہ رساوٹ جاری رہے اور کپڑے بھی خراب ہوں البتہ جب دوسری نماز کا وقت آیا تو یہ وضو کافی نہ ہوگا دوبارہ وضو کرنا پڑے گا۔ **کذا فی الهدایه والدر المختار وغیره (والله تعالیٰ اعلم)**

فصل فی احکام الماء والبئر
(پانی اور کنویں کے مسائل)

دہ (۱۰) دردہ (۱۰) تالاب میں کتا مرجانے کا حکم

(سوال ۱۵۷) ایک کچا تالاب جس میں پانی دو کنال ہے ایک کنال جگہ میں پانی کی گہرائی دو فٹ اور دوسرے میں تین فٹ ہے بلکہ کچھ زیادہ، زیادہ پانی کی طرف ایک باؤلا کتا داخل ہوا اور مرگیا چند گھنٹہ اس پانی میں رہا پھر نکال لیا مگر سوج گیا لوگ پانی کو استعمال نہیں کرتے یہ پانی پاک ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر یہ تالاب جس کی گہرائی دو اور تین فٹ بتلائی گئی ہے پیمائش میں دس ہاتھ چوڑا اور دس ہاتھ لمبا ہو یعنی دس ہاتھ مربع تو کتے کے اس میں مرجانے اور سوج جانے سے یہ تالاب اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس کے پانی میں اس مردار کی بدبو نہ آجائے یا ذائقہ اور رنگ میں فرق نہ آجائے۔

لمافی الدر المختار وكذا يجوز براكد كثير كذلك اى وقع فيه نجس لم يراثره بحر الى قوله وفى النهر وانت خبير بان اعتبار العشر اضبط لا سيما فى حق من لا رأى له۔

بکری وغیرہ کی جیر کنویں میں گرجانے کا حکم

(سوال ۱۵۸) ایک کنویں میں بکری کی جیر (جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے نکلتی ہے اس میں رحم کا خون اور آنول وغیرہ ہوتا ہے) ڈالی گئی اور پانی میں سخت تعفن ہے ایسی حالت میں کتنا پانی نکالنا چاہیئے؟

(الجواب) اس کنوئیں کا سارا پانی نکالنا چاہیئے اور اگر سب پانی ختم نہ ہوسکے تو تین سو ڈول نکال دینا کافی ہوگا۔ **کذافی الهدایه وسائر کتب الفقه۔**

اور اگر اس کے ڈالنے کا وقت یقینی طور سے معلوم ہو جیسا کہ عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے تو کنواں اس وقت سے ناپاک ہے یعنی ۲۱ جون ۳۱ھ قبل ظہر سے اس لئے اس وقت سے جس جس چیز کو اس کا پانی پہنچا ہو وہ ناپاک ہے اسے پاک کرنا چاہیئے اور جو نماز اس پانی سے وضو کرکے پڑھی ہے اسکا اعادہ کرنا چاہئیے۔ ۲۶ صفر ۱۳۵۰ھ

اپلہ کنویں سے سالم نکل آئے تو کنواں پاک ہے

(سوال ۱۵۹) اگر کنویں میں ایک گرہ اپلہ خشک گر جائے اور وہ تر ہو کر ثابت نکل آئے تو اس صورت میں پانی نکالا جائے یا نہیں ؟

(الجواب) اپلہ جب کنویں میں گرتے ہی ثابت نکال لیا جائے اگرچہ تر ہو جائے کنواں ناپاک نہیں ہوتا- کذافی کتب الفقہ -واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم- ۳ شعبان ۵۰ھ

کنویں میں ڈالنے کی سرخ دوا پاک ہے

(سوال ۱۶۰) میونسپلٹی کی طرف سے جو دوا کنویں میں کیڑوں کے مرنے اور صفائی کے لئے ڈالی جاتی ہے اس پانی سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) بعض حضرات سے تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ اس دوا میں کوئی نجاست شامل نہیں ہوتی اگر واقعہ یہی ہے تو پانی پاک ہے اس کا استعمال جائز ہے البتہ اگر پینا مضر ہو تو پینے میں استعمال نہ کیا جائے تاہم اس امر کا فیصلہ قطعی اس وقت ہو سکتا ہے کہ اس دوا کے اجزاء مفردات مع کیفیات ڈاکٹروں سے تحقیق لکھے جائیں (واللہ سبحانہ وتعالیٰ)

فصل فی المسح علی الخفین
(خفین پر مسح کے احکام)

نیل المارب --- فی --- المسح علی الجوارب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد: ہمارے بلاد میں جو کپڑے کی جرابیں رائج ہیں ان کو مجلد یا منعل بنانے کے بعد ان پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں اور ہے تو کن شرائط کے ساتھ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں بھی اس کے متعلق بکثرت سوالات آتے رہتے ہیں حال میں ہوتی مردان علاقہ سرحد کے بعض علماء کی طرف سے یہ سوال آیا اور علماء کے باہمی اختلاف اور شامی وغیرہ کے بیانات میں اضطراب نقل کر کے قول فیصل لکھنے کی فرمائش کی گئی احقر چونکہ پہلے سے اس مسئلہ کی تنقیح کی ضرورت محسوس کر رہا تھا اس لئے جس قدر کتب فقہ متقدمین و متاخرین کی احقر کے سامنے تھیں اپنی ہمت و فرصت کے مطابق ان کو دیکھ کر جو کچھ سمجھ میں آیا پیش کرتا ہوں- واللہ تعالٰی اسألہ الصحۃ والصواب والصیانۃ عن الخطاء فی کل باب وھو المستعان و علیہ التکلان-

رسالہ نیل المآرب فی المسح علی الجوارب

(سوال ۱۶۱) یہاں شہر ہوتی میں چند علماء کے درمیان مسئلہ مسح علی الجوربین سوتی یااونی کے متعلق بہت کشمکش واقع ہے بعض کہتے ہیں سوتی یااونی جراب پر جو مجلدین یا منعلین ہوں مسح جائز ہے - مجلد اور منعل ہوں یا نہ ہوں پھر مجلد کی تعریف میں اختلاف ہے طرفین علماء کے ساتھ عوام بڑی سرگرمی دکھلارہے ہیں سرحد کی حالت تو آپ کو معلوم ہے طرفین کے علماء اپنے قول کی سند میں فقہاء کے اقوال پیش کرتے ہیں - ردالمحتار ص ۱۹۷ ج ۱ میں مضطرب اقوال موجود ہیں علامہ شامی کی اپنی رائے اور ہے اور حاشیہ اخی چلپی علی صدر الشریعہ سے جو رائے شامی نے نقل کی ہے اس سے کچھ اور معلوم ہوتا ہے فتاوی امدادیہ اور مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحئی صاحب بھی دیکھے گئے لیکن قول فیصل کا پتہ معلوم نہیں ہوا چونکہ اختلاف دن بدن بڑھتا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ منجر بہ فساد ہو جائے لہذا اکرم فرماکر جواب شافی بحوالہ کتب معتبرہ رقم فرمادیں کہ سوتی یااونی جرابوں پر مسح کے لئے تجلید اور تنعیل مع ثخانت کے شرط ہے یا بغیر ثخانت کے تجلید و تنعیل کافی اور تجلید کی کیا حد ہے؟

(الجواب) تفصیل اقسام - مسئلہ کی تعریف سے پہلے جرابوں کے اقسام جن کا مسح کے بارے میں فقہاء نے اعتبار کیا ہے مع تعریف و تحدید کے معلوم کرلینا ضروری ہے-

کپڑے کے اعتبار سے جرابوں کی دو قسم ہیں ثخین اور رقیق ثخین اصطلاح فقہاء میں وہ جراب ہے جس کا کپڑا اس قدر دبیز، موٹا اور مضبوط ہو کہ اس میں تین میل بغیر جوتہ کے سفر کرسکیں اور وہ ساق پر بغیر (گیٹس وغیرہ سے) باندھے ہوئے قائم رہ سکے بشرطیکہ یہ قائم رہنا کپڑے کی تنگی اور چستی کی وجہ سے نہ ہو اس کی ضخامت اور جرم کے موٹا ہونے کی وجہ سے ہو نیز یہ کہ وہ پانی کو جلدی سے جذب نہ کرے اور پانی اس میں نہ چھنے الغرض ثخین کے لئے تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس میں کم از کم تین میل بغیر جوتہ کے سفر کریں تو پھٹے نہیں - دوسرے یہ کہ ساق پر بغیر باندھے ہوئے قائم رہ جائے تیسرے یہ کہ اس میں پانی نہ چھنے اور جلدی سے جذب نہ ہو اور جس جراب میں ان شرطوں میں کوئی شرط نہ پائی جائے وہ رقیق ہے - وذالك لمافی فتاوی قاضی خان و التخینین ان یقوم علی الساق من غیر شدو لا یسقط ولا یشف وقال بعضهم لا ینشفان معنی قوله لا یتشفان ای لا یجاوز الماء الی القدم و معنی قوله لا ینشفان ای لا ینشف الجوارب الماء الی نفسه کالا دیم و الصرم اه (فتاوی قاضی خان ص ۲۵ ج ۱ مصطفائی، و فی شرح المنية عن المغرب شف الثواب اذا رق حتی رایت ما ورائه (ثم قال) فحینئذ کلا المعنیین صحیح قریب من الآخر ان فان الجوارب اذا کان بحیث لا یجاوز الماء منه الی القدم فهو بمنزلة الا دیم والصرم فی عدم جذب الماء الی نفسه الا بعد لبث وذلك بخلاف الرقیق یجذب الماء و ینفذه الی الرجل فی الحال (وفيه بعد ذلك) وحد الجوربین التخینین ان یستمسك ای یثبت ولا ینسدل علی الساق من غیر ان یشده بشئی هكذا فسراه کلهم و ینبغی ان یقید بما اذا لم یکن ضیقاً فانا نشاهد ما یکون فیه ضیق یستمسك علی الساق

من غیر شدوان کان من الکرباس- والحد بعدم جذب الماء کما فی الادیم علی مافهم من کلام قاضی خان اقرب وبما تضمنه وجه الدلیل وهو ما یمکن فیه متابعة المشی اصوب قال نجم الدین الزاهدی فان کان ثخینا یمشی معه فرسخا فصا عداً کجوارب اهل مرو فعلی الخلاف انتهی- وفی الخلاصة ان کان الجوارب من الشعر فالصحیح انه لو کان صلباً مستمسکا یمشی معه فرسخ او فراسخ علی هذا الخلاف فهذا هو الذی ینبغی ان یعول علیه - (شرح منیه مجتبائی ص ۱۱۸، ۱۱۹)

وفی ردالمحتار تقدم ان الفرسخ ثلثة امیال اه وفیه بعد ذلك المتبادر من كلامهم ان المراد من صلوحه لقطع المسافة ان یصلح لذلك بنفسه من غیر لبس المداس فوقه فانه قدیر ق اسفله یمشی به فوق المداس ایماً وهو بحیث لومشی به وحده تخرق قدر المانع (الی قوله) وقد تأ ید ذلك عندی برؤ یا رأیت فیها النبی ﷺ بعد تحریر هذا المحل بایام فسألته فاجابنی ﷺ بان اذارق الخف قدر ثلث اصابع منع المسح وكان ذلك فی ذی القعده ۱۲۳۴ھ (شامی ص ۲۴۳ ج ۱)

فائدہ- عبارات مذکورہ سے تخینین کی تمام شرائط مندرجہ بالا ثابت ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جرابین اونی ہوں یا سوتی دونوں میں شرائط مذکورہ ضروری ہیں جس میں یہ شرائط موجود نہ ہوں وہ رقیق ہے اگرچہ اونی ہوں اور جس میں ہوں وہ ثخین ہے اگرچہ سوتی ہو-

وبه صرح فی ردالمحتار حیث قال الظاهرانه اذا وجدت فیه (ای فی الكرباس) الشروط یجوز انهم اخرجوه لعدم تاتی الشروط فیه غالباً یدل علیه مافی كافی النسفی حیث علل عدم جواز المسح علی الجوارب من كرباس بانه لا یمكن تتابع المشی علیه فانه یفید انه لوامكن جازویدل علیه ایضاً مافی عن الخانیة ان كل ماكان فی معنی الخف فی ادمان المشی وقطع السفر به ولومن لبد اولی یجوز المسح علیه اه (شامی ص ۲۴۸ ج ۱)

ثخین ورقیق کی تعریف معلوم ہو جانے کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ کپڑے کی جرابوں پر بعض لوگ کچھ چمڑا بھی لگاتے ہیں جس کی مختلف صورتیں ہیں اس اعتبار سے فقہاء نے جرابوں کی دو قسمیں اور کی ہیں ایک مجلد دوسرے منعل- مجلد وہ ہے کہ جس کے نیچے اوپر پورے قدم پر کعبین تک چمڑا چڑھادیا جائے اور منعل وہ کہ جس کے صرف تلے پر چمڑا چڑھادیا جائے-

وذلك لمافی المغرب الجوارب المجلّد ماوضع الجلد علی اعلاه واسفله وجورب منفعل و منعل وهوالذی و ضع علی اسفله جلدة كالنعل للقدم وفی شرح المنیه قوله مجلدین ای استوعب الجلد ما یستر القدم الی الكعب او منعلین ای جعل الجلد علی ما یلی الارض منهما خاصةً كالنعل للرجل اه-

عرب میں عام طور سے جرابوں پر چمڑا لگانے کی یہی دو صورتیں رائج تھیں اس لئے متقدمین کی

کتابوں میں عموماً انہیں کا ذکر ہے مگر بلاد عجم، ہندوستان، بخارا، سمرقند وغیرہ میں ایک تیسری صورت یہ بھی رائج ہے کہ وہ یہ کہ جراب کے تلے کے ساتھ پنجے اور ایڑی پر بھی چمڑا لگایا جائے جس سے وہ ہندوستانی جوتہ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور پورا قدم کعبین تک چمڑے میں مستور نہیں ہوتا لیکن شرح منیہ وغیرہ کی عبارت مذکورہ میں مجلد کی جو تعریف کی گئی ہے کہ چمڑا پورے قدم کا کعبین تک -استیعاب کرے اس سے معلوم ہوا کہ یہ صورت مروجہ ہندوستان وغیرہ مجلد میں داخل نہیں اور منعل سے کسی قدر زائد ہے کیونکہ منعل میں پنجے اور ایڑی پر چمڑا ہونا شرط نہیں اور علامہ شافعی نے باب المسح علی الخفین کے شروع میں بضمن شرائط مسح اس کے مشابہ چند اقسام کا ذکر کیا ہے جن سے ان مروجہ ہندوستانی جرابوں کا حکم سمجھا جاسکتا ہے مثلاً جاروق کہ وہ مثل انگریزی جوتہ (پمپ) کے ہوتا ہے-

جس میں کچھ حصہ قدم کا اوپر سے کھلا رہتا ہے اس کھولے ہوئے حصہ پر بعض لوگ کپڑا لگا کر قدم چھپا لیتے ہیں اور اس کپڑے کو لفافہ کہا جاتا ہے اس پر مسح کے جواز و عدم جواز میں علماء بخاری و سمرقند کا اختلاف نقل کیا ہے کہ مشائخ سمرقند جائز قرار دیتے ہیں (تفصیل اس اختلاف کی اور ترجیح کی بحث بیان احکام کے تحت عنقریب آتی ہے)

پھر شامی نے اسی مختلف فیہ جاروق مستور باللفافہ پر قیاس کر کے ایک اور قسم کا ذکر کیا ہے جس کو ان کے بلاد میں قلشین یا خف حنفی کہتے ہیں اور کیفیت اس کی وہ ہی ذکر کی ہے جو ہمارے بلاد میں مروجہ چمڑا چڑھی ہوئی جرابوں کی ہے یعنی جن کے تلے اور پنجے اور ایڑی پر چمڑا ہوتا ہے باقی قدم کے حصہ پر محض رقیق جراب ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس قلشین اور خف حنفی کو بھی جاروق مستور اللفافہ کی طرح مختلف فیہ قرار دیا ہے- **ولفظه و یؤخذ منه ایضاً انه یجوز المسح علی المسمی فی زماننا بالقسین اذا خیط فوق جورب رقیق ساتر وان لم یکن جلد القلشین واصلا الی الکعبین اه** -

(شامی ص ۲۴۲ ج ۱)------------------اور مدار اس اختلاف کا اس امر کو قرار دیا ہے کہ جورب منعل کے لئے ثخین ہونا شرط ہے یا نہیں جو حضرات ثخانت شرط قرار دیتے ہیں وہ ناجائز کہتے ہیں اور جو منعل میں ثخانت کی شرط نہیں لگاتے وہ جائز کہتے ہیں چنانچہ فقیہ ابو جعفر کا قول جاروق مستور باللفافہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ **الاصح انه یجوز المسح عند الکل لانه کالجورب المنعل اه** (شامی ص ۲۴۱ ج ۱) اور قلشین کے متعلق صاحب در مختار کے ایک رسالہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ **ورایت رسالة للشارح رد فیها علی من قال بالجواز مستنداً فی ذلك الی انهم لم یذکروا جواز المسح علی الجوربین اذ کانا رقیقین منعلین اه** (شامی ص ۲۴۲ ج ۱)

الغرض ان تمام عبارات واقوال سے معلوم ہوا کہ ہمارے بلاد میں جو جرابوں کے تلے اور پنجے اور ایڑی پر چمڑا چڑھایا جاتا ہے یہ باتفاق منعل ہے مجلد میں داخل نہیں اس لئے بحر الرائق میں منعل کی یہ تعریف کی ہے کہ جس کا چمڑا پورے قدم پر کعبین تک نہ ہو وہ منعل ہے **ولفظه تحت قول الدر و المنعلین ما جعل علی اسفله جلدة ای الی قدم دون الکعبین اه طحطاوی ص ۱۴۰ ج ۱** -اس

لئے یہ مروجہ صورت کوئی مستقل قسم نہ ہوئی بلکہ اقسام دو ہی رہیں- مجلد اور منعل پورے قدم پر چمڑا مستوعب ہو تو مجلد اور مستوعب نہ ہو تو منعل میں داخل ہیں خواہ صرف تلے پر چمڑا ہو یا ایڑی پنجے پر بھی- اس تفصیل و تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرابوں کی کل چھ قسمیں ہو گئیں تین قسم ثخین کی یعنی ثخین مجلد، ثخین منعل، ثخین سادہ (یعنی غیر مجلد و غیر منعل) اور تین قسم رقیق کی یعنی رقیق مجلد، رقیق منعل، رقیق سادہ (اقسام کی تفصیل کے بعد اب احکام کی تفصیل لکھی جاتی ہے)

تفصیل احکام

ان اقسام ستہ میں سے پہلی تینوں قسموں پر باتفاق حنفیہ مسح جائز ہے، تیسری قسم میں اگرچہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف منقول ہے لیکن ساتھ ہی امام صاحب کا رجوع قول صاحبین کی طرف اور فتوی عامہ مشائخ حنفیہ کا قول صاحبین پر منقول ہے اس لئے تیسری قسم بھی مثل متفق علیہ کے ہو گئی لمافی الهداية **لا يجوز المسح على الجوربين عند ابى حنيفةؒ الا ان يكونا مجلدين او منعلين و عندهما يجوز اذ كانا ثخنيين لا يشفان (الى ان قال) وعنه انه رجع الى قولهما و عليه الفتوىٰ اه —و مثله فى فتاوىٰ قاضى خان و الخلاصة والبحر والفتح و عامة كتب المذهب**-

باقی تین قسمیں رقیق مجلد، رقیق منعل، رقیق سادہ میں یہ تفصیل ہے کہ رقیق مجلد پر مطلقاً بلا کسی تفصیل کے باتفاق حنفیہ مسح جائز ہے اور رقیق سادہ پر مطلقاً باتفاق ناجائز- رقیق منعل میں مشائخ حنفیہ کا اختلاف ہے رقیق سادہ (غیر مجلد غیر منعل) پر مسح جائز نہ ہونا سب کتب فقہ میں مصرح ازاظہر من الشمس ہے فتاویٰ قاضی خان میں ہے **وان كان رقيقين غير منعلين لا يجوز المسح عليهما** (قاضی خان ص ۲۵ ج ۱) ہدایہ کی مذکورہ عبارات سے بھی یہی مستفاد ہے مزید نقل کی حاجت نہیں رقیق مجلد پر مطلقاً مسح کا جواز شرح منیہ میں بحوالہ خلاصہ مذکور ہے اور کسی کا خلاف منقول نہیں اور حلوانی کے ایک قول سے کچھ شبہ خلاف کا ہو سکتا تھا اس کو شارح منیہ نے رفع فرمادیا اور پھر فرمایا **وقد صرح فى الخلاصة بجواز المسح على المجلد من الكرباس اه — وفيه قبل ذلك الكرباس اسم الثوب من القطن الا بيض — قاله فى القاموس ويلحق به كل ما كان من نوع الخيط كالكتان والا بريشم و نحو هما** (شرح منیہ کبیری ص ۱٤۲)

اب ایک قسم رہ گئی یعنی رقیق منعل- یہ فقہاء میں مختلف فیہ ہے اور اسی میں زیادہ تفصیل ہے اور اسی میں عموماً اشتباہ و نزاع پیش آتا ہے یہ بات پھر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہر وہ جراب منعل کے حکم میں داخل ہے جس میں چمڑا تمام قدم پر کعبین تک مستوعب نہ ہو خواہ صرف تلے پر چمڑا ہو یا اوپر کے بعض حصہ پر بھی ہو کما مر اور رقیق ہر وہ جراب ہے جس میں ثخین کی شرائط مذکورہ نہ پائی جاویں خواہ کتنا ہی مضبوط اور دبیز کپڑا ہو اور رقیق منعل کے متعلق متقدمین حنفیہ کی موجودہ کتابوں میں بالتصیص تو کوئی حکم مذکور نہیں لیکن کلام کی دلالت واضحہ اس پر موجود ہے کہ رقیق منعل پر مسح جائز نہیں چنانچہ کافی حاکم (متن مبسوط) اور

اس کی شرح میں ہے (واما المسح علی الجوربین فان کانا ثخینین منعلین یجوز المسح علیهما) وفی شرح شمس الائمة لان مواظبة المشی سفراً بهما ممکن وان کانا رقیقین لا یجوز المسح علیهما لانهما بمنزلة اللفافة وان کانا ثخینین غیر منعلین لا یجوز المسح علیهما عندابی حنیفة لان مواظبة المشی بهما سفراً غیر ممکن وکانا بمنزلة الجورب الرقیق وعلی قول ابی یوسف و محمد یجوز المسح علیهما (مبسوط ص ۱۰۲ ج ۱) کافی حاکم اور شمس الائمہ سرخسی کی عبارت مذکورہ میں ثخین کے ساتھ منعلین کی قید لگا کر جواز کا حکم لکھا گیا پھر رقیقین میں بلا تفصیل منعل وغیرہ کے متعلق علی الاطلاق فرمایا گیا ہے کہ وان کانا رقیقین لا یجوز المسح علیهما جس سے ظاہر یہ ہے کہ رقیقین منعلین میں مسح کی اجازت نہیں اسی طرح امام طحاوی نے معانی الآثار میں فرمایا ہے کہ لا نری باسا بالمسح علی الجوربین اذا کان صفیقین قد قال ذلك ابو یوسف و محمد واما ابوحنیفة فانه کان لا یری ذلك حتی یکونا صفیقین و یکونا مجلدین فیکونا کالخفین (معانی الاثار ص ۵۸ ج ۱) طحاوی کی ظاہر عبارت سے بھی ثخین ہونا بہر حال شرط معلوم ہوتا ہے اگرچہ احتمال یہ بھی ہے کہ رقیق کا حکم طحاوی نے بیان نہیں کیا صرف ثخین کا حکم بیان کرنے پر اکتفاء فرمایا اور رقیق سے سکوت۔ قاضی خان اور ہدایہ وغیرہ کے اطلاقات بھی اسی قسم کے ہیں ان سے رقیق منعل پر مسح کی ممانعت سمجھی جاوے یا کم از کم اس سے ساکت قرار دیا جاوے بہر حال اجازت مسح کہیں منقول نہیں اسی لئے حاشیہ چلپی علی صدر الشریعہ میں لکھا ہے کہ ان التقیید بالثخین مخرج لغیر الثخین ولو مجلداً ولم یتعرض له احد (از شامی ص ۲۴۹ ج ۱)

البتہ مشائخ متاخرین میں یہ بحث چلی پھر ان میں بھی اس پر تو اتفاق ہے کہ معمولی سوتی جرابین کو منعل کر لیا جاوے تو وہ مسح کے لئے کافی نہیں شرح منیہ کبیری میں سوتی اور اونی کپڑوں کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں جن میں پانچویں قسم سوتی کپڑے کی جرابیں ہیں اس کے متعلق شیخ نجم الدین زاہدی کا قول نقل کیا کہ:

واما الخامس فلا یجوز المسح علیه کیفما کان و نحوه من التتارخانیة عنه خلاصة الفتاوی اور شامی نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ قال فی الخلاصة ولو کان من الکرباس لا یجوز المسح علیه فان کان من الشعر فالصحیح انه ان کان صلبا یمشی معه فرسخا اوفر اسخ علی هذا الخلاف (خلاصه ص ۱۲۸ ج ۱) وفی البحر الرائق عن المعراج– واما الخف الدورانی الذی یضاده فتها ء زماننا فان کان مجلداً یستر جلده الکعب یجوز والا فلا اه بحر ص ۱۹۲ – و مثله فی فتاوی قاضی خان و العالمگیریة فی اول الباب ص ۳۰ ج ۱)

عبارات مذکورہ سے بصراحت معلوم ہو گیا کہ یہ معمولی سوتی جرابیں جو ہمارے بلاد میں رائج ہیں ان کو اگر مجلد کر لیا جاوے یعنی تمام قدم پر چمڑا چڑھا لیا جاوے تب تو مسح ان پر جائز ہے اور اگر صرف منعل کیا جاوے تو باتفاق فقہاء مسح جائز نہیں۔ عبارات مذکورہ میں ممانعت مسح بلفظ کرباس مذکور ہے ان الفاظ کی تشریح شرح منیہ میں اس طرح ہے۔

لان الكرباس بالكسر اسم الثوب من القطن الا بيض قاله فى القاموس وهو معرب بالفتح ولكن يلحق به كل ماكان من نوع الخيط كالكتان والا بريسم و نحو هما بخلاف ما هو من الصوف و نحوه اه (شرح منيه ص ١٤٢) و مثله فى مراقى الفلاح حيث قال و الكرباس كل ما كان من نوع الخيط- الخ جس سے معلوم ہوا کہ عام مروجہ سوتی جرابوں کا باتفاق متقدمین و متاخرین حنفیہ یہی حکم ہے کہ ان کو منعل کر لینا مسح کے لئے کافی نہیں ہے اور مسح ان پر جائز نہیں اب صرف اونی جرابوں کا حکم زیر غور رہ گیا سو ان میں سے جو ثخین کی حد میں آجائیں ان کا حکم تو معلوم ہو چکا کہ باتفاق مشائخ ان پر مسح جائز ہے اور جو بہت باریک ہوں ان کا بھی حکم ظاہر ہے کہ سوتی جرابوں کی طرح باتفاق عدم جواز مسح ہوگا-

اب صرف وہ اونی جرابیں زیر بحث رہ گئی ہیں جو مضبوط اور دبیز ہیں مگر ثخین کی حد میں نہیں ہیں ان کو اگر منعل کر لیا جاوے تو مسح جائز ہوگا یا نہیں اس میں فقہاء متاخرین کے اقوال مختلف نظر آتے ہیں-
شارح منیہ نے بحوالہ نجم الدین زاہدی جرابوں کی پانچ قسمیں بتلا کر پانچویں قسم پر مطلقاً مسح ناجائز اور باقی چاروں قسموں پر بعد منعل کر لینے کے جائز قرار دیا ہے ان میں پانچویں قسم تو سوتی جراب ہے اور باقی چار سب اونی جرابوں کی قسمیں ہیں یا پتلے چمڑے کی اور وہ چاروں یہ ہیں-مرعذی، غزل، شعر، جلد رقیق
مراقی الفلاح میں ان قسموں کی تشریح بالفاظ ذیل کی ہے-

والمرعذى كما سياتى مضبوطاً الزغب الذى تحت شعر العنز- والغزل ماغزل من الصوف والكرباس ما نسيح من مغزول القطن اه - و مثله فى شرح المنيه جلد رقیق کے معنی ظاہر تھے اس لئے تشریح کی ضرورت نہ سمجھی گئی شرح منیہ کی اصل عبارت یہ ہے- وقد ذكر نجم الدين ان الجوارب خمسة انواع - من المرعذى، والغزل، غ والشعر، والجلد الرقيق والكرباس - قال وذكر التفاصيل فى الاربعة من الثخين و الرقيق و المنعل وغير المنعل والمبطن واما الخامس فلا يجوز المسح عليه كيفما كان انتهى و نحوه من التتار خانية عنه - والمراد من التفصيل فى الاربعة ان ماكان رقيقا منها لا يجوز المسح عليه اتفاقاً الا ان يكون مجلد ا او منعلا او مبطنا وما كان ثخينا منهما فان لم يكن مجلد اا ومنعلا اومبطنا فمختلف فيه وما كان فلا خلاف فيه -فعلم من هذا ان ما يعمل من الجوخ اذ جلد او نعل او بطن يجوز المسح عليه لانه احد الاربعة وليس من الكرباس (الى ان قال(والجوخ من الصوف اوالمرعذى فهو داخل فيما يجوز المسح عليه لو كان ثخينا بحيث يمشى معه فرسخ من غير تجليد ولا تنعيل وان كان رقيقا فمع التجليد اوا لتنعيل- ولو كان كما يزعم بعض الناس من انه لا يجوز المسح عليه مالم يستوعب الجلد جميع ما يستر القدم- لما كان بينه و بين الكرباس فرق (ثم قال) ثم بعد هذا كله فلو احتاط ولم يمسح الاعلى ما يستوعب تجليده ظاهر القدم الى الساق لكان اولى ولكن هذا حكم التقوى وهو لا يمنع الجواز الذى هو حكم الفتوى (شرح منيه ص ١٢١)

نتائج عبارت مذکورہ-

شرح منیہ کی عبارت مذکورہ سے چند فوائد حاصل ہوئے اول یہ کہ معمولی سوتی جرابوں پر کسی حال مسح جائز نہیں نہ سادہ ہونے کی حالت میں نہ منعل ہونے کی حالت میں نہ ایڑی اور پنجے اور تلے پر چمڑا لگانے کی حالت میں، البتہ پورے قدم پر چمڑا اچڑھا کر مجلد کر لیا جاوے تو اس پر مسح جائز ہو سکتا ہے اور چونکہ علامہ نجم الدین کی عبارت کیف ماکان سے بظاہر مجلد پر بھی مسح کے عدم جواز کا شبہ ہو سکتا تھا اس لئے شارح منیہ نے اس کا ازالہ بعبارت ذیل کر دیا-

لا يقال بل الكرباس لا يجوز عليه المسح عليه ولو مجلداً لما تقدم من قول الحلوانى واما الخامس فلا يجوز المسح عليه كيفما كان لا نا نقول قوله كيفما كان عائد الى قوله المنعل وغير المنعل والمبطن وغير المبطن واما المجلد فلم تذكره وقد صرح فى الخلاصة بجواز المسح على المجلدين من الكرباس اه (شرح منيه ص ۱۲۱)

دوم-اس عبارت میں جراب پر چمڑا اچڑھانے کی ایک صورت منعل اور مجلد کے علاوہ اور بھی ذکر کی ہے یعنی مبطن جس کی صورت یہ ہے کہ جراب کے اندر کی جانب چمڑا لگالیا جاوے حکم اس کا بھی وہی ہے جو مجلد و منعل کا ہے کہ اگر چمڑا پورے قدم پر مستوعب ہو تو بحکم مجلد ہے ورنہ بحکم منعل-

سوم- جو جراب کسی اونی کپڑے کی ہوں جیسے مرغری اور جوخ وغیرہ یا پتلے چمڑے کی ہوں ان کو اگر منعل کر لیا جاوے تو ان پر مسح کے بارے میں اختلاف ہے اور راجح شارح منیہ کے نزدیک جواز ہے لیکن احتیاط اور تقوی کے خلاف ہے-

علامہ ابن عابدین شامی

علامہ شامی نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں اس لئے بظاہر ان کے کام میں اضطراب نظر آتا ہے لیکن ان کی تمام عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے بعینہ وہی ہے جو شرح منیہ کی ہے اور شرح منیہ ہی کی عبارت کو انہوں نے مدار استدلال بنایا ہے نیز منعل کی وہ خاص صورت جو ہمارے بلاد میں رائج ہے یعنی تلے کے ساتھ پنجے اور ایڑی پر چمڑا اچڑھا جاوے اس کو بنام قلشین اور خف حنفی ذکر کر کے اس میں صاحب در مختار اور شیخ عبدالغنی نابلسی کا اختلاف اور جانبین سے اس مسئلہ میں مناظرانہ رسائل لکھنے کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صاحب در مختار ایسے منعل پر جب کہ وہ ثخین نہ ہو مسح ناجائز قرار دیتے ہیں اور شیخ عبدالغنی نابلسی جائز فرماتے ہیں اور ان دونوں حضرات کے اختلاف کو اس اختلاف کا نتیجہ قرار دیا ہے جو جاروق مستور باللفافہ کے بارے میں علماء سمرقند و بخارا کے درمیان واقع ہوا ہے کہ علماء سمرقند اس پر مسح کو جائز فرماتے ہیں اور علماء بخارا ناجائز کہتے ہیں کیوں کہ جاروق جب کہ اس میں قدم کے کھلے ہوئے حصہ پر کوئی کپڑا لگالیا جاوے تو وہ بھی قلشین اور خف حنفی کی طرح ہو جاتا ہے-کمامر منا انفا پھر یہ بھی ذکر کیا کہ بعد کے مشائخ و علماء میں سے کسی نے سمرقندیین کے قول کو اختیار کیا اور کسی نے بخاریین

کے قول کو اور خود اپنی رائے مشائخ سمر قند کے موافق ظاہر فرمائی جو بعینہ شارح منیہ کی رائے ہے یعنی سوتی جرابوں پر توبغیر مجلد کرنے کے مسح جائز نہیں اور اونی جرابوں پر منعل ہونے کی صورت میں بھی مسح جائز ہے اور آخر میں شارح منیہ کی طرح یہ بھی ظاہر فرمادیا کہ احتیاط وتقوی اسی میں ہے کہ جب تک تمام قدم پر چمڑا نہ ہو مسح نہ کیا جاوے علامہ شامی کی بعینہ عبارت مع متن در مختار کے یہ ہے۔ (۱) وفی اول باب المسح على الخفين من الدر المختار (وشرط مسحه) ثلاثة امور الاول و كونه ساتراً محل فرض الغسل (القدم مع الكعب (الى قوله) وجوز مشائخ سمر قند ستر الكعبين باللفافة- والثانی كونه مشغولاً بالرجل والثالث كونه مما يمكن متابعة المشى المعتاد فيه فرسخا اه- قال الشامى تحت قوله وجوز مشائخ سمر قند) الخ-

فی البحر عن الخلاصه المسح على الجاروق ان كان يستر القدم ولا يرى منه الاقدر اصبع اواصبعين يجوز والا فلا ولو ستر القدم باللفافة جوزه مشائخ سمر قند ولم يجوزه مشائخ بخارى اه - قال ح والحق ما عليه مشائخ بخارى (قلت ثم ارادالشامى التوفيق بين القولين بان القول بالجواز اذا كان اللفافة مخروزة و عدم الجواز اذا كانت مشدودة من دون الخرز ثم قال) قال الفقيهة ابوجعفر الا صح انه يجوز المسح عندالكل لانه كالجوارب المنعل اه (ثم قال الشامى) ويوخذ من هذا انه يجوز المسح على المسمى فى زماننا بالقلشين اذا خيط فوق جوارب رقيق ساتر وان لم يكن جلد القلشين واصلاً للى الكعبين كما هو صريح ما نقلنا ه عن شرح المنيه ويعلم ايضاً مما نقلنا ه جواز المسح على الخف الحنفى اذا خيط بما يستر الكعبين كالسروال المسمى بالشخشير كما قاله سيدى عبدالغنى النابلسى وله فيه رسالة ورئيت رسالة للشارح رد فيها على من قال بالجواز مستندافى ذلك الى انهم لم يذكروا جواز المسح على الجوربين اذا كان رقيقين منعلين لاشتر اطهم امكان السفر ولا يتاتى فى الرقيق والظاهرانه اراد الرد على سيدى عبدالغنى (الى قوله) وانت خبير بالفرق الواضح بين الجراب الرقيق المنعل اسفله بالجلد و بين الخف والقصير عن الكعبين المستور ين بما اتصل به من الجوخ الرقيق لانه يمكن فيه المفروان كان قصيراً بخلاف الجوارب المذكور على ان قول شرح المنية و ان كان رقيقاً فمع التجليد اوالتنعيل الخ صريح فى الجواز على الرقيق المنعل اوالمجلد اذا كان النعل اوا لجلد قوياً يمكن السفر به و يعلم منه الجواز فى مسئلة الخف الحنفى المذكورة بالاولى وقد علمت ان مذهب السمر قند يين انما يسلم ضعفه لو كانت اللفافة غير مخروزة والا فلا يحمل كلام السمر قنديين عليه و يكون حينئذ فى المسئلة قولان ولم نرومن مشائخ المذهب ترجيح احدهما على الاخر بلك وجد نا فروعاً تؤييد قول السمر قند يين كما عقلت و سنذ كرما يو يده ايضاً ثم رئيت رسالة اخرى لسيدى عبدالغنى ردفيها على رسالة الشارح و سماها الرد الوفى على جواب لحصفكى فى الخف الحنفى (الى ان قال الشامى ولكن لا يخفى

ان الورع فی الاحتیاط ولکن الکلام فی اصل الجواز و عدمه والله اعلم شامی ص ۲۴۲ ج ۱) وفیه بعد ذلك وفی حاشیه اخی جلبی علی صدر الشریعة ان التقیید بالثخین مخرج لغیر الثخین ولو مجلداً ولم یتعرض له احد قال والذی تلخص عندی انه لا یجوز المسح علیه اذ جلد اسفله فقط اومع مواضع الاصابع بحیث یکون محل الفرض الذی هو ظهر القدم خالیاً عن الجلد بالکلیة لان منشأ الاختلاف بینه و بین صاحبیه اکتفا ئهما بمجرد الثخانة وعدم اکتفائه بها بل لا عنده مع الثخانة من النعل والجلد اه وقد اطال فی ذلك اقول بل مأخوذ من کلام المصنف و کذا من قول الکنز وغیره (الی قوله) وقد منا عن شرح المنیة انه لا یشترط استیعاب المجلد جمیع ما یستر القدم اه – (شامی ص ۲۴۹ جلد ۱)

بدائع الصنائع۔

صاحب بدائع نے تفصیل کے موقع پر تو رقیق منعل کا کوئی حکم بصراحت بیان نہیں فرمایا لیکن جواز مسح کی شرائط میں لکھا ہے۔

واما الذی یرجع الی الممسوح فمنها ان یکون خفا یستر الکعبین لان الشرع و رد با لمسح علی الخفین اما یستر الکعبین ینطلق علیه اسم الخف و کذا ما یستر الکعبین من الجلد مما سوی الخف کا لمکعب الکبیر والمیثم لانه فی معنی الخف اه (بدائع ص ۱۰ جلد ۱)

اس عبارت کے جملے و کذا ما یستر الکعبین من الجلد میں من الجلد کی قید اور سیاق عبارت سے یہی مستفاد ہے کہ جواز مسح کی شرط یہ ہے کہ پورے قدم پر کعبین تک کوئی ایسی چیز ساتر ہو جو یا چمڑا ہو یا چمڑے کے حکم میں ہو اور اس کی تائید صاحب بدائع کی ایک دوسری عبارت سے بھی ہوتی ہے جو بعد میں مذکور ہے ولو انکشفت الظهارة وفی داخله بطانة من جلد ولم یظهر القدم یجوز المسح علیه اه (بدائع ص ۱۱ ج ۱) جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر خف دوہرا ہو اور اوپر کا استر کھل جاوے اور صرف نیچے کا استر قدم کا ساتر باقی رہ جائے تو جواز مسح کو اس قید کے ساتھ مفید کیا ہے کہ نیچے کا استر بھی چمڑے کا ہو جس کا مفہوم یہی ہے کہ اگر نیچے کا استر چمڑا یا چمڑے کے حکم میں نہ ہو تو مسح جائز نہیں، ظاہر ہے کہ رقیق منعل میں چمڑے سے کھلا ہوا قدم کا باقی حصہ صرف رقیق کپڑے سے مستور ہے اس پر بدائع کی تحریر کے موافق مسح جائز نہ ہوگا۔

خلاصۃ الفتاویٰ

صاحب خلاصہ نے جاروق مستور باللفافہ میں مشائخ سمرقند و بخارا کا اختلاف نقل فرمایا اور مشائخ بخاری کا قول یعنی عدم جواز مسح اختیار کیا جیسا کہ ان کی عبارت ذیل سے واضح ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ منعل مروجہ ہندوستان یا خف حنفی یا قلشین پر جواز مسح کا قول جو شامی نے اختیار کیا ہے یہ حسب تصریح

شامی اسی جاروق مستور باللفافہ کے حکم علی مذہب اہل سمر قند سے ماخوذ ہے جس سے واضح ہوا کہ صاحب خلاصہ جو اہل سمر قند کا قول اختیار نہیں کرتے وہ اس منعل مروجہ یا خف حنفی پر بھی مسح کی اجازت نہیں دیتے- ولفظه :-المسح علی الجاروق ان کان یستر القدم ولا یری من الکعب ولا من ظهر القدم الاقدر اصبع او اصبعین جاز المسح علیه وان لم یکن کذلك لکن یستر القدم بالجلد ان کان الجلد متصلاً بالجاروق بالخرز جاز المسح علیه وان شده بشئی فلا ولو ستره باللفافة جوزه- مشائخ سمر قند ولم یجوزه مشائخ بخاری اه (خلاصه ص ۲۸ ج ۱)

عبارت مذکورہ میں صاحب خلاصہ نے جاروق پر مسح کے لئے دو شرطیں لکھی ہیں ایک یہ کہ جو حصہ قدم کا جاروق سے مستور نہیں وہ چمڑے سے مستور ہو دوسرے یہ کہ وہ چمڑا بھی جاروق میں سلا ہوا ہو علیحدہ نہ ہو، جس سے معلوم ہوا کہ وہ مشائخ بخاری کے قول پر فتوی دیتے ہیں-

البحر الرائق

صاحب بحر کی تحقیق اس مسئلہ میں بعینہ وہی ہے جو صاحب خلاصہ کی ہے کہ جاروق مستور باللفافہ پر مسح کو جائز نہیں سمجھتے جیسا کہ علماء بخاری کا مذہب ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ منعل مروجہ ہندوستان اور خف حنفی پر بھی ان کے نزدیک مسح بدرجہ اولی جائز نہیں چنانچہ صاحب بحر نے خلاصہ کی بعینہ عبارت نقل فرمائی اور اسی پر تفریع کر کے بحوالہ معراج نقل فرمایا ہے کہ -

واما الخف الدورانی الذی یعتاده فقهاء زماننا فان کان مجلدا یستر جلده الکعب یجوز والا فلا کذافی المعراج اه (بحر ص ۱۹۲ ج ۱)

خف دورانی کی کوئی تشریح بحر یا حاشیہ بحر میں منقول نہیں لیکن خود عبارت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ایسی ہی جراب ہے جس کا کپڑا رقیق ہو اور پورے قدم پر چمڑا مستوعب نہ ہو جیسا کہ منعل مروجہ ہندوستان اور خف حنفی کی کیفیت ہے -الغرض صاحب بحر اور صاحب معراج کے نزدیک بھی رقیق منعل پر مسح جائز نہیں-

عالمگیری

عالمگیری میں بھی خلاصۃ الفتاوی کی عبارت مذکورہ متعلقہ جاروق نقل کر کے اس پر کوئی تنقید نہیں کی گئی جس سے ظاہر ہے کہ اسی کو اختیار کیا گیا اور صاحب خلاصہ و صاحب بحر وغیرہ کی طرح عالمگیری کے کلام کا نتیجہ بھی یہی ہوا کہ رقیق منعل پر مسح جائز نہیں (عالمگیری طبع مصر ص ۳۰ ج ۱)

طحطاوی

طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں صراحۃً اہل سمر قند کے قول کو ضعیف اور اہل بخاری کے قول کو

معتمد علیہ قرار دیا ہے۔

ولفظه تحت قول الدر (وجوز مشائخ سمر قند لستره باللفافه) هذا ضعيف والمعتمد ماعليه اهل بخارى من انه لا يجوز الا اذ خيط بثخين بحيث لا يشف الماء كجوخ ونحوه حلبى اه (طحطاوى ص ۱۳۷ ج)

نیز طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں اس کی بھی تصریح کردی ہے کہ یہ حکم صرف جاروق کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ ہر موزہ جس کا چمڑا کعبین تک نہ پہنچے اس میں یہ شرط ہے کہ بقیہ قدم پر ثخین کپڑا ہو رقیق کافی نہیں یہ عبارت مراقی الفلاح کی عبارت کے تحت میں آتی ہے۔

مراقی الفلاح

مراقی الفلاح میں بشرائط مسح کے ذیل میں فرمایا ہے۔

الثانى ستر هما للكعبين من الجوانب فلا يضر نظر الكعبين من اعلى خف قصير الساق والذى لا يغطى الكعبين اذا خيط به ثخين كجوخ يصح المسح عليه اه – قال الطحطاوى تحة قوله (والذى لا يغطى الكعبين) وذلك كالزربول وهو فى عرف اهل الشام ما يسمى مركوباً فى عرف اهل مصر كمافىٰ تحفة الاخيار اه و طحطاوى على المراقى ص ۷۰–

صاحبِ مراقی الفلاح اور طحطاوی کا مذکور الصدر کلام ہندوستان کی مروجہ رقیق منعل جرابوں پر عدم جواز مسح کے لئے نص ہے۔

خلاصہ کلام

عبارت مذکورہ سے بخوبی واضح ہو گیا کہ رقیق منعل کے متعلق متقدمین حنفیہ کے کلمات یا ساکت ہیں یا عدم جواز کے قائل اور متاخرین حنفیہ بھی اس پر تو متفق ہیں کہ معمولی سوتی جرابوں کو منعل کر لیا جائے تو وہ مسح کے لئے کافی نہیں صرف وہ اونی جرابیں متاخرین میں زیر بحث واختلاف ہیں جو دبیز و مضبوط ہوں مگر ثخین کی حد میں داخل نہ ہوں جب ان کو منعل کر لیا جائے یعنی تلے پر یا تلے اور پنجے اور ایڑی پر چمڑا لگا لیا جاوے باقی قدم پر چمڑا نہ ہو اس پر مسح کو بعض حضرات جائز فرماتے ہیں بعض ناجائز۔

اور عبارات مرقومہ میں یہ بھی واضح ہو گیا کہ زیادہ تر مشائخ متاخرین اس پر بھی عدم جواز ہی کے قائل ہیں جواز کی تصریح صرف شارح منیہ اور علامہ شامی اور شیخ عبدالغنی نابلسی سے منقول ہے اور وہ بھی اس کو خلاف تقویٰ قرار دیتے ہیں، ان کے مقابلہ میں صاحب درمختار نے مستقل رسالہ عدم جواز پر لکھا ہے اور خود شامی نے اس قول کی تائید متعدد مشائخ سے نقل کی ہے اور اخی چلپی کی تصریح عدم جواز پر ذکر فرمائی، ان کے علاوہ صاحب بدائع، صاحب خلاصہ، صاحب بحر، عالمگیری، طحطاوی، مراقی الفلاح سب عدم جواز پر متفق ہیں۔

اس اختلاف کے ساتھ جب اصول پر نظر کی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اصل فریضہ پاؤں کا دھونا ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے- خفین پہننے کی صورت میں احادیث متواترہ سے ثابت ہو گیا کہ مسح بھی کافی ہے اب اس حکم کو خفین سے متجاوز کر کے جرابوں میں جاری کرنا بھی اس شرط کے ساتھ ہونا چاہیے کہ ان جرابوں کا بحکم خفین ہونا اور تمام شرائط خفین کا ان میں متحقق ہونا یقینی طور پر ثابت ہو جائے اور جس جراب میں شک رہے کہ وہ بحکم خفین ہے یا نہیں اور شرائط خفین اس میں متحقق ہیں یا نہیں اس پر مسح کی اجازت نہ دی جائے بقاعدہ **اليقين لا يزول بالشك**-

اور اسی احتیاط کی بناء پر حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے ثخین جرابوں پر بھی جواز مسح کے لئے پورا مجلد ہونا شرط قرار دیا ہے منعل کو بھی کافی نہیں سمجھا اور امام اعظمؒ کے اصل مذہب میں روایت حسن بھی یہی ہے کہ ثخین کو جب تک پورا مجلد کعبین تک نہ کیا جاوے اس وقت تک مسح جائز نہیں البتہ ظاہر الروایہ میں ثخین منعل کو کافی قرار دیا گیا ہے (کماذکرہ فی الخانیہ)

جصاص نے احکام القرآن میں اسی اصول پر کلام کا مدار رکھا ہے- **واختلف في المسح على الجوربين فلم يجزه ابوحنيفة والشافعي الا ان يكونا مجلدين وحكى الطحاوي عن مالك انه لا يمسح وان كانا مجلدين وحكى بعض اصحاب مالك عنه انه لا يمسح الا ان يكونا مجلدين كالخفين وقال الثوري و ابو يوسف و محمد و الحسن بن صالح يمسح اذا كانا ثخينين وان لم يكونا مجلدين -والا صل فيه انه قد ثبت ان مراد الاية الغسل على ما قدمنا فلو لم ترد الآثار المتواترة عن النبي ﷺ في المسح على الخفين لما اجزنا المسح فلما وردت الآثار الصحاح واحتجنا الى استعمالها مع الاية استعملنا ها معها على موافقة الاية في احتمالها المسح وتركنا الباقي على مقتضى الاية ولما لم ترد الآثار في المسح على الجوربين في وزن ورودها في المسح على المسح على الخفين ابقينا حكم الغسل على مراد الاية ولم ننقله عنه اه**-

نتیجۂ کلام

الغرض اگر دبیز اونی جرابوں کو منعل کر لیا جاوے یعنی صرف تلے پر یا پنجے اور ایڑی پر بھی چمڑا چڑھا لیا جاوے تو اس پر مسح کرنا شامی اور شارح منیہ جائز مگر خلاف تقویٰ قرار دیتے ہیں اور دوسرے عامہ مشائخ ناجائز فرماتے ہیں-

اور ایسے اکابر علماء و مشائخ کے اختلاف میں کسی جانب کو ترجیح دینا گو ہم جیسوں کا کام نہیں لیکن بضرورت دینیہ اس سے چارہ بھی نہیں کیونکہ اس پر تمام امت کا اتفاق واجماع ہے کہ ائمہ کی مختلف روایات یا فقہاء کے مختلف اقوال اگر کسی مسئلہ میں سامنے آئیں تو عمل کرنے والے اور فتویٰ دینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ بلا تحقیق اور اپنی قدرت و وسعت اور علم و فہم کے موافق وجوہ ترجیح پر نظر کئے بغیر کسی ایک روایت یا ایک قول کو اختیار کرے کیونکہ اگر ایسا کرے گا تو یہ شریعت کا اتباع نہ ہو گا بلکہ اتباع ہوای ہو گا- کما

صرح به الشامی فی عقود رسم المفتی وقد اطال الکلام فیه حیث قال . وقد نقلو الاجماع علی ذلك ففي الفتاوی الکبری للمحقق ابن حجر المکی قال فی زوائد الروضة انه لا یجوز للمفتی و العامل ان یفتی او یعمل بما شاء من القولین اوالو جهیں من غیر نظر وهذا لاخلاف فیه و سبقه الی حکایة الاجماع فیها ابن الصلاح والباجی من المالکیة فی المفتی اه (رسائل ابن عابدین ص ۱۰ ج ۱)

اب وجوہ ترجیح میں اگر طبقات فقہاء کے اعتبار سے غور کیا جائے تو ناجائز کہنے والے حضرات طبقہ اور درجہ میں قائلین جواز سے اقدم وارفع ہیں جیسے صاحب بدائع و صاحب خلاصہ وغیرہ اور دلیل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دلیل بھی انہیں حضرات کی راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ حسب تصریح جصاص و محقق ابن ہمام جرابوں پر مسح کرکے جواز کا مدار اس پر ہے کہ یہ جرابیں یقینی طور پر خف کے ساتھ ملحق اور بحکم خف ہوں اور جس میں شبہ رہے وہ بحکم خفین نہیں ہو سکتی اور فریضہ اصلی جو پاؤں کا دھونا ہے مشتبہ چیز کے لئے نہیں چھوڑا جا سکتا اس لئے خیال احقر کا یہ ہے کہ اس قسم کی جرابوں پر بھی مسح کی اجازت نہ دی جائے- واللّٰه تعالی المسئول للتسدید وهو من فضله وکرمه غیربعید واخردعوانا ان الحمدلله رب العالمین-

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالافتاء بدارالعلوم دیوبند- فی خمسۃ ایام من محرم الحرام ۱۳۶۱ھ

تتمہ (فائدہ اول)

مجلد اور منعل جن کی تعریف اور احکام اوپر مفصل مذکور ہوئے ان کے علاوہ ایک قسم اور بھی کتب فقہ میں ذکر کی جاتی ہیں یعنی مبطن فی عبارۃ شرح المنیہ نمبر ۴ لیکن چونکہ اس کا رواج زیادہ نہیں اس لئے اس کے احکام کو تفصیلاً ذکر نہیں کیا گیا-

تعریف مبطن کی یہ ہے کہ کپڑے کی جراب کے اندر کی جانب چمڑا لگایا جاوے تو گویا یہ قسم مجلد کا عکس ہے کہ مجلد میں کپڑا اندر اور چمڑا اوپر ہوتا ہے اور اس میں چمڑا اندر اور کپڑا اوپر ہوگا اس کے احکام کی تفصیل کپڑے کے باریک اور موٹے ہونے کے بارے میں کتب متداولہ میں ملی بھی نہیں اور کچھ زیادہ حاجت بھی نہیں اس لئے ترک کی گئی-

فائدہ دوم

اگر کپڑے کی جرابیں (خواہ موٹے کپڑے کی ہوں یا باریک کی) پہن کر ان کے اوپر چمڑے کے موزے پہنے جاویں تو ان پر مسح جائز ہے- فتوی محققین کا اسی پر ہے گو بعض علماء روم نے متبعاً فتاوی الشاذی عدم جواز کا فتوی دیا ہے وذلك لمافی البحر الرائق وقد وقع فی عصرنا بین فقهاء الروم بالروم کلام کثیر فی هذه المسئلة فمنهم من تمسك بما فی فتاوی الشاذی وافتی بمنع المسح علی الخف الذی تحته الکرباس ورد علی ابن الملك فی عزوه للکافی اذا الظاهران المراد به کافی النسفی

ولم یوجد فیه ومنهم من افتی بالجواز وهو الحق لما قدمنا ہ عن غایة البیان انتهی– قلت وایده العلامة الشامی فی حاشیة البحر بقول شرح المنیه یعلم منه جواز المسح علی خف لیس فوق مخیط من کرباس اوجوخ و نحو هما مما لا یجوز علیه المسح (بحر ص ۱۹۰، ۱۹۱ ج ۱) وهذا اخر ما اراد العبد الضعیف ایراده فی هذه العجالة والله المستعان فی کل حاجة وحالة– والله تعالٰی المسئول ان یجعل اخراه خیر امن اولاه ولا یجعله ممن استوی یوماه–

۲صفر ۱۳۶۱ھ

احکام المسح

چونکہ رسالہ ہذامیں یہ تفصیل مکمل آگئی ہے کہ کس قسم کی جرابوں پر مسح جائز ہے اور کس پر نہیں مناسب معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ مسح علی الخفین کے ضروری احکام بھی لکھ دیئے جائیں تاکہ عمل کرنے والوں کے لئے یہی رسالہ کافی ہو جائے-

مسئلہ - مسح علی الخفین جائز ہے انکار کرنا اس کا فسق ہے لیکن موزے نکال کر پاؤں دھونا افضل البتہ اگر کسی ایسے مجمع میں ہو جہاں علی الخفین کو جائز ہی نہ سمجھتے ہوں تو وہاں مسح کرنا افضل ہے (در مختار، شامی ص ۲۴۳ ج ۱)

مسئلہ -اگر وضوء کے لئے پانی کم ہو کہ موزہ نکال کر پاؤں دھونے میں اتنی دیر لگ جائے گی کہ نماز کا وقت نکل جائے تو موزہ پر مسح کرنا واجب ہو جائے گا (شامی)

مسئلہ - موزہ پر مسح کے لئے شرط یہ ہے کہ موزہ پہننے والے کو وضو ٹوٹنے سے پہلے طہارت کاملہ حاصل ہو تو جس شخص نے بلاوضو کے موزے پہن لئے اس کو مسح کرنا موزہ پر جائز نہیں (ہدایہ)

مسح کا طریقہ

موزوں کے مسح میں فرض ہاتھ کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار ہے اور سنت یہ ہے کہ پورے ہاتھ کی انگلیوں سے اس طرح مسح کیا جاوے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیاں داہنے پاؤں اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں پاؤں پر رکھے پھر ان کو پنڈلی کی طرف ٹخنوں سے اوپر تک کھینچ دے-

(شامی بحوالہ قاضی خان ص ۲۴۶ ج ۱)

مسئلہ - یہ مسح موزے کے اوپر کے حصہ پر ہونا چاہئیے تلے پر مسح کرنا سنت نہیں (شامی)

مسئلہ -اگر موزہ کسی جگہ سے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹا ہوا ہو جس سے چلنے کے وقت پاؤں ظاہر ہو تا ہو تو مسح اس پر جائز نہیں (شامی)

اور اگر ایک ہی موزہ میں مختلف جگہ خرق (پھٹن) ہو جو علیحدہ علیحدہ تو تین انگلیوں کی مقدار نہیں مگر سب کو ملادیا جاوے تو تین انگلیوں کی برابر ہو جائے اس صورت میں بھی مسح جائز نہیں اور اگر دونوں موزوں میں مختلف جگہ خروق ہیں، لیکن ہر ایک موزہ کی مجموعی خروق تین انگلیوں کے برابر نہیں تو مسح کرنا جائز ہے (شامی در مختار وغیرہ)

مسئلہ - اگر موزہ میں کوئی طولانی خرق ایسا ہے کہ چلنے کے وقت پاؤں کھلتا نہیں اگرچہ دیکھنے سے اندر کا پاؤں نظر نہیں آتا ہو تووہ مسح کے لئے مانع نہیں بلکہ مسح جائز ہے کیونکہ مانع مسح پاؤں کا نظر آنا نہیں ہے بلکہ کھل جانا مانع ہے -(در مختار، شامی)

مدت مسح - مدت مسح مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین رات یعنی مقیم نے جب وضو کرکے موزہ پہن لیا تو ایک دن ایک رات تک وضو ٹوٹ جانے کے باوجود اس کو موزہ نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ موزہ پر مسح کرکے نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح مسافر تین دن تین رات تک اور جب یہ مدت گزر جائے تو مسح کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ پاؤں دھونا ضروری ہوگا -

مسئلہ - اگر کسی شخص کی مدت مسح ختم ہوگئی لیکن وضو اس کا باقی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ موزہ نکال کر صرف پاؤں دھولے یا پورا وضو کرلے لیکن پورا وضو دوبارہ کرلینا اولی ہے -(شامی عن المنتقیٰ ص ۲۵۵ ج ۱)

نواقض مسح - جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے نیز مسح خفین امور ذیل سے بھی ٹوٹ جاتا ہے -

(۱) کسی موزہ کو نکال لینا پس اگر اکثر حصہ کسی قدم کا موزہ سے باہر آگیا یا تین انگلیوں سے زائد موزہ میں خرق پیدا ہوگیا تو مسح ٹوٹ جائیگا اب واجب ہے کہ دونوں موزوں کو نکال کر پاؤں دھوئے -

(۲) گزرنا مدت مسح کا - اس صورت میں بھی نکال کر پاؤں دھونا واجب ہے -(شامی)

مسئلہ - اگر کوئی شخص ایسے برفستان میں ہے کہ وہاں اگر موزے نکالے جاویں تو سردی کی وجہ سے پاؤں بالکل بیکار ہوجانے کا قوی اندیشہ بغالب ظن ہوجائے تو ایسے وقت باوجود مدت ختم ہونے کے برابر اس پر مسح کرتے رہنا جائز ہے - کیونکہ اس صورت میں یہ موزہ بحکم جبیرہ ہوجاتا ہے (کذافی الدر المختار واقرہ الشامی ص ۲۵۵ ج ۱)

مسئلہ - مقیم اگر اپنی مدت ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے مسافر ہوگیا تو اب مدت سفر تین دن تین رات تک اس کو مسح کرنے کا اختیار حاصل ہوگیا اور اگر مسافر بعد ختم ہونے ایک دن ایک رات کے مقیم ہوگیا تو اب وہ بدون پاؤں دھوئے ہوئے نماز نہیں پڑھ سکتا - مسح اس کے لئے جائز نہیں رہا (در مختار)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
کتبہ الاحقر محمد شفیع عفاء اللہ عنہ
مفتی دارالعلوم دیوبند -
۲/ صفر ۶۱ ہجری

میں نے مسح علی الجوربین کی بحث پڑھی حق تعالیٰ مفتی صاحب کے اعمال اور علوم میں برکت دے نہایت تحقیق و تفتیش سے جواب لکھا ہے بہر حال میرے نزدیک مفتی صاحب کی تحقیق صحیح ہے - واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب فی کل باب - شبیر احمد عثمانی دیوبندی ۸ صفر ۶۱ ھ

فصل فی النجاسات و احکام التطهیر

(ناپاک چیزوں کابیان اورپاک کرنے کا طریقہ)

کتے کی کھال کا حکم

(سوال ۱۶۲) کیا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ انسان و خنزیر کی جلد کے سوائے جملہ جلدیں بعد از دباغت طاہر ہو جاتی ہیں اگر جواب اثبات ہے تو کیا اگر کتے کی کھال کو دباغت دیدی جائے تو طاہر ہو گی اور نماز درست ہو گی یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے جملہ فقہاء نے کتے کو مستثنٰی نہیں فرمایا؟ بینوا توجروا

(الجواب) عامہ متون میں یہی مذکور ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال کے سواسب جانوروں کی کھالیں دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہیں اس کے عموم سے یہی مفاد ہوتا ہے کہ کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے لیکن حضرت حسن کی روایت یہ ہے کہ کتے کی کھال بھی مثل خنزیر کے دباغت سے پاک نہیں ہوتی اور اصل اس کی یہ ہے کہ کتے کے بارے میں ائمہ اجتہاد کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور حنفیہ میں سے صاحبین اس کو خنزیر کی طرح نجس العین فرماتے ہیں اور امام اعظمؒ سے ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نجس العین نہیں اور روایت حسن میں ان سے بھی دوسرے ائمہ کے ساتھ موافقت منقول ہے اسی لئے مشائخ حنفیہ کے فتاوی اور اختیارات اس بارے میں مختلف ہیں۔ عامہ متون و شروح نے ظاہر روایت کو اختیار کیا ہے اور قاضی خان نے نجس العین ہونے کو ترجیح دی ہے اور اسی کو مبسوط شیخ الاسلام اور صاحب قنیہ نے اور ابن وہبان نے اپنے منظومہ میں اختیار کیا ہے۔

قال فی البحر و ید خل ایضاً فی عموم قوله کل اهاب د بغ الخ جلد الکلب فیطهر بالدباغ بناءً علیٰ انه لیس نجس العین وقد اختلف روایات المبسوط فیه الخ (ثم قال) وفی مبسوط شیخ الاسلام اما جلد الکلب فمن اصحابنا فیه روایتان فی روایة یطهر بالدبغ وفی روایة لا یطهر وهو الظاهر من المذهب (ثم قال) واختار قاضی خان فی الفتاوی نجاسة عینه و فرع علیها فروعاً (بحر الرائق ص ۱۰۷ ج ۱) بناء علیہ احوط وہی ہے جس کو قاضی خان وغیرہ نے اختیار کیا ہے یعنی نجاستہ اور اوسع وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے یعنی طہارت، اور نماز کے معاملہ میں احتیاط پر عمل ضروری ہے (واللہ اعلم)

فصل فی الاستنجاء

(استنجا کابیان)

پانی سے استنجا کئے بغیر نماز پڑھنا

(سوال ۱۶۳) اگر کسی نے مٹی کے ڈلے سے استنجا خشک کرنے کے بعد بھول کر یا عجلت کی وجہ سے بغیر پانی سے دھوئے وضو کر کے نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟

(الجواب) اگر نجاست نے مخرج سے تجاوز نہیں کیا تو نماز صحیح مگر مکروہ تنزیہی ہو گی اور اگر مخرج سے تجاوز

کر گئی ہو تو قول مفتی بہ کے موافق بغیر دھوئے مطلقاً نماز نہ ہو گی- فی الدر المختار والغسل بالماء بعده ای الحجر الی قوله سنة مطلقاً به یفتی سراج و یجب ای یفرض غسله ان جاوز المخرج وفی الشامی اذ تجاوزت مخرجها یجب یعنی الاستنجاء بالماء عند محمد قل اوکثر وهو الاحوط – شامی ص ٢٤٦ ج ١ – ومثله صرح فی الهندیه وصرح الشامی بان ترك السنة مکروه ص ٢٤٦ ج ١ – شامی

پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنا

(سوال ١٦٤) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بوقت رفع حاجت ضروری منہ جانب بیت المقدس ہوئے یا منہ یا پشت بوقت حاجت ضروری جانب قبلہ ہووے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے ہر دوامور کی نسبت تحریر فرمایا جائے ؟

(الجواب) قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنا مکروہ تحریمی ہے در مختار میں ہے کما کره تحریماً استقبال قبلة واستد بارها لا جل بول او غایط الخ اور حدیث شریف میں ہے اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلو القبلة ولا تستدبروها الحدیث – والله تعالیٰ اعلم

طہارت ونجاست کے متفرق مسائل

رنگے ہوئے کپڑے پاک ہیں نماز میں احتیاط بہتر ہے

(سوال ١٦٥) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچے اور پکے رنگ سے عورت کے لئے کپڑا رنگنا جائز ہے یا نہیں ؟ کیونکہ اس میں شراب پڑتی ہے-

(الجواب) کچا پکا رنگ عورت کے لئے جائز ہے فتویٰ اسی پر ہے اس میں وہم نہ کرنا چاہئیے لیکن نماز میں احتیاط کی جائے -واللہ تعالیٰ اعلم- مسعود احمد عفااللہ عنہ -الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہ

کتاب الصلوٰۃ

فصل فی مواقیت الصلوٰۃ

(اوقات نماز کابیان)

صبح وعصر کی نماز کے بعد سجدہ ونوافل

(سوال ۱۶۶) صبح کواور عصر کے فرضوں کے بعد یعنی قبل نکلنے سورج اور چھپنے سورج کے کسی نماز میں سجدہ کرنا یعنی قضا فرض جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) عصر کے بعد جب آفتاب میں زردی آجاوے اور طلوع آفتاب کے وقت آفتاب بلند ہونے سے پہلے اور زوال کے وقت مطلقاً نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا ناجائز ہے ہدایہ میں ہے لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عند قیامها فی الظهیرۃ ولا عند عزوبها. لحدیث عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه ثلثۃ اوقات نها نا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان نصلی وان نقبر فیها موتا نا عند طلوع الشمس حتیٰ ترفع وعند زوالها حق تزول وحین تضیف للغروب حتی تغرب اور بعد نماز صبح طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد عصر غروب سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ مگر قضاء وغیرہ پڑھ سکتے ہیں کذافی الهدایۃ۔

زوال کے وقت نماز جنازہ پڑھنا

(سوال ۱۶۷) نماز جنازہ ٹھیک بارہ بجے دن کے پڑھنا کیسا ہے دیگر کیا مذکور الصدر نماز میں کوئی زوال کا وقت قرار پایا جاتا ہے۔ رقم شدہ سوال کا جواب احادیث نبویہ سے ومعتبر فقہ کتب حنفی کے جوابات سے سر فراز فرمادیں؟

(الجواب) اگر جنازہ نصف النہار سے پہلے آیا ہو تو عین نصف النہار کے وقت نماز جنازہ درست نہیں۔ حدیث میں ہے نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الیٰ قوله وان نقبر فیها موتانا (کذا فی الهدایه) لیکن نصف النہار کا وقت موسموں میں اور مختلف شہروں میں ہمیشہ مختلف رہتا ہے جو جنتریوں سے معلوم ہو سکتا ہے بارہ بجے کی کوئی تخصیص نہیں واللہ سبحانه، وتعالیٰ اعلم.

نماز عصر ایک مثل پر پڑھی جائے یا دو مثل پر؟

(سوال ۱۶۸) نماز عصر کا وقت بقول صاحبینؒ وامام زفرؒ امام طحاویؒ وغیرھم وبقول ائمہ ثلاثہ بعد از مثل شروع ہو جاتا ہے اور صاحب کشف الاستاریوں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحبین کے قول کی طرف امام اعظمؒ کا رجوع ثابت ہے ونیز احادیث میں اول وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید شدید آئی ہے تو ایسی صورت میں نماز عصر قبل از دو مثل پڑھنا افضل ہے یا بعد از دو مثل براہ کرم اس کا جواب بحوالہ کتب عربیہ تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

(الجواب) قال فی رد المحتار قوله الیٰ بلوغ الظل مثلیه هکذا ظاهر الروایۃ عن الامام نهایۃ وهو الصحیح بدایع ومحیط وینا بیع وهو المختار غیا ثیۃ واختاره الامام المحبوبی وعول علیه النسفی

وصدر الشريعت ويصحح قاسم واختاره اصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوی وبقولهما فاخذ لا يدل على انه المذهب وما فی الفيض من انه يفتی بقولهما فی العصر والعشاء مسلم فی العشاء فقط علی ما فيه و تمامه فی البحر (ثم قال) وقد قال فی البحر لا يعدل عن قول الامام الی قولها اوقول احد هما الا لضرورة من ضعف دليل او تعامل بخلافه كا لمزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولها اه (شامی ص ۳۳۳ ج ۱)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ اگرچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک روایت وہ بھی ہے جو سوال میں درج ہے یعنی موافق قول صاحبینؒ کے لیکن ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے جس کو تمام متون اور شروح نے لیا ہے اور محققین حنفیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ اور مقتضی قواعد کا یہی ہے کہ وقت ظہر زوال سے شروع ہو کر دو مثل تک رہتا ہے دو مثل کے بعد عصر شروع ہوتا ہے رہا یہ امر کہ امام صاحبؒ نے صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع کیا ہے یہ کسی معتبر کتاب اور معتبر سند سے ثابت نہیں ہے اور صرف کشف الاستار کا لکھنا بمقابلہ تمام معتبرات کے معتبر نہیں ہے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)(اضافہ)

صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے

(سوال ۱۶۹) واضح باد کہ صبح صادق کے وقت میں علماء کرام کا اختلاف معلوم ہوتا ہے ہیئت کے قاعدے سے تو صبح صادق کا وقت ڈیڑھ گھنٹہ مقرر ہے۔ موسم گرما ہو خواہ موسم سرما دن رات لمبے ہوں یا چھوٹے۔ علامہ ابن حزم اور مولوی احمد رضا خان بریلوی کے قول سے معلوم ہوتا کہ صبح صادق کا وقت موسم گرما میں زیادہ سے زیادہ ہوتا ہے اور موسم سرما میں صبح صادق کا وقت کم سے کم ہوتا ہے اور مولانا اشرف علی التھانویؒ وغیرہ نے فقہائے کرام کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے رات کا ساتواں حصہ صبح صادق کا وقت مقرر کیا ہے تو اس حسابات فقہائے کرام سے جو ساتواں حصہ رات صبح صادق کا وقت مقرر کیا ہے موسم سرما میں صبح صادق کا وقت زیادہ سے زیادہ موسم گرما میں کم سے کم صبح صادق کا وقت ہوگا اور یہ قول علامہ ابن حزم اور بریلوی کے بر خلاف ہے اب یہاں ان علماء کرام کی عبارت نقل کرتا ہوں علامہ ابن جزم ظاہری کتاب المحلی جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ میں فرماتے ہیں وقت صلوٰة الصبح مساولوقت صلوٰة المغرب ابدا فی كل زمان ومكان ابداً ابداً . من طلوع الفجر الثانی الی طلوع الشمس كا لذی من آخر غروب الشمس الی غروب الشفق الذی هو الحمرة ابداً فی كل وقت ومكان وقت كل صلوٰة منهما ساعتين وقد يكون ساعة واحدة وربع ساعة من الساعات المختلفة لان الذی يتسع فی الصيف و يضيق فی الشتاء بكبر القوس وصغره.

مولوی احمد رضا خان بریلوی کتاب العطایا النبویہ فی فتاویٰ الرضویہ جلد ۴ ص ۴۲۶ میں فرماتے ہیں۔''تاریخ ۲۲ جون کو بریلی میں صبح صادق کا وقت زیادہ سے زیادہ صیفی ایک گھنٹہ انتالیس منٹ اور آخری دسمبر میں وقت صبح صادق کم سے کم شتوی ایک گھنٹہ بائیس منٹ ہوتا ہے۔

اور مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاوی جلد اول ص ۱۷۴ میں فرماتے ہیں (سوال) ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت سحری کھانا درست ہے۔ (الجواب) ہیئت کے قاعدے سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں) اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ بعض مواسم میں اس سے زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا منہ رحمہ اللہ اور بعض فقہا نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کر دیں چھ حصہ میں سحری کھا سکتے ہیں۔

اور مولوی محمد عثمان نے تفسیر تنویر الایمان میں جو سندھی زبان میں ہے پارہ ۲ ص ۴۰ میں لکھا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ در مختار میں ایک حساب صبح صادق کے وقت کے بابت لکھا ہے جو میرے تجربہ میں ہمیشہ برابر نکلتا ہے کہ جتنے گھنٹہ روایت ہو اس کا ساتواں حصہ صبح صادق ہوگا۔ انتہی مختصراً

(الجواب) سوال میں بحوالہ قاعدہ ہیئت ہر موسم اور ہر جگہ میں صبح کا وقت جو ڈیڑھ گھنٹہ بتلایا گیا ہے یہ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ صرف متوسط ایام میں صحیح ہے دن اور رات کے بڑھنے اور گھٹنے سے اس میں فرق آنا حسب قواعد ہیئت ضروری ہے کمی آواخر ضروری میں دس منٹ تک اور زیادتی ماہ جون میں سات منٹ تک ہوگی جس کسی نے ڈیڑھ گھنٹہ کہا ہے وہ محض تقریبی ہے تحقیقی نہیں۔ کتب ہیئت شرح چغمینی وغیرہ سے اس کی ہو سکتی ہے، اور از روئے قواعد حسب صبح صادق کے وقت صحیح اور محقق وہی ہے جس کو سوال میں بحوالہ محلی ابن حزم اور فتاویٰ رضویہ نقل کیا گیا ہے کہ وقت فجر گرما میں زیادہ سے زیادہ اور سرما میں کم سے کم ہوتا ہے۔ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے بھی اپنے آخری رسالہ میں جو اس موضوع پر لکھا گیا ہے اس کی تصریح فرمادی ہے۔ اور وہ رسالہ۔ الساعات للطاعات ہے اس میں حضرت موصوف کی تحریر یہ ہے صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم، بماہ فروری و مارچ و ستمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ بیس منٹ اور زیادہ سے زیادہ، بماہ جون و شروع جولائی ایک گھنٹہ سینتیس ۔ تک ہوتا ہے امداد الفتاویٰ جلد اول ص ۱۷۴ میں جو حضرت ممدوح نے مطلقارات کا ساتواں حصہ وقت فجر قرار دیا ہے یہ تحقیقی قول نہیں بلکہ عوام کی سہولت کے لئے تقریبی قول ہے جیسے بعض اہل ہیئت تقریبی طور پر ڈیڑھ گھنٹہ کہہ دیتے ہیں۔ اور غالباً اسی بناء پر کہ اس تقریبی قول میں غلطی کا احتمال ہے "الساعات للطاعات" میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے لئے ایک دوسرا تقریبی قول اختیار فرمایا ہے وہ حضرت کے الفاظ میں اس طرح ہے۔ اگر کسی کو طلوع صبح صادق و غروب شفق ابیض نقشہ سے یاد نہ رہے وہ ہر موسم میں طلوع شمس سے پونے دو گھنٹہ قبل سحری چھوڑ دے اور غروب شفق سے پونے دو گھنٹہ بعد عشاء کی اذان و نماز پڑھے کبھی غلطی نہ ہوگی۔

اس عبارت کے الفاظ سے خود بھی یہ امر واضح ہو گیا کہ اس قسم کے تعینات حسابی اور تحقیقی نہیں بلکہ تقریبی اور انتظامی ہیں۔ الحاصل قواعد ہیئت اور قول محلی و فتاویٰ رضویہ و فتاوی امدادیہ میں کوئی تعارض واختلاف نہیں سب اقوال متوافق و متناسب ہیں۔

(ـ) فتاویٰ رضویہ میں جو ایک گھنٹہ اڑتالیس منٹ بتلائے ہیں یہ دو منٹ کا تفاوت غالباً بریلی اور تھانہ بھون کے عرض بلد کے اختلاف پر مبنی ہے ۱۲ منہ۔

(تنبیہ) سوال میں جو عبارت محلی کی نقل کی گئی ہے وقت فجر کے بارہ میں ان کی یہ تحقیق تو صحیح کہ ہر موسم اور ہر جگہ میں وقت صبح وقت مغرب کے مساوی ہوتا ہے لیکن یہ مساوات اسی وقت درست ہو سکتی ہے جب کہ وقت مغرب میں امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار کر کے منتہاء وقت مغرب کے شفق ابیض کے غروب کو قرار دیں شفق احمر کے غروب تک کا وقت صبح کے وقت کے مساوی کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے محلی میں اس مقام پر شفق کی تفسیر حمرۃ سے کرنا بلاشبہ غلطی ہے خواہ یہ غلطی خود مصنف سے ہوئی ہو یا ناقل سے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)(اضافہ)

زوال سے پہلے خطبہ جمعہ

(سوال ۱۷۰)(۱) خطبہ جمعہ اگر اتفاقاً زوال سے پہلے ہو جائے۔ تو اداء شرط جمعہ کے لئے کافی ہے یا نہیں کہ اعادہ کی ضرورت ہوگی اگر ایسا کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) نماز جمعہ کی اذان اول اگر دائما اصرار کے ساتھ زوال سے قبل دی جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں اور مساجد میں قبل الزوال ہی اذان اول کا وقت ہمیشہ کے لئے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(۳) اذان اول قبل الزوال اگر اتفاقاً یا دائماً دے دی جاوے۔ اور اس کا اعادہ نہ کیا جاوے (لیکن اذان ثانی عند المنبر وقت کے اندر دی جاوے) تو کیا ترک سنت مؤکدہ کا گناہ ہوگا یا نہیں ؟

(۴) جمعہ کی دونوں اذانوں کا مرتبہ شریعت میں کیا ہے دونوں سنت مؤکدہ ہیں یا اول مؤکدہ اور ثانی غیر مؤکدہ یا علی العکس جواب باصواب بحوالہ کتب تحریر فرما کر اجر دارین حاصل فرمائیں۔

(الجواب)(۱) وقت ظہر خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے اور خطبہ جمعہ جواز جمعہ کے لئے اس لئے اگر خطبہ وقت ظہر یعنی زوال سے پہلے پہلے ختم ہو گیا تو نماز جمعہ ادا نہیں ہوگی کما صرح به فی الدر المختار وحواشیه رد المحتار من کون الخطبة فی الوقت شرطاً (۲،۳،۴) عامہ متون و شروح اور فتاویٰ میں دونوں اذان کو سنن کے ذیل میں ذکر کیا ہے مگر اس کی تصریح کہیں اس وقت نہیں ملی کہ دونوں اذانیں ایک درجہ کی ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔ بہر حال جس درجہ کی سنت ہو اس پر اتفاق ہے کہ وہ زوال کے بعد ہونا چاہئے۔ زوال سے پہلے جو اذان کہی جاوے وہ اذان نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے ویجب ترك البیع بالا ذان الاول الواقع بعدالزوال اور بحر الرائق میں اسی بحث میں مذکور ہے ومعلوم انه بعد الزوال اذا لا ذان قبله لیس باذان وهذا لقول الصحیح فی المذهب ا ه (بحر الرائق ص ۱۵٦ ج ۱) اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا۔ (واللہ اعلم)(اضافہ)

فصل فی الاذان والاقامۃ والتثویب
(اذان اقامت اور تثویب کا بیان)

تثویب کی عادت مکروہ ہے

(سوال ۱۷۱) مؤذن اذان پڑھ چکا اور کچھ نمازی مسجد میں ہیں اور کچھ مسجد سے باہر کھڑے ہیں اگر امام ان کو نماز کے لئے بلاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جو لوگ احاطہ مسجد سے باہر ہیں ان کے بلانے کے لئے اذان کافی ہے اور جو احاطہ مسجد کے اندر ہیں خواہ متفرق ہوں کوئی صحن میں کوئی اندر ان کے بلانے کے لئے اقامت کافی ہے۔ ان کے علاوہ علیحدہ بلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اذان و اقامت کی غرض تو بلانا ہی ہے۔ اس لئے پیش امام کے ذمہ نہیں کہ وہ لوگوں کو بلاتا پھرے۔ البتہ اگر بلالے تو گناہ بھی لازم نہیں آتا۔ جس کسی نے ایسا کہا غلط ہے لیکن اس کو بلانے کی عادت ڈالنے کو علماء نے مکروہ کہا ہے۔ وکرہ التثویب وھو اعلام بعد الاعلام.

بلا ضرورت بیٹھ کر اذان دینا

(سوال ۱۷۲) اگر لنگڑا بیٹھ کر اذان دے تو مکروہ ہے یا نہیں؟

(الجواب) بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا آدمی موجود نہیں اور یہ تنہا نماز اذان دے کر پڑھنا چاہتا ہے تو بیٹھ کر اذان دے سکتا ہے۔ کذافی شرح المنیۃ الکبیری حیث قال ویکرہ ان یوذن قاعداً الا اذا کان لنفسہ لان المقصود بہ مراعات السنۃ لا الاعلام کبیری ص ۳۲۷۔ اور اگر دوسرے آدمی موجود ہوں تو معذور کا بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہوگا۔

ترغیب نماز کی چند صورتیں

(سوال ۱۷۳) کیا قبل اذان مسلمانوں کو ان کے گھروں پر جا کر نماز کے لئے بلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) چند شخصوں کو ایک جگہ آواز ملا کر ایسے اشعار پڑھنا جس میں نماز کی ترغیب اور مسلمانوں کو مساجد میں چلنے کی تاکید ہو۔ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی شخص باوجود کوشش کے پھر بھی نماز پڑھنے سے انکار کردے تو ایسے شخص کا بائیکاٹ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے اور تعاون میں تحریص علی العبادۃ کی ایک نوع ہے تعاونوا علی البر والتقوی. الایۃ.

(۲) آواز ملا کر پڑھنا مناسب نہیں ویسے ہی پڑھیں تو مضائقہ نہیں۔ ترغیب جہاد و ترغیب صلوٰۃ وغیرہ کے لئے ایسا کرنا مستحسن ہے۔

(۳) تعزیراً اگر کچھ دنوں کے لئے مسلمان ایسا بھی کریں تو جائز ہے۔ لیکن اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو ہمیشہ کے لئے یہ صورت قائم نہ رکھیں۔ بلکہ جب اس کی ہدایت سے مایوسی ہو جائے تو پھر ایسے حقوق جو عام مسلمان کے لئے شرعاً عاید ہوتے ہیں۔ مثلاً سلام و کلام عیادت مریض اور نماز جنازہ وغیرہ، ان کو جاری کر دیں۔ البتہ خصوصی تعلق میل جول نکاح شادی کھانا کھلانا وغیرہ، اس میں اس وقت تک ہرگز نہ کریں جب تک توبہ نہ کریں البتہ درصورت تعزیر و قطع تعلقات مذکورہ بھی بیوی کے لئے اجازت نہیں ہے کہ وہ خاوند کی اطاعت جائز معاملات میں چھوڑے قال فی اتحاف الا بصار والبصائر فی ترتیب الا شباہ والنظائر ص ۱۰۹ مصری. ویکرہ معاشرۃ من لا یصلی ولو کانت زوجتہ. الا اذا کان الزوج لا یصلی لم یکرہ للمراء ۃ معا شرتہ کذا فی نفقات الظھیریہ.

احکام الا علام بالتکبیر والا علام

یعنی جھنڈوں اور نعروں کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے اٹھانے کی شرعی حیثیت

(سوال ۱۷٤) لوگوں کو نماز کے لئے۔ جمع کرنے کے واسطے جھنڈا گلی گلی لے کر گھومنا، نعرۂ تکبیر بالجہر المفرط کرتے رہنا لوگوں کے گلوں میں پرتلہ ڈالنا وغیرہ وغیرہ یہ امور کیسے ہیں اگر منع ہیں تو مخالفت کی تصریح ممانعت کے الفاظ تلاش کر کے لکھیں کہ علاوہ غزوات کے جھنڈا اٹھانا ثابت نہیں ہے اگر ثابت ہے تو اس کو مع حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں؟

(الجواب) اصل اس باب میں یہ ہے کہ اذان اور نماز کے درمیان لوگوں کو نماز کے لئے بلانا اور جمع کرنا (کسی متعارف ذریعہ سے) مشائخ اور ائمہ نے بضرورت جائز بلکہ (۱) مستحسن قرار دیا ہے جس کو اصطلاح میں تثویب کہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں روزافزوں غفلت اس کی مقتضی ہے کہ باربار تنبیہ کی جائے اور اس تنبیہ کے لئے مشائخ رحمہم اللہ نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ (۲) ہر زمانہ اور ہر جگہ کے عرف پر چھوڑا ہے کہ جو چیز لوگوں میں نماز کو بلانے کے لئے متعارف ہو جائے وہی ہر جگہ میں لائی جائے۔ اور یہ بعینہ ایسا ہے۔ جیسے رمضان المبارک میں ابتداء اور انتہائے سحر کے لئے ہر شہر و قصبہ میں اپنے عرف کے موافق مختلف صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔ کہیں گھنٹہ بجاتے ہیں کہیں نقارہ و طبل اور کہیں گولہ یا توپ چھوڑی جاتی ہے اور عموماً فقہا نے اس کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ شامی نے کتاب الحظر والاباحۃ میں ذکر کیا ہے اس لئے امور مذکورہ سوال میں جو چیزیں فی نفسہ جائز و مباح ہوں اور کسی جگہ وہ نماز کے بلانے کا ذریعہ متعارف بن جائیں تو ان کا استعمال جائز ہوگا۔ اور یہ طریقہ اگرچہ تثویب کے معروف طریقہ سے کچھ جداگانہ صورت ہے لیکن اشتراک مقصد سے اس کا حکم اختیار کر سکتا ہے۔ البتہ اس میں دو چیزوں کی رعایت زیادہ ضروری ہے ایک تو یہ کہ ان امور میں کوئی چیز ایسی داخل نہ ہو جو فی نفسہ ناجائز و مکروہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان میں غلو اور تعدی نہ کی جائے۔

(۳) مثلاً امور مندرجہ سوال میں بہت سے آدمیوں کا جمع ہونا غزل خوانی کرتے ہوئے بازاروں اور کوچوں میں پھرنا

مکروہ ہے اس کو ترک کرنا چاہئے۔
(۴) جھنڈا اٹھانا فی نفسہ جائز و مباح ہے اور کسی نص میں اس کی ممانعت وارد نہیں لیکن ابتدائے اذان کے وقت جھنڈے کی تجویز بعض صحابہ نے حضرت ﷺ کی حضور میں پیش کی تھی حضور نے اس کو کچھ پسند نہ فرمایا سو اگرچہ وہ اذان کا معاملہ تھا اور یہ ایک درمیانی بے ضابطہ اعلان ہے۔ اور ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تاہم ذوقاً ترک بہتر معلوم ہوتا ہے۔
(۵) امر دوم یعنی غلو اور تعدی کی توضیح یہ ہے کہ اس میں کسی خاص وضع و اطوار کو تمام شہروں اور قصبوں کے لئے لازم و ضروری نہ قرار دیا جائے بلکہ ہر جگہ کے لوگوں کو اپنے اپنے طرز پر اپنی تجویز کے موافق آزاد چھوڑا جائے۔ نیز اگر کچھ لوگ بالکل بھی اس کو نہ کریں اور اس میں شریک نہ ہوں تو ان کو ہرگز برا بھلا نہ کہا جائے۔ ان پر کسی قسم کا طعنہ و تشنیع نہ کی جائے۔
(۶) اور جب اس قسم کا غلو ہونے لگے تو پھر اس کا ترک ضروری ہو جائے گا۔ والدليل على ما قلنا اما اولاً فلما في الدر المختار ويثوب بين الاذان والا قامة في الكل للكل بما تعارفوه وفي الشامية لظهور التواني في الا مور الدينية قال في العنا ية احدث المتا خرون التثويب بين الا ذان والا قامة على حسب ما تعارفوه في جميع الصلوٰت سوى المغرب اه شامي باب الا ذان ص (٢٦١ ج١) وقال في البحر و هو اختيار المتا خرين لزيادة غفلة الناس وقلما يقومون عند سماع الا ذان وعند المتقدمين هو مكروه في غير الفجر بحرباب الا ذان ص ٢٧٥ ج١ . واما ما قلنا ثانياً فلما في البحر ليس له لفظ يخصصه بل تثويب كل بلد على ما تعارفوه اما بالتنحنح او بقوله الصلوٰة الصلوٰة او قامت قامت لا نه للمبا لغة في الاعلام وانما يحصل بما تعارفو فعلى هذا اذا احدث الناس اعلاماً مخالفاً لما ذكر جاز كذا في المجتبى بحر ص ٢٧٥ ج ١ . وذكره الشامي بلفظه عن النهرو المجتبى شامي ص ٢٦١ ج ١ . واماما قلنا ثالثاً فلما شاع في عامة كتب الفقه والحديث من منع التغني للناس ولا سيما بالا جتماع والسعي في الشوار ع والرساتيق وهو اغنى من ان يذكر له نقل ولذا نكتفي فيه ببعض الكلمات قال في الفتاوىٰ الخيرية من كتاب الكراهة والا ستحسان ص ١٧٩ جلد ٢. ذكر محمد في السير الكبير عن انس بن مالكؓ انه دخل على اخيه البراء بن مالك وهو يتغنى بالحديث قوله وهو يتغنى بظاهره حجة لمن يقول لا باس للانسان ان يتغنى اذا كان يسمع ويؤنس نفسه وانما يكره اذا كان يسمع ويؤنس غيره انتهىٰ كلام الخيرية وبمثله قال الشامي من الحظروالا باحة وقال وبه اخذ السرخسي وذكر شيخ الا سلام ان كل ذلك مكروه عند علمائنا شامي ص ٢٤٢ جلد ٥. وايضاً قال في الخيرية لان التغني واستماع الغناء حرام اجمع عليه العلماء و بالغوافيه ومن ابا حه من المشائخ الصوفية فلمن تخلى عن الهوىٰ وتحلى بالتقوىٰ ثم قال والحاصل انه لا رخصة في باب السماع في زما ننا لا ن جنيداً رحمه الله تاب عن السماع في زماننا خيرية ص ١٧٩ ج ٢. واماما

قلنا رابعاً فلما فی السنن الکبیر للبیهقی من ابی عمیر بن انس عن عمومة له من الا نصار قال اهتم النبی صلی الله علیه وسلم للصلوٰة کیف یجمع الناس لها فقیل له انصب رایة عند حضور الصلوٰة فاذا راء وها آذن، بعضهم بعضاً فلم یعجبه ذلك سنن بیهقی ص ۳۹۰ دائرة المعارف) واما ما قلنا خامساً وسادساً فلما قال الطیبی فی شرح حدیث ا لا نصراف من الصلوٰة الی الیمین ما نصه فیه ان من اصر علی مندوب وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة فقد اصاب منه الشیطان فکیف من اصر علی بدعة او منکر من مجموعة الفتاوی لمو لا نا الشیخ عبدالحی الکهنوی ص ۲۹۵ جلد ۲ .

تنبیہ : یہ تمام افعال مذکورہ فی السوال چونکہ زیادہ تران کا مقصد بے نمازلوگوں کو نماز کی ترغیب دینااور نمازی بنانا ہے۔ نمازیوں کو جماعت کے وقت پر مطلع کر دینا بھی اس کے ضمن میں متحقق ہو سکتا ہے اس لئے یہ افعال ایک حیثیت سے تثویب ہیں اور ایک حیثیت سے تبلیغ۔ لہذا اس کو کلیۃ تثویب کا حکم بھی نہیں دیا جا سکتا مثلاً تثویب کے لئے تبصریح فقہاء موذن ہی ہونا شرط ہے۔ یہاں تک یہ شرط نہیں رواج تثویب کو بعض اکابر نے پسند نہیں کیا تو اس سے اس خاص طرز کا ناپسند ہونا لازم نہیں آتا لیکن بایں ہمہ مجموعی حیثیت سے ایک تماشہ کی صورت بنا دینا مکروہ معلوم ہوتا ہے اگر صرف اس پر اکتفاء کیا جائے کہ چند آدمی تکبیر یا اور کوئی کلمہ مناسب کہتے ہوئے نکل جائیں تو مضائقہ نہیں ڈھونگ بنانا مناسب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔

الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ

الجواب صحیح محمد رسول خاں عفاعنہ

الجواب صحیح۔ حقیق بالا تباع و العمل و لعل الحق لا یعدوه ولا بد لما یفعل للعبادة ان یفعل عبادة لا تلیهاً وتلعباً۔ محمد اعزاز علی غفرلہ۔

فصل فی آداب المسجد
(مسجد کے آداب)

فساد برپا کرنیوالے کو مسجد میں آنے سے روکا جا سکتا ہے

(سوال ۱۷۵) زید جو غیر جگہ کا رہنے والا ہے مسجد محلّہ احناف میں بہ نیت فساد آمین بالجہر کہے اور باوجود چندبار سمجھانے کے بازنہ آئے آیا ایسے شخص کو مسجد سے یا آمین بالجہر سے روکنا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) کوئی غیر مقلد اگر حنفیوں کی مسجد میں سے کوئی ایسی حرکت کرے جس سے فساد کا اندیشہ ہو خواہ وہ جہر آمین ہو یا کوئی دوسرا فعل۔ اس صورت میں اہل محلّہ حنیفیوں کو حق ہے کہ اس کو اپنی مسجد میں آنے سے روک دیں لما فی الا شباه والنظائر من احکام المسجد ویکره دخوله لمن اکل ذاریح کریهة ویمنع منه وکذا کل موذ فیه ولو بلسانه انتهیٰ ص ۳۳۲ ج ۲ مصری و مثله فی البحر من کتاب الوقف احکام المسجد.

مساجد میں غیر مقلد کو آمین بالجہر کی اجازت دی جائے یا نہیں؟

(سوال ۱۷۶) کسی مقام پر غیر مقلد ہمیشہ سے امام حنفی کی اقتداء کرتے ہیں اور آمین بالا خفاء کہتے رہے ہیں مگر اب وہ کسی مفسدہ کی بناء پر آمین بالجہر کہنے کے لئے آزادی کی درخواست کررہے ہیں عوام اس کو بن کر افرو ختگی ظاہر کرتے ہیں بلکہ اس صورت کے ظاہر ہونے پر بہت ممکن ہے کہ فساد ہو جائے ایسی حالت میں ان کو آمین بالجہر کی اجازت دیدی جائے یا نہیں؟

(الجواب) چونکہ ان کی نیت محض فساد و اختلاف ہے اس لئے اہل محلّہ تا بمقدور اس کی اجازت نہ دیں۔ البتہ اگر اجازت نہ دینے میں جھگڑے فساد کا اندیشہ قوی ہو تو اجازت دے دینا مناسب ہے فتنہ و فساد اور جھگڑے سے بچنا بہر حال مقدم ہے ۲۹ صفر ۱۳۵۰ھ

مسجد کی دیواروں پر آیت واشعار لکھنا

(سوال ۱۷۷) مسجد کے اندرونی حصہ میں سامنے قبلہ کی دیوار پر قرآن شریف کی ایسی آیتیں جس سے اہمیت اور فضیلت نماز کی ظاہر ہوتی ہو۔ نیز بسم اللہ وغیرہ لکھنا جائز ہے یا نہیں اگر لکھ دی ہوں تو کیا کیا جائے اور تاریخی اشعار کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) دیوار قبلہ پر اور برابر کی دیواروں پر آیات قرآنی وغیرہ لکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے مصلی کا خیال منتشر ہوتا ہے اور خشوع و خضوع میں فرق آتا ہے۔ اور نیز اس میں بے ادبی کا بھی خیال ہے ایسا نہ ہو کہ دیوار مسجد گر جاوے اور آیات قرآنی پامال اور بے حرمت ہوں اس لئے جو آیات لکھی گئی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان کو چھلوا دیا جاوے اور اشعار وغیرہ کا لکھنا بھی نہیں چاہئے اس کا بھی یہی حکم ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

مسجد میں جگہ روکنے کے لئے اپنا کپڑا وغیرہ رکھنا

(سوال ۱۷۸) اکثر مساجد میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ بے وضو لوگ اول صف میں اپنا رومال وغیرہ رکھ کر وضو کو باہر چلے جاتے ہیں یا باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جماعت کے وقت آجاتے ہیں اور بعض محتاط لوگ صف اول کے شوق میں اپنے گھر سے وضو کر کے آتے ہیں اور یہ رومال رکھنے والے ان سے معارض ہو جاتے ہیں آیا رومال رکھنے والوں کا حق ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) جو شخص پہلے آکر مسجد میں نہ بیٹھا ہو وہ اپنا کپڑا کسی جگہ مسجد میں قبضہ کرنے کی غرض سے رکھ دے یہ شرعاً جائز نہیں ہے اور اس سے اس کا حق بھی قائم نہیں ہو تا خواہ وہ وضو کے لئے جاوے یا اور کسی غرض سے جاوے۔ قال فی الدر المختار فی مکروھات الصلوٰۃ قبیل باب الوتروالنوافل و تخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منه الخ قال الشامی فی شرح هذه الجملة ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة : پس جو محض جگہ قبضانے کے لئے ایسے کرتے ہیں ان کو اس سے منع کرنا چاہئے۔ کتبہ مسعود احمد؟

جوتے پہن کر مسجد میں جانا مکروہ ہے

(سوال ۱۷۹) امام صاحب جب تک مصلے کے قریب نہ پہنچ جائیں وہ اپنے پیروں سے چپل نہیں اتارتے ان کے اس فعل میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر چپل پاک ہوں تو ایسا کرنا ناجائز تو نہیں لیکن ہمارے عرف و رواج میں جوتے پہن کر کسی جگہ میں داخل ہونا احترام کے خلاف ہے اس لئے اس کا بھی ترک اولیٰ ہے آیت قرآنیہ (فاخلع نعليك) سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مواضع ادب میں جوتا پہن کر جانا خلاف تعظیم ہے۔ قال فی العالمگیرية من كتاب الكراهة ص ١٨٦ ج ٤ دخول المسجد متنعلاً مكروه كذا في السراجيه.

مسجد میں دریاں اور شطرنجیاں بچھانا

(سوال ۱۸۰) ایک شخص مسجد میں دریاں شطرنجیاں بچھانے سے منع کرتا ہے اور روکتا ہے مسجد کی تمام شطرنجیاں اور دریاں بیکار رکھی ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

(الجواب) اصل میں تو بہتر یہی ہے کہ مسجد میں ایسے تکلفات سے پرہیز کیا جائے اور اسی لئے مسجد کے روپیہ آمدنی سے ایسے تکلفات کی چیزیں خریدنا جائز نہیں لیکن اگر مسجد میں پہلے سے دریاں اور شطرنجیاں موجود ہوں تو ان کا استعمال کرنا کوئی حرج نہیں بلکہ روکنے میں مال کا ضائع کرنا اور غرض واقف کے خلاف کرنا لازم آتا ہے اس لئے ایسی مسجد جس میں دریاں موجود ہیں بچھانے سے روکنا نہیں چاہئے؟

مسجد کے قریب مسجد سے اونچی تعمیر بنانا جائز ہے

(سوال ۱۸۱) مسجد کے پہلو میں مسجد سے اونچی تعمیر بنانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(الجواب) مسجد سے اونچی تعمیر مسجد کے پہلو میں بنانا جائز ہے جو بیت اللہ کے ارد گرد سینکڑوں مکانات بیت اللہ سے اونچے بنے ہوئے ہیں اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل فی شروط الصلوٰۃ وارکانها و واجباتها وسننها وآدابها
(نماز کے شرائط، ارکان، واجبات اور سنن وغیرہ)

اگر بھول کر تیسری رکعت پر بیٹھ جائے اور فوراً لقمہ دیا جائے تو تکبیر کہہ کر کھڑا ہو

(سوال ۱۸۲) کوئی امام بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھ گیا بعد میں مقتدی نے فوراً لقمہ دیا تو امام دوبارہ تکبیر کہہ کر کھڑا ہو یا بلا تکبیر کھڑا ہو جائے؟

(الجواب) کوئی صریح روایت فقہیہ اس میں نظر سے نہیں گزری لیکن حدیث میں ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکبر عند کل خفض ورفع.

اور شرح منیہ وغیرہ میں اس تکبیر کی یہ صورت لکھی ہے کہ حرکت انتقال کے ساتھ شروع ہو اور ختم حرکت پر ختم ہو حیث قال بان یکون ابتداء الکبیر عند ابتداء الخرور وانتھا ئہ عند انتھا ئہ کبیری ص ۳۱۲.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت انتقال سے پہلے تکبیر ختم کر چکا تو کھڑے ہونے کے وقت دوبارہ تکبیر کہنا چاہئے،

اشارہ بالسبابہ کی تحقیق

(سوال ۱۸۳) رفع سبابہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ اشارہ کی احادیث از قسم آحاد ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور شارح منیہ نے مانعین کے قول کو خلاف درایت وروایت ہونا لکھا ہے والمراد من العقد المذکور فی روایۃ مسلم العقد عند الاشارۃ الی ان قال واشارہ باصبعہ التی تلی الابھام الخ کبیری ص ۲۸۹.

اور ممانعت کرنے والا کا اس کو سجدہ شکر پر قیاس کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اور اشارہ کا ثبوت احادیث صحیح سے ہے جیسا کہ روایت کبیری میں مذکور ہے اور نیز کبیری میں ہے

وعن کثیر من المشائخ لا یشیر اصلاً وصححہ فی الخلاصۃ وھو خلاف الدرایۃ والروایۃ اما الدرایۃ فما تقدم فی الحدیث الصحیح ولا محل لہ الا الا شارۃ واما الروایۃ فعن محمد ان ماذکرہ فی کیفیۃ الاشارۃ وھو قولہ وقول ابی حنیفۃ ذکرہ فی النھایۃ وغیرھا قال نجم الدین الزاھدی لما اتفقت الروایات عن اصحابنا جمیعاً فی کونھا سنۃً وکذا عن الکوفین والمدنین و کثرت الا خبار والآ ثار کان العمل بھا اولیٰ الخ .ان عبارات سے آپ کے سب شبہات کا کافی جواب ہو گیا.

(واللہ تعالیٰ اعلم)

معذوری کی وجہ سے داھنے ہاتھ سے رفع سبابہ ممکن نہ ہو تو؟

(سوال ۱۸٤) اگر کسی شخص کا داھنا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا انگشت سبابہ کٹی ہو یا داھنا ہاتھ مفلوج ہو اور انگشت شہادت کا اٹھانا قابو میں نہ ہو تو تشہد میں اس کے بدلے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا سکتا ہے یا اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

(بینوا توجروا)

(الجواب) اس کے متعلق کوئی نقل نظر سے نہیں گزری کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کرے اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اشارہ کا استحباب ساقط ہے کیونکہ جو فعل اس کا سنت سے منقول ہے وہ موجود نہیں اور کسی دوسرے عضو کو اس کا قائم مقام کرنا محض قیاس سے درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ الخ (اضافہ)

مسائل متعلقہ آمین

(سوال ۱۸۵) نماز میں بعد سورہ فاتحہ کے لفظ آمین کہنا سنت موکدہ ہے یا مستحب؟

(الجواب) سنت مؤکدہ ہے کما فی الدر المختار و سننها الیٰ قوله ثم هی علیٰ ماذکره ثلاثة وعشرون الی قوله والتحیة والتامین وکونهن سراً ۲۹ صفر ۱۳۵۰ھ

ایضاً

(سوال ۱۸۶) لفظ آمین کوئی اسم ہے یا دعاء؟

(الجواب) لفظ آمین دعا ہے معنی یہ ہیں۔ یااللہ میری دعا قبول فرما۔ کذافی کتب اللغۃ۔

ایضاً

(سوال ۱۸۷) آمین جہریہ میں بالجہر افضل ہے یا بالاخفاء؟

(الجواب) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک بالاخفاء ہونا اولیٰ وافضل ہے لقولہ تعالیٰ ادعوار بکم تضرعاً وخفیة. ولکون آمین دعاء کما مر۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۰ھ

ایضاً

(سوال ۱۸۸) غیر مقلد جب اقتداء امام حنفی کی کرے تو اس کو آمین بالاخفاء افضل ہے یا بالجہر؟

(الجواب) حنفیہ کے نزدیک تو مطلقاً اخفاء آمین سنت ہے خصوصاً جب امام حنفی کی اقتدا کرے تو آمین کو بالاخفاء کہنا اور بھی اہم ہو جاتا ہے کیونکہ جہراً کہنے میں عوام کو توحش ہوگا اور عجب نہیں کہ کہیں فتنہ اختلاف نہ کھڑا ہو جائے۔

رنگی ہوئی یا منقش جانماز پر نماز پڑھنا

(سوال ۱۸۹) مصلے پر اگر مسجد وغیرہ کی تصویر ہو تو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہر رنگ میں شراب ملی ہوئی ہوتی ہے؟

(الجواب) نماز جائز ہے اور اگر رنگ میں شرب ملے ہونے کا احتمال ہے تو اس کو پاک کرلے۔ اور پھر نماز اس پر پڑھے۔ البتہ مصور یا منقش مصلے پر نماز پڑھنا علاوہ احتمال نجاست کے خود بھی بہتر نہیں۔ کیونکہ قلب اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے مصلے کا سادہ ہونا بہتر ہے۔

نماز شروع کرنے سے پہلے انی وجہت وجھی الخ پڑھنا

(سوال ۱۹۰) گذارش یہ ہے کہ انی وجہت وجھی الخ نماز سے پیشتر مصلے پر کھڑے ہو کر پڑھنے کی کوئی روایت بھی ہے یا نہیں؟ چونکہ کلام پر اخلاص ہے اس لئے احقر کا دل اس مسئلہ میں مروجہ معمول کو باقی رکھنا چاہتا ہے اس لئے کوئی روایت ڈھونڈ تا ہوں چاہے روایت کیسی ہی ہو دوسرے یہ کہ بزرگوں نے عملاً اس کو اختیار فرمایایا رد کیا ہے؟

(الجواب) فی البحر الرائق۔ فلایاتی بد عاء التوجیه وهو وجهت وجهی لا قبل الشروع ولا بعده هو الصحیح المعتمد اه وحمل الروایات المرویه فی هذا الباب علی النوافل لان مبناها علی التوسع وما ورد فیه التصریح بالمکتوبة فحمله علی انه کان فی اول الا مر ثم ترکه لشهادات النصوص الا خریٰ اه.

عبارات مذکورہ سے صاحب بحر کا فتویٰ تو یہی ثابت ہوا کہ فرائض میں قبل از صلوٰۃ بھی دعاء توجہ کا ترک اولیٰ ہے نوافل میں گنجائش ہے۔ (واللہ اعلم)

فصل فی الا مامة والجماعة وتسوية الصفوف
(امامت، جماعت اور صفیں درست کرنے کے احکام)

غیر مقلدین کی امامت کے متعلق ایک مفصل فتویٰ

(سوال ۱۹۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد کے عقائد عملیات یہ ہیں کہ تقلید کو شرک بتاتے ہیں اور حنفیہ مذہب والے کو کافر و مشرک اور بدعتی کہتے ہیں اور اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لئے کہتے ہیں تو یہ الفاظ کہ مسلمان ہو جاؤ اگر کوئی حنفیہ مذہب کا ان پڑھ اس مذہب میں ہو بھی جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو مسلمان کیا ہے۔ چنانچہ یہاں پر کئی موقع گزر چکے ہیں ہم حلفیہ تحریر کرتے ہیں۔ اس میں بالکل جھوٹ نہیں ہے غیر مقلدین جو نماز پڑھتے ہیں وہ اس طریقہ سے ہاتھ سینے پر باندھتے ہیں اور رفع یدین کرتے ہیں پیروں کے اندر کا فیصلہ بہت ہوتا ہے۔ اور امام جب قراءت شروع کرتا ہے تو سورہ فاتحہ سے پیشتر بسم اللہ قرأت سے پڑھتا ہے۔ اور سورہ فاتحہ کے بعد جو سورت پڑھتا ہے تو اس کے شروع میں بسم اللہ قرات سے پڑھتا ہے اور پھر سورۃ ختم کرنے کے بعد بسم اللہ قرات سے پڑھتا ہے۔ سورہ اخلاص شروع کرتا ہے وہ سورہ اخلاص کو دعا مانتے ہیں بعض موقع ایسا ہوتا ہے کہ قرات میں الٹی ترتیب سے سورہ پڑھتے ہیں جیسے پہلی رکعت میں سورۃ فلق اور سورۃ اخلاص پڑھیں اور دوسری میں سورۃ ناس پڑھا اور پھر سورہ اخلاص پڑھا۔ اور آمین بہت زور سے پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ آواز مسجد سے دو چار قدم باہر پہنچتی ہے۔ ان سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا کہ تم اس طرح قرات کیوں پڑھتے ہو۔ اور آمین زور سے کیوں پڑھتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔ ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور رفع یدین کو کہتے ہیں کہ رسول مقبول ﷺ نے آخر عمر تک کیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ جو

شخص امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی ؟

(الجواب) ایسے غیر مقلدوں کے پیچھے نماز حنفیوں کی مکروہ تحریمی ہے بشرطیکہ امام سے کوئی فعل ایسا سرزد ہو جس سے حنفیوں کی نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً خون زخم کے سر سے بہہ کر نکل گیا اور اس نے وضو دوبارہ نہ کیا اور رعایت مواضع خلاف کی نہ کرے۔ اگر امام رعایت مواضع خلاف کی نہیں کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز حنفیوں کی جائز اور صحیح نہیں ہے۔ بہر حال آج کل کے غیر مقلدوں کو امام حنفیہ کا ہرگز نہ بنانا چاہئے کذافی الشامی باب الاما مة مطلب فی ا قتداء الشافعی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

آمین بالجہر کہنے والے کی امامت

(سوال ۱۹۲) جو لوگ آمین بالجہر کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

(الجواب) امین بالجہر کہنے والے جو ہمارے دیار میں عام طور پر غیر مقلد ہیں ان کے پیچھے بلا ضرورت نماز نہ پڑھنی چاہئے کیونکہ وہ وضو و طہارت میں قواعد کے پابند اور محتاط نہیں لیکن اگر اتفاقاً ان کی مسجد یا جماعت میں پہنچ جائے اور جماعت شروع ہو جائے تو شریک ہو جانا چاہئے نماز ہو جائے گی بشرطیکہ ان سے صراحۃً کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو ہمارے نزدیک مفسد نماز ہے کذا قال الشامی فی باب الا مامة.

نماز میں رونے والے امام کی امامت کا حکم

(سوال ۱۹۳) ایک شخص امام مسجد جب نماز میں آیات قرآنی پڑھتے ہیں تو نماز کے اندر ہی رونا چیخ کر شروع کر دیتے ہیں اور دریافت کرنے پر جواب دیتے ہیں کہ میں خوف خدا میں روتا ہوں۔ جس وقت جہنم کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے اس وقت مجھے رونا آجاتا ہے۔ ایسے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز جائز ہے یا نہیں۔ ایک مقتدی بھی جہنم کا بیان سمجھ کر نماز میں روتے رہتے ہیں ؟

(الجواب) اگر واقع میں یہ امام یا مقتدی دوزخ و جنت وغیرہ کے ذکر سے روتے ہیں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا البتہ فرض نماز میں امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے رونے میں ضبط کرے۔ اور پھر اگر گریہ طاری بے اختیار ہوئے تو کچھ مضائقہ نہیں فی الدر المختار فی مفسدات الصلوٰۃ والبکاء بصوت الی قوله لا لذکر جنة و نار نیز حدیث میں ہے کہ مرض وفات میں جب نبی کریم ﷺ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو امامت کے لئے حکم فرمایا تو حضرت صدیقہ عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہرات نے حضرت صدیقؓ کے متعلق یہی عذر کیا تھا کہ ان پر گریہ اکثر طاری ہو جاتا ہے وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ضرور گریہ طاری ہو جائے گا۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس عذر کو قبول نہ فرمایا اور انہیں کو امام بنایا۔

البتہ اگر کسی تکلیف و مصیبت یا اور کسی دنیوی غرض سے روتا ہے تو آواز و حروف نکلنے کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی یکم ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

نشہ پینے والے کو امام بنانا مکروہ ہے

(سوال ۱۹٤) جو امام گانجھا پیتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟

(الجواب) گانجھا جو مسکر ہے پینا ناجائز ہے اور پینے والا فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے جو گانجھا پیتا ہو۔ لیکن جو نمازیں پڑھی گئی ہیں ان کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

كما في الاشباه من ان كل صلوٰة اديت مع الكراهة تجب اعادتها في الوقت وبعده لا.

وقال في الهداية وغيرها في مكروهات الصلوٰة وخلف فاسق.

جھوٹ بولنے والے کے پیچھے نماز کا حکم

(سوال ۱۹۵) ایک شخص جھوٹ بولتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے اور کپڑے صاف نہیں رکھتا رنڈیوں میں جاکر سبق پڑھاتا ہے اور ساز مزامیر بجاتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) ایسا شخص فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ كما في الهداية وخلف فاسق

مفت یا مشاہرہ لے کر نماز پڑھانے والوں میں سے کس کے پیچھے نماز افضل ہے ؟

(سوال ۱۹٦) ایک شخص سند یافتہ تمام علوم کا ہے اور حافظ و قاری ہے ایک مسجد میں لوجہ اللہ نماز پڑھاتا ہے اور دوسرا شخص صرف حافظ و قاری ہے لیکن تیس روپیہ ماہوار اجرت پر نماز پڑھاتا ہے۔ ان دونوں میں سے کس کے پیچھے نماز افضل ہے ؟

(الجواب) پہلے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا بہ نسبت دوسرے کے افضل ہے اول اس لئے کہ وہ اعلم و اقرأ ہے دوسرے اس لئے بھی کہ اس میں مسجد کا نفع ہے کہ تنخواہ دینی نہیں پڑتی۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

نابینا کی امامت

(سوال ۱۹۷) کلہن حاجی عبداللہ کو ایک قطعہ اراضی فی سبیل اللہ ہبہ و بخشش کر کے دیتا ہے کہ حاجی عبداللہ اس زمین میں مدرسہ بنالیوے اور لڑکے لڑکیوں کو قرآن شریف کی تعلیم دیا کرے لیکن کسی کو زمین مرہونہ کے انتقال کا اختیار نہ ہوگا بموجب تحریر ہبہ نامہ حاجی عبداللہ نے مدرسہ تعمیر کر کے تعلیم قرآن مجید جاری کردی جو عرصہ تیئیس ۲۳ سال سے برابر پورے طور سے جاری ہے۔

اب حاجی عبداللہ کے ساتھ ایک شخص کا لین دین کے متعلق کچھ تکرار ہوگیا۔ اس پر چند اہل محلّہ نے متفق ہو کر حاجی عبداللہ کو سخت تشدد کر کے مدرسہ مذکور سے بے دخل کردیا۔ اور زبردستی کر کے حاجی عبداللہ اور اس کے لڑکے کے حافظ عبدالرحمن کی طرف سے اپنے حق میں خود بنا کر ان کے انگوٹھے و دستخط کرائے کہ ہم نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ اس مدرسہ کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے جس کا حاجی عبداللہ امام تھا حاجی مذکور کی طرف سے ایک

حافظ امامت کراتا تھا۔ چند اہل محلّہ نے ضد کی وجہ سے اس نابینا قران حافظ پر یہ حیلہ بنا کر کہ اندھے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی علیٰحدہ کر کے دوسرا امام مقرر کر لیا باقی چند اہل محلّہ اس فعل سے ناراض ہیں اور سابق امام سے ہمدردی کرتے ہیں کہ ہم اس کو بلاوجہ شرعی علیٰحدہ کرنا پسند نہیں کرتے ہم جماعت ثانی کر لیا کریں گے۔ مخالفین نے یہ بات بھی منظور نہیں کی اور کہا کہ اگر تم جدید امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تب تم علیٰحدہ علیٰحدہ نماز پڑھ لیا کرو۔ کیا یہ فعل اہل محلّہ کا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر واقعہ یہی ہے کہ تحریر کیا گیا ہے تو اہل محلّہ کا یہ فعل درست نہیں۔ نابینا کی امامت اس وقت مکروہ ہوتی ہے جب کہ وہ نجاسات سے بچنے پر قادر نہ ہو یا دوسرے موجود لوگوں سے باعتبار قراءۃ قرآن اور علم مسائل افضل نہ ہو اور اگر کوئی نابینا ایسا ہے کہ نجاست سے بچنے کا انتظام رکھتا ہے تو اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں بلکہ اگر دوسروں سے قرأت اچھی پڑھتا ہے یا مسائل زیادہ جانتا ہے۔ تو اس کی امامت اولیٰ ہے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں امام بنا کر بھیجا تھا۔ حالانکہ یہ بھی نابینا تھے۔ **قال الشامی قید کراھة امامة الا عمی فی المحیط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی شامی مصری ص ۳۷۶ جلد ۱** یہ تو اصل مسئلہ کا جواب ہے اور اگر بالفرض اس شخص کی امامت مکروہ بھی ہو تب بھی بہ نسبت علیٰحدہ نماز پڑھنے یا جماعت ثانیہ کرنے کے اسی شخص کے پیچھے پڑھنا افضل و بہتر ہے۔ **کما فی الدر المختار والشامی ص ۳۷۷ جلد ۱ صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة در مختار الخ ان الصلوٰۃ خلفه اولیٰ من الا نفراد لکن لا ینال کما ینال خلف تقی** ۔الغرض محلّہ والوں کا اس امام کو بلاوجہ شرعی علیٰحدہ کرنا درست نہیں لیکن اگر ایسا کر دیا گیا اور دوسرا امام بنا دیا گیا تو دوسرے لوگوں کو بھی فتنہ اختلاف پیدا نہ کرنا چاہئے۔

بے پردہ عورت کے شوہر کی امامت

(سوال ۱۹۸) جس شخص کی منکوحہ بے حجاب پھرے اور خاوند اس کو ہدایت نہ کرے اور نہ طلاق دے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے مع الکراہتہ اس لئے اگر کوئی اس سے اچھا دیندار آدمی امامت کے لئے مل جائے تو بہتر ہے ۲۴ صفر ۱۳۵۰ھ

ڈاڑھی منڈانے یا کٹوانے والے کی اقتداء کا حکم

(سوال ۱۹۹) ایک شخص اپنے آپ کو حافظ و قاری اور فاضل الہ آباد اور ڈاڑھی فرنچ قریب صفایا کراتا ہے اور روزانہ تاش کھیلتا ہے اور کھلاتا ہے۔ اور اعتراض کرنے پر تاش کھیلنے کو جائز و مباح بتاتا ہے۔ اور امامت کرتا ہے۔ حالانکہ اس شخص سے زیادہ پابند شریعت و صوم صلوٰۃ خوانده حضرات موجود ہیں۔ کیا ایسا حافظ و نام کا قاری جو پابند

شریعت عرا نہ ہو اور پورے طریق فرائض و سنن کے مسائل سے واقف نہ ہو۔ یا ہو اور دوسرے لوگ موجود ہوں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے شخص کو زبردستی امام مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) وہ شخص فاسق اور سخت گناہگار ہے اس کو امام بنانا ناجائز ہے کیونکہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور وہ واجب الاہانت ہے اور امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے اس لئے اس کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔ **شامی باب الامامۃ ج ۱ ص: ۳۷۶ میں ہے واما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لا یھتم لامر دینہ و بان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعاً الخ ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔**

فاسق کی امامت

(سوال ۲۰۰) ایک دو شخص یا چار شخص ہیں اور وہ آپس میں دونوں یا چاروں شخص فاسق بدکار عیاش ہیں اور نماز و روزہ کے بھی پابند ہیں اور عیاشی میں بھی مستعد ہیں چاروں کی بات ہر ایک ایک کو معلوم ہے اب اگر انہیں چاروں میں ایک شخص امام ہو جائے اور تینوں مقتدی ہو جائیں اور بعد کو ایک متقدی اور شامل جماعت ہو جائے۔ مگر وہ ناواقف ہے اس کو ان چاروں کے فعل کی کچھ خبر نہیں ہے اس نے بھی ان کے پیچھے نماز جماعت سے ادا کی تو اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) ان چاروں کی نماز اس طرح بلاشبہ درست ہے اور اگر یہ لوگ مسجد محلّہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں اور زیادہ اچھا اور ثابت ہوگا اور جس شخص نے بے خبری میں ان لوگوں میں سے کسی کے پیچھے نماز پڑھ لی اس کی نماز ہو گئی فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیوالیہ کی امامت

(سوال ۲۰۱) کیا دیوالیہ کی امامت درست ہے۔ اس کے متعلق مفتی ریاض الدین صاحب نے تحریر کیا ہے کہ دیوالیہ کی امامت درست نہیں ہے۔

(الجواب) جواب صحیح ہے۔ بشرطیکہ یہ شخص ادائے دیون پر قدرت رکھتا ہو اور محض حقوق مارنے کے لئے دیوالیہ بنا ہو تو امامت اس کی درست نہیں۔ اور اگر فی الواقع یہ مفلس ہے اور کوشش میں لگا ہوا ہے کہ کسی طرح دین ادا کرے تو پھر یہ شخص فاسق نہیں نماز اس کے پیچھے اس صورت میں درست ہے۔

حنفی کی نماز غیر حنفی کے پیچھے

(سوال ۲۰۲) مذہب اسلام کے چاروں اماموں میں سے کسی امام کے طریق کا شخص کیوں نہ ہو۔ تجوید کے خلاف قرات نہیں پڑھتا ہو کیا اس شخص کی امامت ہمارے حنفی المذہب میں درست ہے جب کہ ابو حنیفہؒ کے پیرو میں تجوید سے قرات پڑھنا کوئی نہ جانتا ہو۔ احادیث نبویہ و معتبر کتب حنفیہ سے اس مسئلہ کی سند درکار ہے؟

(الجواب) اگر کوئی حنفی امام ایسا نہ ملے کہ جو قرآن مجید کو صحیح پڑھ سکے تو مجبوراً۔ دوسرے مذہب کے امام کے پیچھے

نماز پڑھنا جائز ہے۔ لیکن ایسی صورت میں وقوع سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک بھی ایسا حنفی نہ ملے جو قرآن صحیح نہ پڑھ سکے ہاں شاید یہ مراد ہو کہ مصطلع تجوید کا جاری کرنے والا نہ ہو تو یہ شرط نہیں بلکہ اگر ایک حنفی غیر مجود ہو مگر قرآن صحیح پڑھتا ہو اور شافعی اور مالکی مجود ہو تو حنفی مذہب کو حنفی امام کے ہی پیچھے نماز پڑھنا چاہئے کذا عرف من امامة الدر المختار.

ایضاً

(سوال ۲۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک شخص غیر مقلد جو کہ حنفیوں کو نماز پڑھاتا ہو اس کے پیچھے نماز حنفیوں کو بلا کراہت جائز ہے یا نہیں اور وہ امام غیر مقلد بڑا متعصب ہے امام صاحب ابو حنیفہ کی توہین کرتا ہے۔ اور جب سے وہ امام ہوا ہے لوگوں میں اختلاف کر دیا ہے اور اگر کوئی فاتحہ خلف الامام نہ پڑھے تو کہتا ہے کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی برائے مہربانی جواب سے مطلع کریں تاکہ ہم لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنائیں اس ملک میں کوئی عالم بھی نہیں۔ جواب میں اگر دیر ہوئی تو لوگ غیر مقلد ہو جائیں گے۔ جواب مدلل ہو؟

(الجواب) غیر مقلد امام جس کا حال سوال میں درج ہے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ کو برا کہتا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے بشرطیکہ یہ معلوم یا مظنون ہو کہ وضو اور طہارت کے مسائل میں وہ احتیاط کرتا ہے۔ یعنی جن صورتوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان میں وہ احتیاطاً وضو کر لیتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو یعنی احتیاطاً وضو نہ کرتا ہو تو پھر نماز اس کے پیچھے بالکل جائز نہیں۔

قال فی الدر المختار وتکره خلف الا مرد (الی قوله) ومخالف کشافعی و الرکن فی وتر البحران تیقن المراعات والی قوله المراعات فی الفرائض من الشروط والارکان . (شامی لم یکره او عدمها لم یصح وان شك کره شامی ص ۵۲۰ باب الا مامة .)

امام اعظم ابو حنیفہؒ تقریباً آدھی دنیا کے امام متبوع ہیں اور کروڑوں مسلمان اور ہزاروں ہزار علماء و محدثین اور بڑے بڑے ائمہ حدیث ان کے شاگرد اور تابع و مقلدین ہیں ان کو برا کہنا اور توہین کرنا آدھی دنیائے اسلام کی توہین ہے۔ اور ان حضرات کی توہین وبدگوئی یقیناً فسق ہے۔ اور فاسق کے پیچھے نماز باتفاق مکروہ ہے اور اگر ایسے ایسے ائمہ ہدیٰ کا معاذ اللہ اعتبار نہ رہے تو پھر بخاری اور مسلم اور دوسرے محدثین جو امام اعظمؒ کے شاگردوں کے شاگرد کئی واسطہ سے ہیں انہیں کا کیا اعتبار رہے گا اور معاذ اللہ اگر ان حضرات کا اعتبار اٹھا تو پھر دین و مذہب کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔

مقیم حنفی کی نماز مسافر شافعی کے پیچھے

(سوال ۲۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقیم حنفی اگر مسافر شافعی کے پیچھے اقتداء کرے ایسی نماز میں جو چار رکعتوں پر مشتمل ہے اور شافعی امام اس میں قصر نہ کرے تو مقیم حنفی کی نماز صحیح ہوگی یا

نہیں؟

(الجواب) اس صورت میں حنفی مقتدی مقیم کی نماز مسافر شافعی کے پیچھے صحیح نہ ہوگی بلکہ اقتداء مفترض خلف المتنفل لازم آنے کی وجہ سے حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قال العلامة الشامي في رد المحتار. فلو أتم المقيمون صلوتهم معه (اى الا مام المسافر) فسدت لا نه اقتداء المفترض بالمتنفل ظهيرية الخ والله اعلم . بندہ مسعود احمد از دیوبند۔

الجواب صحیح

وذلك لما في وتردد المحتار لظاهر الهداية ان الا اعتبار لا عتقاد المقتدى ولا اعتبار لاعتقاد الا مام ثم قال ذكر العلامة نوح آفندی ان اعتبار رأى المقتدى في الجواز وعدمه متفق عليه (رد المحتار ص ٦٢٥ ج ١) وقال الشامي في باب الا مامة وهذا بناء على ان العبرة لرأى المقتدى وهو الا صح (ثم نقل عن شرح المنية) واما الا قتداء بالمخالف في الفروع كا لشافعي فيجوز مالم يعلم منه ما يفسد الصلوٰة على اعتقاد المقتدى عليه الا جماع (شامی ص ٥٢١ ج١) فلما كان اعتقاد المقتدى ان الا خيرين من صلوٰة الامام نافلتان فسدت صلوته لكونه اقتداء المفترض بالمتنفل في اعتقاده والله اعلم.

بندہ محمد شفیع عفی عنہ ۱۰ ربیع الثانی۔

امام کا وسط میں کھڑا ہونا مسنون ہے

(سوال ۲۰۵) ایک مسجد قدیم جو کہ شاہی کے نام سے مشہور ہے اور شاہی زمانہ کی تعمیر شدہ ہے مسجد مذکور کے اندرونی قطعہ کی جانب ایک اراضی تھی جو در حقیقت شامل مسجد نہ تھی۔ اس اراضی میں شہر کے بعض صاحبان نے ایک تعمیر مسجد قدیم میں شامل کر دینے کی غرض سے تیاری کر دی اور اس جدید قطعہ میں آمد و برآمد کے واسطے در صحن مسجد قدیم میں کھول دیا۔ اس کے بعد جن حضرات نے اس اراضی میں جدید تعمیر بنائی تھی ان کی یہ درخواست ہوئی کہ اندرونی حصہ مسجد قدیم اور قطعہ جدید کے پاس جو دیوار حائل ہے اس کو علیحدہ کر دیا جاوے تاکہ اندرونی مسجد کی صف اس قطعہ جدید شامل ہو جانے سے بڑی ہو جایا کرے اس کے بارہ میں بالخصوص بہت سے مسجد کے نمازی اور بالعموم ساکنان اس امر پر راضی ہوئے کہ مابین قطعہ جدید اور مسجد قدیم کے جو دیوار حائل ہے اس کو بھی علیحدہ کر دیا جاوے بایں وجہ کہ جب مابین کی دیوار کو علیٰحدہ کر دیا جاوے گا تو بالضرور صف بڑھ جانے کی صورت میں جب کہ امام اصلی محراب مسجد میں کھڑا ہوگا تو ایک جانب کی صف یعنی قطعہ جدید کی طرف صف بہ نسبت جانب مقابل کے بہت زیادہ ہو جایا کرے گی اور صف کا دونوں جانب سے برابر ہونا چونکہ سنت مؤکدہ ہے جو قریب قریب واجب کے ہے اس لئے کم و بیش ہونا صف کا ضرور خلاف سنت ہوگا۔ اور جب کہ نمازیوں، کا یہ عمل یعنی صف کا کم و بیش کرنا ہر نماز میں لازم آئے گا اس لئے اس صورت سے بچنے کے لئے بیشتر حضرات شہر مذکورہ دیوار یعنی حد فاصل جو قطعہ جدید اور مسجد کے مابین ہے علیٰحدہ کرنے سے مانع ہیں اور اگر حد فاصل علیٰحدہ کرنے کے

بعد یہ اختیار کیا جاوے کہ امام اپنی جگہ سے یعنی محراب سے ہٹ کر جانب شمال ایسی جگہ کھڑا ہوا کرے کہ توسط معہود برقرار رہے تو فی الحقیقۃ وسط ایسی جگہ آتا ہے کہ وہاں امام کے کھڑے ہونے میں مسجد کی ایک صف پوری کم ہوجاتی ہے یعنی قدیم مسجد میں امام کے محراب میں کھڑے ہونے سے پوری دو صفیں نمازیوں کی ہوجاتی ہیں اور اگر محراب کو چھوڑ کر جانب شمال ایسی جگہ کھڑا ہونا اختیار کرے کہ مسجد قدیم اور قطعہ جدید کی دو صف دونوں جانب سے برابر رہے تو یہ معذوری لازم آتی ہے کہ بجائے دو صف کے اندرون مسجد کی صرف ایک ہی صف باقی رہتی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ قطعہ جدید کے اضافہ سے اول صف میں نمازی زیادہ ہوجاویں گے تو دو صف کی بجائے ایک صف کے رہ جانے سے کم بھی ضرور ہوجائیں گے لہذا قطعہ جدید کے شامل ہوجانے سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا لہذا اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن حضرات نے متصل مسجد قدیم یہ قطعہ جدید تیار کردیا ہے اور چاہتے ہیں کہ جو دیوار مابین قطعہ جدید و مسجد قدیم کے حائل ہے اس کو علیحدہ کر دیا جاوے۔ تو ان کی درخواست کے موافق دیوار مذکور کا علیحدہ کر دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اور دیوار مذکورہ کا علیحدہ کر دینا بوجوہات مذکورہ بالا شرعاً مناسب ہے یا نہیں؟

(۲) قطعہ جدیدہ مذکورہ سوال جو کہ بالکل متصل مسجد قدیم ہے صرف ایک دیوار مابین قطعہ جدید و مسجد قدیم کے حائل ہے۔ اس دیوار کو محض اس وجہ سے نہیں علیحدہ کیا گیا ہے کہ حد فاصل درمیان سے علیحدہ کر دینے کے بعد نمازی اس قطعہ میں غالباً صف قائم کیا کریں گے اور صف قائم کرنے کی صورت میں ضرور ایک جانب کی صف زیادہ ہوجایا کرے گی اس مصلحت سے مذکورہ حد فاصل کو علیحدہ نہیں کیا گیا ہے لیکن قطعہ جدید میں آمد برآمد کے لئے ایک در صحن مسجد قدیم میں ضرور کھلا ہوا ہے۔ اگر صف بندی کے وقت نمازی دونوں جگہ یعنی مسجد قدیم اور قطعہ جدید میں کھڑے ہوجایا کریں اور ایک طرف صف زائد ہوجانے کا کچھ خیال نہ کریں۔ بشرطیکہ اشتباہ حالت امام قطعہ جدید کے نمازیوں پر نہ رہے بایں طور کہ مبلغ کی آواز سے حالت انتقالات امام ان کو بخوبی معلوم ہوتی رہے تو اس صورت میں قطعہ جدید کے نمازیوں کی نماز صحیح و درست ہوجاوے گی یا نہیں۔ یا یہ کہ جب مسجد قدیم نمازیوں سے بھر جاوے اور ایسی صورت میں قطعہ جدید میں بھی نمازی کھڑے ہوجاویں اور جو در کہ قطعہ جدید میں کھلا ہوا ہے اس کے واسطے سے اتصال صفوف بالکل ہوجاوے تو اس صورت میں قطعہ جدید کے نمازیوں کی نماز بلا کراہت ہوجاوے گی یا نہیں؟

(الجواب)(۱) لو کان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلاء المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیہ والاصح ماروی عن ابی حنیفہ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویۃ اوفی ناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ خلاف عمل الامۃ الخ (شامی مصری ص ۴۲۰ ج ۲)۔

عبارت مذکورہ تقریباً صورت زیر بحث کی پوری مثال ہے اور اس میں علامہ شامی کی عبارت مضطرب واقع ہوئی ہے مذکور الصدر عبارت سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ امام وسط مسجد کو نہ چھوڑے تاکہ زاویہ مسجد میں کھڑا ہونا لازم نہ آئے اگرچہ جماعت اس صورت میں دونوں جانب برابر نہ ہوگی تو گویا دو کراہتوں میں سے

زاویہ مسجد میں کھڑے ہونے کی کراہت کواشد سمجھ کر وسط صف میں نہ کھڑے ہونے کی کراہت کوبرداشت کر لیا۔ لیکن اس کے بعد بعنوان تنبیہ فرمایا ہے۔ **ویفهم من قوله اوالی سارية كراهة قيام الا مام فی غير المحراب (الی قوله) والظاهران هذا فی الا مام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه فی الوسط فلولم يلزم ذلك يكره تامل** ۔اس عبارت سے معلوم ہوا کہ زاویہ مسجد میں کھڑا ہونا فی نفسہ مکروہ نہیں بلکہ اس کی کراہت بھی دراصل اسی وجہ سے ہے کہ وسط صف فوت ہو جائے اور اگر وسط وصف فوت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں لیکن جو علت کراہت امام صاحب کے قول کی عبارت سابقہ میں بعنوان خلاف عمل الامۃ مذکور ہے یہ علت عام ہے جس سے مطلقا کراہت کا ثبوت ہوتا ہے۔

الغرض شامی کے کلام سے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا اور اس میں شبہ نہیں کہ جب اس حصہ ملحقہ کو مسجد میں شامل کر دیا گیا تواحدی الکراہتین ضرور لازم ہوگی یاترک وسط صف اور قیام امام فی زاویۃ المسجد۔

اس لئے صورت مسئولہ میں مناسب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ زائدہ کو مسجد کے ساتھ بالکلیۃ توالحاق نہ کیا اور اندرونی حصہ مسجد کا مکان واحد بن جاوے لیکن ایک دروازہ اندرونی حصہ میں بھی کھول دیا جائے اور جب جماعت کھڑی ہو تو اول اسی اندرونی حصہ میں پر کیا جائے تاکہ امام اپنی جگہ محراب میں کھڑا ہو تو وسط صف کے خلاف نہ ہو اور نہ دوسری کراہت قیام امام فی زاویۃ المسجد لازم آئے اس طرح جب اندرونی حصہ پر ہو جائے تو پھر اس حصہ ملحقہ میں کھڑے ہوں۔اس صورت میں اول تو اس حصہ کی صفیں جداگانہ ہوں گی ان کی وجہ سے امام کا وسط صف سے علیٰحدہ ہونا لازم نہ آئے گا اور اگر بالفرض ان کی صف واحد بھی سمجھا جاوے جب بھی نماز میں کراہت نہ آئے گی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی ایک جانب صف کا بڑھا جانا بضرورت عدم گنجائش ہوگا اور عدم گنجائش کی صورت میں بتصریحات فقہاء اس قسم کی کراہتیں معاف ہو جاتی ہیں۔ کمافی شرح المنیۃ الکبیر۔ **وذكر عن شمس الا ئمة الحلوانی ان الصلوٰة علی الرفوف فی الجامع من غير ضرورة وعند الضرورة بان امتلاء المسجد لاباس به وهكذا يحكی عن الفقيه ابی الليث فی الطاق انه اذا ضا ق المسجد عن القوم لا يكره انفراد الا مام بالطاق وكذا ذكره فی الكفاية عن جامع المحبوتی انتهی**

الغرض اس طریق پر اول تو دونوں کراہتوں میں سے کوئی کراہت لازم نہیں آتی اور اگر بالفرض ترک وسط لازم بھی آیا تو وہ ابتداءً نہیں اور بقاءً بھی بوجہ عدم گنجائش کے ہے اس لئے مکروہ نہ رہا جیسے اکثر جوامع میں اور بالخصوص رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عموماً ہجوم کی وجہ سے اطراف مسجد میں جس طرف جگہ دیکھی جاتی ہے صفیں بڑھادی جاتی ہیں اسی طرح عیدگاہوں میں بھی۔ اور کسی عالم سے منقول نہیں کہ اس پر نکیر کی ہو اور شاید شامی کی دونوں عبارتوں میں تطبیق وتوفیق بھی اسی طرح نکل سکے کہ بوقت ضرورت مسجد شتوی کے پر ہو جانے کا جب مسجد صیفی میں لوگ کھڑے ہوں اور ایک جانب صف اس ضرورت سے بڑھ جاوے تو ان کی پرواہ نہ کی جائے کمافی عبارۃ الاول اور بغیر اس صورت کے وسط کو چھوڑا جائے تو یہ مکروہ ہے (**كما فی العبارة الشامية**) خلاصہ یہ کہ اس حصہ زائد کے درمیان سے بالکل دیوار کو علیٰحدہ تو نہ کیا جائے لیکن دروازہ کھول دیا جائے

اور جب تک اصلی حصہ مسجد پر نہ ہو اس وقت تک اس حصہ زائدہ میں کھڑے نہ ہوں اس طرح یہ حصہ ملحق ہو کر بھی کوئی کراہت لازم نہ آئے گی۔

(۲) اگر انتقالات امام مشتبہ نہ ہوں اور اتصال صفوف بیرونی دروازہ کے ذریعہ ہو جائے تو بغیر الحاق بالمسجد کے بھی اس قطعہ جدید میں نماز بلا کراہت درست ہو جاوے گی۔ کما فی الشامیة والحائل لا لمنع الا قتداء ان لم یشتبه حال ا ما مه الخ .

ایضاً

(سوال ۲۰۶) مسجد میں دائیں طرف کا جو حصہ ہے وہ زیادہ ہے اور بائیں طرف کا حصہ کم ہے۔ محراب دونوں حصوں کی بیچ میں نہیں ہے دائیں طرف حصہ زیادہ رہتا ہے امام کو محراب کے اندر نماز پڑھنی چاہئے یا بیچ کے حصہ میں۔

(الجواب) اگر امام کے وسط صف میں (بیچ کے حصہ میں) کھڑے ہونے سے یہ صورت ہوتی ہے کہ امام کو مسجد کے ایک گوشہ میں یا کسی درمیانی ستون کے پاس کھڑا ہونا پڑے تو پھر بہتر یہی ہے کہ محراب کے اندر کھڑا ہو اگرچہ وسط صف سے فوت ہو جائے۔ کما فی الدر المختار والا صح ماروی عن ابی حنیفةؒ انه قال اکره ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویة اوفی ناحیة المسجد اوالی ساریة لانه خلاف عمل الا مة الی ان قال یفهم من قوله اوالی ساریة کراهة قیام الامام فی غیر المحراب الخ شامی ص ۴۲۰ ج۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے بعد امام کو کس طرف منہ کر کے بیٹھنا چاہئے

(سوال ۲۰۷) پانچوں وقت فرض نماز جماعت کے بعد امام کس طرف منہ کر کے دعا مانگے ؟

(الجواب) جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں یعنی ظہر۔ مغرب، عشاء ان میں تو امام قبلہ ہی کی طرف متوجہ رہ کر مختصر سی دعا مانگے اور پھر ختم کر کے سنتوں میں سب مشغول ہو جائیں اور جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں یعنی فجر اور عصر ان کے بعد اولیٰ یہ ہے کہ سب بیٹھ کر تسبیحات مسنونہ پڑھیں اور اس وقت امام کو چاہئے کہ قبلہ کی طرف متوجہ نہ رہے۔ پھر اختیار ہے کہ داہنی جانب یا بائیں جانب رخ پھیرے یا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے بشر طیکہ کوئی مقتدی مسبوق اس کے پیچھے نماز میں مشغول نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو تو صرف اپنے داہنے یا بائیں جانب ہی بیٹھنا چاہئے۔ کذا فی البدائع والکبیری شرح المنیة.

بانی مسجد کو تقرر امام کا اختیار ہے

(سوال ۲۰۸) فقیر محمد نے صاحبزادہ محمد حسین کو ایک قطعہ زمین ہبہ کردی کہ تم اس میں مسجد تعمیر کر دو جو سب اہل محلّہ کے کام آئے صاحب زادہ محمد حسین نے مسجد تعمیر کرادی جس میں اہل محلّہ اور صاحبزادہ صاحب کے

درمیان نزاع شروع ہوگیا۔ صاحب زادہ کہتا ہے کہ امام کا نصب وعزل فقط میرا اختیار ہے کیونکہ میں متولی مسجد ہوں۔ قوم کہتی ہے کہ سب کے مشورہ سے ہونا چاہئے صاحبزادہ کہتا ہے کہ میں لوگوں کا تصرف ہونے نہیں دیتا کیونکہ وہ میرے مریدوں اور مہمانوں کو جو کثرت سے آتے ہیں اور مسجد میں رہتے ہیں مسجد میں نہ رہنے دیں گے لوگ کہتے ہیں اس ضرورت کے لئے ایک سرائے اور مہمان خانہ چڑھادو۔ مسجد میں ہم لوگ ایک عالم معین کریں گے صاحب زادہ نے اپنی طرف سے اپنا لڑکا امام مقرر کیا جو قاری اور متون فقہی یعنی قدوری اور کنز الدقائق پڑھا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں تمام اہل محلّہ اس پر اکتفا نہیں کر سکتے اور ایک مستقل عالم کو نصب کرنا چاہتے ہیں جو مسجد کے لئے اصلح ہے پس ایسی صورت میں قوم اہل محلّہ کو امام نصب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

(الجواب) عبارت سوال سے معلوم ہوا کہ اس مسجد کے بانی صاحبزادہ محمد حسین ہیں اور مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ ہے کہ مسجد کی تولیت اور امامت کے لئے بانی مسجد بہ نسبت دوسرے اہل محلّہ کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ اگر بانی مسجد سے کوئی خیانت ثابت ہوجائے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو پھر اہل محلّہ کو چاہئے کہ ایسے شخص کو تولیت وامامت سے معزول کرکے کسی اور قابل کو امامت کیلئے مقرر کریں۔

امام ومؤذن کے عزل ونصب کا اختیار کس کو ہے

(سوال ۲۰۹) ایک شہر میں ایک پیش امام ہو اور چند مدت تک وہ پیش امامی کرتا رہا ہو لیکن اس میں چند عیب شرعی موجود ہوں ایک تو امانت میں خیانت کرتا ہو۔ دوسرے لوگوں میں فتنہ فساد کرتا ہو۔ تیسرے اکثر لوگ اس پر زنا کی شہادت دیتے ہوں۔ ان عیبوں کی وجہ سے اکثر لوگوں نے اس کے مخالف ہو کر اس کو معزول کر دیا ہے۔ عرصہ دو ماہ کا ہوا ہے کہ اکثر لوگوں نے اتفاق کرکے ایک دوسرا عالم پسند کرکے اپنا پیش امام مقرر کر دیا ہے اکثر لوگ اس کی اقتداء کرتے ہیں یعنی اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور تھوڑے لوگ بمعہ امام سابقہ کے جماعت میں نہیں شامل ہوتے ہیں بموجب حکم شرع امام الحی بوجہ اکثر لوگوں کی مخالفت کے اور فاسق ہونے کے معزول ہوتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) امام کے مقرر کرنے کا حق دراصل بانی مسجد کو ہے اس کے بعد اقارب کو ہے لیکن اگر نمازی اور اہل محلّہ بہ نسبت بانی کے اصلح اور اعلم کو امام مقرر کریں تو کر سکتے ہیں۔ درمختار میں ہے۔ البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الا مام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی۔ پس صورت مرقومہ میں امام سابق جو معزول کر دیا گیا وہ فاسق تھا اور قابل امامت نہیں تھا کیونکہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی تھی یہ قوم نے بہت اچھا کیا کہ اس کو معزول کرکے دوسرا امام صالح متبع شریعت مقرر کر لیا اور امام سابق اور اس کے ساتھی تارک جماعت ہیں اور ان کے خلاف کا شرعاً کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ۔ الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہ۔

اہل محلّہ کا امام کے بارہ میں اختلاف ہونا

(سوال ۲۱۰) زید مسجد کا امام تھا اور حدیث، تفسیر، فقہ میں اچھی واقفیت رکھتا تھا اور قرآن صحیح پڑھتا تھا۔ اور پرہیزگار متقی تھا۔ لیکن زید کے غیر ملکیوں نے حسد سے ان کو برخواست کر کے بکر کو امام بنالیا لیکن بکر حدیث تفسیر سے ناواقف ہے مگر فقہ کچھ جانتا ہے اور قرآن غلط پڑھتا ہے بہت سے مقتدی بکر کے پیچھے نماز پڑھنے سے ناراض ہیں اس واسطے ایک مسجد میں دو جماعت نماز پنجگانہ و جمعہ کی ہو سکتی ہیں یا نہیں اگر نہیں تو جمعہ دوسری جگہ پڑھ لینے سے صحیح ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) ایک عالم متقی کو امامت سے علیحدہ کر کے غیر عالم کو امام بنانا سخت برا ہے خصوصاً جب کہ وہ قرآن شریف کو بھی غلط پڑھتا ہو۔ مگر جب اکثر محلّہ والوں نے اس کو امام بنادیا تو اگرچہ انہوں نے برا کیا لیکن اب یہ شخص امام بن گیا نماز سب کی اس کے پیچھے جائز ہے البتہ جس نماز میں کوئی ایسی غلطی کرے جو مفسد صلوٰۃ ہو وہ نماز نہ ہوگی محلّہ والوں کو چاہئے کہ اختلاف اور لڑائی جھگڑے سے بچیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپس کے اتفاق سے پہلے امام کو بحال کر دیں لیکن اگر کوئی فریق اس پر راضی نہ ہو تو دوسرے فریق کو چاہئے کہ اب اسی کے پیچھے نماز پڑھنے لگیں جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنا بھی بہت بڑے ثواب سے محرومی اور سنت مؤکدہ کا ترک ہے اور اسی مسجد میں ایک ساتھ دو جماعتیں قائم کرنا اس سے زیادہ برا اور گناہ ہے اور اگر جھگڑے کے قطع ہونے کی کوئی صورت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگیں۔ غرض آپس کا اختلاف سب سے زیادہ گناہ ہے اس سے بچو۔

والدلیل علی ما قلنا هذه الروایات الفقهیه والا حق بالا مامة (الی) الا علم باحکام الصلوٰة الخ در مختار والخیار الیٰ القوم فان اختلفوا اعتبر اکثرهم ولو قد مواغیر الاولیٰ اساؤا بلا اثم در مختار. صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة در مختار افادان الصلوٰة خلفهما اولی من الانفراد لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع شامی صفحه ۵۴۵ ج اول . بل یکره فعلها وتکرار الجماعة در مختار. وقدالف جماعة من العلماء رسائل فی کراهة ما یفعله اهل الحرمین الشریفین من تعدد الائمه والجماعات وصرحوا بان الصلوٰة باول امام افضل شامی باب الا ذان صفحه ۳۵۰ جلد ۱) ۴ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

جامع مسجد میں نماز پنجگانہ کے لئے امام کا مقرر کرنا
اہل محلّہ کا حق ہے اور جمعہ کے لئے اہل شہر کا

(سوال ۲۱۱) سرساوہ میں ایک قدیم جامع مسجد شاہجہان کی تعمیر کردہ ہے پیشتر جس وقت زلزلہ شدید آیا تھا اس وقت مسجد مذکورہ میں جگہ جگہ شگاف آگئے تھے گر جانے کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور زیادہ کشادہ بھی نہ تھی باتفاق رائے اس کو ازسرنو تعمیر کرائی یہ مسجد قصابوں کے متصل ہے چنانچہ قصابوں نے اس کی تعمیر میں چندہ دیا اور اپنی برادری سے باہر سے بھی چندہ لائے اور لاتے رہتے ہیں اور اہل قصبہ نے تمام کوشش سے چھ ہزار روپیہ چندہ کا

بھوپال سے منگایادو تین سال سے قصابوں نے مسجد میں ایک مدرسہ اپنے اخراجات سے جاری کیالہذا قصابان کو معلم مقرر کرنے کابہر صورت حق حاصل ہے مگر امامت کے واسطے بلا مشورہ اہل قصبہ ان کو حق حاصل نہیں آیا اس صورت میں خاص قصابان کو حق تقرر امام کا ہے یا تمام اہل قصبہ کو اگر اس معاملہ میں مسلمانوں کے دو فریق ہو جائیں تو شرعاً کثرت رائے کو ترجیح ہوگی یا نہیں اگر فریقین میں سے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ ہم بھی جامع مسجد کے حق دار مالک ہیں وہ شرعاً مالک ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

(الجواب) محلہ جو مسجد کے ساتھ متعلق ہے اگر قصابان ہی کا ہے تو پنجگانہ نماز کے لئے تقرر امام کا حق ان کو ہوگا اور اگر ان کے علاوہ اور لوگ بھی قریب مسجد میں آباد ہیں تو وہ بھی قصابان کے ساتھ حق تقرر امام میں شریک ہوں گے اور اگر ان میں آپس میں اختلاف ہو جائے تو جس طرف اکثر لوگ ہوں اس کو ترجیح ہوگی۔ **قال فی الدر المختار فان اختلفو ااعتبر اکثر و مثله فی الخلاصة من الا مامة.**

البتہ امام جمعہ مقرر کرنے میں علاوہ قصابان اہل محلّہ کے دوسرے اہل قصبہ کی رائے بھی لینی چاہئے۔ کیونکہ امام جمعہ مقرر کرنا عام اہل قصبہ سے متعلق ہے۔

کما قال الشامی والدر المختار ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمهم فیجوز للضرورة انتهی (الضرورة متحققه فی دیارنا الهندیه لعدم الوالی المسلم .

اور جو شخص مسجد کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ غلط کہتا ہے مسجد کسی کی ملک نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ خود اس شخص کی بھی ملک نہیں ہو سکتی جو تمام روپیہ اس میں اپنا خرچ کرے ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ۔

مرزائی اگر جماعت میں شریک ہو جائے تو نماز مکروہ نہیں ہو گی

(سوال ۲۱۲) لاہوری جماعت کے مرزائی حنفیوں کی جماعت نماز میں شریک ہو جاتے ہیں تو نماز میں کوئی کراہت آتی ہے یا نہیں۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ حنفی ایسے جاہل ہوں کہ اگر امام مرزائی کو روکے تو خوف فتنہ کا ہو ؟

(الجواب) نماز میں کوئی کراہت نہیں آتی۔ البتہ مسلمانوں کی جماعت میں تا بمقدور ان کو شریک نہ ہونے دیا جائے کیونکہ اس سے عام مسلمان ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور ان کو اپنی مفسدانہ ریشہ دوانیوں کا موقع مل جاتا ہے۔ ہاں اگر ان کے منع کرنے میں فتنہ کا اندیشہ شدید ہو تو چندے صبر کیا جائے اور آہستہ آہستہ لوگوں کو ان کے عقائد باطلہ اور مکائد پر مطلع کرتے رہنا چاہئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

جماعت سے کن لوگوں کو نکالنا جائز ہے۔

(سوال ۲۱۳) کون سے شخص کو جماعت سے خارج کرنا درست ہے ؟

(الجواب) ایسے شخصوں کو جماعت سے خارج کرنا جائز ہے جن سے دوسرے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہو۔ جیسے مجذوم اور گندہ دہن یا گندہ بغل وغیرہ۔ ۱۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔

حنفیوں کی مسجد میں آمین بالجہر کہنا

(سوال ۲۱٤) اگر حنفی امام کی اقتداء میں کسی دوسرے فرقے والے آمین بالجہر کہہ دیں تو امام و مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) امام اور دوسرے مقتدیوں کی نماز توبلا شبہ ہو جاتی ہے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بحث محض اولویت کی ہے جو لوگ جہراً کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سراً کہنا کوئی گناہ نہیں اور جہراً کہنا فرض وواجب نہیں اور جو لوگ سراً کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی سراً کہنا واجب نہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جس جگہ عام مقتدی اور امام آہستہ آمین کہنے والے ہوں ان کے مجمع میں بلند آمین نہ کہے۔ اگرچہ اس کے مذہب میں بلند کہنا افضل ہو کیونکہ عوام مسلمانوں کو اس سے تشویش ہوتی ہے اور نئی بات سمجھ کر خلاف کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد کی نوبت آجاتی ہے جس کا باعث یہ شخص ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ محض ایک اولویت پر عمل کرنے کے لئے مسلمانوں میں فتنہ اختلاف پیدا کر دینے کی کوئی عقلمند تجویز نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حنفی مسلمانوں کو بھی یہ مناسب نہیں کہ صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص آمین بالجہر کہہ دے برافروختہ ہو جائیں۔ **قال فی شرح المنیة الکبیر ص ۲۷۵ لا ہوری۔ قلنا تعارض روایتا الجهروا لاخفاء فی فعله فیر حج الا خفاء باشارة قوله فان الامام یقولها واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

امام کا محراب میں کھڑا ہونا

(سوال ۲۱۵) امام کا محراب میں تنہا کھڑا ہونا کیسا ہے عامہ کتب فقہ میں مطلقاً مکروہ لکھا ہے اور شرح وقایہ میں ہے **وقیام الا مام فی طاق المسجد ای فی المحراب بان یکون المحراب کبیراً الخ۔** کبیراً کی قید احترازی ہے یا واقعی اگر قید احترازی ہو اور قیام امام محراب صغیر میں مکروہ نہ ہو تو محراب کبیر کی حد کیا ہے۔

(۲) یہاں پر ایک مسجد ہے کہ اگر امام کے قدمین خارج محراب ہوں اور سجدہ محراب ہی میں ہو تو بھی صف اول سیدھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ محراب سے تھوڑے فاصلہ پر ستون ہیں۔ پس جو مقتدی ستون کی محاذات میں ہوتا ہے اس کو اور مقتدیوں سے کچھ آگے بڑھنا پڑھتا ہے بغیر اس کے اس کو رکوع کرنا مشکل ہوتا ہے اور اگر محراب چھوڑ کر وسط مسجد میں کھڑا ہو تو صف بالکل سیدھی ہوتی ہے اور مسجد میں گنجائش بھی ہے تو کیا امام کو محراب میں کھڑا ہونا ضروری ہے۔ خواہ صف ٹیڑھی ہو جائے؟

(۳) صف اول اس جگہ کا نام ہے جو مغربی دیوار سے متصل ہو یا ان مقتدیوں کی صف ہے جو امام کے متصل صف میں ہوں۔

(۴) مسجد مذکور کی ہیئت ایسی ہے کہ فقط اس کے سامنے پونے تین ہاتھ چھوڑ کر سامنے کی دیوار قائم ہے اور ایسا محض خوبی کے لئے کیا گیا دیکھنے میں خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ حصہ جو سامنے کی دیوار کے آگے ہے یہاں کے عرف میں برآمدہ مسجد کے نام سے معروف ہے یہ حصہ مسجد میں داخل ہے یا نہیں۔ اس برآمدہ میں حجرہ بنا کر

کسی کو رہنا جائز ہے یا نہیں۔ بانی مسجد نے مسجد ہی کی نیت سے بنایا ہے۔

(الجواب) شارح وقایہ کی غرض اس عبارت سے یہ نہیں کہ وہ محراب صغیر اور فقہی طور پر کوئی فرق ایسا کرنا چاہتے ہیں جیسے مسجد صغیر و کبیر میں بعض احکام فقہیہ متفاوت ہیں بلکہ در حقیقت شارح رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس جگہ محض صورت مسئولہ کا واضح کرنا اور ایک شبہ کا ازالہ مقصود ہے جو صورت مسئلہ کے تصور میں عرف قدیم کے اعتبار سے پیدا ہو سکتا تھا وہ یہ کہ سلف صالح رحمہم اللہ کی عہد میں مساجد کی محاریب اس قدر وسیع و فراخ نہ ہوتی تھی کہ ان میں کوئی آدمی کھڑا بھی ہو سکے چہ جائے کہ پورا سجدہ رکوع وغیرہ وہاں کر سکے بلکہ محراب کی صورت زمانہ سلف میں صرف یہ تھی کہ وسط مسجد میں کوئی نشان دروازہ کی شکل کا یا اور کسی قسم کا بنادیا جاتا تھا تاکہ وسط کا امتیاز پورا ہو جائے اس میں امام کا کھڑا ہونا متصور ہی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ نماز پڑھنا اس لئے حکم کراہۃ الصلوۃ فی الطاق کی تصویر میں یہ اشکال بناءً علی الرسم القدیم عاید ہوا کہ یہ صورت تو متصور ہی نہیں ہو سکتا کراہت یا عدم کراہت کی بحث کیسی؟ اس کا حل شارح نے اس طرح فرمایا لان یکون المحراب کبیر القوم فیه۔

البتہ اس کے بعد وحدہ کی قید قید احترازی بیان حکم کے لئے ہے اور دلیل اس رسم قدیم کی شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا مستقل رسالہ ہے مسمی اعلام الارانیب فی بدعۃ المحاریب" جس میں ثابت کیا ہے کہ یہ طریقہ مروجہ زمانہ سلف میں نہ تھا۔

(٢) امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا کوئی سنت نہیں بلکہ سنت صرف یہ ہے کہ وسط صف میں کھڑا ہو اور چونکہ محراب وسط مسجد میں ہی بنائی جاتی ہے اس لئے عموماً محراب میں کھڑے ہونے سے یہ سنت ادا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر محراب میں کھڑے ہونے سے کوئی دوسری سنت فوت ہونے لگے۔ مثلاً تسویۂ صف وغیرہ تو پھر محراب میں کھڑا ہونا نہ چاہئے بلکہ محراب سے باہر ایسی جگہ کھڑا ہو جائے کہ صف سیدھی ہو جائے البتہ اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ امام وسط صف میں رہے کذا فی عامۃ کتب الفقہ۔

(٣) یہ اختلاف صف اول کا جدار غربی کے متصل یا امام کے متصل ہونے کے متعلق ہمارے دیار کی عام مسجدوں میں تو متصور نہیں کیونکہ محراب کے اندر امام ہی کھڑا ہوتا ہے قدمین باہر رہتے ہیں۔ اور صفوف سب مسجد کے اندر ہوتی ہیں۔ تو جو صف جدار غربی کی متصل ہو گی وہی امام کے متصل ہو گی۔ اسی کو عرف اور شرع میں صف اول کہا جائے گا۔ حضرات فقہاء شامی اور صاحب بحر وغیرہ نے جو اس بارے میں اختلاف نقل فرمایا ہے وہ ایک خاص صورت پر مبنی ہے جو عموماً ہمارے دیار میں نہیں۔ وہ یہ کہ محراب اس قدر وسیع ہو کہ اس میں امام آگے کھڑا ہو اور اس کے پیچھے چند آدمیوں کی چھوٹی سی صف محراب کے اندر ہی ہو جائے اس قسم کی محراب کا نام عرف قدیم میں مقصورہ ہے اور پھر بڑی صف مسجد کے اندر جدار غربی کی متصل ہوتی تھی تو اس میں اختلاف واقع ہوا کہ صف اول اس خاص صورت میں وہ چھوٹی صف ہو گی جو امام کے متصل مقصورہ کے اندر ہے یا بڑی صف جو جدار غربی کے متصل مسجد میں ہے اس اختلاف میں فقیہ ابو اللیث کا فتویٰ یہ ہے کہ بڑی صف کو صف اول کہا جائے گا۔ علامہ شامی کے طرز کلام سے اسی کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال ہمارے یہاں تو جو صف امام کے پیچھے متصلا

ہوتی ہے وہی صف اول ہے خواہ جدار غربی کے متصل ہو جیسا کہ امام کے محراب میں کھڑا ہونے کی صورت میں ہوگا یا جدار غربی سے فاصلہ پر ہو جیسا کہ امام اگر محراب چھوڑ کر اندرون مسجد کھڑا ہو۔

(۴) اس معاملہ میں نیت بانی ہی معتبر ہوتی ہے جب کہ بانی نے اس جگہ کو بہ نیت مسجد بنایا ہے تو وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہوگئی اس کا تغیر کسی طرح کسی وقت جائز نہیں اس میں نہ رہائش کا حجرہ بنا سکتے ہیں نہ کوئی اور مکان۔ اگر چہ وہ مصالح مسجد ہی کے متعلق ہو۔ البتہ مسجد کے بوریئے رکھنے کے لئے کوئی جگہ مسجد کے اندر علیحدہ کر سکتے ہیں جب کہ نمازیوں پر تنگی نہ ہو **صرح به فی العالمگیریة من الوقف واحکام المسجد و الشامی و صاحب البحر من احکام المسجد** (واللہ تعالیٰ اعلم)

جب مؤذن تکبیر کہے تو مقتدی کس وقت کھڑے ہوں

(سوال ۲۱۶) یہاں عموماً رواج ہے کہ جس وقت تکبیر کہی جاتی ہے جب تک پوری نہیں ہوتی اس وقت تک مقتدی تمام بیٹھے رہتے ہیں اور امام بھی بیٹھا رہتا ہے جب تکبیر پوری ہو جاتی ہے جب نماز پڑھائی جاتی ہے یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس وقت تکبیر پڑھنے والا **حی علی الصلوٰۃ** پر پہنچے اس وقت مقتدیوں کو کھڑا ہو جانا چاہئے اور اگر اس سے پہلے شروع تکبیر ہی سے کھڑے ہو جائیں تب بھی جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جب کہ امام پہلے سے مصلے پر موجود نہ ہو باہر سے آئے تو جس وقت امام مصلے پر کھڑا ہو تو بہتر ہے کہ سب اسی وقت کھڑے ہو جائیں۔ **قال فی المحلی شرح الموطا۔ قال ابو حنیفة و محمد یقومون عند حی علی الصلوٰۃ و شرع الامام عند قد قامت الصلوٰۃ الی قوله و اما اذا لم یکن الامام معهم فالجمهور علی انهم لا یقومون حتی یروه لما فی البخاری اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتی ترونی محلی شرح مؤطا** (واللہ تعالی اعلم)

منبر کے دائیں، بائیں صف بنانا مکروہ نہیں

(سوال ۲۱۷) یہاں مساجد میں منبر کی ہر دو جانب ایک صف کی مقدار چھوڑی جاتی ہے اور عیدین میں جب کہ بارش کی وجہ سے نماز عیدین مسجد میں ہوتی ہے تو مصلی اسی منبر کی جانبین والی صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور امام محراب میں آگے بڑھ جاتا ہے گو کہ امام کا سجدہ محراب میں ہوتا ہے اور قدمین محراب کے باہر ہوتے ہیں لوگ آتے گئے اور اسی منبر کے جانبین والے فرجہ میں بیٹھتے گئے میں نے یہ دیکھ کر انہیں کہا اور سمجھایا کہ چونکہ درمیان میں منبر کا فصل واقع ہے اس وجہ سے انقطاع صف لازم آتا ہے جو مکروہ ہے حضور اقدس اپنی تحقیق سے فرمائیں کہ احقر کا یہ امر بالمعروف صحیح تھا یا غلط۔ (بینوا توجروا)

(الجواب) **فی الجمعة رد المحتار۔ فلا تنقطع الصف ببنائها (ای المقصورة) کما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظهر حرج صرح به الشامیه ا ه** (شامی ۵۳۲ ج ۱) **وفی الدر المختار بعد**

ذلك ولو صلی علی افوف المسجد ان وجد فی صحنه مکانا کره قیامه فی صف خلف صف (شامی ۳۳ ۵ ج ۱) عبارت نمبر ا سے معلوم ہوا کہ منبر کے دائیں بائیں صف بنائی جاوے تو منبر کی وجہ سے صف کو منقطع نہ قرار دیا جاوے گا اور کوئی کراہت نہ ہو گی اور عبارت نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ ضرورت اور تنگی سے انقطاع صف کی رعایت بھی ساقط ہو جاتی ہے کراہت نہیں رہتی۔ اس لئے صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقع نہی عن المنکر کا نہیں تھا کیونکہ ان کا فعل منکر نہیں بلکہ جائز و درست ہے لیکن تاہم عوام کے لئے آپ پر لعن و طعن کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ان کا یہ فعل سخت مکروہ ہے۔ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم) ۴ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ (اضافہ)

نابالغ بچوں کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا

(سوال ۲۱۸) نابالغ لڑکے جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں تو اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اخرج ابن ابی شیبة عن ابی مالك الا شعری ان النبی صلی الله علیه وسلم اقام الرجال یلونه واقام الصبیان خلف ذلك من شرح الهدایة للعینی وفی البحر الرائق الصبی الواحد لا یکون منفرداً عن الرجال بل یدخل فی صفهم ولعل هذا الترتیب انما هو عند حضور جمع من الرجال وجمع الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان بحر ص ۳۷۵ جلد اول .

عبارات مذکورہ اور عام کتب فقہ کی عبارات مشہورہ سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا خلاف سنت ہے۔ خواہ نماز جمعہ ہو یا دوسری نمازیں نماز جمعہ میں جس شخص کے پاس لڑکے کھڑے ہوں۔ اس کو چاہئے کہ انہیں پیچھے ہٹائے یا صف سے علیحدہ کسی جگہ کھڑا کر دے۔ ورنہ نماز مکروہ ہو گی۔

جو مقتدی امام کے برابر کھڑا ہے جب دوسرا مقتدی آجائے تو کیا کرے

(سوال ۲۱۹) دو مرد جن میں ایک مقتدی اور دوسرا امام ہے تیسرا مرد ان کی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے اس تیسرے آدمی نے نیت باندھنے سے پہلے اس مقتدی کو جو امام کے پاس کھڑا ہوا ہے پیچھے اپنے برابر کر کے نیت باندھ لی بعد سلام کے اس مقتدی نے جس کو پیچھے ملایا تھا یہ کہا کہ میری نماز نہیں ہوئی (امام کے آگے بڑھنے کی جگہ نہ تھی) تو ایسی صورت میں ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی کو پیچھے اپنے برابر لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرے پیچھے کرنے میں نیت باندھ کر کرنا افضل ہے یا بلا نیت باندھے؟ بعض کہتے ہیں کہ نیت باندھ کر اگر پیچھے گیا تو اسے پیچھے ہٹانے والے مقتدی کو حرکات نماز میں کرنی پڑتی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر بلا نیت باندھے پیچھے ہٹایا تو ہٹنے والے کی نماز جاتی ہے کیونکہ نماز میں ہٹنے میں ایسے شخص کے اشارہ پر چلا جو نماز میں داخل نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ امام آگے بڑھے یا نہ بڑھے ان کے ہی برابر شامل ہو جائے پیچھے ہٹانے کی ضرورت نہیں شامل ہونے والا خواہ ایک ہو یا چند؟

(الجواب) فی رد المحتار معز یا للفتح ولو اقتدی واحد بآخر فجاء ثالث یجذب المقتدی بعد

التکبیر ولو جذبه قبل التکبیر لما یضره الخ والذی یظهر انه ینبغی للمقتدی التاخر اذا جاء ثالث فان تاخروالا جذبه الثالث ان لم یخش فساد صلوٰۃ فان اقتدی عن یسار الامام یشیر الیهما بالتاخر و هو اولیٰ من تقدمه لا نه متبوع ولان الا صطفاف خلف الا مام من فعل المقتدین لا الا مام فالا ولی ثباته فی مکانه وتاخر المقتدی (شامی مصری ص ٤٢٠ ج ١) عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں مقتدی اول کو چاہئے کہ جب دوسرا مقتدی آگیا تو خود پیچھے ہٹ جائے اور اگر وہ پیچھے نہ ہٹے تو اس دوسرے مقتدی کو پیچھے کھینچ لے خواہ نیت باندھے اور تکبیر کہنے سے پہلے کھینچے یابعد۔ دونوں صورتوں میں کوئی نقصان کسی کی نماز میں نہیں آتاالبتہ اگر یہ خیال ہو کہ یہ شخص بوجہ جہالت کے نماز توڑدے گا تواس کو نہ کھینچے بلکہ امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

پچھلی صف میں کوئی آدمی اکیلا ہو تو اگلی صف سے کسی آدمی کو کھینچنے کا حکم

(سوال ۲۲۰)اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ جماعت ہو رہی ہو۔ اور صف میں جگہ نہیں تو وہ شخص کس جگہ کھڑا ہو بہشتی گوہر میں مولانااشرف علی صاحب نے تحریر فرمایاہے کہ صف میں سے ایک آدمی کو کھینچ لے۔ تو کس جانب سے کھینچے۔

(الجواب) آج کل چونکہ جہالت عام ہے اگر اگلی صف سے کسی کو کھینچا گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے گا کہ نماز خراب ہو جائے۔ اس لئے کسی کو کھینچنا مناسب نہیں تنہا پچھلی صف میں مجبوراً کھڑا ہو جائے جیساکہ خود حضرت مولانا موصوف دام مجدہم نے بہشتی گوہر میں اس کی تصریح فرمادی ہے۔ اور اگر آدمی سمجھ دار مسائل جاننے والے ہوں اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ نماز فاسد کرلے گا تو یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائیں جانب سے کسی کو کھینچ لے اور اگر داہنی جانب سے کھینچے تو بھی مضائقہ نہیں (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی اللاحق والمسبوق
(مسبوق ولاحق کا بیان)

مدرک، لاحق، مسبوق کی تعریف

(سوال ۲۲۱) مدرک اور مؤتم میں کیا فرق ہے اور مسبوق اور لاحق میں کیا؟

(الجواب) مؤتم کا لفظ کبھی تو مطلق مقتدی کے معنی میں بولا جاتا ہے اور اس اطلاق میں یہ لفظ مدرک اور لاحق اور مسبوق سب کو شامل ہے کما لا یخفی علی تتبع کتب الفن اور کبھی لفظ مؤتم خاص مدرک کے معنی میں بولا جاتا ہے تو اب یہ مسبوق اور لاحق کے مقابل ہو جائے گا اس لئے معلوم ہوا ہے کہ مؤتم کوئی خاص قسم نہیں بلکہ مقتدی جس کو دوسرے لفظ میں مؤتم بھی کہتے ہیں تین قسم پر ہے جن کی تفصیل مع تعریفات کے درج ذیل ہے۔

(۱) مدرک وہ شخص ہے جس نے پوری نماز امام کی اقتداء میں پڑھی ہو۔

(۲) لاحق وہ شخص ہے جو ابتداءً امام کے ساتھ شریک نماز ہوا مگر بعد میں کسی عذر سے یا بلا عذر اس کی تمام رکعتیں یا بعض رکعتیں رہ گئیں۔

(۳) مسبوق جو ابتداء میں امام کے ساتھ شریک نماز نہ تھا ایک یا چند رکعتیں گزرنے کے بعد شریک ہوا کما فی الدر المختار واعلم ان المدرك من صلاها كاملة مع الا مام واللا حق من فاتته الركعات كلها او بعضها ولكن بعد اقتدائه الى قوله والمسبوق من سبقه الا مام بها او ببعضها الخ .

مسبوق اور لاحق کے احکام میں اہم فرق یہ ہے کہ لاحق اپنی تمام نماز میں مقتدی کا حکم رکھتا ہے اسی لئے فوت شدہ رکعات میں بھی قراءۃ نہ کرے گا۔ اور مسبوق اپنی فوت شدہ رکعات میں منفرد کا حکم رکھتا ہے۔ اسی لئے ان رکعتوں میں اس کو قراءۃ کرنا چاہئے۔

كما فی الدر المختا ر فی حكم اللاحق وحكمه ای اللاحق كمؤتم فلا ياتی بقرائته ولا سهو .الخ. قال وفی حكم المسبوق وهو ای المسبوق منفرد حتی يثنی ويتعوذ و يقرأ الخ۔ ۱۰ صفر ۱۳۵۰ھ

مسبوق کے درود پڑھنے سے متعلق چند سوالات

(سوال ۲۲۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں کہ نمبر ۱ مسبوق نے دو رکعت امام کے ساتھ پائیں اور امام کے ساتھ قعدہ آخیرہ میں بیٹھا کہ یہ اس کا قعدہ اولیٰ ہے اس میں بعد تشہد درود شریف پڑھے یا نہیں۔ اگر پڑھے تو کیا مضائقہ ہے۔

(۲) مسبوق نے صرف ایک رکعت پائی اور امام کے ساتھ قعدہ کیا تو اب تشہد کے بعد درود شریف پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۳) مسبوق کے امام نے سجدہ سہو کیا اور پھر تشہد وغیرہ پڑھ رہا ہے تو مسبوق بھی بعد تشہد درود شریف پڑھ سکتا

ہے یا نہیں؟

(الجواب) قال فی الدر المختار ولا یزید علی التشهد فی القعدة الا ولیٰ اجماعاً (ثم قال) واما المسبوق فیترسل لیفرغ عند سلام امامه وقیل یتم وقیل یکرر کلمة الشهادة ۱ھ قال الشامی ای یتمهل وهذا ما صححه فی الخانیه وشروح المنیة فی بحث المسبوق من باب السهو و باقی الا قوال مصحح ایضا. قال فی البحر و ینبغی الا فتاء بما فی الخانیة کما لا یخفیٰ ولعل وجهه کمافی النهر انه یقضی آخر صلوته فی حق التشهد و یاتی فیه بالصلوٰة والدعاء وهذا لیس آخراً قال ح وهذا فی قعدة الا مام الا خیرة واما فیما قبلها من القعدات فحکمه السکوت کما لا یخفیٰ ومثله فی الحلیة ا ه (شامی ص ٤٧٧ ج ١).

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نمبر ا مسبوق کو امام کے قعدہ آخیرہ میں درود شریف نہ پڑھنا چاہئے بلکہ تشہد کو اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھے کہ امام کے سلام تک اس سے فارغ ہو۔اور اگر پہلے فارغ ہو جائے تو کلمہ شہادت کو مکرر پڑھتا رہے۔ نمبر ۲ اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ا میں گزر گیا نمبر ۳ اس کا بھی وہی حکم جو گذرا۔ لقول الشامی واما فیما قبلها من القعدات الخ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (اضافہ)

فصل فیما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها
(نماز کے مفسدات ومکروہات)

سجدہ میں جاتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے پائجامہ درست کرنا

(سوال ۲۲۳) سجدہ میں جاتے وقت اکثر لوگ پائجامہ یا دھوتی ہاتھ سے اوپر کو چڑھا لیتے ہیں کیا اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

(الجواب) ہاتھ سے پائنچہ وغیرہ چڑھا لینے سے نماز تو فاسد نہیں ہوتی کیونکہ عمل کثیر کی صحیح تعریف کی رو سے یہ عمل کثیر نہیں اگرچہ دونوں ہاتھوں کا اس میں استعمال کیا جائے البتہ بلا ضرورت اس سے بچنا بہتر ہے۔ اور اگر کوئی ضرورت ہو جیسے بعض اوقات کپڑا تن جاتا ہے کہ سجدہ میں یا تو اس سے تکلیف ہوتی ہو اور یا پھٹ جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں اگر کپڑا سجدہ میں جاتے وقت درست کرے تو کوئی مضائقہ نہیں (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) ۱۰ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔

کھلی ہوئی کہنیوں سے نماز پڑھنا

(سوال ۲۲٤) آستین چڑھا کر نماز پڑھنے سے نماز میں کوئی خلل ہوتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر کہنیاں کھلی ہوئی ہوں تو باتفاق مکروہ ہے اور اس سے کم میں خلاف ہے وهو المراد من قول

الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال ویکرہ ایضاً ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او مدہ فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل کبیری ص ۳۰۵ وقال الشامی وقید الکراھۃ فی الخلاصۃ و المنیۃ بان یکون رافعاً کمیہ الی المرفقین وظاھرہ انہ لا یکرہ الی مادو نھما قال فی البحر و الظاھر الا طلاق لصدق کف الثوب علی الکل شامی کراھۃ الصلوٰۃ ص ۴۳ ج ۱۔

صرف پاجامہ پہن کر نماز مکروہ ہے

(سوال ۲۲۵)بغیر کرتہ کے صرف پاجامہ یا تہبند سے نماز کیسی ہو گی؟

(الجواب)بغیر کرتہ کے صرف پاجامہ یا تہبند کے ساتھ نماز مکروہ ہے۔کذافی شرح المنیۃ۔

صرف بنیان و نیم آستین صدریہ کے ساتھ نماز مکروہ ہے

(سوال ۲۲۶) بنیان یا نیم آستین صدری سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۲)رومال سے پیٹ یا پیٹھ چھپا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(الجواب)بنیان یا نیم آستین بلکہ پوری آستین کی بھی صدری پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اسی طرح رومال وغیرہ سے پیٹ اور پیٹھ چھپا کر پڑھنا بھی مکروہ ہے کما فی عامۃ کتب الفقہ وتکرہ الصلوٰۃ فی ثیاب البذلۃ۔البتہ اگر کسی کے پاس دوسرا کپڑا موجود نہ ہو تو بلا کراہت نماز درست ہے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔)

قبر سامنے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا کس صورت میں مکروہ ہے

(سوال ۲۲۷)ایک عالی شان قبہ ہے جس میں متعدد قبریں لکڑی کی جالی دار کٹھروں کے اندر موجود ہیں اس قبہ کے برابر لائن میں دائیں طرف مسجد ہے اور بائیں طرف دوسرا قبہ ہے اور ان تینوں کے آگے ایک بڑا صحن ہے جو تقریباً ایک جریب ہے جس کو مسجد کا حکم ہے آیا مسجد کے برابر والے صحن کو امام چھوڑ کر درمیانی قبہ (جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے) کے تھوڑے شمال کی طرف کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے اور صفیں سارے صحن کی لمبائی پر بنائی جاتی ہیں کیا اس حالت میں امام اور مقتدیوں کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب)صورت مذکورہ میں اس شرط کے ساتھ نماز جائز ہے کہ یا تو قبروں اور نماز کی صفوں کے درمیان کوئی دیوار یا بند شدہ کواڑ وغیرہ حائل ہوں اور یا اتنا فاصلہ ان قبروں اور نماز کی صفوں میں ہو کہ جب نمازی خشوع کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کی نظر ان قبروں پر نہ پہنچے۔ خشوع کی تفسیر یہ ہے کہ حالت قیام میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے اور حالت رکوع میں پشت قدم پر اور حالت قعود میں زانوں کی جڑ پر۔اور اگر نہ کوئی دیوار یا کوئی کواڑ حائل ہو اور نہ اتنا فاصلہ ہے تو ان قبروں کے سامنے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

والدلیل علیه ما ذکره الطحطاوی فی حاشیته علی مراقی الفلاح حیث قال وفی القهستانی عن جنائز المضمرات لا تکره الصلوٰۃ الی جهة القبر الا اذا کان بین یدیه بحیث لو صلی صلوٰۃ الخاشعین وقع بصره علیه وما فی العالگمیریة ان کانت القبور ما وراء المصلی لا یکره فانه ان کان بینه وبین القبر مقدار مالو کان فی الصلوٰۃ ویمر الا نسان لمر لا یکره انتهیٰ وما فی خزانة الروایات فی مفید المستفید من الحاوی سئل ابو نصر عن ذلك فقال ان کان القبر وراء المصلی لا یکره فانه ان کان بینه وبین القبور مقدار ما لومرّانسان بین یدیه لمرّ لا یکره فکذا هنا والحد الفاصل موضع سجوده انتهیٰ وصرح فی الخلاصة من کتاب الصلوٰۃ بجواز الصلوٰۃ الیها اذا کان هناك حائل مثل الجدار وغیره.

فصل فی القراءة ومسائل زلة القاری
(نماز میں قرات اور قاری کی لغزش کے مسائل)

قرات فاتحہ خلف الامام کے متعلق غیر مقلدوں کے دلائل کا جواب

(سوال ۲۲۸) جناب مفتی صاحب السلام علیکم (قراۃ فاتحہ خلف الامام کے متعلق یہ ادلہ ایک غیر مقلد نے پیش کی ہیں جن کی نقل ارسال ہے) اب ہم احناف کی جو دلیلیں ہوں ان کے جواب میں ان کو بحوالہ کتاب تحریر فرما کر ماجور ہوں۔

(الجواب) مذہب مختار جمہور حنفیہ کا اس باب میں یہی ہے کہ امام کے پیچھے قرات فاتحہ وغیرہ سب مکروہ ہے مطلقاً خواہ نماز جہری ہو یا سری صرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے غیر ظاہر الروایۃ میں ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ وہ سری نمازوں میں قراۃ فاتحہ کو احتیاطاً مستحسن فرماتے ہیں۔ سائل نے اس تحریر میں حنفیہ کا مذہب نقل کرنے میں احتیاط وانصاف سے کام نہیں لیا کیونکہ خود ہدایہ میں جس سے عبارت مذکورہ فی السوال نقل کی گئی ہے اس کے خلاف صراحۃً موجود ہے۔ سائل نے صرف اپنے مطلب کا ایک جملہ لے لیا اور اس کے خلاف قوی روایات و تصریحات کو چھوڑ دیا ہدایہ کے یہ الفاظ ولنا قوله علیه السلام من کان له امام فقرأة الا مام له قرأة وعلیه اجماع الصحابة الخ اور جو قول امام محمد صاحب کا سائل نے ہدایہ سے نقل کیا ہے وہ بھی ادھورا ہے ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں ویستحسن علیٰ سبیل الا حتیاط فیما یروی عن محمدؒ ویکره عندهما لما فیه من الو عید اس پوری عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ امام محمدؒ کا یہ قول جو نقل کیا گیا ہے ظاہر الروایت اور قوی نہیں بلکہ روایت ضعیفہ ہے۔ صحیح قول وہی ہے جو امام صاحب کا ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے ایسی ضعیف روایت بھی اس میں نہیں بلکہ وہ یقینی طور پر قرات خلف الامام کو ناجائز فرماتے ہیں دلیل ان دونوں امر کی یہ ہے کہ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں ہدایہ کے اس قول کے تحت میں فرماتے ہیں :-

یقتضی هذا العبارة انها لیست ظاهر الروایة عنه کما قال فی الزکوٰة وهو الذی یظهر من قوله فی الذخیرة وبعض مشائخنا ذکروا ان علی قول محمد لا یکره وعلی قولهما یکره ثم قال فی الفصل الرابع الا صح انه یکره والحق ان قول محمد کقولهما فان عبارة فی کتبه مصرحة بالتجافی عن خلافه فانه فی کتاب الا ثار فی باب القراء ة خلف الا مام بعد ما اسند الی علقمة بن قیس انه ما قرأ قط فیما یجهر فیه ولا فیما لا یجهر فیه قال وبه نا خذ لا نری القرأة خلف الا مام فی شیٔ من الصلوٰة وفی المو طا للامام محمد بعد ان روی فی منع القراء ة فی الصلوٰة ماروی قال محمد لا قرأة خلف الا مام فیما جهر ولا فیما لم یجهر فیه بذلك جاء ت عماة الاخبار وهو قول ابی حنیفة۔

الغرض امام محمد رحمۃ اللہ سے جو استحسان قرأت خلف الامام منقول ہے وہ ضعیف روایت ہے جو تمام ان کی تصانیف کے خلاف ہے اور خود ہدایہ میں بھی اس کی تضعیف کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ابن ہمام کی تصریح سے معلوم ہوا۔ اب سائل نے اسی ضعیف روایت کو مختلف کتب حنفیہ سے نقل کر کے یہ دکھانا چاہا ہے کہ خود حنفیہ کے نزدیک بھی قرأت خلف الامام مستحسن ہے اور انہیں کتابوں میں جو اس روایت کے خلاف تصریحات اور قوی روایات ہیں ان کو چھوڑ دیا۔ لہذا صحیح بات وہی ہے جو علامہ ابن ہمامؒ نے فرمائی ہے یعنی (والحق ان قول محمد کقولهما)

یہاں تک تو اس کے متعلق تھا کہ حنفیہ کا مذہب مختار اور صحیح کیا ہے۔ رہا یہ امر کہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت پر حنفیہ کے دلائل کیا ہیں۔ سو یہ ایک طویل الذیل سوال ہے جس کے جواب میں بیسوں مفصل و مدلل رسائل حنفیہ کی طرف سے مطبوعہ موجود ہیں۔ اگر اس کی مکمل تحقیق کرنا ہے تو رسائل ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

ہدایۃ المعتدی بزبان اردو۔ فصل الخطاب (عربی) امام الکلام (عربی) آثار السنن (عربی) اعلاء السنن (عربی واردو) وغیرہ اور اجمالا اتنا بھی کافی ہے کہ ایک دلیل حنفیہ کی آیت قرآن ہے۔ واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا. جس میں صاف سکوت اور استماع کا امر ہے اور منجملہ دلائل کے ایک وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بحوالہ ہدایہ گزری۔ یعنی من کان له امام فقراء ة الا مام له قراء ة . یہ حدیث بالکل صحیح اور صریح ہے۔ اجلہ محدثین نے اس کی تصحیح فرمائی ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم) ۸ صفر ۱۳۵۰ھ۔

قراءۃ خلف الامام کے بارہ میں صحابہ کرام کا تعامل

(سوال ۲۲۹) صحابہ کرام جب آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز میں پڑھتے تھے تو مقتدی ہونے کی حالت میں کیا کیا پڑھتے تھے اور کس وقت خاموش رہتے تھے۔

(۲) ظہر عصر میں کچھ پڑھتے تھے یا خاموش کھڑے رہتے تھے۔

(۳) مغرب اور عشاء میں صحابہ کرام مقتدی ہونے کی حالت میں تیسری اور چوتھی رکعت میں یہ پڑھتے تھے یا

خاموش رہتے تھے۔

(۴) اگر کوئی صحابہ ایک یا دو رکعت کے بعد جماعت میں شریک ہوتے تھے تو فوت شدہ رکعات میں کچھ پڑھتے تھے یا نہیں۔

(۵) اگر آنحضرت ﷺ قصر پڑھ کر سلام پھیر دیتے تو مقتدی باقی دو رکعت کس طرح ادا کرتے تھے۔

(الجواب) نمبر اول سے نمبر پانچ تک تمام صورتوں میں صحابہ کرام کا عمل ۔ مختلف رہا ہے اور اسی لئے ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور تمام ائمہ دین کے اندر اس مسئلہ میں خلاف واقع ہوا صحابہ کرام اس بات میں تین جماعتوں پر منقسم تھے بعض حضرات مطلقاً امام کے پیچھے قراءۃ نہ پڑھتے تھے نہ سری نمازوں میں اور نہ جہری نمازوں میں اور نہ جہری نمازوں کی آخری تیسری یا چوتھی رکعت میں اور بعض حضرات سری نمازوں میں پڑھتے تھے اور جہری میں نہیں اور بعض حضرات سے یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ وہ سری اور جہری دونوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے جیساکہ کتب حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے لیکن جمہور صحابہ کا عمل کتب حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قراءۃ خلف الامام کے مطلقاً منکر تھے جن میں سے بعض آثار اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) كان عبدالله بن عمر لا يقرأ خلف الا مام واسناده صحيح رواه مالك فى الموطأ .

(۲) عن وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القران فلم يصل الا وراء الا مام رواه مالك فى المؤطا و اسناده صحيح .

(۳) عن زيد بن ثابت وجابر بن عبدالله فقالوا لا يقرأ خلف الا مام فى شئ من الصلوٰة رواه الطحاوى واسناده صحيح عن ابن مسعودؓ قال انصت للقراء ة فان فى الصلوٰة شغلا وسيكفيك ذلك الا مام رواه الطحاوى واسناده صحيح .

امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنا

(سوال ۲۳۰) جو لوگ امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھتے ہیں ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں ؟

(الجواب) کتب فقہ میں ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اصح مذہب کے موافق نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ در مختار میں ہے۔ **والمؤ تم لا يقرأ مطلقها ولا الفاتحه الخ فان قرأ كره تحريما وتصح فى الا صح الخ .**

ضاد کے بجائے قاری کا عمداً ظاء پڑھنا

(سوال ۲۳۱) زید قاری بجائے "ض" کے "ظا" خالص عمداً نماز میں ہر جگہ پڑھتا ہے اس سے معنی اور نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں ؟

(۲) صاد مشابہ بالظاء ضرور ہے مگر کیا دونوں کی صورتوں میں فرق مسموع ہو گیا نہیں ؟

(۳) ضاد کو اصلی مخرج سے ادا کرتے ہوئے کچھ اطباق زیادہ ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دال مفخم ادا ہوتی ہے جیسا کہ آج کل تمام قراء عرب و عجم سے مسموع ہوتا ہے کیا اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ؟

(۴) ایک شخص کہتا ہے کہ خالص ظاء پڑھنے میں تحریف لازم آتی ہے اور اگر ذرا اطباق ہو جائے تو محض ضاد کی ایک صفت باطل ہوتی ہے اس کا خیال درست ہے یا نہیں ؟

(۵) ضاد و ظاء میں متقدمین کا مسلک احتیاطی ہے یا متاخرین کا ؟

(الجواب) مسئلہ ضاد میں جو اختلافات ہیں وہ دراصل دو قسم پر منقسم ہیں۔ اول یہ کہ مخرج ضاد کیا ہے اور وہ مشابہ ظاء ہے یا دال مہملہ کے مشابہ ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص بجائے ضاد کے نماز میں ظاء معجمہ یا دال مہملہ پڑھے اس کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں۔ دونوں امر کے متعلق مختصراً عرض ہے۔

امر اول کے متعلق تو تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور قراء و فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مخرج ضاد حافہ لسان اور ماس کی متصل کی ڈاڑھیں ہیں اور اس کی آواز ظاء معجمہ کی آواز کے مشابہ ہے۔ دال مہملہ کے مشابہ نہیں جیسا کہ اکثر کتب قراءۃ و فقہ میں اس کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔

منجملہ ان کی شیخ مکی اپنے رسالہ "نهاية القول المفيد فى علم التجويد" میں فرماتے ہیں۔ صفحہ ۵۸ مطبوعہ مصر۔

ان الضادو الظاء المعجمتا ن اشتركتا جهراً ور خاوة واستعلاءً واطباقاً وافترقتا مخرجاً وانفردت الضاد بالاستطالة وفى المرعشى نقلاً عن الرعاية ما ان هذين الحرفين اعنى الضاد و الظاء متشابها ن فى السمع والا تفترق الضاد عن الظاء الا باختلاف المخرج والا ستطالة فى الضادو لو لا هما لكانت احداهما عين الا خرى فالضاد اعظم ، كلفة واشق على القارى من الظاء ومتى قصر القارى فى تجويد الظاء جعلها ضا د ا انتهى

اور امر ثانی کے متعلق مختار للفتویٰ اور احوط یہ ہے کہ ضاد جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے نہ عین ظاء ہے نہ عین دال نہ ان کے مخرج میں اتحاد ہے اور نہ صرف صوت میں بلکہ صرف مشابہ بالظاء ہے جس سے خود عینیت کی نفی ہوتی ہے اس لئے بجائے ضاد کے خالص ظاء پڑھنا اور دال مفخم خالص پڑھنا دونوں غلط محض ہیں لیکن اس سے فساد صلوٰۃ کے باب میں یہ تفصیل ہے کہ جو شخص قاری مجود ہے اور صحیح مخرج سے اسے نکال سکتا ہے اگر وہ عمداً اس کو غلط پڑھتا ہے یعنی ظاء خالص یا دال خالص پڑھتا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر عمداً غلطی نہیں کرتا یا ناواقفیت کی وجہ سے اس کو ظاء و ضاد میں یا دال مفخم اور ضاد میں کوئی امتیاز نہیں ہوتا اور اس بنا پر ظاء خالص یا دال مفخم پڑھتا ہے تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ یہ شخص غلط پڑھنے اور صحیح حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا اور آج کل عام طور پر یہی صورت در پیش ہے۔

والدليل علىٰ هذه الدعاوى هذا لروايات الفقهية فى الذخيرة ان الحرفين ان كانا من مخرج واحد او كان بينهما قرب المخرج واحد هما يبدل بالاٰخر كان ذكر هذ االحرف كذكرهذا الحرف فلا

یوجب فساد الصلوٰۃ و کذا اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولاقربۃ الا ان فیہ بلوی العامۃ نحو ان یا تی بالذال مکان الضاد وان یاتی بالذاء المحض کان الذال والظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ وفی خزانۃ الروایات قال القاضی الا مام ابو الحسن والقاضی الا مام ابوعاصم ان تعمد، ذلك تفسد وان جری علی لسانہ اولا یعرف التمیز لا تفسد وھذا عدل الاقاویل وھو المختار۔

اس تفصیل سے تمام سوالات مذکورہ کا جواب(۱) ہو گیا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

ضاد اور ظاء کے تلفظ اور مخارج کی تحقیق

(سوال ۲۳۲)وبعد فان الناس فی ھذہ الدیار مختلفون فی النطق بالضاد المعجمۃ القرآنیۃ علی طرق واکثر ھم یقرؤن الضاد بصوت یکون اقرب الیٰ صوت الدال المھملۃ فی السمع ویمیز ھا من الدال باطباق ویقول لولا الا طباق فی الضاد لکان دالاً ۔ وبعضھم یقرأ الضاد بصوت یکون مشابھاً بصوت الظاء المعجمۃ فی السمع فما قولکم فی صحۃ القراء تین وعدم صحتھا۔

(الجواب)اقول وباللہ التوفیق ان الکلام ھھنا فی الا مر ین الاول فی مخرج الضاد ما ھو وھل ھو فی التلفظ مشابہ بالظاء او الدال المھملۃ و الثانی ان من تلفظ بالظاء او ا لدال المھملۃ مکان الضاد تجوز صلوٰۃ أم لا۔ فالجواب فی الا مرالاول ان ھذا امر یتعلق بالتجوید فالا ولیٰ ان یرجع فی ھذا، الباب الیٰ اھل ھذا الفن والعبد الفقیر لیس منھم نعم ما سمعت من بعض کبار اھل الفن ھو ان الحق الذی علیہ اطباق الجماھیر من القراء والفقھاء ھو ان مخرج الضاد حافۃ اللسان مع ما یلیہ من الا ضراس وتلفظہ یشبہ تلفظ الظاء المعجمۃ لا الدال المھملۃ کما ظھر من العبارات المر قومۃ فی السوال وغیرھا من کتب الفن فقد قال الشیخ محمد مکی فی رسالۃ نھا یۃ القول المفید فی علم التجوید صفحہ ۵۸ مطبوعۃ مصر ان الضادوالظاء المعجمتین اشترکتا جھراً اورخاوۃً واستعلاءً واطباقا وا فترقتا مخرجاً و ا نفردت الضاد باستطا لۃ وفی المر عشی نقلاً عن الرعایۃ ما مختصرہ ان ھذین الحرفین اعنی الضاد والظاء متشابھان فی السمع ولا تفترق الضاد عن الظاء الا باختلاف المخرج و الا ستطالۃ فی الضاد ولو لا ھما لکانت احد ا ھما عین الاخریٰ فالضادا عظم کلفۃ واشق علی القاری من الظاء ومتی قصر القاری فی تجوید الظاء جعلھا ضاداً انتھیٰ۔

واما الجواب فی الا مر الثانی فالمختار الا حوط فی ھذا الباب ان من تعمد الغلط، فجعلھا ظاءً امحضاً او دالاً محضاً مع قدرتہ علی التلفظ الصحیح واخراجھا عن مخرجھا الصحیح فسدت صلوٰتہ وان لم یتعمد الغلط بل صدر منہ لعدم التمیز بینھما جازت الصلوٰۃ وان کان آثماً لترك السعی

(۱)اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ رفع التضاد عن احکام الضاد میں مذکور ہے ۱۲ محمد شفیع۔

فی تعلم الصحیح و انا نری العامة فی زماننا هذا علی هذا الطریق فمنهم من یجعلها ظاءً امحضاً اوزاء او ذالاً و منهم من یجعلها دالاً مفخمةً مطبقةً و کلامها لحن و غلط الا انهما لا یفسدان الصلوٰة لعموم البلوی وعدم التمیز الا بالمشقة ومما یدل علی ما قلنا هذه الروایات الفقهیة فی الذخیرة ان الحرفین اذا کانا من مخرج واحدا و کان بینهما قرب المخرج و احد هما یدل بالاٰ خر کان ذکر هذا الحرف کذ کر هذا الحرف فلا یوجب فساد الصلوٰة و کذا اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فیه بلوی العامة نحو ان یاتی بالذال مکان الضاد وان یاتی بالزاء المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ وفی خزانة الروایات قال القاضی الا مام ابو الحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فی ذلك تفسد وان جری علی لسانه او لا یعرف التمیز لا تفسد و هذا اعدل ا لا قاویل وهو المختار. ۷ صفر ۱۳۵۰ھ

تقریباً ایک آیت بیچ میں سے چھوٹ گئی جس سے معنی بدل گئے۔

(سوال ۲۳۳) ایک شخص نے مغرب کی نماز میں رکعت اولیٰ میں القارعة پڑھی اور یہ آیت چھوڑ گیا فهو فی عیشة الراضیة . واما من خفت موازینه ۔ آیا نماز ہوئی یا نہیں ؟

(الجواب) اگر موازینه پر وقف تام کرنے کے بعد فامه هاویه کہا ہے تو نماز ہو گئی اور اگر بلاوقف تام کہا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو نماز فاسد ہو گئی۔

قال فی شرح المنیة الکبیرؒ القاعدة عند المتقدمین ان ما غیره تغیرا یکون اعتقاده کفراً تفسد فی جمیع ذلك سواء کان فی القرآن او لم یکن الا ما کان من تبدیل الجمل مفصولاً بوقف تام ثم قال بعد ذلك فالا ولیٰ الا خذ بقول المتقدمین الخ کبیری ص ٤٠٨ مطبوعه لاهور.

قرات قرآن میں ایک حرف کودوسرے سے بدل کر پڑھنے کی مفصل بحث

(سوال ٢٣٤) لحن کس کو کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔ ضاد مثل ظاء کے پڑھا جاوے گا یا دال مفخم۔ ضاد۔ ظاء۔ ز۔ ط۔ ت۔ س۔ صاد۔ دال ان حرفوں کا کیا مخرج ہے۔ اگر کوئی شخص۔ اندر نماز کے سبحان ربی العظیم کی ظاء کی جگہ ز پڑھے یا سبحان ربی الا علیٰ کی جگہ سبحان ربی الآلیٰ پڑھے یا سورۃ فاتحہ میں وایا کی جگہ ویا پڑھے یا اسی سورت میں المغضوب کی ضاد کی جگہ ظا یا دال مفخم پڑھے یا الصف کی صاد کی جگہ سین یا فائزون کی ز کی جگہ ذال پڑھے یا نصر الله کی صاد کی جگہ سین پڑھے یا حطب کی ط کی جگہ ت پڑھے یا یکذب کی ذال کی جگہ ز پڑھے تو ایسے شخص کی کسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور ایسی صورت میں اکیلے شخص کی بھی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ لا الیٰ الله تحشرون سورہ آل عمران میں ولا او ضعو سورہ توبہ میں اور لا اذ بحنه سورہ نمل میں لاالی الجحیم سورہ والصّٰفٰت میں لا انتم سورہ حشر میں اگر کوئی شخص اندر نماز

کے "لا" کو ساتھ "الف" کے ملادے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں۔ اگر کوئی شخص درمیان سورۃ سے پڑھنا شروع کرے اور اعوذ کو اللہ کی کسی صفتی نام سے وصل کر دے تو اس حالت میں پڑھنے والا گنہ گار ہوا یا نہیں۔ محمود کی نماز غیر محمود کے پیچھے ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) اس سوال کے جوابات باہر کے لکھے ہوئے تصدیق کے لئے آئے ہیں وھو ھذا وہ لحن جس میں تغیر ہو وہ مفسد صلوٰۃ ہے یعنی حرف کی تغیر ہو جائے جس سے معنی دوسرے ہو جائیں تو یہ مفسد ہے اور جو لحن ایسا ہو کہ حروف تو متغیر نہ ہوں لیکن اعراب میں خطا واقع ہو جائے جیسا کہ طحاوی میں۔ الخطاء فی الا عراب ویقال لحن۔ یہ لحن مکروہ ہے اگر معنی بگڑ جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر بمعنی تحسین صوت ہو تو یہ لحن نماز و غیر نماز دونوں میں مستحب ہے۔

(۲) زبان کی داہنی یا بائیں کروٹ جب بالائی داڑھوں سے متصل ہو وہ مخرج ضاد ہے۔ ظ معجمہ کا مخرج ثنایا علیا اس طرح کہ جب زبان کی طرف اور ثنایا علیا کے کنارہ سے متصل ہو جائے ز معجمہ اور س مہملہ اور ص مہملہ یہ تینوں زبان کے کنارہ اور ثنایا سفلی کی جڑ کے مابین سے نکلتے ہیں یہی ان کا مخرج ہے۔ ت فوقانیہ اور ط مہملہ اور د مہملہ یہ تینوں زبان کے کنارے اور ثنایا علیا کے جڑ کے مابین سے نکلتے ہیں یہی ان کا مخرج ہے۔

(۳) ض معجمہ اور ظ معجمہ اور د مہملہ کے مخارج تو جواب دوم میں گزر چکے کہ ان میں سے ہر ایک کا مخرج جداگانہ ہے لہذا پہلا فرق تو ان میں من حیث المخارج ہوا پھر ض معجمہ مجہورہ رخوہ۔ مستعلیہ۔ مطبقہ۔ مصمتہ۔ مستطیلہ اور ظ معجمہ مجہورہ۔ رخوہ۔ مستعلیہ۔ مطبقہ۔ مصمتہ اور د مہملہ مجہورہ شدیدہ مستفلہ۔ منفتحہ مصمتہ مقلقلہ ہے۔ لہذا ض معجمہ کو ظ معجمہ سے صرف ایک صفت استطالت کا فرق ہے کہ ض معجمہ مستطیلہ ہے اور ظ معجمہ مستطیلہ نہیں اور ض معجمہ کو د مہملہ سے چند صفات کا فرق ہے کہ ض معجمہ رخوہ ہے اور د مہملہ اس کی ضد شدیدہ اور ض معجمہ مستعلیہ ہے اور د مہملہ اس کی ضد مستفلہ اور ض معجمہ مطبقہ ہے اور د مہملہ۔ اس کی ضد منفتحہ۔ اور ض معجمہ مستطیلہ ہے اور د مہملہ اس کی ضد قصیرہ اور د مہملہ مقلقلہ ہے اور ض معجمہ غیر مقلقلہ بالجملہ یہ تینوں حروف متباینہ و متغائرہ من حیث المخارج والصفات ہوئے اب تلاوت قرآن مجید میں ایک کو دوسرے سے قصداً بدلنا حرام ہے۔ اور گناہ عظیم و تحریف قرآن کریم ہے اب باقی رہی مشتبہ الصوت کی بحث لہذ الاشتباہ صوت کے اسباب یا تو ایک کا دوسرے حرف کے ساتھ مخرج میں اتحاد یا قرب ہو گا یا مشارکت فی الصفات یا قصور زبان۔ قسم اول یعنی اتحاد مخرج یا قرب کی وجہ سے مشتبہ ہو نالہذا اس اشتباہ کو زائل کرنے والی چند چیزیں ہیں ہر حرف کا تغایر و تباین وضعی بلکہ ہر ایک کی صوت طبعی امتیاز مشتبہات کے لئے بہت کافی ہے معہذا صفات یا خاصہ کا فرق بلکہ ہر ایک کی ادائیگی کی مخصوص کیفیات مشتبہ الاصوات میں ایسا بین فرق پیدا کر دیں گی کہ ہر سامع عام ازیں کہ وہ فن تجوید سے مس رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو مگر تغائر مشتبہات کو بآسانی معلوم کر لیتا ہے اور متقارب المخارج حروف میں ان تمام امور کے باوجود خود تغایر بین المخارج ایک بڑی امتیاز پیدا کرنے والی چیز ہے الحاصل اس قسم کے مشتبہ الصوت حروف کا فرق سیکھنا نہایت ضروری ہے کہ اکثر اس کا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے حکم بدل کر معنی متغیر ہو جاتے ہیں۔ قسم دوم یعنی حروف کا مشارکت فی

الصفات کی وجہ سے مشتبہ الصوت ہونا۔لہذا اس اشتباہ کو زائل کرنے والی بھی چند چیزیں ہیں۔
(۱)ہر حرف کا تغائر و تبائن وضعی۔
(۲)ہر ایک کی صوت طبعی۔
(۳)ہر ایک حرف کے ادا کی مخصوص رعایات۔
(۴)بعض میں ان کی خاص صفات کہ ان میں سے ہر ایک ایسے مشتبہ الاصوات حروف میں بین فرق پیدا کرنے کے لئے کافی ہے پھر سب کا اجتماع تو کمال درجہ کا امتیاز پیدا کر دے گا اور اگر ان متشارک فی الصفات حروف میں تغائر بین المخارج بھی ہے تو ایک خود زبردست فرق کرنے والی چیز ہے لہذا اس قسم دوم کے مشتبہ الاصوات حروف کا فرق سیکھنا بھی حتمی اور لازمی ہے کہ اس فرق کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی کلمہ متغیر ہو کر معنی اکثر بگڑ جاتے ہیں مگر اس وقت چند مجود اور نئے مدعیان علم تجوید نے مشارکت فی بعض الصفات کا نام اتحاد ذات سمجھ رکھا ہے کہ ض معجمہ کو بالقصد ظ معجمہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور جب کوئی شخص اعتراض کر دیتا ہے تو نہایت جرأت و دلیری سے کہہ دیتے ہیں کہ ض معجمہ کو چونکہ ظ معجمہ سے اکثر صفات میں مشارکت ہے اس لئے اس کو ظ معجمہ کی آواز میں ادا کیا جاتا ہے لہذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جیسے مغالطوں کی حقیقت سے آگاہ کروں چنانچہ اگر بقول ان کے مشارکت فی بعض الصفات ایک حرف کی آواز کو دوسری آواز میں فنا کر دیتی ہے تو ملاحظہ ہو کہ ح مہملہ اور ش معجمہ میں پانچ صفات میں مشارکت ہے صرف ش معجمہ میں ایک صفت تفشی زائد ہے۔ د مہملہ اور ب موحدہ میں پانچ صفات میں مشارکت ہے صرف ایک ایک صفت میں فرق ہے کہ د مہملہ مصمتہ ہے اور ب موحدہ مذلقہ ہے یہ دو مثالیں تو وہ تھیں کہ جن میں ایک ایک صفت کا فرق تھا۔اب دو مثالیں لیجئے جن میں ایک صفت کا بھی فرق نہیں ہے۔چنانچہ ہ اور ث مثلثہ کہ ان دونوں میں ایک صفت کا بھی فرق نہیں ہے کہ یہ دونوں مہموسہ۔رخوہ۔مستفلہ منفتحہ۔مصمتہ ہونے میں برابر ہیں۔اسی طرح ک وف فوقانیہ کو یہ دونوں بھی پانچوں صفت مہموسہ شدیدہ۔مستفلہ۔منفتحہ۔مصمتہ میں برابر ہیں۔لہذا اب نئے قاریوں کو چاہئے کہ پہلی دونوں مثالوں میں چونکہ اکثر صفات میں صرف ایک ایک صفت کا فرق ہے جیسے ض معجمہ اور ظ معجمہ میں ایک صفت کا فرق ہے تو جب باوجود ایک صفت کا فرق ہوتے ہوئے ض معجمہ ہم آواز ظ معجمہ کا ہی نہیں ہو گیا بلکہ ذات معجمہ بن گیا۔لہذا اس قاعدہ کا بناپر ش معجمہ ہم آواز ح مہملہ کا اور د مہملہ ہم آواز۔ب موحدہ کا ہی نہیں ہو جائے بلکہ ش معجمہ ذات ح مہملہ اور د مہملہ ذات ب موحدہ بن جائے۔اب باقی رہیں آخر کی دو مثالیں مشارکت فی بعض الصفات ہی نہیں بلکہ مشارکت فی کل الصفات ہے اور ض معجمہ اور ظ معجمہ میں تو ایک صفت کا فرق بھی تھا اور یہاں تو فرق کا نام ہی نہیں۔لہذا ایک دوسرے کی ہم آواز ہونے کا کیا ذکر بلکہ ہ کو ث مثلثہ اور ک کو ت فوقانیہ پڑھنا چاہئے باوجود یہ کہ ہر نا خواندہ بھی ح مہملہ اور ش معجمہ اور د مہملہ اور ب موحدہ میں اور ہ اور ث مثلثہ میں اور ک اور ت فوقانیہ میں بین فرق سمجھتا ہے۔بالجملہ مشتبہ الصوت ہونے کا مدار یہ مجوزین کیا اب بھی مشارکت فی الصفات ہی قرار دیں گے اور سنیے کہ ط مہملہ اور ت فوقانیہ میں اس کی اضداد صفات ہیں یعنی مہموسہ۔مستفلہ۔منفتحہ۔قلقلہ۔لہذا اگر مشتبہ الصوت

ہونے کامدار صرف مشارکت فی الصفات پر ہوتا باوجود چار صفات کے فرق ہوتے ہوئے یہ دونوں مشتبہ الصوت نہ ہوئے حالانکہ ان کو مشتبہ الصوت تسلیم کیا گیا ہے لہذا اب نہایت روشن طور پر ثابت ہو گیا کہ مشتبہ الصوت ہونے کامدار صرف مشارکت فی الصفات کو قرار دینا نہایت نادانی ہے علاوہ بریں ان مجودین نے مشتبہ الصوت ہونے کا یہ مطلب کہاں سے تراشا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ایسے ہم آواز ہو جائیں کہ جس میں سامع کو کوئی امتیاز ہی نہ ہو سکے ملاحظہ ہو کہ یہی ت فوقانیہ اور ط مہملہ مشتبہ الصوت ہیں باوجود یہ کہ ہر سامع ان کی ادائیگی کے وقت ان میں فرق بآسانی معلوم کر لیتا ہے لہذا ض معجمہ کو ظ معجمہ پڑھنا اور گلو خلاصی کے لئے مشتبہ الصوت کو آڑ بنالینا مجودین کا قرآن کریم میں تحریف کرنا ہے ورنہ ان مجودین کے اس قاعدہ کی بنا پر کیا ہر مشتبہ الصوت کا یہی طریقہ تلاوت ہے پھر لطف کہ ایک یہ بات ہے کہ مشابہت جانبین سے مساوات چاہتی ہیں لہذا اس کی کیا وجہ ہے کہ ض معجمہ کہ ہم آواز ظ معجمہ کے کیا جاتا ہے اور ظ معجمہ کو ہم آواز ض معجمہ کے نہیں کیا جاتا اس میں مرجح کون ہے بلکہ چاہئے تو یہ تھا کہ ظ معجمہ کو ض کے ہم آواز کیا جاتا کیونکہ ض معجمہ میں ایک صفت استطالت ظ معجمہ سے زاید ہے لہذا باوجود اس کے خلاف پر کون سی دلیل ترجیح قائم ہو گئی ہے۔ اب باقی رہا یہ عذر کہ معجمہ کہ ض معجمہ کی ادائیگی میں نہایت دشواری اور اشکال ہے تو کیا یہ عذر تبدیل حروف کو جائز کردے گا علاوہ بریں جس حرف کے ادا کرنے میں دشواری ہو تو کیا اس کے لئے یہی قاعدہ ہے کہ وہ اس طرح تبدیل حرف کر لیا کرے لہذا پھر تو ہر شخص کا نیا ہی قرآن ہو جائے گا۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

قسم سوم۔ زبان کے قصور کی وجہ سے مشتبہ الصوت ہونا لہذا اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) عجز عذر، ان دونوں کی تعریف اور حکم مقدمہ چہار کی قسم سوم و چہارم میں مفصل گزر چکا۔ بالجملہ۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ ض معجمہ ان دونوں حروف ظ معجمہ اور د مہملہ سے ایک بالکل علیحدہ اور ممتاز حرف ہے۔ لہذا ض معجمہ نہ ظ معجمہ پڑھا جائے گا نہ د مہملہ اور د مہملہ مفخم نہیں ہوتی اس کو مفخم لکھنا غلطی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۴) سنت یہی ہے کہ رکوع میں سبحان ربی العظیم ہی کہا جائے اور عظیم میں ظ کو مخرج سے ادا کیا جائے بصورت عجز اگر زپڑھی یعنی عزیم تو اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا کلمہ ہوا۔ عزیم کے معنی عدو شدید کے ہیں۔

(۵) ان مقامات میں الف کی زیادتی سے لا نفی بن جائے گا اور اس میں بجائے اثبات کے نفی کے معنی پیدا ہو جائیں گے تو اس میں معنی بہت زیادہ بگڑ جائیں گے لہذا حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے قول کے مطابق فساد نماز کا حکم ہے اور بحالت عجز بھی اس میں حکم فساد ہی زیادہ احوط ہے کہ اس کے امتیاز میں زیادہ دشواری نہیں ہے۔

(۶) تعوذ کے آخر میں چونکہ شیطان کا نام ہے اور اس کے بعد اس کی صفت رجیم ہے لہذا اس کا کسی اسمائے الٰہی سے وصل مناسب نہیں ہے اگرچہ وصل و وقف سے علماء کرام نے معنی کا تغیر تسلیم نہیں کیا ہے ہاں اگر معنی پر نظر رکھتے ہوئے اور اس اتصال کو اچھا سمجھتے ہوئے اس نے عمداً وصل کو اختیار کیا ہے تو ضرور گنہگار ہو گا جیسا کہ شامی کی عبارت میں مصرح ہے والاولی الا خذ بهذا فی العمد۔ ہاں بسم اللہ شریف کو اسمائے الٰہی سے وصل کر سکتے ہیں کما ہو مصرح فی کتب التجوید۔

(۷) جائز نہیں۔ کتبہ محمد اجمل بن الشاہ محمد اکمل سنبھلی۔ تصدیق از دیوبند۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امابعد احقر نے رسالہ ہذا علاوہ مقدمات کے بتمامہا مطالعہ کیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اپنے موضوع میں بے نظیر رسالہ ہے خصوصاً ضاد کی۔ تحقیق بالکل افراط و تفریط سے پاک اور نہات بہتر تحقیق ہے۔ البتہ مسائل۔ مندرجہ (۴) و (۵) میں مولف علامہ نے متقدین کی رائے کو اختیار فرما کر ان تمام صورتوں میں فساد صلوٰۃ کا حکم دیا ہے جن میں تغیر فاحش معنی میں ہو جاتا ہے۔ اس بارہ میں احقر کا خیال تبعاللاکابر یہ ہے کہ اپنے عمل میں متقدمین ہی کے قول کو اختیار کرنا چاہئے لیکن فتوے میں متاخرین کے قول کو فتویٰ دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں وسعت ہے جس کا لحاظ رکھنا بوقت عموم بلوٰے مفتی کے فرائض میں سے ہے لہذا ان تمام مسائل میں احقر کے نزدیک اس شخص کی نماز فاسد نہ ہوئی جس نے عمداً جان بوجھ کر غلطی نہ کی ہو یعنی غیر عامد کی نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر عامد ایسا کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

لمافی الد رالمختار وفی التتار خانية عن الحاوی عن الصفار انه كان يقول الخطاء اذا دخل فی الحروف لا يفسد لان فيه بلوی عامة الناس لا نهم لا يقيمون الحروف الا بمشقة وفيها اذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربة الا ان فيه بلوى العامة كالذال مكان الضاد و الزاء المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ الخ . والله سبحانه ، وتعالیٰ اعلم کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ۔

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا

(سوال ۲۳۵) ہر نماز کی ہر رکعت میں قبل شروع کرنے سورہ فاتحہ اور بعد سورہ فاتحہ قبل سورۃ کے بسم اللہ کا پڑھنا جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص ۷۰ ۴ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ من تركها فقد ترك ما ته واربع عشرة آية من كتاب الله تعالیٰ . كذافی المدارك ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

(الجواب) فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے البتہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ درمختار میں ہے وكما تعوذ سمى غير المؤتم الخ سراً فی اول كل ركعة ولو جهرية لا تسن بين الفاتحة و السورة مطلقاً ولو سرية الخ۔ معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے اور درمیان فاتحہ اور سورۃ کے بسم اللہ پڑھنی مسنون نہیں ہے اور جو حدیث فتاویٰ نذیریہ سے نقل کی ہے یہ قابل عمل نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد۔

مفسد صلوٰۃ غلطی کی اگر تصحیح کرلی جائے

(سوال ۲۳۶) تراویح میں قراۃ کے اندر ایسی غلطی ہو گئی جس سے معنی بدل گئے۔ سامع کے بتلانے سے صحیح ہو گیا وہ نماز جس میں غلطی واقع ہوئی فاسد تو نہیں ہوئی۔ یہ سنا ہے کہ مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایسا مسئلہ پیش ہوا

تھا۔اس پر یہ فرمایا تھا کہ جب فاسد ہوگئی پھر سامع کے بتلانے سے صحیح نہیں ہوسکتی؟
(الجواب)فتاویٰ عالمگیری میں ہے ذکر فی الفوائد لوقرأ فی الصلاۃ بخطاء فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلاته جائزۃ الخ۔اس روایت کی بناء پر جب سامع کے بتلانے سے صحیح پڑھ لیا تو نماز صحیح ہوگئی اور حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اگر اعادہ کرایا ہو تو وہ احتیاط اور اولویت کا درجہ ہے چنانچہ بہتر یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کرلیا جائے۔بشرطیکہ غلطی ایسی ہوئی ہو جس سے معنی قرآن کے غلط ہوگئے ہوں۔

امام کو لقمہ دینے کے مسائل

(سوال ۲۳۷)نماز جمعہ یا کسی اور فرض نماز میں امام اگر کوئی سورت کلام مجید غلط پڑھے یا پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش ہوجائے تو کیا مقتدی امام کو صحیح بتاسکتا ہے اور نماز میں مقتدی کے بتانے سے فرق تو نہیں آتا؟
(الجواب)امام کو لقمہ دینے میں اور بتلانے میں جلدی کرنا مکروہ ہے جیسے کہ امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہوجاوے بہر حال لقمہ دینے سے نماز میں کچھ نقص نہیں آتا در مختار میں ہے بخلاف فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقاً لفاتح وآخذ بکل حال الخ قوله وبکل حال ، ای سواء قرأ الا مام قدر ما تجوز به الصلوٰۃ ام لا انتقل الیٰ آیة اخری ام لا کرر الفتح ام لا هوا لاصح نهر . (واللہ تعالیٰ اعلم)

نمازیوں میں جس کی قرات بہتر ہو اس کو امام بنانا اولیٰ ہے

(سوال ۲۳۸)ایک آدمی ہے جو کچھ علم تجوید قرات سے واقف ہے اور اس نے کچھ مشق بھی کی ہے اس کی نماز دوسرے لوگوں کے پیچھے جن کی یہ حالت نہیں جائز ہے یا نہیں۔مفصل جواب کی ضرورت ہے؟
(الجواب)نماز جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ اس صورت میں یہی شخص امام بنے جو اوروں سے اچھا قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔کما هو مصرح فی عامة کتب الفقه وقال در المختار . فان قد موا غیر الا ولیٰ اساؤوا. (واللہ اعلم)

فصل فی الوتر
(وتر کابیان)

وتر میں بجائے دعا قنوت کے کوئی اور دعا پڑھنا

(سوال ۲۳۹) وتر میں بجائے دعائے قنوت کے اور کوئی دعا یا سورۃ پڑھ لی جائے تو نماز ہوگی یا نہ؟

(الجواب) جو دعا کلام ناس کے مشابہ نہ ہو اس کے پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے. قال الشامی ومن لا یحسن القنوت یقول ربنآاتنا فی الدنیا حسنةً الآیہ. وقال ابو اللیث یقول اللهم اغفرلی یکررها ثلاثاً وقیل یقول یارب ثلاثاً ذکرہ فی الذخیرۃ اھ (واللہ تعالیٰ اعلم)

دعا قنوت یاد نہ ہو تو کیا پڑھے

(سوال ۲۴۰)(۱) عوام میں مشہور ہے کہ جس کے دعا قنوت یاد نہ ہو تو اس کا نکاح حرام ہے اگر اولاد ہوگی تو حرام کی ہوگی اس کی کہاں تک اصل ہے یا نہ؟

(الجواب)(۱) یہ قول کہ نکاح حرام اور اولاد حرام کی ہوگی غلط اور بے اصل ہے۔

(۲) شامی باب الوتر میں ہے کہ جس شخص کو دعا قنوت یاد نہ ہو تو وہ یہ دعا پڑھے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنةً وفی الاٰخرۃ حسنة وقنا عذاب النار الخ۔ البتہ دعا قنوت مخصوصہ کا پڑھنا چونکہ سنت ہے اس لئے دعا قنوت یاد کر لینی چاہئے اور شامی میں واجبات صلوٰۃ میں ہے۔ قولہ وهو مطلق الدعاء ای القنوت الواجب یحصل بای دعاء کان قال فی البحر و اما خصوص اللهم انا نستعینك فسنه فقط و الواتی بغیرہ جاز اجماعاً (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی السنن والنوافل
(سنن ونوافل کے احکام)

وتر کے بعد تہجد پڑھنا

(سوال ۲٤۱)ایک شخص نے فرض عشاء پڑھنے کے بعد سنت ودو نفل اور وتر پڑھ لئے پھر تہجد میں بھی پڑھ لئے تواس نے ٹھیک کیایا نہیں۔بہتر طریقہ کون سا ہے؟

(الجواب)جس شخص کو یہ پورا بھروسہ ہو کہ آخر شب میں تہجد کے وقت آنکھ ضرور کھل جائے گی اس کیلئے تہجد اور وتر آخری وقت پڑھنا ہی اولیٰ ہے۔اور جس کو یہ بھروسہ نہ ہو اس کے لئے یہی اولیٰ اور بہتر ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد دونوں چیزیں پڑھ لے وکذا فی المنیة وشروحها لیکن جب عشاء کے بعد وتر پڑھ لئے تو پھر تہجد کے وقت نہ پڑھے کیونکہ وہ نفل ہوگی اور نفل تین رکعات کی نہیں ہوتی۔

سنتوں کی نیت کس طرح کرے

(سوال ۲٤۲)سنتوں کی نیت بعبارت ذیل کرنا کیسا ہے۔امام مسجد منع کرتے ہیں۔نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے دورکعت نماز سنت رسول اللہ وقت فجر منہ میرا طرف کعبہ کے۔اللہ اکبر۔اور امام مذکور بعبارت ذیل نیت کرنا بتلاتے ہیں۔نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے دورکعت سنت منہ میرا طرف کعبہ کی اللہ اکبر اور نماز جمعہ کی نیت اس طرح بتلاتے ہیں۔دو رکعت نماز فرض وقت ظہر واسطے جمعہ کے الخ؟

(الجواب)اصل اس معاملہ میں یہ ہے کہ نیت در حقیقت ایک فعل قلب ہے جو دل ہی سے تعلق رکھتا ہے اسی لئے اگر کوئی دل میں نیت نماز کرے اور زبان سے کچھ بھی نہ کہے۔تب بھی نماز ہو جاتی ہے اور اگر دل سے نیت نہ کی اور زبان پر عبارت مندرجہ سوال سے بھی زیادہ مفصل عبارت پڑھ دی تب بھی نماز نہ ہوگی۔صرح بہ فی عامة کتب الفقہ۔

البتہ عوام کے لئے بہتر یہ ہے کہ دل کی نیت کے ساتھ زبان سے بھی مختصر الفاظ کہہ لے۔صرح بہ فی الھدایة لیکن لمبی عبارتیں نیت کے وقت پڑھنا مکروہ ہے اسی لئے بہتر اور افضل طریقہ نیت کا یہ ہے کہ دل سے نیت کرے کہ میں دو رکعتیں سنت فجر پڑھتا ہوں اور زبان سے اس قدر کہہ لے سنت فجر۔ایسے ہی فرض فجر۔وہ طویل عبارتیں جو سوال میں درج ہیں۔دونوں خلاف اولیٰ ہیں۔اور سنت کے ساتھ لفظ رسول کا بڑھانا بہتر تو نہیں لیکن اگر کوئی بڑھا جائے تو کوئی ناجائز بھی نہیں۔کیونکہ غرض اس جملے سے بالاتفاق یہ ہوتی ہے کہ یہ سنتیں نص قرآن سے اگرچہ ثابت نہیں مگر طریقہ رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لئے پڑھتا ہوں اور اس میں کچھ حرج نہیں اور منع کرنے والوں نے شاید اس خطرے سے منع کیا ہوگا کہ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ فرض تو ہم لوگ

اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور سنتیں رسول اللہ ﷺ کے لئے۔ اور یہ کھلا شرک ہے کیونکہ نماز میں دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ صرف اتنا ہی ہے کہ فرض کا ثبوت نص قطعی غیر متعارض فیہ سے ہے اور سنتوں کا آنحضرت ﷺ کے فرمان سے۔

تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا مستحب ہے

(سوال) اکثر نمازی مسجد میں داخل ہو کر دو چار سکنڈ بیٹھنے کے بعد سنت یا نفل پڑھنی شروع کرتے ہیں اور بعض حضرات بیٹھتے نہیں آتے ہی نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بہتر طریقہ کون سا ہے ؟

(الجواب) دو چار سیکنڈ بیٹھنے کے بعد نماز شروع کرنا۔ اس کی کچھ اصل شریعت میں نہیں ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نوافل میں اور سنن میں مشغول ہو جائے۔ علاوہ ازیں حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل اسی پر رہا ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی نماز میں مشغول ہو جاتے تھے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مسعود احمد۔

جواب صحیح ہے اور خود حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ تحیۃ المسجد بیٹھنے سے پہلے پڑھنا چاہئے قبل ان یجلس کی تصریح ہے اس کے خلاف کرنا زیادتی ثواب سے محرومی کا سبب ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ بندہ محمد شفیع غفر لہ۔

تہجد میں قرات بالجہر کا حکم

(سوال ۲۴۳)صلوٰۃ تہجد میں قرات بالجہر مستحسن ہے یا نہیں ؟

(الجواب) جہر خفیف کے ساتھ مستحسن ہے بشرطیکہ دوسرے سونے والوں کی نیند میں اس سے خلل نہ آئے ورنہ اخفاء بہتر ہے۔ کذا ورد فی بعض الاحادیث واللہ تعالیٰ اعلم ٦ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ۔

فصل فی التراویح
(تراویح کے احکام)

تراویح میں سورہ اخلاص کی تکرار

(سوال ۲۴۴) ختم قرآن کے وقت تراویح میں قل ھو اللہ کو تین مرتبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) قل ھو اللہ احد کا تکرار ختم قرآن کے وقت جائز ہے اور نوافل وتراویح میں بعض علماء نے مستحسن کہا ہے مگر دوسرے اکابر و فقہاء اس کو غیر مستحسن کہتے ہیں اور مختار یہ ہے کہ فرائض میں تکرار سورت کا مکروہ ہے خواہ قل ھو اللہ احد ہو یا کوئی دوسری سورت اور نوافل وتراویح میں گنجائش ہے مگر ترک تکرار اولیٰ ہے۔ قال فی شرح المنیۃ قرأ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیث ھذا شئی استحسنہ اھل القرآن و اھل الا مصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزیدہ علی مرۃ انتھی) اور اسی کتاب میں دوسری جگہ ہے ویکرہ تکرار قراءۃ السورۃ فی الفرض ولا یکرہ تکرار السورۃ فی التطوع لان باب التطوع اوسع۔ انتھی ۱۵ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ۔

تراویح میں ایک مرتبہ جہر سے بسم اللہ پڑھنا

(سوال ۲۴۵) بسم اللہ کا جہر تراویح میں جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جائز ہے بلکہ اولیٰ ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم علاوہ سورہ نمل کے بھی ایک مستقل آیت ہے جس کا تکرار ہر سورۃ کے شروع میں کیا گیا ہے تو جو شخص سارا قرآن مجید ختم کرے اور بسم اللہ ایک جگہ بھی نہ پڑھے اس کا قرآن ختم نہ ہوگا اور جس طرح سارے قرآن کو جہراً پڑھا ایک مرتبہ کسی سورہ کے شروع میں خواہ سورہ بقرہ ہو یا کوئی دوسری سورت بسم اللہ کو جہراً پڑھنا چاہئے۔ تنویر المنار میں ہے۔ حنفیہ بر آنند کہ بسم اللہ آیت واحدہ است مکرر شدہ برائے فصل میان سور پس قرآن عبارت است از ماتہ وچہاردہ سورت ویک آیت پس در ختم قرآن یکبار بسم اللہ ضرورست الخ۔

تراویح کی رکعات آنحضرت ﷺ سے آٹھ ثابت ہیں یا بیس

(سوال ۲۴۶) آٹھ رکعت تراویح حضور ﷺ سے پڑھنی ثابت ہے یا نہ اگر ثابت ہے تو بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور ترجیح کس کو ہے۔

(الجواب) تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے نماز تراویح کی تعداد رکعات قولاً یا عملاً کسی صحیح و معتبر حدیث سے ثابت نہیں اور آٹھ رکعات کا جن روایات صحیحہ میں ذکر ہے وہ تراویح کے متعلق نہیں بلکہ تہجد کے متعلق ہے البتہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اجماع سے بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھا جانا ثابت ہے۔

اسی لئے تمام ائمہ اربعہ نے بیس سے کم تراویح کو اختیار نہیں کیا۔ مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو رسالہ التنقیح فی عدد رکعات التراویح ملاحظہ فرمائیں۔

نابالغ کے پیچھے تراویح پڑھنا

(سوال ۲٤۷) ایک لڑکا چودہ برس کا حافظ قرآن ہے و نیز مسائل نماز سے اچھی طرح سے واقفیت رکھتا ہے اور تمام قصبہ میں صرف اکیلا ہی حافظ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) قال الشامی فی باب الا مامة . قال فی الهداية وفی التراويح و السنن المطلقه جوزه مشائخ بلخ ولم يجوزه مشائخنا ومنهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بين ابی يوسف و محمد والمختار انه لا يجوز فی الصلوٰة كلها (شامی مجتبائی ص ۳۸۸ ج ۱)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ نابالغ کے پیچھے تراویح بھی جائز نہیں اگر کوئی بالغ حافظ نہ ملے تو الم ترکیف وغیرہ سے مختلف۔ سورتیں پڑھ کر تراویح پڑھ لی جائے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

تراویح میں قرآن پڑھنے پر اُجرت لینا

(سوال ۲٤۸) رمضان میں حافظ لوگ رقم متعین کرتے ہیں مثلاً اس طرح اگر ہم کو ساٹھ یا ستر روپیہ دے دیں تو ہم نماز پڑھائیں گے ورنہ نہیں۔ اس طرح متعین کرنا درست بھی ہے یا نہیں۔ اس طرح متعین کرنے والے کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے یا نہیں؟ نیز نابالغ لڑکا مثلاً سات یا آٹھ سالہ تراویح نماز کے لئے کھڑا کر دیا جائے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) تراویح میں ختم قرآن پر اجرت مقرر کر لینا خواہ صراحۃً ہو جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں یا بطور عرف و عادت ہو جیسا کہ عموماً آج کل رائج ہے۔ دونوں صورتوں میں جائز نہیں اور تحقیق اس معاملہ کی یہ ہے کہ اصل مذہب میں مطلقاً عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے خواہ کوئی عبادت ہو۔ لیکن حضرات متاخرین نے ضرورت کی وجہ سے اس قاعدہ کلیہ سے چند چیزیں استثناء کی ہیں اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ استثناء انہیں چیزوں میں ہے۔ باقی عبادات و طاعات اپنے اصلی حکم پر ہیں کہ ان میں اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔ اور ان مستثنیات میں ختم قرآن در تراویح کو کسی نے شامل نہیں فرمایا۔ اس لئے اس پر اجرت لینا اسی طرح ناجائز رہے گا۔

قال فی الدر المختار من كتاب الا جارة ولا تصح الاجارة لعسب التيس (الیٰ قوله) ولا لاصل طاعات مثل الا ذان والحج وا لا مامة و تعليم القرآن والفقه ويفتی اليوم بصحتها لتعليم القرآن ولفقه والا مامة والا ذان انتهیٰ . قال الشامی و قد ذكر مسئلة تعليم القرآن استحساناً الخ

یعنی للضرورة ص ۳۷ ج ۵ .ثم قال الشامی بعد ذلك با سطر وقد اتفقت کلمتهم جمیعا علی التصریح باصل المذهب من عدم الجواز ثم استثنوا بعده ما علمته فهذ ا دلیل قاطع وبرهان ساطع علی ان المفتی به لیس هو جوا ز الا ستئجار علیٰ کل طاعة بل علی ما ذکروه فقط بما فیه ضرورة ظاهرة تبیح ،الخروج عن اصل المذهب من طرو المنع فان مفاهیم الکتب حجة ولو مفهوم لقب انتهی (شامی کتاب الا جارة ص ۳۸ ج ۵) ثم قال بعد ذلك نقلاً عن شرح الهدایة للعینی ویمنع القاری للدنیا والاخذ والمعطی آثمان فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراء ة الاجزاء بالا جرة لا یجوزلان فیه الا مر بالقراء ة واعطاء الثواب لا مرو القراٰه لا جل المال فاذا لم یکن للقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر ولو لا الا جرة ما قرأ احدلا حد فی هذاالزمان بل جعلوا القرآن العظیم مکسبة وسیلة الی جمع الدنیا انا لله وانا الیه راجعون. انتهی (شامی ص ۳۸ ج ۵).

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہاء متاخرین نے جو امامت اور تعلیم القرآن وغیرہ کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے تو اس وجہ سے کہ ضرورت شرعیہ ہے کہ اس کے بغیر فرائض کا تعطل لازم آجاتا ہے تراویح میں پورا قرآن ختم کرنا فرض وواجب نہیں کہ اس کو تعلیم اور امامت پر قیاس کیا جائے بلکہ سنت ہے اور اس میں بھی فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پورا ختم قرآن کرنے کی وجہ سے تقلیل جماعت کی نوبت آتی ہو۔ اور لوگ بوجہ سستی کے شرکت تراویح ہی سے باز رہتے ہوں تو پورا ختم قرآن کرنا مناسب ہی نہیں۔

لما قال صاحب الدر المختار فی باب التراویح والختم مرة سنة ولا یترك بکسل القوم لکن فی الا ختیار الا فضل فی زماننا قدر مالا یثقل علیهم واقره المصنف وغیرهم (الیٰ قوله) ومن لم یکن عالماً باهل زمانه فهو جاهل . انتهیٰ قال الشامی قوله الا فضل فی زماننا لان تکثیر الجمع افضل من تطویل القراء ة (الیٰ قوله) ولهذا قال فی البحر فالحاصل ان المصحح فی المذهب ان الختم سنة لکن لا یلزم منه عدم ترکه اذا لزم منه تنفیر القوم وتعطیل کثیر من المسا جد خصوصاً فی زماننا فا لظاهر اختیاره الا خف علی القوم (شامی جلد اول باب التراویح)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تراویح میں ختم قرآن کرنا واجب نہیں۔ بلکہ سنت ہے اور سستی قوم کے عذر سے چھوڑ دینا بھی جائز ہے۔ اس لئے ختم کی ضرورت کو ضرورۃ امامت یا ضرورۃ تعلیم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص بلا اجرت پڑھنے والا نہ ملے تو جس قدر سورتیں محلّہ والوں کو یاد ہوں ان سے تراویح پڑھنا اس سے بہتر ہوگا کہ اجرت دے کر کسی سے پڑھوائیں یہ سب اس وقت ہے کہ جب کہ لینا دینا باضابطہ طے ہو جائے یا عادۃً طے ہو جاتا سمجھا جاتا ہو اور جہاں دونوں باتیں نہ ہوں کہ لینے کی غرض سے نہ پڑھتا ہو۔ اور دینے والے بھی بطور ہدیہ غیر ضروری سمجھ کر دیتے ہوں اس طرح کہ اگر نہ دیا جائے تو کسی کو شکایت نہ ہو تو ایسا دینا بلا شبہ جائز بلکہ باعث اجر ہے اور اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ امام اور قاری کی خدمت کی جائے۔ مگر کوئی معمول مقرر نہ کیا جائے کہ ختم کے وقت دیں گے یا پہلے اور نقد دیں گے یا کوئی اور چیز تاکہ اس

کوانتظار کی صورت قائم نہ ہو (واللہ تعالیٰ اعلم)

اجرت دے کر تراویح میں قرآن شریف پڑھانا

(سوال ۲۴۹) عموماً تمام حفاظ ہمارے صوبہ بہار میں اجرت لے کر رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اجرت دے کر قرآن پاک سننے میں ثواب ہے یا نہیں اور مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور اجرت دے کر قرآن مجید سننے سے بلا اجرت سورۃ تراویح پڑھنی بہتر وافضل ہے یا نہیں جواب باصواب سے ممنون و مشکور فرمایا جاوے۔ والاجر عند اللہ جزیل؟

(الجواب) قال العینی فی شرح الھدایہ ویمنع القاری للدنیا والاٰخذ والمعطی ، اثمان (رد المحتار) وقال الخیر الرملی فی حاشیۃ البحر . اقول المفتی بہ جواز الاخذ استحساناً علی تعلیم القرآن لا علی القرآن المجردۃ کما صرح بہ التاتار خانیہ .(رد المحتار کتاب الاجارۃ ص ۳۸ ج ۵)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اجرت لے کر قرآن پڑھنا اور پڑھوانا۔ گناہ ہے اس لئے تراویح میں چند مختصر سورتوں سے بیس رکعت پڑھ لینا۔ بلاشبہ اس سے بہتر ہے کہ اجرت دے کر پورا قرآن پڑھوائیں کیونکہ پورا قرآن تراویح میں پڑھنا مستحب ہے اور اجرت دے کر قرآن پڑھوانا اور پڑھنا گناہ ہے اور گناہ سے بچنا بہ نسبت مستحب پر عمل کرنے کے لئے زیادہ ضروری ہے البتہ اگر کسی نے پڑھ لی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں نماز ہو گئی اگرچہ مکروہ ہوئی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی قضاء الفوائت
(قضانمازوں کابیان)

بعد عصر، قضاء نماز جائز ہے

(سوال ۲۵۰) نماز عصر کے بعد قضائے عمری یا قضائے روزمرہ کی پڑھ سکتے ہیں اور ایسا ہی صبح کی نماز کے بعد؟

(الجواب) بعد عصر کے اسی طرح بعد نماز فجر قضاء نماز جو کسی کے ذمہ واجب الاداء ہو پڑھنا جائز ہے۔ درمختار میں ہے لا یکرہ قضاء فائتہ الخ اور یہی حکم قضاء عمری کا بھی ہے بشر طیکہ اس کا قضاء ہونا معلوم ہو۔ اور جو محض وہم یا احتیاط کی وجہ سے قضاء کی جاوے وہ اس وقت میں نہ پڑھنی چاہئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی سجود السھو
(سجدہ سہو کے احکام)

قعدہ اولیٰ میں التحیات کی جگہ الحمد شریف پڑھنا

(سوال ۲۵۱) کوئی شخص قعدہ اولیٰ میں بجائے التحیات کے قل ھو اللہ یا الحمد للہ۔ پڑھنے لگے بعد یاد آنے کے التحیات پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو یا بغیر التحیات پڑھے کھڑا ہو جائے اور سجدہ سہو کرے۔ نیز قعدہ اخیرہ میں اگر الحمد پڑھنے لگے تو بعد یاد آنے کے التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے یا اسی وقت سجدہ کر کے پھر التحیات پڑھے۔ نیز کوئی امام جہری نماز میں نصف الحمد سراً پڑھ گیا بعد یاد آنے کے شروع سے الحمد پڑھے یا جہاں سے باقی ہے وہاں سے شروع کر دے آواز سے؟

(الجواب) ان اکثر صورتوں میں تاخیر واجب یا ترک واجب ہے۔ اگر یہ افعال قصداً نہیں کئے اور آخر میں سجدہ سہو کر لیا تو نماز درست ہو گی ورنہ واجب الاعادہ ہو گئی کما فی سائر کتب الفقہ. اور نصف الحمد سراً پڑھنے کے بعد جب یاد آوے تو شروع سے جہراً پڑھنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۱۹ صفر ۱۳۵۰ء

اگر بھول سے تیسری رکعت کے لئے نصف کھڑا ہو کر بیٹھ جائے

(سوال ۲۵۲) امام صاحب بجائے قعدہ اولیٰ میں بیٹھ کر بھول کر تیسری رکعت کے لئے نصف کھڑے ہونے پائے تھے کہ لقمہ دینے پر بیٹھ گئے تو ان کو سجدہ سہو کرنا چاہئے یا نہیں۔ اگر نہ کیا تو نماز باطل ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) اگر امام صاحب اتنے کھڑے ہو چکے تھے کہ ٹانگیں سیدھی ہو گئی تھیں اگرچہ پشت وغیرہ سیدھی نہیں ہوئی تھی اور اس حالت کے بعد پھر بیٹھ گئے تب تو سجدہ سہو واجب ہو گا اور اگر نہ کیا تو نماز باطل تو نہ ہو گی مگر وقت کے اندر اندر اس نماز کا اعادہ واجب ہو گا اور اگر اعادہ نہ کیا اور وقت گزر گیا تو پھر بطور قضاء اعادہ نہ کیا جائے۔

قال الشامی اما اذا عاد وھوالی القیام اقرب فعلیہ سجود السھوالی قولہ ان استوی النصف الا سفل وظھرہ بعد منحن فھو اقرب الی القیام وقال فی الا شباہ والنظائر کل صلوٰۃ ادیت مع الکراھۃ تعا د فی الوقت. وفی الھدایہ مثلہ الا انہ لم یقید بکونہ فی الوقت۔ اور اگر اس قدر کھڑے نہیں ہوئے تھے بلکہ اس سے کم کھڑے ہوئے تھے اور پھر بیٹھ گئے تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

قال الشامی اذا عاد قبل ان یستویٰ قائماً وکان الی القعود اقرب فانہ لا سجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر.

سجدہ سہو کے چند مسائل

(سوال ۲۵۳) ایک شخص نے چادر یا رومال اس طرح گردن میں لپیٹ کر نماز پڑھی کہ ایک سرا پشت پر رہا اور ایک سینہ کی طرف آیا اس کی نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟

(۲) اکثر دیکھا گیا ہے کہ مقتدی امام سے سجدہ سہو کراتا ہے یعنی جب امام پہلا سلام پھیرتا ہے تو مقتدی تکبیر کہہ کر سجدہ میں جاتا ہے اور امام سجدہ سہو کرتا ہے تو نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) عورتوں کو غیر مرد کا کپڑا پہننا درست ہے یا نہیں؟

(۴) امام پر سجدہ سہو واجب نہ تھا مگر اس نے کر لیا نماز درست ہے یا نہیں؟

(۵) وجوب سجدہ سہو میں تردد ہو تو کیا کرے؟

(۶) احتیاطاً سجدہ سہو کر لینا بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟

(۷) امام نے قراءۃ میں غلطی کی مقتدی کے لقمہ دینے سے صحیح پڑھ لیا ایسی حالت میں سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

(۸) اگر شک ہو جائے کہ سجدہ سہو کیا یا نہیں تو کیا کرے؟

(۹) پہلی رکعت عشاء میں الم ترکیف پڑھی اور دوسری میں سہواً سورہ فاتحہ کے بعد سورہ والعصر پڑھی تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) جس کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس میں تو داخل نہیں مگر اب عرف و رواج پر موقوف ہے اگر یہ ہیئت عرفاً تواضع و خشوع کے خلاف ہو اور متکبرین کی عادت ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

قال فی شرح المنیة ویکرہ للمصلی کل ماھو من اخلاق الجبابرة عموماً لان الصلوٰة مقام التواضع والتذلل والخشوع الخ کبیری شرح منیہ ص ۳۰۵.

(۲) مقتدی کو صرف سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سہو کی طرف اشارہ کرنا چاہئیے خود تکبیر کہہ کر سجدہ کرنے میں تقدم علی الامام ہو جائے گا یہ درست نہیں۔

(۳) بلا ضرورت نہیں چاہئیے اور اگر ضرورت ہو مثلاً دوسرا کپڑا موجود نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

(۴) نماز درست مگر خلاف اولیٰ ہوئی کذا یستفاد من الشامی والدر.

(۵،۶) غلبۂ ظن پر عمل کرے۔ اگر غلبہ ظن یہ ہے کہ سجدہ واجب نہیں تو پھر سجدہ سہو کرنے میں احتیاط نہیں بلکہ ترک میں احتیاط ہے۔

(۷) واجب نہیں۔

(۸) غلبہ ظن پر عمل کرے اور غلبہ نہ ہو بلکہ جانبین مساوی ہوں تو سجدہ سہو کرے۔

(۹) مکروہ نہیں ہوئی کیونکہ سورتوں کی ترتیب کے خلاف کرنا بالقصد مکروہ ہے نسیاناً نہیں۔ کذا فی کتب الفقه.

(واللہ تعالیٰ اعلم)

سجدہ سہو کی تحقیق

(سوال ۲۵۴) سلام سجدہ سہو کا اکثر فقہاء نے ایک طرف لکھا ہے مگر بعض علماء نے دونوں طرف سلام پھیرنے کو ترجیح دی ہے کون سا قول راجح ہے؟

(الجواب) در مختار میں ہے:

یجب له بعد سلام واحد عن یمینه فقط لا نه المعهود به ویحصل التحلیل وهو الا صح بحر عن المجتبی الخ اور شامی میں ہے۔ (قوله واحد) هذا قول الجمهور منهم شیخ الا سلام و فخر الاسلام وقال فی الکافی انه الصواب وعلیه الجمهور والیه اشارفی الا صل ١ھ قیل یاتی بالتسلیمتین وهو اختیار شمس الائمة وصدر.. اور الاسلام اخی فخر الا سلام الخ وفی الحلیة اختیار الکرخی وفخر الا سلام و شیخ الا سلام وصاحب الایضاح ان یسلم تسلیمة واحدة ونص فی المحیط علی انه الاصوب وفی الکافی علی انه الصواب الخ۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ ترجیح ایک طرف سلام پھیرنے کو ہے۔

قومہ اور جلسہ سہواً چھوڑ دے تو سجدہ سہو لازم ہے

(سوال ۲۵۵) اگر کسی نے بھول کر قومہ ترک کیا تو سجدہ سہو لازم آئے گا یا نہیں؟

(الجواب) اگرچہ مشہور مذہب حنفیہ کا ہے کہ قومہ اور جلسہ سنت ہیں اور ان کے ترک سے سجدہ سہو لازم نہیں آتا لیکن متاخرین نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ واجب ہے اور ترک سے سجدہ سہو لازم آتا ہے محقق ابن ہمام وغیرہ حضرات نے ان کو اختیار فرمایا ہے۔

کما فی رد المحتار والحاصل ان الا صح روایة و درایة وجوب تعدیل الا رکان واما القومة والجلسة وتعدیلهما فالمشهور فی المذهب السنیة وروی وجوبهما وهو الموافق للادلة وعلیه الکمال ومن بعده من المتا خرین وقد علمت قول تلمیذه انه الصواب وقال ابو یوسف بفرضیةالکل الخ شامی مصری کلاں ص ۳۱۲ ج ۱.

فصل فی سجود التلاوۃ
(سجدہ تلاوت)

"واسجد واقترب" یزدان ما، پڑھنے سے کیا سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے

(سوال ۲۵۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر کہ زید نے دوران تقریر میں مثنوی شریف کا یہ شعر پڑھا۔

گفت واسجد و اقترب یزدان ما   قوت جاں شد سجدہ لد ان ما

اور سجدہ نہیں کیا اسی پر بکر نے اس کو اور سامعین کو سجدہ کرنے پر مجبور کیا۔ زید نے یہ جواب دیا کہ سجدہ سالم آیت کے تلاوت ہونے پر ہوتا ہے نہ کسی جزو پر۔ صورت مسئولہ میں جواب مفصل عطا فرما کر ثواب دارین حاصل کریں؟

(الجواب) اس شعر کے پڑھنے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے بکر کا قول صحیح اور مختار ہے اگر چہ بعض کا قول یہ بھی ہے کہ اکثر حصہ آیت کا پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے مگر مفتی بہ قول پہلا ہی ہے۔ لما فی الدر المختار بسبب تلاوۃ آیۃ ای اکثر ھا. قال الشامی ھذا خلاف الصحیح الذی جزم بہ فی نور الا یضاح، الٰی قولہ والصحیح انہ اذا قرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعد کلمۃ وجب السجود والا فلا (شامی ھندی ص ۵۱۳ ج ۱)

تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

امابعد! قواعد ریاضیہ اور آلات رصدیہ کے ذریعہ سمت قبلہ کی تحقیق و تنقیح کے متعلق علمی بحثیں اور ان میں مسلمان ماہرین فن کی جدت طرازیاں اور موشگافیاں ہمیشہ سے چلی جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ فن ہیئت کی ہر کتاب کا جزو اعظم بنا ہوا ہے۔ اس پر مستقل رسالے بھی ہر زبان اور ہر زمانہ میں غیر محصور لکھے گئے ہیں لیکن اس وقت تک یہ سب بحثیں احکام شرعیہ کے جاننے والوں کے نزدیک محض ایک بحث و تدقیق اور علمی تفریح کے درجہ میں تھی۔ ان چیزوں کو تعیین قبلہ کا مدار اور ادائے صلوٰۃ کا موقوف علیہ کسی ناواقف سے ناواقف نے بھی نہ بنایا تھا۔ بلکہ سب کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ اصل مدار معرفت قبلہ کا محاریب صحابہ و تابعین اور مساجد مسلمین ہیں ان کا اتباع تعیین سمت قبلہ کے لئے کافی ہے۔

لیکن پچھلے دنوں ایک مغرب زدہ مشرقی نے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھولا کہ ان چیزوں کو معرفت قبلہ کا مدار قرار دے دیا۔ پھر جس مسجد کے سمت قبلہ کو خود ساختہ حسابات ریاضیہ کے ذرا خلاف پایا اس کو سمت قبلہ سے منحرف اور اس میں نماز پڑھنے کو ناجائز۔ اور اب تک جتنے لوگوں نے ان میں نمازیں ادا کیں سب کی نمازوں کو فاسد کہہ دیا۔ پھر چونکہ بناء مساجد میں عہد صحابہ سے آج تک کسی قرن اور کسی ملک میں ان حسابات پر مدار نہیں رکھا گیا اور نہ عموماً استخراج سمت میں ان سے مدد لی گئی بلکہ شریعت کے بتلائے ہوئے سہل اور عام طریق پر موٹے موٹے آثار و علامات شمس و قمر اور قطب وغیرہ کے ذریعہ مسجدیں تعمیر کی گئی ہیں اس لئے اس مشرقی کا یہ فتویٰ کسی ایک مسجد یا ایک بستی کی مسجدوں پر نہیں بلکہ عامہ بلاد مسلمین کی جملہ مساجد پر حاوی ہو گیا۔ اور اس نے کھلے بندوں یہ کہنا شروع کر دیا کہ عام مساجد مسلمین سمت قبلہ سے منحرف ہیں ان میں نماز نہیں ہوتی۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ پوری امت محمدیہ اس کے نزدیک نماز سے محروم ہو گئی (نعوذ باللہ منہ)

اس وقت بعض احباب نے احقر پر اصرار کیا کہ اس کا جواب لکھا جاوے۔ تاکہ عوام مغالطہ سے بچیں۔ لیکن مجھے غیرت آتی تھی کہ میں صحابہ و تابعین اور پوری امت محمدیہ کی نمازیں جائز و صحیح ہونے پر دلائل پیش کروں اس لئے ان کو تو یہی لکھ دیا کہ اگر سمت قبلہ کوئی ایسا معمہ ہے جس کو حضرات صحابہ و تابعین اور تمام امت حل نہیں کر سکی تو آج بھی کسی مشرقی مغربی یا جنوبی، شمالی کو اس کے حل کرنے کی ہوس کرنا فضول ہے اور جب کہ صحابہ و تابعین اور پوری امت کی نمازیں (معاذ اللہ) فاسد ہیں تو ہماری بھی سہی ؎

واما انا الا من غزیة ان غوت غویت وان ترشد غزیة ارشد

لیکن حال میں مخدومی جناب سید مقبول حسین صاحب و بلگرامی جہانگیر آباد سے ایک استفتاء مسئلہ سمت قبلہ کے متعلق لے کر تشریف لائے۔ اس کا جواب اتفاقاً کسی قدر مفصل لکھا گیا پھر موصوف نے یہ جواب سیدی و مرشدی حضرت حکیم الامت تھانوی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت والا دامت فضائلہم

وفوا ضلہم نے اس کو پسند فرما کر اس کا نام بھی تنقیح المقال فی تصحیح الا ستقبال تجویز فرمادیا یہ محض حق تعالیٰ کا فضل تھا کہ ایک بے مایہ طالب علم کی عجلت کے ساتھ چند گھنٹوں میں لکھی ہوئی تحریر کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔

اب مناسب معلوم ہوا کہ یہ رسالہ مستقل بھی شائع ہو جاوے کہ مشرقی کے ڈالے ہوئے وساوس کا بھی علاج ہو سکے واللہ المو فق والمعین وبہ فی کل الحوائج استعین۔

نوٹ: مشرقی کے اشکالات کا مفصل جواب مع احقر کے اس رسالہ ودیگر تحریرات مفیدہ کے جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون شائع کرنے والے ہیں اگر کسی کو مزید تفصیل کی ضرورت ہو وہ موصوف سے منگا سکتے ہیں۔

العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند۔ ٦ جمادی الاولی ۱۳٦۰ھ

فصل فی صلوٰۃ المریض و المسافر
(مریض اور مسافر کی نماز)

نماز مسافر کے متعلق چند سوال وجواب

(سوال ۲۵۷) میرا وطن اصلی الہ آباد ہے۔ بسلسلہ ملازمت جونپور میں مقیم ہوں مجھے بسلسلہ ملازمت یہاں سے دورہ بھی کرنا پڑتا ہے مختلف مقامات پر دو دو چار چار روز قیام کرنا پڑتا ہے مسافت زیادہ سے زیادہ دس بارہ میل ہوتی ہے غرض ۴۸ میل سے کم ہی رہتی ہے اس لئے دریافت طلب امور ذیل ہیں؟

(۱) اگر میں دو چار روز کے لئے جونپور سے ۴۸ میل کے اندر اندر کہیں جاؤں تو نماز قصر پڑھنا ہوگی یا پوری؟

(۲) وہاں سے واپسی پر جونپور میں پندرہ دن سے قیام کم کا ارادہ ہو تو جونپور میں نماز قصر پڑھی جائے گی یا تام؟

(۳) اگر جونپور سے اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ کا سفر ہو پھر جونپور واپس آؤں تو اب جونپور میں اگر پندرہ دن سے کم قیام کا قصد ہو تو نماز پوری پڑھی جائے یا قصر۔

(الجواب) قال فی الدر المختار ان انشاء السفر من وطن الا قامة مبطل له وان عادالیه ولذا قال فی البدائع لو اقام خرا سانی بالکوفة نصف شهر ثم خرج منها الی مکة فقبل ان یسیر ثلاثة ایام عاد الی الکوفة لحاجته فانه یقصر لان وطنه قد بطل بالسفراه (شامی ص ۷٤۳ ج ۱) وفیه قبل ذلك قال فی الفتح ان السفر النا قص لو طن الا قامة مالیس فیه مرور علی وطن الا قامة او ما یکون المرور فیه به بعد سیر مدة السفر اه (شامی)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت سفر سے اس وقت باطل ہوتا ہے جب کہ سفر شرعی یعنی ۴۸ میل کی نیت پر وہاں سے نکلے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب اڑتالیس میل کی نیت پر وطن اقامت سے

نکل گیا تو اس کا وطن اقامت ہونا باطل ہو گیا اگرچہ پھر وہاں لوٹ آئے ایسی صورت میں وہاں از سر نو پندرہ دن کے قیام کی نیت ہو گی تو پھر وہ وطن اقامت بنے گا اور وہاں نماز پوری پڑھی جائے گی ورنہ قصر کیا جائے گا۔ اس ضابطہ محررہ سے آپ کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ جب جونپور سے نکلتے ہیں ۴۸ میل کا قصد نہ ہو تو سفر میں اور ۴۸ میل کے اندر اندر جس جگہ پہنچیں سب جگہ نماز پوری پڑھیں اور دورہ سے لوٹنے کے بعد بھی جونپور میں حسب سابق نماز پوری پڑھیں۔

البتہ اگر ۴۸ میل کی نیت سے نکلیں تو راستہ میں بھی قصر کریں اور جس جگہ پہنچیں وہاں بھی اگر پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو تو قصر کریں اور پھر جونپور واپس آئیں تو وہاں بھی اگر پندرہ روز قیام کی از سر نو نیت نہ ہو وہاں بھی قصر کرتے رہیں واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ) ۹ صفر ۶۴ھ بمقام دیوبند۔

فصل فی الجمعہ
(جمعہ کے احکام)

آنحضرت ﷺ کے ممبر کی کیفیت

(سوال ۲۵۸) مسجدوں میں منبر کی تین ہی سیڑھیاں کیوں بناتے ہیں اور خطیب کون سی سیڑھی پر کھڑا ہو۔ اگر اول یا آخر سیڑھی پر کھڑا ہو تو کچھ حرج ہے۔ کہیں اس کا ذکر ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ کے منبر کی تین ہی سیڑھی تھیں اس لئے اب بھی ایسا بنانا مسنون ہے آنحضرت ﷺ تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر صدیق اکبرؓ اپنے زمانہ خلافت میں بوجہ ادب کے اس لئے نیچے دوسری پر کھڑے ہوتے تھے۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے سب سے نیچے کی سیڑھی اختیار کی لیکن حضرت عثمانؓ کے بعد پھر یہی دستور ہو گیا کہ اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور یہی اولیٰ ہے اور اگر کوئی نیچے ہی کی سیڑھی پر کھڑا ہو جائے تو بھی کسی قسم کی کراہت نہیں کیونکہ وہی خلفائے راشدین کا عمل ہے۔

بلا خطبہ جمعہ جائز ہے یا نہیں

(سوال ۲۵۹) جمعہ کا خطبہ فرض ہے یا واجب یا سنت اور بلا خطبہ نماز جمعہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(الجواب) خطبہ جمعہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے بغیر اس کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی۔ قال فی الدر المختار والرابع یعنی الشرط الرابع لصحة الجمعة الخطبة فيه ای فی الوقت فلو خطب قبله وصلی فيه لم تصح.

خطبہ کے وقت سلام، کلام، نماز، تسبیح قیام، تعظیم وغیرہ کا حکم

(سوال ۲۶۰) آیۃ کریمۃ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الآیۃ) خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے یا نہ، خطیب جس وقت خطبہ پڑھ رہا ہو آنے والا سنتیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے۔ درود شریف تسبیح پڑھ سکتا ہے۔ اگر حاکم وقت آوے اس کے لئے تعظیمی قیام کیا جا سکتا ہے سلام کر سکتا ہے۔ اور جواب سلام دے سکتا ہے۔ حاکم کو پنکھا کر سکتا ہے۔ کوئی گڑبڑ مچا رہا ہو اس کو روکا جا سکتا ہے؟

(الجواب) آیت کے شان نزول میں کچھ اختلاف ہے لیکن یہ قاعدہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں لہذا جب آیت شریفہ کے الفاظ عام ہیں تو جب قرآن سنانے کے لئے پڑھا جاوے اس کا سننا اسی آیت کی رو سے واجب ہوگا خواہ نماز میں ہو یا خطبہ میں یا خارج میں۔ علاوہ ازیں خطبہ میں صلوٰۃ و کلام کی ممانعت جداگانہ بھی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور در مختار میں ہے کل ماحرم فی الصلوٰۃ حرم فیھا ای فی الخطبۃ . خلاصۃ وغیرھا فیحرم اکل وشرب و کلام و لو تسبیحا او رد سلام او امرا بمعروف بل یجب علیه ان یستمع ویسکت الخ .

در مختار کی عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنا اور تلاوت قرآن اور درود تسبیح اور سلام اور جواب سلام سب ناجائز ہیں۔ نیز کسی کے لئے قیام تعظیمی کرنا اس میں بھی چونکہ خطبہ سننے میں خلل آتا ہے۔ ناجائز ہے۔ لما فی الشامی ظاھرہ انه یکرہ الا شتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما شامی ص ۵۵۱ جلد اول.

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا

(سوال ۲۶۱) زید کہتا ہے کہ خطبہ پڑھتے وقت عصا ہاتھ میں لینا بموجب حدیث ابوداؤد سنت غیر موکدہ ہے اگر سنت خیال کر کے ہاتھ میں لے لے تو باعث ثواب ہے اور احیاناً ترک بہتر ہے۔ عمر کہتا ہے کہ اخذ عصا سنت موکدہ ہے اور ترک اس کا مکروہ تحریمی۔ کس کا قول صحیح ہے۔

(الجواب) زید کا قول اس مسئلہ میں بچند وجوہ صحیح ہے۔ اس باب میں احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت ﷺ نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا اس سے مواظبت (یعنی دوام ۱۲) مستفاد نہیں ہوتی حدیث ابوداؤد جو اس باب میں عمر کی حجت ہے وہ اس سے زائد پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس کے لفظ یہ ہیں۔ فقام متوکئاً علی عصاً او قوس اس سے کسی طرح مواظبت معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ حدیث مسلم سے جو خطبہ عید کے باب میں واقع ہے صراحۃً اس مواظبت کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہے ثم قام متوکئا علی بلال ظاہر ہے کہ جب حضرت بلال پر تکیہ لگایا گیا تو عصا اور قوس پر تکیہ نہ تھا جس سے عصا و قوس کا ترک احیاناً مستفاد ہوا۔ اور جو فعل آنحضرت ﷺ سے مع الترک ثابت ہو وہ سنن زوائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ کما فی شرح الوقایۃ وسائر کتب الاصول. اور اگر بالفرض مواظبت بھی ثابت ہو تو بھی زید کا یہ

قول صحیح ہے کہ مطلقاً مواظبت دلیل سنت موکدہ ہونے کی نہیں جب تک بطور عبادت ہونا ثابت نہ ہو ورنہ گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر کھانا بھی بقول عمر مکروہ تحریمی ہو جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عصا کو بوقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے اور جن حضرات نے مکروہ کہا ہے وہ التزام و اصرار کے مفاسد پر نظر فرما کر کہا (واللہ تعالیٰ اعلم)

۴ صفر ۱۳۵۰ھ۔

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینے کی مفصل تحقیق

(سوال ۲۶۲) منبر پر خطبہ پڑھنے کی حالت میں عصا لینا سنت ہے یا نہیں؟ اگر عصا لے کر منبر پر خطبہ پڑھے تو عصا داہنے ہاتھ میں لے یا بائیں ہاتھ میں اور زبانی خطبہ پڑھے یا کتاب میں دیکھ کر بہر نوع کیا عصا بائیں ہاتھ میں ہی لینا چاہیے کئی ایک کتب فقہ میں تلاش کیا عصاء کا بائیں ہاتھ میں لینا صراحۃ سے نہیں ملتا البتہ داہنے ہاتھ میں لینے کی تائید و ما تلك بيمينك يا موسى قال هى عصاى الا ية سے ہوتی ہے بہشتی گوہر میں زیر عنوان جمعہ کے خطبہ کے مسائل کی صراحت ہے (حصہ دس) خطبہ منبر پر پڑھنا اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر سہارا دے کر کھڑا ہونا اور منبر کے ہوتے ہوئے کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا الی اخر ماقال منقول نہیں۔ پھر زیر عنوان نبی ﷺ کا خطبہ جمعہ کے دن مصرح ہے جب تک منبر نہ بنا تھا کسی لاٹھی یا کمان سے ہاتھ کو سہارا دے لیتے تھے۔ اور بعد ایک سطر کے) بعد منبر بن جانے کے پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں مگر تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ مجتبائی دہلی ص ۱۸۵ میں جو سوال وجواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے سنیت عصاء کو بحوالہ رد المحتار قبول کر لیا ہے۔ اور عبارت بہشتی گوہر کو مرجوح مان لیا۔ چنانچہ عبارت رد المحتار یہ ہے قوله وفى الخلاصة . استشكله فى الحليه بانه فى رواية ابى داؤد انه صلى الله عليه وسلم قام اى فى الخطبة متوكنا على عصاء اوقوس اه. ونقل القهستانى عن عبد المحيط ان اخذ العصاء سنة كا لقيام اه (رد المحتار مصرى ص ۵۷۷ ج ۱) اور بحر الرائق میں یہ ہے۔ وفى المضمرات معزيا الى رد سنة العلماء الحكمة فى ان الخطيب يتقلد سيفاً ما قد سمعت ان الفقيه ابا الحسن الرستغفى يقول كل بلدة فتحت عنوة بالسيف يخطب الخطيب على منبرها متقلد ابا لسيف ليريهم انها فتحت بالسيف الى آخر نقله ثم قال وهذا مقيد لكونه يتقلد بالسيف لا انه شئ يمسكه بيده كما هو المتعارف مع ان ظاهر مافى الخلاصة كراهة ذلك فانه قال ويكره ان يخطب متكئا على قوس او عصا لكن قال فى الحاوى القدسى اذا فرغ الموذنون قام الا مام والسيف بيسا ره وهو صريح فيه الا ان يفرق بين السيف وغيره۔ بحر ج: ۲ ص: ۱۲۸۔

کیا ایسا تو نہیں کہ روایت ابوداؤد نبی ﷺ کا منبر بن جانے سے پہلے عصاء لے کر خطبہ پڑھنے سے متعلق ہو اور عبارت ہائے فقہاء میں جیسا کہ خلاصۃ سے بحر وغیرہ نے کراہت نقل کی اور خود صاحب بہشتی گوہر نے صراحت کی کہ بعد منبر بن جانے کے پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں ہے۔ لفظ کراہت منبر ہونے

کی حالت سے متعلق ہو۔ (ذ) خط کشیدہ عبارت بحر کا کیا مطلب ہے عمرو اور مولوی صاحب مدعی ہیں کہ اس عبارت سے جس طرح سیف کا بائیں ہاتھ میں لینا ثابت ہوتا ہے اسی طرح عصاء کا بھی بائیں ہاتھ میں لینا ثابت ہوتا ہے اور زید امام مسجد کہتا ہے کہ اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ حاوی قدسی کے قول سے صراحۃً معلوم ہو گیا (کہ بلدۂ مفتوحہ بالسیف میں) گو خطیب کو سیف لینا چاہئے۔ (یعنی مکروہ نہیں جیسا کہ مفاد عبارت مضمرات کا گلے میں لٹکانا ہے) اور بائیں ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ (بدیں حکمت کہ سل سیف بالیمین ہو سکے) اور سیف اور اس کے غیر عصاء و قوس میں فرق ہونا چاہئے اب اگر صریح فیه میں (فیہ) کی ضمیر غائب کو حاوی قدسی کے قول میں مذکور السیف کی طرف راجع کرو تو یوں فرق ہوگا کہ سیف وقت خطبہ علی المنبر لی جاوے اور عصاء اور قوس نہ لیا جاوے (جیسا کہ عبارت خلاصہ میں منصوص ہے) اور اگر فیہ کی ضمیر غائب کو حاوی کے قول میں مذکور لفظ یسار کی طرف لوٹاؤ تو یوں فرق ہوگا کہ خطبہ علی المنبر کے وقت سیف ہو تو بائیں ہاتھ میں لے اور اس کا غیر عصاء لیا جاوے تو بائیں ہاتھ میں نہ لیا جاوے حاصل یہ کہ زید امام مسجد مدعی ہے کہ عبارت خط کشیدہ بحر سے عصاء کا بائیں ہاتھ میں لینا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ بالکل نہ لینا البتہ ثابت ہو سکتا ہے کہ اور زید امام مسجد یہ بھی کہتا ہے کہ سیف کا بائیں ہاتھ میں لینا تو سمجھ میں آتا ہے کہ میان میں سے داہنے ہاتھ سے نکال سکے مگر عصاء بائیں ہاتھ میں لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ خاص کر اس وقت کہ خطبہ زبانی پڑھ رہا ہو نیز یہ خلاف عادت علماء ہونے کے علاوہ خلاف آیت وما تلك بيمينك يا موسى بھی ہے۔ پس مطلب خط کشیدہ عبارت بحر صاف لفظوں میں لکھ کر عبارت کے مطلب میں عمرو زید کے خلاف کا بھی فیصلہ فرمایا جاوے؟

(الجواب) خطیب کے لئے بوقت خطبہ عصاء ہاتھ میں لینے کے متعلق چند روایات منقول ہیں جن میں سے قابل اعتماد تو صرف ابو داؤد کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ **فقام متوكنا على عصا ء او قوس** اھ اگرچہ اختلاف اس کی اسناد میں بھی ہے اس کے سوا مجمع الزوائد میں **باب على اى شئ يتكئ الخطيب**۔ میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے جس میں **كان يخطب بمخصرة بروابة الطبرا نى فى الكبير** وارد ہے مگر اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہیں اس کی وجہ سے ضعیف ہے اور ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے یہ الفاظ منقول ہے۔ **كا ن يخطبهم فى السفر متكئا على قوس وفيه ابو شيبه وهو ضعيف** . اور تیسری حضرت **عمر** ؓ سے بلفظ كان اذا خطب فى الجمعة خطب على عصاء واسناده ضعيف (مجمع الزوائد ص ۲۱٦ ج)

الغرض یہ تینوں روایتیں جو جمع الزوائد میں نقل کی گئی ہیں ضعیف الاسناد ہیں لیکن مجموعہ روایات سے ظن غالب اتنا ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے بوقت خطبہ کبھی کبھی قوس یا عصاء دست مبارک میں لی ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت باب العیدین میں ہے قام متوكنا على بلالؓ جس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات نہ عصاء ہاتھ میں لی نہ قوس بلکہ حضرت بلالؓ کے مونڈھے پر دست مبارک ٹیک لیا۔ اس کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول یعنی کبھی قوس اور کبھی عصاء کبھی حضرت بلالؓ پر ٹیک لگانا بطور عادت کے پیش آیا ہے یا بطور عبادت کے اس میں حضرات فقہا کی نظریں مختلف ہو گئیں بعض حضرات نے اس فعل کو عبادت قرار دے کر

آداب خطبہ میں داخل کر دیا اور بعض حضرات نے عادۃً سمجھا اور خطبہ کے سنن یا آداب میں داخل نہیں کیا بلکہ مجملہ امور مشروعہ کے رہا۔ نیل الاوطار میں شاید اسی لئے اس کا عنوان **مشروعیة التوکؤ علی قوس او عصاء** رکھا ہے (نیل الاوطار جلد ۳)

فقہاء حنفیہ میں جو مختلف روایات ہیں اس کا سبب بھی نظر کا اختلاف ہے در مختار۔ شامی۔ بحر وغیرہ میں اس کو مستحب قرار دیا ہے اور خلاصۃ الفتاوی اور محیط میں مکروہ لکھا ہے اور مراد اس کی غالباً یہ ہے کہ اس پر ایسا التزام و دوام کرنا جیسے سنن مؤکدہ پر کیا جاتا ہے یہ مکروہ ہے، اور **طحطاوی علی المراقی الفلاح** میں خلاصۃ کے قول کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ **لانہ خلاف السنة محیط ونا قض منه ابن امیر الحاج بانه ثبت انه صلی الله علیه وسلم کان خطیباً بالمدینة متکئا علی عصاء او قوس کما فی ابو داؤد وکذا رواه البراء ابن عازب وصححه ابن السکن انتھی۔**

حنفیہ کا ظاہر مذہب جو عامہ متون وشروح وفتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے یہی ہے کہ اس فعل کو مجملہ عادات قرار دیا گیا ہے جو بوقت خطبہ مشروع ضرور ہیں لیکن خطبہ کے آداب واستحباب میں داخل نہیں۔ کنز ہدایہ بدائع اور عامہ معتبرات حنفیہ نے۔ اس کو آداب خطبہ میں شمار نہیں کیا۔ کنز وہدایہ میں تو یہ بھی احتمال ہے کہ بوجہ اختصار کے آداب کا ذکر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ بدائع الصنائع میں تو مفصل طور پر سنن و آداب خطبہ ذکر کئے ہیں مگر ان کا علی القوس یا عصاء کا کہیں نام نہیں۔ (بدائع ص ۲۶۳ ج ۱)۔

ہمارے بزرگ جن کو ہم نے دیکھا ہے ان کا معمول عموماً بوقت خطبہ عصاء ہاتھ میں لینے کا نہیں تھا اور وجہ یہی ہے کہ یہ فعل سنن مقصودہ میں سے تو ہے نہیں محض عادات میں سے ہے جس کے ترک سے کوئی ادنیٰ کراہت خطبہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ دوسری طرف عادت عجم کی عموماً یہ ہے کہ خطبہ ہاتھ میں لے کر دیکھ کر پڑھا جاتا ہے اس صورت میں ایک ہاتھ میں خطبہ اور دوسرے ہاتھ میں عصاء سنبھالنا دشواری اور تکلیف سے خالی نہیں اس لئے عموماً ہمارے سب بزرگوں کا عمل ترک ہی پر رہا ہے اور خود حضرت سیدی مصنف بہشتی زیور وگوہر وامداد الفتاوی کا آخر تک یہی عمل رہا ہے اور ترجیح الراجح میں سیت کو قبول کرنے کا مطلب اس سے زائد نہیں اس کو تسلیم فرمالیا کہ آنحضرت ﷺ سے یہ فعل منقول ہے اس لئے فی الجملہ سنت کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ سنن عادیہ میں سے یعنی بطور عادت ہی کے ہو۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کے افعال عادیہ کو بھی ایک حیثیت سے سنت کہا جاتا ہے۔

اب رہا یہ قضیہ کہ اگر عصاء ہاتھ میں لی جاوے تو کس جانب دائیں ہاتھ میں یا بائیں ہاتھ اس کے متعلق باوجود مختصر سی تلاش کے کوئی بات منقول نظر نہیں پڑی۔ اور احقر کے خیال میں احتمال دونوں ہیں۔ داہنی جانب کا احتمال تو اس لئے قوی نظر آتا ہے کہ عصاء رکھنے کی سنت بھی ثابت ہے اور عام افعال وحالات میں بھی سنت یہی ہے کہ داہنی جانب کو ترجیح دی جائے۔ حدیث میں ہے **کان یحب التیامن فی کل شئ حتی التنعل والترجل** اور آیت **وماتلك بیمینك یا موسیٰ** سے بھی عصاء کا یمین میں رکھنا سنت انبیاء معلوم ہوتا ہے

لیکن دوسرا احتمال بائیں ہاتھ میں رکھنے کا بھی خطبہ کی خصوصیت میں محتمل ضرور ہے کیونکہ عرب کی عادۃ خطابت کے موافق خطیب داہنے ہاتھ سے تفہیم کا اشارہ کرتا ہے اس ہاتھ کے خالی رکھنے کی ضرورت ہے اس ضرورت کے لئے عصاء بائیں ہاتھ میں لیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے اس کی تائید مستفاد ہوتی ہے عن عمارة بن رويبة انه راى بشربن مروان على المنبر رافعايديه فقال قبح الله ها تين اليدين لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد على ان يقول بيده هكذا و اشار باصبعه المسبحة رواه مسلم (مشكوٰة)

اگرچہ حدیث مذکورہ میں اس کی تصریح نہیں کہ یہ اشارہ مسبحہ داہنے ہاتھ سے فرمایا یا بائیں ہاتھ سے لیکن اول تو آنحضرت ﷺ کی عادت تیامن اور پھر عام طور خطباء کی عادت کا مقتضٰی یہی ہے کہ یہ اشارہ داہنے ہاتھ سے فرمایا جاتا تھا۔ اور عموماً مسبحہ کا لفظ بھی داہنے ہاتھ ہی کی انگشت کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور جب بوقت خطبہ داہنے ہاتھ سے اشارہ تفہیم فرمانا ثابت ہوا تو جس حدیث میں عصاء لینا بھی ثابت ہے یا تو یہ کہا جاوے اس وقت اشارہ نہیں فرمایا ہوگا یا یہ قرار دیا جاوے کہ اشارہ داہنے ہاتھ سے فرمایا اور عصاء بائیں ہاتھ میں سنبھالی۔

الغرض بائیں ہاتھ میں عصاء لینا اس ضرورت سے محتمل ضرور ہے مگر جب تک نقل صریح نہ ملے کسی جانب کی تعیین پر زور نہیں دیا جاسکتا۔

رہا بحر الرائق کا یہ جملہ وهو صريح فيه الا ان يفرق بين السيف۔ وغیرہ احقر کے نزدیک دائیں بائیں ہاتھ کے معاملہ سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں۔ صریح فیہ کی ضمیر نفس اتکاء کی طرف راجع ہے جو بضمن متکئا عبارت سابقہ میں مذکور ہے پس حاصل مطلب عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ صاحب خلاصہ نے عصاء اور قوس میں ممانعت کی ہے اس لئے کوئی تعارض نہ رہا بلکہ جمع یوں ہو گیا کہ تلوار اور قوس اور عصاء کے حکم میں فرق ہے تلوار پر اتکاء کی اجازت ہے اور عصاء اور قوس پر نہیں۔ یہ ایک تقریر رفع تعارض کی ہے۔ اجازت اتکاء اور کراہت اتکار میں یمین ویسار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس عبارت کی توضیح ہو جاتی ہے اور جو مطلب عرض کیا گیا وہ تقریباً متعین ہو جاتا ہے۔ مراقی الفلاح کی عبارت واذا قام يكون السيف بيساره متكئاً عليه اھ پر طحطاوی نے لکھا ہے۔ وفيه اشارة الىٰ انه يكره الا تكاء على غيره كعصاء او قوس خلاصه . لانه خلاف السنة محيط وناقش فيه ابن امير الحاج الخ .

خلاصہ کلام احقر کے نزدیک اس باب میں یہ ہے کہ بوقت خطبہ عصاء یا قوس وغیرہ لینا حدیث سے ثابت اور مشروع ہے کوئی شخص اس پر عمل کرے تو وہ قابل نکیر نہیں لیکن اس کی دوسری جانب بھی قابل نکیر نہیں ہے کیونکہ یہ سنن عادیہ میں سے ہے جیسے امام کے لئے عمامہ اور سنن عادیہ کا ایسا اہتمام والتزام جیسے سنن مؤکدہ یا واجبات کا ہوتا ہے خود اس فعل کو بدعات کی قبیل میں داخل کر دیتا ہے، اور اس کا ترک اولی ہو جاتا ہے ہمارے بلاد میں جب کہ خطیب ہاتھ میں خطبہ لے کر پڑھتا ہے تو بلا شبہ عصاء وغیرہ لینے اور سنبھالنے میں الجھن اور تکلف ہوگا اور شریعت نے اس الجھن میں پڑنے کا حکم نہیں کیا ایسی حالت میں ترک کر دینا ہی اسلم معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کوئی حفظ سے خطبہ پڑھے تو عصاء وغیرہ ہاتھ میں رکھنا افضل ہوگا۔

الغرض اس فعل کے ترک یا عمل کو معرکہ بحث بنانا اس کو اس کی حد شرعی سے نکالنا ہے بلکہ اسلم یہ ہے کہ کوئی کرے تو اس پر نکیر نہ کیا جاوے اور نہ کرے تو اس پر نکیر نہ کیا جاوے پھر کرنے والے اگر داہنے ہاتھ میں عصاء رکھیں یہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر بائیں ہاتھ میں لے لیں تو اس پر بھی نکیر نہ کرنا چاہئے کیونکہ حدیث محتمل ہے اور صریح نقل کسی جانب موجود نہیں۔(واللہ اعلم)(اضافہ)

خطبہ اردو میں پڑھنا

(سوال ۲۶۳) دو رسائل مطبوعہ زبدۃ التحقیقات عمدہ التحقیقات برائے ملاحظہ ارسال ہیں۔ان پر تقریظ لکھ کر واپس فرمادیجئے (یہ رسائل اس مسئلہ کی تحقیق میں ہیں کہ خطبہ جمعہ اردو وغیرہ میں پڑھنا بدعت و ناجائز ہے ؟

(الجواب)(۱) وبعد فقد طالعت الرسالتين الموسومتين زبدة التحقيقات وعمدة التحقيقات في كراهة الخطبة بغير العربية للفاضل الا جل مولانا المحقق محمد تميم ابن محمد المدراسي فوجد تهما انفع شئ في الباب واجمع ما ادى اليه نظرى من الرسائل في هذا الباب فَلِلّهِ در المصنف حيث اشادمنار الهدى فاجاء فجزاه الله عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء . هذا ولكن الا ستدلال على الوجوب بمحيض مواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على الخطبة بالعربية محل نظر فان الصحيح الذى عليه اطباق جمهرة الفقهاء هو ان المواظبة المحضة من النبى صلى الله عليه وسلم على فعل وان كان بلا ترك احياناً ليس بدليل الوجوب بل السنية الموكدة مالم يرد على تركه انكار او وعيد مستقلاً والا فلا وجه للقول بسنية المضمضة والا ستنشاق عند الحنفية فان النبى صلى الله عليه وسلم واظب على فعلهما بلا ترك كما صرح به الفقهاء والمحدثون والدليل على ماقلنا تصريحات الفقهاء والا صوليين نذكرهنا نبذة منها .قال صاحب البحر و الذى ظهر للعبد الضعيف ان السنة ماواظب عليه النبى صلى الله عليه وسلم لكن ان كانت مع الترك فهى دليل السنة الموكدة وان كانت مع الترك احيناً فهى دليل الغير الموكدة وان اقترنت بالا نكار على من لم يفعله فهى دليل الو الوجوب فافهم من الشامى الا ستنبولى ص ۹۷ جلد اول .

وقال الشامى فما كان فعله اولىٰ من الترك مع منع الترك ان ثبت بدليل قطعى ففرض او بظنى فواجب وبلا منع الترك ان كان مما واظب عليه الرسول صلى الله عليه وسلم اوالخلفاء الراشدون من بعده فسنة والا فمندوب شامى ص ۹۵ جلد اول ومثله فى البدائع فى ذكر سنة التسمية عند الوضو بدائع صفحه ۲۰ ج اول (وفى هذا ليسير كفاية لحصول الغاية).

فالاحوط فى هذا الباب ان يقال الخطبة بالعربية سنة موكدة مواظبة النبى عليه الصلوٰة والسلام لا يقال ان المواظبة تكون دليل السنة اذا لم يكن ثمه دليل الخصوص وكفى كونه عليه

(۱) یہ رسالے چونکہ عربی زبان میں تھے اس لئے جواب عربی میں لکھا گیا اور اس جگہ ترجمہ کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی کہ اس مسئلہ پر احقر کا مستقل رسالہ اردو میں بنام الا عجوبہ شائع ہو چکا ہے اردو خواں حضرات اس کو دیکھ سکتے ہیں ۱۲۔

الصلوٰۃ والسلام عربیاً وکون لغته عربیة دلیل الخصوص فانا نقول ان الخلفاء الراشدین ومن سواهم من اصحابه علیه الصلوٰۃ والسلام بلغوا مشارق الارض ومغاربها وافتتحوا العرب والعجم ولم یثبت من احد منهم انه خطب بغیر العربیة مع القدرة علیه لما ثبت من کثیر من الصحابة معرفتهم بلغة العجم وقدرتهم علی الخطبة بها . کزید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه کان یعلم اللسان العجمی والحبشی والرومی وکسلمان الفارسی کان یعلم الفارسیة ومع ذلک لم یا مرهم النبی صلی الله علیه وسلم بالخطبة بلسان العجم مع مس الحاجة الیه و معرفتهم به فی شئ من الا حادیث علی انه قد ثبت من الا حادیث الصحیحة والسیرة النبویة حضور ه العجمیین عنده صلی الله علیه وسلم وحدانا وزرافات و فرادی و جمانات و کانوافی اول امرهم لا یعرفون العربیة فان کان تفهیم الخطبة الحاضرین من ضروریات الخطبة فقد مست الحاجة الیٰ ترجمتها بلسانهم ولم یفعله النبی صلی الله علیه وسلم مع القدرة علیه باقامة الترجمان من جماعت الصحابة فعلم ان مواظبته علیه السلام علی اللغة العربیة فی الخطبة لیس لمحض کونه عربیاً وعلیٰ سبیل جریان العادة کما ظنه بعض الفضلاء بل کان ذلک مقصوداً منه علیه الصلوٰۃ والسلام والحاصل ان جعل الخطبة بالعربیه سنة موکدة وقال محدث الهند حضرة الشاه ولی الله فی شرح الموطا ولما لا حظنا خطب النبی صلی الله علیه وسلم وخلفائه رضی الله عنهم وهلم جراً فنقحنا وجود اشیاء فیها الحمد والشهادتین والصلوٰۃ علی النبی صلی الله علیه وسلم والا مر با لتقویٰ وتلاوة آیة والدعاء للمسلمین و المسلمات وکون الخطبة عربیة الیٰ قوله اما کونها عربیة فلا ستمرار عمل المسلمین فی المشارق والمغارب به مع ان فی کثیر من الا قالیم کان المخا طبون اعجمین . وقال النووی الشافعی فی الا ذکار فی کتاب حمد الله تعالیٰ ویشترط کو نها یعنی خطبة الجمعة وغیرها بالعربیة انتهیٰ.

والحاصل ان اللغة العربیة فی الخطبة سنة مؤکدة عند نا ولکن ترک العربیه وجعلها بالعجمیة مکروه تحریماً وتارکها آثم ولا سیما المدمن علیه . ولا یرد علینا مانص علیه فی رد المحتار من ان ترک الواجب مکروه تحریماً وترک السنة تنزیهاً وایضاً صرح به الحلبی فی شرح المنیة حیث قال والمراد بها ما لزمه ترک السنة وهو کراهة تنزیهة او ترک واجب وهو کرا هة تحریم کما ذکره المصنف فی رسالته هذه زبدة التحقیقات وذلک لان الحکم بتنزیهة الکراهة فی ترک السنة انما هو اذا لم یخا لطه غیره من احداث بدعة اوادمان علی ترکها والا فالفقهاء مصر حون بکونه اثما ضالاً قال الشامی فی اوائل سنن الو ضوء وهی السنن الموکدة القریبة من الواجب اللتی یضلل تارکها لان ترکها استخفاف بالدین ص ۹٦ جلد اول ثم قال فی المضمضة والا ستنشاق فلو ترکهما آثم علی الصحیح (سراج)

وقال فی الحلیة لعله محمول علی ما اذا جعل الترک عادة له من غیر عذر کما قالوا مثله فی

التثلیث شامی جلد اول ص ۱۰۸ .

وقال فی البدائع لا ن من لم یر سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم سنة فقد ابتد ع فیلحقه الو عید بدائع ص ۲۲ ج ۱ .

قلت والمراد بالو عید قوله علیه السلام فی حدیث الا عرابی من زاد علی هٰذا او نقص فقد تعدی وظلم . ومن هذه الجملة وضح ان تارك العربیه فی الخطبة آثمٌ مبتدع فانه لا یراه سنة فالحاصل ان اختصاص اللغة، العربیه فی الخطبة وان کان فی الا صل من السنن الا انه لحق بترکه امور اُخر من ابتداع بدعة واثم ا لا دمان علی ترك السنة وترك البدعة واجب فجاء الوجوب من هذا القبیل الا بمحض المواظبة علیه وبالجملة فالحکم بوجوب العربیة واثم تارکها فی خطبة الجمعة وان ترجمتها بغیر العربیة بدعة حق لا ریب فیه . ٦ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ .

خطبہ جمعہ کا اردو ترجمہ کرنا

(سوال ۲٦٤) جمعہ کے خطبہ کے ساتھ ہی ساتھ اردو نظم یا نثر میں اس کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ آیا اس طرح پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو یا نظم سے بدعت اور ناجائز ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں باوجود ضرورت اور قدرت اس کی کوئی نظیر نہیں۔ مفصل تحقیق اس مسئلہ کی احقر کے ایک رسالہ (۱) مستقل میں ہے اگر تفصیل منظور ہو تو اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبہ جمعہ کے متعلق ایک تحقیق

(سوال ۲٦٥) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین۔ اس بارے میں کہ جمعہ میں خطبہ کا طویل ہونا اور نماز کا قصیر ہونا شرعاً کیسا ہے؟

بعض مساجد میں امام صاحب خطبہ جمع تقریباً پندرہ منٹ میں ختم فرماتے ہیں اور نماز جمعہ تقریباً چار منٹ میں۔ پس ارشاد فرمائیں کہ امام صاحب کا یہ طرز عمل حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) فی جمعة العالمگیریة من سنن الخطبة . الرابع عشر تخفیف الخطبتین بقدر سورة من طوال المفصل ویکره التطویل عالمگیری کانپور ص ۷۵ ج ۱ .

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ خطبہ جمعہ کو طویل پڑھنا مکروہ ہے اور حد یہ ہے کہ طوال مفصل کی ایک

(۱) اس رسالہ کا نام الاعجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العروبۃ ہے دارالاشاعت متصل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی سے مل سکتا ہے ۱۲۔

سورت کی برابر ہو اس سے زیادہ ہو گا تو وہ طویل اور مکروہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ یہ خلاف سنّت ہے نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ جو عام کتب حدیث میں منقول ہے یہ تھی۔ کہ خطبہ مختصر اور نماز اس کی نسبت سے طویل پڑھاتے تھے جو امام اس کے خلاف کرتے ہیں وہ خلاف سنت کرتے ہیں (واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ الاحقر محمد شفیع عفااللہ عنہ۔ مدرس دارالعلوم دیوبند ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ۔

الجواب صحیح شمش الحق عفااللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح محمد اعزاز علی عفی عنہ مدرس دارالعلوم

الجواب صحیح مسعود احمد عفااللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

اذان خطبہ کا جواب زبان سے نہ دے

(سوال ۲۶۶) خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) جائز نہیں۔ البتہ دل دل میں جواب دینا بہتر ہے **کذا فی الدر و الشامی . فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

رسالہ " القول القریب فی اجابة الاذان بین یدی الخطیب "
یعنی اذان خطبہ کا جواب دینے کی شرعی تحقیق!!!

(سوال ۲۶۷) ہمارے یہاں بعض علماء اذان ثانی کی اجابت اور دعائے وسیلہ پڑھنے کے متعلق اختلاف کرتے ہیں اور اذان کی اجابت اور دعائے وسیلہ کو پڑھنا دونوں کو بلا کراہت جائز و مسنون بتاتے ہیں۔ اور استدلال میں بخاری باب **ما یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء** سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ جس کے اخیری الفاظ یہ ہیں کہ **یا ایها الناس انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی هذا المجلس حین اذن المؤذن یقول ما سمعتم منی من مقالتی** نیز کتب فقہیہ میں سے بحر الرائق و طحطاوی وغیرہ سے نقول پیش کرتے ہیں۔ بحر الرائق میں ہے۔ **قال بعضهم انما کان یکره ماکان من کلام الناس واما التسبیح ونحوه فلا وقال بعضهم کل ذلك مکروه والاول اصح** اور طحطاوی میں حدیث بالا کو نقل کر کے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور عدم اجابت کے متعلق جو حدیث **اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا کلام** کتب فقہ میں نقل کی جاتی ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں بلکہ زہری کا قول ہے یہ حدیث بالا کا معارض نہیں ہو سکتا۔ چونکہ حدیث مذکورہ اور عبارات فقہیہ بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اجابت اذان ثانی اصح قول کے مطابق جائز بلکہ مسنون ہے۔ لہذا بعض کتب فقہ میں جو **لا یجیب اتفاقاً الخ** کی عبارت منقول ہے وہ صحیح نہیں۔ چنانچہ مولانا عبدالحی مرحوم نے ہدایہ کے حاشیہ میں تصریح کی ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اجابت و عدم اجابت میں کون سا قول صحیح اور موید بادلائل شرعیہ ہے کسی قدر وضاحت کے ساتھ مدلل تحریر۔ فرمائیں۔

(۲) نیز سجود سہو کی طرح وتر کی نماز قضاء ہو جانے سے کفارہ و فدیہ آتا ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں وتر کی نماز کا کفارہ وفدیہ نہیں آتا اس میں صحیح قول کیا ہے باحوالہ تحریر فرمائیں؟

(الجواب) فی عامة المتون من الهداية وغيرها واذا خرج الا مام يوم الجمعة ترك النا س الصلوٰة والسلام حتى يفرغ من خطبة (هدايه) ج ۱ ص ۱۵۳).

(۲) في جمعة الطحطاوى على المراقى. وفى البحر عن العناية والنهاية اختلف المشائخ على قول الا مام فى الكلام قبل الخطبة فقيل انما يكره ماكان من جنس كلام الناس اما التسبيح ونحوه فلا وقيل ذلك مكروه والا ول اصح ومن ثم قال فى البرهان وخروجه قاطع للكلام اى كلام الناس عند الا مام اه فعلم بهذا انه لا خلاف بينهم فى جواب غير الدنيوى على الا صح (طحطاوى على المراقى ص ۲۸۲) ومثله عند الطحطاوى على الدر المختار باب الا ذان ص ۱۸۸ ج ۱.

(۳) وفى جمعة الدر المختار و قال لا بأ س بالكلام قبل الخطبة وبعدها . واذا جلس عند الثانى والخلاف فى كلام يتعلق بالا خرة اما غيره فيكره اجماعاً الخ قلت واقره الشامیؒ (ازشامی ص ۶۰۷ ج ۱ كتاب الجمعة) وقال الطحطاوى على الدر هذا احد القولين والا صح كما فى العناية والنهاية انه لا يكره (طحطاوى على الدر با ب الجمعه ص ۳۴۷ ج۱.)

(٤) وفى اذان الدر المختار . قال (اى فى النهر) وينبغى ان لا يجيب باللسان اتفاقاً فى الاذان بين يدى الخطيب وان يجيب بقدمه اتفاقاً فى الاذان الا ول يوم الجمعة اه و اقره الشامى (ص ۲۹٤ ج۱).

(٥) وفى حاشية البحر للشامى قال فى النهر اقول ينبغى ان لا تجب با للسان اتفاقاً على قول الا مام فى الا ذان بين يدى الخطيب وان تجب بالقدم اتفاقاً فى الا ذان الاول من الجمعة (بحر ص ۲۷۳ ج ۱).

(٦) وفى نصب الراية للزيلعى قال عليه السلام اذا خرج الا مام فلا صلوٰة ولا كلام قلت غريب مرفوعاً قال البيهقى رفعه وهم فاحش انما هو من كلام الزهرى انتهىٰ. رواه مالك فى المؤطا عن الزهرى وعن مالك رواه محمد بن حسن فى مؤطاء . واخرج ابن ابى شيبة فى مصنفه عن على وابن عباس وابن عمرؓ انهم كا نوا يكرهون الصلوٰة والكلام بعد خروج الا مام (نصب الرايه ص ۳۱٦ ج۱).

(۷) وفى مبسوط شمس الائمة السرخسى ص ۲۹ ج ۲ لحديث ابن مسعود و ابن عباسؓ موقوفاً عليهما ومر فو عاً اذا خرج الا مام فلا صلوٰة ولا كلام.

عبارات مندرجہ بالا سے واضح ہوا کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے صلوٰۃ و کلام کے جواز وعدم جواز میں امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز جیسا کہ عبارت ہدایہ وغیرہ نمبر ا سے واضح ہے اور عامہ متون حنفیہ میں حسب قاعدہ امام اعظمؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہی مفتی بہ ہے (لعدم سبب العدول عنہ)۔

پھر مشائخ حنفیہ کا امام اعظمؒ کے کلام کی شرح میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ کلام جو

خروج امام کے ساتھ ممنوع ہو جاتا ہے اس سے مراد مطلق کلام نہیں بلکہ صرف کلام الناس یعنی دنیوی کلام ہے اور اسی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز۔ اور دینی کلام جیسے تسبیح تہلیل یا اجابت اذان وغیرہ وہ باتفاق جائز ہے اس میں اختلاف نہیں جیسا کہ عبارت طحطاوی نمبر ۲ میں مذکور ہے۔ اور دوسرے مشائخ نے اس کے برعکس کلام کو اپنے ظاہر کے موافق مطلق رکھا ہے اور حاصل اختلاف یہ قرار دیا ہے کہ دنیوی کلام تو باتفاق ناجائز ہے۔ اختلاف صرف دینی کلام یعنی تسبیح وغیرہ میں ہے اسی کو امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز جیسا کہ عبارت در مختار نمبر ۳ میں مصرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے مذہب **اذا خرج الا مام فلا صلاة ولا كلام** کی شرح میں مشائخ حنفیہ مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس کو کلام دنیوی کے ساتھ مخصوص و مقید فرماتے ہیں۔ **كما عند الطحطاوی والنهايه والعنايه** اور بعض حضرات ظاہر کے موافق اس کو مطلق رکھتے ہیں۔ **كما عند الدر المختار والشامی وغيرهم**۔

اسی اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔ جو حضرات ممانعت کو صرف کلام دنیوی کے ساتھ مقید کرتے ہیں وہ اجازت دیتے ہیں **كما عند الطحطاوی فی باب الا ذن ج ١ ص ١٨٨** اور جو ظاہر کلام کے موافق مطلق رکھتے ہیں وہ منع کرتے ہیں **كما فی رواية الدر المختار نمبر ٤ ورواية النهر نمبر ٥.)**

ہمارے اساتذہ واکابر نے امام صاحب کے کلام کا مطلب در مختار وشامی وغیرہ کے مطابق یہی قرار دیا ہے کہ مطلقاً کلام کو ممنوع سمجھا جاوے اور اجابت اذان کو بھی اس میں داخل کیا جاوے وجوہ ترجیح مختصراً یہ ہیں۔

اول یہ کہ کلام مطلق ہے اس کو مقید کرنے کے کوئی قرینہ کلام امام میں موجود نہیں۔ دوسرے احوط بھی یہی ہے کیونکہ اجابت اذان باللسان واجب تو باتفاق نہیں ہے زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔ اب جو شخص اذان ثانی کا جواب زبان سے دیتا ہے اس نے بعض مشائخ کے نزدیک مستحب پر عمل کیا ہے اور بعض کے نزدیک ایک ممنوع کا ارتکاب کیا ہے۔ ایسے مشتبہ موقع میں ترک ہی میں احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

تیسرے یہ مذہب امام اعظم کا موید بالحدیث والا آثار بھی ہے۔ حدیث پر اگرچہ بعض حضرات نے یہ جرح کی ہے کہ وہ مرفوع نہیں بلکہ زہری کا قول ہے لیکن شمس الائمہ سرخسی کی عبارت نمبر ۷ سے واضح ہو گیا کہ یہ حدیث مرفوعاً بھی منقول ہے اور موقوفاً بھی۔ اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ اور زیلعی نے بھی مرفوعاً کو غریب کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ **رفع فی الجمله** ثابت ہے۔ نیز نصب الرایہ میں یہی مذہب فقہاء صحابہ حضرت علی۔ ابن عباس۔ عمرؓ کا اور مبسوط میں عبداللہ ابن مسعودؓ کا نقل کیا گیا ہے۔ **وكفى بهم قدوة.**

خلاصہ یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا بعض حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے بعض کے نزدیک ممنوع و مکروہ۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ترک کیا جاوے۔

تنبیہ: البتہ اختلاف روایات حدیث اور اختلاف مشائخ کا یہ اثر ضرور ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے

جیسا کہ در مختار اور نہر کے الفاظ لا ینبغی سے معلوم ہوتا ہے۔
تنبیہ دوم :۔ کتب فقہ میں جو لا یجیب اتفاقاً منقول ہے در حقیقت اس کی نقل میں کچھ تصحیف ہو گئی یہ عبارت در مختار میں بحوالہ نہر نقل کی گئی ہے اور نہر کے الفاظ لا تجب ہیں لا یجب نہیں۔ کیونکہ نہر میں یہ کلام اس سلسلہ میں آیا ہے کہ اجابت اذان واجب ہے یا نہیں۔ اسی بحث میں فرمایا ہے کہ اذان ثانی کی اجابت باللسان باتفاق واجب نہیں اور بالقدم باتفاق واجب ہے۔ بقیہ اذانوں میں اختلاف ہے پھر لا تجب سے لا یجیب یا تو نقل کی غلطی سے پیدا ہو گیا اور یا اس بناء پر کہ لا تجب پر تفریع کر کے صاحب در مختار نے یہ مسئلہ نکالا کہ ینبغی ان لا یجب. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم.

(۲) قال فی الدر المختار من الفوائت و لو مات وعلیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة نصف صاع من بر کالفطرة وکذا حکم الوتر . انتهی (قال الشامی لا نه (ای الوتر) فرض عملی عنده خلافا لهما) (شامی ج ۱ ص ٦٨٦) عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ وتر کا بھی فدیہ دینا امام صاحب کے نزدیک واجب ہے (اور یہی قول مفتی بہ ہے) (فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

خطبہ جمعہ میں سلطان یا نواب ریاست کے لئے دعا کرنا

(سوال ٢٦٨) ہندوستان میں سلطان کے لئے خطبہ ثانیہ میں نام لے کر دعا ان لفظوں سے کرنا اللهم اید الا سلام والمسلمین بد وام ریاسة عبدك وابن عبدك الخامنع لجلال کبریاء ك وعظمتك الرئیس المکرم والا میر المعظم النواب ابن النواب النواب زید بن عمر مبارز الدولة نصرت جنگ بها در ادام الله صولته وشوکته واعلی الله درجته ورتبته اللهم وفقه لطا عتك واسلکه علی مسا لك واجعله ممن یلزم نبیك محمد صلی الله علیه وسلم وعظم حرمته واعز کلمته وانصر حزبه و دعوته .

اب سوال یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا لفظ ہے جو کہ مانع جواز ہو۔ مزید گزارش اینکہ دعاء مذکور ایسے بادشاہ کے لئے جو کہ تبع شریعت و دیندار نہ ہو اور فسق و فجور میں مبتلا، ہو تو اس کا پڑھنا کیا حکم شریعت رکھتا ہے اور اگر فاسق معلن ہو تو کیا حکم شریعت ہے اور اگر ظالم ہے تو کیا حکم شریعت ہے اور انصر حزبه و دعوته ایسے بادشاہ کے لئے جس کی فوج بمقابلہ کافر لڑنے کے لئے تیار و مقرر ہو۔ اب دعاء نصرت جماعت کا تعلق کس جزو سے ہوگا اور اگر دعا مذکور کے ساتھ حدیث شریف السلطان ظل الله فی الارض الخ زائد کی جاوے تو کیا کوئی منع شرعی زائد لازم آجائے گا۔ اور اگر یہ دعا عبارت منقولہ شرعاً مانع جواز ہو تو اس کا حکم تلاوت خطبہ ثانیہ میں حکم سماع کیا ہے اور اگر تلاوت و سماع دونوں عدم جواز ہو تو کیا خطبہ ثانیہ کا سماع ترک کر دے۔ اور کہیں دور جا کر بیٹھے کہ جہاں آواز اس کے کان میں نہ پڑے یا کیا صورت کی جاوے۔ اور بصورت عدم جواز عبارت منقولہ کو خطبہ ثانیہ سے نکالنے کی کوشش نہ کرنے میں ماخوذ اخروی ہوں گے ؟

(الجواب) قال فی الدر المختار یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین لا الدعاء للسلطان وجوزه

القهستانی ویکره تحریماً وصفه بما لیس فیه انتهی وقال الشامی با ستحباب الدعاء للسلطان والعادل واثبت له عمل ابی موسیؓ ثم قال بعد م جواز ذکر الظلمة بما لیس فیهم وو صفهم بالعدل وقال نقلا عن البزازیة فلذا کان ائمة خوارزم یتباعدون عن المحراب یوم العید والجمعة(شامی باب الجمعة ص ۸٤۹ ج ۱)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان بادشاہ کے لئے خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے لیکن ان کی مدح و ثناء میں مبالغہ کرنا جائز نہیں۔ اور اگر بادشاہ ظالم ہو ان کی مدح کا سننا بھی مناسب نہیں بلکہ چاہئے کہ دور جابیٹھے تا کہ آواز کان میں نہ آئے جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں ان میں کوئی لفظ فی نفسہ ناجائز نہیں۔ ہاں اگر حاکم ظالم یا فاسق معلن ہے تو اس کے لئے ایسے الفاظ کہنا اور بالا ختیار سننا جائز نہ ہوگا۔ نیز اگر اس کا لشکر کفار کی حمایت ناجائز کرتا ہو تو اس کے لشکر کے لئے دعا فتح کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خطبہ جمعہ میں بادشاہ وقت یا کسی امیر و صدر کا نام لینا درست نہیں

(سوال ۲٦۹)(۱) ۲۲ اگست ۷ءکو جمعہ کے خطبہ کے ساتھ ہی ساتھ ولایت پاکستان میں قائد اعظم صاحب کے نام کا بھی خطبہ پڑھا گیا اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کا خطبہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو کیونکر اور کس شرعی حیثیت سے جب کہ قائد اعظم صاحب پابند شرع بھی نہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ شیعہ جماعت میں سے ہیں۔

(۳) دیگر اسلامی اقالیم مثلاً عرب۔ مصر مشرق اردن اور ترکستان وغیرہ میں جمعہ کی نماز میں بادشاہ کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا تو پھر دیار پاکستان میں جہاں کہ کوئی نیک امیر یا بادشاہ نہیں ہے وہاں اس طرح کی خطبہ خوانی کیسے مباح ہو سکتی ہے نیز پاکستان اسلامی حکومت بھی تو نہیں۔ اور وہاں اسلامی قوانین نافذ ہونے کی توقع بھی نہیں۔ براہ کرم مذکور الصدر سوالات کا شافی جواب مدلل بدلائل شرعیہ بہت جلد مرحمت فرمائیں؟

(الجواب)قال فی البحر الرائق . واما الدعاء للسلطان فی الخطبة فلا یستحب لما روی ان عطاء وسئل من ذلك فقال انه محدث وانما کانت الخطبة تذکیراً وفی الخلاصة وغیر ها الدنومن الامام افضل من التبا عد علی الصحیح ومنهم من اختار التباعد حتی لا یسمع مدح الظلمة فی الخطبة اه (بحر: ج ۲ ص ۱٦۰) عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ جس جگہ صحیح طور پر اسلامی سلطنت ہو اور سلطان بھی متشرع ہو وہاں بھی خطبہ میں سلطان کا نام لے کر دعا وغیرہ کرنا مستحب نہیں اور جب کہ سلطنت ہی حقیقی معنی میں اسلامی نہ ہو یا سلطان متشرع نہ ہو تو ایسا کرنا درست نہیں اس سے اجتناب چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (اضافہ)

دیوبند ۲۴ شوال ٦۱ھ

جمعہ کا خطبہ نابالغ پڑھے اور نماز بالغ پڑھائے اس کا حکم

(سوال ۲۷۰)ایک امام مسجد جو کہ بچوں کو تعلیم دیتا ہے جمعہ کا خطبہ نابالغ بچہ سے پڑھوا کر خود نماز پڑھاتا ہے۔ مقتدیوں میں سے اکبر علی نے کہا کہ نابالغ کا خطبہ جائز نہیں آپ دو بارہ خطبہ پڑھیں ورنہ نماز نہ ہوگی۔ امام نے کہا ہم ایسا ہی پڑھاویں گے جائز ہے نماز کے بعد بدھو میاں نے کہا ہم نے نابالغ کو پڑھتے بہت جگہ دیکھا ہے۔ چنانچہ ضداً چار جمعہ تک مختلف نابالغوں سے پڑھوایا۔ جب چاروں طرف سے ناجائز ہونے کا غل مچا تو خود پڑھانے لگے۔ چنانچہ رام پور دہلی وغیرہ سے ناجائز ہونے کا فتویٰ بھی آگیا۔ اب معلوم کرنا یہ ہے کہ چار جمعہ کی نماز نہ ہوئی تو اس کے ذمہ دار امام صاحب تنہا ہوئے یا کہ پشت پناہ مددگار بدھوں میاں بھی ہوئے۔ دونوں کو توبہ کرنا ہوگا۔ یا امام صاحب کو چونکہ دہلی اور رام پور کے فتوے کے سننے کے بعد بدھو میاں نے انکار کیا کہ ہم فتویٰ منگائیں گے تب مقابلہ کریں گے؟

(الجواب)در مختار میں ہے۔ لاَ ینبغی ان یصلی غیر الخطیب لا نهما كشئ واحدفان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصی بالغ جاز هو المختار اور شامی میں ہے وفی الظاهرية لو خطب صبی اختلف المشائخ فيه والخلاف فی صبی یعقل اه والاكثر علی الجواز . اسمٰعیل.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ پہلی نمازیں صحیح ہوگئیں ترجیح اسی کو ہے لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ جو شخص نماز پڑھاوے وہی خطبہ پڑھے۔ اگر امام ضداً ایسا کرے گا تو وہ اور اس کے معاون دونوں گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفاعنہ۔

نوٹ: پہلے اس مسئلہ کے جواب میں حکم عدم جواز نماز کا لکھا گیا ہے۔ جو کہ بعض مشائخ کا مذہب ہے لیکن بعد کو اسی قول کو ترجیح معلوم ہوئی۔

جمعہ کا خطبہ شرط نماز ہے

(سوال ۲۷۱)بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ شرط نہیں ہے سنت ہے اور خطیب بغیر وضو بھی پڑھ سکتا ہے در مختار وغیرہ میں لکھا ہوا ہے؟

(الجواب)صحت جمعہ کے لئے سات چیزیں شرط ہیں منجملہ ان سات اشیاء کے چوتھی شرط خطبہ ہے بدون خطبہ کے جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے۔ و یشرط لصحتها سبعة اشياء الی ان قال والرابع الخطبة فيه ای فی وقف الشامی فلو خطب قبله و صلی فيه لم تصح معلوم ہو کہ بدون خطبہ کے نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی اور یہ غلط ہے کہ در مختار میں خطبہ جمعہ کا سنت لکھا ہے، البتہ خطبہ عیدین کا بے شک سنت ہے چنانچہ در مختار باب العیدین میں ہے۔ تجب صلاتها فی الاصح علی من تجب عليه الجمعة شرائطها المتقدمة سوی الخطبة فانها سنة بعدها الخ غالباً سائل کو اس عبارت سے دھوکہ ہوا ہے جس کی وجہ سے اس نے خطبہ جمعہ کو سنت ہونا لکھا ہے۔

احتیاط الظہر اور سنن بعد الجمعہ

(سوال ۲۷۲) جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور فرض جمعہ کے بعد کتنی سنت پڑھنی چاہئے ؟
(الجواب) جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے عدم فرضیت جمعہ کا شبہ ہوتا ہے۔ در مختار میں بحر سے منقول ہے۔ **وفی البحر وقد افتیت مراراً بعدم صلوٰة الا ربع بعد ھا بنية الظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الا حتياط فى زماننا الخ** ۔اور جمعہ کے بعد چار سنت مؤکدہ ہیں اور مختار میں ہے **واربع قبل الجمعة واربع بعدها الخ** .اور شامی میں ہے **وعن ابی هريرة انه صلى الله عليه وسلم قال من كان منكم مصليا بعدا لجمعة فصا واالربعاً الحديث**.

جواب صحیح ہے اور بعد جمعہ کے چار سنتوں کا موکدہ ہونا تو متفق علیہ ہے۔ اس کے بعد دو سنتوں کے مؤکدہ ہونے میں ائمہ حنفیہ مختلف ہیں **كما ذكره فى شرح المنية ا(الكبير)** پس احتیاط اسی میں ہے کہ بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھی جاویں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ۔

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کا حکم

(سوال ۲۷۳) چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟
(الجواب) چھوٹے گاؤں جن کی آبادی تقریباً ڈھائی تین ہزار سے کم ہو ان میں جمعہ کسی طرح جائز نہیں۔ جمعہ کے روز آپ کو ایسے گاؤں سے باہر چلے جانا مصلحت ہے اور اگر رہنا کسی وجہ سے ضروری ہو۔ اور عدم شرکت میں کسی سخت فتنہ کا ڈر ہو اجس کو آپ برداشت نہ کر سکیں تو پھر شرکت کر لینا جائز ہے **(افتاء على مذهب الشافعى)** لیکن اس صورت میں آپ کو امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کرنا چاہئے تاکہ امام شافعی کے مذہب کے موافق جمعہ صحیح ہو جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بڑے گاؤں میں جمعہ اور فناء کا حکم

(سوال ٢٧٤) صلوٰۃ جمعہ قریہ کبیرہ میں جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے اور فناء میں بھی جائز ہے یا نہیں اور آس پاس کے چھوٹے مواضعات فناء مصر میں داخل ہیں یا نہیں ؟
(الجواب) بڑے گاؤں میں جمعہ جائز ہے اور اس کے فناء میں بھی لیکن اس کے آس پاس جو چھوٹے گاؤں ہیں وہ اس بڑے گاؤں کے فناء میں داخل نہیں بلکہ جداگانہ بستیاں ہیں۔ اس لئے وہاں جمعہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ فناء مصر وہ جگہ کہلاتی ہے جو مصالح مصر مثل عیدگاہ۔ یا جانوروں کی چراگاہ وغیرہ کے لئے چھوڑی جاتی ہے دوسری بستیاں فناء نہیں کہلا سکتی۔ اور بڑے گاؤں اور قصبات میں جمعہ کا جواز اسی بات پر مبنی ہے کہ وہ مصر کے حکم میں ہیں۔ اور تعریف مشہور بڑے گاؤں کی یہ ہے کہ جس میں بازار اور گلی کوچے ہوں اور تمام ضروریات ہمیشہ وہاں ملتی ہوں۔ **ويدل على ما قلنا مافى الشامى عن القهستانى وتقع فرضا فى القصبات والقرىٰ الكبيرة اللتى فيها**

اسواق شامی باب الجمعة (ج ۱ ص ۵۳۷).

وفی الدر المختار وهو یعنی الفناء ما حوله الی قوله لاجل مصالحه کد فن الموتی ورکض الخیل از شامی ص ۵۳۷ . واللہ تعالیٰ اعلم.

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں

(سوال ۲۷۵) ایک مولوی صاحب واعظ اپنے وعظ میں اعلان فرماتے ہیں کہ جمعہ فقط انہیں لوگوں پر فرض اور واجب ہے کہ جس جگہ جمعہ ہوتا ہے اور جس جگہ جمعہ نہیں ہوتا ہے نہ اذان جمعہ ان لوگوں پر فرض نہ واجب جمعہ سوائے قصبوں شہروں کے جائز نہیں ہے اور جو دیہات شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر ہیں وہاں جمعہ کے اذان کی آواز نہ آتی ہے جمعہ فرض نہیں ہے آیا یہ درست ہے یا نہیں ؟

(الجواب) مولوی صاحب نے واعظ صحیح فرمایا چھوٹے گاؤں والوں پر جمعہ فرض وواجب نہیں بلکہ صرف اس جگہ کے باشندوں پر فرض ہے جہاں جمعہ ہو سکتا ہے کذا فی عامۃ کتب الحنفیہ۔

گاؤں میں جواز جمعہ کے لئے وعظ کا حیلہ قابل التفات نہیں

(سوال ۲۷۶) موضع کمہرہ کی آبادی مع ہندو مسلم ۱۳۰۳ آدمی کی ہے۔ نصف مسلمان اور نصف ہندو ہیں پانچ دکانیں پرچون اور حلوائی کی ہیں جن پر نمک مرچ وغیرہ بھی مل سکتا ہے۔ اور بزازوں پنساری کی کوئی دکان نہیں نہ ضروریات دستیاب ہوتی ہیں۔ اور دو مسجد اور عیدگاہ ہے جو عرصہ پنتیس ۳۵ سال سے ایک ویران مسجد کی بنائی ہے۔ و نیز نماز عیدین اس میں پڑھتے ہیں۔ اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ یہ موضع کسی وقت بڑا شہر تھا۔ بعض جگہ سرائے کے نام سے مشہور ہیں اور اب سوائے نام کے کوئی نشان باقی نہیں بلکہ وہاں پر کاشت ہوتی ہے اور عرف میں بھی قریہ صغیرہ کہا جاتا ہے اور موضع مذکور کے لئے جانب شمال موضع پتوڑہ بفاصلہ سوا میل واقع ہے جو قریہ کبیرہ ہے وہاں پر نماز جمعہ و عیدین پڑھی جاتی ہے اور جنوبی اور شرقی گوشہ میں موضع ڈہانسری فاصلہ ایک میل پر آباد ہے جو قریہ مستقلہ ہے اور مردم شماری چودہ سو آدمیوں کی ہے۔ چوتھائی مسلمان باقی ہندو اور ہر ایک موضع میں کمہرہ وڈہانسری کی اذان کی دوسرے میں پہنچ جاتی ہے۔ تو اس صورت میں ہر دو موضع موضع واحد کے حکم میں ہو سکتے ہیں یا نہیں پہلے جمعہ ہوا کرتا تھا مولوی محمد فاروق صاحب سلہری نے بالجبر نماز جمعہ بند کرادی ہے لیکن پھر دو ماہ ہوئے کہ مولوی صاحب موصوف نے پھر نماز پڑھی ہے موضع مذکور میں۔ اور کہتے ہیں کہ جمعہ کی وجہ سے نمازی زائد ہو جاتے ہیں۔ اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے کچھ روپیہ بطور رشوت لے لیا ہے۔ امید ہے کہ جواب سے مطلع کریں گے۔ آیا ان دونوں موضعوں میں جب کہ بزاز اور پنساری کوئی موجود نہیں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ عند الحنفیہ ایسے موضع میں جمعہ جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب پر نماز جمعہ شہروں اور قصبات ہی میں ادا ہو سکتی ہے اور ایسے بڑے گاؤں

جو مثل قصبات کے ہوں ان میں بھی جائز ہے جیسا کہ علامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ ہرگز جائز نہیں اور کسی کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں کہ لوگ اس بہانہ سے نماز پڑھ لیتے ہیں مسلمان تو احکام شرعیہ کے مامور میں حدود مذہب کے اندر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنا چاہئے اور اگروہ کسی ایسی صورت میں جمع ہوں جو شرعاً جائز نہ ہو تو ایسے اجتماع ہی سے کیا فائدہ ہے جب نماز جمعہ چھوٹے گاؤں میں ادا نہیں ہوگی تو پھر ایسی نماز کے لئے۔ اگر جمع بھی ہو گئے اور پڑھ بھی لی تو کیا فائدہ۔ اس لئے مسلمانوں کو تو فتوے پر عمل کرنا چاہیئے۔ جس کی قسمت میں نماز اور عبادت لکھی ہے اور جس کو خدا کا خوف ہے وہ پھر بھی پڑھے گا اور جو بد قسمت نہ پڑھے تو اس کا فکر کسی کے ذمہ نہیں وہ اپنی قبر کا خود سامان کرے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ موضع کمہڑہ اور دھانسری دونوں علیحدہ علیحدہ گاؤں ہیں ایک بستی کے حکم میں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دونوں میں جمعہ جائز نہیں۔ اگرچہ موضع کمیڑہ کسی وقت میں بڑا شہر تھا۔ لیکن اب تو حالت موجودہ کا اعتبار ہوگا۔ ان میں دونوں گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ اور جو لوگ پڑھتے ہیں ان کے ذمہ فریضہ ظہر باقی رہتا ہے۔ اگر ظہر ادا نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور جمعہ ادا کرنا بھی ایسے گاؤں میں خود گناہ ہے کیونکہ جب ظہر کی نیت نہیں اور جمعہ واجب نہیں تو یہ نماز نفل ہوگی۔ اور نفلوں کا جماعت سے ادا کرنا اور دن میں جہری قرات کرنا ناجائز ہے اور اگر کوئی بعد جمعہ پڑھ کر احتیاط الظہر پڑھے تو یہ بھی ایسے گاؤں میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ جمعہ تو ادا نہ ہوا۔ اور احتیاط الظہر میں ظہر کی نیت مشکوک ہوتی ہے اس لئے ظہر بھی ادا نہ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی یقینی طور پر یہی نیت کرے کہ فرض ظہر میری ذمہ ہیں اور میں اس کو ادا کرتا ہوں تو نماز ظہر درست ہو جائے گی۔ لیکن ظہر سے پہلے جو جمعہ پڑھا ہے اس کا گناہ اس کے ذمہ باقی رہے گا۔ اور جب کہ جمعہ وہاں جائز نہیں تو تبلیغ عدم جواز کرتے رہنا ضروری ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

گاؤں میں جمعہ کے متعلق حضرت نانوتویؒ کا ایک مکتوب اور اس کی وضاحت

(سوال ۲۷۷) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حضرت مولانا موصوف قدس سرہم کا مکتوب گرامی بزبان فارسی دربارہ بعض احکام جمعہ فیوض قاسمی میں طبع ہوا تھا جس کو بعض حضرات نے اردو میں ترجمہ کر کے شائع کر دیا ہے، اس مکتوب کے بعض الفاظ سے بعض عوام کو حنفیہ کے متفق علیہ مذہب کے خلاف اس کا شبہ ہو گیا کہ ہر چھوٹے اور بڑے گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اس لئے اس کی توضیح کی ضرورت ہوئی ہے تاکہ حنفی مسلمان اس سے شک میں نہ پڑ جائیں۔ واللہ الموفق۔

پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر کی شرط حنفیہ کے تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے کسی حنفی امام وفقیہ کو اس میں کلام نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور تمام فقہاء حنفیہ کی تصریحات ہیں۔ کہ ادای جمعہ کے لئے مصر شرط ہے صحابہ و تابعین میں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حذیفہؓ

(۱) اس رسالہ کا نام الاجوبہ فی عربیۃ خطبۃ الجمعہ ہے۔ دارالاشاعت متصل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی سے مل سکتا ہے ۱۲۔

اور عطاءؒ اور حسن بن الحسنؒ اور ابراہیم نخعی اور مجاہد اور محمد بن سیرین اور سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مذہب ہے (کذافی الشرح الکبیر للمنیۃ ص ٤٦٥) اور شمس الائمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عرب و عجم کو فتح کیا ہے تو کہیں منقول نہیں کہ کسی گاؤں میں کوئی جامع مسجد بنائی ہو۔ یا منبر قائم کیا ہو۔ بلکہ یہ کام صرف شہروں کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات بھی اس پر متفق تھے کہ ادائے جمعہ کے لئے مصر شرط ہے۔ (کذافی المبسوط ص ۲۳ ج ۱) ہدایہ اور اس کی شروح فتح القدیر، عنایہ۔ کفایہ۔ عینی وغیرہ اور کنز اور اس کی شروح۔ بحر۔ نہر، عینی۔ مستخلص وغیرہ قدوری اور اس کی شروح جوہرہ، منیرہ وغیرہ۔ منیہ اور اس کی شروح صغیری وکبیری وغیرہ۔ شرح وقایہ اور اس کی حواشی سعایہ، عمدہ، چلپی وغیرہ۔ نورالایضاح اور اس کی شروح وحواشی۔ مراقی الفلاح۔ طحطاوی وغیرہ۔ درمختار اور اس کی شروح شامی طحطاوی وغیرہ خلاصۃ الفتاویٰ، قاضی خان۔ عالمگیری۔ درر الاحکام۔ بدائع الصنائع وغیرہ جو حنفیہ کے مذہب کی صحیح اور نہایت معتمد و معتبر ترجمان ہیں۔ سب کی سب اس شرط پر متفق ہیں اور چھوٹے گاؤں میں جمعہ کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور ان اساطین امت اور ائمہ حنفیہ کی تصریحات کے بعد اگر بالفرض کسی حنفی المذہب عالم محقق کی تحقیق ان سب حضرات کی خلاف بھی واقع ہو کہ یہ شرط ضروری نہیں تب بھی ازروئے عقل و نقل حنفی المذہب مسلمانوں کا فرض یہی ہوگا کہ ان عالم محقق کی تحقیق کا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کی طرف سے تاویل کریں اور عمل میں جمہور فقہاء کا اتباع کریں کیونکہ یہی دستور امت کے سنجیدہ حضرات اہل سنت والجماعۃ کا ہے کہ اتباع ہمیشہ جمہور کا کیا جاتا ہے اور اگر کسی بزرگ سے کوئی کلمہ ان کے خلاف ثابت بھی ہو اس کی تاویل کی جاتی ہے اور تاویل بھی نہ ہو سکے تو سکوت کیا جاتا ہے تمام علماء امت کا سلفاً وخلفاً یہی معمول رہا ہے۔ علامہ محقق شیخ ابن ہمامؒ صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ حنفیہ کے ایک نہایت محقق امام ہیں جن کی جلالت قدر سے کوئی حنفی یا غیر حنفی انکار نہیں کر سکتا اور جن کے احسانات علمیہ سے تمام حنفیہ متاخرین کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں۔ لیکن بایں ہمہ جب ان کی کوئی تحقیق جمہور حنفیہ کے خلاف واقع ہوئی ہے تو کوئی حنفی ان کی اقتداء اس مسئلہ میں نہیں کرتا اور اسی لئے مسلمہ امر ہے کہ تفردات ابن ہمام مقبول نہیں۔ صاحب ہدایہ کو اگرچہ اصحاب ترجیح میں سے مانا گیا ہے اور فقہاء حنفیہ میں نہایت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں لیکن بہت سے مواضع میں ان کے قول کو تمام حنفیہ نے بوجہ مخالفت جمہور ترک کر دیا ہے۔ شامی اور در مختار جس پر آج کل حنفی فتاویٰ کا دارومدار ہے لیکن جن بعض مسائل میں جمہور حنفیہ سے ان کی تحقیق علیحدہ واقع ہوئی ہے۔ باتفاق حنفیہ وہ تحقیقات متروک ہیں اور عمل اسی قول پر ہے جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ (الا ما مست الیہ الضرورۃ الشدیدۃ لحوادث الفتاوی)

اس گزارش کے بعد اہل علم وفہم کے لئے احکام جمعہ کے بارے میں مکتوب مذکور کی توضیح مطلب کی زیادہ ضرورت باقی نہ رہی کیونکہ ان کے عمل کے لئے بہر حال راستہ متعین ہے۔ کہ باتباع جمہور مصر کی شرط کو لازم سمجھیں چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہ کریں کیونکہ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ جس جگہ جمعہ کے صحیح ہونے میں شک ہو وہاں ظہر پڑھی جائے تاکہ فرض باتفاق ذمہ سے ساقط ہو جائے۔

البتہ صرف اس غرض سے کہ حضرت مولانا موصوف کی صحیح غرض اور اصلی مقصد لوگوں پر ظاہر ہو جائے۔ اس مکتوب کی توضیح کے لئے کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ وھو ہذا واللہ المصوب وعلیہ التکلان۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت امام العارفین حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ اپنے زمانہ میں مجدد تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اصلاح امت کے لئے ہی پیدا فرمایا تھا اور مصلح اعظم اور طبیب حاذق کا کام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مریض کے بدن میں مختلف قسم کے امراض و تکالیف ہوں۔ تو وہ سب سے پہلے ایسے امراض کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو زیادہ مہلک اور خطرناک ہیں معمولی تکلیفوں کی طرف التفات نہیں کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص درد گردہ میں بھی مبتلا ہے اور اس کی انگلی میں خفیف سا زخم بھی ہے تو طبیب حاذق ظاہر ہے کہ تمام تر توجہ درد گردہ پر خرچ کرے گا۔ خفیف زخم کے لئے مرہم سازی کی فکر میں نہ پڑے گا اور اگر تیمار دار توجہ بھی دلائیں گے تو وہ التفات نہ کرے گا۔ اسی طرح اس وقت امت مرحومہ کو سمجھنا چاہئے۔ کہ وہ مختلف امراض روحانی میں مبتلا ہے کہیں نمبر ا صریح اور قطعی معاصی کا ارتکاب اور کہیں نمبر ۲ مواقع اختلاف میں بے احتیاطی سے خواہش نفسانی کا اتباع۔ اور کہیں نمبر ۳ آپس میں فتنہ و فساد اور جدال و قتال لیکن ان سب امراض پر جب مصلح امت نظر ڈالتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے کہ اور سب امراض کا علاج سہل ہے اور کوئی ان میں سے مہلک نہیں بجز امر سوم کے یعنی آپس کا جدال و قتال اور جھگڑا فساد کے اس لئے وہ ہمہ تن اس کے انسداد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور دوسرے امراض کی طرف بالکل التفات نہیں کرتا۔ موجودہ زمانہ میں بعض فتنہ پرداز غیر مقلد اور تکفیر باز مبتدعین نے یہ فتنہ اٹھایا کہ بالکل معمولی اور جزوی اختلافات کو رنگ آمیزی کر کے ایک مہیب صورت بنادی اور اولیٰ اور غیر اولیٰ کے فرق پر ایک اختلاف و جدال و قتال کا بازار گرم کر دیا۔ کہیں آمین کے بالجہر اور بالاخفاء کا اختلاف کہیں رفع یدین اور ترک رفع کا۔ حالانکہ یہ اختلاف محض اولویت کا اختلاف ہے نہ بالجہر کہنے سے نماز میں خلل کسی کے نزدیک آتا ہے اور نہ اخفاء سے اسی طرح رفع یدین اور ترک رفع کا قضیہ سمجھئے۔

انہی اختلاف فرعیہ و جزئیہ میں سے جمعہ فی القری کا مسئلہ بھی ہے کہ تین امام۔ مالکؒ شافعیؒ۔ احمد بن حنبلؒ۔ گاؤں میں جمعہ جائز فرماتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور سفیان ثوری۔ ابراہیم نخعی وغیر ہم ناجائز فرماتے ہیں۔ بہر حال چونکہ جانبین میں ائمہ ہدیٰ اور اساطین امت ہیں اس لئے اس کی تو ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے امام کی تقلید و اتباع کرے لیکن اس کی گنجائش نہیں کہ اس جزوی مسئلہ کے لئے جدال و قتال کا بازار گرم کر دیا جائے۔ اور جو جہاد کفار کے مقابلہ میں ہونا چاہئے وہ مسلمانوں ہی پر صرف کر دے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں غیر مقلدین کے فتنہ انگیزی اور عوام کی جہالت سے یہ بحثیں طول پکڑ گئی تھیں۔ اور اختلافات شدیدہ مسلمانوں کی جماعت میں رونما ہو گئے تھے۔ اس لئے مولانا موصوفؒ نے ان کا انسداد سب سے زیادہ اہم سمجھا اور اس مکتوب محبوب میں اس مسئلہ جزئیہ کے اتنے اہتمام سے منع فرمایا۔ کہ جس سے آپس کے اختلافات و نفاق و شقاق کی صورتیں پیدا ہوں حضرت موصوف کا مقصد اصلی اس مکتوب میں زیادہ تر یہی ہے۔ اور بس۔ ورنہ حضرت مولانا جب کہ خود اپنے کو ہمیشہ حنفی المذہب کہتے اور اس کی تقلید پر عمل کرتے تھے وہ کیسے جمہور

حنفیہ سے اس مسئلہ میں تفرد کرتے۔ وہ تو عنایت تواضع سے ہر عالم وفقیہہ کا بھی اتباع کرنے کے لئے تیار تھے ان پر جمہور سے شذوذو تفرد کا گمان وہی کر سکتا ہے۔ جس نے مولانا موصوف کو نہ دیکھا اور نہ آپ کے حالات کو سنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت موصوف کے تمام شاگرد اور مرید ومعتقد جو اطراف عالم میں ہزارہا کی تعداد سے موجود ہیں۔ کسی نے بھی شرطیت مصر میں کوئی شبہ نہیں کیا۔ آپ کے مخصوص تلامذہ میں حضرت شیخ الھند محدث دیوبند نور اللہ مرقدہ اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہہ۔ وحضرت مولانا عبدالعلی صاحب صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی وغیرہم سب نے کبھی اس شرط مصر میں کوئی شبہ بھی نہیں کیا بلکہ حضرت شیخ الھندؒ نے تو احسن القری فی توضیح اوثق العری۔ میں اسی بحث پر ایسی مکمل تحقیق فرمائی ہے کہ باید شاید۔ کئی سو صفحہ کا مجموعہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت مولانا موصوف کے اقوال واحوال اور آپ کے مکاتیب و مضامین کو یہ حضرات جتنا سمجھ سکتے تھے آج ہم نہیں سمجھ سکتے ہیں کیونکہ خصوصیات متکلم ومخاطب اور زمان ومکان پر جو کلام کیا جاتا ہے متکلم کے قریبی دوست واحباب ہی اس کی حقیقت ومقصد کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ دوسرا آدمی بغیر ان کی ہدایت کے کبھی صحیح مقصد پر نہیں پہنچ سکتے ۔

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے بھلا اس کو صباء کیا جانتے کیا ہے

اس لئے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا موصوف ادائے جمعہ کے لئے وہ شرطیت مصر سے ہرگز منکر نہ تھے۔ اور کیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت موصوف شرط مصر سے منکر تھے۔ حالانکہ اسی مکتوب میں حضرت موصوف نے تمام شرائط جمعہ کو خود الفاظ آیت سے باسلوب بدیع ثابت فرمایا ہے جن میں شرط مصر کو بھی الفاظ قرآن سے اسی طرح استنباط فرمایا ہے کہ اہل علم ہی اس کی قدر جانتے ہیں ملاحظہ ہو مکتوب مذکور کی عبارت ذیل۔

الغرض ضروریات امیر یا مامور وہم ضرورت جماعت مسافر را ہم از آیت وحدیث یک طرف افگند وجہ اشتراط امیر یا نائب امیر ہم بوجہ ضرورت خطبہ کہ از لفظ **فاسعوا الی ذکر اللہ** ہویداست بانضمام حدیث لا یتقص موجہ شد۔ باقیماند فقط شروط مصر اگر غور کنند ہمیں ضرورت امیر ومامور دست وور کمر آن دارد چہ مصرے نباشد۔ مگر جائے دران نبود خود بادشاہ وقت اگر نباشد نائب او بالضرور خواہد بود (الی قولہ) نظر بدیں صحرا او دیر ایک سو گذاشتند وکار گذاری سرکاری بذمہ اہل شہر نہاد ندواز یں تقریر ہم ہویدا شد کہ جواز جمعہ بس کس مخل اشتراط مصر نیست ضرورت مصر بوجہ دیگر است بغرض فراہمی مجمع کثیر نیست اھ (از احکام الجمعہ ص ۶)

عبارت مذکورہ میں کس قدر صاف اور واضح طور پر ادائے جمعہ کے لئے مصر کا شرط ہونا حضرت مولانا نے ظاہر فرمایا اور پھر اس کا خود الفاظ قرآنی سے ثبوت بہم پہنچایا ہے کیا اس کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا موصوف اس مسئلہ میں جمہور حنفیہ کے خلاف کوئی روئے رکھتے ہیں اور اشتراط مصر کے قائل نہیں۔ حاشا وکلا بلکہ صرف رفع خلاف اور انسداد فتنہ کے لئے لوگوں کی توجہ اس کے اتنا زیادہ اہتمام سے ہٹانا مقصود تھی جس سے فتن کا بازار گرم ہوتا تھا۔ اور جو احقر نے عرض کیا ہے محض تخمینی کلام یا محض تاویل نہیں بلکہ خود اس مکتوب گرامی میں اس کے کافی موئیدات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں عبارت ذیل۔

"ایں اشارات کلام ربانی چوں ہمہ مروم رامیسر نیست واحادیث مصرحہ۔یا نیمعنی بحد گواتر نرسیدہ اند افہام علماء مختلف شدندو عوام۔(ا) گنجائش امید مغفرت بہر تہاون در صورت وجوب نزدیکی وعدم وجوب نزدیکی بہمرسیدور فتہ رفتہ کاہلی نوبت تاباآں رسانید کہ متعصّبان حنفیہ عمداترک وتہاون نماز جمعہ کردند"

عبارت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں حضرت مولانا مرحوم کاروی سخن ان حنفیہ کی طرف ہے جوباوجود شرط مصر موجود ہونے اور جمعہ واجب ہونے کے ادائے جمعہ میں سستی کرتے ہیں اور بوجہ تعصب کے دوسرے لوگوں سے جھگڑتے ہیں۔ سو ظاہر ہے کہ ایسے حضرات ہر شخص کے نزدیک قابل ملامت ہیں لیکن اس سے یہ کہاں سمجھ میں آیا کہ ہر گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہئے۔اسی کے بعد ارشاد ہے۔

"چوں نفس جمعہ قطع نظر از شرائط ست از شعائر اسلام اگرازادائے نماز تہاون ور ادایش اود بد مرومان کم فہم رابوجہ کم فہمی مسعونت کاہلی مفقود شدن شرائط موجب ترک جمعہ شودنہ افزائش نماز ظہراھ۔

یہ عبارت بھی اس کی تصریح کرتی ہے کہ تغافل وتکاسل کی وجہ سے ترک جمعہ کرنے والوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے۔

سارے مکتوب گرامی میں جس لفظ سے شبہہ پڑسکتاہے وہ یہ ہے کہ تقریر لطیف کے بعد ارشاد فرمایاہے۔

وچوں موافق ایں تقریر ایں شرط از میان بر خاست شرط مصر ہم بیک طرف رفت چہ اشتراطش لزوم اشتراط شرط امیر بود آرنے ظاہر الفاظ روایات مشعرہ ضرورت مصر عام اند لہذااحتیاط ہمیں است کہ تامقدور رعایت شہر پیش نظر مانندواگر کسی در دیہے جمعہ قائم کنند دست وگریبانش نہ زنند کہ اول۔ایں شرط ظنی بودباز حسب تقریر مذکور ضعفے وگردر آں بہم رسید۔"

اس عبارت میں اول تو خود حضرت موصوف کامنشا ظاہر ہے کہ جدال وقتال کی ممانعت مقصود ہے۔

اس کو ظاہر فرمادیاہے کہ احتیاط یہی ہے کہ شرط مصر کالحاظ رہے ثانیایہ کلام ایک لطیف تقریر پر مبنی ہے جواس سے پہلے فرمائی ہے حاصل اس کایہ ہے کہ امیر کی شرط جو جمعہ میں شرعاًضروری ہے یہ ہر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے کیونکہ نصف امام کا تعلق عوام مسلمین ہی سے ہے لہذاجس شخص کووہ امام بنادیں گے (دارالحرب) میں وہ ہی امام متصور ہوگا اور یہ شرط اس طرح پوری ہوجائے گی اسی طرح جب امیر کا تقرر مسلمانوں اور اہل بستی کے قبضہ میں ہوااور مصر کی تعریف یہی ہے کہ وہاں امیر یانائب امیر موجود ہواس طرح مصر کی شرط ہر جگہ متحقق ہوسکتی ہے لیکن اس کے بعد ہی متصلاً خود حضرت موصوف نے اپنی اس تقریر پر اعتراض کر کے مخدوش فرمایاہے ملاحظہ ہو عبارت ذیل۔

"مگر خلجانے ہنوز باقی ست عرض آں نیز ضروری است چنانکہ ادای ظہر کم فہمان راموجب تہاون در جمعہ میشود ہمچناں ایں اجازت نصب امام خاص واستماع مواعظ وخطب آں موجب تہاون در نصب امام عام است۔"

الغرض اول تواس عبارت سے مقصوداشتراط مصر کی نفی ہر گز نہیں بلکہ رفع فتنہ وفساد مقصود ہے، جیسا

کہ خود عبارت مذکورہ میں مصرح ہے دوسرے خود حضرت موصوف نےباوجود تقریر مذکور کے بھی اشتراط مصر کو احوط قرار دیا ہے۔ تیسرے جس تقریر کی بناپر اشتراط مصر میں کچھ ضعف پیدا ہوتا تھا اس کو خود حضرت موصوف نے مجروح و مخدوش فرما کر اس سے رجوع کر لیا ہے پھر کسی منصف انسان کے لئے کیسے جائز ہے کہ حضرت موصوف کی طرف اس کی نسبت کرے کہ وہ ادائے جمعہ کے لئے مصر کو شرط نہیں سمجھتے اور ان سب امور کے بعد عمل کے لئے پھر وہی عرض ہے جو ابتداء میں کی گئی ہے کہ اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ حضرت مولانا موصوف کی تحقیق بنظر دقیق اس مسئلہ اشتراط مصر میں جمہور حنفیہ سے علیحدہ ہے تب بھی عمل تمام حنفیہ کو اسی پر کرنا لازمی ہے جو جمہور حنفیہ کا مذہب وفتویٰ ہے۔ البتہ اس غرض اور مقصد کا سمجھنا اور باقی رکھنا نہایت اہم وضروری ہے جس کے لئے حضرت مولانا موصوف نے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے یعنی آپس میں جھگڑے اور فتنہ و فساد سے بچنا، تمام مقاصد سے زیادہ اہم ہے اگر کسی گاؤں میں کچھ مسلمان جمعہ قائم کرتے ہوں تو حنفی المذہب مسلمانوں کا انتہائی فرض یہ ہے کہ نرمی سے مسئلہ سمجھادیں لیکن اگر پھر بھی لوگ نہ مانیں تو جھگڑے و فتنہ میں ہر گز نہ پڑیں کیونکہ اس سے زائد کوئی مسلمانوں کے لئے مضر نہیں۔ خصوصاً بحالت موجودہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اضافہ) دیوبند دارالعلوم ۱۳۶۰ھ

جمعہ کی نماز بڑی جامع مسجد میں سب سے پہلے پڑھنا افضل ہے

(سوال ۲۷۸) اگر جامع مسجد سے پہلے دوسری مسجد میں نماز جمعہ ہو جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟ بعض ناجائز کہتے ہیں؟

(الجواب) کچھ مضائقہ نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ دوسری مسجدوں سے مقدم بڑی جامع مسجد میں پڑھ لی جائے۔ **للخروج عن خلاف الائمة کما فی رد المحتار . واللہ تعالیٰ اعلم .**

جمعۃ الوداع کے لئے سفر کرنا

(سوال ۲۷۹) ایک مولوی صاحب حدیث شدر حال کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ جو لوگ رمضان المبارک میں الوداع کے جمعہ کی نیت سے دہلی وغیرہ سفر کر کے جاتے ہیں یہ ناجائز ہے چونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مساجد کی طرف آیا یہ درست ہے کہ کسی مسجد کی طرف سوائے تین مساجد کے سفر کر کے جانا ناجائز ہے؟

(الجواب) اگر اس قصد سے کہ فلاں جگہ کی مسجد میں ثواب زیادہ ہوگا سفر کر کے جائے تو سوائے مساجد ثلثہ کے ایسا کرنا واقعی جائز نہیں اور حدیث مندرجہ سوال اس کے ثبوت کے لئے صحیح ہے۔ بالخصوص جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے دہلی وغیرہ جانا۔ یہ تو بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے۔ اول تو جمعۃ الوداع کو ایسی اہمیت دینا جو دوسرے جمعات میں نہ سمجھی جائے یہ ایک خود ساختہ خیال اور بدعت ہے۔ ثانیاً اس کام کے لئے سفر کرنا فضول خرچی ہے

۔ثالثاً حدیث لا تشدالرحال الخ کے خلاف ہے۔ رابعاًسااوقات روزہ میں بھی سفر کی وجہ سے خلل آتا ہے۔ وغیرہ ذٰلک۔(واللہ تعالیٰ اعلم۔)

جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کا التزام

(سوال ۲۸۰)ہمارے یہاں زمانہ سابق سے جمعہ کی نماز کے بعد اذان عصر تک وعظ کہنا امام جامع مسجد کے ذمہ لازم کردیا گیا ہے۔ یہ طریقہ مستحسن ہے یا نہیں۔ درصورت استحسان اس کو لازم قرار دینے کا کیا حکم ہے؟
(۲)اگر امام مسجد اس کو التزام مالا یلزم سمجھتے ہوئے کبھی کبھی ترک کردے یا نماز اول وقت ہونے کی صورت میں بوجہ درازی وقت عصر تک کی پابندی نہ کرے تو اس صورت میں متولی وقف کو اس کی تنخواہ اور وظیفہ کو بند کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

(الجواب)جس چیز کے التزام سے یہ محتمل ہو کہ لوگ اسی تعین کے ساتھ سنت یا واجب سمجھنے لگیں گے اس کا ترک احیاناً مناسب ہے لیکن وعظ بعد الجمعہ کے التزام سے اس کا احتمال نہیں کیونکہ یہ احتمال اس وقت ہے کہ جب تمام یا اکثر مساجد اور اکثر بلاد میں اس کا التزام کیا جائے جو صورت مذکورہ میں مفقود ہے۔ اور ایسا ہی ہے جیسے کسی مدرس کے ذمہ کسی کتاب کا روزانہ پڑھانا شرط کیا جاتا ہے۔ اور یہ شرط باتفاق جائز اور واجب العمل ہے۔ التزام مالا یلزم جو کہ بدعت ہے اس میں داخل نہیں۔ اس لئے اگر جمعہ کو وعظ کہنے کی شرط منتظمین مسجد امام مسجد کے ذمہ لگائیں تو مضائقہ نہیں اور امام کو اس شرط کا پورا کرنا اگر بلا تنخواہ ہے تو بطور ایفاء وعدہ اور تنخواہ دار ہے تو بطور اجارہ ضروری ہوگا اعذار مستثنٰی ہے البتہ یہ قید کہ عصر تک وعظ ہو نہ منتظمین کے لئے لگانا مناسب ہے اور نہ امام کے لئے قبول کرنا بلکہ اوقات و حالات کے تابع رکھا جائے اور ضرورت کے موافق جس قدر ہوسکے کیا جائے تاکہ لوگوں پر شاق نہ ہو تمام روایات حدیث دربارہ خطب و مواعظ اسی کی مؤید ہیں کہ لوگوں کی دل تنگی سے بچنا چاہئے آنحضرت ﷺ سے احادیث صحیح میں ثابت ہے کہ نماز میں اگر بچہ کے رونے کی آواز سن لیتے تھے تو نماز مختصر فرما دیتے تھے۔ تاکہ اس کی ماں اگر شریک نماز ہو تو تشویش میں نہ پڑ جائے۔ ظاہر کہ وعظ میں بہ نسبت نماز کے اس کی زیادہ ضرورت ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

جمعہ کی تعطیل کا مستحب ہونا

(سوال ۲۸۱)ان منع التدریس فی یوم الجمعه وتشریق الایام ثابتة فی القران المجید او فی الحدیث والفقه او طریقة مبتدعة جاریة مسلوكة بین الا نام؟

(الجواب)المنع عن التدریس یوم الجمعة ان كانت علی سبیل الا نكار ورویته امراً منكراً فهی طریقة مبتدعة لا یجوز انتفائها وان كان الا متناع فیه عن التدریس لرویته مستحباً وسنة مسلوكة السلف الصالح لتفردهم فی هذا الیوم للعبادة ولكونه یوم عیدنا ، بالنصوص الواردة فی هذا الباب

قال ابن القیم فی زاد المعاد جلد اول ص ۱۱۱ مانصه انه یوم الذی یستحب ان یتفرغ فیه للعبادة وله علی سائر الا یام مزیة بانوا ع العبادات واجبة مستحبة فالله وسبحانه وتعالیٰ جعل لا هل کل ملة یوما یتفرغون فیه للعبادة ویتخلون فیه عن اشتغال الدنیا فیوم الجمعۃیوم عبادة وهو فی الا یام کشهر رمضان الخ . والله تعالیٰ اعلم.

فصل فی العیدین
(عیدین کے مسائل)

عید کا خطبہ سنت ہے اور سنناواجب

(سوال ۲۷۸) عیدین کا خطبہ سننا ضروری ہے، یا نہیں اگر خطبہ کے وقت شور وغل کیا جاوے تو کیسا ہے۔ اور خطبہ کے وقت امام کے لئے چندہ اکھٹا کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) خطبہ عید کا پڑھنااور سننا سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن جب خطبہ پڑھا جاوے اور کوئی شخص وہاں موجود ہو تو خطبہ سنناواجب ہو جاتا ہے اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔

قال فی الدر المختار من باب العیدین . سوی الخطبة فانها سنة بعدها ای بعد صلاۃ العیدو قال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلاصح واساء لترک السنة شامی باب العید وقال فی رد المحتار من خطبه الجمعة وکذا یجب الا ستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح و خطبة عید . ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ.

اگر عید اور جمعہ میں سہو جائے

(سوال ۲۸۳) نماز عید میں امام سے واجب میں تاخیر ہو جاوے تو سجدہ سہو کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) در مختار باب السجود والسہو میں ہے والسهو فی الصلوٰۃ العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدم فی الا ولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر و اقره المصنف وبه جزم فی الدرر اس روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں اگر واجب ترک ہو جائے یا فرض میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو واجب نہیں ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نماز عید سے پہلے نفلیں پڑھنا۔

(سوال ۲۸٤) عید کی نماز میں جانے سے پہلے اپنے گھر میں چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے کیا یہ صحیح ہے اگر صحیح نہیں تو صحیح حکم نوافل قبل العید وبعد العید کا تحریر فرما کر مشکور فرمایا جاوے؟

(الجواب) عید سے پہلے نوافل عید گاہ میں جا کر پڑھنا باتفاق درست نہیں۔ جانے سے پہلے اور گھر میں آکر پڑھنے میں اختلاف ہے اور واضح یہ ہی ہے کہ گھر میں بھی عید سے پہلے نہ پڑھے نماز عید کے بعد اختیار ہے قال فی الدر

المختار ولا یتنفل قبلها مطلقاً وفی رد المحتار ای سواء کان فی المصلی اتفاقاً او فی البیت علی الا صح وسواء کان ممن یصلی العید او لا حتیٰ ان المرأۃ اذا ارادت صلوۃ الضحیٰ یوم العید تصلیها بعد ما صلی الا مام فی الجبا نۃ افادہ فی البحر انتهیٰ (شامی ص ۶۱۳ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم .

عید کے بھی وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے

(سوال ۲۸۵) فی زمانہ ہر ایک گاؤں میں جہاں صرف ایک معمولی سی مسجد ہو اور آبادی بھی صرف چند نفوس کی ہو دوگانہ عید علیحٰدہ علیحٰدہ ادا کیا جاتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے یا اس کے لئے کوئی خاص شرائط ہیں ؟

(الجواب) چھوٹے مواضعات میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے علاوہ ازیں بڑے مواضعات ہیں جہاں جمعہ اور عیدین کی نماز جائز ہے وہاں منفرداً پڑھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے لئے چند شرائط ہیں۔ منجملہ ان شروط کے ایک شرط جماعت بھی ہے تنہا تنہا پڑھنا جائز نہیں ہے در مختار میں ہے تجب صلا تهما فی الا صح علی من تجب علیه الجمعة بشرا ئطها المتقدمه الخ وفی القنیه صلا للعید فی القری تکره تحریماً ای لا نه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة الخ شامی میں ہے قوله صلاۃ العید ومثله الجمعة . شامی باب العیدین اور در مختار باب الجمعہ میں ہے۔ والسادس الجماعة . (فقط واللہ تعالیٰ اعلم)

نماز عیدین کے بعد کی دعا

(سوال ۲۸۶) عیدین کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ یا آپ کے صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین نے دعا مانگی ہی ہے یا نہیں ؟ اگر مانگی ہے تو حوالہ تحریر فرمایا جاوے اور اگر نہیں مانگی تو مسلمانوں کو مانگنی جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو عید کی نماز کے بعد یا عید کے خطبہ کے بعد اور اگر ناجائز ہے تو مکروہ تنزیہی یا تحریمی ہے یا حرام ہے۔ بینوا توجروا ؟

(الجواب) احادیث قولیہ میں نبی کریم ﷺ سے باسانید صحیحہ ہر نماز کے بعد جس میں نماز عید بھی داخل ہے دعا مانگنے کی فضیلت و ثواب منقول ہے اگرچہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں مگر نفی بھی منقول نہیں اس لئے حدیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہر نماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز و مستحب ہوگا اور بعض حدیث قولیہ یہ ہیں :-

روی عن براء بن عازب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من قال دبر کل صلوٰۃ استغفر اللہ واتوب علیه غفرله وان کان فرمن الزحف رواہ الطبرانی فی الصغیر والا وسط وعن معاذ رضی اللہ عنه فی حدیث طویل مر فوعاً او صیك یا معاذ لا تد عن دبر کل صلوہ ان تقول اللهم اعنی علی ذکرك و شکرك وحسن عبادتك . رواہ ابو داؤد والنسائی واللفظ له وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین (ترغیب للمنذری ص ۲۷۸ ج ۱) (واللہ تعالیٰ اعلم)

باہمی نزاع کی وجہ سے عید گاہ جدا کرنا مناسب نہیں

(سوال ۲۸۷) اس بستی میں قلیل جماعت مسلمانوں کی اور انجمن بھی قائم ہے عرصہ سے مسلمانوں میں جو کہ انجمن کا سکرٹری تھا بوجہ حساب نہ دینے کے کچھ رنجش چلی آتی ہے اور پھر اس کی خیانت ثابت ہو گئی۔ ان کو علیحدہ کر دیا گیا اور کاغذات ان سے لے لئے گئے ان کی طرف چند آدمی مل گئے وہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں اور علیحدہ جمعہ و عیدین کی نماز پڑھتے ہیں اور حالانکہ عید گاہ بڑی وسیع بنی ہوئی ہے کہ جس میں نماز بستی کے آدمی ہی پوری طرح آ کر جگہ رہتی ہے۔ دوسری عید گاہ بنانے کی درخواست گورنمنٹ عالیہ نے ان کی درخواست نامنظور کی ہے کہ انجمن سے منظور کراؤ تو عید گاہ کافی ہوتے ہوئے ایک مذہب ایک مدت ایک مذہب ایک جماعت کے لئے دوسری عید گاہ بنانی عند الشرع جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) بلا ضرورت محض ذاتی رنجشوں کی وجہ سے دوسری عید گاہ بنانا فضول خرچی اور تفرقہ کی بنیاد ڈالنا ہے انجمن کو اس کی اجازت نہ دینی چاہئے کیونکہ یہ عید گاہ ایسی صورت میں مسجد ضرار کی مشابہ ہو جائے گی۔ کما قال اللہ تعالیٰ . وتفریقاً بین المومنین . الا یۃ . واللہ اعلم .

فصل فی صلوٰۃ الکسوف والا ستسقاء

(نماز استسقاء کے احکام)

نماز استسقاء کے بعد دعاء کا طریقہ

(سوال ۲۸۸) نماز استسقاء کے بعد دعاء امام و قوم پشت ہاتھ سے مانگیں یا جیسے دعا کا دستور ہے ؟

(الجواب) پشت ہاتھ سے دعا مانگنا نماز استسقاء میں افضل ہے۔ اور معروف طریقہ پر مانگنا بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہی عمل منقول ہے کہ پشت دست مبارک سے دعا مانگی۔ اخرجہ ابو داؤد فی سننہ من کتاب الدعوات . واللہ تعالیٰ اعلم .

نماز استسقاء کے بعد ہاتھ الٹا کر کے دعا مانگنا۔

(سوال ۲۸۹) صلوٰۃ استسقاء کے اندر دعا کرتے وقت ہاتھ الٹا کر کے دعا مانگنا چاہئے یا سیدھا کر کے ؟

(الجواب) نماز استسقاء میں نبی کریم ﷺ سے الٹے ہاتھ کر کے دعا مانگنا ثابت ہے کما اخرجہ ابو داؤد عن انس ؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یستسقی ھکذا او مدیدیہ وجعل بطونھما مقابل الا رض حتیٰ رأیت بیاض ابطیہ سنن ابی داؤد باب الا ستسقاء اس سے معلوم ہوا کہ استسقاء میں الٹے ہاتھ کر کے دعا مانگنا سنت ہے۔

مسائل متفرقه کتاب الصلوٰة

(نماز کے متفرق مسائل)

کاغذ کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

(سوال ۲۹۰) اگر کسی نے کاغذ کی ٹوپی پہن کر نماز پڑھائی تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) نماز صحیح ہوگئی لیکن اگر یہ ٹوپی ایسی ہے کہ جس کو اوڑھ کر برادری اور بازار وغیرہ میں جاتے ہوئے اس کو شرم آتی ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ کمافی سائر کتب الفقه من الکراهة فی ثیاب البذله ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فرش بوریا وغیرہ پر نماز پڑھنا

(سوال ۲۹۱) مساجد میں برائے ادائے فرض نماز فرش یا چٹائی افضل ہے۔ یا مسجد کی چٹائی و فرش سے خالی رکھ کر نماز پڑھنا افضل ہے؟

(الجواب) آنحضرت ﷺ سے دونوں طرح نماز پڑھنا ثابت ہے حدیث لیلۃ القدر سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے زمین پر نماز پڑھی تھی یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک پر گارے کا نشان ہو گیا۔ وهو الحدیث المعروف فی کتب الصحاح اور شرح منیہ میں بحوالہ حدیث صحیح ثابت کیا ہے کہ آپ کے لئے نماز کے وقت ایک کھجور کا بوریہ بچھایا جاتا تھا۔ ولفظه کان تحمل له الخمرة فیسجد علیها وهی حصیر صغیرة من الخوص . کبیری قیومی . ص: ۲۸۳.

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں طریقے سنت ہیں جس کو چاہے اختیار کر لے البتہ اگر سردی یا گرمی کی وجہ سے کھلی زمین پر نماز پڑھنے سے تکلیف اور تشویش خاطر ہوتی ہو تو پھر بوریہ وغیرہ بچھالینا افضل ہے۔ اسی طرح اگر زمین پر گرد و غبار کی وجہ سے کپڑے میلے ہو جانے کا خطرہ تعلق خاطر کی حد تک پہنچتا ہو تو بھی بوریہ پر پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس میں اپنے مال کا تحفظ ہے۔ جس کی شرعاً اجازت ہے۔ اور اگر پیشانی یا ہاتھوں پر مٹی لگنے سے طبیعت میں تکدر نہ ہوتا ہو تو پھر اس کی طرف التفات نہ کرنا اور زمین ہی پر نماز پڑھنا افضل ہے کیونکہ اس کا منشاء اس قسم کا ترفع ہے جو مقصود نماز سے دور ہے والدلیل علیٰ هذه الدعاوی ما فی شرح المنية ص ۲۸۳ مطبوعه هند قیومی . ثم ان البسط لدفع الحرو البر د ولا کراهة فیه لا نه یحصل به الحضور وزوال الا ضطراب واما لد فع التراب فان کان لدفعه عن جبهته وو جهه یکره لان فیه نوع ترفع وهو غیر لائق بالمصلی وان کان لد فعه عن عمامته وثوبه لا یکره لا نه صیا نة للمال (واللہ تعالیٰ اعلم) ۷ اصفر ۵۰ھ

سچے دل سے نماز پڑھنے کی کیا پہچان ہے

(سوال ۲۹۲) نماز سچے دل سے پڑھنے اور دکھلاوے کی پڑھنے دونوں کی کیا پہچان ہے؟

(الجواب) سچے دل سے نماز پڑھنے کی پہچان ہے کہ جس وقت کوئی دیکھنے والا اور کہنے سننے والا موجود نہ ہو اس وقت بھی نماز کو پورے آداب اور خشوع کے ساتھ ادا کرے۔

نماز کے متعلق چند ضروری سوال جواب

(سوال ۲۹۳) نماز میں امام کو نیت باندھ کر سب سے پہلے سبحانك اللهم پڑھنا چاہیئے یا نہیں اور مقتدی کے لئے کیا حکم ہے۔ اگر مقتدی اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب کہ امام قراۃ بآواز بلند شروع کر چکا یا دوسری یا تیسری رکعت کی کسی حالت میں ہے تو مقتدی کو سبحانك الله پڑھنا چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھے تو کس وقت؟

(۲) اگر ایک شخص نے تین چار رکعت نماز فرض یا دیگر نماز سنت وغیرہ کی نیت باندھ لی نماز شروع کی اور آخر قعدہ میں سہویا قصد سے سیدھا کھڑا ہو جائے تو اس کی نماز شروع ہوئی یا نہیں؟

(۳) اوقات نماز ہر موسم کے لئے جداگانہ ہے یا یکساں ان کا حساب گھڑی وغیرہ سے ہے یا کس حساب سے ہر نماز کا وقت کب سے کب تک رہا کرتا ہے؟

(۴) ان اشخاص کی نماز وروزہ وغیرہ کی پابندی کے لئے شرع کا حکم ہے جو ایک گورنمنٹی عمارت میں کچھ مقررہ عرصہ کے لئے بکار سرکار زندگی بسر کرتے ہوں جن کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کا علانیہ قانون ہو کہ کسی شخص کو علانیہ طور سے مذہبی رسوم ادا کرنی کی اجازت نہیں ہے۔

(الجواب) امام اور مقتدی دنوں کو قرات شروع کرنے سے پہلے سبحانك اللهم پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی مقتدی ایسی حالت میں شریک ہوا کہ امام قرات شروع کر چکا ہے تو اگر قرات جہریہ ہے۔ تو سبحانك اللهم نہ پڑھے اور اگر قرات جہری نہیں بلکہ آہستہ قراۃ پڑھنے کا وقت ہے تو سبحانك اللهم پڑھ لے اسی طرح اگر امام رکوع یا سجدہ میں ہو تو بھی اگر یہ گمان ہو کہ سبحانك اللهم پڑھ کر اس رکوع یا سجدہ کو امام کے پاس پالے گا تو سبحانك اللهم پڑھے ورنہ ترک کر دے پھر جب اپنی باقی ماندہ نماز پڑھنے کے لئے اٹھے اس وقت شروع میں سبحانك الله پڑھ لے۔ قال الشامی عن قاضی خان ولو ادرك الا مام بعد ما اشتغل بالقراۃ قال بن الفضل لا یثنی وقال غیرہ یثنی وینبغی التفصیل ان کان الا مام یجھر لا یثنی وان کان یسر یثنی وھو المختار شیخ الا سلام خواھر زادہ . وقال الشامی فی اولہ جزم بہ فی الدر وقال فی المنح وصححہ فی الذخیرہ وفی المضمرات وعلیہ الفتوی (شامی ج ۱ ص ٤٥٦ استنبولی)

(۲) اس کو چاہئے کہ کھڑا ہونے کے بعد جب یاد آیا تو پھر قعدہ کی طرف لوٹ جائے اور اخر میں سجدہ سہو کرے اگر اس نے ایسا کیا تو نماز صحیح ہو گئی مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک اس زائد رکعت کا سجدہ نہیں کیا اور اگر سجدہ بھی کر لیا تو اگر نفل ہے تو پھر بھی صحیح ہو گئی اور اگر فرض ہیں تو نفل بن گئے مگر فرض ادا نہیں ہوا فرض دوبارہ پڑھے کذا فی الہدایہ وعامۃ الکتب۔ (۳) ہر موسم اور ہر خطہ ملک کے لئے باعتبار طلوع وغروب آفتاب کے اوقات نماز جدا جدا ہوتے ہیں اپنے اپنے شہر یا گاؤں وغیرہ میں بذریعہ مطبوعہ جنتری معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً آج کل ہمارے اطراف میں

صبح کی نماز پونے چھ بجے ظہر کی نماز دو ۲ بجے عصر کی پانچ بجے مغرب کی سواچھ بجے عشاء کی سوا آٹھ بجے ہوتی ہے۔اور ہمارے یہاں آج کل طلوع آفتاب سواچھ بجے کے بعد ہوتا ہے۔اب اپنے یہاں کے طلوع وغروب کو دیکھ کر جس قدر یہاں سے کمی پیش ہو وہ کر دی جائے۔ (۴)اگر یہ ہو سکے کہ سرکاری عمارت سے نکل کر کسی آزاد جگہ میں آزادی کے ساتھ اذان واقامت کہہ کر نماز پڑھی جائے تو بہتر ہے لیکن اگر یہ صورت مشکل ہو تو آہستہ آہستہ اذان پڑھ کر وہیں آہستہ آہستہ نماز ادا کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں احادیث اور عمل صحابہ میں اس کی نظائر موجود ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

کسی اونچی یا نیچی زمین پر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا

(سوال ۲۹٤)ایک شخص ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے جو سطح زمین سے ایک ہاتھ نیچے ہے پس زمین پر چلنے والا شخص مار بین یدی المصلی بن کر گنہگار تو نہ ہوگا۔علیٰ ہذا اگر اس کا برعکس ہو تو تب کیا حکم ہے۔کیا یہ سطح سترہ کے حکم میں ہو جائے گی اور مسجد اور صحرا میں اس کا حکم ایک ہے یا جدا؟

(الجواب)مسجد میں تو مطلقاً یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے کو گزر گیا تو وہ گنہگار ہوگا۔اور یہ فعل مکروہ ہے البتہ صحرا کا یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص سطح مستوی پر نماز پڑھ رہا ہے تو ماوراء موضع سجود کے گزرنا جا ہے۔اور اگر کوئی شخص بلند یا پست جگہ نماز پڑھتا ہے تو بقدر ایک ہاتھ کے بلندی اور پستی کا کچھ اعتبار نہیں ہے بلکہ اس صورت میں محاذاۃ اعضاء کا اعتبار ہے یعنی اگر گزرنے والے کے اعضاء مصلی کے اعضاء کے محاذی ہوں تو گزرنا مکروہ ہے ورنہ نہیں۔شرح منیہ میں اس مسئلہ کو خوب مفصل لکھا ہے۔اور بہت سے اقوال نقل کر کے نہایہ کے قول کو ترجیح دی ہے عبارت اس کی یہ ہے۔ وفی النهاية الا صح انه ان كان بحال لوصلى صلاة الخا شعين بان يكون بصره حال قيامه الى موضع سجوده لا يقع بصره على المار لا يكره وما صحح فى النهاية مختار فخر الا سلام ورجحه فى النهايه بانه اذا صلى على الدكان وحاذى اعضاء ه اعضاء المار يكره المرور على ماذكر فى الهداية وغيرها وان كان المار اسفل وهو ليس موضع سجوده يعنى انه لو كان على الارض لم يكن سجوده فيه لان الفرض انه يسجد على الدكان فكان موضع سجوده دون محل المرور ضرورة ومع ذلك يثبت الكراهة اتفاقاً الخ والذى يظهر ترجيح ما اختاره فى النهاية من مختار فخر ا لاسلام .الخ. مسعود احمد.

الجواب صحيح . و تعميم المسجد مبنى على الا حتياط والا فالكبير منه فى حكم الصحراء.

نماز کے متعلق جدید مسائل

سمت قبلہ کی تحقیق

(سوال ۲۹۵)شہر مرگوئی میں قبلہ کے بارے میں دو ۲ فرقے ہیں بعض مسجدیں شمال کی طرف جھکی ہوئی ہیں

۔کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے بعض مسجدیں جنوب کی طرف کسی قدر جھکی ہوئی ہیں کمپاس کے حساب سے دس پندرہ ڈگری کا فرق ہے۔اور قبرستان میں نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے ایک نئی مسجد بنائی گئی ہے وہ قطب نما کے حساب سے بالکل ٹھیک مغرب یعنی قبلہ کی طرف ہے۔اس کے بعد فرض کفایہ ادا کرنے کا پرانا نماز گاہ توڑ کر ایک نیا بنایا ہے۔وہ کسی قدر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔اگر کسی مسلمان کے انتقال کی خبر ہم کو ملتی ہے تو ہم لوگ جنازہ کے ساتھ جا کر پرانی نماز گاہ ہو یا نئی ہم فرض کفایہ ادا کرتے ہیں۔ پہلے فرقے والے لوگ کہتے ہیں ان کے قبلہ کا کچھ ٹھکانہ نہیں یہ دو قبلے والے ہیں اور ان کے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں اور ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں؟

(۲) ایسا کہنے والوں کے حق میں حکم ہے؟

(۳) کیا پرانی نماز گاہ میں نماز ہو جائے گی یا توڑ کر نیا بنانا ہوگا۔ کیا صفیں ٹیڑھی اور جنازہ ٹیڑھا رکھ کر پڑھنا ہوگا؟

(۴) کیا ہم دہلی، بمبئی دیوبند، سہارن پور، رنگون کے فتاویٰ پر عمل کر سکتے ہیں۔اور احیاء العلوم میں جو کعبۃ اللہ کا نقشہ درج ہے۔اسی کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔یا نہیں؟

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں تو قبلہ کے بارے میں ہم اس پر عمل کر سکتے ہیں؟ قبلہ کے بارے میں کوئی اور کتاب بھی ہے یا نہیں؟

(۶) کیا ہم اہل مشرق حنفی شافعی، مالکی۔ حنبلی چاروں کا قبلہ ایک ہی ہے؟

(الجواب) اصل اس معاملہ میں یہی ہے کہ ہم اہل مشرق کے لئے سمت مغرب قبلہ ہے اگر تھوڑا سا فرق بھی ہو جائے تو قبلہ کی سمت صادق آجاتی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ مذکورہ سوال کے بیانات سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے وہ سب فتاویٰ صحیح ہیں۔لہذا آپ لوگ دونوں محلوں کی میت میں اور نماز جنازہ میں بلا شبہ شریک ہو سکتے ہیں اور دونوں جگہوں میں نماز جنازہ درست و صحیح ہے۔

(۲) جو لوگ صورت مذکورہ کی وجہ سے آپ کو دو قبلہ والا وغیرہ کہتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔ حدیث میں ہے۔ سباب المسلم فسوق نیز **من قال هلك الناس فهو اهلك۔**

(۳) نماز تو بلا شبہ ہو جائے گی۔لیکن اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ شہر کی عام مساجد و نماز گاہوں وغیرہ سے اس کا رخ کچھ پھرا ہوا ہے تو بہتر یہ ہے کہ رفع فتنہ کے لئے اس میں صفوں کے نشانات عام مساجد کے رخ کے موافق قائم کر دیئے جائیں۔اور اسی کے موافق نماز پڑھی جائے۔ کیونکہ اس میں باہمی اختلافات بھی قطع ہو جائیں گے۔ اور قرب الی عین القبلہ بھی ہونے کی توقع ہے اور مسلمانوں کے آپس سے رفع فتنہ اور قطع اختلاف نہایت ضروری اور بڑے ثواب کا کام ہے البتہ اس نماز گاہ کی تعمیر کو گرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں بلا ضرورت اضاعت مال ہے۔

(۴) فتاویٰ مذکورہ صحیح ہیں۔اور احیاء العلوم کا کلام بھی ان کے خلاف نہیں ہے اس لئے اس پر عمل کر سکتے ہیں۔

(۵) احیاء العلوم کے مصنف شافعی ہیں لیکن اس مسئلے میں ان کا حنفیہ سے کوئی خاص خلاف نہیں۔اس لئے ان کے

قول کو لینا بھی گویا حنفیہ ہی کے قول کا لینا ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ فتاویٰ شامی مسمّٰی بہ رد المحتار فی شرح الدر المختار میں بھی نقشہ دے کر بہت واضح طور اس مسئلے کو سمجھایا ہے اگر احیاء العلوم کے ماننے میں شبہ ہے تو شامی حنفی فتاویٰ کی معتبر کتاب ہے اس میں دیکھ لیا جائے۔

(۶) قبلہ سب کا ایک ہی ہے۔ البتہ تعیین سمت کے بعض جزئیات میں خفیف سا اختلاف ہے۔ (واللہ اعلم)

سمت قبلہ کی تعیین کا تتمہ۔

(سوال ۲۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی میں ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے جس کا سمت قبلہ ایک انجینئر صاحب نے ایک انگریزی ماہر ہیئت کے ذریعہ مغرب سے دس درجہ جانب جنوب قرار دیا ہے۔ ایک دوسرے عالم دین ہیئت نے سمت قبلہ مغرب سے ۲۸ دقیقہ جانب شمال نکالا ہے ان کا بیان ہے کہ جہازرانی میں شہروں کی سمت بھی اسی قاعدہ سے معلوم کی جاتی ہے مسجد کا طول ۲۹ فٹ ہے اور اس اختلاف کی بناپر ۳ فٹ ۹ انچ کا فرق نکلتا ہے۔ اس حالت میں جو حکم شرع شریف کا ہو اس سے مطلع فرمایا جاوے۔ اور عام طور سے مسجد کی تعمیر کے لئے سمت قبلہ کس طرح معلوم کی جاوے اس کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

(الجواب) سمت قبلہ کی تعیین اور بناء مساجد میں سنت سلف صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجد قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجودہ ہوں ان کا اتباع کیا جاوے ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعد ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت سلف کے خلاف اور نامناسب اور باعث تشویش ہے۔ ہاں جنگلات اور ایسی نو آبادیات میں جن میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں قواعد ریاضیہ سے مدد لی جائے تو مضائقہ نہیں۔ گوان سے مدد لینا ضروری وہاں بھی نہیں۔ بلکہ وہاں بھی تحری اور تخمینہ قریبی آبادیوں کی مساجد کا کافی ہے۔ اور اگر مساجد بلدہ کی سمتیں کچھ باہم متخالف ہوں تو بظن غالب یا چند تجربہ کار مسلمانوں کے اندازہ سے جو ان میں سے زیادہ اقرب معلوم ہو اس کا اتباع کر لیا جاوے۔

البتہ اگر کسی بلدہ کی عام مساجد کے متعلق قوی شبہ ہو جاوے کہ وہ سمت قبلہ سے اس درجہ منحرف واقع ہیں کہ نماز ہی درست نہ ہو گی تو ایسی صورت میں ان کا اتباع نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ یا قواعد ریاضیہ سے سمت قبلہ کا استخراج کیا جاوے یا اس بلدہ کے قریب کی کسی مسجد سے تخمینہ کر کے سمت قبلہ متعین کی جاوے۔ لہٰذا صورت مندرجہ سوال میں انجینئر صاحب اور دوسرے ماہر ہیئت صاحب نے جو متخالف سمتیں نکالی ہیں دونوں کو نظر انداز کر کے مساجد قدیمہ کے مطابق مسجد تعمیر کی جاوے۔ اصل سوال کا جواب اتنا ہی ہے جو مقتضی ادلہ شرعیہ کا ہے باقی مسئلہ سمت قبلہ کی تحقیق اور اس کے دلائل پر اجمالی نظر کے لئے سطور ذیل لکھی جاتی ہیں:۔

اس مسئلہ میں اصل قابل نظر دو چیزیں ہیں۔

(۱) استقبال قبلہ جو نماز میں فرض ہے اس کی حد ضروری کیا ہے۔

(۲) بلاد بعیدہ میں اس ضروری سمت قبلہ کے معلوم کرنے کا شرعی طریق کیا ہے یہ دونوں مسئلے جدا جدا سمجھ لئے

جاوے تو مسئلہ زیر بحث خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ پہلے مسئلہ کے متعلق مذہب مختار حنفیہؒ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے اس کے ذمہ جہت کعبہ کا استقبال ہے عین کعبہ کا نہیں۔ لما فی البدائع وتعتبر الجهة دون العين كذا ذكر الكرخي والرازي وهو قول عامة مشائخنا بما وراء النهر (بدائع ص ۱۱۸ ج ۱)

ومثله في الهداية وعامة المتون والشروح:. پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب و شمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔ وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبھہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔ لیکن وسط جبھہ کو چھوڑ کر پیشانی کی اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جاوے گی۔ اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے۔ اس سے نماز نہ ہو گی۔ اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر مفسد صلوٰۃ ہے (كما سياتي عن الخيريه)

انحراف قلیل وکثیر کی تعیین میں فقہاء امت اور علماء ہیئت کے اور بھی اقوال ہیں جن میں سے بعض اس سے زیادہ وسعت کو چاہتے ہیں اور بعض میں اس سے کم کی گنجائش ہے اس جگہ اوسط سمجھ کر اس قول کو اختیار ہے اور یہ سب اقوال عبارات ذیل مذکور ہیں :۔

في رد المحتار بل المفهوم مما قد مناه عن المعراج والدررمن التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعين الكعبة يمينا اويساراً انه لا يصح لو كانت احداهما حادة والاخرىٰ منفرجة (الى ان قال) فعلم ان الا نحراف اليسير، لا يضرو هو الذى يبقى معه الو جه او شئى من جوانبه مسا متا لعين الكعبة او لهو ائها بان يخرج الخط من الوجه او من بعض جوانبه ويمر على الكعبة او هوائها مستقيماً ولا يلزم ان يكون الخط الخارج على استقامة خارجاً من جبهة المصلى بل منها او من جوانبها (شامى ص ۲۸۸ ج ۱ هندى) ويؤيده مافى الفتاوىٰ الخيرية وعن ابى حنيفةؒ المشرق قبلة اهل المغرب والمغرب قبلة اهل المشرق والجنوب قبلة اهل الشمال والشمال قبلة اهل الجنوب وعليه فالا نحراف القليل لا يضر ا ه (خيرة ص ۷ ج ۱) وايضاً يؤيده مافى البحر فلو فرض مثلاً خطاً من تلقاء وجه المستقبل للكعبة على التحقيق فى بعض البلا د و خط آخر يقطعه على زاويتين قائمتين ، من جانب يمين المستقبل وشماله ولا يزول تلك المقابلة بالا نتقال الى اليمين والشمال على ذلك الخط بفراسخ كثيرة وكذا وضع العلماء قبلة بلدو بلدين وبلاد على سمت واحد (بحر ص ۳۰۱ ج ۱) ومثله فى رد المحتار عن الفتح و شروح المنيه وزادا الفقير وغيره. وفى الخيرية تحت قوله (سئل) ومن القو اعدالفلكية اذا كان ا لا نحراف عن مقتضى الا دلة

اکثر من خمس واربعین درجة یمنة او یسرة یکون ذلك الا نحراف خارجاً عن جهة الرابع الذی فیه مکة المشرفة من غیر اشکال (الی) فهل هذه لمحاریب التی انحرافها کثیر فاحش یجب الا نحراف فیها یسرة الی جهة مقتضی الا دلة والحالة ما ذکرنا لا . واذا قلتم یجب فهل اذا عاند شخص وصلی فی هذه المحاریب بعد اثبات ما ذکر یکون صلوٰته فاسدة الخ .

(اجاب) حیث زالت بالا نحراف المذکور المقابلة بالکلیة بحیث لم یبقی شیء من سطح الوجه مسا متاً للکعبة عدم الا ستقبال المشروط لصحة الصلوٰة بالا جماع واذا عدم الشرط عدم المشروط (خیریة ص ۹، ۱۰ ج ۱).

عبارات مذکورہ سے سمت قبلہ اور استقبال کی جو حد ضروری معلوم ہوئی ہے اس کا حاصل سہل اور عامیانہ عبارت میں یہ ہے کہ انسان کے چہرہ کا کوئی ذرا سا ادنیٰ حصہ خواہ وسط چہرہ کا ہو یا داہنی بائیں جانب کا بیت اللہ شریف کے کسی ذرا سے حصہ کے ساتھ مقابل ہو جاوے۔ اور فن ریاضی کی اصطلاحی عبارت میں یہ ہے کہ عین کعبہ سے پینتالیس درجہ تک بھی انحراف ہو جاوے تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اس سے زائد انحراف ہو تو استقبال فوت ہو کر نماز فاسد ہو جائے گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انحراف قلیل جو عام طور پر کہیں جنوباً کہیں شمالاً واقع ہو جاتا ہے۔ یہ ناقابل التفات ہے اس کی وجہ سے نہ کسی مسجد کی جہت قبلہ بدلنے کی ضرورت ہے نہ اس کا قائم رکھتے ہوئے کسی طرف مائل ہونے کی ضرورت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

دوسرا مسئلہ :- یہ ہے کہ بلاد بعیدہ میں سمت قبلہ اور استقبال قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ کیا ہے۔ صحابہ و تابعین اور جمہور امت کا اس میں تعامل کس طرح ہے اور یہ کہ قواعد ریاضیہ کا استعمال اس کام کے لئے جائز و معتبر ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ میں، اس بارہ میں پہلے بطور مقدمہ یہ بتلا دینا مناسب ہے کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام کے تمام احکام کی بنیاد تیسیر و سہولت اور سادگی و بے تکلفی پر ہے۔ فلسفیانہ تدقیقات پر نہیں کیونکہ دائرہ حکومت اس شریعت کا تمام عالم کے بحر و بر اور اسود و احمر شہری و دیہاتی آبادیوں اور ان کے سکان پر حاوی ہے۔ اسلامی فرائض نماز روزہ وغیرہ جس طرح شہریوں پر عائد ہیں اسی طرح دیہاتیوں اور پہاڑوں کے دروں اور جزائر کے رہنے والے ناخواندہ و ناواقف لوگوں پر بھی عائد ہیں۔ اور جو احکام اس درجہ عام ہوں ان میں مقتضاء عقل و حکمت ورحمت کا یہی ہے کہ ان کو تدقیقات فلسفیہ اور قواعد ریاضیہ یا آلات رصدیہ پر موقوف نہ رکھا جائے تاکہ ہر عام وخاص خواندہ و ناخواندہ بآسانی اپنے فرائض انجام دے سکے۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰة والسلام کے تمام تر احکام اسی نظریہ کے ماتحت بالکل آسان اور سادہ طریق پر آئے۔ روزہ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا ہے حسابات ریاضیہ پر نہیں۔ مہینے قمری رکھے گئے ہیں جن کا مدار رویت ہلال پر ہے۔ شمسی مہینے جن کا مدار خاص حسابات ریاضیہ پر ہے عام شرعی احکام میں ان کو نہیں لیا گیا۔ اسی طرح احکام اسلامیہ کے تتبع سے بکثرت اس کے نظائر معلوم کئے جا سکتے ہیں :-

اس مختصر مقدمہ کے بعد مسئلہ زیر بحث میں بھی یہ فیصلہ کر لینا آسان ہو گیا کہ سمت قبلہ اور استقبال قبلہ جس کا ہر مسلمان دن میں پانچ مرتبہ مامور ہے اس کے لئے بھی شریعت نے ضرور کوئی آسان اور بالکل سادہ طریقہ اختیار کیا ہوگا جس کو ہر شہری و دیہاتی بآسانی عمل میں لا سکے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد اس کے متعلق یہ ہے کہ مابین المشرق والمغرب قبلة . رواه الترمذی عن ابی هریرة یعنی مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے یہ ارشاد اگرچہ تمام عالم کے لئے نہیں بلکہ خاص اہل مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے لئے ہے لیکن اتنی بات اس میں عام ہے کہ سمت قبلہ کی تعیین میں شریعت نے زیادہ تدقیق کا مکلّف نہیں بنایا۔ بلکہ بین المشرق والمغرب فرما کر پوری جہت جنوب کو قبلہ قرار دے دیا اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس حدیث میں بین المشرق والمغرب سے اصطلاحی ریاضی پر نقطہ مشرق و مغرب کی درمیانی قوس یعنی نصب دائرہ مراد نہیں جس سے ربع دائرہ کا قول جو حوالہ خیر یہ نقل کیا گیا ہے اس کے مخالف حدیث ہونے کا شبہ ہو سکے بلکہ یہ عبارت محاورات عرفیہ پر آئی ہے جس کا مقصود پوری جہت جنوب کو قبلہ قرار دینا ہے تو جس طرح مدینہ طیبہ میں مشرق مغرب کے درمیان قبلہ ہے اسی طرح ہندوستان میں جنوب شمال کے درمیان قبلہ کہا جا سکتا ہے۔ وقد نص احمد بن خالد بان قول عمر مابین المشرق والمغرب قبله قاله بالمدینة فمن کانت قبلة مثل قبلة المدینة فهو فی سعة مما بین المشرق و المغرب ولسائر البلدان من السعة فی القبلة من ذلك بین الجنوب والشمال وقال ابو عمر بن عبد البر لا خلا بین اهل العلم فیه (کتاب الخطط للمقریزی ص ۲۵۸ ج۱)

پھر حضرات صحابہ و تابعین اور ان کے بعد عامہ مسلمین کے تعامل نے اس کو بالکل واضح کر دیا کہ بلاد بعیدہ میں جہاں کہیں حضرات صحابہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یا آپ کے بعد پہنچے ہیں وہاں نمازیں ادا کرنے اور مستقل قیام کی صورت میں مساجد بنانے میں ان حضرات سے کہیں منقول نہیں کہ آلات رصدیہ سے کام لے کر سمت قبلہ متعین کی ہو بلکہ موٹے موٹے آثار و نشانات اور شمس و قمر اور قطب وغیرہ۔ مشہور و معروف ستاروں کی پہچان سے ایک اندازہ قائم کر کے محض تحری و تخمینہ سے سمت قبلہ متعین فرمائی ہے۔

سمت قبلہ اور استقبال میں آنحضرت ﷺ اور حضرات صحابہؓ کا طرز عمل

(۱) اس پر اتفاق ہے کہ مسجد بیت اللہ کے بعد سب سے پہلی مسجد جو اسلام میں بنائی گئی وہ مسجد قبا ہے (قبا مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلہ پر ایک مشہور مقام کا نام ہے) اس مسجد کی بنیاد تو اس وقت پڑی تھی جب کہ مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا پھر جب تحویل قبلہ کی آیت نازل ہوئی تو اس کی خبر لے کر قبا میں ایک صحابی ایسے وقت پہنچے کہ اس مسجد میں نماز ہو رہی تھی یہ خبر سنتے ہی امام اور پوری جماعت بیت اللہ کی سمت کی طرف پھر گئی یہ واقعہ عام کتب حدیث و تفسیر میں منقول ہے اور اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو ہوئی۔ تو آپ نے ان لوگوں کے اس فعل کی تصویب فرمائی۔ ظاہر ہے کہ حالت نماز میں جو سمت قبلہ اہل قبا نے اختیار کی اس میں آلات رصدیہ اور اصطرلاب کا دخل ہو سکتا ہے نہ کسی قطب نما اور ستارے کا محض تخمینہ و تحری سے سمت قائم کی گئی پھر نماز کے بعد

بھی کہیں منقول نہیں کہ اس تحری و تخمیہ کے سوا کوئی دوسرا انتظام واہتمام یا حسابات ریاضیہ کا استعمال استخراج سمت کے لئے کیا گیا ہو۔

(۲) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں تمام اسلامی قلمرو میں ہر صوبہ کے عامل نافرمان بھیجے کہ ہر محلّہ میں مسجد بنائی جائے عمال حکومت نے حکم کی تعمیل کی مگر سمت قبلہ قائم کرنے کے لئے نہ تو حضرت فاروق ہی نے کوئی انتظام آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ کا کیا اور نہ عمال حکومت نے بلکہ تخمیہ و تحری سے سمت قبلہ متعین کر کے مسجدیں تعمیر کی گئیں۔

(۳) آلات و حسابات سے نکالی ہوئی سمت قبلہ میں بھی اکثر اہل فن کا اختلاف رہتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ طول بلد اور عرض بلدہ کے معلوم کرنے میں ذرا سا فرق رہ گیا تو سمت کہیں کی کہیں پہنچ جاتی ہے۔

(لطیفہ عجیبہ) علماء کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری و تخمیہ سے قائم کی گئی ہیں لیکن مسجد نبوی کی سمت قبلہ بطور وحی و مکاشفہ قائم کی گئی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے بیت اللہ کو بطور معجزہ سامنے کر دیا تھا اس کو دیکھ کر آپ نے مسجد مدینہ کی سمت قبلہ قائم فرمائی (کذافی البحر الرائق و رد المحتار) اس لئے باجماع امت مسجد نبوی کی سمت قبلہ بالکل یقینی ہے لیکن حسابات ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری چنانچہ امیر مصر ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند ماہرین ہندسہ کو مدینہ طیبہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلات رصدیہ کے ذریعہ جانچا تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت دس درجہ مائل بہ جنوب ہے جیسا کہ مقریزی نے کتاب الخطط میں بالفاظ ذیل ذکر کیا ہے۔

ان احمد بن طولون لماعزم علی بناء هذا المسجد بعث الی محراب مدینة رسول الله صلی الله علیه وسلم من اخذ سمته فاذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج الی جهة الجنوب خطط ص ۲۵٦ ج ۲)

احمد بن طولون نے جب اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند اہل فن کو مدینہ طیبہ بھیج کر مسجد نبوی کی سمت قبلہ بذریعہ آلات رصدیہ نکلوائی دیکھا تو حسابات کے ذریعہ نکالی ہوئی ہے سمت قبلہ سے دس درجہ مائل بجنوب ہے۔

اب وہ لوگ جو آلات رصدیہ پر سمت قبلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ ان کی تجویز پر تو مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی درست نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں کہ عنایت اللہ مشرقی جو ہندوستان کی مسجدوں میں ان ہی حسابات کی بنا پر نماز ناجائز قرار دیتے ہیں وہ مسجد نبوی کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرمائیں گے۔ مشرقی کچھ کہیں لیکن مذکور الصدر تعامل مسلمانوں کے اطمینان کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی و وافی ہے۔ والحمد للہ اولہ و آخرہ.

اس کے بعد احمد بن طولون نے مسجد نبوی کی موافق مسجد بنائی جو جامع عمرو بن عاص فاتح مصر سے کسی قدر منحرف ہے لیکن علماء نے جامع عمرو بن عاص ہی کے اتباع کو اولیٰ قرار دیا ہے اور مصر اور اطراف مصر کی عامہ

مساجد اسی کے مطابق ہیں :۔

قال الکندی وقال یزید بن ابی حبیب سمعت اشیا خنا مم حضر مسجد الفتح (یعنی جامع عمرو بن العاص) یقولون وقف علی اقامة قبلة المسجد الجامع ثما نون رجلامن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم منهم الزبیر بن العوام والمقدادو عبادة بن الصامت و ابو الدر داء وفضالة بن عبید وعقبة بن عامررضی الله عنهم . وفی روایة اسس مسجد نا هذا اربعة من الصحابة ابو ذر وابو بصیرة و محمة بن جزء الزبیدی و نبیه بن صواب قال عبدالله بن ابی جعفر اقام محرابنا هذا عبادة بن الصامت و رافع بن مالك وهما نقیبا' وقال داؤد بن عقبة ان عمرو بن العاص بعث ربیعة بن شرجیل بن حسنة عمرو بن علقمة القرشی ثم العدوی یقیمان القبلة وقال لهما قوما اذا زالت الشمس وقال انتصف الشمس فاجعلا ها علی حاجبیکما ففعلا . وقال الیث ان عمرو بن العاص کان یمدالحبال حتی اقیمت قبلة المسجد وقال عمرو بن العاص شرقو ا القبلة تصیبوا الحرم قال فشر قت جداً (کتاب الخطط للمقریزی ص ۲٤٦ و ۲٤۷ ج ۲)

روایات مذکورہ میں اگرچہ بظاہر قدرے اختلاف نظر آتا ہے لیکن اول تو غور کرنے کے بعد ان میں کوئی تعارض نہیں رہتا کیونکہ ایک جماعت صحابہ کی متفقہ سعی و تخمین سے یہ کام ہوا روایت کرنے والوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق خاص خاص صحابہ کی طرف منسوب کر دیا جس میں دوسروں کی نفی نہیں۔ ثانیاً یہ سب روایات اتنی بات پر متفق ہیں کہ تعیین سمت قبلہ میں آلات رصدیہ یا قواعد ریاضیہ سے کام نہیں لیا گیا۔ حالانکہ مصر جیسا شہر اس کے جاننے والوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محض تحری و تخمین سے سمت قبلہ متعین کی گئی۔

اور اسی لئے صاحب بحر الرائق نے فرمایا ہے

لا عذر لا حد فی الجهل بالا دلة الظاهرةالمتعادة کالشمس والقمرو غیر ذلك اما دقائق علم الهیئة وصور النجوم الثوابت فهو معذور فی الجهل بها(الی ان قال) قال و محاریب الدنیا کلها نصبت بالتحری حتی منی ولم یزد علیه شیئاً وهذا خلاف مانقل عن ابی بکرالرازی فی محراب المدینة انه مقطوع به فانما نصبه رسول الله صلی الله علیه وسلم بالوحی بخلاف سائر البقاع حتی قیل بمثل ان محراب منی نصب بالتحری و العلا مات وهو اقرب المواضع الی مکة (بحر ص ۳۰۲ ج ۱) ومثله فی ردا لمحتار.

اور ملک العلماء صاحب بدائع فرماتے ہیں :۔ وان کان نائیا عن الکعبة غائبا عنها یجب علیه التوجه الی جهتها وهی المحاریب المنصوبة بالا مارات الدالة علیها لا الی عینها (ثم قال) اما اذا جعلت قبلة الجهت وهی المحاریب المنصوبة لا یتصور ظهور الخطاء فنزلت الجهة فی هذه الحالة منزلة عین الکعبة فی حال المشاهدة ولله تعالیٰ ان یجعل ای جهة شاء قبلة لعباده علی اختلاف الاحوال والیه وقعت الا شارة فی قوله تعالیٰ سیقول السفهاء من الناس ما ولّٰهم عن قبلتهم اللتی

كانوا عليها قل لله المشرق والمغرب يهدى من يشاء الىٰ صراط مستقيم ولا نهم جعلوا عين الكعبة قبلة فى هذه الحالة بالتحرى وانه مبنى على مجرد شهادة القلب من غير امارة والجهة صارت قبلة باجتهادهم المبنى على الامارات الدالة عليها من النجوم والشمس والقمر وغيره ذلك فكان فوق الاجتهاد بالتحرى ولهذا من دخل بلدة و عاين المحاريب المنصوبة فيها يجب عليه التوجهه اليها ولا يجوزله التحرى الخ (بدائع ص ۱۱۸ ج ۱)

وفى فتاوىٰ قاضى كان وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فى الا مصار والقرى المحاريب اللتى نصبها الصحابة والتابعون فعلينا اتبا عهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فان لم تكن فالسوال من الا هل اه.

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ بلادبعیدہ میں سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی طریقہ جو سلف سے چلا آتا ہے یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہیں ان کا اتباع کیا جاوے کیونکہ اکثر بلاد میں تو خود حضرات صحابہ و تابعین نے مساجد کی بنیاد ڈالی اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے اور پھر انہیں کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں اس لئے یہ سب مساجد مسلمین سمت قبلہ معلوم کرنے کے لئے کافی وافی ہیں ان میں بلاوجہ شبہات فلسفہ نکالنا شرعاً محمود نہیں بلکہ مذموم اور موجب تشویش ہے۔ بلکہ بسااوقات ان تدقیقات میں پڑنے کا یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ حضرات صحابہ و تابعین اور عامہ مسلمین پر بدگمانی ہو جاتی ہے کہ ان کی نمازیں اور قبلہ درست نہیں حالانکہ یہ باطل محض اور سخت جسارت ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف عالم علامہ ابن رجب حنبلی اسی بناء پر سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور تدقیقات ریاضیہ میں پڑنے کو منع فرماتے ہیں۔ ولفظه۔

واما علم التسيير فاذا تعلم من ما يحتاج اليه للاهتداء و معرفة القبلة والطرق، كان جائزاً عند الجمهوروما زاد عليه فلا حاجة اليه وهو يشغل عما هو اهم منه وربما ادى التدقيق فيه الى اساء ة الظن بمحاريب المسلمين فى امصارهم كما وقع فى ذلك كثير من اهل هذا العلم قديماً وحديثا وذلك يفضى الى اعتقاد خطاء الصحابة والتابعين فى صلوٰتهم فى كثير من الا مصار هو باطل وقد انكر الا مام احمد الا ستدلال بالجدى وقال انما وردبين المشرق والمغرب قبلة و ص ۱۲)

اور جنگلات یا نو آبادیات وغیرہ میں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں شرعی طریقہ جو سنت صحابہ و تابعین سے ثابت یہ ہے کہ شمس و قمر اور قطب وغیرہ کے مشہور و معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمت قبلہ متعین کر لی جاوے اس میں معمولی میلان و انحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ حسب تصریح صاحب بدائع ان بلادبعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ کے ہے۔ اور اسی پر احکام دائر ہیں جیسے شریعت نے نیند کو قائم مقام خروج ریح کا قرار دے کر اسی پر نقض وضوء کا حکم کر دیا یا سفر کو قائم مقام مشقت کا قرار دے کر مطلقاً سفر پر رخصتیں مرتب کر دیں حقیقۃً مشقت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح بلادبعیدہ میں مشہور و معروف نشانات و علامات کے ذریعہ جو سمت قبلہ تحری و اندازہ سے قائم کی جائے گی وہی شرعاً قائم مقام کعبہ کے ہو گی۔

علامہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں اسی مضمون کو بالفاظ ذیل بیان کیا ہے:۔

والشرط وقوع المسامتة علی حسب مایری المصلی ونحن غیر ما مورین بالمسامتة علی ما یحکم به الآلات الرصدیه ولهذا افتوا ان الانحراف المفسد ان یتجاوز المشارق المغارب (رسائل الارکان ص ۵۳)۔

اور بلاد ہندوستان میں سہل اور احوط (۱) طریق تعیین سمت قبلہ کا یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن (۲۲ جون) میں اور اسی طرح موسم سرما کے سب سے چھوٹے دن (۲۲ دسمبر) میں غروب شمس کا موقع دیکھا جاوے۔ قبلہ ان دونوں موقع کے درمیان میں ہوگا یعنی ان دونوں موقع کے درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی صحیح ہو جائے گی۔

افاده سیدی حکیم الامة التهانوی متعنا الله تعالیٰ ببرکاته نقلا عن رسالته بغیة الاریب وهو الذی صرح به الشامی فی مواضع ذکره فی البحر و حواشیه.

یہاں تک تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سمت قبلہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف کا طریقہ نہیں تھا اور نہ شریعت نے اس کا امر کیا ہے اور نہ کسی حال اس کی ضرورت ہے بلکہ طریقہ معروفہ سلف کا یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجد قدیمہ موجود ہوں ان کا اتباع کیا جاوے جہاں نہ ہوں وہاں مشہور و معروف ستاروں، اور دوسرے آثار جلیہ سے کام لے کر اندازہ قائم کر کے جہت متعین کر لی جاوے۔

بڑی وجہ ان آلات و حسابات کے استعمال نہ کرنے کی تو یہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں کہ ہر شخص کو ہر جگہ میسر آسکیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درجہ ان آلات و حسابات کا بھی تخمینہ اور تحری اور اندازہ و اٹکل سے زائد نہیں جس طرح تحری و اندازہ میں خطا ہو سکتی ہے ان آلات و حسابات میں بھی خطا ہونا ممکن بلکہ واقع ہے جیسا کہ خود صورت مندرجہ سوال میں دو ماہرین ہیئت کے اتنے شدید اختلاف سے ظاہر ہے کہ ایک دس درجہ جانب جنوب مائل قرار دیتا ہے اور دوسرا کچھ مائل بشمال بتلاتا ہے اور یہ اختلاف جو ان دونوں حضرات میں ہوا کوئی اتفاقی واقعہ نہیں۔ پہلے بھی ماہرین ارباب تصنیف میں اس قسم کے اختلاف واقع ہوئے ہیں۔

میرے سامنے اس وقت دو رسالے اس موضع کے موجود ہیں۔ ایک رسالہ مصنفہ جناب منشی بشیر الدین صاحب کاکوری جس کا ماخذ ایک مہندس کا رسالہ جو شاہجہان بادشاہ کے عہد میں لکھا گیا ہے۔ اس میں لکھنو کی سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے پانچ درجہ گیارہ دقیقہ مائل جنوب قرار دیا ہے۔ اور دوسرا رسالہ ضوابط پر ہے۔ اس میں لکھنؤ سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے ۹ درجہ ۲۵ دقیقہ مائل بشمال لکھا ہے اور دونوں قواعد ریاضیہ سے استدلال کر

---

(۱) رسائل الارکان کی مذکورہ عبارت سے نیز فتاوی خیریہ کی عبارت سے جنوب و شمال میں ۴۵-۴۵ درجہ تک انحراف کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بین المغربین کے قول پر صرف ۲۴، ۲۴ درجہ تک دونوں طرف انحراف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کیونکہ میل کلی حسب تصریح چغمینی وغیرہ ۲۴ درجہ ہے تو فیصلہ بین المغربین کل ۴۸ درجہ ہوا۔ اور انحراف مباح ہر دو جانب میں ۲۴ درجہ ان میں سے قول اول اوسع اور ثانی احوط ہے کمافی حاشیۃ البحر للشامی بعد نقل القولین وہذا الاستحباب والاول للجواز ص ۲۸۵ ج ۱) ۱۲ محمد شفیع عفاعنہ۔

رہے ہیں پھربلاد کے طول و عرض کے نقشے جو عام اٹلسوں اور قدیم کتب غیاث و مالابد منہ وغیرہ میں چھپے ہوئے ہیں وہ خود مختلف ہیں حالانکہ سب کا ماخذ یہی قواعد ریاضیہ ہیں۔

الغرض جب کہ حسابات ریاضیہ اور آلات رصدیہ کا انجام بھی یہی غلبہ ظن بامارات وعلامات ہے اور احتمال خطاو صواب کا اس میں بھی یکساں ہے تو سہل و سادہ طریق سلف کو کیوں چھوڑا جاوے۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جاوے تو جائز بھی ہے یا نہیں اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جاوے وہ شرعاً معتبر ہو گی یا نہیں۔ اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی کا یہ ہے جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں تو باتفاق علماء ان آلات و حسابات سے کام لینا جائز ہے بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لئے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسرے علامات و نشانات کے ان آلات و حسابات سے کام لے کیونکہ وہ تقریباً مفید ظن غالب ہیں۔ اور جس جگہ مساجد قدیمہ موجود ہوں وہاں ان آلات و حسابات کے ذریعہ سمت قبلہ نکالنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض جائز قرار دیتے ہیں بعض ناجائز حضرت امام احمد بن حنبل کا قول عدم جواز کا اسی تحریر میں گزر چکا ہے۔

افاد فی النهر ان دلائل النجوم معتبرة عند قوم وعند آخرين ليست بمعتبرة قال وعليه اطلاق عامة المتون اھ اقول لم ارفی المتون ما يدل على عدم اعتبارها ولنا تعلم ما نهتدى به على القبلة من النجوم وقال تعالىٰ والنجوم لتهتدى بها على ان محاريب الدنيا كلها نصبت بالتحرى حتى منىٰ كما نقله فى البحر و لا يخفى ان اقوى الا دلة النجوم والظاهران الخلاف فى عدم اعتبارها انما هو عند وجود المحاريب القديمة اذلا يجوز التحرى معها كما قدمناه لئلا يلزم تخطئة السلف الصالح وجما هير المسلمين بخلاف ما اذا كان فى المفازة فينبغى وجوب اعتبار النجوم ونحوها فى المفازة لتصريح علمائنا وغيرهم بكونها علامة معتبرة فينبغى الا عتماد فى اوقات الصلوٰة وفى القبلة على ماذكره العلماء الثقات فى كتب المواقيت على ما وضعوه لها من الألات كالربع والا صطر لاب فانها ان لم تفد اليقين تفيد غلبة الظن للعالم بها وغلبة الظن كافية فى ذلك (شامى ص ۲۸۹ ج ۱ طبع هند) وفى الفتاوىٰ الخيرية بعد قوله ولا يجوز العمل بقول الفلكى المذكور والحاصل ان المسئلة خلافية فمذهب الحنفية يعمل بالمحاريب المذكور ولا يلتفت للطعن المذكورومذهب الشافعية اليه ويعمل به اذاكان من عالم بصير ثقة ولا خفاء ان مذهبنا سمح سهل حنيفى ميسر غير معسر فان الطاعة لحسب الطاقة وفى تعيين عين الكعبة حرج وهو مر فوع عنا بالنص الشريف ص ۸ ج ۱) هذا آخرما اردت جمعه فى هذه العجالة لعل الله تعالىٰ ينفع بها المسلمين ويجنبهم عن طرق التعمق والتكلف فى امور الدين والله سبحا نه وتعالىٰ اعلم بالصواب واليه المر جع فى كل باب

كتبه الا حقر محمد شفيع عفاالله عنه

خادم دارالعلوم دیوبند فی ثمانی ساعات من ۳ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

للہ در المجیب العلام و اصاب فیما اجاب

سید احمد علی سعید نگینوی معین المفتی دار العلوم دیوبند

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ میں نے اس فتوے کو دیکھا۔ مسئلہ زیر بحث میں کافی وافی پایا جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں اور سہولت تعبیر کے لئے اس کو تنقیح المقال فی تصیح الا ستقبال سے ملقب کرتا ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

تتمہ

جواب سوال مذکور

از حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدنا حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتھم

علمائے امت و فقہائے ملت نے قاطبۃً بلا اختلاف تصریح فرمائی ہے کہ سمت قبلہ کا مدار آلات رصدیہ و حسابات ریاضیہ پر نہیں۔ بلکہ اس میں مساجد قدیمہ کا اتباع و توافق کافی ہے۔ جن کی بناء امارات و علامات عرفیہ پر ہے اگرچہ قواعد ہیئت کی رو سے ان میں سمت حقیقی سے کچھ انحراف بھی ہو جس میں اصل قاعدہ سے ربع علی دائرہ (۹۰ درجہ) کے قریب تک یعنی دونوں جانب ثمن ثمن دائرہ (۴۵۔۴۵ درجہ) تک اور بنا پر احتیاط ماںین المغربین یعنے ہر طرف ۲۴ درجہ مجموعی ۴۸ درجہ تک گنجائش ہے۔

لما فی الحاشیة البحر للشامی بعد نقل القولین وهذا استحباب والا ول للجواز (ص ۲۸۵ ج ۱)

اس بناء پر دونوں انحراف مذکور فی السوال کے ہوتے ہوئے بھی نماز صحیح ہو جائے گی۔ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مساجد قدیمہ خواہ اس بستی میں ہوں یا قرب و جوار میں ہوں ان کے موافق اس مسجد کو درست کر لیا جاوے۔ ان سب احکام کے دلائل دار العلوم دیوبند کے فتوے میں منقول ہیں جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں۔

کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

---

(۱) اور حدیث ما بين المشرق و المغرب قبلة میں ایک سہل عنوان سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ پوری جہت جنوب قبلہ ہے اصطلاح ریاضی پر نقطہ مشرق و مغرب کی درمیان قوس مراد نہیں جس سے نصف دائرہ کا شبہہ ہو سکے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ہمارے بلاد میں تفہیم عوام کے لئے کہا جاوے کہ شمال و جنوب کے درمیان قبلہ ہے یعنی پوری جہت مغرب ۱۲ منہ۔

ضمیمہ

سمت قبلہ معلوم کرنے کا آسان طریقہ

(از قواعد ریاضیہ)

فتاویٰ مذکورہ سے تو اس گنجائش کا اندازہ معلوم ہوا جو سمت قبلہ کے بارہ میں شریعت نے رکھی ہے اور اگر قواعد ریاضیہ ہی سے کسی کو سمت قبلہ معلوم کرنا ہو تو اس کے بہت سے طریق علماء ہیئت و ہندسہ نے لکھے ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں۔ ان میں سے ایک آسان طریق جس میں زیادہ حسابات اور رصدیات کی ضرورت نہیں۔ مکرمی مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلی نے اپنے خط میں بحوالہ تصریح نقل فرمایا ہے اور صاحب تصریح نے بھی اس کو سہل ترین قرار دیا ہے اس کو بایماء حضرت مرشدی اس تحریر کے ساتھ ملحق کیا جاتا ہے۔ وہو ہذا :-

اطلاع

(۱) یہ طریقہ ان مقامات کے لئے ہے جو مکہ معظمہ سے نوے ۹۰ درجہ سے کم فاصلہ پر مشرق میں واقع ہیں۔ مغربی بلاد میں بھی یہ طریقہ کام دے سکتا ہے مگر مشرق میں نصف النہار مکہ مکرمہ سے موخر ہوگا اور مغرب میں مقدم۔ اور جن بلاد کا بعد مکہ معظمہ سے نوے ۹۰ درجہ یا اس سے زائد ہو وہاں نصف النہار مکہ کے وقت رات ہوگی اس لئے اس جگہ مقاطر مکہ سے حساب کیا جاتا ہے جس کو بوجہ عدم ضرورت کے یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔

(۲) سمت قبلہ معلوم کرنے کا یہ طریقہ صرف ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو کار آمد ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں تاریخیں چغمینی اور اس کی شرح کے مطابق لی گئی ہیں۔ موجودہ ماہرین فن کے اقوال اس کے متعلق اور بھی ہیں، مثلاً ۲۷ مئی یا ۱۶ و ۱۷ جولائی۔ لیکن یہ کفات قلیل ہے قابل التفات نہیں ان میں سے جس تاریک میں بھی دیکھا جاوے گا سمت قبلہ صحیح نکل آوے گی۔

طریق تعیین سمت قبلہ

جس جگہ کا سمت قبلہ معلوم کرنا ہو اول وہاں کے طول بلد کو غیاث (۱) اللغات یا کسی اٹلس سے معلوم کر کے چالیس درجے کو جو طول بلد ہے مکہ مکرمہ کا اس میں سے تفریق کردیں اور باقی کو چار میں ضرب دے کر حاصل ضرب کو ساٹھ پر تقسیم کر کے گھنٹے منٹ بنالیں یہ فرق وقت ہوگا مقامی نصف النہار اور نصف النہار مکہ مکرمہ میں (۲) مثلاً جہانگیر آباد کا طول بلد (۸۱) ہے اس میں سے مکہ معظمہ کے طول بلدہ (۴۰) کو تفریق کر کے (۴۱) رہتا ہے اس کو چار میں ضرب دینے سے (۱۶۴) منٹ فرق وقت ہوا یعنی دو گھنٹے چوالیس منٹ۔

---

(۱) اور بہ ضرورت ہندوستان مشہور شہروں کا عرض بلد اور طول بلد اس تحریر کے بعد بھی ملحق کر دیا گیا ہے ۱۲ منہ۔
(۲) کیونکہ آفتاب چار منٹ میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور ضرب سے فرق وقت کے منٹ معلوم ہوں گے پھر اس سے گھنٹے بنائے جاویں۔

پھر ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو ایک فٹ یا کم و بیش مربع زمین کی سطح خوب ہموار کر کے اس کے درمیان ایک کیلی بالکل سیدھی نصب کی جاوے (وہ کیلی تقریباً ۳ انچ ہو) اور مقامی دھوپ (۱) گھڑی سے بارہ بجے وقت ملالیں بعد ازاں فرق وقت یعنی مثلاً جہانگیر آباد میں مقامی دھوپ گھڑی سے دو بج کر چوالیس منٹ پر اس کیلی کے منتہائے ظل پر ایک نقطہ لگادیں اور اس نقطہ سے کیلی کے سر پر ڈورہ رکھ کر صحیح خط کشید کریں۔ اس خط کے مطابق مسجد کی جنوبی یا شمالی دیوار قائم ہوگی پھر جنوبی شمالی دیواریں قائم کر کے ان کے درمیان سیدھی دیوار قبلہ قائم کر دی جاوے

(واللہ تعالیٰ اعلم)

احقر عبدالکریم گمتھلی عفی عنہ

از مدرسہ قدوسیہ آباد ضلع کرنال۔ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

---

(۱) اور اگر وہاں دھوپ گھڑی نہ ہو تو اس کی کیلی کے گرد ایک فٹ کا دائرہ بنا کر اسی سے دھوپ گھڑی کا کام لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کہ تاریخ مذکور سے ایک دو روز قبل صبح کے وقت دیکھیں کہ کیلی کا سایہ دائرہ میں کس جگہ سے داخل ہوتا ہے وہاں بہت احتیاط سے ایک نقطہ لگادیں (اس کو مدخل ظل کہتے ہیں) پھر شام کے وقت دائرہ کی اس جگہ پر نقطہ، لگائیں جہاں سے کیلی کا سایہ دائرہ سے باہر نکلے۔ (یہ مخرج ظل ہے) پھر مدخل ظل اور مخرج ظل کے دونوں نقطوں کے درمیان ایک خط کھینچ کر اس کے نصف پر ایک نقطہ لگائیں اور مدخل و مخرج کے درمیان دائرہ کا جو حصہ آتا ہے اس کے نصف پر بھی ایک نقطہ لگائیں پھر ان دونوں نقطوں پر سے گزرتا ہوا ایک خط کیلی تک کھینچ دیں یہ خط خط نصف النہار کہلائے گا ۲۹ مئی یا ۱۴ جولائی کو جب کیلی کا سایہ خط نصف النہار پر پڑے اس وقت گھڑی میں بارہ بجالئے جاویں ۱۲ منہ۔

نقشہ طول وعرض مشہور بلاد ہندوستان

(ماخذ از غیاث)

نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم	نام شہر	طول بلد	عرض بلد	اقلیم
مکہ مکرمہ	ستر درجہ دس دقیقہ	اکیس درجہ چالیس دقیقہ	دوم	بنارس	ایکسو سترہ درجہ	چھبیس درجہ	دوم
مدینہ طیبہ	پچھتر درجہ بائیس دقیقہ	پچیس درجہ آٹھ دقیقہ	=	بھوپال	ایکسو گیارہ درجہ	تیئیس درجہ	=
اٹک	ایک سو چھ درجہ پانچ دقیقہ	تینتیس درجہ چوبیس دقیقہ	سوم	بیجاپور	ایکسو پانچ درجہ تیس دقیقہ	سترہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم
اجمیر	ایکسو گیارہ درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ پچاس دقیقہ	دوم	پشاور	ایکسو چھ درجہ چالیس دقیقہ	اکتیس درجہ	سوم
اجین	ایکسو بارہ درجہ تیس دقیقہ	بائیس درجہ پچیس دقیقہ	=	ترہت	ایکسو دس درجہ	چالیس درجہ پانچ دقیقہ	چہارم
احمد آباد	ایکسو آٹھ درجہ	تئیس درجہ	سوم	تھانہ بھون	؟		
اگرہ	ایکسو بارہ درجہ پینتالیس دقیقہ	ستائیس درجہ	=	تھانیسر	ایکسو بارہ درجہ تئیس دقیقہ	انتیس دقیقہ	سوم
الہ آباد	ایکسو سولہ درجہ پچاس دقیقہ	چھبیس درجہ باون دقیقہ	=	ٹھٹھ	بیاسی درجہ تیس دقیقہ	پچیس درجہ دو دقیقہ	دوم
امروہہ	ایکسو چودہ درجہ پینتالیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	=	جلال آباد	ایکسو پانچ درجہ چالیس دقیقہ	چونتیس درجہ	سوم
اورنگ آباد	ایکسو گیارہ درجہ تیس دقیقہ	انیس درجہ پانچ دقیقہ	دوم	جونپور	ایکسو سولہ درجہ چھ دقیقہ	چھبیس درجہ گیارہ دقیقہ	=
اجودھیا	ایکسو سولہ درجہ پچیس دقیقہ	تیس درجہ پینتالیس دقیقہ	سوم	حیدر آباد دکن	ایکسو چودہ درجہ پانچ دقیقہ	اٹھارہ درجہ بائیس دقیقہ	دوم
پانی پت	ایکسو تیرہ درجہ بائیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ پندرہ دقیقہ	=	دولت آباد	ایکسو گیارہ درجہ پانچ دقیقہ	بائیس درجہ تیس دقیقہ	=
پٹنہ	ایکسو انیس درجہ بارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چالیس دقیقہ	=	دہلی	ایکسو دو درجہ اٹھارہ دقیقہ	اٹھائیس درجہ گیارہ دقیقہ	سوم
بدایون	ایکسو چودہ درجہ	ستائیس درجہ بیس دقیقہ	=	دیوبند	؟		
برہانپور	ایک سو آٹھ درجہ	بائیس درجہ	دوم	رام پور	ایکسو چودہ درجہ چھتیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم
راج محل	ایکسو اکیس درجہ پانچ دقیقہ	پچیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	سوم	کالپی	ایکسو پندرہ درجہ	پچیس درجہ تیس دقیقہ	=
سرونج	ایکسو چودہ درجہ چالیس دقیقہ	چوبیس درجہ اڑتالیس دقیقہ	=	صوبہ گجرات	ایک سو آٹھ درجہ اٹھائیس دقیقہ	تئیس درجہ	دوم
سرینگر	ایکسو بارہ درجہ باون دقیقہ	تینتیس درجہ دس دقیقہ	=	کرانہ	ایک سو تیرہ درجہ	اٹھائیس درجہ چالیس دقیقہ	سوم

سراندیپ	ایکسو تیس درجہ پانچ دقیقہ	دو درجہ تیس دقیقہ	اول	کشمیر	ایکسو سات درجہ آٹھ دقیقہ	تینتیس درجہ	چہارم
سنبھل	ایکسو چودہ درجہ چھبیس دقیقہ	اٹھائیس درجہ تیس دقیقہ	سوم	گوالیار	ایک سو چودہ درجہ	تیئس درجہ چھپن دقیقہ	دوم
سومنات	ایک سو سات درجہ	بائیس درجہ	دوم	لاہور	ایکسو نو درجہ بائیس دقیقہ	اکتیس درجہ پچاس دقیقہ	سوم
سیالکوٹ	ایکسو آٹھ درجہ پانچ دقیقہ	بتیس درجہ چار دقیقہ	سوم	لکھنو	ایکسو سولہ درجہ تیرہ دقیقہ	چھبیس درجہ تیس دقیقہ	سوم
سرہند	ایکسو گیارہ درجہ بیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=	لدھیانہ	ایکسو دس درجہ چالیس دقیقہ	انتیس درجہ تیس دقیقہ	=
سہارنپور		؟	سوم	مونگیر	ایکسو بیس درجہ گیارہ دقیقہ	چھبیس درجہ چھ دقیقہ	سوم
قنوج	ایکسو پندرہ درجہ پندرہ دقیقہ	چھبیس درجہ پچاس دقیقہ	=	سندراس	نامعلوم	تیرہ درجہ	=
کانگڑا	ایکسو دس درجہ پینتیس دقیقہ	تمیں درجہ پچاس دقیقہ	=	ہردوار	ایک سو تیرہ درجہ	انتیس درجہ چالیس دقیقہ	=

نوٹ

طول بلاد اور عرض بلاد کا ایک نقشہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی کتاب مالابد منہ میں بھی چھپا ہوا ہے وہ کسی قدر غیاث سے مختلف ہے عمل کرنے کے وقت اس کو بھی دیکھ لیا جاوے۔ اور اختلاف کے موقع پر مالابد منہ کے نقشہ کو ترجیح دی جاوے۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مفید معلومات

(۱) کل ربع مسکون کا طول بحر محیط کے ساحل غربی سے ساحل۔ شرقی تک بطلیموس کے نزدیک ایک سو ستر درجہ عرض ۷۹ درجہ ہے اور اکثر محققین کے نزدیک طول بلد کی ابتداء جزائر خالدات سے کی گئی ہے جو مغربی جانب میں منتہائے آبادی ہے اور منتہائے طول گنگ وژگہ پر جو مشرق جانب میں منتہائے آبادی۔ اور یہ کل طول ایک سو اسی ۱۸۰ درجہ۔ اور عرض خط استواء سے جانب شمال کی انتہائے آبادی تک چھیاسٹھ درجہ ہے۔

(۲) زمین کے ایک درجہ کی مسافت $66\frac{1}{2}$ میل چھ سو چیاسٹھ گز ہے۔ اور مسافت ایک دقیقہ ارضی کی ایک میل چار سو چوالیس گز ہے۔

(۳) میل چار ہزار گز ہوتا ہے۔

(۴) آفتاب اپنی حرکت عرضیہ میں ایک درجہ چار منٹ میں طے کرتا ہے۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

کتاب الجنائز

فصل فی احوال الموتٰی والقبور

(مردوں اور قبروں کے حالات)

جمعہ کے دن مرنے والے سے قبر کا عذاب معاف ہے۔

(سوال (۲۹۷) مشہور ہے کہ جو شخص جمعہ یا جمعہ کی شب کو مر جائے تو منکر نکیر کے سوال وجواب سے محفوظ رہتا ہے۔آیا یہ صحیح ہے پھر اس پر یہ شرط لگائی کہ جو شخص جمعہ کی نماز سے پیشتر دفن ہو تو وہ سوال و جواب سے محفوظ رہتا ہے بعد نماز کے فضل ہونے والا نہیں ہے یہی صحیح ہے یا نہیں پھر یوں کہا جاتا ہے کہ بعد گزرنے جمعہ کے قیامت تک سوال وجواب ملتوی ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بعد گزرنے جمعہ کے سوال وجواب ہوتا ہے اس کا جواب مفصل تحریر فرمایا جاوے۔

(الجواب) شامی میں لکھاہے کہ آٹھ آدمیوں سے قبر میں سوال نہیں ہوگا منجملہ ان کے وہ شخص بھی ہے جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرے اور کچھ تفصیل نہیں لکھی ظاہر یہ ہے کہ اس سے قیامت تک سوال نہ ہوگا۔

ایک عیسائی کی نعش صحیح برآمد ہونا۔

(سوال ۲۹۸) اخبار ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳ دسمبر ۳۱ عیسوی میں پر لگائی ہندوستان کا ایک واقعہ اس طرح سے قلم بند ہوا ہے کہ سینٹ فرانس زے وبر کوئی عیسائی مبلغ شان اسٹیٹ میں کسی مقام پر ۱۵۱۰ء میں فوت ہوا تھا اور اب اس کی قبر کھول کر دیکھی گئی تو نعش اب تک بجنسہ محفوظ ہے نعش کی حالت تصویر بھی اخبار مذکورہ میں دی گئی ہے اب استفسار طلب امر یہ ہے کہ جب کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے تقریباً (۹۳۵) سال بعد اور آپ ﷺ کے نبی ہو جانے کا علم تمام دنیا کا کافی طور پر ہو جانے کے بعد عیسائی مبلغ کی نعش (۴۲۱) سال تک محفوظ رہنے کے بلحاظ نکات شرعی کیا وجوہ ہو سکتے ہیں اس کا جواب واضح اور تجسّس سے معلوم ہونے کی ضرورت ہے بعض انگریزی داں طبقہ کو شک ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد عیسائیوں کی نعشوں کا اس قسم سے صحیح سالم رہنے کا کیا مطلب ہے۔؟

(الجواب) عیسائی مبلغ کی نعش کا قصہ بحوالہ ٹائمز اور اس پر بعض روشن خیال مسلمانوں کی استعجاب دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس مزعومہ روشن خیالی کے زمانہ میں بھی ایسے ضعیف وبے بنیاد خیالات سے عقائد حقہ ویقینیہ کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور نہ صرف مقابلہ بلکہ اس کا یہ اثر لیا جاتا ہے کہ عقائد میں شبہات پیدا ہونے لگیں (معاذ اللہ) اس کے متعلق ایک بات یہ ہے کہ اس قسم کی اعجوبہ کاریوں پر کسی مذہب کی حقانیت وصدق کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی ورنہ موجودہ سائنس کی ایجادات غریبہ کچھ کم نہیں، ہندو جوگیوں میں اس قسم کی عجائب نظیریں بے شمار ملیں گی اس لئے اگر تمام احتمالات اور سوالات کو ختم کر کے ٹائمز ہی کی روایت پر ایمان لایا جاوے اور بالفرض یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ لاشہ اس عیسائی مبلغ کا ہے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ آخر

حیات تک عیسائیت پر مرا اور یہ بھی فرض کر لیا جائے اس کے لاشہ کا اس وقت تک صحیح وسالم رہنا اس کے اعزاز واکرام ہی کے لئے ہے۔ تعذیب و رسوائی کے لئے نہیں تو ان سب امور کو فرض کر لینے کے بعد بھی یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اس کا مذہب حق تھا اور یہ اعزاز اس کی حقانیت کی جزاء ہے کیونکہ اگر اس کو بالفرض اعزاز واکرام ہی قرار دیں تب بھی یہ ایک دنیوی اعزاز ہوا جو بلا شبہ کفار کو بھی نصیب ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے ہاں اگر دخول جنت اور نعیم آخرت میں کسی کافر کو دیکھا جاتا تو البتہ اس کی گنجائش تھی کہ اس کا مذہب حق نہ ہونے کے باوجود کیسے ان نعمائے آخرت کا مستحق ہو الغرض اگر تمام درمیانی احتمالات وسوالات کو اٹھا کر جو کچھ اٹھا کر جو کچھ ٹائمز نے لکھ دیا ہے اس کو بعینہ قبول کر لیں جب بھی اس کو عیسائی مبلغ کی حقانیت کے ثبوت کی دلیل کہنا حقانیت کا خون کرنا ہے کیونکہ اگر صدق و حقانیت انہیں چیزوں پر موقوف ہے تو یہ حقانیت پھر کسی صحیح عقیدہ یا درست اخلاق اعمال یا تہذیب نفس وغیرہ پر موقوف نہ رہے گی بلکہ صرف چند روپیہ خرچ کرنے اور کچھ خاص قسم کے مسالے خرید لینے سے ہر اوباش وبد معاش کو حاصل ہو سکے گی آج تو ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے اور طرح طرح کے مسالے اور دوائیں اس قسم کی ایجاد ہو گئی ہیں کہ جن سے مردوں کے بدن میں حرارت پیدا کر کے حیات کا سبز باغ دکھادیا جاتا ہے کسی جسم کا کچھ عرصہ تک قائم رہ جانا کیا دشوار ہے فراعنہ مصر کے مجسم لاشے ہزار ہزار سال تک پہلے بھی قائم رکھے جا چکے ہیں۔ خون کی بوندوں کی روایت اگر صحیح مان لی جائے تو یہ بھی کوئی محال چیز نہیں اول تو یہ بھی احتمال ہے کہ خارجی تدبیروں سے اس کی نمائش کی گئی ہو اس سے قطع نظر کی جائے تو کسی بدن کا مع خون کے بعد الموت باقی رہنا محال نہیں اور نہ کوئی اعزاز و اکرام کی دلیل بلکہ بہت سے کفار و فجار کے بدن کا عذاب قبر میں مبتلا ہو کر بعینہ باقی رہنا اور تمام حرکتیں زندہ آدمیوں کی سی بعد الموت کرنا ٹائمز اخبار کی روایت سے نہیں بلکہ سیکڑوں ایسی شہادات سے کہ جن کو جھٹلانا آفتاب سے آنکھ چرانا ہی ثابت ہو چکا ہے جس کے بعض واقعات مع حوالہ کتب معتبر یہ ہیں۔ فرعون اعظم جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے اس کے لاشے کا دریا سے صحیح وسالم برآمد ہونا خود قرآن عظیم میں بایں الفاظ مذکور ہے۔

فالیوم ننجیك ببدنك لتکون لمن خلفك آیه – اس کی تفسیر میں امام حدیث حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس وغیره من السلف ان بعض بنی اسرائیل شکوا فی موت فرعون فامر الله تعالی البحر ان یلقیه یجسده سویا بلا روح و علیه ورعه المعروفة علی نجوة من الارض وهو المکان المرتفع لیتحققوا موتهٗ وهلاکه (تفسیر ابن کثیر صفحه ۱۳۷ ج ۵)

لیکن ظاہر ہے کہ یہ واقعہ فرعون کی حقانیت واعزاز کی دلیل نہ تھا بلکہ مزید رسوائی اور تفضیح کا سامان تھا جیسا کہ علامہ محمود آلوسی مفتی بغداد نے اپنی تفسیر روح المعانی میں فرمایا ہے۔

بل لکمال الا استهانة و تفضیحه علی رؤس الاشهاد کی یقتل ثم یجره جسده فی الاسواق (روح المعانی صفحه ۱٦۳ ج ۱۱)

اور خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں دو شخصوں کا اپنی قبروں سے زنجیروں میں جکڑے

ہوئے نکلنا اور آواز دینا اور پھر قبروں میں لوٹ جانا سند متصل کے ساتھ حضرت عروہ رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے جس کو حافظ ابن قیم نے کتاب الروح میں سند صحیح کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے علم میں بھی لایا گیا اور اس پر حضرت ذی النورینؓ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ کوئی شخص تنہا رات کو قبرستان میں نہ جائے (کتاب الروح صفحہ ۱۰۶)

امام احادیث شعبیؒ کا خود چشم دید واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اس جگہ گزر رہے تھے جس جگہ جنگ بدر واقع ہوئی پس وہاں ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی قبر سے نکلتا ہے تمام بدن صحیح و سالم اور زندہ نظر آتا ہے اور جب وہ بالکل چلتا ہے تو کوئی شخص اس کے سر پر چوٹ مار کر پھر اندر داخل کر دیتا ہے۔(کتاب الروح صفحہ ۱۰۶)

خلیفہ ابو جعفر نے جب کوفہ کی خندق کھدوائی تو لوگوں نے اپنی اپنی مردوں کی ہڈیوں کو دوسری جگہ منتقل کرنا چاہا اسی سلسلہ میں ایک شخص کو دیکھا گیا کہ اس کا بدن بالکل صحیح وسالم ہے اور نوجوان معلوم ہوتا ہے اور اپنے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹ رہا ہے۔(کتاب الروح صفحہ ۱۰۹)

اس قسم کے بہت سے واقعات کتاب الروح میں حافظ حدیث ابن قیم نے سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ وهذا الاخبار و اضعافها واضعاف اضعافها مما لا يسع كها الكتاب مما اراده الله تعالى ببعض عباده من عذاب القبر اونعيمه عيانا.(كتاب الروح صفحه ۱۱۲)

اسی طرح شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے شرح الصدور میں اس قسم کے بہت سے واقعات ذکر کئے ہیں ان واقعات سے یہ ثابت ہو گیا کہ بعد الموت کسی شخص کے جسم کا بدستور سالم رہنا اور بشکل زندہ اس کے بدن میں خون ہونا بلکہ چلنا پھرنا اور بولنا اور بعض کام کرنا یہ سب چیزیں اس کی مقبولیت وافضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتیں بلکہ فجار و فساق اور کفار مبتلائے عذاب کو بھی یہ صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ بلکہ عالم برزخ کے حالات و معاملات ہر شخص کے ساتھ بالکل جدا ہیں کسی کو حق تعالیٰ نے کسی حال میں رکھا ہے اور کسی کو کسی حال میں۔ امام العارفین محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز نے حجتہ اللہ البالغہ صفحہ (۱) میں اسی مضمون کو بہت بہتر محققانہ انداز میں تحریر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اہل قبور خواہ عذاب میں ہوں یا راحت میں ان کے احوال بالکل جدا جدا ہیں سب کے لئے کوئی ایک خاص قاعدہ نہیں کہ سب کا جسم باقی رہے یا سب کا مٹی ہو جائے اس طرح ارواح موتی کے حالات بھی بہت مختلف ہیں، اسی سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ روح انسانی بحالت حیوۃ جب کہ قالب کے ساتھ مقید ہوتی ہے تو بوجہ قید اور عوارض خارجیہ داخلیہ اس کا اصل رنگ اور طبعی حال ظاہر نہیں ہوتا۔ پھر جب موت کے ساتھ قید بدن سے آزاد ہو جاتی ہے تو اس کا اصلی رنگ نکھر جاتا ہے اور جو روح ملکیت کی کیفیات غالب رکھتی ہے وہ ملائکہ کے ساتھ اور جو خبائث شیاطین اپنے اندر رکھتی ہے وہ شیاطین کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مخنث کہ جب تک وہ نابالغ رہتا ہے اس کا حال صحیح معلوم نہیں ہوتا بلوغ کے بعد اس کے تانث اور صنف نساء میں مل جانے سے اس کی جبلّی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ الغرض بعض ارواح خبیثہ جن کی طبعیتیں خبائث اور گناہوں کے ساتھ ملوث ہوتی ہیں۔ بعض ان میں سے بعد الموت شیاطین کے ساتھ ملحق ہو جاتی

ہیں اور جس طرح شیاطین مختلف اجسام واشکال میں ظاہر ہو سکتے ہیں اسی طرح وہ بھی ہو سکتے ہیں اس لئے اگر عیسائی مبلغ کا واقعہ بالفرض صحیح مان لیا جائے تو یہ اس کی ادنےٰ فضیلت و حقانیت کا ثبوت بھی نہیں دیتا کہ جس سے کسی عقلمند کو شبہ کی گنجائش ہو اب تک جو کچھ عرض کیا وہ محض واقعہ کو صحیح تسلیم کر لینے کی تقدیر پر تھا اور تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرے سے اس کی بنیاد ہی صحیح نہیں چند وجوہ۔

(۱) اول تو موجودہ اخباروں کی شہادات واخبار کا جو حال روزمرہ ہمارے سامنے آتا ہے اور ہزاروں جھوٹ اور محض افتراعات وغلط بیانات ان کا جزو لازمی سا ہو گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے کسی قسم کے واقعات کی تصدیق محض ٹائمز کے بیانات پر کیسے عقل قبول کر سکتی ہے اور وہ بھی ظاہر یہ ہے کہ کسی سے سنی سنائی کہانی کو اس سے نقل کیا ہوگا۔

(۲) ثانیاً اگر واقعہ بھی صحیح ہو اڈیٹر ٹائمز نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہو تو ٹائمز کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ لاش اس عیسائی کی ہے جواب سے (۴۲۱) سال پہلے مر چکا ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس جگہ قبر اس عیسائی کی تھی تو اس کا ثبوت بھی آسان نہیں کہ اس کی قبر یہ ہی تھی بعض روایات صحیح کی بناء پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے ہیں جن میں سے اکثر کو عیسائی اور یہودی بھی انبیاء مانتے ہیں ان کی قبروں کے نشان کا تو آج تک کہیں نام بجز معدودے چند نظریں نہیں آتا اور جتنے مزارات مشہور موجود ہیں ان میں بھی شدید اختلافات ہیں کسی عیسائی مبلغ کی قبر کا ایسا اہتمام کہ سواچار سو سال سے مسلسل بذریعہ تواتر اس کے گواہ رہے ہوں مشکل ہے۔ روزمرہ کا تجربہ جو آنکھوں کے سامنے ہے یہ ہے کہ لوگ تھوڑے ہی بعد اپنے بڑے بڑے واجب التعظیم بزرگوں کی قبر کا نشان ڈھونڈتے پھرتے ہیں پھر محض تخمینہ سے مٹی ڈال کر قبر بنادی جاتی ہے اور ہاتھ دو ہاتھ کا فصل ہو جاتا ہے صدیوں کے عرصہ میں بالکل قرین قیاس ہے اس لئے کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اسی عیسائی کا لاشہ ہے۔

الغرض یہ واقعہ سرے سے اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اس پر تعجب کرے یا اس کے لئے کسی شبہ کا سبب بن جائے یہ مسلمانوں کی انتہائی کمزوری ہے کہ ایسے واقعات سے کوئی اثر لیں یا ان پر کسی عقیدے کی بنیاد قائم کریں۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا الیٰ طاعتک۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

مردوں کو تقسیم ہو کر ثواب پہنچے گا یا سب کو پوا پورا پہنچے گا

(سوال ۲۹۹) اگر کوئی شخص پورا کلام مجید پڑھ کر اپنی والدہ کی روح کو پہنچاوے تو پہنچے گا یا نہیں کیونکہ زید کہتا ہے کہ اول آنحضرت ﷺ واہل بیت صحابہ کی ارواح کو بخش کر بعدہ اپنی والدہ کی روح کو پہنچانا چاہیئے بکر کہتا ہے کہ اس طرح ثواب بخشنے سے تقسیم ہو کر ثواب پہنچے گا اس بارے میں صحیح طریقہ کیا ہے۔؟

(الجواب) ثواب پہنچانے والا اگر پورے کلام مجید کا ثواب صرف اپنی والدہ کو بخشے گا تو اس کو پورے قرآن شریف کا ثواب ملے گا اور اگر اس کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ثواب کرلے گا تو سب کو تقسیم ہو کر پہنچے گا موافق قاعدہ کے اور وسعت رحمت باری تعالیٰ سے سب کو پورا ثواب پہنچاوے۔ شامی میں ہے سئل ابن

حجر المکی عمالو قرأ لا هل المقبرة الفاتحة هر یکسه یکسب الثواب بینهم اویصل لکل منهم مثل ثواب ذلك کاملا فاجاب بانه افتی جمع بالثانی وهو اللائق یسعة الفضل شامی صفحه ٦٠٥ ج ١ مطلب القرأة للمیت من الجنائز.

اور بہتر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بھی ثواب رسانی میں شریک کرلیا جائے تاکہ آپ کے طفیل اور برکت سے دیگر اموات کو بھی ثواب پہنچ جاوے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ مسعود احمد

ایصال ثواب میں زندوں کو بھی کہا جا سکتا ہے

(سوال ٣٠٠)(الف) جس طرح اموات کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے احیاء کو بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔؟

(ب) اگر ثواب پہنچ سکتا ہے تو مردوں کی برابر یا کچھ کم۔؟

(ج) اس شرط پر ایصال ثواب کیا جائے کہ اے خدا اس ختم کا ثواب فلاں شخص کو اس وقت پہنچا دیجئے گا جب کہ لوگ اس کے دفن سے فارغ ہو جائیں اس صورت میں ثواب شرط کے مطابق پہنچے گا یا کیا صورت ہوگی۔؟

(د) اگر ثواب مطابق شرط کے پہنچے تو ایصال ثواب کی یہی صورت بہتر معلوم ہوتی ہے کیا واقعی بہتر ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) (الف) ایصال ثواب احیاء واموات دونوں کو کیا جا سکتا ہے۔

قال فی الدرالمختار من باب الحج للغیر. الاصل ان کل من اتی بعبادةٍ ماله جعل ثوابها لغیره قال الشامی ای من الاحیاء و الاموات الخ. شامی مصری صفحه ٢٤٢ ج ١.

(ب) عبارت مذکورہ سے ظاہرا اور قواعد سے عقلاً معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں احیاء واموات دونوں برابر ہیں دونوں کو یکساں ثواب پہنچتا ہے۔

(ج) اولاً تو یہ شرط بیکار و فضول ہے کیونکہ اگر پہلے سے کسی کے لئے کوئی ثواب جمع کردیا جائے ظاہر ہے کہ وہ بوقت دفن کام آئے گا خاص دفن ہی کے وقت پہنچنا کوئی خاص فائدہ نہیں رکھتا ثانیاً اس شرط کا قبول ہونا اور اس کے موافق پہنچنا نقل اور روایت پر موقوف ہے وہ موجود نہیں تاہم اگر کسی کو اسی کا شوق ہو کہ عین دفن کے وقت ثواب پہنچا ے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ وہ عمل جس کا ثواب پہنچانا مقصود ہے دفن کے وقت کرے یا دوسروں سے کرائے اور کرنے کے وقت اس کے ثواب کی نیت میت کے لئے کرے اس صورت میں بالتفاق میت کو بوقت دفن ثواب پہنچے گا۔

اور اگر ایسا کرے کہ عمل تو پہلے کرلے اور اس کا ثواب میت کو بوقت دفن پہنچائے تب بھی اکثر کے نزدیک ثواب بوقت دفن پہنچ جائے گا۔ قال الشامی من باب الحج عن الغیر دل علی انه لا یلزم فی وصول الثواب ان ینوی الغیر عند الفعل. لیکن ابن قیم وغیرہ اس صورت کو ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں کہتے۔ کما صرح به الشامی فی اٰخر باب الجنائز قبیل باب الشهید.

(د)اس کاجواب (ج) کے تحت میں آگیاہے کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیامردے سنتے ہیں؟ مسئلہ سماع موتی کی جامع و مختصر تحقیق

(سوال ۳۰۱)اولیاءاموات سے طلب دعاء اس طرح کرے کہ اے حضرت اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمایئے کہ فلاں کام ہو جائے اللہ تعالیٰ میری مشکل کو حل کردے کیایہ استدعاشرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں اور اس میں کیا قباحت لازم آتی ہے ایک رسالہ اثبات سماع موتی مصنفہ شاہ ولی اللہ دھاڑواڑ علاقہ بمبئی مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند نظر سے گزرااس کے طبع کرنے والے مذکور مولانا عبدالحی لکھنوئی کے شاگرد ہیں اس میں انہوں نے تمام مواداس مسئلہ پر جمع کیاہے اور منکرین کاجواب دیتے ہوئے سماع ثابت کیا ہے پس کیاہمارے اکابر کی رائے بھی یہی ہے یا نہیں۔ ظن غالب ہے کہ یہی رائے ہے اگر ہے تواب یہ اشکال واقع ہواکہ بوادرالنوادمیں ایک مقام پر جس میں اس مسئلہ طلب دعاءازاموات پر فرمایاہے کہ طلب دعاءاحیاء سے جائز ہے اوراموات سے نہیں۔ کیونکہ اموات اس کے محل نہیں پس یہ سوال ہے کہ اموات کیوں اس کے محل نہیں حیات انبیاء وشہداءاوران کے بعض تصرفات مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کاقبر میں نماز پڑھنا اور حضور ﷺ کاامت کے ان افراد کے لئے جو دورہ پڑھتے ہیں استغفار فرمانااور شہداء کے لئے یرزقون فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ وغیرہ ثابت ہے اوراسماع موتی بھی ثابت ہے اوراحساس وشعور فرحت و غم اور کلام بجواب سلام بھی ثابت ہے توپھر اولیاءاموات شہداءوانبیاءطلب دعاء کے محل کیوں نہیں ان کے لئے دعاء کرسکنے سے کیاچیز مانع ہے یعنی نہ کرسکنے پر کیادلیل ہے جب کہ مندرجہ بالاحقائق ثابتہ سے اس پر انکی قدرت ثابت ہوتی ہے ازراہ شفقت برامت محمدیہ اس مسئلہ کوبدلائل واضحہ حل فرماکر ممنون فرمائیں۔

(الجواب) مسئلہ سماع موتی زمانہ قدیم سے مختلف فیہ ہے کلام اس میں طویل ہے میراایک مستقل رسالہ بزبان عربی بنام **اعدل الامور فی سماع اھل القبور**۔ بشکل مسودہ موجود ہے مگر ہنوز شائع نہیں ہوااس میں سے خلاصہ کرکے حقیقت لکھتاہوں وہ یہ ہے کہ حیات بعدالموت انبیاءوشہداء کی تواپنے اپنے درجوں کے موافق ثابت ہی ہے عام اموات کی ارواح کا زندہ ہونابھی ثابت ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ نوعیت اس حیات کی حیات ناسوتی سے مختلف ہے وہ حیات ایک دوسرے عالم کی حیات ہے اوریہ بھی ظاہر ہے کہ ایک عالم کے حالات کودوسرے عالم کے حالات پر قیاس نہیں کیاجاسکتاکہ جو شخص اس دنیوی زندگی میں ہماراکلام سنا کرتاتھاوہ بعدالموت بھی اس طرح سناکرے یہ ضروری نہیں اس کے لئے کوئی دلیل مستقل ہوناضروری ہے اور ظاہر ہے دلیل عقلی نہ کوئی اثبات پر قائم ہے نہ نفی پراب صرف دلیل نقلی رہ گئی سواس میں قرآن و حدیث کے متعدد نصوص ہیں بعض اموات کایاعام اموات کاخاص خاص حالات میں احیاء کاکلام سننے بلکہ بعض جگہ جواب دینے کابھی ثبوت موجود ہے لیکن ان سے کوئی ضابطہ کلیہ مستفاد نہیں ہوتاکہ ہر مردہ ہر شخص کلام ہروقت سن سکتاہے اس لئے سیدھاراستہ یہ ہے کہ جن مقامات میں سماع موتی کسی روایت سے

ثابت ہے اس کا اقرار کر لیا جائے اور جہاں قرآن وحدیث ساکت ہیں وہاں یہ اختیار کیا جائے نہ اثبات کرے نہ نفی ہاں کسی شخص کو بذریعہ کشف سننا معلوم ہو جائے اور وہ اس کو صحیح سمجھے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں لیکن اس سے بھی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بنتا کہ ہر میت ہر وقت ہر شخص کا کلام سن سکتا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ اس کے یقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ہم جس وقت جس میت سے جو کلام کریں گے وہ ضرور سنے گا اور ایسا عقیدہ رکھنا بے اصل اور بے بنیاد ہے جب اصل مسئلہ کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اب مسئلہ زیر بحث یعنی دعاء میں الفاظ مذکورہ کا استعمال اسی بے اصل عقیدہ پر مبنی ہے اس لئے درست نہیں ہاں اگر کسی کا عقیدہ یہ نہ ہو بلکہ اسی احتمال پر کہہ دے کہ شاید سن لیں اور دعاء کریں تو فی نفسہ مضائقہ نہیں لیکن دوسروں کے سامنے ایسے الفاظ استعمال ان کے عقیدہ کو فاسد کرے گا اس لئے احتراز کرنا چاہیئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(اضافہ)

۱۰ ربیع اولاول سن ۷۰ ہجری

فصل فی الغسل و الکفن

(غسل و کفن کا بیان)

مرنے سے پہلے غسل کر کے کفن پہن لیا اور لوگوں سے کہا کہ مجھ پر نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں

(سوال ۳۰۲) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص نہایت دیندار پابند صوم وصلوٰۃ تہجد گزار نیک صالح تھا سال کے اکثر حصہ میں روزہ دار رہتا تھا۔ البتہ یہ فعل ان سے سرزد ہوا کہ مرنے سے تین دن پہلے لوگوں کو بتلا کر قبر تیار کرا کر کفن منگا کر جنازہ منگا کر غسل[1] وضو کر کے لوگوں کو نیک کاموں کی تلقین کر کے اپنے کفن پر خود لیٹ کر کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جان دی کیا صرف اپنے آپ کو غسل نہ دینے اور نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت کرنے سے بے دین غیر مسلمان مردود وغیرہ کہہ سکتے ہیں۔؟

(۲) مذکورہ بالا مسلمان کی ہدایت پر عمل کرنے والے یعنی انہیں غسل نہ دینے اور نماز جنازہ نہ پڑھنے والے بے دین، مرتد یا ملحد ہو سکتے ہیں۔؟

(۳) ان کی قبر پر تعمیر کرنا (فاتحہ خوانی کرنا کیسا ہے۔؟)

(۴) ان کو سلطان الاولیاء قطب الاقطاب وارث نبی وغیرہ القاب سے یاد کرنا۔؟

(۵) ان کی موت کو موت اختیاری کہنا۔؟

(۶) ان کے نام سے نذر نیاز ڈبوں میں ڈالنا۔؟

---

[1] موت سے پہلے جو غسل کیا ہے وہ معتبر نہیں موت کے بعد غسل دینا ضروری ہے اور مرنے والے کی اس وصیت پر عمل نہ کیا جائے کہ مجھے غسل نہ دیں، محمد عاشق الٰہی بلند شہری

(۷)ان کے سالانہ عرس میں شرکت کرنا۔؟
(۸)انہیں ولی اللہ ماننا جائز ہے یا نہیں۔؟
(الجواب) پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ جاندار چیز خواہ انسان ہو یا دوسری قسم کے حیوانات موت کی وجہ سے نجس ہو جاتے ہیں لیکن حق تعالیٰ نے خاص مسلمان مردہ کو یہ عزت بخشی ہے کہ جب اس کو غسل دے دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے بخلاف کافر اور دوسرے جانداروں کے کہ ان کو اگر سو دفعہ بھی غسل دیں تو وہ پاک نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے اور نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ بغیر غسل دینے کے نماز جنازہ بھی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی پڑھ بھی لے تو ادا نہیں ہوتی۔

قال فی الشامی کتاب الجنائز لان الآدمی حیوان دموی فیتنجس بالموت کسائر الحیوانات وھو قول عامة المشائخ وھوالاظھر بدائع وصححه فی الکافی قلت ویؤیده اطلاق محمدؒ نجاسة غسالة وکذا قولھم لو وقع فی بئر قبل غسله نجسھا وکذا لو حمل میتاً قبل غسله وصلی به لم تصح صلاته علیه فانما یطھر بالغسل کرامة للمسلم ولذا لوکان کافراً نجس البئر ولو بعد غسله انتھیٰ۔

اس لئے اس میں شبہ نہیں کہ جس صاحب نے یہ حرکت کی ہے کہ لوگوں کو غسل اور نماز جنازہ سے روکنے کی صورت پیدا کر دی بڑی جہالت کا کام کیا اور اگر صراحۃً منع کیا تو سخت گناہ گار اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ لیکن اگر اس کے پہلے حالات شریعت مطہرہ اور سنت نبویہ کے موافق تھے اور احکام شرعیہ کا پابند تھا تو مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اس جہالت کے کام کی وجہ سے ان کو برا نہ کہیں اور معاذ اللہ مردود مرتد کہنا تو سخت گناہ ہے۔

قد نص الامام الغزالی فی الاحیاء وابن حجر فی الزواجر بانه لایجوز تحقیر احد من الاموات وان کان من الفساق فی حیاته۔

الغرض کسی مسلمان کو اگرچہ کیسا ہی فاسق بھی ہو زندگی میں بھی کافر کہنا حرام ہے، چہ جائیکہ بعد موت کہا جائے اس لئے کہ اس (۱-۲) شخص کو مردود یا غیر مسلمان کہنا جائز نہیں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کا یہ فعل نہایت برا اور سخت گناہ ہے۔
(۳)قبر پر تعمیر کرنا مطلقاً ممنوع ہے خواہ کسی کی قبر ہو **کذا فی المشکوٰة فی حدیث علی وبه قالت العلماء قاطبة**-قبر پر جا کر اگر بغیر مخصوص مروجہ بدعات کے قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ کر ثواب پہنچائے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ اور اگر مروجہ بدعات و رسوم اور تعین تاریخ وغیرہ کے ساتھ ہو تو الٹا گناہ ہے۔
(۴)جو لغزش اور شرعی خطا ان سے ہو گئی ہے اس کو تسلیم کرنے کے بعد اگر کوئی ان کو دیندار اور بزرگ سمجھے تو مضائقہ نہیں کیونکہ اتفاقاً گناہ و خطا کا سرزد ہو جانا ولایت و بزرگی کے خلاف نہیں لیکن اس گناہ کی فضول تاویلیں ہرگز نہ کرے ورنہ گناہ گار ہوگا
(۵)موت خود اختیاری کہنا بالکل ناجائز عقیدہ ہے موت کسی کی اختیاری نہیں ہوتی سب حق تعالیٰ کے قبضہ

میں ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو اختیار دیا جاتا ہے کہ غیر انبیاء کو ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

(۶) نذرونیاز سوائے حق تعالیٰ کے کسی امیر و فقیر کے نام کی جائز نہیں کذا فی البحر الرائق والشامی۔

(۷) عرس کرنا اور اس میں شریک ہونا سب بدعات و سیکڑوں منکرات و معاصی کا مجموعہ ہے مسلمان کو ان سے احتراز واجب ہے۔

(۸) جن لوگوں نے متوفی کی ہدایت کے موافق بلا غسل و نماز دفن کردیا وہ سب گناہ گار ہوئے استغفار کرنا چاہئیے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بیوی کو خاوند غسل نہیں دے سکتا

(سوال ۳۰۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر کہ کسی شخص کی زوجہ مر گئی اور شوہر موجود ہے تو بعد انتقال کے بی بی کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں اور بعد کفن پہنانے کے مسہری پر خود اٹھا کر رکھ سکتا ہے یا نہیں اور مسہری کو خود لے جاسکتا ہے اور قبر میں خود اپنے ہاتھ سے پکڑ کر رکھ سکتا ہے اور نماز جنازہ خود پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔

(الجواب) فی الدر المختار و یمنع زوجها من غسلها و مسهاو من النظر الیها علی الاصح منیة وقال الائمة الثلثة یجوز لان علیاً غسل فاطمةؓ قلنا هذا محمول علی بقاء الزوجة الخ قلت یعنی به الخصوصية. واقره الشامی. شامی صفحه ۵۷٦ باب الجنائز.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد اپنی بیوی متوفی کو غسل نہیں دے سکتا اور اس کے بدن کو بغیر حائل کے ہاتھ نہیں لگا سکتا اس کے علاوہ تمام کام یعنی کفن پہننے کے بعد مسہری پر رکھنا اور مسہری کو کندھا دینا اور قبر میں اتارنا وغیرہ سب کر سکتا ہے اور یہ اس وقت ہے کہ جب کہ غسل دینے والی موجود ہو اور اگر نہ ہو تو ایسی ضرورت کے وقت خاوند غسل بھی دے سکتا ہے۔ صرح به الشامی.

میت کا ازار لفافہ سے کم ہونا چاہئیے

(سوال ۳۰۴) میت کے کفن میں ازار و لفافہ دونوں برابر ہونی چاہئیں یا ازار لفافہ سے کچھ مقدار کم دینے سے کافی ہے ایک مولوی نے ازار کو لفافہ کی برابر دینا حرام فرمایا ہے اور حرام ہونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ازار کو لفافہ کی برابر دینا فضولیت میں سے ہے کیا مولوی صاحب کا فرمانا صحیح ہے۔ بینوا توجروا۔؟

(الجواب) ازار لفافہ سے کم ہونا چاہئیے اور لفافہ کی برابر کرنے میں اسراف ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور ازار کی مقدار سر سے قدم تک لکھی ہے۔ شامی میں ہے۔

قوله ازار الخ هومن القرون الی القدم و القمیص من اصل العنق الی القدمین بلاد

خريص و كمين واللفافة تزيد على مافوق القرن و القدم ليلف فيهما الميت و تربط من الاعلٰى والا سفل امداد الخ. (والله تعالٰى اعلم)

فصل فی الصلٰوة علی المیت
(نماز جنازہ کا بیان)

عید کے خطبہ سے پہلے نماز جنازہ پڑھی جائے

(سوال ۳۰۵) اگر عید کے وقت جنازہ آوے تو اس کی نماز خطبہ کے بعد پڑھی جاوے یا پہلے؟

(الجواب) عید کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے۔ کما قال فی الدر المختار تقدم صلاتها على صلٰوة الجنازة اذا اجتمعا لانه واجب عيناً والجنازة كفاية و تقدم صلٰوة الجنازة على الخطبة و على سنة المغرب و غيرها الخ. والله اعلم. كتبه مسعود احمد

لیکن اگر یہ خطرہ ہو کہ لوگ نماز جنازہ کے بعد منتشر ہو جاویں گے انکا خطبہ ہی رہ جائے گا تو خطبہ کے بعد نماز جنازہ ادا کی جائے۔ (واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم)

بندہ محمد شفیع

نماز عید کے وقت جنازہ آجاوے تو نماز عید مقدم کی جائے

(سوال ۳۰۶) اگر نماز عید کے وقت جنازہ بھی آجائے تو نماز جنازہ مقدم کی جائے یا عید؟

(الجواب) قال فی الدرالمختار من باب العیدین و تقدم صلوٰتها على صلٰوة الجنازة اذااجتمعا و اقره الشامی و علله بخوف التشويش على الجماعة و بمثله صرح الشامی فی الجنائز و لفظه و تقدم صلٰوة العيد على صلٰوة الجنازة الخ. عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نماز عید کو صورت مذکورہ میں مقدم کرنا چاہئیے۔

نماز جنازہ کے بعد وہیں ٹھہر کر دعاء کرنا

(سوال ۳۰۷) نماز جنازہ کے بعد جماعت کے ساتھ وہیں ٹھہر کر دعاء کرنا کیسا ہے۔

(الجواب) درست نہیں لمافی البزازیہ لا يقوم بالدعاء بعد صلٰوة الجنازة لانه دعا مرة لان اكثر هادعاء (بزازیه على هامش العالمگیریه صفحه ۹۰ ج ٤).

(واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم) بندہ محمد شفیع (اضافہ)

جس جنازہ کے ساتھ منکرات ہوں اس میں شرکت

(سوال ۳۰۸) جس جنازہ کے ساتھ ناجائز بھی کام کرنے والے ہوں اس کی نماز وغیرہ میں شرکت کا کیا حکم

ہے۔؟

(الجواب) ناجائز کاموں کو تا بمقدور روکا جائے لیکن ان کی وجہ سے نماز جنازہ نہ چھوڑی جائے۔(لمافی البزازیه)وان معها(ای الجنازة) فاتحة اور صائحة اجرت فان لم تنز جر فلاباس بالمشیٔ معها ولا یترك السنة لما اقترن به من البدعة (بزازیه علی هامش العالمگیریه صفحه ۹۰ ج ٤) (واللہ تعالیٰ اعلم) (اضافہ)

مسجد میں نماز جنازہ کی تین صورتیں

(سوال ۳۰۹) جنازہ کی نماز مسجد میں جائز ہے یا نہیں اور اگر ایسی صورت نہ ہو کہ جنازہ اور امام مسجد سے خارج ہو اور نمازی مسجد میں تو کیا یہ صورت جائز ہے۔؟

(الجواب) اگر جنازہ اور امام اور مقتدی سب مسجد کے اندر ہوں تو یہ باتفاق ناجائز ہے اور اگر جنازہ اور امام اور ایک صف مقتدیوں کی مسجد سے خارج ہو باقی مقتدی مسجد میں یہ باتفاق جائز ہے اور اگر صرف جنازہ مسجد سے خارج ہو اور مقتدی سب مسجد کے اندر ہوں اس میں اختلاف ہے حلوانی اس کو بھی مکروہ کہتے ہیں بعض فقہاء جائز کہتے ہیں۔ یہ تفصیل فتاویٰ بزازیہ میں۔ وعبارته هکذا.فی الصغریٰ یکره صلوة الجنازة فی مسجد الجماعة بکل حال وفی کراهیة الجامع الصغیر اختلف فیما اذا کان بعض القوم خارج المسجد و فی فتاویٰ النسفی صلوٰة الجنازة فی مسجد الجمعة علی ثلاثة اوجه. اذا کان الکل فی المسجد یکره بالاتفاق وان کانت الجنازة وصف خارج الجامع والباقی فیه لا یکره بالا تفاق وان کانت الجنازة وحد هافی الخارج فنتخلف فیه و الحلوائی علی اختیار الکراهته اه (بزازیه علیٰ هامش الهندیه صفحه ۸۹ ج ٤)(والله تعالی اعلم) اضافہ

فصل فی حمل الجنازة و دفنها
(جنازہ اٹھانے اور دفن کرنے کا بیان)

بہت پرانی قبروں کی جگہ نئی قبریں بنانا جائز ہے

(سوال ۳۱۰) شہر کراچی میں اہل شہر کے مسلمانوں کو میونسپل کمیٹی کی طرف سے مردوں کے دفن کرنے کو کچھ قطعہ زمین کا دیا گیا تھا اب وہ قطعہ زمین قبروں سے پر ہو گیا ہے اور میونسپل کی طرف سے اب جگہ کی بھی گنجائش نہیں ہے سوائے اس کے کہ پھر اس میں ہی مردوں کو دفن کیا جائے اب اس میں کیا ہونا چاہئیے اور یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) اس قبرستان میں جو قبریں اس قدر پرانی اور بوسیدہ ہو گئی ہوں کہ ان کے مردے عادۃً مٹی ہو گئے ہوں ان کی قبروں کی جگہ پر دوبارہ دوسرے مردوں کو پھر دفن کیا جاسکتا ہے لیکن جن قبروں ـ

مردے ہنوز مٹی نہیں ہوئے ان کو اکھاڑ کر ان میں دوسرے مردے دفن کرنا جائز نہیں حاصل یہ ہے کہ اسی قبرستان موجودہ میں مکرر مردوں کو دفن کیا جاسکتا ہے مگر اس ترتیب سے کہ جو قبریں بہت پرانی ہوچکی ہیں اول ان کی جگہ میں دفن شروع کیا جائے۔قال فی جنائز العالمگیریة ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه کذافی التبیین عالمگیری مصری صفحه ۱۵۶ ج ۱)

دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا

(سوال ۳۱۱) ایک شخص لاہور میں ملازم ہیں ان کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے بیوی نے وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے وطن ضلع جالندھر میں بعد مرگ دفن کیا جائے لیکن بعض علماء کی رائے سے مرحومہ کو لاہور ہی میں دفن کیا گیا تھا اب اس شخص کی یہ خواہش ہے کہ اس مرحومہ کی خاک استخوان کو جمع کرکے اور کسی صندوق وغیرہ میں رکھ کر اسے اپنے وطن اصلی میں لے جاکر دفن کیا جائے کیا شرعاً جائز ہے۔

(الجواب) فی العالمگیریة و یستحب للقتیل و المیت دفنه فی المکان الذی مات فی مقابر اولئك القوم وان نقل قبل الدفن الی قدر میل او میلین فلا باس کذافی الخلاصة و کذالو مات فی غیر بلده یستحب ترکه فان نقل الی مصراخر لا باس به ولا ینبغی اخراج المیت من القبر بعد ما دفن الااذا کانت الارض مغصوبة او اخذت بشفعة کذافی فتاوی قاضی خان جنائز عالمگیری مصری صفحه۱۵٦ ج اول

قاضی خان کے الفاظ مذکورہ لاینبغی سے معلوم ہوا کہ میت اگر کسی غیروطن میں مرجائے اور دفن کردیا جائے تو وہاں سے نکالنا مکروہ ہے اور پھر عبارت خلاصہ سے ثابت ہوا کہ مسافت طویلہ پر لے جانا دوسری کراہت ہے اسی لئے ایسا کرنا مناسب نہیں۔

(کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔الجواب صحیح۔محمد اعزاز علی غفرلہ)

دفن کے بعد سورہ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا درست ہے

(سوال ۳۱۲) تلقین بعد الدفن کے متعلق شامی میں بحوالہ زیلعی تین قول نقل کئے ہیں آپ کی تحقیق اس بارے میں کیا ہے علامہ شامی نے ابن عمرؓ کا فعل تو نقل ہے قوی کیا ہوگا بلکہ شامی میں یہ بھی ہے کہ فقد ثبت انه علیه السلام قرأ اول سورة البقرة عند راس المیت و آخرها عند رجلیه اگر وہ اول سورۃ ایک شخص اور آخر سورۃ دوسرا پڑھے تو جائز ہوگا یا نہیں۔؟

(الجواب) تلقین بعد الدفن کی جو صورت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نیز مرفوعاً شامی وغیرہ نے نقل کی ہے کہ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیتیں اور انتہائی آیتیں پڑھی جائیں جائز و درست اور ہمارے سب بزرگوں کا معمول و مفتی بہ ہے اس کے علاوہ جو صورتیں تلقین بعد الدفن کی رائج و مشہور ہیں ان کی کوئی قابل اعتماد سند نہیں ہے اس لئے واجب الاحتراز ہے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)(اضافہ)

۲۲ ربیع الاول ۱۳٦۳ ہجری)

فصل فی البناء علی القبور
(قبروں پر عمارت بنانے کا بیان)

مزارات کے قبوں کا حکم

(**سوال ۳۱۳**) بناء علی القبر کی ممانعت تو احادیث میں موجود ہے اور امام صاحب ابو حنیفہؒ سے بھی روایت کراہت بناء علی القبر موجود ہے غالباً امام صاحب نے نہی کو کراہت پر معمول فرمایا ہے باقی رہا قبوں اور ابنیۃ علی القبور کا گرانا تو ہم نے افواہاً سنا ہے کہ ہمارے حضرات اساتذہ کرام دیوبند یہ فرماتے ہیں کہ قبوں اور بناؤں کا بنانا تو منع آیا ہے لیکن اگر بن جائیں تو ان کے گرانے کا ثبوت کہیں نہیں آیا۔ اس پر کمترین کو شبہ ہے وہ یہ کہ شریعت کے قواعد اور امثلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کام ناجائز وقوع میں آئے تو حتی الامکان اس کا ازالہ کرنا چاہئیے دیوبند یہ کی اس میں کیا رائے ہے اور خصوصاً حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی رائے اگر معلوم ہو تو اس سے بھی مطلع فرمادیں۔

(**الجواب**) مزارات پر قبے وغیرہ بنانا جس طرح ابتداً ناجائز ہے اسی طرح ان کا ابقاء بھی ناجائز ہے بشرطیکہ ازالہ وانہدام قدرت میں ہو یہ افواہ جو آپ نے سنی ہے کہ حضرات دیوبند بناء کو تو ناجائز کہتے ہیں مگر ابقاء کو ناجائز نہیں کہتے صحیح نہیں ہاں اس کی اتنی اصل ضرورت ہے کہ ہمارے حضرات اکابر عموماً اور حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب خصوصاً حسب قواعد فقہیہ اس حکم کو بھی شرط قدرت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ اگر ہدم قبہ جات کی قدرت ہو تو ہدم کر دیا جائے اور قدرت نہ ہو تو ہدم کر کے فتنہ برپاء کرنا مناسب نہیں اور ظاہر ہے کہ قدرت کے معنی ہیں کہ اس فعل کے کرنے سے کوئی شدید فتنہ مسلمانوں میں برپا نہ ہو جائے زمانہ قریب میں ابن سعود نے جو حجاز میں قبہ جات گرائے ان کا گرانا بھی اسی مصلحت شرعیہ کے ماتحت ہمارے اکابر نے پسند نہیں کیا کہ ایک ذرا سی منکر کے ازالہ کے لئے سیکڑوں منکرات میں تمام عالم اسلام مبتلا ہو گیا تمام دنیا کے مسلمانوں میں باہمی فتنہ واختلاف اور جنگ وجدل پھیل گیا ان فتن کی وجہ سے ہمارے اکابر کی رائے یہ ہے کہ **اذا بتلی المرء ببلیتین فلیختر اھونھم** پر عمل کیا جائے اور جب مسلمانوں میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو قبے وغیرہ باقی چھوڑنے کو بہ نسبت گرانے کے ترجیح ہے۔

الغرض یہ امر ایک خاص تفقہ کی بناء پر ہے جو اصول فقہیہ سے ثابت ہے نفس مسئلہ میں ہمارے حضرات کو کوئی خلاف نہیں اور یہ بعینہ ایسا ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے بناء کعبہ کو جو قریش نے بناء ابراہیمی کے خلاف قائم کر دی تھی باوجود دلی تمنا کے منہدم نہیں فرمایا کہ باعث مفسدہ تھا یہ چیزیں ہیں جس پر اہل علم کو غور کرنا چاہئے۔ محض چند روایات کو سامنے رکھ کر فتویٰ جاری نہیں کرنا چاہئے۔ فقہا کا قول ہے کہ **من لم یدر بعرف اھل الزمانۃ فھو جاھل** اسی قسم کے مسائل کی نظائر الاشباہ والنظائر میں بکثرت مل سکتی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

کتاب الزکوٰۃ
باب زکوٰۃ مال التجارۃ
(مال تجارت کی زکوٰۃ)

جو مکان تجارت کے لئے نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں

(سوال ۳۱۴) کسی کی ملک میں اپنی ضرورت سے زیادہ ایک مکان ہے دو ہزار روپیہ قیمت کا اس کا کرایہ ساٹھ روپیہ سالانہ ہے تو ساٹھ روپیہ کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا قیمت کی۔ اور جب کہ مکان خالی ہو یا کوئی رشتہ دار مفت سکونت اختیار کرے تو کیا حکم ہے۔

(الجواب) ایسے مکان کی مالیت پر زکوٰۃ نہیں آئے گی بلکہ آمدنی وغیرہ پر بشرطیکہ اس پر سال بھر گزر جائے اور وہ تنہا یا دوسرے اموال کے ساتھ مل کر مقدار نصاب ہو جائے۔ كذاذكره الشامى فى ردالمحتار و فى الخلاصة الفصل السابع من الزكوٰة صفحه ۲۴۰ جلد اول. ولو اشترى جارية او عبداً للتجارة فأجره يخرج من ان يكون للتجارة و كذافى الدار لو اجرها وقال قبله باسطرر جل اشترى جو القا بعشرة الاف درهم ليو اجرمن الناس فحال عليه الحول لازكوٰة عليه الخ.

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

جو مکان کرائے کے لئے بنایا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

(سوال ۳۱۵) ایک شخص نے اصلی وطن سے باہر رہتا ہے اس شخص کا مکان اپنے اصلی وطن میں ہے جو نصاب کو پہنچتا ہے اور یہ شخص دوسری جگہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے اور اپنا مکان بھی کرایہ پر دے رکھا ہے لیکن خود جو کرایہ ادا کرتا ہے وہ اپنے مکان کے کرایہ سے کہیں زیادہ ہے اور سوائے اس مکان کے اس کے پاس کوئی چیز ایسی نہیں جو نصاب کو پہنچے یہ شخص مستحق زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ ؟

(الجواب) قال فى الدرالمختار ولا فى ثياب البدن الى قوله و دور السكنى و اقره الشامى و مثله فى العالمگيرية. وفى الخلاصة عن مجموع النوازل رجل اشترى جو القاً بعشرة الاف درهم ليواجر من الناس فحال عليها الحول لا زكوٰة عليه الى قوله و كذا الجواب فى اهل المكارين و حمرالمكا رين ثم قال ولو اشترى جاريةً او عبداً للتجارة فاجره يخرج من ان يكون للتجارة و كذافى الدار لو اجرها انتهٰى خلاصة الفتاوىٰ صفحه ۲۴۰ ج اول

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ سکونت کے مکان کو اگر کرایہ پر بھی دیا جائے جب بھی مکان پر زکوٰۃ نہیں آتی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب زکوٰۃ النقدین
(سونے چاندی کی زکوٰۃ)

قرض دیئے ہوئے روپے پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی

(سوال ۳۱٦) ایک دکان میں دوکان کا مال و نقد روپیہ لے کر پانچ ہزار ہے اور قرض میں ایک ہزار ہے اس میں سے کچھ وصول ہوگا اور کچھ نہیں اور نہ معلوم کتنے عرصہ میں وصول ہوگا آیا جو مال اور روپیہ دوکان میں موجود ہے صرف اس کی زکوٰۃ دی جائے یا قرض کی بھی زکوٰۃ دی جائے۔؟

(الجواب) جو قرض لوگوں کے ذمہ واجب ہے اگر قرضدار قرض کا اقرار کرتا ہے اور دینے کا وعدہ کرتا ہے یا آپ کے پاس کوئی ایسی حجت موجود ہے جس کے ذریعہ آپ عدالت سے وصول کر سکیں اس مال کی زکوٰۃ آپ کے ذمہ واجب ہے اور اگر ایسا نہیں تو واجب نہیں اور پہلی صورت اس مال کی زکوٰۃ کا ادا کرنا آپ کے ذمہ اسی وقت واجب ہوگا جب یہ مال آپ کو مل جائے گا مثلاً پانسو روپیہ کسی کے ذمہ ہے اور اس نے تین سال کے بعد آپ کو ادا کیا ہے تو ان تین سال کے دوران میں آپ کے ذمہ ان پانچ سو کی زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا البتہ جب تین سال کے بعد یہ روپیہ آپ کے ہاتھ آیا تو گزشتہ تین سال کی پوری زکوٰۃ اس وقت ادا کرنا واجب ہوگا۔

لمافی الدر المختار ولو کان الدین علی مقر ملی او مفلس الی قوله فوصل الی ملکه فعلیه زکوٰۃ مامضی انتهٰی وهذا هو المختار عند اکثر الفقهاء و اختاره الشامی صفحه ۱ جلد ۲۔

واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً-- (سوال ۳۱۷) ایک شخص کے پاس پانچ سو روپیہ قرض ہے معلوم نہیں کہ کب وصول ہو یا نہ ہو اس روپیہ کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں۔

(الجواب) اس سوال کا جواب بھی پہلے نمبر سے ظاہر ہو چکا۔ (یکم ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری)

دین مہر مانع زکوٰۃ نہیں

(سوال ۳۱۸) ایک شخص ایک ہزار روپیہ کے سرمایہ کا مالک ہے یہ روپیہ اس نے کاروبار میں لگا رکھا ہے علاوہ ازیں اس کے ذمہ سو روپیہ ایک شخص کے قرض ہیں اور مبلغ پانچ سو کا دین دار مہر اپنی زوجہ کا ہے اس صورت میں زکوٰۃ سالانہ کیا دیوے۔؟

(الجواب) دین مہر ہمارے ملک میں مانع زکوٰۃ نہیں-البتہ جو سو روپیہ کسی دوسرے کے اس کے ذمہ ہیں اس کی قدر نصاب زکوٰۃ میں سے کمی کر دی جائے گی یعنی منجملہ ایک ہزار کے نو سو روپیہ کی زکوٰۃ بائیس ادا کرنا اس کے ذمہ ہوگا۔ **لمافی العالمگیریة ذکر البردوی فی شرح الجامع الکبیر قال مشائخنا فی رجل علیه مهر مؤجل لامراته وهولا یرید ادائه لا یجعل مانعًا من الزکوٰۃ لعدم المطالبة فی العادة وانه حسن ایضًا هکذافی جواهر الفتاوٰی عالمگیری مصری صفحه ۱٦۲ ج ۱** ۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

نوٹ سے زکوٰۃ ادا کرنا اور اس کی ایک شرط

(سوال ۳۱۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) نوٹ سے زکوٰۃ اس وقت ادا نہیں ہو گی کیونکہ نوٹ خود مال نہیں بلکہ مال کی رسید ہے جیسے بینک کا چیک ہوتا ہے جس طرح کسی کو بینک کا چیک دینے سے زکوٰۃ بالفعل ادا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ اس چیک کا روپیہ بینک سے وصول نہ کرلے اس طرح نوٹ دینے سے زکوٰۃ اس وقت تک اداء نہ ہو گی جب تک وہ فقیر اس نوٹ کا نقد روپیہ یا کوئی چیز نہ خرید لے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) ۲۲ ربیع الاول سن ۶۳ ہجری (اضافہ)

باب صدقة الفطر

(صدقہ فطر کا بیان)

وزن صاع کی تحقیق

(سوال ۳۲۰) صاع کا کیا وزن ہے فتاوی رشیدیہ صفحہ ۱۱۵ ج دوم سے ڈیڑھ سیر ظاہر ہے مگر سہارن پور ۸۰ روپیہ یا اس سے زائد ہے یہ بھی تحریر فرمائیں اور فتاوی رشیدیہ صفحہ ۹۲ ج دوم سے مد ایک لپ بھر کر ہے اور چار مد کا ایک صاع اور دو مد قریب سوا سیر کے ہوتا ہے اور علم الفقہ حصہ اول سے قریب ڈیڑھ سیر اور ارکان اربعہ صفحہ ۱۹۵ سے صاع تین سیر تین کنوہ اور مالابد منہ صفحہ ۱۱۱ نصف سیر بارہ کنوہ چار روپیہ بھر اور اخبار الجمعیۃ یوم سہ شنبہ یکم شوال ۵۰ ہجری سے احتیاطاً پونے دو سیر، یہ اقوال بظاہر مختلف ہیں بظاہر علامہ شامی کا قول مفتی بہ معلوم ہوتا ہے اور اسی کو مولانا عبدالشکور صاحب نے لیا ہے القصہ وزن صاع صاف طور پر تحریر فرمائیں۔؟

(الجواب) علامہ شامی نے جو وزن صاع کا لکھا ہے اس حساب سے وزن پورے صاع کا تقریباً ساڑھے تین سیر ہوتا ہے اور نصف صاع پونے دو سیر بوزن انگریزی یعنی ۸۰ تولہ کے سیر سے ہوتا ہے یہی مفتی بہ ہے اور سہارن پور میں ۸۶ روپیہ بھر کا سیر ہے اور دیوبند میں ۸۸ کا ہے اس لئے اہل دیوبند ایک سیر دس چھٹانک کے حساب سے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

باب فی الصدقات الواجبة و النفلية

(واجب اور نفلی صدقات کے احکام)

فقراء مسلمین کے لئے چندہ کرنے کی ایک خاص صورت

(سوال ۳۲۱) ماقولكم عمد الدين فی قرم لما راؤن فقراء هم لا يتزوجون الابعد مضی حصة

من اعمارهم بعد البلوغ بل بعضهم يموتون ولا تيسير لهم الزواج الى الموت و فيها من المفاسد مالا يخفى وماذلك الا لقلة ذات ايديهم فلا برعقلائهم فى بيت عقد النكاح طعام قبل العقد بيوم سواء كان فقيرا او غنيا ويد عواقرا بانه لينا كلوا فيعينوه شئى من الدر اهم على الاقل يدفع كل واحد ربية واحدة ولا غاية لاكثر فيستعين الرجل بها فى دفع المهر وفى الوليمة واشتراء الثياب واثاث البيت فيتحفظ من الديون وما فيها من المفاسد ولا يعاب الفقير لاخذالدر اهم لان الامير ايضا ياخذ فهل هذا البدعة حسنة ام سيئة وهل ثياب المدبرون ام لا. وهل يجوز لاحدان ينكر على هذا العمل ام لا. افتونا فقهكم الله فى الدين.؟

(الجواب) هذا العمل فى نفسه اعانة للفقراء من المسلمين ولا شك فى جوازه و استحسانه الا ان فى زماننا هذا ممنوعة امثال هذاالاعمال تنتهى الى الا بتداع والجبر فى التبرع والعطاللرياء والسمعة الى غير ذلك من المحرمات الشرعية فان خلا هذا العمل من امثال هذه المعاصى و احتماله القوى فلا شبهة فى جوازه و، استحسانه والا فالترك اولى لما عرف من القواعد الفقهيه ان دفع المضرة مقدم من جلب المنفعة. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

اشباع الكلام فى مصرف الصدقة من المال الحرام
(یعنی مال حرام سے صدقہ کرنے کی مفصل تحقیق)

(سوال ۳۲۲) مال حرام یا ارباح فاسدہ اگر کسی مسلمان کے پاس جمع ہو جاویں اور ارباب اموال کو ان کے حقوق پہنچانا اور واپس کرنا متعذر ہو تو اس صورت میں مال خبیث سے بری الذمہ ہونے کے لئے حضرات فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اس کو صدقہ کردیا جاوے اس میں سوال یہ ہے کہ اس کا مصرف صرف عام صدقات واجبہ کی طرح فقراء و مساکین ہی ہوں گے اور تملیک ان کی ضروری ہوگی یا یہ بھی کافی ہے کہ بناء مدارس یا دیگر اوقاف وغیرہ میں جو مصالح مسلمین سے متعلق ہیں اور عام مبرات میں صرف کردیا جاوے۔؟

(۲) مال حرام جو فقراء کو دیا جائے فقراء کے لئے اس کا لینا اور استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو یہ حرام ان کے لئے حلال کیسے ہوگا۔

(۳) اور ایسے اموال کا صدقہ ماں، باپ اور اولاد اور بیوی پر بھی کر سکتا ہے یا زکوٰۃ کی طرح اجنبی پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔

(الجواب) تملیک فقراء و مساکین ضروری ہے، بناء مدارس و دیگر اوقاف و مبرات میں صرف کرنا ان اموال کا جائز نہیں اور دلیل اس کی عبارت ذیل میں ہے۔

(۱) اس قسم کے اموال میں فقہاء کی عبارات دو طرح پر منقول ہیں بعض میں تصدق به یا وجب علیه التصدق ہے اور بعض میں تصدق على الفقراء و المساكين کی تصریح ہے۔ اوقاف و مبرات پر خرچ

کرنا کہیں منقول نہیں۔ قال فی البزازیه، فیرده علی اربابها ان علمو اوالا تصدق به علی الفقراء (علی هامش الهندیه صفحه ۳۵۵ ج ٦) وفی کراهیه الهندیه ان تصدق به علی ابیه یکفیه ولا یشترط التصدق علی الاجنبی (عالمگیری صفحه ۳۸۵ ج ۵)

(۴) لفظ صدقہ و تصدق جب مطلق بولا جاتا ہے تو عرف فقہاء میں وہ واجب التملیک ہوتا ہے اور مصرف اس کا فقراء ہیں بناء مدارس وغیرہ اس میں داخل نہیں ہوتی۔ کما قال الجصاص فی احکام القران تحت قوله تعالٰی. وفی الرقاب و عتق الرقبة لا تسمی صدقةً وما اعطی فی ثمن الرقبه فلیس بصدقة (الٰی قوله) وایضاً فان الصدقة تقتضی تملیکًا و العبد لم یملك شیئاً بالعتق (ثم قال) اذشرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق علیه (احکام القرآن صفحه ۱٥٤ ج ۳) و فی فتح القدیر تحت قول الهدایة لا یبنی بها مسجد ولا یکفن بها میت لانعدام التملیك وهو الرکن اه. مانصه فان الله تعالٰی سماها (ای الزکوٰة) صدقة و حقیقة الصدقة تملیك المال من الفقیر وهذا فی البناء ظاهر وکذا التکفین لانه لیس تملیکا للکفن من المیت ولا الورثة (فتح صفحه ۲۰ ج ۲) وفی المغرب تصدق علی المساکین اعطاهم الصدقة. وهی العطیة اللتی بها یتبغی المثوبة من الله تعالٰی واما الحدیث ان الله تعالٰی تصدق علیکم بثلث اموالکم فان صح کان مجازًا عن التفضل اه (صفحه ۲۹۹ ج ۱) وفی البدائع و قدامر الله تعالٰی الملاك بایتاء الزکوٰة لقوله تعالٰی واتوا الزکوٰة والایتاء هو التملیك ولذا سمی الله تعالٰی الزکوٰة صدقة بقوله عزوجل انما الصدقات للفقراء الأیة والتصدق تملیك (الٰی قوله) ولهذا یخرج صرف الزکوٰة الی وجوه البرمن بناء المساجد و الرباطات و السقایات الخ (بدائع صفحه ۳٦ ج ۲) وقال ابوعبید فی الاموال. فاما قضاء الدین عن المیت و العطیة فی کفنه و بنیان المساجد واحتفار الانهار وما اشبهه ذلك من انواع البرفان سفیان واهل العراق وغیرهم من العلماء مجمعون علی ان ذلك لا یجزی من الزکوٰة لانه لیس من الاصناف الثمانیه (کتاب الاموال صفحه ٦۱۰جلد۲) وفیه قبل ذلك نقلاً عن الموفق ومال انس والحسن ما اعطیت فی الجسور والطرق فهی صدقة ماضیة والاول اصح لقوله تعالٰی انما الصدقات للفقراء والمساکین وانما للحصر. وللخبر المشهور اه اشارة الی مارواه ابوداؤد عن زیاد بن الحارث الصدائی قال اتیت النبی صلی الله علیه وسلم فبایعته فجاء رجل فقال اعطنی من الصدقة فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله لم یرض بحکم نبی ولا غیره فی الصدقات حتی حکم فیها فجزاها ثمانیة اجزاء فان کنت من تلك الاجزاء اعطیتك اه کتاب الاموال صفحه ۵۲۷ جلد ۲.

قلت وقول الحسنؒ وانسؓ صدقة ماضیة یحتمل الصدقة الجاریة الموقوفة بل هو اقرب تصریحة بالماضیة فلا اشکال. وفی اول وقف الشامی. وقال ان قدم ولدی فعلی ان اجعل هذه الدار للسبیل وحینئذٍ فان اراده بالسبیل الصدقه کانت کذٰلك وقد ذکر حکمها

بقوله فيتصدق او بثمنها وان اراد الوقف كان متعارفًا كانت وقفا (شامی صفحه ٤٩٦ ج ٣) قلت فيه جعل الوقف قسيمًا و مقابلاً للصدقة وان حكم الصدقة تمليك الفقير وان هذا الحكم غير مختص بالزكوٰة بل يعم كل صدقة واجبة كالنذر وغيره. وفى الثانى عشر من هبة العالمگيرية فى الصدقة. ولو قال ارضى هذه، صدقه واشار اليها ولم يجد دها تصير صدقةً لان الارض بالا شارة صارت معلومة وكذالك لوحددها (الٰى قوله) وتكون هذا صدقة التمليك لا. صدقة موقوفة كذافى محيط السرخسى (عالمگيريه صفحه ٤١٦ ج ٢) قلت فيه ان الصدقة اذا طلقت كانت صدقة التمليك وفى هبة الدر المختار و الصدقة كالهبة يجامع التبرع وحينئذ لاتصح غير مقبوضة ولا فى مشاع يقسم. (شامی صفحه ٧١٨، ج ٤)

اصل عبارت مذکورہ یہ ہے

کہ لفظ صدقہ جب مطلق بولا جائے اس کے ساتھ جاریہ یاموقوفہ وغیرہ الفاظ نہ ہوں تو عرف شرع میں وہ محض صدقہ تملیک پر محمول ہوتا ہے اور مصرف اس کا فقراء و مساکین ہوتے ہیں، بناء مدارس وغیرہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔

(۳) مال حرام وربح خبیث کو صدقہ کرنے کا حکم ایک خاص اصل پر مبنی ہے وہ یہ کہ جن اموال کے مالک معلوم نہ ہوں یاان تک پہنچانامتعذر ہووہ بحکم لقطہ ہوجاتے ہیں اور حکم لقطہ کا یہی ہے کہ جب مالک کے ملنے سے مایوسی ہوجائے تومالک کی طرف سے اس کا صدقہ کردیا جاوے مال حرام کی مالک جب معلوم نہ ہوں یا ان کو پہنچانامتعذر ہوتو اس مال کا صدقہ کرنا بھی بحکم لقطہ مالک اموال کی طرف سے ہوگا اسی وجہ سے اس کا صدقہ کہنا صحیح ہوا۔ اوراسی وجہ سے فقراء کے لئے اس کالینا حلال ہوا ورنہ حرام مال کا کھانا جیسا اس کے لئے حرام تھا فقراء کے لئے بھی حرام ہوتا۔ کیونکہ فقراء کے پاس یہ مال منجانب مالک گیا ہے نہ کہ منجانب کاسب حرام۔ عبارات ذیل اس پر شاہد ہیں۔

فى العشرين من بيوع الهندية صفحه ٢٧٥ مصرى ج ٣. وانما طاب للمساكين على قياس اللقطه وفى الخامس عشر من كراهية الهنديه صفحه ٣٨٥ ج ٥. والسبيل فى الموصى ردها وذلك ههنا برد الماخوذ ان تمكن من رده بان عرف صاحبه و بالتصدق به ان لم يعرفه ليصل اليه نفع ماله ان كان لا يصل اليه عين ماله اه. واورد صاحب الدر المختار هذه المسئلة فى كتاب اللقطه حيث قال عليه ديون و مظالم جهل اربابها وايس من عليه من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جميع ماله اه.

اور لقطہ کا مصرف حسب تصریحات فقہاء فقراء و مساکین ہیں، بناء مدارس اور عام مصالح مسلمین نہیں. كما فى زكوٰة ردالمختار نقلاً عن الهداية فى بيان الاقسام الاربعة لبيت المال. و نصه. فان الذين فى الهدايه و عامة الكتب ان الذى يصرف فى مصالح المسلمين هو الثالث (يعنى

الخراج و العشور) کما مر واما الرابع (یعنی الضوائع و اللقط) فمصرفه المشهور وهو اللقیط الفقیر و الفقراء الذین لااولیاء لهم. (الی قوله) وحاصله ان مصرفه العاجزون الفقراء (شامی صفحه ۷۹ ج ۲)

الغرض اربّاح فاسدہ اور اموال حرام جو واجب التصدق ہیں ان کا مصرف لقطہ کی طرح فقراء و مساکین ہیں بناء مدارس ورباطات اور مصالح مسلمین میں ان کا خرچ کرنا جائز نہیں۔

(۳،۲) تصریحات مندرجہ نمبر ا میں واضح ہو گیا کہ مال حرام جس کا صدقہ کرنا واجب قرار دیا جاتا ہے وہ ہر مال حرام نہیں بلکہ صرف وہ مال حرام ہے جس کے مالک نامعلوم یا لاپتہ ہونے کی وجہ سے مالک کو واپس نہیں کیا جا سکتا نیز یہ کہ یہ مال ایسی صورت میں بحکم لقطہ ہو جاتا ہے اور اصل مالک کی طرف سے صدقہ کیا جاتا ہے اس لئے فقراء کو اس کا لینا جائز ہے ان کے لئے یہ مال حرام نہیں اور اسی بناء پر ایسے اموال کا صدقہ اپنے ماں باپ اور اولاد اور بیوی پر بھی کر سکتا ہے کیونکہ وہ اس کا صدقہ نہیں بلکہ اصل مالک کا ہے **کمافی عبارة الهندیه نمبر۱ . والله تعالی اعلم**

باب مصارف الزکوٰة و صدقة الفطر وغیرها
(زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کے مصارف)

مدزکوٰۃ سے مدرسین کو تنخواہیں دینا

(سوال **۳۲۳**) مدرسین وملازمین مدرسہ کو تنخواہ زکوٰۃ سے دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس سوال کے دو جواب لکھے ہوئے ہیں (آئے تھے) ایک جواز کا دوسرا عدم جواز کا۔ اس پر یہاں سے جواب ذیل لکھا گیا ہے۔

جواب ثانی صحیح ہے اور جواب اول ازروئے فقہ غلط ہونے کے علاوہ غلط استدلالات پر مشتمل ہے قاضی وحاکم کو جو حضرت ﷺ نے اجرت دینے کا ارشاد فرمایا اور طبری وغیرہ سے اس کا جواز لکھا گیا ہے اس کا جواز تو مسلم ہے مگر اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ ان کو تنخواہیں مدزکوٰۃ سے دی جاتی تھیں البتہ عاملین صدقات کو مدزکوٰۃ سے روپیہ دیا جانا قرآن کریم میں منصوص ہے مگر آج کل عاملین صدقات کی صورت ہندوستان میں نہ موجود ہے اور نہ دارالحرب ہوتے ہوئے ہو سکتی ہے۔

---

۱ وفيه من متفرقات الغصب سئل يوسف بن محمد عن غاصب ندم على ما فعل واراد ان يرد المال الى صاحبه دفع الياس عن دجرد صاحبه فتصدق بهذا العين يجوز للفقير ان ينتفع بهذا العين فقال لايجوز ان يقبله ولا يجوز له الانتفاع وانما يجب عليه رده الى من دفعه اليه قال انما اجاب بهذا الجواب زجرا كيلا يتساهلوا فى اموال الناس اما لوسلك الطريق فى معرفة المالك فلم يجد فحكمه حكم اللقطه . كذا فى التتارخانية (عالمگيرى صفحه۱۷۵ ج ۵ مصرى

مال زکوٰۃ ملازمین مدرسہ و مسجد کی تنخواہوں پر خرچ کرنا

(سوال ۳۲۴) بخدمت علمائے کرام باادب گزارش ہے کہ مسائل ذیل کا شرعی فتویٰ صادر فرماکر ممنون فرماویں کیونکہ اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے چنانچہ دو قطعہ نقول ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔
محررہ جناب مولانا سید مبارک علی صاحب، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۱) ایسا مدرسہ جو عام مسلمانوں کے لئے جاری کیا گیا ہو اس مدرسہ کی امداد مد زکوٰۃ سے درست ہے یا نہیں۔ یعنی اس کے مدرسین کو مد زکوٰۃ سے تنخواہ دینے کا کیا حکم ہے۔؟

(۲) مدرسہ کے لئے محض دینی تعلیم کی شرط ہے یا نہیں۔ یا ہر ایک مدرسہ جو کسی علم یا کسی زبان کی تعلیم دیتا ہو؟ عموما

(۳) مدرسین کے علاوہ دیگر ملازمین جو اسی مدرسہ میں اسی غرض کے لئے رکھے گئے ہوں ان کی تنخواہ بھی مد زکوٰۃ سے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو وجہ فرق تحریر فرمائی جاوے۔

(۴) ان مدرسین یا ملازمین میں غناء شرط ہے یا نہیں؟

(۵) تنخواہ کے تعین سے جواب میں کوئی فرق پڑتا ہے یا نہیں؟

(۶) مساجد میں جو تیل اہل محلہ وغیرہ سے آتا ہے اور بالخصوص وہ مساجد جن میں بجلی لگی ہوتی ہے اور تیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیا یہ تیل ازروئے شرع شریف امام مسجد اپنے اخراجات خانگی میں لا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

(نوٹ) بیت المال کی تعریف اور امام کی تعریف جو ایسی حالت میں قابل عمل ہو سکے جہاں کوئی اسلامی حکومت نہ ہو اور عامہ مسلمین ہر کہ ومہ کا متفق ہونا متعذر ہو (السائل ایک حنفی مسلمان بذریعہ نائب مہتمم انجمن نعمانیہ لاہور)

(الجواب) درست ہے لقول الله تعالى والعاملين عليها وجہ استدلال یہ ہے کہ آیت انما الصدقت مجملہ اصناف ہشتگانہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے عاملین صدقات کو مصرف صدقہ ٹھہرایا ہے اور اس کا سبب سوا اس کے کوئی نہیں کہ ان عاملین نے ایک کام کو جو مصالح مسلمین سے ہے انجام دیا ہے لیکن حکومت کے دیگر عاملین کو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر مصرف صدقہ نہیں ٹھہرایا ہے لیکن روایات حدیثیہ سے یہ ثابت ہے کہ عہد نبوت میں جو اشخاص اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے تھے ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کاموں کی اجرت عنایت فرماتے تھے ابو داؤد میں بریدہؓ سے مرفوعاً یہ مروی ہے من استعملناه على عمل فرزقنا رزقًا فما اخذ بعد ذلك فهو غلول پس بقاعدہ السنته قاضيته على الكتاب حکومت کے دیگر عاملین مثل قضاۃ وغیرہ بوجہ اشتراک حکم سعاۃ میں داخل ہیں اس کے علاوہ عہد خلفائے راشدین میں بھی دیگر عاملین کی اجرت بلکہ خود حاکم کی اجرت مال مسلمین سے دیا جانا ثابت ہے اور انہیں وجوہ سے سلف وخلف کی ایک بڑی جماعت اس جانب گئی ہے عمدۃ القاری میں ہے۔ قال الطبری ذهب الجمهور الى جواز اخذ القاضى الاجرة على الحكم لكونه يشتغله الحكم من القيام بمصالحه الخ اور حافظ ابن

حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: واحتج ابو عبیدة فی جواز ذلك بما فرض الله العاملین علی الصدقة جعل لهم منها حقا لقیا مهم وسعیهم الی قوله وقال ابن المنذر حدیث ابن السعدی حجة فی جواز ارزاق القضاة من وجوهها الخ اس کے علاوہ شروح بخاری میں اس قسم کے اقوال کثرت سے منقول ہیں اہل علم خود ملاحظہ فرمالیں اور علامہ علی قاری مرقاۃ میں ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں وفیه جواز اخذ العوض من بیت المال علی العمل العام وان کان فرضا کالقضاء و الحسبة و التدریس بل یجب علی الام کفایة هٰولاء ومن فی معناهم فی بیت المال. اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی عمدۃ الرعایۃ میں لکھتے ہیں: وکل من فرغ نفسه بعمل من امور المسلمین یستحق علی ذلك رزقا کالقاضی الخ.

پس ایسا مدرسہ جو مصالح مسلمین پر مشتمل ہے اس کے مدرسین کو مدزکوۃ سے تنخواہ دینا کیوں درست نہیں ہے ساتھ اس کے زمانہ میں قیام مدرسہ کی جو ضرورت ہے وہ ظاہر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مدارس کے عدم قیام سے علم کے مرتفع ہوجانے کا خوف واندیشہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ مدارس کی امداد مدزکوۃ سے نہ ہوگی کوئی مدرسہ چل نہیں سکتاہاں اس مسئلہ کے متعلق دوباتوں کا حل بھی ضروری ہے۔

اول یہ کہ مدرسین کو مدزکوۃ سے تنخواہ دینا کس حالت میں درست ہے غنااور افلاس دونوں حالت میں یاصرف افلاس کی صورت میں دوم یہ کہ تنخواہ کا تعین ہویاقوم اپنی تجویز سے بلاتعین دیا کرے۔ پہلی بات کاجواب یہ ہے کہ جب عاملین صدقات کے ساتھ دیگر عاملین ملحق ہیں توجو حکم عاملین صدقات کا ہوگا وہی حکم ملحق کابھی ہوگااور عاملین صدقات کو اجرت لینادرصورت ان کے غنی ہونے کے بھی درست ہے۔ موطاامام مالکؒ میں ہے۔

مالك عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة لغازفی سبیل الله او لعامل علیها اوغارم اولرجل اشتراها بماله الرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المساکین فاهدٰها المسکین للغنی الخ. اگرچہ یہ روایت مرسل ہے لیکن ابوداؤد وغیرہ نے اس کو موصولا بیان کیا ہے زرقانی میں ہے مرسل وصله احمد و ابو داؤد و ابن ماجة و الحاکم من طریق معمر بن زید ابن اسلم عن عطاء عن ابی سعید الخدریؓ اور نیل الاوطار میں ہے- ولکنه رواه الاکثر عنه عن ابی سعید و الرفع زیادة یتعین الاخذبها الخ اور جناب شاہ ولی اللہ صاحب مسوّیٰ لکھتے ہیں والعامل له مثل عمله سواء کان فقیرا او غنیا و علیه اهل العلم الخ۔ پس مدرسین کا تنخواہ لینامد زکوۃ سے درصورت ان کے غنی ہونے کے بھی درست ہے۔ دوسری بات کاجواب یہ ہے کہ تنخواہ معین اور غیر معین دونوں طرح پر درست ہے اگر معین کر کے دی جاوے تو بھی مضائقہ نہیں ہے جیساکہ واقعہ تنخواہ حضرت ابوبکرؓ سے ثابت ہے۔ تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے۔ اخرج ابن سعد عن میمون قال لما استخلف ابوبکرؓ جعلو اله الفین فقال زید والی فان لی

عیالاً وقد شغلتمونی عن التجارۃ فزادوہ خمس مائۃ الخ. واللہ تعالٰی اعلم بالصواب.

جواب استفتاء مشمولہ

مال زکوٰۃ کے مصارف صراحتاً قرآن شریف میں مذکور ہیں انما الصدقات للفقراء و المساکین الایۃ اور نیز تملیک بھی زکوٰۃ میں شرط ہے اس لئے فقہاء لکھتے ہیں مال زکوٰۃ سے مالک خود بھی مسجد وغیرہ نہیں بنا سکتا یعنی جن چیزوں میں تملیک نہیں یعنی مالک نہیں بن سکتے ان پر مال زکوٰۃ خرچ کرنا ناجائز ہے۔ ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات الخ. عالمگیری صفحہ ۲۰۰ جلد اول۔ اسی طرح مدارس اسلامیہ وغیرہ ہیں ان پر بھی مال زکوٰۃ خرچ کرنا ناجائز ہے وکل مالا تملیک فیہ عالمگیری صفحہ ۲۰۰ ج ۱۔ یعنی جس چیز میں تملیک نہیں وہ مد زکوٰۃ نہیں البتہ متولی و متصرف مدرسہ زکوٰۃ لے کر بطور وکالت مدرسہ میں مساکین پر خرچ کر سکتا ہے مگر مساکین کو مالک بناء کر جو شرط زکوٰۃ ہے اور مدرسین و ملازمین اگر اغنیاء نہ ہوں تو زکوٰۃ لے سکتے ہیں ورنہ نہیں. ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی الغنی لماعن ابی ھریرۃ قال اخبرنی رجلان انھما اتیاالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی حجۃ الوداع وھو یقسم الصدقۃ فسئلاہ عنھما فرفع فینا النظر و خفضہ فرٰانا جلدین فقال ان شئتکما اعطیتکما ولا حظ فیھما لغنی ولا لقوی مکتسب رواہ ابوداؤد۔ رسائل ارکان صفحہ ۱۸۹ البتہ اگر بیت المال ہو تو اس سے مدرسین ملازمین لے سکتے ہیں۔

(۲) اگرچہ دینیات کے مدرسہ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں متولی لے کر مساکین کو دے سکتا ہے مدرسہ کے طلباء پر بطریق تملیک خرچ کر سکتا ہے اور مدرسین و ملازمین اغنیاء کو نہیں دے سکتا اگر اغنیا نہ ہوں تو لے سکتے ہیں چونکہ مصارف زکوٰۃ خود قرآن شریف میں صراحتاً موجود ہیں اس لئے تاویل کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ملازمین مدرسہ چاہے غنی ہوں یا فقیر وہ اراکین انجمن سے زکوٰۃ کا پیسہ نہیں لے سکتے کیونکہ تنخواہ کارکردگی کا عوض ہوتا ہے اور صدقات میں عوض مقصود نہیں ہوتا۔ خالص بوجہ اللہ مالک کا مقصود ہوتا ہے لہذا کوئی ملازم انجمن زکوٰۃ سے تنخواہ نہیں لے سکتا۔ (قلت ومن الائمۃ قال الیس فی قومك اشراف یطاعون قلت بلٰی قال اولئك الائمۃ) طبقات ابن سعدؓ صفحہ ۳۴۵ ج ۸۔ ۸۹۰ حالات زینت بنت المھاجرا

(الجواب) صورت مسئولہ میں مجیب ثانی نے جواباً جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہی صحیح ہے کہ مد زکوٰۃ سے مدرسین کی تنخواہ نہیں ادا کی جاسکتیں اس لئے کہ زکوٰۃ فریضہ خداوندی ہے جس کی ذمہ داری مالک نصاب پر عائد ہوتی ہے اور چونکہ وہ ایک عبادت ہے اس لئے مالک نصاب کو بلحاظ قیود شرائط مقررہ اپنے مال کا ایک حصہ معینہ اس کے مصارف میں بطور تملیک اس طرح ادا کرنا ضروری ہے کہ اس کی ادائیگی میں بجز امتثال امر الٰہی شخص مودای الیہ سے کسی قسم کی کوئی غرض حصول نفع کی ملحوظ خاطر نہ ہو تنویر الابصار میں ہے. ھی تملیك جزء مال مع قطع المنفعۃ عن المملك من کل وجہ اللہ تعالٰی اس لئے وہ ان لوگوں پر بھی

اس کو صرف نہیں کر سکتا کہ جن کے دینے میں حصول انتفاع کا احتمال ہے کما قال فی رد المختار قوله فلا يدفع لاصله ای وان علاوفرعه وان سفل و كذا لزوجته و زوجها و عبده و مكاتبه، لانه بالدفع اليهم لم تنقطع المنفعة عن المملك ای المز كی من كل وجهه صفحه ٤ ج ٢ اور اسی بناء پر اجرت اور معاوضہ پر بھی اس کا صرف کرنا جائز نہیں قال فی الدر المختار ولو دفعها المعلم لخليفته ان كان بحيث يعمل له لوله يصطه صح والا لا وقال فی ردالمحتار قوله والا لا ای لان المدفوع يكون بمنزلة العوض صفحه ٧٧.

پس معلوم ہوا کہ مدرسین کی تنخواہ مدز کوٰۃ سے نہیں ادا کی جاسکتیں کہ وہ معاوضہ ہیں ان کے عمل کا اور زکوٰۃ میں معاوضہ مقصود نہیں ہوتا۔

رہا عاملین صدقات کے استحقاق سے مجیب اول کا استدلال وہ اس لئے صحیح نہیں کہ اول تو جو کچھ ان کو ملتا ہے وہ بطریق عمالہ ہے نہ بطریق زکوٰۃ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ مال زکوٰۃ سے غنی کو جائز نہیں اور عاملین صدقات اگرچہ غنی ہوں تب بھی وہ اس سے اپنے کام کا صلہ پاتے ہیں نیز یہ کہ صاحب مال اگر اپنی زکوٰۃ خود امام کو پہنچادے تو اس صورت میں عاملین صدقات کو مدزکوٰۃ سے کوئی استحقاق نہیں ہے اسی بناء پر عند الاحناف عامل صدقہ صرف اسی مال زکوٰۃ سے مستحق سمجھا گیا ہے کہ جو مال زکوٰۃ اس کا وصول کردہ اس کے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ اگر وہ مال ہلاک ہوجائے تو اس کا حق بھی ساقط ہوجاتا ہے مثل مضارب کے کہ درصورت ہلاک ہوجانے مال مضاربۃ کے اس کا نفقہ بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ قال فی الدرالمختار وعامل يعم الساعی و العاشر فيعطى ولو غنيا لا هاشميا لانه فرغ نفسه لهذا العمل فيحتاج الى الكفاية وقال فی ردالمحتار قوله لانه فرغ نفسه ای فهويستحق عمالته الاترى ان اصحاب الاموال لو حملو الزكاة الى الامام لا يستحق شيئا ولو هلك ما جمعه من الزكاة لم يستحق شيئا كالمضارب اذا هلك مال المضاربة صفحه ٦٤ ج ١.

پس ثابت ہوا کہ عاملین صدقات کو مدزکوٰۃ سے جو کچھ ملتا ہے وہ بطریق عمالہ ہے نہ بطریق زکوٰۃ لیکن یہ عمالہ چونکہ بقدر کفاف یعنی ان کی اور ان کے اعوان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق ان کو دیا جاتا ہے اس لئے اس کو اجرت اور معاوضہ سمجھنا غلط ہے کیونکہ وہ مقدار کہ جو اس کو اور اس کے اعوان کو کافی ہو سکے وہ غیر معلوم اور مجہول ہے اور جہالتہ احد البدلین مانع ہے جواز اجارہ سے پس معلوم کہ عامل صدقہ کا استحقاق بطور اجرت اور معاوضہ کے نہیں ہے بلکہ بطریق کفایۃ ہے۔ جیسا کہ روایت درمختار مذکور الصدر سے واضح ہے۔

پس ثابت ہوا کہ مجیب اول کا عاملین صدقات کے عمالہ سے یہ ثابت کرنا کہ مدرسین مدرسہ کو مدزکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز ہے ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مجیب اول کا دیگر عاملین کے عمالہ سے (جو بیت المال سے ان کو ملتا تھا) یہ ثابت کرنا کہ مدرسین مدزکوٰۃ سے تنخواہیں پا سکتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بیت المال دراصل نام ہے خزانہ اسلامی کا جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے اور ہر شعبے کے مصارف جداگانہ

تھے جس کا قیام اور اس کے مصارف پر صرف کرنا امام وقت پر واجب تھا اور ہے مثلاً ایک شعبہ بیت الخمس کے نام سے جس میں خمس غنائم وغیرہ جمع ہوتے تھے اور اس کو بموجب آیۃ ربانی واعلموا انما غنمتم الخ صرف کیا جاتا تھا۔ دوسرا شعبہ تھا بیت الصدقات جس میں زکوٰۃ وصدقات کے اموال جمع رہتے تھے اور اس سے عاملین صدقات اور فقراء وغیرہ کو ملتا تھا تیسرے شعبہ میں زمینوں کا خراج اور جزیہ وغیرہ کا مال جمع رہتا تھا جس کو خراج الارض والجزیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اس شعبہ سے قاضی اور مفتی اور علماء وغیرہ کو بقدر کفاف ملتا تھا۔ چوتھے شعبہ میں لاوارث لوگوں کے ترکے جمع رہتے تھے جس کو ضوائع کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور اس سے مصالح مسلمین میں امداد ملتی تھی پس یہ ثابت کر کے کہ علماء اور قضاۃ اور اعمال کو بیت المال سے ملتا تھا یہ ثابت کرنا کہ مد زکوٰۃ سے مدرسین مدرسہ تنخواہیں لے سکتے ہیں کس طرح صحیح قرار پاسکتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ جیسا کہ آجکل مدارس اسلامیہ میں چندہ عام کے علاوہ قربانی وزکوٰۃ اور صدقات وغیرہ دیگر مدات کا روپیہ جمع رہتا ہے اور مہتمم مدرسہ مدرسین اور دیگر ملازمین مدرسہ کی تنخواہیں طلبہ کے وظائف اور مدرسہ کی دیگر ضروریات کو مدرسہ کے روپے سے انجام دیتا ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ یہ سب کام مدرسہ کے روپیہ سے انجام پارہے ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ سب روپیہ خلط ملط ہے اور لا علی التعین تمام آمدنی سے سب کام انجام پذیر ہورہے ہیں بلکہ ہر شعبے کی آمدنی نہایت احتیاط کے ساتھ علیحدہ جمع رہتی ہے اور اس کے مصارف شرعی کے مطابق اس کو صرف کیا جاتا ہے زکاۃ وصدقات کا روپیہ نہ تعمیر اور مرمت مکانات ومدرسہ اور مساجد میں صرف کیا جاتا ہے کہ تملیک کے منافی ہے بلکہ مہتمم مدرسہ منجانب صاحب زکوٰۃ بطور وکیل اسے طلبہ پر کہ جو اس کے مستحق قرار پاتے ہیں بطور تملیک کے صرف کرتا ہے مدرسین و ملازمین مدرسہ کی تنخواہیں دیگر مدات سے ادا ہوتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

مجیب اول نے اپنے دعوے کے استدلال میں جو روایات اور عبارات کتب نقل کی ہیں وہ ان کو مفید نہیں ہیں بلکہ مجیب ثانی کو مفید ہیں - فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ الاحقر سید محمد مبارک علی غفر لہ۔ صدر مہتمم مدرسہ مصباح العلوم بریلی ۲۶ ربیع الاول سن ۱۳۵۰ ہجری

الجواب صحیح ---- محمد عبدالحق غفر لہ، مدرس مدرسہ مصباح العلوم بریلی

الجواب صحیح ---- بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند

اصاب المجیب لله دره عبدالحفیظ کان اللہ لہ، مدرس مدرسہ مصباح العلوم بریلی غرہ غرہ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

زکوٰۃ، چرم قربانی اور صدقۃ الفطر وغیرہ کا روپیہ مسجد پر خرچ کرنا

(سوال ۳۲۵) چرم قربانی اور صدقۂ فطر اور زکوٰۃ اور منت اور نذر کی آمدنی کی رقم مدرسہ کی تعمیر مرمت، فرش، بتی اور نادار طلبہ کی کتب اور خورد ونوش میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اور یہی رقم غریب کے کفن اور مسجد اور تالاب اور پل وغیرہ کے تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) قال فی الدر المختار یصرف الی کلهم او بعضهم الی قوله تملیکا لااباحة کمامر لا

يصرف الى بناء نحو مسجدولا الىٰ كفن ميت و قضاء دينه قال الشامى نحو مسجد كبناء القناطر و المسقايات و اصلاح الطرقات و كرى الانهار وكل مالا تمليك فيه شامى كتاب الزكوٰة صفحه ٦٤ ج ٢.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جس جس صورت میں زکوٰۃ کا روپیہ مصرف زکوٰۃ فقراء و مساکین وغیرہ کی ملک نہ بنایا جاوے اس میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس سے ثابت ہوا کہ امور مسئولہ میں سے نادار طلبہ کی خورد نوش یا کپڑے وغیرہ میں خرچ کرنے سے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اس کے علاوہ مدرسہ یا مسجد کے دوسرے اخراجات تعمیر مرمت فرش بتی وغیرہ میں مد زکوٰۃ کا روپیہ صرف کرنا جائز نہیں اور اگر کیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور یہی حکم صدقۃ الفطر اور قیمت چرم قربانی اور نذر وغیرہ کا ہے۔ البتہ ایک حیلہ سے یہ تمام قسم کی رقمیں تمام امور مذکورۃ الصدر میں خرچ ہو سکتی ہیں اور وہ یہ ہے کہ کسی فقیر و مسکین کو اس کا مالک بنا کر پھر اس سے درخواست کی جائے کہ وہ مسجد یا مدرسہ کے مدات مذکورہ میں سے بطور چندہ اپنی طرف سے دے دے اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس روپیہ کا مدات مذکورہ میں خرچ کرنا صحیح و درست ہوگا اور ادائے زکوٰۃ میں بھی شبہ نہ رہے گا۔ کذا فی الدر المختار - (واللہ تعالیٰ اعلم)

صدقۃ الفطر غیر مسلم کو دینا

(سوال ۳۲۶) صدقۃ الفطر غیر مسلم کو دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ غیر مسلم کو دینا جائز نہیں۔ قال الشامى الا فى جواز الدفع الى الذمى فى الخانية جازويكره و عند الشافعى واحدى الروايتين عن ابى يوسف لا يجوز تاتر خانية و قدم عن الحاوى ان الفتوىٰ على قول ابى يوسفؒ شامى باب صدقة الفطر صفحه ٨٢ ج ٢.

صاحب نصاب کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں

(سوال ۳۲۷) صاحب نصاب کو صدقہ فطر دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صاحب نصاب کو دینا جائز نہیں اور اگر دیتے وقت اس کا صاحب نصاب ہونا معلوم نہ تھا تو ادا ہو جائے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سادات کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں

(سوال ۳۲۸) علماء دین چہ فرمایند در مسئلہ کہ سادات آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فقراء و محتاجاں بوجہ باشند زکوٰۃ دادن برائے شاں جائز یا ناجائز واگر دادہ شود ذمہ مزکی از دین شرعی فارغ می گردد یا نمی گردد وایں زکوٰۃ برائے شاں حلال میشود یا نہ واگر زکوٰۃ دادن برائے شاں جائز نہ باشد۔ لیا حیلہ ساختہ دیگر مستحق زکوٰۃ زکوٰۃ گرفتہ

برائے شان بد بد جائز و مباح می باشد یا نہ۔؟

(الجواب) قال فی الدرالمختار ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع. قال الشامی یعنی سواء فی ذلك، كل الازمان (الى قوله) وروى ابو عصمة عن الامام انه يجوز الدفع الى بنی هاشم فی زمانه الخ. شامی صفحه ۷۲ ج ۲. ابی عصمة عن الامام انه يجوز الى نبی هاشم فی زمانه الخ و فی شرح ملتقی الا بحر عن الامام جواز دفع الهاشمی زكوٰة بمثله و عنه الجواز فی زماننا مطلقاً قال الطحاوی وبه ناخذ واقره القهستانی وغيره الاان ظاهر الرواية اطلاق النهی و مثله فی النهود الفتح

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ظاہر الروایات اور عامہ متون کا اختیار کردہ مسلک یہی ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا لینا بھی جائز نہ ہوگا اور اگر کسی نے دے دی تو ظاہر مذہب کی بناء پر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی لیکن اس صورت میں کہ لاعلمی میں دے دی تھی گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ دوبارہ دینے کا حکم نہ کرنا اولی ہے عملاً علی روایة ابی عصمته تسهيلاً علی المزکی۔ البتہ اگر حیلہ معروفہ کر لیا جائے کہ پہلے کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کی تملیک کر لی جائے اور پھر اس فقیر کی طرف سے بطور ہدیہ بنی ہاشم کو دی جاسکتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کذا فی الدرالمختار (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

زکوٰۃ وصدقات اپنی بستی سے باہر بھیجنا

(سوال ۳۲۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ عشر یا زکوٰۃ ایک مقام سے دوسرے مقام کو نقل کرنا مطلقاً ناجائز ہے یا کہ کسی طالب علم کے یا کسی مجاہد فی سبیل کے واسطے جواز ہے اور نفس مسکین کے واسطے جواز نہیں ہے اولویت اور عدم اولویت میں فرق ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی الدرالمختار و كره نقلها الاالی قربة (الى قوله) او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمين او الى طالب علم و فی المعراج التصدق علی العالم الفقير افضل۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اپنی زکوٰۃ اور صدقات کو اپنے شہر سے باہر دوسرے شہروں میں بھیجنا اگر زیادہ محتاج لوگوں کے لئے ہو یا کسی نیک صالح آدمی کے لئے یا طالب علم کے لئے یہ تو بلا کراہت جائز ہے بلکہ طالب علم اور عالم اگر صاحب حاجت ہو تو مال زکوٰۃ وغیرہ اس کو دینا سب سے افضل ہے اگرچہ اپنے شہر سے باہر یا کسی جگہ ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مہر کی رقم پر زکوٰۃ وصولیابی کے بعد واجب ہوگی

(سوال ۳۳۰) اگر بیوی کا مہر خاوند کے ذمہ نصاب زکوٰۃ کے موافق ہو یا اور زیادہ ہو تو عورت کے اوپر زکوٰۃ کا دینا فرض ہے یا نہیں حالانکہ ابھی تک خاوند نے مہر ادا نہیں کیا اور نہ معاف کرایا۔؟

(الجواب) اگر بیوی کے پاس اور کچھ مال نہ ہو تو جس وقت اس کو شوہر سے مہر کے ساڑھے باون روپیہ وصول

ہو جاویں اور ان پر پہلے سال بھی گزر جائے اس وقت زکوٰۃ دینی واجب ہو گی اور اگر بیوی کے پاس پہلے سے مال مقدار نصاب موجود ہو تو پھر جو کچھ رقم مہر کی وصول ہو گی اس کیلئے حولان حول شرط نہیں بلکہ پہلے نصاب کے ساتھ ملا کر رقم مہر کی زکوٰۃ دینی واجب ہو گی۔ درمختار میں ہے۔

وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده. اى بعد القبض من دين ضعيف وهو بدل غير مال كمهر ودية الخ. الا اذا كان عنده ما يضم الى الدين الضعيف الخ اور شامی میں ہے والحاصل انه اذا قبض منه شيئا وعنده نصاب يضم المقبوض الى النصاب و يزكيه بحوله ولا يشرط له حول بعد القبض. (والله تعالى اعلم) کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ الجواب صحیح محمد شفیع غفر لہ۔

تحقیق متعلقہ زکوٰۃ پراویڈنٹ فنڈ

بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں ملازمین کی تنخواہ سے کچھ رقم ماہوار کاٹ کر جمع ہو جاتی ہے پھر اکثر جگہ محکمہ کی طرف سے اس میں کچھ اور رقم بھی شامل کرلی جاتی ہے اور یہ مجموعہ رقم ملازم کے نام پر اسی کے لئے جمع ہوتی رہتی ہے اس کو عرف میں پراویڈٹ فنڈ کہتے ہیں مگر قانون یہ ہے کہ یہ رقم ملازم کو ملازمت کے ختم سے پہلے نہیں ملتی۔ یہ رقم جب کہ ملازم کی ملکیت ہے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ بقدر نصاب ہو جائے تو اس کی زکوٰۃ بذمہ ملازم واجب ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو جس وقت وصول ہو جائے اس کے بعد سے زکوٰۃ لازم ہو گی۔ یا سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ضروری ہو گا۔

اس سوال کے جواب میں وہ تحقیق نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں جس کو سیدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنے مرض وفات میں قبول فرما کر امداد الفتاوی کا جزو بنانے کا حکم دیا اور وہ امداد الفتاوی مطبوعہ اشرف العلوم کراچی کی جلد دوم میں بطور ضمیمہ شائع ہوئی ہے۔ یہ ضمیمہ پورا نقل کیا جاتا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

۵ ۶ ۴ ج ۲ ماہ صفر ۶۲ ۱۳ ہجری میں جب حضرت کی وفات میں صرف چھ مہینے باقی تھے اور سلسلہ مرض کا جاری تھا۔ احقر تھانہ بھون حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ پراویڈٹ فنڈ کی رقم پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہونے سے متعلق امدادالفتاوی تتمہ رابعہ اور خامسہ میں دو متضاد فتوی شائع ہوئے تھے جن کی طرف حضرت کی توجہ مبذول کرائی گئی تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے حاضر الوقت علماء سے اس مسئلہ پر مکرر غور و فکر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا چند تحریریں پیش کی گئیں احقر نے مندرجہ ذیل تحریر پیش کی اس وقت اور بھی چند حضرات موجود تھے۔ جن کے نام اس وقت مستحضر نہیں اس تحریر کو سن کر حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے پسند فرمایا اور ایک تنبیہ کے اضافہ کا حکم دیا جو آخر میں لکھی ہوئی ہے اس کے بعد آپ نے اسی کو امداد الفتاوی کا جز قرار دینے کا ارشاد فرمایا اور اس کے خلاف سابقہ فتوی سے رجوع فرما کر ایک پرچہ میں امداد الفتاوی کا جز بنانے کے لئے مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی حضرتؒ کے قلم کا یہ پرچہ احقر کے پاس محفوظ ہے۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ کراچی نمبر ۱۔ ۲۲ شوال ۷۳ ۱۳ ہجری

فصل در تنقیح وجوب یا عدم وجوب زکوٰۃ بر پراویڈنٹ فنڈ بنابر داخل بودنش در دین قوی یا ضعیف

سوال، امداد الفتاویٰ تتمہ رابعہ صفحہ ۵۵ اور تتمہ خامسہ صفحہ ۱۰۳ میں پراویڈنٹ فنڈ کے متعلق دو فتوے متعارض ہیں اس کی تحقیق کی غرض سے روایات کا تتبع کیا گیا تو حسب ذیل تحقیق ثابت ہوئی تو ان سب میں کس کو راجح سمجھا جاوے، وہ تحقیق یہ ہے۔

(۱) فی البدائع و جملة الکلام فی الدیون انها علی ثلاث مراتب فی قول ابی حنیفة دین[۱] قوی و دین ضعیف و دین وسط، کذا قال عامة المشائخ، اما القوی فهو الذی وجب بدلا عن مال التجارة کثمن عرض التجارة من ثیاب التجارة و عبید التجارة ولا خلاف فی وجوب الزکوة فیه الاانه لا یخاطب باداء شئی من زکوة ما مضی مالم یقبض اربعین درهما (الی قوله) و اما الدین الضعیف فهو الذی وجب بدلاً عن شئی سواء وجب له بغیر صنعه کالمیراث او بصنعه کما بوصیة او وجب بدلاً عما لیس بمال کالمهر و بدل الخلع والصلح عن القصاص، بدل الکتابة ولا زکوة فیه مالم یقبض کله و یحول علیه الحول بعد القبض واما الدین الوسط فما وجب له بدلا عن مال لیس للتجارة کثمن عبدالخدمة وثمن ثیاب البذلة والمهنة و فیه روایتان عنده ذکر فی الاصل انه تجب فیه الزکوة قبل القبض لکن لا یخاطب بالاداء مالم یقبض مائتی درهم فاذا قبض مائتی درهم زکی لما مضی وروی ابن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفة انه لا زکوة فیه حتی یقبض المائتین و یحول علیه الحول من وقت القبض وهوا صح الروایتین عنه (الی قوله) ولابی حنیفة وجهان، احدهما ان الدین لیس بمال بل هو فعل واجب وهو فعل تملیك المال و تسلیمه الی صاحب الدین و الزکوة انما تجب فی المال(الی قوله) فی الخلافیات کان ینبغی ان لا تجب الزکوة فی دین مالم یقبض و یحول علیه الحول الا ان ما وجب بدلا عن مال التجارة اعطی له حکم المال لان بدل الشئی قائم مقامه کانه هو فصار کان المبدل قائم فی یده و انه مال التجارة وقد حال علیه الحول فی یده والثانی ان کان الدین مالاً مملوکاً ایضاً لکنه مال لا یحتمل القبض لا نه لیس بمال حقیقة بل هو مال حکمی فی الذمه لا یمکن قبضه فلم یکن مالاً مملوکاً رقبةً و یداً تجب فیه الزکوة کما فی الضمار، فقیاس هذا ان لا تجب الزکوة فی الدیون کلها لنقصان الملك بفوات الید الا ان الدین الذی هو بدل مال التجارة التحق بالعین فی احتمال القبض لکونه بدل مال التجارة قابل للقبض و البدل یقام مقام

---

[۱] وقال ابو یوسف و محمد الدیون کلها سواء وکلها قویه تجب الزکوة فیها قبل القبض بدائع ص ۱۰ ج۲ ومثله فی المبسوط صـ ۱۹۰ ج۲

المبدل و المبدل عین قائمة قابلة للقبض فکذا مایقوم مقامه وهذا المعنی لا یوجد فیما لیس ببدل رأساً ولا فیما هو بدل عما لیس بمال و کذافی بدل ما لیس للتجارة علی الروایة الصحیحة انه لا تجب فیه الزکوة مالم یقبض قدر النصاب و یحول علیه الحول بعد القبض لان الثمن بدل ما لیس للتجارة فیقوم مقام المبدل ولو کان المبدل قائماً فی یده حقیقة لا تجب الزکوة فیه فکذافی بدله بخلاف مال التجارة، انتهی (بدائع ص ۱۰ جلد ۲) وفیه فی تفسیر مال الضمار هو کل مال غیر مقدور الانتفاع به مع قیام اصل الملك (الی) قوله فان کان مدفوناً فی البیت تجب فیه الزکوة بالاجماع و فی المدفون فی الکرم و الدار الکبیرة اختلاف المشائخ انتهی(بدائع ص۹ ج ۲) و فی المبسوط لشمس الائمة سرد الاقسام الثلثة للدیون ثم نقل روایة ابن سماعة التی صححها صاحب البدائع انه اختیار الکرخی ثم ذکر من وجه قول ابی حنیفة ماذکره صاحب البدائع فی الاول بعینه ثم قال و فی الاجره ثلاث روایات عن ابی حنیفة فی روایة جعلها کالمهر لا نها لیست ببدل من المال حقیقة لانها بدل عن المنفعة و فی روایة جعلها کبدل ثیاب البذلة لان المنافع مال من وجه لکنه لیس بمحل لوجوب الزکوة فیه ، والاصح ان اجرة دار التجارة او عبدالتجارة بمنزلة ثمن متاع التجارة کلما قبض منها اربعین تلزمه الزکاة اعتبارً لبدل المنفعة ببدل العین (مبسوط صفحه ۹۵ اور ۱۹۶ ج ۲) ۳. و فی البحر الرائق ولو آجر عبده او داره لنصاب ان لم یکونا للتجارة لا تجب مالم یحل الحول بعدالقبض فی قوله وان کان للتجارة کان حکمه کالقوی لان اجرة مال التجارة کثمن مال التجارة فی صحیح الروایة الخ.

وقال فی حاشیة منحة الخالق علی قوله کان کله کالقوی هذا مخالف لمافی المحیط حیث قال فی اجرة مال التجارة او عبد التجارة روایتان فی روایة لازکوٰة فیها حتی یقبض ویحول علیه الحول لان المنفعة لیست بمال حقیقة فصار کالمهر وفی ظاهر الروایة تجب الزکوة ویجب الأداء اذایقبض منها مأتی درهم لانها بدل مال لیس بمحل لوجوب الزکوة فیه لان المنافع مال حقیقة لکنها لیست بمحل لوجوب الزکوٰة اه.قلت وهذا صریح فی انه علی الروایة الاول من الدین الضعیف وعلی ظاهر الروایة من التوسط لامن القوی لان المنافع لیست مال زکوة وان کانت مالاً حقیقة تامل ثم رأیت فی الولوالجیة التصریح بان فیه ثلث روایات(منحة الخالق علی البحر ص/۲۰۸ ج/۲)

عبارات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دیون کی تین قسمیں ہیں۔ قوی متوسط، ضعیف۔ دین قوی وہ ہے جو مال تجارت یا سونے چاندی کے بدلے کسی کے ذمہ عائد ہوا ہو اور متوسط وہ دین ہے جو مال ہی کے بدلے میں عائد ہوا ہو مگر وہ مال تجارت یا نقد سونا چاندی نہ ہو بلکہ گھر کا سامان وغیرہ ہو، اور ضعیف وہ دین ہے جو کسی مال کے بدلے میں بذمہ مدیون عائد نہیں ہوا جیسے دین مہر وغیرہ۔

دین قوی پر قبضہ ہونے سے پہلے بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوتی رہتی ہے مگر ادا کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب چالیس درہم یا اس کی مقدار روپیہ وصول کیا جائے اس سے پہلے ادا کرنا واجب نہیں ہوتا لیکن جب زکوٰۃ ادا کی جائے گی تو تمام سنین ماضیہ کا حساب کر کے ادا کیجائیگی اور دین ضعیف پر قبضہ ہونے کے بعد جب تک سال بھر نہ گزر جائے اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور دین متوسط میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس پر دین قوی کی طرح زکوٰۃ تو ایام ماضیہ کی بھی واجب ہوگی مگر ادا کرنا محض چالیس درہم کی وصولیابی پر لازم نہیں ہوگا بلکہ پورا نصاب یعنی دو سو درہم یا ساڑھے باون تولہ چاندی جب وصول ہو اسوقت ادا کرنا لازم ہوگا مگر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرنا ہوگی اور دوسری روایت یہ ہے کہ دین متوسط بھی دین ضعیف کے حکم میں ہے۔ اس پر بھی زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے بلکہ دین وصول ہونے کے بعد جب سال بھر اس پر گزر جائے تب زکوٰۃ واجب ہوگی اور صاحب بدائع نے اسی آخری روایت کو اصح قرار دیا ہے۔

لہذا خلاصہ امام اعظمؒ کے مذہب کا یہ ہوا کہ (۱) جو دین کسی مال تجارت یا سونے چاندی کے عوض میں کسی شخص کے ذمہ واجب ہوا ہے جس کو دین قوی کہا جاتا ہے اس پر تو ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب ہے مگر ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب بقدر چالیس درہم کے وصول ہو جائے اور (۲) جو ایسے مال کے عوض میں نہ ہو خواہ بالکل کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہو جیسے حصہ میراث و وصیت یا معاوضہ ہو مگر مال کا معاوضہ نہ ہو جیسے دین مہر (اس کو اصطلاح میں دین ضعیف کہتے ہیں) اس میں ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ قبضہ ہونے کے بعد جب سال بھر گذر جائے اس وقت زکوٰۃ لازم ہوگی (۳) یا معاوضہ مال بھی ہو مگر مال تجارت کا معاوضہ نہ ہو جیسے گھریلو سامان کا معاوضہ (جس کو دین متوسط کہا جاتا ہے) اس صورت میں اصح الروایتین کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ ایام ماضیہ کی واجب نہیں ہے بلکہ وصول ہونے کے بعد جب اس پر سال بھر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی اور ادائیگی زکوٰۃ لازم ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس شخص کے پاس علاوہ اس رقم کے اور بھی کچھ نصاب سونے چاندی کا موجود ہے تو جتنی رقم وصول ہوگی وہ اصل نصاب میں شامل ہو کر اس کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر اس رقم کے علاوہ اور کوئی رقم یا سونا چاندی اس کے پاس نہیں تو جب دو سو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے انداز کی رقم وصول ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ میں جو روپیہ جمع اور بذمہ گورنمنٹ یا کارخانہ وغیرہ قرض ہے وہ ان تین قسموں میں سے کس قسم میں داخل ہے۔ سو یہ ظاہر ہے کہ وہ دین قوی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ معاوضہ کسی مال تجارت کا نہیں بلکہ خدمت کا معاوضہ ہے جیساکہ بحر الرائق کی عبارت سے بوضاحت وصراحت ثابت ہے کہ غلام یا مکان تجارت کے لئے نہ ہو تو اس کی خدمت واجرت کو مال تجارت قرار نہیں دیا تو خدمت حر کو بدرجہ اولیٰ مال تجارت نہیں کہہ سکتے۔

اب دو احتمال باقی ہیں کہ اگر خدمت کو مال قرار دیا جائے تو دین متوسط میں داخل ہے اور اگر مال ہی

مال قرار نہ دیں تو دین ضعیف میں داخل ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے دونوں احتمالوں پر دونوں روایتیں منقول ہیں جن میں سے حسب تصریح منحۃ الخالق بحوالہ محیط ان دونوں میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مال قرار دے کر دین متوسط میں شامل کیا جائے۔ اور ایک تیسری روایت مبسوط میں ہے کہ اس میں تفصیل کی جائے کہ اجرت وخدمت نہ علی الاطلاق مال ہے نہ غیر مال بلکہ اگر عبد تجارت کی یا دار تجارت کی اجرت ہے تو مال، ورنہ غیر مال، پہلی صورت دین قوی میں داخل ہے اور دوسری خدمت ضعیف میں اور اسی تیسری روایت کو مبسوط نے اصح قرار دیا ہے۔

مگر یہ سب گفتگو اور روایات کا اختلاف عبد کی خدمت کے بارہ میں ہے جو من وجہ مال ہے حر کی خدمت حسب تصریح فقہاء مال نہیں ہے۔ اس لئے یہ اختلاف روایت بھی صورت زیر بحث میں موثر معلوم نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین قوی میں داخل ہونے کی صرف ایک صورت ہے کہ عبد تجارت کی خدمت یا دار تجارت یا ارض تجارت کا معاوضہ ہو اس کے سوا کوئی دین اجرت دین قوی میں باتفاق داخل نہیں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کیا گیا یا بطور انعام گورنمنٹ کی طرف سے جمع کیا گیا ہے وہ اس میں قطعاً شامل نہیں اس لئے اس میں صرف دو ہی احتمال ہو سکتے ہیں کہ دین متوسط ہو یا دین ضعیف اور دین متوسط میں بھی اس کا داخل ہونا اس لئے مشکل ہے کہ دو روایتیں جو بحوالہ محیط منحۃ الخالق میں لکھی ہیں وہ دونوں عبد کی خدمت کے متعلق ہیں۔ حر کی خدمت کا وہاں ذکر نہیں اور ظاہر ہے کہ حر کی خدمت کو عبد کی خدمت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ حسب تصریحات فقہاء خدمت عبد فی الجملہ مال ہے اور خدمت حر مال نہیں۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ یہ دین دین ضعیف میں داخل ہے۔ اور اگر اس کو دین متوسط بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اصح روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک دین متوسط بھی بحکم دین ضعیف ہے اس پر بھی ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کما صرح به فی البدائع۔ الغرض پراویڈنٹ فنڈ کا روپیہ دین قوی میں تو داخل نہیں ہو سکتا اور دین متوسط میں داخل کرنا بھی اس وقت تک کسی روایت منطبق نہیں ہے جب تک کہ حر کی خدمت کو مال قرار دینے کی تصریح نہ ملے اور بالفرض اس میں داخل مان بھی لیا جائے تو حکم اس کا بھی اصح روایت پر دین ضعیف کی طرح یہی ہے کہ اس پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

تنبیہ ؂ : روایات فقہیہ کو دیکھنے اور غور کرنے سے احقر کو یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس فنڈ کی رقم پر ایام ماضیہ کی زکوٰۃ واجب نہیں احتیاطاً دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا مناسب ہے نیز حضرات صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک چونکہ دیون میں قوی متوسط ضعیف کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے دین پر زکوۃ ایام

؂ یہ تنبیہ بحکم حضرت سیدی حکیم الامت اضافہ کی گئی ہے ۱۲ محمد شفیع۔

ماضیہ کی واجب ہے اس لئے کوئی احتیاط اور تقوی پر عمل کرے اور ایام ماضیہ کی زکوٰۃ بھی ادا کرے تو بہتر ہے اور شاید اسی اختلاف سے بچنے کے لئے ہمارے بلاد میں عام طور پر مہر باندھنے کے وقت بجائے روپے کے اسی ہزار ٹکے دو دینار سرخ کہا جاتا ہے جو کہ قیمت ہے ڈھائی ہزار روپے کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

السائل الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دار العلوم دیوبند ۱۲ صفر ۱۳۶۲ھ

الجواب آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے لہذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اس کے خلاف سے رجوع کرتا ہوں۔ اشرف علی ۱۳ صفر ۱۳۶۲ھ۔

اپنی زکوٰۃ اپنے باپ یا بیٹی کو دینا جائز نہیں

(سوال ۳۳۱) فتاویٰ ہندیہ میں غریب باپ اور محتاج بڑی بیٹی کو مال زکوٰۃ دینے کا جواز لکھا ہے کیا یہ مفتی بہ قول ہے اور حنفیہ کا مسلک اس میں کیا ہے۔

(الجواب) اپنا باپ یا بڑی بیٹی اگرچہ مفلس ہوں اپنی زکوٰۃ ان کو دینا جائز نہیں۔ اور فتاوی ہندیہ کی جس عبارت سے اس کا جواز آپنے سمجھا ہے وہ نقل کریں تو اس کے متعلق جواب لکھا جاوے بظاہر اس میں مغالطہ ہوا ہے ہندیہ میں ہے وکذا الی بنت اذا کان ابوها غنیا الی قوله ویجوز صرفها الی الاب المعسر وان کان ابنه موسراً کذا فی الشرح الطحاوی (هندیة ص /۹۷ ج/۱) ان دونوں عبارتوں کا مطلب تو یہ ہے کہ جس بڑی لڑکی کا باپ غنی ہو یا جس باپ کا بیٹا غنی ہو اس کو کوئی دوسرا شخص اپنی زکوٰۃ دینا چاہے تو جائز ہے نہ یہ کہ خود غنی باپ یا بیٹا اپنی زکوٰۃ اپنی بیٹی یا باپ کو دے دے۔ یہ ہرگز اس کا مطلب نہیں ہو سکتا (واللہ اعلم) ۸ ذی الحجۃ ۱۳۶۵ھ

کتاب الصّوم

فصل فی رؤیۃ الھلال

(چاند دیکھنے کا بیان)

رویت ہلال اور شہادت رویت وغیرہ کے چند ضروری مسائل۔

سوال (۳۳۲) ایک مفتی صاحب کے پاس چند گواہوں نے شوال کے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور مفتی نے ان کی گواہی سن کر حکم دیا کہ روزہ افطار کیا جائے پھر اگر سامعین جنھوں نے مفتی صاحب کا حکم سنا وہ اگر دوسرے شہر میں دوسرے مفتی کے پاس گواہی دیں تو ان کی کتنی تعداد ہونی چاہئے؟

(۲) اگر مفتی صاحب نے ناقلین کی کم تعداد پر افطار کرنے کا فتویٰ دیا تو ان کے حکم کو ماننا چاہئے یا نہیں؟ مفتی صاحب نے کسی معتبر شخص کے ہاتھ دوسرے شہر میں دوسرے مفتی کے پاس یا اہل باشندوں کے پاس فتوی روانہ کیا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بذریعہ گواہوں کے شوال کا چاند ثابت ہوا ہے اور آج عید کا دن ہے آج روزہ رکھنا حرام ہے۔ جس کسی نے روزہ رکھا ہو وہ افطار کردے اس مفتی کے حرف بھی پہچانے جاتے ہیں کہ برابر اس کے حروف ہیں تو کیا اس پر عمل درآمد ہوگا یا نہیں اگر اس فتوے کو دیکھ کر مفتی صاحب نے یا خواص اہل باشندوں نے حکم کردیا کہ روزہ افطار کردو پس افطار کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ مفتی ہی کے حروف تھے اور مفتی نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے فتوی روانہ کیا تھا۔ یا مفتی فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں لکھا تو کیا قضا لازم آئے گی؟

(۳) الخط یشبہ الخط پر معترض اعتراض کرتے ہیں کہ کوئی مفتی شرعی فتوی کرکے روانہ کرے اور اس کے حروف بھی برابر طور پر پہچانے جاتے ہوں تو وہ اس صورت میں **الخط یشبہ الخط** میں داخل نہیں ہے تو کیا یہ اعتراض صحیح ہے یا غلط۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) اگر قاضی شرعی نے دو گواہوں کی گواہی پر افطار کا حکم کیا ہے تو دوسرے شہر میں اس حکم پر شہادت دینے کیلئے دو گواہ کافی ہیں اور اس شہر کے قاضی و مفتی کو ان کی گواہی پر حکم کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں لما فی العالمگیریۃ .**ولو شھدوا ان قاضی بلدۃ کذا شھد عندہ اثنان برویۃ الھلال لیلۃ کذا وقضی بشھادۃ ھما جاز لھذا القاضی ان یحکم بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوابہ**. کذافی الفتح القدیرعالمگیری کتاب الصوم باب الثانی ص/۱۸۶ ج/۱-مصری.

یہ حکم قاضی کا ہے فتوی کا یہ حکم نہیں پس اگر کسی مفتی صاحب نے جو کہ قاضی شرعی نہ ہو دو گواہوں کی گواہی پر کوئی فتوی دیا ہے تو اس حکم پر خواہ کتنے ہی شاہد موجود ہوں دوسرے شہر میں افطار کا حکم دینا جائز نہیں ہے. لما فی العالمگیریۃ **ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الروایۃ اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب حتی لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذا قد رأوا ھلال رمضان قبلکم**

بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلاثون بحسابھم ولم یر ھٰؤلآء الھلال لایباح لھم الفطر ولایترک التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھد وا بالرویۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رویۃ غیرھم۔(عالمگیری ص/۱۸۶ج/۱)

البتہ جن گواہوں کی شہادت پر مفتی صاحب نے حکم دیاہے اگر چند لوگوں نے ان کی گواہی کو سناہے تودوسرے شہر میں اس کی گواہی پر گواہی دینا تین شرطوں کے ساتھ جائزو معتبر ہوگا۔

(۱) اصل گواہ بھی عادل وثقہ ہوں اور ان کی گواہی کو نقل کرنے والے گواہ بھی ثقہ ہوں اور اصل گواہوں کے ثقہ ہونے کے لئے ان ناقلین شہادت کا قول کافی ہے۔(کذا فی شھادات الدر والشامی من باب الشھادۃ علی الشھادۃ)

(۲) یہ نقل کرنے والے شاہد اس کی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے دو ثقہ مسلمانوں نے فلاں مفتی یا قاضی کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی شہادت دی ہے محض ان کے چاند دیکھنے یا روزہ رکھنے کی حکایت کرنا کافی نہ ہوگا۔ کمامر فی عبارۃ العالمگیریۃ۔

(۳) شہادت پر شہادت دینے والے دونوں گواہوں نے اصل شاہدین میں سے ہر ایک کے کلام کو پوری طرح سناہو اور ہر ایک گواہ کے کلام پر جداجدادونوں شخص گواہی دیں اور ایک گواہ کی گواہی دوآدمیوں نے سنی مگر دوسرے گواہ کی گواہی انہوں نے نہیں سنی تودوسرے گواہ کی شہادت پر شہادت دینے کے لئے ان کے علاوہ اور دو ثقہ مسلمان ہوناضروری ہے۔کذا فی الدر المختار کتاب الشھادۃ وباب الشھادۃ علی الشھادۃ۔

۲ شرائط مندرجہ کے خلاف اگر کسی شخص نے حکم افطار کا کردیاتواس کے حکم کومان کرافطار کرناجائز نہیں۔

۳ اس صورت میں دوسرے شہر کے مفتی اور م باشندوں کو مفتی اول کی تحریر پر افطار کا حکم کرنایاافطار کرنا جائز نہیں۔کیونکہ قطع نظر اس بات کے کہ خط کا اعتبار شہادت میں کیاجاسکتاہے یانہیں اس صورت میں تو اگر وہ مفتی صاحب خود بھی اگر دوسرے شہر کے قاضی یا مفتی کے پاس اپنافتوے بنابر شہادت زبانی بیان کریں جب بھی ان کے قول پر افطار کا حکم دینااور افطار کرناکسی کے لئے جائز نہیں کیونکہ دوسرے شہر میں ان مفتی صاحب کی حیثیت ایک گواہ سے زائد نہیں وہ بھی شہادت علی الشھادۃ کے طور پر سوایک گواہ کی شہادت علی الشھادۃ پر افطار کا حکم کرناجائز نہیں بلکہ دو گواہ شرط ہیں جیساکہ ، نمبر ا میں گزر چکاہے۔اور جب مفتی کوان کے زبانی بیان پر حکم افطار کاناجائز ہے تو تحریر اور خط پر بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے کیونکہ اول تواس خط میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط موجود نہیں ثانیایہ شخص مفتی ہے قاضی نہیں ثالثاًاگر قاضی مان بھی لیاجائے توہر قاضی کو یہ اختیار ہی نہیں کہ وہ اپنافیصلہ دوسرے قاضی یا مفتی کے پاس بطور کتاب القاضی الی القاضی کے لکھ بھیجے اور دوسرے قاضی پر اس کانافذ کرنالازمی ہوجائے بلکہ یہ اختیار صرف اس قاضی کو حاصل ہوتاہے جو امام اور خلیفہ کی جانب سے مقرر ہو جو قاضی عامۃ الناس کے بنانے سے بن گیاہواس کو یہ اختیار نہیں۔لما فی الدر المختار والشامی ولا یقبل کتاب من القاضی الحکم بل من قاضی مولی من قبل

الامام(در)افاد ان هذا شرط فی الکاتب فقط قال فی المنح فلاتقبل من قاضی رستاق الی قاضی مصر وانما تقبل من قاضی مصر الی قاضی مصراخر (شامی کتاب القاضی الی القاضی ص/۲۵۲ ج/۵ مصری)

آج کل ظاہر ہے کہ قاضی مولی من الامام کاوجود اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی مشکل ہے ہندوستان میں توکیا ہو تا الغرض کسی شہر کے مفتی کی تحریریازبانی بیان متعلقہ فیصلہ بر شہادت پر دوسرے شہر میں افطار کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے افطار کرلیا تو اگر افطار کرنے والا عالم ہے تو اس پر قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اگر عام آدمی ہے اور کسی عالم مفتی کے کہنے سے اس نے افطار کیا ہے تو اس پر کفارہ نہ آئے گا صرف قضاء لازم ہوگی۔ وذلك ظاهر لان قول المفتی شبهة فی حق العامی لا فی العالم و بالشبهة تسقط الکفارة. واللّٰہ اعلم نمبر ۴ صورت مسئولہ میں توالخط یشبہ الخط پر مدار ہی نہیں جیسا کہ نمبر ۳ میں معلوم ہو چکاباقی فی نفسہ خط کے متعلق فیصلہ یہی ہے کہ جس خط سے کسی دوسرے پر کسی حق کاالزام ہو تا ہو وہ خط حجت نہیں جب تک خود کاتب اقرار نہ کرے کہ یہ خط میرا ہے یادو گواہ عادل گواہی دیں کہ یہ خط اسی شخص کا ہے ہمارے سامنے لکھا ہے۔ البتہ جہاں الزام کی صورت نہ ہو وہاں خط معتبر ہے۔ درمختار میں ہے و لا یقبله الا بحضور الخصم (الٰی قوله) الا اذااقرا الخصم فلا حاجة الیهم ای الشهود بخلاف کتاب الامان فی دار الحرب حیث لا یحتاج الٰی بلیة لانه لیس بملزم. وفی الاشباه لا یتعبر بالخط الا فی مسئلة کتاب الامان و یلحق به البرائت و دفتر البیاع و الصراف والسمسار وجوزه محمد لراوٍ و قاضٍ و شاهدان تیقن به قیل. وبه یفتی انتهٰی واقره الشامی بعد توضیح و تفصیل(شامی صفحه ۴۵۹ ج ۴ مصری کتاب القاضی (إلی القاضی) و تفصیل هذه المسئلة فی تنفیح الفتاوٰی الحامدیة بمالا مزید علیه (والله تعالٰی اعلم)

رویت ہلال کی خبر ریڈیو پر کن شرائط کے ساتھ معتبر ہے

(سوال ۳۳۳) اگر مطلع ابر آلود یا غبار آلود ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند یا عید کا چاند نظر نہ آئے اور اسی شب آل انڈیا ریڈیو دہلی یا پاکستان ریڈیو لاہور یا ڈھاکہ سے یا حیدرآباد دکن کے ریڈیو سے چاند نمودار ہونے کا اعلان بایں الفاظ کیا جائے کہ

فلاں فلاں علماء کرام یا خطباء مساجد سے چاند ہونے کی تصدیق ہوئی ہے اس قسم کا اعلان مذکورہ بالا نشر گاہوں میں سے کسی ایک یا متعدد نشر گاہوں سے سنایا جائے تو دوسرے روز روزہ رکھا جائے یا نہیں۔ ؟

اور اگر عید کے چاند کا اعلان ہو تو دوسرے روز روزہ افطار کرنا اور عید کی نماز ادا کرنا چاہئے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) یہ سوال چند صورتوں پر مشتمل ہے جن کے احکام جدا جدا ہیں- مثلاً عید کا چاند رمضان کے چاند سے بعض احکام میں مختلف ہے اسی طرح ایک ریڈیو کے اعلان اور بہت سے نشر گاہوں کے متعدد ریڈیو کے

اعلانات میں احکام شرعیہ مختلف ہیں۔ اسی لئے سوال کے تجزیہ اور جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے جو حسب ذیل ہے۔

(ہلال رمضان) کے بارے میں حسب تصریحات فقہاء مطلع غبارآلود ہونے کی صورت میں صرف ایک ثقہ اور معتبر صادق کی خبر ثبوت کے لئے کافی ہے باقاعدہ شہادت شرعیہ اوراس کے جملہ شرائط ضروری نہیں اس لئے ہلال رمضان کی عام رویت کی خبر یا کسی باقاعدہ قاضی مفتی کے سامنے شہادت گزرنے اوراس کے فیصلہ دینے کی اطلاع اگر کسی ریڈیو میں علماء کے فیصلہ کے مطابق ثقہ لوگوں کے انتظام سے نشر کی جائے جس میں مغالطہ اور بے احتیاطی کا خطرہ نہ رہے تو دوسرے شہروں میں جہاں یہ خبر سنی جائے اس کا قبول کرلینااوراس خبر ثقہ کی بناء پر اپنی بستی میں روزہ کااعلان کردیناجائز ہے، لیکن اس پر عمل کرنے اور قبول کرنے سے پہلے اس کی تحقیق ضروری ہے کہ جن نشرگاہوں سے یہ خبر نشر ہوئی ہے وہاں اس کامعقول انتظام ہے کہ بدون علماء کے فیصلہ کے کوئی خبر ہلال کے متعلق نشر نہیں کی جاتی اور جب تک اس کی تحقیق نہ ہو ہلال رمضان میں بھی اس کا قبول کرنادرست نہیں۔

(ہلال عیدین) میں حسب تصریحات فقہاء باقاعدہ شہادت شرعیہ اور نصاب شہادت مع شرائط شہادت ضروری ہیں اور شرائط شہادت میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ شاہد خود مجلس قاضی میں حاضر ہوکر گواہی دے اور ظاہر ہے کہ تار ٹیلی فون،وائرلیس،ریڈیو کے ذریعہ جو خبر سنی جائے اس میں یہ شرط موجود نہیں اس لئے ریڈیو کا انتظام اگر کسی جگہ ثقہ لوگوں کے سپرد بھی ہو اور باقاعدہ علماء کا فیصلہ ہی نشر کیا جاتا ہو جب بھی اس فیصلہ کی اطلاع جو دوسرے شہروں میں سنی جائے وہ زیادہ سے زیادہ خبر صادق ہوسکتی ہے شہادت نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کی آزاد حکومتوں میں بھی کسی معاملہ کی شہادت کے لئے ریڈیو یا ٹیلی فون کافی نہیں سمجھا جاتا خواہ اس کا انتظام کیسا ہے مضبوط اور معقول ہو بلکہ شاہد کو عدالت کے سامنے حاضر ہوکر گواہی دیناضروری سمجھاجاتاہے۔

اس لئے ان آلات کے ذریعہ سنی ہوئی خبر پر ہلال عیدین وغیرہ جن میں شہادت شرعیہ شرط ہے عمل جائز نہیں۔ بعض تصریحات فقہاءاس بارے میں حسب ذیل ہیں۔

قال فی الدر المختار. و شرط للفطر مع العلة العدالة و نصاب الشهادة و بلفظ اشهد الخ قال الشامی بخلاف هلال الصوم لان ا لصوم امر دینی فلم یشترط فیه ذلك بالفطر فهو نفع دینوی للعباد فاشبه سائر حقوقهم فیشرط فیه مایشرط فیها. وفی رسالة احكام الهلال للعلامة ابن عابدین الشامیؒ و شرط الهلال الفطر مع علة فی السماء شروط الشهادة لانه تعلق به نفع العباد وهو الفطر فاشبه سائر حقوقهم فاشترط له مااشترط لها. من العد دوالعدالة و الحریة و عدم الحد فی قذف وان تاب و لفظ الشهادة (رسائل ابن عابدین صفحه ۲۳٤ ج ۱) ومن شرائط الشهادة ما ذكره فی شهادات الدرورد المحتار مجلس القضاء اه (شامی صفحه ۱٤٦ ج ٤)

بہت سے ریڈیوہاں اگر عام رویت ہلال یا کسی قاضی مفتی کے سامنے شہادت گزرنے اور اس کے فیصلے کی اطلاع مختلف شہروں اور مختلف اطراف کی دس بیس ریڈیو نشر گاہوں سے آجائے تو اصطلاح فقہاء میں یہ خبر مستفیض ہو جائے گی جس میں شرائط شہادت ساقط ہو جاتی ہیں ایسی صورت میں ہلال رمضان و ہلال عیدین دونوں میں ریڈیو کی خبر پر عمل اور اس کے مطابق روزہ رکھنا یا افطار کرنا درست ہوگا بشرطیکہ شہر کے مفتی قاضی اس چیز پر خبر مستفیض تسلیم کرلیں۔ عوام خود اس کا فیصلہ نہ کریں. قال شمس الائمة الحلوائی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبراذ االستفاض و تحقق فیما بین اهل البلدة الاخری یلزمهم حکم هذه البلدة انتهٰی (رسائل ابن عابدین صفحه ۲۵۲ ج ۱)

تنبیہ

ہلال عید کے ثبوت کے لئے شہادت اور حضور مجلس قضاء کی ضرورت جو اوپر مذکور ہوئی اس پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ایک بلدہ کا قاضی جب خود اپنا فیصلہ نشر کرتا ہے تو تمام بلاد بعیدہ و قریبہ میں بھی جہاں یہ فیصلہ سنا جائے اس کی حیثیت حکم قاضی کی ہوگی شہادت کا درجہ نہیں ہوگا جس کے لئے شرائط شہادت ضروری ہیں کیونکہ حسب تصریح فقہاء ایک بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلدہ پر بلاواسطہ نافذ نہیں ہو سکتا، ہاں اگر کسی بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلدہ کے قاضی کے پاس مخصوص طریقہ یعنی بطور کتاب القاضی الی القاضی یا بطور شہادت شرعیہ کے پہنچ جائے تو اس بلدہ کے قاضی پر لازم ہوگا کہ یہ شرائط شرعیہ کی تحقیق کے بعد اپنے بلدہ میں بھی اس حکم کو نافذ کردے ورنہ بلا واسطہ ایک بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلاد میں نافذ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک بلدہ کے قاضی کا بیان دوسرے بلاد میں اگر بدون کتاب القاضی الی القاضی کی خاص صورت یا شہادت علی القضاء کے پہنچے تو وہ صرف ایک شاہد کی حیثیت رکھتا ہے جس میں تمام شرائط شہادت ضروری ہیں تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں. فی مبسوط شمس الائمة. اعلم بان القیاس یابی جواز العمل بکتاب القاضی الی القاضی لان کتابه لا یکون اقوی من عبارتة ولو حضر نفسه مجلس القضاء المکتوب الیه وعبر بلسانه عما فی الکتاب لم یعمل به القاضی فکذلك اذا کتب به الیه الی قوله ولکناجوزنا العمل بکتاب القاضی الی القاضی فیما یثبت مع الشهادة لحدیث علیؓ انه جوزذلك (مبسوط صفحه ۹۵ ج ۱۶)

وفی الفتاوٰی الغیاثة عن فوائد نجم الدین النسفی. سئل شیخ الاسلام ابو الحسن عن قاضی قضی برویته هلال رمضان بشهادة شاهدین عند الا شتباه فی مصر هل یظهر حکمه فی حق مصر آخر فقال لا لانه لیس تبعًا له بخلاف قرٰی هذا المصر ومحاله وما ینسب الیه اه (غیاثه صفحه ۵۰)

ہاں اگر صورت ایسی ہو کہ کسی اسلامی مملکت کا ریڈیو رویت ہلال کا شرعی فیصلہ جو علماء یا قضاۃ نے کیا ہو اس کو مملکت کے صدر یا سلطان کی طرف سے نشر کرے جس کا حکم پوری مملکت پر حاوی ہے تو پھر یہ

ریڈیو کی خبر پوری مملکت پر لازم ہو جائے گی۔ (ہذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)
کتبہ العبد الضعیف محمد شفیع۔ کراچی (۲ر مضان ۷ ۱۳۶ اہجری)
الجواب صحیح۔ شبیر احمد عثمانی ۱۳ ار مضان ۷ ۶ ہجری (اضافہ)

عید کا چاند دن دیکھ لیا تو روزہ افطار کرنا حرام ہے

(سوال ۳۳۴) زید ایک گاؤں کا امام مسجد ہے اس رمضان میں عید کا چاند ۲۹ تاریخ کا تھا زید امام مسجد نابینا ہے مقتدیان زید نے وقت عصر چاند دیکھ لیا زید نے اسی وقت روزہ توڑ دیا اور تمام مقتدیان نے حسب الحکم زید کے توڑ دیا امام مسجد زید نے دعوی کیا کہ اس مسئلہ کا میں ذمہ دار ہوں کہ جس وقت چاند دیکھ لو روزہ توڑ دیا جائے یہ میرا ایکا مسئلہ ہے آیا یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں اگر درست نہیں تو زید اور مقتدیان پر کفارہ روزہ ہے یا نہیں۔ کیا کفارہ ہونا چاہئے۔ حکم شرع سے مشکور فرمائیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں جو چاند عصر کے وقت دیکھا وہ آئندہ رات کا تھا روزہ افطار کرنا اور حکم افطار کا دینا شرعاً صحیح نہیں ہوا اور زید پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں اور عوام الناس جو مسائل سے ناواقف ہیں انہوں نے زید کے مسئلہ بتلانے پر روزہ افطار کیا ہے ان پر صرف قضاء لازم ہے کفارہ لازم نہیں اور کفارہ روزہ کا یہ ہے کہ ساٹھ روزے پے درپے رکھے در مختار میں ہے. و رویته بالنهار للیلة الآتیة مطلقاً علی المذهب ذکره الحدادی. ای سواء روی قبل الزوال او بعده الی ان قال والاصل عنده انه لا یعتبر رویته نهاراً وانما العبرة لرویته بعد غروب الشمس لقوله صلی الله علیه وسلم صوموا لرویته وافطروا لرویته. الخ شامی

(واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

بذریعہ ہوائی جہاز رؤیت ہلال کا حکم

(سوال ۳۳۵) (۱) ہوائی جہاز میں اڑ کر جمعہ کو یعنی سنیچر کی شب انتیسواں چاند کراچی میں دیکھا گیا اور روزے رکھے گئے۔

(۲) کراچی پاکستانی ریڈیو نے ہلال رمضان اور عیدین کے مواقع پر یہ انتظام کیا ہے کہ ایک معتبر اور ثقہ عالم ریڈیو سے اطلاع نشر کرینگے اس اطلاع پر عام مسلمان عمل کریں۔ اس معاملہ کی تحقیق اور اسکی شرعی حیثیت مطلوب ہے۔؟

(الجواب) مسئلہ کی تحقیق سے پہلے یہ عرض ہے کہ دو اطلاعیں جن کا ذکر خط میں فرمایا ہے دونوں میں ابہام کی وجہ سے آپ حضرات کو مغالطہ ہوا حقیقت حال یہ ہے کہ ---

(۱) امسال یعنی رمضان ۷۰ ۱۳ ہجری میں ہلال رمضان کا وقت چند علماء وغیرہ نے ہوائی جہاز پر آکر چاند دیکھا لیکن یہ معاملہ علماء کے کسی متفقہ فیصلہ سے نہیں بلکہ نجی طور پر بعض لوگوں نے ایسا کیا پچھلے سال بھی ایک

کمیٹی میں اس کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا جس میں احقر اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی شریک تھے اس وقت اس کو رد کر دیا گیا تھا۔

(۲) یہ خبر بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پاکستان میں کوئی قابل اطمینان انتظام ہو گیا ہے کہ اس پر ہلال کا جو اعلان ہوگا وہ کوئی مستند عالم قواعد شرعیہ کے موافق کریں گے بلکہ اسی سال اس کے خلاف یہ واقع پیش آیا کہ چاند دیکھنے والے ہوا باز ابھی فرش زمین پر آئے بھی نہ تھے کہ وہیں سے بذریعہ وائرلیس ریڈیو اسٹیشن کو اطلاع دے دی ریڈیو نے اعلان کر دیا۔ علماء کی مجلس میں شہادتیں گزر کر فیصلہ اس کے بعد ہوا۔ اس کے بعد اصل مسئلہ کے متعلق عرض ہے۔

چاند دیکھنے کے لئے ہوائی جہاز میں پرواز

چاند دیکھنے کے لئے ہوائی جہاز میں پرواز کرنے کا اہتمام کئی وجہ سے مناسب نہیں اول تو ایک قسم کا غلو ہے جس کی نظیر عہد رسالت اور قرون خیر میں نہیں ملتی یہ کہنا کہ اس وقت ہوائی جہاز نہ تھے مگر مکہ مکرمہ صفا اور مروہ اور جبل ابی قبیس جیسے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس طرح مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں متعدد پہاڑیاں ہیں اگر چاند دیکھنے کے لئے اتنی بلند پروازی کوئی اسلامی خدمت یا شرعی ضرورت ہوتی تو یقین تھا کہ صحابہ کرام کی جماعتیں اس کام کے لئے پہاڑوں پر جایا کرتیں اور اس کی بے شمار روایتیں حدیث کی ذخیرہ میں موجود ہوتیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس اہتمام کی ایک نظیر بھی قرون مشہود لہا بالخیر میں نظر سے نہیں گزری اس لئے بقول سعدی ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ کو پیش نظر رکھ کر ہر افق والوں کو اپنے ہی افق کی سطح پر چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے چاند نظر آجائے اس کے مقتضیٰ پر عمل کریں نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم قرار دیں علاوہ ازیں ہوائی جہاز کے ذریعہ رویت ہلال کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ہوائی جہاز اتنی بلندی پر پہنچ گیا ہو جہاں مطلع بدل جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوسرے مطالع کا چاند تو مغربی جانب میں پرواز کر کے اٹھائیس تاریخ کو بھی دیکھا جا سکتا ہے ایسی صورت میں مشہور اختلافی مسئلہ سامنے آئے گا کہ رویت ہلال میں اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں یہ مسئلہ ائمہ فقہاء میں مختلف فیہ رہا ہے خود حنفیہ کی روایتیں مختلف اور فقہاء کے فتاویٰ اس بات میں مختلف ہیں تو یہ رویت ہلال بلاوجہ مسلمانوں میں اختلاف و اضطراب پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ فرض کر لیجئے کہ ہوائی جہاز پر چاند دیکھنے کے اہتمام سے نہیں بلکہ اتفاقی طور سے ہوائی سفر کرنے والوں نے اوپر چاند دیکھ کر مجلس علماء یا قاضی کے سامنے شہادت دی تو اس کی کیا حیثیت ہوگی۔

سو جیسا اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے اور خود فقہاء حنفیہ میں بھی متون حنفیہ میں اگرچہ لا عبرۃ باختلاف المطالع کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن محققین حنفیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بلاد بعیدہ جن میں اختلاف مطالع واقع ہو سکتا ہے ان میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا چاہئے فقہائے عراقین حنفیہ اسی

طرف گئے ہیں آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی فتویٰ میں اس کو اختیار فرمایا ہے کہ قدیم زمانہ میں تو یہ مسئلہ ایک فرضی صورت بن کر رہ جاتا تھا کیونکہ ایسے بلاد بعیدہ جن میں اختلاف مطالع واقع ہو سکے وہاں سے شرعی شہادت کا اس جگہ بہم پہنچنا ذرائع نہ ہونے کے سبب متصور نہیں تھا اور آج تو یہ روزمرہ کا معاملہ ہے کہ ہزاروں میل آدمی چند گھنٹے میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے اس لئے اس پر گہری نظر ڈالنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

صحیح مسلم باب بیان ان لکل اھل بلدۃ رؤیتھم میں حضرت کریبؒ کا ملک شام سے رمضان کا چاند شب جمعہ میں دیکھ کر مدینہ واپس آنا اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے شہادت دینا اور یہ بیان کرنا منقول ہے کہ امیر شام حضرت معاویہؓ اور عام مسلمانوں نے جمعہ کا پہلا روزہ رکھا ہے جس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ۔ لکنار أیناہ لیلۃ السبت فلا نزال من صوم حتی نکمل الثلثین اونراہ. اس پر حضرت کریبؒ نے عرض کیا کہ کیا آپ کے لئے حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کا فیصلہ کافی نہیں ابن عباسؓ نے فرمایا۔ لا ھکذا امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترجمہ - نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے) اس حدیث سے بعض علماء نے یہ قرار دیا ہے کہ ہر بلدہ کے لوگوں کو اپنی رویت پر عمل کرنا چاہئے اور محققین فقہاء نے بشہادت واقعات اس کو بلاد بعیدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے جن میں اختلاف مطالع واقع ہو سکتا ہے اور صحیح بخاری کی روایت صوموا لرویتہ و افطروا لرویتہ۔ کا متبادر مفہوم بھی یہی قرار دیا ہے اس لئے محققین حنفیہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے اور صاحب بدائع نے تو دوسرا قول نقل کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی صرف اسی کو باالفاظ ذیل لکھا ہے۔

ھذا اذا کانت المسافۃ بین البلدین قریبۃ لا تختلف فیہ المطالع فاما اذا کانت بعیدۃ فلا یلزم احد البلدین حکم الاخر لا ن مطالع البلاد عند المسافۃ الفاحشۃ تختلف فیعتبر فی اھل کل بلد مطالع بلاد ھم دون البلد آخراہ بدائع صفحہ ۸۳ ج ۲ .

اور یہی مضمون حضرت شاہ ولی اللہ نے شرح موطا میں تحریر فرمایا ہے۔ بناء علیہ جو شہادت بذریعہ ہوائی جہاز ایسے بلاد بعیدہ سے یا اتنی بلندی سے آئے جہاں اختلاف مطالع ہو سکتا ہے وہ شہادت اس جگہ کے لئے قابل قبول ہی نہیں (واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

رویت ہلال میں ریڈیائی خبروں کی شرعی حیثیت

اسکے متعلق جو فتویٰ میرے رسالہ کشف الظنون میں چھپا ہوا ہے وہ ہی صحیح اور معمول بہ ہے ہلال رمضان کی خبر میں چونکہ شہادت شرط نہیں اس لئے جس جگہ خبر دینے والے کی آواز پہنچائی جائے اور اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو یا کسی ریڈیو اسٹیشن کے متعلق یقینی ذرائع سے یہ معلوم ہو کہ اس میں خبر ہلال کی اشاعت علماء کے فتویٰ اور شرعی ضوابط کے مطابق نشر کی جاتی ہے تو دوسرے شہروں میں اس پر عمل جائز ہے لیکن ہلال رمضان کے علاوہ ہلال عیدین اور دوسرے اہلہ کے معاملہ میں باتفاق فقہاء شہادت شرط ہے اور شہادت کے

شرائط میں سب سے بڑی شرط شہود شاہد یعنی عدالت کے سامنے گواہ کا حاضر ہونا ہے جو ریڈیو کی خبر میں مفقود ہے لہذا دوسرے شہروں میں ریڈیو کی خبر پر عید یا افطار کرنا درست نہیں ہو سکتا اگرچہ خبر دینے والے کتنے ہی ثقہ اور عالم کیوں نہ ہوں۔ البتہ جس شہر میں یہ ریڈیو اسٹیشن موجود ہے اور اس میں رویت ہلال کا اعلان شرعی قواعد کے مطابق ہوتا ہے تو اس میں اور اس کے متعلقہ دیہات و مواضع میں اس کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھے گی جیسے عام طور پر شہروں میں گولہ چھوڑنے یا گھنٹے نقارے وغیرہ بجانے کی عادت ہے اور اس کو فقہاء نے اس بلدہ کے حق میں معتبر مانا ہے اس حدیث سے کراچی ریڈیو کی نشر کردہ خبر پر اہل کراچی و متعلقات عید کر سکتے ہیں بشرطیکہ ریڈیو نے علماء کا فیصلہ نقل کر کے اعلان کیا ہو دوسرے شہروں میں اس کی خبر پر عید منانے اور افطار کرنے کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں اس واقعہ اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان احقر کے مجموعہ رسائل آلات جدیدہ کے احکام میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے مزید تحقیق کے لئے اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (محمد شفیع عفا اللہ عنہ) یکم محرم ۷۰ ہجری (اضافہ)

رویت ہلال میں استفاضہ خبر کی تحقیق

جواب از مفتی کفایت اللہ صاحب و بندہ محمد شفیع

(سوال ۳۳۶) بنام حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی

رویت ہلال کے طریق موجب میں سے ایک طریقہ استفاضہ ہے جس کا معنی شامی نے یہ لکھا ہے۔ (تنبیہ)

قال الرحمی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعدد ون كل منهم بخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه (شامی) صفحه ۱۲۹ ج ۲)

اس عبارت سے احقر نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ یہ استفاضہ کی تعریف ہے یعنی جس شہر میں رویت ہلال ہوئی ہو وہاں سے مختلف جماعات آئیں اور یہاں یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر فلاں روز روزہ رکھا یا فلاں دن عید کی نماز پڑھیں گے چاہے یہ گروہ در گروہ آئیں یا منفرداً ایک ایک آ کر یہ خبر دے بہتر تقدیر خبر اس درجہ تک پہنچ جائے جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے محض افواہ نہ ہو۔ جس کا پتہ بھی نہ چلے یہ خبر کہاں سے چلی کیسے پھیلائی اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور تعریف بھی ہو جس کو فقہاء نے تحریر کیا ہو تحریر فرما دیں یا آپ نے سمجھا ہو تحریر فرمائیں۔

(۲) اخبار الجمعیۃ میں ایک اعلان آپ کے نام سے شائع کیا گیا جس میں درج ہے (مفہوم) رویت ہلال کا شرعی ثبوت مل چکا ہے اب جلسے جلوس کی ضرورت نہیں اور بقرہ عید کی نماز سنیچر کو ہوگی آپ کا یہ اعلان جو صرف الجمعیۃ کے ذریعہ سے ہم لوگوں تک پہنچا ہے کیا اس سے استفاضہ ہو گیا یا نہیں اور کیا الجمعیۃ کا اعلان حد تواتر کو پہنچ گیا یعنی یہ اعلان کٹک والے یا دہلی کے علاوہ دوسرے شہر والوں کے لئے ہیں۔

(۳) الجمعیۃ کے اعلان کا درجہ روایت ہلال کے بابت کٹک والے یا دہلی کے علاوہ دوسرے شہر والوں کیلئے و نیز دوسرے جو دہلی کے علاوہ شہروں میں بسنے والے ہیں ان کے لئے کیا ہے کیا ہم لوگ ایک الجمعیۃ کے اعلان پر روزہ رکھ سکتے ہیں یا عید منا سکتے ہیں اور کیا ہمارے لئے یہ اعلان طریقہ موجب ہے۔

(۴) اخبار الجمعیۃ یا دوسرے اخباروں کا انفرادًا یا اجتماعاً رویت ہلال پر اعلان شائع کرنا ہمارے لئے عید و صوم کا موجب ہو سکتا ہے یا کم از کم ان اخباروں کا اور خصوصاً الجمعیۃ کا اعلان ہمارے لئے خبر واحد کا کام دے سکتا ہے یا نہیں اگر خبر واحد ہو سکتا ہے تو فسق اور عدل میں ان اخباروں کا یا اخبار الجمعتیہ کا حکم بذریعہ خبر خواہ وہ الجمعتیہ ہو یا دوسری اخباریں رویت ہلال میں معتبر ہے یا نہیں جیسا تار و ٹیلی فون اور ریڈیو کے بابت حکم شرعی موجود ہے ایسا ہی اخباروں کے متعلق عموماً اور الجمعتیہ کے متعلق خصوصاً حکم شرعی سے مستفید فرمائیں اگر مع دلائل تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہوگی

(الجواب) از حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ۔ استفاضہ کی جو تعریف آپ نے نقل کی ہے وہ صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت استفاضہ کی نہیں اگر متعدد اخبار یعنی کم از کم دس اخبار اپنے اندر رویت ہلال کی خبر معتبر آدمیوں کے ذریعہ سے دیں تو وہ بھی مستفیض ہوئی دہلی میں رویت ہلال کی خبر مستفیض ہو گئی کم از کم بارہ چودہ آدمیوں نے خود چاند دیکھا بیان کیا اور ان کے علاوہ متعدد طرق سے اور لوگوں کا چاند دیکھنا معلوم ہوا اس لئے یہاں تو اس کے مطابق حکم دیا گیا۔ اخبار الجمعتیہ میں جو خبر درج کی گئی ہے وہ رویت کی خبر نہیں تھی۔ بلکہ حکم بالرویۃ کی خبر تھی جن لوگوں کو اخبار الجمعتیہ اور میرے بیان پر یقین ہو وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور جو عمل نہ کریں ان پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اخبار کی خبر طریق موجب نہیں ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

(سوال ۱) دیگر بنام حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مخدومنا المکرّم جناب مفتی صاحب۔ السلام علیکم و رحمتہ اللہ وبرکاتہ

گزارش خدمت میں یہ ہے کہ آپ کا جواب ملا۔ چند شبہات کا ازالہ فرما دیجئے عین نوازش ہوگی۔

(۱) آنجناب کا ارشاد (کیوں کہ اخبار موجب طریق نہیں ہے) اور پھر یہ تحریر کرنا کہ (اخبار الجمعتیہ میں جو خبر درج کی گئی ہے وہ رویت کی خبریں نہیں بلکہ حکم بالرویۃ کی خبر تھی جن لوگوں کو اخبار الجمعتیہ اور میرے بیان پر یقین ہو وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں اور جو عمل نہ کریں ان پر کوئی اعتراض نہیں) یہ بتلاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسی خبر جو طریق موجب نہیں ہے پہنچے اور اسے یقین ہو جائے تو اسے اختیار ہے چاہے اس پر عمل کرے یا نہ کرے لہذا اگر ریڈیو اور ٹیلی فون سے خبر رویت کی پہنچے اور لوگوں کو اس پر یقین ہو جائے تو اس خبر پر عمل کرنا جائز ہے اور نہ عمل کرنے پر معصیت نہیں حالانکہ آنجناب نے اور دوسرے اکابر علماء نے ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر پر عمل پیرا ہونے سے منع فرمایا ہے و نیز طریق موجب میں بھی اگر امام قبول نہ کرے تو اس کو روزہ رکھنا پڑے گا اور اگر نہ رکھے تو قضاء واجب ہے حالانکہ آپ کی تحریر کے مطابق ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اگر غیر طریق موجب میں اختیار ہے تو طریق موجب میں بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا۔ حالانکہ اختیار نہیں۔ ان افطر قطعی

(۲) آنجناب کا ارشاد فرمانا کہ اگر متعدد اخبار یعنی کم از کم دس اخبار اپنے اندر رویت ہی خبر معتبر آدمیوں کے ذریعہ دیں تو وہ بھی مستفیض ہوگی علیٰ ہذا اگر مختلف جگہ سے ٹیلی فون اور ریڈیو کی خبر آئی تو اس پر بھی استفاضہ ہو گیا اور نیز اگر ایک شہر سے متعدد لوگوں نے ٹیلی فون سے خبر دی یا ریڈیو کے ذریعہ اعلان کیا تو یہ صورت بھی استفاضہ کی ہو سکتی ہے شامی کی تعریف سے دو باتیں میری سمجھ میں آئی ہیں ایک تو من اشاعہ یعنی جس نے خبر شائع کی وہ معلوم ہو اور دوسرے اس ایک شہر سے بطریق متعدد خبریں پہنچیں نہ یہ کہ مختلف شہروں سے مختلف خبریں پہنچیں کیونکہ۔ یخبر من اھل تلك البلدة انھم صاموا۔ ہاں البتہ آپ کے قول سے عموما مستفاد ہوتا ہے اپنی نظر جہاں گزری ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو طریق موجب نہیں اس پر عمل جائز نہیں اور طریق موجب یہ ہیں۔ ایک شہادت بالرویۃ دوسرا شہادت علی الشہادۃ بالرویۃ تیسرے شہادت علی حکم الحاکم۔ چوتھا استفاضہ کذافی الدرالمختار صفحہ ۱۲۸ قولہ شھدوا انہ شھداء الی قولہ مجتبی وغیرہ (لانہ حکایتہ) الی قولہ لا مجرد الشیوع الدر المختار صفحہ ۱۲۸ (فیلزم اھل المشرق الی قولہ کمامر)۔ وفی ردالمحتار قولہ بطریق موجب الی قولہ لانہ حکایۃ. اہ

ان عبارات فقہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو خبر بھی بطریق موجب نہ ہو چاہے غلبہ ظن حاصل ہو جائے اس پر عمل جائز نہیں ورنہ اہتمام طریق موجب بیکار ہے۔ (واللہ اعلم)

آنجناب سے گزارش ہے کہ ازالہ شبہہ فرما کر صراط مستقیم کی ہدایت دیں۔ عند اللہ ماجور ہوں گے۔

(الجواب) از بندہ محمد شفیع

جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا یہ صحیح ہے کہ علامی شامی نے استفاضہ کی ایک خاص صورت بیان فرمائی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق استفاضہ اس میں منحصر ہو بلکہ یہ صورت بھی استفاضہ میں داخل ہے کہ مختلف شہروں سے مختلف لوگوں کے ذریعہ رویت ہلال یا حکم بالرویۃ کی خبر بحد تواتر موصول ہو جائیں اس میں مختلف شہروں کے اخبار یا ٹیلی فون یا مختلف ریڈیو اسٹیشنوں کی خبریں شامل ہیں جب وہ حد تواتر کو پہنچ جائیں تو استفاضہ کی تعریف میں داخل ہیں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ عمل کرنے والوں کو اختیار ہو کیونکہ اخبارات یا مختلف جگہوں کے ریڈیو یا ٹیلی فون وغیرہ کی خبر اگر حد تواتر کو پہنچ کر خبر مستفیض ہو گئی تو وہ طریق موجب ہے اس پر عمل کرنا لازم ہے خواہ ہلال رمضان کا قضیہ ہو یا دوسرے اہلہ کا کیونکہ خبر مستفیض کے بعد شہادت شرط نہیں رہتی۔ ہاں اگر خبر مستفیض نہ ہو تو پھر یہ تفصیل ہے کہ ہلال رمضان میں چونکہ شہادت شرط نہیں صرف خبر کا بذریعہ ثقہ موصول ہونا کافی ہے اس لئے جس شخص یا جن لوگوں کو اس پر اعتماد ہو کہ خبر دینے والا فلاں شخص ہے اور وہ ثقہ بھی ہے ان کے حق میں یہ خبر طریق موجب ہے دوسرے لوگوں کے حق میں طریق موجب نہیں اور جن لوگوں کے حق میں موجب ہے ان پر اس کا اتباع لازم آئے گا اور ہلال عیدین وغیرہ میں چونکہ شہادت شرط ہے اور وہ بذریعہ ریڈیو۔ ٹیلی فون یا اخبارات کے حاصل نہیں ہوتی اس لئے اس میں کسی کے لئے بھی وہ طریق موجب نہیں اور جب ثبوت ہلال بطریق موجب نہ ہوا تو پھر اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استفاضہ کی صورت میں ہلال رمضان وعیدین سب میں عمل کرنا لازم اور جب کہ استفاضہ نہ ہو عیدین میں مطلقاً ناجائز رمضان میں جن لوگوں کو اعتماد ہو ان پر لازم ہے دوسروں پر نہیں۔(واللہ تعالیٰ اعلم) بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔(کراچی) ۱۰ ربیع الاول سن ۱۳۷۰ ہجری (اضافہ)

فصل فیما یفسد الصوم و ما یکرہ للصائم
(جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا یا مکروہ ہو جاتا ہے)

روزہ میں انجکشن

(سوال ۳۳۷) بحالت صوم انجکشن کرنے سے روزہ میں کچھ نقصان آتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) انجکشن کے متعلق جہاں تک تحقیق کی گئی ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس میں بذریعہ عروق و مسامات کے دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے اس لئے ناقض صوم نہیں، ناقض صوم وہ ہے جو بذریعہ کسی منفذ کے بدن کے اندر پہنچے نہ کہ بذریعہ مسامات کے۔ قال فی الدر المختار ا واکتحل اوادھن اوا حتجم وان وجد طعمه فی حلقه ولانه اثر داخل من المسام الذی هو خلل البدن و المضر انما هو الداخل من المنافذ للا تفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر۔ اور داخل بدن میں دوا کا اثر بذریعہ عروق یا مسامات پہنچ جانے سے فساد صوم لازم نہیں آتا جیسے غسل کا اثر اور زہریلے جانور کے کاٹنے کا اثر اکثر بدن کے اندر سرایت کر جاتا ہے مگر وہ باتفاق مفسد روزہ نہیں اسی طرح انجکشن بھی مفسد روزہ نہیں۔

اس مسئلہ کی مفصل تحقیق احقر کے رسالہ کلمۃ القوم فی الانجکشن فی الصوم، میں مذکور ہے۔ فقط (واللہ اعلم)

انجکشن سے روزہ فاسد ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق

(سوال ۳۳۸) انجکشن کے ذریعہ جو دوا بدن کے اندر پہنچائی جاتی ہے اس سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے سے نیز تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعہ جو دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائیں یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فساد صوم کے لئے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں بذریعہ منفذ اصلی پہنچنا ضروری ہے مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائیں واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں فقہاء کی عبارتیں دو طرح پر تقریباً بلکہ حقیقتاً اس دعوے کی تشریح کرتی ہیں اول تو یہ کہ فقہاء نے زخم پر دوا ڈالنے کو مطلقاً مفسد نہیں فرمایا بلکہ جائفہ (۱) یا آمّہ کی قید لگائی ہے کیونکہ انہیں دو قسموں کے زخموں سے دوا جوف ودماغ یا جوف بطن کے اندر پہنچتی ورنہ جوف عروق کے اندر تو دوسری قسم کے زخموں سے بھی پہنچ جاتی

(۱) جائفہ وہ زخم ہے جو سینہ پیٹ وغیرہ میں ہو اور اندر تک پہنچا ہو اور آمّہ وہ زخم ہے جو دماغ میں اندر تک پہنچا ہو ۱۲ امنہ

سے دوسرے بہت سی جزئیات فقہیہ مسلمات فقہاء میں سے ایسی ہیں جن میں دواوغیرہ مطلقاً جوف بدن میں تو پہنچ گئی لیکن چونکہ جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچی اس لئے اس کو مفطر و مفسد صوم نہیں قرار دیا جیسے مرد کے پیشاب گاہ کے اندر دوایا تیل وغیرہ چڑھانے سے باتفاق ائمہ ثلاثہ روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

کما صرح به الشامی حیث قال و افادانه لوبقی فی قصبة الذکر لا یفسد اتفاقاً ولا شك فی ذلك شامی صفحه ۱۰۳ جلد ۲. و مثله فی الخلاصة صفحه ۲۵۳ جلد ۱. نقلاً عن ابی بکر البلخیؒ

اگر دوا مثانہ تک پہنچ جائے تب بھی امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مفسد صوم نہیں امام ابو یوسفؒ جو مثانہ میں پہنچ جانے کو مفسد قرار دیتے ہیں وہ بھی اس بناء پر کہ ان کو یہ معلوم ہوا کہ مثانہ اور معدہ کے درمیان منفذ ہے جس سے دوا معدہ میں پہنچ جاتی ہے ورنہ نفس مثانہ میں پہنچنے کو وہ بھی مفسد نہیں فرماتے اسی لئے صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کے متعلق فرمایا ہے. فکانه وقع عند ابی یوسف ان بینه و بین الجوف منفذاً ولهذا یخرج منه البول ووقع عند ابی حنیفة ان المثانة بینهما حائل و البول یتر شح منه وهذا لیس من باب الفقه.

محقق ابن ہمام اس کی شرح میں فرماتے ہیں. یفید انه لا خلاف لو اتفقو ا علی تشریح هذا العضو فان قول ابی یوسفؒ بالا فساد انما هو بناء علی قیام المنفذبین المثانة و الجوف. (الی قوله) قال فی شرح الکنز وبعضهم جعل المثانة نفسهاجوفًا عند ابی یوسفؒ وحکی بعضهم الخلاف مادام فی قصبة الذکر ولیسابشئی انتهی.

اس طرح اگر کان میں پانی ڈالے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا. کما صرح بہ فی الدر المختار والخلاصة حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے۔اس طرح اگر کوئی انگور وغیرہ کو ایک تاگہ میں باندھ کر نگل جائے اور پھر معدہ میں پہنچنے سے پہلے کھینچ لے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

کما قال فی الخلاصة وعلی هذا لو ابتلع عنباً مربوطاً بخیط ثم اخرجه لا یفسد صومه (خلاصه صفحه ۲۶۰ جلد ۱) و مثله فی العالمگیریة مطبوعة الهند صفحه ۲۰۲ و لفظه ومن ابتلع لحماً مربوطاً علی خیط ثم انتزعه من ساعته لا یفسد وان ترکه فسد کذافی البدائع.

الغرض اگر مطلق جوف بدن میں کسی شی کا پہنچنا بلا خلاف مفسد ہوتا تو خود پیشاب گاہ بھی ایک جوف ہے اور مثانہ تو بدرجہ اولی جوف ہے اور حلق بھی جوف ہیں۔ان میں پہنچنا بلا خلاف مفسد صوم ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جوف بدن میں مفطر چیزوں کا پہنچنا مفسد صوم نہیں بلکہ خاص جوف دماغ اور جوف بطن مراد ہیں بلکہ جوف دماغ بھی اس میں اصل نہیں وہ بھی اسی وجہ سے لیا گیا ہے کہ جوف دماغ میں پہنچنے کے بعد بذریعہ منفذ جوف معدہ میں پہنچ جانا عادت اکثریہ ہے جیسا کہ صاحب بحر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔قال فی البحر و التحقیق ان بین جوف الراس و جوف المعدة منفذاً اصلیاً فما وصل الی جوف الراس یصل الی جوف البطن من الشامی صفحه ۱۰۶ جلد ۲.

اس عبارت سے اس مقصد کی بالکل تصریح ہو گئی کہ جوف سے مراد صرف جوف بطن ہے اور جوف دماغ سے چونکہ جوف بطن میں پہنچنا لازمی ہے اس لئے اس میں پہنچنے کو بھی تبعاً لجوف المعدہ مفسد قرار دیا ہے اسی طرح حقنہ وغیرہ کو تبعاً لجوف المعدہ مفسد کہا گیا ہے۔ فتاوی قاضی خان میں ہے۔

اما الحقنة والوجور فلانه وصل الى الجوف مافيه صلاح البدن و فى القطور و السعوط لانه وصل الى الراس مافيه صلاح البدن۔ اس عبارت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جس جوف میں پہنچنا مفسد صوم ہے وہ جوف معدہ و جوف دماغ ہے مطلقاً جوف مراد نہیں اور خلاصۃ الفتاوی کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل نص صریح ہے۔

وهى هذه وما وصل الى جوف الراس و البطن من الاذن والانف و الدبر فهو مفطر بالا جماع و فيه القضاء وهى مسائل الاقطار فى الاذن و السعوط و الوجور و الحقنة وكذامن الجائفة والآمة عند ابى حنيفةؒ الخ۔ اسی طرح عالمگیری کے الفاظ بھی اس کے قریب ہیں۔ وفى دواء الجائفة والآمة اكثر المشائخ على ان العبرة للو صول الى الجوف و الدماغ الخ عالمگیریؒ یہ مطبوعۃ الہند صفحہ ۲۰۲ جلد اول اور بدائع کی عبارت ان سب سے زیادہ اس مضمون کے لئے اصرح وواضح ہے۔

وهى هذه وما وصل الى الجوف اوالدماغ من المخارق الاصلية كالانف والا ذن والدبر بان استعط لواحتقن اوا قطر فى اذنه فوصل الى الجوف اوالى الدماغ فسد صومه اما اذاوصل الى الجوف فلا شك فيه لوجود الاكل من حيث الصبورة وكذا اذا الوصل الى الدماغ لانه له منفذ الى الجوف اوالى الدماغ من غير المخارق الاصلية بان داوى الجائفة والامة فان داواها بدواء يابس لا يفسد لانه لم يصل الى الجوف ولا الى الدماغ ولو علم انه وصل ليفسد فى قول ابى حنيفةؒ الخ بدائع صفحه ۹۳ ج ۲.

کتبہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب صحیح۔ اشرف علی (از تھانہ بھون) ۱۵ ربیع الاول سن ۵۰ ہجری

الجواب صحیح۔ حسین احمد عفرلہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح۔ بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح۔ محمد اعزاز علی غفرلہ، مدرس دارالعلوم دیوبند

انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہونے پر اشکال وجواب

(سوال ۳۳۹) آنجناب نے فتاوی انجکشن میں عدم فساد صوم کی تحقیق میں فقہ کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ فساد صوم کے لئے فطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے مطلقاً کسی عضو کے جوف یا عروق کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں ہے لہذا انجکشن کے ذریعہ سے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم

نہیں اور اسی کی تائید میں آگے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر کان میں پانی ڈالے روزہ فاسد نہیں ہوتا حالانکہ کان بھی ایک جوف ہے، اب احقر کو اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے حالانکہ اصول مذکورہ کے مطابق نہیں ٹوٹنا چاہئیے کیونکہ کان جوف دماغ نہیں ہے جیسے کہ آپ کی تحریر سے مستفاد ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ کان میں تیل ڈالنے سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے اس لئے مفسد صوم ہے تو یہی حال انجکشن کا ہے کہ اس کے ذریعہ سے بدن کی اصلاح ہوتی ہے پس چاہئیے کہ انجکشن سے بھی روزہ فاسد ہو امید ہے کہ جواب باصواب سے مشکور فرمائیں گے۔

(الجواب) اب غور کرنے سے معلوم ہوا کہ کان کی مثال دینے میں مسامحت ہوئی کان سے جوف دماغ تک اور وہاں سے جوف بطن تک منفذ ہے اور اسی لئے کان میں تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر پانی خود بخود داخل ہو جاوے تو فاسد نہیں ہوتا اور قصداً داخل کیا جاوے تو اس میں اختلاف ہے ایک قول پر فاسد نہیں اور دوسرے قول پر فاسد ہو جاتا ہے اور اکثر حضرات نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ کذا فی الدرالمختار اور وجہ فرق تیل و پانی میں غالباً یہ ہے کہ کان منفذ پیچ در پیچ ہونے کے سبب اس منفذ سے اندر جوف تک پہنچنا تیل میں تو غالب ہے کیونکہ تیل سریع النفوذ چیز ہے پانی میں عادۃً مشکل ہے اور شاید بالقصد داخل کرنے کی صورت میں جن حضرات نے فساد صوم کو ترجیح دی ہے اس میں اس کو بھی داخل ہو کر بالقصد لیٹ کر اس طرح پانی ڈالا جائے تو اندر تک پہنچ جانا کچھ بعید نہیں اور بلا ارادہ ویسے ہی نہاتے ہوئے پانی کان میں چلا گیا تو اندر جوف میں پہنچنا عادۃً مستبعد ہے علاوہ ازیں پانی سے احتیاط دشوار بھی ہے تیل میں کوئی دشواری نہیں۔

الغرض اس باب میں جو تیل اور پانی میں فرق کیا گیا ہے وہ اس پر مبنی نہیں کہ کان اور جوف دماغ کے درمیان منفذ نہ ہو بلکہ اس کا مبنی دوسری چیزیں ہیں۔ اس لئے اس موقعہ پر یہ مثال کان کی صحیح نہیں مگر دوسری امثلہ موجود ہیں جن سے اصل مسئلہ ثابت ہے اس لئے اصل مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا یعنی انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۸ محرم ۷۲ (اضافہ)

حقہ اور نسوار سے روزہ ٹوٹ جانے کی وجہ

(سوال ۳۴۰) ظاہر ہے کہ اکل و شرب مفطرات میں سے ہیں۔ حقہ اور نسوار اگر مفطر ہیں تو اکل و شرب کی حیثیت سے ہیں اب شبہ یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کے جواز سے معلوم ہوتا ہے کہ اکل و شرب بغیر ازابتلاع و وصول الی الجوف ناتمام ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حقہ اور نسوار بغیر مبالغہ کے مضمضہ اور استنشاق کا حکم رکھتے ہیں سعوط اور قطور کا بغیر وصول الی الجوف والدماغ غیر مفطر ہونا ان کا مؤید اور شاہد ہے غرض کہ اکل و شرب میری عقل ناقص میں موجب دو فعلوں کا مجموعہ ہے وصول الی الفم والابتلاع افطار کا مدار اخیر پر ہے۔ شرب الدخان کا محاورہ مجاز پر مبنی ہے جیسے ہندی میں ہوا کھانا۔ ؟

(الجواب) یہ صحیح ہے کہ کسی چیز کا محض منہ کے اندر پہنچ جانا مفطر نہیں۔ دوسرا جزو یعنی ابتلاع کا فساد صوم

کے لئے موقوف علیہ ہونا قابل غور ہے کیونکہ بتصریح فقہاء مدار فساد صوم کا یہ ہے کہ کوئی مفطر چیز جوف دماغ یا جوف معدہ میں پہنچ جائے خواہ ابتلاع کے ساتھ یا بغیر ابتلاع اسی وجہ سے ادویہ میں سعوط اور نیز حقنہ کو باجماع مفسد صوم مانا گیا ہے حالانکہ ابتلاع متحقق نہیں اور جب مدار یہ ہوا کہ مفطر کا وصول جوف دماغ یا معدہ میں ہو جائے تو بلاشبہ حقہ اور نسوار وغیرہ ناقص صوم ہو جائیں گے کیونکہ دماغ میں ان کا پہنچ جانا یقینی ہے ہاں اگر حقہ کا دم نہ بھرا جائے بلکہ ویسے ہی خفیف سا دھواں منہ میں آجائے جو دماغ تک نہ پہنچ سکے یا نسوار کو ناک کے اندر رکھ کر ایسی طرح نکال دیا جائے کہ دماغ میں نہ پہنچ سکے تو بے شک وہ مفسد صوم نہیں لیکن عرف عام کے اعتبار سے ایسا ہونا بہت بعید بلکہ عادۃً متعذر کہا جائے تو صحیح ہے اس لئے حقہ پینے اور نسوار سونگھنے کو مفسد صوم ہی کہا جائے گا۔ والدلیل علی ماقلنا ان المدار علی الوصول الی الجوف ما صرح به الفقهاء قاطبة واللفظ لخلاصة الفتاوی وما وصل الی جوف الراس اوالبطن من الاذن والانف والد برفهو مفطر بالا جماع و فيه القضاء وهی مسائل الافطار فی الاذن و السعوط والوجور و الحقنة انتهى (خلاصة) نیز عالمگیری میںھے۔ ودواء الجائفة والامة اكثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف اوالدماغ عالمگیری هندی صفحه ۱۰۱ ج ۱۔ (والله تعالٰی اعلم)

فصل فی الاعذار المبیحة للافطار
(وہ مجبوریاں جن سے افطار جائز ہو جاتا ہے)

دائمی مریض کے روزہ کا حکم

(سوال ۳۴۱) ایک شخص کو بوجہ بھوکا رہنے کے نکسیر وغیرہ ہو جاتا ہے اسی حالت میں دو رمضان گزر گئے اور آئندہ بھی بہت کم امید ہے تو یہ شخص گزشتہ رمضان کا فدیہ دے یا صحت کا انتظار کرے۔؟

(الجواب) یہ شخص مریض ہے شیخ فانی نہیں اور مریض کا حکم شریعت میں یہ ہے کہ اگر مرض سے اچھا ہونے کے بعد اتنی مدت اس کو ملے کہ اس میں قضاء کر سکتا ہے تو روزے کی قضاء اس کے ذمہ ہے ورنہ قضاء بھی نہیں۔ لقوله تعالٰی فعدة من ايام اخر۔ الغرض اس کو صحت کا انتظار کرنا چاہئے۔

فقط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ۶ صفر ۱۳۵۰ ہجری

فصل فی القضا و الکفارة
(روزہ کی قضا اور کفارہ)

کفارہ رمضان اگر متعدد ہوں تو کس صورت میں تداخل ہو گا

(سوال ۳۴۲) ایک ہی رمضان کے دو کفارے اور دونوں جماع کے ایک دوسرے میں مدغم ہو جائیں گے یا الگ الگ اور دو رمضان کے دو کفارے بھی مدغم ہو سکتے ہیں یا نہیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح و مختار للفتوی یہ ہے کہ اگر دونوں کفارے جماع ہی کے ہیں تو تداخل وادغام نہ ہوگا خواہ ایک ہی رمضان کے ہوں یا دو رمضانوں کے اور اگر دونوں کفارے جماع کے نہیں تو تداخل ہو جائے گا خواہ ایک ہی رمضان کے ہوں یا دو رمضانوں کے بشرطیکہ دوسرا کفارہ واجب ہونے سے پہلے پہلا کفارہ ادا نہ کردیا ہو. قال فی الدرالمختار ولو تکرر فطره ولم یکفر للاول یکفیه واحدة ولوفی رمضانین عند محمد و علیه الاعتماد بزازیة و مجتبی وغیر هما واختار بعضهم للفتوی ان الفطر بغیر الجماع تداخل والا لادر قال الشامی فقد اختلف الترجیح و یتقوی الثانی بانه ظاهر الروایة شامی صفحه ۱۱٤ ج ۲ مطلب الکفارة من الصوم۔

فصل فی صوم النذر و صوم النفل
(نفل اور نذر کا روزہ)

ماہ صفر کے روزے کا حکم

(سوال ۳٤۳) ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ بلاد ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کچوری یا حلوا پکا کر کھایا جاتا ہے عوام اس کو کچوری روزہ یا پیر کا روزہ کہتے ہیں شرعاً اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) بالکل غلط اور بے اصل ہے اس کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب خاص کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہؓ سے کسی ایک ضعیف حدیث میں اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان و فساد اور بدعت ہونے کی کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں جو نبی کریم ﷺ نے امت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو اور اسی لئے یہ بھی فرمادیا۔

(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

نذر کی کہ فلاں روز ہمیشہ روزہ رکھوں گا پھر عاجز ہو گیا

(سوال ۳٤٤) عائشہ کے گاؤں میں ہیضہ کی شکایت ہوئی اور لوگ بکثرت مرنے لگے جب عائشہ کی بھاوج کا انتقال ہو گیا تو عائشہ گھر آگئی اور بے ساختہ اس کے منہ سے گھبراہٹ میں نکل گیا اے خدا اگر ہمارے گھر کے سب لوگ اس وباء سے محفوظ رہے تو میں زندگی بھر جمعہ جمعرات کو روزہ رکھوں گی چنانچہ اس کے گھر کے لوگ اس وباء سے محفوظ اور اچھے رہے اب عائشہ کو روزہ رکھنا دشوار معلوم ہوتا ہے لہذا دریافت کرنا چاہتی ہے کہ کیا زندگی بھر اس کو جمعرات جمعہ کو روزہ رکھنا ضروری ہے یا اس سے بچنے کی کوئی صورت ہے۔؟

(الجواب) اس صورت میں مسماۃ عائشہ کو جمعرات اور جمعہ کا رزہ رکھنا لازم ہے۔ درمختار احکام النذر میں ہے۔ ومن نذر نذراً مطلقاً او معلقاً بشرط وکان من جنسه واجب ای فرض الخ وھو عبادۃ

مقصودة الٰی ان قال ووجد الشرط المعلن به لزم الناذر لحدیث من نذر وسمی فعلیه الوفاء بماسمی کصوم و صلوٰة و صدقة الخ.

اور مجموعۃ الفتاویٰ میں بزازیہ کی روایت نقل کی ہے کہ اس میں بھی استحساناً ایسے صیغہ میں وجوب نذر مصرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ

جواب صحیح ہے اور اگر فی الواقع عائشہ ان روزوں کے اداء سے معذور ہے تو وہ اس کے ذمہ لازم رہیں گے اور اس کے ذمہ ضروری ہوگا کہ بعد موت اس کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم) محمد شفیع عفاعنہ

کتاب الحج

فصل فی الاحرام وما ھو محذور فیہ اومباح
(احرام کے مسائل)

حالت احرام میں پاؤں میں مہندی لگانا

(سوال ۳۴۵) زید دوپہر کے وقت حرم شریف میں گیا اور خانہ کعبہ کی دیوار تک چلا گیا واپسی میں پتھر گرم ہونے کی وجہ سے ایک پیر میں چھالہ پڑ گیا اور دوسرا اسی طرح درد کرنے لگا زید نے ایک پیر میں حنا لگائی اور زید کو جب کچھ تخفیف معلوم ہوئی تو دوسرے اور تیسرے روز دونوں پیروں میں حنا لگائی اور زید قران کے احرام میں ہے اس صورت میں کیا کفارہ ہوگا۔ بینوا توجروا ؟

(الجواب) تین دن تک ایک پاؤں یا دونوں پاؤں میں حنا لگانے سے تین جنائتیں ہوئیں اور قارن کی ایک جنایت دو جنایتوں کے حکم میں ہو جاتی ہے اس لئے چھ جنائتیں ہو گئیں مگر چونکہ عذر کی وجہ سے ہوئی ان جنایتوں کے کفارہ میں یہ اختیار ہے کہ ہر جنایت کے عوض ایک قربانی بکرے یا مینڈھے وغیرہ کی حرم میں کرے یا ساتواں حصہ اونٹ وغیرہ کا اور یا چھ مسکینوں کو ایک ایک فطرہ یعنی پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرے اور یا تین روزے رکھے۔ یہ ایک جنایت کا کفارہ ہوا اسی طرح چھ جنایتوں کے چھ کفارے ادا کرے کذا فی الدر المختار صفحہ ۲۸۸ ج ۲ (واللہ اعلم)

۲۸ محرم ۶۷ ہجری (اضافہ)

فصل فی الوصیۃ بالحج و الحج عن الغیر
(حج کی وصیت اور حج بدل)

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کے حج بدل کرنے کا حکم

(سوال ۳۴۶) حج بدل کے مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ حج بدل کے لئے ایسے آدمی کو بھیجنا چاہئیے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہے عمر کہتا ہے کہ حج بدل کے لئے یہ قید ضروری نہیں اب علمائے دین سے التماس ہے کہ ایسی صورت میں حج بدل کے لئے مستطیع یا غیر مستطیع کیسے آدمی کو بھیجنا چاہئے۔ ان تمام باتوں پر خیال کرتے ہوئے مفصل اور واضح حج بدل کے احکام مع حوالہ کتب فرمائیں۔ ؟

(الجواب) دونوں قول اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی طرف سے حج نہیں کیا اگر اس کو حج بدل کے لئے بھیجدیا تو باتفاق مشائخ حنفیہ حج بدل درست و صحیح ہو جائیگا (خلافاللشافعیؒ) اس سے معلوم ہوا کہ یہ قید ضروری نہیں کہ اپنی طرف سے حج کر چکا ہو لیکن چونکہ امام شافعیؒ اس کے خلاف ہیں کہ ان کے نزدیک حج بدل غیر کی طرف سے جبھی صحیح ہو سکتا ہے جب کہ پہلے اپنے لئے حج فرض کر چکا ہو اس

لئے افضل یہ ہے کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج کے لئے نہ بھیجیں تاکہ بلااختلاف حج صحیح ہو جائے گا لیکن اگر بھیج دیا تو حنفیہ کے نزدیک صحیح ہو جائے گا۔ اگرچہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ قال الشامی قال فی الفتح ایضاً والا فضل ان یکون قد حج عن نفسه حجة الاسلام، خروجاً عن الخلاف (الی قوله) قال فی البحر والحق انها یعنی الکراهة تنزیهیة علی الأمر لقولهم والا فضل الخ تحریمیة علی الضرورة الذی اجتمعت فیه شروط الحج عن نفسه لانه اثم بالتاخیر (شامی صفحه ۲٤۸ جلد ۲) (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

حج فرض کے ہونے کے بعد اگر قدرت نہ رہے تو حج ساقط نہیں ہوتا

(سوال ۳٤۷) میرے چھوٹے بھائی عبدالحکیم کا ارادہ حج بیت اللہ شریف کا ہے اور میری والدہ نابینا بارہ سال سے ہیں جس وقت آنکھوں سے درست تھیں اسی وقت سے وہ مالدار تھیں اور مال جو کچھ تھا وہ والد صاحب کا تھا والد صاحب حج کر آئے ہیں اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ آیا والدہ صاحبہ پر حج فرض آنکھوں کی حالت میں ہو گیا تھا یا نہیں اگر فرض ہو گیا ہے تو حج بدل ان کی زندگی میں میرے بھائی کو جائز ہے یا نہیں یا عمرہ ہی ان کی طرف سے جائز ہے اور میرے بھائی کے گھر میں سے انتقال ہو گیا اور ایک بچہ آٹھ سال کی عمر کا چھوڑ کر مری ہے میرا بھائی یہ چاہتا ہے کہ اس بچہ کی شادی کر کے حج کو جاؤں گا آیا تاخیر اس وجہ سے جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) جس وقت والد صاحب کا مال منتقل ہو کر والدہ کی ملک میں آیا اگر وہ اس وقت بینا تھیں اور مال اس قدر تھا کہ جس سے مصارف حج سب پورے ہو سکیں اور دوسرا کوئی عذر مانع حج بھی نہ تھا تو والدہ کے ذمہ حج فرض ہو گیا اور اب نابینا ہونے کے بعد بھی ان پر فرض ہے کہ دوسرے آدمی کو بھیج کر حج کرائیں یہ ضروری نہیں کہ اپنے بیٹے ہی کو بھیجیں غیر کو بھی بھیج سکتی ہیں اور اگر بیٹا ہی جانا چاہے تو جلدی کرنا بہتر ہے کہ موت حیات لگی ہوئی ہیں لیکن اگر اس کو اپنے لڑکے کی شادی کا خیال ہے اور اس طرف قلب کا تعلق زیادہ ہے تو یہی بہتر ہے اس سے فارغ ہو کر جائیں۔ قال الشامی قال قد رثم عجز قبل الخروج الی الحج نقرر دنیا فی ذمته (فیلزم الاحجاج شامی صفحه ۱٥٤ ج ۲)

حج اور عمرہ کے متفرق مسائل

حج اکبر کس کو کہتے ہیں

(سوال ۳٤۸) دریں دیار مشہور است کہ اگر روز جمعہ ہشتم ذوالحجہ آں موافق شود بقصد ثواب حج حج اکبر وادن اور ہشتم ود ہم کردہ شود اگر ایں صادق ست حکم تکبیر ایام تشریق چیست۔ ؟

(الجواب) حج اکبر در اصل نام حج است کہ نبی کریم ﷺ باجم غفیر از صحابہؓ در آخر عمر خود ادا کردند وچوں آں حج حسب الاتفاق بروز جمعہ واقع شد پس از ینجا ہر حج کہ در روز جمعہ واقع شود بنام حج اکبر موسوم می کنند ورنہ در احکام از دیگر ایام ممتاز نیست۔ وہم چناں حکم تکبیر تشریق نیز بہیچ وجہ ممتاز نیست (واللہ تعالیٰ اعلم) ۵ محرم ۱۳۵۱ ہجری۔

فصل فی زیارة المدینة علٰی صاحبها الصلوٰة و السلام

(زیارت مدینہ کے احکام)

سفر مدینہ برائے زیارت روضہ اقدس

(سوال ۳۴۹) زیارت رسول اللہ ﷺ کردن بقصد خاص برائے زیارت رفتن بمدینہ منورہ جائز است یانہ۔؟

(الجواب) جائز است بلکہ مندوب وبعضے قریب بواجب گفتہ اند۔ روایات کثیرہ صحیحہ صریحہ دریں باب وارد شدہ است خیلے ازیں روایات۔ ملا علی قاریؒ در مناسک خود و سمہودی در وفاء الوفاء آوردہ است و در خلاصۃ الوفاء آوردہ کہ از روایات مشہورہ ثابت است کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہر سال دو کس برائے ابلاغ سلام بر روضہ منورہ نبویہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ می فرستادند۔ (واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم)

روضہ اقدس کی زیارت کے لئے حج سے پہلے جانا افضل ہے یا بعد میں

(سوال ۳۵۰) یہاں سے (افریقہ سے) حج کو جانے والے حضرات اکثر قبل رمضان جایا کرتے ہیں تاکہ ماہ مبارک کی برکات مکہ معظمہ میں حاصل کریں پھر بعد رمضان زیارت مدینہ منورہ دام شرفہا کو چلے جاتے ہیں وہاں سے واپسی کے بعد حج سے فائز ہوتے ہیں اور بعد حج پھر مدینہ نہیں جاتے اس لئے مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ قبل حج مدینہ منورہ جانا چاہئے یا بعد حج افضل کونسا ہے میں اپنی استطاعت کے مطابق جواب عرض کردیتا ہوں۔ اب ایک مکرم کے اصرار سے جناب کو تکلیف دی جارہی ہے کہ من حج ولم یزرنی الحدیث کی تنبیہ تہدید سے بچنے کے لئے بعد کو جانا افضل ہوگیا۔

اتنا ملحوظ فرمالیں بعد حج جانے والوں کو مدینہ منورہ میں قیام کا موقع ان کا جتنا دل چاہتا ہے نہیں ملتا اور قبل جانے میں اطمینان سے ماہ دوماہ کا موقع مل جاتا ہے۔

(الجواب) فی المناسک لملا علی قاری. ثم ان کان الحج فرضًا ای علیه فیبدأ بالحج ثم الزیارة ان لم یمر بالمدینة فی طریقه وان مربها بدأ بالزیارة لا محالة لان ترکها مع قربها یعد من القسادة و الشقاوة و تکون الزیارة حینئذ بمنزلة الوسیلة و فی مرتبة السنة القبلیة للصلوٰة (الٰی ان قال) وقد روی الحسن عن ابی حنیفة اذا کان الحج فرضا فالا حسن للحاج ان یبدأ بالحج ثم یثنی بالزیارة وان بدا بالزیارة جاز انتهٰی وهو الظاهر اذیجوز تقدیم النفل علی الفرض اذا لم یخش الفوات بالا جماع وان کان الحج نقلاً فهو بالخیار بین البدائة بالمختار صلی الله علیه وسلم بالآصال والا سحار و بین انْ یحج اولاً فیطهر من الا وزار فیزور الطاهر طاهر اه (مناسك لملا علی قاری صفحه ۲۶۸) ومثله فی الدر المختار وحواشیه للشامی صفحه ۳۵۳ ج ۲ قال بحر العلوم فی رسائل الا رکان قال مشائخنا الحج ان کان فرضا فالا حسن ان یبدأبه ثم یثنی بالزیارة وان کان الحج تطوعا فهو بالخیار ان شاء بدأ بالحج وان شاء بدأ بالزیارة. وعندی ان البداء ة بالحج یرجی ان لا یلقی قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم مع الذنوب لان الحج ماحٍ للذنوب. وبالبداء ة بالزیارة والا

ستمد اد منه صلى الله عليه وسلم يرجى كون الحج مبروراً اما حيًا للذنوب فلكل جهة حسن فالى ايهما يميل يفوز بالسعادة انتهٰى صفحه ۲۷۸)عبارت مذکورہ سے مسائل ذیل ثابت ہوئے۔

(۱)اگر حج کاوقت قریب ہواور زیارت مدینہ طیبہ کے لئے جانے میں حج کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو حج کو مقدم کرناضروری ہے-

(۲)اگر حج کے وقت میں وسعت ہو اور فوت ہونے کا خطرہ نہ ہواور مدینہ طیبہ راستہ میں پڑے جیسے اہل شام وغیرہ کوتوزیارت روضہ اقدس مقدم کرناچاہئیے-

(۳)اگر حج کے وقت میں گنجائش تو ہے لیکن مدینہ طیبہ راستہ میں نہیں توحج فرض میں حج کو مقدم کرنااور زیارت کو موخر کرنا بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص زیارت کو مقدم کرے حج بعد میں کرے تو یہ بھی بلاکراہت جائز ہےاور جوحج نفل میں اختیار ہے چاہے حج پہلے کرے یازیارت۔

(۴)بحر العلوم کے نزدیک حج فرض ہویانفل بہر دوصورت جس کوچاہے مقدم کر سکتاہے۔

بناء علیہ اگر حجاج کو یہ معلوم ہو کہ حج کےبعد دل جمعی کے ساتھ مدینہ طیبہ میں معتدبہ قیام نہیں ہو سکے گا اورحج کے وقت میں گنجائش بھی ہو توزیارت مدینہ طیبہ کو مقدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اورنہ کسی قسم کی کراہت ہے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)شب عید الفطر ۱۳۶۵ ہجری(اضافہ)

کتاب النکاح

فصل فی المحرمات واللاتی یحل نکاحهن

(کن عورتوں سے نکاح درست ہے اور کن سے نہیں)

مرتد عورت کا مسلمان ہو کر سابق مسلمان شوہر سے نکاح کرنا

(سوال ۳۵۱) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی ڈیڑھ سال کے بعد عورت آریہ یعنی مرتد ہو گئی پھر مسلمان ہو گئی اب اس شخص کے نکاح میں آنا چاہتی ہے جس کے نکاح میں پہلے تھی آریوں کا دعوی ہے کہ اگر کوئی آریہ عورت مسلمان ہو جاوے تو ہمارے مذہب میں اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا اور آریہ ہونے کے بعد ایک ہندو کے ہمراہ اس کی شادی ہو گئی تھی۔؟

(الجواب) جب اس عورت کو خاوند نے طلاق دے دی تو عدت گزر جانے پر اسکے نکاح سے قبل از ارتداد ہی خارج ہو گئی اس لئے اگر اب دوبارہ مسلمان ہو کر وہ اس کے ہاں رہنا چاہتی ہے تو تین حیض گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کر کے رہ سکتی ہے۔

رہا آریوں کا یہ دعوی کہ عورت کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی ان کا نکاح نہیں ٹوٹتا اولا تو یہ معلوم نہیں کہ ان کا یہ دعوی اپنے مذہب کے اعتبار سے صحیح بھی ہے یا نہیں اور اگر ہو تو بھی جب عورت مسلمان ہو گئی اب اس پر احکام اسلامی جاری ہوں گے نہ کہ احکام آریہ۔ ۷ ۲ صفر ۵۰

شیعہ عورت سے سنی کا نکاح

(سوال ۳۵۲) ایک عورت شیعہ (غیر منکوحہ) کو ایک اہل سنت الجماعت لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) اگر یہ عورت کسی ایسی بات کا عقیدہ نہیں رکھتی جو صراحتا قرآن اور قطعیات اسلام کے خلاف ہو تو نکاح درست ہو گیا۔ مثلا اس کا عقیدہ نہ رکھتی ہو کہ معاذ اللہ حضرت عائشہ پر جو تہمت لگائی گئی تھی وہ صحیح ہے وامثال ذلک الغرض رافضی عورت سے بشرط مذکور نکاح صحیح ہے۔ قال فی المحیط ان بعض الفقهاء لا یکفر احدا من اهل البدع و بعضهم یکفرون البعض وهو من خالف ببدعته دلیلا قطعیا و نسبه الی اکثر اهل السنة کذا فی الشامی من الارتداد صفحه ۳۱۹ جلد ۳

شیعہ و روافض سے سنیہ کا نکاح

(سوال ۳۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید سنی المذہب اپنی لڑکی کا نکاح ایک شیعہ لڑکے سے کرنا چاہتا ہے طرفین میں ایک زمانہ سے رشتہ مناکحت قائم ہے یہ انہیں اپنا مذہب اختیار کرنے پر مجبور نہیں

کرتے اور وہ انہیں مجبور نہیں کرتے ۔زمانہ دراز سے ایسا ہوتا چلا آرہا ہے۔ کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے. بینوا وتوجروا؟

(الجواب) روافض میں فرقے بہت مختلف العقائد والخیال ہیں۔ اور اسی بناء پر ہمیشہ متقدمین ومتاخرین علماء ان کے بارے میں مختلف رہے ہیں بعض حضرات نے مطلقاً کافر کہدیا۔ بعض نے مطلقاً تکفیر میں احتیاط کی اور بعض نے تفصیل کی جو روافض قطعیات اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معبود ہی کہتے ہوں یا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھتے ہوں۔ جو قرآن کی نص قطعی کے خلاف ہے وغیر ذلک۔ اور جو لوگ ایسا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دوسرے صحابہؓ پر افضل کہتے ہیں وہ کافر نہیں البتہ اہل سنت سے خارج ہیں۔ اور تبرا کرنے والے شیعہ بھی صحیح قول یہ ہے کہ کافر نہیں فاسق ہیں۔

قال الشامی ذكر فی المحيط ان بعض الفقهاء لايكفراحداً من اهل البدع وبعضهم يكفرون البعض وهو من خالف ببدعته دليلا قطعياً ونسبه الى اكثر اهل السنة الخ وايضاً قال فهذا فيمن يسب عامة الصحابة ويكفر هم بناء على تاويل فاسد فعلم ان ماذكره فی الخلاصة من انه كافر قول ضعيف مخالف للمتون والشروح بل هو مخالف لاجماع الفقهاء شامی ص/ ۳۲۰ باب المرتد وايضاً قال الشامی نعم لاشك فی تكفير من قذف السيدة عائشة او انكر صحبة الصديق او اعتقد الالوهية فی علیؓ او ان جبرئيل غلط فی الوحی او نحوذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن ولكن اذا تاب تقبل توبته (شامی باب المرتدص/ ۳۲۱ ج/۳)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جو روافض قطعیات اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ نہیں رکھتے وہ کافر نہیں مگر اس میں شبہ نہیں کہ فاسق ہیں اور فاسق آدمی نیک صالح مسلمان کا کفو نہیں ہوتا۔ قال الشامی بعد تحقيق حقيق فی هذاالباب فعلی هذا فالفاسق لايكون كفواً لصالحة بنت صالح بل يكون كفواً لفاسقة بنت فاسق (شامی ص/ ۳۲۹ ج/ ۲)

پھر لڑکی کی کفائت اس کے اولیاء کا حق ہے اگر وہ ساقط کردیں تو ساقط ہوجائے گا۔ قال فی الدرالمختار وهی حق الولی لاحقها وقال الشامی بل هی حق لها ايضاً. لہذا اگر لڑکی اور اس کے سب اولیاء اس پر راضی ہوکر ایسے شیعہ سے نکاح کردیں جو ضروریات اسلام کا منکر نہ ہو تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور اگر لڑکی راضی ہو مگر اولیاء نہ ہوں یا برعکس تو پھر یہ نکاح مکمل نہ ہوگا۔ بہر حال اپنی لڑکی کسی شیعہ مرد کے نکاح میں دینے سے تا بمقدور احتراز ہی چاہئے لیکن اگر شرط مذکور کے ساتھ نکاح ہوگیا تو نکاح درست ہوجائے گا۔ فقط واللہ اعلم کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔ الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔

سنی لڑکی کا نکاح رافضی سے

(سوال ۳۵٤) زید رافضی اور اس کی بیوی سنی اور لڑکے ماں کے طریقے پر اپنے کو سنی بتاتے ہیں ان لڑکوں کا

نکاح سنی لڑکیوں کے ساتھ رافضی عقیدہ سے توبہ کرانے کے بعد جائز ہے یا نہیں اور اگر قبل توبہ کے کردیاجائے تو کیاحکم ہے جب کہ لڑکے باپ کے شامل حال ہوں؟

(الجواب) توبہ کرانے کے بعد بلا شبہ جائز ہے اور قبل توبہ جائز ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ لڑکے کسی ایسے عقیدہ والے نہ ہوں جو صراحۃً قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہیں مثلاً حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت رکھنایاحضرت علی رضی اللہ عنہ کواللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرت وغیرہ میں شریک ماننا وغیرہ کذا ذکرہ الشامی فی باب المرتد وھو الاولی بالقول۔(واللہ اعلم)

(وایضاً سوال ۳۵۵) ایک لڑکی نابالغہ کا عقد اس کے والدین کی رضامندی سے ایک لڑکے نابالغ شیعہ سے ہوا اور اس کی رخصتی سن بلوغ تک موقوف قرار پاکر لڑکی اپنے والدین کے یہاں رہی جب وہ کچھ سمجھدار ہوئی تو اس کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا شوہر اور اس کا کل خاندان شیعہ ہے اس وجہ سے لڑکی کے دل میں زوج کی طرف سے تنفر پیدا ہو لہٰذا آخر ۳۰ دسمبر ۱۹۳۱ھ کو وہ بالغ ہوئی اور بالغ ہونے کی پہلی رات میں اس نے نکاح سے انکار کردیا جس کی تقریری و تحریری بہت سی شہادتیں موجود ہیں اب لڑکی کے والدین اس کا عقد کسی سنی المذہب سے کرنا چاہتے ہیں لہٰذا صورت مذکورہ میں پہلے نکاح کا عند الشرع کیا حکم ہے اور لڑکی کے والدین اب اس کا نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(الجواب) بعض شیعہ باعتبار عقیدہ کے کافر ہیں اور بعض فاسق و مبتدع ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہتے ہیں اور یہ کہ جبرئیل نے وحی لانے میں غلطی کی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے منکر ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر افتراء کے قائل ہیں وہ باتفاق فقہاء کافر ہیں اور ایسے شیعہ سے نکاح لڑکی سنیہ کا منعقد ہی نہیں ہوتا۔ پس اگر شوہر لڑکی مذکورہ کا اسی عقیدہ کا ہے تو یہ نکاح شرعاً صحیح اور منعقد نہیں ہوا۔ اب اس کا نکاح اس کی رضاء سے دوسری جگہ کفو میں کردیاجائے شامی میں ہے **وبھذا ظھر ان الرافضی ان کان ممن یعتقد الوھیۃ علیؓ او ان جبرئیل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبۃ الصدیقؓ او یقذف السیدۃ الصدیقۃ فھو کافر لمخالفتہ القواطع المعلومۃ من الدین بالضرورۃ بخلاف مااذاکان یفضل علیا ویسب الصحابۃ فانہ مبتدع لا کافر الخ**

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیعہ تفضیلی کافر نہیں ہیں بلکہ مبتدع اور فاسق ہیں (واللہ تعالیٰ اعلم)

شیعہ نے دھوکہ دے کر سنی لڑکی سے نکاح کرلیا۔

سوال (۲۵۶) زید سنی کی لڑکی کو دھوکہ سے عمر شیعہ اپنے نکاح میں لایا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور عمر جنازۂ زید کو کندھادے سکتاہے یا نہیں۔ عمر کو زید کے قبرستان میں مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر عمر نے اپنے آپ کو مثلاً سنی حنفی ظاہر کر کے زید کو دھوکہ دیکر اپنا نکاح زید کی لڑکی سے کرلیا اور واقعۃً عمر شیعہ ہے تو اس صورت میں عورت اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ درمختار میں ہے۔ **وافاد البھنسی انہ لوتزوجتہ علی انہ حراوسنی اوقادر علی المھر والنفقۃ فبان بخلافہ الخ**

کان لها الخیار الخ۔اور عمر زید کے جنازہ کو کندھادے سکتا ہے اور عمر کو زید کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز ہے اس قسم کے امور میں جھگڑا فساد کرنا نہیں چاہئے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

اپنے کو مسلمان ظاہر کر کے مسلمان لڑکی سے قادیانی کا نکاح کرنا

(سوال ۳۵۷)ایک شخص جس کی تحریر موجود ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں اور نہ میرا لڑکا احمدی ہے نکاح میرے لڑکے سے کردو۔جب نکاح ہو چکا تو معلوم ہوا کہ اب تک احمدی ہے اور لڑکا بھی احمدی ہے اور ہماری لڑکی کو بھی احمدی کرنا چاہتے ہیں۔آیا نکاح جائز ہے یا نہیں۔جب نکاح ہوا لڑکی نابالغ تھی اب بالغ ہے۔؟

(الجواب) جمہور علماء جو مرزا قادیانی کے عقائد پر مطلع ہوئے سب کے نزدیک وہ کافر مرتد ہے اور اسی طرح وہ لوگ جو اس کو باوجود ان عقائد کے معلوم ہونے کے مسلمان سمجھے خواہ نبی کہے یا مسیح یا جو کچھ بھی کہے بہر حال کافر مرتد ہے اس کی تحقیق کی ضرورت تو مطبوعہ رسالہ فتاوی تکفیر قادیانی جس میں سیکڑوں علماء ہندوستان کے دستخط ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔اور مرتد کا نکاح کسی طرح صحیح نہیں ہوتا۔بلکہ اگر بعد نکاح مرتد ہو جاوے تو فسخ ہو جاتا ہے۔قال فی الدر المختار ویبطل منه اتفاقاً ما یعتمد الملة وهی خمس النکاح والشهادة الخ حاشیہ شامی من باب المرتد صفحہ ۳۲۸ جلد ۲۔

اس لئے اس لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے اس کے علاوہ صورت مذکورہ میں تو اگر قادیانی کو مرتد کافر بھی نہ مانا جائے تب بھی لڑکی اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ہے کیونکہ خاوند وغیرہ نے بوقت نکاح ان کو دھوکہ دیا ہے۔قال الشامی لو تزوجته علی انه حر اوسنی او قادر علی المهر والنفقة فبان بخلافه الی قوله لها الخیار ثم قال بعد اسطر لوزوج بنته الصغیرة ممن ینکر انه یشرب المسکر فاذا هو مدمن له وقالت بعد ما کبرت لاارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفه الاب بشربه و کان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل–شامی باب الکفاءة صفحة ۳٦۲ جلد ۲ مصری–

عبارات مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بالفرض قادیانی کو کافر نہ مانیں تب بھی صورت مذکورہ میں لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بذریعہ حاکم مسلم اپنا یہ نکاح فسخ کرالے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

قادیانی کا نکاح مسلمہ کے ساتھ جائز نہیں

(سوال ۳۵۸) حنفی کا نکاح قادیانی سے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مرزائی قادیانی کے متبعین خواہ قادیانی پارٹی سے متعلق ہوں یا لاہوری سے جمہور علماء امت اہل ہندوستان وحجاز و مصر وشام کے اجماع واتفاق سے خارج از اسلام ہیں جس کی وجہ مفصل ومدلل حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تبلیغ دارالعلوم دیوبند کے رسالہ اشد العذاب میں مذکور ہے اور فتاوی علمائے ہندوستان کے مہری ودستخطی جداگانہ چھپے ہوئے ہیں اگر ضرورت ہو تو ان دونوں رسالوں کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ فرقہ قادیانی مسلمان نہیں اس لئے کسی مسلمان مرد وعورت کا نکاح ان سے جائز نہیں اور اگر کسی نے پڑھ بھی دیا تو شرعا معتبر نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مرزائی کا دھوکہ دیکر سنی عورت سے نکاح کرنا

(سوال ۳۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے کو سنی المذہب ہونے کا یقین دلا کر نکاح کیا لڑکی اگرچہ نکاح سے مطلقاً تنفر تھی لیکن اس کے والد نے نکاح اس سے کر دیا تین ماہ خاوند کے گھر رہی ہم بستری بھی ہوئی حمل ٹھہر گیا بعد ش بعض شرائط نکاح کے پورا نہ کرنے پر و نیز اچھا سلوک نہ کرنے پر لڑکی اپنے والدین کے گھر آئی وہ شخص کہ جب تک لڑکی اس کے گھر میں تھی اسے سنیوں کے مترجم قرآن پڑھنے سے منع کرتا تھا منکوحہ کو بایں وجہ بھی زید سے نفرت ہے اور تھی اور کہتی ہے کہ خنزیر کے یہاں میں جانا نہیں چاہتی ہوں پس اندریں صورت کیا حکم ہے کہ آیا اس کا نکاح زید سے فسخ ہو گیا یا شرعا کیا صورت ہے اور نیز زید لاہور میں ہے اور اس کی منکوحہ اور اس کے والد ملتان میں اور وضع حمل ملتان میں ہول۔ اس نے اس مدت میں اپنی بیوی کی خیر خبر بھی نہیں لی۔؟

(الجواب) مرزائی خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری جمہور علماء کے نزدیک کافر و مرتد ہیں ہندوستان اور بیرون ہند میں جن علماء حضرات کو ان کے مذہب پر اطلاع ہوئی سب نے باجماع ان کی تکفیر کی ہے اور مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے کسی طرح حلال نہیں۔ **لن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا**۔ اس لئے عورت کا نکاح مرزائی سے متعلقہ ہی نہیں ہوا اب دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے قانونی گرفت سے بچنے کے لئے حکام وقت سے اجازت لے لی جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

دھوکہ دیکر مرزائی لڑکے سے نکاح کر لیا

(سوال ۳۶۰) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس کی تحریر موجود ہے کہ میں احمدی نہیں ہوں اور نہ میرا بیٹا احمدی ہے میرے لڑکے کے ساتھ نکاح کر دو جب نکاح ہو چکا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص اور اس کا لڑکا احمدی ہے اور ہماری لڑکی جو اس کے لڑکے کی زوجہ ہے احمدی بنانا چاہتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ آپ اس مسئلہ پر کیا مناسب سمجھتے ہیں کہ آیا وہ نکاح جائز ہے یا ناجائز کیونکہ جب نکاح ہوا تھا اس وقت لڑکی نابالغ تھی اور اس وقت بالغ ہے لڑکی مذہب بدلنا نہیں چاہتی یعنی احمدی ہونا نہیں چاہتی۔

(الجواب) جمہور علماء جو مرزائی قادیانی کے عقائد پر مطلع ہوئے سب کے نزدیک وہ کافر مرتد ہے اور اسی طرح وہ لوگ جو اس کو باوجود ان عقائد کے معلوم ہونے کے مسلمان سمجھے خواہ نبی کہے یا مسیح یا کچھ بھی نہ کہے بہر حال کافر و مرتد ہے اس کی تحقیق کی ضرورت ہو تو مطبوعہ رسالہ فتاوی تکفیر قادیان جس میں سینکڑوں علماء ہندوستان کے دستخط ہیں منگا کر ملاحظہ فرمائیں اور مرتد کا نکاح کسی طرح صحیح نہیں ہوتا بلکہ اگر بعد نکاح مرتد ہو جائے تو فسخ ہو جاتا ہے۔ **قال فی الدر المختار یبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملته وھی خمس**

النکاح والشهادة انتهی (حاشیہ شامی من باب المرتد صفحہ ۳۲۸ ج ۲)
اس لئے اس لڑکی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا اور دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست ہے اس کے علاوہ صورت مذکورہ میں تو اگر قادیانی کو مرتد و کافر بھی نہ مانا جائے تب بھی لڑکی اور اسکے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار ہے کیونکہ خاوند وغیرہ نے بوقت نکاح ان کو دھوکہ دیا ہے۔قال الشامی . لو تزوجته علی انه حر قادر علی المهر و النفقه فبان بخلافه الی ان قال لها الخیار ثم قال بعد اسطر لوزوج بنته الصغیرة ممن ینکر انه یشرب المسکر فاذا هومد من وقالت بعد ماکبرت لاارضی بالنکاح ان لم یکن یعرفه الاب بشربه وکان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل اه (شامی باب الکفائة صفحه ۳٦۲ ج ۲ مصری)
عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض قادیانی کو کافر نہ مانیں تب بھی صورت مذکورہ میں نکاح صحیح نہیں ہوا یہ لڑکی دوسری جگہ شرعاً اپنا نکاح کر سکتی ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم) (اضافہ)

جمع بین الاختین کی حرمت پر عقلی و نقلی دلائل

(سوال ۳٦۱) جمع بین الاختین کی حرمت کی وجہ بدلائل عقلیہ ونقلیہ بوضاحت تحریر فرمائی جاوے۔؟
(الجواب) عقلی وجہ ایک تو عام ہے جو تمام شرعی احکام کی عقلی حکمتوں پر مشتمل ہے اور وہی عوام کے لئے زیادہ مفید ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کی حیثیت انسانوں کے ساتھ یا تو ایسی ہے جیسے شاہی قانون اور رعایا کی اور یا ایسی جیسے طبیب اور مریض کی کیونکہ قرآن کریم ہمارے لئے ایک نسخہ شفاء ہے جو ظاہری اور باطنی امراض سے پاک کرنے والا ہے ونننزل من القران ماهو شفاء ورحمة للمؤمنین اس کا شاہد ہے۔اب دونوں حیثیتوں میں سے جس کو بھی لیا جائے اس کا مقتضی عقلی ہر عقل مند کے نزدیک یہ ہے کہ ایک مرتبہ پورے غور و خوض اور تحقیق اور تفتیش سے اس کو ثابت کر لیا جائے کہ یہ قانون جس بادشاہ کی طرف سے آیا ہے وہ واقع میں ہمارا بادشاہ اور واجب الاطاعت ہے۔
یا یہ نسخہ جس طبیب نے تجویز کیا ہے وہ نہایت حاذق اور مہربان طبیب ہے اس کے تحقیق کرنے میں جتنی دیر لگے اور جتنی کوشش صرف کرے وہ مقتضائے عقل اور دیانت ہے لیکن جب یہ تحقیق ہو جائے کہ بادشاہ واقع میں واجب الاطاعت بادشاہ ہے تو پھر رعایا کو اس نکتہ سنجی کا حق نہیں رہتا کہ تعزیرات کی ہر دفعہ کے متعلق حکمت اور فلسفہ پوچھے کہ فلاں دفعہ میں جو چار سال کی قید تجویز کی ہے اور فلاں میں دو سال کی اس کی حکمت و فلسفہ کیا ہے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ پوسٹ آفس کے ذمہ داروں سے لفافہ کے ڈھائی تولہ پر ایک آنہ اور اس سے زائد ایک ماشہ ہو جائے پر دو آنہ محصول لینے کی حکمت و فلسفہ کا سوال کیا ہو جس کی وجہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگ ان کو بادشاہ اور صاحب قانون سمجھتے ہیں اس لئے ہر ہر جزو میں فلسفہ نہیں پوچھتے۔
اسی طرح اگر آپ کسی ڈاکٹر یا طبیب کی طرف رجوع کریں یہ تو آپ کا فرض ہے کہ اس کے ماہر

ڈاکٹر ہونے کی تحقیق اس کی سندات اور مریضوں کی شہادت کے ذریعہ کرلیں لیکن جب آپ نے اس کے ساتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا تو کسی عقلی قانون میں آپ کو یہ حق نہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے نسخہ کے ہر جزو پر مباحثہ کیا کریں کہ آپ نے فلاں دوا کیوں لکھی اور اس کی اتنی مقدار کیوں رکھی۔

افسوس ہے کہ ایک ڈاکٹر کے قول فعل پر اعتماد ہو سکتا ہے اور نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم پر یہ اعتماد کیوں نہیں ہو سکتا کیا وجہ ہے کہ وہاں ہر ہر جزو میں فلسفہ نہیں پوچھا جاتا اور یہاں ہر چیز میں اس کا سوال ہے اگر غور کیجئے تو اس کی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ڈاکٹری اور تعزیرات اور قوانین حکومت کی عظمت قلوب میں ہے اور شریعت اور قوانین شرعیہ کی عظمت سے قلوب خالی ہیں اسی لئے ایسے سوالات پیدا ہوئے ہیں اسی بناء پر میرے نزدیک ایسے سوالات کا یہی عام جواب کافی ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت پر اطمینان ہے اور آپ کی عقل و ذہانت میں کوئی شبہ نہیں تو کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ ہر ہر جزو احکام شرعیہ میں فلسفہ پوچھا کرے اور اگر اس کا شوق ہی ہے تو ہمارے نزدیک بھی اس کا وہی جواب ہے جو ڈاکٹر صاحب ایسے سوالات کا جواب دیں گے یعنی اگر آپ کو ہر ہر چیز کی لم معلوم کرنے کا شوق ہے تو ڈاکٹری پڑھئے اور دس برس اس کی تعلیم میں خرچ کیجئے تو آپ کو خود بخود انکشاف ہو جائے گا کہ کوئی جزو خلاف عقل نہیں اس کے بغیر ان تحقیقات کا حق نہیں۔

درحقیقت یہی جواب عوام کے لئے کافی ہے باقی تبرعاً اتنا اور عرض کر دیتا ہوں کہ اس حکم قرآن یعنی جمع بین الاختین کی حرمت میں خدا ہی جانتا ہے کہ کس قدر حکمتیں ہوں گی لیکن ایک حکمت جو بالکل سرسری نظر سے ہر شخص سمجھتا ہے وہ بھی ایسی اہم ہے کہ اس کی وجہ سے بھی جمع حرام ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ عادۃً دو سوکنوں میں اتحاد و اتفاق اور تعلقات محبت قائم نہیں رہ سکتے اب اگر دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو گئیں تو ان کے آپس میں قطع رحمی لازم آجائے گی جو سخت ناجائز ہے۔ واللہ اعلم

دو بہنوں کا جمع کرنا

(سوال ۳۶۲) بندہ کی منکوحہ عرصہ دراز سے ایک لاعلاج مرض میں مبتلا ہے حتی کہ زندگی سے مایوس ہے ایسی صورت میں بندہ منکوحہ و خوشدامن صاحبہ و خسر صاحب دوسری شادی کرنے کی خوشی اجازت دیتے ہیں بلکہ اپنی دوسری لڑکی یعنی بندہ کی منکوحہ کی چھوٹی ہمشیرہ نکاح ثانی میں دینے کو رضامند ہیں جناب سے صرف اس قدر استدعاء ہے کہ امور بالا کا لحاظ کرتے ہوئے منکوحہ کی اجازت سے نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) بیوی اور اس کے ماں باپ کی اجازت سے اس بیوی کی حیات یا عدت کے اندر اس کی دوسری بہن سے نکاح ہرگز جائز نہیں قطعاً حرام ہے ان کی اجازت سے یہ حرام حلال نہیں ہو سکتا۔ لقوله تعالى. وان تجمعوا بين الاختين الاية ـ

اگر زوجہ کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا جائے

(سوال ۳۶۳) زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور کچھ مدت کے بعد مسماۃ حمیدہ حقیقی بہن ہندہ سے نکاح کیا یہ آخیر نکاح باطل ہے یا فاسد فتاوٰی عالمگیری میں اس نکاح کو فاسد قرار دیا ہے۔ وان تزوجها فی عقد تین فنکاح الاخیرة فاسد الخ و یثبت نسب الولد لمولود فی النکاح الفاسد و یعتبر مدة النسب من وقت الدخول عند محمد و علیه الفتوی۔ یہ فتوٰی صحیح ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ نکاح فاسد ہی ہے اور حسب قاعدہ نکاح فاسد سے نسب ثابت ہو جائے گا اور مہر بھی واجب ہوگا عالمگیری کی عبارت صحیح اور مفتی بہ ہے عالمگیری نے خود محرمات کے باب میں بھی عبارت مندرجہ سوال کے بعد اس کی تصریح کردی ہے۔ ولفظها ان فارقها بعد الدخول فلها المهر و یجب الاقل من المسمی ومن مهر المثل وعلیها العدة ویثبت النسب انتهٰی عالمگیری مصری صفحہ ۲۶۰ جلد اول۔

اور شامی نے نکاح فاسد کے بیان میں صفحہ ۳۵۹ جلد ۲ میں نکاح فاسد کی مثال نکاح بلا شہود پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ ومثله تزوج الاختین معاً ونکاح الاخت فی عدة الاخت البتہ فصل محرمات میں شامی نے دونوں لفظ استعمال کئے ہیں ایک جگہ باطل اور دوسری جگہ ایک ہی عبارت میں فاسد فرمایا ہے پہلے فرماتے ہیں فلباطل نکاح کل منهما اور اس کے آگے فرماتے ہیں۔ ویجب بکل الاقل من المسمی ومن مهر المثل کماهو حکم النکاح الفاسد. شامی فصل المحرمات صفحہ ۲۹۴ ج ۲ مصری۔

اسی طرح بحر الرائق میں بعینہ یہی دونوں قسم کے الفاظ مذکور ہیں بحر الرائق فصل المحرمات صفحہ ۱۰۳ ج ۳ لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے جیسا کہ عالمگیری اور شامی کتاب النکاح الفاسد کی تصریح سے ثابت ہوا اور دوسرے مواضع میں جو باطل کا لفظ بولا گیا تو اس بناء پر کہ بعض حضرات کے نزدیک نکاح باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں اور توسعاً فاسد پر باطل کا لفظ اطلاق کردیا گیا کیونکہ قرائن سیاق و سباق سے اس کی توضیح دشوار نہ تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کرنا

(سوال ۳۶٤) زید نے اپنی بی بی کلثوم بی بی کو طلاق ثلاثہ دے کر اسی روز کلثوم کی سوتیلی بہن قادر بی بی سے نکاح کرلیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) کلثوم بی بی پر تین طلاقیں واقع ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہو گئی مگر قادر بی بی سے بھی جو نکاح کیا ہے درست نہیں ہوا کیونکہ اس کی بہن کلثوم بی بی کی عدت ابھی تک نہ گزری تھی اور ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح ناجائز و حرام ہے۔ قال فی الدر المختار و حرم الجمع بین المحارم نکاحاً ای عقداً صحیحاً وعدة ولو من طلاق بائن از شامی باب المحرمات صفحہ ۳۹۰ ج ۲ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

چار عورتوں میں سے ایک عورت کو طلاق دی تو اس کی عدت پوری ہونے تک پانچویں عورت سے نکاح درست نہیں۔

(سوال ۳۶۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نکاح میں چار عورتیں ہیں ان چار میں سے ایک کو طلاق دیا اب اس مطلقہ کی عدت تین حیض پورے نہیں ہوئے اب وہ شخص پانچویں عورت سے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر سکتا ہے اور ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدت پوری ہونے سے پیشتر بھی کر سکتا ہے جواب با صواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں جب تک مطلقہ کی عدت ختم نہ ہو جائے اس وقت تک وہ شخص پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ شامی میں تحت قول در مختار (وحرم الجمع بین المحارم نکاحاً) ای عقداً صحیحا وعدة الخ لکھتے ہیں واشار الی ان من طلق الاربع لا یجوز له ان یتزوج امراة قبل انقضاء عدتهن فان انقضت عدة الکل معاً جازله تزوج اربع وان واحدة فواحدة. بحر (واللہ تعالیٰ اعلم)

منکوحہ مزنیہ حاملہ کو اگر طلاق ہو جائے تو وضع حمل سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی

(سوال ۳۶۶) زید نے عرصہ نو سال سے بکر کی عورت منکوحہ مدخولہ اغوا کردہ اپنے پاس رکھی ہوئی ہے اس عورت سے زید کے دو تین بچے بھی پیدا ہوئے ہیں اب وہ عورت حاملہ تھی زید نے بکر سے طلاق لی طلاق کے فوراً بعد ہی ایک مولوی صاحب نے زید سے نکاح پڑھوا لیا آیا یہ نکاح زید کا درست ہے یا نہیں؟ ناکح اور مفتی دونوں کو گناہ ہے یا نہیں کیونکہ بلا عدت طلاق نکاح پڑھوایا ہے۔؟

(الجواب) منکوحہ عورت کا حمل ثابت النسب ہوتا ہے اس کو حاملہ من الزناء کہنا غلطی اور جہالت ہے اور جبکہ منکوحہ حاملہ کو طلاق دی جاوے تو عدت اس کی وضع حمل ہوتی ہے پس اس صورت میں مطلقہ بکر پر عدت لازم ہے جو وضع حمل ہے اس لئے جو نکاح مطلقہ مذکورہ کا بعد طلاق فوراً زید سے کیا گیا وہ نکاح باطل اور کالعدم ہے اور نکاح خواں اور مفتی کو اگر واقعہ معلوم تھا تو دونوں فاسق اور سخت گناہ گار ہوئے ان کو چاہئے کہ توبہ کریں اور اس نکاح کے عدم جواز کا اعلان کریں بعد مدت یعنی بعد وضع حمل پھر نکاح کیا جاوے۔ در مختار میں ہے وقد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیة بینهما سنة الخ.

چچا کے انتقال کے بعد چچی سے نکاح کرنا

(سوال ۳۶۷) دسوندہی کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ کا نکاح بعد عدة کے دسوندہی کے بھتیجہ مغلو سے کر دیا اس سے پہلے مغلو کے باپ سے تجویز تھی مگر اس نے کہا کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اس لئے میرے لڑکے مغلو سے شادی کر دو اب بعض جاہل عورت کے دل میں شبہ ڈالتے ہیں کہ چچی تو ماں کے برابر ہوتی ہے اور دوسرے اس بیوہ کی باپ سے مانگی تھی اس لحاظ سے ماں ہو گئی لہذا صورت مسئولہ میں نکاح جائز ہوا یا

نہیں۔؟

(الجواب) یہ محض جاہلانہ خیالات ہیں شریعت میں ان کا کچھ اعتبار نہیں مسماۃ کا نکاح مغلو کے ساتھ بلاشبہ صحیح ہو گیا چچا کے انتقال کے بعد چچی سے نکاح شرعاً حلال ہے جو حرام سمجھے گناہ گار ہے۔ اسی طرح باپ سے گفتگوئے نکاح ہو جانے کی بناء پر بیٹے کے لئے عورت حرام نہیں ہوئی اور نہ کسی قسم کا شبہ حرمت کا پیدا ہوتا ہے مسماۃ بے فکر ہو کر اپنے خاوند کے ساتھ رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً ـسوال ـایک شخص نے اپنی بی بی دو بچے چھوڑ کر اس دار فانی کو خیرباد کہہ دیا اور اس شخص کا ایک بھتیجا بھی ہے اب سوال یہ ہے کہ مرحوم کا بھتیجا اپنی جگہ چچی سے نکاح کرنا چاہتا ہے بعد زمانہ وفات عدت کے آیا وہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔

(الجواب) چچی سے بعد وفات چچا کے اور بعد گزرنے عدت کے نکاح کرنا جائز ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

(الجواب صحیح - بندہ محمد شفیع عفی عنہ)

علاتی بھتیجہ کی بیٹی سے نکاح حلال نہیں

(سوال ۳۶۸) علاتی بھتیجہ کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ نکاح حلال نہیں بھائی خواہ حقیقی ہو یا علاتی و اخیافی اس کی اولاد دوسرے بھائی پر حلال نہیں خواہ اولاد صلبی ہو یا اولاد کی اولاد۔ کذافی الدرالمختار و عامۃ الکتب (واللہ تعالیٰ اعلم)

بیک وقت چار سے زائد عورتیں نکاح میں رکھنے کی حرمت

(سوال ۳۶۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ پر کہ مسلمانوں کو اگر وہ کسی کو متبنی بنالیں یعنی اپنا لڑکا بنالے تو شرعاً وہ لڑکا حق میراث پا سکتا ہے اور آیا مسلمانوں کے قانون کے موافق مسلمان ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ یعنی چار عورتیں نکاح میں رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ قرآن شریف کا حوالہ دیں۔؟

(الجواب) ایک مرد کے لئے چار بیویوں تک نکاح میں جمع رکھنا شریعت اسلام میں بلاشبہ جائز ہے قرآن مجید کی قطعی آیت کے علاوہ بہت احادیث صحیح میں اس کا جواز صراحتاً منقول ہے نبی کریم ﷺ نے خود بھی متعدد ازواج کو جمع رکھا اور آپ کے صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے حضرات نے متعدد عورتوں کو نکاح میں جمع رکھا ہے اور یہ ایک ایسا صاف اور واضح مسئلہ ہے کہ شریعت اسلامی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں البتہ اس کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی ہے کہ سب کو برابر رکھو اور حقوق سب کے پورے ادا کرو اور جس کو انصاف کرنے کی قدرت نہیں اس کو ایک سے زائد نکاح کرنا نہ چاہئے لیکن اس کے باوجود ایک نکاح کرلے گا تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔ قال اللہ تعالی فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فان خفتم ان لا

تعدلوا فواحدة. الآیة

اور حدیث میں ہے کہ حضرت غیلان بن سلمہؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ چار عورتیں رکھو اور باقی کو علیحدہ کردو یہ حدیث صحیح ہے جس کو امام احمدؒ نے مسند میں اور ترمذی و ابن ماجہ و دارقطنی و بیہقی وغیرہم نے روایت کیا۔ اسی طرح عمر السدیؒ کو نبی کریم ﷺ نے چار عورتوں تک رکھنے کی اجازت دی (ابوداؤد) اسی طرح حضرت معاویہ ویلمیؓ کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت زبانی عطا فرمائی (اخرجه الامام الشافعي في مسنده) (از تفسیر ابن کثیر صفحہ ۷ جلد ثالث) اور اس کی تصریح اکثر کتب فقہ میں موجود ہے اگر کوئی شخص انصاف نہ رکھنے کا خطرہ رکھتا ہو جب بھی اگر نکاح متعدد عورتوں سے کرلے گا تو صحیح ہوجائے گا اگرچہ ایسا کرنا گناہ ہے۔

متبنّٰی (یعنی لے پالک) شرعاً بیٹے کے حکم میں نہیں نہ میراث میں بحیثیت پیدا ہونے والے بیٹے کے اس کا کوئی حق ہے اور نہ حرمات شرعیہ پر اس کا کچھ اثر پڑتا ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

خالہ اور بھانجی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتی

(سوال ۳۷۰) مسمی امام کی خالہ حقیقی کامل کے نکاح میں موجود ہے اور اولاد تربیت نہیں ہوتی بغرض تربیت اولاد مسمی کامل کو نکاح ثانی کی ضرورت تھی اس لئے مسمی امام کی لڑکی سے نکاح کرلیا ہے یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔ اگر نکاح درست نہیں تو طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں۔ عدت کی کیا صورت ہے۔؟

(الجواب) باپ کی خالہ کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی لڑکی سے نکاح حلال نہیں کیونکہ ان دونوں میں محرمیت ثابت ہے کہ یہ لڑکی اس خالہ کی بہن کی اولاد میں داخل ہے۔ وفی الهداية ولا يجمع بين المرأة وعمتها او خالتها اوا بنة اختها (الى قوله) لا يجمع بين امراتين لو كانت احدا هما رجلاً ثم يجزله ان يتزوج بالاخرىٰ اور جب نکاح ہی صحیح نہیں تو طلاق کی حاجت نہیں۔ اور اگر وطی کے بعد علیحدہ ہوئی تو تین حیض عدت کرنی ہوگی۔

فى الدر المختار من العدة وعدة المنكوحة نكاحاً فاسدا فلا عدة فى باطل (الى قوله) الحيض للموت اى موت الواطى وغيره كفرقة اومتاركة قال الشامى اى ثلاث حيض و ايضاً فيه فانها يعنى (العدة) لا تجب فيه بالخلوة بل بالوطى فى القبل (شامى صفحه ۹۹۹ مصرى جلد ۲)

فصل فى الانكحة الصحيحة والفاسدة

(صحیح اور فاسد نکاح کا بیان)

اپنی لڑکی فلاں کو دیدی اس سے نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں۔؟

(سوال ۳۷۱) ایک شخص نے مجمع عام میں اقرار کیا ہے کہ میں نے اپنی فلاں لڑکی نابالغہ فلاں شخص کو

دے دی ہے بعد بلوغ اس شخص نے لڑکی مذکورہ کو نکاح دوسرے شخص سے کر دیا کیا پہلے اقرار سے نکاح ثابت ہو گیا نہیں اور دوسرے نکاح کا کیا حکم ہے اور پہلا اقرار جب اس نے کیا تھا تو اس کی غرض نکاح سے تھی نہ کوئی دوسری۔ ؟

(الجواب) میں نے اپنی لڑکی فلاں کو دے دی یہ الفاظ ہبہ ہیں اور ہبہ کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے بشر طیکہ قرینہ نکاح موجود ہو مثل گواہان نکاح اور بیان مہر وغیرہ کے اور اگر یہ قرینہ موجود نہ ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

(کمافی الشامیة من کتاب النکاح صفحه ۲۷۵ ج ۲) فان قامت القرینة علی عدم ارادة النکاح لا ینعقد فلو طلب من امراء ة الزفاء فقالت وهبت نفسی منك فقال الرجل قبلت لا یکون نکاحا کقول ابی البنت وهبتها لك لتخدمك فقال قبلت الااذا ارد به النکاح کذافی البحر.

اس واقعہ میں بھی یہ دیکھا جائے گا کہ مجمع عام میں اس کا یہ اقرار بطور نکاح تھا یا محض بطور منگنی در صورت اول نکاح منعقد ہو گیا اور صورت ثانیہ نہیں پس اگر سوال میں یہ لکھنا صحیح ہے کہ پہلے اقرار کے وقت غرض اور قصد نکاح ہی کا تھا تو نکاح منعقد ہو چکا ہے اور نکاح ثانی صحیح نہیں ہوا۔

ناطہ کے لفظ سے نکاح منعقد ہو گیا نہیں۔ ؟

(سوال ۳۷۲) رعی کا بیان ہے کہ عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ میں رات کو شاہ محمد کے گھر گیا اور سوال کیا کہ مجھ کو اپنے فرزند دل محمد کے لئے ناطہ دے دو تو شاہ محمد اور اس کی زوجہ نے کہا ناطہ دے دیں گے تب دن نکاح کا مقرر کیا اور اس دن ایجاب و قبول کر لیا گیا اب پانچ سال کے بعد شاہ محمد ناطہ سے انکاری ہے، بیانات گواہان منسلک ہیں آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اول تو تحریری شہادت اس طرح معتبر نہیں۔ دوسرے ہم اس معاملہ کے حکم نہیں کہ شہادت سنیں اس لئے ہم اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے البتہ مسئلہ بتلا سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر فی الواقع ایجاب و قبول نکاح یا اس کے مثل الفاظ کے ساتھ دو گواہوں کے سامنے کیا گیا ہے تو نکاح منعقد و صحیح ہو گیا اور اگر ایجاب و قبول نہیں ہوا یا لفظ ناطہ یعنی منگنی کے ساتھ ایجاب و قبول ہوا ہے تو ان لفظوں سے نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ ہمارے عرف میں یہ لفظ نکاح کے لئے استعمال نہیں ہوتے اور اگر آپ کے یہاں کا عرف یہ ہو کہ لفظ ناطہ بمعنی نکاح بولتے ہیں تو اطلاع دی جائے تاکہ اس کا حکم لکھیں۔

نکاح کے وقت لڑکی کا نام بھول کر دوسری لڑکی کا نام بتادیا

(سوال ۳۷۳) زید نے اپنی بڑی نواسی کے نکاح کے وقت اس لڑکی کا سہواوہ نام بتلادیا جو اس کی چھوٹی نواسی کا تھا حالانکہ اس کے اور دولہا کے اور گواہوں کے علم میں بڑی لڑکی ہی دلہن تھی کیا یہ نکاح صحیح ہوا۔ ؟

(الجواب) نکاح کے ایجاب و قبول میں جس لڑکی کا نام لیا گیا اسی کا نکاح ہو گیا اگرچہ دل میں نیت وارادہ

دوسری کا ہو اور گواہ اور حاضرین بھی دوسری ہی کو دلہن سمجھتے ہوں بولے ہوئے الفاظ کے خلاف نیت اور ارادہ عمل نہیں کرتا۔ قال فی الدرالمختار و قوله بنتان اراد تزویج الکبرٰی فغلط مسماء باسم الصغرٰی صح للصغرٰی خانیة و اقره الشامی صفحه ۳۷۹ ج ۲ (والله تعالٰی اعلم) (اضافه)

دھوکہ دے کر چھوٹی کے بجائے بڑی لڑکی سے نکاح کر دیا

(سوال ۳۷٤) زید کی شادی کی تجویز اس کے بہنوئی نے غیر کف میں کی اور یہ ٹھہرا کہ چھوٹی لڑکی دیں گے مگر جب زید بغرض شادی مع چند اعزا و اقارب کے لڑکی کے شہر میں پہنچے تو لڑکی کے والد اور اس کے رشتہ داروں نے چھوٹی لڑکی کو نہ بتلاتے ہوئے کہا کہ اس کے یہاں بالغ لڑکی صرف ایک ہی ہے اور قسم بھی کھائی کہ بالغ لڑکی صرف ایک ہے حالانکہ چھوٹی لڑکی کہ جس سے زید کی تجویز کی گئی تھی زید اس کے بیان سے مطمئن نہ ہوا۔ اور ارادہ کیا کہ بغیر شادی اپنے مکان یعنی شہر کو جائے مگر لڑکی کے عزیز و اقارب نے زید کے ساتھ حیلہ اور فریب کر کے انہوں نے زید سے بجائے چھوٹی لڑکی کے بڑی لڑکی کا عقد کر دیا غرض اس طرح زید کو لڑکی کے والدین نے دھوکہ دیا زید کا بیان ہے کہ عقد میری خواہش سے نہیں ہوا بلکہ لڑکی کے والدین کے حیلوں اور فریبوں سے ہوا ہے عقد ہونے کے بعد زید لڑکی کو اپنے مکان لے گیا اور چند روز کے بعد اس کو اس کے والدین کے یہاں واپس کر دیا اس کے بعد لڑکی کے بھائی زید کے مکان پر چھوڑ آئے حالانکہ زید نے کبھی اس کو نہیں بلایا پھر وہ ایک روز بغیر اجازت تنہا بھاگ گئی تو معلوم ہوا کہ اپنے والدین کے یہاں چلی گئی ہے مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے نکاح جائز سمجھا جاوے یا ناجائز اور اگر لڑکی فارخطی چاہ کر مہر کا دعوٰی کرے تو آیا اس کا دعوٰی جائز ہے یا نہیں اور مذہب حنفی رکھتا ہے۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) نکاح تو منعقد ہو گیا اگرچہ عورت کے اعزاء جھوٹی قسم کھاوے اور دھوکہ دینے کی وجہ سے سخت گناہ گار اور وعید الٰہی کے مستحق ہو گئے کیونکہ انعقاد نکاح کے لئے صرف اس قدر تعین کافی ہے کہ فلاں شخص کی لڑکی فلاں کے نکاح میں دی گئی باقی اوصاف چھوٹے یا بڑے ہوئے وغیرہ کے ان کے تعین پر اعتقاد نکاح کا مدار نہیں اور چونکہ زید اس منکوحہ کو اپنے گھر پر بھی لے گیا جس سے ظاہر ہے خلوت بلکہ وطی بھی ہوئی ہو گی اس لئے اب اگر اس کو طلاق دے کر چھوڑے گا تو کامل مہر دینا واجب ہو گا۔ کذا فی عامتہ کتب الفقہ (واللہ تعالیٰ اعلم) (اضافہ)

دیدینے کے لفظ سے نکاح بشرط نیت منعقد ہو جاتا ہے

(سوال ۳۷۵) رحم علی نے اپنی لڑکی روبرو گواہان و مجلس مسمی جہاں داد کو ان الفاظ میں اپنی بیٹی مسماۃ بہشتاں جہاں داد کو دے دی ہے اور جہاں داد کے والد غلام علی نے بایں الفاظ قبول کی میں نے رحم علی کی بیٹی مسماۃ بہشتاں اپنے لڑکے کی زوجیت کے واسطے قبول کی چونکہ لڑکی نابالغ تھی اس لئے مزید رسومات ادا نہ کی گئیں اب تقریباً پانچ سال بعد جب لڑکی بالغ ہوئی تو باپ نے لڑکی کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کر دیا اگر

پہلا نکاح ہو گیا تھا تو دوسرا نکاح پڑھانے والا ناکح اور منکوحہ کے والدین اور گواہان کے لئے کیا سزا ہے۔
(الجواب) اگر بیان مندرجہ سوال صحیح ہے تو صورت مسئولہ میں مسماۃ بہشتاں کا نکاح جہاں داد کے ساتھ صحیح اور لازم ہو گیا بشرطیکہ الفاظ مذکورہ سے نیت نکاح کی گئی ہو بعد بلوغ بھی ان کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں کیونکہ جانبین سے والد کا کیا ہوا نکاح ہے۔ صرح به فی الهداية والدرالمختار وغیرہ اور (دیئے) کے الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اگر شروط نکاح کے مستحق ہوں۔

لمافی الدر المختار انما يصح النكاح بلفظ تزويج و نكاح لانهما صريح وعداهما كناية الى قوله كهبة وتمليك وصدقة الى بشرط نية او قرينة وفهم الشهود المقصود.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ الفاظ مندرجہ سوال (جہاں داد کو دے دی ہے) اگر ان الفاظ سے نکاح کی نیت کی گئی تھی یا قرینہ اس کا موجود تھا اور گواہوں نے بھی یہی مقصود ان الفاظ سے سمجھا تھا تو نکاح ثابت و لازم ہو گیا البتہ الفاظ مذکورہ سے نیت نکاح کی نہیں کی گئی یا گواہوں نے ان الفاظ سے نکاح نہ سمجھا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا۔ پس صورت اولیٰ میں نکاح ثانی شرعاً باطل ہو گا اور اس کے پڑھنے والے اور گواہ سب کے سب سخت گناہ گار ہوں گے اگر ان کو پہلے واقعہ کا علم ہو اور صورت ثانیہ میں نکاح ثانیہ صحیح ہو گا۔ کسی کو کچھ گناہ نہ ہو گا۔

نکاح منعقد ہونے کے لئے دو گواہ کافی ہیں۔

(سوال ۳۷۶) تن بخشی جائز ہے یا نہیں صورت اس کی یہ ہے کہ ایک کنواری بالغ یا بیوہ عورت کسی غیر مرد کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خفیہ طور پر نکاح کر لیتی ہے نکاح میں قاضی اور دو گواہوں کے سواء اور کوئی نہیں ہوتا نکاح کو ہمیشہ راز میں رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے عورت کے ماں باپ اور دیگر ورثاء کو بالکل خبر نہیں ہوتی اس لئے وہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیتے ہیں اور وہ اپنی سسرال جا کر ہمیشہ بسر کرتی ہے اگر راز فاش ہو جائے تو لڑکی کے اولیاء لڑکے سے طلاق لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر کامیاب ہو جاتے ہیں دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح اول جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) تن بخشی کی جو صورت اوپر لکھی گئی ہے اس سے نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ شخص اس عورت کا کفو ہو اور مہر مثل پر نکاح کیا گیا ہو کیونکہ شرائط نکاح امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مذہب پر متحقق ہو گئے لمافی الهداية وغیرہ لیکن ایسا کرنا سخت بے شرمی اور بری حرکت ہے حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ قال النبی ﷺ اعلنوا النكاح رواه الترمذی وقال حسن غريب وفی بعض الروايات اعلنوا النكاح ولو بالدف۔

اور در حقیقت نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرنے والی چیز اعلان ہی ہے اگر اس طرح خفیہ نکاح جاری کر دیئے جائیں تو زناکاری کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس لئے ایسا کرنا گناہ ہے مگر نکاح درست ہو جاتا ہے کیونکہ شاہدین اور دوسری شرائط نکاح موجود ہیں۔ کذافی فتح القدیر صفحہ ۲۱۲ ج ۲۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلا نکاح صحیح ہو گیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح حرام ہے جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے۔ لقوله تعالى و المحصنت من النساء الاية۔ البتہ اگر ماں باپ کو اس خفیہ نکاح کی اطلاع نہیں تو دوسرے نکاح کرنے میں گناہ گار نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کا گناہ فقط لڑکی پر اور ان لوگوں کی گردن پر رہے گا جن کو اس خفیہ نکاح کی اطلاع تھی اور انہوں نے نکاح ثانی کی خبر سننے پر بھی اس کے والدین کو اطلاع نہ کی۔ ۱۴ربیع الاول ۱۳۵۰ ہجری

صرف دو گواہوں کے سامنے خفیہ نکاح کرنا خلاف سنت ہے۔

(سوال ۳۷۷) نکاح میں اشتہار شرط ہے یا چھپے اور راز دار دو گواہوں سے منعقد ہو جاتا ہے نہ تو ولی کی اجازت بلکہ اس کو خبر تک نہ ہو اور نہ برادری میں کسی کو معلوم ہو اور نہ ہی میاں بیوی کسی کے سامنے اقرار کریں اور اجنبی مرد عورت کی طرح چھپ چھپا کر شہوت رانی کریں متحدی اخدان کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں ان گواہوں کی طرح دو چار کم و بیش زناء کے رازداں بھی ہوتے ہیں پھر اس میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا؟

(الجواب) جب کہ مرد عورت بالغ ہیں اور نکاح پر راضی ہیں اور گواہ بھی شرط کے موافق موجود ہیں تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور گواہ کے موجود ہونے میں اگرچہ اعلان نہیں ہے پھر بھی نکاح منعقد ہوگا۔ بحر الرائق میں ہے۔ ولايشترط الاعلان مع الشهود لما فى التبيين ان النكاح بحضور الشاهدين يخرج من ان يكون سرا ويحصل بحضور هما الاعلان الخ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب شاہد شرط کے موافق ہوں تو بغیر مزید اعلان کے بھی نکاح درست ہو جائے گا مگر یہ نکاح سنت کے خلاف ہے اس واسطے کہ حدیث میں آتا ہے اعلنوا النكاح ولو بالدف اخرجه الترمذى الخ نیز یہ کہ خزانۃ الروایۃ میں ہے: فى الخانية ضرب الدف فى النكاح اعلانا وتشهيرا سنة الخ نیز یہ کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ زنا اور نکاح میں فرق اگر ہے تو اس اعلان کا فرق ہے اس سے بھی بہت سختی معلوم ہوتی ہے حاصل یہ کہ نکاح تو منعقد ہو جائے گا مگر سنت کے خلاف ہوگا۔ سوال کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ زنا کی صورت میں بھی بعض لوگوں کو خبر ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اور نکاح خفیہ میں فرق کیا ہوگا جو نکاح کہ خفیہ ہوتا ہے یہاں پر گواہوں کو اس کے نکاح پر علم ہوتا ہے اور شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور زنا میں جو لوگوں کو علم ہوتا ہے وہ ان کے افعال خبیثہ کا علم ہوتا ہے مگر یہاں پر نکاح تو نہیں ہوتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے کہ اول صورت جائز ہے اگرچہ مع الکراہت ہو اور دوسری صورت زنا کی ہوتی ہے اور دونوں صورتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) کتبہ عبد القیوم اعظمی متعلم دار العلوم۔

جواب صحیح ہے۔ اور صورت مذکورہ میں ایک وجہ کراہت کی یہ بھی ہے کہ بدون اجازت ولی کے نکاح کیا گیا یہ بھی اگرچہ منعقد ہو جاتا ہے مگر کراہت اور خلاف سنت ہونے میں شبہ نہیں۔ کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ۔

کیا زانیہ عورت کا نکاح زانی سے ہو سکتا ہے جب کہ شوہر نے طلاق نہ دی ہو۔

(سوال ۳۷۸) زید کی عورت ہندہ خالد کے ساتھ بھاگی اور خالد سے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی لیکن زید نے طلاق نہیں دی اب خالد کا نکاح ہندہ سے جائز ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے یا گزر نہ جائے اور عدت طلاق یا وفات نہ گزر جائے اس وقت تک کسی طرح اس کا نکاح خالد کے ساتھ حلال نہیں ہو سکتا۔ بقولہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء الایۃ۔

۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۰ ہجری

زانی کا نکاح غیر مزنیہ کے ساتھ جائز ہے۔

(سوال ۳۷۹) کسے کہ با منکوحہ پدر خود زنا می کند نکاح ایں زانی با دیگرے از زنان جائز است یا نہ ؟

(الجواب) بلا شبہ جائز ست واگر بظاہر آیۃ کریمہ الزانی لاینکح الا زانیة او مشرکة اشتباہے بخاطر رود۔ پس جوابش ایں است کہ ایں آیت بقول جماعتے از مفسرین مثلاً سعید بن المسیب وغیرہم منسوخ است صرح بہ البغوی ونزد جماعتے مخصوص بقومے کہ مشرک بودند وزنا می کردند پس عدم جواز نکاح بوجہ شرک بود نہ بوجہ زنا ونزد بعضے مؤل بتاویلات دیگر است کہ بغوی در معالم التنزیل بتفصیل آوردہ۔ امام جواز نکاح زانی وزانیہ پس بحدیث جابرؓ ثابت است ۔ ان رجلاً اتی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ ان امرأتی لاتمنع ید لامس قال طلقها قال فانی احبها وهی جمیلة قال استمتع بها اخرجه البغوی فی سورة النور تحت الایة المذکورہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حاملہ من الزنا کا نکاح

(سوال ۳۸۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک عورت کافرہ کا خاوند عرصہ دو سال کا ہوا وفات پا چکا تھا اس عورت کو زنا کا حمل عرصہ چار ماہ کا ہوا ہے اب وہ عورت مسلمان ہو گئی ہے ایک مسلمان مرد سے اس عورت کا نکاح ایک امام صاحب نے بحوالہ کتاب بہشتی زیور ص ۴، ۵ کے مطابق کر دیا اب وہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

(الجواب) حاملہ من الزناء کا نکاح بحالت حمل جائز ہے اور جس کا حمل ہے اگر نکاح اسی سے ہوا ہے تو اس کو وضع حمل سے پہلے وطی کرنا بھی جائز ہے البتہ اگر غیر زانی سے نکاح ہوا ہے تو مرد کو تا وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں ہے در مختار میں ہے وصح نکاح حبلی من زناالخ وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع لئلا یسقی ماؤہ زرع غیرہ (فروع) لونکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقاً۔ (واللہ اعلم)

(ایضاً سوال ۳۸۱) زید نے ہندہ سے ۷ ذیقعدہ ۵۰ ہجری کو نکاح کیا اور ۱۵ جمادی الاولیٰ ۵۰ ہجری کو ہندہ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد اہل محلّہ میں ہل چل مچی کہ اس قدر جلدی لڑکا پیدا ہوا تو زید نے اہل محلّہ کے چار آدمیوں کے سامنے اقرار کیا کہ ہندہ سے میرا ناجائز تعلق پہلے سے تھا۔ اور جن لوگوں نے زید کا نکاح ہندہ سے پڑھوا دیا وہ جانتے تھے کہ ہندہ ناجائز نطفہ سے حاملہ ہے باوجود جاننے کے حالت حمل میں نکاح پڑھا دیا ایسی

حالت میں یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟
(الجواب) حاملہ من الزنا کا نکاح بحالت حمل جائز ہے اور جس شخص کا حمل ہے اگر اس شخص سے نکاح ہو تو اس کو بحالت حمل وطی کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ اس صورت میں ہوا پس اس صورت میں نکاح زید کا ہندہ سے صحیح ہو گیا تھا اور جن لوگوں نے باوجود علم حمل زنا کے کرایا ان پر کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ انہوں نے ایک جائز کام کرایا۔ درمختار میں ہے وصح نکاح حبلی من زنا الخ
(ایضاًسوال ۳۸۲) علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمات ہندہ جب کہ عرصہ چھ سال سے بیوہ ہے اب مسماۃ ہندہ کو عرصہ سات ماہ کا حمل ہے اسی صورت میں مسمات ہندہ کا نکاح اس کے دیور یا کسی دیگر مسلمان کے ساتھ جب کہ حمل بھی وزنی نہ ہوا ہو جائز ہے یا نہیں ؟
(الجواب) عقد نکاح تو جائز ہے مگر جماع وضع حمل سے پہلے ناجائز ہے قال فی الھدایۃ وان تزوج حبلی من زنا جازالنکاح ولایطأھا حتی تضع حملھا - (واللہ تعالیٰ اعلم)　(اضافہ)

حاملہ عورت سے نکاح درست ہے یا نہیں۔

(سوال ۳۸۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر کسی نے حاملہ کے ساتھ نکاح پڑھالیا تو اس کا یہ نکاح ہوا یا نہیں اور وہ کسی دوسرے کا حمل ہو اس حالت میں اس کو بعد وضع حمل اس سے دوبارہ نکاح پڑھانا چاہیئے یا نہیں مفصل جواب بحوالہ کتاب اللہ وحدیث عنایت فرمائیں۔
(الجواب) اگر وہ حاملہ عورت کسی کی منکوحہ نہیں بلکہ زنا سے حاملہ ہو تو نکاح بحالت حمل جائز ہے بعد وضع حمل تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر زانی سے نکاح ہو جس کا حمل ہے تو اس کا بحالت حمل وطی کرنا جائز ہے اور اگر غیر زانی سے نکاح ہو کہ جس کا حمل نہیں ہے تو اس کو تا وضع حمل وطی کرنا جائز نہیں ہے درمختار میں ہے وصح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیرہ الخ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع الی ان قال لونکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقاً الخ(فقط واللہ تعالیٰ اعلم)
(کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ)
جواب صحیح۔ اگر حاملہ کسی شخص کی منکوحہ (بیوہ یا مطلقہ) ہے تو اس سے نکاح قبل وضع حمل جائز نہیں کیونکہ وضع سے پہلے عدت نہیں گزری۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

رجسٹر نکاح میں انگوٹھا نہ لگایا تو نکاح میں کچھ نقصان نہیں۔

(سوال ۳۸٤) ایک شخص نے عام مجلس شرع محمدی میں براضی ورضاء روبرو امام وگواہان اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد نکاح بایجاب وقبولیت کر دیا۔ اور مجازی حکومت کے رجسٹر نکاح پر انگوٹھا چسپاں کرنے کا وعدہ بربلوغیت کیا گیا تھا۔ اب لڑکی کا والد فوت ہو گیا ہے اور اس کی عورت بیوہ موجود ہے لڑکی منکوحہ کو دینے سے شوہر کو

انکاری ہوگئی ہے شہادت وغیرہ معقول ہے کیاشرعاً ایسی صورت میں کہ بغیر انگوٹھا رجسٹر نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر فی الواقع لڑکی کے باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح گواہوں کے سامنے کردیا تھا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا رجسٹر میں انگوٹھا نہ لگانے سے اس میں کسی قسم کا نقصان نہیں آتا یہ لڑکی اسی شخص کی منکوحہ ہے اس کو اپنے گھر لے جاوے وھو کلہ ظاھر (واللہ تعالٰی اعلم)

فصل فی الاولیاء والاکفاء
(ولی اور کفو کا بیان)

کیاوالد کا کیا ہوا نکاح فسخ ہو سکتا ہے

(سوال ۳۸۵) نابالغہ ہندہ کا عقد اس کے باپ خالد نے زید سے کردیا بعد بلوغ ہندہ نے بہ نفاذ حق خیار بلوغ اس نکاح سے انکار کردیا وجوہ یہ بیان کرتی ہے۔

(۱) اس کے باپ خالد مرحوم نے اپنی خلاف مرضی کسی اثر سے یہ نکاح کردیا تھا۔؟

(۲) زید شوہر فاسق وبد خلق اور غیر صالح ہے لہذا وہ باپ کے گھر سے رخصت ہونا نہیں چاہتی۔؟

(الجواب) جو نکاح والد نے کیا ہے اس کو بعد البلوغ لڑکی فسخ نہیں کراسکتی بشرطیکہ باپ کا آوارہ وفاسق اور لڑکی پر نامہربان ہونا پہلے سے مشاہدنہ ہو۔

قال فی الدر المختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مهر ها وزیادة مهره اوزوجها بغیر کفوء ان کان الولی المزوج بنفسه اباً او جداً الی قوله لم یعرف منهما سوء الاختیار مجانة وفسقاً وان عرف لایصح النکاح اتفاقاً (در مختار باب الولی)

البتہ اگر باپ فاسق وآوارہ اور لڑکی سے بے خبر ہو تو اس نکاح کو بعد بلوغ کے فسخ کرانے کا اختیار رہتا ہے۔ کما مرمن الدرالمختار نیز اگر باپ اور لڑکی دونوں نیک صالح آدمی ہیں اور جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے اس نے اپنے فسق کو چھپایا اور ان کو دھوکہ دیکر اپنے کو نیک صالح ظاہر کیا ہے پھر بعد نکاح معلوم ہوا کہ وہ شخص فاسق وفاجر ہے تو اب لڑکی اور اس کے والد دونوں کو اختیار ہے کہ بذریعہ حاکم مسلم نکاح فسخ کرادیں۔ قال الشامی نقلاً عن فتح القدیر و فی النوازل لوزوج ابنته، الصغیرة ممن ینکر انه یشرب المسکر فاذا هومد من له وقالت لاارضی بالنکاح ای بعدما کبرت ان لم یکن یعرفه الاب یشربه وکان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل [1] لانه انمازوج علی ظن انه کفواً شامی باب الولی صفحه ۴۱۸ .

محمد شفیع غفرلہ

---

[1] قال الشامی وغیرہ ای سیبطل لفسخ القاضی ۱۲ منه

ایضاً — سوال (۳۸۶) کس صورت سے باپ کا کیا ہوا نکاح بھی فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) باپ کا کیا ہوا نکاح صغر سنی صرف اس صورت میں فسخ ہو سکتا ہے کہ اس نکاح کے کرنے سے پہلے ہی یہ بات عام طور پر مشہور و معروف ہو کہ اس کے باپ کو اپنی اولاد نابالغ پر شفقت نہیں اور ان کے معاملہ میں کسی وجہ سے بے پروائی کرتا ہے تو صرف اس صورت میں اگر وہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے گا تو ان کو بعد البلوغ فسخ کا اختیار رہے گا۔ قال فی الدر المختار وان عرف یعنی سوء الاختیار من الاب والجد. لایصح النکاح اتفاقا وکذالو کان سکران فزوجها من فاسق اوشریر او فقیر اوذی حرفة دنية. وقال الشامی و الحاصل ان المانع هو کون الاب مشهور بسوء الاختیار قبل العقد فاذالم یکن مشهورًا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح الی قوله. ثم اعلم ان مامرمن النوازل من ان النکاح باطل معناه انه سیبطل کمافی الذخیرة الخ شامی باب الولی من النکاح صفحه ۲۱۲ جلد ۲.

والد نے ضد کی وجہ سے نابالغہ کا نکاح بے موقع کردیا تو لڑکی کو بعد بلوغ نکاح فسخ کرانے کا حق ہے

(سوال ۳۸۷) احمد علی شاہ چاہتا ہے کہ لڑکی کا نکاح کسی مالدار کے یہاں کردوں اور پھر بذریعہ عدالت لڑکی کو اس کی ماں سے لے لوں کیا احمد علی شاہ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے۔؟

(الجواب) نکاح کرنے کا حق نابالغہ کے باپ احمد علی شاہ کو ہے وہ نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر کسی ضد وغیرہ کی وجہ سے بے موقع نکاح کرے گا تو لڑکی بعد بلوغ اس کو فسخ کر سکے گی. کذافی الدر المختار والشامی باب الاولیاء والاکفاء (۲۸ صفر ۱۳۵۰ هجری)

بالغہ کا نکاح باپ کی مرضی کے خلاف اگرچہ صحیح ہے مگر گناہ ہے

(سوال ۳۸۸) ایک لڑکی عاقلہ بالغہ اپنے باپ کے ہوتے ہوئے اپنے نکاح کا اختیار پنچوں کو دے اور پنچ اس لڑکی کے کفو کے ساتھ مہر مثل سے زیادہ مہر پر عقد کردیں تو یہ نکاح بلامرضی باپ کے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) نکاح جائز ہے مگر یہ عورت اگر بلاوجہ شرعی باپ کے خلاف مرضی نکاح کرتی ہے تو گناہ گار ہوگی اول تو باپ کو بلاوجہ ناراض کرنا گناہ ہے اور پھر بلا اجازت ولی نکاح کرنا بھی بے حیائی اور گناہ سے خالی نہیں اگرچہ نکاح درست و صحیح ہو جاتا ہے۔ کما یظهر من روایات الحدیث المانعة عن التزوج بلا اذن ولی و صرح بالکراهة فی ردالمحتار. (والله سبحانه و تعالی اعلم)

لڑکی کا نکاح والد کی مرضی کے بغیر کرنا

(سوال ۳۸۹) زید نے اپنے بالغ لڑکے کی منگنی تین صد روپیہ بکر کو دیکر بکر کی چودہ سالہ لڑکی سے کی تھی بکر کو عمر کی جانب سے پانچ صد روپیہ ملنے لگا بکر نے زید کا تین صد روپیہ واپس کر دیا تو زید کو فکر غالب ہوا زید معہ چند شخصوں کے رات کے وقت بکر کے مکان پر جا کر بکر کی چودہ سالہ لڑکی کو اپنے مکان پر لے آیا اور راتوں رات قاضی کو بلا کر باقاعدہ عدم موجودگی لڑکی کے والد کے نکاح پڑھوالیا آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔؟
(۲) شرع شریف سے لڑکا لڑکی کتنے سال کے بالغ سمجھے جاویں بنیوا بالکتاب و توجروا یوم الحساب.

(الجواب) اگر لڑکی بوقت نکاح بالغ تھی اور اس نے نکاح کی اجازت بھی اپنی زبان سے دی تھی اگرچہ جبر واکراہ کی وجہ سے دی ہو تو نکاح منعقد ہو گیا۔ کما صرح به الشامی من انعقاد النکاح مع الاکراہ اور اگر نابالغ تھی یا اجازت نہ دی تھی تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ قال فی الدرالمختار فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی البتہ اور اگر نابالغ تھی یا اجازت نہ دی تھی تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ قال فی الدر المختار فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا رضا ولی اه البتہ اگر زید کا لڑکا جس سے نکاح ہوا ہے بکر کی لڑکی کے لئے کفو نہ ہو تو اس کا باپ اور دوسرے اولیاء قاضی یا مسلمان حاکم یا مسلمانوں کی پنچائت میں اپنا معاملہ پیش کر کے فسخ نکاح کرا سکتے ہیں صرح به الهدایة والدر المختار وغیرہ۔

(۲) لڑکے کا بلوغ اصل میں احتلام اور انزال وغیرہ سے اور لڑکی کا احتلام۔ حیض یا حاملہ ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور اگر ان میں یہ علامات نہ پائی جائیں اور پندرہ برس کی عمر ہو جائے تو بلوغ کا حکم دیا جائے گا الغرض لڑکے اور لڑکی دونوں کا بلوغ اگر سن و سال کے اعتبار سے کیا جائے تو دونوں میں پندرہ سال کی عمر کا اعتبار ہے۔

قال فی الدر المختار بلوغ الغلام بالاحتلام و الاحبال والا نزال والا صل هو الانزال والجاریة بالاحتلام و الحیض والحبل الی قوله فان لم یوجد فیهما شیئ فحتی یتم کل منهما خمس عشرة سنة به یفتی اه. (درمختار صفحه ۱۳۲ = ج ۲ کتاب الحجر والله اعلم) (اضافه)

چچا کی اجازت کے بغیر نابالغہ لڑکی کا نکاح والدہ نے ڈوم کے لڑکے سے کر دیا

(سوال ۳۹۰) ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کی والدہ نے ایک ڈوم لڑکے سے بلا اجازت تایا چچا کے کر دیا اب لڑکی سن شعور کو پہنچی۔ عمر تیرہ سال ہے اس نکاح سے متنفر ہے اور اپنے چچاؤں سے دوبارہ فسخ نکاح میں امداد طلب کرتی ہے کیا لڑکی کی فریاد پر اس کے چچاؤں کا مدد کرنا واجب ہے۔؟

(الجواب) اگر یہ لڑکی کسی شریف خاندان کی ہے اور ڈوم اس کا کفو نہیں ہے تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا اب لڑکی کو بعد بلوغ خود اختیار حاصل ہے کہ جہاں چاہے نکاح کر لے. لمافی باب الولی من الدر وان کان المزوج غیر هما ای غیر الاب وابیه ولو الام او القاضی او وکیل الاب (الی قوله) لا یصح النکاح من غیر کفوء او بغبن فاحش اصلا (شامی صفحه ۳۳۱ ج ۲) والله اعلم. (والله تعالٰی اعلم) ۲۷ صفر ۱۳۵۰ هجری

باپ کی موجودگی میں لڑکی کی ماں اور ماموں نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں

(سوال ۳۹۱) عورت اور اس کے بھائی بلا رضامندی احمد علی شاہ کے لڑکی کا نکاح کر سکتے ہیں اور نکاح جائز ہو گیا نہیں۔؟

(الجواب) باپ کے ہوتے ہوئے لڑکی کی ماں اور ماموں وغیرہ اس کا نکاح بحالت صغر سنی بغیر اجازت باپ کے نہیں کر سکتے البتہ بعد بلوغ وہ اپنا نکاح خود اپنی مرضی کے موافق کر سکتی ہے در مختار شامی۔ ۲۸ صفر ۱۳۵۰ ہجری۔

اگر لڑکی کا کوئی ولی عصبہ نہ ہو تو ولی نکاح اس کی ماں ہے

(سوال ۳۹۲) زینب بی بی دختر گل بعمر چودہ سال ہے اس کا باپ عرصہ ہوا فوت ہو گیا ہے اس کی والدہ نے دوسری جگہ نکاح کر لیا ہے اب زینب کا کوئی ولی اقرب یعنی باپ، دادا، تایا، چچابرادر موجود نہیں ہے تو کیا ولایت نکاح زینب کی والدہ کو ہے یا ولی ابعد کو جو نہایت ہی بعید ہیں اگر ماں زینب کا عقد کفو میں کر دے تو ولی ابعد کو حق فسخ نکاح کا ہے یا نہیں۔؟

تنویر میں ہے۔ الولی فی النکاح العصبة بنفسه فان لم یکن عصبة فالولایة للام. کیا عبارت مذکورہ سے ولایت ام ثابت ہے۔

(الجواب) عبارت مذکورہ سے ولایت ام ثابت ہے۔ ومثله فی الدر المختار فان لم یکن عصبة فالولایة للام قال الشامی هو عند الامام و معه ابو یوسفؒ فی الاصح وقال محمدلیس لغیر العصبات ولایة وإنما هی للحاکم والا ول الاستحسان والعمل علیه الخ شامی باب الولی صفحه ۴۲۹ جلد ۲ . اس لئے صورت مذکورہ میں جبکہ عصبات موجود نہیں لڑکی کی والدہ اس کا نکاح کر سکتی ہے لیکن اگر کوئی قریب یا بعید عصبہ موجود ہو تو اس کی ولایت مقدم ہے وہ ماں کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے اور اگر لڑکی بالغ ہو چکی ہے تو خود مختار ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔ ۲۹ صفر ۵۰ ہجری

نابالغ کا نکاح ماں کی اجازت سے عصبات نہ ہونے کی صورت میں نافذ ہے

(سوال ۳۹۳) ایک نابالغ لڑکے کا نکاح پانچ برس ہوئے ہوا تھا لڑکا ابھی تک نابالغ ہے اب لڑکے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ نکاح بوجہ نابالغ ہونے کے ناجائز تھا ہم دوسرا نکاح چاہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نکاح والدہ کی اجازت سے ادا ہوا تھا۔؟

(الجواب) نابالغ کا نکاح جو اس کی ماں نے کیا ہے نافذ و منعقد ہو گیا بشرطیکہ نابالغ کا کوئی اور ولی اقرب مثل باپ دادا بھائی، چچا وغیرہ کے موجود نہ ہو یا اس نے اجازت دے دی ہو. قال فی الدر المختار فان لم یکن عصبة فالو لایة للام و ایضاً قال قبل ذلك و للولی انکاح الصغیر و الصغیرة جبراً (والله سبحانه

و تعالیٰ اعلم)

اگر کسی لڑکی کے بلوغ اور عدم بلوغ پر شبہ ہو تو اس کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر غیر ولی کر سکتا ہے

(سوال ۳۹٤) مسماۃ فاطمہ کو جس کی عمر میں اختلاف ہے اس کا چچا کہتا ہے کہ وہ نابالغ ہے اور بظاہر وہ لڑکی بالغ معلوم ہوتی ہے اور اس کی منگنی بھی اس کے باپ نے اپنی زندگی میں کر دی تھی اس کا بہنوئی زید چچا کے گھر سے اپنے گھر لے گیا اور اپنے بھائی کے ساتھ بلا اجازت فاطمہ کے چچا کے نکاح کر دیا لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے یہ نکاح اپنی رضامندی سے کیا ہے۔

(۱) شرعاً یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

(۲) بصورت صحت اس کے خاوند سے طلاق دلوا کر پہلی منگنی والے کی طرف رد کی جائے یا اسی نکاح پر قائم رکھی جائے اور احتیاطاً تجدید نکاح کی جاوے یا نہیں۔ ؟

(۳) پہلی منگنی والے کو اس کا تمام خرچ واپس دلوایا جائے گا یا نہ اور اگر لڑکی کو جو زیور وغیرہ تقریب منگنی میں دیا گیا تھا وہی دلوایا جائے گا۔ ؟

(۴) صورت مذکورہ میں یہ چند خرابیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ؟

(۱) --- فاطمہ کو دھوکہ سے لے جاکر نکاح کر دینا۔

(۲)---باپ کی منگنی کے بعد دوسری جگہ نکاح کر دینا۔

(۳)---ولایت اب کو بے وقعت جان کر بغیر اجازت ولی کے نکاح کر دینا۔

(۴)---منکوحہ کا وقاحت اور بے شرمی پر جرات کرنا۔ سوان خرابیوں کا مرتکب صرف زید کے بھائی اور زید کو قرار دیا جائے گا اور ان پر کیا سزا جاری ہو گی۔ ؟

(الجواب) اگر لڑکی بوقت نکاح نابالغہ تھی تو یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا جب ولی نے خبر نکاح سنکر اس کو رد کر دیا تو باطل ہو گیا۔ قال فی الدر المختار ھوای الولی شرط صحۃ نکاح صغیر و مجنون و رقیق لا مکلفۃ اور اگر بوقت نکاح لڑکی بالغہ تھی تو نکاح صحیح ہو گیا البتہ اگر نکاح غیر کفو میں یا مہر مثل سے کم پر کیا گیا ہو تو لڑکی کے اولیاء چچا وغیرہ کو اس وقت تک نکاح فسخ کرنے کا حق رہے گا جب اس سے اولاد پیدا نہ ہو جائے۔ کما فی الدر المختار فنفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضا ولی ولہ ای للولی اذا کان عصبۃ الی قولہ الاعتراض فی غیر الکفؤ مالم تلد منہ

(۲) اگر نکاح بوجہ مذکور صحیح نہیں ہوا تو اس شخص سے علیحدہ کرنا فرض ہے اور پھر اختیار ہے کہ جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر لڑکی اسی سے نکاح کرنے پر راضی ہے تو اسی سے تجدید نکاح باضابطہ کرنا ضروری ہے اور اگر بوجہ مذکور نکاح ہو گیا تو اب تجدید کی حاجت نہیں۔

(۳) پہلی منگنی والے کو کوئی کسی قسم کا خرچ کسی سے دلوانے کا حق نہیں اس نے اپنی خوشی سے فضول خرچ کیا اس کا وہی ذمہ دار ہے۔

(۴) اگر لڑکی نابالغ تھی تو دھوکہ دینے کا نیز جائز طور پر خلاف شرع نکاح کا نام کر کے اپنے گھر میں رکھنے کا سخت گناہ ان دھوکہ دینے والوں کو ہوگا اور اگر نکاح پڑھنے والے اور شاہدین کو بھی اس دھوکہ کے واقعہ کا علم ہو تو ان کو بھی گناہ اعانت معصیت کا ہوگا۔ **لقوله تعالی ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان.** اور اگر لڑکی بوقت نکاح بالغہ تھی تو وقاحت و بے شرمی پر جرات کرنے سے نیز بلا اذن نکاح کرنے سے یہ لڑکی گناہ گار ہوئی نکاح کرنے والے اور پڑھنے والے اور شاہدین کو پہلی قسم کے شدید گناہ سے بری ہو گئے البتہ وقاحت و بے شرمی پر لڑکی کی امداد کرنے سے ان کو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انکو ایسا کرنا نہ چاہئے تھا اور اگر لڑکی کو انہوں نے کوئی فریب یا دھوکہ دیا ہے اس کا گناہ اس کے سر علیحدہ ہے۔

عاقلہ بالغہ کا نکاح بدون اجازت ولی

(سوال ۳۹۵) ایک لڑکی بالغہ بعمر بیس سال نے پنچوں کے سامنے آکر بغیر اپنے باپ کی مرضی واجازت کے ایک شخص سے نکاح پڑھوالیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر لڑکی بالغہ و عاقلہ ہے تو اس کا نکاح اپنی مرضی سے بغیر اجازت ولی باپ بھائی وغیرہ کے اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اپنے کفو میں کیا ہو یعنی نسب اور پیشہ وغیرہ کے لحاظ سے اس کے قبیلہ سے کم حیثیت نہ ہو۔

قال فی الهداية و ينعقد نكاح المرأة البالغة برضا ها وان لم يعقد عليها ولى وقال بعد ذلك اذا تزوجت المرأة فی غير الكفو فللا ولياء الاعتراض و صرح الشامی بعدم نفاذ هذا النكاح. لیکن لڑکی کا خود اپنا نکاح بغیر توسط ولی کے کرنا بے حیائی اور مذموم ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔ (صرح بہ فی ردالمحتار)

عاقلہ بالغہ جو خود نکاح کفو میں کرے وہ معتبر ہے؟

(سوال ۳۹۶) دختر نظام الدین نے خود جس کی عمر جسٹر میں تیس سال لکھی ہے اپنا نکاح ایک شخص سے کر لیا اس کے بعد لڑکی کے والد نظام الدین نے جبراً نکاح لڑکی مذکورہ کا دوسری جگہ کر دیا پہلا نکاح صحیح ہو گیا دوسرا۔؟

(الجواب) جبکہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے تو دوسرا نکاح جو والد نے جبراً کیا ہے قطعاً باطل ہے کیونکہ بالغہ عاقلہ کا نکاح جبراً کرنے کا کسی کو اختیار نہیں **كذافی الهدايه وغير ها۔** اور پہلا نکاح جو لڑکی نے خود بلا اجازت باپ کے کیا ہے وہ اگر اپنے کفو میں مہر مثل کے مطابق کیا ہے تو نافذ و مکمل ہو گیا اب اس کو کوئی فسخ نہیں کرا سکتا۔

البتہ اگر نکاح اپنے کفو میں نہیں کیا تھایا مہر مثل سے کم میں کرالیا ہے تو باپ کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا شرعاً اختیار ہے اور وہ بھی اس طرح کہ حاکم مسلمان کے یہاں درخواست دے کر فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے۔ لما قال فی الھدایة و یشترط فیه القضاء

اور پھر بھی دوسری جگہ نکاح کرنے کا کوئی حق بغیر لڑکی کی رضاء کے نہیں۔

عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں نکاح کرلیا تو اس کے احکام

(سوال ۳۹۷) نکاح اول سے دباؤ دیکر طلاق حاصل کرنا کیسا ہے۔؟

(الجواب) نکاح اول اگر لڑکی نے اپنے کفو میں کیا ہے اور مہر بھی مہر مثل سے کم مقرر نہیں کیا تب تو اس کے خاوند پر دباؤ ڈال کر طلاق لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں ابطال حق ثابت ہے وھو لا یجوز اور اگر یہ نکاح اپنے کفو میں نہیں کیا یا مہر اپنے مہر مثل سے کم مقرر کر لیا تو قول مفتی بہ کے موافق یہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوا۔ کما صرح به فی الدر المختار من ان الفتوی علی روایة الحسن عن الامامؒ.

پس اس صورت میں نکاح ثانی جو ماں باپ نے کردیا وہ صحیح و جائز ہو گیا۔

لڑکی اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح بعد البلوغ فسخ نہیں کر سکتی

(سوال ۳۹۸) ہندہ کا عقد گیارہ سال کی عمر میں اس کے والدین نے زید سے کردیا اب ہندہ بالغ ہونے پر زید کو اپنا شوہر بنانا نہیں چاہتی کیا ہندہ زید کے عقد سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔؟

(الجواب) چونکہ یہ نکاح والد کا کیا ہوا ہے لہذا بعد بلوغ ہندہ کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں کذافی الھدایة والدرالمختار والشامی لشرائط ذکرھا الشامی وھی غیر موجودة ھھنا.

(واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم)

نابالغہ کے نکاح میں ولی قریب وبعید کے اختیارات وغیرہ کا حکم

(سوال ۳۹۹) لیاقت النساء بیگم جہانگیر النساء نابالغہ کی علاتی ہمشیرہ ہیں اور تلاوت علی خان جو بالغہ موصوفہ کے علاتی ماموں ہوتے ہیں والدین کی وصیت کے بموجب انہوں نے اپنی وصایت ولایت سے جہانگیر النساء نابالغہ کا عقد نکاح میر احمد علی خان کے ساتھ جو نابالغہ کے قریب عزیز ہوتے ہیں کردیا اس واقعہ کے بعد نابالغہ اور اس کی معاش و جائیداد پر کورٹ آف وارڈز کی نگرانی قائم ہوئی اب نابالغہ کی علاتی ہمشیرہ لیاقت النساء بیگم کو باجلاس عدالت مجازیہ عذر ہے کہ میں بہ حیثیت علاتی ہمشیرہ ہونے کے بمقابل علاتی ماموں نابالغہ سے قریب تر اور مستحق ولایت ہوں اس لئے عقد نکاح صحیح نہیں ہوا مخفی مباد کہ لیاقت النساء بیگم ہمشیرہ علاتی کو نابالغہ سے ایک عرصہ سے سلسلہ مخالف ہے یعنی بمقابل نابالغہ محکمہ جات سرکاری میں مقدمات دائر ہیں ایسی

حالت میں شرعی نقطہ نظر سے حسب ذیل تفصیلات کی ضرورت ہے۔؟
(۱) کیاایسے ولی یاولیہ کی ولایت (جسے نابالغ نابالغہ سے وجہ مخالفت اوراس کے مقابل مقدمہ بازی ہورہی ہو) قابل تنسیخ ہےیانہیں۔؟
(۲) کیاوہ عقد جوولی بعید نے بحالت موجودہ مخالف ولی قریب کے بلااجازت اپنی ولایت سے کردیاہو صحیح اور قابل نفاذ ہےیاموقوف یاسرے سے باطل ہے۔؟
(۳) کیالیاقت النساء بیگم کوصورت مسئولہ میں عقد کے انفساخ کااختیار حاصل ہے ؟بینواتوجروا
(الجواب) از مفتی صاحب حیدرآباد---شریعت مطہرہ میں وصی کونابالغ نابالغہ کے مال وجائیداد کی نگرانی کا حق حاصل ہے کہ وہ مجاز عقد نہیں یعنی وہ اپنی وصایت سے نابالغ یانابالغہ کانکاح نہیں کرسکتا۔
قوله لا الحال فان الولی فیه. الاب ووصیه والجد و وصیه والقاضی نائبه صفحه ۴۸۰ ج ۲ باب الولی ردالمحتار الوصی لاولایة له فی انکاح صغیر و صغیرة سواء اوصی الیه الاب صفحه ۱۳ باب الاولیاء ج ۲ عالمگیری۔
علاتی بہن اور علاتی ماموں دونوں اولیاء ذوی الارحام میں شامل ہیں اور عصبات کی عدم موجودگی میں انہیں حق ولایت حاصل ہے لیکن علاتی بہن بہ نسبت علاتی ماموں کے قرابت قریبہ رکھتی ہے اس لئے بمقابل علاتی ہمشیرہ علاتی ماموں ولی بعید ہوں گے۔ **وان لم تکن عصبة فالولایة للام ثم الاخت لاب وام ثم لاب ثم لولدالام ثم ذوی الارحام ثم للحاکم .علی حاشیه صفحه ۱۲۴ باب الاولیاء جلد ۳ بحر الرائق**
اگر ولی نابالغ یانابالغہ کامخالف ہویابعض خاندانی حالات ونزاعات کی وجہ سے نابالغین کے لئے کسی بھلائی کی توقع نہ ہوتوولایت باقی نہ رہے گی۔ **لیس کل ولی یحسن المواقعة والخصومة ولا کل قاضی یعدل ولو احسن الولی و عدل القاضی فقد یترك انفة للتردوعلی ابواب الحکام و استثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعه دفعاله صفحه ۴۵۹ باب الولی جلد ۲ ردالمحتار۔** اگر ویسے ولی قریب کے موجود ہونے پر جوولایت کی اہلیت رکھتاہوولی بعید نے اپنی ولایت سے نابالغ کاعقد نکاح کرادیاتونفس نکاح جائزومنعقد ہوجائے گالیکن اس کانفاذولی قریب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔
وان زوج الصغیر اوالصغیرة ابعدالاولیاء فان کان اقرب حاضراً وهو من اهل الولایة توقف نکاح الابعدعلی اجازته صفحه ۱۳ ج ۲. باب الاولیاء عالمگیری
صورت مسئولہ میں تلاوت علی خان جہانگیر النساء بیگم نابالغہ کے والدین کی طرف سے وصی ہونے کے لحاظ سے ان کی جائیدادودیگر مالی نگرانی کاحق رکھتے تھے لیکن عقد کرادینے کے مجاز نہ تھے البتہ ان کی حیثیت علاتی ماموں ہونے کی وجہ سے بمقابل لیاقت النساء بیگم نابالغہ ولی بعید کی ہے انہوں نے جہانگیر النساء بیگم نابالغہ کاجوعقد نکاح اپنی ولایت سے میر احمد علی خان سے کردیاوہ صحیح ہے لیکن لیاقت النساء بیگم ہمشیرہ علاتی ولی قریب کی اجازت پر موقوف رہے گاچونکہ ولیہ قریب نابالغہ کے مقابل مقدمات سرکاری میں

فریق ہیں اور بلحاظ اس دیرینہ مخالف کے ظاہر ہے کہ ان سے نابالغہ کے متعلق کسی بھلائی کی توقع نہیں اس لئے ان کی ولایت اس معاملہ میں ساقط و بے اثر ہے اور وہ بحالت موجودہ عقد منعقد کے انفساخ کا اختیار نہیں رکھتی۔ عدالت مجاز میں لیاقت النساء بیگم ہمشیرہ علاتی کا مقابلہ نابالغہ فریق ہونے کے ثبوت مکمل ہو جانے کے بعد ولی بعید تلاوت علی خان کی ولایت سے جو عقد ہوا ہے وہ موقوف بھی نہ رہے گا بلکہ نافذ ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مفتی اول بلدہ وصدارت العالیہ سرکاری عالی۔

(الجواب) از حضرت مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند

یہ صحیح ہے کہ تلاوت علی خان کو بہ حیثیت وصی ہونے کے نکاح صغیرہ کا اختیار شرعاً نہ تھا کما صرح به فی العالمگیریة والشامی لیکن ولی بعید ہونے کی حیثیت سے ان کا کیا ہوا نکاح منعقد ہو گیا مگر ولی قریب یعنی لیاقت النساء بیگم کی اجازت پر موقوف رہا۔ کماهو مصرح فی الدر المختار و عامة الکتب.

اب جب کہ لیاقت النساء بیگم اس نکاح موقوف کو جائز نہیں رکھتی تو حسب قاعدہ یہ نکاح باطل وغیر موقوف ہو گیا باقی رہا یہ کہ عداوت کی وجہ سے لیاقت النساء کا حق ولایت ساقط کر دیا جائے یہ چند وجوہ محل نظر ہے

(الف) محض اتنی بات سے کہ جہانگیر النساء اور لیاقت النساء بیگم کے درمیان مقدمات و خصومات عدالت میں دائر رہے ہیں۔ شرعاً عداوت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ عدالت میں کسی کے مقابل اپنے جائز حقوق کو طلب کرنے کے لئے مقدمہ دائر کرنا شرعاً کوئی عداوت نہیں۔

قال فی الدر المختار من اول القضاء ثم انما یثبت العداوة بنحوقذاف جرح او قتل ولی بمخاصمة نعم هی تمنع الشهادة فیما وقعت فیه المخاصمة قال الشامی من ابن وهبان وقد یتوهم بعض المتفقه من الشهود ان من خاصم شخصاً فی حق اوادعی علیه یصیر عدوة فیشهدون بینهما بالعداوة ولیس کذلك و انماثبت بنحوالخ. (شامی اول کتاب القضاء صفحه ۳۳۲ ج ٤)

(ب) ثانیاً ولی کی عداوت یا خیانت یا فسق ثابت ہو جانے سے بھی ولایت کا حق ساقط نہیں ہوتا البتہ جو تصرف نکاح وہ کرتا ہے اگر اس تصرف میں قصداً اضراریا عداوت ثابت ہو جائے تو قاضی اور حاکم قبل البلوغ بھی اس تصرف کو رد کر سکتے ہیں اور بعد البلوغ لڑکی کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا بلکہ اگر نکاح غیر کفو میں یا مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کیا گیا ہے تو نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ اس پر فتویٰ ہے اور محققین کے نزدیک بھی مختار ہے.

لمافی الدر المختار و یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان وقال فی الفتح بعد ذکره بروایة الحسنؒ واختیرت للفتوی لما ذکر ان کم من واقع لا یرفع ولیس کل ولی یحسن المرافعة والخصومة ولا کل قاض یعدل ولو احسن الولیٰ وعدل القاضی فقد یترك انفةً للتردد علی ابواب الحکام و استثقالاً لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکا ن منعه و فعاله فتح القدیر صفحه ۱۵۷ ج۳.

یہ عبارت دراصل اس صورت کا بیان ہے کہ عورت بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں خود کرے تو یہ نکاح بقول مفتی بہ منعقد نہ ہوگا اور یہی حکم اس صورت کا ہے جب کہ نابالغہ کا نکاح علاوہ باپ دادا کے کوئی دوسرا ولی ہوگا کہ غیر کفو میں کردے یا باپ اور دادا کا فاسق اور خائن ہونا ثابت ہو جائے تو پھر ان کا بھی یہی حکم ہوگا کہ غیر کفو میں یا غبن فاحش کے ساتھ نکاح کیا تو منعقد نہیں ہوگا. صرح بھما فی الدر المختار والشامی و سیاتی بیانہ .

الغرض ولی کی اگر عداوت ثابت ہو جائے تو خاص وہ معاملہ جس میں عداوت کا ظہور اور قصد اضرار پایا جائے وہ معاملہ نافذ نہ ہوگا لیکن مطلقاً حق ولایت اس سے ساقط نہیں ہوتا۔ والدلیل علیه ما فی الدر المختار الولی هو لغةً خلاف العدو و عرفاً العارف بالله تعالیٰ و شرعًا العاقل البالغ الوارث ولو فاسقاً علی المذهب مالم یکن متهتکا قال الشامی فی القاموس رجل متهتك و متهتك لا یبالی ان یهتك ستره. قال فی الفتح اذا كان متهتكاً لا ینفذ تزویجه ایاها ینقص عن مهر المثل و عن غیر کفو و سیاتی هذا و حاصله ان الفسق و ان كان لا یسلب الاهلیة عندنا لكن اذا كان الاب متهتكاً لا ینفذ تزویجه الا بشرط المصلحة واما قوله و بهذا ظهران الفاسق المتهتك وهو بمعنی یسئ الاختیار لا تسقط ولایته مطلقاً لانه لوزوج من كفؤ بمهر المثل صح كما سیاتی بیانه شامی اول باب الولی صفحه ۳۰۳ ج۲. وبمثله صرح فی صفحه ۴۱۸ ج۲. ثم قال ان السكران او المعروف بسوء الاختیار لوزوجها بكفؤ من مهر المثل صح لعدم الضر المحض و فی الفتاوی الخیریة فی تفسیر سوء الاختیار مانصه قال بن فرشته فی مجمع لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز اتفاقًا و مثله فی الدرر و الغرر الی قوله قال فی فتح القدیر من زوج ابنته القابلة للتخلق بالخیر والشر ممن یعلم انه شریر او فاسق فهو ظاهر سوء اختیاره خیریه باب الاولیاء صفحه ۲۳ ج اول و قال فی الفتح حاصله ان القرابة مع قصور الشفقه مقتضاها ولایة غیر ملزمة الی قوله وهذا لما اثبتنا فیه من الخیار عند البلوغ والرد قبله من القاضی عند الا طلاع علی عدم النظر من تنقیص مهر او عدم كفاء ة فتح القدیر مصری صفحه ۱۷۴ جلد ۳.

عبارات مذکورہ شامی و فتاوی خیریہ و فتح القدیر اس قدر مشترک کے لئے تقریباً صریح ہیں کہ ولی سے اگر عدم شفقت و نظر بلکہ خیانت و طمع یا فسق بھی ثابت ہو جائے تو ولایت مطلقاً ساقط نہیں ہوتی البتہ اگر ایسا ولی کوئی خلاف مصلحت غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں کردے تو وہ نکاح نافذ نہ ہوگا اگرچہ ولی باپ دادا ہی کیوں نہ ہو جس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض لیاقت النساء بیگم کی عداوت ثابت بھی ہو جائے تب بھی حق ولایت ساقط نہیں ہوتا۔ اور جو عبارت لیس کل ولی یحسن المرافعة الخ سقوط ولایت کے لئے پیش کی جاتی ہے اس سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے متعلق ہے بلکہ اس کا محل اور مفہوم وہی ہے جو اوپر بحوالہ فتح القدیر نقل کیا گیا ہے۔

(ج)البتہ ایک بات باقی ہے کہ بصر تح فقہاءؒ اگر کسی کفو کی جانب سے منگنی کی جائے اورولی اقرب بلاوجہ اس کورد کردے تو ولی اقرب کی ولایت ساقط ہو جاتی ہے لیکن اس صورت میں صحیح و مفتی بہ قول کے موافق ولایت کا حق ولی اقرب سے منتقل ہو کر ہر ولی بعید کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف قاضی کو پہنچتا ہے۔

قال فی البحر قالو اواذا خطبها کفئو و عضلها الولی یثبت الولایة للقاضی نیابة عن العاضل الخ بحر صفحه ۱۳۶ ج ۳. وقال العلامة ابن عابدین فی حواشی البحر و مثله فی فتاواه الشامیه فی تفسیر العضل بل ینبغی التفصیل بان یقال ان کان الکفو الاٰخر حاضراً اوا متنع الاب من تزویجها من الاول واراد تزویجها من الثانی لا یکون عاضلاً لان شفقته دلیل علی انه اختار لها الانفع اما لو حضر کفو و امتنع من تزو یجها له واراد انتظار کف اخر فهوعا ضل لانه متی حضر الکفو لا ینتظر غیره خوفاً من فواته ولذا تنتقل الولایة الی الا بعد اذغاب الاقرب انتهی.

نیز یہ بات کہ حق ولایت صورت عضل میں ہر ولی بعید کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ صرف قاضی کو پہنچتا ہے اس کی تصر تح بحر سے اوپر مذکور ہو چکی ہے اور علامہ شامی نے حواشی بحر اور درالمختار میں اس پر نہایت مفصل کلام کیا ہے اور شرنبلالی کے رسالہ کشف العضل فی من عضل سے اس کی بہت سی تائیدات نقل فرمائی ہیں۔فمن رام التفصیل فلیراجعه حواشی البحر صفحه ۱۳۶ ج ۳ (خلاصہ حکم)

لہذا جب ایک کفو کی طرف سے مسماۃ جہانگیر النساء بیگم کے نکاح کی طلب ہوئی اور اس کے ماموں تلاوت علی خان نے جو ولی بعید ہیں اس کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح ولی اقرب یعنی لیاقت النساء بیگم کی اجازت پر موقوف تھا تو اب غور طلب امر یہ ہے کہ جس وقت لیاقت النساء کو اس نکاح کا علم ہوا انہوں نے اس کی اجازت صراحتاً دی یا نہیں اور اگر نہیں دی تو کوئی معقول عذر ایسا پیش کیا کہ کوئی دوسری جگہ کفو کے اندر موجود ہے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتی ہے اور اس طرف سے بھی طلب موجود ہے۔یا ایسا عذر پیش نہیں کیا بلکہ بلاوجہ انکار کیا۔

صورت اولیٰ میں کہ لیاقت النساء بیگم نے اجازت صراحتاً دیدی ہو نکاح نافذ و صحیح ہو گیا اب اس کو نکاح فسخ کرانے کا کوئی حق نہیں۔

صورت ثانیہ میں کوئی عذر معقول انکار کے لئے پیش کیا ہے تو جو نکاح تلاوت علی خان نے کیا تھا باطل ہو گیا اور اب لیاقت النساء کے ہوتے ہوئے کسی کو جہانگیر النساء کا نکاح بحالت صغر سنی کرانے کا حق نہیں۔

صورت ثالثہ میں کہ نکاح مذکور سے انکار بلاوجہ کیا اس کی جگہ اجازت بجائے لیاقت النساء قاضی شرعی کی طرف منتقل ہو گئی اگر قاضی نے جائز رکھا تو وہ نکاح جائز و نافذ ہو گیا لیکن در صورت جواز بھی بعد بلوغ لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔ صرح به الشامی و الدر المختار ہاں اس جگہ ایک چوتھی صورت بھی محتمل ہے وہ یہ کہ قاضی اس جگہ موجود نہ ہو جیسا کہ عام بلاد ہند میں ہے تو پھر ولی اقرب سے ولایت

منتقل ہو کر بجائے قاضی کے ولی بعید ہی کی طرف پہنچتی ہے تو اس صورت میں جو نکاح ولی بعید تلاوت علی خان نے کیا تھا نافذو صحیح ہو جائے گا۔ بشرطیکہ اب مکرر اس کی اجازت دے۔ کمافی الدر المختار ولو تحولت الولایة الیه یعنی الا بعد لم یجز الا باجازته بعد التحول انتهی پھر اس صورت میں بھی لڑکی کو خیار بلوغ دیا جائے گا والدلیل علیه مافی حواشی البحر للشامی ویمکن ان یجاب بحمل ما فی الخلاصه علی ماذالم یکن قاضی انتهٰی بحر صفحه ۱۳۶ ج ۳ یعنی ان الانتقال الی الولی البعید الذی صرح به فی الخلاصة انما یکون اذالم یکن ثم قاض .

واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد شفیع غفرلہ
الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ
الجواب صحیح محمد رسول خان عفی عنہ

نابالغہ کی والدہ اور دو علاتی بھائیوں میں ولی ان کا کون ہے

(سوال ۴۰۰) ہندہ نابالغہ ہے اس کے ایک والدہ حقیقی اور دو بھائی بالغ علاتی ہیں والد قضا کو گیا ان میں سے ولی کون ہے۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں دونوں علاتی بھائی ولی قریب ایک درجہ کے ہیں اور ان کے بعد والدہ کا درجہ ہے پس علاتی بھائی دونوں مل کر اگر عقد کر دیں یا کوئی ایک ان میں سے عقد کر دے تو صحیح و نافذ ہو جائے گا بشرطیکہ کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ کیا جائے۔
الغرض علاتی بھائیوں کو حق ولایت میں ترجیح ہے۔ کذافی الشامی و البدائع فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تایا نے والد کی موجودگی میں نابالغہ کا نکاح کر دیا

(سوال ۴۰۱) بلند شہر میں نابالغہ کا نکاح اس کے تایا نے ایک شخص سے کر دیا حالانکہ باپ لاہور میں موجود تھا اور اس کے خط وغیرہ آتے تھے باپ نے اطلاع اظہار ناراضی کیا اور لڑکی کو اپنے ساتھ لے گیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔؟
اور اگر ہوا بھی تو لڑکی کو بعد بلوغ اختیار فسخ ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) نکاح مذکور باپ کی اجازت پر موقوف تھا جب اس نے اجازت کے بجائے اظہار ناراضی کیا تو نکاح صحیح نہیں رہا اور شرعاً غیر معتبر ہو گیا۔ قال فی الدرالمختار فلو زوج الا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته اور اگر بالفرض نکاح مذکور منعقد بھی ہو تا تب بھی لڑکی کو فسخ کا حق تھا۔

نابالغہ کا نکاح دادا نے والد کی موجودگی میں کر دیا

(سوال ۴۰۲) مسماۃ بھان دختر حسین کا نکاح بعمر چار پانچ سال اس کے والد کی موجودگی میں دادا نے کر دیا تھا لڑکا خورد سال تھا بعمر پانچ یا چھ سال ایجاب و قبول نہ کر سکا نہ لڑکے کے والد نے قبول کیا مجلس نے کہا

کوئی بات نہیں گھر کی بات ہے اب لڑکی سولہ سترہ برس کی ہے جب تیرہ چودہ برس کی تھی تو ناطہ والے ناطہ لینے آئے مگر لڑکی نے والدین سے انکار کر دیا والدین نے ناطہ والوں کو ٹال دیا پھر ناطے والے دو تین سال متواتر آتے رہے اس عرصہ میں والدین اپنی لڑکی کو سمجھاتے رہے کہ گھر اچھا ہے بڑا اچھا ہے خویشگی ہے ضد اور ہٹ دھرمی ٹھیک نہیں لڑکی نے جواب دیا یا تو مفرور ہو جاؤں گی یا پھر پھانسی کھا جاؤں گی اس وجہ سے والدین لڑکی کے ساتھ متفق ہیں اگر ایام نابالغی کا نکاح ناجائز ہو تو لڑکی کی منشاء کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر دیا جائے۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں لڑکی کے باپ نے اس مجلس میں یا اس کے بعد اگر صراحتا زبانی اجازت اس نکاح کی دے دی ہے یا عملاً اجازت دیدی مثلاً اس نکاح کے مخصوص کاروبار کو خود اپنے ہاتھوں کیا اور جو جوڑا کپڑے یا زیور وغیرہ خاوند کی جانب سے آتا ہے اس پر قبضہ کیا وغیرہ ذلک تب تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا اب لڑکی کو بعد بلوغ بھی فسخ کا اختیار نہیں اور علیحدگی کی صورت بجز اس کے نہیں کہ خاوند طلاق دے اور اگر لڑکی کے والد نے اس نکاح کی اجازت نہ صراحتاً دی اور نہ عملاً تو پھر دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بجائے اجازت کے انکار کر دیا ہو تو اس صورت میں یہ نکاح باطل ہو گیا شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہ رہا اور نہ فسخ کرانے کی حاجت رہی دوسری صورت یہ ہے کہ نہ اجازت دی ہو اور نہ انکار کیا بلکہ سکوت کیا تو اب بھی لڑکی کے بالغ ہونے تک یہ نکاح والدین کی اجازت پر اور لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف ہے اگر اس نے اجازت دی تو جائز ورنہ باطل ہو جائے گا۔

قال فی الدر المختار فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته قال الشامی تقدم ان البالغة لوزوجت نفسها غیر کف فللولی الاعتراض مالم یرض صریحًا او دلالةً کقبض المهر و نحوه ولم یجعلوا سکوته اجازةً والظاهر ان سکوته ههنا ایضًا کذٰلك فلایکون سکوته اجازةً لنکاح الا بعد وان کان حاضراً فی مجلس العقد مالم یرض صریحًا او دلالة شامی باب الولی صفحه ۳۲۳ ج ۲ مصری.

لیکن عبارت مندرجہ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ والد نے اس نکاح کی اجازت دیدی تھی جیسا کہ الفاظ اس پر صریح ہیں کہ والدین لڑکی کو سمجھاتے رہے اس لئے حاصل یہی ہوا کہ یہ نکاح نافذ اور لازم ہو گیا اب فسخ کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اس کے کہ خلع یا طلاق کے ذریعہ رہائی حاصل کی جائے اور کوئی صورت نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا

(سوال ۴۰۳) ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح والد حقیقی کی ناراضگی میں حقیقی چچا نے کر دیا اور لڑکی بھی نابالغی میں خاوند کے یہاں چلی گئی جب لڑکی بلوغت کو پہنچی تو اپنے خاوند کی شکایت کرنے لگی کہ میرا خاوند چور ہے چنانچہ چند مرتبہ لڑکی کا خاوند چوری کر کے قید ہو چکا ہے اب بھی جیل خانہ میں مقید ہے اور مشہور چور ہے آیا

یہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) چچا نے جو نکاح نابالغہ کیا تھا یہ باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور جب باپ نے اجازت نہیں دی تو یہ نکاح باطل ہو گیا لہذا اول ہی سے یہ نکاح صحیح نہیں ہوا لڑکی کو اس شخص سے فوراً علیحدہ ہو جانا چاہئے اور وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

لڑکی کا باپ مجنون ہو تو اس کی ولایت ساقط ہو گی یا نہیں ؟

(سوال ٤٠٤) ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کی والدہ اور ماموں نے زید بالغ سے جو ہندہ کی والدہ کا ماموں زاد برادر ہوتا تھا بلا خوشی و مرضی ولی جائز یعنی پدر حقیقی مسماۃ ہندہ کے جو بقید حیات تھا کر دیا مگر پدر ہندہ خلل دماغ کی بیماری سے کبھی سالم العقل رہتا تھا اور کبھی دیوانہ رہتا تھا نکاح کے وقت صحیح العقل نہ تھا اب ہندہ بالغ ہو گئی اور زید بدستور نابالغ ہے ہندہ زید سے اپنا نکاح فسخ کرانے کی خواہشمند ہے کیا وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ ؟
(۲) اور بعد نکاح مہر موجل پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جب کہ ہندہ کا والد کسی کسی وقت صحیح العقل والحواس بھی رہتا تھا تو اس کی ولایت ساقط نہیں ہوئی لہذا اب جو نکاح اس کی والدہ نے کرادیا ہے یہ والد کی اجازت پر موقوف ہے ہوش میں آنے کے بعد اگر والد نے اس نکاح کی اجازت دے دی تو نکاح صحیح و لازم ہو گیا یہاں تک کہ بعد بلوغ بھی لڑکی کو حق فسخ باقی نہ رہے گا اور اگر ہوش میں آنے کے بعد جب والد کو نکاح کی اطلاع ہوئی اس نے اجازت نہ دی بلکہ انکار کیا یہ نکاح باطل ہو گیا شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ فسخ کرانے کی کوئی حاجت۔

قال الشامی لکن ان کان ای الجنون مطبقاً تسلب ولایتہ فلا تنتظر افاقتہ و فی غیر المطبق الولایۃ ثابتۃ لہ تنتظر افاقتہ کالنائم و مقتضی النظر ان الکف الخاطب اذا فات بانتظار افاقتہ تزوج مولیتہ وان لم یکن مطبقاً والا انتظرہ علی ما اختارہ المتاخرون فی غیبۃ الولی الاقرب (شامی باب الولی ٤٢٨ ج ٢)

عبارت مذکورہ تقریر مذکور کی تصریح کرتی ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر منگنی کرنے والے لوگ جلدی کرتے ہوں اور وہ یہ کہیں کہ ہم باپ کے ہوش میں آنے کا انتظار نہیں کرتے اور یہ موقع نکاح کے لئے اچھا ہے اور کفو میں ہے پھر اس کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو یہ والدہ اور ماموں کا کیا ہوا نکاح بھی نافذ ہو جائے گا اگرچہ باپ ہوش میں آکر اجازت نہ دے۔ لیکن اس صورت میں بعد بلوغ لڑکی ہندہ کو اختیار ہو گا کہ بالغ ہوتے ہی اس نکاح سے بیزاری کا اعلان کر دے اور پھر کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں یا مسلمانوں کی پنچائت میں اپنا مقدمہ پیش کر کے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اور دوسری جگہ نکاح کرے۔ (۲) مہر کچھ واجب نہیں کیونکہ فسخ نکاح کی صورت میں نکاح کالعدم ہو جاتا ہے مہر واجب نہیں رہتا۔ صرح بہ الشامی صفحہ ۴۲۱ ج ۲ استنبولی (واللہ تعالیٰ اعلم)

سوتیلاباپ لڑکی کاولی نہیں ہے

(سوال ۴۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور اس عورت سے ایک لڑکی بھی تھی اس نے اپنی لڑکی عورت سے لی نہیں پھر عورت نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا اور وہ لڑکی اس کے پاس رہی یعنی ماں کے پاس اور لڑکی کے باپ نے اپنی لڑکی سے کچھ تعرض نہیں کیا اور نہ کچھ خوردونوش کا کفیل ہوا لڑکی اپنے سوتیلے باپ کے یہاں رہتی تھی۔ جب لڑکی کی عمر آٹھ یا سات برس کی تھی اس کی شادی سوتیلے باپ نے جس نے اس کی پرورش کیا تھا کر دی۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا وہ سوتیلا باپ اس کے نکاح کا ولی ہو کر اجازت نکاح دے سکتا ہے یا نہیں۔؟

(۲) سوتیلے باپ نے جس لڑکے کے ساتھ اس کی شادی کی تھی وہ لڑکا چند روز کے بعد مفرور ہو گیا اور اس دوران میں اس نے دو خط اپنی خیریت کے بھیجے مگر اپنا پورا پتہ نہیں لکھا جب لڑکی جوان ہو گئی تو لڑکی کے باپ نے لڑکے والوں سے کہا کہ تم اپنے لڑکے کو بلاؤ ہماری لڑکی بالغ اور جوان ہو گئی ہے تو لڑکے کے باپ نے کہا کچھ روز اور انتظار کرو شاید وہ اب آجائے لڑکی والوں نے ان کے کہنے سے اور انتظار کیا پھر دوبارہ لڑکی والوں نے کہا کہ ہماری لڑکی جوان ہے ہم اس کو کیا کریں لڑکے والوں نے کچھ جواب نہ دیا پھر لڑکی والوں نے پنچائت کی۔ پنچائت والوں نے لڑکے کے باپ سے کہا کہ لڑکی جوان ہو گئی ہے کیا ہو گا لڑکے کے باپ نے لڑکے کے دو خط دکھائے جس میں اس نے محض اپنی خیریت ہی لکھی تھی اور پورا پتہ نہیں لکھا تو پنچ لوگ نے لڑکے کے والد سے کہا کہ تم دو خط دکھاتے ہو اور پتہ کسی خط میں نہیں اور چھ برس کا زمانہ گزر گیا لڑکی بالغ ہے تم خط کی مہر سے اس جگہ جاؤ اور پتہ لگاؤ اس پر لڑکی کے والد نے کہا کہ اگر چار پانچ مہینے کے بعد لڑکا آگیا تو بہتر ہے ورنہ ہم اپنی لڑکی کا نکاح عالم سے دریافت کر کے دوسری جگہ کر دیں گے۔ جب لڑکا نہ آیا تو لڑکی کے والد نے ایک عالم غازی پور کے رہنے والے سے مسئلہ دریافت کر کے دوسرا یہ کہ ایک لڑکا چھ سال سے غائب ہے اور لڑکی بالغ ہے تو آیا اس کا نکاح ثانی کرنا جائز ہو گا یا نہ۔ عالم صاحب نے فتویٰ جائز کا دے دیا ہے لڑکی کا نکاح ثانی ہو گیا اس لڑکی کے تین لڑکے بھی ہو چکے ہیں اب اس کا پہلا شوہر آیا ہے جس سے حالت نابالغی میں نکاح ہوا تھا اپنی عورت تلاش کرتا ہے اس میں اب کیا کرنا چاہیئے۔ وہ اب کس کی عورت ہو گی۔؟

(الجواب) اس صورت میں ولایت نکاح نابالغہ کی اس کے حقیقی باپ کی تھی سوتیلا باپ ولی نکاح کا شرعاً نہیں تھا پس جو نکاح نابالغہ کا اس کے سوتیلے باپ نے کیا تھا اگر حقیقی باپ نے اس کو رد کر دیا تھا اور اس نکاح سے انکار کر دیا تھا تو وہ نکاح باطل ہو گیا تھا لہذا دوسرا نکاح لڑکی کا شرعاً صحیح ہو گیا اسکے بعد جو پہلا لڑکا آیا اس کا کچھ حق شرعاً نہیں ہے کیونکہ اس کے ساتھ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ کتبہ مسعود احمد

(جواب صحیح ہے) اور سوتیلے باپ نے جو نکاح اول نابالغہ ہونے کی حالت میں کیا تھا وہ کسی حال صحیح نہیں اگرچہ حقیقی باپ نے بھی اس کی اجازت بھی دے دی ہو کیونکہ نابالغہ کا نکاح اگر فضولی کر دے تو وہ منعقد ہی نہیں ہوتا بہر حال نکاح اول صحیح نہیں ہوا اس لئے پہلے شوہر کو کوئی حق نہیں (واللہ تعالیٰ اعلم)

باپ دادا نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کا ولی اس کا بھائی ہے ماں نہیں

(سوال ٤٠٦) ایک عورت اپنے ساتھ ایک لڑکی نابالغہ کو اپنے ہمراہ اپنی ہمشیرہ کے یہاں معمولی طور سے لے گئی وہاں پر چند شخصوں نے مشورہ کر کے ایک شخص کے ساتھ اس لڑکی نابالغہ کا نکاح کر دیا جس کے ساتھ نکاح ہوا اس کے عزیز و اقارب گواہ و کیل بنے اور ان میں سے جس شخص نے نکاح پڑھایا وہ لڑکے کا چچا ہے اجازت کا دینے والا لڑکی کا بھائی ہے اس لڑکی کی والدہ بھی ہے اور وہ بھی موجود تھی لیکن ان سے اجازت نہیں لی گئی اور نہ وہ اس جگہ راضی ہے اور لڑکی کا باپ نہیں ہے سوتیلا باپ موجود ہے جس وقت واپس ہوئے اس وقت معلوم ہوا کہ لڑکی نابالغہ کا نکاح ہو گیا ہے اور میرے ساتھ زیادتی کی ہے آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر نابالغہ کا باپ یا دادا زندہ نہیں تو اس کا ولی نکاح اس کا حقیقی بھائی ہے ماں یا سوتیلا باپ نہیں جب کہ حقیقی بھائی کی اجازت سے نکاح ہوا تو نکاح منعقد اور صحیح ہو گیا البتہ لڑکی کو بعد بلوغ یہ اختیار ہو گا کہ اپنا نکاح فسخ کرا دے بشرطیکہ جس وقت کہ آثار بلوغ ظاہر ہوں اسی وقت فوراً اپنے نکاح سابق سے انکار کر کے چند گواہ بنا لے اور پھر حاکم مسلمان کی عدالت سے حکم فسخ نکاح حاصل کرے۔ کذافی فی الهدایة والشامی وغیرهما

نکاح صغیرہ کی ولایت میں علاتی بھائی اخیافی بھائی سے مقدم ہے

(سوال ٤٠٧) ہندہ نابالغہ کا والد انتقال کر گیا ہے اور ایک اخیافی بھائی ہے اور دو علاتی بھائی ہیں موجودگی علاتی بھائی کے اخیافی بھائی اور والدہ نے نکاح عمرو سے مثلاً پڑھایا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں۔ عمرو اگر طلاق نہ دے گا ہندہ کو تو بغیر طلاق ہندہ کا نکاح دوسری جگہ علاتی بھائی کر سکتے ہیں یا نہیں یا ہندہ بعد البلوغ اپنا نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں ؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں نابالغہ کا ولی قریب اس کا علاتی بھائی ہے اخیافی بھائی اور والدہ ولی بعید ہیں لہذا حسب قاعدہ فقہیہ اخیافی بھائیوں نے جو نکاح کیا وہ ولی قریب یعنی علاتی بھائی پر موقوف رہا علاتی بھائی کو جب اس نکاح کی خبر لگی اگر اس وقت اس نے اس نکاح کو جائز رکھا تو نافذ ہو گیا ورنہ باطل ہو گیا پھر جائز اور نافذ ہونے کی صورت میں بھی لڑکی کو بعد البلوغ نکاح فسخ کرانے کا اختیار شرعاً رہے گا بشرطیکہ آثار بلوغ ظاہر ہونے کے ساتھ فوراً ہی اس سے انکار کر دے اور پھر مسلمان حاکم سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اور باطل ہونے کی صورت میں علاتی بھائی کو بلوغ سے پہلے پہلے اختیار رہے گا کہ دوسری جگہ نکاح کر دیں اور پھر بھی بعد البلوغ لڑکی کو اختیار فسخ رہے گا۔

سوتیلے باپ کا نکاح کرنا ماں کی اجازت پر موقوف ہے

(سوال ٤٠٨) زید نے خالدہ نابالغہ کا نکاح کر دیا اور خالدہ اس کی سوتیلی لڑکی ہے اور خالدہ اپنے شوہر کے

یہاں رہتی ہے اور کچھ مدت خالدہ اور اس کی والدہ اور اس کا شوہر اپنی والدہ کے مکان پر رہتے رہے خالدہ کا شوہر اپنی زوجہ کو لے جانا چاہتا ہے گو اس کی والدہ اس کو نہیں بھیجنا چاہتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کا زوج یہیں میرے مکان پر سب کا خرچ برداشت کرتا رہے اس کے خاوند یعنی عمرو نے اس کو پسند نہ کیا بلکہ زبردستی اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے آیا خالدہ کی والدہ ہندہ نے اب دعوی کیا ہے کہ عمرو میری لڑکی کنواری کو بھگا کر لے گیا ہے اور خالدہ بھی اپنی والدہ ہی کی تائید کرتی ہے آیا خالدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ درست ہو لیا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں خالدہ کا نکاح جو زید نے کیا ہے وہ خالدہ کی والدہ کی اجازت پر موقوف تھا جس وقت اس کی والدہ کو نکاح کا علم ہوا اگر اسی وقت اجازت دے دی تھی تو نکاح جائز و صحیح اسی وقت ہو گیا اور اگر اجازت نہ دی بلکہ سکوت کیا تھا تو یہ نکاح موقوف رہا پھر جب خالدہ نے بعد بلوغ عملاً اس کو جائز رکھا یعنی اس کے پاس بیوی ہونے کی حیثیت سے رہتی رہی تو اب یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا۔

الغرض بہر دو صورت نکاح صحیح ہو چکا بشرطیکہ والدہ خالدہ نے علم نکاح کے وقت اس نکاح سے صراحتاً انکار نہ کیا ہو۔ **والدليل عليه مافى الدر المختار فى نكاح الفضولى توقف عقوده كلها ان لها مجيز حالة العقد والا تبطل. وفى الشامى واما اذا كان اى وجد سلطان اوقاض فى مكان عقد الفضولى على المجنونة اوا ليتيمة فيتو قف اى وينفذ باجازتها بعد عقلها او بلوغها (شامى مطلب نكاح الفضولى صفحه ٣٥٤ ج ٢ مصرى) و فى العالمگيرية الباب السادس من النكاح و الاجازة بالفعل سوق المهر (الى قوله) ولو خلابها هل يكون اجازة قال مولافايكون الخ عالمگيرى مصرى صفحه ٢٨٠ ج اول.**

خلاصہ یہ کہ خالدہ کا نکاح عمرو سے منعقد اور صحیح و لازم ہو چکا (بشرطیکہ والدہ خالدہ نے علم نکاح کے وقت صریح لفظوں میں انکار نہ کیا ہو) لہذا اب خالدہ کو اس سے علیحدہ ہونے کا کوئی اختیار نہیں۔؟ (واللہ تعالی اعلم)

بالغہ اور نابالغہ کے نکاح کی دو صورتیں

(**سوال ۴۰۹**) ایک شخص نے روبروئے چند اشخاص اس امر کا اقرار کیا کہ میں نے اپنی لڑکی مسماۃ چاندنی کے مسمی اللہ دتہ ولد گوڈر قوم کھوکھر کے ساتھ ایجاب و قبول کرا دیئے اور مسماۃ الہی دختر گوڈر کے ایجاب و قبول اپنے لڑکے مسمی کرم دین المعروف گلا کے لئے کرائے اور مسماۃ الہی وقت ایجاب و قبول نابالغہ تھی اور مسماۃ چاندنی بالغہ تھی اور مسماۃ چاندنی کے والد مسمی صاحبدین ولد سیدو نے ایجاب و قبول کرائے اور مسماۃ الہی کا ایجاب و قبول اس کے بھائی اللہ دتہ نے کرایا کیونکہ اس کا والد فوت ہو چکا تھا۔ اب نکاح دونوں درست ہیں یا دونوں نہیں جواب سے مطلع فرمائیے اس کا بھائی یعنی اللہ دتہ انکاری ہے کہ میں نے ایجاب و قبول نہیں کیا تھا بلکہ وعدہ کیا تھا۔ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسماۃ چاندنی کا نکاح اگر اس کی اجازت سے ہوا ہے تو یہ نکاح صحیح ہے اور لازم ہو چکا کیونکہ اس میں فریقین کا اتفاق ہے کہ اس کا نکاح اللہ دتہ کے ساتھ کیا گیا زیر اختلاف مسماۃ الٰہی کا نکاح ہے گواہان نمبر اول کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ دتہ برادر مسماۃ الٰہی نے اس کا نکاح کرم دین سے کر دیا تھا اور گواہ نمبر ۲ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اس نے نہیں کیا بلکہ صرف وعدہ کیا تھا کہ نکاح کر دوں گا پھر مولوی غلام رسول صاحب نے اس کا نکاح پڑھا اب اگر گواہان نمبر اول کا بیان صحیح ہے تو نکاح مسماۃ الٰہی کا کرم دین کے ساتھ پہلے ہی منعقد ہو چکا ہے البتہ اس کو بعد بالغ ہونے کے نکاح فسخ کرانے کا اختیار شرعاً ملے گا مگر فوراً بالغ ہوتے ہی کسی مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرالے اور اگر گواہان نمبر دوم کا بیان صحیح ہے تو مولوی غلام رسول صاحب نے جو نکاح پڑھا ہے اگر اللہ دتہ کی اجازت سے پڑھا ہے تو نکاح منعقد ہو گیا خواہ رشوت لے کر ہی پڑھا ہے اور اگر اجازت سے نہیں پڑھا تو یہ نکاح باطل ہے اس کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں اور ہر صورت میں اگر نکاح منعقد بھی ہو گیا تب بھی مسماۃ مذکور کو بعد بلوغ فسخ نکاح کرانے کا اختیار ملے گا بشرطیکہ بالغ ہوتے ہی بغیر کسی مہلت کے فسخ کرنے کو کہہ دے اور پھر حاکم مسلمان کی اجازت و عدالت سے فسخ کرالے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

والدہ کی اجازت سے نابالغہ ممیّز لڑکے کا ایجاب و قبول درست ہے اور مہر کی تفصیل

(سوال ۴۱۰) ایک شخص زید نے اپنے نابالغ لڑکے خالد کا نکاح بکر کی نابالغہ لڑکی ہندہ سے عدم موجودگی بکر کے کرالیا مگر ایجاب و قبول کے وقت زید قاضی پاس موجود نہیں تھا اس لئے ایجاب و قبول خالد نابالغ ہی سے کرالیا زید سے نہیں کرایا اور نہ قاضی صاحب کے رجسٹر پر زید کے دستخط کرائے گئے تقریباً چار سال کے بعد خالد کا انتقال بحالت سن بلوغت ہوا۔ زید نے اپنے لڑکے مرحوم کی حالت تندرستی و نیز ایام بیماری میں اس کی زوجہ کو بھیجنے کے لئے متعدد مرتبہ زبانی و تحریری اس کے والد سے کہا مگر بکر نے نہیں بھیجی یہاں تک کہ زوج اپنی زوجہ کے نہ ملنے کی حسرت اپنے دل ہی میں لے کر چل بسا خالد کے انتقال ہونے کے پندرہ یوم بعد بکر اپنی دختر کو اپنی اصلی سکونت وطن سے ہٹا کر بلا پوری ہونے ایام عدت یعنی چار ماہ دس دن کے اپنے ساتھ جائے ملازمت پر لے گیا زید کی طرف سے آدمی لینے کے لئے گئے تو اس وقت بھی زید کے یہاں ایام عدت گزارنے کے لئے ہندہ کو نہیں بھیجا۔

(۱) صورت مسئولہ میں خالد کا نکاح ہندہ سے ہو گیا تھا یا نہیں۔؟

(۲) اگر نکاح ہو گیا تھا تو نزاع اس امر کا ہے کہ زید خالد کے والد کو زر مہر چھبیس روپے رواجی مقررہ برادری بتلاتا ہے اور بکر ہندہ کا والد ایک ہزار روپیہ کہتا ہے البتہ رجسٹر قاضی میں مبلغ پانچ سو روپیہ درج ہیں اور کوئی تحریر باضابطہ نہیں تو اس صورت میں زر مہر کے ادا کرنے کا کون ذمہ دار ہے اور کس قدر زر مہر ادا کرنا چاہئے شرح حوالہ کتب ارقام فرما کر عند الناس مشکور ہوں۔

(الجواب) (۱) خالد نابالغ بوقت ایجاب و قبول اتنی سمجھ رکھتا تھا کہ نکاح اور ایجاب و قبول کو سمجھ لے جس

کو عرف شرع میں صبی ممیز کہتے ہیں تب تو نکاح درست ہو گیا بشر طیکہ باپ یعنی زید نے اس کو ایجاب و قبول کی اجازت دی ہو۔

قال فی الاشباہ و النظائر من احکام الصبیان. و یصح توکیلہ اذا کان یعقل العقد و یقصد و لو محجوراً ولا ترجع الحقوق الیہ فی نحو بیع بل لموکلہ انتہٰی قال الحموی فی شرح توکیلہ من اضافۃ المصدر الی مفعولہ اہ صفحہ ۴۸۲ ج ۲

(۲) یہ دیکھا جاوے کہ اس لڑکی ہندہ کا مہر مثل کیا ہے یعنی اس کی بہنوں یا پھوپیوں یا چچازاد بہنوں کا کیا مہر ہوتا ہے سو اگر والد ہندہ کا قول مہر مثل کے اندر اندر ہے مثلاً پانچ سو روپیہ ہے اور والد ہندہ پانچ سو روپیہ سے کم کا مدعی ہے تو والد ہندہ سے حلف لے کر اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی اور اگر والد ہندہ مہر مثل سے زائد کا مدعی ہے اور والد خالد مہر مثل کا یا اس سے زائد کا مدعی ہے تو والد خالد کا قول حلف لے کر قبول کیا جائے گا۔ قال فی الدر المختار. ان اختلفا فی قدر المھر حال قیام النکاح فالقول لمن شھد لہ مھر المثل قال الشامی ای فیکون القول لھا ان کان مھر مثلھا کما قالت او اکثر ولہ ان کان کما قال او اقل انتہٰی (درمختار صفحہ ۴۹۷ ج ۲) وقال فی الھدایۃ. ولو کان الاختلاف بعد موت احدھما فالجواب فیہ کالجواب فی حیاتھما اہ۔

والد خالد سے اس مہر کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا جو خالد کے ذمہ اس کی بی بی کا واجب ہے البتہ اگر والد خالد نے مہر اپنے ذمہ لے لیا ہو تو اس سے وصول کیا جا سکتا ہے۔ نیز اگر خالد مرحوم کی کوئی جائیداد یا مال وغیرہ زید کے پاس موجود ہو تو اس سے بھی یہ مہر وصول کیا جا سکتا ہے۔

قال فی الدر المختار ولا یطالب الاب بمھر الصغیر الفقیر امام الغنی فیطالب ابوہ بالدفع من مال ابنہ لامن مال نفسہ اذازوجہ امراۃ الا اذاضمنہ انتہٰی اہ.

واللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (اضافہ)

ولی کی اجازت سے نابالغ خود ایجاب و قبول کرے تو معتبر ہے

(سوال ۴۱۱) ایک لڑکے کی عمر آٹھ سال اور لڑکی کی عمر سات سال کی ہے۔ اس وقت ان دونوں کا نکاح کیا جاوے اور ایجاب و قبول لڑکا کرے اور ورا ثین نے لڑکی کی طرف سے قبول نہ کیا ہو تو اس صورت میں ان کا نکاح ہو لیا نہیں۔؟

(۲) لڑکا جب بالغ ہو گیا تو اس نے دوسری جگہ اپنا نکاح کر لیا اور سات سالہ لڑکی سے جو نکاح کیا تھا اس کی رخصتی بھی نہیں ہوئی اب لڑکی بالغ ہو کر منع کرتی ہے کہ میں اس شوہر کے یہاں نہیں جاتی ہوں آیا اس کا نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر نابالغ لڑکے نے ایجاب اپنے ولی کی اجازت سے کیا تھا اور لڑکی نے خود باجازت اولیاء قبول کر لیا تھا تو اگرچہ لڑکی کے اولیاء نے خود قبول نہ کیا تب بھی نکاح صحیح ہو گیا سات سالہ لڑکی عمر تمیز کو پہنچ جاتی ہے اور بچہ کے معاملات اور تمام عقود کا یہی حکم ہے کہ اگر وہ صبی ممیز ہے تو منعقد ہو کر اجازت ولی پر

موقوف رہتے ہیں اور اگر ممیز نہیں تو اول ہی سے منعقد نہیں ہوتے کذافی الاشباہ والشامی اور در صورت صحت نکاح بھی لڑکی کو شرعاً اختیار ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی اپنے نکاح کو فسخ کرالے بشرطیکہ آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی اس نکاح سے انکار کردے اور چند لوگوں کو اس انکار کا گواہ بنا کر مسلمان حاکم سے نکاح فسخ کرائے۔ کذافی الدر المختار والھدایہ وغیرھا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

خیار بلوغ کی ایک صورت

(سوال ۴۱۲) ہندہ کا نکاح بحالت نابالغی اس کے ماموں نے کردیا مجرد آثار بلوغ ہندہ نے مردوں اور عورتوں کو گواہ کر کے کہا کہ مجھے وہ نکاح جو فلاں شخص کے ساتھ میری طفولیت میں ماموں نے کیا تھا مجھے نامنظور ہے اور یہ پارچہ خون آلودہ میرے پاس موجود ہے اس کو عورتیں دیکھ لے ویں۔بعد ازاں بعدالت پہنچ کر تنسیخ نکاح کی درخواست پیش کی۔بعد ازاں ایک اور شخص کے ساتھ نکاح عام مجلس میں خوشی ورضاء و رغبت والدہ کے مشورہ سے نکاح باقاعدہ جو درج رجسٹر ہوا چند یوم کے بعد ہندہ غیر شخص کے ساتھ مفرور ہو کر چلی گئی جب پکڑی گئی تو عدالت میں آکر کہا کہ میں پہلا نکاح فسخ کرانا نہیں چاہتی کیا پہلا نکاح بحال ہے یا نہیں اور دوسرا نکاح جو عام مجلس میں درج رجسٹر سرکاری ہوا یہ جائز ہوا یا نہیں ابھی حکم عدالت سے تنسیخ کا نہ ملا تھا عدالت جو حکم نہ دے تو کیا شرعاً پہلا نکاح اس کے انکار پر رد ہو سکتا ہے یا نہ اور نکاح ثانی جو اس کی خوشی سے پڑھا گیا ہے یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں ہندہ کو فسخ نکاح کا اختیار تھا جس کے موافق اس نے بفور بلوغ درخواست فسخ نکاح عدالت میں پیش کردی اس درخواست کی وجہ سے اس کا فسخ نکاح حکم حاکم پر موقوف رہا مگر عبارت سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ حاکم نے حکم ابھی تک نہیں دیا ہے کہ اس حکم سے پہلے ہی دوسرا نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوا بلکہ پہلا نکاح بدستور قائم ہے اور اب دوبارہ آکر جب کہ عورت نے اپنے حق فسخ کو صراحتہً باطل کردیا یعنی یہ کہہ دیا کہ میں نکاح سابق باطل کرانا نہیں چاہتی تو اب پہلا ہی نکاح لازم ہو گیا خلاصہ یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے حکم حاکم شرط ہے اس کے بغیر نکاح فسخ نہیں ہوا اور نہ نکاح ثانی صحیح ہوا۔

لمافی فی الدر المختار ولھما خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ الی قولہ بشرط القضاء للفسخ فیتوار ثان فیہ ویلزم کل المھر انتھی قال الشامی فان اختیار الفسخ لا یثبت الفسخ الابشرط القضاء الخ الشامی باب الولی صفحہ ۳۱۵ ج ۲۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

لے پالک بیٹے کا حکم

(سوال ۴۱۳) زید نے اپنی لڑکی ہندہ عاقلہ بالغہ کا نکاح عمر کے لڑکے بکر سے گواہوں کے روبرو کردیا ایک دوسرے شخص نے ہندہ کو بیٹی بنا رکھا ہے تو ولی ہندہ کا کون ہے اور وہ کس کی بیٹی ہوگی اور باپ کا کیا ہوا

نکاح صحیح ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) ہندہ عاقلہ بالغہ کا نکاح جو اس کے باپ زید نے اس کی اجازت سے کیا ہے اور باقاعدہ گواہوں کے سامنے کیا ہے وہ شرعاً نافذ ہو چکا اول تو ہندہ اپنے نکاح کی خود مختار ہے ثانیاً اس کا ولی بھی صورت مذکورہ میں باپ ہی ہے جس نے اس کو بیٹی بنایا ہے شرعاً اس کو نہ باپ کہا جاسکتا ہے نہ باپ کے حقوق اس کو دیئے جاسکتے ہیں۔

قال الله تعالٰی ماجعل ادعیاء کم ابناء کم ذلکم قولکم بافواھکم والله یقول الحق وھو یھدی السبیل وقال فی الهدایة وینعقد نکاح الحرة البالغة برضا ھا وان لم یعقد علیھا ولی بکراً کانت او ثیباً۔

بنی ہاشم کی عورتوں کا نکاح دوسری اقوام سے جائز ہے یا نہیں

(سوال ٤١٤) بنی ہاشم کی عورتوں کا نکاح دوسری کسی قوم میں حلال اور جائز ہے یا حرام بصورت جواز جو شخص حرمت کا قائل ہو اس کے لئے کیا حکم ہے۔

(الجواب) ان لوگوں کا یہ خیال غلط اور بے دلیل ہے کہ بنی ہاشم کی عورتوں کا نکاح بالغہ لڑکی اور اس کے اولیاء کی اجازت سے تو ہر قوم کے مسلمانوں میں ہو سکتا ہے لیکن بغیر رضاء اولیاء قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان میں کرنا درست نہیں اور اگر کر لیا گیا تو وہ نکاح قول مفتی بہ کے موافق درست نہ ہوگا۔ علی ما اختاره صاحب الدر المختار الشامی وغیره۔ البتہ قریش کے خاندان خواہ وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا نہ ہوں بنی ہاشم کے کفو ہیں ان میں نکاح بلا اجازت اولیاء بھی جائز ہے۔ اور یہ حکم فقط بنی ہاشم کی عورتوں کا نہیں بلکہ جملہ اقوام کا یہی حکم ہے کہ غیر کفو میں نکاح کر لینے پر اولیاء کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔

قال فی الهدایة وغیره واذازوجت المراة نفسها من غیر کفو فللا ولیاء ان یفرقوا بینهما دفعاً لضرر العار عن انفسهم انتهٰی و الفتوٰی علی روایة الحسن من انه لا ینعقد کما صرح به فی الدر المختار۔

جو لوگ بنی ہاشم کی عورتوں کے نکاح کو غیر بنی ہاشم سے حرام کہتے ہیں سخت گناہ گار ہیں۔ قال تعالٰی ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام لیکن من حرم حلالاً کا جو فتوٰی کتب عقائد سے نقل کیا گیا ہے وہ مقید بقیود ہے یہاں اس کا حکم نہیں کیا جاسکتا اور ان لوگوں کو اسلام سے خارج کہنا جائز نہیں۔؟

سیدزادی کا نکاح شیخ، مغل پٹھان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

(سوال ٤١٥) سیدزادی کا نکاح شیخ، مغل، پٹھان سے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) سیدزادی کا نکاح ان شیوخ سے جو شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی کہلاتے ہیں یعنی جن کا سلسلہ نسب

قریش کے ساتھ ملتا ہے بدون اجازت اولیاء بھی جائز ہے ان کے علاوہ دوسرے عجمی لوگ جو شیخ کہلانے لگے، اسی طرح مغل، پٹھان وغیرہ اقوام کا نکاح سید زادی سے بلا اجازت اولیاء صحیح نہیں البتہ ان لوگوں میں سے اگر کوئی شخص عالم ذی منصب وجاہت ہو تو اس کے نکاح کو سید زادی اور دیگر قرشیات کے ساتھ قاضی خان نے جائز قرار دیا ہے۔ (ومثله فى الاشباه و النظائر ۱۲) لیکن ابن ہمام نے قاضی خان کا قول نقل کرنے اور اس کا استدلال ابو یوسفؒ کے قول سے پیش کرنے کے ساتھ ینابیع سے عدم کفائت کی تصحیح نقل کی ہے۔ **ولفظه والاصح انه ليس كفواً للعلوية فتح القدير مصرى صفحه ۱۹۰ جلد۳**

اس لئے عالم ذی منصب نہ ہونے کی صورت میں تو مختار للفتوٰی یہی ہے کہ انعقاد نکاح ہی بغیر اجازت ولی نہ ہوگا **كما صرح به في الدر المختار و الشامي** اور عالم ہونے کی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ انعقاد نکاح تسلیم کر کے اولیاء کو فسخ کا اختیار دیا جائے **اما الدليل على ما قلنا اولاً فما قال فى الدر المختار تعتبر الكفاءة نسباً فقريش بعضهم اكفاء لبعض و بقية العرب بعضهم اكفاء بعض هذا فى العرب واما فى العجم فيعتبر حرية واسلاماً الخ قال الشامى المراد بالعجم من لم ينتسب الى احدى قبائل العرب ويسمون الموالى و العتقاء و عامة اهل القرىٰ والا مصار فى زماننا منهم سواء بالعربية اولا الامن كان له نسب معروف كالمنتسبين الى احد الخلفاء الاربعة او الى الا نصار و نحوهم شامى باب الكفاءة و ايضاً فى الدر المختار باب الولى و يفتى فى غير الكفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان واقره الشامى ايضاً.**

خلاصہ حکم یہ ہے کہ سید زادی کا نکاح سید اور ان کے شیوخ سے جو شیخ صدیقی۔ فاروقی عثمانی وغیرہ ہیں بلا اجازت ولی بھی جائز ہے اور ان کے علاوہ دوسری اقوام شیخ اور مغل، پٹھان وغیرہ سے بلا اجازت ولی جائز نہیں البتہ اگر ان میں سے کوئی عالم ہو تو نکاح بلا اجازت بھی منعقد ہو جائے گا مگر اولیاء کو فسخ کرانے کا پھر بھی اختیار رہے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

غلطی سے غیر کفو میں نکاح ہو جانے کا حکم

(**سوال ۴۱۶**) اگر کوئی شخص اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی شخص سے اس خیال سے کردے کہ وہ شخص اس کا کفو ہے اور لڑکی شوہر کے یہاں چلی گئی لیکن جب بوقت بلوغ لڑکی کو یہ معلوم ہوا کہ شوہر اس کا کفو نہیں ہے اور علم ہوتے ہی لڑکی اس امر کا اعلان کردے کہ وہ اس کی زوجیت میں رہنا نہیں چاہتی لیکن اس کے ساتھ جبراً پہلی مرتبہ خلوت کی جائے تو کیا وہ اس نکاح کو فسخ کرا سکتی ہے۔؟

(**الجواب**) اگر واقعۃً مندرجہ سوال صحیح ہے اور فی الواقع یہ شوہر اس لڑکی کا کفو نہیں ہے اس کے والد کو بوقت نکاح اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہ تھا اور اس شخص نے دھوکہ سے اپنے آپ کو لڑکی کا کفو ہونا بوقت نکاح ظاہر کیا تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار شرعاً حاصل ہے اور مختار محققین متاخرین کا یہ ہے کہ اول ہی سے نکاح باطل ہے لڑکی اور اس کے اولیاء کو حق ہے کہ دوسری جگہ نکاح کر دیں اس لئے احتیاط اس

میں ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے یا مسلمانوں کی مقتدر جماعت کے سر پنچ صدر سے تفریق کا حکم حاصل کرلیا جائے۔ لما قال الشامی عن النوازل لوزوج بنته الصغيرة ممن ينكرانه يشرب المسكر فاذا هومدمن له وقالت بعد ما كبرت لاارضى بالنكاح ان لم يكن يعرفه الاب بشربه وكان غالب اهل بيته صالحين فالنكاح باطل لانه انما زوج على ظن انه كفو اه الى قوله و لعل وجه الفرق ان الاب يصح تزويجه الصغيرة من غير كفو لمزيد شفقه وانه انما فوت الكفاة لمصلحة تزيد عليها وهذا انما يصح اذا علمه غير كفواما اذا لم يعلمه فلم يظهرانه زوجها للمصلحة المذكورة كما اذا كان الاب ماجناً او سكران لكن الظاهران يقال لا يصح العقد اصلا كمافى الاب الماجن و السكران مع ان المصرح به ان لها ابطاله بعد البلوغ وهو فرع صحته شامی اول باب الكفاءة صفحه ۳۱۸ ج ۲ مجتبائی. قلت و صرح ببطلانه فی الخلاصة من الكفائة (والله تعالٰى اعلم)

بالغہ لڑکی بلا اجازت اولیاء غیر کفو میں نکاح کرے تو باطل ہے

(سوال ۴۱۷) ایک عورت بالغہ نے اپنا نکاح بغیر اجازت والد کے غیر کفو میں کر لیا ہے اور اس نکاح کی وجہ سے اس کے والد ناراض ہیں کیا یہ نکاح عند الحنفیہ درست ہے۔؟

(الجواب) فتوی اسی پر ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا (بشرطیکہ خاوند اس عورت کا غیر کفو ہو) شامی اور در مختار، عالمگیری وغیرہ کتب فقہ نے باتفاق اسی پر فتوی دیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا عورت پر واجب ہے کہ اس سے فوراً علیحدہ ہو جائے اور کفو میں نکاح کرے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

فصل فی الاستیذان والاستیمار
(نکاح کیلئے عورت سے اجازت لینے کا بیان)

جبراً نکاح کرنے کی دو صورتیں

(سوال ۴۱۸) دو لڑکیوں کا نکاح جن میں ایک بالغہ اور ایک مراہقہ ہے ان کے ولی نے ان پر سختی کر کے اور دھمکا کر کہا کہ اگر نکاح نہ کرو گی تو تم پر سختی کی مار ہو گی، ڈرتے ہوئے سخت وحشت کی حالت میں انہوں نے دبتی ہوئی زبان سے جان بچانے کی خاطر ہاں کہا۔ جن کے ساتھ نکاح کیا وہ بالکل چھوٹے بچے ہیں جو ان کے پسند نہ تھے اور پندرہ دن کے بعد انہوں نے انکار کیا جو اب تک انکار پر مصر ہیں شرعاً ان کا نکاح ہوا یا نہیں؟

(الجواب) بالغہ کا نکاح جو اس کے ولی نے زبردستی جبراً کرایا اور اس نے مجبور ہو کر اجازت دی یہ تو بالکل صحیح ولازم ہو گیا۔ اب بجز موت یا طلاق اس سے علیحدگی کی صورت کچھ نہیں۔ البتہ نابالغہ مراہقہ کا نکاح جو جبراً

ولی نے کیا ہے اگر یہ ولی باپ اور دادا کے سوا کوئی دوسرا شخص ہے تو لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار رکھے گی اور کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے حکم فسخ حاصل کر سکے گی بشر طیکہ بفور بلوغ اپنی ناراضگی کا اعلان کردے اور اگر ولی مذکور لڑکی کا باپ یا دادا ہے تو یہ نکاح بھی لازم ہو گیا بعد بلوغ بھی لڑکی اختیار نہ رکھے گی۔ وھذا کله ظاهر مذکور فی عامة الکتب واماصحة النکاح فی الاکراه فقد صرح به الشامی حیث قال اذحقیقة الرضا غیر مشروطة فی النکاح لصحته فی الاکراه ثم قال عباراتهم مطلقة فی ان نکاح المکره صحیح کطلاقه ولفظ المکره شامل للرجل والمرأة —شامی کتاب النکاح ص/۲۷۹ ج/۲—(والله تعالی اعلم)

فصل فی احکام حرمة المصاهرة
(حرمت مصاہرت کا بیان)

خوشدامن سے ناجائز تعلق رکھنے سے بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

(سوال ۴۱۹) زید نوجوان بالغ کا نکاح ایک بیوہ عورت کی دختر نابالغہ کے ساتھ ہو گیا اور بوجہ نابالغ ہونے منکوحہ کے وداع نہیں ہوئی اور زید کے ناجائز تعلقات زن و شوئی ہمراہ خوشدامن خود ہو کر عام شہرت ہو گئی پس ایسی حالت میں تعلقات ناجائز طور پر ہوتے ہوئے شرعاً زید کی منکوحہ اس کے لئے حلال ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر واقع میں زید نے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ زنا کیا ہے۔یا شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ وغیرہ لگایا ہے تو زید پر اس کی منکوحہ نابالغہ حرام ہو گئی. لمافی الدر المختار وحرم ایضاً بالصهریة اصل مزنیته واصل الزانی الی قوله وفروعهن.

اب اس کو چاہئے کہ نابالغہ کو چھوڑ دے اور بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے تاکہ نکاح فسخ ہو کر اس کا نکاح دوسری جگہ کیا جا سکے بغیر اس کے چھوڑ دینے یا طلاق دینے کے اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہو سکتا. لمافی الدر المختار بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها النکاح بآخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة (الی قوله فی المتارکة) واما فی غیر المدخول بها فقیل تکون معنی المتارکة بالقول والترك علی قصد عدم العود الیها وقیل لا تکون الا بالقول الخ.

سالی سے زنا کرنے پر حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

(سوال ۴۲۰) ایک شخص نے اپنی سالی کے ساتھ زنا کیا اس کی منکوحہ یعنی مزنیہ کی ہمشیرہ اس شخص پر حرام ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی البحر لووطی اخت امرأته بشبهةٍ تحرم امرأته مالم تنقض عدة ذات الشبهة

وفی الدارية عن الكامل ولو زنی باحدی الاختين لا يقرب الاخری حتی تحيض الاخری حيضةً وفی الخلاصة وطی اخت امرأ ته لا تحرم عليه امراته قال فی الشاميه فالمعنی لا تحرم حرمة مؤ بدة والا فتحرم الی انقضاء عدة المو طوئة. شامی صفحه ۳۸۶ مطبوعه استنبول.
ان روایات سے معلوم ہوا کہ اس شخص پر اس کی منکوحہ ہمیشہ کے لئے حرام نہیں ہوئی البتہ جب تک مزنیہ کو ایک حیض نہ آچکے اس وقت تک اس منکوحہ بی بی سے علیحدہ رہنا واجب ہے۔

اپنی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے

(سوال ۴۲۱) اپنی مزنیہ کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں اگر دونوں سے اولاد پیدا ہو تو وہ کس کو ملے گی؟
(الجواب) یہ نکاح جائز نہیں کما فی الدر المختار صفحه ۲۸۷ ج ۲. وحرم ايضاً بالصهرية اصل مزنيته الی قوله و فروعهن. اور جو اولاد ان دونوں سے ہوئی اس کا نسب اس شخص سے ثابت ہے كما فی الدر المختار والشاميه صفحه ۱۶۷ ج ۳ من كتاب الحدود۔ وحرر فی الفتح انها شبهة من المحل و فيها يثبت النسب. لیکن اولاد کی پرورش کا حق ان کی والدہ کو حاصل ہے۔ كما فی الدر المختار صفحه ۶۵۰ ج ۲ تربية الولد يثبت للام النسبية ولو كتابية او مجوسية الی قوله او فاره فجوراً يضيع ولد به كزنا الخ. والله تعالیٰ اعلم

زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی اس سے زانی کا نکاح حرام ہے

(سوال ۴۲۲) ایک مسلمان نے کافرہ عورت سے زنا کیا اس کافرہ کی لڑکی مسلمان ہو گئی اس لڑکی سے مسلمان مذکور کا نکاح جائز ہے۔؟
(الجواب) جس لڑکی کی ماں سے زنا کیا ہے اگر چہ بحالت کفر کیا ہو یہ لڑکی اس زانی کے نکاح میں کسی طرح نہیں آسکتی۔ قال فی الدر المختار حرم بالصهرية اصل مزنينة الی قوله و فروعهن

نو سال سے کم عمر کی لڑکی کو ہاتھ لگانے سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

(سوال ۴۲۳) زید رات کو اپنی بی بی کو جگانے کے لئے اٹھا مگر غلطی سے لڑکی کے پیر پر ہاتھ پڑھ گیا اور بی بی سمجھ کر جوانی کی خواہش کے ساتھ اس کو ہاتھ لگایا تھا لڑکی بعمر سات سال نحیف ولاغر ہے اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہے یا نہیں۔؟
(الجواب) لڑکی چونکہ کم عمر ہے سات سالہ اس لئے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوئی یعنی اس شخص کی بی بی اس پر حرام نہیں ہوئی۔ كما فی الدر المختار والشامی صفحه ۶۸ ج ۲ هذا ای جميع ما ذكره فی مسائل المصاهرة اذا كانت حية مشتهاة واما غير ها فلا وقال فی الدر بعد ذلك باسطرو بنت سنها دون تسع ليست بمشتهاة به يفتی و فی الشامية فا فادانه لا فرق بين ان تكون سمينة اولا

الخ۔ الغرض نو سال سے کم عمر کی لڑکی مشتہاۃ نہیں ہوتی اور غیر مشتہاۃ کے ہاتھ لگانے سے اگرچہ شہوت کے ساتھ ہو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بیٹے کی بیوی سے زنا کرنے پر حرمت مصاہرت کا حکم

(سوال ٤٢٤) خسر نے جبراً و قہراً اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا تو اس کے بعد وہ عورت اپنے خاوند کے لئے حلال رہی یا نہیں۔؟

(۲) اگر خسر کے اس فعل شنیع پر گواہ ہوں لیکن خاوند تسلیم نہیں کرتا تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔؟

(۳) محض عورت کے اقرار پر کیا حکم ہے۔؟

(۴) اگر یہ فعل سرزد ہوا ہو اور خاوند تسلیم بھی کرتا ہو لیکن خاوند عورت کو خلاص نہیں کرتا کیا عورت کو اجازت ہے کہ دوسری جگہ نکاح کرلے۔؟

(۵) عورت دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) حلال نہیں رہی۔ صرح به فی الهداية والدر المختار وغيرها من كتب الفقه.

(۲) اگر گواہ بقواعد شرعیہ موجود ہوں تو خاوند کے انکار سے کچھ اثر نہیں پڑتا بلکہ بدستور حرام ہوگئی۔ وهو ظاهر كله۔

(۳) محض عورت کے اقرار کی وجہ سے تفریق نہیں کی جاسکتی جب تک کہ اس کا خاوند تسلیم نہ کرے یا شہادت شرعیہ سے ثابت نہ ہو جائے۔ كذافى عامة كتب الفقه.

(۴) و (۵) دوسری جگہ نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کوئی مسلمان حاکم یا شرعی پنچائت ان دونوں میں تفریق نہ کرادے یا یہ کہ خاوند خود چھوڑدے اور چھوڑنے کی صورت یہ ہے کہ زبان سے کہے کہ میں نے اس کو چھوڑدیا اور عملاً بھی چھوڑدے۔

صرح به الشامى قال فى الدر المختار و بحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر الا بعد المتاركة وانقضاء العدة وقال الشامى و عبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضى او المتاركة.

ایضاً - (سوال ٤٢٥) زینب کا نکاح زید سے ہوا زید کے والد نے زینب سے زبردستی زنا کیا تو زینب زید کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا اس پر حرام ہوگئی اور بدون طلاق دینے زید کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر واقع میں زید کے باپ نے زید کی بیوی زینب کے ساتھ زنا کیا ہے تو زینب زید پر قطعاً حرام ہوگئی لیکن دوسری جگہ نکاح اس کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ زید اس کو چھوڑدے اور چھوڑنے کی صورت یہ ہے کہ وہ زبان سے کہے کہ میں نے تجھے چھوڑدیا یا عملاً چھوڑدے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں صورتیں اختیار کرے

اور اگر زید نہ چھوڑے تو زینب بذریعہ عدالت یا پنچائت اس کو چھوڑنے پر مجبور کر سکتی ہے۔قال فی الدر المختاروحرم بالمصاهرة اصل مزنية وفروعهن وقال فی البحراراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأ ة علی اصل الزانی و فروعه نسباً و رضاعاً الخ. از شامی صفحه ۲۸۷ ج۲. وقال فی الدر المختار و مجموعة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها تزوج باٰخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة. حاشیه شامی صفحه ۲۹۰ ج ۲. والله سبحانه تعالٰی اعلم۔

باپ نے بیٹے کی بیوی کو شہوت سے چھودیا تو یہ زنا کے حکم میں ہے

(سوال ٤٢٦) ایک شخص نے اپنے بیٹے کی منکوحہ کو کئی بار شہوت سے بوسہ دیا اور پستان وغیرہ کو ہاتھ لگایا اور بغل میں لیا اور آیا وہ عورت اپنے شوہر کے لئے حرام ہو گئی یا عورت مذکورہ کی ساس اس کے خسر پر حرام ہو گئی۔؟

(الجواب) اگر فی الواقع لڑکی کا بیان صحیح ہے تو یہ لڑکی اپنے خاوند پر حرام ہو گئی اس کی ساس اس کے سسر پر حرام نہیں ہوئی لیکن یہ لڑکی دوسری جگہ نکاح اس وقت تک نہیں کر سکتی جب تک کہ خاوند اس کو چھوڑ نہ دے یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے اور اگر وہ چھوڑنے پر راضی نہ ہو (حالانکہ لڑکی کے بیان کی تصدیق کرتا ہے) تو لڑکی کو اختیار ہے کہ عدالت موجودہ کے ذریعہ سے یا پنچائت وغیرہ کے ذریعہ سے اس کو چھوڑنے پر مجبور کرے اور اگر خاوند نے لڑکی کے بیان کی تصدیق نہیں کی تو پھر حاکم اسے چھوڑنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔وفی امالی ابی یوسف امرأ ة قبلت ابن زوجها وقالت کانت عن شهوة ان کذبها الزوج لا یفرق بینهما ولو صدقها انه عن شهوة وقعت الفرقة الخ خلاصة الفتاوی صفحه ۱۰ جلد ۲ وقال فی متن الدر المختار وحرم بالصهرية اصل مزنية و ممسوسة بشهوة الی قوله و فروعهن ثم قال و بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج باٰخر الا بعد المتارکة و انقضاء العدة وقال الشامی و عبارة الحاوی الا بعد تفریق القاضی او بعد المتارکة ثم قال و المتارکة لا تحقق الا بالقول ان کانت مدخولاً بها. شامی باب المحرمات. صفحه ۲۹۰ ج ۲. (والله تعالٰی اعلم)

حرمت مصاہرت کی ایک صورت

(سوال ٤٢٧) عورت بیان کرتی ہے۔میں اکیلی اپنے مکان میں تھی میرے سسر نے آکر مجھ کو زیورات وغیرہ کا لالچ دے کر ہمبستری کی خواہش کی اور میرا ہاتھ پکڑ کر شہوت سے پر ہو کر کواڑ بند کر لئے میں چلا کر ہاتھ چھڑا کر کواڑ کھولکر باہر نکل آئی تو عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں اور کس کا قول معتبر ہو گا۔عورت کا یا سسر کا۔؟

(الجواب) صرف ہاتھ پکڑنے سے جب کہ موٹے کپڑے درمیان میں حائل ہوں حرمت ثابت نہیں

ہوتی اور اگر اس سے زائد بات ہوئی ہے تو یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی بشرطیکہ خاوند بھی اس کی تصدیق کرے۔ لمافی محرمات الخلاصة عن امالی ابی یوسف ان کذبها الزوج لا یفرق بینهما ولو صدقها انه عن شهوة وقعت الفرقة بینهما خلاصة الفتاوی صفحه ۱۰ ج ۲ (واللہ تعالی اعلم)

نابالغ بچہ کے ساتھ بالغہ عورت نے صحبت کی تو حرمت مصاہرت ثابت ہوئی یا نہیں۔؟

(سوال ۴۲۸) کودکے ہشت سالہ بود یا نہ سالہ بود زنے بالغہ او را اغلانیدہ اندرون خانہ بردہ ایلاج کنانیدہ آن طفلک اکنوں جوان شدہ است واو بزبان خود مقر است کہ مرا زنے بہ بہانہ اندر خانہ بردہ بود وآلت گرفتہ مرا در فرج خود داخل کردہ بشہوت خود زائل کنانید۔ اکنوں دختر آن زن در عقد آں مقر شرعاً آیدیانہ۔ حرمت مصاہرت باشد یانہ۔؟ بنیوا توجروا۔

(الجواب) قال فی الدر المختار فی فصل المحرمات فلو جامع غیر مراهق زوجة ابیه لم تحرم و فی الشامی. قوله فلو جامع غیر مراهق الخ. الذی فی الفتح حتی لو جامع ابن اربع سنین زوجة ابیه لا تثبت الحرمة قال فی البحر وظاهره اعتبار السن الاتی فی حد المشتهاة اعنی تسع سنین قال فی النهر و اقول التعلیل بعدم الاشتهاء یفیدان من لا یشتهی لا تثبت الحرمة بجماعة ولا خفاء ان ابن تسع عارمن هذا بل لابدان یکون مراهقا ثم رأیته فی الخانیه قال الصبی الذی یجامع مثله کالبالغ قالوا ان یجامع و یشتهی و تستحی النساء من مثله وهو ظاهر فی اعتبار کونه مراهقا لا ابن تسع الا ان قال فتحصل من هذا انه لا بد فی کل منهما من سن المراهقة واقلّه للانثی تسع وللذکر اثناء عشرلان ذلك اقلّ مدة یمکن فیها البلوغ کما صرحوابه فی باب بلوغ الغلام وهذا یوافق مامرمن ان العلة هی وطی الذی یکون سبباً للولد اوالمس الذی یکون سبباً لهذا ابوطؤ و لایخفی ان غیر المراهق منهما لا یتاتی منه الولد.

از یں روایات معلوم شد کہ کودکے ہشت ونہ سالہ مراہق نیست اگر زنے بالغہ ذکر او در فرج خود داخل کند حرمت مصاہرت ثابت نہ شود لہٰذا نکاح کودک نابالغ غیر مراہق باد ختر زن مذبورہ جائز وصحیح خواہد شد لیکن احوط این ست کہ نکاح ایں ہر دونہ کردہ شود۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

حرمت مصاہرت کے لئے صرف بیوی کا قول کافی نہیں ہے
بلکہ شوہر کو ظن غالب ہونا شرط اور کافی ہے

(سوال ۴۲۹) ایک شخص اس کا اہل یعنی اس کی بیوی اور اس کی لڑکی اور دو بہو دو لڑکے ایک کمرہ میں علیحدہ چند روز سے سوتے ہیں اور وہ خود اور اس کی نوجوان بہو جس کا خاوند گھر پر موجود نہیں ہے بلکہ محنت مزدوری کو کہیں باہر گیا ہوا ہے دوسرے کمرہ میں علیحدہ علیحدہ چارپائیوں پر لیٹتے ہیں ایک روز یہ بہو اپنے والدین کے یہاں جاتی ہے اور اپنی والدہ کو کہتی ہے کہ آج میرے سسر نے میرے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے اس کی

والدہ اس بات کا چرچا عام کر دیتی ہے جس پر گاؤں میں مجمع ہوتا ہے اور گردونواح کے علماء کو جمع کرتے ہیں علماء چار اشخاص کو لڑکی کے پاس بھیج کر بیان لیتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ آخر شب میں میرے سسر نے زنا بالجبر کیا ہے وہ اشخاص علماء کی مجلس میں اس لڑکی کا بیان ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہے کہ مجھ سے میرے سسر نے زنا جبراً کیا ہے پھر علماء اس کے سسر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ لڑکی بڑبڑا رہی تھی میں نے اس کا فقط کندھا پکڑ کر ہلایا تھا اور پوچھا کہ لڑکی تجھے کیا ہوا لڑکی نے کہا اباجان مجھے کچھ نہیں ہوا اور میں آرام سے ہوں میں اپنی چارپائی پر لیٹ گیا اور وہ اپنی چارپائی پر لیٹی رہی مجھے دوسرے روز معلوم ہوا کہ مجھ پر بہتان باندھا جاتا ہے میں نے ہرگز زنا نہیں کیا اس پر علماء اس کو قرآن کی قسم کھانے اور سر پر اٹھانے کو کہتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں اگر قرآن اٹھالوں یا قسم کھالوں تو جو لوگ مجھ پر بہتان لگاتے ہیں ان کو کیا سزا دوگے علماء کہتے ہیں ان کو کوئی سزا نہیں۔ فقط تم بری ہو جاؤ گے اس پر وہ قسم اور قرآن مجید اٹھانے سے انکاری ہو گیا علماء اور مجمع کے اصرار پر وہ شخص کہتا ہے کہ لوگ بڑے بڑے جرم کرتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں میرے معاملہ کو بہت پکڑا جاتا ہے آپ فرمادیں کہ اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت ہو کر وہ لڑکی اپنے خاوند پر حرام ہو گئی یا نہیں فقط اس لڑکی کی گواہی ہے یا اس کا آخری کہنا کہ میرا معاملہ بڑھایا جاتا ہے۔ ؟ بینوا توجروا

(الجواب) اگر اس لڑکی کے خاوند کو قرائن وعلامات سے یہ ظن غالب ہو کہ اس کی زوجہ سچ کہتی ہے اور اس کے باپ نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے یا شہوت سے ہاتھ لگایا ہے تو حرمت مصاہرت خاوند کے حق میں ثابت ہو گئی اور اس پر واجب ہو گیا کہ اس عورت کو چھوڑ دے اور صورت مسئولہ میں قرائن اس قسم کے بلاشبہ موجود نہیں جن سے ظن غالب ہونا چاہئے۔ لمافی البحر معزیاً للفتح و ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان یصدقها ویقع فی اکبر رایه صدقها وعلی هذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاها لاتحرم علی ابیه و ابنه الا ان یصدقها او یغلب علی ظنه صدقها ثم راء یت عن ابی یوسفؒ ما یفید ذلك (بحر صفحه ۱۰۷ ج ۳) وفی الخلاصة عن امالی ابی یوسفؒ امراة قبلت ابن زوجها وقالت كانت عن شهوة ان كذبها الزوج لا یفرق بینهما ولو صدقها انه بشهوة وقعت الفرقة خلاصة صفحه ۱۰ ج ۲ .(واللہ تعالیٰ اعلم)

فصل فی الجهاز و المهر و حقوق الزوجین
(جہیز اور مہر کے مسائل)

منکوحہ لڑکی کو شوہر کے گھر آنے سے روکنا ظلم ہے

(سوال ۴۳۰) امام مسجد نے روپیہ لے کر اپنی دو لڑکیوں کی شادی کی اب وہ نوجوان لڑکی شادی شدہ کو خاوند کے پاس جانے سے جبراً روکتا ہے کہ طلاق لے کر کسی دوسری جگہ روپیہ لے کر اس کو دیا جائے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) منکوحہ لڑکی شادی شدہ کو بلاوجہ شرعی اس کے شوہر کے گھر جانے سے روکنا دوہرا ظلم ہے یعنی خاوند پر بھی اور لڑکی پر بھی اور ظلم فسق اور گناہ ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے. کمافی الهدایة والدر وسائر کتب الفقه ۱۳ صفر سن ۵۰ هجری

ایضاً ---- (سوال ۴۳۱) زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی بیوی خاوند کا باہم بہت اتفاق ہو گیا مگر اب زید اپنی لڑکی کو خاوند کے یہاں نہیں بھیجتا حالانکہ لڑکی جانا چاہتی ہے کیا زید کے بھائی عمر کو حق حاصل ہے کہ جبراً زید کی لڑکی کو خاوند کے ساتھ روانہ کردے۔؟

(الجواب) زید کا اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے گھر جانے سے روکنا صریح ظلم ہے اور حدیث میں مظلوم کی اعانت کی تاکید کی گئی ہے اس لئے زید کے بھائی عمر کو بلکہ ہر اس شخص کو جو اس ظلم کو رفع کر سکے حق حاصل ہے کہ اس لڑکی کی منشاء کے موافق خاوند کے گھر پہنچادے اگرچہ اس کا باپ زید ناراض ہو۔ حدیث میں ہے۔ انصر اخاك ظالماً او مظلوماً (۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری)

زوجہ کو اس کے خاوند کے یہاں نہ بھیجنا ظلم ہے

(سوال ۴۳۲) زید نے اپنی لڑکی کی شادی کردی بیوی خاوند کا باہم بہت اتفاق ہو گیا مگر اب زید اپنی لڑکی کو خاوند کے یہاں نہیں بھیجتا حالانکہ لڑکی جانا چاہتی ہے کیا زید کے بھائی عمر کو حق حاصل ہے کہ جبراً زید کی لڑکی کو خاوند کے ساتھ روانہ کردے۔؟

(الجواب) زید کا اپنی لڑکی کو اس کے گھر جانے سے روکنا صریح ظلم ہے اور حدیث میں مظلوم کی اعانت کی تاکید کی گئی ہے اس لئے زید کے بھائی کو بلکہ ہر اس شخص کو جو اس ظلم کو رفع کر سکے حق حاصل ہے کہ اس لڑکی کو اس کے منشاء کے مطابق خاوند کے گھر پہنچادے اگرچہ اس کا باپ زید ناراض ہو۔ حدیث میں ہے انصر اخاک ظالماً او مظلوماً۔ ۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری۔

سامان جہیز لڑکی کی ملک ہے

(سوال ۴۳۳) ایک شخص اپنی لڑکی کو جو بیمار تھی اپنے گھر لے گیا اور مسماۃ کے شوہر سے حیلہ حوالہ کر کے مسماۃ کا زیور جو دونوں طرف سے چڑھایا گیا تھا واپس لے گیا اور رکھ لیا یہ عورت مر گئی بعد انتقال وہ زیورات پدر مسماۃ سے طلب کئے گئے بعد حیلہ حوالہ جواب یہ دیا کہ زیورات کو صرفہ تیمارداری اور نان نفقہ میں رکھا گیا ہے دریافت طلب امر ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں اور یہ زیورات کس کی ملک ہیں۔؟

(الجواب) جو زیورات شوہر کے گھر سے لڑکی کو دیئے جائیں وہ ہمارے عرف اور رواج کے اعتبار سے شوہر کی ملک ہیں اور جو لڑکی کے میکہ کی جانب سے دیئے گئے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہیں بعد وفات لڑکی کے اس کے ورثہ میں حسب قاعدہ شرعیہ تقسیم ہوں گے والد مسماۃ کو اپنے حصہ سے زائد رکھنے کا حق نہیں اور دوا

وغیرہ کا خرچہ کسی حال خاوند کے ذمہ واجب نہیں خواہ بیوی اس کے گھر میں ہو یا اپنے میکہ میں اس لئے صرفہ تیمارداری میں زیورات رکھنے کا کوئی حق پدر مساۃ کو نہیں۔ **لمافی الشامية من النفقة صفحه ٦٦٣ جلد ٢. كما لا يلزمه مداواتها اى اتيانه لها بدواء المرض ولااجرة الطيب ولا الفصد ولا الحجامة الخ.**

بوقت شادی جو زیور دلہن کو منجانب شوہر دیا جاتا ہے وہ کس کی ملک ہے

(**سوال ٤٣٤**) عام طور سے بیاہ کے موقع پر دولہا کی جانب سے دولہا یا دولہا کے وارث جو زیور و کپڑے وغیرہ دلہن کو دیتے ہیں جس کو عموماً زیور و کپڑوں کا چڑھانا کہا جاتا ہے سامان مذکورہ دولہا کے انتقال کے بعد دولہا کا ترکہ مانا جائے گا یا دلہن مالک ہوگی۔؟

(**الجواب**) یہ مسئلہ دراصل عرف ورواج کے تابع ہے ہمارے شہروں کا عرف تو یہ ہے کہ لڑکی کا باپ جو زیور وغیرہ جہیز میں دیتا ہے وہ لڑکی کی ملک کر دیتا ہے اور لڑکی ہی کی مملوک سمجھے جاتے ہیں اور خاوند یا اس کے اقرباء جو زیور چڑھاتے ہیں وہ خاوند ہی کی طرف ملک رہتے ہیں عورت اس کا استعمال عاریۃً کرتی ہے اسی لئے تصرفات بیع وغیرہ کا اختیار نہیں ہوتا تو جس جگہ یہی عرف ہو وہاں دولہا کی جانب سے جو زیورات چڑھائے گئے تھے وہ دولہا کی ملک اور اس کی میراث ہوں گے۔ **كذا ذكره الشامى فى كتاب الهبة.**
(واللہ تعالیٰ اعلم)

مطلقہ کے لئے تاحیات خوروپوش کا وعدہ ادائے مہر کا عوض نہیں

(**سوال ٤٣٥**) عبدالصمد نے اپنی زوجہ کو یہ لکھا کہ میں اپنی بی بی ظفر النساء پر ایک طلاق بائن دیتا ہوں کہ اور اقرار کرتا ہوں کہ جب تک میری زندگی ہے بعوض دین مہر کے خوروپوش کا ہمیشہ ذمہ دار رہوں گا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے۔؟

(**الجواب**) یہ طلاق نامہ صحیح ہے۔ مساۃ ظفر النساء پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور تاحیات خوروپوش کے ذمہ دار رہنے کو جو عوض مہر قرار دیا ہے اگر اس سے یہ مطلب ہے کہ پورے مہر کے بدلے میں خوروپوش کی کفالت کرتا ہوں تو یہ جائز نہیں کیونکہ مہر معین ہے اور خوروپوش کی مقدار اور قیمت غیر معین نیز یہ بھی معلوم نہیں کہ مساۃ کی آئندہ عمر کتنی ہے غرض غیر معین مہر معین کا عوض نہیں بن سکتا اور اگر یہ مراد ہے کہ مہر میں سے خوروپوش دیتا رہوں گا اور حساب کر کے جو باقی رہے گا وہ بعد وفات مساۃ کے ان کے ورثہ کو ادا کردوں گا تو جائز ہے اور مساۃ کے ورثہ کو حق ہوگا کہ بعد وفات مساۃ کل خوروپوش کی قیمت کا حساب کر کے باقی روپیہ خاوند سے وصول کرلیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) یکم صفر سن ۱۳۵۰ ہجری۔

مرض الوفات میں مہر معاف کرنے کا حکم

(سوال ۴۳۶) ایک عورت نے اپنے مرض وفات میں اپنا مہر معاف کردیا یہ معافی شرعاً معتبر ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) مہر کی معافی کے متعلق سوال میں مذکور ہے کہ مرض وفات میں کی گئی اور مرض وفات میں جو تصرف کیا جاتا ہے وہ بحکم وصیت ہوتا ہے اور وارث کے حق میں کوئی وصیت بلا اجازت دوسرے وارثوں کے نافذ نہیں ہوتی حدیث میں ہے۔ - لا وصیة لوارث الا ان تجیز الورثة کذافی الدر المختار۔

خاوند متوفیہ کا شرعی وارث ہے اس کے حق میں دین مہر کی معافی بوقت مرض وفات بلا اجازت دوسرے وارثوں کے ہرگز معتبر نہیں بلکہ یہ دین اس کے ذمہ واجب ہے جو متوفیہ کے ترکہ میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا۔

زوجہ اپنا مہر نابالغ شوہر کی جائیداد سے لے سکتی ہے

(سوال ۴۳۷) زید نے اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح نابالغ ہندہ سے کردیا تھا کچھ عرصہ کے بعد زید کا لڑکا بحالت بلوغ انتقال کر گیا کیا اس صورت میں ہندہ کے والدین زید پر ادائیگی زر مہر کا دعوی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اگر بوقت نکاح زید نے مہر کا ذمہ اپنے اوپر نہیں لیا تھا تو اس کے لڑکے متوفی خالد کے ذمہ جو مہر واجب ہے اس کا مطالبہ زید سے نہیں کیا جا سکتا البتہ اگر لڑکے متوفی خالد کے نام کوئی جائیداد یا مال وغیرہ ہو تو اس میں سے مہر وصول کیا جا سکتا ہے۔ کذافی الدر المختار ولا یطالب الاب بمهر ابنه الصغير الفقير اما الغنى فيطالب ابوه بالدفع من مال ابنه لامن مال نفسه اذا زوجه امرأة الا اذا ضمنه على المعتمد .كمافى النفقة

نابالغہ کو طلاق دینے پر نصف مہر واجب ہوگا

(سوال ۴۳۸) ایک عورت سولہ سالہ نے ایک شخص سے نکاح کیا بعد میں معلوم ہوا کہ عورت قابل وطی نہیں ہے اگر مرد عورت کو طلاق دے تو عورت مذکورہ مستحق مہر ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) قال فی الدر المختار ولا یتخیر احد الزوجین بعیب فی الآخر ولو فاحشا کجنون و جذام و برص ورتق و قرن و فی الشامی ورتق بالتحریك انسداد مدخل الذکر ثم قال فی الدر المختار وله شق رتق امة و کذا زوجة وهل تجبر الظاهر نعم لان تسلیم الواجب علیها لا یمکنه بدونه نهر شامی مجتبائی صفحه ۵۹۷ ج ۲۔

اس عبارت فقہی سے معلوم ہوا کہ زوجہ میں عیب مذکور ہونے سے نہ نکاح میں کوئی خلل آیا اور نہ خیار فسخ حاصل ہوا ہاں زوج کو یہ ہر وقت اختیار ہے کہ جب چاہے طلاق دیدے اور مہر ادا کرنا پڑے گا البتہ بجائے کامل مہر کے نصف مہر ساقط ہو جائے گا۔ نصف مہر ادا کرنا ہوگا۔ لقوله تعالى فنصف ما فرضتم

الایۃ اور چونکہ عیب مذکور مانع وطی ہے اس لئے خلوت ہو جانے سے خلوت صحیحہ نہیں ہوئی لمافی الدر المختار فی ذکر الموانع و من الحسی رتق بفتحتین التلاحم الخ. خلاصہ یہ کہ صورت مذکورہ میں نصف مہر واجب ہوگا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

خیر الامور فی قدر المهور
یعنی مہر کی تعریف، اسکی شرعی مقدار اور مہر فاطمی کی تحقیق

(سوال ۴۳۹) مہر شرعی کیا چیز ہے اسی کو مہر مسنون اور مہر محمدی کہتے ہیں۔؟
(۲) اس مہر کی تعداد کم از کم کیا ہے اور زیادہ سے زیادہ کیا ہے بحساب سکہ رائج الوقت معلوم ہونا چاہئے، درہم دینار مثقال اور اوقیہ کی قیمت بحساب سکہ کلدار کیا ہے۔؟
(۳) ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت فاطمہؓ کا مہر کس قدر تھا اور کون سا مہر زیادہ تر قابل تقلید ہے۔
(۴) مہر رائج الوقت جس کی تعداد ہزار ہا روپیہ ہوتی ہے مناسب ہے یا نہیں؟

(الجواب) مہر عورت کا حق مالی ہے جو خاوند کے ذمہ بوجہ عقد نکاح کے واجب ہوتا ہے اور مہر مسنون اور مہر محمدی اس مہر کو کہا جاتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے عملاً ثابت ہو جس کا ذکر جواب نمبر ۳ میں آئے گا۔
(۲) مہر کی تعداد کم از کم درہم دس ہے جس کی مقدار وزن رائج الوقت کے اعتبار سے دو تولہ گیارہ ماشے چاندی ہوتی ہے اور زائد کے لئے کوئی حد ایسی مقرر نہیں کہ اس سے زائد مہر نہ ہو سکے یہ دوسری بات ہے کہ بہت زائد مقرر کرنا مکروہ و ممنوع ہے اقل مقدار کی دلیل عبارت ہدایہ ہے واقل المهر عشر دراهم نیز حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لا مهر اقل من عشر دراهم. اخرجه الدارقطنی اور زائد کے لئے کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں اور آیت کریمہ اٰتیتم احدٰ اهن قنطاراً سے زیادہ مہر کا نافذ ہونا معلوم ہوتا ہے درہم بحساب وزن مروج تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا اور دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ہوتا ہے مثقال اور دینار کا وزن ایک ہے صرف یہ فرق ہے کہ دینار سونے کا ایک سکہ ہے اور مثقال ایک وزن کا نام ہے جو دینار کے برابر ہے اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ والدلیل علیه مافی الغیاث درہم سہ نیم ماشہ باشد۔ وایضاً قال العلامة القاضی ثناء الله الپانی پتی فی رسالة مالا بدمنه نصاب زر بست مثقال است کہ ہفت و نیم تولہ باشد و نصاب نقرہ دوصد درم است کہ پنجاہ و شش روپیہ سکہ دہلی وزن آن می شود۔ انتہی گفتم پس بہمیں حساب دینار چہار م و نیم ماشہ می شود و درہم سہ و نیم تقریباً وفی الهداية والاوقية اربعون درهماً هدايه باب زكوٰة الاموال صفحه ۱۸۶ ج ۱. وفی عمدة الرعاية معزياً. لفتح القدير قوله مثقالاً هو لغة ما يوزن به و شرعاً اسم للمقدار المعين الذى يقدر به الذهب ونحوه وهو الدينار الواحد الاان الدينار اسم لقطعة المضروبة المقدرة بالمثقال و فی شرح المختصر للبرجندی فی الخزانة الدينار هو المثقال الخ۔ اور جب دینار و درہم کا وزن بحساب تولہ و ماشہ معلوم ہو گیا تو

سونے چاندی کا وقتی نرخ معلوم کر کے سکہ رائج الوقت سے اس کی قیمت نکال لینا کچھ مشکل نہ رہا مثلاً مہر فاطمی کی مقدار پانچ سو درہم ہے جس کا وزن رائج الوقت ایک سو پینتالیس تولہ دس ماشہ ہوا اور آج کل جب کہ چاندی کا نرخ ۸ تولہ ہے تو سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے پانچ سو درہم کی قیمت تقریباً تہتر روپیہ ہوتی ہے۔

(۳) حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار درہم تھا اور حضرت فاطمہؓ اور عام ازواج مطہرات کا مہر پانچ سو درہم۔

لماروی عن ابی سلمة قال سالت عائشةؓ کم کان صداق النبی صلی الله علیه وسلم قالت کان صداقه لا زواجه ثنتی عشرۃ اوقیة و نش قالت اتدری ماالنش قلت لا قالت نصف اوقیة فتلك خمس مائة درهم رواه مسلم (از مشکوٰۃ) و فی کنز العمال فی حدیث طویل ما اصدق الرسول الله صلی الله علیه وسلم امرأ ة من نسائه ولا اصدقت امرأ ة من بناته اکثر من اثنتی عشرة اوقیة الحدیث کنز صفحه ۲۹۷ ج ۸

حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت فاطمہ دونوں کے مہروں سے قابل تقلید حضرت فاطمہؓ اور باقی ازواج مطہرات کا مہر ہے کیونکہ وہ خود آنحضرت ﷺ نے مقرر فرمایا تھا بخلاف حضرت ام حبیبہؓ کے کہ ان کا مہر نجاشی بادشاہ نے مقرر کیا اور اسی نے ادا کیا تھا۔ عن ام حبیبةؓ انها کانت تحت عبدالله بن جحش فمات بارض الحبشة فزوجها النجاشی النبی صلی الله علیه وسلم وامهر ها عنه اربعة الاف و فی روایة اربعة الاف درهم الحدیث. رواه ابوداؤد و النسائی.

(۴) بالکل نامناسب اور مکروہ اور سینکڑوں دینی و دنیوی مصائب کی بنیاد ہے حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔

الالا تغالوا صدقة النساء فانها لو کانت مکرمة فی الدنیا و تقوٰی عندا لله لکان او لکم بها نبی اللّٰه صلی الله علیه وسلم ما علمت رسول اللهﷺ نکح شیئاً من نسائه ولا انکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشره اوقیة (رواه احمد) و الترمذی و ابوداؤد و النسائی.

حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ ہزاروں روپیہ کی تعداد میں مہر مقرر کرنا ہرگز مناسب نہیں علاوہ بریں جب مہر زیادہ مقرر کیا جاتا ہے تو کبھی اس کے ادا کرنے کی نہ ہمت ہو سکتی ہے اور نہ کبھی اس کا ارادہ ہوتا ہے اور اس صورت کو کہ ادائے مہر کا ارادہ ہی دل میں نہ ہو حدیث میں زنا فرمایا گیا ہے الحدیث سرده فی الکنز بطرق مختلفة۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کسی خاندان کی لڑکیوں کا مہر زیادہ تعداد میں رائج ہے تو جب تک سارا خاندان اپنا رواج بدل کر مہر میں کمی نہ کرے اس وقت تک تنہا کسی لڑکی کا مہر کم باندھنے کا اختیار اس کے اولیاء کو نہیں ہے لوگ اس میں بہت غفلت کرتے ہیں کہ سارے خاندان کے مہر مثل کے خلاف اپنی لڑکی کا مہر کم کر دیتے ہیں جس کا ان کو حق نہیں ہے۔

اور شاید یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات صحابہؓ نے زیادہ زیادہ مہر پر نکاح کئے ہیں حالانکہ مہر فاطمی کا مسنون اور افضل ہونا ان کو بھی (ظاہراً) معلوم تھا۔ زیلعی شرح کنز باب الکفاءۃ میں ہے۔ ان

الفاروق تزوج ام کلثوم بنت علی من فاطمة علی اربعین الفؓ درهم و ابن عمرؓ تزوج علی عشرة الاف درهم و کان یزوج بناته علی عشرة الاف درهم وروی عن الحسن بن علیؓ انه تزوج امرء ة فسان الیها مائة جاریة قیمة کل واحدة منهن الف درهم و تزوج ابن عباس شمیلة علی عشرة الاف درهم و تزوج انس امرأة علی عشره الاف درهم قال الذیلعی و یجو زان یکون ذلك مهر مثل کل واحدة منهن لانه یختلف باختلاف الزمان ولا یدل ذلك علی الفضیلة بل هو الظاهر لان المال کان قلیلا فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم ثم اتسع المسلمون بعد ذلك لما حصل لهم من فتوح البلا د(زیلعی شرح کنزج ۳ صفحه ۱۳۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ خود حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے چالیس ہزار درہم مہر مقرر کئے جس کی مقدار سکہ رائج الوقت کے اعتبار سے تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہوتے ہیں اور جس لڑکی کا یہ مہر مقرر ہوا وہ بھی حضرت فاطمہؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر اور دوسرے حضرات صحابہ نے دس دس ہزار درہم پر اپنا اور اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کیا جس کی مقدار آج کل کے سکہ رائجہ کے اعتبار سے تقریباً تیرہ سو روپیہ ہوتی ہے۔

الغرض مہر میں غلو کرنا جائز نہیں بلکہ تقلیل حسب سنت بہتر وافضل ہے لیکن اس کے خلاف میں غلو کرنا جائز نہیں کہ مہر مثل کے خلاف لڑکی یا اس کے اولیاء کو مہر فاطمی پر مجبور کر دیا جاوے یہ غلو اور جبر بھی بالکل خلاف سنت اور خلاف تعامل صحابہ کرام ہے اعتدال کی صورت یہ ہے کہ اپنے اپنے خاندان میں مہر مثل کم کرنے کی کوشش کی جاوے اور سب خاندان والوں کو احادیث نبی کریم ﷺ اور حضرت سیدۃ النساء کے مہر کی تقلید واتباع کی ترغیب دی جاوے اگر وہ سب قبول کر لیں تو بہتر ورنہ تنہا کسی ایک لڑکی یا اس کے اولیاء کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

مہر بہت زیادہ مقرر کرنا اور ادائیگی نیت نہ کرنا گناہ ہے

(سوال ۴۴۰) آج کل وباء عام پھیل رہی ہے کہ مقدار مہر پانچ پانچ اور دس دس ہزار روپیہ جو صراحتاً ناکح کی حیثیت سے زیادہ ہوتا ہے اور ناکح اس کی ادائیگی سے عاجز ہوتا ہے مقرر کر کے نکاح کیا جاتا ہے اگر ناکح کی نیت ادائیگی کی نہ ہو محض مذاق سمجھتا ہو یا نیت دینے کی ہو لیکن کسی طرح ادا نہیں کر سکتا دونوں صورتوں میں نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں۔؟

(۲) اور قربت زوجہ جائز طور پر ہوگی یا نہیں۔؟

(الجواب) ان دونوں صورتوں میں نکاح تو جائز اور صحیح ہو جاتا ہے اور قربت وصحبت بھی جائز ہو جاتی ہے مگر ایسا خیال رکھنے والا سخت گناہ گار فاسق ہے اور پہلی صورت میں کہ اس کو محض مذاق سمجھے تو خوف کفر کا ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے اور اس کو زانی فرمایا گیا ہے۔ یعنی عذاب وعقاب میں وہ زانیوں کی طرح مبتلا ہوگا اور الفاظ حدیث یہ ہیں۔عن النبی ﷺ ایما رجل تزوج امرأ ة علی ماقل من

المھر او کثر لیس فی نفسہ ان یودی الیھا حقھا خدعھا فمات ولم یؤ د الیھا حقھا لقی اللہ یوم القیامۃ وھو زان (ترغیب ترھیب کتاب النکاح)

اور اسی بناء پر حدیث میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت آئی ہے الا لا تغالو صدقات النساء. لیکن تبصریح فقہائے نکاح درست ہو جاتا ہے اگرچہ کوئی شخص مہر کی صراحۃً نفی بھی کردے اور حدیث وعید کو تہدید پر محمول کیا جاتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نابالغ خاوند کا انتقال ہو جاوے تو مہر اور میراث عورت کا حق ہے

(سوال ۴۴۱) زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر کے لڑکے سے کر دیا جو کہ ابھی دونوں نابالغ تھے بعد کچھ مدت کے بکر کے لڑکے کا انتقال ہو گیا لیکن بالغ نہیں ہوا تھا اس لئے بکارت بھی زائل نہیں اب زید کی لڑکی کے زیور کا مستحق کون ہو گا اور مہر کس کو مل سکتا ہے اور بکر کی پہلی بیوی کا یہ لڑکا تھا اور اب بکر کی دوسری بیوی موجود ہے جس سے دو لڑکے موجود ہیں اور پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا تو اب بیوی مرحومہ یا بیوی موجودہ کے مہر میں سے بھی کچھ حصہ زید کی لڑکی کو مل سکتا ہے یا نہیں اور لڑکی کا زیور اور مہر زید کو مل سکتا ہے یا بکر کو مل سکتا ہے۔ ؟

(الجواب) جو زیور لڑکی کا مملوکہ ہے اس کی خود لڑکی مالک ہے اور مہر بھی لڑکی کا حق ہے وہ بھی لڑکی کو ملے گا اور بکر کی کسی زوجہ کے مہر میں سے زید کی لڑکی کو کچھ حصہ نہیں ملے گا کیونکہ زید کی لڑکی وارث بکر کی زوجات کی نہیں ہے اور زید کی لڑکی جب تک خود زندہ ہے اس کے زیور اور مہر سے زید کو کچھ نہیں مل سکتا اور بکر کسی حال وارث اپنے لڑکے کی زوجہ کا نہیں۔ کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

نکاح فاسد یا موقوف میں وطی یا خلوف ہو جانے پر مہر کا حکم

(سوال ۴۴۲) کسی صغیرہ یا نابالغہ کا نکاح اس کے ولی اقرب کے بغیر اجازت ولی غیر اقرب دیدے بعدہ ولی اقرب جو اس موضع میں موجود تھا اس کو اس نکاح کی مطلقاً خبر نہ تھی اور نہ وہ اس مجلس نکاح میں حاضر تھا بعد اطلاع نکاح اعتراض کرے اور اپنی نارضامندی کے باعث چند روز کے بعد اس نکاح کو فسخ کردے پس اگر اس درمیان میں وطی یا خلوت پائی جائے درآنحالیکہ صغیرہ مانند تو طاء مثلھا کے ہے اور ناکح ایک مرد نوجوان عاقل وبالغ تو بعد فسخ نکاح شوہر پر ادائے مہر واجب ہو گا یا نہیں اور صغیرہ کا ولی مہر کا مطالبہ زوج سے کر سکتا ہے یا نہیں۔ ؟

اگر زوج ادائے مہر سے انکار کرے بالکل مہر دینے پر راضی نہ ہو تو ولی بعض مہر پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ ؟ اور ولی کو اس قسم کا تصرف در مال صغیرہ جائز ہے یا نہیں۔ ؟

اگر اس موقع میں زوج وطی کا انکار کرے اور عورت اقرار کرے تو کس کا قول معتبر سمجھا جائے گا ناکح نے وقت نکاح ہبۃً یا عادۃً از قسم زیورات ولباس منکوحہ کو دیا تھا جس کو وہ اس وقت یعنی قبل از ادائے

دین مہر واپس مانگے تو یہ چیز واپس کی جا سکتی ہے یا نہیں۔؟

ان سب صورتوں میں ازروئے شرع کیا احکام ہیں جواب مدلل بعبارات کتب فقہیہ ارشاد فرمائیں۔؟

(الجواب) قال الشامی فی النکاح الفاسد وحکمُ الدخول فی النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد فسقط الحد ویثبت النسب و یجب الاقل من المسمی ومن المهر المثل الخ (شامی مجتبائی صفحه ۳۵۰ ج۲) وایضاً فی الشامیة فی موضع اخر المراهق اذا تزوج بلا اذن ولیه امرأة (الی قوله) وعلیه المهر لو مکرهة او صغیرة ولوبامرها الخ (شامی مجتبائی صفحه ۳۶۹ ج ۲) قال فی الدر المختار وصح حطها لکله یعنی المهر وبعضه انتهیٰ . قال الشامی وقید بحطها لان حط ابیها غیر صحیح لو صغیرة ولو کبیرةً توقف علی اجازتها ولان بدمن رضاها الخ (شامی باب المهر صفحه ۳۳۸ ج۲) وقال فی الدر المختار ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول قولها لانکارها سقوط نصف المهر.

صورت مسئولہ میں جو نکاح ولی ابعد نے بغیر اجازت ولی اقرب کے کیا ہے یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف تھا اور جب ولی اقرب نے خبر پا کر اس کو فسخ کرادیا تو یہ نکاح فسخ اور باطل ہو گیا (کذافی الدر المختار من باب الولی) اور اس موقوف پر اجازت ولی اقرب ہونے کی حالت میں جو خاوند نے وطی یا خلوت صحیحہ کرلی تو اس سے خاوند کے ذمہ مہر واجب ہو گیا مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس عورت کا مہر بوقت عقد کیا مقرر کیا گیا تھا اس کا مہر مثل کیا ہے ان دونوں میں سے جو کم ہو وہ واجب ہو گا اگر مہر مثل کم ہو تو وہ اور اگر مہر مقررہ کم ہو تو وہ۔ لیکن بہر صورت جونسا واجب ہوگا پورا واجب ہو گا تنصیف نہ ہو گی جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۱) سے ثابت ہوا اور لڑکی کے والد کو مطالبہ مہر کا حق ہے جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۲) سے ثابت ہوا۔ لیکن لڑکی کے والد کو مہر واجب الاداء سے کم دینے کا حق نہیں جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا (۳) سے ظاہر ہوا۔

اور اگر خاوند وطی کا منکر ہے تو اگر خلوت صحیحہ کا اقرار کرتا ہے تب تو ظاہر ہے کہ خلوت کا حکم بھی اس بارے میں مثل وطی ہے لہذا کوئی اختلاف ہی نہ رہا۔

مہر کامل بتفصیل مذکور واجب ہو گا اور اگر خاوند خلوت کا بھی منکر ہے تو اس بارے میں لڑکی کا قول حلف کے ساتھ اعتبار کر لیا جائے گا جیسا کہ عبارت نمبر (۴) سے ثابت ہوا۔ اور اگر جو اشیاء خاوند نے اس لڑکی کو دی تھی اس میں اپنے اپنے ملک کا رواج معتبر ہے اگر یہ رواج ہے کہ یہ چیزیں بطور مہر معجل کے عورت کی ملک میں کردی جاتی ہیں یا ویسے ہی ہدیۃً دی جاتی ہیں تو لڑکی کی ملک ہو گئی اس کا واپس کرنا جائز نہیں اور اگر رواج یہ ہے کہ یہ چیزیں بطور عاریت کے عورت کے استعمال میں رکھی جاتی ہیں مالک ان کا خاوند ہی سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ خاوند کی ملک ہے ان کو بوقت تفریق خاوند واپس لے سکتا ہے ہمارے یہاں کا عرف و رواج بھی عاریت کی صورت کا ہے آپ اپنے رواج کے موافق فیصلہ کر سکتے ہیں۔ (والدلیل علی ما قلنا ما

صرح به فی الدر المختار و الشامیة فی کتاب الهبه.) واللہ تعالیٰ اعلم (کتبہ بندہ محمد شفیع غفر لہ)

الجواب صحیح ---- محمد رسول خان عفاعنہ

الجواب صحیح صواب بلاریب ---- نبیہ حسن عفااللہ عنہ

الجواب صواب ---- بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

خاوند کے انتقال کے بعد زوجہ کا یہ کہنا کہ فلاں مکان خاوند نے مہر میں دے دیا تھا

(سوال ۴۴۳) اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے انتقال کے بعد یہ کہے کہ فلاں مکان میرے خاوند نے میرے مہر میں دے دیا تھا اور کوئی بیعنامہ یا کوئی تحریر مکان کے متعلق اس کے خاوند کی طرف سے نہ ہو تو اس عورت کا قول مکان کے متعلق شرعاً درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر خاوند کے باقی ورثہ اس کو تسلیم کریں تو معتبر ہوگا ورنہ شہادت کے بغیر معتبر نہ ہوگا ہاں اگر اس نے شہادت شرعیہ پیش کر دی تو ورثہ کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور شہادت نہ ہونے کی صورت میں خاص مکان کی مالک زوجہ نہ ہوگی لیکن اس کو حق ہوگا کہ خاوند کے ورثہ پر دعوی کرے کہ میرا مہر ادا کرو یا مکان اس کے عوض میں مجھے دے دو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۱ شعبان سن ۵۰ ہجری

عورتوں کو بغیر اجازت شوہر میکے جانا

(سوال ۴۴۴) عورت کو بغیر اجازت شوہر کے اپنے والدین کے یہاں جانا جائز ہے یا نہیں اور اگر یہ سوال کونسل میں پیش کیا جائے گا تو کوئی خرابی تو نہیں ہے۔؟

(الجواب) اس قانون میں کوئی شرعی خرابی نہیں بلکہ اس کی تمام دفعات قواعد شرعیہ کے ماتحت ہیں عورت کو بغیر خاوند کی اجازت کے کسی جگہ نہ جانا چاہیئے نہ والدین کے گھر نہ کسی اور رشتہ دار کے یہاں۔

البتہ اگر والدین اپاہج اور محتاج خدمت، ضعیف و بیمار ہوں اور کوئی خدمت کرنے والا نہ ہو اور خاوند ان کے پاس جانے کی اجازت نہ دے تو پھر زوجہ کو شرعاً اختیار ہے کہ کبھی کبھی جا کر ان کی خدمت اور نگرانی کیا کرے اگرچہ خاوند اس پر ناراض ہو نیز خاوند کے لئے مناسب و مستحب ہے کہ بغیر ایسی ضرورت شدید کے بھی گاہ گاہ اس کے والدین کے یہاں جانے کی اجازت دے دیا کرے عبارات فقہیہ مندرجہ ذیل اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں. قال فی نفقات الدر المختار ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی ایتانها علی ما اختاره فی الاختیار ولو ابوها زمنا مثلا فاحتا جها فعلیها تعامده ولو کافراً وان ابی الزوج. قال الشامی وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج الیهما و اشار الی نقله فی شرح المختار و الحق الاخذ بقول ابی یوسف اذا کان الا بوان بالصفة اللتی ذکرت والا ینبغی أن یأ ذن لها فی زیارتهما فی الحین علی قدر متعارف امافی کل جمعة فهو بعید فان کثرة الخروج فتح باب الربیة الخ (شامی باب النفقة صفحه ۷۲۱ ج ۲)

اقامة العرف مقام الثبوت
فی سقوط بعض الحق بالسکوت
(یعنی سکوت کی صورت میں حق مہر وغیرہ محض عرف کی بنیاد پر ساقط ہونے کی تحقیق)

ہمارے اضلاع میں اس وقت سے پچاس برس پہلے مہر لینے کو عیب سمجھتے تھے نہ عورت مانگتی تھی اور نہ اس کے ورثہ اور اس وقت کا عرف دونوں امر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی ایسی غالب عادت کو بھی کہ عفو کی حاجت ہی نہ سمجھی جاتی ہو اب اگر مدیون مہر کا ترکہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو گیا ہو تو کیا اس زمانہ کے مہر کا عورت کے ورثہ کو دینا ورثہ مدیون کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر کوئی خود نہ دے تو کیا عورت کے ورثہ کو مطالبہ کا حق ہے دلائل شرعیہ کے ساتھ بیان فرمایا جائے۔؟

(الجواب) کوئی صریح جزئیہ باوجود تلاش کے اس بارے میں نفیاً واثباتاً نہیں ملا۔ لامحالہ قواعد کلیہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہوئی اور قواعد پر نظر کرنے سے اس مسئلہ میں چند قواعد باہم متعارض نظر آئے اسلئے ترجیح میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اشباہ ونظائر میں بضمن قواعد ثالثہ قرار دیا ہے الیقین لایزول بالشك اور اس کو مدلل و مفصل بیان فرمایا ہے اور جو امور اس قاعدہ سے مستثنیٰ کئے ان میں مسئلہ زیر بحث کو نہیں لکھا۔

(۲) اور بارھواں قاعدہ انہیں قواعد میں یہ لکھا ہے لاینسب الی ساکت قول . مصری صفحہ ۱۸٤ ج ۱ وقال فیه فلورأی اجنبیاً یبیع ماله فسکت ولم ینهه لم یکن وکیلا بسکوته ولورأی القاضی الصبی والمعتوه او عبدهما یبیع ویشتری فسکت لا یکون اذناً فی التجارة (الی اخر زمان من نظائره) ۳) وفی القضاء من الاشباه ان الحق لا یسقط بتقادم الزمان و فی تکملة ردالمحتار للشامی صفحه ۴۵۳ ج ۱ ان من القضاء الباطل القضاء بسقوط الحق بمضی سنین لکن مافی المبسوط لا یخالفه فانه لیس فیه قضاء بالسقوط و انما فیه عدم سماعها. انتهٰی و فیه ایضاً ان عدم سماع الدعوٰی بعد مضی ثلاثین سنةاو بعد الاطلاع علی التصرف لیس مبنیا علی بطلان الحق فی ذلك و انما هو مجرد منع للقضاة عن سماع الدعوٰی مع بقاء الحق لصاحبه حتی لواقر به الخصم یلزمه ولو کان ذلك حکما ببطلانه لم یلزمه الی قوله، ثم رائیت التصریح بما نقلناه فی البحر (تکمله ردالمحتار صفحه ٤٥٤ ج ۱) (٤) وقال فی الاشباه بضمن القاعدة الثالثة و منها لوثبت علیه دین باقرار او بینة فادعی الا داء والا براء فالقول للدائن لان الاصل العدم.

اب مسئلہ زیر بحث میں دین مہر کا بذمہ شوہر عائد ہونا یقینی ہے اور ادا کرنا یا معاف کرنا بظاہر مشکوک اس لئے بقاعدہ نمبر ا دین مہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوا اور جب تک کوئی شہادت معاف کرنے کی نہ ملے شوہر

کی طرف معافی کو بوجہ قاعدہ ۲ اور ۴ منسوب نہیں کیا جا سکتا اور عورت کا اپنی زندگی میں اور اس کے بعد عورت کے ورثہ کا مطالبہ نہ کرنا اور تقسیم ترکہ کے وقت مزاحمت نہ کرنا اگرچہ بلا عذر بھی ہو اس کے حق کو دیانۃً ساقط نہیں کرتا کما صرح اہ فی کتاب القسمۃ من العالمگیریۃ اگرچہ قضاء اس کا دعویٰ نہ سنا جائیگا خواہ اس پر کتنی ہی مدت گزر جائے جیسا کہ قاعدہ ۳ سے مفصلاً معلوم ہو قواعد مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں دین مہر ثابت فی الذمہ مانا جائے گا ساقط اور معاف سمجھنے کی ضرورت نہیں اور جب دین مہر بذمہ متوفی ثابت ہوا تو وفات کے وقت اس کا تعلق ترکہ متوفی سے ہو گیا اب اگر دین مستغرق ہے یعنی عورت کے مہر سے کم یا برابر ہے تو متوفی کے وارثوں کی ملک میں اس وقت تک منتقل ہی نہ ہو گا جب تک کہ وارث دین مہر کو اپنے مال سے ادا نہ کریں اور ان کے تصرفات اگر وہ اس ترکہ میں کریں شرعاً نافذ نہ ہوں گے اور اگر دین مستغرق نہیں بلکہ دین مہر ادا کرنے کے بعد کچھ ترکہ بچتا ہے تو ترکہ قبل ادائے دین وارثوں کی ملک میں منتقل ہو جائے گا بشرطیکہ وہ ادائے دین کے ضامن بنیں بہر دو صورت دین مہر کی ذمہ داری صورت مسئولہ میں وارثوں کے ذمہ عائد ہوئی۔ وذلك لمافى الاشباه من القول فى الملك قدمنا انه (يعنى الدين) لا يمنع ملك الوارث للتركة ان لم يكن مستغر قاويمنعه ان كان مستغرقا (اشباه مصرى صفحه ۲۵ ج ۲) وقال قبل ذلك ولا ينفد بيع الوارث التركة المستغرقه بالدين و انما يبيعه القاضى قال الحموى فى حاشيته يعنى ان بيعه موقوف على رضى الغرماء ثم فى الاشباه اعلم ان ملك الوارث بطريق الخلافة عن الميت فهو قايم مقامه كانه حتى فير د المبيع بعيب ويرد عليه (الى قوله) و يصح اثبات دين الميت عليه (اشباه القول فى الملك صفحه ۲۵ ج ۲)

قواعد مذکورہ اور تقریر مذکور کا حاصل تو یہ ہوا کہ صورت مسئولہ میں دین مہر بذمہ ورثہ باقی ہے اور ورثہ مدیون کے ذمہ اس کا ادا کرنا ورثہ عورت کی طرف دیانۃً واجب ہے لیکن وہ ادا کرے یا اقرار نہ کرے تو قضاءً ورثہ کو دعوی کا حق باقی نہیں رہا کیونکہ اول تو بوقت قسمۃ ترکہ ان کا مزاحمت و مطالبہ (باوجود علم کے) نہ کرنا اور ثانیاً مدت مدیدہ پندرہ سال یا زائد کا گزرنا دونوں سماع دعوی کے حق کو ساقط کرنے والے ہیں۔

لیکن

اس کے مقابلہ میں بعض دوسرے قواعد فقہیہ سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے وہی ہذا۔

(۱) قال فى الاشباه بضمن القاعدة الثالثة الذمة الاصل براء ة الذمة ولذالم يقبل فى شغلها شاهد واحد (الى قوله) الا ان تشغل الذمة بالاصل فلا يبرأ الا بيقين (الى قوله) والمراد به غالب الظن ثم قال فى تفريعات هذه القاعدة وههنا فروع لم اوها الان. الاول لو كان عليه دين و شك فى قدره ينبغى لزوم اخراج القدر المتيقين (قال الحموى فى حاشيته قوله ينبغى قيل الظاهر انه ليس على سبيل الوجوب وانما هو تورع لان الاصل براء ة لذمة وفى البزازية من القضاء اذا شك فيما يدعى عليه ينبغى ان يرضى الخصم ولا يحلف احترازاً عن الوقوع فى الحرام وان

ابی خصمه الاحلفه انکان اکبر رایه ان المدعی محق لا یحلف وان کان اکبررأیه انه مبطل ساغ له الحلف انتهی راشباه مصری قاعده ثالثه صفحه ۹۲ ج ۱، (۲) وفی القاعدة السادسة من الاشباه واعلم ان اعتبار العادة و العرف ترجع الیه فی الفقه فی مسائل کثیرة حتی جعلوا ذلك اصلاً فقالوا فی الاصول فی باب ماتترك به الحقیقه تترك الحقیقیة بدلا لة الاستعمال و العادة وکذاذکرفخرالاسلام اشباه مصری صفحه ۱۲۷ ج ۱ ثم قال فی الظهریة المعروف عرفا کالمشروط شرطاثم عدفی تفریعات هذه القاعدة تناول الثمار الساقطة قال الحموی بعد تفصیله و البحث علیه قال بعضهم لا باس به اذالم یعلم النهی صریحاً او دلالة و علیه الا عتماد (الی قوله) فإن کانت من الثمار التی تبقی لا یسعه الاخذ الا ان یعلم الاذن وان کانت من الثمار التی لا تبقی اتفقوا علی انه یسعه ان یأخذمالم یعلم النهی۔

(۳) وفی هبة الشامی ولو وهب الدین من الغریم لم یفتقر الی القبول ثم ذکر فیه خلاف الکافی والتحفه وغیر ها ثم قال و لعلّ الحق الاول فان فی التاویلات التصریح بانه غیر لازم (شامی کتاب الهبه وفی الدر المختار من هبة الدین ممن یتم من غیر قبول(۴) قال فی الدر المختار من الهبة وضعوا هدایا الختان بین یدی الصبی مما یصلح له کثیاب الصبیان فالهدیة لا والا فان المهدی من اقرباء الاب او معارفه فللاب او من معارف الام فللام قال هذاللصبی اولا ولوقال من مال اهدیت للاب و للام فالقول له وکذا زفاف البنت خلاصه وبمثله صرح الشامی فیما یقال له فی الهندیة (قوله) ولفظه فی الفتاویٰ الخیریة سئل فیما یرسل الشخص الی غیره فی الاعراس و نحوها هل یکون حکمه حکم القرض فیلزمه الوفاء به ام لا فاجاب ان کان العرف بانهم یدفعونه علی وجه الهبة ولا ینظرون فی ذلك الی اعطاء البدل فحکمه حکم الهبه فی سائر احکام وفی تکملة الشامی اذا کان بین الرجلین مباسطة جاز التصرف فی ماله بغیر اذنه بقدر مالا یخرج فیه –ج/۲ ص/۴۶۳–انتهیٰ قلت والدلیل علیه قوله تعالیٰ اومن بیوت صدیقکم وماملکتم مفاتحه–الآیة.وفی هبة الشامی ولذا قال اصحابنا لووضعَ ماله فی طریق لیکون ملکا للدافع جاز انتهیٰ ج/۴ص/ ۵۷۲. وفی اخر الجلد الرابع من الشامی –ج/۱ص/۵۷۴. انتهب وسادة کرسی العروس وباعها یحل ان کانت وضعت للنهب ویقاس علیه شمع الاعراس والموالد انتهیٰ–

(۵)ومن القواعد المشهورة الثابتة من الکتاب السنة والمسلمة بین الفقهاء ان امرالمسلمین محمول علی الاصلاح وقد فرع الفقهاء تفریعات کثیرة علی هذا لاصل–

قاعدہ نمبر اوراس کی تفریعات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کے ذمہ دین ہو اور اس کا ادا کرنا یقیناً معلوم نہ ہو تو دیکھا جائے کہ اگر ادانہ کرنے کا ظن غالب ہے تب تو اس کا ادا کرنا ترکہ پانے والے وارثوں کے ذمہ واجب ہوگا اور اگر ظن غالب یہ ہے کہ اگر ادا کر چکا ہے یا معاف کر چکا ہے تو پھر نہ اس کے ذمہ واجب

ہے اور نہ اس کے بعد وارثوں کے ذمہ اور اگر ظن غالب کسی طرف نہیں بلکہ شک ہے تب بھی واجب فی الذمہ نہ مانا جائے گا اور ازروئے فتوٰی اس کی بھی ضرورت نہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ ظن غالب صورت مذکورہ میں کیا ہے۔

قاعدہ نمبر ۲ کی رو سے ہمارے بلاد کی رسم ورواج کے موافق یہ ظن غالب کیا جاسکتا ہے کہ خاوند نے مہر معاف کرالیا ہوگا یا عورت نے خود معاف کردیا ہوگا اور اگر زبانی صریح معافی کے الفاظ بھی نہ کہے ہوں تب بھی یہ ظن اس بناء پر ہوسکتا ہے کہ ہبہ اور ابراء بھی محض تعامل وتعارف سے بغیر صریح ایجاب وقبول کے بیع تعاطی کی طرح درست ہو جاتا ہے جیسا کہ قاعدہ نمبر ۳ اور جزئیہ شمار ساقطہ مندرجہ نمبر ۲ سے اور پھر جزئیات مندرجہ نمبر ۴ سے صراحۃً مستفاد ہوتا ہے کہ عرفاً جس صورت کو ہبہ یا ابراء قرار دیا جائے وہ شرعاً بھی اس طرح معتبر ہو جائیگی خواہ الفاظ ایجاب قبول میں ہوں صرف ایجاب ہو قبول نہ ہو جیسا کہ قاعدہ نمبر ۳ میں مذکور ہے یا دونوں نہ ہوں جیسا کہ ثمار ساقطہ اور جزئیات نمبر ۴ سے معلوم ہو بلکہ اگر لفظوں میں ہبہ کسی کے لئے کہا گیا اور عرفاً وہ دوسرے کا حق سمجھا جاتا ہو یہاں بھی بمقابلہ تصریح زبانی کے عرف ورواج رائج ہو کر اسی دوسرے کا حق سمجھا جائے گا جیسا کہ نمبر ۴ سے **وضعو اهدايا الختان بين يدى الصبى** سے مستفاد ہوتا ہے۔

صورت سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ اس وقت کا عرف دوامر کو محتمل تھا معافی کو بھی اور عدم اخذ کی عادت کی بناء پر معافی کی حاجت نہ ہونے کو بھی۔ تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ ان دونوں احتمال پر دین مہر کا وجوب بذمہ مدیون باقی نہیں رہتا کیوں کہ احتمال اول پر ہو تصریح ابراء متحقق ہے اور احتمال ثانی پر عرفاً وعادۃً ابراء ہو گیا اگرچہ عرفی ابراء کی وجہ سے صریح ابراء کی عادت نہ سمجھی اور جانب معافی اور برات ذمہ کے لئے امور ذیل بھی مئوید ہیں۔

(۱) قاعدہ مذکورہ نمبر ۵ کہ جب کوئی ثبوت حق کا مدعی موجود نہیں اور عرف ورواج سے معافی کا احتمال ہوسکتا ہے اور مدیون نے اس دین کے متعلق کوئی وصیت بھی نہیں کی تو مدیون متوفی کے ساتھ ہم حسن ظن کرنے پر مامور ہیں اور لہذا اسی احتمال کو ترجیح ہو گی کہ یا وہ ادا کرچکا ہے یا وہ معاف کراچکا ہے۔

(۲) مدیون مہر کے بعد جب ترکہ ورثہ نے تقسیم کرلیا اور تصرفات کرتے رہے اور بیوی کو یا اس کے وارثوں کو اس کا علم بھی ہو اور اپنے دین کا مطالبہ کرنے میں کوئی مانع بھی نہ تھا اور باوجود اس کے مطالبہ نہیں کیا تو اگرچہ محض عدم مطالبہ سے دیانۃً سقوط حق نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر مفصل لکھا جاچکا ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ عدم مطالبہ اس احتمال معافی کی تقویت کا قوی ثبوت اور ابراء کا قرینہ ضرور ہے اور قضاء جو اس کے دعوٰی کو اس صورت میں ساقط کردیا جاتا ہے کہ اس کی بھی وجہ یہی ہے کہ اب شبہ جانب مخالف کا قوی ہو گیا چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں۔

فی تحقیق عدم سماع الدعوٰی بعد ثلاثین سنۃً لان ترکھا (یعنی الدعوٰی) ھذہ المدۃ مع التمکن یدل علی عدم الحق ظاھراً کمافی المبسوط واذا کان المدعی ناظراً مطلقاً علی

تصرف المدعی علیه الی ان مات المدعی علیه لاتسمع دعواہ علی ورثته کما مرعن الخلاصه (تکملہ شامی صفحه ۴۵۳ ج ۱)

(۳) اگر غور کیا جائے تو یہ سوال صرف دین مہر کے ساتھ مخصوص نہیں رہتابلکہ تمام معاملات بیع وشراء میں بھی (اگر قاعدہ عرف ورواج سے قطع نظر کی جائے) تو یہی سوال قائم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وارثوں نے اپنے مورث کو کوئی جائیداد وغیرہ خریدتے ہوئے دیکھایادوسرے معاملات میں شراء کرتے دیکھااور اس کاان کواقرار ہے بوقت عقد اس کی قیمت کے واجب فی الذمہ ہونے کا بھی اقرار ہے لیکن اداکرنے کاان کو علم نہیں توبعد وفات مدیون اگر اصحاب معاملہ مطالبہ نہ کریں توورثہ کے ذمہ کسی کے نزدیک واجب نہیں کہ وہ سارے شہر میں تمام ان لوگوں سے جن جن سے معاملہ کرتے دیکھا تھاپوچھتے پھریں کہ تمہارا کچھ دین میت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں اور محض اس احتمال پر کہ شاید ادا نہ کیا ہو بغیر کسی حجت کے اس کااداکرنااپنے ذمہ ضروری سمجھیں بلکہ علاوہ مہر کے دوسرے معاملات میں بداہتہً واتفاقاًاسی قاعدہ نمبرا یعنی الاصل براءة الذمة پر سب کا عمل ہے اور جب تک کوئی دعوی نہ کرے یہی سمجھا جاتا ہے کہ متوفی اداکر چکا ہے دین مہر اور دوسرے معاملات میں اگرچہ یہ فرق موجود ہے کہ دوسرے معاملات میں عادت عامہ کے موافق ادائے حقوق مرنے تک موخراپنے اختیار سے نہیں کیاجاتا بخلاف مہر موجل کے کہ اس کے حلول کاوقت ہی وقت فرقت یا موت ہے لیکن تاہم جس طرح دوسرے معاملات میں عرف اداکرنے کا ہے خواہ صراحتا یابطور اصطلاح مذکور مثل بیع تعاطی کے۔ (۴) بعینہ صورت زیر بحث میں اگر یہ فیصلہ کیا جائے کہ دین مہر بذمہ ورثہ مدیون منتقل ہوگااورورثہ کے ذمہ واجب ہوگا کہ ورثہ دائن کوڈھونڈڈھونڈکر پہنچائیں تو ایک حرج عظیم اور بلوائے عامہ ہو جائے گاجس کے عہدہ سے بری ہوناشاید بڑے بڑے اتقیاء کودشوار ہو جائے عوام کاتو کیا کہنا اوراس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کی تفسیق کرنی پڑے گی کیونکہ شاید کوئی شخص آج کل اس قسم کے حق سے بری نظر نہ آئے گااور منجملہ قواعد فقہیہ کے ایک یہ بھی مسلمات میں سے ہے۔ المشقة تجلب التیسیر (ذکرھا فی الاشباہ) (۵) بعینہ صورت زیر بحث کی ایک نظیر محدث الہند جامع الکمالات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور حضرت موصوف نے بھی امور مذکور الصدر پر نظر فرماکر یہی فیصلہ فرمایا تھا کہ اس جیسے مسائل میں حسب قواعد عرفیہ سکوت کو بھی قائم مقام سقوط کے اور عدم مطالبہ کو قائم مقام ابراء کے قرار دیا جائے گا یہ سوال وجواب فتاوی عزیزیہ جلد دوم صفحہ ۱۱۸ سے ۱۳۴ تک مفصل مذکور ہے جن میں سے مباحث متعلقہ مندرجہ ذیل ہیں۔

سوال ـــــ ترک طلب حصہ خود از جانب اخوات از برادران عینی وعلاتی خویشتن وترک دعوی حصہ خود از طرف عصبات واخوات اعمامی درصورت نبودن ابن العم درترکہ مورث از ضیاع وعقار مملوکہ الرقبۃ کہ استفتاء درانست نہ کہ اراضی معاشیہ کہ تقسیم آن مفوض برائے حکام والی ملک است چہارم عدم جریان حجت وجریان درحق اولاد پسری کہ روبروئے پدر خود فوت نمودہ باشد پس جمیع امور درمیان شرفائے اکثر ازبلاد ہندوستان کہ

در ایشاں علماء دین دار بودہ اند عرف متعارف است و در کتب فقہ مسطور است العرف غیر معتبر فی المنصوص علیه.

قال فی الظهیریة و کان محمد بن الفضل یقول السرة الی موضع نبات الشعر من العانة لیست بعورة لتعامل العمال فی الابدعن ذلك الموضع عند العمل و فی المنع عن العادة الظاهرة نوع حرج وهذا ضعیف و بعید لان التعامل بخلاف النص لا یعتبر انتهی۔ پس اجرائے امور مذکورہ درمیان شرفاء و علماء ایں بلاد تا کہ وجہے شرعی نداشتہ باشد نہایت موجب قباحت و شناعت بر علماء ایں دیار است کہ در خانہ ایشان ایں عرف جاریست۔ اجیبوا رحمکم الله.

(جواب) نیافتن نبات حصہ خود را در ترکہ پدر باوجود نبات دراصل و اراضی مملوکۃ الرقبۃ صورت خود ازیں جہت نیست کہ بہ تبعیۃ ملت کفار ہندوستان کہ بنات را حصہ نمی دہند و مسلمانان ہم خلاف آیۃ مواریث العیاذ باللہ منہ ایں امر را اختیار نمودہ اند کیف اگر چنیں بودے باوجود عصبات بنات کے مے یافتند کہ تردد ہندوستان دختر را در ہیچ صورت نمی دہند اگر پسر نباشد عصبات می گیرند بلکہ وجہش انیست کہ چوں اخوات اہل اسلام رسم و رواج ہندوان دیدند و شنیدند از فرط محبت کہ خواہران را با برادران مے باشد ترک حصہ خود نمودہ از رضامندی خود نہ گرفتہ اند و کلمات تبری از دعوای و اسقاط حق خود از ابتدا تا الیوم بر زبان دارند و بلا اتفاق میگویند کہ بریدہ زبان خواہرے کہ از برادر خود دعوای حصہ بر زبان آرد و ایں کلمہ بزبان ہندی تمام اخوات شرفائے ایں دیار مشہور و معروف شدہ است و بحد تواتر رسیدہ پس ایں امر کہ عرف متعارف و عادت مستمرہ گردیدہ است خلاف منصوص نیست فی الاشباه و النظار ذکر الامام المعروف به خواهر زاده ان الحق الموصیٰ له و حق الوارث قبل القسمة غیر متاكد یحتمل السقوط بالا سقاط انتهی. دعوای ایں احسان کہ از طرف اخوات برائے اخوان بعمل آمدہ است مواسات بسیار از طرف برادران خصوص در ولادت فرزندان و شادی فرزندان اخوان موافق رسوم مشہورہ معروف برائے اخوات مقرر و معہود است و در ادائے آں حقوق ہر گز برادران را بقدر مقدور جائے عذر و انکار باقی نیست بلکہ کلمات تقاضائے ایشاں را نہایت موجب سرور انبساط خاطر مے دانند پس اگر کسے غور کندہ ایں معنی محمول بر رضائے بالعوض نماید ممکن است کہ از کتب فقہ صورت آں نیز استخراج کند و اگر احدے از اخوات بر برادر دعوای حصہ خود نمودہ است برادران بالو مصالح نمودہ اند او راضی نمودہ اند و ایں معنی بسیار کمتر و نادرست است و بر نادر حکم مے تواں کرد انما تعتبر العادة اذا غلبت و طردت کمامر فتذکر در کتاب سرقہ در مواہب الرحمٰن مسطور است کہدر جواب قول امام یوسفؒ در اجرائے حد بر شخصے کہ با سلحہ برائے قطع طریق در مصر یا در قریہ یا درمیان دو قریہ بیروں آید۔ قال بعض المتاخرین ان اباحنیفة اجاب بذلك بناء علی عادة اهل زمانه فان الناس فی المصر فیما بین القری کانوا یحملون السلاح مع انفسهم فلیتحقق بذلك دفع قاصد الطریق و لو تحقق کان نادر افلا مبنی للحکم علیه. ہمچنیں عصبات ہم کہ اکثر برادران اعمامی ہستند از اخوات اعمامی خویشتن در صورت نہ بودن ابن العم حصہ خود را از اخوات اعمامی نہ گرفتہ اند و اسقاط حق خود نمودہ اند بلکہ ایں را قبیح پنداشتہ

اند کہ ماخوذ حصہ پدر خود را گرفتہ از حصہ عم خود ہم از بنات عم خویش نگر یم وایں تغافل ہم رسم ورواج این دیار گرویدہ ہمیں در ہر بلدہ استمرار دارد و ظاہر است کہ ایں معنی مخالفتے باشریعت ندارد والا اگر دعوی نمایند ممانعت یکسے نمیرسد بلکہ نمی نمایند فافہم باقی ماند از صورت مسئلہ دیگر وآں ایں است کہ اگر خواہر موافق معتاد سکوت در زیدہ و کلمات دعوی واسقاط راہیچ کس از زبان او نشیدہ و ترکہ پدر خود را در قبض وبرادر دو فوت نمودندہ اولاد خواہر علاتی از اولاد برادر دعوی حصہ مادر خود با جدہ خود نمایند و اولاد پسر کہ اخوات بموجب رسم ورواج و عرف متعارف ایں بلاو حصہ رانہ گرفتہ اند و ترک حق نمودند ہمیں سبب دادن حصہ باولاد قبول نمی نمایند پس اجرائے عرف متعارف مذکور دریں صورت اعتبار دارد پس مے گویم کہ جواب صورت مسئلہ مذکورہ در ذیل جواب صورت چہارم برآید و معلوم گردد و منتظر باید بود و تامل باید نمود۔ وجواب از صورت چہارم ایں است کہ رسم ورواج درمیان شرفاء ایں دیار ایں است کہ اولاد محجوب المیراث را مورث محروم نمی نمایند مثلاً شخصے دو پسر دارد یک پسر و زوجہ واولاد را گزشتہ روبروئے پدر فوت کرد رسم ورواج ایں است کہ در حین حیات خود اموال واملاک خود را تقسیم نمی کنند و بمقتضائے غیرت و شرافت زوجہ واولاد پسر متوفی محروم و محجوب نمی میکنند و بمقتضائے غیرت و شرافت زوجہ واولاد پسر متوفی محروم و محجوب نمی نمایند وچوں پدر مالک املاک خود است مملوکہ خود تجویز خود تقسیم می کند و ظاہر است کہ ایں رسم ورواج خلاف شریعت نیست چگونہ ایں رسم درمیان شرفاء ایں دیار جاری نباشد زیرا کہ نساء ارامل از غیرت شرافت از نکاح دیگر اجتناب آرند و صبر و شکیب دریں باب از لوازم شرافت شمارند اگر مورث آنہا واولاد آنہارا محروم گزارد و متکفل ایشاں کدام کس کند و عفت و عصمت ایشاں چگونہ برجائے ماند و تکفل و غمخواری ارامل و ایتام از خصائل جلیلہ اہل اسلام است۔ **الساعی علی الارملة و المسکین الحدیث** بلکہ ایں رسم را شرفای ایں دیار رواج دادہ اند جلائل خصائل بنی نوع انسان است شعر و قصیدہ ابی طالب عم رسول اللہ ﷺ قبل از بعثت آنجناب کہ در مدح آنجناب انشا نمودہ در صحیح بخاری مذکور است بایں صفت توصیف فرمودہ گفت ۔

وابیض لیستسقی الغمام بوجهه ☆ ثمال الیتامی عصمة للارامل

واگر احیاناً کسے از مورثان روبروئے خود تقسیم مملوکات خود نہ کرد زوجہ واولاد پسر متوفی بحکایت و کنایت محروم ہم نہ نمود دریں صورت ہم بعد از فوت پدر اولاد پسر محجوب حصہ خود را میگیرند اگر پسر دوم یا اولاد پسر دوم نمایند و بمنازعت پیش آیند عیاں آن بلدہ اتفاق نمودہ موافق ہماں عرف متعارف کہ مورثان او بروے جاری داشتہ اند اولاد و پسر متوفی را حصہ میدہانند و در تمام شرفاء ایں دیار کہ اکثرے از ایشاں علمائے دین دار گزشتہ اند خانہ بخانہ ہمیں تعامل و تعارف موسوم است و سکونت مورث را موافق معتاد بمنزلہ تقسیم واعطائے مورث میدانند چرا کہ در بعضی مقام بعضے از مورثان کہ روبروئے خود تقسیم نہ کردہ فوت نمودہ است خود بر حصہ مورث محجوب المیراث خود موافق رسم ورواج آن بلدہ متصرف بودہ است پس سکوت بمنزلہ اشتراط اعطاء و تقسیم است۔ **قال فی الاشباہ و النظائر ومما یعرف علی ان المعروف کالمشروط لوجھز الاب بنتًا جھازاو دفعه الیھا ثم ادعی انه عاریة ولا بنیة ففیه اختلاف و الفتوی انه کان العرف مستمرا بان**

الاب یدفع ذلك الجهاز ملکا لا عاریة لم یقبل قوله فان کان العرف مشترکا بقول الاب کذافی شرح منظو مة ابن وهبان وقال قاضی خان و عندنا ابن الاب ان کان من کرام الناس و اشرافهم لم یقبل قوله و ان کان من اوساط الناس کان القول قوله انتهی و فی الکبری للقاضی ان القول للزوج بعد موتها و علی الاب البینة لان الظاهر شاهد للزوج کمن دفع ثوبا الی القصار لیقصره ولم یذکر الاجرفانه یحمل علی الاجارة بشهادة الظاهر پس ازینجا مفهوم میشود کہ سکوت بشہادت تعامل فیمابین اعیان آں بلدہ قائم مقام تقسیم واعطاء خواہدبود واللہ اعلم بالصواب اگر کسی گوید کہ سکوت بنات رابر رضائی اسقاط حق بنات بموجب تعامل متعارف محمول نمودہ خلاف منصوص بشمار ندوجہے وارد مگر در صورت دعوی اولاد محجوب المیراث حمل ایں معنی مشکل است چراکہ طلب ایشاں اگر بر طریق وراثت است وراثت کجاست واگر بر طریق توہب است شروط ہبہ مفقوداست پس اجرائے ایں تعامل در حق اولاد محجوب در صورت سکوت مورث توافق باشریعت دشوار است پس جواب آں این است حقیقت حال دراجرائے ایں تعارف ایں است کہ اولاد محجوب المیراث جواب میدہند کہ ہرگاہ مورث ماد تمام اعیان ایں بلدہ بموجب رسم ورواج مستمرہ بر حصہ محجوب المیراث متصرف بودہ اند پس سکوت اوبر رضائے اوکہ حصہ ہا را گواز مارو بروئے خود از ملکیت خود برآوردہ فوت کردہ است اگر محمول نہ نمایند قطع نظر ازیں کہ موجب طعن بر مورث از خروج اواز عادت مستمرہ فیمابین براوری است پس ہر یک متصرف بر حصہ محجوب المیراث است دست برادر نشوندوایں رسم مروج رابالکل موقوف ساز ندواعیان آں بلدہ مجوز ایں معنی نمیشوند ومیگو یند کہ ایں معنی موجب خرچ کثیر ووقوع منازعت واختلال درانتظام امور کہ ازابتداء تاالیوم فیمابین ہمہ جاری است وساری است میشودومتعارف است کہ مورث روبروئے خود خواہ بہ تحریر در قرطاس خواہ بتقریر فیمابین الناس اقرار میکند وہمیں میگوید کہ چنانچہ ایں پسر من بعد من مالک متروکہ من است کہ اولاد پسر متوفی من ہم مالک حصہ خود ہستند بعد من حصہ خود ہا رابر اچنانچہ رسم است متصرف باشند وحجت را روبروئے خود تحریریا بتقریر بر طرف میسازو پس سکوت یکے ازانہا بسیار کمتر ونادر است معمول بر ہمیں تعارف متعارف خواہد بود اگر کسے گوید کہ انچہ ازارث بسوئے ورثہ ازاسباب ملکیت ضروریہ است بعد از فوت مورث تحریر و تقریر مذکور در رفع حجت وثبوت توہب مفید نخواہد شد۔ پس جواب ایں است کہ تحریرو تقریر مورث رادر توہب اوبرائے اولاد معتبر داشتہ اندو قول فقہاء راکہ اذا وهب الاب للطفل تتم بالعقده دریں مقام تمام دانستہ اند خصوص دراراضی مملوکتہ الرقبتہ خراجیہ کہ اقباض آں دراختیار حکام است تحریر مورث در توہب آں برائے اولادآں کافی خواہد بودوایں است وجوہ توافق عرف باشرع کہ رسم ورواج ہندوستان است۔ واللہ اعلم بالصواب.

امور مذکورۃ الصدر کی بناء پر حکم مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس زمانہ کا دین مہر بذمہ ورثہ واجب نہیں اور نہ ورثہ کو حق مطالبہ حاصل ہے یہاں تک تقریر مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ازروئے قواعد صورت زیر بحث میں دونوں جانب فتوی دینے کی گنجائش ہے یعنی وجوب مهر فی ذمته

الورثه اور سقوط من الذمه اب علمائے محققین اپنی تحری سے جس جانب کو ترجیح دیں قابل عمل ہو گی اور انشاء اللہ مواخذہ اخروی نہ ہو گا لیکن احوط و مختار اس بارے میں وہ قول معلوم ہوتا ہے جو اشباہ و نظائر سے قسم ثانی نمبر امیں نقل ہوا ہے کہ اس کو ورثہ کی تحری اور ظن غالب پر چھوڑا جائے اگر ان کو عرف ورواج یا قرائن خاصہ سے اس کا ظن غالب ہو کہ مدیون مہر نے مہر ادا کردیا یا معاف کرالیا ہے تب توان کے ذمہ ادائے مہر واجب نہیں اور اگر ورثہ وائنہ مطالبہ بھی کریں اور ان کو حلف دینے پر اصرار کریں تو ورثہ اپنے بری ہونے پر حلف بھی کر سکتے ہیں اور اگر ظن غالب کسی جانب نہ ہو شک رہے تب بھی ان کے ذمہ واجب نہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ صورت شک میں اپنے فریق ثانی کو کچھ دے کر یا اور کسی طرح راضی کرلے اور ورثہ کو مطالبہ کا حق اس وقت تک نہیں جب تک کوئی حجت اس کی پیش نہ کریں کہ عورت نے مہر نہ لیا ہے اور نہ معاف کیا ہے اور نہ معافی کرنے پر راضی تھی۔

(فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) کتبه احقر محمد شفیع غفرله

لله در المجیب اصاب فیما اجاب

محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح۔بندہ محمد رسول خان عفااللہ عنہ۔

باب انکحة المشرکین و الکافرین
(مشرکین اور کفار کا نکاح)

نو مسلموں کا نکاح رہن کی ایک صورت اور اذان خطبہ جمعہ

(سوال ٥٤٤)ایک عورت مسلمان شادی شدہ عیسائی ہو جاتی ہے عرصہ کے بعد پھر وہ مسلمان ہو جاتی ہے کیا پہلا نکاح قائم ہے یا دوبارہ نکاح ہونا چاہیئے۔؟

(۲)ایک عورت غیر مذہب شادی مسلمان ہوتی ہے ایک ہفتہ کے بعد خاوند بھی مسلمان ہو جاتا ہے آیا نکاح سابق بحال ہے یا دوسرا نکاح کیا جاوے بعد اسلام لانے کے عورت کا نکاح دوسری جگہ کردیا تھا اب حق نکاح کس کا ہے۔؟

(۳)مرتہن جو نفع مرہون کا کھاتا ہے اور اپنا پورا روپیہ راہن سے وصول کرتا ہے یہ سود تصور ہو گا یا نہیں۔؟

(۴)خطبہ کی اذان آیا صف اول میں امام کے سامنے پڑھی جاوے یا باہر صحن مسجد میں امام سے دور ہو کر پڑھی جاوے۔؟

(۵)اقوام سید و قریشی جو اقوام دیگر ہیں وہ شادی لڑکیوں کی کر سکتے ہیں۔؟

(الجواب) تجدید نکاح کی ضرورت ہے کیونکہ بوجہ ارتداد پہلا نکاح فسخ ہو چکا تھا کذافی الہدایۃ والدر۔

(۲)دارالحرب میں عرض اسلام کا اعتبار نہیں بلکہ اتنی مدت انتظار کرنا ضروری ہے کہ عورت کو تین حیض

آجائیں جب تین حیض (اور اگر حیض نہیں تو تین ماہ) گزر جائیں اس وقت اس عورت کا نکاح اپنے خاوند کافر سے فسخ ہوگا۔ لہذا اس سے پہلے اگر دوسرا نکاح کردیا گیا ہے تو وہ صحیح نہیں ہوا۔ ہفتہ کے بعد جب وہ خاوند مسلمان ہوگیا عورت اسی کو ملے گی اور نکاح جدید کی ضرورت نہیں. قال فی الهداية واذا اسلمت المرأة فی دار الحرب و زوجها كافرا واسلم الحربی و تحته مجوسية لم يقع الفرقة عليها حتى تحيض ثلث حيض ثم تبين من زوجها وهذا لان الاسلام ليس سببًا للفرقة والعرض على الاسلام متعذر لقصور الولاية ولا بدمن الفرقة دفعاً للفساد فاقمنا شرطها وهو مضى الحيض مقام السبب كما فی حضر البير. هداية باب النكاح اهل الشرك.

(۳) رہن کی آمدنی سود ہی کے حکم میں ہے۔ وهذا هو القول المختار المفتی به كذا قاله الشامی.

(۴) امام کے سامنے اور قریب ہونی چاہئیے پھر مسجد کے اندر ہو یا باہر دونوں طرح درست ہے۔

(۵) کرسکتے ہیں برضائے اولیاء۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نکاح کے متفرق مسائل

ایک جگہ ناطہ کردینے کے بعد بلاوجہ توڑ دینا گناہ ہے

(سوال ۴۴۶) غلام حسن خان نے اپنی لڑکی کا ناطہ روبرو گواہوں کے فضل الٰہی خان کے لڑکے سے کردیا کچھ عرصہ بعد غلام حسن نے اپنی لڑکی مذکورہ کا نکاح دوسری جگہ کردیا اس کیلئے کیا حکم ہے اور لڑکی مذکورہ کا نکاح دوسری جگہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور جو عالم ایسا نکاح کردے اس کے اور گواہوں کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) ناطہ جس کو منگنی کہتے ہیں ایک وعدہ ہے اور وعدہ کرکے بلاوجہ پھر جانا ناجائز ہے اور اگر اول ہی سے ارادہ وعدہ پورا کرنے کا نہ ہو تو علامت نفاق ہے جو سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ہے اية المنافق ثلاثة اذا وعد اخلف الحديث مشكوة وقال فی اللمعات من باب الوعد وقيل الخلف فی الوعد بغير مانع حرام وهو المراد ههنا و كان الوفاء بالوعد ماموراً به فی الشرايع السابقة.

ایضاً۔۔الغرض اگر غلام حسن نے بلاوجہ خلاف کیا ہے تو سخت گناہ گار ہوا اس کو توبہ کرنی چاہئیے اور اگر عذر پیش آیا تو مضائقہ نہیں لیکن نکاح دوسری جگہ کیا گیا وہ بہر حال بلاشبہ درست و صحیح ہے۔ اس لئے نکاح کے پڑھنے والے اور گواہوں پر کوئی گناہ نہیں۔ ۲۷ صفر ۱۳۵۰ ہجری

ایضاً۔۔۔(سوال ۴۴۷) زید نے اپنی چھوٹی لڑکی کو اپنے بھائی عمر کے لڑکے سے نامزد کیا اور پھر انکار کردیا لڑکی خواہش مند ہے کہ میرا نکاح وہیں کیا جائے اور اپنی چچی سے اشارۃً کہتی ہے کہ میرا نکاح یہیں ہو۔ ایسی صورت میں زید کے بھائی عمر لڑکی کے چچا کو اختیار ہے کہ وہ لڑکی کا نکاح یہیں کردے۔؟

(الجواب) زید کو بدون کسی قوی عذر کے وعدہ خلافی نہ کرنی چاہئے خصوصاً جب کہ لڑکی کی مرضی کے بھی

خلاف ہو پھر اگر لڑکی بالغہ ہے تو بغیر اس کی رضا و اجازت کے کسی جگہ نکاح نہیں ہو سکتا نہ باپ کر سکتا ہے نہ کوئی دوسرا اور اجازت سے سب کر سکتے ہیں اگر باپ کی منشاء کے خلاف لڑکی نے اپنے چچا عمر کو وکیل بنا کر اپنا نکاح اسی جگہ کرالیا جس جگہ رشتہ ہوا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا باپ کو فسخ کرنے کا حق نہیں رہے گا بشرطیکہ مہر مثل سے کم نہ رکھا جائے۔ کذافی سائر کتب الفقه مفصلاً ۔۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری۔

منگنی کرنے کے بعد بلا عذر شرعی پھر جانا گناہ ہے

(سوال ۴۴۸) جو شخص اپنی لڑکی تین جگہ منسوب کرنے کو نامزد کر کے تاریخ مقررہ شادی سے ایک دو یوم پہلے پھر منحرف ہو کر جواب دیدے تو ایسے شخص کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) اگر بلا عذر شرعی ایسا کرتا ہے تو سخت گناہ گار ہے اول تو اس لئے کہ جب منگنی کو منظور کر لیا تو ایک وعدہ ہو گیا وعدہ کر کے بلا عذر شرعی پھر جانا جائز نہیں دوسرے اس لئے کہ اس میں فریق ثانی کا نقصان ہوتا ہے مسلمان کو نقصان پہنچانا جائز نہیں البتہ اگر کوئی عذر شرعی پیش آجائے مثلاً لڑکی نامنظور کردے یا لڑکے کا کوئی ایسا حال یا عادت معلوم ہو کہ جس کی وجہ سے نکاح کرنے کو عادۃً لوگ پسند نہ کرتے ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ابو داؤد کی ایک روایت مرفوع میں اس مضمون کی تصریح ہے۔

لفظ رشتہ اور نسبت سے نکاح نہیں ہوتا

(سوال ۴۴۹) ایک شریف کی دو لڑکیاں ہیں ایک کی عمر پندرہ سال چھ ماہ اور دوسری کی عمر بارہ سال چند ماہ کی۔ لڑکیوں کے والد نے بڑی لڑکی کی نسبت اپنے ایک رشتہ کے بھانجے سے کردی تھی دوسری کی نسبت بعد میں اپنے ہی کنبہ کے ایک شخص سے کردی تھی لیکن چھوٹی لڑکی کی جو نابالغ ہے چالیس سال زیادہ عمر کے شخص کے ساتھ نسبت کی ہے اور بڑی جو بالغ ہے اس کی تقریباً پچیس سال کی عمر کے شخص کے ساتھ نسبت کی ہے اب جو لڑکی کے والدین سے اس طرح کہا گیا کہ اپنے ہی گھر کی بات ہے روپیہ پیسہ تم نے کوئی سی لڑکی پر نہیں لیا دونوں لڑکیوں کی نسبت خدا کے واسطے کردی ہے اور صرف نسبت کرنے سے کوئی عقد شریعت کا حکم نہیں آجاتا والدین کو مجاز ہے کہ اگر کوئی بات بہتری کی دیکھیں تو عقد سے پہلے رشتہ بدل سکتے ہیں اس لئے مناسب اور افضل بات یہ ہے کہ بڑی لڑکی کا نکاح جو شخص چالیس سے زیادہ عمر کا ہے اسکے ساتھ کردیا جاوے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹی عمر والے سے کیا جاوے کیونکہ انصاف کی بات یہی ہے تو اس پر لڑکیوں کا والد کہتا ہے کہ جو ہو گیا سو ہو گیا ہم اپنی لڑکیوں کے بدلکر رشتہ دو دو خاوند نہیں کرانا چاہتے ہیں لڑکیوں کی یوں ہی قسمت تھی جن کے ساتھ پہلے نسبت کا نام لے لیا گیا ایسے ہی رہے گا حالانکہ ابھی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ لہذا عرض ہے کہ کیا یہ بات شریعت کے خلاف ہے کہ بڑی لڑکی کا نکاح بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا چھوٹے لڑکے سے کردیں یا شریعت کے عین مناسب ہے اور جو بات شریعت میں جائز بلکہ افضل ہو تحریر فرمایا جاوے تاکہ عقیدہ باطلہ کی اصلاح کی جاوے۔

(الجواب) رشتہ اور نسبت سے نکاح نہیں ہو تا بلکہ یہ وعدہ نکاح ہے اور اگر تبدیل کرنے میں مصلحت ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو یہ ردوبدل کرنا یعنی بڑی لڑکی کا نکاح بڑے لڑکے سے اور چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے سے کرنا بلا تامل جائز ہے اور اس کو ناجائز سمجھنا درست نہیں ہے۔ ؟

کچھ مدت کے لئے نکاح کرنا حرام ہے

(سوال ۴۵۰) کیا یہ جائز ہے کہ مدت معین کر کے نکاح کر لیا جائے۔ ؟

(الجواب) یہ نکاح حرام ہے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں نکاح موقت کہتے ہیں صرح بحرمته فی الهدایة و غیرها البتہ اگر کوئی زبان سے یہ عقد نہ کرے اور دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دنوں کے بعد طلاق دیدیں گے تو نکاح درست ہو جائے گا اگرچہ یہ بھی سخت گناہ ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

زوجہ کے ساتھ تفخیذ کرنا

(سوال ۴۵۱) بلا ضرورت اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کے ساتھ تفخیذ یا مساس سے انزال کرے تو گناہ ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اپنے ہاتھ وغیرہ سے یا کسی اجنبی مرد یا عورت کے ہاتھ وغیرہ سے انزال کرانا گناہ ہے حدیث میں ہے ناکح الید ملعون۔ البتہ اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا شدید اندیشہ ہو جائے تو اگر اس سے بچنے کے لئے اپنے ہاتھ سے ایسا کرے تو شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔ کذافی الدر المختار من الصوم باب ما یفسد الصوم اور اپنی زوجہ کے ہاتھ وغیرہ سے انزال کرنا اگر بضرورت ہو تو بلا کراہت جائز ہے۔ مثلاً حیض و نفاس وغیرہ کے عذر سے جماع نہیں کیا جاسکتا اور غلبہ شہوت کی وجہ سے صبر مشکل ہے وغیر ذلک۔ اور اگر بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے۔ والدلیل علیه مافی الشامی من المعراج ویجوزان یستمنی بیدزوجته و خادمته و سیذکرالشارح فی الحدود انه یکره ولعل المراد به کراهة التنزیه فلا ینا فی قول المعراج یجوز تامل شامی صفحه ۱۰۳ ج ۲. ربیع الاولی ۱۳۵۰ هجری

نکاح ہو جانے کے بعد کسی کا یہ دعوی کرنا کہ یہ عورت میری منکوحہ ہے

(سوال ۴۵۲) ایک شخص نے اپنی لڑکی باکرہ بالغہ کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا جب وہ عورت اپنے خاوند زید کے ساتھ دس ماہ مرادآباد رہ چکی اور اس عرصہ میں عمر اپنی والدہ کی فوتگی پر گھر آیا اور خیرات کر کے باوجود دیکھنے آبادی زید وبیوی کے واپس سفر میں چلا گیا بعد اس کے گیارہ ماہ میں آیا اور عید الاضحی کے روز بعد نماز عید عمر نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ میرا نکاح تیری لڑکی کے ساتھ جب تیری اذن سے ہو چکا ہے تو تو نے امام مسجد ہو کر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کیوں پڑھادیا میرے ساتھ شرعی فیصلہ کر۔

جب لڑکی کا باپ شرعی فیصلہ پر آمادہ ہوا تو عمر پھر سفر میں چلا گیا دو ماہ گزار اکر پھر گھر آیا اور شرعی فیصلے کے لئے

لڑکی کے باپ کو بلایا اور دو گواہ بھی تیار ہوئے کہ ہمارے روبرو لڑکی مذکورہ کا ایجاب و قبول لڑکی کے باپ نے عمر کو کرادیا تھا پہلے زید سے حالانکہ یہ گواہ زید کے نکاح میں شامل رہے ایک نے ان میں سے وکیل لڑکی کا ہو کر اجازت لے کر مجلس میں زید کے ساتھ نکاح پڑھا تھا اور ایک سال تک خاموش آبادی دیکھتے رہے اور زید کے نکاح میں بھی شامل رہے۔

(۱) کیا مدعی عمر کا خاموش رہنا عرصہ دراز تک باوجود علم نکاح ثانی اور تصرف مالکانہ ناکح ثانی اس کے دعوے کو مسترد کرتا ہے یا نہیں۔؟

(۲) اور گواہان کی گواہی کے باوجود وکالت نکاح ثانی کے اور علم تصرف مالکانہ ناکح ثانی کے اتنے عرصہ خاموش رہنا اور گواہی کو زبان پر نہ لانا گواہی کو بھی مسترد کرتا ہے یا نہیں۔؟

(۳) میعاد شہادت حسبہ کی کیا ہے۔؟

(۴) اور کیا محکم بلاوجہ تاخیر حکم میں ایک ہفتہ گزار کر حکم دیوے تو حکم مسترد ہوتا ہے یا نہیں۔ اور صورت بالا میں مدعی اور گواہان کی گواہی کو جائز رکھ کر حکم نکاح اول کا دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) کیا لڑکی کا باپ بعد مسترد ہونے دعوے عمر اور شہادت گواہان کے امامت سے معزول ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جواب دوسری جگہ لکھا ہوا ہے دیوبند سے تصدیق کی گئی اقول باللہ التوفیق اگر واقعی صورت مرقومہ استفتائیہ صحیح ہے تو دعوی مدعی عمر کا شرعاً مردود ہوگا کیونکہ عرصہ دراز ناکح ثانی کو بضع میں تصرف مالکانہ کرتا دیکھتا رہا اور بغیر مانع کے ساکت رہا۔

حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار متی ثبت ان الخصم عاین ذاالید یتصرف فی المتنازع فیہ تصرف الملاک وھو ساکت عن المعارضۃ من غیر مانع کان ذلک مانعاً من الدعوی انتھٰی۔

(۲) اور گواہوں کا اتنے عرصے خاموش رہنا اور ثانی نکاح میں گواہ اور وکیل بن کر نکاح کرادینا اور عورت کے بضع میں ناکح ثانی کو سال بھر تصرف مالکانہ کرتے دیکھنا اور شہادت کو زبان تک نہ لانا شہادت کو مسترد کردیتا ہے۔ در مختار شامی صفحہ ۴۰۸ کتاب الشھادت ویجب الأداء بلا طلب لوالشھادۃ فی حقوق اللہ تعالٰی وھی کثیرۃ عدمنھا فی الاشباہ اربعۃ عشر قال و متی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فتردوالعذر کمرض او بعد مسافۃ او خوف طریق۔

(۳) میعاد شہادہ حسبہ کی اصح روایت میں ایک ماہ ہے۔ شامی صفحہ ۱۷۲ اعلم ان التقادم عند الامام مفوض الی رای القاض فی کل عصر لکن الاصح عن محمدؒ انہ مقدر بشھر وھو مروی عنھما ایضاً۔

(۴) جب دعوی عمر کا اور گواہان کی گواہی شرعاً مردود ہے تو کسی بے علم کا دعوی مدعی عمر کا سن کر اور گواہان کی گواہی لے کر حکم صحت نکاح اول کا دینا محض اتباع نفس ہے کیونکہ مقلد بغیر قول مفتی بہ کے فتوی نہیں دے سکتا شامی صفحہ ۲۳۶ ج ۴۔ بل المقلدمتی خالف معتمد مذھبہ لا ینفذ حکمہ و ینقض

هو المختار للفتوی اور قاضی حکم میں بلاوجہ اگر تاخیر کرے تو فاسق ہو جاتا ہے۔ فی الاشباہ لا یجوز للقاضی تاخیر الحکم بعد وجود شرائطہ الخ شامی صفحہ ۳۸۳ ج ٤ وفی الفصل الاول من جامع الفصولین القاضی بتاخیر الحکم یاثم و یعزر و یعزل.

یعنی قاضی اگر حکم میں بلاوجہ تاخیر کرے تو گناہ گار ہوتا ہے تعزیر کیا جاوے اور معزول کیا جاوے جب قاضی کا یہ حکم ہے تو ایسے بے علم کو جس کو قواعد شرعیہ سے بالکل واقفی نہیں حق فتوی دینے کا کب حاصل ہے۔ در مختار والفاسق لا یصلح مفتیاً

(۵) بعد مردود ہونے دعوے مدعی اور گواہی گواہان کے لڑکی کے باپ کی امامت میں کوئی نقص شرعی نہیں تاکہ اس کو معزول کیا جاوے لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ بعد اظہار حق ہذا کے جو شخص بلاوجہ لڑکی کے باپ کو ملامت کرے اور عمر اور گواہان مردود الشہادت کی پاسداری کرے اس پر تعزیر شرعی قائم ہوگی. ھذا ما علیہ الاحناف رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین. فقط کتبہ احمد الدین۔ الجواب صحیح محمد شفیع عفااللہ عنہ

نکاح کے وقت تجدید ایمان یا کلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں

(سوال ٤٥٣) زوجین قبل از نکاح عرفی مسلمان تھے یعنی عالم بالایمان والاسلام نہیں تھے لیکن امارات مسلمان یعنی گائے کھانا، ختنہ کرنا، ٹوپی پہننا، داڑھی رکھنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا، نماز پڑھنا وغیرہ بہت سے ظاہری اعمال اسلامی ان سے سرزد ہوا کرتے تھے اس حالت پر دونوں میں نکاح شرعی منعقد ہوا تھا اب عندالشرع اس نکاح کا کوئی اعتبار ہے یا نہیں۔ بہر تقدیر کیوں اور ایسے دو عرفی مسلمان زوجین میں بعد از اصلاح ایمانی واسلامی پھر تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بہر تقدیر کیوں۔ ؟

(الجواب) مسلمان ہونے کے لئے عرفی مسلمان ہونا اور اجمالی ایمان کافی ہے جب تک کہ خلاف ایمان کوئی بات ان سے سرزد نہ ہو اس لئے یہ دونوں مرد و عورت ابتداء سے مسلمان ہیں ان کے اسلام اور نکاح میں کسی قسم کا شبہ بغیر دلیل کفر کے کرنا جائز نہیں حدیث میں ایک کنیز کے متعلق محض ایمان اجمالی پر مومنہ ہونے کی تصدیق وارد ہے۔ ارشاد ہے اعتقھا فانھا مومنۃ

اور اگر بالفرض پہلے مسلمان بھی نہ ہوتے تو جب کہ دونوں کی اصلاح ایمان واسلام کے ساتھ ساتھ ہوں جب ان کا نکاح بقواعد فقہیہ بدستور باقی و صحیح ہے کمافی الھدایہ و سائر کتب الفقہ من قولھم اقرا علیہ۔ بہر حال ان کے نکاح میں کسی قسم کا شبہ نہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) ۱۳ شوال ۵۰ ہجری

نابالغ بچہ اگر ممیز ہو تو اس کا پڑھایا ہوا عقد نکاح درست و صحیح ہے

(سوال ٤٥٤) اگر کوئی لڑکا جس کی عمر ۱۳ سال ہو نکاح پڑھادے (کیونکہ وہ نکاح کے عقد ایجاب و قبول پڑھانے سے واقف ہے اس نے رٹ لئے ہیں) تو نکاح صحیح ہو جائے گا یا نہیں۔ ؟

(الجواب) نکاح پڑھنے والا عموماً ہمارے عرف میں محض ترجمان اور معبر کی حیثیت رکھتا ہے اور صبی ممیز یعنی

جو عقد نکاح وبیع وغیرہ کو سمجھتا ہو وہ ترجمان بن سکتا ہے اور اگر اس کو وکیل ہی قرار دیں جب بھی صبی ممیّز کی وکالت صحیح ہے لمافی الاشباه و یصح توکیله اذا کان یعقل العقد و یعقده احکام الصبیان من الاشباه صفحه ۱۴۵ ج مصری -الغرض اس لڑکے کا نکاح پڑھنا جائز و معتبر ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

نکاح کے وقت جو وعدے کئے گئے ان کا ایفاء کس حد تک ضروری ہے

(سوال ۴۵۵) شوہر نے زوجہ سے قبل نکاح معاہدہ کیا کہ میں سسرال میں رہوں گا۔ اور زوجہ کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گا اور اس معاہدہ پر خسر نے داماد کے نام ایک جائیداد لکھدی ہے اس معائدہ کا پورا کرنا کہاں تک زید کے ذمہ ضروری ہے۔ ؟

(۲) اگر میں دوسری شادی کرلوں تو میری زوجہ کو اختیار ہے کہ مجھ سے فارغ خطی لے لے۔ ؟

(۳) کوئی راستہ شریعت میں ہے کہ میں دوسری شادی کرلوں اور پہلی بیوی کی فارغ خطی بھی نہ ہو۔ ؟

(۴) اگر میں دوسری شادی کرلوں تو جائیداد مجھے شیخ روشن نے دی ہے وہ شرعاً ان کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں۔ ؟

(۵) عقد سے پیشتر جو اقرارنامہ بابت اس کے کہ مسماۃ زینب کی رخصت انتہائی مجبوری میں ہوگی لکھا تھا شرعاً مجھے اس کا پابند ہونا پڑے گا یا نہیں۔ ؟

(الجواب) ایفائے وعدہ ضروری ہے لیکن جب کوئی عذر شرعی پیش آجائے تو پھر واجب نہیں رہتا حدیث میں ہے اذا وعد الرجل ونوی ان یفی فلم یف به فلا جناح علیه و فی روایة اخری فلا اثم علیه رواه ابوداؤد و الترمذی وقال فی شرح الطریقة المحمدیة فی تفسیر هذا الحدیث فلم یف به لتعذر ذلك علیه او تعسره اولم تسمح به نفسه حدیقه شرح طریقه صفحه ۴۵۹ ج ۱.

صورت مذکورہ میں چونکہ آپ کا عذر عندالشرع مقبول و معقول ہے کہ اب سسرال میں گزارہ کی مستقل صورت نہیں رہی اور ملازمت کے چھوڑنے میں قوی اندیشہ پریشانی وذلت کا ہے اس لئے ملازمت ہرگز نہ چھوڑیں اور آپ کو شرعاً جائز ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھیں اور بہتر یہ ہے کہ بلا سخت مجبوری کے دوسرا نکاح نہ کریں کہ سخت پریشانیوں اور دینی ودنیوی ضرر کا باعث ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر آپ نے معاہدہ میں کوئی ایسا لفظ نہ لکھا تھا کہ اگر میں بعد نکاح خلاف وعدہ کروں یا دوسری شادی کروں تو زوجہ پر طلاق ہے تو طلاق یا فارغ خطی نہیں ہوگی۔ ؟

اور کوئی ایسا لفظ معاہدہ میں لکھا تھا تو وہ الفاظ بتائے جائیں نمبر ۲، ۳ میں مذکور ہو چکا۔

(۴) اس وعدہ کا ایفا تو آپ کے ذمہ ضروری نہیں لیکن جو جائیداد آپ کو اس وعدہ کی وجہ سے شیخ روشن نے دی تھی اگر آپ وعدہ وفانہ کریں تو مروۃً آپ کو مناسب ہے کہ وہ جائیداد واپس ان کے ورثاء کو کردیں اگرچہ قانوناً آپ کی ملک ہو چکی۔

(۵) جہاں تک مجبوری ہو آپ کو اقرارنامہ کی پابندی ضروری ہے لیکن خوف زنا وغیرہ عذر معقول ہے اس بناء

پر کچھ دنوں کے لئے آپ اپنے پاس رکھیں بقدر ضرورت رکھیں اور پھر میکہ پہنچادیں اور جہاں تک ہو سکے اس کی کوشش کریں کہ فریق ثانی کی رضاء وخوشی سے معاملہ طے ہو جائے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

متفرق مسائل نکاح وطلاق

(سوال ٤٥٦) زن مومنہ نمازی ایک شرابی زانی مسلم بلکہ جو ہر افعال شنیعہ کا مرتکب ہو اس کی بیوی بننے کی مستحق ہے یا نہیں۔؟

(۲) اگر والدین نے زن موصوفہ بلا تحقیق ایک ایسے شخص کے عقد میں دیدی جو ہر برے افعال کا مرتکب ہو تو وہ اس کی بیوی رہے گی یا نہیں۔؟

(۳) زید بحالت عتاب زیدہ کے سر کے بال کاٹتے ہوئے اپنے گھر سے نکالدے یا میکہ پہنچادے اور کہے کہ تم اپنی دوسری شادی کرلو ہم کو تم سے کوئی واسطہ اور سروکار نہیں کیا زیدہ زید پر حلال ہے یا نہیں۔؟

(۴) زید نے زیدہ کو یہ الفاظ بھی کہے کہ تم ہماری نگاہوں سے دور ہو جاؤ اور اپنے میکہ چلی جاؤ آج سے نہ تم میری بیوی نہ میں تمہارا شوہر تو زیدہ زید کی زوجیت سے باہر ہوئی یا نہیں۔؟

(۵) زید زیدہ سے یہ کہے کہ میں تمہاری ماں سے لواطت کروں گا اور تمہاری بہن سے بھی زنا کروں گا آیا زیدہ زید کی زوجہ حقیقی معنے میں رہی یا نہیں۔

(٦) زید اگر یہ اقرار کرے کہ جتنے دنوں بھی زیدہ کو رکھا ایک بازاری عورت سمجھتے ہوئے رکھا اور پھر بھی رکھیں گے تو اسی نیت سے رکھیں گے اور میں کسی کے کہنے سے افعال شنیعہ سے باز نہیں آؤں گا اگر زیدہ کو منظور ہے میرا ساتھ دے ورنہ دوسرا عقد کرلے اس صورت میں زیدہ کا عقد برقرار رہا یا نہیں۔؟

(۷) اگر زید اس امر کا اظہار کرے کہ زیدہ نے میکہ جاکر اپنے سوتیلے باپ سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا لہذا وہ ہمارے لائق نہ رہی ہماری جانب سے اس پر طلاق ہو گئی نہ وہ میری بیوی رہی نہ میں اس کا شوہر کیا یہ الفاظ معنے طلاق رکھتے ہیں یا نہیں۔؟

(۸) زیدہ عرصہ ڈیڑھ سال سے میکہ میں ہے جس کے کفیل والدین ہیں اس عرصہ میں زید نے یا اس کے والدین نے زیدہ کے نان نفقہ کی خبر نہیں لی۔؟

(الجواب) اگر بوقت نکاح عورت اور اس کے اولیا نے ایسے فاسق شخص سے نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا خواہ سہواہی کیا ہو یعنی اس کا حال معلوم نہ تھا اس لئے نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہو گیا اب نہ عورت کو اختیار فسخ ہے نہ اس کے اولیاء کو البتہ اگر عورت یا اس کے اولیاء نے منگنی یا نکاح کے وقت یہ شرط لگائی تھی کہ خاوند فاسق وبد معاش نہ ہو یا فریق ثانی نے دھوکہ دے کر یہ ظاہر کیا کہ وہ فاسق نہیں پھر معلوم ہوا کہ فاسق ہے تو زوجہ اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے۔

قال فی الدر المختار ولوزوجها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفائة ثم علموا لاخیار لاحد الااذا شرطوا الکفاء ة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذلك ثم ظهرانه غیر

كفولها كان لهم الخيار ولو الجيه فليحفظ شامى صفحه ٤٣٧ ج ٢.
(۲) نمبر اول میں اس کا جواب بھی آچکا ہے۔
(۳) یہ الفاظ کہ تم دوسری شادی کرلوں کنایہ طلاق کی قسم ثالث ہے جس کو اگر حالت غصہ میں یا مذاکرہ طلاق کے وقت کہے تو ایک طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے صورت مسئولہ میں بھی چونکہ غصہ میں کہا گیا ہے لہذا ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔
(۴) یہ الفاظ کنایہ طلاق کی قسم دوم ہے جس سے بغیر نیت طلاق یا مذاکرہ طلاق کے طلاق واقع نہیں ہوتی لیکن اگر الفاظ مذکورہ نمبر ۳ حالت غصہ میں کہہ چکا ہے تو وہ طلاق کے لئے کافی ہیں۔
(۵) ان لفظوں سے کوئی طلاق وغیرہ نہیں پڑھتی۔
(۶) ان لفظوں کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ۳ میں مذکور ہوا۔
(۷) یہ الفاظ صریح طلاق کے ہیں اگر واقع میں یہ الفاظ کہے ہیں تو ایک طلاق ان لفظوں میں پڑھ گئی خواہ نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔
(۸) الفاظ مذکورہ نمبر ۷ یا نمبر ۳ اگر کہے تو طلاق پڑ گئی لہذا اب نان نفقہ کا قصہ نہ رہا۔
(نوٹ) اگر زید نے یہ الفاظ کہے ہیں جو نمبر ۳ اور نمبر ۴ اور نمبر ۷ میں مذکورہ ہوئے مختلف اوقات میں علیحدہ علیحدہ کہے تو تین طلاقیں پڑ جانے کا بھی احتمال ہے لیکن اس کا صحیح جواب جب ہو سکتا ہے جب ترتیب بتلائی جائے کہ پہلے کون سے لفظ کہے اور پھر کون سے۔(واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

كتاب الطلاق

باب ايقاع الطلاق

(طلاق دینے کا بیان)

طلاق نابالغ کا حکم

(سوال ٤٥٧) صبی نابالغ کی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صبی اور مجنون اور معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لمافی الدر المختار ولايقع طلاق الى قوله المجنون (الى) والصبى (الى) والمعتوه وقال فى الهداية ولا يقع طلاق الصبى و المجنون و النائم واخرج الترمذى مرفوعاً كل طلاق جائز الاطلاق المعتوه المغلوب على عقله الخ. وروى ابن ابى شيبه في مصنفه عن ابن عباس لا يجوز طلاق الصبى انتهٰى كذافى تخريج الزيلعى على الهدايه۔ پس حنفی کو یہ جائز نہیں کہ صبی یا مجنون یا معتوہ کی طلاق کوواقع کہے البتہ امام احمدؒ کے مذہب میں ایک روایت طلاق صبی کے وقوع کی بھی ہے لیکن اول توان کے مذہب میں روایات مختلف ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ ترجیح کس کو ہے۔ كما قال فى المغنى لا بن قدامه۔ ثانیاً دوسرے ائمہ کے مذہب پر عمل کرنے کی سب سے بڑی شرط اضطرار عام ہے وہ یہاں متحقق نہیں اس لئے جو حنفی مذکورہ صورتوں میں وقوع طلاق کا حکم دیتا ہے گنہگار ہے توبہ کرنی چاہئیے۔

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی

(سوال ٤٥٨) ایک لڑکا نابالغ ہے اور اس کی بیوی بالغ ہے اور وہ طلاق چاہتی ہے تو وہ نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں یا لڑکے کا ولی دے سکتا ہے۔؟

(الجواب) نابالغ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں اور نہ اس کا ولی اس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے اور دے بھی دے تو شرعاً معتبر نہیں البتہ اگر لڑکے کے بلوغ میں دیر ہے اور لڑکی کے لئے نابالغ کی طرف سے نان نفقہ کی کوئی صورت نہیں نہ تو کوئی جائیداد یا نقد اس کی ملک میں ہے اور نہ اس کا باپ وغیرہ متکفل کرتا ہے تو لڑکی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست دے کر حکم طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ اور یہ حکم شرعاً طلاق ہی ہو جائے گی۔ وهذا فى الاصل مذهب مالك افتى بها العلماء الحنفية للضرورة وقد صرح به الشامى فى بحث النفقه بما يقاربه . والله تعالىٰ اعلم

نابالغ کی بیوی کی طلاق اور تفریق

(سوال ٤٥٩) ایک عورت کی شادی ایک نابالغ سے ہوئی ہے اور اس کے شوہر کا پھوپا یہ کہتا ہے کہ میں تجھے طلاق دے دیتا ہوں اور تیرا شوہر جو نابالغ ہے اس سے تجھ کو طلاق دلائے دیتا ہوں اور تجھ کو طلاق دلوا کر اچھی

جگہ بٹھلائے دیتا ہوں ہمیشہ ہمیشہ آرام کرے گی میں نے اس بات کو منظور نہیں کیا اس پر میرے شوہر نے اور اس کے پھوپا نے مجھ کو میرے بھائی کے یہاں پہنچادیا میں نے اپنے شوہر کے پاس کئی خطوط اپنے بھائی کے یہاں سے بھجوائے اور نان نفقہ طلب کیا کہ دو سال سے مجھ کو ایک پیسہ نہیں دیا میں اس وجہ سے سخت تکلیف میں ہوں اور جا کر زبانی بھی میرے بھائی نے کہا تو صاف منع کر دیا چار ماہ کے اندر دو مرتبہ میرے شوہر اور میرے شوہر کے پھوپھا نے چند آدمی جو کہ موجود تھے یہ کہا کہ ہم کو ڈھائی سو روپیہ دیدو ہم بخوشی طلاق دیدیں گے ہم اس عورت کو رکھنا نہیں چاہتے ان الفاظ سے طلاق ہوتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) الفاظ مذکورہ سے طلاق نہیں پڑی کیونکہ خاوند کے پھوپھا نے جو کچھ کہا ہے اس کے الفاظ کا تو شرعاً کوئی اعتبار نہیں خاوند نے بھی جو الفاظ کہے ہیں ان سے طلاق کا وعدہ سمجھ میں آتا ہے طلاق نہیں ہوتی اور نابالغ کی طلاق تو صریح بھی واقع نہیں ہوتی البتہ اگر خاوند نان نفقہ نہیں دیتا تو کسی مسلمان حاکم جج وغیرہ کے یہاں اپنے مقدمہ کو پیش کریں از روئے شرع مسلمان حاکم کو یہ اختیار ہے کہ وہ خاوند کو اگر بالغ ہو مجبور کرے کہ یا طلاق دے اور یا نان نفقہ دے اور اگر خاوند دونوں صورتوں کو قبول نہ کرے تو مسلمان حاکم خود تفریق کا حکم کر سکتا ہے اور یہی حکم طلاق کا قائم مقام شرعاً ہو جائے گا پھر عدت تین حیض گزر کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ وهذا في الاصل مذهب مالك و الشافعي افتى به علماء نا الحنفية لمكان الضرورة (صرح الشامي بما يقاربه في باب النفقه) والله تعالى اعلم.

کم سمجھ شوہر نے بیوی کو الفاظ طلاق کہہ دیئے

(سوال ۴۶۰) خلاصہ سوال یہ ہے کہ زید کا چھوٹا لڑکا لایعقل بیوقوف سیدھا ہے اس نے اپنی زوجہ کے متعلق یہ کہا کہ ہندہ میری بیوی نہیں رہی میں اس کو طلاق دیتا ہوں ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں بکر کی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہوگئی کیونکہ طلاق صریح کے ساتھ ایک اور وصف کا اضافہ کر دیا یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ وہ میری بیوی نہیں رہا یہ کہ وہ بے وقوف نا سمجھ ہے تو اس بات سے وقوع طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ كما قال في الدر المختار و يقع طلاق كل زوج الى قوله او سفيهاً خفيف العقل وقال الشامي السفه اللغة الخفة وفي الاصطلاح خفة تبعث الانسان على العمل في ماله بخلاف مقتضى العقل شامي صفحه ۴۳۴ ج ۱. والله تعالى اعلم

غصہ کی حالت میں طلاق دینے کا حکم

(سوال ۴۶۱) زید نے بحالت غضب اپنی زوجہ کو کہا کہ میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں نیت طلاق کی نہیں تھی اور اس واقعہ کو پورے تین سال گزر گئے اور محض اس شبہ پر کہ طلاق ہوگئی زید و ہندہ میں تعلق زن و شوہر نہیں ہوا آیا ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) غیظ و غصہ میں اگر لفظ طلاق سے اپنی عورت کو طلاق دی تو طلاق واقع ہو جاتی ہے خواہ نیت

طلاق کرے یانہ کرے کیونکہ طلاق تو عموماً غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اس لئے غصہ میں طلاق دیدینا وقوعِ طلاق کے لئے مانع نہیں البتہ اگر غصہ اس قدر غالب ہوا کہ مثل جنون کے ہوگیا یہاں تک کہ اس کو اپنے الفاظ کی بھی خبر نہ رہے کہ میں نے کیا کہا تو البتہ اس کا دوسرا حکم ہے مگر صورت مندرجہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حالت ایسی نہ تھی اور نہ عام طور پر ایسی حالت کسی شخص کی ہوتی ہے اس لئے ایک طلاق واقع ہوگئی اور یہ طلاق اصل سے رجعی تھی اگر عدت کے اندر رجعت کرلی جاتی تو نکاح جدید کی ضرورت نہ تھی مگر جب کہ تین سال گزر گئے تو ظاہر یہی ہے کہ عدت طلاق یعنی تین حیض بھی گزر گئے ہوں گے اگر ایسا واقعہ ہے تو اب رجعت بلا تجدید نکاح جائز نہیں البتہ بتراضی طرفین نکاح جدید با قاعدہ بدون حلالہ ہوسکتا ہے۔ کذافی الدر المختار. ابتدائے کتاب الطلاق۔

گونگے کی طلاق اور نفقہ نہ دینے کی صورت میں تفریق

(سوال ۴۶۲) نور محمد کا نکاح ایسی حالت میں کیا گیا جب کہ وہ پیدائشی گونگا و بہرہ تھا اور اس کی زوجہ سے اولاد بھی پیدا ہوئی اس کا تعلق اپنی زوجہ سے اچھا نہیں ہے اس نے زوجہ کو دوسری مرتبہ ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کردیا ہے اور اشارہ سے کئی مرتبہ یہ کہہ چکا ہے کہ میرے پاس کھانے کو نہیں تو چلی جا اور بیوی بچوں کو گھر سے باہر کرکے گھر کا قفل لگادیا اور نور محمد لکھنا نہیں جانتا آیا اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) گونگے کی طلاق ایسے اشارہ سے پڑتی ہے جس سے صاف طور پر طلاق ہی سمجھی جائے لیکن جو اشارہ سوال میں درج ہے صرف وہ طلاق پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس پر کہ میرے پاس نفقہ نہیں سو اس سے طلاق نہیں پڑتی۔

البتہ چونکہ یہ شوہر نفقہ وغیرہ دینے سے انکار کرتا ہے اور مفلس ہے اس لئے عورت کے آزاد ہونے کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ یہ عورت اپنا معاملہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں یا مسلمانوں کی پنچائت میں جس میں کوئی عالم متبحر بھی شریک ہو پیش کرے اور یہ حاکم یا سرپنچ فتوی شرعی کے موافق خاوند سے کہے کہ یا تو اپنی بیوی کو خرچ نان و نفقہ دے ورنہ طلاق دیدے اگر وہ دونوں سے انکار کرے تو یہ حاکم وغیرہ تفریق بین الزوجین کرادیں یہی تفریق طلاق کے قائم مقام سمجھی جائے گی اور پھر عدت گزار کر جس جگہ چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ والدلیل علی ما قلنا اولاً مافی الدر المختار اوا خرس الی قوله باشارة المعهودة فانها تكون كعبارة الناطق استحساناً والدليل على ما قلنا ثانياً ما فى الشامية من النفقة من ان يحتال الحكم التفريق بين الزوجين لا عسار الزوج بان يومر لقاض شافعي او مالكى فهو يحكم هذالامر فلينفذ حكمه شرعاً ولما لم يمكن ذلك ايضاً فى ديارنا الهندية افتى علماء زماننا بالتفريق بين الزوجين بابائه عن النفقة وهو مذهب الامام مالك افتى به للضرورة[1] وذلك

(۱) وتمام الكلام فى الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة.

لما قال الشامی فی باب الرجعة من تاسیس النظر للفقیه ابی اللیث انه اذالم یوجد فی مذهب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذهب مالك لانه اقرب المذاهب الیه انتهی شامی صفحه ۵۵۲ جلد ۲ –

گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہو جاتی ہے

(سوال ۴۶۳) نور محمد جو قدرتی گونگا اور بہرہ ہے اس کی شادی مسماۃ اختری کے ساتھ حالت نابالغی میں ہوئی ڈیڑھ سال ہوا نور محمد نے بوجہ اختلاف باہمی اور ناداری کے عورت کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا اور قفل مکان میں لگادیا جب اس سے طلاق کو کہا گیا تو اس نے تحریر کا اشارہ کر کے کہا کہ جاؤ طلاق دی اس صورت میں اس کی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر فی الواقع تذکرہ طلاق پر اس نے ایسا اشارہ کیا ہے جس سے حاضرین طلاق دینا سمجھے تو طلاق واقع ہو گئی بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور عدت تین حیض ہیں اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل۔ ویقع طلاق کل زوج الی قوله اوا خرس باشارته المعهودة فانها تکون کعبارة الناطق استحساناً درمختار المعهودة ای المقرونة بتصویب منه لان العادة منه ذلك فکانت الاشارة بیاناً لما اجمله الاخرس شامی کتاب الطلاق صفحه ۴۳۶ ج ۲. والله اعلم

جو گونگا ہو اس کے صرف اشارہ سے طلاق نہیں ہوتی

(سوال ۴۶۴) ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے طلاق دیدو اس نے تین انگلیوں سے اشارہ کیا مگر زبان سے کوئی لفظ طلاق کا نہیں کہا تو کیا تین طلاق ہو جائیں گی خصوصاً جب کہ شوہر کی نیت بھی اس اشارہ سے تین طلاق کی ہو۔

(الجواب) اس صورت میں جب تک الفاظ طلاق زبان سے نہ کہے کوئی طلاق نہیں ہو گی اگرچہ شوہر کی نیت بھی اس اشارہ سے تین طلاق کی ہو یہی حکم اس صورت کا ہے کہ بیوی کی طرف تین پتھر پھینکدے زبان سے کچھ نہ کہے جیسے پنجاب کے بعض سوانع میں اس عمل کو طلاق سمجھا جاتا ہے دلیل اس کی فتاوی انقرویہ کی عبارت ذیل ہے۔

قالت لزوجها طلقنی فاشار الیها بثلاث اصابع ونوی بها بثلاث تطلیقات لا تطلق مالم یتلفظ به. ذکر فی کتاب الطلاق اذا قال لامراته انت طالق و اشار الیها بثلاث اصابع و نوی بها الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة. قاضی خان فی اواخر الفصل الاول من الطلاق. (انقرویه صفحه ۷۳ ج ۱) والله سبحانه و تعالی اعلم (اضافه)

حمل کی حالت میں طلاق

(سوال ٤٦٥) کمترین کا کچھ جھگڑا سسرال والوں سے ہوگیا جس پر انہوں نے یہ زور دیا کہ ہماری لڑکی کو طلاق دیدو ہم ہرگز تمہارے ساتھ روانہ نہیں کرسکتے کمترین نے بخار اور درد سر کی وجہ سے گھبرا کر غصہ میں صرف یہ کہہ دیا کہ جاؤ میں نے طلاق دی مگر کوئی تحریر نہیں دی اس وقت عورت پانچ ماہ کی حاملہ تھی اب عرصہ پندرہ بیس یوم کا گزرا ہوگا کہ کمترین کا سالہ اپنی ہمشیرہ کو لے کر میرے مکان پر آیا ہوا ہے کہتے ہیں کہ غصہ کو جانے دو اور اسکو اپنے گھر میں رکھ لو آیا اس کو کس طرح اپنے گھر میں رکھا جاوے۔؟

(الجواب) الفاظ مندرجہ سوال سے ایک طلاق رجعی عورت پر پڑ گئی جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر خاوند رجعت کر سکتا ہے اور اس رجعت میں عورت کی رضاء بھی شرط نہیں۔ صورت رجعت یہ ہے کہ زبان سے کہے کہ میں نے رجعت کرلی اور بہتر یہ ہے کہ رجعت پر دو گواہ بھی قائم کرلے جبکہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے اس سے پہلے پہلے آپ رجعت کر سکتے

ہیں اور اگر عدت گزر گئی تو پھر

بغیر تجدید نکاح کے جو تراضی طرفین سے ہو سکتا ہے اس عورت کو نہیں رکھ سکتے۔ هذا خلاصة مافی الدر المختار من باب الرجعة.

عورت کی ذات یا قوم کو طلاق دینے سے عورت مطلقہ ہو جاتی ہے

(سوال ٤٦٦) زید نے اپنی بیوی سے غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ طلاق ہے تیری ذات پر کہ جو تو آج شام کو یہاں رہے اور وہ گھر میں موجود ہے اور دو دفعہ کہا ہے اور زید ذات سے مراد اس کے خاندان کو سمجھا ہوا ہے اور قوم کو اور اکثر لڑائی جھگڑے میں زید نے اپنی بیوی کو چار پانچ سال کے اندر چند مرتبہ یہ لفظ زبان سے نکالا ہے چونکہ زید کا خیال ان لفظوں سے اس کو غیرت اور شرم دلانے کا تھا تو اس بارے میں حکم شریعت کیا ہے۔

(الجواب) یہ شخص چونکہ لفظ طلاق دو مرتبہ سے زائد حسب تصریح سوال کہہ چکا ہے اس لئے عورت پر تین طلاقیں مغلظہ واقع ہو گئیں اور اب دوبارہ بغیر حلالہ اس کے نکاح میں کسی طرح نہیں آسکتی طلاق کے لفظ بولنے میں نیت پر مدار نہیں نیت جو کچھ بھی ہو طلاق ضرور پڑ جاتی ہے باقی رہا یہ کہنا کہ ذات سے مراد قوم اور اس کا خاندان سمجھا ہوا تھا سو اس سے بھی کچھ کام نہیں چلتا کیونکہ اس خاندان میں یہ عورت بھی داخل ہے اس پر بھی ضمناً طلاق پڑے گی۔ کما صرح به فی العالمگیریه ولو قال نساء هذا البلدة او القریة طوالق وفیها امراته طلقت كذافی فتاوی قاضی خان عالمگیری صفحه ٣٣٤ ج ١ مصری. والله اعلم

طلاق کے بعد طلاق کا اقرار کرنا دوسری طلاق ہے یا نہیں؟

(سوال ٤٦٧) زید نے اپنی بیوی سے کچھ جھگڑا کیا اس پر بیوی نے بذریعہ عدالت چارہ جوئی کی عدالت میں زید نے بحلف بیان کیا اور شہادت بھی دی کہ میں نے اس عورت کو طلاق دیدی ہے عدالت سے نکلنے کے بعد

زید نے کئی شخصوں سے طلاق ہونے کا اقرار کیا یہ طلاق مغلظہ ہوئی یا نہیں۔؟
(الجواب) زید نے جو عدالت میں بیان دیتے وقت کہا کہ میں نے اس عورت کو طلاق دی اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی پھر عدالت سے نکلنے کے بعد جو کئی شخصوں سے طلاق ہونے کا اقرار کیا اگر اس اقرار سے اس کی نیت پہلی طلاق ہی کا بیان کرنا تھا تو دوسری طلاق نہیں پڑی اور اگر نیت اس اقرار سے دوسری طلاق دینے کی تھی تو دوسری طلاق بھی پڑ گئی لیکن یہ بھی طلاق رجعی ہوئی۔ کما فی الدر المختار کرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر دو صورت میں طلاق رجعی واقع ہوئی عدت کے اندر اندر بلا تجدید نکاح رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت کے نکاح جدید بغیر حلالہ کے کر سکتا ہے۔

جھوٹ موٹ طلاق کا اقرار کر لینا

(سوال ٤٦٨) زید کی بیوی اپنے میکہ بھاگ کر چلی گئی دوسرے روز زید خود اس کے یہاں گیا جب واپس آیا تو موضع میں اور تمام رشتہ داروں میں شور مچ گیا کہ زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اس کے بعد بعض لوگوں نے زید سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے زید نے کہا جی ہاں بعد ایک سال گزر جانے کے زید نے کہا کہ میں نے تو محض جھوٹ کہا تھا طلاق نہیں دی تھی آیا طلاق پڑ گئی یا نہیں۔؟
(الجواب) اگر فی الواقع اس نے جھوٹ بھکانے کی نیت سے طلاق کا اقرار کیا تھا تو دیانۃً طلاق نہیں پڑی لیکن قضاءً پڑ گئی یعنی جب معاملہ پنچائت یا عدالت میں جائے گا تو وہاں اس کی نیت کی شنوائی نہ ہوگی حاکم اور سرپنچ کے لئے ضروری ہوگا کہ اس کو طلاق قرار دے اور جب حاکم یا سرپنچ اسکو طلاق دیکر تفریق کا حکم کر دے گا تو پھر دیانۃً بھی عورت حرام ہو جائے گی لیکن اگر الفاظ مذکورہ ہی کہے گئے ہیں تو صرف ایک طلاق رجعی پڑی ہے اس لئے مرد کے لئے بہتر ہے کہ اگر اس عورت کو رکھنا چاہتا ہے تو احتیاطاً رجعت ضرور کر لے بشرطیکہ عدت نہ گزری ہو ورنہ نکاح جدید کرے تا کہ حرمت کے خطرہ سے نکل جائے۔ قال الشامی فی طلاق المکرہ لواقر بالطلاق کاذباً اوھاذلاً وقع قضاء لادیانۃ ثم قال بعد ذٰلک نقل عن البزازیۃ و القنیۃ لواراد بہ الخبر عن الماضی کذبا لا یقع دیانۃ الخ۔

(شامی صفحہ ٤٣٢ ج ٢ و صفحہ ٤٣٤ ج ٢. واللہ تعالیٰ اعلم۔

جھوٹ موٹ یہ کہنا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے

(سوال ٤٦٩) لوقال رجل عندر جل مخبراً بانہ طلق امرأتہ وھو کاذب فی الاخبار لانہ لم یطلق امرأتہ قبل ھل یقع الطلاق قال بعض علماء الدیار لا یقع الطلاق. فعرضت علیہ جزئیۃ من کتاب المبسوط للسرخسیؒ صفحہ ١٤٠ کتاب الطلاق. وان قال لھا طلقتک امس وھو کاذب کانت طالقاً فی القضاء الخ. قال السرخسیؒ کلام العاقل محمول علی الصحۃ ما امکن صفحہ ١٤٦. و انی لمشتاق الی ما کتبہ صاحب البدائع فی ھذا الباب و لیس ھو عندی. وھل فرق بین قولہ طلقتک امس

كذباً و بين قوله طلقتها امس كذبا خطاباً وغيبةً ان كان فليحرر بحوالة الكتاب و نقل عبارته؟

(الجواب)قال الشامی ناقلاً عن البزازية و القنية لو ار ادبه الخبر عن الماضی كذباًلا يقع ديانةً وان اشهد قبل ذلك لا يقع قضاءً وفی الدر المختار انت طالق قبل ان اتزوجك او امس وقد نكحها اليوم او نكحها قبل امس وقع الآن لان الا نشاء في الماضی انشاء فی الحال الخ.

ازیں عبارات واضح شد کہ از اخبار کاذب دیانۃً طلاق واقع نمی شود واگر قبل از اخبار کاذب بینہ قائم کردہ باشد اصلا طلاق واقع نہ شود نہ قضاء ونہ دیانتاواگر مقصود شوہر اخبار نیست بلکہ مقصود انشاء طلاق است فی الحال طلاق واقع می شود۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ

(الجواب صحیح) ولم اجدفی البدائع نصاً فی هذا الباب فی ادنی التتبع ولم استطع التتبع التام لهجوم المشاغل. والله تعالى اعلم. بنده محمد شفيع غفرله

دل دل میں طلاق دیدی پھر طلاق سمجھ کر لوگوں سے کہہ دیا کہ طلاق دے دی ہے

(سوال ٤٧٠) ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سسرال گیا تھاوہاں کسی وجہ سے زید کے سالوں نے زید کو مارااس پر زید رنجیدہ ہو کر وہاں سے اپنے مکان کی طرف روانہ ہوا راستہ میں غصہ اور رنج کے باعث دل دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ میرے سالوں نے مجھ کو مارا ہے توان کی بہن کو میں نے ایک دو تین طلاق دیدیالیکن طلاق کا لفظ قطعی زبان سے نہیں نکالا صرف دل ہی تک تھا۔بعد ازاں زید نے اپنے گھر پہنچ کر اپنے بعض اعزہ سے کہا کہ ہم نے دل میں اپنی بی بی کو اس طرح یعنی ایک دو تین طلاق دے دیا کہا ہے ماموں سے اس کی تحقیق کر لیجئے اگر طلاق ہو گئی تو اس کو رکھ کر ہم کیوں گناہ گار ہوں زید کے اعزہ نے کسی عالم سے دریافت کیا اس عالم نے جواب دیا کہ طلاق ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے جب زید کو اس عالم کا یہ فتویٰ معلوم ہوا تو وقتاًفوقتاً لوگوں کے پوچھنے پر بطور خبر کے کہا گیا کہ ہم نے اپنی بی بی کو طلاق دیدیا اب سوال یہ ہے کہ دل دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور لوگوں کے پوچھنے پر وقتاًفوقتاًزید یہ کہتا گیا کہ بی بی کو طلاق دیدیا یہ قول اخبار ہے یاایقاع طلاق۔بینوا توجروا ؟

(الجواب) دل دل میں خیال کرنے سے طلاق نہیں پڑی اور نہ بطور استفہام واستفتاء اس کے ذکر کرنے سے طلاق پڑی جیسا کہ اول مرتبہ کہا تھالیکن پھر جو عالم کے فتوے پر اعتماد کر کے لوگوں سے کہا کہ ہم نے اپنی بیوی کو طلاق دیدیا اس سے بھی دیانۃً تو طلاق نہیں پڑی لیکن قضاء پڑگئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ کسی حاکم کی عدالت میں گیا تو حاکم اس طلاق کے وقوع کا حکم دے گااور اگر مقدمہ کسی حاکم کی عدالت یا پنچائت وغیرہ میں نہ پڑا تو طلاق نہ سمجھی جائیگی اور دیانتاً اس کو اپنی بیوی سے تعلقات زن و شوہری رکھنا جائز رہے گا۔ وذلك لما فی الاشباه و النظائر فی القاعدة السابعة عشر ولو اقر بطلاق زوجته ظاناً الوقوع بافتاء المفتی فتبين عدمه لم يقع كما فی القنيه وقال الحموی فی حاشيه قوله لم يقع ای ديانتاً اما قضاء فتقع كما فی القنية لاقراره به (اشباه مصری صفحه ١٩٤ ج١)

تنبیہ -- یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ دیانت کے اس حکم کا فائدہ صرف اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ عورت کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو کیونکہ اگر اس کو اطلاع ہو گئی تو اس کا حکم وہی ہے جو حاکم و قاضی کا حکم ہے یعنی اس کے لئے جائز نہ ہو گا کہ وہ اس شوہر کے ساتھ بطور زوجہ کے رہے۔

لما فی تنقیح الحامدیة المرأة کالقاضی و مثله فی البحر و ردالمحتار – واللہ تعالٰی اعلم.

طلاق مدہوش کا حکم

(سوال ٤٧١) سوال وجواب متعلق طلاق آیا تھا جس کے ہمراہ بیاں گواہان بھی منسلک تھے اس پر حضرت مفتی صاحب نے تحریر ذیل لکھی ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ نظر بر حالات عامہ و عادۃ جاریہ اس طلاق دینے والے کو اس مدہوش اصطلاحی کے تحت میں لانا مشکل ہے جس کے متعلق فقہاء نے طلاق واقع نہ ہونے کو تحریر فرمایا ہے اس لئے اگر فی الواقع اس نے طلاق بلفظ ماضی یا حال دیدی ہے تو طلاق پڑ گئی ورنہ نہیں دیانتاً تو اتنا ہی حکم ہے لیکن قضاءً جب کہ گواہوں کے بیانات مختلف ہیں فیصلہ کس طرح کیا جائے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان تمام گواہوں میں حبیب اللہ اور علی اکبر اور میقن بانو کے بیان کو تو اگر سچا بھی مانا جائے تب بھی اس سے طلاق نہیں پڑتی کیونکہ ان کے الفاظ سے صیغہ مستقبل ظاہر ہوتا ہے اور بلفظ مستقبل طلاق واقع نہیں ہوتی اور اشرف علی اور موقن علی چونکہ اپنا ذاتی سماع بیان نہیں کرتے اس لئے ان کی شہادت بھی ساقط ہو گئی اور ملکہ بانو کا بیان مبہم ہے اس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ الفاظ مستقبل کے بولے تھے یعنی خواہم داد یا ماضی و حال کے یعنی دادم یا می دہم وغیرہ اور تبارک علی کے بیان کو اگر صحیح قرار دیا جائے تو اس میں الفاظ کنایہ طلاق کے مذکور ہیں صریح نہیں لہذا وہ مرد کی نیت پر موقوف ہیں اور ظاہر ہے کہ بوقت اکراہ نیت طلاق کی ہونی مشکل ہے بلکہ محض وقت گزاری مقصود ہوتی ہے اور جب کہ خاوند نیت کا منکر بھی ہے اور مذاکرہ طلاق بھی سوال میں مذکور نہیں اس لئے شہادت سے بھی طلاق ثابت نہ ہوئی بلکہ نیت شوہر پر موقوف ہوئی۔ اب صرف جلال احمد کی شہادت رہ گئی جس سے تین طلاقوں کا وقوع صریح معلوم ہوتا ہے لیکن صرف ایک آدمی کی گواہی سے کوئی حکم طلاق کا شرعاً نہیں کیا جا سکتا اس لئے صورت مذکورہ میں حاکم یا ثالث فیصلہ کنندہ وقوع طلاق کا حکم نہیں دے سکتا البتہ اگر فی الواقع اس نے طلاق دی ہے تو عند اللہ طلاق پڑ گئی اب اس کو اس کے احکام کا پابند رہنا ضروری ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

زوجہ کو یہ کہنا کہ تجھ سے میرا نکاح نہیں ہوا

(سوال ٤٧٢) زینب اور اس کی والدہ اقرار کرتے ہیں کہ زینب کا نکاح محمد شفیع سے ہوا ہے اور محمد شفیع روبرو گواہاں کے اسٹامپ لکھ کر دیتا ہے کہ نہ اس نے نکاح زینب سے کیا ہے نہ زینب سے کوئی تعلق ہے تو زینب کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر بذریعہ گواہان شرعی محمد شفیع سے نکاح کا ثبوت ہو جائے تو محمد شفیع کے اس انکار سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ زینب بدستور اس کے نکاح میں رہے گی اور جب تک محمد شفیع طلاق نہ دے اور عدت نہ گزرے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں ہوگا البتہ اگر شہادت شرعیہ سے نکاح ہی ثابت نہ ہو تو پھر زینب کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ وان قال لم اتزوجك ونوى الطلاق لايقع الطلاق بالا جماع كذافي البدائع. عالمگیری مصری صفحه ۳۱۵ ج ۱.

اب ہم ہندہ سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ اس لفظ سے طلاق ہوگی یا نہیں؟

(سوال ۴۷۳) سلیمان کی زوجہ ہندہ اپنے باپ کے گھر گئی اور باپ نے اس کو عرصہ تک روک لیا باوجود کوشش کے ہندہ کو سلیمان کے گھر نہیں بھیجا سلیمان نے ضروریات سے تنگ آکر عقد ثانی کر لیا اور اپنے دوسرے خسر سے کہا کہ اب ہم ہندہ سے تعلق نہیں رکھیں گے لہذا ہندہ کو طلاق ہو گیا۔ سلیمان اس سے انکار کرتا ہے اور کسی طرح ہندہ کے چھوڑنے کو تیار نہیں ہے آیا ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ الفاظ (اب ہم ہندہ سے تعلق نہیں رکھیں گے) اگر سلیمان نے کہے بھی ہوں تو بھی ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس میں قطع تعلق کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ زمانہ مستقبل میں ایسا کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے اور اگر زمانہ آئندہ بھی اس میں نہ ہوتا تب بھی یہ الفاظ کنایہ ہیں جن سے بغیر نیت طلاق کے طلاق واقع نہیں ہوتی. كمافي سائر كتب الفقه۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ صفر ۱۳۵۰ ہجری

طلاق میں عورت کی طرف اضافت معنویہ بھی کافی ہے

(سوال ۴۷۴) ماتولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندرینکہ کسی نے زید کو زدوکوب کرنے کے بعد اس کو طلاق دینے پر مجبور کیا اور کہا کہ بی بی کو طلاق دے ورنہ جان سے ماروں گا زید نے جان کے خوف سے کہا اچھا تم بتلادو کس طرح طلاق دوں اس نے کہا یہ الفاظ کہو۔ ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن چنانچہ زید نے بعینہ وہی الفاظ زبان پر جاری کئے اور زید مذکور نے اس واقعہ کے بعد اپنی بی بی سے صحبت بھی کی آیا کون سی طلاق ہوئی۔؟

(الجواب) اس عورت پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور حرمت مغلظہ ثابت ہو گئی اس سے جو صحبت کی یہ فعل حرام ہوا آئندہ توبہ کرے اور اب نکاح جدید بغیر حلالہ کے نہیں ہو سکتا۔

كما صرح فى الهداية. والدر المختار لوقوع طلاق المكره و لقوله تعالى فلا تحل له حتى تنكح زوجاغيره الآية وماتركه الاضافة الصريحة الى زوجتهافلايفيده فى الصورة المذكورة لمافي البحر لوقال امرأة طالق اوقال طلقت امرأ ة ثلاثا وقال امراتى يصدق. قال الشامى و يفهم منه انه لولم يقل ذلك يطلق امرأته لان العادة ان من له امراة فهو يحلف بطلا قها لا بطلاق غيرها فقوله انى حلفت بالطلاق يتصرف اليها مالم يرد غيرها انتهى(شامى صفحه ۴۴۱ ج ۲ مصرى)

طلاق بلااضافت لفظیہ میں چند اہل علم کا اختلاف اور محاکمہ

(سوال ٤٧٥) ہمارے دیار میں زمین پیمائش کے لئے سات ہاتھ کا بانس مقرر ہے جس کو ہمارے عرف میں نل کہتے ہیں جب کسی کو مکان (باڑی) بنانا ہو تو اس نل کے حساب سے طول مکان، دس نل اور عرض سات نل اور بعضے مکان کے طول ۱۴ نل عرض ۹ نل کے ہوتے ہیں اور چاروں طرف مکان کے خندق ہوتا ہے ایک شخص کا مکان حسب نقشہ ذیل ہے۔ جس جگہ زن مطلقہ چلی گئی [تالاب] شمال [مکان] جنوب، مغرب، مشرق

اس شخص کی دو بی بی ہیں ایک بی بی بہت برس سے سسرال میں ہے دوسری بی بی اس کے مکان میں ہے یہ دوسری بی بی بے پردہ چلتی ہے اور محلّہ کے دیگر مکانوں میں آمد ورفت کرتی ہے ایک دن خانگی معاملہ میں اس کا جھگڑا ہوا وہ شخص غضب کی حالت میں اپنی اس بی بی کو کہہ دیا اگر تو اس ۷ + ۱۰ نل کے مکان سے باہر جاوے گی۔ ا۔ ۲۔ ۳ طلاق اس کے کہنے کے ساتھ ہی ساتھ باہر چلی گئی اور مکان کی شمالی جانب کے احاطہ سے باہر تالاب کا جو حصہ ہے اس حصہ میں چلی گئی اب اس عورت کے طلاق ہونے اور نہ ہونے میں ہمارے دیار کے علماء میں دو فریق ہیں ایک فریق کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی دووجہ سے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ جملہ طلاق میں اضافت نہیں حالانکہ اضافت وقوع طلاق کے لئے شرط ہے جیسا کہ در مختار میں ہے۔ لوقال ان خرجت یقع الطلاق الا تخرجی الاباذنی فان حلفت بالطلاق لم یقع ترکھا لاضافة الیھا ھکذا فی العالمگیریہ والخانیہ. دوسری وجہ یہ ہے کہ عرفاً تالاب بھی مکان میں داخل ہے کیونکہ مکان کے دو حصے ہوتے ہیں ایک اندر مکان دوسرا باہر مکان جو ضروریات مکان کو شامل ہے جیسا کہ تالاب متصل مکان اور دھلیز لہٰذا اگر کوئی شخص مکان کی دھلیز یا تالاب کے پاڑ پر چلا آوے جب اس کو پوچھا جاوے کہاں سے آتے ہو تو جواب دیتا ہے کہ فلاں شخص کے مکان سے آتا ہوں حالانکہ مکان کے اندر بالکل نہیں گیا تو تالاب کے پاڑ پر جانے سے مکان کے باہر جانا ثابت نہیں ہوا تو شرط تعلیق نہیں پایا گیا جزا بھی مرتب نہ ہوگی اور طلاق واقع نہ ہوگی اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ طلاق واقع ہوگئی کیونکہ شرط تعلیق پایا گیا اور کتب فقہ میں مصرح ہے جب شرط تعلیق پایا جاوے جزا اسی وقت مرتب ہو جاوے۔ لمافی کتب الفقه والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط۔ اور فریق اول کے ہر دووجہ کے یہ جواب دیتے ہیں۔

(۱) عبارات مرقومہ در مختار کو علامہ شامی نے رد کر کے دکھلایا ہے کہ جملہ طلاق میں صراحتاً اضافت ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وھو ھذا ردالمحتار (قوله لترکه الاضافة) ای المعنویة فانها الشرط و الخطاب من الاضافة المعنویة و کذا الاشارہ نحو ھذہ طالق و کذا نحو امراتی طالق و زینب طالق اه (۲) اگرچہ مکان کے دو حصے ہیں اندرو باہر لیکن قول مطلق سات دس نل کے اندر سے اگر باہر نکلے گی تو ا۔ ۲۔ ۳ طلاق صریح قول ہے کہ مراد مطلق حصہ اندر ہے نہ حصہ باہر کیونکہ حصہ باہر اس پیمائش سات ودس سے حقیقتاً و عرفاً خارج ہے اگر علی وجہ التنزل تالاب کے پار جو متصل مکان ہے اندر مکان میں تسلیم بھی کی جاوے تو وہ حصہ ہو سکتا ہے کہ احاطہ مکان تک ہے اور جو حصہ جانب شمال میں خارج احاطہ مکان ہے جہاں پر زن مطلقہ کا جانا سوال میں مذکور ہے خارج مکان ہے کوئی عاقل ہرگز داخل مکان نہیں کہہ سکتا۔ اب

معروض ہے کہ حادثہ مرقومہ میں کس فریق کا قول صحیح اور نافذ ہے۔
(الجواب) احقر کے نزدیک فریق ثانی کا قول صحیح ہے طلاق واقع ہو گئی اور اضافت الی المرأۃ اگر چہ صورت مذکورہ میں صراحۃً نہیں لیکن اضافت حکمیہ و معنویہ بلاشبہ موجود ہے جس کا معتبر ہونا عبارات مذکورہ فی السوال سے ثابت ہے سیاق خطاب اس اضافت پر دلالت کرتا ہے اور پھر قرائن خارجیہ خصومت وغیرہ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسی بیوی پر طلاق کرنا چاہتا ہے البتہ اگر اس کا دعوی کرلے کہ میری نیت ان لفظوں سے میری دوسری بیوی پر طلاق واقع کرنے کی تھی تو قضاءً یہ دعوی قبول کر لیا جاوے گا اور اس بیوی کو مطلقہ نہ کہیں گے لیکن دیانۃً پھر بھی وہی حق رہے گا جس کی نیت اس نے واقع میں کی تھی حق تعالیٰ قلوب کے اندر کی چیزوں اور نیتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ بہر حال جب کہ یہ شخص اس کا مدعی نہیں کہ میں نے دوسری بی بی پر طلاق واقع کرنے کی نیت کی تھی تو اب بلاشبہ یہی بی بی مطلقہ ہو گی باقی رہا وجود شرط یعنی خروج عند الدار کا شبہ تو وہ بھی صحیح نہیں اول تو اس لئے کہ خاوند کے کلام میں خود مکان کے حدود مذکور ہیں اور بیوی ان حدود سے نکل گئی ہے ثانیاً اس لئے بھی کہ عرفاً اس کو خروج عند الدار بھی کہا جاتا ہے اور کسی شخص کے تالاب کے پاس آکر چلے جانے کی صورت میں یہ کہنا کہ فلاں شخص کے گھر سے آتا ہوں اس پر صورت مذکورہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ ایمان کا مبنیٰ عرف ورواج پر ہے جیسا کہ بی بی اور عورت سے خطاب ہو تو مکان کا وہی حصہ مراد ہو سکتا ہے جو عورتوں کے رہنے کی جگہ ہے مردانہ حصہ مکان کا اگر چہ فی الجملہ مکان کے ساتھ ملحق ہے اور اسی لئے اس شخص کا مکان یہ مجموعہ کہلاتا ہے لیکن عورتوں کے حق میں عرفاً گھر کے اندر داخل ہونا خارج ہونا اسی حصہ کا مراد ہوتا ہے جس میں وہ رہتی ہیں اس لئے بلاشبہ وقوع شرط بھی ہو گیا اور اضافت حکمیہ بھی۔ لہذا اطلاقات ثلثہ واقع ہو گئیں۔

طلاق بغیر صریح اضافت الی المرأۃ کا حکم

(سوال ۴۷۶) اظہر اللہ نے کسی بات پر غصہ ہو کر اپنی بیوی کو مار پیٹ کیا اس کے چچیرے بھائی وحاد اللہ نے جو وہاں موجود تھا یہ کہا کہ جب تو ہمارے سامنے ایسا کر بیٹھا تو میں بھی دیکھوں گا اظہر اللہ نے کہا کہ اگر تو دیکھے گا تو دیکھ دیتا ہوں ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق بائن طلاق انیس محمد کی بیٹی لطیفہ بانو۔ اظہر اللہ نے یہ بھی کہا کہ میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی تو اظہر اللہ کی بیوی پر طلاق ہو گئی یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا
اس پر ایک مولوی صاحب نے حکم عدم وقوع طلاق کا (بوجہ نہ پائے جانے اضافۃ صریحہ کے) دیا اس پر مسعود احمد صاحب نے حسب ذیل جواب لکھا ہے۔
(الجواب) وقوع طلاق کے لئے اضافۃ صریحہ کا ہونا لازمی نہیں ہے اور اس مسئلہ میں اگر اظہر اللہ کی زوجہ کا نام لطیفہ بانو ہے اور وہ انیس محمد کی بیٹی بھی ہے تو اضافۃ صریحہ بھی موجود ہے اور تین طلاق اظہر اللہ کی زوجہ پر واقع ہو گئیں کیونکہ جب اظہر اللہ نے اپنی زوجہ کا نام مع ولدیت لے کر تین طلاق دیں تو اضافۃ صریحہ پائی گئی اور طلاق واقع ہو گئی اب شوہر کا یہ کہنا کہ میری نیت طلاق دینے کی نہ تھی غلط اور غیر مسموع

ہے۔ کیونکہ صریح الفاظ طلاق میں کچھ اعتبار نیت وعدم نیت کا نہیں ہو تابناء علیہ جواب مجیب کا صحیح نہیں۔
مسعود احمد

یہ جواب صحیح ہے صورت مسئولہ میں بلاشبہ تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔ محمد شفیع غفرلہ

رسالہ حکم الانصاف
فی
الطلاق الغیر المضاف

از حضرت انور شاہ کشمیریؒ

جس طلاق کی اضافت زوجہ کی طرف صراحتاً کی جاوے اس کے واقع ہونے میں فقہاء کی عبارتیں بظاہر کچھ مختلف نظر آتی ہیں اس کے متعلق سیدی واستاذی حضرت ممدوح کا یہ ایک نہایت مکمل ومدلل فتویٰ ہے جو تبرکاً امدادالمفتین کا جزو بنایا گیا ہے اوراس کا مذکورالصدر نام احقر کا تجویز کردہ ہے۔
(محمد شفیع عفااللہ عنہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(سوال ۴۷۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی محمد یوسف نے چند آدمیوں کے روبرو کہا کہ مجھ کو تین طلاقیں ہیں جس کا ترجمہ کشمیری میں سہہ طلاق چھوم اور فارسی میں مراسہ طلاق است کشمیر کے عرف عام میں سہہ طلاق شرعی چھوم طلاق میں مستعمل ہے بعد میں نسبت وتسمیہ بھی محمد یوسف نے اشٹام میں تحریر کی۔ کیا بلانسبت وبلاتسمیہ جس دیار میں عرف عام ہوا ہو وہاں نسبت اور تسمیہ ضروری ہے یا نہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی حین حیات میں ایسا واقعہ پیش آیا اس کے متعلق ان کا فتویٰ اور دیگر حضرات دیوبند، سہارنپو، دہلی وغیرہ ذلک کا موجود ہے وہ چھاپ شدہ ہے جس کی نقل بمطابق اصل شامل ہے آپ حضرات کی جو رائے نسبت وبلانسبت پر ہو گی اس کے تحت میں تحریر فرمادیں۔
وھو ھذا فتوٰی دربارہ وقوع طلاق در لفظ مراسہ طلاق شرعی بعرف کشمیر حسب منشاء جناب نواب مستطاب حضرت احد شاہ صاحب رونق افزائے درگہ مولہ دام عزہ و عم فیضہ، واقبالہ

السوال:۔۔۔۔ درناحیہ کشمیر چوں فلق صبح عرف مستظیر است کہ درحالت رضایا غضب تعلیق طلاق زوجہ بایں الفاظ کنند کہ اگر فلاں کارکنم پس مراسو گند سہ طلاق است یا اگر فلاں کارکنم پس مراسہ طلاق شرعی است یا اگر فلاں کارکنم پس مراسہ طلاق است دمرام ایں کلام نزد خواص وعوام تعلیق طلاق زوجہ می باشد وایں عرف ومحاورہ درمیان ایشاں آں قدر شائع است کہ گویا از الفاظ تطلیق لفظی دگر ندانند وافعال ایشاں ہمہ

بدیں مراد مبنی و مرتب اند اعنی از کاریکہ تعلیق طلاق براں کردہ باشند تا توانند احتراز کنند و می دانند کہ وجود ایں کار موجب طلاق خواہد گردید و از قدیم و حدیث عرف ایشان بریں منوال بودہ است عنقریب واقعہ رو داد کہ زن شخص بخانہ والدین رفت بعد چندے شوہر در انجا رفت و با زن آویخت و گفت کہ اگر زنم امروز بخانہ من نیاید پس مرا طلاق شرعی است زن از خانہ والدین چند گام بر آمدہ واپس نشست و بمرض تعلل کرد و اگر مریضہ ہم بودے تاہم سوار شدہ توانستے کہ بخانہ شوہر رفتی لیکن آمدنش اتفاق نیفتاد۔ کسے از مفتیان بر مثل ایں عبارت در مختار قناعت کردہ بر عدم وقوع طلاق فتویٰ می دہد۔ قيل بخطا بها لانه لو قال ان خرجت يقع الطلاق او لا تخرجي الا باذني فانى حلفت بالطلاق فخرجت لم يقع لتركه الاضافته اليها باب الصريح. آیا فتویٰ مذکورہ صواب ست یا نہ؟ بینوا توجروا۔

(الجواب الصواب) در صورت مذکورہ باتفاق مذاہب اربعہ طلاق واقع شدہ است و سوائے تحلیل ہیچ چارہ نیست۔ چہ اولاً عرف کشمیر صغیر و کبیر را معلوم است کہ در الفاظ مذکورہ اضافت بہ سوی زن مراد باشد یعنی مرا لازم است سہ طلاق زوجہ و انکار آن تعصب است۔ و ثانیاً آنکہ در واقعہ مذکورہ کہ اگر زنم امروز بخانہ من نیاید پس مراسہ طلاق شرعی۔ لفظ شرعی ہمیں معنی دارد کہ طلاقے کہ موافق شرع شریف است زن خود را ادام و بلہ و صبیان نیز می دانند کہ طلاق شرعی مر زنان را می باشد مرداں را گاہے طلاق نبودہ است لاولا عرفاً یا شرعاً گاہے مرد را طلاق ندادہ آید لا محالہ در لفظ مذکور عرفاً و شرعاً اضافت بسوی زن است نہ کہ شخص مذکور طلاق خود مراد وارد حاشا ثم حاشا۔ وآنچہ در عبارت در مختار و امثال آن واقع شدہ است آن گاہ است کہ مرد طلاق زن خود مراد نہ دارد و نہ عرف بر ارادہ اضافت جاری شدہ باشد چنانکہ شامی در شرح در مختار ذیل عبارت مذکورہ می فرماید و عبارت در مختار را بریں معنی حمل می نماید۔ قوله، لتركه الاضافة. اى المعنوية فانها الشرط الخ مع انه لواراد طلاقها تكون الاضافة موجودة و يكون المعنى فانى حلفت بالطلاق عنك و بطلاقك ولايلزم كون الاضافة صريحة فى كلامه كما فى البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امراتى طلقت امراة اه على انه فى القنية قال عازياً الى البرهان صاحب المحيط. رجل دعته جماعة الى شرب الخمر فقال انى حلفت بالطلاق انى لااشرب وكان كاذباً فيه ثم شرب طلقت. وقال صاحب التحفة لا تطلق ديانةً وما فى التحفة لا يخالف ما قبله لان المراد طلقت قضاءً فقط لما مرمن انه لواخبر بالطلاق كاذبا لا يقع ديانة فهدا يدل على وقوعه وان لم يضفه الى المراة صريحاً نعم يمكن حمله على ماذا لم يقل انى اردت الحلف بطلاق غيرها فلا يخالف مافى البزازيه ويؤيده مافى البحر. لو قال امراة طالق اوقال طلقت امراة ثلاثاً وقال لم اعن امرء تى يصدق اه. يفهم منه انه لو لم يقل ذلك طلق امرأ ة لان العادة ان من له امراة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله انى حلفت بطلاقها ينصرف اليها مالم يرد غيرها لانه يحتمله كلامه الخ و سيذكر قريباً ان من الفاظ المستعملة الطلاق يلزمى والحرام يلزمى و على الطلاق و على الحرام فيقع بلانيه للعرف الخ. فاوقع به الطلاق مع انه ليس قيد

اضافة الطلاق الیها صریحاً فهذا مؤید لمافی القنیة فظاهره انه لا یصدق فی انه لم یردا مراته للعرف والله اعلم بالصواب. جلد ثانی صفحه٤٦٦.

ولسیدی عبدالغنی النابلسی رسالة فی ذلك سماها رفع الانغلاق فی علی الطلاق و نقل فیها الوقوع عن بقیة المذاهب الثلاثه شامی ایضاً صفحه ٤٦٩ و ایضاً فان قوله انا منك طالق فیه و صف الرجل بالطلاق صریحاً فلا یقع لان الطلاق صفة للمرأ ة واما قوله علی الطلاق فان معناه وقوع طلاق المرأ ة علی الزوج فلیس فیه اضافة الطلاق الی غیر محله بل الی محله مع اضافة الوقوع الی محله ایضاً فانه شاع فی کلامهم قولهم اذا قال کذا وقع علیه الطلاق شامی ایضاً صفحه ٤٧٠ بلکه درهمیں شامی صفحه ٢٩٣ جلد هذا۔ عبارتے از حاشیہ منح الغفار مصنفہ شیخ خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار نقل کردہ است کہ صورت اختلال ہمچو حرام تابود کند۔ وقد صرحوا بعدم اعتبار الغلط و التصحیف فی مواضع فاوقعوا الطلاق بالالفاظ المصحفة مع اشتراك الطلاق و النکاح فی ان جدهما جدو هز لهما جد وحظر الفروج و افتوا بالوقوع فی علی الطلاق و انه تعلیق یقع به اطلاق عند وقوع الشرط لانه صار بمنزلة ان فعلت فانت کذا و مثله الطلاق یلزمنی لا افعل کذامع کونه غلطاً ظاهرا لغةً و شرعاً لعدم وجود رکنه و عدم محلیة الرجل للطلاق وقول ابی السعود هو العمادی. انه ای هذا الطلاق لیس به صریح ولا کنایة نظر المجر د اللفظ لا الی الاستعمال الفاشی لعدم جوده فی بلاده یعنی باآنکہ درامثال ایں لفظ باعتبار ظاہر اضافت نیست مگر بہ سبب عرف متاخرین فتوی بر وقوع طلاق دادند کے گفتہ بود کہ در علی الطلاق لام عوض مضاف الیہ است از عبارت مذکورہ زعم وی باطل گردید عرف امری ست کہ دربارہ وی شامی در جلد ثالث صفحہ ٦٥ می فرماید. و کلام الناس الیوم خارج عن قواعد العربیة سوی النادر فهو لغة اصطلاحیة کمافی اللغات الا عجمیة فلا یعاملون بغیر لغتهم و قصدهم الخ. فیجب معاملتنا علی عقولنا ونیا تنا کما اوقع المتاخرون الطلاق بعلی الطلاق من لم یدر بعرف اهل زمانه فهو جاهل وقال النسفی رحمه الله تعالی اتفق. مشائخ زماننا علی ان الخلع یصح بلا اضافة الی احدهمالکثرة الاستعمال من العامة وعدهم هذا خلعاً صحیحاً فصار کقولهم ہرچہ بدست راست گیرم بر من حرام وکقول البائع بعت وقول المشتری شریت ولم یقل منك فان البیع کذا ههنا جملةً. جامع الفصولین ملخصاً. الفصل الثانی و العشرون رجل قال لامرئته بیک طلاق دست باز داشتمت یقع الطلاق بائنا. ولو قال بیک طلاق دست باز داشتم یقع رجعیاً. کذافی التجنیس . والمزید. عالمگیری کتاب الطلاق باب قال فصل السابع سکران هربت امرئته فتبعها ولم یظفربها فقال بالفارسیة۔ طلاق ان قال عنیت امرء تی یقع وان لم یقل شیئاً لا یقع کذافی الخلاصة۔ ایضاً وہرگاہ عرف بر اضافت بود حاجت تصریح بایں قول نماند ولو قال مراسوگندبہ طلاق است کہ شراب نخورم فشرب

طلقت امراء ته واذلم یکن حلف ولکن قال قلت ذلك لدفع تعرضهم لا یصدق قضاءً کذافی الکافی و التجرید ولو قال مراسوگند خانہ است تطلق امرء ته ولم یشترط فیه نیت المرأة وهو الاصح عالمگیری کتاب الایمان باب ثانی قال لی حلف او قال بی حلف بالطلاق ان لا افعل کذا ثم فعل طلقت و حنث و ان کان کاذباً. بزازیہ کتاب الایمان فصل ثانی دقط مردے بازن خلع کرد وبد کاں صک نویس آمد زن گفت کہ ہر سہہ طلاق بنویس صکاک شوی راگفت کہ ہمچنیں است شوی گفت ہر سہ بنویس یقع الثلاث بحکم الاقرار جامع الفصولین الفصل الرابع العشر یعنی بایں اقرار ہر سہ طلاق واقع خواہد شد حالانکہ درواضافت صریحہ نیست محصل ایں مقالہ آنکہ در تطلیق اضافت صریحہ ضرور نیست نہ ونہ واضافت معنویہ لابدیہ است وآں در لفظ مراسوگند سہہ طلاق است ومراسہ طلاق شرعی (و) مراسہ طلاق است، در عرف اہل کشمیر موجود است کدام کس است کہ نداند کہ اہل کشمیر راازیں الفاظ طلاق زن مرادمی باشد وعرف ایشاں بریں متواتر است کہ تکذیب آں ہر آئینہ تکذیب نفس خود است پس در وقوع طلاق ریب نباید آور دوہر روایتیکہ موہم خلاف مقصود است مراد آں بتصریح شامی رقم گردیدہ کہ عدم وقوع آں وقت است کہ ارادہ طلاق زن نہ باشد نہ عرف جاری باشد واکنوں در ہمہ روایات تطبیق دست داد وشاہد تحقیق بر منصۂ شہود جلوہ نمود ودر حلال وحرام امتیاز ہویدا شد۔ والحمد للہ علی ذلک وآنچہ کہ بسوی عمادی منسوب کردہ شدہ است لو قال مراسہ طلاق لایقع شئی. پس شامی در جلد ثانی صفحہ ۴۹۳، ۴۶۹ تصریح کردہ است کہ در عہد ابوالسعود عمادی ایں عرف دربلدہ وے شائع نبود وہم چنیں در فتوی خیریہ ومنحۃ الخالق تصریح کردہ است کہ در عہد ابوالسعود عمادی ایں عرف نبودہ است پس فتوی عمادی نیز بر عدم عرف مبنی است بر خلاف ناحیہ کشمیر کہ دریں جا عرف فاش است وہر جائیکہ عرف فاش باشد کہ طلاق بایں الفاظ دہند۔ پس در وقوع طلاق شبہ نیست۔ چنانکہ شامی در صفحہ ۴۶۹ تصریح کردہ است۔ پس استدلال بہ عبارت عمادی غلط است وایں ہیچمدان دریں مسئلہ رسالہ حافلہ تالیف کردہ است والحال بمقتضی حال طبع وایں وریقہ اکتفا افتاد کہ متضمن نوزدہ نقل بالواسطہ وبلاواسطہ است واللہ الموافق۔

واذا کنت فی المدارك غرا = ثم ابصرت حاذقاً لاتمار

واذا لم تر الھلال فسلم = لاناس رأوه بالابصار

راقم محمد انور شاہ کان اللہ لہ

(الجواب صحیح۔ فقیر محمد حسین، مدرسہ حسینیہ (الجواب صحیح۔رشید احمد، بندہ رشید احمد محدث گنگوہی)
(الجواب صحیح۔ابو محمد عبدالحق، ابو محمد عبدالحق مصنف تفسیر حقانی درست است۔ مشتاق احمد مدرس مدرسہ سرکاری ومدرس سابق لدھیانہ۔

اقول وبہ نستعین۔ بجائیکہ از الفاظ مذکورہ طلاق زوجہ مرادمی دارند وایں عرف دراں دیار مروجہ ومعروف است در وقوع طلاق بعد تحقق شرط تردد ے نیست۔ صرح به الفقهاء الاعلام من المحققين قال

الشامی فی ردالمحتار اقول و قدرئیت المسئلمة منقولة عند ناعن المتقدمین ففی الذخیره وعن ابن السلام فیمن قال ان فعلت کذا فثلاث تطلیقات علی اوقال علی واجبات یعتبر عادة اهل البلد الخ. والله تعالٰی اعلم کتبه عزیز الرحمٰن عفی عنه دیوبندی ، وتوکل علی العزیز الرحمٰن.

الجواب صحیح-بندہ محمود بندہ محمود عفی عنہ مدرس اول مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح-بندہ محمد حسن مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح-بندہ محمد مرتضٰی حسن عفی عنہ۔

الجواب صحیح-غلام رسول عفی عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔

الجواب صحیح-بندہ مسکین محمد یٰسین مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند۔

الجواب صحیح-ماجد علی۔ مدرس مدرسہ گلاوٹھی۔

الجواب صحیح-کریم بخش۔مدرس مدرسہ گلاوٹھی۔

از تصریحات محققین فقہاء ہویدا است کہ در وقوع طلاق بالفاظیکہ چوں الفاظ مندرجہ سوال اندبر عرف فاشی است ہر گاہ لفظے در طلاق شائع شد تاآنکہ در معنی دیگر استعمال کردہ نہ شود آں لفظ از الفاظ طلاق صریح خواہد شد قال الشامی فیقع بلانیة للعرف. وانما کان ماذکره صریحاً لانه صار فاشیاً فی العرف فی استعماله فی الطلاق بحیث لا یستعمل عرفاً الا فیه ولا یحلف به الا الرجال و قدمران الصریح ما غلب فی العرف استعماله فی الطلاق بحیث لا یستعمل عرفاً الا فیه من ای لغة کانت وهذا فی عرف زماننا کذالك فوجب اعتباره صریحاً کما افتا المتأخرون فی انت علی حرام بانه طلاق بائن للعرف بلانیة بناءً علیه الفاظ مذکورہ چوں در عرف کشمیر در طلاق متعارف شد حکم صریح گرفت وبعد تحقق شرط بلانیت ازاں الفاظ طلاق مغلظ واقع خواہد شد واللہ تعالٰی اعلم۔

حررہ خلیل احمد عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح عنایت الٰہی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور۔

صح الجواب ثابت علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح مسکین بدر الدین گلاوٹھوی مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سکندر علی عفی عنہ مدرس مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح لاریب فیہ۔ غلام محمد عفااللہ عنہ دہلوی۔

الجواب صحیح سید محمد اکبر علی الحسینی الحنفی القادری الدہلوی۔

از تقریر طویل مجیب صاحب مع حوالہ اسناد واضح گشت کہ مدار ور الفاظ طلاق بر رواج است ودر کشمیر لفظ طلاق بمعنی تطلیق کہ صفت مرد است شائع است پس در وقوع سہ طلاق ہیچ شکے داشتنی نیست محمد منفعت علی عفی عنہ صدر مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی، محمد منفعت علی یقال له ابراهیم واعظ دہلوی مدرسہ حسینیہ۔

الجواب محمد کرامت اللہ محمد کرامت اللہ خاں واعظ مدرسہ حسین بخش۔
الجواب صحیح سید انظار حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔
الجواب صحیح حبیبان خدا میں سب سے بڑھ کر حبیب احمد ہے (مدرس مدرسہ فتحپوری)
الجواب صحیح و المجیب نجیح لاشك فیه محمد امین بست ۲۲۰ ابندہ محمد امین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
الجواب صحیح محمد عبدالغفور، محمد عبدالغفور کان اللہ لہ دہلی۔
درست است محمد عبداللہ محمد عبداللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
الجواب صحیح۔ بندہ محمد قاسم عفی عنہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی مہر مدرسہ امینیہ دہلی۔ مدرسہ امینیہ عربیہ اسلامیہ ۱۳۱۵ ادہلی،
محمد عبدالرحمٰن، محمد عبدالرحمٰن الراسخ العلوی القاسمی الدہلوی۔
واعظ راسخ محمد عبدالقادر، محمد عبدالقادر دہلوی عفی عنہ۔
اصاب من اجاب۔ محمد الدین احمد مدرس مدرسہ گلاوٹھی۔
محمد پہدار خاں ابواحمد دہلوی عفااللہ عنہ المجیب ہوواللہ اعلم بالصواب حافظ شرع محمد پہدار خاں است
محمد عبدالسبحان ۱۳۱۰ عفی عنہ محمد عبدالسبحان دہلوی۔
دار داشفاز محمد یعقوب ۱۲۸۷ مفتی دہلوی۔
اصاب من اجاب محمد ضیاء الحق، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی
اصاب المجیب العلام والصوب لا یتجزاوزہ –
السید احمد علی سعید نگینوی معین المفتی دارالعلوم دیوبند
الحمد للہ کہ حق حقیق و تطبیق انیق از قلم حضرت استاذ علامہ کشمیری قدس سرہ ہویدا گشت وایں مسئلہ کہ از معضلات مسائل شمردہ می شود آنچناں بحل رسید کہ ہیچ خفا نماند۔ پس حق درو منحصر است واعراض ازوروانے فرحمه الله تعالى رحمة واسعة وجزاه عناو عن جميع المسلمين خير الجزاء.
(الجواب صحیح) مسعود احمد عفااللہ عنہ، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۵۹-۱۴-۸ ہجری
بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ، خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، ۱۴ شعبان ۵۹ ہجری

فصل فی الطلاق الصریح
(طلاق صریح)

میں نے طلاق دی وہ میری ماں ہے میں نے طلاق دی کا شرعی حکم

سوال (۴۷۸) زید اور اس کے خسر میں جھگڑا ہوا زید نے کہا میں نے طلاق دی وہ میری ماں ہے میں نے

طلاق دی اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) زید کی بیوی پر پہلے لفظ سے ایک طلاق رجعی اور تیسرے لفظ سے دوسری طلاق رجعی[1] واقع ہوئی۔لتحقق الاضافة الی الزوجة معنی وان لم یکن صراحة کالا ضافة المعنویة کافیة نص علیه البحر و ردالمحتار اور درمیانی لفظ یعنی وہ میری ماں ہے، لغو ہو گیا اس سے کوئی طلاق نہیں پڑی البتہ ایسے لفظ بیوی کو کہنا گناہ ہے حاصل یہ ہے کہ زید کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئی ہے۔ عدت کے اندر اندر بلا تجدید نکاح رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت تجدید نکاح کر کے رکھ سکتا ہے لیکن اس کے بعد اگر کبھی ایک دفعہ بھی طلاق دیدی تو طلاق مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ وهذا کله ظاهر من قوله هی امی اصرح منه فی العالمگیریة من الظهار ونصه ولوقال لها انت امی لا یکون مظاهراً و ینبغی ان یکون مکروهاً عالمگیری صفحه ۵۲۶ ج ۲، ومثله فی الدر المختار و الشامی وفیه حدیث رواه ابو داؤد یدل علی کراهة هذا اللفظ لا وقوع الطلاق به ۱۰ ربیع الاول سن ۱۳۵۰ هجری

جد اور ہزل طلاق میں برابر ہے

(سوال ۴۷۹) جو شخص مسئلہ طلاق سے ناواقف ہو وہ دھمکانے کے لئے اپنی زوجہ کو دو مرتبہ یہ کہہ دے کہ میں نے طلاق دی اور تیسری مرتبہ یہ کہہ دے کہ خدا میرا تجھ سے تعلق نہیں یا تعلق نہ رکھوں گا اور نیت طلاق کی قطعی نہ رکھتا ہو اس صورت میں وہ اپنی عورت کو رکھ سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) پہلی دو طلاقیں قطعاً اور یقیناً واقع ہو گئی کیونکہ لفظ طلاق میں نیت کرنا اور نہ کرنا دھمکی کے لئے کہنا یا محض ہنسی وغیرہ سے کہنا سب برابر ہیں ہر حال میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کما صرح به الفقهاء قاطبة من غیر خلاف اور حدیث میں ہے ثلث جد هن جد وهزلهن جد وعدمنها الطلاق. البتہ تیسری مرتبہ جو لفظ بولے ہیں اس میں تفصیل ہے اگر یہ لفظ کہے کہ میں تعلق نہ رکھوں گا تو ان لفظوں سے نہ طلاق جدید واقع ہوتی ہے اور نہ پہلی طلاقوں پر اس کا کوئی اثر پڑتا ہے کیونکہ یہ صورت وعدہ ہے ایقاع نہیں سو اس صورت میں دونوں طلاقیں رجعی رہیں گی حالت عدت میں بلا تجدید نکاح رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت تجدید نکاح بغیر حلالہ ہو سکتی ہے اور اگر تیسری مرتبہ میں یہ لفظ کہے ہیں کہ میرا تجھ سے تعلق نہیں تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ ان لفظوں سے اس کی نیت تیسری طلاق کرنے کی نہ تھی تو پہلی دو طلاقیں ان لفظوں کی وجہ سے بائنہ ہو جائیں گی اور اس صورت میں رجعت کا حق تو نہ رہے گا لیکن نکاح جدید بغیر حلالہ ہو سکے گا۔ لمافی الخلاصة لو قال لامرأة انت طالق ثم قال للناس زن من برمن حرام است وعنی به الاول اولانیة له فقد جعل الرجعی بائناً وان عنی به الا بتداء فهی طالق اخر بائن خلاصة الفتاوی صفحه ۸۶ جلد ۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ کنایہ اگر مطلقہ رجعی کے حق میں

(۱) نظر ثانی کے وقت مجھے اس طلاق کے رجعی ہونے میں شبہ ہو گیا کیونکہ اس کے الفاظ وہ میری ماں ہے اگر چہ مستقلاً حکم طلاق نہیں لیکن اگر اس نے ان الفاظ سے نیت حرمت کی کرلی ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو معنی طلاق میں ایک شدت کا اضافہ ان لفظوں سے ہو جاتا ہے جس کا مقتضی یہ ہے کہ طلاق بائن ہو جاوے جیسے فقہاء نے اشد الطلاق یا اطول الطلاق وغیرہ کے الفاظ میں بینونت کا حکم کیا ہے اس لئے ناظرین دوسرے علماء سے تحقیق فرما کر عمل کریں۔ بندہ محمد شفیع۔ صفر ۱۳۶۶ھ۔

بولے جائیں تو طلاق جدید کی نیت کرنے سے طلاق جدید واقع ہو جاتی ہے اور کچھ نیت نہ کرنے سے پہلی طلاق بائنہ ہو جاتی ہے۔

الغرض مسئلہ کی تین صورتیں ہو گئیں تینوں کو غور سے دیکھ کر یا کسی اہل علم سے معلوم کر کے اپنے معاملہ کی صورت متعین کر لیں۔ ۳ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری

لفظ (گذاشتم) فارسی میں اور (چھوڑ دیا) اردو میں صریح طلاق ہے

(سوال ۴۸۰) شوہر بغضب آمدہ گفت کہ مادرم رابگوئید کہ زیورات من از زوجہ من گرفتہ بدہند من اورا بگذاشتم برزنش کدامی طلاق واقع می شود۔ بعض علماء میگویند کہ درین صورت برزش یک طلاق بائن واقع می شود زیرا کہ لفظ گذاشتم ترجمہ فارسی لفظ سرحت است وبعض علماء بران ست کہ سرحت اگرچہ از الفاظ کنایہ است لیکن ازاں باعتبار عرف یک طلاق رجعی واقع می شود چنانچہ در بحر از مجتبی نقل ساختہ دور شامی از نجم الزاہدی مصرح شدہ کہ معنی سرحت رہا کردم است ازاں باعتبار عرف یک طلاق رجعی واقع میشود۔

(الجواب) قال فی العالمگیریة فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة والاصل الذی علیه الفتوٰی فی زماننا هذا فی الطلاق بالفارسیة انه اذاکان فیها لفظ لا یستعمل الا فی الطلاق فذلك اللفظ صریح یقع به الطلاق من غیر نیة اذا اضیف الی المرأ ة وما کان بالفارسیة من الالفاظ وغیره فهو من کنایات الفارسیة فیکون حکمه حکم الکنایات العربیة کذافی البدائع عالمگیری مطبوعه هند صفحه ۴۰۰ جلد ۱ وقال فی رد المحتار من باب الکنایات صفحه ۴۷۶ ج ۲ مطبوعه مصروقد مران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت الخ ثم قال فی العالمگیرة ولو قال الرجل لامرأ ةِ ترا ہنگ بازداشتم او بہشتم اویلہ کردم ترااوپائے کشادہ کردم ترا فهذا کلمه تفسیر قوله طلقتك عرفاً حتی یکون رجعیاً ویقع بدون النیة کذافی الخلاصة وقال الشامی من باب الکنایات صفحه ۴۷۶ جلد ۲ فان سرحتك کنایة لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح فاذا قال ر ہا کردم ای سرحتك یقع به الرجعی مع انه اصله کنایة ایضاً وما ذاك الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق وقد مران الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق. عبارت مذکورة الصدر سے ثابت ہوا کہ لفظ گذاشتم اگرچہ ترجمہ لفظ سرحتک کا ہے لیکن بوجہ عرف کے یہ لفظ طلاق صریح کے حکم میں ہے لہذا اس سے ایک طلاق رجعی[1] واقع ہو گی اور نیت کی محتاج نہ ہو گی۔ ۱۰ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ ہجری

(۱) فارسی میں لفظ گذاشتم اور اردو میں چھوڑ دیا جبکہ بیوی کے متعلق استعمال کئے جاویں اس مسئلہ میں فتاوی علماء عصر کے مختلف ہیں عزیز الفتاوی جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ (یعنی جدید ایڈیشن کے صفحہ ۵۰۷ ج دوم) میں اس کو کنایہ قرار دے کر محتاج نیت فرمایا ہے اور بشرط نیت وقوع بائن کا حکم دیا ہے اور بعض احباب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سے بھی یہی حکم نقل کیا ہے اور مولانا عبد الحی لکھنوی نیز سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ ان الفاظ کو بوجہ عرف عام کے صریح قرار دیتے تھے حکم اس کا یہی ہے کہ ایک طلاق رجعی ہو گی خواہ نیت ہو یا نہ ہو۔ احقر کے خیال میں بھی اسی کو ترجیح ہے غرض اس میں علماء کا اختلاف ہے سائل کو دیانۃً جس پر زیادہ اعتماد ہو اس کے فتویٰ کو اختیار کرنا چاہیے۔ محمد شفیع۔ صفر ۱۳۶۶ھ۔

فارسی میں کہا کہ من اورا بہشتم حسماً صریح طلاق ہے

(سوال ٤٨١) چہ میفر مانید علماء دین دریں مسائل کہ شخصے چوں بوقت شام برائے بردن دخترش بر مکان داماد ش درآمدہ ازو اجازت خواست ولو گفت تا گفتگوئے فلاں شخص فیصلہ نہ گردد ہر آئینہ رفتنش اجازت نخواہم داد اما مادرش جہت بردنش اذن واد بدیں گونہ آں شخص شریعت اللہ و مجیب اللہ کہ مادرم رابگوید کہ زیورات من از طلبیدہ مرلبد ہند من ارا نخواہم داشت بعدہ علی الصباح شریعت اللہ راگفت کہ مادرم راگفتہ زیورات من از وگرفتہ مرلبد ہند من اورا بہشتم۔ درصورت مرقومہ طالق بحلف می گویند کہ ہرگز مرانیت طلاق نہ بود بلکہ برائے ترسانیدن مادر من کہ بلا اذن من زوجہ ام راخانہ پدر داد بدیں گونہ اورا بہشتم گفت ہر گاہ کہ ایں واقع نزد علماء دیوریار سید جماعتے فتویٰ می دہند بریک طلاق رجعی ودیگر بریک طلاق بائن رائے خود مطلع کند طلاق بائن واقع شود یار جعی۔ ؟

(الجواب) اصل اس باب میں یہ ہے کہ طلاق صریح یا کنایہ کا مدار محض عرف پر ہے اس کے لئے الفاظ مقرر نہیں اور جو الفاظ کتب فقہ میں مذکور ہیں وہ محض مثال کے طور پر ہیں اور ان میں عرف پر ہی مدار ہے اسی لئے جب کسی لفظ کے متعلق کسی ملک کا عرف بدل جائے گا تو حکم بھی بدل جائے گا اسی لئے علامہ شامی نے ردالمحتار باب الکنایات میں لفظ حرام کے ماتحت ایک تحقیق نفیس کے بعد یہ طے کیا ہے کہ لفظ حرام اور سرحت وغیرہ اگرچہ اصل سے کنایہ ہیں لیکن چونکہ عرب اور فارس کے عرف جدید میں یہ الفاظ عورت کے خطاب میں طلاق ہی کے لئے مخصوص ہوگئے اس لئے اب یہ بحکم کنایات محتاج نیت نہ رہے و **لفظہ**.

وحلال الله عليه حرام لا حاجة الى النية على الصحيح المفتى به للعرف وانه يقع به البائن لانه المتعارف ثم فرق بينه و بين سرحتك فان سرحتك كناية لكنه فى عرف الفرس غلب استعماله فى الصريح فاذا قال رما كردم اى سرحتك يقع به الرجعى مع ان اصله كناية ايضا (الى قوله) و قدمر ان الصريح مالا يستعمل الا فى الطلاق من اى لغة كانت الخ (شامى مجتبائى صفحه ٤٦٤ ج ٢)

اس فیصلہ کے بعد یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صورت مسئولہ من اورا بہشتم میں جو امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے در اصل وہ باب فقہ سے نہیں بلکہ تجربہ اور اختلاف معلومات پر مبنی ہے۔ امام صاحب کو اس کا صریح ہونا متحقق نہیں ہوا اور صاحبین کو ہو گیا۔ اسی پر احکام اختلاف مبنی ہو گیا جیسا کہ بدائع میں اس کی تصریح موجود ہے۔

ولفظه واما الطلاق بالفارسية فقد روى عن ابى حنيفةؒ انه قال فى فارسى قال لامراته بهشتم آن زن اوقال آن زن بهشتم او قال بهشتم لا يكون ذلك طلاقاً الا ان ينوى به الطلاق لان معنى هذا اللفظ خليت وهو من الكنايات فكذا هذا اللفظ الاان ابا حنيفةؒ فرق بين اللفظين من وجهين احدهما انه قال اذا نوى الطلاق بقوله خليت يقع بائنا. واذانوى الطلاق بهذا اللفظ يقع رجعياً لان هذا اللفظ يحتمل ان يكون صريحاً فى لغتهم (الى قوله)

وقال اولم ابو یوسفؒ اذ اقال بھشتم آن زن اوقال زن بھشتم فھی طالق نوی الطلاق اولم ینو تکون تطلیقۃ رجعیۃ لان ابا یوسف خالط العجم ودخل جرجان فعرف ان ھذا اللفظ فی لغتھم صریح (الٰی قولہ) وان نوی بائنا فبائن وان نوی ثلاثا فثلاث انتھی۔

عبارات بدائع سے چند امور مستفاد ہوئے (۱) اختلاف صاحبین وامام صاحب دراصل اختلاف مذہب نہیں بلکہ اختلاف تجربہ پر موقوف ہے جیساکہ عبارت خط کشیدہ نمبر ا اور نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے اور بعینہ ایسا اختلاف ہے جیسے نکاح صابیہ کے بارے میں واقع ہوا ہے۔ (۲) اس لفظ میں امام صاحب کے نزدیک نیت شرط ہے اور صاحبین کے نزدیک نہیں جیساکہ خط کشدہ عبارت نمبر ۲، نمبر ۳ سے ظاہر ہے (۳) یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ حکم صرف اسی جگہ اور اسی ملک کے لئے ہوگا جہاں کا یہ عرف ہے دوسری جگہوں میں اپنی اصل کنایہ کا حکم رکھے گا جیساکہ خط کشیدہ نمبر ا سے معلوم ہوا کیونکہ اس میں مسئلہ مذکورہ کے حکم کے ساتھ فارسی کی قید بھی مذکور ہے اس کے علاوہ یہ ایک عقلی مسئلہ بھی ہے کہ جب عرف ورواج کی وجہ سے کنایہ کو صریح قرار دیا گیا ہے تو اسی جگہ کے لئے مخصوص ہوگا جس جگہ کا عرف ہو۔

اس لئے اب حاصل جواب یہ ہے کہ ہندوستان میں چونکہ لفظ ہشتم اور او غیرہ زبان زد عوام اور رائج نہیں اور عرف عام میں طلاق کے لئے یہ الفاظ ہندوستان کے کسی خطہ میں (جہاں تک ہمیں معلوم ہے) رائج نہیں اس لئے ہمارے یہاں نیز صوبہ پنجاب و بنگال وغیرہ میں بھی یہ لفظ اپنی اصل پر کنایہ سمجھا جائے گا اور موقوف بر نیت ہوگا اور بعد نیت کے اس سے حسب قاعدہ طلاق بائنہ واقع ہوگی البتہ ملک فارس وخراسان وغیرہ میں جہاں یہ لفظ طلاق صریح کے حکم میں ہے وہاں البتہ اس سے ایک طلاق رجعی بلا نیت کے بھی پڑ جائیگی اور اگر بینونت کی نیت کرے گا تو بائنہ ہو جائے گی کما ہو تصریح فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ اس بارے میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر نہ ہوگا۔ جیسا کہ عبارت شامی باب الکنایات سے معلوم ہوا۔

تتمہ جواب--- طلاق صریح کی صحیح تعریف یہی ہے کہ جو بیوی کے خطاب میں طلاق کے سوا کسی معنی میں اطلاق نہ کی جائے اس کے علاوہ دوسرے مواقع میں اگرچہ غیر طلاق میں بھی مستعمل ہو اور جو حضرات اس کو تسلیم نہیں کرتے ان کا قول صحیح نہیں کیونکہ ان کے قول پر تو پھر لفظ طلاق بھی صریح نہ رہے گا کیونکہ محاورات عرب میں ناقۃ طالق بھی بولا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں طلاق مراد نہیں ہو سکتی اسی طرح شامی کی عبارت مندرجہ بالا سے حرام اور سرختک کا صریح ہونا معلوم ہوا حالانکہ باتفاق لفظ حرام جس وقت بیوی کے سوا کسی اور شخص یا اور چیز کے لئے بولا جائے تو طلاق کے معنی نہیں ہوتے اسی طرح تسریح کا لفظ بھی غیر طلاق کے لئے جب کہ خطاب نساء نہ ہو استعمال کیا جاتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صریح کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ علاوہ خطاب نساء کے بھی کبھی غیر طلاق میں مستعمل نہ ہو واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

طلاق پر آمادہ ہوں کہنا

(سوال ۴۸۲) زید کی زوجہ کچھ عرصہ سے اپنے میکہ گئی ہوئی ہے جاتے وقت کسی قسم کی رنجش نہ تھی بعد

میں کچھ عرصہ کے زید لینے گیازوجہ کی والدہ نے رخصت کرنے سے انکار کردیازید نے کہااگر میری زوجہ خود آنے سے انکار کرتی ہے تو میں بھی طلاق دینے پرآمادہ ہوں اور جو کچھ فیصلہ ہو اسی وقت ہو چنانچہ زید اور اس کی زوجہ کا نانا زوجہ کے مکان پرآئے اور لڑکی سے کہا کہ تم شوہر کے یہاں جانا چاہتی ہو یا علیحدگی چاہتی ہو لڑکی نے جواب دیا مجھے علیحدگی منظور ہے پھر لڑکی کا نانا چند لوگوں کو بطور گواہ موقع پر لایا سب کی موجودگی میں لڑکی سے کہا کہ تمہارا شوہر تمہیں طلاق دینا چاہتا ہے تمہیں منظور ہے لڑکی نے کہا کہ مجھے منظور ہے لڑکی نے کہا میں نے مہر معاف کیا زید یہ گفتگو خاموشی سے سنتا رہا اور جو گواہ تھے انہوں نے بھی سنی زید کے ایک لڑکا اس زوجہ سے ہے زید نے کہا مجھے لڑکا دیدو۔ چنانچہ لڑکا لیکروہ چلاآیا لیکن زید نے اپنی زبان سے طلاق نہیں دی تو اس کی زوجہ پر طلاق ہوئی یا نہیں۔

(الجواب) اگر واقعہ یہی ہے جو سوال میں مذکور ہے تو زید کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی کیونکہ ابتداء میں جو لفظ طلاق کے اس نے کہے تھے یعنی میں بھی طلاق پرآمادہ ہوں تو وعدہ طلاق یا ارادہ طلاق ہے طلاق نہیں اور وعدہ یا ارادہ کے اظہار سے طلاق نہیں پڑتی۔ **کما هو مصرح فی عامة کتب الفقه.** پھر گھر پرآکر جو کچھ کہا اس کے نانا نے کہا اور نانا کو زید نے طلاق کے لئے وکیل نہیں بنایا اور خود کوئی لفظ صریح طلاق یا کنایہ کا استعمال نہیں کیا اور معاملہ طلاق میں کسی کے کہنے پر خاموش رہنے سے طلاق نہیں پڑتی بلکہ خود اپنے اقرار اور تلفظ وغیرہ سے پڑتی ہے۔ **کما هو ظاهر من سائر کتب الفقه.**

زوجہ کو کہنا کہ تجھ کو چھوڑ دیا

(**سوال ۴۸۳**) خلاصہ سوال یہ ہے کہ مسماۃ بلاول جان کا بیان ہے کہ میرے شوہر جہاں دار خاں نے تین طلاقیں دے دی ہیں نقل بیان گواہان ہمرشتہ سوال ہے ایک گواہ محمد اکرام خاں تین طلاق دینا بیان کرتا ہے اور دوسرا گواہ محمد سوار خاں بیان کرتا ہے کہ میرے دریافت کرنے پر کہ عام لوگ اس کا چرچا کرتے ہیں کہ بلاول جان کو تم نے طلاق دیدی یہ صحیح ہے یا غلط جہاں داد نے کہا کہ یہ درست ہے اور تیسرا گواہ بھگا خاں بیان کرتا ہے کہ میرے دریافت کرنے پر جہاندار خاں نے کہا تھا کہ میں نے چھوڑ دی ہے اور جواب نمبر ۱۵۴۲ میں آپ نے طلاق رجعی کا حکم دیا ہے تو طلاق رجعی کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ صرف محمد اکرام خاں تین طلاق بیان کرتا ہے۔ مسل ارسال ہے۔؟

(**الجواب**) مسل مقدمہ مسماۃ بلاول جان و جہاں دار خان دوبارہ بغرض تحقیق مزید و طلب دلیل موصول ہوئی اس کو دوبارہ دیکھا گیا اور غور کیا گیا صورت مسئولہ کا وہی حکم ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے یعنی مسماۃ بلاول جان پر ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی جو بعد عدت یعنی تین حیض آنے کے بعد بائنہ ہو جاوے گی کیونکہ محمد اکرام خان گواہ تین طلاق صریح دینا بیان کرتا ہے اور محمد سوار خان بیان کرتا ہے کہ اس کے دریافت کرنے پر جہاندار خان نے طلاق دینے کی تصدیق کی اور بھگا خان بیان کرتا ہے کہ میرے دریافت کرنے پر جہاندار خان نے کہا کہ میں نے چھوڑ دی ہے اور چھوڑ دی سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے کیونکہ یہ لفظ دراصل کنایہ ہے

مگر غلبہ استعمال سے صریح ہو گیا۔

قال الشامی فی باب الکنایات تحت لفظ الحرام فان سرحتك کنایة لکنه فی عرف الفرس غلب استعماله فی الصریح فاذا قال رها کردم ای سرحتك یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة ایضاً وما ذلك الا لانه غلب فی عرف الفرس استعماله فی الطلاق الخ و صرح به مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ فی مجموعۃ الفتاوی جلد اول.

پس جب کہ تین گواہوں کے بیان سے طلاق رجعی کا ثبوت ہو گیا تو وقوع طلاق رجعی میں کیا تردد ہے اور اکرام خان چونکہ تین طلاق بیان کرنے میں تنہا ہے اس لئے حکم تین طلاق کا نہیں دیا گیا اور طلاق رجعی میں عدت کے اندر زبان سے رجعت کر لینا اور یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو رجوع کر لیا اور در مختار باب الرجعت میں ہے۔ هی استدامة الملك القائم الخ فادامت فی العدة الخ بنحو راجعتك الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد۔ الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہ

میں نے تجھے چھوڑ دیا

(سوال ۴۸۴) زید نے حالت غصہ میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا جا تجھ کو نہیں رکھتا تو زید کی بیوی پر طلاق پڑ گئی یا نہیں اگر پڑی تو کیسی طلاق ہوئی اور کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) چھوڑ دیا کا لفظ جب کہ عورت منکوحہ کو کہا جائے تو ہمارے عرف میں صریح طلاق کا لفظ ہے محتاج نیت نہیں۔ صرح به الشامی فی باب الکنایات تحت قوله حرام بان لفظة سرحت وان کان بحسب الاصل کنایةً الاانه صار صریحاً للعرف.

لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاق رجعی پڑ گئی عدت کے اندر اندر بلا نکاح جدید کے رجعت کر سکتا ہے اور بعد عدت اگر عورت راضی ہو تو نکاح جدید باضابطہ بغیر حلالہ ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میکے میں چھوڑنے کا لفظ کہنا

(سوال ۴۸۵) میرے لڑکے کی سسرال والے میرے لڑکے سے اکثر ناراض رہتے ہیں انہوں نے ایک بہانہ سے چاہا کہ اپنی لڑکی کو اپنے یہاں بلا کر پھر چھ مہینے میں بھیجیں گے۔ یہ خبر لڑکے کو کسی نے کر دی لڑکی کے والدین اپنی لڑکی کو لینے کے واسطے آئے میرے لڑکے نے ان سے یہی جواب دیا کہ پہلے میرا قصور تم بتاؤ پھر میں تمہاری لڑکی کو بھیجوں گا تو اس پر وہ بالکل لاجواب ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم لڑکی کو نہ لے گئے تو ہتک ہو گی وہ ہمارے گھر سے چلے گئے اور باہر کھڑے ہو گئے میرے انتظار میں میں بھی دس منٹ کے بعد باہر گیا تو انہوں نے مجھ سے بڑی سختی سے کہا کہ تم لڑکی کو ہمارے ساتھ بھیج دو اور اپنے لڑکے کو سمجھا دو میں نے ان سے اقرار کر لیا اور گھر میں آکر اپنے لڑکے کی بیوی سے کہا کہ چل اپنے باپ کے گھر وہ کہنے لگی کہ میں ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گی جب تک میرا خاوند اجازت نہ دے میں نے اپنے لڑکے سے بھی یہی کہا اس نے

مجھے جواب دیا میں نے اس کو غصہ میں آکر مارا اور کہا کہ تو میرے خلاف کرتا ہے میں نے زبردستی اپنے لڑکے کی بیوی مع اس کے بچہ کے زبردستی گود میں دے کر اسکے والد کے ساتھ کر دی اور میں پھر ملازمت پر چلا گیا وہ میرے پیچھے اپنی سسرال میں بحالت غصہ گیا اس کو انہوں نے آتا ہوا دیکھ کر اپنی لڑکی کو مکان کے اندر مع بچے کے بند کر دیا اور مکان کو مقفل کر دیا جب میرا لڑکا پہنچا تو آپس میں پھر طعن زنی کی باتیں ہونے لگیں یہاں تک کہ میرے لڑکے نے کہا کہ اگر تم میری بیوی کو نہیں بھیجتے تو میرے باپ نے بھیجا ہے وہ آکر لے جاوے گا میں چھوڑ چلا اس پر طعنہ زنی کرتے کرتے لڑکی کی والدہ نے کہا کہ کیا تو چھوڑ چلا اس نے کہا ہاں یہی بات اس نے دو تین دفعہ کہی اس کو اس کے والدین تو طلاق بتاتے ہیں کیونکہ یہ لفظ ایک عورت اور ایک مرد کے سامنے کہے آیا ایسے الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں۔ ؟

(نوٹ) چھوڑ دینے سے مراد لڑکے کی یہ نہ تھی کہ میں طلاق دیتا ہوں بلکہ یہ تھی کہ میرا باپ جس سے تو لایا ہے وہ لے جاوے گا میں چھوڑ چلا۔ لڑکی کا باپ غصہ میں یہ کہتا ہے کہ تم بے فکر رہو میرا رنج تمہارے لڑکے سے ہے اس کو سیدھا ہو جانے دو پھر بھیجدوں گا میرے لڑکے نے پھر دوبارہ غصہ میں آکر اور لوگوں کے پاس باتوں باتوں میں آکر جواب دے دیا کہ جاؤ زور لگاؤ میں اس کو طلاق تصور کرتا ہوں کیا ایسی باتیں کہنے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو رنج ہے نہ کہ طلاق میرے لڑکے اور بہو کو آپس میں بے حد محبت ہے اور اس سے پہلے کبھی جھگڑا تک بھی نہیں ہوا۔ کیا ایسی صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں تو جروا بالدلیل۔ ؟

(الجواب) لڑکے کے الفاظ (میرے باپ نے بھیجا ہے وہ آکر لے جائے گا میں چھوڑ چلا) یہ لفظ طلاق کے لئے صریح نہیں بلکہ بیوی کو اس کے میکہ میں چھوڑ دینے کو محتمل ہیں بلکہ قرینہ حال و مقال سے یہی معنے رائج معلوم ہوتے ہیں اس لئے اگر فی الواقع لڑکے نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو طلاق ان الفاظ سے واقع نہ ہوئی لیکن بعد میں جو اس نے یہ لفظ کہے کہ جاؤ زور لگاؤ میں اس کو طلاق تصور کرتا ہوں ان لفظوں کے معنے ہمارے محاورے کے اعتبار سے یہی ہیں کہ وہ اپنے الفاظ سابقہ کے طلاق ہونے کا اس وقت اقرار کرتا ہے اگرچہ نیت طلاق کی نہیں لیکن جب کوئی شخص طلاق زوجہ کا اقرار لفظ طلاق کے ساتھ کرے اگرچہ دل میں نیت نہ ہو اور فی الواقع اقرار بھی جھوٹ ہو تب بھی قضاءً طلاق پڑ جائے گی۔ **قال الشامی ولو اقر بالطلاق کاذباً او ھازلاً وقع قضاءً لا دیانةً** (شامی کتاب الطلاق صفحہ ۴۳۲ جلد ۲)

اور دوسرے مواقع میں تصریح ہے کہ عورت کا حکم اس بارے میں مثل قاضی کے ہے یعنی جو قضاءً واقع ہو جائے عورت اس پر عمل کرے گی اور اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے گی لہذا صورت مذکورہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی عدت کے اندر اندر مرد کو رجعت کرنے کا اختیار ہے عدت گزرتے ہی عورت بائنہ ہو جائے گی پھر بغیر نکاح جدید کے اس کے نکاح میں نہ آسکے گی البتہ نکاح جدید پھر بھی ہو سکے گا حلالہ کی حاجت نہ ہو گی۔

طلاق دے چکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں

(سوال ٤٨٦) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی ولی داد خاں صاحب ولد امداد خاں قوم راجپوت مسلمان نے اپنی منکوحہ مسماۃ اصغری بیگم دختر اللہ دیا خاں کو اس امر پر مجبور کیا کہ مسماۃ مذکور اس کے دوستوں سے ترک پردہ کرے جو قطعاً اجنبی ہیں و نیز خلوت کے لئے انہیں دوستوں کے لئے کہا مسماۃ نے اپنے میکہ پہنچ کر ان واقعات کی اطلاع اپنے والدین سے کی والد نے اس کو روک لیا کچھ عرصہ بعد شخص مذکور منکوحہ کو لینے آیا جو لا لے جانے کو منع کیا گیا تو اس نے کہا کہ اگر تم لوگ آج نہیں بھیجو گے تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں میں طلاق دے چکا۔ اور والدین نے اس کو اس وقت تک نہیں بھیجا جس کو عرصہ چھ ماہ کا ہوتا ہے لہذا عرض ہے کہ صورت مذکورہ میں طلاق ہوئی یا نہیں۔

(الجواب) طلاق پڑجانا تو اس صورت میں ظاہر ہے باقی یہ سوال کہ طلاق کیسی پڑی سو اس کا جواب یہ ہے کہ الفاظ شوہر کے وہی ہیں جو سوال میں درج ہیں تو ایک طلاق بائن پڑ گئی۔ قال فی الدر المختار کما یقع البائن لو قال انت طالق طلقتہ تملکین بھا نفسک لانھا لا تملک نفسھا الا بالبائن (از شامی صفحہ ۴۶۴ جلد ۲) عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن ہو گئی کیونکہ طلاق صریح کے لئے الفاظ کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں اور یہ عدم تعلق طلاق بائن ہی کی صورت میں مقصود ہو سکتا ہے۔

لفظ فارغ خطی کا حکم

(سوال ۴۸۷) ایک شخص نے اپنی زوجہ سے تین مرتبہ کہا کہ میں نے تجھ کو فارغ خطی دی کیا طلاق واقع ہوئی۔؟

(تنقیح)۔ یہ فرمائیے کہ فارغ خطی دینے کا لفظ آپ کے محاورہ میں جب کہ عورت کے لئے بولا جائے علاوہ طلاق کے کسی اور معنی میں بولا جاتا ہے یا نہیں اس کے جواب پر اصل مسئلہ کا جواب موقوف ہے۔

(جواب تنقیح) ہمارے یہاں فارغ خطی اور طلاق ایک ہی معنی رکھتی ہے اور ہر وقت ناراضگی یا جھگڑے بیوی کے ساتھ ان الفاظوں سے استعمال کرنے کا خیال رکھتے ہیں اور خوف رکھتے ہیں کہ یہ جملے خلاف شریعت ہیں اس میں احتمال ہے کہ عورت ہمارے عقد سے باہر ہو جائے گی چونکہ فارغ خطی و طلاق کا لفظ ہم لوگ اپنی زوجہ کے واسطے اسی وقت استعمال کرتے ہیں جس وقت عورت ہمارے خلاف مرضی کام کرے اس وقت شوہر فارغ خطی کا لفظ کہہ کر چھوڑتا ہے جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں کہ میں تجھ کو چھوڑتا ہوں۔

(الجواب) لفظ فارغ خطی دراصل کنایہ طلاق قسم دوم میں داخل ہے کیونکہ۔ خلیۃ و بریۃ کا ہم معنی ہے نیز خلاصۃ الفتاوی اور عالمگیری میں ہے کہ لفظ لم یبق بینی و بینك عمل۔ کنایہ طلاق محتاج نیت ہے اور یہ لفظ اور لفظ فارغ خطی بالکل ہم معنی ہیں لہذا اصل سے یہ لفظ کنایہ قسم دوم ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر نیت طلاق کرے تو ایک طلاق بائنہ پڑجاتی ہے ورنہ کچھ نہیں لیکن بیان سائل سے نیز اہل عرف سے تحقیق کرنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ عوام اس لفظ کو بالکل طلاق صریح سمجھتے ہیں اور جب عورت کو یہ لفظ کہے جائیں تو سوائے طلاق کے اور کوئی معنی اس کے عرفاً مراد نہیں ہوتے اس لئے اس کا حکم ایسا ہو گیا جیسا لفظ حرام کا یعنی انت علی حرام وغیرہ کا کہ یہ اصل سے تو کنایہ محتاج نیت ہے لیکن چونکہ عرف میں بمنزلہ صریح ہو گیا اس لئے نیت کی حاجت نہ رہی لیکن طلاق اس سے پھر بھی رجعی نہیں پڑتی بلکہ بائنہ پڑتی ہے کیونکہ یہ ہی عرف ہے اور نیز لفظ حرام معنی طلاق پر ایک شدت کا اضافہ کرتا ہے جو بینونت کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے۔ والدلیل علیه ماقال الشامی فی کتاب الطلاق بحث الکنایات و قد صرح البزازی اولا بان حلال الله علی حرام بالعربیة اوالفارسیة لا یحتاج الی النیة حیث حلال ایزد بروے حرام او حلال الله علیه حرام لا حاجة الی النیة وهو الصحیح المفتی به للعرف و انه یقع به البائن لانه المتعارف الی قوله و قد مران الصریح مالا یستعمل الا فی الطلاق من ای لغة کانت لکن لما غلب استعمال حلال الله فی البائن عند العرب و الفرس وقع به البائن ولولا ذلك لوقع به الرجعی وفی البدائع مثله مع زیادة تحقیق و تفصیل۔ حاصل یہ ہے کہ احمد اللہ کے اول لفظ (میں نے فارغ خطی دی) سے ایک طلاق بائن پڑ گئی اور پھر جو دو مرتبہ اور کہا اس سے کچھ نہیں پڑا۔ لمافی الدر المختار والکنز ولا یلحق البائن البائن وقال الشامی ولا یرد (الواردمن قولهم و البائن یلحق الصریح فان لفظ الحرام صار بمنزلة الصریح ناسب ان یلحقه البائن الاخر بحسب الظاهر فاجاب عنه الشامی) انت علی حرام علی المفتی به من عدم توقفه علی النیة مع انه لا یلحق البائن ولا یلحقه البائن لکونه بائناً لما ان عدم توقفه علی النیة امر عرض له لا بحسب اصل وضعه اه الخ.

(شامی صفحہ ۴۸۱ ج ۲ مصری)

خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ زوجہ احمد اللہ خان پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی اور اگر رضاء طرفین ہو تو بغیر حلالہ کے عدت میں وبعد عدت جب چاہیں تجدید نکاح کر سکتے ہیں لیکن یہ جواب اس تنقیح پر موقوف ہے جو سائل نے بیان کی ہے کہ فارغ خطی کا لفظ عورت کے خطاب میں سوائے طلاق کے اور کسی معنی میں اطلاق نہیں ہوتا بلکہ طلاق اور فارغ خطی کے ایک ہی معنی سمجھے جاتے ہیں اور اگر یہ عرف نہ ہو تو پھر طلاق کا پڑنا احمد اللہ خان کی نیت پر موقوف رہے گا۔ اگر نیت طلاق کر لی تھی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی ورنہ کچھ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(تنبیہ) یہ مسئلہ قواعد فقہیہ اور بعض عبارات کتب کی مدد سے لکھدیا گیا ہے لیکن محل غور ہے بہتر ہے کہ دوسرے حضرات علماء سے بھی اس میں استفتاء کر لیا جائے۔ دیوبند ۱۳۶۰ ہجری (اضافہ)

بیوی کے مطالبہ طلاق پر شوہر نے کہا تم چاہو تو ہزار مرتبہ یا کہا (ایک دو تین)

(سوال ۴۸۸) ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے طلاق دیدو شوہر نے جواب میں کہا کہ تم چاہو تو ہزار مرتبہ یا کہا کہ ایک دو تین۔ اس سے طلاق ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہو گی۔لمافی الخانیة قالت المرأة لزوجها طلقنی فقال الزوج ان شئت الف مرة لا یقع شئی (خانیه صفحه ۲۱۷ جلد ۲) والله اعلم (اضافه)

زوجہ کو کہنا کہ تم اپنا نکاح دوسرے سے کرلو

(سوال ۴۸۹) کسی نے اپنی زوجہ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ میری محبوبہ خدیجہ خاتون تم کو میری محبت معلوم ہو تم اپنی راہ دیکھ سکتی ہو اس میں مجھے کچھ عذر نہیں تمہاری امید اب میں نے دل سے نکال دی پھر جھوٹی آس پر بیٹھے رہنے کی کیا ضرورت یہ میرا آخری خط ہے تم اپنے باپ یعنی پیر صاحب سے کہہ دو کہ تمہارا نکاح وہ کسی دوسرے سے کردیں تم پیر کی لڑکی پیر میرے ایسے خس و خاشاک کی تم سے برابری زیادہ اور نہیں لکھ سکتا تمہارا محبوب غلام سرور صورت مذکورہ میں بی بی مطلقہ ہو گی یا نہیں۔ بتقدیر اول کس قسم کی طلاق ہو گی اور کتنی واقع ہوں گی۔؟

(الجواب) قال فی الدر المختار فی الفروع من الطلاق اذهبی و تزوجی تقع واحدة بلانیة قال الشامی لان تزوجی قرینة فان نوی الثلا ث فثلاث بزازیة و یخالفه مافی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان ولو قال اذهبی فتزوجی وقال لم انوا لطلاق لا یقع شئ لا نه معناه ان امکنك. شامی مجتبائی صفحه ۴۷۴ ج ۲) وفی الشامی عن البحر عن شرح قاضی خان ولو قال استری منی خرج عن کونه کنایة اه وهل المراد عدم الوقوع به اصلا وانه یقع بلانیة والظاهر هو الثانی و علیه فهل الواقع بائن اور جعی والظاهر البائن لکون قوله منی قرینة لفظیة علی ارادة الطلاق بمنزله المذاکرة شامی مجتبائی صفحه ۴۶۳ ج۲)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی کیونکہ قرائن قویہ نیت طلاق کے موجود ہیں بشرطیکہ نیت تین طلاقوں کی نہ کی ہو ورنہ تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور جب کہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوئی تو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر جانبین راضی ہو کر دوبارہ نکاح کرلیں بغیر کسی انتظار کے فوراً کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

زوجہ سے کہا جا تو دوسرا نکاح کرلے

(سوال ۴۹۰) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ جا تو دوسرا نکاح کرلے کیا طلاق ہو گئی یا شوہر کی نیت پر موقوف ہے۔؟

(الجواب) ایک طلاق بائن ہو گئی نیت پر موقوف نہیں البتہ اگر نیت تین طلاق کرے گا تو تین طلاق ہو جائیں گی۔ لمافی الا نقرویه قال اذهبی فتزوجی یقع واحدة ولا حاجة الی النیة فان نوی الثلاث فثلاث اه. والله تعالی اعلم (اضافه)

فصل فی الطلاق بالکنایات
(کنایات طلاق کا بیان)

بیوی کو کہا میں نے تم کو طلاق دیدی ہے میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہا؟

(سوال ۴۹۱) زید نے اپنی بیوی کو مندرجہ ذیل تحریر بذریعہ رجسٹری ڈاک بھیجدی میں نے اور میرے والدین نے تمہیں گھر آباد کرنے کی جدوجہد کی لیکن سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اس واسطے تنگ آکر تم کو بحکم شریعت طلاق دیدی ہے اور میرا تم سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے تم اس خط کو سن کر اپنے آپ کو مجھ سے علیحدہ سمجھنا اور ہمارا تمہارے والدین کے ذمہ جو قرض ہے اس میں سے شرعی مہر تمہارا جو ۳۲ عہ ہے نصف جس کا ۱۶ عہ ہوتا ہے وصول کرلینا اور ہمارا زیور جو تمہارے پاس ہے ہمیں بھیج دینا باقی تمہارا کوئی حق میرے ذمہ نہیں ہے میں یہ طلاق نامہ تم کو تمہارے والد کی وساطت سے بھیجتا ہوں کیا اس سے طلاق ہوگئی یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکور میں شوہر کے پہلے الفاظ طلاق صریح کے ہیں اور دوسرے کنایہ کے الفاظ کنایہ کی صورت مذکورہ میں دو لفظ استعمال کئے گئے ہیں اول میرا تم سے کچھ تعلق نہیں دوسرے تم اس خط کو سن کر اپنے کو مجھ سے علیحدہ سمجھنا یہ دونوں لفظ کنایات بوائن میں سے ہیں کیونکہ پہلا لفظ خلیۃ بریۃ کا ترجمہ ہے نیز الفاظ مندرجہ عبارات ذیل اس کی نظائر ہیں جن کو فقہا نے کنایات بوائن میں شمار کیا ہے۔ **لم یبق بینی وبینك عمل و نوی یقع كذافی العالمگیریه صفحه ۳۷۵ و مثله فی قاضی خان ۲۱۷ ولو قال لها مرابا تو کارے نیست و ترابا من نے اعطنی ماکان لی عندك واذهبی حیث شئت لا یقع بدون النیة. عالمگیری صفحه ۳۷۵ و مثله فی الخلاصة صفحه ۹۸ ایں ساعت میان ماراه نیست لیس بشنی بلانیة ۳۶۰ ومثله فی الخلاصة صفحه ۱۰۰ لا سلطان لی علیك اوانت سائبة یقع الطلاق وان قال لم انوالطلاق لا یصدق قضاءً عالمگیری صفحه ۳۵۱ و ذکر قاضی خان فیه خلافاً بین الشیخین فقال الامام یصدق قضاء وقال ابو یوسف لا.** دوسرے لفظ علیحدہ سمجھنا یہ بائن کا ترجمہ ہیں بلکہ صاحب خلاصہ نے ان میں احتیاج نیت کی بھی قید اٹھادی ہے۔ **حیث قال رجل سئل من امراته بعد ما تشا جرا قال بجانش ماندم او عفو کردم اور ها کردم او بخدائے بخشیدم او جدائی کرده ام فی هذا یقع بدون النیه و فی البواقی یشترط النیت (خلاصه صفحه ۱۰۰ ج ۲. انتهٰی)**

اور الفاظ مندرجہ عالمگیری **لم یبق بینی و بینك شئی** جن کو طلاق ہونے سے خارج کیا گیا ہے اور وہ محاورہ کے اعتبار سے الفاظ مندرجہ سوال کی ہرگز نظیر نہیں بلکہ اس کی نظیر **لم یبق بینی و بینك عمل** ہے کیونکہ **لم یبق بینی و بینك شئی** کے الفاظ عموماً صفائی معاملہ و حساب کے وقت بولے جاتے ہیں طلاق اس کا مدلول نہیں بخلاف لفظ عمل یا تعلق کے بلاشبہ اس کا مدلول بن سکتا ہے الفاظ کنایہ میں اس جگہ باعتبار

مرادو نیت متکلم کے عقلاً تین احتمال ہیں تینوں احتمالوں پر حکم شرعی جداگانہ ہے اول یہ کہ الفاظ کنایہ سے اس نے پہلی طلاق ہی مرادلی ہو یعنی اس طلاق اول کی توضیح و تفسیر اوربیان حکم اس سے مقصود ہو دوسرے یہ کہ ان الفاظ سے مستقل طلاق کی نیت کی ہو تیسرے یہ کہ ان الفاظ سے کچھ کسی چیز کی نیت نہ کی ہو پہلی صورت میں ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی۔ لمافی الخلاصة و فی الفتاوٰی لو قال لامرأته انت طالق ثم قال للناس زن من حرام ست وعنی به اولانية له فقد جعل الرجعی بائنا وان عنی به الا بتداء فهی طالق اخر بائن (خلاصة الفتاوٰی صفحه ۸۲ ج ۲) وفی الکنزانت طالق بائن (الٰی قوله) فهی واحدة بائنة و فی فتح القدیر قید بکون البائن صفة بلا عطف لانه لو قال انت طالق و بائن او قال انت طالق ثم بائن وقال لم انو بقولی بائن شیئاً فهی رجعیة ولو ذکر بحرف الفاء والباقی بحاله فهی بائنه کذافی الذخیرة بحر صفحه ۴۱۰ ج ۳)

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جب عبارت میں کوئی قرینہ ایساموجود ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ الفاظ کنایہ طلاق سابق کابیان یا تفسیر و تفریع ہیں توایک طلاق بائنہ بلااحتیاج الی النیة واقع ہو جائے گی جیساکہ بائن کے حکم سے ظاہر ہوا بحوالہ فتح القدیر اور اسی طرح جب کہ متکلم ان لفظوں سے طلاق اول کے بیان کی نیت کرے جب بھی ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اگر چہ لفظوں میں کوئی حرف تفریع وغیرہ موجود نہ ہو۔(کما ظهر من عبارة الخلاصة)وقال افی البحر کل کنایة قرنت بطالق یجری فیها ذلك(بحر صفحہ ۳۱۰ ج ۳) اوردوسری صورت میں دو طلاقیں بائنہ واقع ہو جائیں گی جیساکہ خلاصۃ الفتاوٰی کی عبارت مذکورہ سے معلوم ہوااور اس کی توضیح در مختار میں اس طرح ہے۔ ولو نوی بطالق واحدة و بنحو بائن اخری فیقع ثنتان بائنتان(از شامی صفحہ ۷۸۲ج ۲)اور تیسری صورت میں بعض عبارات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ کنایہ ہدروبیکار ہو جائیں گے اور طلاق رجعی اول باقی رہے گی۔ لمافی الدر المختار و لو عطف وقال و بائن او ثم بائن ولم ینو شیئاً فرجعیة ومثله مر من الخ.اور بعض عبارات فقہیہ اس صورت میں بھی طلاق بائنہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔لما فی الدرالمختار وعامة کتاب الفقه. من کون البائن و الخلیة والبریة من القسم الثانی من الکنایات الذی لا یتوقف علی النیة فی مذاکرة الطلاق وقد صرح الشامی بان تقدیم الا یقاع من المذاکرة حیث قال تفسر المذاکرة بسوال الطلاق اوتقدیم الایقاع. وفی الدر المختار لان مع الدلالة لا یصدق قضاء فی نفی النية لانها اقوی لکونها ظاهرة والنية باطنة.

صورت مذکورہ میں جو لفظ کنایہ ہیں وہ بھی خلیۃ بریۃ کے ترجمہ ہیں لہذا بحالت مذاکرہ محتاج نیت نہ ہوں گے اور مذاکرہ طلاق تقدیم ایقاع صریح سے ثابت ہو چکا خلاصہ یہ کہ نیت متکلم کے اعتبار سے صورت اولٰی میں ایک طلاق بائنہ اور صورت ثانیہ میں دوبائنہ متعین ہیں اور صورت ثالثہ میں بعض عبارات فقہ سے ایک رجعی مستفاد ہوتی ہے اور بعض سے بائنہ پھر چونکہ محاورات زبان اور عرف عام کے اعتبار سے تیسری صورت بہت مستبعد تھی اور رجعی ہونا بھی اس کا متیقن نہ تھا اور اس کے بیان کرنے میں سائل کو

تلقین ہوتی تھی اس لئے جواب میں تیسری شق سے تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ ہمارے عرف میں اس عبارت کا صاف مطلب یہی سمجھا جاتا ہے کہ متکلم اپنے لفظوں سے (کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں الخ) اسی طلاق کو بیان کررہا ہے جس کو اس سے پہلے صراحۃً ذکر کیا گیا ہے اور حرف عطف (اور) محض عطف تفسیری ہے چنانچہ خود سائل سے جب زبانی دریافت کیا گیا تو اسی نیت کا تحریری اقرار کیا جو تحریر ہذا کے ساتھ منسلک ہے نظر براں صرف دو احتمالوں کا حکم لکھا گیا ہے کہ ایک صورت میں ایک طلاق بائنہ اور دوسری میں دو بائنہ واقع ہوں گی تیسرا احتمال خلاف تبادر ہونے کے ساتھ خود متکلم کی مراد بھی نہیں اس لئے اس سے تعرض کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیوی کو کہنا کہ تو میرے کام کی نہیں رہی اس سے سخت بیزار ہوں،
میں اسے نہیں بساؤں گا میرے سامنے سے چلی جا تو
میری بیوی نہیں اور میں تیرا شوہر نہیں

(سوال ٤٩٢) اگر مسمی حبیب عرف رضی احمد مسماۃ فرحت زوجہ اپنی کو لوگوں سے یوں کہتا پھرے کہ مسماۃ فرحت زوجہ میری میرے کام کی نہیں رہی میں اس سے سخت بیزار ہوں میں اسے نہیں بساؤں گا میرے سامنے سے چلی جا تو میری بیوی نہیں اور میں تیرا شوہر نہیں اس صورت میں مسماۃ فرحت زوجہ حبیب پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ الفاظ کہ میری زوجہ میرے کام کی نہیں رہی اور میں اس سے بیزار ہوں اور میرے یہاں سے چلی جا یہ سب الفاظ کنایہ طلاق کے الفاظ ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے ان الفاظ سے طلاق دینے کی نیت کی ہو تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے ورنہ کچھ نہیں لہذا اگر مسمی حبیب نے ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی تو طلاق بائنہ واقع ہو گئی ورنہ نہیں۔ **قال فی العالمگیریة صفحه ٢٩٢ جلد ٢. وفی الفتاوی لم یبق بینی و بینك عمل و نوی یقع الطلاق و فی موضع اخر منهما قبل ذلك باسطر اخرجی اذهبی قومی وغیره من باب الکنایات. وفی الطلاق بالفارسیة منها صفحه ٤٠٣ جلد ٢. ولو قالت بیزار شواز من فقال بیزار شدم یشترط النیة** اسی طرح جو الفاظ شعر میں ہیں کہ (تو میری بیوی نہیں اور میں تیرا شوہر نہیں) یہ الفاظ بھی کنایہ ہی ہیں۔

کما فی العالمگیریة صفحه ٣٩٤ جلد٢ ولو قال ما انت لی بامراۃٍ ولست لك بزوج و نوی الطلاق یقع عند ابی حنیفةؒ.

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسمی حبیب نے طلاق کی نیت کی یا ذکر طلاق کے وقت یہ الفاظ بولے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی ورنہ نہیں۔ ٢٩ صفر ١٣٥٠ ہجری

بیوی کو کہنا کہ تو مجھ پر حرام ہے

(سوال ٤٩٣) میں نے اپنی عورت کو چار پانچ مرتبہ یہ کہہ دیا کہ تو مجھ پر حراب ہے اور اب چاہتا ہوں کہ ہم

آپس میں رضامند ہو جائیں تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے۔ ؟
(الجواب) آپ نے جو لفظ حراب (ب) کے ساتھ لکھا ہے سمجھ میں نہیں آیا اگر یہ لفظ غلطی سے لکھ دیا گیا ہے اور اصلی لفظ حرام کہا ہے تو اس سے عورت پر طلاق بائنہ واقع ہو گئی خواہ آپ نے نیت طلاق کی کی ہو یا نہیں اور پہلی دفعہ حرام کہنے سے طلاق بائنہ واقع ہو گئی تو پھر دوسری تیسری مرتبہ جو ان لفظوں کا استعمال کیا اس سے دوسری طلاقیں واقع نہیں ہوئیں لہذا اب عدت کے اندر اور عدت کے بعد جب چاہیں بتراضی طرفین نکاح جدید کر سکتے ہیں۔ حلالہ کی ضرورت نہیں۔

والدليل عليه ما فى الشامى من كناية الطلاق وقد صرح فى الشامى اولاً بان حلال الله عليه حرام بالعربية اوبالفارسية لا يحتاج الى نية الى قوله وهو الصحيح المفتى به للعرف وانه يقع به البائن لانه المتعارف شامى صفحه ٤٨٦ ج ٢ وايضاً فى الشامى من الطلاق واذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها فى عدتها انت على حرام او برية الى قوله وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شئى شامى مصرى صفحه ٤٨٣ ج ٢ .و ايضاً قال الشامى تحت قول الدر المختار الصريح يلحق البائن ثم قوله و الصريح مالا يحتاج الى النية ولا يرد انت على حرام على المفتى به من عدم توقفه على النية مع انه لا يلحق البائن ولا يلحقه البائن لكونه بائناً لما ان عدم توقفه على النية امر عرض له لا بحسب اصل وضعه. شامى صفحه ٤٨١ جلد٢. والله سبحانه تعالى اعلم . ٤ ربيع الاول سن ١٣٥٠ هجرى

زوجہ کو ماں، بہن کہنے سے نہ طلاق ہوتی ہے نہ ظہار

(سوال ۴۹۴) زوجین میں تنازعہ ہوا شوہر نے زوجہ کو ماں بہن کہا اور عورت نے اس کو بھائی کہہ دیا پھر زوجہ نے طلاق مانگی تو زوج نے انکار کیا پھر باہم صلح ہو گئی تو نکاح باقی رہا یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا۔
اس پر مولوی صاحب ومدرس مدرسہ امداد العلوم میرٹھ نے وقوع طلاق کا اور ظہار کا حکم دیا تھا دارالافتاء دیوبند سے حکم ذیل لکھا گیا۔
(الجواب) جواب مذکورہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس صورت میں نہ طلاق پڑتی ہے اور نہ ظہار ہوتا ہے البتہ ایسے لفظ کہنا مکروہ ہے۔ بشر طیکہ لفظ وہی کہے ہوں جو سوال میں مذکور ہیں۔
والدليل عليه مافى العالمگيرية ولو قال لها انت امى لا يكون مظاهراً و ينبغى ان يكون مكروهاً ومثله ان يقول يا ابنتى و يااختى. عالمگيرى اصح المطابع صفحه ١٤٧ ج ٢ باب الظهار.

زوجہ کو کہنا تو مجھ پر حرام ہے (جیسے کہ ماں، بہن)

(سوال ٤٩٥) زید سے اس کی بیوی کے بارے میں تذکرہ طلاق ہو رہا تھا کہ جب تمہاری طبیعت اس سے نہیں ملتی تو اس کو طلاق دے کر علیحدہ کر دو زید نے کہا کہ میں طلاق دینے کو تیار ہوں مگر وہ معافی مہر کی

لکھدے اس کے بعد زید نے کہا کہ نہ وہ میری بیوی ہے نہ میں اس کا شوہر اور وہ مجھ پر حرام ہے جیسا کہ ماں، بہن مجھ پر حرام ہیں آیا طلاق ہوئی یا نہیں۔ ؟

(الجواب) بلاشبہ ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی. قال فی الدر المختار و بانت علی حرام کامی صح مانواه من ظهار او طلاق بان سأ له اياه وقال نويت الظهار. نهر. قلت ينبغي ان لا يصدق لان دلالة الحال قرينة ظاهرة تقدم على نية فى باب الكنايات فلا يصدق فى نية الادنى لان فيه تخفيفاً عليه تامل شامى باب الظهار. ومثله صرح فى باب كنايات الطلاق.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ الفاظ مندرجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی خواہ نیت طلاق کی ہو یا نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

لفظ حرام تین دفعہ کہا

(سوال ٤٩٦) ایک شخص نے روبرو گواہوں کے اپنی منکوحہ کو تین دفعہ کہا کہ تم میرے لئے بالکل حرام ہو چکیں اب اگر شوہر طلاق سے انکار کرے تو گواہوں کے بیان سے عند الشرع طلاق ہوگئی یا نہیں۔ ؟ اور زبانی کہنا کافی ہوگا یا تحریر کی ضرورت ہوگی۔ ؟

(الجواب) اگر واقع میں زید نے الفاظ مذکورہ کہے ہیں تو ایک طلاق بائنہ پڑگئی خواہ گواہ ہوں یا نہ ہوں اور زبانی کہے یا تحریر لکھے دونوں صورتیں برابر ہیں البتہ حاکم کے سامنے یا پنچائت میں اگر معاملہ پیش ہوگا تو حاکم طلاق کا حکم بغیر اقرار زوج یا گواہوں کے نہ کرے گا اور اس صورت میں اگر خاوند منکر ہو اور گواہ طلاق کی گواہی دیں اور گواہوں میں شرائط شہادت موجود ہوں تو حکم طلاق کا کیا جاوے گا. والدليل عليه مافى الشامى ولو قال حلال ایزد بروى وحلال الله عليه حرام لا حاجة الى النية وهو الصحيح المفتى به للعرف وانه يقع به البائن لانه المتعارف شامى باب الكنايات صفحه ٧٦٢ ج٢. وايضا قال الشامى ولا ير دانت على حرام على المفتى به من عدم توقفه على النية مع انه لا يلحق البائن ولا يلحقه البائن لكونة بائنا لما ان عدم توقفه على النية امر عرض له لا بحسب اصل وضعه انتهى شامى تحت قوله والبائن يلحق الصريح صفحه ٧٧٠ ج ٢-

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ لفظ حرام سے بلا نیت طلاق کے بھی طلاق بائنہ پڑجاتی ہے اور جب پڑگئی تو دوسری اور تیسری مرتبہ جو پھر حرام کے الفاظ کہے ان سے کوئی طلاق نہ پڑے گی لہذا ایک طلاق بائنہ رہ گئی بدون حلالہ کے عورت کی رضاء سے نکاح جدید بالفعل کر سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

میری طرف سے طلاق ہی ہے اب مجھ سے پردہ کرو

(سوال ٤٩٧) زید نے جھگڑا کرتے ہوئے اپنی زوجہ ہندہ سے کہا کیا تو طلاق چاہتی ہے ہندہ نے جواب دیا کہ میں تو نہیں چاہتی اگر تمہاری طبیعت چاہے تو طلاق دیدو اس پر زید نے کہا کہ میری جانب سے تو طلاق سی ہی

ہے اب مجھے بالکل غیر سمجھو اور جس طرح غیر آدمی سے پردہ کیا جاتا ہے تم مجھ سے بھی پردہ کرلو آیا زید کے ان الفاظ سے ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) مندرجہ بالا الفاظ سے ہندہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی. **قال فی الشامی من الکنایة صفحة ٤٧٦ ج ٢. ولو قال استتری منی خرج عن کونه کنایة وهل المراد عدم الوقوع به اصلاً او انه یقع بلانیة والظاهر الثانی و علیه فهل الواقع** بائن اور جعی **والظاهر البائن لکون قوله منی قرینة لفظیة علی ارادة الطلاق بمنزلة المذاکرة.**

یہ کہنا کہ طلاق ہی سہی

(سوال ٤٩٨) زید نے اپنے ماموں سے اپنی بیوی کی شکایت کی انہوں نے جواب دیا کہ یا تو ضبط کرو ورنہ طلاق دیدو چنانچہ زید نے بحالت غصہ یہ کہہ دیا کہ طلاق ہی سہی۔ اب زید نادم ہے اور زوجہ کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں زید کو کیا کرنا چاہئیے اور زید کی زوجہ حاملہ بھی ہے۔؟

(الجواب) الفاظ مذکورہ سے ایک طلاق رجعی پڑگئی جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر اندر خاوند کو رجعت کرلینے کا اختیار ہے اور اس رجعت میں عورت کی رضامندی شرط نہیں اور جب کہ یہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے اس سے پہلے پہلے رجعت کرسکتا ہے صورت رجعت یہ ہے کہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجعت کرلی اور پھر اس کے ساتھ تعلقات زن و شوہر قائم کرے اور مستحب یہ ہے کہ رجعت کرنے پر دو گواہ کرلے. **قال فی الدر المختار و تصح ای الرجعة بنحو راجعتك و بالفعل مع الکراهة بکل مایو جب حرمة المصاهرة کمس الی قوله وان ابت انتهی. ای سواء رضیت بعد علمها او ابت شامی من الرجعة صفحة ٥٤٥ ج.** واللہ تعالیٰ اعلم

مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں

(سوال ٤٩٩) میں نے اپنی دختر زیب النساء کی شادی اصغر کے ساتھ کردی تھی بعد شادی اس نے تمام زیورات و کپڑے چھین کر مار پیٹ کر کے گھر سے نکال دیا اور یہ کہا تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ مجھ سے تم سے کوئی واسطہ سروکار نہیں ہے اس صورت میں لڑکی کا دوسرا نکاح جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو الفاظ اصغر نے کہے ہیں وہ کنایہ طلاق[1] ہیں جن سے بغیر نیت طلاق کے طلاق نہیں پڑتی۔ سو اگر اصغر نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت کی تب تو طلاق بائنہ پڑگئی اور بعد عدت عورت کو دوسرا نکاح کرنا حلال ہوگیا ورنہ نہیں لیکن اگر واقع میں اصغر اپنی بیوی کے نان و نفقہ کی خبر نہیں لیتا تو اس کی زوجہ کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں یا مسلمانوں کی پنچائت میں اپنا واقعہ پیش کر کے بموجب فتاوی فسخ نکاح کا

---

[1] مجھ سے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس جملہ سے طلاق واقع ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاوی ج ۲ ص ۳٦١ میں عرف کی وجہ سے نیت طلاق کی صورت میں طلاق واقع ہونے کو ترجیح دی ہے۔

حکم حاصل کرے اور پھر عدت طلاق گزار کر دوسری جگہ نکاح کرے بغیر اس طرح حکم حاصل کرنے کے دوسرا نکاح حلال نہیں۔

والدلیل علی القول الاول مافی الشامی فی الکنایات اخرجی و اذھبی وفی العالمگیریة و فی الخلاصة لم یبق بینی و بینك شئی او عمل یقع ای الطلاق ان نوی و الدلیل علی ما قلنا ثانیا ما فی الشامی من کتاب النفقة فی اعسار الزوج ما حاصله ان ینفذ فی ھذا الباب من مذھب من یجوز فسخ النکاح باعسار الزوج بذریعة القاضی ولکن لا قاضی فی دیارنا الھندیة فقلنا بالافتاء علی مذھب مالکؒ فی ھذا الباب ضرورةً تبعاً للاکابر والتفصیل فی رسالة الحیلة الناجزة للحلیة العاجزہ والله تعالٰی اعلم – ۱۳ ربیع الاول سن ۱۳۵۰ ہجری۔

مجھ سے تیرا کوئی تعلق نہیں

(سوال ۵۰۰) زید کی بیوی ہندہ رنجیدہ ہو کر میکہ چلی آئی زید ساڑھے گیارہ بجے شب کو ہندہ کے مکان پر آیا اور ہندہ سے کہا کہ میں تجھ کو لینے آیا ہوں تم ابھی چلو اور اس وقت میرے ساتھ نہ چلو گی تو آج سے تم سے مجھے کوئی واسطہ کوئی تعلق کوئی سروکار عمر بھر نہ ہوگا۔؟

اس پر ہندہ نے جانے سے انکار کر دیا اور زید نے تین مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں اور ہندہ کے ورثاء سے کہا کہ ہمارے زیور واپس کر دو اور اپنے جہیز کے برتن منگالو؟

(الجواب) زید کا قول ہم سے تم سے کوئی تعلق نہیں یہ کنایہ طلاق ہے۔ **صرح به فی العالمگیریة والخلاصة حیث قال لم یبق بینی و بینك عمل اوشی و امثال ذالك.** اور یہ کنایہ قسم ثانی میں داخل ہے جس کا حکم یہ ہے کہ نیت پر موقوف ہے اگر زید نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت کی ہے جیسے کہ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی اور اگر نیت نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوئی زید سے حلف لے کر دریافت کیا جاسکتا ہے۔

قال فی الدر المختار و فی الغضب توقف الا ولان ان نوی وقع الالا وقال قبله باسطر والقول له بیمینه فی عدم النیة و یکفی تحلیفھا له فی منزله فان ابی رفعته الٰی الحاکم فان نکل فرق بینھم الخ.

عمر بھر تیری صورت نہیں دیکھوں گا

(سوال ۵۰۱) زید نے اپنے بھائی بکر کو اپنی زوجہ کو لانے کے لئے لکھا اور زوجہ کو یہ لکھا کہ اس کے ہمراہ فوراً چلی آؤ ورنہ عمر بھر صورت نہ دیکھوں گا ہندہ کے باپ نے بلا اجازت ہندہ کے بکر کو واپس کر دیا اور ہندہ کو نہیں بھیجا اس صورت میں ہندہ کے لئے کیا حکم ہے مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایلاء مؤبد کا فتویٰ دیا ہے یہ صحیح ہے یا نہ؟

(الجواب) زید کے یہ الفاظ (ورنہ عمر بھر صورت نہیں دیکھوں گا) ظاہر یہ ہے کہ کنایہ طلاق ہیں کیونکہ عرفاً

ایسے الفاظ مطلقا قطع تعلق کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں نہ کہ ترک وطی کے اور کنایہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے نیت طلاق کی تو اس سے طلاق واقع ہوتی ہے ورنہ نہیں خلاصۃ الفتاوی میں اسی کے قریب قریب الفاظ کو کنایہ طلاق قرار دیا ہے۔ ولفظه. **ولو قال لامرأته تومر انشانى تا قيامت او همه عمر لا يقع الطلاق بدون النية خلاصه صفحه ۱۰۰ جلد ۲**۔ اور اگر عرف سے قطع نظر کی جائے تو ان الفاظ کو کنایہ ایلاء مؤبد بھی قرار دیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی کنایہ ہوگا جو ایلاء میں بھی محتاج نیت ہے بغیر نیت ایلاء مؤبد بھی ان الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا۔ **لما قال الشامى تحت قوله وهو الحلف على ترك قربانها قيد بالقربان اى الوطى لو حلف على غيره كو الله لا يمس جلدى جلدك اولا اقرب فراشك و نحو ذلك ولم ينو الوطأ لم يكن موليا كما ياتى شامى صفحه ۷۵۰ جلد ۲**۔

اس لئے اس لفظ کی مثال ایسی ہو گئی ہے کہ جیسے کوئی یہ کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے اس کو صاحب مختار وغیرہ نے ایک لفظ مشترک قرار دیا ہے جو ایلاء پر بھی محمول ہو سکتا ہے اور ظہار بھی کنایہ طلاق بھی ہو سکتا ہے لیکن چونکہ عرف میں یہ لفظ ایلاء کے لئے عموماً نہیں بولا جاتا بلکہ طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی لئے در مختار باب الایلاء میں اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ یہ لفظ طلاق ہے **ولفظه و يفتى به انه طلاق بائن و ان لم ينوه للعرف** اور شامی نے اسی لفظ پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے۔ **وحاصله ان فيه عرفين عرف اصلى وهو كونه يميناً بمعنى الايلاء و عرف حادث وهو ارادة الطلاق وما قاله شمس الائمة من انه لا يصدق فى القضاء بل يكون ايلاء مبنى على العرف الاصلى و الفتوىٰ على العرف الحادث لان كلام كل عاقد و حالف و نحوه يحمل على عرفه و ان خالف ظاهر الرواية كما قالوا من ان الحاكم او المفتى ليس له ان يحكم او يفتى بظاهر الرواية و يترك العرف الخ شامى باب الايلاء صفحه ۵٦۸ جلد ۲**۔

الغرض فی نفسہ زید کے الفاظ عمر بھر صورت نہ دیکھوں گا۔ اس معنی کا بھی احتمال رکھتے ہیں کہ اس سے مراد جماع نہ کرنے پر قسم کھانا ہے جس کو اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں عرف میں ان الفاظ کو سنکر عموماً یہ مضمون نہیں سمجھا جاتا بلکہ جماع و وطی کے ذیل میں تصور بھی نہیں آتا۔ ہاں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص کوئی تعلق اس سے نہ رکھے گا اور یہ مفہوم کنایہ طلاق کا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی کی عبارت سے ذکر کیا گیا ہے لہذا اگر زید نے ان لفظوں سے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق پڑے گی ورنہ نہیں اور اگر بالفرض ایلاء بھی قرار دیں حکم جب بھی اسی کے قریب ہوگا کیونکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ یہ لفظ ایلاء کے لئے صریح تو کسی طرح ہو نہیں سکتے۔ غایت یہ ہے کہ کنایہ ایلاء قرار دیں وہ بھی اس کا محتاج ہے کہ زید بہ نیت ایلاء یہ لفظ کہے تو حکم ایلاء جاری کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں اور ان سب امور سے قطع نظر کر کے اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ زید نے نیت ایلاء بھی کی تھی اور ایلاء منعقد بھی ہو گیا تھا تب بھی اس کی زوجہ صورت مذکورہ میں چار ماہ کے بعد اس سے بائنہ نہیں ہو سکتی کیونکہ ایلاء کا جو یہ حکم ہے کہ چار ماہ تک وطی نہ کرنے سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وطی کرنے سے کوئی امر مانع نہ ہو اور اگر کوئی چیز

مانع ہو مثلاً زوجہ کو کسی شخص نے روک لیا اور خاوند کے پاس جانے نہیں دیا یا زوجہ خود بوجہ نافرمانی کے وطی کرنے سے باز رہی جیسا کہ صورت مندرجہ سوال میں واقع ہے تو اس صورت میں کتنی ہی مدت گزر جائے وطی نہ کرنے کی وجہ سے عورت بائنہ نہیں ہو سکتی بلکہ چار ماہ کے اندر خاوند کا محض زبان سے کہہ دینا کافی ہو گا کہ میں ایلاء سے رجوع کرتا ہوں۔

قال فی الدر المختار و کذ احسبها و نشوزها ففیؤه نحو قوله بلسانه فئت الیها او اجعتك او ا بطلت الایلاء الخ از شامی صفحه ۵٦۷ ج ۲۔

الغرض درصورت انعقاد ایلاء بھی واقعہ مذکورہ میں چار ماہ تک وطی نہ ہونے کی صورت میں عورت پر طلاق نہیں پڑ سکتی۔

(۲) جب کہ ہندہ خود بالغ ہے تو اس کے باپ کو بغیر اس کی رضامندی کے ایسا معاملہ کرنا اور یہ جواب دینا جائز نہیں۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ ہجری۔

مجھے تجھ سے کچھ واسطہ نہیں

(سوال ۵۰۲) زید کہتا ہے کہ میں نے دھمکانے کے خیال اور نیت سے اپنی زوجہ کو یہ کہا کہ اگر تم فلاں شخص کے مکان میں جاؤ گی تو ہم سے تم سے کچھ واسطہ نہیں عورت اس مکان میں چلی گئی تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر فی الواقع زید کی نیت اپنے الفاظ مذکورہ سے طلاق کی نہ تھی بلکہ محض دھمکانے کی نیت تھی تو طلاق نہیں پڑی اگر نیت طلاق ہوتی تو طلاق پڑ جاتی۔ قال فی العالمگیریه و الخلاصة لم یبق بینی و بینك عمل یقع الطلاق ان نوی. واللہ تعالیٰ اعلم۔

تو میری ماں بہن کی جگہ ہے

(سوال ۵۰۳) زید اپنی زوجہ ہندہ کو کئی مرتبہ کہہ چکا ہے کہ ہندہ میری ماں بہن کی جگہ ہے آیا زید کا نکاح ہندہ سے قائم ہے یا ساقط ہو گیا اور زید روزانہ ہندہ کو زدوکوب کرتا ہے اور گندہ الفاظ کہتا ہے ؟

(الجواب) قال فی الدر المختار المختار ان نوی بانت علی مثل امی الی قوله براً او ظهاراً او طلاقاً صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة قال الشامی و ینبغی ان لا یصدق فی ارادة البر اذا کان فی حال المشاجرة و ذکر الطلاق شامی باب الظهار صفحه ۷۹٤ ج ۲۔

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ زید کے الفاظ مذکورہ میں قول مفتی بہ کے مطابق دو احتمال ہیں ایک طلاق بائنہ کا اور دوسرا ظہار کا اب زید سے حلفیہ دریافت کیا جائے کہ اس کی مراد ان دونوں میں سے کیا ہے اگر کہے کہ طلاق ہے تو طلاق بائنہ پڑ گئی تین حیض عدت کے گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر کہے کہ ظہار مراد ہے تو جب تک وہ کفارہ ظہار ادا نہ کرے عورت اس پر حرام ہے کفارہ ظہار ہندوستان میں

بحالت موجودہ یہ ہے کہ دوماہ تک یعنی ساٹھ روزے بلاناغہ پے در پے رکھے اور اگر روزے رکھنے کی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ کذافی الدر المختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیوی کو ماں کہہ دیا تو نکاح نہیں ٹوٹا

(سوال ۵۰٤) ایک شخص نے اپنی بیوی کو اپنے کسی عزیز سے زنا کرتے دیکھ لیا اس وجہ سے غصہ میں اس عورت کو ماں کہہ دیا کہ یہ تو میری ماں ہے میرے کام کی نہیں رہی۔ اس صورت میں عورت پر طلاق واقع ہوئی یا کفارہ لازم ہے۔؟

(الجواب) اگر یہی لفظ کہے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو اس سے نہ طلاق پڑتی ہے اور نہ کوئی کفارہ عائد ہوتا ہے البتہ ایسا کہنا مکروہ ہے اور کہنے والا گنہگار ہے۔ استغفار و توبہ اس کے ذمہ واجب ہیں۔ کذافی الدر المختار و اصرح منه فی عالمگیریة باب الظهار. واللہ تعالیٰ اعلم

بیوی میرے لائق نہیں رہی

(سوال ۵۰۵) زید نے اپنے خسر کو خط لکھا کہ بکر کی زبانی معلوم ہوا کہ میری زوجہ کے ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ کو لڑکا پیدا ہوا ہے تعجب ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ میں شروع نومبر ۳۰ء میں ایک سال کے بعد گھر گیا تھا یہ چار ساڑھے چار مہینے میں لڑکا کس طرح پیدا ہو گیا اگر یہ بات صحیح ہے تو آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اب وہ میرے لائق نہیں رہی۔ کیا اس خط سے طلاق ہو گئی۔؟

(الجواب) اس لفظ سے کسی قسم کی طلاق نہیں پڑی تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔

ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق (الٰی قوله) اذاقال لااریدك اولا احبك اولا اشتهیك ولا رغبة لی فیك فانه لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفهؒ کذافی البحر. عالمگیری صفحه ۳۵۱ ج ۱ مصری.

تجھ کو رکھوں تو اپنی ماں، بہن کو رکھوں

(سوال ۵۰٦) ایک شخص نے اپنی زوجہ کو یہ کہا کہ اگر میں اس عورت کو رکھوں تو اپنی ماں ہمشیرہ کو رکھوں اب وہ شخص زوجہ کو رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا۔

(الجواب) فتاویٰ عالمگیری میں ہے. ولو قال ان وطئتك وطئت امی فلاشیٔ علیه کذافی غایة البیان معلوم ہوا کہ اس صورت میں اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی شوہر اس کو رکھ سکتا ہے اور کچھ کفارہ وغیرہ بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم. کتبه مسعود احمد

میرا تیرا کوئی تعلق نہیں رہا

(سوال ۵۰۷) ہندہ کا نکاح شرعی زید کے ساتھ ہوا تین سال تک تعلقات زن و شوہری قائم رہے اور اس

عرصہ میں ایک لڑکا بھی مسماۃ کے بطن سے پیدا ہوا لیکن اس عرصہ تین سال میں زید نے ہندہ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اس کو اپنے میکہ میں آنے سے روک دیا اور ہر قسم کے خورد ونوش سے انکار کر دیا اور مار پیٹ وغیرہ کر کے یہ کہہ دیا کہ تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی تجھ میں اور مجھ میں کوئی تعلق زن وشوہری کا باقی نہیں رہا دوماہ کا لڑکا شیر خوار کو جبراً مسماۃ سے علیحدہ کر لیا اس کے برادر حقیقی کے سپرد کر دیا جس کو اس وقت چھ سال کا زمانہ گزرا اس عرصہ میں جو خطوط متعلق نان نفقہ کے زید کے پاس بھیجے گئے ان کا تحریری جواب کچھ نہیں دیا مگر چند اشخاص اہل قوم کے روبرو صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ میں مسمات کو طلاق دے چکا ہوں میرے اور اس کے درمیان کوئی تعلق زن وشوہری کا باقی نہیں رہا متعدد شخص اس معاملہ کے شاہد ہیں اور وقت ضرورت شہادت دے سکتے ہیں دریافت حال یہ امر ہے کہ حالت موجودہ میں ہندہ زید کی زوجیت میں رہی یا نہیں اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جس وقت شوہر نے اپنی زوجہ کو یہ الفاظ کہے تھے کہ تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی الخ۔ اگر وقت کہنے شوہر کی نیت طلاق کی تھی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اس کی زوجہ پر اسی وقت ایک طلاق بائن واقع ہو گئی تھی اس کے بعد جو الفاظ صریح طلاق کے شوہر نے کہے ہیں اگر وہ عدت گزرنے کے بعد کہے ہیں تو ان کا کہنا لغو ہوا ان سے طلاق واقع نہیں ہوئی بہر حال اب ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہے اور دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ فتاوی عالمگیری باب الکنایات میں ہے۔

ولو قال لها لا نكاح بيني و بينك او قال لم يبق بيني و بينك نكاح يقع الطلاق اذانوى. عالمگیری باب الكنايات صفحه ۳۵۲ و ۳۵۳ جلد ۱ مصری.

والله تعالىٰ اعلم كتبه مسعود احمد عفا الله عنه—

جہنم میں جا بھی کنایہ ہے

(سوال ۵۰۸) تو جہنم میں جا اپنی بیوی کو بہ نیت طلاق کہہ دیا تو کیا طلاق ہو گئی۔

(الجواب) طلاق بائن ہو گئی۔ لمافي الا نقرويه صفحه ۷۵ ج ۱. اذهبي الى جهنم و نواه يقع. والله تعالىٰ اعلم (اضافه)

بیوی سے کہنا جا تو نکاح کر لے

(سوال ۵۰۹) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ جا تو دوسرا نکاح کر لے کیا طلاق ہو گئی یا شوہر کی نیت پر موقوف ہے۔؟

(الجواب) ایک طلاق بائن ہو گئی نیت پر موقوف نہیں۔ البتہ اگر نیت تین طلاق کی کرے گا تو تین طلاق ہو جائیں گی۔ لمافي الا نقرويه قال اذهبي فتزوجي يقع واحدة ولا حاجة الى النية فان نوى الثلاث فثلاث اه. والله اعلم. (اضافه)

فصل فی الطلاق بالکتابة
(تحریری طلاق دینے کابیان)

تحریری طلاق کا حکم

(سوال ۵۱۰) طلاق ذریعہ تحریری بگواہی چند گواہان ضلع غیر میں بذریعہ رجسٹری بھیجی جائے تو جائز ہوگی یا نہیں۔؟
(۲) طلاق نامہ دوسرے شخص کے پاس بھیجا جاوے وہ زید کے بیوی کو مضمون سے آگاہ کر کے رسید اپنی دیدیوے یا لینے سے انکار کرے تو جائز ہوگا۔یا نہیں؟
(الجواب) طلاق بذریعہ تحریری بھی جائز ہے۔اگر طلاق غیر مشروط لکھی تو جس وقت الفاظ طلاق کاغذ پر آئے اسی وقت طلاق پڑجاوے گی بشر طیکہ طلاق نامہ میں اپنی عورت کو خطاب ہو. کذافی الدر المختار والشامی.
(۲) طلاق نامہ دوسرے شخص کے پاس بھیجے اور وہ عورت کو سنادے یہ بھی جائز ہے اور طلاق تو لکھنے کے ساتھ ہی پڑجائے گی سنائے یا نہ سنائے اور وہ سنکر رسید دے یا نہ دے لیکن بہتر یہی ہے کہ طلاق کی اطلاع عورت کو کردی جائے تاکہ وہ عدت میں مشغول ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جبراً طلاق لکھوائی گئی تو طلاق نہیں پڑتی

(سوال ۵۱۱) خلاصہ سوال یہ ہے کہ زید اپنی سسرال گیا اس کی سسرال والوں نے اپنی زوجہ کو طلاق دینے پر مجبور کیا اور طلاق نامہ لکھ کر اس پر جبراً انگوٹھا زید سے لگوالیا لیکن زید نے زبان سے الفاظ طلاق نہیں کہے اس صورت میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں۔؟
(الجواب) شامی جلد ثانی طلاق مکرہ کے بیان میں ہے. **و فی البحر ان المراد الا کراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ھنا کذافی الخانیه الخ**۔بناءعلیہ زید کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔
مسعوداحمد الجواب صحیح بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ

طلاق نامہ لکھ کر اس پر جبراً انگوٹھا یا دستخط کرالینے سے طلاق نہیں پڑتی

(سوال ۵۱۲) زید کی منکوحہ اپنے رشتہ دار کے یہاں مقیم تھی انہوں نے زید کو کہا کہ تم اپنی بیوی کو آکر لے جاؤ جب زید وہاں پہنچا اس کو مکان میں بند رکھ کر اپنے آپ سادہ کاغذ پر مضمون نامہ لکھ رکھا اور زید کو خوب طرح مجبور کر کے انگوٹھا لگادینے پر مجبور کرلیا بعدہ دو گواہان وہیں بند کوٹھی میں بلوا کر ان کو کہا کہ زید نے اپنی عورت کو طلاق دیا ہے تم دستخط کردو۔ گواہاں نے زید سے جس قدر دریافت کیا تو نے طلاق دی ہے اس نے کہا کہ یہ جو کچھ کہہ رہی ہیں گواہ نے زید کا انگوٹھا ثبت کرالیا بعدہ اپنے دستخط کردیئے گواہان کے روبرو زید نے نہ زبان سے طلاق دی ہے نہ لکھی ہے نہ لکھوائی ہے جب زید اس کے اثر سے نکلا تو اپنے گھر پہنچ کر

واویلا کیا کہ میرے ساتھ ظلم اور جبر ہو گیا ہے میں نے طلاق نہیں دی رشتہ دار منکوحہ نے گواہان کو یہ بھی کہا کہ یہ بات ظاہر کرنے کی نہیں کیا اس صورت میں طلاق واقع ہو گئی یا کیونکر زید کا اعتبار معتبر ہے یا نہیں۔ گواہان کی شہادت مطلقاً معتبر ہے یا گواہان کا عادل ہونا معتبر ہے تزکیہ شہود ضروری ہے یا نہیں۔
(۲) کیا زید کو اگر کتابت طلاق پر ضرب و حبس سے جبراً اس سے کتابت طلاق کی کرائی جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں اگر ہو جاتی ہے تو عبارت ذیل کا مطلب کیا ہے۔؟

رجل اکره بالضرب و الجس علی ان یکتب طلاق امرأته فلانية بن فلان ابن فلان فکتب امرأ ته فلا نة هی فلان ابن فلان طالق لا تطلق امرأ ته کذافی فتاوٰی قاضی خان فتاوٰی عالمگیری. جلد ثانی کتاب الطلاق

(۳) اگر دوسرے شخص نے طلاق لکھی اور زید نے انگوٹھا لگایا اس کاغذ پر مگر اس وقت یہ اختلاف ہے کہ مطلقہ کے رشتہ دار کہتے ہیں کہ زید نے طلاق سمجھ کر انگوٹھا لگایا ہے اور زید اقرار بالطلاق نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ مجھ سے انہوں نے یہ کہا ہے کہ اقرار نامہ متعلق نفقہ وغیرہ کے لکھا ہوا ہے میں نے رشتہ داران منکوحہ کی جبر ضرب شنیعہ کے انگوٹھا لگادیا ہے گواہاں کہتے ہیں کہ مضمون طلاق نامہ سے زید کو اطلاع دی گئی ہے مگر گواہ معتبر نہیں ہیں۔ جھوٹی گواہی دینے کے عادی ہیں کیا اس صورت میں زید سچا مانا جائے گا ؟ طلاق ہو گی یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں اگر زید نے زبان سے لفظ طلاق نہیں کہا بلکہ بوجہ جبر واکراہ کے محض تحریر پر انگوٹھا لگادیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی خواہ تحریر طلاق زید نے خود لکھی ہو یا کسی اور نے لکھ کر انگوٹھا لگوایا ہو اور پھر تحریر کو طلاق نامہ سمجھا۔ بہر حال جب کہ یہ تحریر اکراہ وجبر سے لکھی گئی تو طلاق کسی قسم کی نہیں پڑی۔
(۲) اور عبارت مندرجہ سوال جو بحوالہ عالمگیری و فتاوٰی قاضی خاں نقل کی گئی صحیح و درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے شامی نے اوائل الطلاق میں اور صاحب بحر الرائق نے بھی اسی موقع پر اس کی تصریح فرمائی ہے اور اسی پر فتوٰی دیا ہے۔ اس لئے جبر یہ تحریر سے کوئی طلاق نہیں پڑتی۔ بشر طیکہ زبان سے کلمہ طلاق نہ کہا ہو۔
واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جبر واکراہ سے تحریری طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال ۵۱۳) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ایک شخص پر جبر واکراہ کر کے تین طلاق کا کاغذ لکھوالیا گیا پھر ایک مرتبہ زبانی کہلائی گئی تو کیسی طلاق پڑی ؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں بعد تنقیح ثابت ہوا کہ طلاق نامہ کے لکھوانے اور دستخط وغیرہ کرانے میں جبر واکراہ سے کام لیا گیا ہے لہٰذا اس تحریر اور دستخط سے کسی قسم کی کوئی طلاق نہیں پڑی خواہ اس میں ایک طلاق لکھی ہو یا متعدد البتہ اس کے بعد جو زبانی لفظ طلاق استعمال کیا ہے اس سے ایک طلاق رجعی پڑ گئی اگر چہ یہ بھی بجبر واکراہ سے کام لیا گیا ہے لیکن زبانی طلاق میں اکراہ ورضاء دونوں برابر ہیں اور حکم طلاق رجعی کا یہ ہے کہ عدت کے اندر خاوند کو اختیار ہے کہ رجعت کر لے۔ تجدید نکاح اور عورت کے راضی ہونے کی اس میں

ضرورت نہیں البتہ اگر عدت طلاق تین حیض گزر چکے تو پھر بغیر تجدید نکاح کے دوبارہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی لیکن حلالہ کی اس وقت بھی ضرورت نہیں. وذالك لما فی رد المحتار فلو اکرہ ان یکتب طلاق امرأۃٍ فکتب لاتطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ھھنا کذا فی الخانیة شامی ص/۴۳۲ ج/۲—واللہ سبحانه اعلم

دھوکہ دیکر طلاق نامہ پر انگوٹھا لگوانے کا حکم

(سوال ۵۱۴) مسمی زید کا نکاح ایک عورت کے ساتھ پڑھا اس عورت کے والدین نے زید کو اپنے گھر میں رکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید اپنی سسرال سے کسی بات پر ناراض ہو کر گھر سے چلا جاتا ہے۔ بعد ازاں چند آدمیوں نے مشورہ کر کے مسمی زید کو کہا کہ اسٹام لے آؤ ہم تم سے ایک معاہدہ لکھا کر تم کو تمہاری سسرال کے گھر داخل کر دیتے ہیں اور وہ تم سے راضی ہو جاویں گے۔ مسمی زید چونکہ ناخوندہ تھا اس لئے وہ اسٹام لے کر آیا اور ان آدمیوں نے اسٹام لکھوا کر زید کا انگوٹھا لگوالیا اور دو شاہدوں کے بھی انگوٹھے لگوالئے اور اس کو گھر میں لے آئے چند دن بعد انہوں نے کہا کہ تو نے اپنی عورت کو طلاق دے دی ہے اس لئے تمہارا کوئی دخل نہیں ہے آیا اس دھوکہ سے طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق ہوئی یا نہیں ؟

(الجواب) جب کہ زید نے اپنی زبان سے طلاق نہیں دی بلکہ دھوکہ دیکر اس کا انگوٹھا طلاق نامہ پر لگوالیا ہے تو اس صورت میں اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی. کذا فی الشامی .واللہ تعالیٰ اعلم. کتبه مسعود احمد عفااللہ عنه.الجواب صحیح احقر محمد شفیع غفرله مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۸رمضان ۵۰ھ.

زبردستی تحریری طلاق کا حکم

(سوال ۵۱۵)زید حسب دستور سسرال گیا رات کے وقت وہاں کے چند آدمی مع اپنے سسرال اور سالہ وغیرہ جمع ہو کر اس کو کہا کہ تم اپنی بی بی ہندہ کو طلاق دو یا ایسا اقرار نامہ لکھو کہ اپنی بی بی کو یہاں پر ماہواری پانچ روپیہ بابت خورد و نوش دوں گا۔ ورنہ تم کو سخت سزا دیا جاوے گا یا قتل کیا جائیگا۔ زید نے دیکھا کہ یہاں کوئی میرا حامی نہیں سب مخالف ہیں میں تنہا ہوں اور رات کے وقت ان کے خلاف رائے پر چلنے سے جان کا خطرہ ہے لہذا مجبور ہو کر ذیل کی چند عبارت چپ چاپ بلا تلفظ زبان لکھ کر اپنی جان بچالیا اور وہ یہ کہ ہندہ کو خورد و نوش کے بابت ماہواری پانچ روپیہ اس کی باپ کی گھر دوں گا اور تین ماہ بعد آکر پانچ سات روز رہوں گا۔ اگر اس میں سستی کروں تب بی بی اگر چاہے تو اپنے نفس پر تین طلاق بائن دے کر بعد عدت دوسرا نکاح کر سکتی ہے حالت یہ ہے کہ ہندہ اپنے شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی اور نہ شوہر کے گھر جاتی ہے اور نہ زید خورد و پوش دیتا ہے باوجود شرط کے منکر ہے۔ ایسی صورت میں اس اقرار نامہ کے بناء پر ہندہ خود اپنے نفس پر طلاق دے کر دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں کیا زید پر ایسا اقرار پورا کرنا اور اپنی بی بی کو نفقہ دینا واجب ہے اور

اقرار نامہ بالتفویض میں محض کتابت کافی ہو گی یا تلفظ باللسان ضروری ہے۔

(الجواب) اگر واقع میں زید کو جان کا خوف تھا اور اس خوف کی وجہ سے یہ عبارت لکھدی اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق نہیں پڑی اور نہ ہندہ کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار شرعی حاصل ہوا اور نہ زید پر اس اقرار کا پورا کرنا۔ (یعنی بیوی کو گھر بیٹھے باوجود نافرمانی کے نان ونفقہ دینا) واجب ہے۔ صرح به الدر المختار باب النفقه. البتہ اگر بیوی اس کے گھر آئے اور اطاعت کرنے پر راضی ہو تو نان ونفقہ وغیرہ تمام حقوق اس کے ذمہ ضروری ہیں. قال الشامي وفي البحر ان المراد الاكراه على التلفظ بالطلاق فلو اكره على ان يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق لان الكتابة اقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا–شامي كتاب الطلاق ص/ ٤٣٢ جلد ٢–والله اعلم (اضافه)

فصل فی تفویض الطلاق

(کسی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دینے کا بیان)

زوجہ کو کہنا کہ میں سال بھر تجھے نہ بلاؤں تو تجھ کو اختیار ہے جو جی چاہے کرنا

(سوال ۵۱۶) ایک شخص تین سال سے اپنی عورت کو نان ونفقہ نہیں دیتا اور عورت کو اس کی ماں کے یہاں یہ کہہ کر بھیجدیا کہ مجھ سے کمایا نہیں جاتا تو یہاں رہ ایک سال تک میرا انتظار کرنا اگر میں لینے آیا تو چلی آنا ورنہ پھر تجھے اختیار ہے جو جی چاہے کرنا۔ تین سال کے بعد عورت نے دوسرا خاوند کر لیا یہ جائز ہے یا کیا صورت ہونی چاہئیے؟

(الجواب) اگر فی الواقع اس کے خاوند نے یہ کہا تھا کہ اگر میں ایک سال تک تجھے نہ لاؤں تو تجھے اختیار ہو گا جو جی چاہے کرنا تو اگر خاوند کی نیت ان الفاظ سے یہ تھی کہ پھر تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کر لینے اور مجھ سے تعلق زوجیت قطع کر لینے کا اختیار ہو گا۔ یا اس موقع پر طلاق کا ذکر تھا اس پر یہ الفاظ کہے یا دوسرے قرائن وحالات ایسے موجود تھے جن سے نیت طلاق کا یقین ہوتا ہو تو اب ایک سال گزر جانے کے بعد جب خاوند نے اس کو نہیں بلایا تو اگر جس وقت سال تمام ہوا اس وقت اس مجلس میں اس نے کہدیا کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا یا طلاق واقع کر لی تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ اور اگر مرد کی نیت ان لفظوں سے طلاق کی نہ تھی اور نہ ایسے قرائن وحالات اور مذاکرہ طلاق تھا یا عورت نے سال تمام ہونے کے وقت فوراً اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب ان لفظوں سے طلاق واقع نہ ہو گی اب عورت مذکورہ کے لئے مخلص یہ ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اگر چہ حکومت انگریزی کا ماتحت ہو یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے حکم تفریق حاصل کرے اور حکم کی تاریخ سے تین حیض عدت کے گزار کر دوسری جگہ نکاح کرے اس سے پہلے جو نکاح کیا ہے وہ نکاح شرعاً معتبر نہیں۔ کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

تفویض طلاق کی ایک صورت

(سوال ۵۱۷) ایک شخص نے عند النکاح زوجہ کو یہ اقرار نامہ لکھدیا کہ میں نے جو فلانی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا اس کو پھر نہ لاؤں گا۔ یا تمہارا نان نفقہ کو ایک برس تک بند کردوں تو بعد گزرنے ایک برس کے جب تم چاہو گی اس وقت تین طلاق بائن ہو کر بعد انقضائے عدت دوسرا زوج اختیار کر سکو گی۔ زوج نے بالکل اس کے خلاف کیا آیا اس کی عورت پر طلاق بائن واقع ہو گی عورت کو طلاق کا اختیار ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اس صورت میں اگر یہ اقرار نامہ دوسری زوجہ کے نکاح کے بعد لکھا گیا ہے تو عورت کو اپنے نفس کو تین طلاق دینے کا اختیار شرعاً حاصل ہے پس وہ اپنے نفس پر تین طلاق واقع کر کے اور عدت تین حیض گزار کر عقد ثانی کر سکتی ہے۔ در مختار میں ہے وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً .الخ. واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ۔

خاوند مرزائی ہو گیا تو فوراً نکاح جاتا رہا

(سوال ۵۱۸) ایک مولوی صاحب نے اپنی لڑکی صغیر کا نکاح اپنے ایک رشتہ دار سے کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد زوج مرزائی ہو گیا۔ منکوحہ نے بلوغت کے بعد عدالت میں فسخ نکاح کے لئے دعویٰ دائر کر دیا آیا اس کا نکاح فسخ ہو گیا یا نہیں ؟

(الجواب) ان عقائد کی وجہ سے زید کافر اور مرتد ہو گیا اور نکاح اس کا مسماۃ ہندہ سے فسخ ہو گیا خاوند کے مرتد ہو جانے سے فوراً بلا قضاء قاضی فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ در مختار میں باب نکاح الکافر میں ہے .وارتداد احدهما فسخ عاجل بلا قضاءٍ اى بلا توقف على قضأ القاضى وكذا بلاتوقف على مضى عدة فى المدخول بها- كما فى البحر شامى ص/۴۰۲ ج/۲ -والله تعالىٰ اعلم-

قبل از نکاح تفویض بلا اضافت معتبر نہیں

(سوال ۵۱۹) زید نے اپنے والدین کی موجودگی میں ہندہ کے مکان پر نکاح سے قبل ہندہ سے اس کی ماں کے روبرو معاہدہ واقرار کیا تھا کہ میں اگر نان و نفقہ نہ دوں یا ناجائز طور پر ایذا و تکلیف پہنچاؤں یا بلا اجازت ہندہ دوسری عورت سے عقد کروں تو ہندہ کو حق حاصل ہو گا کہ وہ مجھے طلاق دیدے پس ایسی صورت میں جب کہ زید نے خلاف معاہدہ بلا اجازت ہندہ تقریباً سات ماہ گزرے دوسری عورت سے عقد کر لیا ہو تو ہندہ کو حق حاصل ہے یا نہیں۔ کہ باختیار خود حسب معاہدہ زید کو طلاق دیدے۔

(الجواب) اگر زید نے نکاح سے پہلے با لفاظ مذکورہ اقرار کیا تھا تو وہ اقرار چونکہ قبل از نکاح ہوا اور اضافۃ الی النکاح بھی موجود نہیں اس لئے بعد نکاح اس اقرار کا کچھ اثر نہ ہوگا علاوہ ازیں شوہر کا یہ کہنا کہ بصورت عدم پابندی شرائط عورت کو یہ حق ہو گا کہ وہ مجھے طلاق دیدے۔ اگر تعلیق صحیح بھی ہوتی تب بھی عورت کو یہ

حق شرعاً نہ تھا کہ وہ شوہر کو طلاق دیتی۔قال فی الهدایةومن قال لا مرء ته انا منك طالق فلیس بشئ و ان نوی طلٰقاً الٰی ان قال ولنا ان الطلاق لا زالہ القید و ھو منھا دون الزوج بزوج آخر و الخروج الخ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ مسعوداحمد عفااللہ عنہ الجواب صحیح بندہ محمد شفیع فرلہ

فصل فی تعلیق الطلاق
(طلاق کو معلق کرنے کا بیان)

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

(سوال ۵۲۰) زید حنفی بالغ غیر شادی شدہ نے ان الفاظ سے حلف کیا کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے اور جب کبھی میں شادی کروں میری بیوی پر طلاق ہے اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا عرصہ کے بعد شامت اعمال سے شادی سے پہلے ہی اس فعل کا ارتکاب کر بیٹھا گویا حانث ہو گیا جب زید کو اپنے فعل پر تنبیہ ہوئی تو بہت پچھتایا اور تمام عمر بلا شادی کے رہنے کی تلخ زندگی اس کو گوارا نہیں ہوئی حتٰی کہ خودکشی پر آمادہ ہو گیا کسی صاحب نے زید کو رائے دی کہ تو کلمہ کفر کہہ کر (العیاذ باللہ) مرتد ہو جا پھر تجدید ایمان کر لینا اس حیلہ سے عقود اسلامی باطل ہو جائیں گے اور پھر نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔اگر جائز ہے تو کس طرح۔؟

(۲) یہ جو فقہ کا مسئلہ ہے کہ تعلیق کے لئے اسلام شرط نہیں اس کا کیا مطلب ہے۔؟

(۳) مذکورہ نمبر ا میں اگر زید نے بعد ارتداد بھی فعل مقسم علیہ کا ارتکاب کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں پر کیا اثر و فرق ہو گا۔؟

(۴) نکاح فضولی کیسے ہوتا ہے اور اس کی صورت ارشاد ہو اور یہ کہ اس کے علاوہ اور بھی کوئی صورت نکاح کی ہے۔؟

(۵) کیا ارتداد سے تعلیق سابق باطل ہو جاتی ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں رہتا مع حوالہ ارشاد ہو۔

(الجواب) ا و ۲- جس شخص نے زید کے مرتد ہونے کا مشورہ دیا اس کے لئے سخت وعید وارد ہوئی ہے اس کے لئے خوف کفر ہے اس سے یہ بہتر تھا کہ زید تمام عمر بلا شادی رہتا اس کے علاوہ جواز نکاح کی دوسری جائز تدبیر بھی تھی وہ یہ کہ زید کا نکاح فضولی کر دیتا اور زید اجازت بالقول نہ دیتا بلکہ اجازت بالفعل دیتا تب بھی نکاح جائز ہو جاتا در مختار میں ہے حلف لا یتزوج فزوجه فضولی فاجاز بالقول حنث و بالفعل لا یحنث به خانیة

(۳) بحالت موجودہ ہندوستان میں ارتداد کے بعد تجدید ایمان کر کے اگر فعل مقسم علیہ کا کرے گا تو نکاح پر کچھ اثر نہ ہوگا بلکہ اس کو نکاح کرنا جائز ہو گا کیونکہ ارتداد سے تعلیق باطل ہو گئی۔ کما قال فی الدر المختار باب التعلیق و کذا یبطل بلحاقه مرتداً بدار الحرب الخ

(۴) فضولی وہ ہے کہ نہ وکیل ہو نہ اصیل اور وہ خود بخود کسی کا نکاح کردے۔
(۵) اس کا جواب نمبر ۳ میں گزر چکا ہے۔

رجعی طلاق معلق کا حکم

(سوال ۵۲۱) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو غصہ میں اپنی ماں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر آئندہ تم نے ان سے کام کرایا تو تم پر طلاق ہے تو یہ کیسی طلاق ہے اور کس وقت واقع ہوگی اور اس کے دفعیہ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں اگر زید کی زوجہ ہندہ نے زید کی والدہ سے کوئی کام کرایا تو زید کی زوجہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی عدت میں زید کو رجعت کرنا جائز ہے اور بعد عدت کے نکاح جدید بلا حلالہ کے جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح۔ بندہ محمد شفیع غفرلہ

تعلیق الطلاق کا حکم

(سوال ۵۲۲) زید نے اپنے دل میں قصد کیا کہ عمر کے ساتھ بات نہ کروں گا اگر ہم نے بات کی تو ہماری عورت کو تین طلاق سے طلاق ہے مگر لفظ طلاق کا ایسا استعمال کیا کہ طالق نے خود بھی نہیں سنا اور بعد میں شرط بھی پائی گئی تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟

(الجواب) اگر واقع میں حسب بیان سائل طلاق کا لفظ ایسا آہستہ کہا ہے کہ کہنے والے نے خود بھی نہیں سنا تو یہ تعلیق صحیح نہیں ہوئی اور وجود شرط سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ **کمافی الدر المختار و الشامیة من القراء ة فلو طلق او استثنی ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح**۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اگر پنچایت میری زوجہ کو طلاق دیدے تو میری زوجہ پر طلاق ہے اور پنچایت کا فیصلہ منظور ہے

(سوال ۵۲۳) خلاصہ سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ اگر پنچایت میرے خلاف فیصلہ کردے یعنی میری زوجہ کو طلاق دیدے تو میری زوجہ پر طلاق ہے اور پنچایت کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا اس کے بعد پنچایت نے طلاق کا فیصلہ دیا تو عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔

دیگر عرض یہ ہے کہ اس عورت کو اس کے شوہر نے ایک ہندو کو دیدی تھی وہاں سے ایک شخص نے روپیہ خرچ کر کے عورت کو نکالا اس شخص کا کچھ حق اس عورت پر ہے یا نہ اور یہ شخص اپنا روپیہ کس سے لے سکتا ہے۔؟

(الجواب) اس صورت میں جب کہ پنچایت نے شوہر کے خلاف فیصلہ کردیا یعنی عورت کو طلاق دیدی تو اس عورت پر طلاق واقع ہوگئی بعد عدت طلاق کے یعنی تین حیض گزرنے کے عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنی

رضامندی سے اپنا نکاح کفو میں کر سکتی ہے اور جس شخص نے عورت مذکورہ ہندو کے قبضہ سے نکالی ہے اور روپیہ خرچ کیا ہے یہ اس نے بہت اچھا کام کیا اس کا ثواب اور اجر اس کو ملے گا لیکن اس وجہ سے اس شخص کو کوئی اختیار عورت مذکورہ پر نہیں ہے البتہ اگر عورت عدت کے بعد اس شخص سے نکاح کرنے پر راضی ہو تو وہ شخص بعد عدت کے اس سے نکاح کر سکتا ہے اس کے سوا کوئی حق اس شخص کا عورت مذکورہ پر نہیں ہے اور نہ وہ اپنا روپیہ کسی سے لینے کا شرعاً مستحق ہے۔

تین طلاقوں کے اقرار نامہ کی خلاف ورزی سے تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی

(سوال ٥٢٤) محمد یوسف نے اپنی زوجہ کو یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ اگر ایک مہینہ تک برابر کچھ خرچ نہ دوں تو دوسرے مہینہ میں تینوں طلاق واقع ہو جائیں آیا اگر محمد یوسف اس کے خلاف کریں گے تو ان کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو جائیں گی یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اقرار نامہ منسلکہ کی رو سے یہ بات لازم ہو گئی کہ اگر محمد یوسف اپنی بی بی کو دو ماہ تک خرچ نان و نفقہ نہ دیں گے تو دوسرے ماہ میں اس کی بی بی پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی البتہ اگر محمد یوسف خرچ ماہوار دیتے رہیں یا دوسرے ماہ تک ادا کر دیں تو کوئی طلاق واقع نہ ہو گی نیز اگر محمد یوسف کی بی بی بلا اس کی اجازت کے اپنے میکہ چلی جائے اور اس وجہ سے محمد یوسف نان و نفقہ نہ دے تب بھی اس پر طلاق واقع نہ ہو گی کیونکہ زوجہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ اسی وقت ہے جب کہ وہ بلا اجازت اور بغیر حق کے اس کے گھر سے نہ نکلے نیز اقرار نامہ میں شوہر نے وعدہ نفقہ بھی اس شرط پر کیا ہے کہ اس کے گھر رہے۔

لمافی الدرالمختار لا نفقة لاحد عشر الی قوله وخارجة من بیته بغیر اذنه وھی الناشزة شامی باب النفقه صفحه ٦٦٤ جلد ٢

شروط اقرار نامہ کے خلاف کرنے سے طلاق واقع ہونے کی ایک صورت

(سوال ٥٢٥) زید نے اپنی زوجہ کو ۲۸ اپریل ۱۹۳۰ کو اقرار نامہ ذیل لکھ دیا کہ جب سے میری شادی ہوئی ہے میری عادت و اطوار خراب تھے جس کی وجہ سے میں اپنی زوجہ کو اچھی طرح نان و نفقہ نہ دے سکا اس لئے آج کی تاریخ سے۔ ا۔ میں الگ کوٹھری محلّہ میں لے کر رہوں گا۔ ۲۔ اپنی زوجہ کو پینتالیس روپیہ نان و نفقہ کے لئے اپنی تنخواہ میں سے ماہانہ دیتا رہوں گا۔ ۳۔ اور اپنی خراب عادت چھوڑ دوں گا اور بڑے بھائی کے کہنے پر چلوں گا۔ ۴ ہمیشہ ساتھ عزت کے ایک جگہ نوکری کروں گا۔ ۵ اپنی والدہ کے یہاں اپنی زوجہ کو بغیر اس کی مرضی کے اور بھائی کی صلاح بغیر زبردستی نہ لے جاؤں گا جس تاریخ کو ان شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر بھی عمل نہ کر سکا تو اپنی بی بی کے لئے یہ دستخطی کاغذ طلاق نامہ کے لئے کافی ہے یہ کاغذ میری زوجہ کے لئے طلاق نامہ ہے اور پھر اس کو اپنے نفس کے متعلق ہر قسم کا اختیار حاصل ہے اس اقرار نامہ کے لکھ دینے کے بعد ایک سال کی مدت گزر چکی اس نے شروط مذکورہ میں سے کسی شرط پر بھی عمل نہیں کیا پس بموجب

مذہب احناف زید کی عورت مطلقہ ہو گئی یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر فی الواقع زید نے شروط مندرجہ اقرار نامہ کی پابندی نہیں کی تو اس کی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو گئی اور اگر اس نے تین طلاق کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو گئیں کیونکہ اس میں لفظ طلاق صریح کے ساتھ اور بھی ایسے الفاظ لکھے گئے ہیں جن سے طلاق کے معنی میں شدت وبینونیت کا اضافہ ہو گیا لہذا اس سے طلاق بائنہ واقع ہو گی۔ کما صرح به فی الدر المختار حیث قال و یقع البائن لو قال لها انت طالق طلقة تملکی بها نفسك الخ۔ ۲۷صفر ۱۳۵۰ہجری۔

فارغ خطی کے شرائط محررہ کے خلاف کرنے سے والدین طلاق کا نفاذ کر سکتے ہیں یا نہیں

(سوال ۵۲۶) زید نے ایک اقرار نامہ روبرو چند گواہوں کے لکھا کہ اگر میں شرائط مندرجہ اقرار نامہ کے خلاف کروں تو یہ تحریر بمنزلہ فارغ خطی کے شمار ہوا سے اور اس کے والدین کو اختیار ہے اب اس نے اپنے عمل سے شرائط کی مخالفت ثابت کر دی اب زوجہ اور اس کے والدین تحریر مندرجہ صدر کے موافق طلاق کا نفاذ کر سکتے ہیں یا نہیں اور لفظ فارغ خطی سے طلاق بائن مراد ہو گی یا مغلظہ ؟

(الجواب) فارغ خطی کا لفظ اصل میں بیباق کے معنی میں آتا ہے اور عرف میں کبھی بے تعلقی کے معنی میں بولا جاتا ہے اور لفظ بے تعلقی الفاظ کنایہ طلاق میں سے ہے جس کا یہ حکم ہے کہ اگر اس لفظ سے طلاق نیت کی یا ذکر طلاق کے سات یہ لفظ کہے تو ایک طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہو جائیں گی اور اگر کچھ نیت نہ کی تو بالکل طلاق واقع نہ ہو گی۔

والدلیل علی ما قلنا ما فی العالمگیریة صفحه ۴۰۳ جلد۲. والخلاصة صفحه ۱۰۰ جلد۲. و کذالو قال میان ماراہ نیست ان نوی الثلث فثلث وان لم ینو شیئا فلیس بشیٔ و فی مجموعة الفتاوی. ۲۱صفر ۱۳۵۰ہجری

طلاق معلق مع عدم الاضافة الی الملک صراحةً

(سوال ۵۲۷) میری اپنی زوجہ ہندہ سے بدسلوکی ہو گئی چونکہ میری بیوی کے والدین میرے گھر آباد نہیں ہونے دیتے تھے میں نے ہر چند کوشش کی مگر انہوں نے میری بیوی کو نہیں بھیجا لاچار ہو کر میں نے دوسری شادی کا انتظام کیا بوقت منگنی یہ اقرار نامہ تحریر ہوا کہ اگر میں پہلی بیوی کو نکاح ثانی ہو جانے کے بعد آباد کروں تو نئی بیوی کو طلاق سمجھی جاوے اس اقرار نامہ کے بعد پہلی بیوی کے والدین نے اس کو میرے گھر بھیج دیا اور وہ آباد ہو گئی آباد ہو جانے کے دو سال بعد میرا دوسرا نکاح بھی ہو گیا تو نئی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر واقعہ یہی ہے جو سوال میں درج ہے تو اس شخص کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور نئی بیوی کو جو طلاق معلق دی گئی ہے اس کی تعلیق اگرچہ منعقد ہو گئی لیکن جس شرط پر طلاق کو معلق کیا گیا تھا وہ شرط نئی

بیوی کے نکاح سے پہلے واقع ہوگئی (یعنی پہلی بیوی کو آباد کرنا) لہذا وہ تعلیق ختم ہوگئی اور تعلیق ختم ہونے کے بعد نئی بیوی سے نکاح ہوا تو اس پر بھی طلاق نہ پڑی۔

والدليل على انعقاد التعليق مع عدم الملك اوالاضافة الى الملك صراحةً ما فى الخلاصة و العالمگيرية ولو قال كل امراة لى فهى طالق ان فعلت كذا ولا امرأة له فان نوى امرأة يتزوجها يصح و يكون بمنزلة قوله كل امرأة يكون لى خلاصه صفحه ٩٦ جلد٢ . و فى العالمگيرية صفحه ٤٣٩ ج٢ . مثله ثم قال والى هذا ذهب شمس الاسلام محمود وقال نجم الدين لا يصح وقال السيد الامام بالقول الاول ناخذ ثم الدليل على انحلال اليمين و عدم وقوع الطلاق مافى الهداية من الايمان فى الطلاق وان وجد الشرط فى غير الملك انحلت اليمين لو جود الشرط ولم يقع شئى لانعدام المحلية.

باقی پنچایت کے فسخ شرط کرنے یا امام کے اطلاع نہ کرنے کا اس معاملہ میں کچھ اعتبار نہیں نہ اس پر کوئی حکم موقوف ہے مسئلہ وہ ہے جو اوپر لکھ دیا گیا ہے۔

تعلیق قبل النکاح کا حکم

(سوال ۵۲۸) زید نے قبل از نکاح مسماۃ زینب کے والد کو یہ تحریر لکھ دی کہ زینب پر دوسری شادی کروں تو زینب پر طلاق ہے ایک سال بعد اس تحریر کے زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اب اگر زید دوسری شادی کردے تو زینب مطلقہ ہوگی یا نہیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیق زید نے کی ہے وہ لغو ہے کیونکہ بوقت تعلیق زید مسماۃ زینب نہ اس کے نکاح میں تھی اور نہ زید نے اضافۃ الی النکاح کی لہذا یہ تعلیق لغو ہے اگر زید نے بعد زینب کے دوسرا نکاح کیا تو طلاق زینب پر واقع نہ ہوگی۔

كمافى الدر المختار فكما قوله لاجنبية ان زرت زيداً فانت طالق فنكحها فزارت وكذاكل امرأة اجتمع معها فى فراش فهى طالق فتزوجها لم تطلق۔ اگر زید نے نکاح ثانی کیا تو زینب پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اگر فلاں گاؤں میں نکاح کروں تو عورت پر طلاق!

(سوال ۵۲۹) زید نے تحریر کردیا کہ اگر میں فلاں گاؤں میں نکاح کروں تو اس عورت پر طلاق ہے پھر عمر نے بحکم حدیث لا طلاق قبل النكاح زید کا نکاح اسی گاؤں میں کرادیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں کیا وہ عورت بلا طلاق زید دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔؟

(الجواب) نکاح درست ہوگیا لیکن حنفیہ کے نزدیک نکاح ہوتے ہی ایک طلاق پڑگئی اور چونکہ یہ طلاق نکاح ہوتے ہی صحبت و خلوت سے پہلے پڑگئی اس لئے طلاق بائن واقع ہوئی اور عدت بھی اس پر لازم نہیں۔

وذلك لمافی الهدایة وغیره و اذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح الی قوله و الحدیث محمول علی نفی الاضافة و الحمل ماثور عن السلف کالشعبی و الزهری وغیر هما وقال العینی فی شرح الهدایه اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه عن هٰؤلآء. اور صاحب عنایہ نے مکحول وسالم بن عبداللہؒ کا بھی یہی مذہب لکھا ہے۔ هدایه باب الایمان فی الطلاق.

الغرض حنفیہ کے نزدیک ایک طلاق کے وقوع میں شبہ نہیں کیونکہ طلاق کی اضافت نکاح کی طرف موجود ہے۔

یہ لکھنا کہ اگر زوجہ کی بلااجازت دوسرا نکاح کروں تو زوجہ پر طلاق بائن

(سوال ۵۳۰) زید نے شادی کرتے وقت کابین نامہ میں لکھ دیا کہ زوجہ سعیدہ کی بغیر اجازت اگر دوسری شادی کروں تو زوجہ موصوفہ تین طلاق سے بائن ہو جائے گی دو برس گزرنے کے بعد زید نے سعیدہ کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کر لی تو مسماۃ سعیدہ مطلقہ ہو گئی یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر یہ معاہدہ بعد انعقاد نکاح لکھا گیا تھا یا یہ الفاظ لکھے گئے تھے کہ بعد نکاح سعیدہ اگر دوسری شادی کروں تو سعیدہ پر تین طلاق تب تو دوسری شادی کرنے سے سعیدہ پر حسب معاہدہ تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر معاہدہ قبل از نکاح لکھا گیا اور اس معاہدہ میں کوئی لفظ ایسا بھی نہیں تھا جس میں نسبت اور اضافت نکاح کی طرف ہو تو طلاق نہیں پڑی۔ کذافی الشامی والعالمگیریۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لکھدیا کہ دوسرا نکاح نہ کروں گا اس کی خلاف ورزی کی

(سوال ۵۳۱) زید نے ہندہ سے نکاح کر کے بین نامہ میں یہ شرط لکھ دی کہ ہندہ کے زندہ رہنے کے وقت تک زید دوسرا نکاح نہیں کر سکے گا بعد اس کے زید نے دوسرا نکاح کر لیا اب زید کا یہ نکاح درست ہوا یا فاسد اگر نکاح کر لے گا تو اب کیا نتیجہ ہو گا۔ کابین نامہ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(الجواب) اگر کابین نامہ کے الفاظ صرف وہی ہیں جو سوال میں بیان کئے گئے ہیں تو دوسرا نکاح کرنے سے زید کے پہلے نکاح میں کوئی خلل نہ آئے گا البتہ خلاف وعدہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا بشرطیکہ بلا عذر ہو حدیث میں بلا عذر شرعی خلاف وعدہ کرنے والے کو منافق فرمایا گیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

جماع کے وقت اگر کپڑا حائل ہو تو طلاق معلق علی الجماع واقع ہو گی یا نہیں

(سوال ۵۳۲) زید نے یہ کہا کہ اگر میں زوجہ سے بحالت حیض جماع کروں تو میری عورت کو تین طلاق ہیں اس کے بعد بحالت حیض بوس وکنار کرتے ہوئے التقائے ختانین ہوا زید برہنہ تھا اور عورت کپڑے پہنے ہوئے تھی باوجود کپڑے کے غیبوبت حشفہ ہوا اور زید کو انزال ہوا تو زید کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوئیں یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں جس وقت دوسری مرتبہ غیوبت حشفہ کے ساتھ انزال ہوا اس وقت سے تین طلاق پڑھ کر حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی اور اب یہ عورت زید کے نکاح میں دوبارہ بغیر حلالہ کے نہیں آسکتی۔ قال فی الاشباہ و النظائر فی احکام غیبوبۃ الحشفۃ و یترتب علیہ احکام و عد منھا وقوع الطلاق المعلق بہ ای بالوطی اوالجماع ثم قال لا فرق فی الایلاج بین ان یکون بحائل او لا لکن بشرط ان تصل الحرارۃ معہ ھکذا ذکروہ فی التحلیل فتجری فی سائر الابواب.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ غیوبۃ حشفہ اگر کسی حائل کپڑے وغیرہ کے ساتھ ہو مگر جب کہ لذت و حرارت پہنچی ہو تو حکم میں جماع کے ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں جماع متحقق ہوگیا اور تین طلاقیں جو جماع پر معلق تھیں واقع ہوگئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شوہر کے نماز نہ پڑھنے پر عورت کو دوسرے نکاح کے اختیار کی شرط لگانا

(سوال ۵۳۳) ایک عورت کا نکاح مشروط ایک مرد سے ہوا اس شرط پر کہ دوسرے مرد سے ہوا اس شرط پر کہ عورت کی جانب سے یہ شرط ہوئی کہ تم کو نماز پڑھنا ہوگا اگر تم نماز نہیں پڑھو گے تو میری خوشی ہے کہ دوسرے مرد سے نکاح کروں یا نہیں اب عرصہ تین سال کا گزرا اس تین برس میں دو بچے بھی ہوئے عورت اور اس کا باپ شوہر سے باربار کہتے ہیں کہ تم نماز سیکھو وہ نہ سنتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے اب یہ عورت تنگ آکر باپ کے یہاں آگئی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس عورت کا نکاح دوسرے مرد نمازی کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) عورت کے یہ الفاظ کہ میری خوشی ہے کہ دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کروں یا نہیں اگرچہ ان لفظوں میں طلاق کا اس کے اختیار میں ہونا مصرح نہیں لیکن بطور اقتضاء النص کے مقدر ماننا ضروری ہے ورنہ کلام کی صحت کی کوئی صورت نہیں جیسے کنایہ اعتدی اور ابتغی الازواج وغیرہ میں صحت کلام کے لئے لفظ طلاق بطور اقتضاء النص مقدر مانا جاتا ہے اس لئے کلام مذکورہ کی صحت اس طرح ہوئی اگر تم نماز نہیں پڑھو گے تو میری خوشی ہے کہ میں اپنے اوپر طلاق واقع کر کے دوسرے مرد سے نکاح کرلوں یہ الفاظ ہمارے عرف میں اختیار ہی کے مرادف سمجھے جاتے ہیں اس لئے شرط مذکور پر عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگیا اور جب کہ مرد نماز نہیں پڑھتا تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے اوپر طلاق کرلے اور عدت طلاق تین حیض گزر جانے کے بعد دوسری جگہ نکاح کرلے۔ قال فی الدر المختار نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح قال الشامی مقید بما اذا ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما اریداو علی انی طالق فقال الزوج قبلت الخ. شامی صفحہ ۷۶۶ ج ۲

تنبیہ :- یہ سب حکم اس وقت ہے جب کہ خاص عقد نکاح میں ایجاب قبول کے اندر یہ شرط لگائی گئی ہو یا بعد نکاح کے یہ شرطیں عورت نے پیش کی ہوں اور مرد نے قبول کرلیا ہو اور اگر عقد نکاح سے پہلے یہ شرط لگائی ہو اور نکاح کی طرف اضافت بھی نہ کی ہو تو ان شرطوں کا کچھ اعتبار نہ ہوگا اور عورت کو

طلاق کا اختیار نہ ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اگر میں اقرار نامہ کی شرط کے خلاف کروں تو طلاق

(سوال ۵۳٤) مسمی محمد حسین ولد سراج حسین کی شادی مسماۃ سکینہ بی بنت پیر بخش سے ہوئی جس کو عرصہ تقریباً آٹھ یا نو سال کا ہوا لیکن شادی کے دو ماہ بعد سے محمد حسین نے اپنی نالائقی شروع کر دی ناحق مارنا اور خورد پوشش کی خبر نہیں رکھتا شب و روز قمار بازی میں رہنا اور چوروں کی اور بد معاشوں کی صحبت میں شب و روز رہنا اختیار کر لیا سکینہ بی کو جب دو تین فاقوں کی نوبت پہنچی تو اپنی ساس سے اجازت لیکر ماں باپ کے گھر کو گئی بعد چند ماہ کے اس نے دو چار محلہ والوں کو اکٹھا کیا اور بلایا ان لوگوں کے سمجھانے سے پھر سکینہ بی کو اسی کے گھر رخصت کروادیا۔ دو چار روز کے بعد پھر وہی کیفیت بد معاشی کی شروع کر دی لاچار ہو کر مجبوراً پھر ماں باپ کے گھر کو گئی چند مرتبہ ایسا ہی ہوا اور اس درمیان میں دو مرتبہ سرقہ کے جرم میں سزائے قید بھی ہوئی جب قید سے رہا ہوا پھر اپنی زوجہ سکینہ بی کو لے جانے کا ارادہ کیا اور تمام اہل محلہ کے روبرو خدا و رسول کی قسم کھائی کہ اب میں ایسا نہ کروں گا اور اگر اب ایسا کروں گا تو میری طلاق سمجھنا اور اسی مضمون کا ایک اقرار نامہ دو روپیہ کے اسٹامپ پیپر پر لکھ دیا کہ اگر میں شرائط اقرار نامہ کے خلاف ایک بات بھی کروں تو یہی طلاق ہے اور مسماۃ مذکور کو اپنے گھر لے گیا بعد چند روز کے اور زیادہ تکلیف دی اور ڈیڑھ سال کے لئے چوری کی علت میں پھر سزا ہو گئی اور دو صاحب نے اس کی بد چلنی کی بھی تصدیق کی۔ لہذا اس اقرار نامہ کی رو سے شرعاً طلاق ہو گئی یا نہیں اور وہ عورت عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر فی الواقع محمد حسین نے ایسا اقرار نامہ لکھا تھا اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ میں سے کسی ایک شرط کا بھی خلاف کیا جیسے گواہ کے بیان سے معلوم ہوا تو ایک طلاق بائنہ پڑ گئی اور عورت اس خاوند سے بالکل منقطع ہو چکی۔ **کذا یستفاد من کتب المذهب—والله تعالى اعلم**

شرائط اقرار نامہ کی خلاف ورزی پر طلاق واقع ہونا؟

(سوال ۵۳۵) ایک شخص نے بعد نکاح اقرار نامہ تحریر کیا ہے جو یہ ہے مظہر کے ساتھ اس کا عقد نکاح بدیں نہج پر ہوا ہے کہ اگر مظہر فرماں برداری اور ملازمت خاں صاحب موصوف میں بمقام مندار مدامی طور پر تادم زیست موجود رہے گا تو یہی عقد نکاح بحال رہے گا اور اگر بر خلاف اس کے مظہر نافرمانی کرے یا ملازمت چھوڑ کر کہیں چلا جاوے تو اس صورت میں عند الشرع شریف نکاح مظہر منسوخ تصور ہو گا یعنی منکوحہ ام مسماۃ نوری کو طلاق ثلثہ مغلظہ واقع ہو جائے گی اور وہ مظہر کی زوجیت سے خارج ہو کر ہمیشہ کے لئے مظہر پر طلاق ثلثہ حرام ہو جائے گی اور جس قدر اولاد بطن منکوحہ دوم سے تولد ہو گی اس کا حق وراثت پدری اور ولدیت عقد نکاح میں مظہر کی جانب سے سردار محمد فاضل خاں اور ان کے اہل خانہ کو حاصل رہے گا۔ مظہر کو بغیر رضامندی خاں صاحب موصوف کوئی حق حاصل نہ ہو گا۔

(الجواب) اقرار نامہ منسلکہ اگر صحیح ہے اور واقعی ہے تو یہ شرعاً معتبر اور قابل عمل ہے لہذا مقر نے اگر شرائط مندرجہ اقرار نامہ کے خلاف کیا تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں پڑ جائیں گی اور حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ (صرح به فی العالمگیرية والشامية من الطلاق بالکنایه)

لیکن جو اولاد مسماۃ کے بطن سے پیدا ہوئی اس کا ولی نکاح بحالت صغر سنی دراصل اس کا باپ ہی ہو گا مگر چونکہ اس نے اقرار کیا ہے کہ میں اپنی ولایت سے درصورت خلاف ورزی اقرار نامہ کے کام نہ لوں گا لہذا اس کو اپنے وعدہ کی پابندی کرنی چاہئے اور بلارضاء سردار محمد فاضل اور ان کے اہل خانہ کے کسی جگہ بحالت صغر سنی نکاح نہ کرنا چاہئے لیکن اگر وہ نکاح کر دے گا تو نافذ ہو جائے گا کیونکہ اقرار نامہ کی رو سے غایت یہ ہے کہ سردار محمد فاضل اور اس کے اہل خانہ کو منجانب والد وکیل نکاح قرار دیا جائے اور قاعدہ معروفہ یہ ہے کہ وکیل بنانے کے بعد اگر خود موکل نکاح کر دے (قبل نکاح وکیل) تو یہ نکاح منعقد اور صحیح ہو جاتا ہے۔

(صرح به فی عامة کتب الفقه من الهداية) واللہ تعالیٰ اعلم

کچھ شرطیں لگا کر نکاح کرنے کی صورت

(سوال ۵۳۶) مسمی زید نے بوقت نکاح عمر ۲۴ سال نے بکر مرحوم کی لڑکی عمر تخمیناً (۹) نو سال جو اپنے دادا عمر کی زیر نگرانی و پرورش تھی اور ہے اور پہلے یہ تحریر اقرار نامہ اس شرط پر نکاح کیا (جس کو عرصہ تین سال سے زائد گزرا) کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ تاحین حیات دادا دادی منکوحہ کا متکفل اور پرورش کیا کروں گا اور ان لوگوں کے حکم کے خلاف کوئی کام عمل نہ لاؤں گا اگر خلاف شرائط اقرار نامہ کوئی فعل مجھ سے سرزد ہو تو از روئے اقرار نامہ ہذا نکاح قائم نہیں رہے گا اور ایجاب کردہ دین مہر ادا کر کے علیحدہ ہو جانا پڑے گا اسی طرح اگر دادا دادی میری منکوحہ کے میرے ساتھ بدسلوکی عمل میں لاویں گے تو اس حالت میں مجھ کو اختیار ہو گا کہ بلا ادائے دین مہر مقررہ جہاں چاہوں چلا جاؤں گا اس میں میری منکوحہ یا اس کے وارثان کو کسی قسم کا دعویٰ مجھ پر نہیں ہو گا واضح رہے کہ زید نے عرصہ دو سال سے اپنی منکوحہ اور دادا دادی منکوحہ کا نان و نفقہ اٹھانا بیٹھنا وغیرہ بھی بالکل بند کر دیا ہے اور اپنے آبائی مکان پر چلا گیا ہے۔ بینوا بالکتاب و توجروا بالصواب۔؟

(الجواب) اگر یہ شرط عین ایجاب و قبول کے وقت پیش کی گئی اور پیش بھی لڑکی کی جانب سے کی گئی اور خاوند نے منظور کیا تو درصورت خلاف ورزی اس شرط کے زید کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی اور اگر شرط قبل از نکاح پیش ہوئی تھی یا بوقت نکاح شوہر نے از خود یہ شرط پیش کی اور لڑکی کے اولیاء نے قبول کیا تو اس صورت میں خلاف ورزی اقرار نامہ سے کسی قسم کی طلاق نہ پڑے گی۔ لکون التعليق قبل النكاح و قبل الاضافة الى النكاح. صرح به فی الشامی من باب الرجعة فصل التحليل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اگر خرچ ادانہ کروں توزوجہ دوسرا نکاح کرلے

(سوال ۵۳۷) جب کہ ایک تحریری اسٹامپ منجانب شوہر بروقت ہونے نکاح روبرو گواہان مندرجہ اسٹامپ اپنی منکوحہ کو دیا ہے جس کی نقل مجلسہ روانہ خدمت کی جاتی ہے آیابعد گزرنے میعاد اس تحریر کے مسماۃ عقد ثانی کرسکتی ہے یا نہیں ؟ خلاصہ اقرارنامہ یہ ہے کہ شوہر نے لکھاہے کہ جب تک زوجہ کے ساتھ باہمی اتفاق نہ ہو پانچ روپیہ ماہوار اس کو ادا کرتا رہوں گا اگر یہ خرچ ادانہ کروں تو تین ماہ گزرنے کے بعد وہ دیگر نکاح کرلے۔؟

(الجواب) اگر میعاد مندرجہ اسٹامپ گزر جائے اور اتفاق کی صورت نہ ہو اور پانچ روپیہ مقررہ بھی خاوند ادا نہ کرے تو ایک طلاق بائنہ پڑجائے گی عدت طلاق تین حیض گزر جانے کے بعد عورت کو نکاح ثانی کا اختیار ہوگا اور یہ اس لئے کہ الفاظ مندرجہ کابین نامہ دیگر نکاح کرلے اگرچہ ترجمہ تزوجی کا ہے جس کو عالمگیری صفحہ ۳۵۲ج ا میں کنایہ طلاق قرار دیا ہے لیکن کابین نامہ میں اس کا لکھنا عادۃً وعرفاً سلسلہ مذاکرہ طلاق ہوتا ہے اور نیت طلاق متعین ہوتی ہے اس لئے بلاانتظار نیت وجود شرط کے بعد طلاق بائنہ پڑجائے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

زید نے قسم کھلائی کہ اگر عمر نے اس کو اپنی شادی میں شریک نہ کیا تو عمر کی بیوی پر تین طلاق

(سوال ۵۳۸) عمر نکاح کرچکا ہے مگر رخصتی (جس کو عرف میں شادی کہتے ہیں) نہیں ہوئی نکاح کے بعد زید نے اس سے کہلوالیا اور لکھوالیا تھا کہ اگر عمر نے اس کو اپنی شادی میں شریک نہ کیا تو عمر کی بیوی پر تین طلاق سوئے اتفاق سے زید شرکت شادی سے معذور ہے اور بالخصوص عمر کی سسرال میں نہیں جاتا تو جواب طلب سوال یہ ہے (۱) کیا شرکت کے لئے عمر کی سسرال میں جانا ضروری ہے یا عمر کے مکان پر رسم ولیمہ وغیرہ میں شرکت کرلینے سے قسم پوری ہوسکتی ہے اور شرکت متحقق ہوسکتی ہے (۲) اگر ناکح یعنی عمر دعوت دیدے مگر زید شرکت نہ کرسکے تو کیا اس صورت میں شریک کرنے کے عہد سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ (۳) اگر عمر کی جانب سے شریک کرنے کے اسباب میں کوتاہی نہ ہو مگر زید کسی خاص وجہ یا کسی عذر و شرکت نہ کرسکے اور اس عدم شرکت کے باعث طلاق تسلیم کرلی جائے تو کیا زید پر تفریق زوجین کا جرم اور گناہ عائد نہ ہوگا۔؟

(الجواب) ایمان کا مدار عرف پر ہے اور جہاں تک عرف کی تحقیق کی گئی تو یہی معلوم ہوا کہ شرکت شادی عام ہے بسسرال میں جاکر شرکت کرے یا عمر کے مکان پر بہر دوصورت حانث نہ ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی۔ (۲)'(۳) جب کہ عمر کی جانب سے شریک کرنے کے اسباب میں کوئی ایسی کوتاہی نہ ہو جس کی وجہ سے دیکھنے والے یہ کہہ سکیں کہ خود عمر نے ہی شریک نہیں ہونے دیا تو عمر صرف دعوت دیدینے پر اپنی قسم سے عہدہ برآ ہوجائے گا اور زید کی عدم شرکت سے عمر کی بیوی پر طلاق نہ پڑے گی۔

لمافی ردالمحتار ذکر الشر نبلالی فی رسالته عن الخانیة و الخلاصة وغیر هما حلف لا یدع فلانا یدخل هذه الدار فلو الدار ملك الحالف فشرط البرمنعه بالقول و الفعل بقدر

ما یطیق (الی قوله) وفی القنیة عن الوبری حلف لیخر جن ساکن داره الیوم و الساکن ظالم غالب یتکلف فی اخراجه فان لم یمکنه فالیمین علی التلفظ باللسان الخ(شامی صفحه ۱۵۱ ج۳) واللہ تعالیٰ اعلم

رفع الجور
فی حکم
الیمین المؤبد والفور

بسم الله الرحمٰن الرحیم

یمین فور ومؤبد کی تعریف وتفصیل دربارہ طلاق

(سوال ۵۳۹) زید اور اس کی بیوی میں ناچاقی تھی بیوی کے ماموں نے اس کو اپنے گھر روک لیا تاآنکہ زید اقرار نامہ اس مضمون کا لکھے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ دے گا اور جب اس کا ماموں بلائے گا تو بھیج دے گا انکار نہ کرے گا اور درصورت انکار طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی الفاظ اقرار نامہ یہ تھے اس کو (یعنی اپنی زوجہ کو) اس شرط پر لے جانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اس کے ماموں مسمی عبدالحکیم اس کے بلانے کا نوٹس مجھ کو دیں گے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہنچادوں گا اور انکار نہ کروں گا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اسی انکار سے میری زوجہ پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اس پر زوجہ کا ماموں بھیجنے کے لئے امادہ ہو گیا مگر زید نے کہا کہ زیور بھی ساتھ ہونا چاہئیے زیور چونکہ اس کے رشتہ داروں میں دہرہ دون تھا اس لئے زید نے کہا کہ جب زیور آوے گا اس وقت لے جاؤں گا اس وقت خوشی سے چھوڑ گیا پھر دوبارہ آیا ماموں بھیجنے کے لئے پھر تیار ہو گیا لیکن وہ زیور اس وقت تک نہ آیا تھا اس وقت بھی چھوڑ گیا اور اس ملاقات میں یہ لفظ کہے کہ اگر میں اس کو ماروں تو میری طرف سے جواب ہے تیسری مرتبہ پھر آیا تو ماموں کو خلاف اقرار تکالیف کا شبہ ہوا اس لئے بھیجنے سے انکار کر دیا اس وقت زید نے یہ الفاظ کہے کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے اور وہ میری تحریرے فروری ۳۹ء کی جو تم نے لکھائی وہ میں نے اسی روز کے لئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہو گئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس کے بعد لڑکی خود کچھ مصلحت سوچ کر زید کے گھر چلی گئی زید نے اس کو مجبور کیا کہ معافی مہر کا کاغذ لکھ دے اور زیورات میرے حوالے کردے ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو لکھا میں معہ اپنی بیوی کے شاہ جہاں پور میں بیمار ہوں اس لئے پہنچا نہیں سکتا تم خود لے جاؤ۔ ماموں وہاں پہنچا تو بھیجنے سے انکار کیا تاآنکہ وہ وصول یابی مہر کا کاغذ نہ لکھے اور زیورات نہ دے تو کیا صورت مسئولہ میں طلاق بوجہ انکار کے پڑ گئی یا نہیں۔؟

خلاصہ جواب از تھانہ بھون --- طلاق نہیں پڑی کیونکہ زید کی تحریر بطور یمین فور کے تھی جو اسی وقت لے جانے کے ساتھ مخصوص تھی اور اس وقت لڑکی نہیں گئی اس لئے کالعدم ہو گئی۔

خلاصہ جواب از سہارنپور --- یمین فور کا کوئی قرینہ نہیں لیکن جس شرط پر طلاق کو معلق کیا گیا تھا وہ شرط نہیں پائی گئی لہٰذا عدم وقوع طلاق بوجہ عدم وقوع شرط اس صورت پر ظاہر ہے خلاصہ یہ کہ شرط کا وجود

مسلم نہیں۔

جواب از دار العلوم دیوبند ---زید کے اقرار نامہ مندرجہ سوال میں دو کلام زیر بحث ہیں ایک پہلا اقرار نامہ تحریری اور دوسرا زبانی لیکن زبانی اقرار نامہ کے الفاظ یہ ہیں (اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے) اس میں لفظ جواب اولاً تو کنایہ طلاق نہیں کیونکہ کنایہ ہونے کے لئے تین شرطین جو علامہ شامی نے مفصل لکھی ہیں اس میں موجود نہیں اور اگر بالفرض اس کو کنایہ بھی قرار دیں جب بھی نیت پر موقوف ہوگا اور نیت طلاق نہ ہونا زوج نے خود ظاہر کر دیا ہے اس لئے اس زبانی تعلیق واقرار سے کچھ اثر معاملہ پر نہیں پڑتا اس کی بحث کی حاجت نہیں -اب قابل غور صرف تحریری اقرار نامہ ہے جس کے الفاظ مندرجہ ذیل مدار کلام ہیں -میں اس کو (یعنی اپنی زوجہ کو) اس شرط پر لے جانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اس کے ماموں مسمی عبدالحکیم اس کے بلانے کا نوٹس مجھ کو دیں گے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہنچادوں گا اور انکار نہ کروں گا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ پر طلاق بائنہ واقع ہوجاوے گی۔

یہ تحریر بظاہر دو مستقل کلام پر مشتمل ہے ایک شروع سے (اس کا انکار نہ کروں گا' تک اور دوسرا (اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں سے آخر تک) پہلا کلام اپنے لفظی دلالت سے ایک وعدہ کی شکل رکھتا ہے اور دوسرا تعلیق کی (جیسا کہ جناب مفتی صاحب سہارن پور نے تحریر فرمایا ہے) لیکن غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ دوسرا کلام بھی پہلے ہی کلام پر مرتب ہے اور تقدیر کلام بطور اقتضاء النص کے یہ ماننی پڑے گی کہ اگر اس کے ماموں نے میری زوجہ کو میرے ساتھ بھیج دیا تو میں اس کے بلانے پر انکار نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو انکار سے طلاق بائن پڑ جائے گی لہذا جملہ ثانیہ جملہ اولی سے بالکل جدا نہیں بلکہ جو شرط بطور اقتضاء کے مقدر مانا گیا ہے وہ پہلے ہی کلام کا فائدہ اور نتیجہ ہے لہذا اب زیر غور صرف یہ تعلیق ہے کہ اگر اس کے ماموں نے اس کو میرے یہاں بھیج دیا تو پھر اس کے بلانے پر میرا انکار کرنا طلاق بائنہ ہوگی۔ اس میں حکم مسئلہ اور وقوع وعدم وقوع طلاق اس پر موقوف ہے کہ اس کلام کو یمین مؤبد قرار دیا جائے یا یمین فور اور پھر یہ کہ شرط کا وقوع ہوا یا نہیں۔ لیکن یمین فور کے شرائط و قواعد پر نظر ڈالنے اور حالت و مقالات مندرجہ سوال کو مطالعہ کرنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ یمین فور نہیں بلکہ مؤبد ہے چند وجوہ۔ (۱) یمین فور کی' یہ شرط ہے کہ پہلے سے کسی خاص وقتی فعل کی تیاری یا تذکرہ ہو اسی خاص موقت فعل کے متعلق یمین منعقد کی جائے جس کی مقدار بھی شامی نے بحوالہ سغدی ایک ساعت نقل کی ہے۔ ولفظه سئل السغدى بما ذايقدر الفور قال بساعة (شامی استنبولی صفحہ ۱۵۵ ج ۳) وفى البدائع من الايمان و دلالة الحال تدل على تقييد الشرط بالفور بان خرج جواباً للكلام او بناءً على امر.

لیکن صورت مذکورہ میں خاص اسی وقت کے لے جانے کی بحث نہ خاوند کی طرف سے تھی اور نہ اقرباء زوجہ کی طرف سے بلکہ گفتگو مطلق بھیجنے اور بلانے میں تھی۔ اقربائے زوجہ مطلقاً بھیجنے سے منکر تھے الا بشرائط مخصوصہ اور خاوند اسی بھیجنے کے لئے گفتگو کر رہا تھا جس پر اقرار نامہ لکھا گیا جیسا کہ سوال کے الفاظ مندرجہ

ذیل معلوم ہوتا ہے۔زید کے گھر بھیجنے سے قطعاً انکار کردیا اس وقت تک ہم ہر گز تمہارے سپرد نہیں کرسکتے زید نے اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ میں آئندہ اس پر کوئی بیجا تشدد نہیں کروں گا۔ آئندہ کسی تشدد سے پیش آؤں تو تم اپنی لڑکی کو بلالینا اور پھر نہ بھیجنا اس پر لڑکی کے اولیاء بھیجنے کے لئے تیار ہوگئے کہ تم یہ تحریر لکھدو۔

اس تمام گفتگو اور جانبین کے مکالمہ میں کسی ایک جگہ بھی اس کاذکر نہیں کہ خاص اسی وقت لے جانے کی بحث ہے یا تیاری ہے۔

(۲) اگر بحث اسی وقت لے جانے کی ہوتی تو زید اس کو اسی وقت لے جاتا اور درصورت نہ لیجانے کے اسی وقت کہتا کہ میری تحریر بوجہ عدم شرط کے منسوخ و منعدم ہوگئی لیکن بخلاف اس کے زید نے اس کو بخوشی وہاں چھوڑ دیا اور اس وقت نہ جانے یا نہ لیجانے کو خلاف شرط نہ سمجھا اور دوسری مرتبہ بھی اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا اس وقت بھی اس کے کسی فعل یا قول سے یہ معلوم نہ ہوا کہ اس کا اقرار نامہ کسی خاص دفعہ کے بھیجنے یا لے جانے کے متعلق تھا اور وہ مفقود ہونے کی وجہ سے اقرار نامہ منسوخ ہوگیا بلکہ اس کے خلاف تیسری مرتبہ میں اس نے خود یہ تصریح کی کہ آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی جس سے معلوم ہوا کہ آج تک وہ اس تحریر کو قائم مانتا تھا۔

(۳) اور اگر یہ کہا جائے کہ بحث بھیجنے میں تھی نہ کہ لیجانے میں یعنی زید کی غرض یہ تھی کہ تم لیجانے میں حارج نہ ہو تو اس میں بھی وہی بحث ہے کہ اول تو یہ کلام بھی یمین مؤبد کا مقتضی ہے کوئی قرینہ یمین فور کا موجود نہیں جس سے معلوم ہو کہ تم اس خاص وقت میں لے جانے سے حارج نہ ہوگے تو تعلیق طلاق معتبر ہوگی اور اگر بالفرض اس میں یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ اس کی غرض خاص اسی وقت کے متعلق تھی کہ اس خاص وقت کے بھیجنے میں حارج نہ ہوں اور اس تقدیر پر یمین فور ہوگئی لیکن اس شرط کے تحقیق میں کوئی شبہ نہ رہا کیونکہ اقرباء اس وجہ سے بھیجنے میں اس مرتبہ حارج نہیں ہوئے لہذا پھر بھی تحریر طلاق کالعدم نہ ہوگئی بلکہ اس طرح باقی رہی۔ الغرض اولاً یہ یمین فور نہیں ثانیاً اگر فور بھی تسلیم ہو تو تحقیق شرط علی الفور ہو چکا لہذا اجزاء معلق ثابت و قائم رہے گی اور زید کے کالعدم کہنے سے کالعدم نہ ہوگی۔

(۴) زید کے تمام حالات وواقعات کے مجموعہ کو دیکھ کر یمین فور کا کوئی قرینہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ خاص اسی وقت لے جانے کے لئے تحریر لکھ رہا تھا زائد سے زائد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آج کل دو چار یوم ہفتہ وعشرہ کے اندر اندر لیجانا چاہتا تھا اور اسی کی بحث تھی چونکہ اقرباء زوجہ نے اس کے اس مقصد کے خلاف نہیں کیا اس لئے یہ خوشی سے چھوڑ کر چلا گیا اور جب کہ خاص اسی وقت لے جانے کی نیت اور گفتگو نہ تھی بلکہ ایام معدودہ کی نیت مستفاد ہوتی ہے تو یہ اس صورت میں داخل ہو گیا جس کو شامی نے بین الفور والابد کے عنوان سے لکھا ہے اور اسی کی تائید عبارت بدائع سے ہوتی ہے۔ ولو قال لها ان خرجت عن هذه الدار على الفور اوفى هذا اليوم فانت طالق بطل اعتبار الفور لا نه ذكر مايدل على انه ما ارادبه الخرجة المقصود اليها وانما ارادالخروج المطلق عن الدار فى اليوم الخ بدائع صفحه ۱۳ ج۳. ولوقال ان تغديت ونوى بين الفور والا بد كاليوم اوالغد لم يصدق اصلا الخ. (شامی صفحه ۱۱۷ ج۳)

(۵) زید کے تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنا کیوں کہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ اگرچہ کذب ہی ہے لیکن اس کا صاف اقرار ہے کہ خروج معین وقت پر کلام نہ تھا بلکہ ایک معین دن کے بھیجنے پر بحث تھی جس کو کہ عبارت بدائع کی تصریح الیوم اور شامی کی تصریح کالیوم اوالغد نے بالکل رد کر دیا کہ یہ صورت یمین فور کی نہیں بلکہ بین الفور والابد ہے جو حکماً یمین مؤبد میں داخل ہے۔ بناءً علیہ حالات اور قرائن مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اولاً یہ یمین یمین فور نہ تھی بلکہ یمین مؤبد تھی لہذا اب زید کا اپنی تحریر کو کالعدم کہنا شرعاً معتبر نہیں ثانیاً اگر بالفرض یمین فور بھی تسلیم کیا جائے تو شرط فور متحقق ہو چکی یعنی اقربائے زوجہ مانع نہیں ہوئے اس صورت پر بھی تعلیق طلاق بحالہ قائم ہے۔

الغرض بہر دو صورت تعلیق طلاق بحالہ قائم تھی جس کی رو سے زید کے ذمہ ضروری تھا کہ جس وقت زوجہ کا ماموں نوٹس دے اس کو خود پہنچادے کیونکہ اقرار نامہ میں پہنچادینے کے الفاظ ہیں بھیج دینے کے نہیں لیکن زید نے اس کے خلاف پہنچانے سے بھی انکار کیا اور جب ماموں شاہ جہاں پور پہنچا تو بھیجنے سے بھی انکار کیا جس کے الفاظ مندرجہ سوال یہ ہیں لڑکی کے مہر کی رجسٹری کرادو کہ یہ ہم نے وصول پایا اور وہ چاروں عدد منگادو ان شرطوں کے بغیر پورے ہوئے ہم ہرگز نہیں بھیجیں گے چونکہ یہ شرطیں کرنا پہلے اقرار نامہ کے خلاف تھا اس لئے ان شرائط کے ساتھ مشروط کرنا درحقیقت ارسال موعود مشروط سے انکار کرنا ہے اس لئے مسماۃ مذکورہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہو گئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ۔

الجواب صحیح حسین احمد غفرلہ۔
الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ۔
الجواب صواب بندہ محمد ابراہیم غفرلہ۔
الجواب صواب نبیہ حسن عفااللہ عنہ۔

ف --- یہ فتوی شعبان ۵۰ء میں دیا گیا تھا نظر ثانی کے وقت مجھے اس میں تردد ہو گیا کہ یہ کلام یمین فور ہے یا نہیں لیکن چونکہ مدار جواب یمین فور ہونے پر نہیں اس لئے پوری تقریر کو بطور بحث کے باقی رکھا گیا بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ ۲۶ جمادی الاولی ۵۹ء

نابالغ کی یمین طلاق بھی معتبر نہیں

(سوال ۵٤۰) خالد اور زینب حالت طفولیت میں یکجا کھیلا کرتے تھے اتفاق سے ایک دن ان دونوں میں لڑائی ہو گئی اور زینب رونے لگی زینب کی والدہ بمعہ خالد کی والدہ ایک اور اجنبی عورت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی بولی کہ خالد زینب سے تم ابھی لڑتے ہو تو کل جب زینب تمہاری زوجہ بنے گی تب بھی اسے ایسا ہی ستاؤ گے خالد بولا کہ اگر یہ میری عورت ہوئی تو میں حرامی ہوں کہ اگر اس کو پشاور میں جا کر نہ بیچ دوں اب یہ دونوں بالغ ہیں اور آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں کیا اب ان کا نکاح جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو پھر زینب مطلقہ ہوتی ہے یا نہیں اگر مطلقہ ہوتی

ہے تو کیابائنہ یار جعی یامغلظ -اگر بائنہ تو پھر طلاق ثانی ثالث سے مغلظہ ہو جائے گی یاکہ نہیں مہر کا کیا فیصلہ ہو گا۔
بینوا توجروا بالدلیل ؟

(الجواب) ایام طفولیت وعدم بلوغ کی کسی کلام کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں اوراس کلام سے توبالغ ہونے پر بھی طلاق وغیرہ نہیں پڑتی لہذا بے فکر ہو کر دونوں نکاح کر سکتے ہیں اور کسی قسم کی طلاق وغیرہ نہیں ہوئی۔

زوجہ سے کہا تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کروں تواس پر طلاق ہے' پھر پہلی عورت کو طلاق دے دی!

(سوال ۵٤۱) بعد ایتان بماهو المسنون فی الاسلام. اقول و اعرض الی خدمتكم انه قد خطر خطرة وقع خدشة ببالی لتعارض دلیل الشامی و السراجیة. واختلاف رائی المفتین فی مسئلة وقوع الطلاق و عدم وقوعه ولیس عندی کتاب احقق فیه ذلك فرجعتكم للجواب وهو هذا.

رجل حلفه ولی الزوجة بطلاق کل امرأة یزوجها بغیر اذنها فطلقها ثلاثاً ثم تزوج امرأة اخرٰی بغیر اذن المرأة الاولٰی فالمرأة الثانیة هل تطلق ام لا بینوا مع ایراد دلائل الواضحة افتٰی مولانا حافظ عبداللطیف المفتی الحال بدار الافتاء سهارنپور بوقوع الطلاق علی الزوجة الثانیه .بقوله. لو تزوج بغیر اذن الزوجة الاولٰی طلقت الثانیه . لمافی الدر المختار. لو قال لامراته کل امرأة أتزوجها بغیر اذنك فهی طالق فطلقها طلاقاً بائنا اثلاثا ثم تزوج امرأة اخرٰی طلقت لا نه لم یتقید یمینه ببقاء النکاح لانها ان تتقید به لو کانت المرأة تستفید ولایة الاذن و المنع. بعقد النکاح بخلاف الزوج فانه یستفید ولایة الأذن بالعقد الخ جلد ۳ کتاب الایمان. منقول عن الفتح واقره صاحب البحر والزیلعی ومافی ردا المحتار یقدمه علی مافی فتاوٰی السراجیة لا نه معلل و المعلل یقدم علی غیر المعلل الخ

وکذالرائی مولانا عزیز الرحمٰن المفتی السابق بدار الافتاء دارالعلوم دیوبند و ذکر هذه المسئلة فی فتاوٰی المسمٰی بعزیز الفتاوٰی (المفتی بابت ماه شوال المکرم سن ۱۳۵٦ هجری).

لیکن افتٰی مولانا کفایت الله المفتی بدار الافتاء مدرسه امینیه دهلی. بعدم وقوع الطلاق علی الزوجة الثانیه بقوله لم یقع الطلاق المعلق علی الزوجة الثانیه لان المرأة الاولٰی لیست بزوجة له بعد تطلیقها ثلاثاً.

فالمرجوان تشر فونا بالجواب المشرح مع نقل عبارات الکتب المعتبرة وما رائی فی هذه المسئلة علامه شمس الائمه سرخسیؒ بینوا مع نقل العبارات موضحاً و مسترحاً. بنیوا توجروا.

(الجواب) اقول و بالله التوفیق. ظاهر هذا الکلام الاطلاق و العموم فی حالة بقاء الزوجیة وعدمها. وبقرینة مقصود. ولی الزوجة یحتمل ان یکون مقصوراً بحالة بقاء الزوجیة فان قال الزوج نویت العموم فالطلاق واقع قضاء وذلك لانه اراد محتمل کلامه و فیه تخفیف علیه فلا یصدق قضاء کما

هو المعروف فی نظائر هذه المسئلة ومن جملتها ما ذکره فی الفتاوی الحمادية معزياً للکافی من کافی. امرأة قالت لزوجها تزوجت علی فقال کل امراة لی فهی طالق ثلثاً او قالت ترید ان تتزوج علی فقال کل امراة اتزوجها فهی طالق تناول المخاطب حتی تطلق فی المحال فی المسئلة الاولی واذا تزوجها بعد الا بانة فی المسئلة الثانية. وعن ابی یوسف ان المخاطبة لا تدخل لان کلامه خرج جوابا لکلامها فتقید بالکلام السابق و السابق فی تزوج غیرها.

فان قیل انه زاد علی قدر الجواب. قلنا الزیادة علی قدر المحتاج الیه للجواب انما تخرج الکلام عن الجواب اذا لغت الزیادة متی جعل جواباً ولا تلغو الزیادة ههنا ان جعل جواباً لا نه قصد تطییب قلبها و تسکین نفسها اذا بتطلیق غیرها علی العموم لجواز ان یقع فی قلبها انه اراد بما قال غیر التی ظننت. ولنا ان العمل بعموم الکلام واجب ماامکن وقد امکن ههنا لانه زاد علی قدر الجواب اذ جوابه ان یقول ان فعلت فهی طالق ثلثا فکان مبتدءً ا وجازان یکون عرضها ایحاشها و اغضابهافا رادان یطلقها مع غیرها حیث بالغت فی المشاجرة و الخصام فیما هو ماذون فی الشرع و الاحکام فلا یترك بهذا الاحتمال عموم لکلام ولو نوی غیرها صدق دیانة لا قضاءً لکونه تخصیصا (حمادية صفحه ۱۸۹ ج ۱)

وفیها معزیا للهداية. اذا قالت المرأة لزوجها تزوجت علی فقال کل امراة لی طالق ثلثاً طلقت هذه اللتی حلفته فی القضاء. وعن ابی یوسف انها لا تطلق لانه اخرجه جواباً فینطبق علیه ولان غرضه ارضائها وهو بطلاق غیرها فقید به وجه الظاهر عموم الکلام وقدزاد علی حرف الجواب فیجعل متبدیاً وقد یکون غرضه ایحاشها حین اعترضت علیه فیما احله الشئ و مع التردد لا یصلح مقیداً مبتداً اه (حمادية صفحه ۱۸٦ ج ۱).

فسئلتنا لینظر المسئلة المذکورة فی عموم اللفظ و احتمال الخصوص بقرینة السوال و الجواب و اختار الفقها ء الحکم بالعموم ولم یسو غواالتخصص بمجرد الاحتمال والتردد فکذا ههنا نعم هذا حکم القضاء و فی الدیانة یصدق فی نیته التخصیص مع یمینه.

الحاصل ان فی مسئلتنا وقعت الطلاق علی التی تزوجها بدون اذن الزوجة ولو بعد ابانتها فی القضاء لا الدیا نة و معروف فی عامة کتب الفقه ان المرأة کالقاضی فی هذا الباب اه. والله اعلم. دیوبند ۲ جمادی الثانی ٦٧ هجری (اضافه)

وفی منتصف هذا الشهر هاجرت من الوطن الی پاکستان الکراچی

طلاق منجز لکھنے یابولنے کے بعد وقفہ سے انشاء اللہ کہایا لکھا

(سوال ۵٤۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق لکھدی پھر کچھ دیر گزرنے کے بعد اس کے ساتھ لفظ انشاء اللہ لکھدیا تو یہ طلاق ہوگی یا نہیں۔؟

(الجواب) طلاق ہوگئی کیونکہ لفظ انشاء اللہ وقفہ کے بعد لکھا گیا ہے جیسا زبانی طلاق کے ساتھ فوراً انشاء اللہ کہہ دے تو طلاق نہیں ہوئی اور کچھ وقفہ کے بعد کہے تو ہو جاتی ہے کتابت کا بھی یہی حکم ہے۔ لمافی فتح القدیر. وان کتب الطلاق ثم فتر فترة ثم کتب انشاء اللّٰہ یقع الطلاق لان المکتوب الی الغائب کا لملفوظ کذافی الفتاوی الکبری (فتح القدیر صفحہ ۹۲ ج ۳) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اضافہ)

تین محقق طلاقوں سے بچنے کی ایک تدبیر !

(سوال ۵۴۳) ایک شخص نے اپنے بھائی کے انتقال کے بعد بھاوج سے نکاح کرلیا ایک بھتیجا جو کہ اس مرحوم بھائی کا فرزند ہے اس کے ساتھ ہی رہتا ہے برادرزادہ سے کسی بات پر شخص مذکور کی ناراضگی ہوگئی اس لئے اپنے برادرزادہ کو کہا اگر میں تیرے ساتھ کلام کروں یا تیرے مکان میں (جو کہ اس کے مرحوم بھائی کا ہے) رہوں تو میری عورت پر تین طلاق اب وہ اس گھر میں رہنا چاہتا ہے از روئے کرم عنایت جواب مفصل عنایت فرمائیں۔؟

(الجواب) قسم منعقد اور صحیح ہو چکی اگر برادرزادہ کے ساتھ کلام کیا یا اس کو ساتھ مکان میں رہا تو اس کی عورت پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور پھر بدوں حلالہ نکاح جدید بھی نہ ہو سکے گا۔

البتہ ایک صورت سہولت کی ہے وہ یہ کہ اس عورت کو ایک طلاق بائنہ دیدے اور جب طلاق بائنہ دے چکے تو پھر عدت گزرنے کے بعد برادرزادہ سے کلام بھی کرے اور اس کے ساتھ مکان میں بھی رہے اور جب یہ دونوں کام ہو چکیں تو پھر اس عورت سے دوبارہ نکاح دو گواہوں کے سامنے پڑھوائے بشرطیکہ عورت نکاح جدید کے لئے راضی ہو اس نکاح جدید کا مہر بھی جدید ادا کرنا ہوگا خواہ باہمی رضامندی سے کم سے کم مہر رکھا جائے بہر حال اس نکاح جدید کے لئے حلالہ وغیرہ کسی چیز کی ضرورت نہ ہوگی صرف دوبارہ نکاح پڑھوانا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(اضافہ)

فصل فی الخلع و احکامه و الطلاق علی مال
(طلاق بالمال اور خلع کے احکام)

بدل خلع ادا کرنا وقوع طلاق کے لئے شرط نہیں

(سوال ۵۴۴) زید نے زوجہ سے خلع کرلیا بمقابلہ دراہم کے اور زوجہ نے قبول کیا آیا خلع طلاق بائن ہے یا نہیں آیا خلع کے طلاق ہونے میں اداءِ زرِ خلع شرط ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ خلع صحیح ہو گیا اور عورت پر طلاق بائن واقع ہو گئی اور بدل خلع عورت کے ذمہ واجب ہو گیا لیکن طلاق کا وقوع زر خلع کے ادا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ طلاق بالفعل واقع ہو گئی۔ قال فی الدر المختار و حکمه (یعنی الخلع) ان الوقوع به ولو بلا مال ولو بالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن و ثمرته فیما لو بطل البدل کما سیجیء. (درمختار صفحہ ۲۶۱ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

خلع کی بعض صورتوں کا بیان

(سوال ۵۴۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جو ہندہ کا شوہر ہے اس نے ایک سال سے زائد ایک رنڈی سے نکاح کر لیا ہے اور پہلی زوجہ ہندہ کو چھوڑ رکھا ہے سال دو سال کے بعد ہندہ کے پاس آجاتا ہے اور ہندہ کا لڑکا خالد جو کہ ساڑھے تین سال کا ہے زید کا ہی ہے نہ اس کی خبر لیتا ہے اور نہ ہندہ کو نان نفقہ دیتا ہے زن و شوہر کے تعلقات بھی اب عمل میں بوجہ مفارقت نہیں آتے ہندہ اپنے والد کے یہاں جو کہ غریب ہے بڑی مصیبت سے گزارا کر رہی ہے زندگی کا کوئی دوسرا اسہارا نہیں ہندہ کا باپ بوڑھا آدمی ہے اندیشہ ہے کہ خدانہ خواستہ اس کی آنکھ بند ہونے پر کوئی تازی مصیبت پیش آئے ارتداد کا بھی خطرہ ہے مخالفین ہر طرح فریب دیا کرتے ہیں اس صورت میں خلع کا کیا حکم ہے زید ہندہ کو طلاق دینے سے گریزاں رہتا ہے کیا ہندہ بطور خود یا بلا طلاق دوسرے سے عقد کر سکتی ہے اگر کر سکتی ہے تو کس طور پر خلع کی نالش عدالت قانونی میں دائر کرنا ہوگی یا امیر شریعت یا کسی عالم دینی کے یہاں کیونکہ نالش کرنے کو روپیہ نہیں ہے۔؟

(الجواب) صورت خلع کی یہ ہے کہ عورت مہر معاف کردے اور شوہر طلاق دیدے اور اگر شوہر نہ مانے تو عورت مسلمان حاکم یا مسلمانوں کی پنچایت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور بعد فسخ نکاح عدت طلاق گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے اور عدت طلاق اس عورت کے لئے جس کو حیض آتا ہو تین حیض ہیں اور صغیرہ اور آئسہ کے لئے تین ماہ اور حاملہ کے لئے وضع حمل عدت ہے۔ کذا فی کتب الفقہ اور یہ مذہب امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اس پر فتویٰ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

اگر خلع کی صورت نہ ہو سکے تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں پنچائت میں اپنا معاملہ پیش کرنے پر حاکم اور سرپنچ کو چاہئے کہ پہلے خاوند کو اس پر مجبور کرے کہ حقوق زوجہ ادا کرے اور اگر وہ نہ مانے تو پھر حاکم اور سرپنچ طلاق کا حکم دے سکتے ہیں اور یہی طلاق ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفرلہ

خلع کے لئے مرد و عورت دونوں کی رضا ضروری ہے؟

(سوال ۵۴۶) سید امیر علی نے انگریزی قانون کی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر عورت اور مرد کا آپس میں اتفاق نہ ہوتا ہو تو عورت قاضی کے یہاں دعویٰ کرے اور نااتفاقی پر گواہ پیش کرے تو قاضی مرد کو جبراً عورت سے مال دلوا کر فسخ نکاح کا حکم دے سکتا ہے اور بخاری باب الخلع کا حوالہ دیا ہے آیا حدیث بخاری امرأة ثابت بن قیس **الحدیث** اور **آیة الطلاق مرتان** سے یہ مسئلہ نکل سکتا ہے یا نہیں اور حنفی قاضی اس پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں خلع کے لئے مرد کی رضاء شرط ہے قاضی کو اختیار نہیں کہ محض آپس کی ناموافقت طبع کی وجہ سے بدون خاوند کی طلاق یا خلع کے فسخ نکاح کا حکم کردے اور جبراً عورت سے مال دلوادے اور صحیح بخاری میں جو امرأة ثابت بن قیس کی حدیث اس مسئلہ میں مذکور ہے اس سے ہرگز یہ مضمون نہیں نکلتا جو قانون میں درج کیا گیا کیونکہ اس کے آخری جملے یہ ہیں۔

اتردين عليه حديقته قالت نعم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل الحديقة و طلقها تطليقة رواه البخاری کذافی المشکواة باب الخلع.

ان الفاظ میں تصریح ہے کہ امراۃ ثابت کو نبی کریم ﷺ نے مال دینے اور ثابت کو طلاق دینے پر مجبور نہیں فرمایابلکہ عورت سے دریافت فرمایا کہ تم مال دینے پر راضی ہو اس کے اظہار رضاء کرنے کے بعد ثابت خاوند سے فرمایا کہ طلاق دے دو اگر قاضی کو حق تھا کہ عورت کو مال دینے پر مجبور کرے اور پھر بلا طلاق خاوند فسخ کا حکم دے دے توآپ ﷺ یہ کیوں فرماتے اتردين عليه حديقته نیز طلقها تطليقة.

بلکہ الفاظ مذکورہ توصاف دلیل اس کی ہیں کہ کسی قسم کا جبر نہ عورت پر کیا گیا نہ مرد پر۔ اور نہ بلا طلاق خاوند فسخ کا حکم دیا گیا اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے کہ خلع میں رضاء طرفین شرط ہے اور پھر بھی بغیر الفاظ مخصوص کے طلاق نہیں ہوتی۔

قال فی البدائع واما رکنه يعني الخلع اذا كان بعوض الايجاب و القبول لانه عقد على الاطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا يستحق العوض بدون القبول. (شامی کتاب الطلاق صفحہ ۷۵۳ ج ۲)
البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اگر خاوند عورت کے حقوق ادانہ کرتا ہو تو قاضی اس کو مجبور کرے کہ حقوق ادا کرے ورنہ اسی کو اسی پر مجبور کرے کہ طلاق دے دے اور اگر اس طرح مجبور کر کے طلاق خود خاوند سے دلوادے تو طلاق بلاشبہ پڑ جائے گی۔ وھو ظاھر مگر بلا طلاق خاوند حاکم خود فسخ کا حکم صورت مسئولہ میں نہیں دے سکتا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

فصل فی فسخ النكاح عند كون الزوج مفقوداً او عنيناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً او كونها خنثى و نحو ذلك
(زوج کے مفقود، متعنت اور عنین وغیرہ ہونے کی صورت میں فسخ نکاح کے مسائل)

شوہر کو برص ہو تو عورت کو خیار فسخ نہیں

(سوال ۵٤۷) نابالغہ لڑکی ہندہ سے عمر نے دھوکہ دیکر اپنے بالغ لڑکے بکر کا عقد کرلیالیکن قبل عقد مذکورہ بکر کے سفید داغ (برص) تھا جس کی خبر نہ زید کو اور نہ لڑکی وغیرہ کو تھی اب بعد عقد زید کو معلوم ہوا اس لئے اپنی لڑکی کو رخصت کرنا نہیں چاہتا اور عمرو بکر زبردستی رخصت کرانا چاہتے ہیں آیا نکاح اس دھوکہ بازی سے ہوا یا نہیں بصورت صحت نکاح زید و ہندہ کو فسخ نکاح کا کچھ اختیار ہے یا نہیں اگر نہیں تو فسخ نکاح کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

(الجواب) فی الدر المختار ولا يتخير احد الزوجين لعيب فی الأخر فاحشاً كجنون و جذام و برص الخ درمختار اخر باب العنين وقال فی الهدايه واذ كان بالزوج جنون او برص او جذام فلا خيارلها

عند ابی یوسف وقال محمد لها الخیار دفعاً للضرر عنها کما فی الجب.

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک لڑکی یا اس کے والد کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں اور اسی پر فتوی ہے لہذا اب اس خاوند سے جدا ہونے کی بجز طلاق کے کوئی صورت نہیں۔

فسخ نکاح کیلئے مدعا علیہ کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں کسی کو وکیل بنا کر کھڑا کرنا؟

(سوال ۵۴۸) دو صغیرہ لڑکیوں کا نکاح چچا حقیقی نے بلا اجازت ان کی والدہ کے پڑھادیا جس وقت لڑکیاں بالغ ہوئیں تو انہوں نے نکاح فسخ کرنا چاہا اور دعوی کیا کہ ہم کو نکاح بچانا منظور ہے ایک عالم صاحب نے مدعا علیہم کے قائم مقام غیر شخص کو کھڑا کر کے فسخ نکاح کا حکم دے دیا تو یہ حکم نافذ ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ عالم صاحب اگر حکم مسلم فریقین تھے اور فریق مدعا علیہم کو انہوں نے اطلاع حاضری کی دی اور وہ کہیں چھپ گیا اور قصداً حاضر نہ ہوا تو پھر ان کے لئے یہ جائز ہے کہ کسی شخص کو مدعا علیہم کی طرف سے وکیل بنا کر کھڑا کرلیں اور اس کے سامنے فسخ نکاح کردیں تو یہ فسخ نافذ ہو جائے گا۔ لمافی الدر المختار من القضاء اذا تواری الخصم فالمتاخرون علی ان القاضی ینصب وکیلاً فی الکل الخ شامی صفحه ۳۷۴ جلد ۴.

اور اگر یہ عالم صاحب حکم مسلم فریقین نہ ہوں یا فریق مدعا علیہم کو ان کے فیصلہ کی اطلاع نہیں دی گئی یا وہ کسی عذر سے حاضر نہیں ہوا تو ان کا فیصلہ معتبر نہیں اور نہ وکیل کا کھڑا کرنا کچھ فائدہ رکھتا ہے کیونکہ یہ سب حق قاضی کا ہے یا حکَم کا جو کہ بحکم قاضی ہو جاتا ہے۔

جنگ کی وجہ سے مفقود الخبر ہونے والوں پر مفقود ہی کے احکام جاری ہوں گے

(سوال ۵۴۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنگ موجودہ کی وجہ سے جو لوگ برما میں غائب ہو گئے آج تقریباً تین سال سے ان کی خبر کلیۃً منقطع ہے۔ کہاں ہیں؟ ملک برما میں یا اور کسی ملک جاپان، جرمن یا سنگاپور میں کچھ خبر نہیں یعنی نہ ان کے مکان کی خبر ہے نہ حیات و ممات کی اور نہ تفتیش ہی کا کوئی ذریعہ ہے ایسے آدمیوں کو مفقود میں شمار کیا جائے یا غائب غیر مفقود میں۔ بینوا بالتحقیق شرعاً غائب اور مفقود میں باعتبار تفریق و فسخ زوجہ ایشاں کیا فرق ہے۔؟

(الجواب) یہ لوگ بلا شبہ مفقود ہیں مفقود کے احکام ان پر جاری ہوں گے بلکہ زوجہ مفقود کے بارے میں جو اختلاف ائمہ اربعہ میں واقع ہے اس کے حق میں مفقود کو کس وقت مردہ تصور کیا جائے اور نکاح کی اجازت دی جائے۔ امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک اس کے ہم عمر زندہ ہیں اس وقت تک اسے زندہ سمجھا جائے گا اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی اور امام مالکؒ کے نزدیک چار سال کے بعد قاضی چند شرائط کے ساتھ اس پر حکم بالموت کردیگا اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دے دیگا۔

یہ اختلاف بھی مندرجہ سوال میں نہیں بلکہ اس صورت میں باتفاق ائمہ جس وقت قاضی کو قرائن و حالات سے اس کا ظن غالب ہو جائے کہ یہ لوگ جو معرکہ جنگ میں مفقود الخبر ہو گئے ہیں زندہ نہیں ہیں اس وقت ان پر موت کا حکم کردیا جائے گا اور ان کی بیبیوں کو نکاح ثانی کی اجازت حکم قاضی کے بعد ہو جائے گی۔

اس وقت ہندوستان میں چونکہ قاضی شرعی نہیں ہیں مسلمان جج یا سب جج یا منصف اس کے قائم مقام ہو سکتے ہیں ان لوگوں کی عدالت میں دعوی دائر کر کے درخواست کی جائے کہ ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ نشر کیا جائے کہ فلاں فلاں صاحب اگر زندہ ہیں تو جاپان ریڈیو پر اپنی خبر دینے کی کوشش کریں ورنہ حکومت ان کو مردہ تصور کر کے نکاح ازواج کا حکم کردے گی اس کے بعد کچھ عرصہ ریڈیو پر خبر کا انتظار کیا جائے گا اگر اس سے بھی پتہ نہ چلے تو حاکم مسلم حکم بالموت کردے اس وقت ان عورتوں کو نکاح ثانی کا اختیار حاصل ہو جائے گا اور صورت مندرجہ سوال میں حنفیہ کا مذہب بھی دوسرے آئمہ کے موافق ہونے کا ثبوت ردالمحتار للشامی کی عبارت ذیل میں موجود ہے۔ فی جامع الفتاوی و اذا فقد فی المهلکة فموته غالب کما اذا فقد فی وقت الملاقاة مع العدوّ وقطاع الطریق او مسافر علی ارض الغالب هلاکه او کان مسافرا فی البحر وما اشبه ذلك حکم بموته لانه الغالب فی هذه الحالات (الی قوله) انتهی مافی جامع الفتاوی و افتی به بعض مشائخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاوی لکن لا یخفی انه لا بدمن مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن مرته لا بمجر دفقده عند ملاقاة العدو او سفر البحر ار نحوه اه (شامی صفحه ۵۱۱ ج۳)

اور حکام وقت اس سعی و کوشش کی طرف متوجہ نہ ہوں تو کم از کم اختتام جنگ تک عورتوں کو صبر کرنا چاہئے کیونکہ اس وقت حقیقت حال تقریباً کھل جائیگی ہاں البتہ اگر کوئی عورت ایسی ہے کہ اتنی مدت عفت کے ساتھ گزارنے پر قدرت نہیں رکھتی تو وہ غائب غیر مفقود کے احکام کے تحت حاکم مسلم سے تفریق کا حکم حاصل کر کے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ بلاشبہ مفقود الخبر ہیں مگر مفقود الخبر پر حکم بالموت کی جو شرائط ہیں وہ ہنوز متحقق نہیں اس لئے صورت مذکورہ سے تفتیش حال کئے بغیر ان پر حکم بالموت نہیں کر سکتے اور جو عورتیں گزارہ نہ ہونے کے سبب سے طویل مدت تک انتظار نہیں کر سکتیں وہ غائب کے احکام سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں کیونکہ غائب عام ہے اور مفقود و غیرہ مفقود دونوں کو شامل ہے غائب مفقود پر جب حکم بالموت کی شرائط نہ پائی جائیں تو غائب غیر مفقود کے تحت ہیں اس پر بضرورت فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور غائب مفقود اور غیر مفقود دونوں کے احکام رسالۃ المرقومات میں مختصر اور حیلہ ناجزہ میں مفصل مذکور ہیں اس کو دیکھ کر عمل کریں۔

شوہر مفقود کے متعلق چند سوال وجواب

(سوال ۵۵۰) زید عرصہ آٹھ سال سے مفقود الخبر ہے تو اب اس کی منکوحہ نوجوان ہے ارتکاب زناء کا خطرہ یقینی ہے تو اب وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔؟

(۲) حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ۹۰ برس والی کا ثبوت حدیث مرفوع یا صحابہ کرام سے ہے یا

نہیں۔؟

(۳) روایت مشہورہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چار سالہ والی کا ثبوت حدیث مرفوع سے یا صحابہ کرام سے ثبوت ہے یا نہیں۔ روایت ۹۰ سال والی اور روایت مالکی میں سے کس روایت کو فوقیت ہے ازروئے حدیث؟

(۴) ۹۰ برس والی روایت سے امام صاحب کا رجوع ثابت ہے یا نہیں۔

(۵) اگر بالفرض مفقود واپس آجائے تو منکوحہ پھر اس کی ہوگی یا نہیں اور یہ نکاح جدید باطل ہوگا یا نہیں اور اگر جدید شوہر سے اولاد ہوگی تو وہ اولاد کس کی ہوگی۔؟

(۶) ایک حادثہ میں بوجہ ضرورت دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا دائرہ تقلید سے خروج ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسئلہ مفقود میں امام اعظم حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مفقود کی موت متحقق نہ ہو جائے یا احوال کے ذریعہ مظنون نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی بیوی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی یعنی جب تک اس مفقود کے ہم عمر لوگ اس شہر میں زندہ ہیں اس وقت تک اس پر موت کا حکم نہ دیا جائے گا یہ ہے اصل مذہب امام اعظم کا۔ اب مشائخ حنفیہ میں اختلاف ہے کہ موت اقران و ہم عمر کس طرح معلوم کیا جائے اس لئے بعض نے اس کے لئے نوے برس مقرر کئے اور بعض نے ستر اور بعض نے ساٹھ اس کے لئے کوئی نص حدیث نہیں اور نہ ضرورت کیونکہ یہ چیز تجربہ اور مشاہدہ سے متعلق ہے۔ البتہ ستر سال کی روایت کو علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس لئے ترجیح دی ہے کہ ایک حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ **وھو قولہ علیہ السلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین الحدیث** اور عامہ متاخرین نے ساٹھ سال کو اختیار کیا ہے کیونکہ آج کل عمریں عموماً اس سے تجاوز نہیں کرتیں یہ ہے اصل مذہب امام صاحب کا لیکن حنفیہ نے بضرورت اس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے کما صرح بہ الشامی صفحہ ۶۰ ۳ ج ۳۔ اور تفصیل مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی جس پر حنفیہ کا فتویٰ ہے یہ ہے کہ اگر عورت کے پاس نان نفقہ نہ ہو یا زنا کا خطرہ ہو تو وہ حاکم مسلمان کی عدالت سے تفریق کا حکم حاصل کر کے اور عدت طلاق تین حیض گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس میں چار سال کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ایک سال کی میعاد کافی ہے آپ کا سوال اسی صورت کے ساتھ متعلق ہے اس لئے باقی صورتیں مفقود کی بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر تفصیل چاہئے تو رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزہ میں دیکھ لیا جائے اور بعد تفریق حاکم کے اگر مفقود آجائے اور نان نفقہ دینے لگے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر نکاح ثانی سے پہلے یا نکاح ثانی کے بعد مگر زوج ثانی کی صحبت یا خلوت سے پہلے پہلے آجائے تو یہ اس کی بیوی بدستور سابق رہے گی تجدید نکاح کی بھی حاجت نہیں بلکہ طلاق سے رجعت ہو جائے گی اور اگر دوسرے خاوند کے ساتھ صحبت وغیرہ ہو چکی ہے تو اب وہ اس کی بیوی ہے پہلے خاوند کو نہ [1] ملے گی۔ **صرح فی شرح مختصر الخلیل للعلامۃ الدردیر فقیہ المالکیہ صفحہ ٤٠ واللہ تعالیٰ اعلم**

[1] اس خاص صورت میں پہلے خاوند کو نہ ملنا اور نکاح ثانی کا برقرار رہنا مالکیہ کا مذہب ہے اور حنفیہ کا مذہب حیلہ ناجزہ ص ۷ ۸ اور ص ۱۸۸ میں واپسی مفقود کے احکام کے تحت یہ لکھا ہے کہ بہر صورت یہ عورت پہلے خاوند کو مل جائے گی شوہر ثانی نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی توجہ اس تعارض کی طرف دلائی گئی تو فرمایا کہ میرے نزدیک ترجیح حیلۂ ناجزہ کے مسئلہ کو ہے کیونکہ وہ مذہب حنفی کے مطابق ہے جو مبسوط اور میزان شعرانی سے نقل کیا گیا ہے۔ کتبہ محمد رفیع عثمانی خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔

مفقودالخبر کی زوجہ کا نکاح ثانی؟

(سوال ۵۵۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا نکاح حالت صغر سنی میں اس کی والدہ نے ایک صغیر سن بچی سے عرصہ دس گیارہ سال کا ہوا نکاح کر دیا تھا اب وہ دونوں جوان ہو گئے ہیں مگر لڑکا بیماری پرانی میں چار پانچ برس سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نہ معلوم کہاں چلا گیا ہے بہت تلاش کرنے سے بھی کہیں پتہ نہیں چلا لڑکی کے باپ کو خطرہ ہے کہ میں اپنی بیماری میں جوان لڑکی کو چھوڑ کر مر نہ جاؤں اب باپ میں طاقت نہیں ہے کہ اس کے خورد و نوش کا خرچ بھی برداشت کر سکے اب باپ اس کا دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر در حقیقت شوہر لڑکی کا مفقودالخبر اور لاپتہ ہو گیا ہے اور کچھ خبر اس کی موت وحیات کی نہیں ہے تو اس کی زوجہ مسلمان حاکم یا سرپنچ سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اگر شوہر سے وطی یا خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تھی تو بعد فسخ ہونے نکاح کے لڑکی کا نکاح فوراً ہو سکتا ہے اور وطی یا خلوۃ ہونے کی صورت میں بعد عدت کے نکاح ثانی کرنا جائز ہو گا اور عدت طلاق تین حیض ہیں اور یہ مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حنفیہ نے بضرورت اس پر فتویٰ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفقودالخبر کے بیوی کیلئے فسخ نکاح کا طریقہ

(سوال ۵۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس کا نکاح حالت صغر سنی میں اس کی والدہ نے ایک صغیر سن بچی سے عرصہ دس گیارہ سال کا ہوا نکاح کر دیا تھا اب وہ دونوں جوان ہو گئے ہیں مگر لڑکا بیماری پرانی میں چار پانچ برس سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نہ معلوم کہاں چلا گیا ہے بہت تلاش کرنے سے بھی کہیں پتہ نہیں چلا لڑکی کے باپ کو خطرہ ہے کہ میں اپنی بیماری میں جوان لڑکی کو چھوڑ کر مر نہ جاؤں اب باپ میں طاقت نہیں ہے کہ اس کے خورد و نوش کا خرچ بھی برداشت کر سکے اب باپ اس کا دوسری جگہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر در حقیقت شوہر لڑکی کا مفقودالخبر اور لاپتہ ہو گیا ہے اور کچھ خبر اس کی موت وحیات کی نہیں ہے تو اس کی زوجہ مسلمان حاکم یا سرپنچ سے نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور اگر شوہر سے وطی یا خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تھی تو بعد فسخ ہونے نکاح کے لڑکی کا نکاح فوراً ہو سکتا ہے اور وطی یا خلوۃ ہونے کی صورت میں بعد عدت کے نکاح ثانی کرنا جائز ہو گا اور عدت طلاق تین حیض ہیں اور یہ مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حنفیہ نے بضرورت اس پر فتویٰ دیا ہے[ے]۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زوجہ مفقود کے متعلق حیلہ ناجزہ کی بعض عبارات پر شبہہ کا جواب

(سوال ۵۵۳) آنجناب نے حیلہ ناجزہ میں عدم نفقہ و خشیت الزنا کی کوئی صورت تحریر نہیں فرمائی زوجہ مفقود کے بارے میں حالانکہ فتویٰ مالکیہ جو بعبارت عربی آپ کے حیلہ ناجزہ میں منقول ہے اس سے صاف معلوم ہوتا

ے اور تفصیل اس مسئلہ کی حیلہ ناجزہ میں مذکور ہے وہاں دیکھ کر عمل کیا جاوے ۱۲

ہے کہ اگر عدم نفقہ و خشیت الزنا ہو تو تفریق بلا تاجیل ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ حضرت تھانوی نے آپ کے حیلہ ناجزہ میں ایک سال کی مدت مقرر کرنے پر بعد المرافعہ یا قبل المرافعہ جو شبہ وارد فرمایا ہے عدم تصریح کی بناء پر حالانکہ ما قبل کی تصریح و نیز امام مالک کا قول یہ بتاتا ہے کہ بعد المرافعہ ہونا چاہئے آپ کی حیلہ ناجزہ سے سمجھ میں نہیں آتا برائے مہربانی شبہ کو دور فرمائیں والسلام۔

(الجواب) حیلہ ناجزہ میں مذہب مالکیہ کے اس فتویٰ کو کہ خشیت زنا اور عدم نفقہ کی صورت میں تفریق بلا تاجیل ہے بالقصد نہیں لیا گیا وجہ یہ تھی کہ مذہب غیر کا اختیار کرنا اضطرار عام کے ساتھ مشروط ہے اور نفقہ کا انتظام چندہ وغیرہ سے بھی ممکن ہے اور عموماً ہندوستانی عورتیں عدم نفقہ پر تفریق کی مدعی بھی نہیں ہوتی۔

اس لئے تفریق بلا تاجیل کے فتویٰ کو حنفیہ کے لئے اختیار نہیں کیا گیا کیونکہ بدون ضرورت مسوغہ کے خروج عن المذہب جائز نہیں رہا یہ سوال کہ ایک سال کی مدت بعد المرافعہ کے ہے یا قبل المرافعہ اس کی بابت حیلہ ناجزہ میں جو لکھا ہے کہ تصریح نہیں ملی وہی درست ہے کیونکہ آپ نے جس تصریح کا حوالہ دیا ہے وہ چار سال کے میعاد کے متعلق ہے جو نفس فقدان کے بابت مقرر کی جاتی ہے اور خشیت ابتلاء کے سبب جو مہلت دی ہے یہ مہلت نہ خود امام سے منقول ہے اور نہ اس کا بعد المرافعہ ہونا منقول ہے البتہ اہل مذہب مالکیہ نے یہ مدت لکھی ہے اور مرافعہ کے قبل وبعد کی کوئی تصریح نہیں کی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ دیوبند ۱۳۶۳ ہجری (اضافہ)

نابالغہ کا نکاح بعد از بلوغ فسخ کرنا

(سوال ۵۵۴) کوئی شخص اپنی ہمشیرہ کی جانب سے ایجاب دیویں وقت نابالغی میں جب کہ والد فوت ہو گیا ہے اور بعد بالغ ہونے کے پھر اسی بھائی نے دوسری جگہ ایجاب کر کے خود شادی دیدی اس میں شرع محمدی کا کیا حکم ہے آیا نکاح ثانی درست ہو گیا یا باطل ہے اول شوہر اب تک نابالغ ہی ہے جس سے طلاق لی گئی آیا نابالغی میں طلاق دینی درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں نابالغہ کا نکاح جو اس کے حقیقی بھائی نے کیا ہے جائز اور صحیح ہو گیا لیکن لڑکی کو اختیار رہا کہ بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو فسخ کرا دے بشرطیکہ آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی بلا تاخیر اس نکاح سے انکار کر دے اور اس انکار پر لوگوں کو گواہ بنا کر عدالت میں مسلمان حاکم کے سامنے مقدمہ پیش کر کے حکم فسخ نکاح حاصل کر لے اب اگر لڑکی نے بوقت بلوغ ایسا کیا ہے تو نکاح سابق فسخ ہو گیا اگرچہ اس کا خاوند نابالغ ہو اور اس صورت میں پھر جو دوبارہ نکاح اس کے بھائی نے بحالت بلوغ کیا ہے اگر یہ بالغہ لڑکی کی اجازت سے کیا ہے تو صحیح و نافذ ہو گیا اور اگر بلا اجازت کیا ہے تو لڑکی کی اجازت پر موقوف رہا اور اگر اس لڑکی نے بوقت بلوغ اپنا نکاح بقاعدہ مذکورہ فسخ نہیں کرایا لحہ نابالغ خاوند سے طلاق لی (جیسا کہ بظاہر سوال سے معلوم ہوتا ہے) تو شرعاً نابالغ کی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں ہے نکاح سابق بدستور قائم ہے اور نکاح ثانی بالکل باطل - کذافی الدر المختار و الشامی مع مجلد الثانی فی باب الطلاق

نابالغہ کا فسخ نکاح تین شرطوں پر موقوف ہے

(سوال ۵۵۵) ایک نابالغہ کا نکاح اس کی والدہ نے بغیر رضامندی آباءواجداد کے کردیا بالغ ہونے سے پہلے یہ لڑکا دیوانہ ہوگیابالغ ہونے پر لڑکی نے اور جگہ نکاح کرنے کی کوشش کی نوسال بعد پنچائت نے لڑکی کادوسرا نکاح کردیا یہ نکاح شرعاًباطل ہےیا نہیں۔؟

(الجواب) اس لڑکی کا نکاح سابق تین شرطوں سے فسخ ہوسکتا ہے لڑکی کےباپ یادادا نے یہ نکاح نہ کیاہو۔

(۲) بالغ ہوتے ہی فوراًلڑکی نے نکاح فسخ کرنے کو کہہ دیاہو۔

(۳) کسی قاضی کی عدالت میں یاجس جگہ قاضی نہ ہو مسلمان حاکم کی عدالت میں اگرچہ وہ انگریزی حکومت کے ماتحت ہو مقدمہ دائر کرکے یہ نکاح فسخ کرائے جب یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو نکاح اول فسخ ہوجائے گااور پھر جہاں چاہے نکاح ثانی کرسکتی ہے۔

کمافی الشامیة صفحه ۳۱۵ ج ۲ وحاصله انه اذاکان المزوج للصغیر و الصغیرة غیر الاب والجد فلهما الخیار بالبلوغ اوالعلم فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء وفی الدر المختار فی هذا البحث وان کان المزوج غیرهما ای غیر الاب و ابیه ولو الام الخ.

صورت مذکورہ فی السوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نکاح باپ دادا نے نہیں کرایا تھالہذا شرط اول متحقق ہوگئی اور پھر بالغ ہونے کے بعد ہی اس نکاح کو فسخ کرنے کے لئے کہالہذادوسری شرط متحقق ہوگئی بشرطیکہ جس وقت آثار بلوغ دیکھے بلاتاخیر اسی وقت نکاح کورد کردیاہو۔

اب تیسری شرط یعنی حکم قاضی یا مسلمان حاکم کاباقی ہے کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ دائر کرکے فسخ نکاح کرالیاجائے پھر دوسرانکاح صحیح ہوگابغیر اس کے پنچائت کا نکاح کردیناکافی نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۱۰صفر ۱۳۵۰ ہجری

باپ کا کیاہوانکاح ناقابل فسخ ہے

(سوال ۵۵٦) زید نے اپنی لڑکی ہندہ کی شادی بعمر نوسال بکر کے لڑکے خالد عمر بیس سال کے ساتھ کردیااور نکاح سے پہلے زید نے درمیانی لوگوں سے تاکید سے کہہ دیاکہ اگر کوئی عیب خالد میں ہو توبتلادیناچاہئے اگر تم لوگ نہ بتلاؤگے توبعد میں ہمارا تمہارا جھگڑااور فساد ہوگاتوپھر کیافائدہ جب درمیان کے لوگوں نے خالد کے والداور بکر وغیرہ سے عیب کی بابت دریافت کیاتوبکر وغیرہ نے کہاکہ کوئی عیب نہیں ہےاور جب نکاح ہوگیاتوایک ماہ کے بعد معلوم ہواکہ خالد کے سفید داغ ہے جب تحقیق کیاگیاتو صحیح معلوم ہوا پھر بکر سے کہاگیاکہ تمہارے لڑکے خالد کے سفید داغ ہے تم نے کیوں نہیں بتلایاتوبکر نے کہاہاں سفید داغ ضرور ہے میں نے غلطی کی جوبتلایا نہیں اوربکر نے چارپانچ آدمی کے سامنے اس کااقرار کیاہےاس صورت میں نکاح درست ہےیانہیں۔؟

(الجواب) نکاح بلاشبہ صحیح اور لازم ہوگیااور چونکہ یہ نکاح باپ نے کیاہے اس لئے بعد بلوغ بھی لڑکی کو فسخ کرانے کااختیار نہیں بجز خاوند کے طلاق دینے کے اور کوئی صورت اس سے علیحدگی کی نہیں۔ صرح به فی

الهداية و العلامة ابن همام فى فتح القدير بمالا مزيد عليه۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بلوغ کے فوراً بعد خیار بلوغ کا استعمال نہ کرنا

(سوال ۵۵۷) ایک مسماۃ بیوہ نے اپنی لڑکی کی کہ جس کی عمر ساڑھے نوبرس کی تھی بکر کے لڑکے کے ساتھ کی جس کی عمر پندرہ سال کی تھی مسماۃ بیوہ نے اپنی اجازت سے عقد کر دیا بعد تین سال کے جب کہ علامت ایام جس وقت اس کو معلوم ہوئے اس سے دوسرے روز ہندہ کی لڑکی نے اپنے عقد سے مجمع عام میں روبرو نمازیان جمعہ اہل اسلام وبرادران اسلام کے سامنے باآواز بلند کئی مرتبہ انکار کر دیا لیکن اس سے ایک سال یا سوا سال پیشتر ہندہ کی لڑکی اعلان برادری میں کرا کرتی تھی کہ میں بعد بالغ ہونے کے انکار کردوں گی جو حکم شرع ہو اس سے مطلع کیا جاوے۔؟

(الجواب) والدہ کے کئے ہوئے نکاح کو نابالغہ بفور بلوغ فسخ کر سکتی ہے جب کہ صورت مسئلہ میں بفور بلوغ نکاح سے انکار نہیں کیا بلکہ بالغ ہونے سے اگلے روز انکار کیا تو خیار بلوغ ساقط ہو گیا اب نکاح مذکور فسخ نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے۔ ولكن لهما اى لصغير و صغيرة خيار الفسخ بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده الخ.

خیار بلوغ کی بناء پر فسخ نکاح کی ایک صورت

(سوال ۵۵۸) نبی بخش کا نکاح مسماۃ کرم بنت وسایا سے مسماۃ مذکورہ کے بھائی نے کر دیا ہے جب کہ مسماۃ کی عمر ۱۳-۱۴ سال تھی اب مسماۃ کی عمر سترہ سال چھ ماہ کی ہے ایام بلوغ سے اس وقت تک خاموش رہی ہے اب پانچ ماہ سے عورت نے دعوی کیا ہے کہ میرا نکاح فسخ کر دیا جائے اس صورت میں نکاح فسخ ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فى الهداية ثم خيار البكر يبطل بالسكوت ولا يبطل خيار الغلام مالم يقل رضيت الى قوله و خيار البلوغ فى حق البكر لا يمتد الى اخر المجلس انتهى هداية صفحه ۲۹۷ ج ۲ وفى فتاوى قاضى خان و اذا بلغت وهى بكر فسكتت ساعة بطل خيارها (قاضى خان صفحه ١٦٦ ج ١) و مثله فى عالمگيريه صفحه ٦٦٧ ج ١ مصرى

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ کنواری لڑکی اگر بالغ ہونے کے بعد ایک گھڑی بھی سکوت کرے تو اس کا اختیار فسخ باطل ہو جاتا ہے لہذا صورت مذکورہ میں بلاشبہ اختیار فسخ باطل ہو گیا لیکن اگر یہ لڑکی ابتدا نکاح سے خاوند ہی کے پاس رہتی ہو اور اسی کے گھر میں بالغ ہوئی ہو تو اس کا اختیار محض سکوت سے باطل نہیں ہوتا جب تک رضا کی تصریح زبان سے یا عمل یعنی صحبت یا طلب نفقہ وغیرہ سے نہ کرے کذافی قاضی خان سو اگر واقعہ زیر بحث میں دوسری صورت ہوئی ہو تو اس کو مفصل لکھ کر دوبارہ مسئلہ دریافت کر لیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خیار بلوغ سے فسخ کے لئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال ۵۵۹) ایک نابالغہ لڑکی کی مناکحت غیر اب وجد نے کر دی اور اس نے بالکل متصل بالغ ہونے کے اس پر

اظہار نفرت فرمادیااور مطالبہ فسخ کیالہذا نکاح فسخ کون کر سکتا ہے اگر قضاء قاضی کی شرط سے مشروط کیا جائے تو قاضی نہ ہونے کے باعث بڑی مشکل ہے لہذا فسخ کی صورت آسان ترین بیان فرماویں۔ ؟

(الجواب) اس صورت میں فسخ نکاح کے لئے قضاء قاضی شرط ہے اور ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمان جج یا ڈپٹی مجسٹریٹ بھی ہیں اگرچہ گورنمنٹ غیر مسلم کے ملازم ہوں نیز دیندار مسلمانوں کی پنچائت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی شریک ہوں وہ بھی قاضی کے حکم میں ہیں مگر قانونی زد سے بچنے کی تدبیر پنچائت کو کر لینی چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خیاربلوغ کی بناء پر فسخ نکاح

(سوال ٥٦٠) لڑکی نابالغہ یتیمہ کا نکاح اس کے چچا عید نے بلارضاء اس کی والدہ کے اپنے لڑکے سے کیا اور بوقت بلوغ لڑکی نے روبرو شاہدین عقد کو نامنظور کیا یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ دوسری جگہ عقد کر سکتی ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) یہ نکاح اس صورت سے فسخ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت اپنا معاملہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں یا دیندار مسلمانوں کی پنچائت میں پیش کر کے اس فتوے شرعی کے موافق فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے بغیر اس طرح حکم حاصل کرنے کے فسخ نکاح نہیں ہوسکتا۔ کذافی الهداية و قال فيه و يشترط فيه القضاء۔ واللہ اعلم

نامرد کی بیوی کے لئے آزادی کی صورت

(سوال ٥٦١) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو بعد نکاح یہ معلوم ہوا کہ میرا شوہر عنین ہے اور بعد کو بھی مدت مدیدہ تک تجربہ نے ہندہ پر یہی ثابت کیا کہ زید عنین ہے پس وہ سخت بیزار ہوئی اور شوہر سے علیحدگی چاہتی ہے پس معلوم ہوا کہ زید عقد کے وقت عنین تھا اور اس نے اپنی عنینیت کو ظاہر نہ کر کے عورت اور اس کے ورثہ کو دھوکہ دیا کیا ایسی صورت میں عقد نکاح صحیح سمجھا جاوے گا اگر نکاح صحیح ہے تو عورت کے لئے کیا چارہ کار ہے۔ ؟

(الجواب) نکاح تو صحیح ہو چکا ہے لیکن اب عورت کے لئے خلاصی کی صورت یہ ہے کہ اپنا معاملہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں (اگرچہ انگریزی حکومت کا ماتحت ہو) یا مسلمانوں کی پنچائت میں یا مسلمہ فریقین حکم کے سامنے پیش کرے اور وہ حاکم یا سرپنچ یا حاکم مندرجہ ذیل حکم شرعی۔ صورت کے موافق حکم دے حکم شرعی یہ ہے کہ حاکم اس عنین کو ایک سال قمری کی مہلت علاج کرنے کے لئے دے اگر وہ ایک مرتبہ بھی جماع کرنے پر قادر نہ ہوا تو سال بھر کے بعد عورت پھر اس حاکم یا اس کے قائم مقام حاکم کے سامنے یہ قصہ پیش کر کے تفریق کا مطالبہ کرے حاکم اس کے خاوند سے کہے گا تو طلاق دیدے اگر اس نے طلاق نہ دی تو یہ حاکم سرپنچ یا حاکم خود تفریق کردے گا اور یہ تفریق ہی قائم مقام طلاق کے سمجھی جائے گی۔ وهذا كله مفصل فى الدر المختار و الشامى۔

قال فی الدر لو وجد ته عنینا الی قوله اجل سنة قمرية الی قوله ويؤجل من وقت الخصومة الی قوله فان وطی فيها اه والا بانت بالتفريق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها اه. واللہ تعالٰی اعلم۔

(اضافہ)

قیدی کی بیوی کا حکم

(سوال ۵۶۲) زید کا نکاح ہندہ سے ہوا کچھ عرصہ سے دونوں میں نااتفاقی ہوگئی اتفاقاً سرقہ کے الزام میں زید کو تین سال کی سزائے قید ہوئی زید کا کوئی عزیز یا دوست نہیں ہے جو ہندہ اور اس کے بچوں کا کفیل ہو نہ زید کی کوئی جائیداد ہے جس سے گزر اوقات ہندہ کی ہو سکے ہندہ کی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اب ہندہ کی خواہش ہے کہ زید سے اس نکاح کو فسخ کرادیا جائے تو حاکم وقت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) بہتر تو یہ ہے کہ کسی طرح بذریعہ خط و کتابت یا خود مل ملا کر خاوند سے طلاق حاصل کرلی جائے ویسے اگر طلاق نہ دے تو خلع کرلیا جائے کچھ لالچ دلا کر مثلاً یہ عورت مہر اپنا معاف کردے اور وہ طلاق دیدے اور اگر یہ صورت ممکن نہ ہو اور زید کی ملک میں کوئی جائیداد مکان و سامان وغیرہ بھی ایسا نہ ہو جس کو فروخت کر کے اس کی بیوی اپنا گزر اوقات کر سکے تو پھر کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کرے وہ حاکم اس قیدی کو مجبور کرے کہ یا اپنی بیوی کے نفقہ کا انتظام بتلائے ورنہ اس کو طلاق دے اب اگر وہ دونوں صورتیں نہ کرے تو پھر یہ حاکم خود طلاق کا حکم کردے۔ حاکم کا یہ حکم قائم مقام طلاق کے ہو جائے گا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو۔ وهذا فی الاصل مذهب الامام مالك رحمة الله عليه الا ان علمائنا الحنفيه افتوا عليه لمكان الضرورة الشديدة وقد ذكر العلامة الشامی فی باب النفقة ما يقارب ما قلنا غيرانه ذكر حكم دار الاسلام والذی ذكرنا حكم دار الحرب. واللہ تعالٰی اعلم

مجنون کی زوجہ تفریق کا حکم کس طرح حاصل کر سکتی ہے

(سوال ۵۶۳) ایک شخص مجنون ہے یعنی دیوانہ اس کی عورت نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے کہ مجھ کو عدالتی طور پر طلاق ہووے حاکم وقت نے جس کے یہاں مقدمہ پیش ہے وہ حکم کرتا ہے کہ علماء دین سے دریافت کرو لہذا کمترین عرض کرتا ہے کہ بندہ نے ترمذی اور مشکوٰۃ میں بھی اور نیز فقہ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اٹھایا گیا قلم ان تین سے سونے والے سے جب تک نہ جاگے لڑکے سے جب تک نہ بالغ ہو جاوے اور مجنون سے جب تک نہ ہوش آوے روایت کیا اس کو احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے اور ابن ماجہ نے۔ علماء دین سے سوال ہے کہ کیا مجنون کی عورت پر طلاق واقع ہو سکتی ہے اور مجنون کی طلاق پڑ سکتی ہے؟

(الجواب) مجنون کی طلاق تو شرعاً معتبر نہیں البتہ زوجہ مجنون کے لئے شرعاً یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کرے اور پھر مسلمان حاکم مجنون کو ایک سال کی مہلت علاج کرنے کے

لئے دے اگر سال بھر میں وہ تندرست ہو گیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا اور اگر سال بھر میں تندرست نہ ہوا تو عورت سال بھر کی مدت کے بعد اسی حاکم کی عدالت میں درخواست کرے تو شرعاً اس حاکم کو اختیار ہوگا کہ ان دونوں میں تفریق کا حکم کردے (اور یہی حکم شرعاً) قائم مقام طلاق کا سمجھا جائے گا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو اس حکم کی تاریخ سے تین حیض عدت کے گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یہ مذہب امام احمد بن حنبل کا ہے۔ فتاوی عالمگیری نے بحوالہ صادق قدسی اسی پر فتوی دیا ہے۔ (فتاوی عالمگیری آخر باب العنین) واللہ تعالیٰ اعلم

زوجہ مجنوں کی خلاصی کی صورت

(سوال ٥٦٤) زید نے اپنی نابالغہ لڑکی ہندہ کا نکاح بکر بالغ سے کر دیا بکر کی ابتدائی حالت عقل وہوش کی تھی اب اس کو مرض جنون حادث ہو گیا ہے بکر کے لواحقین نے ہندہ کو بہلا کر ایک عالم دین کے سامنے اقرار کرایا کہ وہ بکر سے نکاح رکھنا نہیں چاہتی اور اس کا نکاح بکر کے کسی چھوٹے بھائی عمر سے کر دیا جائے اور اس عالم دین نے اسی وقت عمر سے اس کا نکاح کر دیا۔ اب جواب طلب حسب ذیل امور ہیں جب کہ بکر اور ہندہ دونوں اب عرصہ سے بالغ ہیں کیا ہندہ کا نکاح عمر سے صحیح ہو گیا یا نہیں اور اب جب کہ ہندہ اپنے والد زید سے کہتی ہے کہ مجھے ڈرایا دھمکایا اور ورغلا کر میری مرضی کے خلاف ایسا کیا ہے اور زید اور ہندہ دونوں عمر سے نکاح کو قائم نہیں رکھنا چاہتے تو کیا نکاح فسخ ہو سکتا ہے کیا بکر کے نکاح کو بغیر بکر کی حالت کے دیکھنے کے محض اس کے لواحقین کی شہادت پر اور محض ایک عالم دین کے روبرو عورت کے بیان پر فسخ کیا جا سکتا ہے حالانکہ عورت کو بھی ورغلا کر بیان دلوایا گیا ہے پس موجودہ صورت میں بکر کا نکاح فسخ نہیں ہوا تو ہندہ کی بکر سے گلو خلاصی کی کونسی تدبیر ہے یا وہ تمام عمر معلقہ ہی رہے گی اگر بخیال مذکورہ عالم دین بکر کا نکاح فسخ ہو سکتا تھا جیسا کہ انہوں نے فسخ کیا تو ہندہ پر بکر کی عدت بھی لازم تھی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں مولوی صاحب کے اس طریق عمل سے ہندہ کا نکاح بکر مجنون سے فسخ نہیں ہوا بلکہ اس کے فسخ نکاح کی صورت دوسری ہے جو بعد میں لکھی جائے گی لہذا ہندہ کا نکاح ثانی عمر سے بالکل باطل وغیر معتبر رہا ہندہ بدستور سابق بکر مجنون کی بیوی ہے اب اگر ہندہ نے بکر کے مجنون ہونے کے بعد اس کے نکاح میں رہنے پر صراحۃً رضا کا اظہار نہیں کیا تو وہ اپنا نکاح اس طرح فسخ کرا سکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں درخواست پیش کرے حاکم ایک سال کی مہلت علاج کے لئے بکر اور اس کے اولیاء کو دے سال بھر کے عرصہ میں اگر اس کا جنون زائل ہو گیا تو ہندہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر جنون زائل نہ ہوا تو پھر حاکم سے تفریق کی درخواست کرے حاکم مسلمان تفریق کا حکم کر دے تو یہ حکم طلاق کا قائم مقام ہو جائے گا حکم تاریخ سے تین حیض عدت طلاق گزار کر دوسری جگہ ہندہ کی اجازت ورضاء سے نکاح ہو سکے گا۔

لمافی العالمگیریة قال محمدؒ ان کان الجنون حادثاً یؤجله سنةً کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقاً فهو کالجب وبه ناخذ کذافی الحاوی القدسی و عالمگیری آخر باب العنین قلت ولمالم یتبین مراد المطبق بمقابلة الحادث وکان فی المسئلة خلاف الشیخین

کان الاخذ بالاحتیاط اولی وھو تا جیل السنة مطلقاً. واللہ اعلم۔

بیان مذکور سے تمام سوالات مذکورہ کے جوابات اس طرح نکل آئے (۱) ہندہ کا نکاح عمرو سے قطعاً باطل ہے اولاً اس لئے کہ اس کا نکاح سابق فسخ نہیں ہوا ثانیاً اس لئے کہ اگر فسخ ہی ہو جاتا تو فوراً بلا عدت گزارے نکاح ثانی باطل رہتا (۲) نہیں (۳) خلاصی کی تدبیر اوپر لکھدی گئی ہے اور اگر عدالت سے اس فیصلہ کا حاصل کرنا دشوار ہو تو دیندار مسلمانوں کی پنچایت کا فیصلہ بھی حکم حاکم کا قائم مقام شرعاً ہو سکتا ہے لیکن اس صورت میں قانونی زد سے بچنے کی کوئی تدبیر کر لینی چاہئے۔ (۴) نمبر ا میں لکھا گیا کہ لازم تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال ۵٦۵) ہندہ کا خاوند عرصہ دس سال سے مجنون اور دیوانہ ہے اور ہندہ جوان ہے اور اس کے ایک لڑکا بھی ہے اور اس کا خاوند انڈیا میں ہے اور کوئی صورت نان و نفقہ کی نہیں کہ جس پر گزارہ کر سکے لہذا اب سوال طلب یہ امر ہے کہ کوئی تفریق کی صورت نکل سکتی ہے یا نہیں اگر نہیں نکل سکتی تو کیا کرے نہ معیشت کا سامان نہ میاں بی بی کا معاملہ اب ڈر ہے کہیں گناہ کی مرتکبہ نہ ہو جائے اور کسی مرد کے ساتھ نہ رہنے لگے یا مرتدہ ہو کر کسی بے دین سے نہ ملجائے اس کی سدباب کی کیا صورت کی جائے اگر تفریق ہو سکتی ہے تو کیا مفتی قاضی وغیرہ کر سکتے ہیں یا عدالت اسلامیہ سے کرانا ضروری ہے اگر مذہب حنفیہ میں تفریق نہیں ہے تو اور مذاہب ثلثہ میں سے کسی مفتی یا قاضی سے کرا سکتے ہیں یا نہیں اگر کرا سکتے ہیں تو اس کی کیا صورت ہو گی اگر تفریق کی کوئی صورت نہیں تو کیوں حالانکہ اسلام میں کوئی تنگی نہیں جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے۔ ماجعل علیکم فی الدین من حرج اور عدم تفریق میں تنگی معلوم ہوتی ہے۔

(الجواب) یہ عورت اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت (اگرچہ انگریزی حکومت کے ماتحت ہو) یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی ماہر عالم بھی شریک ہو میں اپنا معاملہ پیش کر کے حسب فتوی شرعی فسخ نکاح کا حکم حاصل کرے اور پھر عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے مگر فسخ نکاح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ بعد خاوند کے مجنون ہونے کے عورت نے بحالت جنون اس کے نکاح میں رہنے پر تصریحاً زبان سے رضاء ظاہر نہ کی ہو اور اگر وہ تصریحاً رضاء ظاہر کر چکی ہے تو پھر اختیار فسخ نہیں رہتا البتہ بلا تصریح رضاء مجنون کے ساتھ رہنا اور اس کی خدمت وغیرہ کرنا اگرچہ مدتوں تک ہو وہ اس کے اختیار کو باطل نہیں کرتا۔ قال فی فتاوی قاضی خان ان وجدت المرأة بزوجها جنوناً او جزاماً اور برصاً قال ابو حنیفة و ابو یوسفؒ لیس لها حق الفرقة وقال محمد لها حق الفرقة (قاضی خان فصل فی الخیارات للتی تتعلق بالنکاح صفحه ۱۸۹)

و مثله فی الهدایة و فتح القدیر من باب العنین و مثله فی الخلاصة من باب الشروط و الخیار فی النکاح صفحه ۱۲۲ ج ۲، وفی العالمگیریة من آخر باب العنین قال محمدؒ ان کان الجنون حادثاً یوجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأ ة بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فهو کالجب

وبه ناخذ كذافي الحاوى القدسى (عالمگیری مصری صفحه ۴۷۱ ج ۱ ومثل ماقام الامام محمد قال الامام مالكؒ فى المدونة ثم فى ترتيب الاشباه و النظائر صفحه ۱۲۱ مصری' وكذا اسكوت امراة العنين ليس برضاء و لواقامت معه سنين و فى فتاوىٰ قاضى خان ولو وجدت زوجها مجبوبا فاقامت معه زمانا وهو يضاجعها كانت على الخيار اه (قاضى خان فى فصل العنين صفحه ۱۸۹ ج ۱)

ثم قال فى الدر المختار ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل و الجائر ولو كافر اذكره مسكين اه (درمختار كتاب القضاء صفحه ۳۳۹ ج ۴) وفى حاشية الصاوى المالكى على اقرب المسالك و كتب الشافعية ان الفسخ بعدم النفقة ونحو ها انما يكون بحكم الحاكم اوا لحكم وان لم يكن فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلك و فى كل امر يتعذرفيه الوصول الى الحاكم العادل اه من رسالة الحلية الناجزة للحليلة العاجزة - واللہ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ - الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ

ولد الزنا نے دھوکہ دے کر شریف عورت سے نکاح کر لیا تو اس کو فسخ کا اختیار

(سوال ۵۶۶) میرے والد کو چند لوگوں نے دھوکہ دیکر میرا نکاح مسمّی مولوی کے ساتھ بعوض مبلغ پانچ سو روپیہ ایک اشرفی مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۴۹ ہجری کرادیا نکاح کے بعد فوراً معلوم ہوا کہ مسمّی مولوی اپنے باپ کے مرنے کے اور ماں کے بیوہ ہونے کے چار برس بعد پیدا ہو گیا ہے اس لئے تمام برادری کا اتفاق اس کے حرامی ہونے پر ہو گیا ہے جب مجھ کو معلوم ہوا تو اس کے گھر جانے سے انکار کر دیا کیونکہ میرا کفو نہیں اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے۔؟

(الجواب) اگر واقع میں دھوکہ دیا گیا ہے یعنی بوقت نکاح یا بوقت منگنی وغیرہ اپنے آپ کو یہ ظاہر کیا کہ میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں تو عورت اور اس کے اولیاء دونوں کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ قال فى الدر المختار قبيل باب العدة صفحه ۸۱۸ ج ۲ - وافاد البهنسى انه لوتزوجها على انه حر او سنى او قادر على المهر والنفقة فبان بخلافه او على انه فلان بن فلان فاذا هو لقيط او ابن زنا كان لها الخيار فليحفظ وقال الشامى فى باب الكفاءة مثله وقال عن البحر لو انتسب الزوج لها نسباً غير نسبه فان ظهر دونه وهو ليس بكفو فحق الفسخ ثابت للكل للمرأة والا ولياء وان كان كفوا فحق الفسخ لها دون الاولياء.

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر واقع میں دھوکہ دیا ہے تو نکاح مذکور صحیح نہیں ہوا۔ كمافى الدرالمختار الكفائة معتبرة عند ابتداء العقد للزومه او لصحته قال الشامى و الثانى على رواية الحسن وقدمنا اول الباب السابق اختلاف الافتاء فيهما وان رواية الحسن احوط شامى باب الكفائة صفحه ۴۳۶ ج ۲.

لہٰذا عورت کو اختیار ہے کہ صورت مذکورہ میں اپنا نکاح دوسری جگہ کر لے لیکن بہتر یہ ہے کہ حاکم وقت سے اجازت لے کر ایسا کرے تاکہ قانونی گرفت میں نہ آئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ

تہمت زنا کے بعد شوہر نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا تو تفریق ہو گی یا نہیں

(سوال ۵۶۷) زید نے اپنی عفیفہ بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جس سے اس کی بڑی رسوائی ہوئی اس وجہ سے وہ زید سے قطع تعلق کرنا چاہتی ہے لیکن اب زید قاضی کے سامنے کہتا ہے کہ میں نے سنکر کہا تھا اب معافی چاہتا ہوں اور عورت معاف نہیں کرتی اس صورت میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر قاضی یا قائم مقام قاضی کے سامنے حکم تفریق کر دینے سے پہلے اگرچہ لعان کے بعد ہوا یہ اقرار کرتا ہے کہ میں نے سنی سنائی بات کہہ دی تھی اور اب معافی چاہتا ہوں اور جس طرح علانیہ اس کو رسوا کیا ہے اس طرح اپنے دعوے کے جھوٹ ہونے کا بھی اعلان کرے تو اب فسخ نکاح و تفریق نہ ہو گی لیکن اگر دارالاسلام میں ایسا کرتا تو حد قذف اس وقت بھی اس پر قائم کی جاتی۔ دارالحرب میں حد قذف جاری نہیں ہو سکتی۔

قال فی الشامی لا تقع الفرقة بنفس اللعان قبل تفریق الحاکم و یتفرع علیه ایضاً مافی السعدیة عن الکفایة انه لو طلقها فی هذه الحالة طلاقاً بائناً یقع و کذالو اکذب نفسه حل الوطأ من غیر تجدید النکاح صفحه ۸۱۰ ج ۲. اور اگر حاکم نے لعان کے بعد تفریق بین الزوجین کا حکم دے دیا اور اس کے بعد خاوند نے اپنے قول کی تکذیب کی اور معافی مانگی تو اس معافی مانگنے کا اعتبار نہیں تفریق نافذ ہو چکی البتہ پھر اگر عورت راضی ہو تو اس سے نکاح جدید ہو سکتا ہے۔

قال فی الدر المختار وان یکذب نفسه یعنی بعد تفریق القاضی الی قوله حد للقذف وله بعد ماکذب نفسه ان ینکحها شامی صفحه ۸۱۲ جلد ۲ والدلیل ان حد القذف لا تقام بدار الحرب تقلیده فی الدر المختار والشامی بدار الاسلام وقال الشامی اخرج دار الحرب لا نقطاع الولایة شامی صفحه ۸۰۶ ج ۲.

شوہر نفقہ دینے سے انکار کرے تو مسلم حاکم نکاح فسخ کر سکتا ہے

(سوال ۵۶۸) مسماۃ بھوری کو اس کا شوہر نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ اس کو آباد کرتا ہے بھوری کے باپ نے ہر طرح کوشش کی کہ بھوری کا شوہر یا خسر اس کو لیجاویں مگر وہ بالکل انکار کرتے ہیں اور اب شوہر کا کچھ پتہ نہیں گم ہے اب مسماۃ بھوری دوسرا عقد کس طرح کر سکتی ہے۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں مسماۃ بھوری اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں یا دیندار مسلمانوں کی ایک مقتدر جماعت کی پنچائت کر کے اس میں اپنا معاملہ پیش کرے حاکم اور سرپنچ کو شرعاً اختیار ہے کہ وہ اس کے شوہر شریف کو طلب کرے اگر وہ آجائے تو اس سے کہے کہ اپنی بیوی کے حقوق نان نفقہ وغیرہ ادا کرو ورنہ نکاح فسخ کر دیا جائے گا اگر وہ انکار کرے یا حاضر نہ ہو دونوں صورتوں میں حاکم یا سرپنچ کو شرعاً اختیار ہے کہ تفریق کا حکم دیدے اور یہی حکم شرعاً طلاق کا قائم مقام ہو جائے گا حکم کی تاریخ سے تین

حیض عدت کے گزار کر مسماۃ کو اختیار ہوگا کہ دوسری جگہ نکاح کرلے۔

وھذا فی الاصل مذھب مالکؒ فی المفقود و مثلہ فی الاباء عن النفقة او اعسار الزوج و ھھنا قد اجتمع امران کونہ مفقودا او معسرا ابیاً عن النفقة وفی احدھما یفسخ النکاح ففی الاثنین اولی فھذا فی الاصل مذھب الامام مالکؒ افتی بھا علمائنا الحنفیة لشدة الضرورة الیہ فی بلادنا وقد صرح الشامی بما یقارب ما ذکرنا فی باب النفقة و کتاب المفقود الا انہ لم یذکرحکم دار الحرب وھو ما ذکرنا. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نان ونفقہ نہ دینے کی بنیاد پر فسخ نکاح کا حکم

(سوال ۵٦۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی اہلیہ ہندہ پر الزام زنا لگا کر ہندہ کو بدنام کیا اور عدالت فوجداری میں دعویٰ دائر کر کے شہادت وغیرہ بھی دی اور ہندہ کو عدالت میں طلب کرایا جو اولاد زید کی ہندہ کے بطن سے پیدا ہوئی اس کو بھی زنا کی بتائی اور کوئی زر مہر وغیرہ میں ہندہ کو ادا نہیں کیا گیا یہ الزام محض تحفظ جائیداد کی وجہ سے لگایا گیا اور نہ اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے عدالت فوجداری سے ہندہ زید کے نکاح میں رہی یا نہیں رہی اگر اس کا فسخ نکاح ہوا تو کیا ہندہ کو زید سے نکاح دوبارہ کرنا چاہئے یا نہیں یا ہندہ زید کے نکاح سے خارج ہوگئی۔ ہندہ کے لئے اس معاملہ میں صاف شرعی حکم کیا ہے۔؟

(الجواب) نکاح ہندہ کا زید سے بدستور قائم ہے اگر کوئی لفظ طلاق کا زید نے ہندہ کو نہیں کہا دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں اور نفقہ اور مہر ہندہ کا بذمہ زید واجب ہے اور زید ان الزامات لگانے کی وجہ سے سخت گناہ گار اور فاسق ہے اور ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے اس لئے لعان نہیں ہو سکتا۔ کذا فی کتب الفقہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

(جواب صحیح ہے) لیکن چونکہ خاوند نان ونفقہ نہیں دیتا تو عورت کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو کسی مسلمان حاکم یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے تفریق کا حکم حاصل کرے اور بعد عدت دوسری جگہ نکاح کرلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفر لہ

زوجہ متعنت کے فسخ نکاح کی ایک صورت

(سوال ۵٦۹) ہندہ کے شوہر بکر نے اس کے نان نفقہ کی خبر گیری اچھی طرح ادا نہ کی اور نہ ہی اس کے حقوق کما حقہ ادا کئے بلکہ بجائے محبت پیار کے مار پیٹ اکثر کرتا رہا۔ بالآخر اس عورت نے اپنی نفسانی خواہشات سے مجبوراً تنگ ہو کر خالد سے ناجائز تعلق کر لیا ہندہ کے شوہر بکر کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ہندہ کو اپنے گھر سے نکال دیا لیکن طلاق نہ دی چنانچہ عرصہ چودہ سال سے ہندہ خالد کے پاس ناجائز طور پر رہتی ہے اور بذریعہ حرام کاری ہندہ کے ایک لڑکا بھی پیدا ہو گیا ہے خالد کو اب خوف خدا پیدا ہوا تو وہ ہندہ کو گھر سے باہر نکالتا ہے لوگوں نے ہندہ کے اصلی خاوند (بکر) کو سمجھایا تو وہ بھی اپنے گھر رکھ لینے پر رضامند نہیں ہے اب ہندہ کہتی ہے کہ اگر مجھے دونوں میں

سے کوئی نہیں رکھتا تو میں (آریہ) عیسائی ہو جاؤں گی ایسی مشکل میں شرعی تدبیر کیا ہو سکتی ہے ہندہ کو خالد ایسی حالت میں رکھنے پر رضامند ہے جب کہ شرعی طریق پر اس سے نکاح ہو جائے اور نکاح جب تک نہیں ہو سکتا کہ بکر اس کو طلاق نہ دے دے اور بکر کسی صورت سے طلاق دینے پر رضامند نہیں ہے نہ لالچ سے نہ جبر سے اور اگر ہندہ کو وہ دونوں نہ رکھیں تو وہ عیسائی یا آریہ ہو جانا چاہتی ہے فرمائیے ہندہ کی مصیبت کس طرح دور کی جاسکتی ہے اور اس کا پاک مذہب کس طرح بچ سکتا ہے۔؟

(الجواب) اس مشکل کا حل شریعت اسلام میں بآسانی ممکن ہے۔ وہ یہ کہ ہندہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اگر عدالت میں رسائی ممکن نہ ہو تو دیندار مسلمانوں کی پنچایت جمع کر کے اس میں اپنا مقدمہ پیش کرے حاکم مسلمان یا پنچایت ہندہ کے شوہر سے کہے کہ یا تو تم اپنی بیوی کے نان نفقہ کے کفیل ہو اور اس کے حقوق ادا کرو ورنہ طلاق دو اور اگر تم دونوں صورتوں پر راضی نہ ہو گے تو ہم تفریق کر دیں گے پس اگر خاوند کسی صورت پر راضی ہو جاوے تو بہتر ورنہ حاکم مسلمان یا سرپنچ ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دے تو یہی حکم قائم مقام طلاق کا ہو جائے گا اس حکم کی تاریخ سے تین حیض عدت کے گزار کر دوسری جگہ جہاں چاہے خواہ خالد سے یا اور کسی سے نکاح کر سکتی ہے۔

وهذا فی الاصل مذهب مالکؒ افتی به علمائنا الحنفية للضرورة و تفصيل المسئلة فی الرسالة المؤلفة فی هذا الباب المسماة بالحيلة الناجزة للحلية العاجزه للشيخ التهانوی دامت هم. واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فصل فی ارتداد الزوجين او احدهما
(میاں بیوی یا کسی ایک کے مرتد ہونے کا بیان)

عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں؟

(سوال ۵۷۰) ہندہ زوجہ زید تقریباً دو تین سال سے اپنے خاوند سے ناشزہ رہی اب چھ ماہ سے اسلام کو ترک کر کے مذہب عیسائی اختیار کر لیا ہے تو کیا نکاح قائم ہے یا منقطع ہو گیا اگر ہندہ پھر اسلام قبول کر لے تو زید کا نکاح عود کرے گا یا نہیں؟

(الجواب) مرتد ہو جانے سے ہندہ کا نکاح فسخ[1] ہو گیا پھر جب کبھی وہ اسلام قبول کرے اس کو زید ہی کے نکاح میں رہنا ہوگا مگر نکاح جدید کرنا پڑے گا۔ لقولهم و ارتداد احدهما فسخ عاجل و صرح باجبار ها علی نكاح زوجها السابق فی الخلاصة وغيرها۔ ۲۶ ربیع الاول سن ۱۳۵۰ ہجری

---

[1] یہ حکم ظاہر الروایات کے موافق لکھا گیا تھا لیکن بعد میں حوادث وحالات اور ضروریات اسلامی پر نظر کر کے بمشورہ اکابر دوسرا حکم دوسری روایت پر مبنی ہے اور جس کو مشائخ بلخ وغیرہ نے پہلے ہی اختیار کیا تھا اس کو اختیار کرنا ضروری سمجھا گیا اور احقر نے اس پر مستقل رسالہ حکم الازدواج مع اختلاف دين الازدواج لکھا جو رسالہ حیلہ ناجزہ کا جزو ہو کر شائع ہوا ہے بہر حال اب فتویٰ یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ محمد شفیع عفی عنہ صفر ۱۳۶۶ھ

عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

(سوال ۵۷۱) ایک عورت حیلہ سازی سے نکاح فسخ کرنے کے لئے تابع خواہشات نفسانی ہو کر پرچہ عیسائیت لیتی ہے تاکہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرے حالانکہ زوج اول متدین شخص ہے زمانہ حال پر توجہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمائیں کہ ازیں بعد نکاح اس کا بحال رہایا فسخ ہوچکا ہے۔ بینوا بالکتاب توجروا عندالله فی الدنیا والآخرہ۔؟

(الجواب) قال فی الهداية اذا ارتد احد الزوجين وقعت الفرقة بغير طلاق قال العلامة ابن الهمام هذا جواب ظاهر المذهب و بعض مشائخ بلخ و سمر قند افتوافی ردتها بعدم الفرقة حسماً لاحتيالها على الخلاص باكبر الكبائر و عامة مشائخ بخارا افتوا بالفرقة و جبرها على الاسلام و على النكاح مع زوجها الاول لان الحسم بذلك يحصل ولكل قاض ان يجددالنكاح بينهما بمهر يسير ولو بدينا رضيت ام لاوتعزز خمسة و سبعين ولا تسترق المرتدة مادامت فى دار الاسلام فى ظاهر الرواية وفى رواية النوادرعن ابى حنيفة تسترق انتهى (فتح القدير نكاح اهل الشرك صفحه ۲۹۷ ج ۳ مصری) وقال فى البحر من النكاح الكا فر بعد نقل القولين لائمة البخارى وبلخ و تعقبهم فى جامع الفصولين بان جبر الحرة البالغة مناف للشرع ايضاً وهو مردود فاوا الجبر على النكاح عهد فى الشرع فى الجملة للضرورة كمافى العبد والامة والحر الصغير و الصغيرة فجاز ارتكا به فى غيرهم للضرورة (بحر صفحه ۲۳۰ ج۲)

(۲) وفى الفتاوى قاضى خان منكوحة ارتدت و العياذ بالله تعالى حكى عن ابى النصر وابى القاسم الصفار انهما قالا لايقع الفرقة بينهما حتى تصل ال مقصودها ان كان مقصودها الفرقةو فى الروايات الظاهرة يقع الفرقة و تحبس المرأة حتى تسلم و يجددالنكاح سداً لهذا الباب اليها فتاوى قاضى خان فصل فى الفرقة بين الزوجين صفحه ۲٦۷ مصطفائى.

(۳) ولو اجرت كلمة الكفر على لسانها مغايظة لزوجها اوا خراجاً لنفسها عن حبالته او لا ستيجاب المهر عليه بنكاح مستانف تحرم على زوجها فتجبرعلى الاسلام ولكل قاض ان يجدد النكاح بادنى شئ ولو بدينار سخطت او رضيت وليس لها ان تتزوج الا بزوجها قال الهندوانى آخذ بهذا قال ابو الليث وبه ناخذ و كذافى التمر تاشى انتهى.

(عالمگیری الباب العاشر فی نکاح الکفار صفحه ۳۱۷ ج ۲)

(٤) وفى الدر المختار و تجبر على الاسلام و على تجديد النكاح زجراً لها بمهر يسير كدينار و عليه الفتوى ولوالجيه وافتى مشائخ بلخ بعد الفرقة بردتها زجراً و تيسيراً الاسيما اللتى تقع فى الكفر ثم تنكر قال فى النهر والافتاء بهذا اولى من الافتاء بما فى النوادر قال المصنف ومن تفحص احوال نساء زماننا وما يقع منهن من موجبات الردة مكرراً فى كل يوم لم يتوقف فى الافتاء برواية النواد ر قلت وقد بسطت فى القنية و المجتبى والفتح والبحر.

وحاصلها انها بالردة تسترق وتكون فيئا للمسلمين عند ابى حنيفةؒ ويشتريها الزوج من الامام او يصرفها اليه لو مصرفا وفى الشامى و عبارة النهر ولا يخفى ان الافتاء بما اختاره بعض ائمة بلخ اولى من الافتاء بما فى النوادر ولقد شاهد نامن المشاق فى تجديد ها فضلاً عن جبرها بالضرب و نحوه مالا يعد ولا يحد (الى) ومن القواعد المشقة تجلب التيسير و الله الميسر لكل عسير اه قلت المشقة فى التجديد لايقتضى ان يكون قول ائمة بلخ اولىٰ مما فى النوادر بل اولى مما مر ان عليه الفتوى وهو قول البخاريين الخ .(شامى نكاح الكافر ص/۴۰۳ ج/۲)وفى قنية الفتاوى تحرم اللعينة وتجبر على الاسلام برمز النوازل والواقعات للناطفى وفيها وبعض مشائخ بلخ وابو القاسم الصفار واسمٰعيل الزاهد من ائمة بخارى وبعض ائمة سمرقند كانوا يفتون بعدم الفرقة بردتها حسباً لباب المعصية وفى الجامع الاصغر كان شاذان وابو نصر الدبوسى يفتيان بانها لاتبين (برمز شرح الصاغى)وفيها المرتدة مادامت فى دار الاسلام فانها لاتسترق فى ظاهر الرواية وفى النوادر عن ابى حنيفة انها تسترق (برمز مجد الائمة ترجمانى)ثم قال ولو كان الزوج عالماً استولى عليها بعدالردة فتكون فيئاً للمسلمين عند ابى حنيفة ثم يشتريها من الامام او يصرفها اليه ان كان مصرفا فلو افتى مفت بهذه الرواية حسماً لهذا الامر لاباس به –قلت وفى زماننا بعد فتنة التترالعامة صارت هذه الولايات اللتى غلبو عليها واجروا احكامهم فيهم كخوارزم وماوراء النهر وخراسان ونحوها صارت دار الحرب فى الظاهر فلواستولى عليها الزوج بعد الردة يملكها ولايحتاج الى شرائها من الامام فتبقى فى يده بحكم الرق حسماً لكيد الجهلة ومكر المكره على ما اشار اليه فى السير الكبير (قنية الفتاوى ص/۸ باب نكاح الكافر) قال الشامى بعد نقل هذه العبارة من قنية فقوله يملكها مبنى على الظاهر الرواية من انها لاتسترق مادامت فى دار الاسلام ولاحاجة الى الافتاء برواية النوادر بما ذكر من صيرورة دارهم دار الحرب فى زمانهم فيملكها لمجرد الاستيلاء عليها لانها ليست فى دار الاسلام فافهم(شامى ص/۴۰۳ ج/۲)

عبارات مذکورہ سے نکاح مرتد کے فسخ ہو جانے کے متعلق چند امور حاصل ہوئے۔

(الف) عورت اگر مرتد ہو جائے اور مرد مسلمان ہو تو یہ نکاح اگر چہ فسخ ہو جائے گا لیکن یہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی بلکہ شرعاً اس پر مجبور ہے کہ بعد تجدید اسلام اس خاوند سے تجدید نکاح کرلے اور اس نکاح جدید میں مہر بھی بہت کم رکھا جائے اور اس نکاح جدید میں عورت کی رضاء وعدم رضاء کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ بلارضاء بھی اس کا نکاح جدید بحکم قاضی صحیح ہو جائے گا۔ یہ مشائخ بخارا کا فتویٰ ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے جو عامہ متون وشروح میں منقول ہے۔

(ب) یہ نکاح تو فسخ ہو جائے گا لیکن خاوند کو حق ہے کہ اس عورت پر اپنا قبضہ بدستور قائم رکھے اور اگر کہیں چلی جائے تو گرفتار کرلائے اور بلا تجدید نکاح اس سے صحبت وغیرہ حلال ہے (بحکم الرق) اور یہ صورت دارالاسلام میں تو باذن خلیفہ وقت ہو سکتی ہے اور وہ بھی براویۃ نوادر لیکن دارالحرب میں اذن امام کی ضرورت نہیں اور نہ روایت نوادر

پر فتوی دینے کی ضرورت بلکہ ظاہر الروایۃ کے اعتبار پر بھی یہ حکم ہوگا کہ یہ عورت اپنے خاوند کی مملوکہ ہو جائے گی۔اور بلا تجدید نکاح اس سے صحبت وغیرہ حلال ہو گی۔ فقہاء کی ایک جماعت کثیرہ نے اس قول پر فتوی دیا ہے۔

(ج) صورت مذکورہ میں نکاح ہی فسخ نہ ہوگا۔ بلکہ نکاح اول بعینہ باقی رہے گا۔ ائمہ بلخ و سمرقند اور بعض ائمہ بخاری کا یہی فتوی ہے اور عام کتب حنفیہ میں ہے کہ اگر کوئی مفتی اس فتوی پر حکم کرے تو جائز ہے۔ چنانچہ در مختار اور شامی اور نیز صاحب نہر الفائق نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتوی دیا ہے۔

مشائخ حنفیہ کے اقوال و فتاوی مذکورہ بالا اگرچہ باہم کسی قدر اس مسئلہ میں مختلف ہیں لیکن اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مرتد ہو جانے کے بعد عورت از روئے قانون شرعی آزاد اور خود مختار نہ ہو گی۔ کہ جس سے چاہے نکاح کر لے بلکہ اسی خاوند کے قبضہ و تسلط میں رہے گی۔ اختلاف صرف اتنا ہے کہ نکاح سابق باقی رہے گا۔ یا نکاح جدید کرایا جائیگا۔ یا نکاح جدید کی ضرورت ہی نہیں لیکن ہندوستان میں بحالت موجودہ آخری دو صورتیں اختیار سے باہر اور ناممکن العمل ہیں اس لئے پہلی صورت متعین ہو گئی جس کو ائمہ بلخ و سمرقند اور بعض ائمہ بخاری اور ابو القاسم صغار اور اسمٰعیل زاہد نے اختیار فرمایا ہے اور جس پر در مختار اور شامی اور بحر الرائق اور نہر الفائق وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے۔ یعنی زوجہ کے ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا۔ البتہ احوط اور مختار یہ معلوم ہوتا ہے (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) کہ تسلط و قبضہ کے بعد تجدید نکاح کر لیا جائے اور قبل تجدید نکاح صحبت سے احتراز کیا جائے تاکہ ظاہر الروایۃ کے اختلاف سے بھی نکل جائے۔ ھذا ماظھر لی واللہ الموفق للصواب والمیسر للصعاب۔

تنبیہ: زوجہ مرتدہ کا حکم شرعی تو وہ ہے جو اوپر معلوم ہو چکا لیکن اس حکم کے بیان و اشاعت کے ساتھ اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ آج کل جو عورتوں میں ارتداد کا باعث عموماً یہ ہے کہ خاوند ان کے حقوق ادا نہیں کرتے اور ہندوستان میں چونکہ مدت سے محکمہ قضا شرعی نہیں اس لئے وہ حکومت کے ذریعہ سے بھی اپنے حقوق وصول نہیں کر سکتیں۔ اور مظالم کو رفع نہیں کر سکتیں اور احکام شرعیہ سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتی ہیں کہ بحالت موجودہ معاذ اللہ اسلام میں ہماری حیات کی کوئی صورت نہیں مجبور ہو کر محض جہالت کی بنا پر اس ہلاکت میں پڑتی ہیں جس سے تمام عمر کی نیکیاں اور تمام اعمال صالحہ حبط ہو جاتے ہیں اور پھر بھی ان کا مقصد یعنی خاوند سے علیحدگی حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے سخت ضرورت ہے کہ سب سے زیادہ ان احکام شرعیہ کی اشاعت کی کوشش کی جائے جن کے ذریعہ سے عورتیں اپنے حقوق کا تحفظ دار الحرب میں بھی باوجود محکمہ قضاء موجود نہ ہونے کے کر سکتی ہوں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہندوستان میں بحالت موجودہ بھی اپنے سچے مذہب و ایمان پر قائم رہتے ہوئے عورتوں کے لئے تمام جائز حقوق حاصل کرنے کی صورتیں شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے یا موجود ہو اور مفلس و نادار ہونے کی وجہ سے خرچ برداشت نہیں کر سکتا۔ یا کر سکتا ہے مگر اس کو نہیں دیتا یا عنین و نامرد وغیرہ ہے کہ عورت کا حق معاشرت پورا نہیں کر سکتا۔ یا اسی قسم کے دوسرے معاملات جن سے حقوق نسوان میں ناقابل برداشت خلل پڑتا ہے ان سب صورتوں میں عورت کے لئے اس خاوند سے علیحدہ ہو جانے اور دوسرے نکاح کرنے کی صورتیں ہندوستان میں بحالت موجودہ بھی شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ جو حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتھم نے

رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحلیلۃ العاجزۃ میں بہت تحقیق اور مشاہیر علماء کے مشوروں کے بعد جمع فرمادی ہیں۔ ارتداد کی صورت علاوہ اس کے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وبال و مصائب آخرت کا اختیار کرنا ہے از روئے قانون شرعی اس کے مقصد کو بھی پورا نہیں کر سکتی۔ ہذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہ۔ اصاب المجیب العلام بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ۔ الجواب الصحیح محمد رسول خان عفااللہ عنہ

عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

(سوال ۵۷۲) بعض بد اطوار لوگ منکوحہ عورت کو جماع حرام کے لئے اغوا کر کے لے جاتے ہیں جب شوہر قانونی چارہ جوئی کرتا ہے تو عورت کا آشنا اسے فرضی طور پر بطریق حیلہ آریہ یا عیسائی بنادیتا ہے تاکہ وہ مرتد ہو جائے اور نکاح فسخ ہو جائے اور عدالتیں اس نکاح کو فسخ شدہ تصور کر لیتی ہیں آیا عورت کے ایسا کرنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے موجودہ زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھ کر مشائخ بلخ کے قول پر فتوی ہونا چاہئے یا نہ؟ جب کہ عورت مذکور دل سے مسلمان ہے اور فرضی طور پر مذہب تبدیل کرتی ہے تو اس سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) آج کل ہندوستان میں ضروری ہے کہ مشائخ بلخ و بخاری کے قول پر فتوی دیا جائے کیونکہ بنابر مذہب حنفیہ کوئی دوسری صورت یہاں متصور نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مذہب حنفیہ میں اس مسئلہ کے متعلق تین قول ہیں

اول یہ کہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے لیکن قاضی اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح پر مجبور کرے گا اور اسی خاوند کو جبراً دلائے گا یہ ظاہر الروایت ہے جو عامہ متون میں مذکور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نکاح ہی فسخ نہیں ہوتا جیسا کہ بہت سے مشائخ بلخ و بخاری کا فتوی ہے اور درمختار نے اس پر فتوی دینے کو جائز کہا ہے نیز نہر الفائق سے شامی نے بھی اس پر فتوی دینا نقل کیا ہے اور فتاوی قنیہ میں بھی اس پر فتوی دیا گیا ہے۔ تیسرا قول نوادر کی روایت ہے کہ اس کو بجائے بیوی ہونے کے باندی بنا کر اسی خاوند کے ساتھ رکھا جائے گا۔ صرح به في الدر المختار وغيره یہ تینوں قول فتوی قاضی خاں، فتح القدیر، قنیہ درمختار شامی میں مفصل منقول ہیں اور یہ تینوں اتنی بات پر متفق ہیں کہ عورت مرتد ہونے کے بعد اپنے سابقہ خاوند کے قبضہ سے ہرگز نہیں نکل سکتی بلکہ قول اول کی بناء پر اسے تجدید نکاح پر بعد تجدید الاسلام مجبور کیا جائے گا اور قول ثالث کی بناء پر کنیز بنا کر رکھا جائے گا لیکن ہندوستان میں بحالت موجودہ ان دونوں صورتوں پر مسلمانوں کو قدرت نہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہی دوسرا قول یعنی عدم فرقۃ جو مشائخ بخاری کا فتوی ہے اسی پر فتوی دیا جائے اس لئے صورت مسئولہ میں عورت کا نکاح فسخ نہیں ہوا البتہ احتیاطاً تجدید نکاح کے بغیر اس سے وطی نہ کرنی چاہئے لیکن اپنے قبضہ میں رکھنا بہر حال جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً---(سوال ۵۷۳) مسماۃ حسن بی بی اسلام سے مرتد ہو کر مذہب عیسوی اختیار کر چکی ہے مشرک لوگوں کے اعتقاد مسیح بن اللہ اور کفارہ مسیح کی قائل ہو کر دین اسلام سے بیزاری کا اعلان کر چکی ہے اس کا شوہر مسلمان اسے چاہتا ہے لیکن وہ کہتی ہے کہ جب تک تو بھی اسلام اور توحید الٰہی سے منحرف نہ ہو جائے تمہارے کام نہیں

آسکتی جاعلماء سے اپنا نکاح بنوا۔آیااس کا نکاح فسخ ہوا یا نہیں۔؟

(الجواب)فتوی اسی پر ہے کہ نکاح نہیں ٹوٹااوربدستوراپنے خاوند کی زوجہ ہےالبتہ تجدید اسلام کے بعد احتیاطاً تجدید نکاح کرلینا بہتر ہے۔ وھذا الفتوی ھو علی ما اختارہ مشائخ بلخ و بخاری ذکرہ فی الدر المختار و الشامی مفصلا صفحہ ٤٢٥ ج ٢ ، فی القنیة بتفصیل لا مزید علیه صفحه ٧٩ والله تعالی اعلم۔

فصل فی الظھار والایلاء و اللعان
(ظہار،ایلاءاور لعان کابیان)

قسم کھائی کہ اتنی مدت کے بعد شادی کروں توماں بہن سے کروں

(سوال ٥٧٤) زید کی نسبت آمنہ سے ہوئی نکاح نہیں ہواایک موقع پر زید نے قسم کھائی کہ اگر ایک عرصہ معینہ کے اندر اندر شادی نہ ہوئی تواگر زید پھر شادی کرے تو اپنی ماں سے کرے اس میعاد کو گزرے عرصہ ہو چکا ہےزید شادی کرسکتاہے توکس طریقہ پر۔؟

(الجواب) شادی کرے اور پھر کفارہ قسم ادا کردے کفارہ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کوایک دن صبح وشام دونوں وقتوں کا کھانا کھلاوے یادس مسکینوں کوایک ایک کپڑا کم از کم اتنا جس کا تہبند ہو سکے دیدے اور اگر اتنا خرچ موجود نہ ہو تو تین روزے پے در پے رکھے۔ کذافی الھدایہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوستان میں بحالت موجودہ لعان ہوسکتاہےیانہیں؟

(سوال ٥٧٥) ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے قضاۃ نہیں ہیں توبجائے قاضی کے کسی کو حق ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لعان کے بعد تفریق کرسکےآیا علماءیاحاکم وقت یامسلمانوں کی کوئی جماعت مثلاً پنچائت وغیرہ اس کے مجاز ہو سکتے ہیں یانہیں۔

(الجواب) دارالحرب میں لعان نہیں ہو سکتا اس کے لئے دارالاسلام ہوناشرط ہے۔

صرح به الشامی. وقال فی الدر المختار فمن قذف بصریح الزناء فی دارالاسلام زوجته الحیة بنکاح صحیح الخ. قال الشامی اخرج دارالحرب لا نقطاع الولایة

البتہ اگر حاکم وقت مسلمان ہو اگرچہ حکومت غیر مسلمہ کا مامور و ملازم ہواور باقاعدہ شرعیہ لعان کردائے تو لعان ہو جائے گا کیونکہ وہ بھی بحکم قاضی ہے۔ کما صرح به فی ردالمحتار من باب القضاءاور دارالحرب میں لعان نہ ہونے کا حکم جو شامی مذکور ہے وہ انقطاع ولایت کی وجہ سے ہے جب حکومت کی طرف سے کوئی مسلمان مامور ہو کر لعان کرائے توانقطاع ولایت نہ رہا۔

احقر نے اپنے اس خیال کو سیدی حضرت حکیم الامتہ مولانا محمد اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی

خدمت میں بھی عرض کیا تھا حضرت نے بھی تصویب فرمائی اور بدائع الصنائع کی عبارت سے اس کی توضیح و تائید ہو گئی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

بیوی کو بہن کہہ دینے سے طلاق و ظہار کچھ نہیں ہوتا

(سوال ۵۷۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اگر کسی شخص نے بھول کر اپنی بیوی کو بہن کہہ دیا کسی دوسرے شخص سے اور پھر منع کر دیا کہ میری بہن نہیں ہے تو اس کے کہنے سے کوئی حرج تو نہیں اور اگر ہے تو اس کا جبر نقصان کس طرح پر ہو سکتا ہے۔؟

(الجواب) اگر یہی لفظ بعینہ کہے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں یعنی کوئی حرف تشبیہ استعمال نہیں کیا مثلاً وہ یوں کہتا ہے کہ وہ میری بہن کی مثل ہے تو ان لفظوں سے طلاق و ظہار وغیرہ کچھ نہیں ہوتا البتہ ایسا کہنا گناہ ہے توبہ کرنی چاہئے۔ صرح به فی ظهار العالمگیریة والدر المختار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کروں کہہ دینے سے طلاق وغیرہ نہیں ہوتی

(سوال ۵۷۷) ایک شخص نے لڑائی میں غصہ کی حالت میں یہ الفاظ دو یا تین مرتبہ کہہ دیئے کہ اگر میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں یہ الفاظ اس شخص نے نکالے اب یہ بہت شرمندہ اور پریشان ہے کہ افسوس ایسے لفظ میری زبان سے نکل گئے از روئے شرع شریف اور اس کی بیوی پر ایسی حالت میں طلاق یا ظہار ہے یا نہیں۔

(الجواب) اس صورت میں نہ طلاق واقع ہوئی نہ ظہار ہوا اس لئے کفارہ واجب نہیں فتاوی عالمگیری میں ہے۔ لو قال ان وطئتك وطئت امی فلاشئی علیه پس زوجہ اس شخص کی بدستور اس کے نکاح میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصل فی طلاق الثلاث واحکامها
(تین طلاق کے احکام)

ایک ہی دفعہ تین طلاق دینے کا حکم

(سوال ۵۷۸) میں نے جھگڑے میں غصہ کی حالت میں زوجہ خود کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق کہا جب میں دوسری جگہ گیا تو مجھ کو معلوم ہوا کہ میں نے الفاظ مذکورہ زبان سے نکالے ہیں الغرض میری حالت خشم آلود تھی آیا حالت غصہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں اگر یہ الفاظ اپنی زوجہ ہی کے لئے کہے تھے جیسا کہ ظاہر ہے تو از روئے قرآن و حدیث و اجماع امت تین طلاقیں واقع ہو گئیں اگرچہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلاف سنت اور گناہ ہے لیکن جب دیدی تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امت محمدیہ کا یہی مذہب ہے۔ کذافی عمدۃ

القاری شرح البخاری

اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اس کا اعلان مجمع صحابہ میں فرمایا کسی نے اس کے خلاف نہیں کیا۔

اخرجه الطحاوی فی معانی الآثار بسند صحیح

اب بجز اس کے چارہ نہیں کہ بعد گزارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے کفو میں نکاح کرے اور پھر وہ اپنی مرضی سے اس کو بعد جماع کرنے کے طلاق دیدے تو پھر اس کی عدت گزار کر خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے اور اگر اس کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ عورت بوقت نکاح اس شرط پر نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور پھر بعد عدت خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔ واللہ اعلم

ایک ہی دفعہ تین طلاق دینے سے باجماع امت تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

(سوال ۵۷۹) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے پاس کسی غیر شخص کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر بخیال شبہ ارتکاب قصور زوجہ غصہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدیں بعد ازاں قصور زوجہ ثابت نہیں ہوا تو زید رجوع کر سکتا ہے یا نہیں اگر رجوع کر سکتا ہے تو کس صورت سے۔؟

مولوی صاحب ساکن اجمیری دروازہ دہلی مالک مطبع اخبار محمدی نہایت شدومد سے یہ دلائل قرآن و حدیث و صحابہ کرام کا عمل وفتوی اور بعض علمائے حنفیہ کے حوالہ سے اپنے اخبار کے تین تاریخوں کے پرچہ میں خوب مفصل لکھتے ہیں کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں دیناوہ ایک ہی طلاق شمار کی جاتی ہے جس سے رجوع کر سکتا ہے آیا یہ دلائل مندرجہ اخبار صحیح ہیں یا نہیں۔؟

(الجواب) مطلقہ ثلث کا جو حکم اخبار محمدی نے لکھا ہے بالکل غلط ہے اور اجماع امت کے خلاف ہے تمام ائمہ دین جن کی عمریں قرآن وحدیث ہی کے سمجھنے اور سمجھانے اور پڑھنے پڑھانے میں گزر گئیں سب اس پر متفق ہیں کہ ایک ہی مرتبہ اگر کوئی شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دے تو اگرچہ وہ اس طرح طلاق دینے سے گناہ گار ہوا لیکن طلاق تینوں پڑ جائیں گی۔

امام مالکؒ جو حدیث نبوی ﷺ کے سب سے پہلے مصنف اور سب سے بڑے محدث اور استاذ المحدثین ہیں اور امام احمد ابن حنبلؒ جن کی تصانیف حدیث کتب حدیث کی روح ہیں اور امام شافعیؒ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ جو حدیث وفقہ کے مشہور امام ہیں اور امام اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اس کے خلاف جس کسی نے کہا ہے وہ بالکل شاذ و قول مردود و مخالف اہلسنت والجماعت کے ہے روافض وغیرہ نے اس کو لیا ہے۔ کذا قاله العینی فی شرح الصحیح البخاری ۵۳۷ ج ۹ اور صرف اتنی بات سن لینے کے بعد غالباً کسی مسلمان کو اس حماقت کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان سب حضرات و محدثین وائمہ حدیث و فقہ کو حدیث رسول سے ناواقف قرار دے اور آج تیرہ سو برس کے بعد تمام امت کے خلاف ایک نئی شریعت امت

کے سامنے پیش کرے۔

واقعہ یہ ہے کہ جن روایات کو اخبار محمدی نے اپنے مقصد کے ثبوت میں نقل کیا ہے یا منسوخ ہیں یا مؤول اور ان کے منسوخ ہونے پر خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو راوی حدیث ہیں شہادت دیتے ہیں. کما اخرج ابوداؤد عن ابن عباسؓ فی حدیث طویل. وذلك ان الرجل كان اذا طلق امرأته فهو احق برجعتها وان طلقها ثلاثاً فنسخ ذلك فقال الطلاق مرتان الآية. ابوداؤد نے جو اس حدیث کے لئے باب منعقد کیا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد کے نزدیک منسوخ ہونا ہی متعین ہے کیونکہ ان کا ترجمۃ الباب یہ ہے۔(باب فی نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلث) اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے فسخ کا عام طور پر اعلان فرمایا اور ہزارہا صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ سب نے تسلیم کر کے اس پر انعقاد اجماع کی حجت قائم کردی یہ واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کے اعلان کا طحاوی نے معانی الآثار میں سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے اب یہ جرات وجسارت کہ حضرت فاروقؓ جیسے جلیل القدر صحابی بلکہ جمہور صحابہ کرام کو اور پھر تمام امت وائمہ مجتہدین کو غلطی پر سمجھے اور آج پونے چودہ سو سال کے بعد اخبار محمدی پر بذریعہ وحی حق واضح ہو یہ فقط اخبار محمدی ہی کا حصہ ہے الحمدللہ کوئی مسلمان اب بھی اس کو تسلیم نہیں کرسکتا ہزارہا صحابہ کرام اور کروڑوں علمائے امت اور تمام ائمہ مجتہدین نے اگر قرآن وحدیث کو معاذاللہ نہیں سمجھا تو پھر کیا اخبار محمدی ترجمہ مشکوٰۃ دیکھ کر دین کی حقیقت کو سمجھے گا۔

سرخدا کہ عارف وزاہد کسے نہ گفت　　　　در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

معاذاللہ یہ تو تلعب بالدین ہے اس بحث کی مفصل تحقیق حنفیہ کی کتب مطولہ میں نہایت وضاحت سے درج ہے جس میں اخبار محمدی کی ایک ایک دلیل کا شافی جواب مذکور ہے اس وقت اتنا ہی عرض کردینا مسلمان کے لئے کافی سے زائد ہے۔ والله الهادی وهو الموفق.

ایک ہی لفظ یا ایک ہی مجلس میں تین طلاقوں کا حکم

(سوال ۵۸۰) زید نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کے بھائی عمر سے یہ کہا کہ میں نے تمہاری بہن کو ایک طلاق دیا دو طلاق دیا تین طلاق دیا۔ مگر وقت طلاق زید اور عمر کے درمیان ایک مکان طویل حائل تھا جس کے باعث عدد طلاق میں یہ فرق پیدا ہو گیا ہے کہ زید تین طلاق کا قائل ہے اور عمر دو کا پھر غصہ رفع ہونے کے بعد زید بے حد نادم ہے اور اب یہ کہتا ہے کہ مطابق حدیث ذیل کے اپنی بیوی مطلقہ سے رجعت کرتے ہیں۔ مسند امام احمد کی روایت ہے. عن ابن عباسؓ قال ركانة بن عبد يزيد اخوبنی المطلب طلق امرأته ثلثاً فی مجلس واحد فحزن حزنا شديداً قال فسئاله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقها ثلثا فقال فی مجلس واحد قال نعم قال فانما تلك واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها. زادالمعاد صفحہ ۲۱۶ ج۲۔

آیا زید مطابق اس حدیث کے رجعت کرسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں کرسکتا تو اس حدیث کا کیا جواب ہو گا۔

(الجواب) جب کہ خود شوہر یعنی زید تین طلاق کا قائل اور مقرر ہے تو اس کی زوجہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئی

اوروہ شوہر پر حرام ہو گئی۔ اب زید اس سے رجعت یا نکاح بدوں حلالہ کے نہیں کر سکتا۔

قال الله تبارك و تعالىٰ فان طلقها فلا تحل من بعد حتى تنكح زوجاً غيره الاية وقال الامام النووى فى شرح مسلم وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعى و مالك و ابوحنيفه و احمدؒ وجماهير العلماء من السلف و الخلف يقع الثلث الخ و احتج الجمهور بقوله تعالى ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امراً ط قالوا معناه ان المطلق قد يحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلو كانت الثلاث لم تقع لم يقع طلاقه هذا الا رجعياً فلا يندم. واحتجوا بحديث ركانة انه طلق امراة البتة فقال له النبى صلى الله عليه وسلم ما اردت الا واحدة قال والله ما اردت الا واحدة فهذا دليل على انه لواراد الثلاث لوقعن والا فلم يكن لتحليفه معنى واما الرواية التى رواها المخالفون ان ركانة طلق ثلثاً فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين وانما الصحيح منها ما قدمناه انه طلقها البتة محتمل للواحدة و للثلاث ولعل صاحب هذه الرواية الضعيفة اعتقد ان لفظ البتة يقتضى الثلاث فرواه بالمعنى الذى فهمه وغلط فى ذلك الخ.

معلوم ہوا کہ رکانہ کی صحیح اور معتبر روایت میں طلاق ثلاث کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں لفظ البتہ مذکور ہے جس میں دونوں احتمال ہیں یعنی واحدہ کا اور ثلاثہ کا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے استفسار فرمایا ماردت الاواحدة جس کا جواب وہ حلفیہ دیتے ہیں والله ماردت الاواحدة جس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ رکانہ نے اپنی زوجہ کو طلاق بلفظ البتہ دی تھی جس میں دونوں احتمال ہیں یعنی واحدہ اور ثلاثہ کا اور ان کی مراد اور ارادہ لفظ مذکور سے طلاق واحدہ کا تھا جیسا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے استفسار پر بحلف عرض کیا والله ماردت الا واحدة اور جس روایت میں ثلاث کا لفظ ہے وہ روایت بالمعنی ہے راوی نے غلطی سے یہ سمجھا کہ لفظ البتہ محتمل طلاق ثلاث کو بھی ہے اس لئے رکانہ نے طلاق ثلاثہ مراد لی ہے اور نیز اس روایت کی تضعیف کی گئی ہے اس لئے کہ اس کے رواۃ مجہولین ہیں جیسا کہ نووی میں مصرح ہے۔

قال الشامى و ذهب جمهور الصحابة و التابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلث قال فى الفتح بعد سوق الاحاديث الدالة عليه وهذا يعارض ما تقدم واما افضاء عمر الثلث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له و علمه بانها كانت واحدة فلا يمكن الاوقد اطلعوافى الزمان المتأخر على وجودنا سخ او لعلهم بانتهاء الحكم لذلك بانا طته بمعان علموا انتفاء ها فى الزمن المتاخر الیٰ ان قال وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلث ولم يظهر لهم مخالف فما ذا بعد الحق الاالضلال وعن هذا قلنا لو حكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه لانه لا يسوغ الاجتهاد فيه فهو خلاف لا اختلاف الخ اور تقلید سے رجوع کرنا باطل ہے اور غیر مقلد ہونے سے بھی حلالہ ساقط نہیں ہو سکتا اور بدون حلالہ شوہر اول مطلقہ ثلاثہ سے نکاح دوبارہ نہیں کر سکتا در مختار میں ہے۔ وان الحكم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقليد بعد العمل باطل اتفاقاً وهو المختار فى المذهب الخ. والله

تعالٰی اعلم کتبہ مسعود احمد

جواب صحیح ہے اور اس غرض کے لئے غیر مقلد ہونے سے بجائے حلالہ ساقط ہونے کے ایک دوسرا گناہ عظیم سر ہو جائے گا جس سے ذہاب ایمان ہونے کا اندیشہ ہے۔ کما قال الجوز جانی فی رجل ترك مذهب ابی حنیفة لنكاح امرأة من اهل الحديث فقال اخاف عليه ان يذهب ايمانه وقت النزع لانه استخف بمذهبه الذی هو حق عنده وتركه لاجل جيفة نتنة انتهٰی شامی كتاب التقرير صفحه ۳۰۷ جلد۳. محمد شفیع غفرله

ایک ہی مجلس میں بیک وقت تین طلاق دینے کا حکم

(سوال ۵۸۱) زید حنفی المذہب نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک مجلس میں بحالت غیظ و غضب و مرض میں بیک زبان تین طلاقیں دیدیں پھر پچھتایا اور نادم ہوا کہ گھر ویران اور بال بچے دربدر ہو جائیں گے اشد ضرورت میں مفتی اہل حدیث سے فتویٰ طلب کیا چنانچہ مفتی مذکور نے اس کو فتویٰ دیا کہ ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے زید نے رجوع کر لیا اس پر بعض ایسے علماء نے جن کی یہ رائے نہ تھی مفتی اہل حدیث پر انقطاع تعلقات کا فتویٰ دیا اور عوام میں اس امر کو مشہور کیا کہ یہ کافر ہے آیا یہ فتویٰ صحیح ہے اور اس مسئلہ کی بناء پر اہلحدیث قابل مقاطعہ اور اخراج از مسجد ہے یا نہیں نیز آیا حضرات ائمہ متقدمین ائمہ ہدیٰ میں سے بھی کوئی اس کا قائل تھا یا نہیں۔؟

(الجواب) انقطاع کا فتویٰ دینا صحیح ہے اور تکفیر کرنی صحیح نہیں اور جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ ایک مجلس میں اور ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں اور بعض اہل الظاہر کا خلاف ہے جو معتبر نہیں ہیں اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ نووی شرح صحیح مسلم میں ہے وقد اختلف العلماء فی من قال لامراته انت طالق ثلثا فقال الشافعی و مالك و ابو حنيفة و احمد جماهير العلماء من السلف و الخلف يقع الثلاث وقال طاؤس و بعض اهل الظاهر لا يقع بذلك الاواحدة الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جمہور فقہا اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک تین طلاق ہو گئیں اور شامی میں ان کے خلاف کو ضلال سے اور خلاف سے تعبیر فرمایا ہے۔

وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحاً بايقاع الثلث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الاالضلال الى ان قال فهو خلاف لا اختلاف الخ.

مجھ پر سات طلاقیں کہنے کا حکم!

(سوال ۵۸۲) ایک شخص کی زوجہ گھر میں لڑائی جھگڑا کر رہی تھی اس شخص کے باپ نے کہا کہ اگر تم میرے لڑکے ہوتے تو اپنی زوجہ کو گھر سے نکال دیتے اسکے جواب میں وہ کہتا ہے کہ مجھ پر سات طلاقیں نہ عورت کا نام لیا اور نہ اس کے باپ دادا کا تو طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔ اس پر ایک مجیب نے بوجہ نہ ہونے اضافت کے اور حالت غضب کے عدم وقوع طلاق کا جواب لکھا تھا احقر کا جواب حسب ذیل ہے۔؟

(الجواب) اقول و بالله التوفيق۔ صورت سوال اور قرائن سے صاف ظاہر ہے کہ شوہر نے بحالت غضب اپنی بیوی کو طلاق دی ہے کیونکہ گھر میں عورت یعنی طلاق دینے والے کی زوجہ لڑائی جھگڑا کر رہی تھی اس پر عورت کے خسر نے اپنے لڑکے کو کہا کہ اگر تم میرے لڑکے ہوتے تو اپنی عورت کو گھر سے نکال دیتے اس کے جواب میں لڑکا کہتا ہے سات طلاقیں۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو سات طلاقیں دی ہیں اگرچہ اضافت صریحہ یہاں نہیں ہے اور نہ عورت سامنے موجود ہے وقوع طلاق کے لئے ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ شامی میں بحر سے منقول ہے لو قال امرأة طالق اوقال طلقت امراء ة ثلثاً وقال لم اعن امرأ تی یصدق اه و يفهم منه انه لولم يقل ذلك تطلق امرأ ته لان العادة ان من له امرء ة انما يحلف بطلاقها لا بطلاق غيرها فقوله انى حلفت بالطلاق ينصرف اليها مالم يرد غيرها الخ وفى الدر المختار ومن الالفاظ المستعملة الطلاق يلزمنى و الحرام يلزمنى وعلى الطلاق و على الحرام فيقع بلانية للعرف الخ۔

اور جو شخص طلاق دیتا ہے وہ غصہ ہی میں دیتا ہے خوشی اور رضامندی کی حالت میں نوبت طلاق کی نہیں آتی پس حالت غضب میں عند الحنفیہ بلا تامل طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ شامی میں ہے۔ ويقع طلاق من غضب خلافاً لا بن القيم الخ پس جواب مجیب کا صحیح نہیں ہے اور شخص مذکورہ کی زوجہ پر تین طلاق واقع ہو گئی اب بدون حلالہ کے وہ دوبارہ مطلقہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا۔ كما قال الله تعالى فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره الاية والله تعالى اعلم

ایک طلاق کے بعد تین طلاق کا جھوٹا اقرار کر لینا

(سوال ۵۸۳) زید نے غصہ میں اپنی زوجہ کو یہ کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہوں بعد کو میں نے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے آیا ہوں بلکہ تین طلاق پھر میرے بہنوئی کے سامنے بھی انہوں نے یہی اقرار کیا اس بارے میں کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) اس پر مولوی افتخار علی صاحب نے حکم وقوع تین طلاق کا لکھا تھا جس پر مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

جواب صحیح ہے تین طلاقیں ہو گئیں کیونکہ اگر واقع میں اس سے پہلے تین طلاقیں دے چکا ہے جس کو اب بیان کرتا ہے تب تو تین طلاقوں کا وقوع ظاہری ہے اور اگر فی الواقع پہلے تین طلاقیں نہ دی تھیں اور اب تین طلاقوں کا جھوٹا اقرار کرتا ہے تب بھی تین طلاقیں ہو گئیں کیونکہ جھوٹے اقرار سے بھی طلاق پڑ جاتی ہے تو اس صورت میں ایک طلاق تو پہلے ہی پڑ چکی تھیں باقی دو طلاقیں اس جھوٹے اقرار سے پڑ گئیں۔

قال الشامى ولو اقربا لطلاق كاذباً اوهازلاً وقع قضاءً لا ديانة خانيه وقال بعد ذلك بورق ثم نقل عن البزازية و القنية لوارادبه الخبر عن الماضى كذباً لا يقع ديانة.

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قضاء تین طلاقیں صورت مذکورہ میں پڑ گئیں البتہ اگر یہ شخص اس کا

دعوی کرتا ہے کہ میں نے جھوٹا اقرار تین طلاق کا کیا تھا تو دیانتا تین طلاقیں نہ پڑتیں مگر وہ خود اس کا اب تک مدعی نہیں ہوا جس سے معلوم ہوا کہ اس کی نیت اخبار کاذب کی نہ تھی اس لئے دیانتا بھی تینوں پڑ گئیں اور بہر حال جب معاملہ عدالت یا پنچائت میں پہنچے گا تو عمل قضاء کے احکام پر ہوگا اور تین ہی طلاقیں مانی جائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تین طلاق کی ایک خاص صورت

(سوال ۵۸٤) کسی نے غصہ کی حالت میں اپنی بی بی کو اس طرح طلاق دی۔ ایک طلاق دو طلاق بائن طلاق دیا۔ اس صورت میں کتنی طلاق واقع ہوں گی اور یہ جو اس نے کہا بائن طلاق یہ پہلی دو طلاقوں کی صفت بن سکتا ہے یا کہ تین ہی طلاق واقع ہوں گی۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں اگر طلاق دینے والا یہ کہے کہ تیسرے لفظ (بائن طلاق) سے میری نیت جداگانہ تیسری طلاق دینے کی نہیں تھی بلکہ پہلی طلاق کی صفت بیان کرنا تھا تو دیانتاً اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے لیکن اگر معاملہ حکومت یا پنچایت میں پہنچا تو حاکم اور سرپنچ کو اس کی تصدیق کرنے کا حق نہیں بلکہ حاکم و سرپنچ اس کو تین طلاق قرار دے کر حرمت مغلظہ کا حکم کریں گے۔

لمافی العالمگیریة رجل قال لامرأ ته انت طالق انت طالق انت طالق فقال عینت بالا ولی الطلاق وبالثانیة و الثالثة افهامها صدق دیانتاً وفی القضاء طلقت ثلثاً کذافی فتاوی قاضی خاں انتهی عالمگیری صفحه ۳۳۳ ج ۱ ب ۲ . والله سبحانه و تعالی اعلم

طلاق مغلظہ اور حلالہ کی بحث

(سوال ۵۸۵) ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں اور اس کی عورت نے عدت پوری کر کے یہ کہا کہ میں اس مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہوں نکاح پہلے مرد سے کر دیا گیا کیا وہ نکاح بلا حلالہ کے درست ہے اور کتاب زیور زیب النساء میں لکھا ہے کہ حلالہ کرنا مکروہ ہے۔ تحریر فرمائیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں بغیر حلالہ کے نکاح صحیح نہیں ہو سکتا اور جو کیا گیا ہے وہ باطل ہے۔ شرعاً اس کا کچھ اعتبار نہیں حلالہ کی صورت کو اگر عقد نکاح میں بطور شرط کے لگایا جائے تو وہ مکروہ ہے لیکن باوجود کراہت کے نکاح خاوند اول کے لئے حلال ہو جائے گی اور غیر مکروہ صورت یہ ہے کہ عقد نکاح میں یہ شرط نہ لگائے کہ تم مجھ سے نکاح کر کے طلاق دے دینا بلکہ نکاح مطلق کیا جائے پھر اگر وہ مرد بعد صحبت کے طلاق دیدے تو اس کی عدت گزارنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کی صورت یہ ہے کہ عورت بوقت عقد نکاح یوں کہے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار ہر وقت مجھ کو رہے گا جب میں چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں گی اور پھر مرد اسی شرط کے ساتھ نکاح کو بوقت عقد قبول کرلے تو عورت کے قبضہ میں رہے گا کہ شوہر ثانی سے نکاح اور صحبت کے بعد اپنے اوپر طلاق واقع کرے اور اس کی عدت گزار کر پہلے خاوند سے نکاح کرے یہ صورت مکروہ بھی نہیں ہے اور اختیار بھی عورت کے قبضہ میں رہے گا۔

ذکرہ الشامی فی فصل التحلیل من الطلاق. واللہ اعلم۔

تنبیہ ۔۔۔ یاد رہے کہ یہ شرط عورت کی طرف سے پیش ہو اور مرد اس شرط کے ساتھ نکاح کو قبول کرے تب ہی اختیار رہے گا اور اگر مرد کی جانب سے یہ شرط پیش ہو گی تو عورت کو اختیار طلاق نہ رہے گا۔ (ذکرہ الشامی وغیرہ) واللہ تعالیٰ اعلم

طلاق مغلظہ کے بعد حلالہ کی شرطیں

(سوال ۵۸٦) زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی بعد انقطاع عدت زوجہ نے ایک دوسرے شخص سے ایک ہفتہ کے لئے نکاح کر لیا یہ عورت نکاح ثانی کے بعد اپنے میکہ میں رہنے لگی چوتھے روز یہ عورت اپنی بھابھی اور زوج اول کے ساتھ دس یا گیارہ بجے شب کو زوج ثانی کے مکان پر گئی اور باہر سے زوج ثانی کو ایک ٹکڑا پان کا دے کر چلی آئی مکان میں نہیں گئی جس وقت پان دیا زوج اول اور عورت کی بھابھی موجود تھی پھر تینوں واپس آئے پھر اس کے بعد عورت اور زوج ثانی میں ملاقات نہیں ہوئی اس میں اتفاق ہے پانچویں روز زوج ثانی سے طلاق لی گئی اور زوج اول نے اس سے نکاح کر لیا اب عورت یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ہم سے زوج ثانی نے وطی کی ساتھ ساتھ عورت یہ بھی کہتی ہے کہ میرے ساتھ زوج ثانی کے مکان پر کوئی نہیں گیا اور خلوت صحیحہ متحقق ہو گئی زوج ثانی دعویٰ اول کا منکر ہے کہ میں نے وطی نہیں کی اور دعویٰ ثانیہ کی منکر اس کی بھابھی ہے اور زوج اول اس کی بھابھی کی تغلیط کر دیا ہے تو کیا یہ عورت زوج اول کے لئے حلال ہوئی یا نہیں اور تینوں میں سے کس کے قول کا اعتبار ہے۔ ؟بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب

(الجواب) یہ عورت زوج اول کے لئے حلال نہیں ہوئی بچند وجوہ اول تو یہ کہ سوال سے معلوم ہوا کہ زوج ثانی سے یہ نکاح صرف ایک ہفتہ کے لئے کیا گیا اگر ایک ہفتہ کی قید بوقت نکاح کی گئی تھی تو یہ نکاح موقت ہو گیا اور تمام فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ نکاح متعہ و موقت باطل ہے اور زوج اول کے لئے حلال ہونا اس پر موقوف ہے کہ نکاح صحیح کے ساتھ وطی ہو۔ کمافی الدر المختار بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف الخ.

دوم اس لئے کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد ہی قبل انقضاء عدت زوج اول نے نکاح کر لیا اگر واقعہ ایسا ہی ہوا ہے تو اس لئے بھی حلال نہ ہوئی کہ معتدہ غیر ہے سوم وہ جزو ہے جو مختلف فیہ ہے یعنی وطی ہونا اس بارے میں زوجہ کا قول معتبر ہے حلف لے کر اس سے پوچھا جاوے اگر وطی کا دعویٰ کرے تو زوج اول کے لئے حلال ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

قال فی الدر المختار قال الزوج الثانی کان النکاح فاسداً ولم ادخل و کذبته فالقول لها قال الشامی کذافی البحر و عبارة البزازیة ادعت ان الثانی جامعها وانکر الجماع حلت للاول وعلی القلب لا اه درمختار صفحه ۷٤٦ جلد ۲. باب الرجعة اه. والله سبحانه و تعالٰی اعلم (اضافه)

حلالہ بدون صحبت زوج ثانی کسی کے نزدیک صحیح نہیں

(سوال ۵۸۷) قاضی کے پاس ایک نے آکر بیان دیا کہ میں نے غصہ کی حالت میں اپنی زوجہ کو تین طلاق کہہ دیا اور عدت بھی گزر گئی اب میں اس سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہوں وہ بھی میری نکاح میں آنا چاہتی ہے۔

قاضی نے اس شخص کے ہمراہ جاکر دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح کراکے بغیر وطی کے طلاق دلا کر اسی وقت شوہر اول سے نکاح کردیا اور اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا یہ فتویٰ صحیح ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) جو الفاظ تین طلاق کے لئے استعمال کئے گئے تھے اگر ان میں اضافت طلاق کی عورت کی طرف تھی یا اس کو خطاب کر کے طلاق دینے کی نیت سے بالفاظ مذکورہ کہے گئے ہیں تو طلاق مغلظہ ہو گئی اور قاضی صاحب کا یہ فتویٰ بالکل غلط اور ناجائز ہے خلاصۃ الفتاویٰ اور شامی میں ایسے فتوے دینے والے پر لعنة اللّٰه والملائکه والناس اجمعین لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ فتوے تمام امت محمدیہ کے خلاف ہے اور یہ جو قاضی صاحب نے عذر پیش کیا ہے کہ امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دیا جائے یہ بھی محض غلط ہے کیونکہ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ جب تک زوج ثانی وطی نہ کرے اور طلاق دے کر عدت نہ گزر جائے نکاح زوج اول کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا بلکہ امام مالکؒ کے مذہب میں تو اور بھی بعض شرطیں زائد ہیں غرض امام اعظم ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکیؒ اور احمد بن حنبل اور تمام امت محمدیہ کے ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ صرف نکاح پڑھ دینا زوج اول کے لئے حلال نہیں کرتا وطی ہونا شرط ہے حضرت سعید بن مسیبؒ کا جو قول نقل کیا ہے اس کے متعلق بھی شامی میں ہے کہ انہوں نے بھی اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے لہذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اس میں کوئی عذر شرعاً مسموع نہیں زنا سے بچنے اور بچہ کی تربیت کے لئے دوسری تدبیریں کی جائیں یہ نکاح تو جب ہی صحیح ہو گا جب حسب قاعدہ شرعیہ ہو۔

قال الشامی ثم اعلم ان اشتراط الدخول ثابت بالا جماع فلا یکفی مجرد العقد قال القهستانی وفی الکشف وغیرہ من کتب الاصول ان العلماء غیر سعید بن المسبؒ اتفقو ا علی اشتراط الدخول وفی الزاهدی انه ثابت باجماع الامة وفی المنیة ان سعیداً رجع عنه الی قول الجمهور فمن عمل به یسود وجهه و یبعد ومن افتی به یعزر الی قوله وذکر فی الخلاصة عنه اوعن الصدر الشهید ان من افتی به فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین فانه مخالف الاجماع ولا ینفذ قضاء القاضی به انتهی . کذافی الشامی باب الرجعة صفحه ۵۵۲ جلد ۲

شوہر ثانی وطی نہ کرے تو حلالہ نہیں ہوتا

(سوال ۵۸۸) زید نے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی اور اس کو اپنے ہی مکان میں جبریہ رکھا اور زید نے ایک آدمی سے حلالہ کے لئے اس کو آمادہ کیا اس آدمی نے نہ تو جماع کیا اور نہ طلاق دی تقریبا ایک سال بعد زید نے دوسرے آدمی سے معاہدہ کر کے حلالہ کے لئے نکاح کرایا اور اس عورت اور مرد کو اپنے ہی مکان میں رکھا اور بعد وطی اس نے طلاق دیدی اب وہ عورت اپنے ماں باپ بھائی کے گھر چلی گئی مہینہ کے بعد وہاں سے آئی تو زید نے اس سے نکاح کر لیا آیا حلالہ درست ہوا یا نہیں اور نکاح خواں کو اول سے آخر تک سب حال معلوم تھا اس کی امامت جائز ہے یا نہیں وکیل اور گواہ اور قاضی نکاح خواں کے نکاح میں تو کچھ خلل نہیں آیا وہ امام مجمع میں توبہ کر رہا ہے کہ مجھ

سے خطاہوئی۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ مندرجہ خط سے معلوم ہواکہ پہلی مرتبہ جس شخص کو حلالہ کے لئے آمادہ کیا تھا اس نے نہ جماع کیا اور نہ طلاق دی پھر دوسرا خط مرسلہ حافظ محمود حسن صاحب کاآیا جس سے معلوم ہواکہ اس نے جماع تو نہ کیا تھا مگر طلاق دیدی اب اگر دوسرے خط کا مضمون صحیح ہے تو دوبارہ جس شخص سے حلالہ کے لئے آمادہ کیاہے اس سے نکاح بعد انقضائے عدت کے صحیح ہو گیا اور جب اس نے بعد نکاح اور جماع کے اس کو طلاق دیدی تو اس کی عدت گزر جانے کے بعد خاوند اول یعنی زید کیلئے نکاح درست ہو گیا۔ بقوله تعالى حتى تنكح زوجا غیرہ اور جب یہ نکاح درست ہے تو نکاح پڑھنے والے اور گواہان نکاح پر کوئی الزام نہیں البتہ پہلے اور دوسرے شخص سے جو نکاح بشرط حلالہ کیاہے یہ نکاح کرنا ناجائز اور باعث لعنت ہے اس نکاح کا پڑھنا اور گواہی دینا بھی گناہ ہے۔ درمختار میں ہے وكره التزوج للثانى لحديث لعن الله المحلل و المحلل له شامى صفحه ۵۵۵ جلد ۲.

الغرض نکاح بشرط حلالہ کرنا اور کرانا سخت گناہ اور باعث لعنت ہے لیکن اگر کر لیا جائے تو باوجود گناہ گار ہونے کے پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی۔ كمافى الدر المختار وان حلت للاول لصحة النكاح و بطلان الشرط اور جس شخص نے نکاح بشرط حلالہ پڑھا ہے وہ گناہ گار ہے اگر توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہے۔ ۱۰ صفر ۱۳۵۰ھ

باب العدة و الرجعة
(عدت گزارنے اور رجوع کرنے کابیان)

کافر عورت مسلمان ہو جائے تو عدت کے بعد نکاح ہو سکتا ہے

(سوال ۵۸۹) ایک عورت کافرہ جس کو اس کے خاوند نے عرصہ دو سال سے اپنے گھر سے نکال دیا تھا اب مشرف باسلام ہو گئی ہے اس کا نکاح ایک مسلمان سے کرنا چاہتے ہیں ایسی صورت میں اس کو عدت گزارنی پڑے گی یا بغیر عدت اسکا نکاح کر دیا جائے۔

(الجواب) جب تک مسلمان ہونے کے بعد تین حیض نہ گزر جائیں جائز نہیں۔

كمافى الدر المختار ولو اسلم احدهما اى احد المجوسيين اوامرأة الكتابى ثمه اى فى دارالحرب و ملحق بها علم الملح لم تبن حتى تحيض ثلاثاً او تمضى ثلاثه اشهر قبل اسلام واقامة لشرط الفرقة مقام السبب وليست بعدة. ۱۳ صفر ۱۳۵۰ هجری

طلاق رجعی میں عدت کے اندر تجدید نکاح کی ضرورت نہیں

(سوال ۵۹۰) عرصہ چار پانچ سال کا ہوا احمد علی شاہ نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی تھی اور عدت کے اندر رجوع کر لیا تھا عورت کے بھائی عدت کے اندر ہی عورت کو اپنے گھر لے گئے اور بوجہ جہالت احمد علی شاہ کے پاس

نہ پہنچایا ایک سال بعد اور جگہ نکاح کر دیا اب وہ عورت اس خاوند کے گھر آباد نہیں ہوتی بلکہ احمد علی شاہ کے یہاں آباد ہونا چاہتی ہے کیا احمد علی شاہ بغیر کسی جدید نکاح کے اس عورت کو اپنے گھر آباد کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر واقع میں احمد علی شاہ صاحب نے عدت کے اندر رجعت کر لی تھی خواہ بذریعہ قول یا فعل تو ان کی عورت ان کے نکاح سے خارج نہیں ہوئی اور اس کا دوسرا نکاح جو اس کے بھائیوں نے کرلیا ہے صحیح نہیں ہوا احمد علی شاہ صاحب اس کو حسب سابق اپنے گھر بلا تجدید نکاح آباد کر سکتا ہے۔

مدت دراز تک زوجین میں علیحدگی سے عدت ساقط نہیں ہوتی

(سوال ۵۹۱) ایک مسماۃ کے شوہر نے عرصہ سات سال سے اپنی منکوحہ سے تعلق نہ رکھتے ہوئے بذریعہ تحریر طلاق دیدی آیا عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں اور یہ تحریر شوہر کی عرصہ دو سال سے آئی ہوئی تھی ایام عدت کس وقت سے شمار ہوں گے۔؟

(الجواب) عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سات سال سے پہلے زوجین میں تعلقات زن و شوہر قائم تھے یعنی بعد نکاح جماع یا خلوت وغیرہ ہو چکی ہے لہذا بعد وقوع طلاق کے عدت طلاق گزارنا ضروری ہے طلاق سے پہلے سات سال کی علیحدگی عدت کو ساقط نہ کرے گی اور وقوع طلاق اس وقت سے شمار ہوگا جس وقت اقرار نامہ طلاق لکھا گیا اسی وقت سے ایام عدت شمار کئے جائیں گے عدت طلاق تین حیض ہیں اور جس کو حیض نہ آتا ہو اس کے لئے تین ماہ ہیں۔ کذافی عامة کتب الفقه.

عدت میں نکاح کی صریح گفتگو بھی حرام ہے

(سوال ۵۹۲) زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دیا مطلقہ ابھی عدت میں تھی کہ عمر کے چچازاد بھائی نے کہا کہ ہم ہندہ کے والدین سے کہہ آتے ہیں کہ ہندہ معتدہ نے کہا ہے کہ ہمارا نکاح ہو گیا اس کے بعد ہندہ اپنے والدین کے یہاں چلی گئی عدت کے بعد جب ہندہ کا نکاح ایک دوسرے شخص سے ہونا قرار پایا تو عمر نے بوجہ رکوانے نکاح کے یہ خبر مشہور کی کہ ہمارا نکاح ہو گیا ہے قوم کے سردار نے ثبوت نکاح کا عمر سے طلب کیا وہ ثبوت نہیں دے سکا عمر کی زوجہ ثانیہ نے جب عمر سے دریافت کیا تو اس نے بحلف انکار کیا کہ میں نے ہندہ سے نکاح نہیں کیا پس جو شخص مسلمان کی آبروریزی کے لئے ایسی جھوٹی خبر مشہور کرے وہ کس گناہ کا مرتکب اور سزا کا مستحق ہے اگر ایسے شخص کو خارج ازبرادری کیا جائے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو قرائن سوال میں درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقع میں نکاح عمر سے کیا ہی نہیں گیا لیکن بالفرض اگر نکاح پڑھا بھی گیا ہو اور یہ بھی فرض کرلیں کہ ہندہ نے اجازت بھی دیدی تھی تب بھی شرعاً کسی طرح یہ صحیح و نافذ نہیں ہو سکتا کیونکہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر خود بھی اس نکاح کے متعلق ان ایام کے اندر ہونے کا مدعی ہے جو ایام عدت ہیں اور عدت میں نکاح کیا نکاح کی بات چیت بھی بنص قرآن حرام ہے اس لئے جو نکاح بعد انقضائے عدت والدین نے کیا ہے وہی شرعاً صحیح ہے عمر کے ساتھ حالت عدت میں اگر نکاح بالفرض

ہوا بھی تو صحیح نہیں اور عمر اپنے اس دعوے اور ہندہ اور اس کے والدین کی آبروریزی کرنے کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوا۔ حدیث میں ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده یعنی مسلمان تو وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور بھائی مسلمان کی آبروریزی کرنا کامل درجہ کا فسق و گناہ ہے۔
صرح به في الاحاديث الكثيرة.

خلوت و صحبت سے پہلے طلاق میں عدت نہیں

(سوال ۵۹۳) ایک عورت کا نکاح ایک شخص کے ساتھ ہوا تھا نکاح کے بعد نہ عورت مرد کے یہاں گئی اور نہ مرد عورت کے یہاں آیا کئی سال بعد خاوند نے اس عورت کو طلاق دے دی یہ عورت عدت گزارنے کے بعد نکاح ثانی کرے گی یا اس پر بالکل عدت نہیں ؟
(الجواب) اس عورت کے ذمہ عدت نہیں طلاق کے فوراً بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔
كما هو منصوص القرآن المجيد۔ (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

نابالغہ کے ساتھ خلوت ہو جانے سے عدت واجب ہے

(سوال ۵۹٤) ایک نابالغہ کا نکاح ہوا اور تین چار سال تک آباد رہ کر پھر چھ سات سال غیر آباد رہی اور اب بالغ ہے غیر آباد ہونے کی حالت میں اس کو شوہر نے طلاق دیدی کیا اس پر عدت ہے۔ ؟
(الجواب) اس صورت میں اس عورت پر عدت طلاق تین حیض[1] گزارنے واجب ہیں۔ اس کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ قال في رد المحتار و تجب العدة بخلوته اى الصبى وان كانت فاسدة لان تصريحهم بوجودها بالخلوة الفاسدة شامل لخلوة الصبى كذافى البحر من باب العدة انتهى قلت و خلوة الصغيرة اللتى لا تجامع ايضافاسدة كما صرح فى الدر المختار و فيها العدة. واللہ تعالیٰ اعلم

طویل عرصہ کے بعد طلاق کا اقرار کیا تو عدت کب سے شمار ہو گی

(سوال ۵۹۵) زید کہتا ہے کہ میرے اور زوجہ کے درمیان کچھ تنازع ہو گیا جس پر زوجہ ناراض ہو کر بغیر میری اجازت اپنے والدین کے مکان پر چلی گئی اور وہیں رہنے لگی اور اس جدائی کو عرصہ تقریباً چار سال ہوئے اس مدت مدید میں کئی مرتبہ زوجہ کو بلا کر بھیجا جس کا جواب انکار تھا اور میں بھی گیا مگر عورت میری یہاں آنے پر راضی نہیں ہوئی تو اس پر میں ناامید ہو کر زوجہ کے روبرو طلاق ثلاثہ زبان سے کہہ دیا اس وقت زوجہ کی والدہ اور اس کی حقیقی بہن کے سوا کوئی موجود نہیں تھا اور طلاق کو چھ مہینے گزر گئے تو میں نے قاضی صاحب کے یہاں زوجہ مذکور کی

---

[1] سوال میں یہ لکھا ہے کہ حالت نابالغی میں نکاح ہوا اور یہ نہیں لکھا کہ تین چار سال تک جو اس زمانے میں بالغ تھی یا نابالغ ؟ اور شوہر کے ساتھ خلوت ہوئی تھی یا نہیں ؟ جواب اس تقدیر پر لکھا گیا ہے جب کہ شوہر کے ساتھ خلوت ہوئی ہو اور جس وقت طلاق دی ہو اس وقت وہ بالغ ہو چکی ہو اور حیض آ رہا ہو۔ ۱۲ محمد عاشق الٰہی

اخیافی بہن سے شادی کرنے کی درخواست کی قاضی صاحب نے طلاق کے ثبوت کے لئے گواہ طلب کیا اس کے جواب میں میں نے قاضی صاحب کے روبرو مذکورہ بالا واقعات قسمیہ بیان کئے جس پر قاضی صاحب نے حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھ کر میرے ماہ اپریل کے واقعہ طلاق کو جس کو چھ ماہ ہوئے ہیں تصدیق کرتے ہوئے میرے نکاح کا حکم صادر فرمایا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی الدر المختار لو اقر بطلاقها منذ زمان ماض فان الفتوٰی انها من وقت الاقرار مطلقاً نفیاً لتهمة المواضعة انتهى. قال الشامی ای سواء صدقته ام کذبته ام قالت لاادری کما یدل علیه السیاق قال فی البحر وظاهر کلام محمدؒ فی المبسوط و عبارة الکنز اعتباره من وقت الطلاق. الا ان المتاخرین اختار وا وجوبها من وقت الاقرار حتی لا یحل له التزوج باختها واربع سواها زجراً له حیث کتم طلاقها انتهى (قلت ورده العلامة ابن الهمام فی الفتح بان قول المتاخرین مخالف للائمة الاربعة، ثم قال الشامی ووفق الغدی بحمل کلام محمدؒ علی فی کلامهما ظاهر فلا یفید انتهى (شامی باب العدة صفحه ٦٢٦ ج ٢)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ زید نے جو قاضی کے سامنے اقرار طلاق کیا تو یہ اقرار اسی وقت سے نافذ سمجھا جائے گا جس وقت طلاق دینے کو زید نے کہا ہے یعنی ماہ اپریل سے (کیونکہ ماہ اپریل سے شوہر اور بیوی ہندہ علیحدہ علیحدہ ہیں) اب اپریل سے ستمبر تک چھ مہینے ہوئے اس مدت میں یہ تحقیق کی جائے کہ زید کی سابقہ بیوی ہندہ کو تین حیض آچکے ہیں یا نہیں اگر آچکے ہیں تو عدت ختم ہو گئی اب اس کی بہن سے نکاح جائز و صحیح ہوا ورنہ صحیح نہیں ہوا اور اگر ہندہ حاملہ ہے تو عدت وضع حمل ہے وضع حمل سے پہلے عدت ختم نہ ہو گی اور اگر کسی وجہ سے اس کو حیض بالکل آتا ہی نہیں تو تین ماہ اس کی عدت قرار دی جائے گی جو کہ صورت مذکورہ میں گزر چکی ہے۔

الغرض اس نکاح کی صحت و عدم صحت اس بات پر موقوف ہے کہ ہندہ کی عدت چھ ماہ میں بذریعہ حیض یا وضع حمل گزر گئی یا نہیں گزر گئی ہے تو نکاح صحیح ورنہ باطل ہے قاضی صاحب نے جو گواہ طلب کئے اس کی حاجت ہی نہ تھی بلکہ خود زید کا اقرار اس معاملہ میں کافی تھا۔ تحقیق طلب صرف وہی امر ہے جو ذکر کیا گیا کہ تین حیض اس مدت میں آچکے یا نہیں۔ واللہ اعلم

عدت وقت طلاق سے شروع ہوتی ہے

(سوال ٥٩٦) ایک عورت شادی شدہ اس کے خاوند نے دوسری عورت کر لی ہے پہلی عورت کو شرع کی رو سے زبانی تین طلاق اپنے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے روبرو دے چکا اور کوئی کاغذ وغیرہ نہیں کیا اور جب دوسری جگہ نکاح کرتا ہے تو تحریری طلاق نامہ پیش کرتا ہے جس کو چھ ماہ ہو گئے ہیں آیا اب عورت کو عدت طلاق جب سے کرنی چاہئے جب سے تحریر پیش ہوئی یا جب سے کہ زبانی طلاق دی مطلع فرمائیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں اس شخص کی زوجہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں کیونکہ زبانی طلاق دینے سے طلاق واقع

ہو جاتی ہے بعد چھ مہینے کے جو تحریری طلاق نامہ شوہر نے ثبوت اور اطمینان کے لئے لکھا ہے اس وقت سے عدت گزارنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جب عورت کو اب سے چھ ماہ پیشتر زبانی تین طلاق دے چکا ہے تو اس عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے ہوں گے لہذا عدت ختم ہو گئی۔ اب عدت لازم نہیں۔ واللہ اعلم

طلاق ثلث کی عدت میں شوہر نے جماع کر لیا تو عدت کب سے شمار ہو گی

(سوال ۵۹۷) زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی اور اپنے ایک دوست سے اس کی اطلاع کر دی مگر طلاق کا نام سن کر اس کے والدین اس پر بہت ناراض ہوئے اور کہا کہ طلاق لٹادو پھر زید کو خود بھی افسوس ہوا چنانچہ مغالطہ سا پڑ گیا اور فتوی لیا گیا اس میں دو مرتبہ طلاق کا بیان دیا گیا پھر رجوع ہو گیا اور بیوی کو رکھ لیا مگر پھر بیوی اپنی پہلی شرارتوں سے باز نہ آئی تو ہار کر اس کو میکہ بھیج دیا مگر پھر رفتہ رفتہ اصلی طلاق سب کو ظاہر ہو گئی کہ تین طلاق دی گئی ہیں۔

اس وقت زید کی بیوی کو اس کے میکہ میں بھی اطلاع دیدی گئی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ مطلقہ اصلی طلاق ہونے کے بعد بظاہر رجوع ہونے کی صورت میں زید کے پاس ۲۰ یوم رہی تو عدت کی حد اول طلاق کے وقت سے شمار کی جائے گی یا عورت کے میکے بھیجنے کے وقت سے اسی طرح اس کے نان و نفقہ کا حساب بھی میکہ میں اطلاع دینے کے وقت سے ہو گا یا طلاق کے وقت سے۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) قال فی عدة البحر وفی والوالجیة رجل طلق امرأته ثلاثاً فلما اعتدت بحیضتین اکرهها علی الجماع فان جامعها منکراً طلاقها تستقبل العدة وان کان مقراً بطلاقها لکن جامعها علی وجه الزنا لا تستقبل و کذا من طلق امراته ثم أقام معها زمانا علی التفصیل اه. (بحر الرائق صفحه ۱۵٦ ج ٤) وفیه قبل ذلك ولو کان الواطی فی العدة و المطلق هو فلا نفقة لها بعد عدة الطلاق کذافی المجتبی اه (صفحه ۱۵٦ ج ۱)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ جب شوہر نے تین طلاق کا اقرار نہ کرتے ہوئے اپنی زوجہ مطلقہ کو زوجیت میں رکھا تو عورت پر دوسری عدت بھی لازم ہو جائیگی جس کی ابتداء وقت تفریق (یعنی میکہ بھیجنے کے وقت) سے ہو گی لیکن نفقہ صرف پہلی عدت کے ختم ہونے تک واجب ہو گا پس صورت سوال میں طلاق کی تاریخ کے بعد سے جب مطلقہ کو تین حیض پورے آچکیں اس کے بعد نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں لیکن مطلقہ کو دوسری جگہ نکاح وغیرہ کا اختیار اس وقت تک نہ ہو گا جب تک دوسری عدت ختم نہ ہو جائے اور یہ دوسری عدت اس روز سے شمار ہو گی جس روز اس کو میکہ بھیجا گیا یعنی اس کے بعد جب تین حیض آچکیں اس وقت عدت سے فارغ سمجھی جاویگی۔
واللہ اعلم۔ دیوبند ۸ صفر ۱۳٦۴ ہجری (اضافہ)

باب ثبوت النسب
(ثبوت النسب کابیان)

نکاح سے سات ماہ بعد جو بچہ پیدا ہو وہ خاوند ہی کا ہے

(سوال ۵۹۸) زید نے ہندہ سے نکاح کیا بعد ساڑھے سات ماہ کے ہندہ کے لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں نے زید پر طعنہ زنی شروع کی اور کہنے لگے کہ یہ بچہ زید کے نطفہ سے نہیں ہے کیونکہ ہم عرف میں اکثر دیکھتے ہیں کہ نو مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہوتا ہے آیا لوگوں کا کہنا درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) شرعاً ادنیٰ مدت حمل چھ ماہ ہے اور بعد نکاح چھ ماہ کے جو بچہ پیدا ہوا وہ شرعاً خاوند ہی کا بچہ ہے اس پر بلاوجہ بدظنی کرنا اور تہمت رکھنا سخت گناہ ہے۔ بالخصوص سات آٹھ ماہ کے بعد تو بچہ کا پیدا ہو جانا اور زندہ رہنا بکثرت محقق ہے اس پر طعنہ زنی کرنا سخت گناہ ہے اگر دارالاسلام ہوتا تو طعنہ زنی کرنے والوں پر حد جاری کی جاتی لیکن ہندوستان میں بحالت موجودہ حدود جاری نہیں ہو سکتیں۔ بہر حال یہ بچہ شرعاً زید ہی کا ہے اور ثابت النسب ہے محض اس وجہ سے کہ ساڑھے سات ماہ میں پیدا ہوا ہے بدظنی کرنا ہرگز جائز نہیں۔

قال الله تعالٰی الذین یرمون المحصنٰت الغافلات المومنات الآیۃ. واللہ اعلم بالصواب

والد کی وفات کے بعد بعض اولاد کو غیر ثابت النسب قرار دینا

(سوال ۵۹۹) زید کے دو فرزند عمر و بکر مختلف البطن تھے ہندہ کے بطن سے عمر اور حمیدہ کے بطن سے بکر۔ زید ہر دو فرزندان مذکورین کی تعلیم و تربیت وجملہ ضروریات زندگی کا کفیل تھا اور جس طرح کہ اولاد کا حق شرعی والد کے ذمہ ہے ادا کرتا رہا عمر فوت ہو گیا بکر موجود ہے۔ اب فرزندان عمر بکر کے نسب کی نفی کرتے ہیں اور اپنے اس دعوے کے ثبوت پر زید کی ایک تحریر بطور دلیل پیش کرتے ہیں جس میں زید کا بکر کے اپنے فرزند ہونے سے انکار کرنا مرقوم ہے، حالانکہ برادران زید وغیر ہم اس امر کے شاہد موجود ہیں کہ بکر زید کا فرزند حقیقی صلبی ہے زید نے بکر کو اپنا فرزند صلبی ہونے کا اقرار کیا اور مثل فرزند کے پرورش کرتا رہا پس ایسی صورت میں جب کہ زید نے بکر کو اپنا فرزند حقیقی صلبی ہونا تسلیم کیا اور اقرار و اعتراف کیا ہو زید کے فوت ہونے کے بعد بکر کو میراث پدری سے محروم کرنے کی غرض سے بکر کے نفی نسب کی تحریر زید کی طرف منسوب کر کے جو پیش کی گئی ہے اگر وہ تحریر فی الحقیقت زید کی ثابت ہو جائے تو کیا مجرد اس تحریر سے بکر کے فرزند زید ہونے کی نفی مقبول و معتبر قرار دی جاکر بکر کو اس کے والد زید کی ملک و معاش سے محروم کر دیا جاوے گا کیا اقرار بالنسب کے بعد نفی سے نسب منتفی ہو جائے گا زید کا اپنی زبان سے بکر کو اپنے فرزند ہونے کا اقرار کرنا دو گواہوں سے ثابت ہونا ثبوت اقرار بالنسب کے لئے کافی ہے یا تحریر ہونا ضروری ہے۔؟

(الجواب) اگر حمیدہ کا نکاح زید کے ساتھ شہادت شرعیہ سے ثابت ہے تو خواہ زید بکر کے نسب کا اپنے ساتھ اقرار کرے یا نہ کرے اور اقرار پر گواہ ہوں یا نہ ہوں بہر حال بکر کا نسب زید سے ثابت ہوگا بلکہ اگر زید خود موجود

ہو کر بھی بکر کے نسب کی زبانی نفی کرے تو اب یہ نفی ہر گز معتبر نہیں کیونکہ نسب کی نفی بغیر لعان کے نہیں ہو سکتی اور زید نے بوقت ولادت لعان نہیں کیا اور اب لعان کا اختیار نہیں رہا الغرض اب بکر کے نسب کی نفی ہر گز نہیں ہو سکتی اگرچہ زید خود زبانی بھی نفی کرے۔ بالخصوص جب کہ وہ نفی بھی زبانی نہیں بلکہ محض تحریر ہے جو شرعاً حجت نہیں اور دلیل احکام مذکورہ کی عبارات ذیل ہیں جن پر نمبر ترتیب وار احکام مذکورہ کے لکھ دیئے گئے ہیں۔

(۱) فی الباب الخامس من طلاق العالمگیریة قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاولی النکاح الصحیح وما هو فی معناه من النکاح الفاسد و الحکم فیه انه یثبت النسب من غیر دعوة ولا ینتفی بمجرد النفی و انما ینتفی باللعان فان کانا ممن لا لعان بینهما لا ینتفی نسب الولد عالمگیری مصری کلاں صفحه ۴۷۸ جلد اول (۲) وفی الدر المختار باب القضاء عن الاشباه لا یعمل بالخط واقره الشامی واتی علیه ببحث نفیس و بعض الفاظه فیه قال البیری المراد من قوله لا یعتمد علی الخط ای لا یقضی القاضی بذلك عند المنازعة لان الخط مما یزور و یفتعل کمافی مختصر الظهیریة (شامی صفحه ۳۸۸ ج ۴) اوضح منه ما ذکره الشامی فی تنقیح الفتاوی.

حاصل یہ ہے کہ اگر حمیدہ کا نکاح شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو پھر زید کا انکار نسب شرعاً ہر گز معتبر نہیں اور شہادت نکاح کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مجلس نکاح کے عینی گواہ موجود ہوں بلکہ نکاح اور نسب وغیرہ میں محض شہادت تسامع ہی کافی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرد کو دیکھے کہ کسی عورت کے پاس آتا جاتا ہے اور لوگوں سے سنے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے تو محض اتنی بات سے نکاح کی شہادت دے سکتا ہے اور وہ شہادت قبول ہو سکتی ہے۔

کمافی الباب الثانی من شهادة العالمگیریة الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وهی النکاح والنسب و الموت والقضاء کذافی محیط السرخسی فاذا سمع الرجل من الناس انه فلان من فلان اوراٰی رجلاً یدخل علی امرأة و سمع من الناس انه زوج فلانة و زوجة فلان (الی قوله) و معه ان یشهد وان لم یعاین الولادة علی فراشه او عقد النکاح (عالمگیری مصری صفحه ۳۶۱ ج ۳) اور صورت مذکورہ میں جب کہ نسب کا اقرار اور اس کے گواہ بھی موجود ہیں تو اگر نکاح پر شہادت بالتسامع بھی موجود نہ ہو جب بھی نسب بکر کا زید سے ثابت ہو جائے گا اور بکر اس کا وارث ہو گا۔ کمافی الباب السابع عشر من اقرار العالمگیریة اذا اقربا لابن مثلاً فالابن المقرله یرث مع سائر ورثة المقروان انکر سائر الورثة نسبه الخ.

خلاصہ فتویٰ یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں بلا شبہ بکر کا نسب زید سے ثابت اور وہ اس کا وارث شرعی مثل دوسری اولاد کے ہے۔ نفی نسب کی تحریر شرعاً محض بیکار ولغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بچے کے نسب کا انکار

(سوال ۶۰۰) ناکح کے نکاح کے انعقاد کے قریب اس کی منکوحہ زانی کے ساتھ مفرور ہو گئی جس کی تلاش

میں ناکح نے بہت حرج اور خرچ کیا دو تین سال تلاش کرتا رہا آخر نہ ملی نہ کوئی خبر لگی عاجز ہو کر عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ حالت یہ ہے کہ جو مذکور ہوا ہے۔ اب عدالت میں یہ استغاثہ ہے کہ اگر منکوحہ واپس آجائے اور اس کے پاس اولاد اس کی جنی ہوئی ہو تو یہ اولاد اس کی سفاح اور حرام اور زناء سے ہے اور اس کی اولاد ہر گز میری نہیں ہے اے صاحب عدالت تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم ہے اگر میری منکوحہ اولاد لے کر آئے تو میری نہیں اس کی ہے جو زناء سے ہوئی اگر میری زندگی میں آگئی تو میں لعان کروں گا لعان کرنے کے لئے تیار ہوں اگر میری وفات کے بعد آئے تو اس کی اولاد کو میری اولاد کے ساتھ جو گھر میں ہے شریک جائیداد نہ بنایا جاوے۔ الغرض مرنے تک یہ کہتا رہا اور نفی کرتا رہا کہ اولاد منکوحہ مفرورہ زانیہ کی میری نہیں آخر وہ مر گیا بعد مرگ اس کے اس کی منکوحہ اولاد زنا کی لیکر آگئی وہ تو گھات میں تھی آتے ہی عدالت میں دعویٰ کر دیا کہ میری اولاد زنا سے ہے لیکن جب اس کا نکاح تھا اور اس کے نکاح میں پیدا ہوئی ہے اس میری اولاد کو میرے ناکح کی اولاد سے شریک جائیداد بنایا جائے اور حصہ رسدی حقیقت اراضی وغیرہ دلوائی جائے اس کے جواب میں ایک عالم لکھتے ہیں کہ ہاں یہ اولاد زانیہ کی (ولو من زنا) اس کے ناکح کی اولاد ہے برابر حصہ کی شریک ہے کیونکہ در مختار شامی میں صاف لکھا ہے کہ اعتبار عورت کا ہے۔ ثبوت نسب میں نہ کہ مرد کا اور ایک جزئیہ نکح مشرقی بمغربية فاولادها منه کا پیش کرتے ہیں دوسرے صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں تو فرمایئے شرع کا حکم برحق ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ تصور ایسا ہے کہ اس میں منجانب ناکح کے سکوت اور تسلیم ہے اور مانحن فیه میں تو منجانب ناکح کے انکار کی دھاڑ دھاڑ اور نفی کا واویلا گنبد بریں تک پہنچ رہا ہے اور جو صورتیں فقہ میں ایسی ہیں کہ شرع شریف ناکح کی تکذیب فرماتی ہے اور اولاد کی نسبت اس سے کرتی ہے یہ صورت ان میں داخل نہیں۔ کمالا یخفی علی ارباب هذا ا لفن۔ پس مفصل جواب مزین بدستخط شریف بحوالہ کتاب مرحمت فرمایا جاوے۔

شرح وقایہ کے باب عصبات میں اور در مختار کے کتاب الفرائض میں عدد عصبات کو بالغاً مابلغ ثم عم الجد ثم بنوه پہنچاتے ہیں پھر آگے اوپر نہیں لکھتے کہ عم اب الجد عم جد الجد عم جد الجد عم جد الجد عصبہ ہیں یا عصبہ نہیں۔ ذوی الارحام کو ارث میں ان پر مقدم کیا جائے یا مثل عصبات مندرجہ کے یہ بھی عصبات ہیں ارث لیں گے اور نکاح صغائر کر دیں گے۔ فتاویٰ امدادیہ میں لکھتے ہیں وہ بھی جواب اطمینان بخش نہیں السکوت فی معرض البیان یہاں اب اس صورت میں ارث کس کو ملنی چاہیئے۔

میـ ــــــــــــــــــ مسمی بخش

ابن ابن ابن الا بن عم جد الجد بنت عم الاب

رجبیہ متن ابیات وسرحش شنشوری وحاشیہ آل باجوری میں جو شافعی المذہب ہیں صاف کھلا درج ہے کہ مذکورات سب عصبہ ہیں اور بعد ذوی الفرائض محرز جمع الاموال ہیں کیا اب شافعی مذہب پر عمل کیا جائے جب ہمارے مذہب حنفیہ میں تشریح ووضاحت کاملہ نہیں اور مخفی ہے۔ در مختار شرح وقایہ میں بارہ رجوع الی مذہب الشافعی

کے لکھتے ہیں۔ وقواعد لاتا باه وقواعد تقتضيه وان كان والاحتياط فى ما قال الشافعى ہر دونوں کا جواب واضح اطمینان بخش مرحمت ہونا چاہئے۔؟

(الجواب) قال في البدائع من اللعان واذا كان وجوب نفيه (يعنى النسب) احد حكمى اللعان فلا يجب قبل وجوده و على هذا قلنا ان القذف اذا لم ينعقد موجباً للعان او سقط بعد الوجوب (الى قوله) لا ينقطع نسب الولد وكذا اذا نفى ولد حرة فصد قته لا ينقطع نسبه فتعذر اللعان لما فيه التناقض (الى قوله) واذا تعذر اللعان تعذر قطع النسب لا نه حكمه و يكون انهما لا يصدقان على نفيه لان النسب قد ثبت و النسب الثابت بالنكاح لا ينقطعُ الا باللعان ولم يوجد ولا يعتبر تصادقهما على النفى لان النسب يثبت حقاً للولدوفى تصادقهما على النفى ابطال حق الولد وهذا لا يجوز انتهى ثم قال ثم لوجود قطع النسب شرائطُ منها التفريق لان النكاح قبل التفريق قائم فلا يجب النفى و منها يكون القذف بالنفى بحضرة الولادة او بعدها بيوم او بيومين او نحو ذلك (بدائع باب اللعان صفحه ٢٤٦ ج ٣) وفى الدر المختار شرط فى اجراء اللعان كون الدار دار الاسلا وقال الشامى اخرج دار الحرب لا نقطاع الولاية (شامى صفحه ٨٠٦ ج٢) ثم قال فى الدر المختار و الشامى واما شروط النفى (يعنى نفى الولد) فستة الاول التفريق الثانى ان يكون عند الولادة او بعدها بيوم او يومين شامى صفحه ٨١١ ج ٢ ثم قال فى الدر المختار كما لالعان بنفى الحمل لعدم تيقنه عند القذف ولو تيقناه بولا دتها لا قل المدة يعتبر كانه قال ان كنت حاملا فكذا والقذف لا يصح تعليقه بالشرط (شامى صفحه ٨١٣ ج ٢)

عبارات مذکورہ سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں اول لعان دارالحرب میں نہیں ہو سکتا (دوم) جس جگہ لعان نہ ہو سکے وہاں منکوحہ حرہ کی اولاد کا نسب منقطع نہیں کیا جاسکتا (سوم) جس جگہ لعان ہو وہاں بھی نفی نسب کے لئے مجملہ چھ شرطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زوجین میں تفریق قطع نسب سے پہلے ہو جاوے (چہارم) اور دوسری شرط یہ بھی ہے کہ حمل کے نسب کی نفی قبل الولادت نہ ہو اور نہ تعلیق اس طرح ہو کہ اگر حمل ہوگا تو زنا کا ہوگا۔

صورت مسئولہ میں ظاہر ہے کہ بوجہ دارالحرب کے لعان نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہوا اور نہ قبل از موت زوجین میں تفریق بذریعہ لعان ہوئی اور نفی نسب کا دعوی جو ناکح نے کیا تھا وہ بھی قبل از ولادت تھا بلکہ بصورت تعلیق اس لئے معلوم ہوا کہ بوجہ فقدان شرائط انقطاع نسب کے باوجود اس شخص کے اعلان کر دینے اور کہتے رہنے کے اس عورت کی اولاد کا نسب جو اس شخص کے نکاح کے زمانہ میں پیدا ہوئی تھی از روئے قانون شرعی اسی شخص سے ثابت ہوگا اور وہ اس کے وارث ہوں گے البتہ فی الواقع عورت جانتی ہے یا اولاد کو معلوم ہے کہ ہم اس شخص کی اولاد نہیں ہیں تو ان کے لئے اس کا دعوی کرنا حرام ہے کہ ہم اس کی اولاد ہیں اور مطالبہ میراث بھی حرام ہوگا لیکن اگر وہ مطالبہ کریں اور دعوی کریں تو اولیاء شخص مذکور کو انکار کرنے کا حق نہیں۔

قال عليه السلام حين نزلت اية الملا عنة ايما امرأ ة او خلت على قوم من ليس منهم

فلیست من اللّٰہ فی شیٔ ولن یدخلھا اللہ الجنۃ الحدیث رواہ ابو داؤد و النسائی وفی الصحیحین عنہ علیہ السلام من ادعی اباً فی الاسلام غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام کذافی الفتح (من الشامی صفحہ ٨١٤ ج ٢)

(۲) درمختار کی عبارت مندرجہ سوال کے تحت میں شامی نے تصریح کردی ہے کہ عم الجد تک حصر نہیں بلکہ سلسلہ بالغاً ما بلغ عم اب الجد او عم جد الجد وغیرہ و عبارتہ ثم جزء جد اراد بالجد ما یشمل ابا لاب ومن فوقہ بدلیل قولہ الآتی وان علا (شامی صفحہ ٥٣٨ ج ٥)

لہٰذا صورت مسئولہ میں---

ابن ابن ابن ابن عم جدالجد کو میراث ملے گی۔ بنت عم الاب محروم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خاوند کی وفات کے چار سال بعد عورت کا یہ دعویٰ کہ بچہ خاوند کا ہے!

(سوال ۲۰۱) ایک عورت ہے جس نے ظاہر کیا کہ میرے پیٹ میں بچہ ہے جو خشک ہوگیا ہے بعد گزارنے تین چار سال کے وہ خشک بیاں کردہ بچہ صحیح وسلامت تندرست پیدا ہوا ہے کیا اس کے اعتراف کا کہ بچہ خشک ہوگیا ہے عندالشرع کوئی دلیل ہے فقہاء کرام تو اقل مدت حمل چھ ماہ اور اکثر دو سال بیان کرتے ہیں اور حدیث شریف میں اسی عرصہ کا ذکر ہے کہ لا یبقی الولد فی بطن امہ اکثر من سنتین اور امام صاحبؒ کا مسلک بھی یہی ہے مگر امام شافعی کے نزدیک چار سال اور امام مالکؒ کے نزدیک سات سال تک کا ذکر نیز ہوا ہے، مگر ساتھ ہی اس دو سال سے زائد مدت کے لئے باطل کا لفظ بھی ہدایہ میں ذکر ہوا ہے لہٰذا آپ صاحب از راہ کرم اس بچہ خشک ہوئے اور چار سال شکم میں رہنے کے بعد تندرست ہونے کے متعلق جواب سے بحوالہ کتاب مشکور فرمائیں کیونکہ یہاں ایک حادثہ درپیش ہے جو عورت کے خلاف ناجائز تعلقات کا الزام ہے اور عورت بچہ کو خاوند متوفی سے ہونا بیان کرتی ہے اور خاوند کی وفات کو عرصہ چار سال کا گزر چکا ہے۔

(الجواب) اخرج الدار قطنی و البیھقی فی سننیھما عن عائشۃؓ انھا قالت لا تزید المرأ ۃ فی حملھا علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود الغزل وفی فتح القدیر اکثر مدۃ الحمل سنتان وعند الشافعیؒ و مالکؒ اربع سنین و عن اللیث ثلاث سنین و عن الزھری سبع سنین الی ان قال ولا یخفی ان قول عائشہ ممالا یعرف الا سماعاً وھو مقدم علی المحکی اہ (فتح صفحہ ۳۱۰ ج ۳)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ اگرچہ مدت حمل کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے لیکن امام اعظمؒ کا مذہب یہی ہے کہ دو سال سے زائد حمل نہیں ٹھہر سکتا اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث حنفیہ کی دلیل ہے اور اس کے خلاف جو واقعات وحکایات بیان کی جاتی ہیں ان سب کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حمل کا اس مدت اور اس وقت سے ہونا یقینی نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ پہلے محض خیال اور وہم یا ہوا یا پانی وغیرہ ہو جیسا کہ اس کے بھی بہت سے واقعات شاہد و مجرب ہیں۔ ذکرھا ابن الھمام و الشامی و غیرھم خلاصہ یہ کہ دو سال کے بعد عورت کے اس بیان کی شرعاً تصدیق نہیں کی جاسکتی وبہ صرح فی الھدایۃ حیث قال و یثبت نسب ولد المتوفی

عنها زوجها ما بين الوفات و بين السنتين هدايه فصل ثبوت النسب. البتہ چونکہ دوسرے ائمہ مجتہدین کے نزدیک مدت حمل چار سال یازائد بھی ہو سکتی ہے اس لئے محل شبہ کا ہے اور شبہ کی حالت میں عورت پر الزام زنا عائد کرنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل فی الشهادة فی الطلاق

(طلاق میں گواہی کا بیان)

طلاق کے بارے میں شاہدین کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں

(سوال ۶۰۲) طلاق کے بارے میں شاہدین کا عدل ہونا شرط ہے یا نہیں؟

(الجواب) طلاق کے واقع ہونے میں سرے سے شہادت ہی کی ضرورت نہیں اگر کوئی گواہ بھی نہ ہو تنہائی میں طلاق دیدے تب بھی طلاق پڑ جائے گی بخلاف نکاح کے کہ وہ بغیر شاہدین کے صحیح نہیں ہوتا۔ صرح به فی کتب الفقه و فی الخلاصه مثله البتہ اگر طلاق دینے کے معاملے میں باہمی زوجین کا خلاف ہو اور مقدمہ قاضی کے یہاں پہنچے تو اس وقت گواہوں کی ضرورت ہوگی اور اس میں گواہوں کا عادلین ہونا شرط ہے اور تمام وہ شرائط جو گواہوں کے لئے عام معاملات میں ضروری ہیں وہ یہاں بھی معتبر ہوں گی۔

فاسق کی گواہی طلاق میں معتبر ہے یا نہیں

(سوال ۶۰۳) طلاق کے بارے میں شاہدین کا عادل ہونا شرط ہے یا نہیں۔ (۲) طلاق کے بارے میں بے نمازی کی گواہی مقبول ہے یا نہیں؟

(الجواب) وقوع طلاق کے لئے شہادت شرط نہیں اگر کوئی بھی گواہ نہ ہو یا ہو۔ اور مقبول الشہادة نہ ہو بہر حال طلاق پڑ جائے گی البتہ عدالت یا پنچائت میں اگر مقدمہ پہنچا اور مرد نے طلاق کا انکار کیا تو حاکم یا سرپنچ بغیر شہادة مقبولہ شرعیہ کے وقوع طلاق کا حکم نہ دے گا اور اس صورت میں فاسق کی گواہی ایک شرط سے مقبول ہو سکتی ہے وہ یہ کہ فاسق صاحب مروۃ و وقار اور ذی وجاہت ہو اور اس کے متعلق یہ بات معلوم ہو کہ یہ بوجہ اپنی وجاہت کے جھوٹ نہیں بولتا سو اگر قاضی کو اس کے سچے ہونے کا گمان ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی گواہی قبول کرے. كذافي الدر المختار باب الشهادة . (۲) بے نمازی بھی فاسق ہے اس کی گواہی کا حکم نمبر امیں معلوم ہو چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقوع طلاق کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں

(سوال ۶۰۴) ایک شخص نے بروئے شریعت روبرو گواہان شرعی کے طلاق نہ دی ہو محض ایک مستورات کے کہنے پر دوسری جگہ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو شخص مولوی وغیرہ ایسا نکاح پڑھ دیوے تو

اس کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) مسئلہ مذکورہ میں اگر شوہر اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی ہے تو اس صورت میں ایک گواہ کی بھی ضرورت نہیں ہے اور اگر مرد یعنی شوہر اقرار نہیں کرتا تو اس صورت میں ایک عورت کی شہادت کفایت نہیں کرسکتی ہے ھدایہ میں ہے۔ **وماسوی ذالك من الحقوق فیھا شھادۃ رجلین او رجل و امرأتین سواء کان الحق مالا او غیر مال مثل النکاح و الطلاق والو کالۃ والوصیۃ ونحو ذلك**۔ اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ مذکورہ میں ایک عورت کی شہادت معتبر نہیں اور جس شخص نے ایسا نکاح پڑھایا ہے اگر اس کو یہ کیفیت معلوم ہے تو گناہ گار ہوگا ورنہ نہیں۔

طلاق میں شہادت بلادعوٰی کے بھی مقبول و مسموع ہے

(سوال ۶۰۵) عبدالمجید نے اپنی عورت کو لڑائی جھگڑے میں باوازبلند طلاق دی جس کو چند لوگوں نے سنا وہ سب لوگ خدا اور رسول کا درمیان دے کر بیان کرتے ہیں بیانات منسلک استفتاء ہیں آیا عورت پر طلاق پڑگئی یا نہیں۔؟

(الجواب) بیانات مذکورہ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں خاوند طلاق کا اقرار نہیں کرتا اور عورت بھی اس کی مدعی نہیں البتہ تینوں گواہوں کے بیان سے تین طلاق کا واقع ہونا ثابت ہے تو اگرچہ یہاں پر عورت مدعی طلاق نہیں لیکن شہادت مذکورہ شرعاً سنی جاسکتی ہیں اور ان کا اعتبار کیا جاسکتا ہے کیونکہ طلاق و نکاح کے بارے میں جو شہادات ہیں وہ شہادات حسبہ ہیں جن میں دعوے کی ضرورت نہیں۔ **کمافی الاشباہ و النظائر من الفن الثانی کتاب القضاء و الشھادات تقبل الشھادۃ حسبۃ بلا دعوٰی فی طلاق امرأۃ و عتق الامۃ والو قف اشباہ مصری صفحہ ۳۸۵ ج اول**۔

الغرض گواہان مذکورہ کی گواہی اگر حسب قواعد شرعیہ سنی جائے تو معتبر ہوسکتی ہے اور اس کی بناء پر طلاق ثلثہ صورت مسئولہ میں واقع ہوسکتی ہیں لیکن تحریری شہادت جس طرح کہ یہاں بھیجی گئی ہے یہ طریقہ شہادت سننے کا نہیں بلکہ صورت اس کی یہ ہے کہ یا تو کسی مسلمان حاکم کے سامنے شہادت گزاری جائے اور یا دیندار مسلمانوں کی پنچائت قائم کی جائے جس میں کوئی عالم معاملہ فہم بھی شامل ہو اور پھر پنچائت کے صدر کے سامنے گواہان مذکورہ سے باقاعدہ گواہی دلوائی جائے اگر یہ لوگ حسب قواعد شرعیہ قابل شہادت ہوں گے تو سرپنچ ان کی گواہی سن کر حکم طلاق دے سکتا ہے۔ واللہ اعلم

شوہر نے گھر کے اندر طلاق دی باہر سننے والے کی شہادت معتبر ہوگی یا نہیں

(سوال ۶۰۶) زید نے بوقت عشاء جب کہ اس کی عورت پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی پلنگ کے پاس جا کر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے یوں کہا تو طلاق تو طلاق تو طلاق، اس وقت تین عورتیں اندر موجود تھیں اور ایک مرد دروازے پر بیٹھا ہوا تھا بعد ازاں والدہ وغیرہ کو یہ بھی کہا کہ میں نے اس کو یعنی اپنی عورت کو طلاق دی ہے میرے پاس نہ آئے اور میرے سے بات نہ کرے اور دو تین برس قطع تعلق رہا اب چند روز سے زید اس کو اپنے پاس بلاتا ہے

اور اپنا کام کراتا ہے آیا زید کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) جب کہ زید نے اپنی زبان سے تین مرتبہ اپنی زوجہ کو طلاق دیدی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہو گئی اب زید بدون حلالہ کے دوبارہ اس کو اپنے نکاح میں نہیں بلا سکتا۔ کما قال الله تعالٰی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا وغیرہ لیکن اگر زید طلاق دینے سے منکر ہو اور عورت دعوی طلاق کرے تو محض عورتوں کی گواہی سے عدالت میں طلاق ثابت نہ ہوگی اور حاکم حکم طلاق کا نہ کرے گا اور جو شخص باہر دروازہ پر بیٹھا ہے اس کی گواہی بدون شرائط مخصوصہ معتبر نہ ہوگی۔ قال فی الهداية كتاب الشهادة ولو سمع من وراء الحجاب لا يجوز له ان يشهد الخ لان النغمة تشبه النغمة فلم يحصل العلم الا اذا كان دخل البيت وعلم انه ليس فيه احد سواه ثم جلس على الباب وليس فى البيت مسلك غيره فسمع اقرار الداخل ولا يراه له ان يشهد لانه حصل العلم فى هذه الصورة الخ والله سبحانه و تعالٰى اعلم.

طلاق مغلظہ کی گواہی میں تاخیر قابل رد نہیں

(سوال ۶۰۷) زید نے اپنی دونوں منکوحہ زینب اور کلثوم کو تقریباً دو برس پہلے ایک مرد اور تین عورتوں کی موجودگی میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ خطاب کر کے شمار کے ساتھ مطلقات ثلثہ کر دیا تھا اس کے بعد اور بھی لوگوں سے اظہار کیا تھا کہ میں نے اپنی ہر دو بیبیوں کو مطلقات ثلثہ کر دیا ہے اور جب اس کے چچا نے کہا کہ تمہاری بیبیاں ایسی ہی رہیں گی تو جواب دیا تھا کہ نہیں میں نے تو ہر ایک کو مطلقات ثلثہ کر دیا ہے جب بھی اگر میرے گھر میں رہیں گی تو اپنے والد سے زنا کریں گی یہ سارا واقعہ ایک کثیر التعداد لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا لیکن وہ شخص اپنی ان ہی مطلقہ ثلثہ دونوں عورتوں کو لیکر بغیر حلالہ اور نکاح کے زندگی بسر کر رہا ہے جب لوگ زید کے اس ارتکاب حرام پر مجبور ہو کر اسکی اصلاح کرنے کے لئے کوشش کو عمل میں لائے تو بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ چونکہ سات آٹھ دن کے اندر اندر گواہوں نے شہادت نہ دی لہذا وہ سب گواہ قابل اعتبار نہ رہے اور فاسق ہو گئے ہیں۔ اور زید کی بیبیاں مطلقات بھی نہیں ہوئیں اب سوال یہ ہے کہ واقعی سات یا آٹھ دن کے اندر اندر گواہی نہ دینے سے گواہ فاسق ہو جاتے ہیں اور قابل اعتبار نہیں رہتے واقعی زید کی بیبیاں مطلقات نہیں ہوئیں۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) قال فى الاشباه والنظائر من كتاب القضاء و الشهادة. مصرى صفحه ۳۹٤ ج ۱ شاهد الحسبة اذا اخر الشهادة بلا عذر يفسق ولا تقبل شهادته الخ و مثله فى الدر المختار و الشاميه من الشهادة ثم قال الشامى وفى الظهيرية اذا شهد اثنان على امراة ان زوجها طلقها ثلاثا او على عتق امة وقالا كان ذلك فى العام الماضى جازت شهادتهما و تاخير هما لا يوهن شهادتهما قيل و ينبغى ان يكون ذلك وهناً فى شهادتهما اذا علما انه يمسكها امساك الزوجات والا ماء انتهٰى (شامی كتاب الشهادة صفحه ۴۰۸ ج ٤) وفى البحر عن القنية اجاب المشائخ فى شهود شهدوا بالحرمة المغلظة بعد ما اخروا شهادتهم خمسة ايام من غير عذر انها لا تقبل ان كانو اعالمين بانهما يعيشان عيش الازواج ثم نقل عن العلاء الحمامى و الخطيب الانماطى وكمال الائمة البياعى شهد و ابعد

ستة اشهر باقرار الزوج المطلقات الثلاث لا تقبل اذا كانوا عالمين بعيشهم عيش الازواج و كثير من المشائخ اجابوا كذالك فى جنس هذا (بحر الرائق صفحه ٦٣ ج ٧) كتاب الشهادة ، وقال فى الدر المختار ويجراوانها بالطلب وحكماكما مرلكن وجوبه بشروط سبعة مبسوطة فى البحر وغيره منهما عدالة القاضى و قرب مكانه و علمه بقبوله او بكونه اسرع قبولا وطلب المدعى لوفى حق العبد الخ (ازشامى صفحه ٤٠٨ ج ٤).

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ شہادت جب واجب الادا ہو جائے تو پھر اس میں تاخیر کرنا موجب فسق ہے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے یا فوت شرط کی وجہ سے واجب ہی نہ ہو تو پھر تاخیر موجب فسق نہیں ہوتی صورت مندرجہ سوال میں شہود کے لئے عذر بھی ہیں اور فقدان شرائط بھی لہذا ان کی تاخیر موجب فسق ورد شہادت نہیں ہو سکتی۔بلکہ ان کی شہادت مقبول ہے عذر تو یہ ہے کہ اس موقعہ پر چونکہ طلقات ثلثہ کی عام شہرت ہو چکی تھی شہود کو اس پر اطمینان ہو سکتا ہے کہ اس عام شہرت کے بعد یہ میاں بیوی کی طرح اب نہ رہیں گے اس اطمینان کی وجہ سے انہوں نے فوراً شہادت دینا ضروری نہ سمجھا اور شرائط وجوب میں سے ایک بڑی شرط قاضی کا فقدان ہے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا قاضی نہیں جو حقوق اللہ کے متعلق شہادات حسبہ کو سنے اور فیصلہ کرے اس لئے صورت مذکورہ میں شہود مذکورین کے ذمہ ادائے شہادت واجب ہی نہیں تھا کہ ان کو تاخیر سے فاسق کہا جاوے۔بناءً علیہ شہود مذکورہ کی شہادت شرعاً مقبول ہے پھر اگر یہ شاہد عادل و ثقہ ہیں اور تمام شرائط مقبولیت شہادت کی ان میں موجود ہیں تو قضاءً بھی حرمت مغلظہ ثابت ہو گئی اور اگر بالفرض یہ شہادت کسی وجہ سے مردود بھی ہو جاوے تو یہ لازم نہیں آتا کہ حرمت مغلظہ نہ ہو بلکہ اگر فی الواقع اس شخص نے تین طلاقیں دی ہیں تو خواہ کوئی گواہ ہو یا نہ ہو ہر حال میں حرمت مغلظہ دیانۃً عند اللہ ثابت ہو جائے گی اور مرد و عورت دونوں پر فرض ہو گا کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اگر چہ فیصلہ قانونی میں حرمت کا ثبوت نہ ہو سکے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔کتبہ محمد شفیع غفرلہ،الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ

ایک واقعہ طلاق پر فتویٰ اور تحریری شہادات کا حکم

(سوال ٦٠٨) ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق بائنہ دی اور شہادت ناکافی ہے آیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

(الجواب) مسل مرسلہ دیکھی اور مسئلہ پر مکرر غور کیا اس معاملہ میں دو باتیں جدا جدا سمجھنا چاہئیں ایک فتویٰ جو سوال سائل پر مرتب ہوتا ہے دوسرے فیصلہ جو واقعات اور شہادت پر مبنی ہوتا ہے اگر واقعات مندرجہ سوال صحیح ہیں تو فتویٰ اب بھی وہی ہے جو پہلے دیوبند سے دیا جا چکا ہے صورت مرقومہ میں طلاق پڑ گئی لیکن فیصلہ جو واقعات و شہادات پر مبنی ہے وہ اس طرح غائبانہ نہیں ہو سکتا اور نہ تحریری شہادتوں کو دیکھ کر ہم کوئی شرعی فیصلہ صادر کر سکتے ہیں بلکہ فیصلہ وہی کر سکتے ہیں جن کو حکم مسلمہ فریقین قرار دیا گیا ہے اور جنہوں نے شہادتیں سنی ہیں مولانا محمد اعظم صاحب نے چونکہ شہادتیں خود سنی ہیں اور انہوں نے ناقابل اعتبار سمجھا ہے ان کو مزید معلومات گواہان کے متعلق پہنچی ہوں گی جس پر ناقابل اعتبار قرار دیا ہے ورنہ محمد عابد حسین صاحب اور شیخ محمد ابراہیم

صاحب اور بھورے خاں صاحب کے بیانات میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں ان سے طلاق کا ثبوت صاف ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ سب موقع کے گواہ ہوں اور جیسا کہ بیانات سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے انہوں نے الفاظ مندرجہ بیانات خود سنے ہوں محض دوسروں سے سنی سنائی باتیں نہ ہوں لیکن ہمارے اس کہنے سے معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا جب تک حکم مسلمہ فریقین جس نے شہادت سنی ہے وہی خود نظر ثانی کر کے اپنے فیصلہ میں ترمیم نہ کرے۔

اس صورت میں کہ حکم نے فیصلہ مسمات کے خلاف دیدیا ہے اور وہ قضاءً اپنے شوہر کی منکوحہ قرار دی گئی ہے اگر مسمات کا یہ بیان واقعی ہے کہ شوہر نامرد عنین ہے تو اس کے لئے فسخ نکاح کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اس کا ثبوت دے کہ وہ عنین ہے اور تفریق کی درخواست کرے تو حاکم اس شخص کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دے گا سال بھر میں اگر یہ تندرست ہو گیا اور ایک مرتبہ بھی جماع کر لیا تو بہتر ورنہ سال بھر کے بعد عورت دوبارہ اسی حاکم کے یہاں درخواست فسخ نکاح کی پیش کرے یہ حاکم اس وقت تفریق کا حکم دے تو شرعاً یہی حکم طلاق کا قائم مقام ہو جائے گا اور بعد عدت مسماۃ کو عقد ثانی کا حق ہو گا۔ کذافی الهدایه وغیرها.

کتاب الرضاع
(رضاعت کابیان)

رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں

(سوال ۶۰۹) نور بھری کی دولڑکیاں اللہ جوائی واللہ وسائی ہیں۔ نور بھری نے اپنے چچا کے لڑکے محمد امیر کو دودھ پلایا تھا۔ اب امیر نے اللہ جوائی کے ساتھ نکاح کیا ہے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز ہے کیونکہ اللہ جوائی عمر میں محمد امیر سے بڑی ہے اور بعض ناجائز کہتے ہیں کیونکہ رضاعی بہن ہے۔؟

(الجواب) صورت سوال سے معلوم ہوا کہ مسماۃ اللہ جوائی محمد امیر کی رضاعی بہن ہے اور رضاعی بہن سے نکاح حلال نہیں۔ لمافی الحدیث یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب رواہ البخاری و مسلم وقال فی الدر المختار ولاحل بین رضیعی امرأ ۃ الی قولہ ولا بین الرضیعۃ وولد مرضعتھا ای التی ارضعتھا قال فی الشامی تحت قولہ ولد مرضعتھا ای من النسب ثم قال و اطلقہ فافاد التحریم وان لم ترضع ولدھا النسبی. ثم قال و شمل ایضاً مالو ولدتہ قبل ارضاعھا للرضیعۃ اوبعدہ بسنین.

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ جوائی کے عمر میں محمد امیر سے بڑا ہونے کی وجہ سے حرمت رضاعت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رضاعی دادی سے نکاح حرام ہے

(سوال ۶۱۰) زید نے ہندہ کا دودھ پیا تو زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ سے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) ہندہ زید کے لڑکے کی رضاعی دادی ہے اور دادی سے نکاح حرام ہے رضاعی ہو یا نسبی۔ کما فی الدر المختار وغیرہ فیحرم منہ (بسببہ) مایحرم من النسب

رضاعی چچا سے نکاح نہیں ہو سکتا اور حرمت رضاعت کے لئے حلق میں دودھ ایک مرتبہ اترنا کافی ہے

(سوال ۶۱۱) عمر کی دو عورتیں ہیں بانو، حمیدہ سے ایک لڑکا ایک لڑکی ہے حمیدہ کی دختر کے ایک لڑکے نے اپنی سوتیلی نانی لیلیٰ بانو کا دودھ پیا ہے ایسی صورت میں حمیدہ کی دختر کا عقد کیا حمیدہ کے لڑکے کی دختر کے ساتھ جائز ہے رضاعی صورت سے لڑکا لڑکی کا چچا ہوتا ہے۔

(۲) بچہ دودھ پینے کی شریعت میں کوئی تعداد مقرر ہے ایک مرتبہ دو مرتبہ؟

(۳) اگر صورت اول میں عقد سہواً ہو گیا ہو تو شرعاً کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) غالباً سوال کشیدہ لفظ غلطی سے لکھا گیا ہے صحیح اس کی جگہ بانو ہے اگر واقع میں ایسا ہی ہے یعنی حمیدہ کا نواسہ جو بانو کا رضاعی بیٹا ہے اس کا اور بانو کی پوتی کا آپس میں نکاح مقصد ہے تو حکم شرعی یہ ہے کہ یہ نکاح جائز نہیں کیونکہ نسبی چچا سے نکاح حلال نہیں اور حدیث میں ہے کہ جو عورتیں نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی

حرام ہو جاتی ہیں لہذا رضاعی چچا سے بھی نکاح جائز نہیں۔ فانه ليس من المستثنيات المعروفة قال فی الدر المختار ولا حل بين الرضيعة وولد مرضعتها ای اللتی ارضعتها وولد ولدها لانه ولد الاخ. قلت كذلك بنت الاخ حيث لا فرق بين الذكر والانثى. (۲) کوئی مقدار محدود نہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ دودھ بچے کے حلق سے اتر جائے۔ كذافی عامة كتب الفقه (۳) اگر سہواً مردو عورت مذکورہ نمبر ا کا نکاح کر دیا گیا ہے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا فوراً دونوں میں تفریق کر دینی چاہئیے۔

دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی کی کل اولاد حرام ہے

(سوال ۶۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ سکینہ نے جب اس کی والدہ بیمار تھی شاکر کی والدہ کا دودھ پیا اور شاکر کو سکینہ کی والدہ کا دودھ ایک دن پلایا گیا اب سکینہ شاکر کے حقیقی بھائی رؤف پر حلال ہے یا نہیں اور جب کہ سکینہ ورؤف کی منکحت ہو چکی ہے اور ایک لڑکی بھی موجود ہے نکاح صحیح ہوا یا نہیں اور در صورت ناجائز ہونے نکاح کے لڑکی ثابت النسب ہوئی یا نہیں اور ولیمہ جو سکینہ کی حقیقی بہن ہے اور شاکر کی والدہ کا اس نے دودھ نہیں پیا بلکہ شاکر نے ولیمہ کی والدہ کا دودھ سکینہ کے ساتھ پیا ہے اب ولیمہ وشاکر کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔؟

(۲) کیا دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی کی کل اولادیں حرام ہوں گی یا جس کے پیا گیا ہو۔؟

سکینہ←--عائشہ--←ولیمہ ° شاکر←--خدیجہ----←رؤف۔ مفصل ارشاد فرمایا جاوے۔

(الجواب) قال فی الدر المختار ولاحل بين الرضيعة وولد مرضعتها قال الشامی ای من النسب (الى قوله) واطلقه فافادالتحريم وان لم ترضع ولدها النسبی (الى قوله) و شمل ايضاً ما لوولد ته قبل ارضاعها للرضيعة ولو بسنين.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی عورت کی کل اولاد حرام ہو جاتی ہے دودھ ایک کے ساتھ پیا ہو چند کے ساتھ یا کسی کے ساتھ بھی نہ پیا ہو بلکہ اگر نسبی اولاد نے اپنی والدہ کا دودھ بالکل بھی نہ پیا ہو تب بھی دودھ پینے والے پر یہ ساری اولاد حرام ہو جائے گی

اب حالت مندرجہ سوال صورت اولیٰ میں تو سکینہ رؤف کی رضاعی بہن ہو گئی کیونکہ رؤف سکینہ کی دودھ پلانے والی عورت کا حقیقی بیٹا ہے اور صورت ثانیہ میں شاکر ولیمہ کا رضاعی بھائی ہو گیا کیونکہ ولیمہ شاکر کی رضاعی ماں کی حقیقی بیٹی ہے اور معلوم ہو چکا کہ دودھ پلانے والی کی کل اولاد حقیقی دودھ پینے والے پر حرام ہو جاتی ہے اور خواہ اس کے ساتھ دودھ پیا ہو یا نہ پیا ہو لہذا سکینہ رؤف پر اور ولیمہ شاکر پر حرام ہے اور جو نکاح لا علمی سے ہوا وہ نکاح صحیح نہیں تھا اب علم ہونے کے بعد فوراً ایک دوسرے سے جدا ہونا ضروری ہے اور جو لڑکی پیدا ہوئی وہ ثابت النسب ہے۔

لمافی الدر المختار (وعده المنكوحه نكاحاً فاسداً) فلا عدة فی باطل وكذا موقوف قبل الاجازة (اختيار) لكن الصواب ثبوت العدة والنسب بحر و بمثله صرح الشامی عن الزيلعی ثم الحلوانی والبحر و غيرهم (شامی باب العدة صفحه ۸۳۶ جلد ۲) والله تعالى اعلم

رضاعی پھوپھی سے نکاح نہیں ہو سکتا

(سوال ۶۱۳) زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ (جو اس کی حقیقی چچازاد بہن ہے اور اس کی علاتی دادی کی رضیعہ بھی ہے) جائز ہے یا نہیں اور ہندہ اس رضاعت کی وجہ سے عمہ محترمہ ہوئی یا نہیں۔؟

(الجواب) جب کہ ہندہ نے زید کی دادی کا دودھ ایام رضاعت میں پیا ہے تو ہندہ اور زید کا باپ دونوں رضاعی بہن بھائی ہوئے اور ہندہ زید کی رضاعی پھوپھی ہوئی اور پھوپھی رضاعی سے مثل پھوپھی نسبی کے نکاح کرنا حرام ہے حدیث شریف میں ہے۔ **یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب** پس نکاح ہندہ کا زید کے ساتھ شرعاً حرام اور ناجائز ہے **واللّٰہ تعالٰی اعلم. کتبہ مسعود احمد عفا اللّٰہ عنہ الجواب صحیح محمد شفیع عفا اللہ عنہ**

مدت رضاعت کی تحقیق

(سوال ۶۱۴) مدت رضاعت کی کب تک ہے یعنی کس عمر تک دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہو گی کیا بعد اختتام مدت رضاعت کے یعنی جب کہ شاکر پر مدت رضاعت ختم ہو گئی ہے تب بھی اس نے سکینہ کی والدہ کا دودھ پیا ہو اور سکینہ نے جب کہ وہ دو ہی ماہ کی رہی ہو شاکر کی والدہ کا دودھ پیا ہو تو بھی کیا یہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہوں گے یا نہیں اور شاکر کے بھائی رؤف پر سکینہ حرام ہو گی یا نہیں۔؟

(الجواب) فتویٰ اس پر ہے کہ دو سال کے بعد بچہ کو دودھ نہ پلایا جائے لیکن اگر اڑھائی سال کے اندر پلایا گیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اڑھائی سال کے بعد پلانے سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہو گی۔

(۲) صورت مسئولہ میں اگرچہ شاکر کی جانب سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوئی مگر سکینہ کی جانب سے ہو گئی اور حرمت رضاعت جب کہ ایک جانب سے بھی ثابت ہو جائے تو باہم نکاح حرام ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں بھی شاکر اور سکینہ میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ **ودلیل المسئلة الاولی ما فی الدر المختار لکن فی الجوهرة انه (یعنی الرضاع) فی الحولین و نصف ولو بعد الفطام محرم و علیه الفتوٰی (از شامی صفحه ۶۶۱ ج۲) و دلیل المسئلة الثانیة مافی الدر المختار و لاحل بین الرضیعة وولد مرضعتها قال الشامی ای من النسب الخ (شامی باب الرضاع صفحه ۶۷۰ ج ۲)** واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

صرف مرضعہ کی شہادت سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی

(سوال ۶۱۵) زید نے اپنے لڑکے کا نکاح اپنی بہن کی لڑکی سے کر دیا شادی کے وقت لڑکے کی دادی اور دیگر اعزاء شادی میں شریک رہے شادی کے کچھ عرصہ بعد لڑکے سے اس کی دادی نے کسی بات پر خفا ہو کر یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے دودھ پلایا تھا اور اس کا تو نے کیا حق ادا کیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دادی کے ان الفاظ کے کہنے سے رضاعت ثابت ہوئی یا نہیں جب کہ شادی کے وقت بھی دادی موجود اور شادی میں شریک تھی اور کچھ نہیں کہا اس وقت بھی صرف دادی نے یہ کہا ہے گھر والوں میں سے اور کسی کو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

(الجواب) صورت مندرجہ سوال میں حرمت رضاعت باتفاق روایات ثابت نہیں ہوئی یہ زوجین بدستور اپنے

نکاح پر قائم ہیں اور رہ سکتے ہیں تنہا داوی کا قول اول تو خود ہی حجت نہیں پھر اس نے شادی سے پہلے اور شادی کے وقت تک باوجود شرکت اس کی اطلاع کسی کو نہیں دی اس سے اس کا قول خود بھی مجروح اور نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے البتہ تقویٰ اور احتیاط کے طور پر علیحدگی اختیار کر لیں تو افضل ہے اور دلائل عدم حرمت کے تصریحات فقہا سے حسب ذیل ہیں۔

اما عدم ثبوت الحرمة قضاءً بقول امرأة واحدة فظاهر لعدم نصاب الشهادة وقد صرحوافي المتون و الشروح ان حجة الرضاع حجة المال واما عدم ثبوت الحرمة ديانة فلما في مبسوط شمس الائمة من كتاب الاستحسان. وكذلك الرجل يشترى الجارية فيخبره عدل انه حرة الا بوين وانها اخته من الرضاعة فتنزه عن وطائها فهو افضل وان لم يفعل ويسعه ذلك و فرق بين هذين الفصلين و بين ما تقدم من الطعام و الشراب فاثبت الحرمة هناك بخبر الواحد العدل ولم يثبت ههنا لان حل الطعام و الشراب يثبت بالاذن بدون الملك (الى قوله) وحل الوطأ لا يثبت بدون الملك الى ان قال وقول الواحد فى ابطال الملك ليس بحجة فكذلك فى الحل الذى يبتنى عليه اه (مبسوط صفحه ۱۷۰ ج ۱۰)

وفى البحر الرائق تحت قوله و يثبت بما يثبت به المال لا ن ثبوت الحرمة لا يقبل الفصل عن زوال الملك فى باب النكاح و ابطال الملك لا يثبت الابشهادة رجلين بخلاف ماذا اشترى لحماً فاخبره واحد انه ذبيحة المجوسى حيث يحرم اكله لأ نه امر دينى حيث انفكت حرمة التناول عن زوال الملك كاالخمر المملوكة وجلد الميتة قبل الدباغ افاد انه لا يثبت بخبر الواحد رجلاً او امرأ ةً وهو باطلاقه يتناول الاخبار قبل العقد وبعده وبه صرح فى الكافى و النهاية وفيه بعد ذلك و الحاصل ان الرواية قد اختلفت فى اخبار الواحدة قبل النكاح وظاهرا لمتون انه لا يعمل به وكذا الاخبار برضاع طارٍ فليكن هو المعتمد فى المذاهب اه (بحر الرائق صفحه ۲۵۰ ج ۳)

و بمثله صرح فى رد المحتار حيث قال انه لا يثبت بخبر الواحد امرأ ة كان امر رجلا قبل العقد او بعده وبه صرح فى الكافى و النهاية (ثم قال بعد نقل اختلاف الرواية فيما قبل العقد) و مقتضاه انه بعد العقد لا يعتبر انفًا (ثم قال) قال فى البحر ان ظاهر المتون انه لا يعمل به مطلقا فليكن هو المعتمد فى المذهب قلت وهو ظاهر كلام كافى الحاكم الذى هو جمع كتب ظاهر الرواية اه (شامى صفحه ٥٦٨ ج ۲) قلت و حكم التنزه ايضاً فيها اخبره عدل و فى مسئلتنا هذه لما اخبرت الجدة الاخبار بالرضاع مع شركتها فى العقد و توابعه كانت مردودة الشهادة. والله تعالٰى اعلم

بندہ : محمد شفیع عفی عنہ دیوبند ۲۳-۵-۶۶ھ

جواب صحیح ہے اور صاحب بحر نے سوال وجواب کے طور پر یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خبر واحد سے جو غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے وہ یہاں کافی نہیں یہاں مدار ثبوت پر ہے غلبہ ظن پر نہیں ہے البتہ تنزہ اس سے افضل

ہے۔ واللہ اعلم۔ شبیر احمد عثمانی (اضافہ)

بعد انعقاد نکاح مرضعہ کی تنہا شہادت معتبر نہیں

(سوال ۶۱۶) ساجدہ، ماجدہ دو بہنیں ہیں ساجدہ کی لڑکی اور ماجدہ کا لڑکا ہے ساجدہ نے اسی لڑکی کا دودھ ماجدہ کے لڑکے کو پلایا پندرہ برس ہوتے ہیں کہ ان دونوں کا نکاح نابالغی میں ساجدہ ماجدہ نے کر دیا ماجدہ کا لڑکا اس زمانے تک ساجدہ کی لڑکی کے ساتھ رہا اور حقوق شوہری بھی ادا کرتا رہا ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی جو فوت ہو گئی اب جب کہ ماجدہ کا لڑکا جوان ہوا اور ساجدہ نے دودھ پلانے کا اقرار بھی کیا ساجدہ کی لڑکی ماجدہ کے لڑکے سے چھ ماہ بڑی ہے یہ نکاح ہوا یا نہیں نان نفقہ اس پر واجب ہے یا نہیں؟ نکاح کرنے والے گناہ گار ہیں یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مسئولہ میں ساجدہ کی لڑکی ماجدہ کے لڑکے کے لئے باعتبار رضاعت کے بہن ہو گئی اور رضاعی بہن بھائی کا نکاح ایسا ہی حرام ہے جیسے نسبی کا۔ **ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب** البتہ یہ سب اس وقت ہے کہ جب حجت شرعیہ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے دودھ پینا ثابت ہو جائے تنہا ساجدہ کے اقرار سے حرمت ثابت نہ ہو گی اور نکاح فسخ نہیں ہو گا۔

اور اگر حجت شرعیہ سے رضاعت ثابت ہو گئی تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا فوراً علیحدگی واجب ہے اور جن لوگوں نے باوجود علم واقعہ کے نکاح کیا وہ سخت گناہ گار ہیں اور جب نکاح ہی صحیح نہیں تو نان و نفقہ واجب نہیں بلکہ اس کو فوراً علیحدہ کر دینا واجب ہے۔

زوجہ کا دودھ پینا جائز نہیں

(سوال ۶۱۷) بوقت اختلاط جماع اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کے پستان چوسے یہ جانتے ہوئے کہ ان میں دودھ نہیں ہے تو شرعاً جائز ہے اگر جائز ہے تو نکاح قائم رہ سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جب کہ دودھ نہ ہونا یقینی ہو تو جائز ہے اور نکاح میں بہر حال کوئی خلل نہیں آتا البتہ اگر خاوند صغیر السن عمر رضاعت کے اندر ہو اور زوجہ کا دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ **قال فی الدر المختار مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (ارباب الرضاع) واللہ تعالٰی اعلم**

مسلمان بچہ کو کافرہ کا دودھ پلانا

(سوال ۶۱۸) ایک مسلمان کی بیوی فوت ہو گئی اس کی لڑکی دو ماہ کی ہے اس شخص نے وہ لڑکی برائے پرورش مس برال کو دے دی جو عیسائی مذہب رکھتی ہے وہ لڑکی بالغ ہو کر جو فعل بد کرے گی اس کا گناہ لڑکی کے ذمہ ہو گا یا اس کے باپ کے کیا وہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے۔

(الجواب) بچہ شیر خوار کو تربیت در ضاعت کے لئے بلا ضرورت کافر عورت کے سپرد کرنا مناسب نہیں لیکن جائز ہے اور یہ ضروری ہے کہ جب بچہ کچھ دین و مذہب کو سمجھنے لگے تو اس سے بچہ کو علیحدہ کر دیا جائے نیز اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس عورت کے پاس رہنے سے اس کے مزاج و طبیعت میں کفر کی محبت پیدا ہو جائیگی تب بھی اس عورت

سے علیحدہ کرنا ضروری ہے۔ لمافی الدر المختار و الحاضنة الذمیة ولو مجوسیة کمسلمة مالم یعقل دیناً الی قوله الا ان یخاف ان یالف الکفر فینز ع منها وان لم یعقل دیناً .

اور جو شخص اس کے خلاف کرے گناہ گار ہوگا مگر مسلمان رہے گا۔

باب الحضانة
(پرورش کرنے کابیان)

بلوغ تک لڑکی کی پرورش ماں کا حق ہے

(سوال ۶۱۹) جس وقت احمد علی شاہ نے طلاق دی تھی ایک سال کی لڑکی گود میں تھی اس وقت تک وہ اپنی والدہ کے پاس ہے عمر اس کی چھ سال ہے احمد علی شاہ اس کو لے سکتا ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) جب تک لڑکی بالغ نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو اپنے پاس رکھنے اور پرورش کرنے کا حق اس کی ماں کو ہے باپ اس کو علیحدہ نہیں کر سکتا۔

لمافی الدر المختار والام والجدة لام اولاب احق بها ای بالصغیرة حتی تحیض ای تبلغ.

طلاق کے بعد چھوٹی لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے

(سوال ۶۲۰) زید بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے لیکن زید کے نطفہ سے تین لڑکیاں ہیں ایک بعمر پانچ سال اور دوسری کی قریب چار سال اور تیسری بعمر نوماہ ہے لہذا بعد دینے طلاق کے تینوں لڑکیاں کس کے پاس رہیں گی۔ ؟

(الجواب) اگر طلاق دیدی گئی تو بعد تفریق تینوں لڑکیوں کی تربیت کی مالک ان کی والدہ ہو گی جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں لڑکیوں کی تربیت کا جب کہ وہ صغیر السن ہوں باپ کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرنے کا اختیار نہیں البتہ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد باپ کو اختیار ہے کہ لڑکیوں کو اپنے پاس رکھے اور ان کا انتظام کرے۔

قال فی الدر المختار والام والجدة احق بهاحتی تحیض و غیر هما احق بها حتی تشتهی وقدر بتسع و عن محمدؒ ان الحکم فی الام والجدة کذلك به یفتی لکثرة الفساد وقرره الشامی و البحر. والله تعالی اعلم

حق پرورش ماں کے بعد نانی کو ہے

(سوال ۶۲۱) وہ لڑکا جس کی عمر ۲ ماہ ہے اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اس کی پرورش کا حق کس کو ہے جب کہ اس کا باپ حیات ہے اور وہ نانی وغیرہ کو دینا نہیں چاہتا صرف بچے کا بذمہ پدر ہو گا یا نہیں اور کس عمر تک۔ ؟

(الجواب) چھوٹے بچے کی پرورش کا حق ماں کے بعد نانی کو ہے اور وہ لڑکے کو سات سال کی عمر تک اپنی پرورش میں رکھ سکتی ہے اور اس زمانہ میں بچہ کا تمام خرچ باپ کے ذمہ ہو گا اور اگر بچہ کا خود کوئی مال و جائیداد ہے تو اس میں

سے خرچ کیا جائے گا۔قال فی الدرالمختار من الحضانة ثم بعد الام بان مامتت اولم تقبل اوا سقطت حقها او تزوجت باجنبی ام الام الخ و ایضاً فیه و فی کتب الشافعیة مؤنة الحضانة فی مال المحضون لوله والا فعلی من تلزمه نفقته قال شیخنا وقواعدنا تقتضیه فیفتی به و ایضاً قال فیه والحاضنة اما اوغیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی درمختار من الحضانة

بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو توماں کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے

(سوال ۶۲۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دیدی اس کی گود میں سوا سال کا بچہ ہے لیکن اس کی ماں کی عادتوں سے عاجز آنے پر بچہ کا چار ماہ پہلے دودھ چھڑادیا گیا تھا اب حق پرورش ماں کا ہے یاباپ کا اگر ماں کا ہے تواس کے رشتہ داروں کی طرف سے بچہ کی جان کا خوف ہے اس لئے بچہ کو اس کا باپ لے سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر واقع میں بچہ کی جان کا خوف ہے تو اسکے باپ کو اختیار ہے کہ اس کی ماں سے لے کر اپنے پاس[1] رکھے۔قال فی الدر المختار تربیة الولد تثبت للام الا ان تکون مرتدةً الی قوله اوغیرما مونة ذکره فی المجتبیٰ بان تخرج کل وقت وتترك الولد ضائعاً.

ماں اگر بدچلن ہے تو دادا وغیرہ پرورش کے لئے اس سے علیحدہ کر سکتے ہیں

(سوال ۶۲۳) بچوں کا جب باپ مرجائے اور ماں کا چلن خراب ہو جائے تو دادا اپنے بیٹے کی اولاد کا وارث ہے یا نہیں اور نکاح کرنیکا بھی وہی ولی ہوگا یا نہیں۔؟

(الجواب) ولایت نکاح باپ کے مرجانے کے بعد بہر حال دادا کو ہے خواہ ماں کا چلن اچھا ہی ہو اور وہ بچوں کا نکاح کر سکتا ہے لیکن حق تربیت اولاد کا سات سال تک اور لڑکی کا بالغ ہونے تک ان کی ماں کو پہنچتا ہے لیکن اگر ماں کا چال چلن ایسا خراب ہو کہ اس سے بچوں کی پرورش خراب ہونا متیقن یا مظنون ہو تو تربیت بھی دادا[2] ہی کر سکتا ہے۔ کذافی الهدایة والدر المختار من باب الولی وباب الحضانة.

[1-2] اپنے پاس رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہتمام سے کسی ایسی عورت کی تحویل میں دے دے جسے ترتیب شرعی کے مطابق پرورش کا حق پہنچتا ہو۔ ۱۲ عاشق الٰہی

كتاب النفقات

فصل فی نفقة الزوجة وسكناها

(بیوی کے لئے رہائش اور نان نفقہ کا بیان)

زوجہ کی مدات کا خرچہ زوج کے ذمہ نہیں اور میکہ جانے سے نفقہ بھی نہیں

(سوال ٦٢٤) ایک مسماۃ شوہر کے گھر بیمار تھی مسماۃ کا باپ اس کو اپنے گھر لے گیا اور اس کا علاج کرتا رہا اور شوہر بھی خدمت کرتا رہا ایسی صورت میں مسماۃ کا باپ اس کے شوہر سے صرفہ تیمارداری و خرچ نان نفقہ مسماۃ کا لے سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) دوا اور تیمارداری کا خرچ کسی حال خاوند کے ذمہ نہیں خواہ بیوی اس کے گھر میں ہو یا اپنے میکہ میں اس لئے پدر مسماۃ کو صرفہ تیمارداری وصول کرنے کا کوئی حق نہیں۔

لمافی الشامية من النفقة صفحه ٦٦٣ جلد٢. كمالا يلزمه مد اواتها اى اتيانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبيب ولا الفصد ولا الحجامة الخ.

البتہ اگر کوئی لڑکی اس قدر بیمار وضعیف ہو کہ ڈولی وغیرہ میں بھی اپنے خاوند کے گھر نہ جاسکے تو کھانے پینے کا خرچ پدر مسماۃ خاوند سے وصول کر سکتا ہے اور اگر باوجود قدرت کے خاوند کے گھر نہ جائے تو کھانے پینے کا خرچ بھی خاوند سے نہیں لے سکتا۔ كمافى الدر المختار والشامى مرضت عند الزوج فانتقلت لدار ابيها ان لم يمكن نقلها بمحفة ونحوها فلها النفقة والا لا.

بالغ بیوی کا نفقہ نابالغ خاوند کے ذمہ بھی واجب ہے

(سوال ٦٢٥) زید نے اپنی لڑکی کی شادی باقاعدہ شرعی بکر کے لڑکے کے ہمراہ ۱۹۳۸ء میں کردی تھی اس وقت زید کی لڑکی کی عمر پندرہ سال ہے اور بالغ ہے اور بکر کے لڑکے کی عمر بارہ سال ہے زید نے ہر چند کوشش کی کہ میری لڑکی بالغ ہے تم اسکو لے جاؤ بکر کہتا ہے کہ جب میرا لڑکا بالغ ہو جائے گا اس وقت لے جاؤں گا آیا نابالغی کی حالت میں جو نکاح ہوا تھا وہ جائز ہے یا نہیں اور اس لڑکی کا نان نفقہ کس کے ذمہ ہے۔؟

(الجواب) یہ نکاح بلاشبہ جائز ہے اور اس لڑکی کا نان نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ واجب ہے خواہ اپنے گھر لیجائے یا نہ لیجائے اب اگر شوہر نابالغ کی ملک میں کوئی مال وجائیداد وغیرہ ہے تو نان نفقہ اس میں سے ادا کیا جائے ورنہ اس کے باپ کے ذمہ واجب ہے کہ کہیں سے قرضہ لیکر یا خود اپنے پاس سے بطور قرض اس کا نان نفقہ ادا کرے اور جب لڑکے کے پاس کچھ مال ہو جائے تو اس سے یہ رقم وصول کر کے قرض ادا کرے۔

الغرض زوجہ کا نفقہ اس کے شوہر نابالغ ہی کے مال سے دیا جائے گا البتہ اگر بوقت نکاح لڑکے کے باپ نے نان نفقہ کی ذمہ داری لی ہو تو پھر باپ ہی کے ذمہ نفقہ واجب ہوگا۔ فان كان صغيراً لامال له لا يؤخذ ابوه بنفقة زوجة الا ان يكون ضمنها وفى الخانية ان كانت كبيرة وليس للصغير مال لا تجب على الاب نفقتها ويستدين الاب عليه ثم يرجع على الابن اذا يسر شامى استنبولى صفحه ٨٨٧ ج ٢.

کتاب الایمان والنذور

(قسم اور نذر کابیان)

قرآن شریف ہاتھ میں لیکر وعدہ کرنا قسم نہیں جب تک لفظ قسم نہ کہے

(سوال ۶۲۶) زید اور بکر دو حقیقی بھائی تھے زید بقضاء الٰہی فوت ہو گیا زید مرحوم کی بیوہ کلثوم نے بکر سے درخواست کی کہ اگر آپ مجھ سے نکاح کریں تو آپ سے نکاح کی انتظار کروں ورنہ مجھے اجازت دیجئے کہ بعد عدت اپنا نکاح کسی دوسری جگہ کروں بکر نے کلثوم سے وعدہ کیا کہ ہاں میں تجھ سے نکاح کروں گا کلثوم نے قرآن مجید اٹھا کر درمیان رکھا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرو بکر نے کہا کہ ہاں وعدہ کو پورا کروں گا عدت گزرنے کے بعد بکر نے قطعی فیصلہ کیا کہ نکاح کیا جاوے مگر بکر کے والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اگر کلثوم سے نکاح کرو گے تو میں تم کو اپنا حقوق نہیں بخشونگا اور تم سے ناراض ہوں گا بکر نے اس ارادہ پر کلثوم کو جواب نہ دیا کہ کسی نہ کسی طرح والد صاحب کو راضی کر کے نکاح کروں گا بکر کی نیت وعدہ کے مطابق سچی تھی مگر صرف والد صاحب کی ناراضگی کی وجہ سے آج کل پر معاملہ رہا مدت تک بکر نے والد صاحب کو راضی کرنے کی کوشش کی مگر وہ تادم حیات بالکل رضامند نہ ہوا اس اثنا میں بکر کو ایک اور بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ بکر مذکور کی اہلیہ نے اپنے خط میں بہت کچھ اشتعال آمیز کلمے لکھے جس کے جواب میں بکر نے اپنی اہلیہ کو یہی لکھ دیا کہ کلثوم میری عورت ہے اس سے میرا نکاح پڑھا ہوا ہے حالانکہ نکاح وغیرہ بالکل نہ تھا ویسے ہی جھوٹ لکھ دیا اس عرصہ میں بکر کے والد کا انتقال ہو گیا کلثوم نے بکر کو وعدہ یاد دلایا اور روئی کہ اب نکاح کر بکر نے جواب دیا مجھ کو والد صاحب کے غم سے فارغ ہونے دو پھر نکاح کیا جاوے گا کچھ دن گزرنے کے بعد کلثوم مذکور نے بکر کو بہت بری طرح گالیاں دیں اور بکر کے بزرگوں کو بھی برا بھلا کہا جس کی وجہ سے بکر نے قطعی فیصلہ کر لیا کہ اب میں کلثوم سے ہرگز نکاح نہیں کروں گا تو اب سوال یہ ہے کہ آیا بکر کو وعدہ پورا کرنا چاہئے تھا کہ نہیں۔؟

(الجواب) اگر بکر نے اس وعدہ میں جو قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر کیا گیا تھا کوئی لفظ قسم کا بولا تھا تو نکاح نہ کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ قسم کا واجب ہوگا اور کفارہ قسم کا یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح و شام دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے یا دس مسکینوں کو متوسط درجہ کے کپڑے پہنادے اور اگر لفظ قسم کا نہ بولا تھا تو کفارہ اس کے ذمہ نہیں البتہ اگر وہ ایفاء وعدہ میں بلا کسی عذر کے کوتاہی کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

کذافی ردالمحتار والا نقروية والله سبحانه و تعالى اعلم

نذرو نیاز کا مال اغنیا کو جائز ہے یا نہیں

(سوال ۶۲۷) نذراللہ مستطیع شخص کے لئے کھانا حلال ہے یا حرام؟

(الجواب) نذراللہ کی مختلف صورتیں ہیں اگر اس طرح نذر کی ہے کہ اس قدر مال اللہ کے لئے صدقہ کروں

گا تو اس کے مستحق صرف فقراء ہیں اغنیا کا کھانا حرام ہے اور اگر اس کی نذر کی ہے کہ مجاہدین یا طلبائے دین کے اوپر خرچ کروں گا تو اس میں مجاہدین اور طلباء اغنیاء کو بھی کھانا اور کھلانا درست و صحیح ہے۔

فی البحر نذر ان یتصدق بدینار علی الاغنیاء ینبغی ان لا یصح قلت و ینبغی ان یصح اذا نوی ابناء السبیل لا نهم محل الزکوٰة. قلت دلیل وجه عدم الصحة فی الاول عدم کونها قربة الخ شامی باب النذر صفحه ٧٤ ج ٣.

نذر مطلق کی وفا علی الفور لازم نہیں

(سوال ٦٢٨) سوال و جواب متعلق نذر اور تکفیر وغیرہ برائے تصدیق گیا تھا مفتی صاحب نے اس پر تحریر ذیل لکھی ہے۔

(الجواب) اس میں دو باتیں قابل اصلاح ہیں باقی سب صحیح ہیں اول یہ کہ حدیث کا انکار جن لفظوں سے کیا گیا ہے ان میں کفر سے بچانے والی تاویل ہو سکتی ہے اس لئے فتوی کفر نہ دیا جائے گا البتہ شدید گناہ اور خطرہ کفر ہونے میں شبہ نہیں۔

وذلک لمافی البحر من احکام المرتدین و فی الخلاصة اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر الخ ثم قال فی البحر فاکثر الفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بالتکفیر بها وقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیء منها الخ . بحر الرائق صفحه ١٢٥ ج ٥. دوسری بات یہ ہے کہ نذر مطلق میں وفاء نذر کو علی الفور واجب لکھا گیا ہے اگر علی الفور سے مراد یہ ہے کہ کوئی وقت اس کے لئے معین نہیں تو صحیح ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ بلا تاخیر اسکا ادا کرنا واجب ہے تو یہ صحیح نہیں۔؟

لمافی التوضیح المراد بالمطلق غیر الموقت کالکفارات و النذور المطلقة والزکوٰة اما المطلق فعلی التراخی لانه ای الامر جاء الفور وللتراخی فلا یثبت الفور الا بالقرینة وحیث عدمت یثبت التراخی. توضیح تلویح مصری صفحه ١٨٨ ج ٢ . والله تعالٰی اعلم-

بزرگوں کے نام کی نذر و نیاز کا حکم

(سوال ٦٢٩) جو طریقہ اکثر عوام و مبتدعین میں ہے کہ نیاز رسول یا نیاز حسینؓ یا نیاز پیر وغیرہ کے نام سے کھانا کرتے ہیں یہ فعل جائز ہے یا نہیں اور اس کھانے کا کھانا کیسا ہے اور اگر نیاز اللہ کے نام کھانا کیا جائے تو کیسا ہے اور اس کا کھانا کیسا ہے۔؟

(الجواب) اس نیاز کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا کرنا حرام اور سخت گناہ ہے اور اس کے کھانے کا بھی یہی حکم ہے اور دوسری صورت میں چند شرائط کے ساتھ جائز ہے اور اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر نیاز انہیں بزرگوں کے نام کی ہو یعنی اس سے ان بزرگوں کا تقرب مقصود ہو تو یہ حرام

ہے اور اس کا کھانا بھی حرام کیونکہ یہ نذر غیر اللہ ہے جس کی صریح ممانعت احادیث صحیح میں وارد ہے سنن ابی داؤد میں حدیث ہے۔ لا نذر الا فیما یبتغی به وجه الله اور بحر الرائق میں ہے۔ النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقرباً الیهم فهو بالا جماع حرام الی قوله لانه حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذه الا ان یکون فقیراً الخ۔

اور اگر نذر اللہ تعالیٰ کے نام کی اور اس کی رضاء تقریب کے لئے ہو صرف اتنا کیا جائے کہ ایصال ثواب کسی بزرگ کو کر دیا جائے تو یہ بشرائط ذیل جائز ہے۔

(۱) کوئی تاریخ ہمیشہ کے لئے مقرر نہ کرے۔

(۲) جو کچھ کھلانا ہو اس میں فقراء کو کھلائے اغنیاء اور صاحب نصاب لوگوں کو اس میں سے کچھ نہ کھلائے۔

(۳) اس کو لازم وواجب کی طرح جان کر نہ کرے اور ان لوگوں پر کوئی طعن نہ کرے جو ایسا نہیں کرتے۔

(۴) قرض لے کر اپنی وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرے۔

(۵) اور بھی کوئی خلاف شرع کام اس کے ساتھ نہ ملائے اس صورت میں یہ نذر جائز بلکہ ثواب ہوگی اور اس کا کھانا بھی فقراء کے لئے جائز ہوگا۔

نذر کی رقم کسی مجرم کی برات کے لئے خرچ کرنا

(سوال ۶۳۰) میرے مبلغ دو صد روپیہ چوری ہو گیا تو میں نے یہ اقرار کیا کہ اگر یہ واپس مل جاویں تو دسواں حصہ اس کا نکال کر مساکین کو کھانا پکا کر کھلاؤں وہ روپیہ مجھ کو واپس مل گئے لیکن چور کو پولیس والوں نے سزا کرنی چاہی مگر میں نے چور کی بریت میں پچیس روپیہ صرف کئے اب میرا سوال یہ ہے کہ آیا میری نذر پوری ہو گئی کہ جو میں نے چور کی برات میں روپیہ صرف کئے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر آپ نے وہ پچیس روپیہ اپنے ہاتھ سے چور کی رہائی میں خرچ کئے ہیں تو نذر ادا نہیں ہوئی اب مبلغ پچیس روپیہ فقراء اور مساکین کو تقسیم کیجئے خواہ نقد دیں یا ان کو کھانا پکوا کر کھلائیں یا کپڑا دیں سب برابر ہے تب نذر ادا ہو گی واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ احقر مسعود احمد عفا اللہ عنہ

نذر کی کہ فلاں چیز کی قیمت حج میں خرچ کروں گا

(سوال ۶۳۱) ایک شخص نے نذر مانی کہ اس چیز کی قیمت حج پر صرف کروں گا اور اس کی استطاعت میں حج کی رقم نہیں اور قیمت بھی بہت حصہ کم ہے حج کی رقم سے کیا اس پر اس نذر سے حج فرض ہو جائے گا یا نہ اگر فرض نہ ہووے وہ منذور قیمت فی سبیل اللہ تعالیٰ دینی پڑے گی یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی البحر الرائق عن الخلاصة لوالتزم بالنذر اکثر مما یملکه هو المختار کما اذا قال ان فعلت کذا فالف درهم من مالی صدقة ففعل وهو لا یملک الا مائة لا یلزمه الا المائة

الخ (بحر صفحه ٣٢١ ج ٤) و مثله في الدر المختار و الشامي صفحه ٧٣ ج ٣.
عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج تو واجب نہیں لیکن اس چیز کی جو قیمت حاصل ہو اس کو حج کے مصارف میں خرچ کرنا واجب ہو گیا جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو مکہ معظمہ میں کسی شخص کو دیدی جائے وہاں کے کوئی شخص اس رقم سے حج کرلیں اور یا کسی ایسے شخص کو دی جائے جو حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کی رقم میں کمی ہے۔

نذر کی کہ فلاں کام ہو گیا تو فلاں مدرسہ کو اتنی رقم دوں گا

(سوال ٦٣٢) اگر کوئی شخص اس طرح نذر مانے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو فلاں مدرسہ کو اتنی رقم دوں گا مساکین کی نیت نہ کرے تو نذر ہو گی یا نہیں بصورت ثانی اگر وہ دیدے تو اس کا مصرف نذر والا ہی ہو گا یا اسکو عطیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص نذر مانتا ہے کہ فلاں کام ہو گیا تو میں گائے ذبح کروں گا یا خدا کے واسطے دوں گا اور اس کا مطلب حسب عرف یہ ہے کہ بلا تمیز امیر و غریب گوشت گاؤں میں تقسیم کروں گا تو اس کا کیا حکم ہے آیا ایسی گائے کا گوشت امیر صاحب نصاب کھاسکتا ہے۔ اور اگر بغیر نذر مانے کسی بیماری کی شدت کے پیش نظر دفع بلا کا صدقہ کیا جائے تو وہ غنی کے لئے جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) مدرسہ کو دینے کے عرفا دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مدرسہ میں وقف کروں گا دوسرے یہ کہ مساکین طلباء و مدرسہ کے صرف کے لئے دوں گا بہر دو صورت نذر منعقد اور واجب الاداء ہے کیونکہ وقف بھی جنس واجبات سے ہے کہ کم از کم مسجد کا وقف کرنا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے اور صدقہ مساکین بھی جنس واجبات سے ہے لہذا یہ نذر منعقد ہو گئی اگرچہ مساکین کی نیت اور تصریح نہ کرے اس طرح اگر یہ نذر کی کہ فلاں کام ہو جائے گا تو یہ گائے ذبح کر کے اللہ کے واسطے دوں گا تو یہ نذر بھی صحیح ہے اور منعقد ہے کیونکہ یہ نذر صراحۃً گوشت کے صدقہ کی ہوئی اور صریح میں نیت شرط نہیں البتہ محض ان لفظوں سے کہ کہ یہ کام ہو گیا تو گائے ذبح کروں گا نذر کا انعقاد اس وقت تک احقر کے خیال میں نہیں ہو گا جب تک کہ ان الفاظ سے اس کی نیت صدقہ لحم کی نہ ہو رہا یہ معاملہ کہ صدقہ میں نیت عام لوگوں کو کھلانے کی ہو بلا امتیاز فقیر و غنی کے اس سے بھی انعقاد نذر میں خلل نہیں آتا غنی کو تبعاً للفقیر شامل کیا جاسکتا ہے اور پہلی سب صورتوں میں یہ گوشت اغنیا کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ صدقہ واجبہ ہے حرف آخری صورت میں کہ اغنیاء کو تبعاً للفقراء نیت میں شامل کر لیا حسب قواعد جائز معلوم ہوتا ہے کوئی صریح جزئیہ اس وقت پیش نظر نہیں اور بغیر نذر مانے ہوئے دفع بلا کے لئے جو قربانی یا صدقہ کیا جاوے وہ صدقہ نافلہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اغنیاء کے لئے اس کا کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ صرح به في ردالمحتار و العالمگیریة و البحر من باب مصرف الصدقات – والله اعلم.　　(اضافه)

نذر کی کہ فلاں جگہ ملازم ہو گیا تو فی روپیہ ایک پیسہ صدقہ کروں گا

(سوال ۶۳۳) زید ایک جگہ ملازمت کی کوشش کر رہا تھا اس جگہ کی تنخواہ مبلغ ساٹھ روپیہ تھی زید نے یہ نذر کی کہ اگر میں اس جگہ ملازم ہو جاؤں گا تو فی روپیہ ایک پیسہ خدا کی راہ میں دوں گا اس جگہ پر زید ملازم ہو گیا مگر تنخواہ بجائے ساٹھ کے تیس روپیہ ہوئی زید موافق نذر کے ایک پیسہ فی روپیہ اپنی تنخواہ سے دیتا رہا دو چار سال کے بعد مبلغ دس روپیہ اور زید کی ترقی ہو گئی دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ جو دس روپیہ ترقی کے ہیں ان میں سے ایک پیسہ دینا پڑے گا یا فقط پہلی تنخواہ سے رقم منذورہ دینا پڑے گی۔

(الجواب) یہ نذر فقط اس تنخواہ کے متعلق منعقد ہوئی ہے جو ابتداء ملازمت کے وقت مقرر ہوئی لہذا یہ تیس پیسے منجملہ تیس روپیہ کے دیدینا کافی ہے آئندہ ترقیات پر ایک پیسہ فی روپیہ نکالنا ضروری نہیں اور تبرع کیا جاوے تو بہتر ہے الفاظ جو نذر کے وقت کہے گئے ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

نذر کے جانور کو غلطی سے قربانی میں اور قربانی کو نذر میں استعمال کر لیا

(سوال ۶۳۴) رجل نذران یضحی بقرة معینة فی ایام الاضحیة واشتری ثانیة لیضحی من نفسه (لانه غنی تجب علیه الاضحیة) فضحی من نفسه بالمنذورة ظنا انها ثانیة اللتی اشتراها لاضحیة نفسه واکل لحومها واطعم الفقیر والغنی کما یجوز فی لحوم الاضحیة ووفی النذر بعدها بالثانیة اللتی اشتراها لنفسه ظنا انها المنذورة اللتی نذر و تصدق لحومها علی الفقراء کما یجب فی النذور. او ذهب الرجل الی قریة اخری بعد توکیل اولاده علی الاضحیة و ایفاء النذر ففعلوا بالعکس فما حکم. بنیوا تو جروا.

(الجواب) لما ذبح البقرة المنذورة علی نیة الاضحیة الواجبة من نفسه امتنع الوفاء بالنذر فوجب القیمة والقیمة کما تتادی بالنقد کذلك تتادی بالعروض والاموال الاخر فلما تصدق بلحم البقرة الاخری علی نیة النذر سقط عنه ماکان یلزمه من اداء القیمة بشرط ان لا تکون البقرة الثانیة انقص قیمةً من الاولی و سقطت عنه الاضحیة الواجبة ایضاً لو قوعها فی المحل صادرا عن الاهل فان کون البقرة منذورة لا یخرجها عن صلاحیة الاضحیة فحینئذ لا یجب علیه شیٔ من الضمان نعم علیه ان یستغفر لهذا الخطاء و النسیان فانهما وان کانا مرفوعین عن الامة لعدم الاختیار و لکن قلما یخلو النسیان عن ارتکاب شئی من اسباب الغفلة فیجب الاستغفار منه . والله تعالی اعلم. (اضافه)

اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ غرباء ومساکین کو دیا کروں گا، نذر ہوئی یا نہیں!

(سوال ۶۳۵) ایک شخص نے بحالت بیکاری زبان سے حسب ذیل جملے ادا کئے اور ان کلمات کی ادائیگی کے وقت نیت بھی پختہ تھی وہ جملے یہ ہیں۔ میں اپنی آمدنی کا چالیسواں حصہ غرباء ومساکین کو اور بیسواں حصہ

مساجد و عید گاہ کو دیا کروں گا اب وہ شخص کہتا ہے کہ آمدنی کا حساب کرنا پھر چالیسواں اور بیسواں حصہ نکالنا اس وقت مجھے سخت دشوار ہے اب میں کیا کروں گناہ سے کس طرح بچوں۔ ؟

(الجواب) اگر الفاظ وہی استعمال کئے تھے جو سوال میں مذکور ہیں ان کے ساتھ کوئی لفظ ایسا نہیں کہا کہ میری ملازمت ہو گئی یا آمدنی ہو گئی تو میں ایسا کروں گا نیز کوئی لفظ لزوم وجوب کا مثلاً اللہ کے لئے ایسا کروں گا یا میرے ذمہ ہے کہ ایسا کروں اس قسم کا کوئی لفظ الفاظ مذکورہ کے ساتھ نہیں کہا تو یہ الفاظ مذکورہ نہ یمین کے الفاظ ہیں اور نہ نذر کے ان سے اس شخص کے ذمہ کوئی چیز لازم نہیں ہوئی اسے اختیار ہے کہ جس وقت جتنا آسان سمجھے صدقہ وخیرات کرے علامہ ابن نجیم نے اپنے رسالہ النذر بالتصدق میں نذر کے صیغے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **اما الصیغة فللّٰه وعلی ونذرت لله وانا افعل ان کان معلقا کانا احج ان دخلت الدار بخلاف انا احج منجزاً** (آخر الاشباه و النظائر طبع مصر. صفحه ۱۰٤) اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ کہنے والے کی نیت اگرچہ نذر کی ہو مگر جب تک الفاظ لزوم وغیرہ نہ کہے محض نیت سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم (اضافہ)

فصل فی الکفارة

(کفارۂ قسم کا بیان)

یمین غموس اور یمین لغو میں کفارہ نہیں

(سوال ۶۳۶) اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میرے جیسا بڑا کوئی شخص دنیا میں موجود نہیں تو قسم کھانے والے پر کفارہ واجب ہو گا یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اس شخص کے ذمہ کفارہ واجب نہیں لیکن اگر وہ اپنی اس قسم میں جھوٹا ہے یعنی وہ اپنے دل میں جانتا ہے کہ بعض لوگ مجھ سے بھی بڑے موجود ہیں اور باوجود اس کے جاننے کے ایسی قسم کھائی ہے تو یمین غموس ہوئی جو سخت کبیرہ گناہ ہے جس کے متعلق صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے۔ **من حلف علی یمین وهو فیهافا جر (الی قوله) حرم الله علیه الجنة وا دخله النار) از عینی شرح هدایه،** لیکن اس یمین میں کفارہ واجب نہیں بلکہ صرف توبہ واستغفار واجب ہے۔ **لمافی الهدایة ولا کفارةفیها الا التوبة و الاستغفار .**

اور اگر کوئی فی الواقع اس کا گمان قسم کھانے کے وقت کسی غلبہ حال وغیرہ کی وجہ سے یہی تھا کہ مجھ سے بڑا کوئی دنیا میں موجود نہیں تو یہ یمین لغو ہے جس میں گناہ بھی نہیں۔ **لقوله تعالی. لا یواخذ کم الله باللغو فی ایمانکم. وفی الهدایه و یمین لغو وهوان یحلف علی امرما ض (قال فی الدر المختار و کذا علی الحال) وهو یظن انه کما قال والامر بخلافه فهذه الیمین نرجوان لا یواخذ اللّٰه تعالی صاحبها.**

الغرض ہر دو صورت میں کفارہ واجب نہیں

جھوٹی قسم کا حکم

(سوال ۶۳۷) اگر ایک شخص دیدہ ودانستہ جھوٹا حلف اٹھاتا ہے اور قرآن شریف سر پر اٹھا کر کہتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے آیا اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور جس شخص نے جھوٹا حلف اٹھایا ہے اس نے خود ہمارے محلہ کے پیش امام سے اقرار کیا ہے کہ میں نے جھوٹا حلف اٹھایا ہے کیا کیا جاوے اور جس قسم کی وجہ سے جھوٹا حلف اٹھایا ہے اس کا لینا اور برتنا بھی جائز ہے۔؟

(الجواب) جس شخص نے جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی وہ سخت گناہ گار ہے اور جو مال اس نے قسم کے ذریعہ حاصل کیا ہے وہ حرام ہے لیکن اب اس پر کوئی کفارہ شرعاً واجب نہیں بلکہ صرف یہ واجب ہے کہ جو مال اس قسم کے ذریعہ وصول کیا ہے وہ مالک کو لوٹا دے اور آئندہ کے لئے ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کرے اور جب وہ شخص یہ مال واپس کردے اور توبہ کرے تو مسلمانوں کو اس کے ساتھ برتاؤ اور معاشرت جائز ہوگی ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ جب تک توبہ نہ کرے اور مال واپس نہ کرے اس وقت تک اس سے خصوصی تعلقات قطع کرلیں۔ لحدیث النبی ﷺ عند البخاری و مسلم الکبائر الاشراک باللہ (الٰی قولہ) والیمین الغموس ولحدیث ابی امامۃ مرفوعاً من حلف علی یمین وھو فیھا فاجر لیقتطع بھا مال امرء مسلم حرم اللہ علیہ الجنۃ وادخلہ النار (از عینی شرح ھدایہ)۔ و فی الدر المختار وھی کبیرۃ مطلقاً وفی الھدایہ ولا کفارۃ فیھا الاالتوبۃ۔ والا استغفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کفارۂ قسم

(سوال ۶۳۸) ایک شخص نے چند بھلے مانسوں کے روبرو یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے سچے دل سے اور ایمان سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس وعدہ سے اگر میں ہار جاؤں تو مجھے اپنے ایمان کی قسم ہے چند سال کے بعد وہ شخص اپنے وعدے سے ہار جاوے اس کے لئے شریعت سے کیا تعزیر ہے؟

(۲) کسی شخص نے اپنے والد کو جان سے مار دیا اور گورنمنٹ نے سزا دی یعنی دریائے شور اور سزائے موت سے بچ گیا اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) شرعی تعزیر تو ہندوستان میں بحالت موجودہ جاری نہیں ہوسکتی اور تعزیر شرعی کوئی متعین بھی اس میں نہیں بلکہ قاضی کے اختیار میں ہے جو چاہے سزا دے بشرطیکہ حدود معینہ شرعیہ کی برابر نہ ہو کذافی الدر المختار من التعزیر۔ البتہ چونکہ قسم بھی کھائی تھی اور خلاف کیا اس لئے قسم کا کفارہ اس کے ذمہ واجب ہے اور کفارہ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے کذافی کتب الفقہ۔

(۲) قتل کی شرعی سزا ہندوستان میں جب کہ نافذ نہیں ہوتی تو سوال وجواب فضول ہے۔ فقط واللہ اعلم

قسم کا کفارہ

(سوال ۶۳۹) ایک شخص کی نسبت ایک عورت سے ہوگئی نکاح نہیں ہوا ایک موقعہ پر اس شخص نے قسم

کھائی کہ اگر ایک عرصہ معینہ کے اندر اندر شادی نہ ہوئی تو اگر میں شادی کروں تو اپنی ماں سے کروں اور اس میعاد کو گزرے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) شادی کرے اور پھر قسم کا کفارہ ادا کردے کفارہ قسم یہ ہے کہ دس مسکینوں کو ایک دن صبح وشام دونوں وقتوں کا کھانا کھلادے یا دس مسکینوں کو ایک ایک کپڑا کم از کم اتنا جس کی تہبند ہو سکے دیدے اور اگر اتنا خرچ موجود نہ ہو تو تین روزے متواتر رکھے (کذافی الہدایۃ) واللہ اعلم (اضافہ)

کتاب الوقف

(وقف کے احکام)

منافع وقف کا کچھ حصہ بیوی کے لئے تاحیات مقرر کرنا

(سوال ٦٤٠) ایک شخص نے مرض الموت میں بیوی سے کہا کہ میں نے فلاں زمین جو ثلث یا اس سے بھی کم ہے مسجد کے لئے وقف کردی لیکن تاحیات تم اس کی آمدنی سے کچھ اپنے صرف میں لانا اور کچھ مسجد کی مرمت واصلاح میں خرچ کرنا یہ وقف کرنا اگر صحیح ہے تو اسی وقت سے یا شوہر کے مرنے کے بعد صحیح ہوگا اور بیوی تمام آمدنی خرچ کرسکتی ہے یا نہیں اور جب کہ واقف نے مسجد کے اور بیوی کے لئے مقدار معین نہیں کی بلکہ کچھ کچھ کہا ہے تو بیوی کتنا خرچ کرے اور مسجد میں کتنا خرچ کیا جاوے۔؟

(الجواب) وقف صحیح ہے اور اسی وقت سے صحیح ہے بشرطیکہ زمین موقوفہ ثلث ترکہ سے زائد نہ ہو۔ کمافی الشامیة الوقف فی مرض الموت کهبة فیه من الثلث اور بیوی اگرچہ وارث ہے مگر وارث کے لئے وقف کی وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن منافع وقف کی تقسیم حسب سہام شرعی ہونا ضروری ہے واقف کی تجویز کے موافق تقسیم بلا اجازت بقیہ ورثہ کے نہیں ہوسکتی اس لئے وقف کی آمدنی میں سے جس قدر حصہ زوجہ کے لئے تجویز ہو وہ صرف زوجہ کا نہ ہوگا بلکہ تاحیات زوجہ شرعی سہام کے موافق سب واقفوں کا حق ہوگا جن میں زوجہ بھی شامل ہے پھر زوجہ کی وفات کے بعد صرف زوجہ کے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ لمافی باب وقف المریض من الدر المختار کاذا مِتُّ فقد وقفت داری علی کذا فالصحیح انه کوصیة تلزم من الثلث بالموت لا قبله قلت ولو لوارثه وان ردوه لکنه یقسم کالثلثین ای اذارده یقسم الثلث الذی صار وقفا ای تقسم غلته کالثلثین فتصرف مصرف الثلثین علی الورثة کلهم مادام الموقوف علیه حیااما اذا مات تقسم غلة الثلث الموقوف علی من یصیر له الوقف کما علمت (شامی صفحه ٥٠١ ج ٣)

رہا یہ کہ تعین مقدار کیسے کی جائے سو اس کا حکم وصیت مبہم جیسا ہے اور اس قسم کی وصیت میں نصفا نصف تقسیم کیا جاتا ہے کمافی الدر لو قال بین زید و عمرو وهو میت لزید نصفه و فی الشامیة فانها تنصف لانه اقل الشرکة بین اثنین ولا نهایة لما فوتهما۔ اس کلام مذکور میں اگرچہ لفظ بین اس کا ہم معنی نہیں مگر دونوں جانب لفظ کچھ سے بظاہر تسویہ٭ مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۴ صفر ۵۰ ہجری۔

وقف علی الاولاد میں لڑکیوں کا حصہ میراث کے قاعدہ کے مطابق نصف رکھنا جائز ہے

(سوال ٦٤١) ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ زید کے تین بچے ہیں دو لڑکیاں اور ایک لڑکا زید اپنی جائیداد کو

٭ نظر ثانی کے وقت احقر کو اس مسئلہ میں تردد ہو گیا سرسری تلاش میں کوئی صریح جزئیہ اس مسئلہ کا نہیں ملا یاد پڑتا ہے کہ شرح سیر کبیر میں ایک جزئیہ لفظ شیئا کیساتھ ہے اور اس میں حکم تنصیف کا نہیں ہے مگر وہ بھی اس وقت نہیں ملا اسلئے دوسرے علماء سے تحقیق کر کے عمل کیا جاوے۔ محمد شفیع عفی عنہ

وقف علی الاولاد کرنا چاہتے ہیں اس طرح کہ متولی اپنے لڑکے کو کرنا چاہتا ہے اور لڑکیوں کی کچھ تنخواہیں لیکن لڑکیوں کا جو شرعی حصہ ہوتا ہے اس میں کچھ کمی کے ساتھ مثلاً دو سو روپیہ ماہوار ایک لڑکی کا شرعی حصہ ہوتا ہے تو زید سو روپیہ ماہوار مقرر کرنا چاہتا ہے اس صورت میں زید کے ذمہ کوئی شرعی مواخذہ یا گناہ تو نہیں ہوگا یا ہوگا کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اور زید وقف نامہ میں یہ شرط بھی لکھنا چاہتا ہے کہ اگر کسی وجہ سے آمدنی جائیداد کم ہو جائے تو متولی یعنی لڑکے کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اسی مناسبت سے لڑکیوں کی تنخواہ میں کمی کردے یہ صورت بھی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اور یہ تنخواہ صرف لڑکیوں کی ذات تک رکھنا چاہتا ہے ان کی اولاد کو نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) وقف علی الاولاد میں لڑکیوں کا حصۂ شرعی سے کم کرنا جائز نہیں۔

کمافی ردالمحتار من مطلب الفریضة الشرعیة من باب الوقف صرح فی الظهیریة بانه لواراد الی قوله فالا فضل عند محمد ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین و عند ابی یوسف یجعلهما سواء هو المختار ثم قال فی الظهیریة قبیل المحاضرو السجلات عند الکلام علی کتابت صك الوقف ان اراد الوقف علی اولاده یقول للذکر مثل حظ الانثیین وان شاء یقول للذکر والانثی علی السواء لکن الاول اقرب الی الصواب واجلب للثواب اه. فهذا نص صریح فی التفرقة بین الهبة والوقف فتکون الفریضة الشرعیة فی الوقف هی المفاضلة انتهی اه وذکر قبل ذلك نقلا عن رسالة ابن المنقار مفتی دمشق انه وردفی الحدیث انه ﷺ قال سوّوا بین اولادکم فی العطیة ولو کنت وکثراً احداً. لاثرت النساء علی الرجال رواه سعید فی مسنده وفی صحیح مسلم من حدیث نعمان بن بشیرا تقوا الله واعد لوافی اولادکم فالعدل من حقوق الاولاد فی العطایا والوقف عطیة فیسوی بین الذکر والانثی اه (شامی طبع صفحه ٤٣٥ ج ٣)

عبارات مرقومہ سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ عطایا اور وقف دونوں میں اولاد ذکور واناث کو برابر حصہ دینا چاہئیے دوسرا یہ کہ ان کے حصہ میراث کے موافق لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اکہرا حصہ دیا جائے گا علامہ شامی کے نزدیک یہی راجح و مختار ہے اس سے بھی کم حصہ دینا یا بالکل محروم کرنا ہمارے نزدیک درست نہیں مگر یہ تفصیل اس حالت میں ہے کہ جب وارث کو نقصان پہنچانے کا قصد ہو اور اگر یہ قصد نہ ہو بلکہ ضروریات پر نظر کر کے تفاوت کرے تو کمی بیشی مطلقاً جائز ہے۔

الاحریٰ بالقبول فی وقف العمارة علی ارض النزول[1]

(سوال ٦٤٢) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی نزول ملکیت سرکار انگلشیہ بذریعہ کرایہ نامہ حسب شرائط مفصلہ ذیل مجوزہ و معمولات کلکٹر صاحب جو اراضی نزول کے منجانب

---

[1] ارض نزول ہندوستان کی ایک خاص اصطلاح ہے وہ یہ کہ لاوارث زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو حکومت اس پر قبضہ کر لیتی ہے یہ ارض نزول کہلاتی ہے۔

سرکار منتظم و مہتمم باختیار کلی ہیں بہ تقرر کرایہ ماہانہ یا سالانہ واسطے تعمیر عمارت کرایہ پر لیکر حسب اجازت کلکٹر صاحب موصوف اپنی لاگت سے چند دکانات تعمیر کرا کر ان سے استفادہ حاصل کرتا رہا پھر بعد وفات زید اس کے دو پسران وارث جو مستفیض ہوتے رہے عرصہ بیس بائیس سال بعد کلکٹر صاحب نے دوسرا کرایہ نامہ ۱۹۰۹ء میں ایک پسر سے بشرائط و تعامل عامہ و مفصلہ ذیل میعادی تیس سالہ تجدید کرالیا اس کے بعد ان دونوں پسران نے ۱۹۱۰ء میں جوان دوکانات سے اس وقت مبلغ اڑسٹھ روپیہ سالانہ کرایہ کی آمدنی تھی مع ملبہ خشتی و چوبی و جملہ متعلقات اس کے کہ قیمتی پندرہ سو روپیہ کو بلا اراضی نزول ہمیشہ کے واسطے فی سبیل اللہ وقف کردی اور اپنے قبضہ مالکانہ سے خارج کر کے تاحیات خود بحیثیت متولی قابض رہ کر کل آمدنی اس کے مصارف ہی میں خرچ کرتے رہے پھر ان کے انتقال کے بعد سے اب تک ابتدائی تاریخ وقف سے چوبیس پچیس سال کا زمانہ گزرتا ہے باوجود ان کے چودہ عدد وارث موجود ہونے کے علاوہ واقفان کے غیر اشخاص میں سے یکے بعد دیگرے چند شخص بحیثیت متولیان وقف قابض رہ کر آمدنی اس کے بمد خیرات خرچ کرتے رہے اور آج تک کوئی وارث اس سے نہ متمتع ہوا نہ کسی نے متمتع ہونا چاہا بلکہ حسب قانون وقف وہ جائیداد موقوفہ درج رجسٹر ججی بھی ہوگئی ہے اور متولی سے حساب جمع خرچ بھی جج صاحب سمجھ چکے ہیں مگر اب تھوڑا زمانہ گزرا وہ شخص جو وارث حصہ دار ہو سکتے ہیں بوقت حساب مدخلہ متولی موجودہ عدالت ججی ہیں بایں دعوی عذروار ہوئے کہ یہ شخص نہ متولی ہے اور نہ وقف ہوا۔ مگر اپنی عذرداری میں ناکامیاب رہے اس کے بعد ان دونوں نے جائیداد موقوفہ پر جبرا قبضہ کرنا چاہا اور مداخلت بیجا شروع کردی اس پر متولی نے عدالت کلکٹری میں درخواست دی کہ جائیداد موقوفہ پر فلاں فلاں جبراً جو قبضہ کرتے ہیں ایسی صورت میں جائیداد موقوفہ کو نقصان پہنچتا ہے تا تصفیہ عدالت مجازیہ عدالت خود اپنے قبضہ میں کرلے اس پر ان میں سے ایک شخص نے جو چوتھے حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا درخواست متولی پر عدالت کلکٹری میں یہ تحریری بیان پیش کردیا کہ درحقیقت یہ جائیداد میرے ماموں صاحبان نے وقف کردی ہے اور دوسرا مزاحم میں اس کے خلاف ثبوت پیش نہ کر سکا پس عدالت نے متولی کو صحیح قابض ہونا مان لیا لیکن اب پھر وہ شخص مذکور جو چوبیسواں حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا بشمول ایک دوسرے شخص کے جو وہ بھی چوبیسویں حصہ کا حصہ دار ہو سکتا تھا بلا شرکت چوتھائی حصہ کے حصہ دار کے تحریر وقف نامہ کو تسلیم کرتے ہوئے عدالت منصفی میں متولی موجودہ اور ان جملہ اشخاص کو جو وارث ہو سکتے تھے اور وہ زمرۂ مدعان میں شریک نہیں ہوئے ہیں ان سب کو بھی مدعا علیہم قائم کر کے بایں دعویٰ نالشی ہیں کہ یہ وقف قانوناً اور شرعاً ناجائز ہے اور نہ اس وقف کا نفاذ ہوا بلکہ متولی بحیثیت ہمارے کارکن کے قابض ہے پس اب صرف ہم دو مدعیان کے لئے فیصلہ دخل استقرار فرمادیا جاوے اور شرائط کرایہ نامہ اقراری زید کے جس کے بموجب دکانات مذکورہ تعمیر ہوئی ہیں یہ ہیں کہ۔

من مقر کرایہ نامہ اقرار کرتا ہوں کہ اوقات مقررہ پر کرایہ ادا کرتا رہوں گا اور بعد انقضائے میعاد کرایہ نامہ اگر باضابطہ کرایہ بھی گورنمنٹ تجدید کرایہ نامہ چاہے گی تو تجدید کرایہ نامہ کردوں گا یا اپنا ملبہ اٹھا لیجاؤں گا اور اراضی خالی کردوں گا یا بقیمت مناسب عمارت حوالہ کردوں گا پھر جب کہ تعمیر دوکانات کو تخمینا

عرصہ بیس بائیس سال کااور زمانہ انتقال مسمی زید کرایہ دار سابق کا بھی پندرہ سولہ سال گزر چکا تھادوسرا کرایہ نامہ حسب شرائط ذیل میعادی تیس سالہ بحق گورنمنٹ تکمیل کرادیااور اس اقرار نامہ میں بھی بعد انقضائے تیس سالہ یکے بعد دیگرے مجموعی نوے سال تک کی میعاد تک کی تجدید کرایہ نامہ کا معاہدہ ہے اور کرایہ دار کو اختیار ہے کہ اندر میعاد جب چاہے حسب مرضی خود اس عمارت کو فروخت کر سکتا ہے اور کلکٹر صاحب بجائے اس کرایہ دار کے اس مشتری ملبہ سے کرایہ نامہ تحریر کرالیتے ہیں یا کرایہ دار جس طرح چاہے دوسرے کے حق میں منتقل کر سکتا ہے یا اپنا ملبہ اٹھالیجاوے اور مطالبہ قرضہ وغیرہ میں دوسرے شخص خود بھی قرق و نیلام کرالیتے ہیں اور پھر اس سے کرایہ نامہ مرتب کرالیا جاتا ہے اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس وقت گورنمنٹ خود کو اس اراضی کی ضرورت ہوگی خواہ اندر میعاد یا بعد انقضائے میعاد بلا مزاحمت معہ عمارت بھی اگر گورنمنٹ کو عمارت کی ضرورت ہوگی باداے قیمت عمارت کرایہ دار اس اراضی کو اپنے قبضہ سے چھوڑ دے گا مگر یہ شرط اس وجہ سے لی گئی ہے کہ اگر یہ شرط نہ کی جاتی تو گورنمنٹ کو یہ جو اختیار حاصل ہے کہ اپنی ضروریات کے واسطے یا مفاد عامہ وغیرہ کے واسطے جب چاہے ہماری مملوکہ مقبوضہ اراضیات کو لے سکتی ہے زائل اور منسوخ ہو جاتا ہے اور نیز تعامل گورنمنٹ سے بھی ثابت ہے کہ جس وقت سے محکمہ نزول قائم ہوا ہے آج تک کوئی قطعہ اراضی بلا ضرورت ذاتی نہیں لگائی گئی ہیں اور اسی وجہ سے رعایا کرایہ داران نزول نے اسی امید سے کہ یہ اراضیات نزول ہمارے قبضہ سے نہیں نکالی جاوے گی بہت زیادہ لاگت کی اور نہایت مستحکم عمارات جو صدہا سال قائم رہ سکتی ہیں گورنمنٹ کی اجازت سے قائم کرلی ہیں۔

اور نیز گورنمنٹ کے اس عمل سے بھی کہ اراضی نزول میں مساجد و دھرم شالہ اور دیگر ایسی عمارت کے واسطے جو ہمیشہ رہنے والی ہیں ان کی تعمیر کی اجازت دی جارہی ہے اور بہت پہلے سے ایسی عمارات موجود ہیں اور ایک امر خاص استفتاء ہذا میں سب سے زیادہ قابل توجہ ضروری ہے کہ جس عمارت دکانات موقوفہ کی بابت استفسار ہے وہ اندر میعاد کرایہ نامہ ہے اس کی نوعیت تعمیر اور حالت موجودہ عمارت سے بخوبی واضح ہے کہ وہ اندر میعاد مقررہ کے منہدم ہو جاوے گی اور نوبت اس بحث کی نہ آوے گی کہ بعد انقضائے میعاد متعلق عمارت کیا عمل ہوگا اور نہ یہ معاہدہ ہے کہ بعد نوے سال اراضی کرایہ سے چھوڑا ہی لی جاوے گی۔

لہٰذا مفتیان و علماء دین سے صورت مسئولہ مذکورہ بالا میں شرعاً استفسار ہے کہ آیا شرعاً بموجب عبارات کتب فقہیہ مفصلہ ذیل یہ وقف ناجائز۔ اول یہ عبارت ہے

فی البزازیہ لا یجوز وقف البناء فی ارض عاریۃ او اجارۃ (درمختار)

دوم عبارت یہ ہے۔ لا یجوز وقف البناء فی ارض ھی اعارۃ او اجارۃ کذافی قاضی خان و عالمگیری پس اگر واقعی یہ وقف ناجائز ہے تو آیا کل جائیداد متنازعہ پر یہ صرف دو چھوٹے حصہ دار تنہا دخل کر سکتے ہیں یا بقدر اپنے حصہ کے یا آیا بموجب عبارات ذیل یہ وقف جائز ہے اور دعوی مدعیان قابل سماعت نہیں ہے۔

اول عبارت یہ ہے جو عبارت سب سے اول مندرجہ مذکورہ بالا کے لفظ (او اجارۃ) کے تحت میں

شامی میں تحریر ہے یستثنی منه ما ذکره الخصاف من الارض اذا کانت متقررة للاحتکار فانه یجوز قال فی الاسعاف وذکر فی اوقاف الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوزان کانت الارض باجارة فی ایدی الذین بنوها لا یخرجه السلطان عنها الخ۔

دوئم عبارت جو عالمگیری میں عبارت مذکورہ بالا عدم جواز وقف استدلال میں بالائے ازیں نقل ہے اس کے آگے ہی یہ لکھا ہے۔

ذکر الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارة فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم السلطان عنها وبه عرف وقف البناء علی الارض المحتکرة کذافی النهر الفائق.

سوئم عبارت۔ بنی علی الارض ثم وقف البناء قصداً بدونها ان الارض مملوکة لا یصح و قیل صح و علیه الفتوی (درمختار)

چہارم عبارت - سئل قاری الهدایة - عن وقف البناء و الغراس بلاارض فاجاب الفتوی علی صحة ذلك ورجحه شارح الوهبانية واقره المصنف معللاً بانه منقول فیه تعامل فتعین الافتاء (درمختار)

کیونکہ جب کہ وقف عمارت کا بغیر زمین کے ایسی صورت میں بھی جائز ہے کہ اس مالک اراضی اور اس کے قائم مقام ووارث وغیرہ کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ چاہے جب خالی کرالیوے تو صورت مسئولہ میں تو منجانب سلطان بحیثیت کرایہ دار ایک مدت طویلہ بلکہ ہمیشہ کے واسطے مقبوضہ کرایہ دار واقف عمارت ہونا یقینی ہے تو ایسی صورت تو بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے۔

پنجم عبارت -اقر بوقف صحیح وبانه اخرجه عن یده وورثته یدعون خلافه جاز الوقف ولا تسمع دعوی ورثته قضاءً (درمختار)

لہذا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب کہ اکثر اور بڑے حصہ دار وارث واقف بھی اس وقت تک باوجود چوبیس پچیس سال وقف ہوئی کو گزر جانے کے وقف کردہ مورث کو صحیح اور درست جانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں تو ایک دو حصہ دار چھوٹے حصہ دار ہونے والے کا دعوی کس طرح قابل سماعت ہو سکتا ہے۔ بینوا بالدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔؟

(الجواب) (۱) فی البحر الرائق و فی المجتبی لا یجوز وقف البناء بدون الاصل هو المختار الخ و فی الفتاوی السراجية سئل هل یجوز وقف البناء و الغرس دون الارض اجاب الفتوی علی صحة ذلك وظاهرانه لا فرق بین ان یکون الارض ملکاً او وقفاً (بحر صفحه ٢٠٤ جلد ٥)

وفی الدر المختار بنی علی الارض ثم وقف البناء بدونها ان الارض مملوکة لا یصح و قیل صح و علیه الفتوی سئل قاری الهداية عن وقف البناء و الغراس بلا ارض فاجاب الفتوی علی صحة ذلك ورجحه شارح الوهبانية و اقره المصنف معللاً بانه منقول فیه تعامل فیتعین به الافتاء

(درمختار مع الشامی صفحه ٤٢٦ ج ٣) (٢) وفی الدر المختار عن البزازیه لا یجوز وقف البناء فی ارض عاریة اوا جارة و مثله فی الهندیة عن الخانیة

(٣) قال العلامة الشامی تحت قول الدر لا یجوز وقف البناء فی الارض عاریة اوا جارة مانصه ویستثنی منها ما ذکره الخصاف من ان الارض اذا کانت متقررة للا حتکارفا نه یجوز (بحر) قال فی الاسعاف ذکر فی اوقاف الخصاف ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض اجارة فی ایدی الذین بنوها لا یخرجهم السلطان عنها من قبل ان رأیناها فی ایدی اصحاب البناء توار ثوها و تقسم بینهم لا یتعرض لهم السلطان فیها ولا یزعجهم وانما هی غلة یاخذ ها منهم و تداولها خلف عن سلف و مضی علیها الدهور وفی ایدیهم یتبایعونها ویواجرونها ویجوز فیها وصایاهم ویهدمون بنائها ویعید ونه و یبنون غیره فکذلك الوقف فیها جائز واقره فی الفتح وذکر ایضاً انه مخصص لاطلاق قوله اوا جارة وقد علمت وجهه وهو البقاء والتابید وهو مؤید لما قلنا من تخصیص الوقف لما اذا کانت الارض محتکرة (شامی صفحه ٤٢٦ ج ٣)

وفیه بعد ذلك وقدمنا وجهه وهوان البناء علیها یکون علی وجه الدوام فیبقی التابید المشروط لصحه الوقف (ردالمحتار). قال الشامی فی حاشیة البحر والارض المحتکرة هی التی وقف بنائها ولم توقف هی کان استاجر ارضاً للبناء علیها و بنی فیها ثم وقف البناء کذا ارا یت لبعض الشافعیة واقول الارض هی المقررة للاحتکار اعم من ان تکون وقفاً او ملکاً الاحتکار فی العرف اجارة یقصد بها منع الغیر(بحر الرائق صفحه ٢٠٤ جلد ٥) و فی قانون العدل والانصاف معزیاً لردالمحتار الاحتکار وهو عقد اجارة یقصد به استبقاء الارض الموقوفة مقررة للبناء والتعلی او للغراس صفحه ٩٢)

وفیه معزیاً لتنقیح الحامدیة صفحة ١٣١ ج ٢ یثبت للمحتکر حق قرار بناء الارض والجدار ویلزم باجرة مثل الارض مادام بنائه قائماً فیها.

وفیه معزیاً لرد المحتار ولا یکلف المحتکر برفع بنائه ولا بقلع غراسه مادام یدفع اجرة المثل المقررة علی ساحة الارض المحتکرة (قانون العدل صفحه ٩٢)

(۴)قال الشامی تحت مطلب وقف البناء مانصه بان شرط الوقف التابید والارض اذا کانت ملکاً لغیره فللما لك استردادها وامرها بنقض البناء وکذا لوکانت ملکاله فان لورثته بعد ذلك فلا یکون الوقف موبدا.

وعلی هذا فینبغی ان یستثنی من ارض الوقف مااذا کانت معدةً للاحتکار لان البناء یبقی فیها کما اذا کان وقف البناء علی جهة وقف الارض فانه لا مطالب لنقضه والظاهران هذا وجه جراز وقفه اذا کان متعارفا ولهذا جاز وقف بناء القنطرة علی نهر العام وقالو ان بناء هالا یکون میراثاً وقال فی الخانیة انه دلیل جواز وقف البناء وحده فیما سبیله البقاء کما قلنا

(ردالمحتار صفحه ٤٢٦ ج ٣)

وفی الدر المختار اذا وقته بشهر وسنة بطل اتفاقاً (درمع الشامی صفحه ٣٩٩ ج ٣)

نزول کی زمین میں کوئی عمارت وغیرہ بنا کر اس کو وقف کرنے میں قواعد فقہیہ کے اعتبار سے چند سوال عائد ہوتے ہیں۔

(۱) یہ وقف صرف عمارت وغیرہ کا ہوگا زمین بوجہ مملوکہ گورنمنٹ ہونے کے وقف نہ ہوگی کیا ایسا وقف جائز ہے۔

(۲) یہ زمین چونکہ واقف عمارت کے قبضہ میں بطور اجارہ وکرایہ ہے تو کیا کرایہ کی زمین میں عمارت کا وقف صحیح ہو سکتا ہے۔

(۳) اگر اجارہ کی زمین میں کسی عمارت کا وقف جائز ہے تو کیا اس کے لئے یہ شرط ہے کہ جب تک یہ عمارت باقی رہے اس وقت تک کرایہ دار اپنی عمارت موقوفہ کو اٹھانے پر مجبور نہ کیا جاوے خواہ کتنی ہی مدت گزر جائے نیز یہ کہ عمارت بعد اختتام میعاد اجارہ کسی شخص یا حکومت کی ملک خاص میں نہ آسکے۔

عبارات فقہیہ مذکورہ میں ان سب سوالات کے جواب آگئے ہیں مثلاً سوال اول کا جواب عبارت نمبر (۱) میں بوضاحت معلوم ہو گیا کہ فتوی اس پر ہے کہ تنہا عمارت بغیر زمین کے وقف ہو سکتی ہے یعنی یہ جائز ہے کہ کوئی شخص زمین کو وقف نہ کرے اور اس پر جو عمارت یا درخت ہیں صرف ان کو وقف کر دے اور سوال دوم کا جواب عبارت نمبر ۲ میں بوضاحت معلوم ہو گیا کہ عاریت یا کرایہ پر زمین لیکر اس میں کوئی عمارت بنائی جائے تو عام ضابطہ یہی ہے کہ اس کا وقف جائز نہیں صرف ایک صورت مستثنیٰ ہے جو سوال سوم کے جواب میں آتی ہے اور سوال سوم کا جواب عبارات نمبر ۳ میں و نمبر ۴ سے معلوم ہوا کہ کرایہ کی زمین میں وقف کرنے کی صرف ایک صورت جائز ہے وہ یہ کہ یہ زمین اسی کام کے لئے مقرر ہو کہ اس کو کرایہ پر دیا جائے اور لوگ اس میں عمارتیں بنائیں یا درخت وغیرہ لگائیں مالک زمین یا منتظم زمین اس کا کرایہ ان سے وصول کرتا رہے اور بس۔ اور اس قسم کی زمین کا نام اصطلاح فقہاء میں ارض محتکرہ ہے لیکن اس خاص صورت کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ جب تک یہ عمارت یا درخت باقی ہیں اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا رہے اس وقت تک کرایہ دار کو ان کے اکھاڑنے اور اٹھانے پر مجبور نہ کرے خواہ مدت اجارہ ختم ہو جائے جیسا کہ شامی کی عبارت بحوالہ اسعاف و فتح القدیر وغیرہ سے ثابت ہے کہ اس قسم کے وقف کا جواز صرف اسی بات پر مبنی ہے کہ یہ عمارت بقاء دوام کے لئے ہوتی ہے اور اس طرح شرط تابید کا تحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ عبارت نمبر ۳ میں گزر چکا ہے نیز عبارت نمبر ۴ میں امام قاضی خانؒ سے اس قسم کے وقف کا جواز اسی شرط کے ساتھ منقول ہے کہ یہ عمارت وغیرہ باقی رکھی جائے کسی وقت (بغیر کرایہ دار کی بدعہدی کے) اس کو توڑنے پر مجبور نہ کیا جاوے اور دوسری شرط وہ ہے جو عبارت درمختار مندرجہ نمبر ۴ میں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی وقف میں کسی خاص مدت و میعاد کی قید ہو اور بعد اس میعاد کے کسی ملک خاص کی طرف لوٹ جانا اس کا تسلیم کر لیا گیا ہو تو وہ وقف باتفاق باطل ہے۔

بنائے علیہ ثلث ہوا کہ نزول کی زمین میں اگر بعد اختتام میعاد قانون وقت اور عادت عامہ یہ ہو کہ کرایہ دار کو توسیع نہ دی جائے اور عمارت توڑنے پر مجبور کیا جائے تو یہ وقف صحیح نہ ہوگا اور اسی طرح اگر کرایہ دار نے کہیں یہ شرط منظور کرلی ہو کہ بعد اختتام میعاد کے یہ عمارت گورنمنٹ کی ملک ہو جائے گی جب بھی وقف صحیح نہ ہوگا کیونکہ جواز کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ ارض محتکرہ کی شرائط اس میں متحقق ہوتیں لیکن معاملہ زیر بحث کے کرایہ نامہ مطبوعہ کا ترجمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کی دو شرطیں نزول کی اس زمین میں متحقق نہیں ہیں ایک دوام وبقاء عمارت دوسرے بعد ختم میعاد کسی کی ملک خاص نہ ہونا کیونکہ حسب تصریح کرایہ نامہ اس عمارت کو گورنمنٹ اندر میعاد بھی اپنی ضرورت کے لئے منہدم کر سکتی ہے اور بعد اختتام میعاد تو ظاہر یہی ہے نیز اس کرایہ نامہ میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ بعد اختتام میعاد یہ عمارت بھی گورنمنٹ کی ملک ہو جائیگی اس لئے نزول کی زمین میں جس جگہ یہ دو شرطیں کرایہ دار سے منظور کرالی جائیں وہاں وقف عمارت اس زمین پر صحیح نہ ہوگا اور اس کو ارض محتکرہ پر قیاس کرنا جائز نہ ہوگا اور جب وقف ثلث نہ ہوا تو یہ عمارت لا محالہ وارثوں کی طرف منتقل اور ان کی حسب حصہ ملک ہوگی خواہ وہ دعوی کریں یا نہ کریں اور ایک میعاد معین کے بعد قضاء عدم سماع دعوے کا حکم جو کتب فقہ میں منقول ہے وہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ حق پہلے سے ثابت اور مسلم نہ ہو اور جب کہ اس مکان کا مالک مورث ہونا فریقین کو مسلم ہے اور وقف ہونا شرعاً ثابت نہ ہوا تو وارثوں کا حق اس میں خود بخود ثابت ہو گیا اور وہ دعوی ابطال وقف کریں یا نہ کریں۔ **كما يتضح من كلام الفقهاء فى هذا الباب والله سبحانه و تعالى اعلم.**

خلاصہ --- یہ ہے کہ نزول کی زمینوں کے قواعد مختلف شہروں میں مختلف ہیں جس جگہ یہ دو شرطیں موجود ہوں وہاں وقف صحیح ہے۔

اول یہ کہ جب تک عمارت یا درخت قائم ہے اور کرایہ دار کرایہ ادا کرتا رہے اس وقت تک گورنمنٹ اس کو عمارت کے اکھاڑنے پر مجبور نہ کرے اگرچہ کرایہ مدت ختم ہو جاوے۔

دوسرے یہ کہ بعد اختتام میعاد اس عمارت کا کسی شخص کی ملک کی طرف منتقل ہو جانا کرایہ نامہ میں تسلیم نہ کرلیا گیا ہو، ان دونوں شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہو گئی تو وقف باطل ہو جائے گا۔ **والله سبحانه و تعالى اعلم. وهو الذى علم الانسان مالم يعلم**

واقف کا تاحیات جائیداد کی آمدنی اپنے لئے مقرر کرنا

(سال ۶۴۳) مسماۃ ...... نے ایک وصیت نامہ لکھا جو ارسال خدمت ہے۔ اس وصیت نامہ میں چار مکان مسجد کے لئے دئے اور یہ لکھا کہ نمبر ۱ مکانات ذیل دوکان نمبر ۴۶ و مکان نمبر ۴۶-اے و مکان نمبر ۳۶-بی و مکان نمبر ۴۶-سی چار قطعہ واقع آبادی کوہ کسولی یہ مکانات مظہرہ مع جملہ حقوق داخلیہ و خارجیہ کے مسجد کوہ کسولی کے نام بشرائط ذیل منتقل کرتی ہے کہ تاحین حیات خود من مظہرہ ان مکانات کو اپنے قبضہ میں رکھ کر آمدنی کرایہ خود وصول کرے گی اور مرمت ضروری بھی خود کرے گی اور ٹیکس چھاؤنی خود ادا کرے گی بعد

وفات مظہرہ کے متولیان مسجد و جملہ پنچائت اہل اسلام کو وہ کسولی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ زر کرایہ وصول کر کے مصارف مسجد میں خرچ کریں و مرمت و ٹیکس وغیرہ ادا کریں اور ملکیت مسجد میں داخل کریں یہ جائیداد مسجد کے نام وقف ہوئی یا نہیں۔ وصیت نامہ ملاحظہ فرماکر جواب لکھیں۔؟

(الجواب) وصیت نامہ منسلکہ دیکھا گیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسماۃ لاڈی نے جو مسجد کے نام جائیداد وقف کی ہے اور اس کی آمدنی کو حین حیات اپنے لئے رکھا ہے یہ وقف صحیح اور نافذ ہو چکا اس میں کسی وارث کا کچھ نہیں۔ قال فی الدر المختار من الوقف وجاز جعل غلة الوقف اوالولاية لنفسه عند الثانی وعليه الفتوٰی شامی صفحه ٤٢١ ج ٣)

اور وصیت نمبر ۲ جو محمد یوسف کے نام ہے اور اسی طرح وصیت نمبر ۳ جو مسماۃ حسو کے نام ہے اور اسی طرح وصیت نمبر ۴ جو علی بخش کے نام ہے اس طرح سے باقی تمام وصیتیں جس طرح مسماۃ مذکورنے کی ہیں ٹھیک اسی طرح تو نافذ نہیں ہو سکتی بلکہ شرعاً اس کی صورت یہ ہوگی کہ مسجد کے نام جو جائیداد وقف کی گئی ہے اس کو علیحدہ کر کے کل مال و جائیداد کو دیکھا جائے کتنا ہے اس کل مجموعہ میں سے ایک تہائی مال کے اندر یہ تمام وصیتیں حسب حصہ نافذ ہو جائیں گی اور اگر یہ سب وصیتیں تہائی مال سے زیادہ ہوں تو ان کا نفاذ سب وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت نہ دیں تو باقی دو تہائی مال مسماۃ کے وارثوں میں تقسیم ہوگا جس کی تفصیل اس کے تمام وارثوں کے نام بتلانے پر بتلائی جا سکتی ہے۔

روپیہ غبن کرنے والے کی امامت و تولیت کا حکم

(سال ٦٤٤) جو شخص مدرسہ اسلامیہ کا بہت سا روپیہ غبن کرے اور واپس نہ دے اور طمع پر جھوٹی شہادت دینے پر رضامند ہو جاتا ہے مسجد کی چاندنی کرایہ پر دیکر کرایہ خود استعمال اور خرچ کرتا ہے مسجد کا تیل بیچ کر پیسے خود خرچ کر لیتا ہے بدعتی خائن ہے۔

(الجواب) اگر فی الواقع یہ اوصاف اس میں موجود ہیں تو وہ سخت فاسق اور خائن ہے اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ کمافی الهدايه وغيره و خلف فاسق ۔ ایسے شخص کو اگر قدرت ہو تو امامت اور مسجد کی تولیت دونوں سے علیحدہ کر دینا واجب ہے۔ قال فی الدر المختار وينزع وجوباً لو الواقف درر فغيره اولى غير مامون او عاجزا وظهر به فسق كشرب خمر و نحوه فتح او كان يصرف ماله فی الكيمياء نهر بحثا . ١٢ ربيع الاول ١٣٥٠ هجرى.

مسجد اور مسافر خانہ کا فرق

(سوال ٦٤٥) مسجد اور مسافر خانہ میں کیا فرق ہے اگر کوئی مشرک اپنا مکان ہبہ کرے تو اس میں نماز درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسجد اور مسافر خانہ میں سیکڑوں احکام میں فرق ہے آپ کس معاملہ میں فرق پوچھتے ہیں جو شخص اپنا

مکان مسجد کے لئے ہبہ کردے اس میں نماز درست ہے۔

مشترکہ زمین کو بغیر تقسیم کے کوئی شریک مسجد و مقبرہ کے لئے وقف نہیں کر سکتا

(سوال ٦٤٦) ایک زمین کے سات مالکوں میں سے پانچ شرکاء نے اپنے و نیز غیر موجودہ دو شرکاء کی جانب سے ایک زمین کو بغرض تعمیر مزار ایک بزرگ مرحوم کے و نیز تعمیر خانقاہ و دیگر عمارات متعلقہ مزار وقف زبانی کیا اور اس وقف کا متولی بھی مقرر کر دیا اور اس اعلان کے مطابق مزار تیار ہوا اس کے گرد چہار دیواری بنی اور مراسم قل و عرس وغیرہ انجام پاتے ہیں اور اس عمل درآمد کے خلاف کبھی ہر دو شرکاء غیر حاضر نے اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اسے بنظر پسندیدگی دیکھتے آئے مگر چار پانچ برس کے بعد جملہ ساتوں شرکاء نے اس زمین کا وقف تحریری لکھا اور خلاف اغراض و شرائط و منشاء وقف زبانی اس پچھلے وقف تحریری میں شرائط رکھی۔ اب سوال یہ ہے۔

(۱) کیا وقف زبانی از قسم مشاع ہے اور ناجائز ہے۔ (۲) کیا باوجود تسلیم و رضاء بالسکوت ہر دو شرکاء غیر حاضر کے و نیز باوجود عملدرآمد بھی وقف ناجائز ہوا (۳) اور اگر وقف ناجائز ہوا تو تدفین جو بربنائے وقف زبانی عمل میں آئی ہے وہ شرعاً جائز ہوئی یا نہیں اگر ناجائز ہے تو اس کے متعلق کیا صورت اختیار کی جائے۔؟

(الجواب) قال فی البحر من الوقف فقد علمت انه قول محمدؒ فلا یجوز وقف المشاع وقال ابویوسف هو جائز الی قوله والخلاف فیما یحتمل القسمة اما ما لایحتمل القسمة فهو جائز اتفاقاً اعتباراً عند محمدؒ بالهبة الصدقة المنفذة الا فی المسجد والمقبرة فانه لایتم مع الشیوع فیما لایحتمل القسمة عند ابی یوسفؒ ایضاً لان بقاء الشرکة یمنع الخلوص لله تعالیٰ ولان المهایاة فی هذا فی غایة القبح بان یقبر فیها الموتی سنةً وتزرع سنة ویصلی لله فیه فی وقت ویتخذ اصطبلاً فی وقت بخلاف الوقف لامکان الاستغلال والحاصل ان وقف المشاع مسجداً ومقبرة غیر جائز مطلقاً اتفاقاً انتهیٰ بحر الرائق ص/۱۹۷ ج/۵-

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ مقبرہ اور مسجد کا وقف مشاع و مشترک ہونے کی حالت میں مطلقاً باتفاق ائمہ حنفیہ درست نہیں اور دو شریکوں کا سکوت کرنا شرعاً وقف کرنے کے حکم میں نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اشباہ و نظائر میں لکھا ہے۔ لاینسب الی ساکت قول والذی نحن فیه لیس من المستثنیات التی ذکره من هذه القاعدة هنالك-

پس صورت مذکورہ میں مقبرہ اور مسجد کا وقف ابتداءً مشاع ہوا جو باتفاق درست نہ تھا۔ لہذا یہ زمین اس وقت تک ساتوں شریکوں کی ملک تھی لیکن جبکہ ساتوں شریکوں نے ملکر تحریری وقف نامہ لکھا اس وقت سے وہ کل زمین وقف ہو گئی اور جو شرطیں اس وقت لکھی گئیں وہی شرطیں معتبر ہوں گی۔

مشترک موروثہ زمین کا وقف یا بیع سب شرکاء کی اجازت کے بغیر درست نہیں

(سوال ٦٤٧) نبی خان کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے رحیم خان نے اس خیال سے کہ والدین کی تجہیز و تکفین وادائے قرض ودیگر اخراجات مثلاً کمسن ورثہ کی پرورش وبیاہ وغیرہ کیا جائے قاسم صاحب کے نام فروخت کردیا۔ نہ معلوم بقیہ ورثہ سے اجازت بھی لی لیکن اس میں تو شک نہیں کہ وہ کل ورثہ کا کفیل تھا بعد ازاں قاسم نے خریدی ہوئی زمین محلّہ پرانی گلی کی مسجد کے لئے وقف کردیا اور اسپر کئی ہزار روپیہ کی عمارت بھی قائم کی گئی بائع ومشتری کے تاحین حیات کسی وارث نے اپنا حق طلب نہیں کیا حتی کہ سرور خان نبی خان کا چھوٹا بیٹا بھی انتقال کر گیا بعد ایک زمانہ کے نبی خان کے بعض ورثہ اور سرور خان کی اولاد کے کفیل نے مذکورۃ زمین محلّہ نئی گلی کے بعض اصحاب کے نام بیع ثانی کردی لیکن وہ اس پر اپنا قبضہ نہ جما سکے مذکور زمین اول کے بعد تمیں سال اور بیع ثانی کے بعد تیئیس سال سے اراکین مسجد پرانی گلی ہی کے قبضہ میں ہے پس ان دونوں بیعوں میں سے کونسا بیع صحیح ہے اور زمین مذکور ازروئے شرع کس کی ملک قرار دی جاوے گی۔ اور امتداد زمانہ دلیل سقوط حق ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا؟ (۲) ساکنان محلّہ نئی گلی کے بعض اصحاب محلّہ پرانی گلی ونئی گلی دونوں محلوں کے مسجدوں کے متولی تھے یا مخصوص اوقات مسجد پرانی گلی کے محافظ وحساب آمد وخرچ کے مالک بھی وہی تھے اتفاقاً انہوں نے ایک زمین پرانی گلی کی مسجد کے روپیوں سے خریدی اور دفتر حساب میں اس قسم سے لکھدیا کہ پرانی گلی کے لئے خریدی ہوئی زمین کی قیمت اور رجسٹری کا خرچ ایک سو پچپن روپیہ مگر دستاویز میں مذکور مسجد کے لئے کرکے ہی لکھا ہوا ہے۔ عبارت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مسجد مذکور سے مراد کون سی مسجد ہے اور مذکور اصحاب کا انتقال ہی ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے مذکورہ زمین ۳۸ سال سے اہالیان مسجد پرانی گلی ہی کے قبضہ میں ہے اور اس پر انہوں نے پانچ چھ ہزار روپیوں کی عمارت بھی چڑہادی ہے پس ایسی صورت میں زمین مذکور ازروئے شرع کونسی مسجد کی موقوفہ سمجھی جائے گی؟

(۳) ساکنان نئی گلی کا املاک مسجد پرانی گلی پر اس کے متولی یا واقف کا نام یا ملک مسجد پرانی گلی کا نام کندہ کرنا اپنی عدم ملکیت کا اقرار اور غیر کے لئے تملیک کا اثبات ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) بیع اول بقدر حصہ رحیم خان کے صحیح ہو گئی۔ باقی وارثوں کے حصص کی بیع صحیح نہیں ہوئی کیونکہ رحیم خان کو ان کی بیع کا شرعاً کوئی حق نہ تھا پھر جس قدر حصہ کی بیع صحیح ہوئی اس کا وقف بھی صحیح ہو گیا باقی حصوں کا وقف بھی صحیح نہیں ہوا دوسری بیع جن جن وارثوں نے خود کی یا بذریعہ وکیل کرائی ان کے حصوں کی مقدار میں یہ بیع بھی درست ہو گئی۔ کیونکہ تمادی اور عدم مطالبہ سے کسی کا حق شرعاً ساقط نہیں ہوتا۔ کما صرح به فی الشامی من ان الحق لایسقط بتقادم الزمان —

خلاصہ یہ ہوا کہ رحیم خان کے حصہ کی بیع صحیح ہو گئی اور پھر وقف صحیح ہو گیا اور باقی حصوں میں سے جن کی دوبارہ بیع ہو گئی وہ ان کے خریداروں کی ملک ہو گئے اور جن کی بیع نہیں ہوئی وہ اصل مالکان کی ملک میں ہنوز داخل ہیں جب تک وہ اجازت نہ دیں یا بیع نہ کریں اس وقت تک یہ سب حصے مسجد میں وقف نہیں ہو سکتے ۔ واللہ اعلم۔

(۲) اگر اس رجسٹر پر اطمینان ہو اور خط پہنچانے والے تصدیق کریں کہ یہ تحریر متولیان مسجد ہی کی ہے تو شرعاً اس تحریر کا اعتبار ہو سکتا ہے اور اس جگہ کو محلّہ پرانی گلی کی مسجد ہی کی ملک سمجھا جائے گا کما صرح به الشامی فی ردالمحتار و تنقیح الفتاوی الحامدیة من اعتبار الخط فی امر الوقف. واللہ تعالی اعلم

(۳) اس قسم کے نام یا عبارتیں کندہ کرنا علامت وقف سمجھی جاتی ہیں اور اگر کوئی دوسری شہادت وقف ہونے پر موجود نہ ہو تو پھر اس تحریر سے بھی وقف ثابت کر دیا جاتا ہے۔

كما حققه الشامی فی باب القضاء من ردالمحتار صفحه ٤٤١ ج ٣ تبعاً للاشباه. و فصله فی تنقيح الفتاوى الحامدية بما لا مزيد عليه مراجعه من كتاب الدعوى. والله تعالى اعلم

موقوفہ مکان کو دوسرے سے بدلنا یا فروخت کرنا

(سوال ٦٤٨) میرے دادا مرحوم نے اپنی حیات میں ایک مکان کا چھٹا حصہ بنام مسجد مستقل طور پر وقف کر دیا تھا جس کی آمدنی کرایہ بارہ روپیہ ماہوار ہے اور مسجد میں صرف ہوتی ہے بقیہ مکان بندہ کی رہائش میں ہے ہر دو مکانات آپس میں ملحق ہے، بندہ کو بوجہ تنگی مکان کے سخت تکلیف گوارہ کرنی پڑتی ہے اگر مکان موقوف اس میں شامل ہو جائے تو تکلیف مندرجہ سے راحت ہو سکتی ہے اس صورت میں بطور بیع چار آدمی جو قیمت واجب کہہ دیں تو بیع ہو سکتی ہے یا نہیں یا استبدال کسی دوسرے مکان سے جو مسجد کے لئے آمدنی میں باعث زیادتی ہو اور مسجد کے لئے مفید ہو تو شرعاً استبدال جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جب کہ مکان موقوفہ آباد اور قابل کرایہ ہے تو اس کا فروخت کرنا یا دوسری سے بدلنا اگرچہ دوسری زمین نفع اور کرایہ میں اس سے زائد ہو جائز نہیں۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه الاول ان يشرطه الواقف لنفسه فالا ستبدال فيه جائز على الصحيح الى قوله و الثانى ان لا يشرطه ولكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية بان لا يحصل منه شئ اصلًا ولا يفى بمئونة فهو ايضاً جائز على الاصح اذا كان باذن القاضى. والثالث ان لا يشرطه ايضاً ولكن فيه نفع فى الجمله و بدله خير منه ريعاً و نفعاً وهذا لايجوز استبداله على الاصح المختار كذا حرره العلامة خالى زاده فى رسالته الموضوعة فى الاستبدال وهو ماخوذ من الفتح ايضاً وافاد صاحب البحر بمثله شامى باختصار مطلب الاستبدال من الوقف صفحه ٤٢٢ ج ٣.

مدرسہ قرات کے لئے جو وقف ہو وہ مدرسہ تجوید پر صرف ہوگا

(سوال ٦٤٩) زید نے اپنی جائیداد کو وقف کرنے کے لئے وقت ایک اسلامی مدرسہ کے اپنے وقف نامہ میں بدیں الفاظ چندہ معین کیا کہ مبلغ ایک سو بیس روپیہ سالانہ واسطے صرف بلد قراۃ در مدرسہ۔ جس کو بکر متولی نے چند سال تک بعد انتقال واقف ادا کیا اب متولی مذکور یہ دیکھ کر کہ مدرسہ کے کاغذات میں اس درجہ کو درجہ

تجوید لکھا جارہا ہے یہ چاہتے ہیں کہ واقف نے چونکہ یہ روپیہ بمد قراۃ متعین کیا ہے لہذا درجہ تجوید میں ادا نہ کیا جائے آیا متولی کا اس بہانہ سے چندہ کو روکنا صحیح ہے یا نہیں اور آیا قراۃ و تجوید مغائر ہیں یا نہیں۔ ؟

(الجواب) لفظ قراۃ اور تجوید اپنے مفہوم لغوی کے اعتبار سے اگرچہ کچھ عام و خاص کا فرق رکھتے ہوں لیکن عرف و محاورات میں دونوں ایک ہی اصطلاح مخصوص اور فن مخصوص کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ ہمارے عرف میں فن تجوید کو بیشتر فن قراۃ ہی کہا جاتا ہے اور اسی کا استعمال زیادہ ہے بالخصوص عوام تو فن تجوید کو صرف فن قراہ کے ہی نام سے سمجھتے ہیں عرف میں ان دونوں لفظوں کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں متولی وقف کی یہ تاویل محض باطل اور غلط اور نا قابل التفات ہے اگر ایسی تاویلوں پر نظر کی گئی تو کوئی وقف اپنی حقیقت و حقیت پر قائم نہیں رہ سکتا باتفاق فقہا اس جیسے امور میں عرف کا لحاظ ضروری ہے جیسا کہ علامہ شامی کتاب الوقف میں بالفاظ ذیل تصریح فرماتے ہیں **علی انهم صرحو ابان مراعات غرض الواقفين واجبة وصرح الاصوليون بان العرف يصلح مخصصاً** شامی صفحہ **۴۲۱ ج ۳**.

وقف اور اس کی شرائط

(سوال **۶۵۰**) ایک شخص نے اپنی جائیداد جو کہ بیس روپیہ ماہوار کی آمدنی کی تھی وقف کی اور یہ شرط لگائی کہ میری اولاد میں سے جس کی آمدنی پندرہ روپیہ ماہوار سے کم کی ہو وہ اس میں سے پانچ روپیہ ماہوار لے سکتی ہے اور زوجہ کے لئے علیحدہ مکان پندرہ روپیہ ماہوار آمدنی کا ہبہ کر دیا آیا یہ شرط درست ہے یا نہیں اور یہ شخص اس شرط کی وجہ سے گناہ گار تو نہیں ہے۔ ؟

(الجواب) شرائط وقف سب صحیح و درست ہیں ان میں کسی قسم کا شرعی نقص معلوم نہیں ہوتا اور جب کہ دوسرے وارثوں کی طرح بیوی کے حق کی بھی رعایت کر لی گئی ہے تو وہ خدشہ بھی جاتا رہا جس کی طرف حضرت دامت برکاتہم نے ارشاد فرمایا ہے اور قطع میراث کی وعید جو حدیث ابن ماجہ میں مذکور ہے وہ اولاً قصد اضرار پر محمول ہے ثانیاً صورت زیر بحث میں بالکلیہ قطع بھی متحقق نہیں کیونکہ جو فائدہ وارث کو میراث سے پہنچ سکتا تھا وہ ایک حد تک اب بھی پہنچ جائیگا اور مافوق الثلث کے صدقہ کرنے کی جو ممانعت حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص میں مذکور ہے وہ اس وقت کے متعلق ہے جب کہ مرض وفات کی حالت ہو اور ورثہ کا حق مال موروث کے ساتھ متعلق ہو چکا ہو صحت میں اس کی ممانعت نہیں جب کہ اضرار ورثہ کا قصد نہ ہو۔ **كما يستفاد من كلام الشامی فی كتاب الهبة والله سبحانه و تعالى اعلم.**

دراہم ودنانیر کے وقف کئے جانے کی تحقیق

(سوال ۶۵۱)[1] ایک ضروری سوال حل طلب ہے جس کا منشاء چند فروع فقہیہ ہیں اول وہ فروع نقل کرتا ہوں پھر وہ سوال لکھوں گا اور چونکہ وہ فروع محض یاد سے لکھی ہیں اس لئے ان کے صحیح یا غلط یاد ہونے کی تحقیق بھی مقصود ہے وہ فروع یہ ہیں۔

(۱) دراہم ودنانیر کا وقف کرنا متاخرین کے قول پر صحیح ہے اس صورت سے کہ اصل سرمایہ باعتبار مقدار کے محفوظ رہے اس کو بذریعہ تجارت بڑھا کر اس کے منافع کو مصارف وقف میں صرف کیا جاوے۔

(۲) واقف کو منافع وقف سے تاحیات خود اپنی ذات کے لئے انتفاع کی شرط ٹھیرانا جائز- دوسری شرائط صحت وقف کا تحقق ہر حال میں ضروری ہے۔

(۳) وقف میں زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ وجوب کے لئے دلیل سے ملک محل کی شرط ہے اور اس علت کا مقتضا یہ ہے کہ دراہم موقوفہ اور اس کے ربح میں بھی زکوٰۃ واجب نہ ہو۔ مقتضٰی کلیات سے لکھا ہوا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر دراہم موقوفہ بشرط انتفاع النفس کی آمدنی پر اپنے خرچ میں لانے کے لئے قبضہ کر لیا تو اس نیت سے قبضہ کرنے سے وہ رقم اس کی ملک میں داخل ہو گئی یا داخل نہیں ہوئی صرف اباحت کے طور پر اس سے انتفاع جائز رہے گا دوسری صورت میں یہ سوالات متوجہ ہوں گے کہ اگر قبل استہلاک اس پر حولان حول ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ نہ ہونا چاہئے نیز اگر واقف مر گیا تو اس میں میراث جاری نہ ہونا پھر کس صورت میں واقف پر واجب ہوگا کہ اس کے متعلق وصیت کر جاوے اور کیا اس کا مصرف اس وقف کے مصارف مقصود ہوں گے اور اگر اس کو دوسرے مال میں مخلوط کر دیا تو خلط سے مالک ہو کر کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔

اور پہلی صورت میں یعنی تملک میں یہ سوالات تو متوجہ نہ ہوں گے لیکن ایک علمی اشکال رہے گا کہ جب منافع وقف کے بھی وقف ہیں جس کے لوازم سے عدم تملک ہے یہ لازم اس سے کیسے منفک ہو گیا۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) فروع مذکورہ جن پر سوال مبنی ہے سب صحیح اور مصرحات فقہاء میں سے ہیں۔ فرع نمبر ۱۔ عالمگیری باب دوم جلد سوم ۳۰۲ میں۔ نیز در مختار میں مصرح ہے اور فرع نمبر ۲۔ بھی عالمگیری اور شامی وغیرہ

---

(۱) یہ سوال حضرت مجدد الملت حکیم الامت سیدی وسندی ومرشدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کا ہے جس پر جواب لکھنے کی جرأت بھی اپنی بے مائگی کے باوجود حضرت ہی کے الطاف ومکارم اخلاق کی بنا پر ہو سکی ورنہ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل۔

حضرت والا قدس سرہ نے اس جواب پر تصدیق بھی بالفاظ ذیل تحریر فرما کر ایک ناکارہ کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں ان کلمات کو آئندہ کیلئے فال نیک اور باعث برکات سمجھ کر نقل کرتا ہوں۔ ورنہ اس کی نقل بھی دشوار ہے۔

السلام علیکم۔ دو مسرتیں ہوئیں اور دونوں بالغہ سابغہ۔ ایک شبہ کا ازالہ 'دوسری اپنی آنکھ سے دین کی صحیح خدمت کرنے والے کا مشاہدہ جس سے امید بن گئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ امت کے دستگیر ابھی باقی رہیں گے دل سے دعا برکت ظاہرہ وباطنہ کی کرتا ہوں۔

اشرف علی از تھانہ بھون

اور عامہ متون شامی و شروح میں مصرح ہے اور فرع نمبر ۳ شامی میں درمختار کے قول وسببه ملك نصاب کے تحت میں مصرح ہے ولفظه فلا زكوة فى سوائم الوقف و الخيل المسبلة لعدم الملك (شامى صفحه ٥ ج ٢)

اب جواب سوال کا یہ ہے کہ دراہم موقوفہ علی نفسہ کے منافع پر جب واقف نے حیثیت مصرف وقف ہونے کے قبضہ کرلیا تو یہ قبضہ مالکانہ ہے اور جس قدر دراہم حسب شرط وقف اسکے حصہ میں آئے ہیں وہ اس کی ملک تام ہیں اگر وہ بقدر نصاب جمع ہو جاویں تو حولان حول کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور واقف ان کو چھوڑ کر انتقال کر جائے تو ان میں میراث جاری ہوگی اور منافع وقف، وقف نہیں ہوتے بلکہ واجب التصدق والانفاق ہوتے ہیں جیسے چرم قربانی کی قیمت واجب التصدق ہے اور جب وہ کسی مستحق صدقہ کو دیدی جائے تو اس کی ملک تام ہو جاتی ہے اس لئے یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ منافع وقف کی تملیک کیسے ہوگی۔ منافع وقف پر مصارف وقف کا قبضہ قبضہ ملک ہونیکی دلیل مندرجہ ذیل عبارت ہے۔

(١) قال فى وقف الهندية اما تعريفه فهو فى الشرع عند ابى حنيفة حبس العين على ملك الواقف و التصدق بالمنفعة على الفقراء او على وجه وجوه الخير (الى ان قال) وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى وجه تعود منفعته للعباد (عالمگیری صفحه ٣٦٣ ج ٢) و مثله فى الدر المختار و ردالمحتار و عامة كتب الفقه و لفظ الدر المختار حبس العين و التصديق بالمنفعة ولو فى الجملة و على وجه من وجوه البراه قال الشامى قوله فى الجملة فتدخل فيه الوقف على نفسه ثم الفقراء و كذا الوقف على الاغنياء ثم الفقراء (شامى صفحه ٤٩٤ ج ٣) فقد اتفقت المتون و الشروح و الفتاوى على ان منفعة الوقف صدقة ولو فى الجملة– والصدقة كالهبة يورث التمليك. (٢) لمافى الدر المختار و الصدقة كالهبة بجامع التبرع و حينئذ لا تصح غير مقبوضة ولا فى مشاع يقسم (شامى صفحه ٧١٨ ج ٤) (٣) وفى تنقيح الحامدية التصدق على الغنى هبة وان ذكر لفظ الصدقة و على الفقير صدقة وان ذكر لفظ الهبة تتارخانية. (تنقيح الفتاوى صفحه ٧٩ ج ٢)

والحاصل ان الصدقة لا تتم بدون التمليك ولذالم يجز فيما وجب ان يتصدق به صرفه مصارف الاباحة. وبه استدل فى البدائع على وجوب التمليك فى مصارف الزكوٰة حيث قال (٤) والايتاء هو التمليك ولذا سمى الله تعالى الزكوٰة صدقة بقوله عزو جل انما الصدقات للفقراء و التصدق تمليك فيصير المالك فخر حاقدر الزكوٰة الى الله تعالى بمقتضى التمليك (بدائع صفحه ٣٦ ج ٢) (٥) وفى تنقيح الحامديه و منع اهل الوقف و مستحقيه من الوظيفة المسماة لهم فان فعل شيئا مما ذكر فقد استحق العزل صفحه ٢١٩ ج ١.

اور دلیل اس امر کی منافع وقف وقف نہیں ہوتے بلکہ واجب التصدق والانفاق ہوتے ہیں۔ عبارات ذیل میں (۱) عبارت مذکورہ نمبر ا جس میں منافع وقف کو اصل وقف کے خلاف صدقہ واجب

التملیک قرار دیا ہے کما مر مفصلاً.

(۲) متولی المسجد اذا اشتری من غلته داراً اوحانوتاً فهده الدار وهذه الحانوت هل تلحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد و معناه هل تصیر وقفاً اختلف المشائخ فیه قال الصدر الشهید المختار انه لا تلتحق ولکن تصیر مشتغلا للمسجد وهذا لان الشرائط اللتی یتعلق بها لزوم الوقف و صحته حتی لا یجوز نسخه ولا بیعه لم یوجد شئ من ذلك ههنا فلم یصر وقفاً فیجوز بیعه فی التاسع عشر من الذخیرة. (فتاوی انقرویه صفحه ۲۲۱ ج ۱)

عبارات مذکورہ سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ منافع وقف وقف نہیں یہاں تک کہ اگر ان سے کوئی مکان یا دوکان وقف کے مصالح کے لئے خرید لی جاوے تو وہ بھی وقف نہیں ہو گی الغرض جب واقف نے شرائط وقف کے مطابق منافع وقف پر اپنے صرف میں لانے کے لئے قبضہ کر لیا تو یہ قبضہ ملک ہے اگر اس میں بقدر نصاب جمع ہو گیا تو حولان حول کے بعد اس پر زکوٰۃ بھی واجب اور بعد وفات کے اس میں میراث بھی جاری ہو گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

نقد روپیہ، قرض، یا مشترک باغ کو وقف کرنا جو موروثی زمین پر واقع ہو

(سوال ۶۵۲) نقد روپیہ کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں۔

(۲) دین کا یعنی جو کسی پر قرض ہو وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں۔

(۳) ایسے باغ کا وقف کرنا صحیح ہے یا نہیں جو مشترک ہو اور ایسی زمین پر واقع ہو جو کرایہ کی ہے لیکن قانون وقف کی رو سے وہ موروثی ہے یعنی نسلاً بعد نسل اسی پر قبضہ رہ سکتا ہے نیز مالک زمین غیر مسلم ہے۔

(الجواب) (۱) جن بلاد میں نقد روپیہ کا وقف کرنا متعارف ہو وہاں جائز ہے جہاں متعارف نہ ہو وہاں جائز نہیں اور عصر حاضر میں وقف دراہم ودنانیز عامہ بلاد میں متعارف ہو گیا ہے اس لئے جائز ہے۔

قال فی قانون العدل والانصاف معز یاللدر المختار و حواشیه ردالمحتار ولما جری التعارف به وتعورف و فقه فی بعض البلاد والدر اهم والدنا نیر و الحبوب و نحوها من المکیلا و اطوز و نات والا کسیة للفقراء فیجوز و قفها فی البلاد اللتی تعورف فیها وقفها ولا یجوز فی البلاد اللتی لم یتعارف وقفها فیها فالعبرة فی ذلك بعرف کل بلاداه (ص ۱۸) وفی الباب الثانی من وقف الهندیة ولو وقف دراهم او مکیلا اوثیاباً لم یجز وقیل فی موضع تعارفوا ذلك یفتی بالجواز قیل کیف قال الدر اهم تقرض للفقراء ثم یقبضها او تدفع مضاربة ویتصدق بالربح اه (عالمگیری ص ۳۱۸ ج ۲)

(۲) فی الدر المختار ولایتم الوقف حتی یقبض اه واقره الشامی عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ دین کا وقف صحیح تو ہو جائے گا لیکن تکمیل اور اہتمام وقف کا قبض دین پر موقوف رہے گا۔

(۳) فی قانون العدل والا نصاف معزیا للهندیة والا سعاف. وقف المشاع المحتمل للقسمة

جائز سواء كان الشيوع وقت العقد او عند القبض انتهى.

وفى الباب الثانى من وقف الهندية . ذاكر الخصاف ان وقف حوانيت الاسواق يجوز ان كانت الارض باجارة فى ايدى الذين بنوها لا يخرجهم السلطان عنها وبه عرف جواز وقف البناء على الارض المحتكرة كذافى النهر الفائق اه (هنديه صفححه ۳۱۸ ج ۲) قلت اختلف فى هذا اقوال المشائخ واختلف الترجيح ايضاً والمختار عند العبد الضعيف هو الجواز كما بينه فى رسالته المستقلة فى هذا الباب (یعنی قانون اسلامی بابت پٹہ دوامی) عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ مشترک قابل تقسیم کا وقف بقدر اپنے حصہ کے صحیح ہے البتہ مسجد اور مقبرہ اس سے مستثنے ہیں کہ وہ مشاع و مشترک ہونے کی صورت میں وقف نہیں ہو سکتے۔

صرح به فى الهندية وردالمحتار وغيرهما اه - والله اعلم.

وقف کا اجارہ طویلہ بچند شروط جائز ہے

(سوال ۶۵۳) اراضی وقف کو اجارہ مدت ایک سال پر دینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فى ردالمحتار عن الامام ابى حفص البخارى انه كان يجيز اجارة الضياع ثلاث سنين فان اجر اكثر اختلفو فيه وقال اكثر مشائخ بلخ لايجوز وقال غيرهم يرفع الامر الى القاضى. ثم قال قول المتقدمين عدم تقدير الاجارة بمدة و رجحه فى انفع المسائل و المفتى به ما ذكره المصنف خوفاً من ضياع الوقف ثم قال تحت قول الدر الا اذا كانت المصلحة بخلاف ذلك واشار الشارح الى انه لا يخاف ما فى المتن لان اصل عدول المتاخرين عن قول المتقدمين بعدم التوقيت انما هو بسبب الخوف على الوقف فاذا كانت المصلحة الزيادة او النقصان اتبعت وهو توفيق حسن انتهى (شامى صفحه ۴۳۳ ج ۳) وقال فى اتحاد الاخلاف فى احكام الاوقاف فجوزت مسئلة الاجارة الطويلة فى الاوقاف خلافاً للقياس لمسيس الحاجة وسومح المستاجرون تلك الاوقاف بكثير من المنافع والفوائد الخ (صفحه ۱۲۷)

عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ متولی وقف اگر یہ دیکھے کہ اجارہ طویلہ پر دینے میں وقف کا فائدہ ہے اور نہ دینے میں ضرر ہے تو اس کو شرعاً اختیار ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ ایک سال کا اجارہ اور سو سال کا اجارہ گورنمنٹی قانون میں برابر ہے اور سو دو سو برس کے اجارہ میں فوری فائدہ ہے اس لئے یہ اجارہ جائز ہے بشر طیکہ وقف کا کوئی ضرر نہ سمجھا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رباطات مکہ مکرمہ کے متعلق چند مسائل

(سوال ۶۵۴) ریاست بہاولپور نے تین رباطیں مکہ معظمہ میں اس طرح وقف کی کہ شیخ محمد حسین ساکن مکہ مکرمہ کو وکیل بالشراء بنایا کیونکہ بلاد مکہ مکرمہ کا یہ قانون ہے کہ غیر ساکن حجاز کو مکہ کے اندر خرید نے کی

اجازت نہیں دی جاتی اس طرح رباطات شیخ محمد حسین کے نام سے خرید واکر ریاست بہاولپور نے وقف کی زر ثمن ریاست ہی نے ادا کیا رباطات کی مرمت اور ہر قسم کا انتظام بحق تولیت ریاست بہاولپور کرتی رہی ریاست کی جانب سے شیخ محمد حسین منصرم او قاف مقرر رہے اور برابر اس کام کی تنخواہ لیتے رہے ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد منجانب ریاست مقرر ہوئے اور تنخواہ لیتے رہے پھر بعض امور کی وجہ سے ان کو معزول کر کے شیخ محمد حسن کو منصرم کر دیا گیا معزولی کے تقریباً ستائیس برس کے بعد شیخ محمد نے عدالت میں دعوی کیا کہ یہ رباطین میرے والد نے اپنے روپیہ سے خریدی تھی اور ریاست بہاولپور کا اس سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ خود شیخ محمد کا زبانی اور تحریری اقرار موجود ہے کہ رباطات ریاست مذکورہ ہی کی ہیں چنانچہ مطبوعہ استفتاء میں شیخ محمد کا خط بھی درج ہے تو کیا اس صورت میں عند الشرع رباطات کا واقف والی ریاست ہو گا یا شیخ محمد کے والد۔ ؟

(الجواب) بیانات مندرجہ تحریر ہذا اور شیخ محمد حسن صاحب کے خط اور زبانی اقرار وغیرہ دیکھنے سے ثابت ہوا کہ یہ تینوں رباطین ریاست بہاولپور کی طرف سے وقف ہیں اور ان کے واقف والی ریاست مذکورہ ہیں جو اپنی شرطوں کے موافق ان میں تصرفات کر سکتے ہیں شیخ محمد منصرم کی حیثیت رکھتے تھے جب ریاست نے ان کو اس کام سے سبکدوش کر دیا تو اب ان کا اوقاف سے کوئی تعلق نہیں رہا بوجوہ مندرجہ ذیل۔

(الف) بلد یہ حجاز کے قواعد پر ضروری تھا کہ جب ریاست بہاولپور نے رباطات کے وقف کا ارادہ کیا تو کسی حجازی کو وکیل بنا کر کاغذات سرکاری میں اس کے نام سے زمین خریدی جائے اور پھر وقف کی جائے اسی لئے ریاست نے شیخ محمد حسین کو اس کام کے لئے تجویز کیا اور ثمن ان رباطات کا مع مصارف مرمت ریاست نے شیخ محمد حسین کے پاس بھیجے جس کی شہادت بھی موجود ہے اور شیخ محمد حسین بھی اس کے مقر ہیں اس لئے کاغذات میں اگر چہ اس زمین کا خریدار شیخ محمد حسین کو لکھا گیا ہو جب بھی شرعاً اس کے خریدار اور مالک اور پھر واقف والی ریاست ہوئے کیونکہ کسی مصلحت سے کاغذات سرکاری میں کسی شخص کا نام درج ہو جانے سے شرعاً وہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔ کما صرح به في الفتاوى المهديه صفحه ٤٩٥ ج ٢ العبرة لمافي الواقع لا بما كتب خلاف ذلك. ومثله صرح في تكملة ردالمحتار صفحه ٤٥٩ ج ٢ . مطبوعه استنبولي.

(ب) رباطات پر ریاست کے نام کتبے لگوانا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ یہ رباطین والی ریاست کے لئے خریدی گئیں اور انہی کی جانب سے وقف کی گئیں۔

(ج) شیخ محمد حسین صاحب کا اور ان کے بعد ان کے صاحبزادہ کا انتظام رباطات کے متعلق ریاست سے تنخواہ لیتے رہنا بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ واقف ان کی ریاست ہے اور شیخ صاحب ملازمت واجرت پر کام کرتے ہیں۔

(د) شیخ محمد کے معزول ہونے کے بعد تقریباً ستائیس برس تک تمام کاروبار کا انتظام اور مرمت وغیرہ منجانب ریاست شیخ محمد حسن کے معرفت ہونا اور شیخ محمد کا کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنا بھی اس کا قرینہ قویہ ہے کہ شیخ محمد کو وقف کی تولیت سے کوئی تعلق نہ تھا محض اجیر و ملازم کی حیثیت رکھتے تھے ریاست کے معزول کرنے سے معزول ہو گئے عدم مطالبہ حق اگر چہ دیانۃً سقوط حق کو مستلزم نہیں لیکن علامت تو یہ ہے حق نہ ہونے کی اور اسی وجہ سے پندرہ سال یا بیس سال مطالبہ و مزاحمت نہ کرنے کی وجہ سے محکمہ قضاء میں دعوی نہیں سنا جاتا۔

كما صرح به فى ردالمحتار من القضاء صفحه ۲۷۹ ج ۲ . ولفظه لان ترك الدعوى مع التمكن يدل على عدم الحق ظاهرا انتهى.

(ہ) شیخ محمد کا یہ دعوی کہ یہ تینوں رباطین ان کے والد نے اپنے اور غلام فاطمہ کے ذاتی روپیہ سے خریدی تھیں کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اول تو اس کی کوئی حجت شرعیہ انہوں نے پیش نہیں کی اور جو قبالجات عدالت میں اس قسم کے پیش کئے جن سے شیخ محمد کے والد کا خود خریدار ہونا ظاہر ہوتا ہے یہ قبالجات اول تو حجت شرعیہ نہیں ثانیاً جب کہ شہادات قویہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ رباطات ریاست کے روپیہ سے خریدی گئی ہیں تو محض رجسٹری اندراجات کا اس کے خلاف ہونا حقیقت کے لئے کچھ مضر نہیں جیسا کہ بحوالہ فتاوی مھدویہ و تکملہ شامی گزرا ہے ثالثاً قبالجات میں اگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رباطات خود شیخ محمد حسین مرحوم نے خریدی تھیں تو اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ خاص اپنی ملک کے لئے خریدی تھیں کیونکہ وکیل کو حق ہے کہ وہ بیع وشراء میں اضافت اپنے نفس کی طرف کرے۔

لمافى الهداية كل عقد يعقد الو كلاء على ضربين كل عقد يضيفه الوكيل الى نفسه كالمبيع والاجارة الخ ثم قال لانه يستغنى عن اضافة الحق الى المؤكل الخ۔ الغرض ان قبالجات سے شیخ محمد کا دعوی کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔

(ز) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شیخ محمد کا زبانی اور تحریری اقرار اپنے دعوی کے خلاف موجود ہے کہ یہ رباطات ریاست بہاولپور ہی کی ہیں وہی اس کے واقف اور متولی ہیں جیسا کہ استفتاء مطبوعہ کی خط کشیدہ عبارات سے ظاہر ہوتا ہے اگر وہ اس کے خلاف دعوی کریں تو کسی طرح مسموع نہ ہوگا۔

لمافى الدر المختار من باب الوكالة قال يعنى هذا لعمروفباعه ثم انكرالامر اى انكر المشترى ان عمراً امره لشراء اخذه عمر و ولنا انكاره الا مرلمنا قضة لاقراره بتوكيله (از شامی صفحه ٤٤٦ ج ٤) خلاصہ یہ ہے کہ وجوہ متذکرہ بالا سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ یہ وقف ریاست بہاولپور کی طرف سے ہوا اور وہی اس کے متولی ہوئے دوسرے کسی شخص کا دعوی کرنا صحیح نہیں۔

احکام المساجد
(مسجد کے احکام)

مسجد شرعی کی تعریف

(سوال ۶۵۵) مسجد شرعی کس کو کہتے ہیں؟
(الجواب) مسجد شرعی وہ ہے کہ کوئی ایک شخص یا چند اشخاص اپنی مملوکہ زمین کو مسجد کے نام سے اپنی ملک سے جدا کردیں اور اس کا راستہ شاہ راہ عام کی طرف کھول کر عام مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدیں جب ایک مرتبہ اذان وجماعت کے ساتھ اس جگہ میں نماز پڑھ لی جاوے تو یہ جگہ مسجد ہو جائے گی۔

مسجد کی دوکانوں کی آمدنی یا مسجد کے لئے شادی کے مقرر چندہ میں سے امام کو دینا

(سوال ۶۵۶) مسجد کی دوکانوں کے کرایہ میں سے امام کو دینا جائز ہے یا نہیں اور شادی میں ایک روپیہ مسجد کا مقرر ہے وہ روپیہ امام کو دینا جائز ہے یا نہیں۔؟
(الجواب) جس چندہ کے متعلق چندہ دینے والے نے مسجد کے کسی خاص مد میں خرچ کرنے کی قید نہ لگائی ہو اس چندہ میں سے امام مسجد کو متولی مسجد برضاء قوم دے سکتا ہے نیز دوکانوں کے کرایہ سے امام مسجد کی تنخواہ بھی دی جاسکتی ہے۔

لمافی الاشباہ صفحہ ۳۱۲ من الفن الثانی الذی یبدأ بہ من ارتقاع الوقف عمارۃ شرط الواقف ام لاثم ماھو اقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالا مام للمسجد و المدرس للمدرسۃ الخ۔

لہذا مسجد کی دوکانوں کے کرایہ سے امام کو تنخواہ دینا اور لینا جائز ہے واللہ اعلم ۱۳ صفر ۱۳۵۰ ہجری

مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے نکالنا جائز نہیں

(سوال ۶۵۷) مسجد قدیم کو مسلمانان محلہ وسیع کرنا چاہتے ہیں اس کی پچھلی طرف احاطہ مثلث ہے اس کو مسجد میں شامل کر کے باقی محراب قدیم کے ساتھ کچھ جگہ مثلث بھی ہے اس جگہ میں امام مسجد کے لئے رہائشی مکان بنانا چاہتے ہیں چونکہ محراب جدید اب سابقہ جگہ سے ۱۵ فٹ دائیں طرف بنائی جاوے گی اس لئے محراب قدیم کی اب ضرورت نہیں مسلمان چاہتے ہیں کہ محراب قدیم کو امام مسجد کے مکان میں داخل کردیا جاوے زید معترض ہے کہ جو جگہ پہلے مسجد رہ چکی ہے اس کو مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں بکر کہتا ہے کہ مصالح مسجد کے لئے جب کہ مسجد کے اوپر امام مسجد کا مکان بنانا جائز ہے تو محراب کو مکان میں شامل کرنے میں کیا حرج ہے وہ مسجد سے خارج نہیں ہوتی جیسا کہ غسل خانہ وغیرہ مسجد کے حکم میں داخل ہیں اسی طرح امام مسجد کا حجرہ بھی مسجد میں داخل ہے۔

(الجواب) جو جگہ ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے اب اس کو مسجد سے خارج کرنا اگرچہ مصالح مسجد ہی کے

متعلق ہو مثلاً امام کے لئے مکان بنانا یا مسجد کے لئے وضو خانہ یا غسل خانہ بنانا یہ سب ناجائز ہے وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی اور اگر کسی نے اس کو مسجد سے نکال کر کوئی دوسری چیز بنادی تو متولی مسجد پر واجب ہے کہ اس کو منہدم کر کے مسجد میں شامل کردے البتہ اگر مسجد بناتے وقت اول ہی سے کوئی جگہ مصالح مسجد کے لئے علیحدہ کر لی جاوے مثلاً مسجد کے اوپر یا نیچے امام کے لئے مکان یا کرایہ کی دوکانیں وغیرہ بنائی جائیں تو جائز ہے لیکن جب اول بناء کے وقت مسجد بن گئی تو پھر اس کا نکالنا مسجد سے جائز نہیں اور اگر یہ بھی کہے کہ میری نیت پہلے ہی سے اس جگہ کو علیحدہ کرنے کی تھی تب بھی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

صرح بهذا كله فى البحر و لفظه لوبنى بيتاً على سطح المسجد لسكنى الامام فانه لا يضرفى كونه مسجداً لانه من المصالح فان قلت لو جعل مسجداً ثم ارادان يبنى فوقه بيتاً للامام او غيره هل له ذلك قلت فى التتارخانية اذا بنى مسجداً او بنى فوقه وهواى المسجد فى بيته فله ذلك وان كان حين بناه خلى بينه و بين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يتركه و فى جامع الفتاوىٰ اذا قال عنيت ذلك فانه لا يصدق (بحر الرائق كتاب الوقف صفحه ۲۵۱ جلد ۵) الحاصل محراب قدیم جو مسجد کے اندر داخل تھی اب اس کو امام کے حجرہ وغیرہ میں داخل کرنا اور مسجد سے نکالنا جائز نہیں۔

مسجد کی جگہ بدل کر دوسری جگہ مسجد بنانا

(سوال ۶۵۸) موضع بہاری گڑھ میں سڑک کے قریب ہی ایک مسجد خام ستاسی برس کی بنی ہوئی ہے یہاں کا زمیندار ایک بنیا ہے وہ کہتا ہے کہ اس مسجد کے بجائے دوسری جگہ مسجد بنالو اور میں اپنے ہی روپیہ سے اس مسجد کو پکی بنوادوں گا غرض مسجد کی یہ جگہ چھڑانا چاہتا ہے مسلمان کم ہیں اور سب رعایا ہیں اس بارے میں کیا حکم ہے۔

(الجواب) جو جگہ مسجد بن گئی اب قیامت تک وہ مسجد ہی رہے گی کسی طرح اس جگہ کو دوسرے کام میں لگانا حلال نہیں خواہ ایک مسجد کے بدلے میں کوئی دس مسجدیں بنانا چاہے تب بھی یہ مسجد مسجدیت سے خارج نہیں ہوسکتی۔ كذافى الاشباه والشامى والدر وغيره من كتب الفقه المعتبرة. ۲۶ صفر ۱۳۵۰ ہجری

پرانی مسجد جس کی ضرورت نہ رہے اس کو کیا کیا جائے؟

(سوال ۶۵۹) قدیم مسجد کے متصل نئی مسجد بنائی گئی تو پرانی مسجد کی جگہ میں دوکان یا حوض یا مدرسہ یا مکان وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں۔؟

(الجواب) پرانی مسجد کو نہ دوکان بنا سکتے ہیں نہ حوض نہ باغیچہ وہ اسی طرح مسجد ہے اور مسجد رہے گی بہتر تو یہ ہے کہ اس کو مسجد میں شامل کرلیں یا جدا گانہ ہی رہنے دیں اور مثل معتکف کے بنادیں کہ رمضان میں لوگ اس میں اعتکاف کیا کریں اور اگر شامل نہیں کر سکتے تو پھر اس کو اپنی جگہ پر حفاظت و احترام کے ساتھ محفوظ رکھنا واجب ہے ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ مسجد کا سامان بوریئے وغیرہ اس میں رکھدیا کریں۔ وفى المجتبىٰ لا يجوز تقيم المسجد ان يبنى حوانيت فى حد المسجد اوفنائه بحر الرائق صفحه ۲۴۹ جلد ۵. وايضاً منه اذا

خرب و لیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد اخرالی قوله قال ابویوسف هو مسجد ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله و نقل ماله الی مسجدآخر سواء کانو یصلون فیه اولا وهو الفتویٰ کذافی الحاوی القدسی وفی المجتبی واکثر المشائخ علی قول ابی یوسف و رحجه فی فتح القدیر ایضاً بحر ۲۵۱ ج ۵۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیرآباد مسجد کودوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں

(سوال ۶۶۰) ایک جگہ سے بوجہ کسی ضرورت کے مسجد اکھاڑ کر دوسری جگہ بنالی جاوے تو مسجد اول کے تحصیل سے کسی قسم کا نفع مثل قبر ڈالنے یازراعت کرناوغیرہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اور مسجد کا پرانا کاٹھ اور لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسجد کوایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کرنا کسی حال جائز نہیں اگرچہ پہلی مسجد کے قریب میں کوئی آبادی نہ رہی ہو اوراس میں کوئی نماز نہ پڑھتاہو لیکن مسجد کسی حال دوسری جگہ منتقل نہیں ہوسکتی جو جگہ ایک دفعہ مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی البتہ اگر کوئی مسجد بالکل ویران ہوجائے اور اس کے آس پاس کوئی آبادی نہ رہے اور یہ خطرہ ہو کہ اگراس کے سامان کوایسے ہی چھوڑدیا گیاتولوگ چرالیں گے ایسی حالت میں اس کے سامان کوکسی آباد مسجد میں لگادینا بعض حضرات نے جائز رکھا ہے اوراسی پر فتوی ہے لیکن اس حالت میں بھی اس مسجد کی زمین کو کسی دوسرے کام زراعت وغیرہ میں لگادینا جائز نہیں بلکہ وہ بدستور مسجد ہے اوراحترام مسجد اس کا قائم بدستور ہے۔

لمافی البحر الرائق قال ابویوسف هو مسجد ابداً ابداً الی قیام الساعة لا یعود میراثا ولا یجوز نقله و نقل ماله الی مسجد آخر سواء کانو یصلون فیه اولا وهو الفتوی ثم قال فیه وبه علم ان الفتویٰ علی قول محمدؒ فی الات المسجد (ای فی جواز النقل للضرورة) او علی قول ابی یوسف فی تابید المسجد (بحر صفحه ۲۵۳ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم

ایک مسجد کودوسری جگہ منتقل کرنادرست نہیں

(سوال ۶۶۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قریہ میں ایک مسجد زید کے مکان میں تھی جب رفتہ رفتہ مصلی بڑھتے گئے اور مسجد تنگ ہوگئی تب مصلیوں نے آپس میں متفق ہوکر چندہ کرکے اس کو وسیع کرنے کاارادہ کیااور زید سے جگہ طلب کی تواس نے تنگی مکان کااظہار کیااور شریک دارنے بھی کوئی جگہ مسجد کے لئے نہیں چھوڑی نیز یہاں وضو کے پانی کابھی کوئی بندوبست نہیں تھالہذا بعض وقت مسافر مصلی پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز ہی نہیں پڑھ سکتا تھااس بناء پر مصلیوں نے ایک مقتدی عالم کی طرف رجوع کیااور کہاکہ اس صورت میں ہم اپنی مسجد کودوسری جگہ نقل کرسکتے ہیں یانہیں عالم صاحب نے فرمایاکہ کرسکتے ہیں کوئی حرج نہیں تومصلیوں نے ایک خوشنما جگہ میں جہاں پانی وغیرہ کابھی عمدہ بندوبست تھاایک نئی مسجد تیار کی پرانی مسجد کاکوئی اسباب اس میں

نہیں لگایا گیا تخمیناً چار برس تک مصلیوں کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھتے رہے جب امام کا انتقال ہو گیا تب مصلیوں نے کوئی امام مقرر نہیں کیا بلکہ انہیں میں جو قابل امامت حاضر ہوتا تھا نماز پڑھادیا کرتا تھا ان میں سے اکثر او قات خالد ہی امامت کرتا تھا۔ اس حالت میں بھی تخمیناً سات یا آٹھ برس گزر گئے بعد ازاں مصلیوں نے امام مقرر کرنا چاہا مگر خالد کو کسی نے پسند نہیں کیا بلکہ بکر کو پسند کیا اب خالد کا دعویٰ کرنے پر انہوں نے کہا کہ ہم نے نہ تم کو امام بنایا تھا اور نہ فی الحال تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے اس گفتگو پر نوبت جنگ و جدال کی پیش آئی اب نتیجہ یہ ہوا کہ خالد نے یہاں سے محروم ہو کر چند معین مددگار کے ساتھ اسی پرانی مسجد میں نماز پڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ اب عیدین بھی دو جگہ ہونے لگیں اس کے متعلق علمائے زمانہ سے فتویٰ طلب کیا ان کے بھی دو فریق ہو گئے۔ چنانچہ ایک فریق کہتا ہے کہ وہ پرانی مسجد کی جگہ مذہب شیخین کے موافق تاقیامت مسجد ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔ کمافی الدر المختار ولو ضرب ماحوله او استغنى عنه يبقى مسجداً عند الامام و الثانى ابداً الى قيام الساعة وبه يفتي حاوی القدسی و عادالی الملك اى البانى اوورثة ومن الثانی ينقل الى مسجد آخر باذن القاضى انتهى۔ پس وہ جگہ اب بھی مسجد ہے مگر خالد کی ضدیت کا کوئی لحاظ نہیں کرتے اور نہ کوئی اس کا جواب لکھتے ہیں پس خالد کو اپنی ضد پوری کرنے کی ایک دلیل شرعی بھی ہاتھ آگئی چنانچہ اوپر مذکور ہے دوسرا فریق کہتا ہے کہ آج کل جس جگہ قاضی شرعی نہیں ہے اس جگہ کے علماء متدین ہی قاضی شرعی ہیں چنانچہ رسالہ راحتہ الافکار میں عبارت حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ کی مرقوم ہے۔ اذا خلا الزمان ذی سلطان ذی كفاية فالامور موكلة الى العلماء و يجب على الامة الرجوع اليهم يصيرون ولاة فاذا عسر جمعهم على واحد استقل كل قطر باتباع علماء فان كثر واالمتبع اعلمهم فان استواو اقرع بينهم۔ پس وہ مسجد مطابق امام یوسفؒ حکم قاضی سے نقل کیا گیا لہذا پرانی مسجد کی جگہ مالک کی ملک میں چلی گئی اب وہ مسجد ہی باقی نہیں رہی یہ قول امام محمد کا بھی ہے مگر اس پر فتویٰ نہیں ہے لیکن دوسرا فریق اسی قول پر فتویٰ دیتا ہے تاکہ مسلمانوں میں اختلاف نہ رہے اور متفقہ طور پر ایک ہی مسجد میں نماز پڑھیں نیز چونکہ پرانی مسجد کی جگہ مالک کی ملک میں چلی گئی اور حکم مسجد کا باقی نہیں رہا تو اب غیض و غصہ کی وجہ سے وہاں دوسری مسجد تیار کرنا مسجد ضرار ہے۔ چنانچہ تفسیر کشاف اور مدارک میں ہے۔ قيل كل مسجد بنى مباهاة اورياء او سمعة او لغرض سوى ابتغاء وجه الله او مال غير طيب فهو لاحق بمسجد الضرار انتهى اور اگر بالفرض پرانی مسجد کی جگہ مسجد کا حکم رکھتی ہے تو بنائے نیک پر بناء بد پر کی گئی چنانچہ حدیث انما الا عمال بالنيات اس پر دال ہے اب دونوں فریق علمائے ہند کو ثالث مانتے ہیں ان سے جو حکم صادر ہوگا اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں نیز فریقین میں سے کون حق پر ہے۔ براہ کرم نوازی مطلع فرما کر مسلمانوں کو اختلاف و نزاع سے بچاویں اور عند اللہ ماجور ہوں۔؟

(الجواب) اس جگہ دو باتیں ہیں ایک میں فریق اول حق پر ہے اور دوسری میں فریق ثانی۔ امر اول تو اس جگہ کا مسجد ہونا یا نہ ہونا ہے اس کے متعلق حق یہی ہے کہ مسجد ہے اور قیامت تک ہی مسجد رہے گی اور اس موقع پر اس مسجد کا مسجد ہونا باتفاق ائمہ ثلثہ ہے امام محمدؒ کے قول پر بھی اس مسجد کی مسجدیت میں کسی طرح کا فرق نہیں آیا اور شیخین کے مذہب پر تو کسی حال اور کسی صورت میں بھی کوئی مسجد مسجدیت سے خارج نہیں ہو سکتی اور جمہور حنفیہ نے اسی

پر فتویٰ دیا ہے۔ شامی، بحر، نہر، فتح، عالمگیری معتبرات حنفیہ اس کی شاہد ہیں البتہ امام محمدؒ کا قول خلاف میں نقل کیا جاتا ہے لیکن وہ بھی فقط اس صورت میں جبکہ یا تو مسجد منہدم ہو جائے اور تعمیر کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے اور نہ محلّہ اس کے متصل نماز پڑھنے والوں کا باقی رہے اور یا مسجد موجود ہو مگر جو محلّہ یا گاؤں اس مسجد کے متعلق تھا وہ ویران ہو جائے اور کوئی نماز پڑھنے والا وہاں باقی نہ رہے اور جب تک یہ بات نہ ہو یعنی مسجد صحیح سالم موجود اور محلّہ بھی اس کے متصل موجود ہو تو کسی امام کے نزدیک اس کی مسجدیت باطل نہیں ہوتی امام محمد کے کلام سمجھنے میں فریق ثانی نے غلطی کی ہے اور فریق اول نے بھی اس پر توجہ نہیں دی۔

والشاهد على ماقلنا من قول الامام محمد مافي البحر الرائق من الوقف احكام المسجد ص/۲۵۱ ج/۵ –وقال محمد اذا خرب يعني المسجد ليس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد آخراولخراب القرية –اولم يخرب يعني المسجد لكن خربت القرية بنقل اهلها واستغنوا عنه فانه يعود الى ملك الوقف بحر ص/۲۵۱ ج/۵–

لہٰذا اس مسئلہ میں فریق اول کا قول صحیح ہے کہ یہ مسجد مسجد ہے اور اس کے تمام احکام مسجد ہی کے ہیں اس کو آباد کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ خالد محض اس وجہ سے کہ اس کو امام نہ بنایا گیا جماعت مسلمین میں تفریق ڈال کر یہاں آگیا۔ اس میں خالد دو وجہ سے گنہ گار ہے۔ اول تو اپنے کو مستحق امامت اور بڑا سمجھنا کہ یہ تکبر ہے جو صریح حرام ہے اور دوسرے مسلمانوں کی متفق جماعت میں فتنہ اور تفرقہ ڈالنا یہ بھی سخت گناہ ہے وردت به الاحاديث الكثيرة –البتہ اگر کوئی شخص محض پہلی مسجد کو آباد کرنے کی نیت سے وہاں نماز پڑھا کرے فتنہ کی نیت نہ ہو بلا شبہ اس کو ثواب عظیم ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھوٹے گاؤں میں ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دیگر مساجد بنانا

(سوال ۶۶۲) ایک قریہ میں چودہ مکان ہیں اور جب سے یہ موضع آباد ہوا ہے اس میں ایک مسجد ہے اب اہل قریہ نے جدید مساجد بنائی ہیں قدیم مسجد کے ساتھ چھ مکان رہ گئے ہیں اور جدید مساجد کے ساتھ آٹھ مکان ہیں ایک مسجد کے ساتھ دو مکان ہیں اور ایک مسجد کے ساتھ چھ مکان ہیں آیا جدید مساجد کیلئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) اتنے چھوٹے سے گاؤں میں اتنی اتنی قریب مسجدیں بنانا فضول ہے اور اگر بلاوجہ شرعی پہلی مسجد کی جماعت کم کرنے یا محض فخر و مباہات کے لئے دوسری مسجدیں بنائی ہیں تو بنانے والوں کو بجائے ثواب کے گناہ ہوگا لیکن جو مسجدیں بنی ہیں وہ بہر حال واجب الاحترام اور تمام احکام میں مساجد کا حکم رکھتی ہیں اور اگر آپس کے اختلاف کو رفع کرنے یا اور کسی ضرورت سے یہ مسجدیں بنائی ہیں تو کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ تفسیر کشاف میں نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر ملک فتح کئے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے محلوں میں مسجدیں بناؤ مگر ایسی دو مسجدیں نہ بناؤ جن میں ایک سے دوسرے کو ضرر پہنچے۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۰ھ

ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانا

(سوال ٦٦٣) محلّہ میں ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد اس قدر قریب بنائی جارہی ہے کہ ایک مسجد کی تکبیر اور قرأت کی آواز دوسری مسجد میں اچھی طرح سنائی دیتی ہے حالانکہ پہلی مسجد وسیع کرنے کے لئے جگہ مل سکتی ہے۔لہذا جدید مسجد میں چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) اس میں چندہ دینے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟ (۳) اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے (۴) یہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے یا نہیں (۵) مسجد کی بنیاد رکھتے وقت اور پہلے روز نماز پڑھتے وقت مٹھائی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) بلاضرورت شرعیہ اتنے قریب میں دوسری مسجد بنانا مناسب نہیں بالخصوص اگر اس مسجد کے بنانے سے پہلی مسجد کی جماعت کم کرنا مقصود ہو تو اور بھی زیادہ گناہ ہے کیونکہ یہ مسجد ضرار کے مشابہ ہو جائے گی حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ماتحت حکام کے نام ایک حکم جاری فرمایا کہ ہر محلّہ میں مسجدیں بناؤ مگر ایسی مسجدیں نہ بناؤ جن سے پہلی مسجدوں کی جماعت توڑنا مقصود ہو-تفصیله فی آداب المساجد عن الکشاف-البتہ اگر مسجد کے نمازیوں میں کسی وجہ سے اختلاف ہو تو بہتر تو اس وقت یہی ہے کہ آپس میں صلح کی کوشش کی جائے اور ایک ہی مسجد میں سب نماز پڑھیں لیکن اگر یہ صورت نہ ہو سکے تو پھر دوسری مسجد قرب میں بھی بنالینا درست ہے۔
(۲) اگر بضرورت مذکورہ مسجد بنائی جاتی ہے تو چندہ دینا بھی مکمل ثواب رکھتا ہے ورنہ اس مسجد میں چندہ دینے کا ثواب نہ ہوگا۔کیونکہ اس کی نیت مسجد بنانے کی نہیں بلکہ دوسری مسجد کا توڑنا مقصود ہے (۳) اس مسجد میں نماز بلاشبہ درست ہے اور اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا پہلی مسجد میں بشرطیکہ نیت بری نہ ہو۔(۴) یہ مسجد بھی تمام مسجدوں کی طرح ہے اور تمام احکام مسجد ہی کے اس پر جاری ہوں گے۔ مسجد ضرار کے احکام اس پر جاری نہیں ہو سکتے کیونکہ مسجد ضرار کے لئے بہت سی شرطیں بھی ہیں جو یہاں موجود نہیں (۵) اگر لازم اور ضروری نہ سمجھیں تو جائز ہے۔

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا

(سوال ٦٦٤) ایک شخص نے کسی خاص مسجد کے ستون لگانے کیلئے ایک لکڑی وقف کردی اب فی الحال اس مسجد میں مرمت کی ضرورت نہیں دوسری جدید مسجد میں ستون لگانا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) دوسری مسجد میں اس کا استعمال درست نہیں البتہ یہ کر سکتا ہے کہ ان کو فروخت کر کے اس مسجد کے کسی دوسرے مصرف میں لگادے جس پر ان کو وقف کیا تھا۔قال الشامی الفتوی علی ان المسجد لایعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر شامی کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض الوقف ص/٥١٣ ج/۳-۱۱ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ

جو سامان ایک مسجد کے لئے خریدا گیا پھر اس کی ضرورت نہ رہی

(سوال ٦٦٥) ایک شخص نے کسی خاص مسجد کے ستون لگانے کے لئے لکڑی وقف کی اور اب اس لکڑی کی اس

مسجد میں ضرورت نہیں رہی اس وقت یہ لکڑی دوسری مسجد میں لگانا درست ہے یا نہیں ؟
(الجواب) درست نہیں بلکہ اس کو فروخت کر کے اسی مسجد کے دوسرے مصارف میں لگایا جائے یا محفوظ رکھا جائے کہ جب آئندہ ضرورت ہو تو اس میں صرف کیا جائیگا۔ وهذا محصل كلام الشامی فی ص/٤٠٤ ج/۳-وكلام البحر من الوقف ص/٢٥٢ وصرح به فی اتحاف البصائر فی ترتيب الاشباه والنظائر ص/٢١٣-حيث قال ولايقال انه لاحاجة اليه لانا نقول قد علله فی النوازل بجواز ان يحدث للمسجد حدث الى آخر ما فصله منه-والله تعالى اعلم

ایک مسجد کا زائد مال دوسری مسجد پر خرچ کرنا

(سوال ٦٦٦) یک مسجدے عظیم است کہ آمدنی وقف او از حد زیادہ است حتیٰ کہ در بنک سرکاری یک رقم کثیر است واز حاجت مسجد زائد است ودیگر مسجد ہائے خراب ویراں افتادہ اند آیا از رقم مذکور دیگر مسجد وضرورت مسلمین رفع کردہ وصرف کردہ شود یا نہ ؟
(الجواب) اگر ازیں مسجد ایں قدر زائد است کہ در زمان آئندہ نیز حاجت بسوئے او افتادن متصور ومظنون نیست ودر صورت جمع بودن ایں رقم احتمال اضاعت است جائز باشد کہ در دیگر مساجد کہ محتاج تعمیر وغیرہ باشد صرف کردہ شود لیکن بجز مساجد در دیگر مصارف مسلمین وضروریات عامہ مثل مدارس وغیرہ خرچ کردن دراں صورت نیز جائز نہ باشد-كذا يستفاد من وقف الشامی والبحر وحواشی البحر للشامی مثله وقف فی العالمگيرية والاشباه والنظائر- واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی مسجد میں اس کی موجودہ اور آئندہ ضرورت سے زائد روپیہ جمع ہو تو اسکا مصرف

(سوال ٦٦٧) بعض مساجد میں روپیہ ضرورت سے زائد جمع ہے بالفعل کوئی اس کی ضرورت صرف کی نہیں ہے جن اشخاص نے اس میں اپنی جائیداد وقف کی ہے یا روپیہ نقد دیا ہے وہ اس پر آمادہ ہیں کہ وہ روپیہ مسجد سے لے کر مدرسہ میں صرف کر دیا جائے مسجد میں ضرورت صرف کی نہیں ہے ایسی صورت میں وہ روپیہ مسجد سے لے کر مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟
(الجواب) جن لوگوں نے اپنی جائیداد یا روپیہ نقد مسجد کو دیا ہے اگر وقف کے وقت انہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ جو روپیہ مسجد کے خرچ سے زائد ہو وہ کسی اسلامی مدرسہ میں یا اور کسی مصرف خیر میں صرف کیا جائے تب تو یہ زائد روپیہ مدرسہ پر صرف ہو سکتا ہے خواہ اس وقت وقف کرنے والے اس پر آمادہ بھی نہ ہوں یا اگر وقف کرنے والوں نے بوقت وقف یہ شرط کرلی ہو کہ ہمیں اس جائیداد اور روپیہ میں مصرف بدلنے کا اختیار حاصل رہے گا تب بھی واقفین اپنے اختیار سے دوسری جگہ خواہ مدرسہ میں یا کسی اور جگہ صرف کر سکتے ہیں اور اگر بوقت وقف ان دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں کی گئی تو پھر مسجد کا فاضل روپیہ کسی مدرسہ پر خرچ کرنا کسی طرح جائز نہیں البتہ کوئی دوسری مسجد اگر محتاج چندہ ہو۔ اس میں بوجہ شدت ضرورت جواز کا فتویٰ علی رای المتاخرین دیا جا سکتا ہے وہ بھی اس وقت کہ

جس مسجد کا روپیہ ہے اس کو نہ اس وقت حاجت ہو اور نہ آئندہ ایسی حاجت بظر ظاہر مظنون ہو اور روپیہ جو فاضل جمع ہے اس کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ والدلیل علی ماقلنا او لا مافی اتحاد الابصار و البصائر فی ترتیب الاشباہ والنظائر صف ۲۲۳۔ وفی النوازل سئل ابوبکر عن رجل وقف دارا علی مسجد علی ان ما فضل من عمارته فهو للفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد لا يحتاج الى الغلة للعمارة هل يصرف للفقراء قال لا يصرف الى الفقراء وان اجتمع غلة كثيرة لانه يجوز ان يحدث للمسجد حدوث و الدار بحال لا تغل. قال الفقيه سئل ابو جعفر عن هذه المسئلة فاجاب هكذا ولكن الاختيار عندی انه اذا علم انه قد اجتمع من الغلة مقدار مالو احتاج المسجد والدار الى العمارة امكن العمارة منها صرف الزيادة على الفقراء على ما شرط الواقف انتهى۔

(۲) والدليل على ما قلنا ثانيا ما فی الشامی من الوقف مطلب الرجوع عن الشرائط و فی الاسعاف ولا يجوز ان يفعل الا ما شرطه وقت العقد و منه لو شرط فی وقفه ان يزيد فی وظيفة من يرى زيادة و ينقص من وظيفة من يرى نقصانه او يدخل معه من يرى ادخاله او يخرج منهم من يرى اخراجه جاز ثم اذا فعل ذلك ليس له ان يغيره اه (شامی صفحه ٤٧١ ج ۳ مصری)

(۳) وایضاً یویده ما قلنا ما فی العالمگیرية فی آخر باب الحادی العشر من الوقف الفاضل من وقف المسجد هل يصرف الى الفقراء.

(٤) و ایضاً فيه مال موقوف على سبيل الخير و على الفقراء لغير اعيانهم و مال موقوف على المسجد الجامع و اجتمعت من علاتهما ثم نابت الاسلام نائبة مثل حادثة الروم اوا حتيج الى الفقة فی تلك الحادثة و اما المال الموقوف على المسجد الجامع ان لم يكن للمسجد حاجة للحال فلقا ضى ان يصرف فی ذلك لكن على وجه القرض فيكون ديناً فی مال الفئ اه (عالمگيری صف ۲٦٠ ج ۲ مصری) و ايضاً يؤيد ما قلنا ما وقع فی الشامی ص ٤٠٥ ج ۳. والبحر صفحه ۲٥۲ ج ٥ والعالمگيرية صفحه ۳٥۹ ج ۳. وواقعات المفتين ۷۹ والفتاوىٰ المهدوية ص ٥۹۸ ج ۲.

من نقل انتقاض المسجد اذا اخربت و بقيت لا يحتاج اليها. فانهما اختلف فيها الفقهاء و الفتوىٰ على قول الامام ابی یوسفؒ انها يصرف الى اقرب المسجد او رباط او بيرا وحوض وهذا هو الذی اختاره الشامی بعد بحث و تفتيش و تحقيق حقيق فی ردالمحتار و مثله افتی فی حواشی البحر و اختاره صاحب البحر ولكن صرح فی الفتاوىٰ المهدوية صفحه ٥۹۸ ج ۲ فيصرف وقف كل مجانس الى مجانسه كما صرحوا به فی كتب المذهب.

عبارات مذکورہ میں عبارات نمبر ا سے معلوم ہوا کہ جب واقف نے وقف شرط کر دی ہو کہ جو کچھ مسجد کے مصارف سے فاضل رہے وہ فقراء پر تقسیم کیا جاوے اس میں بھی فقہاء میں اختلاف ہے کہ فاضل روپیہ وہ فقراء پر تقسیم کریں یا نہ کریں اگرچہ مختار للفتویٰ یہی ہے کہ جو روپیہ بالکل زائد ہو اور آئندہ بھی مسجد کو اس کی حاجت کا احتمال نہ ہو اسکا خرچ کر دینا فقراء میں جائز ہے مگر یہ سب اس وقت ہے کہ جب واقف نے شرط لگائی ہو بلا شرط

واقف کسی کا مذہب نہیں کہ مسجد کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کیا جائے عبارت نمبر ۳ میں بھی صاف معلوم ہوا کہ مسجد کی آمدنی اگرچہ اس کی حاجت سے زائد ہو کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں عبارت نمبر ۴ میں مسجد کے فاضل روپیہ کو دوسری جگہ خرچ کرنے کی اجازت دی ہے تو ان شرائط کے ساتھ (۱) عام مسلمانوں اور اسلام پر (خدانخواستہ) کوئی آفت آئی ہو (۲) مسجد کو بالفعل حاجت نہ ہو (۳) جو کچھ خرچ کیا جائے وہ محض قرض کے طور پر لیا جاوے (۴) بطور قرض لینا بھی قاضی کے امر پر موقوف ہے عبارت نمبر ۵ میں ویران مسجد کے بیکار اسباب کو دوسری جگہ منتقل کرنیکا جواز بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ دوسری مسجد میں خرچ ہو مدرسہ یا کسی دوسرے وقف میں نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ)

ایک مسجد میں دری وقف کردی پھر وہاں سے اٹھا کر دوسری مسجد میں ڈالنا

(سوال ۶۶۸) حاجی صاحب نے جو نہایت دیندار اور سیدھے مسلمان ہیں تین عدد دریاں (جاء نماز) خرید کر ایک مسجد میں وقف کیں پھر تیسرے یا چوتھے ہی روز ایک دری فروخت کرنے والا آنکلا جس کے پاس صرف ایک ہی دری تھی انہوں نے اس کو بھی خرید لیا اور پہلی تین عدد خریدی وقف کی ہوئی دری سے ایک لے کر قریب ہی دوسری مسجد تھی اس میں بچھوادی یہ سمجھ کر کہ یہ بھی خانہ خدا ہے دونوں مسجدوں میں برابر بچھوانا چاہئے تو جس مسجد میں تین دریاں وقف کی تھیں اس میں سے ایک دری واپس لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) حاجی صاحب نے جس مسجد میں اول تین دریاں وقف کی تھیں ان میں سے پھر ایک دری لے کر دوسری مسجد میں وقف کرنا صحیح نہیں ہوا کیونکہ وقف کرنے کے بعد واقف کو کسی تغیر تبدل کا اختیار شرعاً نہیں رہتا اور شئی موقوفہ ملک واقف سے نکل جاتی ہے لہٰذا دوسری مسجد میں ایک دری کا دینا جو کہ پہلی مسجد میں وقف کر چکے تھے صحیح نہیں ہوا اس ایک دری کو دوسری مسجد سے واپس لیکر پہلی مسجد میں دیدیویں کیونکہ وہ دری پہلی مسجد میں وقف ہو چکی دوسری مسجد میں اس کا دینا اور وقف کرنا صحیح نہیں ہوا اور امام صاحب کے لئے یہ حکم ہے کہ حاجی صاحب کو نرمی سے حکم مسئلہ کا سمجھادیں تاکہ وہ دری دوسری مسجد سے واپس لیکر پہلی ہی مسجد میں دیدیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عارضی طور پر مسجد بنانے سے وہ جگہ مسجد نہ ہوگی

(سوال ۶۶۹) ایک عارضی منڈی دو سال سے آباد ہے اہل اسلام نے کئی مرتبہ مسجد بنانے کی اجازت مانگی مگر افسروں نے اجازت نہ دی اب اجازت دی ہے جس میں افسروں نے یہ تحریر کردیا ہے کہ جب یہ عارضی منڈی اٹھائی جاوے گی تو مسجد بھی گرائی جائے گی کیا یہ عارضی مسجد بنائی جاوے یا نہیں۔؟

(الجواب) ایسی مسجد جس کے لئے یہ شرط ہے کہ جب منڈی اٹھائی جائے گی تو مسجد بھی گرادی جائے گی شرعاً مسجد نہ ہوگی اور نہ اس کے احکام مسجد کے مانند ہوں گے لیکن نماز پڑھنے کے لئے مختصر سی ایسی جگہ باجازت سرکار بنالی جائے تو مضائقہ نہیں کیونکہ اگرچہ یہ حقیقی مسجد نہ بنے گی لیکن ایک گونہ مسجد کا فائدہ جماعت وغیرہ کا اہتمام اور جگہ کی پاکی و صفائی وغیرہ اس سے بھی حاصل ہو جائے گا اور یہ ایسی مسجد ہو جائے گی جیسی حدیث میں ہے کہ حضور

اکرم ﷺ نے حکم فرمایا کہ اپنے گھروں میں مسجدیں بناؤں (مشکوٰۃ) لیکن باتفاق امت جو جگہ گھروں کے اندر نماز۔
لئے بنائی جاتی ہیں وہ احکام مسجد میں نہیں ہوتی لیکن اہتمام نماز اور پاکی و صفائی وغیرہ ان سے بھی حاصل ہو جاتا۔
اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس کا بھی حکم فرمایا الغرض اس جگہ پر مسجد کی صورت بغرض نماز و جماعت بنالینا مناسہ
ہے اگرچہ حقیقی مسجد نہ بنے اور اس کا پہلے ہی سے اعلان کردیا جائے کہ یہ اصلی اور حقیقی مسجد نہیں جب ضرورت
رہے گی منہدم کردی جائے گی۔ وهذا الذی ذکرناه ملخص ما فی الشامی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احاطہ مسجد کے درختوں اور کاشت اور متولی کے اختیارات کے متعلق چند مسائل

(سوال ۶۷۰) لب سڑک ایک مسجد ہے جس کے اردگرد ایک احاطہ ہے اس احاطہ میں بعض پھلدار درخت ہ
اور بعض میں سبزی کی کاشت ہوتی ہے اور جو کچھ آمدنی پھلوں اور سبزی سے ہوتی ہے وہ سب مصارف مسجد میں کام آ
ہے جن لوگوں کے بزرگوں نے اپنے صرف سے یہ مسجد اور احاطہ بنوایا ہے ان لوگوں نے اپنے رشتہ داروں میں۔
ایک شخص کو اس مسجد اور احاطہ کا باضابطہ متولی قرار دیا ہے اور جو مسجد اور احاطہ کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور تمام مصارف
مسجد مثل تنخواہ امام وغیرہ وہی ورثاء بانیان مسجد برداشت کرتے ہیں احاطہ مسجد میں ایک طرف مسجد سے ملحق لیکہ
حدود مسجد سے خارج ایک کنواں ہے اور غسل خانے وغیرہ ہیں اور دوسری طرف دو حجرے ہیں وہ بھی حدود مسجد
سے خارج ہیں احاطہ مسجد کے درختوں اور کاشت کی حفاظت اور خدمت کے لئے ایک غیر مسلم کاشتکار ملازم ہے (
اس کنویں سے جب کہ وہ حدود مسجد سے خارج ہے غیر مسلم کے ذریعہ احاطہ مسجد کے درختوں اور کاشت کی آبپاشی
جائز ہے یا نہیں۔؟

(۲) کسی ایک حجرہ میں جب کہ حدود مسجد سے خارج ہے غیر مسلم کاشتکار کا جو محافظ درختاں ہے رہنا جائز ہے
نہیں؟

(۳) احاطہ مسجد کے کسی درخت کو غیر ضروری یا دیگر کاشت کے لئے مضر سمجھ کر متولی مسجد ہذا اور ورثاء بانیان مسجد
ہذا کا اس کو کٹوانا درانحالیکہ اس کی آمدنی مصارف مسجد ہی میں کام میں لائی جاوے جائز ہے یا نہیں۔؟

(۴) مندرجہ ذیل ہدایات جو ضروری ہدایات کے عنوان سے مسجد ہذا میں متولی نے بمشورہ ورثاء بانیان مسجد ہذا کے
آویزاں کی ہیں درست ہیں یا نہیں۔ مثلاً اوقات نماز پنجگانہ میں بلحاظ موسم گھٹانا بڑھانا امام مسجد کے اختیار میں ہوگا او
مسجد کی صفائی اور فرش وغیرہ کا انتظام موذن کے ذمہ ہوگا اور رمضان شریف میں تراویح کے لئے حافظ کا تقرر
بمشورہ متولی امام مسجد کے اختیار میں ہوگا اور مسجد کی ضروریات اور تعمیر وغیرہ کے لئے متولی کو مطلع کرنا امام مسجد کے
ذمہ ہوگا اور مسجد میں سوائے نماز اور وظائف کے کسی قسم کی دنیوی باتوں اور جھگڑوں کی شرع شریف کی رو سے
سخت ممانعت ہے اور بجائے ثواب کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ امام مسجد کا فرض ہوگا کہ وہ ایسے لوگوں کو روکیں اور مسجد
میں تقریر اور مباحثہ کے لئے متولی سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے اور مسجد میں کسی شخص کا ٹھہرانا کسی کو جائز نہ
ہوگا احاطہ مسجد کی گھاس اور پھلدار درختوں کے پھل اور ناقص درختوں کا فروخت کرنا متولی کے اختیار میں ہوگا۔ او
احاطہ مسجد کے درختوں میں سے پھل وغیرہ کا توڑنا مقتدی وغیرہ کے لئے جائز نہ ہوگا۔

۵) کسی مقتدی کا جو ورثاء بانیان مسجد میں سے نہ ہو بلا اطلاع متولی مسجد میں کوئی پودہ لگانا اور یہ کہنا کہ ہم اس کے پھل کھائیں گے جائز ہے یا نہیں ؟
۶) کسی مقتدی کو جو ورثاء بانیان مسجد میں سے نہ ہو متولی کی ان ہدایات کی مخالف کرنا اور یہ کہنا کہ یہ سب وقف ہے اور ہم اس مسجد کے مقتدی ہیں سب مسلمان حق دار ہیں ان پھلوں اور سبزی کی کاشت کو استعمال کریں گے کہاں تک درست ہے ؟
۷) کوئی نمازی متولی کی ان ہدایات کی مخالفت کرنے والا اس بناء پر کہ وہ کبھی مسجد میں تیل وغیرہ لادیتا ہے کر سکتا ہے یا نہیں ؟
۸) صورت مذکورہ میں متولی کی مخالفت کرنے والا اور اس کو برا کہنے والا یا متولی کی حمایت کرنے والا اور اس کی امداد کرنے والا کس درجہ میں ہے۔ ؟
(الجواب) اس کنویں سے مسجد کے متعلقہ درختوں اور زراعت کے لئے آب پاشی جائز ہے مسلم کے ذریعہ کی جاوے یا غیر مسلم کے ذریعہ بشر طیکہ غیر مسلم طہارت ونجاست میں فرق رکھتا ہو۔
۲) مسجد کے حجرے جو نقشہ مسجد میں درج ہیں ان میں کسی غیر مسلم کا رکھنا اگرچہ بغرض حفاظت اشجار موقوفہ ہو مناسب نہیں البتہ احاطہ مسجد جس میں کاشت وغیرہ ہے اس میں کوئی حجرہ بنا کر اس میں غیر مسلم کو رکھا جاسکتا ہے کیونکہ یہ حجرے فناء مسجد میں داخل ہیں اور عادۃً فناء مسجد کے حجرے خاص مصالح مسجد کے لئے بنائے جاتے ہیں جیسے امام، موذن یا طالب العلم وغیرہ لوگوں کی رہائش کے لئے اور مسجد کی جائیداد کی حفاظت کرنے والا ملازم جب کہ وہ غیر مسلم ہے ان مصالح کے اندر داخل نہیں اگرچہ جائیداد مسجد کے متعلقہ مصالح میں داخل ہے لیکن یہ دونوں چیزیں یعنی مصالح مسجد اور مستغلات مسجد جدا جدا ہیں ایک کا استعمال دوسرے میں جائز نہیں۔ قال الشامی (تنبیه) قال الخیر الرملی اقول ومن اختلاف الجهة ما اذا كان الوقف المنزلين احدها للسكنى والآخر للا ستغلال فلا تصرف احدهما للأخر واقعة الفتوىٰ. شامی کتاب الوقف احکام المساجد قال فی العالمگیریة تیم المسجد لا يجوز له ان يبنى حوانيت فی حد المسجد او فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذا لا يجوز و الفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد كذافی محیط السرخسی و عالمگیری صفحه ۳۵۹ مصری ج ۲ کتاب الوقف الباب الثانی عشر)"
۳) جائز ہے۔ لمافی العالمگیریة وكذالك لو وقف شجرةً باصلها على مسجد يست او يبس بعضها يقطع اليابس و يترك الباقی كذافی محیط السرخسی. صفحه ۳٦٤ ج ۲.
۴) ہدایات مندرجہ بالا سوال صحیح ودرست ہیں متولی کو شرعاً اس قسم کے انتظامات کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ مثل ظاہر ہے اور ہدایت نمبر ۸، نمبر ۹ بھی بقول مفتی بہ صحیح ہیں۔ لمافی العالمگیریة مسجد فيه شجرة تفاح يباح للقوم ان يفطروا بهذا التفاح قال الصدر الشهيدّ المختار انه لا يباح كذافی الذخيرة (عالمگیری صفحه ٣٦٤ ج ۲) وايضاً فيه اهل المسجد تصرفوا فی اوقاف المسجد يعنی آجروا المستغل وله متولٍ قال لايصح تصرفهم ولكن الحاكم يمضى ما فيه مصلحة المسجد (عالمگیری باب ۱۲)

صفحه ۳۶۰ ج ۲، ومثله فی البحر من احکام المسجد صفحه ۲۵۲ ج ۵.

(۵) جائز نہیں البتہ جو درخت اس نے لگایا ہے اگر اپنے مال سے لگایا ہے اور مسجد کے لئے وقف نہیں کیا یہ اس کی ملک ہے اس کو کاٹ کر استعمال کر سکتا ہے اور متولی مسجد کو حق ہے کہ اس کو درخت اکھاڑنے پر مجبور کرے۔ وان لم یول ذلك فالشجرة له وله قلعها (عالمگیری صفحه ۳۶۳ ج ۲)

(۶) مسجد کے انتظامی معاملات میں متولی مسجد کا خلاف کرنا جائز نہیں بشر طیکہ وہ خیانت نہ کرتا ہو اور احاطہ جو مسجد کے ارد گرد چھوٹا ہوا ہے وہ مسجد پر وقف ہے اس کا حق دار نہ کوئی مقتدی ہے نہ متولی سبزی کی کاشت کر کے خود استعمال کرنا نہ متولی کے لئے جائز ہے اور نہ کسی دوسرے مقتدی کے لئے۔ قال فی البحر مسجد له اوقاف ولا قیم فیه فجمع بعض اهل محلة غلاتها و انفقها فی حصره وادها نه وحسیتة لم یضمن (بحر صفحه ۲۴۹ ج۵) ثم قال فی المجر دعن ابی حنیفة ان البانی اولی لجمع مصالح المسجد و نصب الامام والمؤذن اذا تاهل للامامة (بحر صفحه ۲۴۹ ج۵)

(۷) مسجد میں تیل یا دوسرا چندہ دینے کی وجہ سے مقررہ متولی کی مخالفت جائز نہیں ہو جاتی اور مشورہ دینے کا حق ہر شخص کو ہے۔

(۸) صورت مذکورہ میں متولی کو برا کہنے والا اگر محض امور مذکورہ ہی کی وجہ سے برا کہتا ہے تو ظالم اور گناہ گار ہے اس کی اعانت علی الظلم ہے اور متولی حق پر ہے اس کی اعانت ثواب ہے۔ لا تعاونو ا علی الاثم والعدوان الایة والله سبحانه و تعالٰی اعلم. کتبه محمد شفیع غفرله

الجواب صحیح حسین احمد غفرلہ۔الجواب صحیح محمد رسول خان عفااللہ عنہ۔

ہر مسجد شرعی میں نماز جائز ہے

(سوال ۶۷۱) کونسی مسجد میں نماز درست نہیں؟

(الجواب) جب مسجد حسب قواعد شرعیہ مسجد بن جائے تو اس میں نماز درست ہے ایسی کوئی مسجد نہیں جس میں باوجود مسجد ہونے کے نماز جائز نہ ہو۔

بانی مسجد کو حق نہیں کہ بلاوجہ شرعی مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرے

(سوال ۶۷۲) زید نے عمر سے ایک زمین برائے تعمیر مسجد طلب کی۔ عمر نے بذریعہ ایک وثیقہ ایک قطعہ زمین زید کو ہبہ کر دی جس میں یہ الفاظ لکھ دیئے کہ برائے تعمیر مسجد شریف یہ قطعہ زمین زید کو دیدی ازاں بعد زید نے سعی کر کے مسجد تعمیر کرائی جس میں اہل محلّہ نے بھی حسب توفیق چندہ دیا اب مسجد مکمل ہو گئی اس میں زید نے نماز کی اجازت دی اذان اور جماعت شروع ہو گئی مدت سے لوگ نماز پڑھ رہے ہیں مسجد کا راستہ کسی کی ملکیت میں نہیں علیحدہ ہے پس اس مسجد کے متعلق تین سوال ہیں۔ (۱) کیا یہ مسجد وقف ہے تمام اہل محلّہ نماز کے حق دار ہیں یا زید کی ملکیت ہے (۲) اگر تمام اہل محلّہ باتفاق ایک امام مقرر کر لیں اور زید دوسرے کو تو کس کی رائے کو ترجیح ہو گی (۳) زید کہتے ہیں میں متولی مسجد ہوں اور مسجد کے نام پر چندہ لے کر گھر میں صرف کر دے تو پھر بھی متولی ہو گا یا

نہیں۔؟

(الجواب) صورت مرقومہ بالا نمبر ا کے متعلق جواب یہ ہے کہ مسجد وقف تام ہو چکی اور زید کی ملکیت سے نکل گئی اب اس میں تمام اہل محلّہ کو نماز اور اذان و جماعت کے حقوق حاصل ہیں زید کسی کو شرعاً نہیں روک سکتا اور اگر روکے تو و من اظلم ممن منع مساجد الله (الآیہ) کی وعید میں داخل ہوگا۔ کما قال فی الهداية وغيره اذا بنى مسجداً لم يزل ملكه عنه حتى يغرزه عن ملكه بطريقه و ياذن للناس لصلوٰة فيه اذا صلى فيه واحدزال عندا ابى حنيفهؒ عن ملكه . هدايه صفحه ٦٢٣ كتاب الوقف وهكذافى الدر المختار وغيره من كتب الحنفيه هذا.

(۲) سوال سے معلوم اور ثابت ہوتا ہے کہ زید بانی مسجد نے حق تولیت اپنے لئے محفوظ کر رکھا ہے اور وہ متولی مسجد ہے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی نے تصریح کردی ہے کہ بغیر نزاع بانی مسجد کا نصب کردہ امام اولی ہے اور در صورت نزاع مابین متولی اور قوم اس فریق کا امام مقرر کرنا اولی ہے جس کا انتخاب کردہ امام اصلح اور افضل ہو. كما قال و ان تنازع البانى فى نصب الامام و المؤذن مع اهل المحلة فان كان من اختاره اهل المحلة اولى من الذى اختاره البانى فاختيار اهل المحلة اولى لان ضرره و نفعه عائد اليهم كذافى البزازية و الخلاصة كبيرى صفحه ٥٧١

اسی طرح علامہ ابن نجیم اپنے فتاوی بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں۔ تنازع اهل المحلة و البانى فى عمارته او نصب المؤذن اوالامام فالا صح ان البانى اولى به الا ان يريد القوم ما هو اصلح منه بحر الرائق جلد خامس ٥ صفحه ٢٤٩ وفى الدر المختار البانى للمسجد اولى من القوم بنصب الامام و المؤذن فى المختار الا اذا عين القوم اصلح ممن عينه البانى الخ وزاد عليه الشامى بقوله لان منفعة ذلك ترجع اليهم (شامى جلد ثالث صفحه ٢٢٧) وفى فتح القدير صفحه ٦١ جلد خامس واما نصب الامام و المؤذن فقال ابو نصر فلاهل المحلة و ليس البانى احق منهم بذلك وقال ابو بكر الاسكافؒ البانى احق بنصبهما من غيره كالعمارة قال ابو الليثؒ وبه نا خذ الا ان يريد اماماً و مؤذناً والقوم يريدون الا صلح فلهم ان يفعلوا ذلك كذافى النوازل انتهٰى.

جواب نمبر ۳ وقف کنندہ مسجد اگر تولیت اپنے لئے رکھے اور بعد میں معلوم اور ثابت ہو جاوے کہ یہ مال مسجد میں خیانت کرتا ہے تو اسے معزول کر دینا چاہئے. كما قال فى الهداية ولو ان الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف غير مامون على الوقف فللقاضى ان ينز عها من يده (هدايه صفحه ٦٢٤ ج ٢) وهكذا فى كتب الحنفيه و دفاتر النعمانية هذا ما سنح لى والله اعلم و علمه اتم. كتب محب الحق مانسهره بقلم خود . لله در المجيب حيث اوضح الحق واتم الحجة فالجواب فى المسائل الثلثه عندنا صحيح لا ريب فيه. بنده محمد شفيع غفرله

مساجد میں مخصوص راتوں میں چراغاں کی شرعی حیثیت

(سوال ٦٧٣) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شب برات میں ضرورت سے زائد چراغاں جس کا بعض

شہروں میں رواج ہے کی بابت ایک فتویٰ آیا جس کے متعلق میں نے عدم جواز بدعت کا فتویٰ بحوالہ مجالس الابرار جس کی عبارت یہ ہے - اسراج السرج الکثيرة ليلة البراء ة في السكك والا سواق بدعة و كذافي المساجد الخ دیا لیکن اس کے چندروز کے بعد سیرت حلبیہ پر نظر پڑی تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خلاف مؤلف کے نزدیک باعث ثواب و قربت یا اس سے کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے کہ اسے تزئین مساجد پر محمول کرتے ہیں اور بقول بعض مکروہ چنانچہ اس کی عبارت یہ ہے۔ ذكران لمسجد-كان اذا جاء ت العتمة يوقد فيه سعف النخل فلما قدم تميم الدارى المدينة كانت معه قناديل و حبالا و زيتا و علق تلك القناديل بسوارى المسجد و او قدت فقال له رسول الله ﷺ نورت مسجد نا نور الله عليك اما والله لو كان لى ابنة لا نكحتها اياك هذا وفي كلام بعضهم اول من جعل في المسجد، المصابيح عمر بن الخطابؓ ويوافقه قول بعضهم والمستحب ان مدع الافعال تعليق القناديل منها اى المساجد واول من فعل بذلك عمر بن الخطابؓ فانه لما جمع الناس على ابى بن كعب فى صلوٰة التراويح علق القناديل فلما رأها علیؓ تزهر قال نورت مساجد نا نور الله قبرك يا ابن الخطاب و لعل المراد تعليق ذلك بكثرة فلا يخالف ما تقدم عن تميم الدارى ثم رأ يت فى اسد الغابة عن سراج غلام تميم الدارى قال قدمنا على رسول الله ﷺ و نحن خمسة غلمان بتميم الدارى فامرنى يعنى سيده فاسر جت المسجد بقنديل فيه زيت و كانوالا يسرجون الاسعف النخل فقال رسول الله ﷺ من اسرج مسجد نا فقال تميم غلامى هذا فقال ما اسمه فقال رسول الله ﷺ هل اسمه سراج سما نى رسول الله عليه وسلم سراجاً و عن بعضهم قال، امرنى المامون ان اكتب بالا ستكثار من المصابيح فى المساجد فلم اكتب لا نه شى لم اسبق اليه فاريت فى المنام ان اكتب فان فيها انساً للمتهجدين و نفيا لبيوت الله عن وحشة الظلم فانتبهت و كتبت بذلك قال بعضهم زيادة الوقود كالواقع ليلة النصف من شعبان و يقال لها ليلة الوقود ينبغى ان يكون ذلك كتز يين المساجد و نقشها وقد كرهه بعضهم. احقر کے نزدیک مجالس الابرار و سیرۃ حلبیہ میں تعارض معلوم ہوتا ہے پہلی کتاب کی عبارت سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے اور دوسری سے جواز لہٰذا کس پر اعتماد کیا جائے۔ بنیو، تو جروا۔

(الجواب) اول تو مجالس الابرار اور سیرۃ حلبیہ کی عبارات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ مجالس کی عبارت شب برات میں تکثیر قنادیل کو بدعت و ممنوع قرار دیتی ہے اور سیرۃ حلبیہ کے کسی لفظ سے کسی خاص رات کا تعین کے ساتھ تکثیر قنادیل کا جواز یا استحباب ثابت نہیں ہوتا بلکہ جواز و استحسان مطلقاً قنادیل اور اسراج سرج کا معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت طرز قدیم کے یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ خود سیرت حلبیہ میں مذکور ہے کہ حضرت تمیم داری کے اس طرز عمل سے پہلے مساجد کی روشنی کا ذریعہ محض کھجور کے پٹھوں کی آگ جلا دینا تھا اور ظاہر ہے کہ اس میں علاوہ دشواری کے نظافت مساجد کے خلاف راکھ وغیرہ سے تلویث بھی تھی اس لئے چراغ جلانے کو پسند کیا گیا اور تراویح کے وقت لوگوں کی کثرت دیکھ کر اس میں بقدر ضرورت اضافہ کیا گیا وہ بھی کسی خاص رات شب قدر یا ختم قرآن کی رات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تراویح کی تمام راتوں میں تھا اس لئے کسی متبرک رات میں چراغاں کرنا اس سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ آخر میں خود شب برات کی تکثیر قنادیل کو سیرۃ حلبیہ نے بھی مکروہ لکھا ہے اور اگر بالفرض

تعارض ہے تودوسری نصوص شرعیہ سے مجالس کا قول مئوید منصور ہے کیونکہ اول تو یہ بدعت ہے کہ قرون مشہور لہابالخیر میں نہ تھی اور ثانیاً اس میں تشبہ ہے ہندوؤں کی دیوالی کے ساتھ ثالثاً اسراف بیجا ہے رابعاً اس کی وجہ سے مساجد ایک کھیل تماشہ کی جگہ بن جاتی ہیں علامہ شاطبیؒ نے کتاب الاعتصام میں اس کے بدعت وناجائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

وحاصله ان النار ليس ايقاد هافي المساجد من شان السلف الصالح ولا كانت مما تزين به المساجد البتة ثم احدث التزيين بهاحتى صارت من جملة ما يعظم به رمضان و اعتقد العامة هذا (الى قوله) و مثله ايقاد الشمع بعرفة ليلة الثامن ذكر النووى انها من البدع القبيحة والضلالة الفاحشة جمع فيها انواع من القبائح منها اضاعة المال فى غير وجهه و منها اظهار شعائر المجوس (الى قوله) وقد ذكرالطرطوشي فى ايقاد المساجد فى رمضان بعض هذه الامور وذكر ايضاً قبائح سواها. اعتصام صفحه ۲۷۳ ج ۲. والله تعالى اعلم

مسجدوں میں محراب بنانا بدعت نہیں

(سوال ٦٧٤) ہمارے ملک میں جو سرحد افغانستان پر واقع ہے باشندگان سلطنت برطانیہ کے علماء میں مسجد کی محراب کی جگہ پر پتھر کو نصب کرنے پر جھگڑا اور مخالفت ہے ہر ایک مولوی صاحب نے پتھر کے جواز اور حرمت پر مفصل مسائل تحریر کرکے واسطے آخری فیصلہ جناب والا کی خدمت میں روانہ کیا ہے عرض ہے اور امید کرتا ہوں کہ جناب عنداللہ براہ مہربانی اس کی نسبت مفصل فیصلہ اور حکم شرعی صادر فرمایا جاوے کہ لاکون مولوی صاحب حق بجانب ہے تاکہ اس کے بموجب ہم لوگ مسلمین عمل کریں اگر پتھر کا نصب کرنا جائز ہو تو ہم تمام ہی مسجدوں میں آئندہ پتھر لگائیں گے اگر ناجائز ہو تو جو کسی نے پتھر بجائے محراب کے نصب کئے ہوں وہ بھی اکھیڑ کر پھینک دیں گے آخری فیصلہ سے مشکور فرمایا جاوے تاکہ طرفین کا اعتراض بند ہو جاوے۔؟

(الجواب) اقول وباللہ التوفیق مساجد میں محراب بنانا یا اگر بجائے محراب کے وسط میں پتھر نصب کیا جاوے تو یہ دونوں چیزیں بدعت نہیں ہیں۔قال فى الدر المختار و يقف وسطاً الخ قال الشامى يفهم من قوله اوالى سارية كراهة قيام الامام فى غير المحراب ويؤيده قوله قبله السنة ان يقوم فى المحراب و كذا قوله فى موضع آخر. السنة ان يقوم الامام از اء وسط الصف الاترى ان المحاريب ما نصبت الاوسط المساجد وهى قد عينت لمقام الامام. اهـ والله تعالى اعلم - كتبه مسعود احمد عفالله

جواب صحیح ہے اور علامہ سیوطی نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اعلام الارانیب فی بدعت المحاریب لکھا ہے لیکن بدعت ہونا اس کا اصول وقواعد سے ثابت نہیں ہے۔ بندہ محمد شفیع عفااللہ عنہ دارالعلوم دیوبند

مسجد کا مال مدرسہ یا فقراء میں خرچ کرنا

(سوال ٦٧٥) ایک مکان ایک مسجد کے لئے وقف ہے اب کئی سال سے ایک اسکول قائم ہوا ہے جس پر مکان

مذکورہ کی آمدنی میں سے خرچ ہوتا ہے یا کبھی کبھی بیوہ عورتوں کو اس کی آمدنی دی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس مکان کی آمدنی کو کسی اسکول یا مدرسہ میں اگرچہ مدرسہ اسلامیہ ہو یا بیوہ عورتوں اور مساکین پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ بلکہ کسی دوسری مسجد پر بھی خرچ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ معتبر اس معاملہ میں شرائط واقف ہیں ان کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

قال فی الشامی فان شرائط الواقف معتبرة اذالم تخالف الشرع وهو مالك فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفاً من الفقراء ولو كان الوضع فی كلهم قربة الخ (شامی كتاب الوقف صفحه ۳۹۳ جلد ۳) ۱۲ ربيع الاولیٰ ۱۳۳۵ هجری

مسجد کے روپیہ کو تجارت میں لگانا

(سوال ۶۷۶) کچھ دکانیں مسجد کے متعلق وقف ہیں اس وقف کے روپیہ سے مسلمانوں کی آسانی کے لئے اگر کچھ پتھر یا لکڑی وغیرہ خرید کر رکھ دیئے جائیں اور جب مسلمانوں کو قبر کے پٹاؤ کے لئے ضرورت پڑے تو ان کو اصلی قیمت پر یا نفع کے ساتھ دیدئے جاویں تو شرعاً ممانعت تو نہیں ہے اور اسی وقف کے روپیہ سے رمضان شریف میں اسی مسجد میں جس کے متعلق وہ دکانیں ہیں حافظ کو بعد تراویح کے نذر دی جاوے اور شیرینی تقسیم کی جاوے تو کیسا ہے یہ مسجد شاہی ہے اور دکانیں بھی اسی وقت کی بنی ہوئی ہیں۔؟

(الجواب) دوکانوں کی آمدنی سے جو روپیہ حاصل ہوا اگر وہ ضروریات مسجد سے زائد ہو تو مسجد کے نفع کے لئے اس کو تجارت میں لگانا جائز ہے اس لئے قبروں کے پتھر لکڑی وغیرہ کا خرید کر رکھنا بھی جائز ہے مگر بلا نفع کسی کو نہ دیا جاوے اس خرید و فروخت کی غرض مسجد کا نفع ہونا چاہئے لوگوں کو آرام یا نفع ضمناً حاصل ہو جائیگا کذا فی کتب الفقہ اور دکانوں کی آمدنی سے تراویح پڑھانے والے حافظ کو نذرانہ دینا یا شیرینی تقسیم کرنا جائز نہیں۔ فانها ليست من مصالح المسجد و ضرورياته و الحوانيت انما وضعت لمصالح المسجد. والله تعالى اعلم

مسجد کی اشیاء جو مسافروں کے لئے وقف ہوں
ان کو امام یا مؤذن اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں

(سوال ۶۷۷) مسجد کی اشیاء جیسے تیل یا چارپائی اور بستر اجو مسافروں کے واسطے مسجد میں ہو امام اس کو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں اگر متولی مسجد اس کو اجازت نہ دے۔؟

(الجواب) مسجد میں جو سامان تیل وغیرہ رہتا ہے یا جو سامان مسافروں کے لئے چارپائی بستر وغیرہ رکھا جاتا ہے وہ سب مال وقف ہیں اور مال وقف کا واقف کی منشاء و شرائط کے خلاف استعمال کرنا متولی کے لئے بھی جائز نہیں کسی دوسرے کے لئے کیسے ہو سکتا ہے۔

قال الشامی فان شرائط الواقف معتبرة اذالم تخالف الشرع وهو مالك له فله ان يجعل ماله حيث شاء شامی صفحه ۲۹۳ جلد ۳۔ مسجد کے چراغ سے اپنا کوئی جائز کام کرلینا جیسے کتاب کا مطالعہ یا تحریر

وغیرہ یہ جائز ہے اور وہ بھی صرف تہائی رات تک اس کے بعد نہیں صرح به فی خلاصة الفتاوی اور چارپائی بستر وغیرہ مسافروں کے لئے وقف ہے اس کا استعمال بجز مسافروں کے کسی کو جائز نہیں۔

مسجد کے تیل کا استعمال

(سوال ٦٧٨) مسجد کا تیل بتی بلا اجازت متولی وارا کین مسجد امام وغیرہ کو استعمال کرنا اور جلائی ہوئی بتی میں کتاب دیکھنا اور مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسجد کے چراغ سے درس تدریس یا مطالعہ کتب اس شرط پر کہ مسجد سے باہر نہ نکالا جاوے ثلث لیل تک جائز ہے۔ قال فی البحر من الوقف و احکام المسجد و لیس لمتولی المسجد ان یحمل سراج المسجد الی بیته ثم قال و یجوز الدرس بسراج المسجد ان کان موضوعاً فیه لا لصلوٰة بان فرغ القوم من القوم من الصلوٰة وذهبو الی بیوتهم و بقی السراج فیه قالو الاباس بان یدرس بنوره الی ثلث اللیل لانهم لو اخرو الصلوٰة الی ثلث اللیل لا باس به فلا یبطل حقه بتعجیلهم و فیما زاد علی الثلث لیس لهم تاخیرها فلا یکون لهم حق الدرس بحر الرائق صفحه ۲۵۰ ج ۵.

البتہ اگر کسی مسجد میں ساری رات چراغ جلانے کی عادت ہو اور محلّہ والے یا چندہ دینے والے ساری رات چراغ جلانے کی اجازت دیتے ہوں تو تمام رات بھی مطالعہ وغیرہ جائز ہے۔

قال فی البحر ولا یجوز ان یترك فی كل اللیل الافی موضع جرت العادة فیه بذلك كمسجد بیت المقدس و مسجد النبیﷺ والمسجد الحرام اوشرط الواقف فیه ترکه فی اللیل الخ بحر صفحه ۲۵۰ ج ۵.

مسجد کے تیل کو امام اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاسکتا

(سوال ٦٧٩) مساجد میں جو تیل اہل محلّہ وغیرہ آتا ہے اور بالخصوص وہ مساجد جن میں بجلی لگی ہوئی ہے اور تیل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیا یہ تیل ازروئے شرع شریف امام مسجد اپنے اخراجات خانگی میں لاسکتا ہے۔؟ بنیوا توجروا۔

(الجواب) مسجد کے تیل یا چراغ کو مسجد سے باہر جلانا خود واقف کے لئے بھی جائز نہیں کسی متولی یا امام کو اس کا کیا حق ہوسکتا ہے بلکہ خود مسجد کے اندر بھی مسجد کے چراغ سے کوئی اپنا ذاتی مباح کام جیسے کتاب وغیرہ دیکھنا یہ بھی صرف تہائی رات تک جائز ہے اس کے بعد نہیں البتہ اگر محلّہ والوں اور چندہ دینے والوں کی اجازت تمام رات مسجد میں چراغ جلانے کی ہو تو تمام رات مسجد کے اندر رہ کر اس چراغ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

قال فی البحر الرائق من الوقف احکام المسجد لیس لمتولی المسجدان یحمل سراج المسجد الی بیته ولا یجوز ان یترك فیه كل اللیل الافی موضع (ای المسجد) جرت العادة بذلك كمسجد بیت المقدس و مسجد النبیﷺ و المسجد الحرام او شرط الواقف ذلك كما جرت العادة فی زماننا

ویجوز الدرس بسراج المسجد ان کان موضوعاً فیه لا للصلوٰۃ الی قولہ ولا باس بان یدرس الی ثلث اللیل اھ (بحرص ۲۰۰ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

مسجد کے چراغ کے متعلق دو مسائل

(سوال ۶۸۰) اگر مسجد میں صرف ایک چراغ ہو تو وہ وقت نماز عشاء جب کہ جماعت صحن مسجد میں ہو رہی ہو تو باہر صحن مسجد میں رکھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صحن مسجد میں چراغ رکھنا بلا تامل جائز ہے البتہ مسجد سے باہر لے جانا اور اپنی ضرورت کے لئے کسی نمازی یا متولی کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ قال فی البحر کتاب الوقف فی احکام المساجد ولیس لمتولی المسجد ان یحمل سراج المسجد الی بیتہ – الخ

(۲) نماز عشاء کے بعد مسجد کا چراغ گل کر دینا چاہئیے کیونکہ بلا شرط واقف تمام رات چراغ جلانا عام مساجد میں جائز نہیں۔ ولاباس بان یترك سرج المسجد فیہ من المغرب الی وقت العشاء ولا یجوز ان یترك فیہ کل اللیل الافی موضع جرت العادۃ فیہ بذلك کمسجد بیت المقدس و مسجد نبیﷺ والمسجد الحرام او شرط الواقف ترکہ فیہ کل اللیل الخ. (واللہ تعالیٰ اعلم)

قدیم قبرستان کو مسجد بنانا بابت میمن مسجد بولٹن مارکیٹ، کراچی

(سوال ۶۸۱) بناء پاکستان کے وقت یہ جگہ ایک بہت بڑی چہار دیواری سے احاطہ کی ہوتی تھی بتایا جاتا ہے کہ کسی زمانے میں مسلمانوں کا قبرستان تھا جب شہر کی آبادی اور بستی یہاں پہنچ گئی تو سرکاری طور پر یہاں دفن اموات ممنوع قرار دیا گیا عرصہ دراز سے اس میں دفن اموات بند تھا کہیں کہیں قبروں کے نشان اس میں احقر نے خود دیکھے تھے بناء پاکستان کے وقت کراچی میں مساجد کی قلت بہت محسوس کی گئی اور مناسب جگہ پر لوگوں نے مسجدیں بنانے کا قصد و اہتمام کیا اس سلسلہ میں یہاں بھی بعض لوگوں نے چھپر ڈالکر نماز باجماعت بغیر کسی اجازت کے پڑھنا شروع کر دی پھر کچھ لوگوں نے اس زمین پر مسجد بنانے کے متعلق مجھ سے استفتاء کیا احقر نے بمشورہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ ان کے سوال پر کچھ تنقیحات قائم کر کے واپس کیا جن میں ایک تنقیح یہ بھی تھی کہ یہ جگہ کسی خاص شخص یا جماعت کی مملوک ہے قبرستان کے لئے وقف یا حکومت کی زمین ہے اس تنقیح کا جواب باشندگان بلدہ کی طرف سے یہ لکھا گیا کہ یہ زمین نہ وقف ہے نہ کسی کی مملوک بلکہ میونسپل کارپوریشن کراچی کی زمین ہے جس میں اس نے دفن اموات کی اجازت دے رکھی تھی پھر اس کے حکم سے یہ اجازت ختم کر دی گئی اس پر احقر نے پہلے یہ تحقیق کی کہ اس کی قبریں اتنی پرانی ہیں کہ عادۃً مٹی ہو چکی ہیں اس کے بعد فتویٰ یہ لکھا کہ اس زمین کو برابر کر کے اس پر مسجد بنا دینا باجازت میونسپل کارپوریشن جائز ہے اس کے دلائل کتب فقہ سے مفصل لکھے گئے مخدوم محترم حضرت مولانا محمد صادق رحمتہ اللہ علیہ سابق مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کے پاس یہ سوال بھیجا گیا تو انہوں نے فتویٰ عدم جواز کا دیا اور اس فتویٰ کی تائید کے لئے ایک ورق میں عبارات

فقیہہ جمع کر کے مسلک فرمائی لوگوں نے یہ فتویٰ اور احقر کا فتویٰ دوبارہ میرے پاس نظر ثانی کو بھیجا احقر اور استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے نزدیک نظر ثانی کے بعد بھی فتویٰ وہی صحیح معلوم ہوا جو احقر نے پہلے لکھا تھا اس لئے مخدوم محترم حضرت مولانا محمد صادق صاحب کے فتویٰ کا جواب اور اپنے سابق فتویٰ کی تائید مکرر لکھنے کی نوبت آئی افسوس ہے کہ یہ اصل سوال وجواب محررہ احقر و محررہ حضرت مولانا محمد صادق صاحب محفوظ نہ رہا صرف اس کا جواب کاغذات میں محفوظ ملا اس لئے ان ابتدائی توضیحات کے ساتھ اس کو شائع کیا جاتا ہے جہاں تک مجھے یاد ہے بعد میں حضرت مولانا محمد صادق صاحب بھی جواز پر مطمئن ہوگئے تھے اور ان کے زمانہ حیات ہی میں اس جگہ عالیشان مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ محمد شفیع

شبہ بر فتویٰ مذکورہ از مولانا محمد صادق صاحب مہتمم مدرسہ کھڈہ بنقل عبارات ذیل

(۱) ولو بلی المیت و صارتراباً جاز دفن غیرہ وزرعہ والبناء علیہ کذفی التبیین اہ (عالمگیری صفحہ ۱۶۴ ج ۲) قلت و مثلہ فی البحر جلد ۲ وشرح المنیۃ صفحہ ۵۶۱)

(۲) وسئل ھوای لا زر جندی عن المقربۃ فی القری اذا اندر ست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا قال لاولھا حکم المقبرۃ کذافی المحیط اہ (وقف عالمگیری صفحہ ۲۴۳ ج ۳)

(۳) فلو کان فیھا حشیش یحش و یرسل الی الدواب ولا تر سل الدواب فیھا کذافی البحر الرائق.

(٤) مقبرۃ قدیمۃ لمحلۃ لم یبق فیھا اثار المقبرۃ ھل یباح لا ھل المحلۃ الانتفاع بھا قال ابو النصر لا یباح اہ (کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف صفحہ ٦٦)

(٥) عن عائشۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال کسر عظام المیت ککسرہ حیارواہ مالك و ابوداؤد و ابن ماجہ (مشکوٰۃ صفحہ ۱٤۹)

(٦) ولا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الالحق آدمی کان تکون الارض مغصوبۃ اواخذت بشفعۃ و یخیر المالك بین اخراجہ و مساواتہ بالارض کما جازززعہ والبناء علیہ اذا بلی و صار تراباً اہ (شامی صفحہ ٦۰۲ ج ۱)

(۷) عظم الذمی محترم فلا یکسر اذا وجد فی قبرہ لانہ لما حرم ایذا نہ فی حیاتہ لذمۃ وجبت صیانۃ نفسہ عن الکسر بعد موتہ واما اھل الحرب فان احتیج الی نبشھم فلا باس بہ – تاتا رخانیہ عن الحجۃ فتنبش و ترفع العظام اوالا ثار وتتخذہ مقبرۃ للمسلمین او مسجد کمافی الواقعات اسماعیل اہ (شامی جلد اول و عالمگیری جلد اول)

(۸)ویکرہ أن یبنی علی القبرمسجداوغیرہ کذافی السراج الوھاج اہ(عالمگیری جلداول صفحہ ۱٦٤)

(۹)هل ینبش قبورمشرکی الجاهلیة ای دون غیرها منقبور الأنبیاء واتباعهم لمافی ذلك من الأهانة لهم بخلاف المشرکین فانه لا حرمة لهم اه (فتح الباری جلد ۱ صفحه ۴۳۷)

(۱۰) ان المسجد اذا خرب ود ثرولم یبق حوله جماعة و المقبرة اذا عفت و دثرت تعود ملکا لاربا بها فاذا عادت ملکا یجوز ان یبنی موضع المسجد دار او موضع المقبره مسجد و غیر ذلك فاذا لم یکن لها ارباب یکون لبیت المال اه (عمدة القاری صفحه ۳۵۹ ج ۲)

(۱۱) قال فی الفتح لا یحصر قبر لدفن آخر الاان بلی الاول فلم یبق له عظم الا ان یوجد فتضم عظام الاول و یجعل بینهما حاجزاً من تراب اه (ردالمحتار صفحه ۵۹۸ ج ۱)

(۱۲) وقال الزیلعی ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه و البناء علیه اه قال فی الامداد و یخالف مافی التاتر خانیه اذا صار المیت تراباقی القبر یکره دفن غیر فی قبره لأ ن الحرمة باقیة و ان جمعو اعظامه فی ناحیة ثم دفن غیره فیه تبرکاً بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکره ذلك اه قلت لکن فی هذا مشقة عظیمة فالأولی اناطة الجواز بالبلاء اذا لم یمکن ان یعد لکل میت قبر لا یدفن فیه غیره وان صار الاول تراباً لا سیما فی الامصار الکبیرة الجامعة والالزم ان تعم القبور السهل والوعر علی ان المنع من الحصر الی ان لا یبقی عظم؟ جداً وان امکن ذلك لبعض الناس لکن الکلام فی جعله حکما عاما لکل احد فتامل اه (شامی مطبع استنبول صفحه ۸۳۵ ج ۱)

(۱۳)قبر راداخل کردن ونماز برآن گزاردن وزراعت کردن یاجرا یہ دادن اگرچہ اثر استخواں باقی نباشد جائز نیست وہم دریں کتاب بعد ذکر قاضی شمس الائمہ محمود الارنہ جندی مذکورست سئل هو ایضاً عن المقبرة فی القری اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها و استغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذافی المحیط اه (فتاویٰ سعدیه صفحه ۱۴۲)

(۱۴)سوال قبور قدیمہ کے مرورِ دھور سے ہموار ہوگئی ہوں اور صحن مسجد میں واقع ہوں ان پر حوض یادوسری شی مصالح مسجد کے لئے بنانا جائز ہے یا نہیں۔

(الجواب) اگر قبرستان وقف ہے تو یہ امر درست نہیں اور جوایسا ہی دفن ہوا تھااور استخوان مردگان معدوم ہوگئی تو درست ہےاور فرش مسجد میں ادخال اس زمین کابھی درست ہے اھ (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۳۸)

(الجواب) بسم الله الرحمن الرحیم

قدیم ومندرس قبرستان کے متعلق فتویٰ محررہ اور عبارات مندرجہ ورقہ پر نظر ثانی اور مکرر غور کیا عبارات مندرجہ میں سے نمبر ۳، نمبر ۵، نمبر ۶، نمبر ۷، نمبر ۸، نمبر ۹، تو مسئلہ زیر بحث سے بالکل غیر متعلق ہیں کیونکہ سوال اس قبرستان کا ہے جس کی قبریں اتنی پرانی ہوچکی ہیں جن کے متعلق بظن غالب عادت جاریہ کے موافق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اموات مٹی ہوچکے ہیں۔

اور نمبرات مذکورہ کی عبارتیں اس صورت سے متعلق ہیں جب کہ قبرستان آباد ہو دفن اموات کا سلسلہ اس میں جاری ہو اور اجزاء میت قبروں میں موجود ہوں جن کا احترام شرعاً واجب ہے اور جب اجزاء میت مٹی

ہو جاویں تو انقلاب ماہیت کی وجہ سے احکام قبر کے ختم ہو جاتے ہیں۔
كما صرح به مولانا اللكهنوى فى فتاواه و كما صرح به عامة المتون و الشروح و الفتاوىٰ من دون ذكر خلاف فيه سوى مافى ردالمحتار عن التتارخانية وهو قول متروك لم ياخذه احد وقدرده الشامى هناك و تعامل السلف و الخلف فى دفن الاموات مكرراً فى المقابر القديمة يرده - ايضاً اه
رہا یہ معاملہ کہ کتنی مدت میں اجزاء میت مٹی ہو جاتے ہیں سو یہ امر باختلاف اراضی وباختلاف مواسم مختلف ہے اور مدار کار اس باب اس میں ان اصحاب بصیرت کا قول ہے جو اس کام کا تجربہ رکھتے ہیں اگر اس بارے میں کسی کو اختلاف ہو تو یہ مسئلہ کا اختلاف نہیں تحقیق واقعہ کا اختلاف ہے اس کی وجہ سے فتویٰ میں تبدیلی کی کوئی وجہ نہیں اور عبارات نمبر ۲ و ۱۳ و ۱۴ بھی مسئلہ زیر بحث سے متعلق نہیں کیونکہ وہ ان مقابر کے متعلق ہیں جو وقف ہوں اور اسی مصرف میں ان کا استعمال ممکن و میسر بھی ہو تو شرط واقف کے خلاف اس کو قبرستان کے سوا کسی دوسرے کام میں لگانا جائز نہیں بلکہ مکرر دفن اموات کے کام میں لانا ضروری ہے اور مسئلہ زیر بحث میں بجواب تنقیح یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہ وقف نہیں بلکہ کارپوریشن کی مملوکات میں سے ہے اور اگر وقف بھی تسلیم کیا جاوے تو اب بوجہ وسط شہر میں واقع ہو جانے کے ان میں دفن اموات ممنوع ومتعذر ہے اور جب کوئی وقف اپنے اصل مصرف میں صرف نہیں ہو سکتا ہو تو اس کو کسی دوسرے وقف میں تبدیل کر دینا حسب تصریح فقہا جائز ہے۔ امداد الفتاویٰ میں اس قسم کا ایک سوال وجواب بالفاظ مذکور ہے۔

(سوال) ایک قبرستان عرصہ ۲۵ سال سے ویران پڑا ہے اور اس میں موتی بھی دفن نہیں ہوتے اب اس میں ایک مکان انجمن اسلام بنانا چاہتے ہیں تو یہ جائز ہے یا نہیں۔؟
(الجواب) عینی شرح بخاری میں ہے. قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى فيها مسجد لم أر بذلك باساً وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لاحدان يملكها فاذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد لان المسجد ايضاً وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تمكيله لاحد فمعنا هما على هذا واحداه.
جواب مذکور سے بوجہ اشتراک علت معلوم ہوا کہ انجمن کا مکان وقفی نفع عام کے لئے اس مقبرہ کی جگہ بنانا جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم یکم رجب ۱۳۲۱ ہجری اور مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب کے فتاویٰ میں ہے سوال نمبر ۹۱۰ اگر بوجہ اشد ضرورت قبروں کو مسجد کے صحن میں ڈال دیا جاوے تو درست ہے یا نہیں؟
الجواب - قبروں کو برابر کر کے فرش مسجد میں کیا جاوے اس میں کچھ حرج نہیں اور کچھ کراہت نماز میں نہ ہوگی۔
کتبہ عزیز الرحمن فتاوی دارالعلوم جلد ششم صفحہ ۷ مثله فى مجموعة الفتاوىٰ المولانا اللكهنوى.
الغرض جب بظن غالب اموات کا مٹی ہو جانا متعین ہو جائے اور اس زمین میں دوبارہ دفن اموات متعذر ہو تو مملوکہ زمین میں باذن مالک ہر قسم کے تصرفات جائز ہیں اور وقف زمین کو کسی دوسرے وقف مثل مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں تبدیل کر دینا جائز ہے اس لئے عبارات منقولہ مندرجہ ورقہ سب اپنی اپنی جگہ مطابق ہیں کوئی تضاد

و تنافی نہیں اگر کچھ اختلاف ہو سکتا ہے تو اس ظن غالب میں ہو سکتا ہے کہ کسی کو ظن غالب ہے کسی کو نہیں اور حکم اس اختلاف میں ان لوگوں کا قول ہوگا جو اس طریق بصیرت و تجربہ رکھتے ہیں گورکنی کا کام کرتے ہیں ان کے نزدیک جتنی مدت میں عادت عامہ کے مطابق میت کے اجزاء مٹی ہو جاتے ہیں اس کے بعد قبور کی حیثیت اور احکام ختم ہو جائیں گے اور احیانا کسی قبر میں کوئی لاش سالم یا ہڈیاں نکل آویں تو وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ بہت سی لاشوں کا تو ہزار ہزار سال تک قائم رہنا مشاہدات و تواتر سے ثابت ہے مگر ایسے واقعات نادر ہوتے ہیں تو نوادر پر احکام دائر نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں اس اختلاف کا اثر نفس مسئلہ اور فتویٰ پر کچھ نہیں جسکی وجہ سے فتویٰ میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو بلکہ فتویٰ کو واقعہ پر منطبق کرنے میں اختلاف ہے جو ہر فتویٰ میں ہو سکتا ہے -واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔
بندہ محمد شفیع عفی عنہ کراچی ۱۴ ربیع الاول جمعہ ۱۳۶۸ ہجری (اضافہ)

قبرستان کو مسجد بنانا

(سوال ۶۸۲) ایک قطعہ زمین مسلمان رعایا نے اپنے ہندو زمینداروں سے قبرستان کے لئے لی اور مدت سے اپنے مردے اس میں دفن کرتے چلے آرہے ہیں اب مسلمانوں کو مسجد کی ضرورت ہے اگر مسلمان قبرستان میں مسجد بنالیں تو جائز ہے یا نہیں اور جو زمین ہندوؤں نے قبرستان کے لئے دی ہے وہ مسلمانوں کے دوسرے مصرف میں آسکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اگر یہ زمین ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہبہ کردی ہے اور مسلمانوں نے اس کو قبرستان کے لئے وقف کئے بغیر اس میں قبریں بنالی ہیں تو اس قبرستان کی جگہ میں ایک طرف کو جہاں قبریں نہ ہوں یا بوجہ قدامت بے نشان ہو چکی ہوں تو اس جگہ پر مسجد بنا سکتے ہیں اور وہ تمام احکام میں مسجد ہی رہے گی۔

لیکن اگر ہندوؤں نے زمین بالکل ہبہ نہیں کی تو بغیر ان کی اجازت کے مسجد نہیں بن سکتی البتہ اگر بلا ان کی اجازت کے بھی کوئی جگہ وہاں پر نماز کے لئے بنالیں تو اگرچہ یہ مسجد کے حکم میں نہ ہوگی مگر نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی بشر طیکہ قبلہ کی جانب میں کوئی قبر نہ ہو۔

قال الشامی لا باس بالصلوٰۃ فیها یعنی المقبرة اذا کان فیها موضع اعد لصلوٰۃ و لیس فیه قبر و لا نجاسة کمافی الخانیه و لا قبلته الی حلیته (شامی باب مایکره فی الصلوٰۃ) واللہ سبحانه و تعالٰی اعلم

مسجد کی زمین میں میت دفن کرنا

(سوال ۶۸۳) زید نے اپنے بھائی کی لاش ایسی موقوفہ مزروعہ اراضی میں جو کسی مقدس آستانہ اور مسجد کی خدمت کے لئے وقف ہے نہ تدفین موتی کے لئے اور نہ کبھی کسی کی لاش اس میں دفن کی گئی بغیر اجازت متولی کے دفن کی (۱) کیا حقوق تولیت سے شرعاً باہر ہے کہ زید کی اس کارروائی کو وہ قبول فرمائیں یا اس کو اختیار فرمائیں۔ (۲) بہر حال قبر مذکور کا احترام مثل احترام دیگر قبور مومنین واجب ہوگیا نہیں (۳) عدالت میں تخلیہ ارض یا تسویہ

قبر کا استغاثہ زید پر کرنا متولی کے لئے واجب ہے یا نہیں ؟(۴) اگر صورت نمبر ۳ میں فساد بین المسلمین کا خطرہ ہو تو شرعاً کون سی صورت مستحسن ہوگی۔؟(۵) تسویہ کی صورت معین ہوئے کی تقدیر پر اگر سر دست رفع فساد کے خیال سے اغماض کیا جائے پھر بعد چندے مناسب وقت میں ہموار کر کے مثل اراضی مزروعہ اس زمین سے نفع حاصل کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں۔

(الجواب) متولی وقف کے ذمہ شرائط واقف کی پابندی ضروری ہے جو کام شرائط واقف کے خلاف ہو اگرچہ وہ فی نفسہ ثواب کا کام ہو بلکہ فرض اور واجب بھی ہو تب بھی متولی کو حق نہیں کہ شرائط واقف کے خلاف زمین موقوفہ کو اس میں خرچ کرے لہذا اس زمین میں جو مسجد یا کسی جائز کار ثواب کے لئے آمدنی حاصل کرنے کے واسطے وقف ہو متولی کو حق نہیں ہے کہ کسی شخص کے لئے قبر بنانے کی اجازت دیدے صرح به عامة كتب الفقه و الفتاوىٰ من الشامية و العالمگيرية۔

(۲) قبر کا احترام اور حکم عام امور میں عام قبروں کی طرح ہوگا البتہ صرف اتنا فرق ہوگا کہ متولی کو حق ہوگا کہ اس لاش کو احترام کے ساتھ یہاں سے نکلوا کر دوسری جگہ احترام کے ساتھ دفن کرادے. كما هو حكم الارض المغصوبة صرح به في العالمگيرية من الوقف۔(۳) اگر آپس کی رضا اور مصالحت سے کام نہ ہو سکے تو تولیت پر استغاثہ کرنا لازم ہے (۴) و(۵) اگر فساد بین المسلمین کا قوی خطرہ ہو تو تخلیہ و تسویہ دونوں کو ترک کر دینا بھی جائز ہوگا اگر تسویہ میں خطرہ نہ ہو تو اس کو اختیار کر لیا جائے اور جو اس میں بھی خطرہ ہو تو یہی مناسب ہے کہ اتنے ایام تک چھوڑ دیا جائے کہ خطرہ باقی نہ رہے پھر آہستہ آہستہ برابر کر دیا جائے کیونکہ فتنہ فساد بین المسلمین بہت سے مفاسد و معاصی پر مشتمل ہو جاتا ہے اس کے لئے دوسرے ادنی گناہوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے اذا بتلى المرابليتين فلتختر اهو نهما۔ شرعی و نقلی قانون ہے. واللہ تعالى اعلم

کسی مسجد کی وقف جائداد میں دوسری مسجد بنانا

(سوال ٦٨٤) ایک مسجد محلّہ میں ہے اس کی جائیداد محراب وسکنائی کے چند متولی ہیں اب ان میں سے بعض متولی بوجہ معذوری اور درد کے دوسری مسجد پہلی مسجد کی زمین میں بنانا چاہتے ہیں کیونکہ بارش وغیرہ میں نابینا اور ضعفاء کو وہاں جانے میں تکلیف ہوتی ہے بوجہ دور ہونے مسجد کے اور باعتبار آبادی بہت بڑا ہے آیا دوسری مسجد پہلی مسجد کی زمین میں تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو اس زمین کے بدلے دوسری زمین پہلی مسجد کو دیدی جاوے اور اس مسجد کی زمین میں دوسری مسجد تعمیر کی جاوے جو زمین معاوضہ میں دی جائے گی وہ آمدنی میں بہت زیادہ اور بہتر ہے۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں اس موقوفہ زمین کے عوض میں کوئی دوسری زمین اگرچہ اس سے اچھی ہو مسجد کو دیکر وقف کا بدلنا تو جائز نہیں لیکن اگر محلّہ والے آپس کے اتفاق سے اس مسجد کی زمین موقوفہ میں دوسری مسجد بوجہ ضرورت مندرجہ سوال بنالیں تو اس میں مضائقہ نہیں۔

اما الدليل على ما قلنا اولاً فقول الشامي اعلم ان الاستبدال على ثلثة وجوه الى قوله و الثالث

ان لا یشرط ایضاً ولکن وفیہ نفع الجملة و بدله خیر منه ریعاً و نفعاً و هذا لا یجوز استبداله علی الاصح المختار کماحرره العلامة قنالی زاده فی رسالته الموضوعة فی الاستبدال ثم قال بعد ذلك بورق فی هذه الصورة اقول و فی فتح القدیر الٰی قوله فینبغی ان لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علٰی ما کان علیه دون زیادة ولا نه لا موجب لتجویزه لان الموجب فی الاول الشرط و فی الثانی الضرورة ولا ضرورة فی هذا اذا لا تجب الزیادة بل بتقیته کما کان اقول ماقاله هذا المحقق هوالحق الصواب انتهٰی کلام الشامی.

اور ظاہر ہے کہ زمین مرقوفہ مندرجہ سوال کی صورت وہی ہے جس کو شامی نے وجہ ثالث قرار دیا ہے کیونکہ واقفین نے بوقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی۔

کما هو ظاهر کلامهم المذکور فی السوال و مما فتشنا عنهم بالمشافهة واما الدلیل علی ما قلنا ثانیاً فلا جتماع امرین من تصریحات الفقهاء الاول ما قاله صاحب البحر آخر احکام المسجد من کتاب الوقف ما نصه ولو کان بجنب المسجد ارض وقف علی المسجد فارادوان یزید واشیئاً فی المسجد من الارض جاز ذلك بامر القاضی بحر صفحه ۲۵۶ ج ۵ والثانی ما قاله صاحب البحر قبل ذلك باوراق اهل المحلة قسمو المسجد وضربو افیه حائطاً ولکل منهم امام علحده و مؤذنهم واحد لا باس به والا ولی ان یکون لکل طائفة مؤذن و کما یجوز لاهل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین فلهم ان یجعلو المسجدین واحد لاقامة الجماعة بحر صفحه ۲۵۰ جلد ۵۔

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جو زمین مسجد پر وقف ہو اس کو مسجد میں داخل کرنا بھی جائز ہے کہ محلّہ والے ایک مسجد کی دو مسجدیں تقسیم کر کے بنالیں لہٰذا صورت مذکورہ میں بھی دو مسجدیں محلّہ والوں کے اتفاق اور صلح سے بنائی جا سکتی ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع غفر لہ (الجواب صحیح بندہ اصغر حسین عفااللہ عنہ)

مسجد کے چندہ سے کیا کیا خرچ جائز ہیں؟

(سوال ۶۸۵) ایک مسجد کے لئے کوئی وقف نہیں چندہ پر اس کا مدار ہے اس چندہ سے امام و مؤذن کی تنخواہ اور خوراک دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) اگر کوئی جلسہ ہو تو اس چندہ سے اس میں پان وغیرہ منگانا اور خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۳) اگر خط وکتابت کی ضرورت ہو تو اس میں سے خرچ کرنا چندہ کا پیسہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو چندہ لوگ مصارف مسجد کے لئے دیتے ہیں ان میں سے موذن اور امام کی تنخواہ دینا جائز ہے۔ کذا فی الاشباہ والنظائر۔

(۲) جلسہ کے لئے پان وغیرہ کا خرچ اس میں جائز نہیں کیونکہ اہل چندہ نے اس کام کے لئے چندہ نہیں دیا۔

(۳) مسجد کے ضروری کاروبار کے لئے خط وکتابت کا جو خرچ ہو وہ بھی اس چندہ سے دینا جائز ہے۔

مسجد کی آمدنی مقدمہ میں خرچ کرنا

(سوال ٦٨٦) ایک مسجد ہے کہ جس کی آمدنی سالانہ ڈھائی ہزار کی تھی اس کے بعد حق تولیت ایک دوسرے شخص کو جو کہ بڑا شخص ہے اور بار سوخ ہے اس کے ہاتھ میں آیا اور یہ اپنے حق تولیت کے زمانہ میں جائیداد مسجد کی اور مسجد مذکورہ میں آمدنی میں اضافہ کرتا رہا اور علاوہ ازیں مسجد کی حالت بھی روبترقی ہوتی گئی جائیداد مسجد کی آمد اور مسجد مذکور کا خرچ دونوں مساوی تھے چونکہ مسجد مذکور وسط شہر میں آباد ہے جس میں کثرت ازدھام اور جس کی بوسیدگی عمارت کی وجہ سے جدید تعمیر توسیع کی ضرورت لاحق ہوئی کہ مسجد کی نہایت قلیل رقم پس انداز تھی مگر زید نے اپنے اثر ورسوخ کو کام میں لاکر ایسے وسائل اختیار کئے جن سے ایک جماعت مخلصین بغرض فراہمی چندہ زر تعمیر واعانت پیدا ہوگئی چنانچہ تعمیر کا آغاز ہوا اس حالت میں جب کہ مسجد مذکور شہید ہوگئی تھی مسلمانوں کے وازن طالعی سے ایک ایسی جماعت اٹھ کھڑی ہوگئی جس کو ذاتی خصومات کی بناء پر زید سے چشمک تھی مخالفین زید کو اب موقع ملا کہ وہ باہمی کدورتوں کو بروئے کار لائیں اور زید کی مخالفت کا بازار گرم ہوگیا اور زید پر حساب فہمی کا دعوی دائر کردیا ادھر خدا کے فضل وکرم سے ایک دیدہ زیب مسجد تیار ہوگئی اور اب مسجد کی آمدنی بجائے ڈھائی ہزار کے سات ہزار ہوگئی اور ایک جماعت قائم الموسوم بہ او قاف کمیٹی خیال اصلاح او قاف عالم مصفہ شہود پر آئی کمیٹی مذکور نے اول اول تو متولیاں مساجد کو اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن جب انہیں اپنی کامیابی کا منہ نصیب نہ ہوا تو متولیان او قاف کے خلاف فوجداری اور دیوانی مقدمات دائر عدالت کردیئے چنانچہ منجلہ دیگر متولیان مساجد کے زید پر بھی دعویٰ کردیا عدالت نے ایک سو دس روپیہ جرمانہ زید پر کردیا تھا مگر زید نے پھر سشن میں درخواست کی وہاں سے زید بالکل بری ہوگیا اب سوال یہ ہے کہ زید کا اس میں روپیہ کثیر خرچ ہوا زید اس مقدمہ کا خرچ مسجد یا آمدنی مسجد سے لے سکتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مسجد کا روپیہ اور اس کی جائیداد کی آمدنی مسجد کے مصارف مخصوصہ کے لئے وقف ہیں اس میں سے مقدمات مذکورہ کے مصارف لینا جائز نہیں لیکن جب کہ زید متولی بلا تنخواہ کام کرتا رہا ہے تو ان مصارف کا بار اس کے ذمہ میں بھی نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے اب دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس قدر رقم کے لئے اسی خاص کام کے نام سے چندہ کرلیا جائے اور چندہ سے یہ مصارف ادا کردیئے جائیں چندہ دینے والوں کو وہی ثواب ملے گا جو مسجد میں چندہ دینے کا ہوتا ہے بلکہ شاید اس سے بھی زائد ثواب کے مستحق ہوں کہ ایک مظلوم مدیون کے سر سے بار قرض اتارنا ہے جس کے متعلق احادیث صحیحہ میں بہت بڑا اجر وثواب مذکور ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے تاادائے رقم مذکور اس متولی کی کچھ تنخواہ جاری رکھی جائے بعد میں تنخواہ چھوڑ دی جائے اور پھر بوجہ اللہ حسب سابق کام کرتے رہیں اس طرح مسجد کے موجودہ خزانہ اور جائیداد ہی سے روپیہ مذکورہ کو دیا جاسکتا ہے اگر بطور مشاہرہ متولی کو دیا جائے گا بنام مقدمہ نہیں اور ادائیگی کے لئے ایک مشت نہ دیا جائے گا بلکہ ماہ کے ماہ حسب تنخواہ مقررہ ادا کیا جائے گا۔ ہذا اظہر لی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

متولی مسجد کے بعض اختیارات

(سوال ٦٨٦) غلام محی الدین نے ایک مسجد نگینہ بازار کلاں میں اپنی لاگت سے تعمیر کرائی اور ایک دوسرے شخص غلام محی الدین کو اس کا مہتمم بنادیا وہ تمام آمدنی مسجد کی دکانات کی اپنے صرف میں لاتارہاان کے انتقال پر شاہ عبدالرزاق قابض ہو گیااور تمام زندگی دوکانات مسجد کی آمدنی اپنے صرف میں لاتارہاان کے انتقال کے بعد ان کا لڑکا احمد علی قابض ہو گیا چند مسلمانان نگینہ نے اس بناء پر مقدمہ بازی کی کہ مسجد میں اس کے پاس مستورات تعویذ گنڈے کو آتی ہیں اور اس کے حرکات ناگفتہ بہ ہیں لہذا اس کو مسجد سے بے دخل کر دیا جائے لیکن عدالت ہائی کورٹ نے احمد علی مذکور کو بدستور سابق قابض و متصرف مانااور انہیں دوکانات کی آمدنی سے بسر اوقات کرتارہااحمد علی مذکور نے اپنے انتقال پر دو لڑکے نابالغ اور ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیوہ وارث چھوڑے چند مسلمانان نے ایک کمیٹی قائم کی جس میں چار ممبر مقرر ہوئے اور دوکانات مذکورہ کے کرایہ داران نے بیوہ سے یہ کہلایااور باور کرایا کہ ہم تیری امداد کرتے رہیں گے اور مبلغ دس روپیہ ماہوار خرچ تجھ کو اور تیرے بچوں کو دیتے رہیں گے احمد علی کی بیوہ نے ان کے کہنے پر اعتماد کر کے اس بات کو مان لیا چنانچہ ممبر اس کو آمدنی کرایہ وودکانات سے تقریباً ڈھائی سال تک دس روپیہ ماہوار دیتے رہے بعد ازاں یہ تنخواہ دینی بند کر دی تو جن ممبران نے یہ تنخواہ بند کی ہے وہ اس کے معاوضہ دار ہیں یا نہیں۔ ؟

(الجواب) اگر وہ جائیداد اور دکانیں متعلقہ مسجد سب مسجد ہی کے لئے وقف ہیں ان میں واقف نے کسی دوسری جگہ صرف کرنے کی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس کا کوئی پیسہ مصالح مسجد کے سوا کسی کام میں خرچ کرنا جائز نہیں اس وقت تک جو مہتمم اول اور پھر ان کی اولاد شاہ عبدالرزاق اور احمد علی وغیرہ نے اس کی آمدنی اپنے اوپر صرف کی یہ ناجائز و حرام تھی ان کے ورثاء نابالغان اور بیوہ نے اس آمدنی حرام سے دست برداری دیدی اس کا اجر و ثواب انشاء اللہ تعالیٰ ان کو قیامت میں ملے گا لیکن اس کے عوض میں مسجد سے دس روپیہ ماہوار ان کو دینا جائز نہیں اور جن ممبران نے تنخواہ دینی بند کی ہے حق کیا وہ شرعاً اس کے ذمہ دار نہیں کہ عورت کو دس روپیہ ماہوار دیں لیکن چونکہ اس سے وعدہ کیا گیا تھا اس لئے بہتر ہے کہ جداگانہ کوشش کر کے خاص اس کام کے لئے چندہ کر کے اس بیوہ کی کچھ خدمت کر دی جائے یا اگر اس کے لڑکے اس قابل ہوں کہ مسجد کی کوئی خدمت کر سکیں تو خدمت کے صلہ میں ان کو وظیفہ مسجد سے بھی دیا جاسکتا ہے تاکہ خلاف وعدہ نہ ہو جس پر حدیث میں وعید آئی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

مسجد کے دروازوں میں ردوبدل کرنااور دیوار کو دکان بنانا

(سوال ٦٨٧) ایک مسجد کے کئی دروازے مسجد میں داخل ہونے کے لئے ہیں یہ دروازے بناء مسجد کے وقت سے بنے ہوئے ہیں ایک صدر دروازہ درمیان میں ہے اور ایک دوسری جانب جہاں سیڑھیوں کے اوپر دروازہ ہے مسجد کے متولیوں نے مسجد کی آمدنی کے لئے اس جانب کے دروازہ کو تقریباً بند کر کے ایک دکان بالکل دروازہ کے متصل کرایہ پر دیدی ہے اور اس دروازہ کے اوپر انگریزی حروف سے دکاندار نے سائن بورڈ بھی لگادیا ہے جس پر

دکاندار کا نام وغیرہ کندہ ہے دوکان کا بعض حصہ عین دروازہ پر مسجد کی دیوار کے اندر ہے اور بعض حصہ دروازہ سے ہٹ کر دیوار کے بالکل متصل ہے اب مندرجہ ذیل سوالوں کے متعلق شرعی حکم سے آگاہ کیا جاوے۔

(١) مسجد کے لئے دروازے ہوں اور یہ دروازے بناء مسجد سے ہوں تو کیا متولیان مساجد مسجد کی آمدنی و نفع کے ساتھ کسی ایک دروازہ کو بند کر کے دکان کے لئے کرائے پر دے سکتے ہیں یا نہیں۔؟

(٢) مسجد و فناء مسجد میں دکان رکھنے کا کیا حکم ہے اور فناء مسجد کا اطلاق کس کس جگہ پر ہوتا ہے؟

(٣) مسجد کے اس قدر قریب کہ مسجد کی اوپر کی سیڑھی پر دروازے کے اور مسجد کی بالکل دیوار کے متصل باقاعدہ دکان انگریزی سائن بورڈ کے ساتھ رکھنے کا کیا حکم ہے۔؟

(الجواب)[1] قال الشامی فی وقف ردالمحتار ولا هل المحلة تحويل باب المسجد خانيه اه (شامی صفحه ٥١٢ ج ٣ طبع استنبول) وفی الهندية فی الكبریٰ مسجد ارادا هله ان يجعل الرحبة مسجداً والمسجد رحبة وارادوا ان يحدثوا له بابا وارادوا ان يحول الباب عن موضعه فلهم ذلك فان اختلفوا ننظر اليهم اكثر و افضل فلهم ذلك كذافی المضمرات اه (عالمگيری مصری صفحه ٤٤٤ ج ٢)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ اہل محلّہ اگر مسجد کی مصالح کے پیش نظر مسجد کے دروازوں میں کوئی تغیر و تبدل یا کمی پیشی کرنا چاہیں تو ان کو اختیار ہے بشرطیکہ یہ تغیر سب یا اکثر اہل محلّہ کی رائے و مشورہ سے ہو اور اہل محلّہ کے لئے مضر نہ ہو۔

(٢) فی احكام المسجد من كتاب الصلوٰة من ردالمحتار (يعنی فناء المسجد) المكان المتصل به ليس بينه و بينه طريق فهو كالمتخذ لصلوٰة الجنازة او عيد فی ما ذكر من جواز الاقتداء و حل دخوله لجنب و نحوه كما فی آخر شرح منية اه (شامی صفحه ٦١٥ ج ١) وفی وقف الهدية قيم المسجد لا يجوز له ان يبنی حوانيت فی حد المسجد او فی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتاً و سكناً سقط حرمته وهذا لا يجوز و الفناء تبع للمسجد فيكون حكمه حكم المسجد كذافی محيط السرخسی اه (عالمگيری مصری صفحه ٤٤٩ ج ٢)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ فناء مسجد وہ جگہ ہے جو احاطہ مسجد کے اندر مسجد شرعی سے خارج کوئی جگہ نماز جنازہ پڑھنے یا دیگر ضروریات اہل مسجد کے لئے بنائی جاوے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فناء مسجد بہت سے احکام میں بحکم مسجد ہے مسجد کی طرح اس میں بھی دکانیں بنانا جائز نہیں۔

(٣) مندرجہ سوال سے ظاہر ہے کہ یہ جگہ جس میں دکان بنائی گئی ہے مسجد یا فناء مسجد نہیں لیکن سوال میں خط کشیدہ عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دکان کا بعض حصہ مسجد کی دیوار کے اندر ہے اس لئے اس جگہ دکان بنانا جائز نہیں کیونکہ دیوار مسجد بھی بحکم مسجد ہے۔ کمافی الاسعاف وغیرہ . واللہ اعلم ٢٧-٦-٦٦ هجری

(اضافه)

شیعہ کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا

(سوال ۶۸۸) ایک خاندانی مسجد سیدوں کی وقف کردہ اور تعمیر کردہ ہے اس خاندان میں شیعہ سنی ہر دو فریق برابر کے ہیں لہذا ہمیشہ سے سنی و شیعہ ہر دو فریق اس میں نماز پڑھتے ہیں کبھی کوئی تکرار یا فساد نہیں ہوا کیونکہ یہ لوگ باہمی قریبی رشتہ دار ہیں اور باہم ان کے رشتہ ناطہ ہوتے رہتے ہیں اس مسجد کا چوبی برآمدہ دیمک خوردہ اور بہت ہی شکستہ ہو گیا تھا باوجود حافظ کے کہنے کے کسی نے توجہ نہیں کی لیکن ایک سید کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اس نے تخمیناً ہزار بارہ سو روپیہ خرچ کر کے مسجد کا برآمدہ از سر نو بنوادیا اور دوسری مرمت و پختگی بھی کرادی اور اپنے نام کا کتبہ لگادیا اب جب کہ کام قریب الاختتام ہے تو اسی خاندان کے سید طرح طرح کے مشورے کر رہے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ جدید برآمدہ گرادینا چاہئے کبھی کہتے ہیں کہ شیعوں کی تعمیر ناجائز ہے اس میں نماز کیسے پڑھیں کبھی سنتے ہیں کہ شیعوں نے اپنا قبضہ جمایا ہے حالانکہ خانہ خدا وقف ہے ایسے سنی و شیعہ ہم جدیوں کی وقف شدہ مسجد پر اگر شیعوں نے تعمیر جدید کردی تو کیا وہ ثواب کے مستحق نہیں اور کیا ایسی مسجد میں اہل سنت و جماعت لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ کیا ایسی تعمیر کو گرانا جائز ہے جو لوگ ایسا پروپیگنڈا کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) وقف کے لئے یہ شرط ہے کہ اعتقاد واقف میں نیز قواعد اسلامیہ کی رو سے وہ کام ثواب کا ہو جس پر وقف کیا جائے مسجد یا اس کے متعلقات کی تعمیر ظاہر ہے کہ قواعد اسلامیہ کی رو سے اعلیٰ درجہ کا ثواب ہونے کے ساتھ ساتھ شریعہ مذہب کے پیرو کے نزدیک بھی بلاشبہ ثواب و عبادت ہے اس لئے اگر اہل تشیع اگر کوئی وقف کریں یا وقف کی مرمت تعمیر میں روپیہ وغیرہ دیکر وقف کریں تو یہ وقف شرعاً صحیح و معتبر ہے اور ان کو ثواب بھی ہوگا بشرطیکہ نیت ثواب کی ہو اور جب وقف صحیح ہو گیا تو پھر اس کا انہدام جائز نہیں اور جو شخص انہدام کی کوشش کرے وہ ایک ناجائز شرعی کا مرتکب ہے۔

قال فی الدرالمختار و شرطه (یعنی الوقف) شرط سائر التبرعات الی قوله وان یکون قربة فی ذاته وقال قبل ذلك بشئ و سببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب و فی الأخرة بالثواب یعنی بالنیة۔

لہذا صورت مذکورہ میں تعمیر برآمدہ وقف ہو چکی اس کا گرانا یا گرانے کی کوشش کرنا جائز نہیں البتہ اپنے نام کا کتبہ جو تعمیر کنندہ نے نصب کردیا ہے یہ صحیح نہیں اور غالباً باعث فساد یہی چیز ہوگی جب کہ بانی کی نیت محض ثواب و اخلاص کی ہے تو پھر نام کندہ کرانے کی کیا ضرورت ہے اور کتبہ کے علیحدہ کردینے سے ان کا کیا حرج ہے اور اگر نیت میں کوئی فساد و تغلب ہے جس کے لئے کتبہ بطور تمہید لگایا ہے تو بے شک سنی مسلمانوں کو حق ہے کہ وہ ایسے تغلب کی صورت کو قائم نہ رہنے دیں بلکہ تعمیر کنندہ سے کہیں کہ اگر اخلاص عبادت کے لئے تعمیر کراتے ہیں تو اپنا کتبہ واپس لیجئے ورنہ ایسی تعمیر کی مسجد کو ضرورت نہیں جس میں کوئی شخصی تغلب قائم ہوتا ہو بلکہ مسجد کا خام دنا تمام رہنا اس سے بہتر ہے صورت مذکورہ میں رفع فساد اور فیصلہ کی بین بین صورت یہی ہے کہ اپنے نام کا کتبہ وغیرہ لگانے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے نہ سنی کو نہ شیعہ کو جس کو کچھ خرچ کرنا ہو فی سبیل اللہ بلا نام و نمود خرچ کرے تاکہ ثواب بھی زیادہ ہو اپنے نام کے کتبے مساجد و اوقاف پر قائم کرنا ویسے بھی خلاف سنت ہے صحابہ کرامؓ

کے تمام او قاف اس سے خالی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غیر مسلم کا مسجد کے لئے زمین دینا

(سوال ٦٨٩) ایک ہندو آریا نے اپنا مکان مسجد بنانے کے لئے چند شرائط کے ساتھ وقف کیا منجملہ شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مسجد کی دیوار پر ایک پتھر نصب ہوگا جس پر یہ عبارت ذیل کندہ ہوگی۔
اوم اللہ اکبر یہ عبادت خانہ وقف کردہ حکیم، ہمراج آریہ میاں والی ستمبر ۱۹۵۸ء یہ وقف صحیح ہے یا نہیں اور اس پر مسجد بن سکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال الشامی عن البحر وغیرہ ان شرط وقف الذمی ان یکون قربة عندنا وعندهم کالو قف علی الفقراء او علی مسجد القدس بخلاف الوقف علی بیعة فانه قربة عندهم فقط او علی حج او عمرة فانه قربة عندنا فقط شامی اول کتاب الوقف فی العالمگیریة من الوقف الباب الاول ولو جعل ذمی داره مسجداً لمسلمین و بناه کما بنی المسلمون واذن لهم بالصلوٰة فیه فصلوا فیه ثم مات یصیر میراثا لورثته وهذا قول الکل کذافی جواهر الاخلاطی (الاخلاطی صفحه ٢٩٧ ج ٢ مصری)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ کافر کا وقف اس شرط کے ساتھ صحیح ہو سکتا ہے کہ کسی ایسے کام کے لئے وقف کرے جو ہمارے مذہب اور اس کافر کے مذہب میں بھی ثواب ہو مسجد بنانا ظاہر ہے کہ صرف ہمارے مذہب میں ثواب ہے آریہ مذہب میں مسجد بنانا کوئی ثواب نہیں ہے اس آریہ کا یہ وقف ہی صحیح نہیں اور نہ اس کا مسجد بنانا صحیح ہے البتہ اگر وہ آریہ یہ جگہ مسلمانوں کو دیدے (جیسا کہ تملیک نامہ کے الفاظ) دیکھنے سے یہی ثابت بھی ہوتا ہے کہ اس نے اس جگہ کا مسلمانان بلدہ کو الگ مالک بنا کر اس کا اختیار دیا ہے کہ اس پر مسجد بنالیں اور پھر مسلمان اپنی طرف سے وقف کریں تو مسجد بننا صحیح ودرست ہو جائے گا اور اس وقت اس مضمون کتبہ لکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ زمین آریہ نے مسلمانوں کو مسجد بنانے کے لئے دی ہے لیکن لفظ اوم اس پر ہرگز نہ لکھا جائے کیونکہ یہ لفظ اگرچہ معنی کے اعتبار سے کوئی خرابی نہیں رکھتا ہو مگر لفظوں میں شعار ہنود ہے جس سے بچنا مسلمان کو ضروری ہے بالخصوص مسجد کے معاملہ میں۔ بندہ محمد شفیع غفرلہ۔

جواب صحیح ہے ---اور صورت مسئولہ میں مسجد شرعی نہیں ہو سکتی اور یہ کتبہ شرعاً ناجائز ہے اور اہل اسلام کو اس قسم کی ذلت سے بچنا ضروری ہے خام مسجد بنالینا اس سے بہتر ہے مسجد کے کتبہ پر لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھنے کو اگر وہ آریہ گوارہ کرے تو مسلمان اس سے روپیہ اور زمین لے کر مسجد بنادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ اصغر حسین عفی عنہ

گورنمنٹ انگریز کی دی ہوئی زمین پر بنائی ہوئی مسجد کا حکم

(سوال ٦٩٠) گورنمنٹ کی طرف سے جو مساجد بنائی جاتی ہیں یا زمین واسطے بنانے مسجد کے دی جاتی ہے تو ان

مساجد کا کیا حکم ہے۔؟
(الجواب) غیر مسلم کے وقف کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی ایسے کام کے لئے وقف ہو جو قواعد اسلامیہ کے اعتبار سے بھی ثواب کا کام ہو اور اس کافر کے اعتقاد میں بھی ثواب ہو جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو کافر کا وقف صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں مثلاً فقراء و مساکین کی خدمت تمام مذاہب میں ثواب سمجھی جاتی ہے اس لئے کوئی کافر کسی مذہب کا ہو اگر اس کام کے لئے وقف کرے تو وقف صحیح ہو جائے گا لہذا اگر کوئی غیر مسلم بہ نیت ثواب مسجد بنادے اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ مسجد بنانے سے ثواب ملے گا تو یہ مسجد تمام احکام میں مسجد شرعی ہو گئی گورنمنٹ کی طرف سے مساجد بنائی جاتی ہیں یا جگہ دی جاتی ہے اس میں چونکہ اعتقاد و ثواب نہ ہونے کا شبہ ضرور ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ
مسلمان اس جگہ پر قبضہ کر کے اپنی طرف سے مسجد بنادیں یا بنی ہوئی مسجد گورنمنٹ نے مسلمانوں کے حوالہ کردی تو وہ اپنی طرف سے اس کو مسجد قرار دیں تاکہ وقف کی صحت میں شبہ نہ رہے۔

قال الشامی عن البحران شرط وقف الذی ان یکون قربة عندنا و عندهم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس بخلاف الوقف علی بیعة فانه قربة عندهم فقط و علی حج و عمرة فانه قربة عندنا فقط شامی اول کتاب الوقف ص ۴۹۴ جلد ۳ (واللہ تعالیٰ اعلم)

افتادہ زمین میں مسلم حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد بنانا

(سوال ۶۹۱) مسلمانوں کیلئے مساجد کی ضرورت اور اہمیت کسی شرح وبیان کی محتاج نہیں ہے اور کراچی شہر میں مساجد کی قلت بھی ظاہر ہے اس لئے بعض اہل خیر جابجا مساجد بنارہے ہیں لیکن بعض جگہوں میں مسلمانوں نے مسجد کی فوری ضرورت کا احساس کر کے سرکاری یا ایسی زمین میں جو غیر مسلم چھوڑ گئے ہیں حکومت سے بغیر اجازت حاصل کئے یا اجازت کی درخواست دیکر دفاتر متعلقہ سے حصول اجازت میں زیادہ تاخیر سمجھ کر باامید منظوری بغیر انتظار اجازت مساجد بنالی ہیں تو ان کا یہ فعل جائز و درست ہے یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اب ان کے مسجد شرعی بننے کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔؟
(الجواب) ضرورت کے مقامات پر مساجد کا بنانا واجب ہے اور یہ فریضہ مسلم حکومت اور مسلم عوام دونوں ہی پر عائد ہے اور اس کے ثواب عظیم میں کوئی شبہ نہیں لیکن ہر کام اور ہر عمل کے لئے کچھ شرائط ہیں جن کے نظر انداز کر دینے سے یہ عمل ضائع بلکہ بعض اوقات الٹا گناہ ہو جاتا ہے کسی جگہ مسجد بنانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ جگہ مسجد بنانے والوں کی ملک ہو وہ ظاہر ہے کہ بدون اجازت حکومت کے مسجد نہیں بن سکتی اس طرح جو زمین غیر مسلم یہاں چھوڑ گئے ہیں اور حکومت نے کسی کے مالکانہ قبضہ میں نہیں دی وہ بھی حکومت کے قبضہ تصرف میں ہے جب تک حکومت اجازت نہ دے اس پر مسجد بنانا جائز نہیں اور جو مساجد بلا حصول اجازت بنائی گئی ہیں ان کے مسجد شرعی بننے کی شرط اب بھی یہی ہے کہ حکومت سے اجازت حاصل کرلی جائے اس سے پہلے وہ مسجد شرعی نہیں ہیں۔ اگرچہ نماز ان میں ہو جاتی ہے۔ قانون العدل و الانصاف فی احکام الاوقاف میں ہے یشترط

لجواز الوقف ان تكون العين المراد وقفها مملوكة ملكاً باتاً للواقف وقت الوقف فان لم تكن مملوكة للمتصرف فوقفها فضولياً على جهة من الجهات بلا اذ ن مالكها تو قف نفاذ الوقف على اجازة المالك فان اجازه نفذ والا فلا ه صفحه ۸، ۲۰
والله تعالى اعلم ۱۵ رمضان ۱۳٦۷ هجری (اضافه)

ہندوکاروپیہ مسجد میں کس طرح لگ سکتا ہے

(سوال ٦٩٢) ہندوکاروپیہ مسجد پر لگانا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس شرط پر جائز ہے کہ وہ روپیہ کا مالک مسلمانوں کو بنادے اور پھر مسلمان اپنی طرف سے مسجد میں لگائیں بطور وقف کے ان کا روپیہ مسجد میں نہیں لیا جاسکتا۔ هذا هو حاصل ما في وقف الذمي من الشامی وغیره. والله تعالى اعلم.

مال مشتبہ اور مال حرام کو مساجد میں خرچ کرنا

(سوال ٦٩٣) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص اپنے وطن سے دور ایک شہر میں شراب خانہ کا مہتمم ہے اور خاندانی کلال ہے اس نے اس کام کی تنخواہ کے روپیہ سے اپنے وطن میں کچھ جائیدلو مثلاً زمین اور مکان خرید اا ور بنوایا ہے اور دیگر تجارت بھی کرتا ہے جس سے اس کو کافی آمدنی ہے جس شہر میں وہ شراب خانہ کا مہتمم ہے وہاں ایک مسجد بھی بنوائی جارہی ہے اس کے چندہ میں یہ شخص شامل ہونا چاہتا ہے تو کیا وہ اپنی تنخواہ کے روپیہ کو چندہ میں دے سکتا ہے یا اپنی جائیداد کی آمدنی کا روپیہ مسجد میں لگا سکتا ہے یا وہ روپیہ قرض لے کر چندہ میں دے سکتا ہے بعد میں قرض کو اپنی تنخواہ اور یا جائیداد کی آمدنی سے ادا کر سکتا ہے۔

واضح رہے کہ مسجد کے مہتمم کو بوثوق معلوم نہیں کہ جو وہ روپیہ دینا چاہتا ہے وہ تنخواہ کا ہے یا جائیداد کا ہے اور یہ بھی کہ اس جگہ کے مسلمان ایسی حیثیت بھی نہیں رکھتے کہ بغیر اس روپیہ کے لئے مسجد بنوا سکتے ہیں اس مسئلہ کا جواب بحوالہ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی رو سے دیا جاوے کہ ایسا روپیہ مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال في الاشباه و النظائر في القاعدة الثانية من النوع الثاني صفحه ۱٤۷ ج۱. مطبوعه مصر اذا اجتمع عند احد مال حرام و حلال فالعبرة للغالب مالم يتبين و في العالمگيرية من كتاب الكراهة صفحه ۲۲۲ ج ٤ مطبوعه نو لكشورى اكل الربٰو كاسب الحرام اهدى اليه او اضافه و غالب ماله حرام لا يقبل ولا ياكل ماله مالم يخبره انه ذلك المال اصله حلال ورثه اواستقر ضه وان كان غالب ماله حلالا لا باس بقبول هديته والا كل منه كذافي الملتقط انتهٰى.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو مال یقیناً خالص حرام ہو اس کا لینا کسی کو جائز نہیں اور مساجد و مدارس کے چندوں کا بھی یہی حکم ہے البتہ اگر حلال و حرام مخلوط آمدنی سے کوئی مال یا جائیداد وغیرہ خریدی ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس میں زیادہ تر مال حلال ہے تو بلا کسی تحقیق و تفتیش کے اس کا لینا جائز ہے اور اگر زیادہ تر مال

حرام اور کم حلال ہے تو اس کا لینا صرف اس صورت میں جائز ہو سکتا ہے کہ دینے والا یہ کہے کہ یہ مال جو آپ کو دیتا ہوں حرام نہیں بلکہ مجھ کو وراثت میں ملا ہے یا قرض لیکر دیتا ہوں لہذا صورت مسئولہ میں تنخواہ کی آمدنی جو خالص حرام ہے اس کو چندہ میں دینا اور لینا جائز نہیں اور جائیداد جو حرام و حلال سے مخلوط ہے اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر گزر گئی کہ اعتبار خلط غالب اور زیادہ حصہ کا ہوگا اس لئے بہتر صورت یہی ہے کہ یہ شخص کسی سے قرض لے کر مسجد وغیرہ میں چندہ دیدے اور پھر اس قرض کو جہاں سے چاہے ادا کردے تو یہ چندہ صحیح و درست ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسالة نيل المرام فى حكم المسجد المبنى بالمال الحرام
یعنی مال حرام سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم

(سوال ٦٩٤) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ نتھیا نے ایک قطعہ زمین خریدی اور اس میں ایک مسجد تعمیر کرائی ایک عرصہ کے بعد یہ مسماۃ انتقال کر گئی اس کی بہن حقیقی مسماۃ عیدیہ اس زمین پر وراثتاً قابض ہوئی اس مسماۃ عیدیہ نے اس زمین کو واسطے مصارف مسجد مذکور بتولیت مسمّی بوندو وقف کر دیا اور وقف نامہ کو رجسٹری کرادیا یہ مسماۃ نتھیا قوم سے کنچن تھی اور کوئی ذریعہ معاش اس کا سوائے طریق ناجائز کے دوسرا نہ تھا عوام میں یہ شہرت ہو گئی تھی کہ اس مسجد میں نماز پڑھنا درست نہیں ہے چونکہ طوائف کی بنوائی ہوئی ہے اور اس کی کمائی ناجائز تھی اس وجہ سے یہ مسجد غیر آباد ہو گئی مسمّی بوندو نے کچھ عرصہ کے بعد اپنی تولیت سے بذریعہ تحریر رجسٹری دستبرداری دیدی اور مسماۃ عیدیہ نے بھی اس روز ایک تحریر منسوخی وقف نامہ مذکور رجسٹری کرادی اس مسجد میں اب بھی کوئی نماز نہیں پڑھتا مسلم اور غیر مسلم اس آراضی کو خریدنا چاہتے ہیں مگر عیدیہ یہ کہتی ہے کہ میں اس اراضی کو مسلم کے ہاتھ فروخت کروں گی چونکہ اس میں مسجد بنی ہوئی ہے اب دریافت طلب چند امور ہیں۔

نمبر ا یہ وقف صحیح ہوا یا نہیں۔ نمبر ۲- اس میں نماز پڑھنا عام مسلمانوں کو درست ہے یا نہیں۔ نمبر ۳-- اگر کوئی مسلمان اس زمین کو خرید کر اور دوسری مسجد اپنے روپیہ سے بنوادے اور اس سابقہ مسجد کو شہید کرادے تو درست ہو گا یا نہیں یعنی دوسری مسجد تعمیر کرانا اور اس میں نماز پڑھنا درست ہو جانا اور پہلی مسجد کو چونکہ اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتا توڑوا دینا کیسا ہے۔

(الجواب) نظر فرمودہ حضرت سیدی حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم۔

فى تكملة البحر الرائق وفى المحيط و مهر البغى فى الحديث هو ان يؤجر امته على الزنا وما اخذه من المهر فهو حرام عندهما و عند الامام ان اخذه بغير عقد بان زنى بامته ثم اعطاها شيئاً فهو حرام لان اخذه بغير حق وان استاجرها بالزنى ثم اعطاها مهر ها او ما تشرط لها لاء باس باخذه لانه فى اجارة فاسدة فيطيب له وان كان السبب حراماً (تكمله البحر صفحه ١٩ ج ١) ومثله فى ذخيرة العقبى للحسن الجلبى.

نمبر ۲ --- وفی الدر المحتار ولا يصح الاجارة لعسب التيس ولا لاجل المعاصی مثل الغناء و النوح و الملاهی ولو اخذ بلا شرط يباح انتهى و فی ردالمحتار تحت قوله يباح و فی المنتقى امرأة نائحة او صاحبة طبل اوزمر اكتسبت مالاً ردته على اربا به ان علموا والا تتصدق به وان من غير شرط فهو لها قال الامام الاستاذ لا يطيب و المعروف كالمشروط قلت وهذا مما يتعين الاخذ به فی زماننا لعلمهم انهم لا يذهبون الا باجرا لبتة (شامی صفحه ۳۷ ج ۵)

وفی شرح المشكوٰة لعلی القاریؒ مهر البغی خبيث ای حرام اجماعاً لانها تاخذه عوضاً عن الزنی المحرم ووسيلة الحرام حرام وسماه مهراً مجازاً الانه فی مقابلة البضع انتهٰی و مثله فی شرح المشكوٰة للشيخ عبدالحق الدهلوی و لفظه حرام قطعاً.

نمبر ۳ --- وفی المؤطا للامام مالكؒ عن سعيد بن يسارؒ ان رسول اللهﷺ قال من تصدق بصدقة من كسب طيبٍ ولا يقبل الله الا طيباً كان كانما يضعها فی كف الرحمن انتهى قال فی المحلی شرح المؤ طافيه نص على ان غير الحلال غير مقبول.

نمبر . ٤ --- وفی فصل ما يكون فرا راً عن الربو امن بيوع الخانيه رجل فی يده دراهم اغتصبها فاشترى بها شيئاً قال بعضهم ان لم يضف الشراء الٰی تلك الدراهم يطيب له المشتری اوان اضاف الشراء الٰی تلك الدراهم و نقد منها لا يطيب له وذكر شداد عن ابی حنيفةؒ اذا اشترٰی الرجل بالدر اهم المغصوبة طعاماً ان اضاف الشراء اليها ونقد غيرها اولم يضف الشراء اليها و نقد منها لا يلزمه التصدق الا ان يضيف الشراء اليها و نقد منها و كذاذكر الطحاوٰی واذا اضاف الشراء اليها و نقد منها لا يلزم التصدق (الٰی ان قال) وقال بعضهم اذا اضاف الشراء اليها و نقد منها انتهٰی (فتاوٰی قاضی خان مصطفائی صفحه ٤٠٧ ج ٤) واوضح منه فی الا نقروية معزياً للتتارخانية وفيها وهو علٰی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولاً ثم اشترٰی منه بتلك الدراهم اواشترى قبل الدفع بتلك الدراهم ودفعها (الٰی قوله) قال ابوالحسن الكرخی فی الوجه الاول و الثانی لايطيب وفی الوجه الثالث والرابع والخامس يطيب (الی ان قال) ولكن الفتوٰی اليوم علٰی قول الكرخی دفعاً للحرج عن الناس وفی فصل الشراء بمال حرام من بيو ع التاتا رخانيه و كذافی تتمة الفتاوٰی (انقرويه صفحه ۳۱ ج ۱)

نمبر ٥ --- وفی الاشباه والنظائر والحرمة تتعدی فی الاموال مع العلم الافی حق الوارث فان مال مورثة حلال وان علم بحرمته منح من الخانيه وقيده فی الظهيرية بان لا يعلم ارباب الاموال. وفی الدر المختار ولكن فی المجتبٰی مات وكسبه حرام فی الميراث حلال ثم رمز وقال لا ناخذ بهذه الرواية وهو حرام مطلقاً علی الورثة.

نمبر ٦ --- وفی القنية غلب ظنه ان اكثر بياعات اهل الاسواق لا تخلوعن الربوافان كان الغالب

هو الحرام یتنزه عن شرائه ولکن مع هذا لو اشتراه یطیب له المشتری شراءً فاسداً اذا کان عقد المشتری اخراً صحیحاً (کذافی مجموعة الفتاویٰ صفحه ٤٠)

عبارت مرقومہ نمبرا سے معلوم ہوا کہ صورت مندرجہ سوال میں اس مال کا حاصل کرنا اگرچہ باتفاق باجماع حرام ہے لیکن امام اعظم کے نزدیک یہ مال اس عورت فاحشہ کی ملک میں داخل ہو گیا اگرچہ سبب حرام کی وجہ سے ہوا اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کی ملک میں بھی داخل نہیں ہوا اور نتیجہ خلاف کا اس صورت مرقومہ میں یہ ہوگا کہ امام اعظم کے نزدیک وقف صحیح ودرست ہو گیا اور یہ جگہ مسجد شرعی بن گئی اگرچہ بنانے والی کو اس کا کچھ ثواب نہ ملے گا بلکہ اجر سے بالکل محروم رہے گی اور صاحبین کے نزدیک وقف ہی صحیح نہیں ہوا کیونکہ صحت وقف کے لئے یہ شرط ہے کہ شئ موقوفہ واقف کی ملک ہو لہٰذا صاحبین کے نزدیک یہ جگہ نہ وقف ہوئی نہ مسجد شرعی بنی فاحشہ کے مرنے کے بعد اس کی میراث ہو کر تقسیم ہو گی فتاوی شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی میں ہے۔

معلوم است کہ در زمین مغصوبہ پیش حنفیہ نماز ساقط از ذمہ میشود پس در مسجد فاحشہ خواہد شد لیکن نقصان ثواب برائے مصلی ومحرومی از ثواب برائے زانیہ مقرراست **فی الحدیث لا یصل الی الله الا الطیب انتھی**

اور عبارات مندرجہ نمبر ۲ سے ثابت ہوا کہ فاحشہ اور مغنیہ وغیرہ کو اگر کچھ روپیہ کسی نے بغیر شرط زناء و غناء کے دیدیا تو وہ روپیہ اپنے اصل سے مباح ہے اس سے معلوم ہوا کہ مغنیہ اور فاحشہ کے مال میں بھی احتمال ہے کہ کچھ مال حلال ہو گو سبب حرام سے حاصل ہوا ہو پھر یہ سب کلام خاص اس روپیہ میں ہے جو فاحشہ نے کسب حرام سے حاصل کیا ہے لیکن اس کے بعد جو زمین یا ملبہ مسجد کے لئے خریدا یہ حرام ہے یا حلال اس کے متعلق قاضی خاں اور انقرویہ کی عبارت مندرجہ نمبر ۴ سے یہ فیصلہ معلوم ہوا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اس نے یہ مال حرام بائع زمین وغیرہ کو پیشگی دیدیا اور پھر یہ کہکر خریدا کہ اس مال کے بدلے میں یہ زمین یا ملبہ خریدتی ہوں یا پیشگی نہ دیا مگر خاص اس مال کی طرف اشارہ یا نسبت کر کے یوں کہا کہ اس روپیہ کے عوض یہ زمین یا ملبہ خریدتی ہوں تب تو یہ زمین اور ملبہ بھی اس مال حرام کے حکم میں ہو گیا لیکن اگر ایسا نہیں کیا بلکہ بغیر پیشگی دیئے ہوئے اور بغیر نسبت اور اشارہ کے مطلقاً خرید لیا جیسا کہ عام طور پر یہی دستور ہے تو یہ زمین اور ملبہ اس مال حرام کے حکم میں نہیں ہوا بلکہ پاک وحلال ہے اس کا وقف کرنا اور مسجد بنانا صحیح ودرست ہے اور اس صورت میں اس جگہ میں ثواب بھی مسجد کا حاصل ہوا اور یہ جگہ تمام احکام میں بحکم مسجد ہو گی۔

بناء علیہ فاحشہ اور مغنیہ عورتوں کی بنائی ہوئی مسجدوں کو وقف کر کے رج کر کے میراث قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ اول تو امام صاحب کے نزدیک یہ وقف مطلقاً صحیح ہے اور اوقاف میں یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جس وقف میں علماء کا اختلاف ہو تو فتویٰ اس صورت پر دینا چاہئے جو نفع للوقف ہو۔

دوسرے یہ ضروری نہیں کہ فاحشہ کا کل مال حرام ہی ہو بلکہ اس میں کچھ مال حلال ہونے کا بھی احتمال ہے جو زمین اور ملبہ وغیرہ تعمیر مسجد کے لئے خریدا گیا ہے اس میں عام دستور کے موافق یہی ظاہر ہے کہ پیشگی

روپیہ سے یا اس خاص روپیہ کی طرف نسبت کر کے نہ خریدا ہوگا اس لئے امام قاضی خاں اور کرخی کے فتوے کے موافق یہ جگہ اور ملبہ تعمیر حرام نہ ہوئی اور مسجد بنانا ان کا صحیح و درست ہو گیا مزید احتیاط کے لئے ایسا کرلیا جاوے تو اور بھی بہتر ہے کہ میت کے وارث اس مسجد کو اپنی طرف سے وقف کر دیں اور مسجد قرار دیں جیسا کہ عبارت نمبر ۵ کا اقتضاء ہے۔

گانے بجانے سے جو روپیہ حاصل ہو اوہ تعمیر مسجد میں نہ لگایا جائے

(سوال ٦٩٥) ایک شخص میراثی ہے اور وہ نمازی بھی ہے اور احکام شرعیہ کا پابند ہے سوائے راگ کے اس کا روپیہ تعمیر مسجد میں یا متعلقات مسجد میں لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو روپیہ گانے بجانے سے حاصل کیا ہے اس کو مسجد کے کسی کام میں نہ لگایا جائے بلکہ ایسی صورت میں میراثی کسی سے روپیہ قرض لے کر مسجد میں دیدے اور پھر اس قرضہ کو جہاں سے چاہے ادا کردے اب جو روپیہ قرض لے کر مسجد میں دیا ہے اس کا مسجد کی تعمیر اور غسل خانہ وغیرہ ہر چیز میں لگانا جائز ہے۔ **کذافی العالمگیریہ فی باب الضیافة من کتاب الکراهة.**

کوکین کی تجارت سے حاصل شدہ روپیہ مسجد میں خرچ کرنا

(سوال ٦٩٦) ایک کوکین کی کمائی سے خریدا ہوا مکان مسجد میں دیا گیا ہے اس کی آمدنی مسجد کے کسی کام میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی الدر المختار من کتاب الاشربة وصح بیع غیر الخمر مما مرومفاده صحة بیع الحشیشة والا فیون و فی ردالمحتار للشامی ثم ان البیع وان صح لکنه یکره کمافی الغایة شامی صفحه ٣١٨ ج ٥. ثم قال فی الدر المختار یحرم اکل البنج و الحشیشة والا فیون لا نه مفسد للعقل و یصد عن ذکر الله لکن دون حرمة الخمر و قال الشامی. نقلاً عن البحر وقد اتفق علی وقوع طلاقه ای آکل الحشیشة فتویٰ مشائخ المذهبین الشافعیة و الحنفیة لفتواهم بحرمته و تادیب باعته (شامی صفحه ٢٢١ ج ٥)

عبارت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ شراب کے علاوہ دوسری مسکرات منجمدہ مثل بھنگ افیون، کوکین وغیرہ کے ان کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان کا استعمال بقدر مسکر باتفاق علماء حرام ہے اور فروخت کرنا ان اشیاء کا مکروہ ہے لیکن جب فروخت کردے تو صحیح ہو گئی یعنی زر ثمن پر قبضہ کر لینے سے بائع اس زر ثمن کا مالک ہو گیا گو اس کا یہ فعل مکروہ ہوا اس سے ثابت ہوا کہ کوکین فروش کا پیشہ اگرچہ مکروہ ہے لیکن اس کی کمائی اس کی ملک میں داخل ہے اور وہ اس میں ہر قسم کے تصرفات کر سکتا ہے اس سے حاصل کی ہوئی جائیداد کو وقف بھی کر سکتا ہے اگرچہ مناسب اس کے لئے یہ ہے کہ مسجد یا دیگر اوقاف میں ایسی کمائی صرف نہ کرے **(کما صرح به الشامی فی کتاب الصلاة)** لیکن اگر کسی نے اسی کمائی کی جائیداد کو مسجد بنادیا یا وقف کر دیا تو اس وقف کی صحت میں کوئی شبہ

نہیں ہے۔لما صرح به فی الاسعاف صفحه ۱۶ اذا وقف الحر العاقل البالغ ارضه او داره او ماجری التعارف بوقفه من المنقولات وهو غیر محجور علیه ولا مرتد یصح لازماً عند عامة العلماء انتهٰی.
اور مسجد بلاشبہ مسجد ہے اس کے تمام آداب واحکام مثل دیگر مساجد کے ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد کی زمین میں کسی کا حق نکل آیا تو اس کا حکم

(سوال ۶۹۷) نور محمد نے اپنی خرید کردہ زمین مسجد کے لئے وقف کردی اور اس میں مسجد تیار کر کے چودہ پندرہ سال تک نمازیں پڑھیں اب ایک شخص کا حق اس مسجد کی زمین میں تخمیناً ڈیڑھ ہاتھ نکلا وہ دعوے دار ہے لہذا وقف باطل ہوا یا نہیں۔؟

(الجواب) اصل مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ نور محمد نے جس زمین کو مسجد کے لئے وقف اور مسجد بنایا تھا اگر فی الواقع اس میں کسی شخص کا حق مشترک نکل آیا تو یہ مسجد نہ رہی بلکہ نور محمد کی ملک کی طرف لوٹ گئی اور اس کے ورثہ کا حق ہو گیا اور جس قدر زمین اس شخص کے حصہ میں آئے وہ اس کی ہے۔قال فی العالمگیریة من الوقف اول الباب الحادی عشر فقد جعل المسجد جزئاً شایعاً فیبطل کما لو جعل ارضه مسجداً ثم استحق شقص منها شایعاً یعود الباقی الی ملکه- عالمگیری مصری صفحه ۳۵۶ ج ۲.
لیکن چونکہ عوام کی نظروں میں یہ مسجد بن چکی ہے اور اس قدر قدیم زمانہ سے کہ چودہ پندرہ سال کا عرصہ ہوتا ہے سب اس کو مسجد جانتے رہے تو اب اگر اس کو تقسیم کر کے اپنے ملک ومصرف میں لائے تو عجب نہیں کہ لوگوں کے قلوب سے اصل مساجد کا احترام اٹھ جائے اور اصل مساجد تک اس فعل کا اثر پہنچنے لگے اس لئے اگر سب حصہ دارراضی ہو جائیں تو بہتر یہی ہے کہ اس کو مسجد ہی رہنے دیں اور اب ان کی طرف سے یہ مسجد ہو جائے گی جس کا ثواب بھی ان کو ملے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد ضرار کا حکم

(سوال ۶۹۸) ایک قصبہ میں مسلمانوں نے بوجہ شرارت پہلی مسجد سے پچاس قدم کے فاصلہ پر ضداً دوسری مسجد بنائی ہے یہ مسجد ضرار بن سکتی ہے اور اس میں نماز جائز ہے یا نہیں-؟

(الجواب) یہ مسجد جو مسجد قدیم کے قریب بنائی گئی ہے اگر فی الواقع ضد کی وجہ سے اور مسجد قدیم کی جماعت توڑنے کے لئے بنائی گئی ہے تو اس کے بنانے والوں کو کچھ ثواب نہ ہوگا بلکہ گناہ ہوگا اور یہ مسجد ضرار کے مشابہ ہوگی لیکن اس کے باوجود بلاشبہ مسجد بن گئی اس کے تمام احکام مسجد ہی کے احکام ہیں حائضہ اور جنبی کو اس میں داخل ہونا وغیرہ جائز نہیں اس کا گرانا جائز نہیں جو شخص اس میں نماز پڑھے اس کو مسجد ہی کا ثواب ملے گا البتہ مسجد قدیم میں نماز پڑھنا بہ نسبت اس کے زیادہ افضل وبہتر ہے الغرض بہ نیت ضد مسجد بنانا گناہ ہے لیکن اس مسجد کو مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ حقیقی مسجد ہے اور اس کی مسجدیت میں کوئی خلل نہیں کیونکہ مسجد ضرار تو درحقیقت ہی نہ تھی بلکہ کفار نے اس کا نام محض تلبیس کے لئے مسجد رکھ دیا تھا وہ تو اصل میں ایک مکان اس لئے

بنایا تھا کہ مسجد قبا کی جماعت کو کم کیا جائے اور مسلمانوں میں باہم تفریق ڈالی جائے اور وہاں اسلام اور مسلمانوں کے نیز نبی پاک ﷺ کے خلاف مشورے اور تدبیریں کی جائیں۔

اور ظاہر ہے کہ مسلمان جو مسجد بناتا ہے خواہ کسی وجہ سے ہو نیت اس کی مسجد ہی بنانے کی ہوتی ہے امور مذکورہ سب اس میں نہیں ہوتے۔ فقط واللہ اعلم

جو مسجد محض ضد اور اختلاف کے لئے بنائی جاوے وہ مسجد ضرار کے مشابہ ہے

(سوال ۶۹۹) ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلۃ. کہ در قریہ الوک دیار ممکان امید علی سرکار از زمان قدیم مسجدے است واہل آن قریہ باتفاق یک دیگر علی الدوام دراں مسجد نماز بجماعت گزارہ می آید۔ اتفاقاً میاں امید علی سرکار و عبداللہ سرکار کہ یکے از دو شاہماں قریہ است بوجہ امور دنیوی تنازع افتاد لہذا عبداللہ سرکار مع چند کس از باشندگان ہماں قریہ جماعت دیگر مقرر کردہ مسجد جدید بنا نمودہ نمازی گزارد و ہر دو مسجد بالکل متقارب اند اکنوں بباعث بناء مسجد جدید در جماعت مسجد قدیم ضرر شدید دخلان عظیم افتادہ است پس از اہل شرع پرسیدہ می شود کہ مسجد جدید کہ باعث تفریق الجماعت و موجب اضرار و تخریب مسجد قدیم و علت نفاق بین المسلمین است بحکم مسجد ضرار خواہد شد یا نہ ودر مسجد ضرار ادائے نماز جائز است یا نہ بعض علماء گویند چونکہ مقصود از بناء مسجد جدید تفریق الجماعت و اضرار و تخریب مسجد قدیم و نفاق بین المسلمین است لہذا بحکم مسجد ضرار خواہد شد چنانچہ از دلائل مرقومہ ذیل مصرح گردد در تفسیر کشاف می نویسد کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاءً او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ تعالٰی او بمال غیر طیب فھو لا حق بمسجد الضرار و فیہ ایضاً عن عطاء لما فتح اللہ الا مصار علی ید عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امر المسلمین ان یبنو المساجد وان لا یتخذوا فی المدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ وھکذا فی المدارک تحت قولہ تعالٰی مسجداً اضراراً کفرا و تفریقاً بین المسلمین وارصاداً لمن حارب اللہ و رسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنٰی واللہ یشھد انھم لکاذبون.

در مسجد ضرار ادائے نماز جائز نیست یعنی ممنوع است۔ چنانچہ قولہ تعالٰی بر ممانعت ادا نماز در مسجد ضرار متدل است لا تقم فیہ ابداً قال ابن عباس رضی اللہ عنھما لا تصل فیہ منع اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی فی مسجد الضرار الخ من مجموعۃ الفتاوٰی لمولانا عبدالحی رحمھم اللہ تعالٰی. ھکذا حکم الکتاب اللہ اعلم بالصدق والصواب.

(الجواب) یہ دوسری مسجد جدید تمام احکام میں مسجد ہی ہے اس میں نماز پڑھنا بلا تامل جائز ہے اور جس طرح دوسری مساجد واجب التعظیم ہیں اس طرح اس کی بھی حرمت و عظمت رکھنا ضروری ہے دوسری مسجدوں میں اور اس میں کوئی فرق احکام میں نہیں ہاں البتہ اگر اس کے بنانے والوں کی نیت تفریق جماعت مسلمین ہے تو بنانے والوں کو ثواب مسجد بنانے کا نہ ہوگا لیکن محض اتنی بات سے اس کو مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے غایت یہ ہے کہ مسجد ضرار کے مشابہ کہا جائے اور مشابہت صرف اس میں یہ ہوگی کہ بانی کی نیت ثواب کی نہیں اور مستحق ثواب نہیں

باقی احکام مسجدیت میں مسجد ضرار کے حکم میں ہر گز نہیں کیونکہ مسجد ضرار کی تعریف خود قرآن مجید میں چار قیدوں کے ساتھ مذکور ہے اول مسلمانوں کی جماعت کو ضرر پہنچانا دوسرے کفر کی حمایت کرنا تیسرے مسلمانوں میں تفریق ڈالنا چوتھے خدااور رسول کے خلاف جنگ کرنے والے کی امداد واعانت کرنا جس جگہ میں یہ چاروں وصف موجود ہوں وہ بلاشبہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں کیونکہ در حقیقت وہ مسجد ہی نہیں ہوتی بلکہ محض تلبیس کے لئے کفار اس کو مسجد کہنے لگتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو جگہ کفر کی حمایت اور اعداء خدااور رسول کی تربیت واعانت کے لئے بنائی گئی ہو اس کو مسجد کیسے کہا جاسکتا ہے۔

الغرض مسجد ضرار در حقیقت مسجد ہی نہ تھی بلکہ کفار نے محض مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس کا نام مسجد رکھ دیا تھا اس کا وہی حکم ہے جو قرآن میں مذکور ہے یعنی **لاتقم فيه ابدا** اور جو مسجد کسی مسلمان نے نماز پڑھنے کے واسطے بنائی ہو خواہ اس سے دوسری مسجد کی جماعت میں خلل بھی آتا ہو ظاہر ہے کہ اس پر یہ تعریف مسجد ضرار کی صادق نہیں آتی کیونکہ وہ نہ کفر کی حمایت کے لئے بنائی گئی اور نہ دشمنان خدااور رسول کی اعانت و مشورت کے لئے البتہ تفریق اور ضرر اس میں بھی پایا گیا اس لئے مسجد ضرار کے مشابہ ضرور ہو گئی جس کی وجہ سے بنانے والے کو ثواب نہ ملا لیکن احکام میں مسجد ہی کے رہی اور نماز پڑھنا اس میں بلا تامل جائز رہا حضرت فاروق اعظمؓ کے فرمان کا یہی حاصل ہے کہ مسلمان ایسی مسجد بنانے سے بچیں لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اگر کوئی مسلمان اس طرح قریب مسجد بنادے تو وہ مسجد بھی نہ ہو گی بلکہ مسجد ضرار کی طرح اس میں نماز جائز نہ ہو گی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بغض وعناد کی وجہ سے بنائی ہوئی مسجد، مسجد ضرار نہیں

(**سوال ۷۰۰**) ایک مقام پر مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی سکونت پذیر ہے جو ایک مسجد میں نماز پنجگانہ تراویح وغیرہ ادا کرتی ہے لیکن بعض مسلمانوں نے ذاتی بغض وعناد کے باعث اس مسجد سے بائی کاٹ کر لیا اس مسجد کے امام کے پیچھے نماز کی عدم ادائیگی کا فتویٰ دیا نمازی اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور اختلاف ونفاق کو فروغ دینے کی غرض سے اپنی ایک مسجد الگ قائم کی یہ چند حضرات جو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے علیحدہ ہوئے ہیں ان کی کل تعداد چار پانچ سے تجاوز نہیں کرتی کیا ایسی مسجد پر مسجد ضرار کا حکم لگانا درست ہے اور کیا اس سے علیحدگی عند الشرع مسنون ہے جس مسجد کی بنیاد نفاق واختلاف اور محض فتنہ پروری اور ایذا رسانی پر ہو۔ **بینوا بالکتاب و السنه وفصلوا ماقولکم فيه واثبتو عليه المهر ؟**

(**الجواب**) یہ مسجد اگرچہ حقیقی طور پر مسجد ضرار نہیں کیونکہ مسجد ضرار کی شرائط کہ اس کی بنیاد کفر ونفاق اور تفریق بین المسلمین پر ہو اس میں سب موجود نہیں لیکن چونکہ محض بغض وعناد کی وجہ سے بلا ضرورت قائم کی گئی ہے اور قدیم مسجد کی جماعت میں اس سے تفریق قائم ہوئی اس لئے مسجد ضرار کے مشابہ ضرور ہو گئی جس کا حکم یہ ہے کہ (اگر بیان مذکور صحیح ہے) تو اس مسجد کے بنانے والوں کو مسجد بنانے کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ گار ہوں گے لیکن یہ جگہ مسجد شرعی ہو گئی اس کے تمام احکام مثل دیگر مساجد کے ہو گئے اس کا احترام و تعظیم اسی طرح واجب

ہے جس طرح اور مساجد کا البتہ بنانے والوں کی نیت چونکہ فساد کی ہے اس لئے وہ ضرور اس فعل سے گناہ گار ہوئے ان کو توبہ کرنی چاہئے لیکن اب اس مسجد کو بالکل چھوڑ دینا مناسب نہیں بلکہ آپس میں مصالحت قائم کر کے جو لوگ اس مسجد کے قریب رہنے والے ہوں وہ اس میں نماز پڑھا کریں اور جو قدیم مسجد کے متصل ہوں وہ اس میں پڑھیں اس مسئلہ کی مزید توضیح معلوم کرنا ہو تو احقر کا رسالہ آداب المساجد دیکھا جاوے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ہر حال میں مسجد ہے خواہ کتبہ میں کچھ ہی لکھا ہو

(سوال ۷۰۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے وطن سندہ میں سکھر ضلع جو بڑا شہر مشہور ہے اس میں ایک رہ گزر مقام پر مجاہدان شاہان اسلام نے ایک مسجد اور اس کے سامنے حجرہ تیار کروا کر اس پر پتھر لگوائے ہیں حجرہ کے پتھر میں تو لکھا ہوا ہے کہ یہ جگہ مسلمانوں کے آسائش کے لئے تیار کی گئی ہے اس میں کوئی مقبرہ نہ کرے باقی مسجد کی تاریخی بناء میں ایک شعر لکھا ہوا ہے اس مسجد کے مقابلہ میں ایک بڑا مندر ہندوؤں کا ہے جس میں وہ فسادی ہندو اور بعض خبیث مسلمانوں اور حکاموں کے ذریعہ چاہتے ہیں کہ اس شعر کو مسجد کے عدم اور ہدم کا ذریعہ بنا کر اس میں مندر بنادیں جس میں استدلال پیش کرتے ہیں کہ عشرت سرشت کے لفظ کے معنی مسجد لینا ناجائز ہے متدلین صحت کی غرض یہ ہے کہ لفظ عشرت سرشت بقرائن سیاق و سباق و نمونہ صورت مسجد مع محراب و توافق قبلہ و مثل ہئیت ہمگی مساجد و اتفاق مسلمانان کہ یہ مسجد ہے اور قدیما اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تنہا و جماعت۔ اس میں آپ کو جمیع مسلمانان اور حکام کی طرف سے حکم مقرر کیا گیا ہے کہ جواب باصواب کو خوب سوچ کر بہت جلدی عنایت فرماویں شعر یہ ہے۔

خوشا منزل باغ رضوان رقم — کہ جان رواہد فیض باغ ارم
بتاریخ ایں جائے عشرت سرشت — زہے جائے عشرت رقم زد قلم

بعض ہندو اور بعض مسلمان حکام عشرت سرشت سے مسجد مراد لینا ناجائز کہتے ہیں؟

(الجواب) فی العالمگیریة الباب الحادی عشر من الوقف فلو جعل وسط داره واذن للناس فی الدخول والصلوٰة فیه ان شرط معه الطریق صار مسجداً الخ ثم قال ولو عزل بابه الی الطریق الاعظم یصیر مسجداً. ثم قال بعدذلك بشئی رجل له ساحة لابتاء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة فهذا علی ثلاثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلوة فیها ابداً انصاراً وامرهم بالصلوٰة مطلقاً و نوی الا بدفی هذین الوجهین صارت الساحة مسجداً لومات لم یورث عنه (عالمگیری مصری صفحه ۳۵۵ ج ۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسجد کا مسجد ہونا کسی کتبہ وغیرہ پر موقوف نہیں اگر کتبہ بالکل موجود نہ ہو یا ایسا ہو کہ اس میں مسجد کی تصریح نہ ہو تو اس سے مسجد ہونے میں کوئی خلل نہیں آتا بلکہ اگر کتبہ میں یہ بھی لکھا ہو کہ یہ مسجد نہیں اور تعامل اہل اسلام سے اس کا مسجد ہونا ظاہر ہوتا ہو تو اس کتبہ کا بھی اس وقت تک کچھ اعتبار نہ ہوگا جب تک یہ کسی حجت سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ کتبہ خود بانی مکان یا بانی مسجد کی جانب سے ہے بلکہ مسجد ہونے کا مدار صرف اس پر ہے کہ مالک زمین اپنی زمین میں عام مسلمانوں کو نماز بجماعت پڑھنے کی ہمیشہ کے اجازت

دیدے اور کوئی رکاوٹ نہ ڈالے جب یہ بات محقق ہو گئی تو یہ جگہ مسجد ہو گئی خواہ تعمیر بھی نہ ہو پس جب کہ مسجد کے مسجد بننے کے لئے تعمیر اور محراب اور صورت مسجد ہونا بھی شرط نہیں کتبہ وغیرہ تو کیا شرط ہو تا تو ایسی صورت میں کتبہ کے موہم الفاظ کی وجہ سے وقف اور مسجد کو باطل کر دینا سراسر غلطی ہے اگر چہ یہ بات صحیح ہے کہ اس کتبہ کے الفاظ سے مکان کا مسجد ہونا سمجھ میں نہیں آتا لیکن مسجد ہونے کا جس چیز پر مدار ہے وہ یہاں بالکل واضح طور پر موجود ہے یعنی تعامل قدیم اہل اسلام۔ لہٰذا بلا شبہ یہ جگہ مسجد ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسجد کے نیچے کرایہ کی دکانیں بنانے کی کیا شرطیں ہیں؟

(سوال ۷۰۲) میں ہنڈول ریاست جے پور میں گیا جہاں پر کہ ہندو مسلم کے مابین ایک مسجد کے متعلق جھگڑا تھا موقع دیکھا جس مسجد کے متعلق جھگڑا ہے مسلمان مجملہ دیگر امور یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس مسجد کے دالان اور فرش کے بجائے دوکانات تعمیر کرلیں مسجد لب بازار ہے لہٰذا دوکانات بازار میں کھلیں گی اور ان سے اچھا کرایہ وصول ہوگا جس سے مسجد اور مدرسہ مسجد کا خرچ چل سکے گا دوکانات کے اوپر یعنی منزل دوم میں مسجد بنائیں اس پر میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا موجودہ مسجد کو بشکل دوکانات مبدل کرنا خواہ اس سے مسجد ہی کا مالی مفاد مقصود ہو شرعاً جائز ہے یا نہیں گویا جو سطح اب ادائے نماز کے لئے مخصوص و وقف ہے آئندہ اس سطح پر نماز نہیں پڑھی جائے گی الا یہ کہ کوئی شخص جو لیٹں میں رہتا ہو پڑھ لے حالانکہ اس وقت بطریق اذن عام ہر شخص نماز پڑھ سکتا ہے وہ نماز ہی کے لئے ہے آئندہ بجائے مسجد دوکانات ہوں گی اور دوکانات کے اوپر مسجد ہو گی جواب سے صحیح طور پر مطلع کیا جاوے۔؟

(الجواب) مسجد کے نیچے دوکانیں چند شرائط کے ساتھ جائز ہیں جن میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ بانی مسجد اول بناء مسجد کے وقت یہ نیت کرے اور لوگوں میں ظاہر کردے یا تحریر لکھ دے کہ میں نے اتنے حصہ کو مسجد کے نیچے دوکانیں بنانے کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ دکانیں خاص مسجد کے مصارف کے لئے وقف کی جائیں یہ شرط مفصلاً شامی وعالمگیری کتاب الوقف میں نیز بحر الرائق کتاب الوقف احکام المساجد جلد خامس میں مفصل مذکور ہیں صورت مرقومہ میں پہلی شرط مفقود ہے اس لئے اس مسجد کے نیچے کرایہ کی دوکانیں یا کسی کے رہنے کا مکان وغیرہ بنانا اگر چہ مصالح مسجد ہی کے متعلق ہو جائز نہیں۔ صرح فی البحر الرائق وغیرہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اندر علوم دینیہ کا مدرسہ بنانا

(سوال ۷۰۳) مسجد میں یا حجرہ مسجد میں مدرسہ قائم کر کے اس میں غیر مسلم طلباء مثلاً عیسائی، ہندو، سکھ، پارسی، آریہ سماج وغیرہ ہذا مذاہب کے طالب علموں کو مسجد میں آنے دینا جائز ہے یا نہیں یا مسجد سے ملحق مکان بنا کر جس کا دروازہ اندرون مسجد سے ہے غیر مسلم طلباء کو آنے دینا کیسا ہے۔؟

(الجواب) مسجد اور مکانات متعلقہ مسجد میں علوم دینیہ اور قرآن مجید کا مدرسہ قائم کرنا جائز ہے پڑھنے والے طلباء

اگر مسلمان ہیں تو ظاہر ہے اور اگر غیر مسلم ہیں اور یہ توقع ہے کہ علوم دینیہ اسلامیہ پڑھ کر ان کو بھی ہدایت ہو گی تو ان کا بھی مسجد وغیرہ میں پڑھنا جائز ہے۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح من کون التعلم والتعلیم من مقاصد المسجد (مشکوٰۃ) وبه صرح فی الدرالمختار. لیکن علوم دینیہ کے سوا کسی اور علم وصنعت کا مدرسہ مسجد اور متعلقات مسجد میں قائم کرنا جائز نہیں اگرچہ پڑھنے والے مسلمان ہی ہوں۔ صرح به فی احکام المسجد الاشباہ و النظائر اسی طرح مدرسہ کا راستہ مسجد کے اندر سے بنانا اور اس سے گزرنا بھی مکروہ ہے خواہ گزرنے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔ وصرح به فی الدر المختار من مکروهات الصلوٰۃ . واللہ تعالیٰ اعلم.

زمین وقف کئے بغیر مسجد بنانا

(سوال ٧٠٤) اگر کسی نے اپنی زمین میں بلا وقف مسجد بنائی اور کبھی جھگڑے کے وقت یہ کہے کہ یہ میری مسجد ہے تو ایسی مسجد میں بلا کراہت نماز ہو گی یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا

(الجواب) جس جگہ کو وقف نہیں کیا وہ مسجد شرعی نہیں بنی اس میں اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے نماز پڑھے گا تو نماز بلا کراہت درست ہو جائے گی مگر مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور بغیر اس کی اجازت کے کسی کو نماز پڑھنا بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ یہ جگہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۴ ذی الحجہ ۵۰ ہجری

مشترک زمین بغیر اجازت تمام شرکاء کے مسجد شرعی نہیں ہو گی

(سوال ٧٠٥) ایک شخص نے دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑ کر رحلت کی، بعدہ بڑے لڑکے نے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں نابالغہ اور دو زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا بعدہ چھوٹا لڑکا دو زوجہ اور چار لڑکے اور چھ لڑکیاں رکھ کر کوچ کیا (لڑکے اور لڑکیاں مذکورہ سب بالغ ہیں) اب جب بڑے لڑکے کی اولاد میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں بالغ ہوئیں اس وقت چھوٹے لڑکے کی اولاد میں تین لڑکیاں نابالغہ رہیں اور باقی جانبین کے لڑکے اور لڑکیاں نابالغ ہیں اس وقت بڑے لڑکے کے بالغ لڑکیوں سے مذکور الصدر نابالغہ لڑکیوں کے مشترکہ جائیداد پر ایک مسجد قائم کی جس کا نہ کوئی وقف نامہ لکھا گیا اور نہ مسجد کے لئے کوئی جگہ لاخراج کی گئی بلکہ تمام جائیداد کے ساتھ مشترکۃ المزاج ہے فی الحال طرفین کے لڑکے اور لڑکیوں میں نااتفاقی ہونے کی وجہ سے ان لڑکوں میں سے بعض کہتے ہیں کہ ہم مسجد کو وقف نہیں کرتے،سااوقات بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ مسجد میری ہے میری بلا اجازت کوئی نہ آوے اور یہ بھی عرض ہے کہ فی الحال تمام لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ کے لحاظ سے مسجد مذکور مسجد شرعی کہلائے گی یا نہیں اور اس میں جمعہ کی نماز موافق مذہب حنفیہ کے کیا حکم رکھتی ہے۔ ؟

(الجواب) یہ جگہ مشترک ہے دونوں بھائیوں کی اولاد میں لہذا کسی ایک شریک کے وقف کرنے سے اور مسجد بنا دینے سے یہ جگہ مسجد شرعی نہیں ہوئی جب تک تمام شرکاء بعد بالغ ہونے کے اپنی خوشی سے مسجد بنانے کی اجازت نہ دیں اس وقت تک یہ جگہ مسجد شرعی نہیں ہو سکتی۔ لمافی البحر الرائق من الوقف والحاصل ان وقف المشاع مسجداً او مقبرۃً غیر جائز مطلقاً اتفاقاً (بحر صفحہ ۱۹۷ ج ۵)

جو جگہ بدون اجازت شرکاء مسجد بنادی گئی اس میں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم

(سوال ٧٠٦) مسجد مذکور اگر شرعی مسجد نہ ہو تو اس میں جمعہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے اور کب تک اس میں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔؟

(الجواب) نمبر اول میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مسجد شرعی نہیں لہذا اگر جمعہ کی نماز اس جگہ پڑھی گئی تو نماز ادا ہو جائیگی مگر مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور اگر دوسرے شرکاء نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیں تو بغیر ان کی اجازت کے اس میں نماز پڑھنے والے گناہ گار ہوں گے لیکن بہر حال نماز جمعہ ادا ہو جائیگی۔ واللہ اعلم

جنازہ گاہ موقوفہ بحکم مسجد ہے یا نہیں اور اس کا مبادلہ دوسری جگہ سے جائز ہے یا نہیں ؟

(سوال ٧٠٧) جنازہ گاہ حکم مسجد میں ہے یا نہیں اور بصورت نہ ہونے حکم مسجد کے تبدیل اس کی جائز ہے یا نہیں

(جواب از دیگر علماء)

(الجواب) جائز ہے جنازہ گاہ جواز اقتداء کے لئے حکم مسجد کا رکھتی ہے ورنہ نہیں۔ پس قاضی کے اختیار میں ہے اگر قاضی اس سے بہتر صورت پیدا کر کے تبدیل کر دے تو جائز ہے بلکہ وقف کی شرط کا لحاظ بھی نہیں رہے گا اشباہ میں ہے. شرط الواقف عدم الاستبدال فللقاضی الاستبدال اذکان اصلح اور قاضی خاں میں ہے بدون الشرط اشارفی الی انه لا یملك الاستبدال الا القاض لورائی المصلحة فی ذلك اور اشباہ میں استبدال کی چار صورتیں قرار دی گئی ہیں جو چوتھی صورت اس پر حاوی ہو سکتی ہے۔ وهو هذا الرابعه ان یرغب انسان فیه ببذل اکثر و احسن وصفاً فیجوز علی قول ابی یوسفؒ و علیه الفتویٰ کما فی فتاوی قاری الهدایة حررہ قاضی محمد یار عفی عنه، اصاب ما اجاب محمد عبدالرحمن معلم مدرسة عربیة المجیب مصیب – محمد موسیٰ مدرس مدرسہ مسجد قبہ وال

جواب از دارالافتاء دیوبند۔۔ (الجواب) جواب مذکور میں یہ بات صحیح ہے کہ جنازہ گاہ کا حکم تمام احکام میں مثل مسجد کے نہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جب کہ یہ جنازہ گاہ وقف ہے تو اس پر احکام وقف جاری ہوں گے اگر چہ احکام مسجد جاری نہ ہوں اور احکام وقف میں محققین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ بدون شرط واقف کے کسی وقف کا بدلنا جائز نہیں اگر چہ جس جگہ سے بدلا جاوے وہ وقف سے زیادہ بہتر ہی کیوں نہ ہو بالخصوص جب کہ موقوفہ زمین قابل

انتفاع ہے تو دوسری جگہ اس کا بدلنا ہر گز جائز نہیں اور قاری ہدایہ کا فتویٰ جو امام ابو یوسفؒ کے قول پر جواز کا نقل کیا گیا ہے محققین متاخرین نے بہت سے ناگوار تجارب کے بعد اس کو رد کر دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے عبارت مذکورہ کے بعد ہی صدر الشریعۃ سے نقل کیا ہے۔ نحن لا نفتی به وقد شهد نافی الاستبدال مالا یعد و لا یحصی فان ظلمة القضاة جعلوه حیلة لابطال اوقاف المسلمین وعلی تقدیرہ فقد قال فی الاسعاف المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم و العمل ولعمری ان هذا اعز من کبریت الاحمر فالاحری فیه السد خوفاً من مجاوزة الحد اه . ثم ذکر تائیده عن العلامة البیری معزیاً بالفتح

القدیر و لفظه اتفق انه امکن ان یوخذ بثمنه ماهو خیر منه مع کونه منتفعاً به فینبغی ان لا یجوز لان الواجب ایفاء الوقف علی ماکان علیه دون الزیادة ثم قال العلامة الشامی اقول ماقاله هذا المحقق هو الحق الصواب. اس طرح صاحب بحر نے استبدال وقف کے لئے سات شرطیں بیان کی ہیں وہ ایسی شرطیں ہیں کہ ان کا وجود حکومت اسلامیہ کے قرون متوسط میں بھی مشکل تھا آج تو کیا ہو تا اس لئے صورت مذکورہ میں اس جنازہ گاہ کی تبدیلی دوسری جگہ کے ساتھ جائز نہیں اگرچہ وہ دوسری جگہ اس سے بہتر ہو البتہ اگر خود واقف نے بڑا کر دینے کو اپنے یا متولی کے اختیار میں رکھا ہو یا جنازہ گاہ کسی وقت ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس سے انتفاع نہ ہو سکے تو پھر البتہ اس کا دوسری جگہ سے بدل لینا جائز ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ

عید گاہ بعض احکام میں مسجد ہی کے حکم میں ہے بعض میں نہیں

(سوال ۷۰۸) کسی زمین کو عید گاہ بنادی گئی اور ہر سال وہاں پر عیدین ادا کی جاتی ہیں کیا اس زمین میں زراعت وغیرہ کرنا جائز ہو گا یا مسجد کا حکم رکھتا ہے۔؟

(الجواب) اگر یہ زمین کسی کی مملوکہ ہے اور وہ بروز عید نماز پڑھنے کی اجازت دیدیتا ہے تو اس میں زراعت وغیرہ بھی جائز ہے اور اگر مملوکہ نہیں بلکہ نماز عید کے لئے وقف ہے تو اس میں زراعت کرنا جائز نہیں اگرچہ اس کا حکم تمام احکام مسجد کے حکم نہیں لیکن شرائط واقف اور غرض واقف کے خلاف ہونیکی وجہ سے زراعت جائز نہیں نیز احتیاطاً تعظیم و حرمت میں بھی فقہا نے اس کو مثل مسجد قرار دیا ہے اور زراعت اس کے بھی خلاف ہے۔ قال فی البحر وما اتخذلصلوٰة العید لا یکون مسجداً مطلقاً وانما یعطی له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلاً عن الصفوف واما فیما سوی ذلك فلیس له حکم المسجد وقال بعضهم له حکم المسجد حال اداء الصلوٰة لا غیر وهو والجبانة سواء و یجتنب هذا المکان عما یجتنب المسجد احتیاطاً اه (بحر احکام المسجد من الوقف صفحه ۲۴۸ ج ۵)

واللہ اعلم۔ بندہ محمد شفیع دیوبند۔ الجواب صحیح فقیر اصغر حسین (اضافہ)

احکام المقابر

پرانی قبروں کو برابر اور بے نشان کر کے فرش مسجد میں شامل کرنا

(سوال ۷۰۹) قصبہ کھاتولی میں اکبر خان نے چھوٹی سی مسجد بنوائی بعد انتقال اسی مسجد کے احاطہ میں جانب مشرق چار یا پانچ گز کے فاصلہ پر مدفون ہوئے وقتاً فوقتاً فرش مسجد بڑھتا رہا اب فرش زیادہ بڑھایا گیا لہذا وہ قبر فرش میں آگئی قبر پر اور اس کے ارد گرد اگر مٹی ڈال کر فرش ہموار کر لیا گیا جس سے قبر لاپتہ ہو گئی اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے وہاں اب نماز جائز ہے یا نہیں اور اگر نشان قبر باقی و قائم رکھا جائے تو اس سے نماز جائز ہو گی یا نہیں۔؟

(الجواب) جب کہ پرانی قبر ہو جائے کہ میت بوجہ مرور زمانہ مٹی ہو جاوے تو ایسی پرانی قبر کو ہموار کر دینا اور اس پر زراعت و تعمیر کرنا درست ہے بناءً علیہ قبر مذکور جب کہ پرانی ہو گئی تھی اور وہ فرش مسجد کے درمیان آگئی تھی تو

یہ بہتر ہوا کہ اس کا نشان باقی نہ رکھا گیا اور اس کا ہودہ بلند نہیں کیا گیا اور اس کو ہموار کر کے فرش کے برابر کر دیا گیا اگر نشان باقی رکھا جاتا تو باعث کراہت ہوتا اب نماز اس جگہ بلا کراہت جائز ہے شامی میں ہے۔ وقال الزیلعی ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ اھ . واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ مسعود احمد.

اور اگر قبر نمازی کے سامنے ہو تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔ صرح بہ الشامی و البحر والخلاصۃ وغیرہ فقط ان قبر اسمٰعیل علیہ السلام فی الحجر رواہ الحاکم فی الکنی عن عائشہؓ کنز العمال فضائل اسمعیل علیہ السلام ص ۱۲۳ ج سادس. واللہ تعالیٰ اعلم. کتبہ محمد شفیع عفرلہ.

مقبرہ کو منہدم کرنے والے سے تاوان لینا

(سوال ۷۱۰) راجہ ساکن کالا کانگر ضلع پرتاب گڑھ کے باغ میں ایک مسلمان کا پرانا مزار تھا اس کو راجہ صاحب نے قدآدم سے زائد نیچے سے کھدوا کر اس کی اینٹیں اور کل ملبہ دریابرد کرا دیا ہے جب مسلمانوں میں ہیجان پھیلا اور ذریعہ پولیس تحقیقات شروع ہوئی تو راجہ صاحب کہتے ہیں کہ اگر مسلمان مجھ سے اس ناکردہ گناہ کے معاوضہ میں دو چار ہزار روپیہ لے کر مسجد بنالیویں یا مدرسہ اسلامیہ قائم کرلیویں اور معاملات متنازعہ کو داخل دفتر کرادیویں تو میں خوشی سے سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کیا مسلمان راجہ صاحب سے اس قسم کا معاملہ کر سکتے ہیں اور اس کی نوعیت کیا ہوتی؟

(الجواب) مسلمانوں پر ضروری ہے کہ مزار کی جگہ کو محفوظ کردیں پختہ قبر نہ بنائی جائے لیکن اس جگہ کو کسی احاطہ وغیرہ سے محفوظ کردیا جاوے کیونکہ اس کا حکم اب بھی مزار اور مقبرہ ہی کا ہے اور چونکہ راجہ صاحب مذکور نے مسلمانوں کے ایک محترم مزار اور میت کی توہین کی ہے اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے کچھ رقم دی ہے تو مسلمانوں کو اختیار ہے کہ اس رقم کو باہمی مشورے سے مسجد یا مدرسہ یا اور کسی اسلامی ضرورت میں صرف کردیں- لیکن اس رقم کو مزار کا معاوضہ نہ قرار دیا جائے۔ والدلیل علی ما قلنا اولاً مافی العالمگیریۃ من اخر الوقف وسئل ھو یعنی القاضی الامام شمس الائمۃ المحمود الا وز جند عن المقبرۃ فی القری اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتی لا العظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا و استغلا لھا قال لاولھا حکم المقبرۃ فلو کان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا کذافی البحر الرائق عالمگیری صفحہ ۱۰۳۹ جلد ۲. والدلیل علی ما قلنا من اخذ التعزیر المالی فلو جھین، الاول لمافی روایۃ عن ابی یوسفؒ من جواز اخذ المال تعزیراً ذکرہ فی الفتح کذافی الشامی والثانی انہ مال غیر معصوم فیجوز اخذہ برضاہ کیف ماکان و ذالک لکون الرجل حربیاً— واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مملوکہ قبرستان میں بدون اجازت مالک کسی کو دفن کرنا جائز نہیں

(سوال ۷۱۱) زید نے بدھو شاہ سے تھوڑی زمین خریدی اور اس خریدی ہوئی زمین میں ایک مسجد تعمیر کی اور تھوڑی زمین بچ رہی تو اس میں زید کوئی اور مسلمان اپنا مردہ دفن کر سکتا ہے یا نہیں اور نیز اس مقبرہ ہی پر لوگ چولھابنا کر کھانا پکاتے ہیں اور خاص مقبرہ ہی پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں و نیز رہنے کے مکان کے دروازے اسی مقبرہ کی طرف کھولتے ہیں آیا لوگوں کا ایسا کرنا درست ہے اور یہ لوگ گناہ گار نہ ہوں گے ؟

(الجواب) بلااجازت زید کے کسی شخص کو اپنا مردہ زید کے مملوکہ قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں اور نہ وہاں کھانا پکانا اور نہ اس طرف دروازہ کھولنا شرعاً جائز ہے اگر یہ لوگ بلااجازت زید کے ایسا کریں گے تو سخت گناہ گار ہوں گے اور یہ حکم اسی وقت ہے جب کہ زید نے اس زمین کو دفن اموات کے لئے وقف نہ کیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ۔

جواب صحیح ہے۔ اگر وقف کر دیا ہو جب بھی متولی وقف کی اجازت سے دفن کیا جا سکتا ہے محمد شفیع غفر لہ

کتاب الشرکۃ و المضاربۃ
(ساجھے اور حصہ داری کے معاملات)

دو بھائیوں کے مشترک مال کی تقسیم

(سوال ۷۱۲) قاسم علی خاں مرحوم کے دو لڑکے عبداللہ خاں اور محمد سلیم خاں پسر کلاں مکان پر رہ کر کل کاروبار خانہ داری و زمینداری وغیرہ انجام دیتے رہے محمد سلیم خاں بیس سال کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک ملازمت کرتے رہے اس زمانہ میں جس قدر سرمایہ تنخواہ وغیرہ سے جو بچت ہوتی رہی برابر عبداللہ خاں کو دیتے رہے از قسم مال و نقد و اسباب دیتے رہے اس دوران میں محمد سلیم خان مرحوم نے اپنی سعی و کوشش و سفارشات سے اپنے بھتیجے سراج الدین خاں پسر عبداللہ خاں کو مثل طفل خاص کے تعلیم دیکر سولہ سال ملازم کرادیا اس نے بحالت اشتراک وسرپرستی محمد سلیم خان کے حسب قاعدہ تنخواہ مقررہ سے پراونڈنٹ فنڈ میں ۱۵-۱۶ برس تک جمع کرتا رہا جو رقم معقول ہو گئی ہے اور کسی قسم کی امداد نمایاں محمد سلیم خان اپنے چچا کے علم میں نہیں دیا ایسی صورت میں ان دونوں بھائیوں کی علیحدگی کی حالت میں محمد سلیم خاں مذکور اس سرمایہ مجتمعہ میں شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں دوراں حالیکہ بحالت علیحدگی سامان پیدا کردہ محمد سلیم خان مذکور میں سے عبداللہ خان نے نصف لے لیا اور گویا کل اسباب مقسومہ دوکان مسکونہ پیدا کردہ محمد سلیم خان پر قبضہ کر لیا پس بوجوہات مذکورہ محمد سلیم خان جائیداد اپنی پیدا کردہ و نیز بھائی و بھتیجہ جو ان کے قبضہ میں ہے شرعاً کہاں تک پانے کے مستحق ہیں؟

(۲) دین محمد ایک لڑکا بیرونی لاوارث محمد سلیم خان مذکور نے جس کی عمر ۵-۶ سال کی تھی اپنے مورث اعلیٰ قاسم علی خان مرحوم کے سامنے پیش کیا انہوں نے اس کی بحیثیت ملازم پرورش کی جب یہ لڑکا سن تمیز کو پہنچا تو ہم لوگوں کی اجازت سے پردیس میں جاکر کماتا رہا اور نقد و کپڑا وغیرہ برابر عبداللہ خان کے پاس بھیجتا رہا اب بحالت علیحدگی باجازت عبداللہ خان بذریعہ مولاداد خان محمد سلیم خان کے بکسوں و صندوقوں کو دیکھا اس خیال سے کہ کوئی رقم پوشیدہ رکھی ہو چنانچہ اس کے بعد عبداللہ خان نے بھی اپنے بکسوں کو دکھلایا اور ایک بکس کو دین محمد کا قرار دیا اور اس نے بھی اپنا بکس ہونا تسلیم کیا یہ فی الواقع دین محمد کا ہو گیا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں چار قسم کے روپیہ و جائیداد اور اشیاء کا قصہ ہے ایک تو وہ جو مورث اعلیٰ محمد قاسم علی خان سے وراثت میں اس کے ہر دو لڑکوں کی طرف منتقل ہوا دوسرے جو سلیم خان نے اپنی ملازمت کے ذریعہ پیدا کرکے اپنے برادر کلاں عبداللہ خان کے سپرد کیا تیسرے جو سلیم خان نے اپنے بھتیجے سراج الدین پر بحالت تعلیم یا بحالت ملازمت خرچ کیا چوتھے وہ روپیہ جو سراج الدین کا پراونڈنٹ فنڈ میں جمع ہے ان میں سے نمبر اول تو دونوں بھائیوں میں نصفا نصف مشترک ہے اور نمبر دوم کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ یہ روپیہ یا دوسری چیزیں جو بحالت ملازمت سلیم خان نے اپنی بھائی کو دی ہیں اگر اس نیت سے دی تھیں کہ ان کی ملک بطور ہدیہ کر دینا مقصود تھا تب تو وہ عبداللہ خان کی ملک ہو چکی سلیم خان کو ان میں حق نہ رہا اور اگر بطور امانت کے حفاظت کے لئے ان کے پاس رکھی تھی تو یہ تمام اشیاء سلیم خان کی ملک ہیں عبداللہ خان کو ان میں سے کچھ نہیں پہنچتا اور نمبر سوم میں بھی یہ

تفصیل ہے کہ سلیم خان نے یہ روپیہ جو سراج الدین پر خرچ کیا ہے اگر بطور قرض اس کو دیا تھا تو اب اس کو حق ہے کہ سراج الدین کے مال سے وصول کرلے خواہ وہ مال ہو جو پراونڈنٹ فنڈ میں جمع ہے یا کوئی دوسرا اور اگر جو کچھ اس نے خرچ کیا تھا وہ محض بصیغہ ہمدردی وصلہ رحمی تھا تو اب سلیم خان کو سراج الدین سے اور اس کے روپیہ سے جو پراونڈنٹ فنڈ میں جمع ہے کچھ استحقاق نہیں نمبر چہارم خالص سراج الدین کا حق ہے اس میں سے سلیم خان اگر لے سکتا ہے تو صرف اس قدر جس قدر سراج الدین کے ذمہ اس کا قرض ہو اور اگر قرض نہ ہو تو کچھ نہیں لے سکتا اور اس کے والد عبداللہ خان نے اگر سلیم خان کے مال میں کوئی ناجائز تصرف بھی کیا ہو تو اس کا بدلہ سراج الدین صاحب کے اس روپیہ سے لینامال میں کوئی جائز نہیں جو سراج الدین کی ملک خاص ہے۔

(۴) عبداللہ خان یا دین محمد سے اس پر شہادت شرعیہ طلب کی جائے کہ یہ صندوق دین محمد کی ملک ہے تنہا دین محمد کا اقرار کرنا شرعاً اس کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں اور اگر شہادت شرعیہ سے دین محمد کی ملک ثابت ہو جائے تو پھر اس میں نہ عبداللہ خان کا کوئی حق ہے نہ سلیم خان کا یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنی رضاء سے سارا مال ان میں سے کسی ایک کو یا اور کسی اجنبی کو دیدے اس کا دین محمد کو اختیار ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

باپ نے لڑکوں کو تجارت کے لئے روپیہ دیا اس تجارت کے نفع میں باپ شریک ہے یا نہیں

(سوال ۷۱۳) ایک شخص نے اپنی ذاتی رقم سے اپنے لڑکوں کو تجارت کا سلسلہ شروع کرادیا اور چند سال کے بعد اس شخص نے وہ کل رقم واسطے ضروریات شادی ان ہی لڑکوں کے ان سے واپس لے کر ان کی شادی میں صرف کردی اور رقم کا منافع ان ہی لڑکوں کے پاس واسطے قائم رکھنے تجارت کے چھوڑدیا وہ لڑکے آج تک اسی منافع کی رقم سے معقول کاروبار کررہے ہیں اور اس وقت تجارت عمدہ پیمانہ پر ہے تو اس شخص کو اس تجارت میں کوئی حق پہنچتا ہے یا نہیں اور وہ شخص تجارت میں عنداللہ شریک سمجھا جاوے گا یا نہیں اور اگر وہ شخص تجارت میں سے کچھ طلب کرے تو اس کا یہ مطالبہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟

(الجواب) والد نے جو مال اپنے لڑکوں کو دیا تھا اگر صراحۃً ان کی ملک کردیا تھا یا اس کے قرائن موجود تھے کہ بطور تملیک دیا ہے تب تو وہ مال ان لڑکوں کی ملک ہے اور اس کا نفع بھی انہیں کی ملک ہے اس راس المال جو واپس لیا گیا ہے وہ بھی ان کا تبرع تھا باپ کو بحیثیت شرکت ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں ہو سکتا البتہ باعتبار اولاد ہونے کے ان کے ذمہ واجب ہے کہ اگر والدین محتاج ہوں تو ان کے خرچ کا تکفل کریں اور اس حیثیت سے والدین کو بھی بوقت حاجت جبر کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر بطور تملیک نہیں دیا گیا تھا تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو کام کاج اصل میں خود باپ نے کیا اور لڑکے اس کے ساتھ اعانت کرنے پر رہے نیز لڑکوں کا خرچ اسی کے ساتھ شریک ہے اور یا باپ نے صرف مال دیدیا اور لڑکوں نے اپنی تجارت کرکے نفع حاصل کیا اور لڑکے خورد نوش میں والد کی کفالت میں نہیں تھے پہلی صورت میں کل مال والد کا ہے اصل بھی اور نفع بھی اور دوسری صورت شرکت فاسدہ کی ایک قسم ہے جس کا شرعاً حکم یہ ہے کہ اصل مال اور اس کا کل نفع والد کا ہے اور لڑکوں کا حق المحنت بازار اور عرف ورواج کے مطابق دینا واجب ہوگا۔ والدلیل علی ماقلنا اولاً مافی الشامی من کتاب الھبة صفحہ ۷۰۸ ج ۲

ولو دفع الی ابنه مالا فتصرف فیه الا بن یکون للا بن اذا دلت دلالة علی التملیك الخ والدلیل علی ما قلنا ثانیاً ما فی الشرکة الفاسدة من الشامی صفحه ٤٨٣ ج ٣ لمافی القنیة الاب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شئی فالکسب کله للاب ان کان الابن فی عیاله لکونه معیناً له الا تری لوغرس شجرة تکون للاب انتهٰی کلام الشامی وقلت فما کان المال فیه للاب کان کله للاب بالاولٰی والدلیل علی ما قلنا ثالثاً فی الشرکة الفاسدة من الشامی صفحه ٤٨٤ ج ٣ حاصله ان الشرکة الفاسد ة اما بدون مال واما به من الجانبین اومن احدهما الی قوله و الثالثة لرب المال و للآخر اجر مثله. والله سبحانهٗ و تعالٰی اعلم. کتبه محمد شفیع عفاالله عنه.

الجواب صحیح بنده اصغر حسین عفاالله عنه.

باپ بیٹے یا چند بھائی مشترک طور پر کسب کرتے ہیں اور کھانا پینا بھی مشترک ہو تو حاصل شدہ نفع کس کی ملک اور اس کی تقسیم کس طرح ہوگی

(سوال ٧١٤) میرے والد زندہ اور کاروبار کچھ نہیں کرتے بوجہ مرض ہونے کے بیکار رہتے ہیں اور ہم دو بھائی ہیں ذریعہ معاش کے لئے کوئی کام کرتے ہیں حساب اور کھانا پینا سب کا شامل ہے تو سامان زیور وغیرہ کا مالک کون ہے اور قربانی کس پر واجب ہے؟

(۲) بعض جگہ کئی برادر شاملات کاروبار کرتے ہیں بعض جگہ تو کھانا پینا سب کا شامل ہوتا ہے اور بعض جگہ علیحدہ ہوتا ہے اور کاروبار ذریعہ معاش میں سب شامل ہوتے ہیں اپنے حصہ کو تقسیم نہیں کرتے نہ خرچ کے لئے برابر نکالتے ہیں بلکہ ہر شخص اپنے خرچ کے مطابق لے لیتا ہے تو قربانی ایک حصہ کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ ہونی چاہئے۔؟

(الجواب) فی ردالمحتار من فصل الشرکة الفاسدة صفحه ٣٨١ ج ٣. عن القنیة الاب والا بن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شئ فالکسب کله للاب الخ. صورت مذکورہ میں مشترک سرمایہ کا مالک والد ہے اور اسی کے ذمہ قربانی ہے البتہ جو نقد یا زیور والد نے کسی بھائی کی ملک کر کے اس کو دیدیا ہے وہ اگر بقدر نصاب ہو تو اس پر علیحدہ قربانی واجب ہوگی اسی طرح اگر کسی بھائی کی زوجہ کی ملک میں بقدر نصاب مال زائد از حاجت اصلیہ موجود ہے تو زوجہ کے ذمہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی۔

(۲) وکذلك لواجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرای شامی صفحه ٣٨١ ج ٣. اس عبارت شامی سے ثابت ہوا کہ اس صورت میں جو کچھ مال موجود ہے اس میں سب بھائیوں کا حصہ برابر ہوگا اب اگر بھائی کے حصہ میں بقدر نصاب نقد روپیہ یا مال تجارت آجائے تو ہر ایک کے ذمہ جدا جدا قربانی وغیرہ واجب ہوں گی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

باپ بیٹوں نے کچھ جائیداد پیدا کی بعد وفات والد تقسیم کیا ہو گی

(سوال ۷۱۵) ایک شخص کے دو لڑکے ایک ذی ہنر اور دوسرا جاہل اور جو ذی ہنر تھا وہ چھوٹا تھا اور والد کے ساتھ تھا اور جو بڑا تھا وہ جاہل کبھی والد کے ساتھ اور کبھی جدا رہتا تھا والد محض مسکین تھا اور اس کی اراضی اپنے نام داخل تھی اور بڑا لڑکا بغیر اراضی گھر کی چیز منقولہ تقسیم کر کے لے گیا تھا اور جو چھوٹا لڑکا تھا وہ وسیع آمدنی والا تھا والد کی خدمت بھی کرتا تھا اور اپنی خرید شدہ اراضی اپنے نام داخل کراتا تھا صرف خود پیدا کردہ جائیداد کو اور والد سے قبل از فوت چھ سال اقرار نامہ بایں مضمون لکھ دیا تھا جو پیش خدمت ہے۔

اب لڑکا بعد فوت اپنے برادر کے کچھ اراضی پر دعوی کرتا ہے حالانکہ عرصہ بارہ سال سے اس نے اپنے نام داخل کرائی ہوئی ہے اور اپنے والد کے اقرار نامہ پر اعتماد کر رہا ہے اور اس جگہ کے علماء کہتے ہیں کہ اس کو چوتھا حصہ آتا ہے کتاب الشرکۃ شامی کو دیکھ کر پس آیا اقرار نامہ شرعاً قابل اعتبار ہے یا نہیں اگر ہے تو اصل ہے یا ہبہ ہو جاتا ہے اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقرار ہبہ ہی ہو جاتا ہے اقرار نامہ یہ ہے یمنکہ غوث شاہ والد قادر بخش قریشی سکنہ قادر پور تحصیل خان پور ریاست بھاولپور۔ اقرار کر کے تحریر کر دیتا ہوں اس پر بات پر مظہر کے دو لڑکے مسمیان میدان شاہ و گل شاہ ہیں میری جائیداد حسب ذیل چہارم حصہ فلاں اور نصف حصہ فلاں اور نصف حصہ فلاں فی اراضی والا اور سویم حصہ فلاں ششم حصہ فلاں اور ایک مکان سکنی پختہ در شہر قادر پور ملکیت مظہر کی ہے علاوہ اس کے جو اراضی موضع فتحپور اور چودھری دلکرہ اراضی قریب خانقاہ شریف موضع قادر پور میں ہے یہ ملکیت خاصہ پسر مظہر مسمی گل محمد شاہ کی جائیداد خود پیدا کردہ ہے میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے میری فوتیدگی کے بعد اگر پسر مظہر مسمی میدان شاہ اس جائیداد پر دعوی کرے تو اس کا کوئی تعلق نہ ہو گا کیونکہ پیدا کردہ گل محمد شاہ کی ہے جس قدر جائیداد ذاتی مظہر کی ہے وہ بدستور میرے قبضہ میں رہے گی بعد میں اگر مظہر اپنی جائیداد کو ہبہ کرے یا بیع کرے تو بہتر ورنہ میرے ورثہ بموجب پیمانہ شرعی مالک خیال کئے جائیں گے لہذا چند حروف مجمع عام میں تحریر کئے دیتا ہوں کہ مظہر کے پسران اسی کے موافق عمل کریں گے فقط عرصہ چھ سال کے بعد اس مقر کا انتقال ہو گیا۔

گواہ شدہ (فلاں)، گواہ شدہ (فلاں)، گواہ شدہ (فلاں)، العبد غوث بخش شاہ بقلم خود، گواہ شدہ (فلاں)، گواہ شدہ (فلاں)، گواہ شدہ (فلاں)، گواہ شدہ (فلاں)، بڑا برادر اپنے برادر کی تمام اراضی پر دعوی نہیں کرتا بلکہ بعض بعض پر آیا شرعاً کاذب ہے یا صادق۔ بینوا بالدلیل۔؟

(الجواب) اگر اقرار نامہ مندرجہ سوال واقعی صحیح ہے تو بلا شبہ جو اراضی و جائیداد اس اقرار نامہ کی رو سے غوث شاہ کی ملکیت ثابت ہوتی ہیں وہ بعد ان کی وفات کے ان وارثوں پر حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوں گی اس کے علاوہ دوسری جائیدادیں سب تنہا گل محمد شاہ کی ملک ہوں گی ان میں غوث شاہ کے دوسرے وارثوں کا کوئی حق نہیں کیونکہ اگر فی الواقع یہ جائیدادیں گل محمد شاہ ہی نے اپنے روپیہ سے خریدی تھیں تب تو اس کا مالک ہونا ظاہری ہے لیکن اگر بالفرض غوث شاہ نے اپنے روپیہ سے نہ خریدی ہو تب بھی اس اقرار سے وہ گل محمد شاہ کے نام ہبہ ہو گئی اور گل محمد شاہ اپنے والد کی حیات ہی میں اس کا مالک ہو گیا (بشرطیکہ غوث شاہ نے ان جائیدادوں پر اپنی حیات میں ہی

گل محمد شاہ کو قابض و مالک بنادیا ہو کیونکہ ہبہ کے اتمام کے لئے قبضہ شرط ہے) بہر حال ان جائیدادوں کا مالک ازروئے اقرار نامہ مذکور تنہا گل محمد شاہ ہے دوسرے وارثوں کا اس میں حق نہیں اور شامی کی کتاب الشرکۃ سے جن حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ دوسرے وارث بھی اس میں شریک ہیں انہوں نے غالبًا شامی کی پوری عبارت پر پورا غور نہیں فرمایا کیونکہ وہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ سب بھائی مل کر باپ کے ساتھ کھانے اور کمانے دونوں میں شریک رہیں اور جو چیز خریدی جائے مشترکہ روپیہ سے خریدی جائے اور یہ تفاوت معلوم نہ ہو کہ کس کا حصہ کتنا ہے تو یہاں سب میں برابر تقسیم ہوتا ہے اور ایک دوسری صورت بھی شامی نے لکھی ہے کہ ایک بیٹا باپ ہی کی ملک ہوتا ہے مگر یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ دونوں ایک ہی صنعت میں شریک ہوں اور بیٹا باپ ہی کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ میں شریک ہو۔

فقد صرح الشامی به الشرکة الفاسدة صفحه ۴۸۳ ج ۳ حیث قال عن الخیریة فی زوج امرأ ة و ابنها اجتمعافی دار واحدة واحد کل منها یکتسب علیحدةً ویجمعان کسبها ولا یعلم التفاوت و التساوی ولا التمیز فاجاب بانه بینهما علی السویة ثم قال الاب والا بن یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شئ فالکسب کله للاب اور ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں بروئے اقرار نامہ گل محمد شاہ کی ملک بالکل جداگانہ منفصل اور متمیز ہے اور کسب میں صنعت واحدہ کی شرکت ہی نہیں لہذا جن جائیدادوں کو اقرار نامہ نے گل محمد شاہ کی خاص ملک قرار دیا ہے وہ شرعاً اس کی ملک ہیں اور کسی کا ان میں حق نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مشترک اشیاء کے استعمال کا حکم

(سوال ۷۱۶) بعض لوگ مورث اعلیٰ کا ترکہ تقسیم نہیں کرتے مشترک رہنے دیتے ہیں شرکاء میں بالغ ونابالغ اور عیالدار ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں عیال دار اور بالغ اشیاء مشترکہ کا استعمال زیادہ کرتے ہیں اور غیر عیالدار اور نابالغ کے استعمال میں اس قدر یہ چیزیں نہیں آتیں نیز جائیداد کی آمدنی بھی اس تفاوت کے ساتھ خرچ میں آتی ہے اور بوقت تقسیم اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کیا اس طرح مشترک رکھنا اشیاء کا اور ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) فی العالمگیریة الباب التاسع و العشرین من الکراهیة و فی العیون لوان داراً غیر مقسومة بین رجلین غاب احدهما وسع للحاضر ان یسکن بقدر حصته و یسکن الدار کلها وکذا خادم بین رجلین غاب احدها فللحاضر ان یستخدم الخادم بحصته وفی الدابة لا یرکبها الحاضر وفی اجارة النوازل عن محمد بن مقاتل ان للحاضر ان یسکن الدار قدر نصیبه و عن محمدؒ للحاضر ان یسکن جمیع الدار اذا خاف علی الدار الخراب ان لم یسکنها (عالمگیری مصطفائی صفحه ۲۴۵ ج ۲) وفی آخر کتاب الشرکة من العالمگیریة(صفحه ۱۹۴ ج ۳) بعد نقل هذه العبارة بعینها و فی الدابة لا یرکبها بغیر اذنه للتفاوت واماما ینتفع به فی غیره کالحرث و نحوه فله ذلك لعدم التفاوت کما فی عقد الفوائد (الی قوله) و الکرم والارض اذا کان بین رجلین واحدهما غائب او کان

الارض بین بالغ و یتیم یرفع الامر الی القاضی فان لم یرفع الحاضر و زرع الارض بحصته طاب له وفی الکرم یقوم الحاضر فاذا ادرك الثمر یبیعها ویاخذ حصته من الثمن فیوقف حصة الغالب. انتھٰی.

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں جائیداد کی آمدنی اور پیداوار کا حساب رکھنا ضروری ہے ہر شخص اپنے حصہ کے موافق لے سکتا ہے اس سے زائد لینا جائز نہیں اور ان میں تعدی کرنا حرام ہے۔

اسی طرح اشیاء مستعملہ میں جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کے استعمال کا اثر متفاوت ہے یعنی بعض کے استعمال سے چیز خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے اور بعض سے نہیں جیسے سواری کا جانور تو ایسی مشترکہ چیزوں کا استعمال بھی جائز نہیں البتہ جو اشیاء ایسی نہیں بلکہ سب کا استعمال اس میں یکساں ہوتا ہے مثلاً مکان میں رہنا اور ایسے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا جس کے استعمال کا اثر یکساں ہو ان میں گنجائش ہے ہر شریک ان کو پورا پورا استعمال کرے یا اپنے حصہ کے برابر یا زائد۔

اصل حکم یہی ہے لیکن اس کی حدود کی حفاظت اور پھر اس میں عدل کرنا چونکہ عادۃً مشکل ہے اس لئے اب یہی ضروری ہے کہ تقسیم کرکے ہر ایک کا حصہ ممتاز کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے حصہ کو استعمال کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ از تھانہ بھون۔ ۷ رمضان ۵۰ ہجری۔

اولاد میں مساوات کرنے یا نہ کرنے کی تفصیل

(سوال ۷۱۷) زید کے خاندان میں اس کی زوجہ ہندہ اور اس کی دو دختر کبریٰ وصغریٰ اور زید کے دو داماد کبیر و صغیر اور تین فرزند اکبر واوسط واصغر ہیں زید نے اپنی دختر صغریٰ کا عقد صغیر سے کیا اور عقد سے پہلے صغیر سے یہ وعدہ کیا کہ میں تمہیں تجارت کرادوں گا اس لئے تم اپنی ملازمت ترک کرکے پردیس سے میرے شہر میں پہلے آؤ چنانچہ صغیر آگیا اور زید نے اسے بطور مضاربت کے تجارت کرادی اگرچہ صغیر نے مضاربت کو وعدہ منافی پر محمول کرکے اعتراض بھی کیا مگر زید نے یہ جواب دیا کہ چونکہ تم یہاں اجنبی ہو پہلے تمہارے کارکنوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے میرا نام رہنا ضروری ہے اس پر صغیر خاموش ہو گیا اور تجارت جاری کردی عرصہ دراز تک تجارت جاری رہی پھر کام بگڑنے لگا اور نقصان ہونے لگا تو زید نے صغیر سے کہا کہ تم اپنے خرچ کے لئے اسی سرمائے میں سے بطور قرض لے لیا کرو اس کے بعد صغیر نے یہ درخواست کی کہ پورا سرمایا مجھ کو قرض دے دیا جائے میں اس سے اپنی گزر بھی کروں گا اور سالانہ قسط کرکے زید کا قرض بھی ادا کروں گا زید نے اس کو منظور نہ کیا پھر جب سرمایہ قریب الختتم ہو گیا تو صغیر نے پھر دوسرے کام کے لئے اور جگہ جانے کی اجازت چاہی مگر زید راضی نہ ہوا پھر ایک عرصہ کے بعد جب سرمایہ سے بھی گزر نہ ہو سکا تو زید نے صغیر کو بتلاش روزگار دوسری جگہ جانے کی اجازت دیدی صورت بالا میں بتایا جائے کہ صغیر زید کی رقم کی ادائیگی کا کہاں تک ذمہ دار ہے اور پھر ذمہ دار ہے تو صرف سرمایہ کا یا جو نفع ہوا تھا اس میں حصہ زید کے نفع کا بھی۔

(۲) کبیر جو زید کا داماد ہے وہ ڈاکٹر ہے اور کبریٰ کا شوہر ہے اور وہ زید اور اس کے پورے خاندان کا علاج کرتا ہے نہ فیس لیتا ہے نہ دوا کی قیمت کبیر کو ایک زمین کی ضرورت تھی تو زید نے اپنی زمین اسے دی اور اپنے خاندان پر یہ

ظاہر کیا کہ چونکہ کبیر کی دوا و فیس کے احسانات بہت ہیں اس لئے میں یہ تقاضائے غیرت ان کا بدل کرتا ہوں پھر زید نے ہبہ زمین اپنی دختر کبریٰ کے حق میں لکھا اور اس میں اس زبانی مضمون کا تذکرہ نہیں کیا کچھ عرصہ کے بعد زید کو خیال پیدا ہوا کہ میں اپنے لڑکوں کو کچھ دوں اور لڑکیوں کو اس لئے نہ دوں کہ کبریٰ کو زمین دیدی اور صغریٰ کے شوہر صغیر کو تجارت کرادی آیا اس صورت میں کبریٰ کے حصہ میں زمین موہوبہ وضع کی جاسکتی ہے اور صغریٰ کے حصہ میں فنا شدہ سرمایہ جب کہ صغریٰ اس کا حوالہ بھی قبول کرنے پر تیار نہ ہو محسوب ہو سکتا ہے۔ (۳) زید نے دو لڑکیوں اور لڑکے کی شادی بھی کردی اور اس میں اس نے حیثیت کے مطابق لڑکیوں کو جہیز اور بہو کو چڑھاوا بھی چڑھایا اب زید شادی کے تمام اخراجات کو جو دعوت و مہمان داری وغیرہ شامل ہیں جوڑتا ہے اور دوسرے لڑکوں کے لئے اتنی ہی رقم محفوظ کرکے انہیں دینا چاہتا ہے آیا اس صورت میں جب کہ کثیر رقم مہمانداری میں اور ضیافت و کرایہ سواری میں صرف ہوئی وہ سب لڑکیوں اور لڑکوں کے حق میں جوڑ کے ان کے حساب میں وضع کی جائے گی یا صرف جہیز اور بہو کے چڑھاوے مہر کی رقم جوڑی جائے گی اور اتنی ہی اتنی حساب سے غیر شادی شدہ لڑکوں کو بھی دینا ہوگی۔؟

(۴) کیا صاحب اولاد کو اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ہوتے ہوئے اپنا مال کسی اور کو دیدے۔

(۵) کیا صاحب اولاد کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا مال اپنی اولاد میں سے جس پر چاہے جتنا صرف کردے اور جس کو چاہے جتنا دے یا اسے سب کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنا ہوگا۔

(۶) بالغ اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو والدین کو لڑکیوں اور لڑکوں میں تقسیم مال میں کمی بیشی کرنیکا حق ہے یا دونوں صنفوں کا مساوی حق ہے۔

(۷) والدین اپنی زندگی میں اگر کوئی چیز خواہ روپیہ پیسہ خواہ زیور کپڑا خواہ اور کوئی کھانے پینے کی چیز ان کی کسی ایک اولاد کو دیں تو آیا اتنا ہی دوسری اولاد کو بھی دینا واجب ہے یا نہیں اور پھر اس میں لڑکی اور لڑکے کے حق و حصہ میں فرق ہے یا دونوں مساوی ہیں۔

(۸) آیا جس قدر روپیہ لڑکوں کی انگریزی تعلیم پر صرف ہوتا یا انہیں صرف کرنے کے لئے دیدیا جاتا ہے وہ تنہا لڑکوں ہی کا حق ہے آیا اتنا ہی لڑکیوں کو بھی دینا واجب ہوگا۔

(۹) اگر کسی کے پاس اتنا روپیہ نہ ہو کہ وہ جتنا ایک لڑکے کی تعلیم پر خرچ کرے اتنا ہی اتنا اور لڑکے لڑکیوں کو بھی دے تو اس صورت میں اسے یہ جائز ہوگا کہ وہ اپنے اور لڑکوں لڑکیوں کو کچھ نہ دے اور صرف ایک یا چند کی تعلیم پر خرچ کرے بقیہ کو محروم کردے یا صرف لڑکوں کو دیدے یا خرچ کردے اور لڑکیوں کو کچھ نہ دے یا بقیہ میں سے بقدر گنجائش دیدے یا اس پر یہ واجب ہوگا کہ وہ جتنا ایک یا چند پر خرچ کرنا یا انہیں دینا چاہے پہلے یہ اندازہ کرے کہ آیا میں اس قدر سب کو دے سکتا ہوں یا نہیں اگر نہ کرسکے تو ایک کو بھی اتنی ہی انگریزی تعلیم دلائے جو اس کے اسلامی حصہ میں آتی ہو۔

(۱۰) جس طرح دو بیویاں ہوں ان میں لین دین میں عدل تساوی اور یکساں برتاؤ واجب ہے اسی طرح اولاد میں بھی بلا تفریق ذکور اناث یکساں برتاؤ کرنا واجب ہے یا نہیں۔

(١١) کیازندگی میں والدین پر لڑکی اور لڑکے کا برابر حق ہے یا کچھ کم وبیش اور اگر کم وبیش ہے تو علی الاطلاق یا کچھ شرائط کے ساتھ۔
(١٢) وہ کونسی صورتیں ہیں جن میں والدین کے اپنے کسی لڑکے یا لڑکی کو اپنی دوسری اولاد سے زائد دینے کا حق حاصل ہے۔
(١٣) آیا بالغ اولاد کے حاجت مند ہوتے ہوئے والدین کو یہ حق ہے کہ وہ ان کے حوائج پورے نہ کریں اور دوسرے امور دنیا پر اپنا روپیہ صرف کریں یا اغیار کو دیں۔؟
(الجواب) جب کہ معاملہ مضاربت کا ٹھیر گیا تو حکم اس کا یہی ہے کہ دونوں نفع و نقصان میں حسب حصہ شریک ہوں گے اور نقصانات کو وضع کرنے کے بعد جو نفع ہوا اس کا حصہ مع اصل راس المال کے صغیر کے ذمہ واجب ہے۔واللہ اعلم
(٢) کبرٰی کے شوہر کبیر کو جو زمین دی گئی ہے چونکہ بعوض اس کی حق الخدمت اور قیمت ادویہ وغیرہ کے دی گئی ہے اس لئے اب اس کو کبرٰی کے حساب میں مجری دینا صحیح نہیں البتہ صغرٰی کے حصہ میں وہ روپیہ جو بذمہ صغیر عقد مضاربت کے سلسلہ میں واجب ہو چکا ہے مجری دینا مضائقہ نہیں کیونکہ عادۃ عامہ کے اعتبار پر داماد کو کوئی چیز دینا لڑکی ہی کو دینا سمجھا جاتا ہے اور در حقیقت اسی کو دینا مقصود ہوتا ہے۔
(٣) صرف جہیز اور بہو کے چڑھاوے کی رقم جوڑی جائے گی باقی اخراجات شادی نہ جوڑے جائیں گے کیونکہ وہ ان لڑکوں اور لڑکیوں کی ملک ہی نہیں ہوئی۔
(٤) جائز ہے لیکن اگر اولاد محتاج ہے اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کرتا ہے تو گناہ گار ہوگا لیکن بہر حال ہبہ صحیح ہو جائے گا۔ قال علیه الصلوٰة والسلام من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة (مشکوٰة باب الوصیة)
(٥) مساوات واجب ہے اگر دوسری اولاد کو نقصان پہنچانے کی نیت سے ایک بیٹے یا بیٹی کو پورا یا زیادہ مال دیدے تو گناہ گار ہوگا۔ قال فی الخلاصة ولو وهب جمیع ماله لابنه جاز فی القضاء وهو اثم نص محمد هكذا فی العیون ولواعطی بعض ولده شیئاً دون بعضه لرشده لاباس به دان کانا سواءً لا ینبغی ان یفضل خلاصة الفتاوی صفحه ٤٠١ ج ٤

وفی الدر المختار لاباس بتفصیل بعض الاولاد فی المحبة لا نها عمل القلب وكذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصد یسوی بینهم (شامی صفحہ ٥٦٤ ج ٤) اس عبارت کے خلاصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اولاد میں سے کوئی شخص زیادہ سعید اور خدمت گزار ہو تو اس کو زیادہ دیدینا بھی جائز ہے۔
(٦) صحیح یہ ہے کہ دونوں صنفوں کا حق حالت حیات میں مساوی ہے البتہ بعد الوفات تقسیم میراث میں لڑکی کا حق لڑکے سے نصف ہے۔ لمافی الدر المختار یعطی البنت كالا بن عندالثانی و علیه الفتوی (اقرہ الشامی صفحہ ٥٦٤ ج ٤) مساوات کا خیال رکھنا بہتر ہے لیکن ایسی معمولی چیزوں مین اگر کچھ فرق بھی ہو جائے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ قصداً دوسروں کو نقصان پہنچانے کی نیت نہ ہو جیسا کہ عبارت در مختار مندرجہ نمبر ٥ سے معلوم

ہوا۔ (۸) جس قدر روپیہ لڑکوں کی تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے عادۃً وہ ان کی ملک نہیں کیا جاتا اس لئے اس روپیہ کی مقدار لڑکیوں کو دینا ضروری نہیں (۹) نمبر ۸ میں اس کا جواب گزر چکا (۱۰) واجب ہے جیسا کہ عبارۃ خلاصہ در مختار نمبر ۵ سے واضح ہوا لیکن اتنا فرق ہے کہ اولاد میں زیادہ سعید و نیک اور خدمت گزار لڑکے کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ دینا بھی جائز ہے اور بیویوں میں ایسی حالت میں بھی فرق کرنا جائز نہیں (۱۱) نمبر ۲ میں جواب گزر گیا کہ برابر ہے (۱۲) جب کہ ایک لڑکا زیادہ نیک یا زیادہ خدمت گزار ہو تو اس کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ دینا جائز ہے صرح به فی الخلاصه (۱۳) اگر بالغ اولاد محتاج اور قابل کسب نہ ہوں تو اس کو جائز ہے بشرطیکہ غرض اولاد کو نقصان پہنچانا نہ ہو اور اگر مضرت پہنچانے کے قصد سے خرچ کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

جانور بطور شرکت پالنا

(سوال ۷۱۸) ایک شخص نے بکری یا گائے خرید کر زید کو پالنے کے واسطے دیدی اور شرط یہ کرلی کہ دودھ سب تمہارا ہے اور بچوں کی قیمت جو طے ہو ہماری ہے یا اس طرح کہا کہ بچے تمہارے ہیں اور دودھ ہمارا ہے اس قسم کی شرط لگانا فاسد ہے یا جائز۔؟

(الجواب) اس صورت میں بچے اور دودھ سب مالک کا ہے اور پالنے والے کو اجرت مثل دی جائے گی کیونکہ یہ اجارہ فاسد ہے اور اجارہ فاسد میں کام کرنے والے کو اجر مثل ملتا ہے۔

کتاب البیوع
فصل فی البیع الفاسد و الباطل
(بیع فاسد اور باطل کا بیان)

مجنون کی بیع کا حکم

(سوال ۷۱۹) محمد صادق علی خان کو دورہ جنون تھا بعض اوقات تین چار روز تک صحیح العقل رہتے تھے قدرے فتور اس حالت میں بھی رہتا تھا اور دورہ کے وقت قطعی مخبوط الحواس ہوتے تھے چند آدمیوں کے سامنے انہوں نے صحیح حالت میں یہ تاکید کی کہ لڑکیوں کا حق نہ مارنا ان کی دو لڑکیاں ایک لڑکا موجود ہے لڑکے نے ان سے کل جائیداد کا بیعنامہ کر لیا ہے صحیح ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ بیع نامہ اگر بحالت جنون کیا ہے تو بیع صحیح و نافذ نہیں ہوئی لہذا لڑکیاں بھی اس جائیداد میں حسب حصہ شرعیہ شریک ہیں اور اگر بحالت صحت کیا ہے اور اس حالت میں بھی اس کی عقل میں کچھ فتور رہتا تھا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ بیع نامہ ولی کی اجازت پر موقوف ہے اگر ولی نے بوقت معاملہ اس بیع نامہ کو نافذ رکھا تو نافذ ہو جائے گا بشرطیکہ اس میں غبن فاحش نہ ہو ورنہ نہیں ولی مجنون کے لئے اس کا باپ ہے یا جس کو اس کے باپ نے وصیت کی ہو پھر دادا پھر اس کا وصی اور یہ کچھ نہ ہو تو پھر حاکم اسلام اس کا ولی ہے بیٹے کو اس بارے میں ولی نہیں قرار دیا گیا ہے۔

الغرض اگر حالت مذکورہ میں بیع نامہ کیا ہے اور اس کے ولی نے بھی اجازت دے دی تو بیع نامہ صحیح ہو گیا جائیداد میں لڑکیوں کا حصہ نہ رہا البتہ جس قیمت پر بیع نامہ کیا گیا ہے اگر وہ قیمت اس نے مجنون یا اس کے ولی کے سپرد نہیں کی تو اس قیمت کا مطالبہ لڑکیاں اپنے اپنے حصہ کے مطابق کر سکتی ہیں اور عبارت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے نے فقط بیع نامہ لکھوالیا تھا قیمت وغیرہ نہ دی تھی کیونکہ وہ لڑکیوں کے حق کو ثابت تسلیم کرتا ہے۔

والدلیل علیه مافی الدر المختار باب الماذون و تصرف الصبی و المعتوه الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعاً محضاً کالاسلام والا تهاب صح بلا اذن وان کان ضاراً کالطلاق والعتاق والصدقة والقرض لا. وان به ولیهما وما تردد بین النفع والضرر کالبیع والشراء توقف علی الاذن انتهٰی ثم قال بعد ذلك و ولیه ابوه ثم وصیه ووصی وصیه ثم جده ثم وصیه ثم وصی وصیه. والله اعلم.

خودرو گھاس کی بیع

(سوال ۷۲۰) مالک زمین کے لئے اپنی گھاس کو جو کہ ماء سماء سے پیدا ہو کر نشو نما پائی ہے اور کاٹ کر جمع کر لینے اور سینچ لینے سے پہلے کھڑی ہے گھاس کی خرید و فروخت کرنا اور غیر کو کاٹ کر لے جانے سے منع

کرنا شریعت اجازت دیتی ہے یا نہیں اور اس زمین کا سرکار محصول بھی لیتی ہو اور مالک زمین گھاس کی حفاظت کے لئے احاطہ کرتا ہو اور خود یا غیر کو وظیفہ دیکر شب و روز نگراں بناتا ہو غرضیکہ وہ اس قسم کی حفاظت ماسوا قطع کے کرتا ہو اب گھاس کی خرید و فروخت کرنا یا غیر کو قطع سے منع کرنا کیا حکم اسلام ہے۔؟

(الجواب) جو گھاس آسمانی پانی سے خود بخود پیدا ہوئی ہے وہ کاٹنے سے پہلے مالک زمین کی ملک نہیں اور اس کو جائز نہیں کہ لوگوں کو اس کے کاٹنے سے منع کرے یا کسی نوکر کے ذریعہ اس کی حفاظت کرائے اور کاٹنے سے روکے اور جب اس کی ملک نہیں تو بیع بھی جائز نہیں البتہ کاٹنے کے بعد بیع کر سکتا ہے اور یہ صورت بھی کر سکتا ہے کہ زمین ہی کو خیمہ لگانے یا اور کسی کام کے لئے اجارہ پر دیدے اور جس قدر قیمت گھاس کی یہ لینا چاہتا ہے اسی قدر بطور اجرت زمین کے وصول کرے۔ **قال فی الدر المختار فی البیوع الفاسدة و بیع المراعی ای الکلاء و اجارتها. اما بطلان بیعها فلعدم الملك لحدیث الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء و الکلاء و النار ثم قال و حیلة ان یستاجر الارض لضرب فسطاطه او لا یقاف دوابه او لمنفعة اخریٰ (از شامی صفحه ۱۲۲ ج ٤)**

چڑھاوے کا جانور خریدنا

(سوال ۷۲۱) از فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۲۸ مطبوعہ شمس المطابع مراد آباد۔ سوال نذر لغیر اللہ یعنی مرغا بکرا وغیرہ جو کسی تھان یا کسی قبر یا نشان اور جھنڈے وغیرہ پر چڑھایا گیا ہو اگر وہاں کے خادم یا مجاورہ وغیرہ کسی کے ہاتھ بیع کریں تو خریدنا اس کا اور صرف میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) جو مرغ و بکرا وکھانا کفار اپنے معابد پر چڑھاتے ہیں اور کافر مجاور لیتا ہے تو اس کا خریدنا درست ہے کہ کافر مالک ہو جاتا ہے اور جو مسلمان مجاور ایسی چیز لیتا ہے وہ مالک نہیں ہوتا اس کا خریدنا درست نہیں اور یہ سب جواب اس حالت میں ہے کہ علم ہو اس کے چڑھاوا ہونے کا اور بدون علم کے تو مباح ہوتا ہے۔

از فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۵۱ مطبوعہ مراد آباد سوال۔ مندر کا چڑھاوا اس کے پجاری سے خرید کرنا اور قبر کا چڑھاوا مجاور سے خریدنا درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) مندر کی چڑھی ہوئی شے خریدنا حرام ہے اور ایسے ہی قبر کی چڑھی ہوئی ان ہر دو فتووں میں کونسا صحیح ہے۔؟

(الجواب) دونوں جوابوں میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایسے جانور کا خریدنا تو مطلقاً گناہ ہے خواہ ہندو پجاری سے خریدیں یا مسلمان مجاور سے جیسا کہ حصہ سوم کی عبارت کا مقتضا ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ کافر سے جو خریدا گیا ہے وہ آجائیگا اور بیع تام ہو جائیگی اگر چہ فعل کا گناہ اس کے ذمہ رہے گا اور مسلمان مجاور سے خریدا ہے وہ اس کی ملک ہی میں نہ آوے گا اور نہ بیع تام ہو گی اور نہ اس کو اس کے اندر تصرفات بیع و شراء کا اختیار ہو گا یہی مراد ہے عبارت فتاویٰ رشیدیہ اول کی اس طرح دونوں جوابوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بردہ فروشی

(سوال ۷۲۲) ہندوستان میں مسئلہ بردہ فروشی وداشتن کنیز کیوں جائز نہیں بلکہ اسلام کا حکم ہے۔؟

(الجواب) شرعاً تو جائز ہے ہندوستان ہو یا عرب، قانون انگریزی کے ممانعت کی وجہ سے مثل دیگر احکام کے نافذ نہیں ہوتا البتہ ایک دوسری وجہ بھی ہے وہ یہ کہ آج کل عموماً جن عورتوں اور مردوں کو بردہ بنا کر فروخت کیا جاتا ہے وہ اکثر آزاد ہوتے ہیں ظلماً گرفتار کر کے بیچتے ہیں جن کا فروخت کرنا اور خریدنا دونوں حرام ہیں اور اس میں ہندوستان کی خصوصیت نہیں۔ آج کل عرب میں بھی جو فروخت ہوتے ہیں ان کا خریدنا احتیاط[1] کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک فصل میں غلہ ادھار دیکر دوسری فصل میں قیمت لینا

(سوال ۷۲۳) زید نے اپنا غلہ فروخت کیا مگر فی الحال خریدنے والوں کو غلہ دیدیا اور ان سے کہا کہ فلاں ماہ میں جو نرخ ہوگا اس نرخ پر روپیہ ادا کرنا یہ بیع جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) یہ بیع بوجہ جہالت ثمن جائز نہیں۔ قال الشامی تحت مطلب یعتبر الثمن فی مکان العقد وزمنه و کما یعتبر مکان العقد یعتبر زمانه ایضاً الیٰ قوله فلایعتبر زمان الایفاء لان القیمة فیه مجهولة وقت العقد وفی البحر عن شرح المجمع لو باعه الی اجل معین وشرط ان یعطیه المشتری ای نقد الذی یروج یومئذ کان البیع فاسداً (شامی کتاب البیوع ص/۲۸ ج/٤)

مردار جانور کی کھال کی فروخت کب جائز ہے کب نہیں ؟

(سوال ٤ ۷۲) ہمارے یہاں چرم کی تجارت نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی ہے ہمارے اقارب واطراف کے بیشتر مسلمان وغیر مسلمان اس تجارت کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان چمڑوں میں اکثر مرداری چمڑے بھی ہوتے ہیں۔ تقریباً پچاس فیصد غیر دباغت شدہ ہوتے ہیں انہیں لوگوں سے ہمارا لین دین اور معاملات ہیں جس سے بچنا دشوار ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ دباغت کی حد کیا ہے۔ آیا غیر دباغت شدہ چمڑے کو خرید کر اس کو دباغت دے کر فروخت کرنے کی صورت میں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا و توجروا۔

(الجواب) دباغت کے لئے دھوپ میں خشک کرلینا بھی کافی ہے۔ نمک یا چونہ وغیرہ لگا کر خشک کردینا بھی دباغت کے حکم میں ہے اور جملہ احکام بیع وشراء وغیرہ میں مطلق دباغت کافی ہے خواہ حقیقی ہو (یعنی بذریعہ ازالہ رطوبات نجسہ) یا حکمی ہو (یعنی رطوبات نجسہ کو دھوپ وغیرہ میں خشک کر کے) درمختار وشامی کتاب الطہارت میں ہے۔

کل اهاب دبغ ولو بشمس طهر اه قال الشامی ولو بشمس ای نحوه من الدباغ

---

(۱) آجکل عرب میں بھی بردہ فروشی نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی غلام باندی وہاں بھی نہیں ہیں۔ محمد عاشق الٰہی۔

الحکمی واشار به الی خلاف الامام الشافعیؒ والی انه لا فرق بین نوع الدباغة فی سائر الاحکام انتهی. وقد صرح فی بیوع الدر وعامة المتون والفتاوی بجواز المیتة بعد الدباغ مطلقاً اھ.

پس اگر یہ کھالیں خشک کرنے کے بعد فروخت کی جاتی ہیں تو حکمی دباغت ہو چکی ان کی خرید وفروخت جائز ہو گئی البتہ خشک کرنے سے پہلے خرید وفروخت جائز نہیں سو اس کا انتظام کچھ دشوار ہو تو دوبارہ استفسار کر لیا جاوے کوئی دوسری صورت لکھی جاوے گی۔ ۱۹ ایوم ۶۴ ہجری (اضافہ)

لومڑی کی کھال کی خرید وفروخت

(سوال ۷۲۵) لومڑی کی کھال کی بیع وشراء مسلمانوں کے لئے حلال ہے یا حرام بعض لوگ منع کرتے ہیں صحیح کیا ہے۔؟

(الجواب) اگر لومڑی کو ذبح کر کے اس کی کھال لی گئی ہے یا مردہ لومڑی کی کھال لے کر اس کی دباغت کر لی گئی ہے تو بیع وشراء اور استعمال اس کا سب جائز ہیں البتہ مردہ لومڑی کی کھال دباغت دینے سے پہلے نہ اس کی بیع وشراء جائز ہے نہ استعمال دلیل اس کی در مختار شامی کی عبارت ذیل ہے۔

وبعده ای بعد الدبغ یباع الا جلد الانسان والخنزیر اھ (باب البیع الفاسد) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان اور خنزیر کے علاوہ ہر کھال دباغت سے پاک اور قابل بیع وشراء واستعمال ہو جاتی ہے لومڑی بھی اس میں داخل ہے۔ واللہ اعلم (اضافہ)

دارالحرب میں کافر سے باطل کر لی تو تقابض کے بعد آگے خرید وفروخت جائز ہے

(سوال ۷۲۶) اگر کوئی شخص کسی ہندو مالک باغ سے کہہ کر کے وقت آم خریدے تو اس باغ کے آم خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی تتمہ جلد ثالث ۱۶۶ میں جائز لکھا ہے البتہ مسلمان مالک باغ سے خریدے ہوئے آم کھانا ناجائز لکھا ہے اگر یہ صحیح ہے تو وجہ فرق دونوں میں کیا ہے۔؟

(الجواب) وجہ فرق یہ ہے کہ جب مالک مسلمان ہے اور اس نے بیع باطل کی تو مبیع مالک بائع سے خارج اور ملک مشتری میں داخل نہیں ہوئی آگے مشتری سے خریدنے والوں کے لئے کیسے حلال ہو یہی وجہ ہے کہ مسلمان سے خریدنے والا کافر ہو یا مسلمان دونوں حالت میں اس میں برابر ناجائز ہیں اور جب مالک باغ کافر ہے اس سے کسی مسلمان یا کافر نے بیع باطل کر لی تو دارالحرب میں علی اقوال الطرفین یہ بیع نافذ ہے بیع ملک بائع سے خارج ہو کر ملک مشتری داخل ہو گئی اب اس سے دوسرے مسلمان خرید لیں تو ان کے لئے گنجائش ہے گو امام ابی یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی درست نہیں۔ واللہ اعلم (اضافہ)

حق تصنیف وغیرہ (رائلٹی) کو رجسٹرڈ کرانا اور اس کی خرید وفروخت

(سوال ۷۲۷) مصنفین اپنی کتابوں کو رجسٹرڈ کراتے ہیں تاکہ کوئی دوسرا ان کو شائع نہ کر سکے شرعاً یہ

رجسٹری جائز ہے یا نہیں۔؟
(۲) اس حق تصنیف یا حق ایجاد کی بیع وشراء کا کیا حکم ہے۔؟
(الجواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اپنی کسی تصنیف یا ایجاد کو رجسٹرڈ کرا کر دوسروں کو اس کی اشاعت یا صنعت سے روکنا جائز نہیں وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی مباح تصرف سے روکنے کی دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اس کا یہ تصرف کسی غیر کی ملک میں بلا اس کی اجازت کے ہو دوسرے یہ کہ اس تصرف سے کسی شخص یا جماعت کا ضرر ہوتا ہو اور مسئلہ زیر بحث میں یہ دونوں وجہ مفقود ہیں اول تو اس لئے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا یا ایجاد کو بنانے والا مصنف یا موجد کی کسی ملک میں تصرف نہیں کرتا بلکہ کتابت خود کراتا ہے کاغذ خود مہیا کرتا ہے طباعت وغیرہ کی اجرت خود دیتا ہے اور نقل کرنے کے لئے جو کتاب لیتا ہے وہ بھی خرید کر یا کسی دوسرے مباح طریقہ سے رہا حق تصنیف سو نہ وہ کوئی مال ہے نہ ملکیت کی صلاحیت رکھتا ہے البتہ موجودہ دور کی حکومت نے جس طرح اور بہت سی ناحق چیزوں کا نام حق رکھ دیا ہے اس میں یہ حق تصنیف وایجاد بھی داخل ہے اور وجہ ثانی اس لئے مفقود ہے کہ تصنیف کو شائع کرنے والا مصنف کو یا کسی دوسرے شخص کو شائع کرنے سے نہیں روکتا جو موجب ضرر ہو۔

البتہ دوسری جگہ شائع ہو جانے سے مصنف یا موجد کی گران فروشی کے غلو کا انسداد ہوتا ہے کہ اس کی من مانی منفعت پر لوگ مجبور نہیں ہو سکتے سو اول تو یہ ضرر نہیں عدم النفع بلکہ تقلیل النفع ہے اور ضرر اور عدم نفع میں فرق ظاہر ہے مبسوط شمس الائمہ کتاب السیر والجہاد میں اس کی تصریح ہے اور حکم مذکور ہے کہ کسی دوسرے کے ضرر کا سبب بننا جائز نہیں لیکن اگر ہمارے اپنے کام سے کسی دوسرے کے نفع میں فرق پڑتا ہو اس کی اجازت ہے اگر بازار میں ایک چیز کی متعدد دوکانیں ہو جانے سے کسی کا نفع کم ہو جائے یا بالکل نہ رہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دوسرے دکانداروں نے اس کو ضرر پہنچایا لہذا دوسروں پر حجر وممانعت کی کوئی شرعی یا عقلی وجہ نہیں ہے علاوہ ازیں مصنف یا موجد کا یہ قصد کہ دوسرے اس کو نہ چھاپیں صرف اس لئے ہو سکتا ہے کہ معتاد نفع جو عام تاجر رکھتے ہیں اس سے زائد نفع مقرر کر سکے یا کم از کم یہ کہ اس چیز کی بیع و شراء کا پورا نفع صرف اس کو ملے دوسرے لوگ اس جائز نفع سے محروم رہیں سو یہ خود عامۃ الناس کا ضرر اور بجائے دوسروں پر ممانعت عائد ہونے کے اس پر موجب ہے کیونکہ جس شخصی نفع سے عامۃ الناس کا ضرر ہو شریعت اس نفع کی اجازت نہیں دیتی احادیث صحیحہ میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں مثلاً صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ **نھی رسول اللہ ﷺ ان تتلقی الرکبان وان یبیع حاضر لباد** یعنی آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ غلہ کو شہر میں آنے سے پہلے دیہات ومزارع پر جاکر خرید لیا جائے یا کوئی شہر والا گاؤں والوں کا دلال بن کر ان کا مال فروخت کرے کیونکہ اس صورت میں غلہ ایک شخص یا چند اشخاص کے قبضہ میں آجاتا ہے اور جو نرخ وہ رکھنا چاہیں عوام کو اس کی پابندی ناگزیر ہو جاتی ہے اور خود گاؤں والا شہر لا کر جس طرح ارزاں فروخت کرتا وہ ارزانی بند ہو جاتی ہے جس سے عوام کا

ضرر لازم آتا ہے اس طرح دیہات کے لوگ جلد سے جلد اپنا مال فروخت کر کے اپنے گھروں کو واپس ہونے کی فکر میں عموماً مال کو ارزاں فروخت کر جاتے ہیں اگر کوئی شہر والا ان کا دلال بن جائے جیسے آج کل عموماً آڈٹ کا کاروبار جاری ہے تو دیہات کے لوگ بھی اپنا مال گراں فروخت کریں گے جو ضرر عامہ کو مستلزم ہے اس لئے حدیث مذکور میں اس کی بھی ممانعت فرمادی گئی اسی طرح احتکار غلہ کی ممانعت احادیث صحیح میں وارد ہے یعنی غلہ کو خرید کر بند کر دیا جائے کہ گرانی کے وقت فروخت کریں گے یہ بھی بوجہ ضرر عامہ کے جائز نہیں ہے حالانکہ یہ تمام تصرفات اپنی ملک میں ہیں اس کے باوجود بھی شریعت نے اس کا کسی کو اختیار نہیں دیا پھر ایسی چیز جس سے اس کو ملکیت کا بھی تعلق نہ ہو اور وہ سبب ہو ضرر عامہ کا اس کا کس طرح تحمل کیا جاسکتا ہے اور کس طرح جائز سمجھا جاسکتا ہے جیسے تصنیف وایجاد کی رجسٹری میں ہے کہ دوسرا شخص اپنی ملک میں تصرف کرنا چاہتا ہے مصنف وموجد مانع ہوتے ہیں حضرات فقہاء نے قرآن وحدیث سے استنباط کر کے ایک مستقل ضابطہ اس کا بنادیا ہے جو اشباہ ونظائر میں بعنوان **الضرر یزال** مذکور ہے اور اس کی بہت سی نظائر اس میں نقل کی گئی ہیں۔

الغرض ضرر عامہ کے ازالہ کے لئے بعض اوقات شخصی ضرر بھی شرعاً گوارا کر لیا جاتا ہے چنانچہ ضرورت کے وقت حاکم شرع کو اختیار ہو جاتا ہے کہ ضروری اشیاء کے نرخ مقرر کر دے جس سے زائد قیمت پر فروخت کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو (الاشباہ والنظائر) تو وہ ضرر عام جس کے ازالہ میں کسی کا ضرر نہیں بلکہ عدم النفع بھی نہیں صرف تقلیل نفع ہے اور وہ کمی بھی محض موہوم یعنی اپنے خیالی نفع سے کمی تو ظاہر ہے کہ ایسے ضرر عام کو شریعت اسلامیہ کس طرح باقی رکھ سکتی ہے۔

اور اگر غور سے دیکھا جائے تو دور حاضر کی عالمگیر بے چینی واضطراب کہ اس میں نہ کوئی فقیر وغریب مطمئن نظر آتا ہے نہ امیر وکبیر اور تحصیل مال کے لئے ہزاروں جائز وناجائز طریقے ہر روز ایجاد ہوتے ہیں اس کا بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جن ذرائع آمدنی کو وقف عام کیا تھا اور وہ عامۃ الناس کا حق مشترک تھے ان کو سرمایہ پرست حکومتوں اور ان کے اعوان وانصار نے یا خود قبضہ بنالیا اور یا ان کو تجارت کی منڈی بنادیا کہ جو ان کو ٹیکس ادا کرے وہ اس کا مالک ہے یہیں سے سرمایہ دار اور مزدور کی جنگ شروع ہوئی اور اشتراکیت کا خلاف فطرت جنون رد عمل کے لئے میدان میں آیا جس سے دوسری قسم کی آفات پیدا ہو گئی اور یقین ہے کہ جب تک اسلام کے سیدھے اور صاف ومعتدل اقتصادی نظام کو اختیار نہ کیا جاوے گا کبھی یہ اضطراب رفع نہیں ہو سکتا اور امن عامہ حاصل نہیں ہو سکتا اور حاصل اس نظام کا یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ نے وقف عام کر دی ہیں ان کو شخصی تغلبات سے نکالا جائے اور جو چیزیں مملوک ملک خاص ہیں غیر مالک کو ان کی طرف نظر طمع نہ اٹھانے دیجاوے مثلاً دریا اور اس میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات پہاڑ اور اس میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء جنگلات اور قدرتی چشمے اور ان سے حاصل ہونے والی تمام چیزیں آزاد کر دیجاویں تصنیف وایجاد کا ناحق حق ختم کر کے ہر محنت کرنے والے اور روپیہ لگانے والے کو نفع اٹھانے کا موقع دیا جاوے یہی وہ معتدل اقتصادی نظام ہے جو امن عامہ کا کفیل ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ

درحقیقت حق تصنیف وایجاد کوئی ایسی چیز نہیں جو مملوک ملک خاص ہو سکے ایک شخص ایک کتاب یا کوئی نئی ایجاد دیکھ کر اپنی ملک اور اپنی محنت سے اس کی نقل اتارے تو اس کو روکنا امر مباح کو روکنا ہے جس کا وہ شخص حق دار تھا اور ظاہر ہے کہ یہ روکنا ظلم ناروا ہے۔

(تنبیہ) بعض حضرات یہ عذر کرتے ہیں کہ رجسٹری کرانے میں مصلحت یہ ہے کہ تاجر عموماً تجارتی نفع کی خاطر تصنیف کو غلط اور مسخ کر کے چھاپ دیتے ہیں جس سے مصنف کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مصنف کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ اس طرح مسخ و محرف کر کے چھاپنے والے پر دعوی کرے کہ اس نے میری طرف ایسی چیز کو منسوب کیا ہے جو فی الواقع میری نہیں اس لئے اس کو یا طباعت سے ممنوع قرار دیا جائے اور یا آئندہ احتیاط پر مجبور کیا جاوے لیکن عامۃ اشاعت کی ممانعت کا شرعاً کوئی حق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اور جب معلوم ہو گیا کہ اپنی تصنیف یا ایجاد کو اپنے لئے مخصوص کرنے کا مصنف یا موجد کو کوئی حق نہیں ہے تو خرید و فروخت کس چیز کی کی جائے اور اگر بالفرض اس کو حق تسلیم بھی کر لیا جائے تو حق مجرد کی خرید و فروخت بھی شرعاً جائز نہیں کیونکہ خرید و فروخت کے لئے مال ہونا شرط ہے اور حق مجرد کوئی بھی مال نہیں ہوتا اگرچہ ذریعہ مال بن سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

فصل في انواع البيع المختلفة
(بیع کی مختلف اقسام)

پیسوں کی بیع سلم جائز ہے

(سوال ۷۲۸) بیع سلم در فلوس نافقہ جائز است یا نہ؟

(الجواب) صحیح مختار ہمیں است کہ بیع سلم در فلوس جائز است امانز د شیخین پس خفائی نیست کہ اوشان فلوس رائجہ را ثمن قرار نہ داوند بلکہ مجملہ متاع و عروض شمرد ندو ہمین وجہ بیع الفلس بالفلسین تجویز فرمودند۔ صرح به في الهداية و الدر المختار والشامي من باب الربو وامانزد امام محمدؒ پس اگرچہ فلوس در معاملات ربویہ نزد اوشان بحکم ثمن اند و بیع الفلس بالفلسین مثل بیع الدرہم بالدرہمین شمردہ ناجائز گفتہ اند لکن درباب سلم اوشان نیز حسب روایت قویہ موافقت شیخین اختیار فرمودہ اند پس مسلم در فلوس رائجہ باتفاق ائمہ ثلثہ جائز است. وذلك لمافي الشامية و فيه خلاف محمدٌ لمنعه بيع الفلس بالفلسين الا ان ظاهر الرواية عنه كقولهما و بيان الفرق في النهر وغيره شامي صفحه ۲۴۵ ج ۴. وفي البحر و ظاهر الرواية عن الكل الجواز واذ بطلت تنميتها لا يخرج عن العدة الخ بحر الرائق صفحه ۱۵۶ ج ۶. والله تعالى اعلم.

بیع بالوفاء

(سوال ۷۲۹) ایک غیر مسلم نے بوجہ مجبوری و تنگدستی کے تین بگھہ زمین مبلغ نوسوروپیہ کے عوض بکر کے ہاتھ بیع بالوفاء اس شرط پر کیا کہ اگر میں پانچ برس کی مدت میں آپ کو روپیہ واپس نہ دوں تو آپ مدت ختم ہوتے ہی قانونی چارہ جوئی کر کے بذریعہ عدالت اس زمین کو اپنے یہاں بیع ثبات کرا کر اس کے مالک بن جاویں اس میں کسی قسم کا مجھ کو اور میرے وارثوں کو عذر نہ ہے اور نہ ہوگا اگر ہو تو وہ قانوناً غیر مسموع ہوگا و نیز پانچ برس کی مدت زمین مذکور ان کے قبضہ میں رہے اب مالگذاری دیکر اس سے اپنی خواہش کے مطابق فائدہ اٹھاتے رہے از روئے شرع محمدی ﷺ اس قسم کی شرط کے ساتھ بیع بالوفاء جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) درمختار میں ہے وقیل بیع یفید انتفاع به وفی اقاله شرح المجمع عن النهاية و عليه الفتوىٰ وقيل ان بلفظ البيع لم يكن رهنا ثم ان ذكر السح فيه او قبله او زعماه غير لازم كان بيعاً فاسداً او لوبعده على وجهه الميعاد جاز ولزم الوفاء به الخ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر شرط واپسی کی صلب عقد میں لگائی گئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو یہ بیع فاسد ہے جس کا فسخ کرنا متعاقدین پر واجب ہے البتہ اگر شرط واپسی صلب عقد میں نہ لگائی اور بعد عقد کے بطور وعدہ ذکر کی گئی تو اس صورت میں بیع جائز ہوگی اور بعد ختم مدت کے واپس کرنا بیع کا اگر مشتری راضی ہو تو لازم ہوگا۔

باب الحقوق و الاستحقاق

(حقوق کا بیان)

بڑی سڑک اور گلی کوچوں میں حقوق کا فرق

(سوال ۷۳۰) ایک شخص نے مختلف شرکاء کا وکیل بن کر ایک باغ کو محلّہ کی صورت میں آباد کرنے کے لئے خریدا اور پھر اس میں مختلف ایسی وسیع سڑکیں اور کوچے قائم کئے جن پر تانگے ٹھیلے وغیرہ بخوبی چل سکیں اور جملہ باغ کو قطعات کی شکل میں کیا اور مختلف خریداران کے ہاتھ فروخت کر دیا اور سڑکوں و کوچوں کو شارع عام قرار دیکر میونسپلٹی کے قبضہ میں دیدیا جس نے ساکنان محلّہ کی آسائش کے لئے جن میں بعض خود خریداران قطعات و نیز کرایہ داران آباد ہیں نالیاں، پانی، بجلی، نل اور پختہ سڑکیں بنوادیں اندریں صورت اگر اصحاب جائیداد کرایہ داران اور اس میونسپلٹی کے خلاف جس کے قبضہ میں تمام سڑکیں اور کوچے رفاہ عام کے لئے دیدیئے گئے تھے محلّہ کی شارع عام پر جس پر کرایہ داران اور اصحاب جائیداد یکساں طور پر آمد و رفت رکھتے ہیں کسی ایسی قسم کی پابندی عائد کرنا چاہیں جس کی وجہ سے تانگے ٹھیلے وغیرہ اندر نہ جا سکیں جن کے لیجانے کی بوجوہ چند سخت ضرورت ہوتی ہے تو کیا ان کے حقوق عامہ میں یہ مداخلت بروئے شرع جائز ہوگی یا نہیں۔

(الجواب) گلی کوچے دو قسم کے ہوتے ہیں اور دونوں میں احکام کا تفاوت ہے ایک وہ کوچہ جو اہل محلّہ کی

مخصوص ملک ہے شارع عام نہیں اس کو فقہا سکہ خاص کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور اکثر اس قسم کے کوچے غیر نافذ ہوتے ہیں دوسرے وہ جو شارع عام ہیں خواہ ابتدائی آبادی سے ہی حکومت کی جانب سے اسکو شارع عام قرار دیا گیا ہو یا کسی شخص کی ملک تھا مگر اس نے رفاع عام کے لئے وقف کر دیا اور شارع عام بنا دیا قسم اول کا حکم یہ ہے کہ باجازت جمیع شرکاء کوچہ اس میں ہر قسم کا تصرف جائز ہے خواہ اس تصرف سے گزرنے والوں کو تنگی ہو یا نہ ہو اور بلا اجازت شرکاء اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں اگرچہ اس میں گزرنے والوں اور رہنے والوں کا کوئی ضرر بھی نہ ہوں اور اس معاملہ میں عام آدمی اور کوئی شریک سب برابر ہیں اس لئے کوئی شریک بھی بغیر دوسرے شرکاء کی اجازت کے اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور قسم دوم کا حکم یہ ہے کہ اس میں تصرف کرنے کے لئے قاضی یا حاکم کی اجازت ضروری ہے اور حاکم کو بھی اجازت دینے کا حق اس وقت ہے جب کہ وہ دیکھ لے کہ اس میں عام لوگوں کا کوئی نقصان نہیں۔ وذلك لمافی العالمگیریة من الباب التاسع والعشرين من الكراهية فان اراد احداث الظلة فی سكة غير نافذة لا يعتبر فيه الضرر عند نابل يعتبر فيه الاذن من الشركاء انتهى. والمراد بغير النافذة السكة الخاصة المملوكة كما يستفاد من عبارته بعد ذلك باسطر و فيها بعد ذلك واما اذا كانت السكة فی الاصل احيطت بان بنوداراً وتركو اهذا الطريق للمرور فالجواب فی طريق العامة بقی علی ملك العامة انتهى عالمگيری مصری صفحه ۳۸۱ ج ۵ وفيها قبل ذلك فی امر طريق العامة قال ابو يوسف و محمدؒ يباح له الانتفاع ای بالظلة اذا كان لا يضر ذلك بالعامة كذافی المحيط.

خلاصہ یہ ہے کہ باغ اور راستے ابتداءً مملوک تھے پھر شارع عام بنا دیئے گئے اب یہ امر تنقیح طلب ہے کہ شارع عام بنانے سے شرکاء کی غرض وقف عام کرنا تھا یا محض اجازت مرور دیتے ہوئے اپنی ملک میں رکھنا پہلی صورت میں اب اس کو راستہ بند کرنے یا کسی قسم کی پابندی جو گزرگاہ عام کے لئے مضر ہو عائد کرنے کا کوئی حق نہیں رہا اگرچہ تمام شرکاء اس پر متفق ہوں اور دوسری صورت میں اگر تمام شرکاء متفق ہو کر بند کرنا چاہیں تو جائز ہے اگرچہ گزرنے والوں کو تکلیف ہو اور کرایہ داران کا بھی یہی حکم ہے اور جس صورت میں کہ یہ جگہ مملوک اور سکہ خاص ثابت ہو تو کرایہ داران اگر سب مالکان کے خلاف کوئی چارہ جوئی کریں تو یہ جائز نہیں البتہ ان کو یہ حق ہو گا کہ وہ اپنے عقد کرایہ کو فسخ کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

زمین کے حقوق پانی اور راستہ وغیرہ اگر مشتری کو نہ ملیں تو وہ ان کے عوض میں ثمن کم کر سکتا ہے

(سوال ۷۳۱) محمد ابراہیم کے ہاتھ محمد قاسم وغیرہ نے ایک قطعہ زمین بیع کیا اور بیع نامہ بھی لکھ دیا اور نصف قطعہ زمین مذکورہ کا دوسرے شخص عبدالرحمٰن کو بیع کر دیا اس ثانی بیع نامہ کی وجہ سے مشتری اول محمد ابراہیم کی حق تلفی ہوتی ہے گفتگو کرنے پر محمد قاسم بائع نے چند شخصوں کو ثالث مقرر کر دیا اور ان کے پاس مبلغ یکصد روپیہ اس لئے رکھا کہ میں عبدالرحمٰن مشتری سے محمد ابراہیم کے حقوق محفوظ کرا دوں گا اگر میں اس

میں کامیاب نہ ہوں تو ثالث اور حکم اس روپیہ کی رقم کو محمد ابراہیم کو اس کے نقصانات کے عوض میں بطور تاوان دیدیں چنانچہ ابراہیم مشتری اول کے حقوق بحال نہیں ہوئے تو وہ سو روپیہ جو ثالثوں کے پاس رکھے ہیں وہ محمد ابراہیم لے سکتے ہیں اور دینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ سو روپیہ بمعاوضہ نقصان حقوق کے مشتری کو لینا اور ثالثوں کو اس کے حوالہ کردینا شرعاً جائز ہے قال فی الخلاصۃ الفتاوی اشتری ارضاً بشربها فاذاً لا شرب لها فار ادالمشتری ان یاخذ الارض بحصتها و یرجع الی البایع بحصۃ الشرب من الثمن له ذلك خلاصۃ صفحہ ۶۸ ج ۳۔

متفرقات البیوع
(خرید و فروخت کے متفرق مسائل)

معاہدہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد بلاوجہ خلاف ورزی کرنا گناہ ہے

(سوال ۷۳۲) محمد اسماعیل و محمد ابراہیم نے نصف مکان جس میں وہ شریک فی حقوق البیع تھے بحساب ڈھائی روپیہ گز خرید لیا اور بایعان محمد یعقوب وغیرہ سے یہ وعدہ ہو گیا کہ باقی نصف مکان محمد اسماعیل و محمد ابراہیم کو چند مہینے بعد بقیمت دو روپیہ گز بیع کیا جاویگا چنانچہ چند ماہ کے بعد بایعان مذکور نے بقیہ نصف مکان مسمی عبدالرحمٰن کو (جو جار ملاصق ہے) فروخت کردیا بقیمت تین روپیہ گز اور بیع نامہ میں چار آنے گز زیادہ لکھایا ہے یعنی تین روپیہ چودہ آنے گز لکھایا ہے تو بقیہ نصف مکان کی بیع بدست عبدالرحمٰن صحیح ہوئی یا نہیں اور بصورت صحت محمد اسماعیل و محمد ابراہیم اس بقیہ نصف مکان کو حق شفعہ سابق معاہدہ کے موافق اس قیمت پر لے سکتے ہیں یا نہیں مشتریوں کے تقاضا کرنے پر بایعان نے یہ الفاظ کہے کہ ہم معاہدہ کر چکے ہیں زمین تمہاری ہو چکی ہے ہم اس معاہدہ سے ہٹ نہیں سکتے ہیں چاہے شفیع ثانی کتنی ہی رقم زیادہ دے اس کے بعد بایعان نے کچھ عذرات بیان کر کے یہ کہا کہ اب تم نصف زمین کا بیع نامہ لکھو اور ہمارا معاملہ دو روپیہ چار آنے گز کا تھا اب تم زمین انتخاب کر کے دو روپیہ آٹھ آنے گز لے لو بقیہ زمین رد ی رہ جائے گی وہ دو چار مہینے کے بعد تمہارے نام دو روپیہ گز بیع کر دیں گے۔

(الجواب) سائل کے بیان منسلکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قاسم اور محمد یعقوب نے محمد اسماعیل اور اس کے برادر سے جو کچھ کہا تھا وہ ایک معاہدہ اور وعدہ تھا بیع نہیں اس لئے بایعان نے جو خلاف معاہدہ کر کے عبدالرحمٰن کے ہاتھ زمین کو بیع کردی یہ بیع تو منعقد ہو گئی لیکن محمد قاسم و محمد یعقوب کا معاہدہ کر کے پھر جانا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور اگر اول ہی سے ارادہ ایفائے عہد کا نہ تھا تو علامت نفاق ہے جس سے بچنا واجب اور نہایت ضروری اور لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ وعدہ کر کے بلاعذر شرعی پھر جانا حرام ہے۔

قیل الخلف فی الوعد من غیرمانع حرام وهو المراد ههنا وکان الوفاء بالعهد مأموراً فی الشرائع السابقة ایضاً حاشیہ مشکوٰۃ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ

وہ جس شخص کے اندر ہوں وہ منافق ہے اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور کہے میں مسلمان ہوں اور وہ تین چیزیں یہ ہیں کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے بخاری ومسلم عن ابی ہریرہؓ اور حدیث میں ہے الوعد العطیه قال العراقی فی تخریج الاحیاء رواه الطبرانی فی الاوسط و ابو نعیم اور دوسری حدیث میں ہے الرأ ی مثل الدین اوافضل والرأی الوعد رواه ابن ابی الدنیا و الدیلمی فی مسند الفردوس کذا قاله العراقی فی التخریج. ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ وعدہ ایسا لازم ہو جاتا ہے جیسے قرض اور وعدہ پورا کرنا ایسا ہی ہے جیسے دین دینا اس لئے صورت مذکورہ میں محمد قاسم اور محمد یعقوب اس وقت تک گناہ گار رہیں گے جب تک اپنے معاہدہ کو پورا نہ کریں یا کچھ دے دلا کر محمد اسمٰعیل و محمد ابراہیم کو راضی نہ کریں لیکن بہر حال محمد اسمٰعیل و محمد ابراہیم ان کو اس پر مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ باقی زمین کو معاہدہ سابقہ کے موافق ان کے حوالہ کر دے یا چار آنے فی گز جو معاہدہ سے زائد لئے ہیں وہ واپس کر دے ہاں محمد اسمٰعیل بحق شفعہ اس باقی زمین کو عبدالرحمٰن شفیع ثانی سے اسی قیمت پر لے سکتا ہے جس پر فی الواقع اس نے خریدی ہے بیع نامہ میں چاہے کچھ بھی درج ہو۔

بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں تکمیل معاہدہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے

(سوال ۷۳۳) ہمارے یہاں فصل انبہ نیلام ہوتی ہے ایک شخص نے اپنے نام پر بولی ختم کرائی اور ص ۲۵ زر بیعانہ ادا کر دیا مگر بعد میں اس کا ارادہ بدلا اب وہ انبہ لینے کے لئے تیار نہیں اور زر بیعانہ کا قاعدہ عرف میں یہ ہے کہ اگر مشتری لینے سے انکار کرے تو بیعانہ ضبط کر لیا جاتا ہے تاکہ آئندہ کسی کو خلاف معاہدہ کرنے کی جرات نہ ہو اب سوال یہ ہے کہ شرعاً بیعانہ مشتری کی ملک ہے اس کو واپس کرنا چاہئے لیکن واپسی کی صورت میں بائع کو ہمیشہ کے لئے نقصانات کا قوی اندیشہ ہے ایسی صورت میں کیا زر بیعانہ کو ادا ہی کرنا واجب ہے یا کوئی دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے۔؟

(الجواب) اصل یہ ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں بیع کا معاملہ شرعاً بھی مکمل ہو چکا ہے اب مشتری کو بدون رضا بائع کے واپسی کا کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ اس کو زر ثمن ادا کرنے اور مبیع پر قبضہ کرنے کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے شرعی ضابطہ تو یہی ہے اور جہاں تک معلوم ہے موجودہ حکومت کا قانون یہی ہے کہ تکمیل معاہدہ کا دعوی اس پر ہو سکتا ہے اس لئے بائع کو حق حاصل ہے کہ دعوی کر کے اس کو تکمیل معاہدہ پر مجبور کرے اس صورت میں زر بیعانہ کی واپسی اور اس سے بائع کے ضرر کا سوال ہی نہیں رہتا اور اگر کسی وجہ سے بائع دعوی نہیں کرتا تو زر بیعانہ کی واپسی لازم ہے اور اس سے جو ضرر بائع کو لازم آتا ہے اس کا وہ خود ذمہ دار ہے کہ دعوی کیوں نہیں کرتا یہ تو اصل ضابطہ کا جواب ہے باقی ایک تدبیر اور بھی ہے جس میں زر بیعانہ واپس بھی ہو جائے اور مفسدہ و ضرر محتمل بھی لازم نہ آوے وہ یہ کہ کچھ عرصہ تک زر بیعانہ اپنے پاس محفوظ رکھے تاآنکہ مشتری سمجھ لے کہ وہ روپیہ ضبط ہو گیا پھر کسی طریق سے اس کو پہنچاوے جس سے وہ یہ نہ سمجھے

کہ زربیعانہ واپس کر رہے ہیں کوئی چیز خرید کر دیدے یا نقد روپیہ ہدیہ وغیرہ کے نام سے خواہ خود بلاواسطہ یا کسی دوسرے شخص کے واسطہ سے اس کو پہنچاوے زربیعانہ کی واپسی کا لازم وضروری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعت میں تعزیر مالی جائز نہیں ردالمحتار باب التعزیر میں جمہور کا اس پر اتفاق منقول ہے۔ واللہ اعلم ۶ ذی الحجہ ۶۳ ہجری (اضافہ)

بیوی کے نام زمین خریدی تو مالک بیوی ہے یا شوہر

(سوال ۷۳۴) زید نے کسی وجہ سے زمانہ ملازمت میں اپنے روپیہ سے اپنی بی بی کے نام ایک احاطہ اراضی افتادہ مبلغ دوسو روپیہ میں خریدا اور اپنے روپیہ سے اس پر مکان تعمیر کرایا بی بی کا انتقال ہوا اس کے جانشین ایک پسر، ایک دختر اور شوہر ہوئے مکان زمانۂ وفات بی بی سے شوہر کے قبضہ میں ہے زید نے پسر و دختر کی شادی کردی لڑکے کو دوسرا مکان دیدیا ایسی صورت میں اس مکان کا مالک تنہا زید ہوگا یا ترکہ بی بی متصور ہو کر اس کے ورثاء مالک ہوں گے؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں جس وقت زمین بیوی کے نام خریدی گئی اگر شوہر کی نیت یہ تھی کہ بیوی کو یہ زمین ہبہ کرتا ہوں ار پھر بیوی کو اس پر قبضہ مالکانہ بھی دیدیا ہو تب تو یہ زمین بیوی متوفیہ کے ورثہ میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگی اور مکان کی تعمیر زید کی ملک رہے گی اور اگر زید کی نیت ہبہ کرنے کی نہ تھی اور نہ ایسے الفاظ کہے تھے کہ میں نے تجھے دے دی ہے بلکہ محض کسی مصلحت سے کاغذات سرکاری میں بیوی کے نام اندراج کرادیا تھا تو اس سے بیوی مالک نہیں ہوئی بلکہ شوہر ہی مالک رہا اور اب صرف شوہر ہی کا حق ہے بیوی کے ورثاء کو اس میں سے حصہ نہ ملے گا۔ صرح به فی الفتاوی الاسعدیه.

تاجر اپنے پاس سامان نہ رکھے اور جب گاہک آئے دوسری دکانوں سے خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کردے

(سوال ۷۳۵) موجودہ وقت میں تجارت کا عام طور پر یہ قاعدہ ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے کو تاجر بتلاتے ہیں اور کسی کسی چیز کی تجارت بھی کر لیتے ہیں لیکن باقاعدہ دوکان وغیرہ نہیں رکھتے جب کوئی فرمائش کسی شخص کی آتی ہے تو بازار سے مال خرید کر اس پر اپنا نفع قائم کر کے خریدار کو بھیج دیتے ہیں کیا یہ منافع جائز ہے۔؟

(الجواب) اگر اس میں کوئی دھوکہ نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہاں کے بازار کا یہی نرخ ہے تو منافع جائز ہے البتہ بہت زیادہ نفع اس پر لگا کر بہت گراں فروخت کرنا مروت کے خلاف ہے اس لئے اچھا نہیں اور فتاوی بزازیہ میں بعض ائمہ حنفیہ سے زیادہ گراں فروخت کرنے کی کراہت نقل کی ہے۔

مدرس کا لڑکوں کے ہاتھ کتابیں فروخت کرنا

(سوال ۷۳۶) مدرسین اسکول بازار سے لڑکوں کے لئے اشیائے ضروری کتابیں وغیرہ خرید کر لاتے ہیں اور نفع لگا کر ان کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں اگر مدرس لڑکوں سے کہے کہ لاؤ میں تمہیں یہ چیزیں خرید کر لادوں یا لڑکے کہیں کہ آپ بازار سے خرید کر ہمیں یہ چیزیں لادیں تاکہ ہمیں خسارہ نہ ہو تو آپ لڑکوں کے وکیل ہیں اور وکیل کو بیچ میں کوئی نفع لینا جائز نہیں بلکہ جس قیمت سے خریدیں گے اسی قیمت سے لڑکوں کو دینا پڑے گا خواہ قیمت پیشگی دی ہو یا نہ دی ہو اور اگر یوں کہے کہ یہ چیزیں میں فروخت کرتا ہوں تم مجھ سے لے لو تو اب اس کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے نفع لگا کر دے خواہ پیشگی قیمت دیں یا نہ دیں وہذا ظاہر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیع کے بعد پیمائش میں زمین زائد نکلنا

(سوال ۷۳۷) ماقولکم رحمه الله اندریں مسئلہ۔ زید نے بوکالت وکیل خود عمر سے ایک ایسا قطعہ اراضی خریدا ہے جو منجانب عمر و مثلاً بکر کے پاس مرہون تھا اس محدود قطعہ کے پورے نمبر خسرہ کے مطابق اور سرکاری پیمائش کے موافق قطعہ مذکور جتنی کنال تھا اس کی قیمت عمرو نے وصول کر کے کاغذات مال میں بنام زید انتقال بیع قطعی تصدیق کرادیا۔ ازیں بعد زید نے قطعہ مذکور کو رقم رہن سے فارغ کر کے اپنے قبضہ میں داخل کر دیا جس میں تخمیناً چار پانچ سال کے عرصہ کا مرور ہو چکا ہے اب عمرو بائع نے قطعہ نامبردہ کی پیمائش خانگی طور پر کرائی تو سرکاری پیمائش سے کچھ گز زائد برآمد ہوئے لہذا عمرو کا مطالبہ ہے کہ اس زیادت کے ثمن کا بھی مجھ کو تناسب ثمن کنال لہا کا استحقاق ہے سوال یہ ہے کہ عمر بعد وصول کر لینے سالم ثمن قطعہ محدودہ کے ان زائد گزوں کی قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے اور شرع شریف میں جس مقدار کے مقابلہ میں ثمن ذکر کئے جاویں اس کی کسر بھی مقابل ثمن ہوتی ہے یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا۔

(الجواب) وان اشترى ثوبا على انه عشرة اذرع بعشرة اوارضا على انه مائة ذراع بمائة فوجدها اقل فالمشترى بالخيار ان شاء اخذه بجملة الثمن ان شاء ترك وان وجدها اكثر من الذراع الذى سماه فهو للمشترى ولا خيار للبائع وان نقص فقد فات الوصف المرغوب فيختل رضاه فيخير ولا يحط من الثمن كذافى الكافى وفيه ايضاً رجل اشترى من آخر ساحته اوارضاً ذكر حدودها ولم يذكرز رعهما لاطولا ولا عرضاً المشترى اذا عرف الحدود لم يعرف الخيران يجوز فلو لم يذكر، الحدود ولم يعرف المشترى الحدود جاز البيع اذالم يقع بينهما تجاجد وقد عرفا جميع المبيع العصل الثالث فى بيع المرهون اذ جاز المرتهن ورضى به تم البيع ولا يحتاج الى تجديد العقد. كذافى الغيار اصل هذا ان الذراع فى المزروعات وصف لا نه عبارة عن الطول و العرض لكنه وصف يستلزم زيادة اجزاءٍ فان لم يفرد بثمن كان تابعاً محضاً فى هذه الصورة فالتوابع لا يقابلها شئى من الثمن كاطراف الحيوان. فتح القدير. عبارات مسطورہ سے یہ بات بخوبی وضاحت میں آجاتی ہے کہ عمر کا مطالبہ زائد ذراع کی قیمت کا فضول اور بیاور ہوا ہے کیونکہ صاف صاف عبارت کتب معتبرۃ الفن سے پایا جاتا ہے کہ جس مقدار کے حساب سے ثمن کا اندازہ لگایا گیا ہے اس مقدار کے تابع اور وصف ہوا کرتی ہے اس کے مقابلہ میں ثمن نہیں ہوا کرتے اگر مجموعہ قطعہ زمین

کوبعوض رقم معین کے فروخت کیا تھا تو جواب مذکور صحیح ہے یعنی زائد گزوں کی قیمت لینے کا بائع کو حق نہیں لیکن اگر اس قطعہ زمین کی قیمت بحساب گز مقرر کی گئی تھی مثلاً یوں کہا گیا تھا کہ یہ قطعہ سو گز ہے اور ہر گز اس کا تین روپیہ میں فروخت کرتا ہوں تو اس صورت میں جس قدر گز پیمائش مکرر ہیں زائد ثابت ہوں گے اس کی قیمت زائد کا بائع حقدار ہوگا مشتری کے ذمہ ادا کرنا واجب ہوگا کما صرح به فی الدر المختار. وان قال فی بیع المذروع کل ذراع بدرهم اخذالاقل بحصة لصیر وته اصلاً بافراده بذكر الثمن او ترك لتفريق الصفقه و كذا اخذ الاكثر كل ذراع بدرهم او فسخ. والله تعالٰى اعلم-

کتاب الرّبوا والقمار
(سود اور جوئے کے مسائل)

سودی کاروبار اور معاملات میں کسی قسم کی شرکت جائز نہیں

(سوال ۷۳۸) سود کی کارروائی میں کسی قسم کی شرکت جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جائز نہیں حدیث میں سود کے معاملات میں اعانت کرنے والے پر بھی لعنت آئی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سود کے معاملہ کرنے والے اور کاتب و شاہد کے لئے حدیث کی وعیدیں

(سوال ۷۳۹) سود لینے والے دینے والے اور کاتب و شاہد کے حق میں کیا وعید ہے اگر منع کرنے کے بعد بھی نہ رکے تو کیا برتاؤ کیا جاوے۔؟

(الجواب) (۱) عن جابر بن عبداللہؓ قال لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربو وموکلہ و کاتبہ و شاھدیہ وقال ھم سواء رواہ مسلم وغیرہ من الترغیب و الترھیب للمنذری.

(۲) وعن عبداللہ یعنی ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ قال الربو ثلث و سبعون باباً ایسرھا ان ینکح الرجل امہ رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری و مسلم و رواہ البیھقی من طریق الحاکم ثم قال ھذا اسناد صحیح و المتن منکر الخ.

(۳) وعن عبداللہ بن سلامؓ عن رسول اللہ ﷺ قال الدرھم الذی یصیبہ الرجل من الربوا اعظم عنداللہ من ثلاثہ و ثلاثین یزینھا فی الاسلام رواہ الطبرانی فی الکبیر من طریق عطاء الخراسانی عن عبداللہ و لم یسمع منہ و رواہ ابن ابی الدنیا و البغوی وغیرھما موقوفاً علی عبداللہ وھو الصحیح قال العبد محمد شفیع غفرلہ ان الموقوف فی ھذا الباب کالمرفوع حکماً لکونہ مما لا یدرک بالقیاس کما ھو متفق علیہ عند ارباب الاصول

حدیث نمبر ا سے معلوم ہوا کہ سود کھانے والے اور دینے والے اور اس کے لکھنے والے اور شہادت دینے والے سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

اور حدیث نمبر ۲ سے ثابت ہوا کہ سود میں تہتر قسم کے بوے بڑے گناہ ہیں جن میں سے ادنیٰ گناہ کا مرتبہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔

حدیث نمبر ۳ سے معلوم ہوا کہ سود سے جو درہم حاصل کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تینتیس (۳۳) زنا سے بھی زیادہ بدتر ہے سود کھانے والے کے ساتھ مسلمانوں کو یہ معاملہ کرنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص اس پر قدرت رکھتا ہے کہ بجبر و اکراہ اس کو سود کھانے سے روکدے تو جبراً روکے اور اگر اس کی قدرت نہیں تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل میں مکروہ سمجھے اور خود اس سے علیحدہ ہو جائے۔ کذا مروی عن النبی ﷺ صریحاً صحیحاً.

سود اور ترک نماز دونوں میں کونسا گناہ زیادہ ہے

(سوال ۷٤۰) زید کا قول ہے کہ بے نمازی کا گناہ زیادہ بڑا ہے اور عمر کا قول ہے کہ سود کھانے والے کا گناہ زیادہ بڑا ہے شرعاً کس کا قول صحیح ہے اور بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں۔؟

(الجواب) ترک نماز اور سود کھانا دونوں کبیرہ گناہ ہیں بعض حیثیات سے ترک نماز بڑھا ہوا ہے اور بعض حیثیات سے سود کھانا اس اعتبار سے کہ نماز حق اللہ اور سود حق العباد میں داخل ہے سود بڑھا ہوا ہے اور حدیث میں ہے جو گوشت انسان کے بدن میں مال حرام سے پیدا ہوا ہو وہ جنت میں نہیں جا سکتا اور اس اعتبار سے کہ نماز تمام اعمال و عبادات کی اصل ہے اور حدیث میں ہے کہ جس نے نماز کو ڈھایا اس نے اپنے دین کو ڈھایا اس اعتبار سے ترک نماز بڑھا ہوا ہے اور بہر حال دوزخ میں پہنچانے کے لئے دونوں کافی ہیں۔ اور مثل مشہور ہے۔

آب چواز سر گزشت چہ یک نیزہ وچہ یک بالشت،

لیکن نماز جنازہ بے نمازی اور جو سود خور ہو دونوں پر پڑھ لینی چاہئے کیونکہ یہ دونوں اگر چہ انتہائی فاسق ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں اور حدیث میں ہے۔ صلوا خلف کل بر و فاجرٍ.

سرکاری بینک سے سود لینا

(سوال ۷٤۱) سرکاری بینک سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) دارالحرب میں کفار سے سود لینا بھی جمہور ائمہ و علماء کے نزدیک حرام ہے امام مالکؒ و امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ائمہ حنفیہؒ میں سے امام ابو یوسفؒ اسی حرمت کے قائل ہیں البتہ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ سے دارالحرب میں اس کا جواز منقول ہے اور طحاویؒ نے مشکل الآثار میں سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے۔ مشکل الآثار صفحہ ۲٤۱ جلد ٤۔

پھر اس میں بعض مشائخ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ سود لینا جائز ہے دینا جائز نہیں

قال في البحر وغيره ولا بين الحربي و المسلم ثمه اى لار بوٰبينهما في دارالحرب عندهما خلافاً لابي يوسفؒ الى قوله الاانه لا يخفى انه انما اقتضٰى حل مباشرة العقد اذا كان الزيادة ينالها المسلم فالربوا اعم من ذلك الخ وقال الشامى بعد نقل هذه العبارة من فتح القدير وقد التزم اصحاب الدرس ان مرادهم من حل الربا و القمار ماإذا حصلت الزيادة للمسلم نظراً الى العلة وان كان اطلاق الجواب خلافه ثم ايده بعبارة السير الكبير و الصغير (شامى باب الربوٰ صفحه ٤٠٨ جلد ٤)

پھر امام صاحب کے قول کا بھی بہت سے علماء محققین نے ایسا مطلب بیان کیا ہے جو جمہور کے خلاف نہیں رہتا نیز ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی علماء کا اختلاف ہے نیز سود کے متعلق قرآن و حدیث میں جس قدر وعیدیں آئی ہیں جو ہر اعتبار سے قطعی ہیں ان کو دیکھ کر بھی کوئی مسلمان اس کی جرات نہیں کرتا کہ جس معاملہ میں سود کا احتمال بھی ہو اس کے پاس نہ جائے کیونکہ حدیث میں ہے کہ سود کے

معاملہ میں بہت قسم کے گناہ آدمی کو ہوتے ہیں جس میں ادنی گناہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے اخرجہ فی باب الربوٰ من المشکوٰۃ نیز حدیث میں ہے کہ سود سے جو آدمی ایک درہم حاصل کرے وہ چھتیس زنا سے بھی بدتر ہے مشکوٰۃ اس لئے حضرات صحابہ و تابعین اور ائمہ اسلام نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط کی جانب کو اختیار کیا ہے خود فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں فدعو الربا و الريبته یعنی سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے شبہ کو بھی نیز شعبیؒ حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت فرماتے ہیں تر کنا تسعة اعشار الحلال خشية الربا كنز العمال باب الربا من باب الافعال.

یعنی ایک چیز کے نو حصے حلال ہوں مگر دسویں حصہ میں سود کا شبہ ہو تو ہم ان نو حلال حصوں کو بھی سود کے خوف سے چھوڑ دیتے ہیں۔

لہذا کفار کے بینکوں سے سود لینے کے متعلق بھی علمائے محققین کا فتوی بنظر احتیاط اسی پر ہے کہ جائز نہیں اب رہا یہ امر کہ کوئی شخص روپیہ محض بغرض حفاظت بینک میں جمع کرے سود لینے کا ارادہ نہیں تو یہ بھی گناہ ہے اس واسطے کہ اس میں اعانت ہے سود خواروں کی اور کفار کی اور ان کی اعانت بالقصد حرام ہے حدیث میں اس شخص پر بھی لعنت آئی ہے جو سود خوار کی اعانت معاملہ سود میں کرے، مشکوٰۃ شریف نیز قرآن شریف میں وارد ہے ولا تعاونو اعلى الاثم والعدوان اور اگر سود لے کر صدقہ کرنے کا ارادہ ہو تو بھی درست نہیں کیونکہ صدقہ کرنے کی نیت سے جس طرح چوری کرنا ڈاکہ ڈالنا جائز نہیں اسی طرح سود لینا بھی جائز نہیں البتہ اگر کسی نے غلطی سے سود لے لیا یا روپیہ بینک میں جمع کر دیا اور اس کا سود بینک میں جمع ہو گیا تو اب اس کو بینک میں چھوڑنا نہ چاہئے کیونکہ اس میں بھی اعانت کفار ہے کیونکہ اس سے عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے وہ جداگانہ گناہ ہے بلکہ لے کر اس کا صدقہ کر دینا واجب ہے لیکن یہ یاد رہے کہ اس صدقہ میں نیت صدقہ کی ثواب کی نہ کرے ورنہ الٹا گناہ ہوگا بلکہ محض یہ سمجھ کر صدقہ کرے کہ میں اس خبیث آمدنی سے بری ہو جاؤں۔ اس نیت سے اس کو صدقہ کا نہ سہی مگر ایک گناہ سے باز آنے کا ثواب بھی مل جاوے گا۔

در مختار کتاب الزکوٰۃ میں ہے

فی شرح الوهبانية من البزازية انما يكفر اذا تصدق بالحرام القطعي اور شامی میں ہے۔ قوله اذا تصدق بالحرام القطعي مع رجاء الثواب الناشي عن استحلاله اور شرنبلالی کے رسالہ حفظ الاصغرين عن اعتقاد ان الحرام لا يتعدى الى ذمتين میں ہے . لا يقصد به اى بالتصدق من المال الخبيث تحصيل الثواب بال تفريغ الذمة و مثله فی شرح المشکوٰۃ لعلی القاریؒ اور اگر مسئلہ کی پوری تحقیق منظور ہو تو رسالہ تحذير الاخوان عن الربوا فی الهندوستان نیز رفع الضنك عن منافع البنك ملاحظہ فرمائیں۔

الغرض بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز نہیں خواہ سود لینے کی نیت ہو یا نہ ہو لیکن اگر کسی کا روپیہ مسئلہ معلوم ہونے سے پہلے جمع ہو یا کسی قانونی مجبوری سے جمع کر دیا ہو تو اس کا سود بینک میں نہ چھوڑے بلکہ لے

کر غربااور فقراء پر صدقہ کردے[1]۔

دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا

(سوال ۷٤۲) کیاہندوستان میں آج کل سرکاری بینک اور ڈاکخانہ اور غیر مسلموں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینے میں اختلاف ہے امام اعظمؒ اور امام محمدؒ جائز فرماتے ہیں اور جمہور علماء اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمدؒ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسفؒ حرام فرماتے ہیں روایات اور آیات قرآن کریم میں بظاہر مطلقاً سود کی حرمت اور سخت وعیدیں مذکور ہیں اس لئے احتیاط یہی ہے کہ ناجائز قرار دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً----

(سوال ۷٤۳) علاوہ اہل اسلام کے دیگر مذاہب کے لوگوں سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) سود لینا کسی سے جائز نہیں مسلمان ہو یا ہندو۔ احتیاطی فتویٰ یہی ہے اگرچہ بعض علماء کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ حدیث و قرآن میں اس کی وعیدیں اس قدر سخت آئی ہیں کہ سود کے شبہ سے بھی بچنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو روپیہ گورنمنٹ نے کسی مسلمان سے بطور ظالمانہ ٹیکس لیا وہ اس کو سرکاری بینک وغیرہ سے بنام سود وصول کر سکتے ہیں۔؟

(سوال ۷٤۳) گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنے پرائز بونڈ کے نوٹ جاری کئے ہیں ان پر بحساب ٦ فی صدی سالانہ سود ملتا ہے میں کہ گورنمنٹ آف انڈیا کو تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ انکم ٹیکس دیتا ہوں تو کیا میرے لئے جائز ہوگا کہ میں بانڈ خرید کر اس کا سود اس نیت سے لوں کہ مجھ سے گورنمنٹ یہ رقم انکم ٹیکس جو شرعاً ایک ناجائز مطالبہ ہے وصول کر چکی ہے وہ میں واپس لے رہا ہوں۔ جو لوگ گورنمنٹ کو کسی قسم کا ٹیکس وغیرہ نہیں دیتے ان کو مذکورہ قسم کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جس قدر روپیہ گورنمنٹ آپ سے بذریعہ ٹیکس وصول کرتی ہے اسی قدر روپیہ آپ گورنمنٹی بینک یا دوسرے محکمات سرکاری سے جس طرح ممکن ہو وصول کر سکتے ہیں گورنمنٹ اس کا نام سود رکھے یا کچھ اور۔ آپ اپنا جائز مطالبہ وصول کرنے کی نیت سے لیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور آپ کے حق میں سود نہ ہوگا ایسے مواقع میں فقہاء رحمہم اللہ نے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ اپنے حق کی مقدار چوری یا غصب کر کے بھی اگر کوئی شخص اپنے مدیون سے وصول کرلے تو جائز ہے۔ قال الشامی فی باب حد السرقة فاذا ظفر بمال مدیونہ لہ الاخذ دیانة بل الاخذ من خلاف الجنس علی مانذکرہ قریباً (شامی ص / ۲۱۸ ج / ۳-)

[1] یہ جواب انگریزوں کے دور حکومت میں لکھا گیا تھا جبکہ کافروں کی عمل داری تھی پاکستان میں یہ حکم نہیں ہے محمد عاشق الٰہی

دوسرے مسلمان جن کا کوئی مطالبہ ٹیکس وغیرہ کی وجہ سے بذمہ گورنمنٹ نہیں ہے ان کے لئے سود لینا جائز نہیں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے لیکن سود کے بارے میں جو وعیدیں شدید قرآن وحدیث میں عموم کے ساتھ وارد ہوئی ہیں ان کو دیکھتے ہوئے احتیاط فتوی میں یہی ہے کہ ناجائز قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بیمۂ زندگی

(سوال ۷٤٥) ایک کمپنی جو مشہور ہے اور جان کا بیمہ کرتی ہے۔ اس کے شرائط بھی یہی ہیں کہ کچھ عرصہ تک وہ روپیہ جمع کردیتے ہیں اگر درمیان وعدہ کے وہ شخص مرجاتا ہے تو حسب وعدہ روپیہ دیتے ہیں آیا جو کمپنی سے جمع شدہ روپیہ سے زائد روپیہ ملتا ہے یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) یہ روپیہ لینا جائز نہیں دو وجہ سے۔ اول تو سود ہے دوسرے قمار۔ اور دونوں حرام ہیں اس کا لینے والا سود اور جوئے دونوں کا گنہ گار ہوگا۔

(ایضاً سوال ۷٤٦) زندگی کا بیمہ کرانا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) زندگی وغیرہ کا بیمہ مروجہ شرعاً جائز نہیں کیونکہ اس میں سود بھی ہے اور قمار بھی۔ اور یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ بقوله تعالى انما الخمر والميسر والانصاب والازلام الآيه. واحل الله البيع وحرم الربوا .الآيه. والله تعالىٰ اعلم

کسی مسلمان فنڈ کی امداد کے لئے سود لینا جائز نہیں

(سوال ۷٤۷) بخوف سرقہ کوئی شخص بخیال تحفظ اپنی بیشتر رقم بینک یا ڈاکخانہ میں جمع کرکے سود کا مستحق ہوکر اس حق کو حاصل کرکے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا نہیں ؟ اور کیا سود کا وصول نہ کرنا درست ہے جبکہ اس سے غیر مسلم سوسائٹیوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور کیا سود حاصل کرکے کسی رفاہ عام میں خرچ کردینا درست ہے یا نہ ؟

(الجواب) بغرض تحفظ ایسے فنڈ میں روپیہ جمع کرنا جائز ہے جس میں سود نہیں لگایا جاتا اور سود کو اس لئے حاصل کرنا کہ اس کو کسی رفاہ عام کے کام میں خرچ کیا جائے گا جائز نہیں۔ جیسے اسی غرض کے لئے چوری اور ڈاکہ جائز نہیں ہوسکتا۔ البتہ اگر نادانستگی اور غفلت سے کسی کے اکاونٹ میں سود لگادیا گیا ہے تو اس کا سود وہاں نہ چھوڑنا چاہئیے کیونکہ اس سے عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ بلکہ وہاں سے لیکر فقراء ومساکین کو بغیر نیت ثواب دیدینا چاہئے اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں۔ کذا فی کتب المذہب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سود سے بچنے کی بعض تدبیریں

(سوال ۷٤۸) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل سرمایہ داروں کی ایک

پارٹی نے محض دنیوی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے سود کی حسب ذیل صورتوں کو بیع السلم کا مترادف قرار دے کر اس کا لینا اور دینا جائز قرار دیدیا ہے اور اس بارہ میں چند ایک ملاؤں کو بھی اپنا ہمنوا کر لیا ہے وقتی ضرورت کا حیلہ کر کے اس کو جائز قرار دیدیا ہے چنانچہ ضلع ہذا میں یہ وبا عام پھیل رہی ہے اس لئے ہندوستان کی سب سے عالی پایہ دارالافتاء سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ للہ اس کو مشرح ودلائل حقہ سے واضح فرمادیں۔

(۱) جبکہ غلہ کا مروجہ نرخ دو روپیہ فی من ہو تو ایک مسلمان اس کو تین روپیہ فی من کے حساب سے بصیغہ قرض میعاد فروخت کرے یہ درست ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک شخص ارزاں قسم کا غلہ میعادی قرضہ پر دیکر مبادلۃً گراں قیمت غلہ حاصل کرے ؟

(۳) ایک شخص ایک من غلہ دے کر ایک میعاد مقررہ کے بعد وہی غلہ دو من لیوے اور اس کو جائز تصور کرے ؟

(۴) ایک شخص ایک دفعہ مروجہ نرخ سے کم نرخ پر قبضہ دیکر میعاد مقررہ کے بعد اس سے اعلیٰ قیمت غلہ اسی نرخ پر لیوے۔

(۵) فصل ایستادہ یا میوہ دار درختان کا نرخ قبل از پختگی کر لیوے تو یہ درست ہے یا نہ ؟

(۶) کوئی اراضی یا مکان بصیغہ رہن خرید کر اراضی سے پیداوار اور مکان سے کرایہ حاصل کرے اور پھر اپنا نقدی روپیہ بھی سالم لے لیوے۔ مزید براں ان سب صورتوں کو جائز تصور کرنے والے کے لئے کیا حکم ہوگا۔ ؟

(الجواب) اس کی چند صورتیں ہیں۔ بعض جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں۔ جائز صورت یہ ہے کہ عقد بیع کے وقت یہ نہ کہا جاوے کہ ادھار کی وجہ سے اتنا روپیہ زائد لیتا یا دیتا ہوں بلکہ ویسے ہی بوجہ قرض دینے کے کچھ بھاؤ بڑھا دیا جائے یہ جائز ہے صاحب ہدایہ نے باب المرابحہ میں فرمایا ہے۔ الا تری ان الثمن یزاد لاجل الاجل وبمثله صرح فی الکنز والبحر والفتح والدر مختار والشامی وغیرها من باب المرابحۃ۔ اور ناجائز صورتیں یہ ہیں کہ عقد کے وقت یوں کہا جائے کہ اگر تم نقد لوگے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار لوگے تو یہ۔ یا یوں کہا جائے کہ ایک مہینہ کے ادھار پر لوگے تو دس روپیہ قیمت ہوگی اور دو ماہ کے ادھار پر بارہ روپیہ مثلاً یہ ناجائز ہیں۔ قال فی الخلاصة والعالمگیریة رجل باع علی انه بالنقد کذا وبالنسیة کذا او الی شهر بکذا والی شهرین بکذا لم یجز (خلاصة الفتاوی ص/ ۶۰ ج/۳ وفتاوی عالمگیری، کشوری ص/ ۱۵۴ ج/۳)

تنبیہ : ہاں اس میں یہ امر بھی قابل غور ہے اور اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر یہ شرط صراحۃً نہ ہو مگر عرفاً اس کو شرط سمجھا جانے لگے اور یہ معروف و مشہور ہو جائے کہ یہ معاملہ ہی بدون اس صورت قرض کے نہیں ہوتا تو حسب قاعدہ فقہیہ المعروف کالمشروط (اشباہ) یہ بھی بحکم شرط ہو کر بیع کو فاسد کر دیے گا۔

(۲) اس میں بھی اگر عقد کے وقت یہ شرط لگائی کہ ہم تم کو فلاں غلہ میعادی قرض پر اس شرط سے دیتے ہیں کہ تم فلاں قسم کا عمدہ غلہ ہمیں فلاں نرخ سے دیدو تو یہ بیع فاسد ہے اور اگر وقت عقد میں یہ شرط نہ لگائی تھی

بلکہ بیع تو عام دستور کے موافق میعادی قرضہ کے طور پر کامل ہو چکی اس کے بعد مشتری نے راضی ہو کر گراں قسم کا غلہ اس کو ارزاں دیدیا تو یہ جائز ہے۔ وھذا ظاھر مما سردہ فی العالمگیریہ فی البیع بالشرط.

(۳) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر دوم میں مذکور ہے کہ شرط بوقت عقد کرنے کی صورت میں ناجائز ورنہ جائز ہے۔

(۴) اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر اول میں گزرا کہ عقد کے وقت اگر یوں کہے کہ اگر تم ادھار لو گے تو اس نرخ سے ملے گا تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔

(۵) بیع فاسد ہے جس کا حکم یہ ہے کہ طرفین کے ذمہ شرعاً اس کا فسخ کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر فسخ نہ کریں تو ملک ہو جاتی ہے اور دوسرے خریدنے والوں کو ان سے لینا جائز ہو جاتا ہے کذا فی عامۃ کتب الفقہ۔

(۶) رہن کی آمدنی اگرچہ مالک کی اجازت سے ہو مرتہن کے لئے ناجائز ہے اور سود کے حکم میں ہے۔ کل قرض جر نفعاً فھو ربوا علامہ شامی نے بحث کے بعد اسی پر فتویٰ دیا ہے اور اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۱۲ رجب ۵۰ھ

گھوڑدوڑ پر انعام

(سوال ۷۴۹) ایک جگہ گھوڑدوڑ میں پانچ پانچ روپیہ کا ٹکٹ مالک گھوڑے سے لیا جاتا ہے اور اگر وہ ٹکٹ والا گھوڑا اول نمبر پر آوے تو پانچ پانچ روپیہ کے بجائے سوا ایک ہزار روپیہ تک مل جاتا ہے آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) یہ صورت گھوڑدوڑ کی جو دوسرے طریقہ کے عنوان سے بیان کی گئی ہے شرعاً جائز ہے کیونکہ درحقیقت اس شرط کی صورت ہی نہیں بلکہ ایسا ہے کہ پانچ روپیہ تو گھوڑدوڑ میں گھوڑے کے داخل کرنے کی فیس کلب لیتا ہے اور پھر جس کا گھوڑا بڑھ جاوے اس کو کچھ روپیہ ایک ہزار تک بطور انعام دیتا ہے تو یہ روپیہ شرط پر نہ ملا بلکہ بطور انعام کے حاصل ہوا جس میں کوئی شرعی گناہ نہیں۔ واللہ اعلم

گھوڑدوڑ کے شرعی احکام اور اس میں قمار کی حرمت

(سوال ۷۵۰) دمشق کے ایک فتویٰ کی نقل ارسال خدمت کرتا ہوں اس فتویٰ کے مطابق اسلام میں بعض حالات میں گھوڑدوڑ میں بازی لگانا جائز ہے میں مشکور ہوں گا اگر جناب ہز ایکسلنسی[1] گورنر جنرل صاحب کی معلومات کے لئے اپنی رائے سے بھی مطلع فرمادیں۔ فقط

(الجواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کرم فرمائے محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بجواب مراسلہ نمبر ڈی ۸۱۳ ۳ جی جی ۵۰ مورخہ ۸ نومبر ۱۹۵۰ گھوڑدوڑ کے متعلق دمشق کا فتویٰ مرسلہ

(۱) گورنر جنرل پاکستان جناب ناظم الدین صاحب مراد ہیں جن کے حکم سے یہ سوال میرے پاس بھیجا گیا تھا۔ ۱۲ محمد شفیع

جناب دیکھااگر چہ نقل کرنے والے نے اس کو بے حد غلط کر دیا ہے تاہم اصل مضمون پڑھ لیا گیا مجموعی اعتبار سے فتوی صحیح ہے جو مذہب مالکیہ کے اصول پر لکھا گیا ہے حنفیہ کا مذہب بھی اس میں تقریباً یہی ہے کچھ جزوی فرق ہے لیکن اس مسئلہ میں بہت اہم اور قابل نظر چیز یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ کا جو مفہوم اور اس کی جو صورت حدیث میں اور فقہاء کے کلام میں وارد ہے اور جس کی مختلف صورتوں کے احکام کتب حدیث و فقہ میں منقول ہیں اور جن کے ماتحت یہ فتوی لکھا گیا ہے وہ آج کی گھوڑ دوڑ اور ریس کی صورت سے بالکل مختلف چیز ہے ضرورت اس امر کی تھی کہ موجودہ ریس کی صورتیں اور اس کے قواعد و ضوابط پیش کر کے اس پر علماء سے فتوی لیا جاتا ہے تاکہ موجودہ قسم کی گھوڑ دوڑ کے صحیح احکام معلوم ہو سکے مطلقاً گھوڑ دوڑ کے جواز و عدم جواز کا حکم معلوم کر کے موجودہ قسم کی گھوڑ دوڑ پر اس کو منطبق نہیں کیا جا سکتا اس لئے احقر نے قدیم قسم کی گھوڑ دوڑ اور اس کی جائز و ناجائز قسموں کو لکھنے کے ساتھ موجودہ قسم کی گھوڑ دوڑ کے متعلق جہاں تک مجھے اس کے قواعد کا علم ہے اس کے بھی احکام نیز بعض دوسری قسم کی بازیوں کے احکام بھی عزت مآب گورنر جنرل صاحب کی معلومات کے لئے لکھ دیئے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر قسم کی شرائط اور اس کے احکام کو جدا جدا سمجھا جائے فرق کو نظر انداز کر کے ایک قسم کو دوسری قسم سے نہ ملایا جائے اور اگر موجودہ قسم کی گھوڑ دوڑ میں کچھ مزید تفصیلات ہوں اور ان کے احکام معلوم کرنا ہوں تو اردو زبان میں اس کی صورتیں لکھوا کر مکرر سوال کیا جا سکتا ہے۔ والسلام ۲۵ ربیع الاول ۱۳۷۰ ہجری (اضافہ)

(گھوڑ دوڑ کے شرعی احکام)

بہت سے کام ایسے ہیں کہ ان کی صورت کھیل تماشا کی ہے مگر ان کے ذریعہ قوت جہاد اور صحت جسمانی وغیرہ کے اہم فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں ایسے کھیلوں کو شریعت اسلام نے خاص شرائط کے ساتھ نہ صرف جائز بلکہ ایک درجہ میں مستحسن سمجھا ہے اور ان میں بازی لگانے اور مسابقت کرنے کی بھی اجازت دی ہے (بشر طیکہ اس میں قمار کی صورت نہ ہو) جس طرح ایسے کھیلوں سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے جن میں قمار بازی ہو یا جن میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہیں یا جن میں انفرادی یا اجتماعی مضرتیں ہیں ان کھیلوں کے جائز و ناجائز اقسام کی تفصیل اس تحریر کے آخر میں آئے گی۔

(گھوڑ دوڑ)

حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑ دوڑ کرائی (احکام القرآن جصاص صفحہ ۳۸۸ ج۱) اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لا سبق الافی خف او حاضر او نصل (جامع صغیر بر متن مسند احمد عن ابی ہریرۃ) حدیث میں لفظ سبق وارد ہوا ہے جس کے معنی اس معاوضہ کے ہیں جو کسی بازی میں آگے بڑھنے والے کو دیا جاتا ہے (صرح به في شرح الجامع

الصغیر) اس لئے معنی حدیث کے یہ ہیں کہ کسی مسابقت (بازی) پر معاوضہ یاانعام مقرر کرنا جائز نہیں بجز اونٹوں کی دوڑ یا گھوڑ دوڑ یا تیر اندازی، نشانہ بازی کے احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خاص صورتوں میں بازی ومسابقت اور اس پر معاوضہ یاانعام مقرر کرنا صرف مذکورہ تین چیزوں میں جائز ہے اور بعض حضرات فقہا نے پیادہ دوڑ میں بازی لگانے کو بھی مذکورہ تین قسموں کے ساتھ شامل کر کے چار قسمیں کردی ہیں کیونکہ پیادہ دوڑ بھی قوت جہاد کے اسباب میں سے ہے اور حضرت صدیقہ عائشہؓ کی ایک حدیث اس کی مؤید ہے (شامی صفحہ ۳۵۵ ج ۵ کتاب الکراہتہ)

گھوڑ دوڑ وغیرہ بازی اور اس پر معاوضہ یاانعام کی چند صورتیں ہیں جن میں حسب تشریح قرآن وحدیث بعض جائز ہیں بعض ناجائز۔

(گھوڑ دوڑ کی جائز صورتیں)

مندرجہ ذیل تمام صورتوں میں جواز کے لئے دو شرطیں لازمی ہیں اول یہ کہ اس کام کا مقصد محض کھیل تماشہ نہ ہوبلکہ قوت جہاد یاورزش جسمانی ہو دوسرے یہ کہ جو انعام مقرر کیا جاوے وہ معلوم متعین ہو مجہول یا غیر معین نہ ہو (شامی وغیرہ)

(۱) فریقین جو اپنے اپنے گھوڑے دوڑا کر بازی لگا رہے ہیں آپس میں کسی کو کسی سے لینا دینا نہ ہوبلکہ حکومت وقت یا کسی شخص یا جماعت کی طرف سے بطور انعام کوئی رقم آگے بڑھنے والے کے لئے مقرر ہو البدائع الضائع میں ہے وكذالك ما يفعله السلاطين وهو ان يقول السلطان من سبق منافله كذا فهو جائز لما بينا ان ذلك ---- التحريض على استعداد اسباب الجهاد خصوصاً من السلطان (بدائع ص ٢٠٦ ج ٦)(شامی ص ٣٥٤ ج ٥)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ آگے بڑھنے والے کے لئے معاوضہ یاانعام فریقین ہی میں سے ہو مگر صرف ایک طرف سے ہو دو طرفہ شرط نہ ہو مثلاً زید وعمر گھوڑوں کی دوڑ لگا رہے ہیں زید یہ کہے کہ اگر عمر آگے بڑھ گیا تو میں اس کو ایک ہزار انعام دوں گا دوسری طرف کی شرط نہ ہو کہ میں آگے بڑھ گیا تو عمر یہ روپیہ مجھے دے گا۔

(۳) فریقین میں دو طرفہ شرط بھی حنفیہ کے نزدیک ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ ہے کہ فریقین ایک تیسرے گھوڑے سوار کو مثلاً خالد کو دیتے ساتھ شریک کرلیں پھر اس کی دو صورتیں ہیں (الف) شرط کی صورت یہ ٹھیرے کہ زید آگے بڑھے تو عمر ایک ہزار روپیہ اس کو دے اور عمر بڑھے تو زید اتنی رقم اس کو ادا کرے اور خالد بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہیں یا (ب) شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید وعمر دونوں اس کو ایک ایک ہزار روپیہ دیں اور زید وعمر دونوں یا ان میں سے ایک آگے بڑھے تو خالد کے ذمہ کچھ نہیں لیکن زید وعمر میں جو باہم آگے بڑھے تو دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم آئے۔ ان دونوں آدمیوں میں جو تیسرا آدمی شریک کیا گیا ہے اس کو حدیث کی اصطلاح میں محلل کہا گیا ہے اور دونوں

صورتوں میں یہ امر مشترک ہے کہ تیسرے آدمی کا معاملہ نفع وضرر میں دائر نہیں بلکہ ایک صورت میں اس کا نفع متعین ہے دوسرے میں اس کا کچھ نقصان نہیں۔

اس تیسری صورت کے لئے جب بتصریح حدیث یہ ضروری شرط ہے کہ یہ تیسرا گھوڑا زید وعمر کے گھوڑوں کے ساتھ مساوی حیثیت رکھتا ہو جس کی وجہ سے اس کے آگے بڑھنے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں ایسا نہ ہو کہ اس کے کمزور یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہنا عادۃً یقینی ہو یا زیادہ قوی و چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھنا یقینی ہو۔ حدیث میں ہے **من ادخل فرساً بین فرسین وھو لا یامن ان یسبق فلا باس بہ و من ادخل فرساً بین فرسین وھو آمن ان یسبق فھوقمار** اھ (ابو داؤد مسند احمد)

البدائع الصنائع میں شرائط جواز بیان کرتے ہوئے مذکور الصدر تفصیل لکھی ہے اھ (بدائع ص ۲۰۶ ج ۶) نیز عالمگیری کتاب الخطر والاباحت باب نمبر ۶ اور شامی صفحہ ۳۵۴ ج ۲) میں بھی یہ سب تفصیل موجود ہے۔

(گھوڑدوڑ کی ناجائز صورتیں)

(۱) گھوڑ دوڑ وغیرہ کی بازی محض کھیل تماشا یا روپیہ کے طمع کے لئے ہو استعداد قوت جہاد کی نیت نہ ہو (شامی)

(۲) معاوضہ یا انعام کی شرط فریقین میں دوطرفہ ہو اور کسی تیسرے کو اپنے ساتھ بتفصیل مذکورہ بالا نہ ملایا جائے تو یہ قمار اور حرام ہے (بدائع۔ شامی۔ عالمگیری)

(۳) اس کی مروجہ شکل کہ گھوڑوں کی دوڑ کسی کمپنی کی طرف سے ہوتی ہے گھوڑے کمپنی کی ملک اور سوار اس کمپنی کے ملازم ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ گھوڑوں کے نمبر پر اپنا اپنا داؤ لگاتے ہیں جس کی فیس ان کو داخل کرنا ہوتی ہے جس نمبر کا گھوڑا آگے نکل جائے اس پر داؤ لگانے والے کو انعامی رقم مل جاتی ہے باقی سب لوگوں کی فیس ضبط ہو جاتی ہے یہ صورت مطلقاً قمار اور حرام ہے۔ اول تو اس ریس کو قوت جہاد پیدا کرنے سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ قماربازی لگانے والے نہ گھوڑے رکھتے ہیں نہ سواری کی مشق سے ان کو کچھ کام ہے۔

ثانیاً جو صورت معاوضہ رکھی گئی ہے کہ ایک شق میں داؤ لگانے والے کو انعامی رقم ملتی ہے اور دوسرے شق میں اس کو اپنی دی ہوئی فیس سے بھی دست بردار ہونا پڑتا ہے یہ عین قمار ہے جو نص قرآن حرام ہے یہ مروجہ ریس کی صورت معلوم ومعروف تھی اس کا حکم لکھا گیا ہے۔

ادھار کی وجہ سے قیمت زیادہ لینا

(سوال ۷۵۱) زید بوجہ ادھار کے نرخ بازار سے کم فروخت کرتا ہے اگر جائز ہے تو قاضی خاں اور مبسوط نے جو ناجائز لکھا ہے اس کا جواب کیا ہوگا۔

(الجواب) ادھار کی وجہ سے نرخ بازار سے کم فروخت کرنا جائز ہے مگر خلاف مروت اور مکروہ ہے دلیل جواز پر صاحب ہدایہ کا قول ہے باب مرابحہ میں ہے۔ **الا تری انہ یزادفی الثمن لا جل الاجل وقال فی البحر**

من باب المرابحة لان للاجل شبهاً بالمبیع الا ترٰی انه یزاد فی الثمن لا جل الا جل ثم قال بعد اسطرالا جل فی نفسه لیس بمال ولا یقابله شئ من الثمن حقیقیة اذا لم یشترط زیادة الثمن بمقابلة قصداًویزاد فی الثمن لاجله اذا ذکرالاجل بمقابلة زیادة الثمن قصداً فاعتبر ماه فی المرابحة احترازاً عن شبهة الخیانة ولم یعتبر مالا فی حق الرجوع عملا بالحقیقة انتهٰی بحر الرائق صفحه ۱۱٤ ج ٦. و مثله فی الشامی من المرابحة ص ۱۷۵ ج ٤۔

اور علامہ کواکبی مفتی حلب فوائد سمیہ میں لکھتے ہیں لان المؤجل والا طوال اجلا انقص مالیة من الحال ومن الا قصر اجلاً (فوائد سمیه باب المرابحة ص ۳۸ ج ۲)

عبارات مذکورہ سے بوجہ ادھار کے زیادتی ثمن کا جواز صاف معلوم ہوتا ہے قاضی خاں کے باب الاجل والدین اورباب الربوا میں توبنظر اجمال ایسی کوئی چیز نظر نہیں پڑی جواس کے خلاف ہواس لئے اگر قاضی خاں اور مبسوط کی عبارت مع حوالہ باب وصفحہ وغیرہ لکھی جائے توکچھ جواب عرض کیاجاسکتاہے البتہ ہدایہ کتاب الصلح میں جویہ الفاظ ہیں الاعتیاض عن الاجل حرام ان سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے مگر وہ اس صورت میں جب کہ ایجاب وقبول کے ساتھ بطور شرط یہ کہاجائے کہ اگر تم نقد لیتے ہو تو یہ قیمت اور ادھار لیتے ہو تو یہ یاایک مہینہ کاادھار لیتے ہو تودس روپیہ ہوں گے اوردو مہینہ کاادھارلو گے توبارہ روپیہ۔

(نوٹ) بعد میں تلاش کرنے سے قاضی خاں کی عبارت بھی مل گئی وہ بھی اسی صورت میں ناجائز فرماتے ہیں اور جواوپر مذکور ہوئی مطلقاًادھار کی وجہ سے قیمت کی زیادتی کو ممنوع نہیں قرار دیتے جیسا کہ ان کی عبارت میں تقریباًاس کی تصریح موجود ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً ---- (سوال ۷۵۲) ایک شخص کے گھر میں ایک سو من دھان موجود تھےاس نے تین مہینے کی مہلت پر تین روپیہ فی من کے حساب سے فروخت کردیئے اس وقت بازار میں دھان دوروپیہ میں بکتے تھے اس نے ادھار کی وجہ سے ایک روپیہ من نرخ بازار سے زیادہ لیایہ بیع جائز ہےیا نہیں ایک مولوی صاحب نے جواز کافتوی دیااور ایک مولوی صاحب نے عدم جواز کاآیا صحیح اس بارے میں کیاہے یہ بیع درست ہےیا نہیں۔؟

(الجواب) اس مسئلہ میں تفصیل ہے اگر بوقت معاملہ کوئی قیمت متعین نہ کرے بلکہ یوں کہے کہ اگر ادھار لوگے تو تین روپیہ من قیمت ہے اور نقدلوگے تودوروپیہ من یایوں کہے کہ ایک مہینہ کے ادھار پر دوروپیہ ملکیئےاور تین مہینے کے ادھار پر تین روپیہ من دوں گا یہ صورت توناجائز ہے۔قال فی العالمگیریہ من الباب العاشرفی الشروط التی تفسد البیع رجل باع علی انه بالنقد بکذا وبالنسیة بکذا اوالی شهر بکذا والی شهرین بکذا لم یجز کذافی الخلاصة عالمگیری کشوری صفحه ۱۵٤ جلد ۳ اوراگر معاملہ اس طرح نہ کرے بلکہ پہلے یہ معلوم کرے کہ یہ شخص ادھار لے گا قیمت میں بہ نسبت نقد کے زیادہ بڑھادے توجائز ہے لمافی الهدایة من باب المرابحة الا ترٰی ان الثمن یزادلاجل الاجل و مثله فی البحر و الدر المختار و الشامی و الفتح.

اور جو صورت زیادتی قیمت کی سوال میں ذکر کی گئی ہے وہ صورت ثانیہ کے اندر داخل ہے اس لئے یہ معاملہ جائز و صحیح ہے البتہ قاضی خاں کی عبارت سے ایک شبہ ہوتا تھا اس کا مفصل جواب ربیع الاول کے پرچہ میں آئے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم

روپیہ کی ریزگاری میں ادھار کس صورت میں جائز ہے

(سوال ۷۵۳) زید عمر سے ایک روپیہ کی ریزگاری لینا چاہتا ہے مگر عمر کے پاس ۱۲ پیسے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ چار آنے پیسے بعد میں لے جانا تو کیا یہ بیع نسیہ میں داخل ہے اور جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) اگر بارہ آنے کی ریزگاری چاندی کی قسم سے دیتا ہے تب تو یہ صورت جائز نہیں کیونکہ بیع چاندی کی چاندی کے ساتھ ہے جس میں تفاضل کی طرح نسیہ بھی حرام ہے اور اگر ۱۲ کے پیسے یا مروجہ اکنیاں وغیرہ گلٹ کے سکے دیتا ہے تو جائز ہے کیونکہ جنس مختلف ہو گئی اور قدر کا اتحاد اگر مانا بھی جائے تو اس سے نسیہ حرام نہیں ہوتا۔ علی القول المفتی به لمافی الدر المختار وغیرہ و مفادہ ان القدر بانفرادہ لا یحرم النساء بخلاف الجنس فلیحرر. واللہ سبحانه و تعالی اعلم

باب القرض والدین
(قرض کا بیان)

قرض روپیہ دینے کی ایک صورت اور اس کا حکم

(سوال ۷۵٤) زید نے عمر سے کہا کہ میں آپ کو روپیہ دیتا ہوں آپ اس روپیہ سے گائے، بیل، بھینس وغیرہ کے فلاں قسم کے چمڑے خرید کر میرے ہاتھ فروخت کیجئے اور جب پانچ سو روپیہ کا مثلاً چمڑا جمع ہو جاوے تو مجھ کو خبر دیجئے میں وقت مقررہ پر حاضر ہو کر دو روپیہ فی سیر کے حساب سے لوں گا آپ جس نرخ سے چاہیں خریدیں اور میرے روپیہ سے جو مال خریدا ہو گا بغیر میری اجازت آپ دوسرے سے فروخت نہیں کر سکتے۔ عمر نے ان تمام باتوں کو منظور کر کے زید سے پانچ سو روپیہ لے لیا اور ۸/ سیر چمڑا خرید کرنے لگا جب پانچ سو روپیہ کا چمڑا جمع ہو گیا تو زید کو خبر دی زید وقت مقررہ پر نہ آیا بلکہ پندرہ دن کے بعد آیا ان پندرہ دن کے اندر عمر کے چمڑے کا وزن اتنا کم ہو گیا کہ دو روپیہ سیر کے حساب سے چھ سو روپیہ کی قیمت چار سو روپیہ ہوئی اب زید کے ایک سو روپیہ عمر کے یہاں باقی رہے تو کیا زید کے لئے ایک سو روپیہ عمر سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور چمڑے کا وزن کم ہونے کی وجہ سے عمر کو یہ نقصان ہوا کہ اس کے چھ سو روپیہ کے چمڑے کی قیمت چار سو روپیہ ہوئی تو کیا عمر کو یہ دو سو روپیہ زید سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) صورت مذکورہ دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک معاملہ دوسرا وعدہ۔ زید نے جو روپیہ عمر کو دیا یہ تو ایک معاملہ عاریت ہے لیکن روپیہ کی عاریت قرض کے حکم میں ہوتی ہے لمافی الهدایه و عاریة الدراهم والدنانیر والمکیل والموزون و المعدود قرض.

لہذا جو روپیہ زید نے عمر کو دیا یہ اس کے ذمہ قرض ہو گیا پھر عمر نے جو زید سے کہا کہ تم اس روپیہ سے جس قدر چمڑا خرید و میں اس کو دو روپیہ سیر کے نرخ سے تم سے خریدوں گا اور تم بغیر میری اجازت کے کسی دوسرے کو نہ دینا یہ ایک وعدہ اور معاہدہ ہے جس کا حکم شرعاً یہ ہے کہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور اس کے خلاف کرنا گناہ ہے لیکن خلاف کرنے کی صورت میں کوئی تاوان مالی اس پر شرعاً عائد نہیں ہوتا لہذا زید صورت مذکورہ میں خلاف وعدہ کرنے اور باعث نقصان بننے کی وجہ سے گناہ گار تو ضرور ہوا لیکن عمر کو اس سے تاوان مالی وصول کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ عمر کو چاہیے تھا کہ جس وقت وہ مال خرید چکا تھا اور زید نے آنے میں دیر کی تو زید کو ایک مرتبہ متنبہ کر دیتا کہ اب میرا نقصان ہوتا ہے اگر تم نے خود آکر یا کسی کو بھیج کر مال فی الحال وزن نہ کرایا تو میں دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالوں گا۔

حاصل یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں زید کے لئے عمر سے ایک سو روپیہ وصول کرنے کا حق ہے اور عمر کو اپنے نقصان کا تاوان زید سے وصول کرنے کا حق نہیں لیکن زید کو چاہیے کہ چونکہ وہ نقصان کا باعث بنا ہے تو عمر کو راضی کرے اور استغفار کرے۔واللہ اعلم

کتاب الاجارات

(ملازمت کرنے اور کرائے پر لینے دینے کا بیان)

امامت اور تعلیم کے لئے ملازم رکھا گیا مگر وہ پوری طرح دونوں کام انجام نہیں دیتا؟

(سوال ۷۵۵) کسی شخص کو واسطے امامت و تعلیم اطفال کی پوری تنخواہ پر مقرر کر رکھا ہو مگر امام صاحب نہ تو جماعت پنجگانہ کے پابند ہیں اور نہ لڑکوں کو تعلیم دیتے ہیں بلکہ ان لڑکوں سے نجی کام لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جس شخص نے امامت اور تعلیم کے لئے ملازمت اختیار کی ہے جب تک وہ اپنے مقررہ کام کو انجام نہ دے اس کو تنخواہ لینا حلال نہیں جس قدر کام میں کمی کرے گا اس قدر تنخواہ اسی حساب سے ناجائز ہو جائے گی کما هو مسئلة الاجارة اور لڑکوں سے جو کام لیتے ہیں اگر لڑکے بالغ ہیں اور اپنی خوشی سے کام کرتے ہیں تو جائز ہے اور اگر نابالغ ہیں تو جب تک ان کے اولیاء اجازت نہ دیں ان سے کام لینا جائز نہیں صرّح به في الخلاصة و غيرها۔ البتہ اگر کام ایسے معمولی ہوں جن کا بچوں سے لینا عادۃً معروف ہے ان میں اجازت ضمنیہ کافی ہوتی ہے ایسے کام لینا بلا اجازت صریحہ کے جائز ہیں۔

مزدور کی خوراک بھی جزو اجرت ہو سکتی ہے جہاں اس کا عرف ہو

(سوال ۷۵۶) ملک بنگال میں پرانے زمانے سے یہ رواج عام چلا آرہا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور سے خدمت لینا چاہے تو کچھ نقد مثلاً روزانہ ایک روپیہ اور تین وقت خوراک مقرر کرنا پڑتا ہے اگر اس نے دینے سے کوئی انکار کرے تو ایک روپیہ کی جگہ دو روپیہ مثلاً روزانہ اجرت دینا پڑتا ہے، اور بعض جگہ بغیر خوراک کے مزدور لوگ راضی ہی نہیں ہوتے بہر حال بیان یا قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ اور خوراک دونوں اجرت میں شمار کئے جاتے ہیں روپیہ معلوم و معین اور خوراک غیر معلوم و غیر معین اب یہ اجارہ شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر ناجائز ہونے کا حکم دیا جائے تو یہ حرج ہوتا ہے کہ اکثر جگہوں میں مزدور ملنا ہی مشکل ہو جائے گا ادھر مزدور کے بغیر کھیت اور باغ کا کام انجام دینا ناممکن ہوتا ہے اگر ضرورت کی بناء پر اجارة الظئر پر قیاس کر کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا جائے تو روزانہ اور ماہوار و سالانہ مزدر میں کچھ فرق ہو گا یا نہیں چاہے جائز ہو یا نہ ہو بہر حال اس مزدور کو کچھ کھلایا جاتا ہے یہ اجرت میں محسوب ہو گا یا نہیں، اور ایسے مزدور کو قربانی کے گوشت سے کھلانا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں چونکہ اس مسئلہ میں یہاں کے علماء کا بہت اختلاف ہے اس لئے ازروئے مہربانی شقوق مجملہ پر با دلیل جواب تحریر فرماویں۔ فقط

(الجواب) در مختار میں ہے -مالم ينص عليه حمل على العرف و من الثاني اعتبار العرف مطلقاً و رجحه الكمال اخرج عليه سعدى اثندى استقراض الدراهم عدداً وقال في الدر المختار ولا يختص هذا بالاستقراض بل مثله البيع والاجارة.

معلوم ہوا کہ بہت سی چیزوں میں مدار جواز کا عرف بھی ہوتا ہے ان کی مختصر فہرست شامی نے اپنے

رسالہ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف میں ذکر کی ہے پس اجرت علی الطعام بھی بناء بر عرف جائز ہے مجلّہ عدلیہ کی دفعہ ۵۷۶ میں ہے لا یلزم المستاجر اطعام الاجیر الاان یکون عرف البلدة اه - معلوم ہوا کہ اگر کسی بلدہ کا عرف یہ ہو کہ اجرت نقد کے ساتھ کھانا بھی دیا جاتا ہو تو مستاجر پر اجیر کو طعام دینا ضروری ہوگا اور جب کہ نقدر قسم کے ساتھ کھانا دینے کی تصریح بھی ہو اور بلدہ کا عرف بھی ہو تو یقیناً اس کا دینا ضروری ہوگا اور ایسے مزدور کو قربانی کے گوشت مزدوری میں کھلانا جائز نہیں البتہ مقررہ مزدوری سے زائد کر کے دیا جاسکتا ہے۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب صحیح محمد اعزاز علی غفرلہ ۳-۱-۶۸ ہجری

غیر مسلم کی شراب مزدوری پر لے جانا

(سوال ۷۵۷) زید ایک کافر کی خمر کو موٹر پر لاد کر کسی جگہ پہنچاتا ہے اور اس پر اجرت لیتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اس کا کرایہ اگر بضرورت مبلغین کی تنخواہ میں صرف کریں تو کیسا ہے؟

(الجواب) اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز اس لئے بلا ضرورت شدیدہ اس میں مبتلا نہ ہونا چاہئے اور مبلغ اسلام وغیرہ کی جو صورتیں لکھی ہیں اگر ان کے لئے کوئی دوسری صورت نہ ہو تو یہ بھی ضرورت میں داخل ہے کرایہ لیکر ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔ قال الزیلعی علی هذا الخلاف لو أجره ای الکافردابته لینقل علیها الخمراواجره بنفسه لیرعی له الخنازیریطیب له الا۔ جر عند ابی حنیفةؒ وعندهما یکره شامی استنبولی کتاب الخطر والا باحة صفحه ۳۴۵ ج ۵ وفی الخلاصة صفحه ۱۴۹ ج ۳ من کتاب الاجارة وکذا لوأجر نفسه لیحمل له الخمر یکره لان التصرف فی الخمر حرام قالؒ هکذا اطلق لکن هذا قولهما واما علی قول ابی حنیفةؒ لا یکره.

احقر محمد شفیع غفرله ۲۴ صفر ۱۳۵۰ هجری

اگرچہ نفس عقد جائز ہے مگر بوجہ اعانت علی المعصیت ایسے معاملات سے احتراز لازم ہے۔

بندہ اصغر حسین عفی عنہ

آڑھت اور دلالی کی اجرت

(سوال ۷۵۸) جو شخص آڑت کا کام کرتے ہیں اور آرٹ دونوں فریق سے لیتے ہیں اور چنگی مال سے علیحدہ لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں اور وہ چنگی جو زمیندار کے مال سے نکال کر جمع کرتے ہیں پھر اس مال سے چنگی وآڑت لیتے ہیں ایسی کمائی سے جو مال جمع ہو وہ حلال ہے یا حرام۔؟

(الجواب) دلال کی اجرت کام اور محنت کے موافق لینا اور دینا جائز ہے بشرطیکہ ظاہر کر کے رضا سے لیا جاوے اور جو خفیہ طرفین سے لیا جاتا ہے وہ جائز نہیں فی الشامی کتاب الاجارہ صفحه ۴۳ ج ۵. قال فی التتار خانية و فی الدلال والسبار یجب اجر المثل وماتو اصغرا علیه ان فی عشرة دنا نیر کذافذاك حرام

علیھم اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو روپیہ وغیرہ خفیہ لیتے ہیں وہ حرام ہے۔

دلال کی اجرت لینا

(سوال ۷۵۹) دلالی لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ دلالی مشتری سے وصول کی جاتی ہو تو کیا حکم ہے۔ ؟بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر بایع یعنی مالک کی اجازت سے خود دلال مال کو فروخت کرے تو اس کی اجرت اور دلالی بایع کے ذمہ ہے اور اگر دلال محض کوشش کرنیوالا ہے اور معاملہ کرنیوالا ہے اور فروخت کرنیوالا خود بایع ہے تو اس میں عرف اور رواج کا اعتبار ہو گا رواج کے موافق جس کے ذمہ دلالی ہو گی اس سے لینا جائز ہو گا در مختار میں ہے واما الدلال فان باع العین بنفسه باذن ربها فاجرته علی البائع وان سعی بینهما وباع المالك بنفسه یعتبر العرف فتجب الدلالة علی البائع او المشتری و علیهما بحسب العرف جامع الفصولین - شامی لیکن جواز مسئلہ مختلف فیہ ہے احتیاط ترک میں ہے۔ صرح به الشامی فی الاجارات۔

کتبہ مسعود احمد الجواب صحیح محمد شفیع غفرلہ

دوکان کا عقد اجارہ مکمل ہونے کے بعد کرایہ پر دینے سے انکار کرنا

(سوال ۷۶۰) دکان نمبر ۹۴ ملکیت بابو عبدالرشید کوہ شملہ لوئر بازار میں واقع ہے وہ یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو مبلغ دوسو روپیہ کرایہ پر ہمعہ تحریر تمسک دو گواہ و ضامن بابو غلام محی الدین مالک دکان نے یہ اقرار کیا کہ تمسک لینے کے بعد کہ ایک ہفتہ میں دوکان صاف کر کے تمہیں قبضہ دے دوں گا کاغذ دیکر میں دہلی روانہ ہو گیا اور ان سے کہا کہ مجھے دہلی اطلاع کر دینا اور میں اپنا انتظام کرتا ہوں چنانچہ میں نے دہلی جاکر کاروبار بند کیا اور اسباب بند کیا اور شملہ روانہ ہو گیا اسی اثناء میں عرصہ پندرہ روز کا گزر گیا مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی میں نے جوابی کارڈ روانہ کیا جس کا کوئی جواب نہیں ملا ۵ فروری ۱۹۳۱ء کو رجسٹری لفافہ روانہ کیا اس کا بھی کوئی جواب نہیں ملا ۲۰ مارچ کو ایک نوٹس اس کے نام بھیجا جس کی نقل منسلک ہے اس کا جواب بھی نہیں ملا پھر میں نے اپنے ضامن کو شملہ بھیجا تو ایجنٹ بابو عبدالرشید کا یہ جواب دیتا ہے کہ ہمیں کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی پھر میں ۱۴ اپریل کو سامان لیکر شملہ چلا آیا اب اسی عبدالرشید کی ملکیت میں دکان نمبر ۹۳ خالی ہے وہ بعوض دکان نمبر ۹۴ اس شرط پر دی کہ دکان ۹۴ جب خالی ہو جاوے گی وہ تم کو دیدی جاوے گی چونکہ وہ دوکان موقع کی تھی اور یہ کج میں دبی ہوئی ہے اب مالک دوکان اس بات پر حجت کرتا ہے کہ میں کرایہ دوکان پورا لوں گا یعنی مبلغ دوسو روپیہ اور کچھ حرجانہ وغیرہ نہیں لوں گا اس صورت میں مالک دوکان سے میں حرجانہ لے سکتا ہوں یا نہیں۔ ؟

(الجواب) دوکان نمبر ۹۴ جس کا کرایہ نامہ مکمل ہو کر عقد اجارہ سائل کے حق میں مکمل ہو چکا ہے مالک دوکان کے ذمہ شرعاً واجب ہے کہ اپنی تحریر کے موافق اس کرایہ دار کے حوالہ کردے اور سائل کو یہ حق ہے کہ وہ بذریعہ عدالت یا پنچائت وغیرہ مالک دوکان کو دوکان نمبر ۹۴ کے دینے پر مجبور کرے لیکن درصورت خلاف ورزی سائل کو کوئی جرمانہ یا تاوان مالک دوکان سے لینے کا حق نہیں البتہ کرایہ اس دوکان کا اس کے ذمہ واجب نہ ہو گا اور

مالک دوکان اس حرکت کی وجہ سے سخت گناہ گار اور مستحق عذاب ہوگا باقی رہا دوکان نمبر ۹۳ کا قصہ سو یہ ایک مستقل معاملہ ہے اس کو پہلے معاملہ سے کچھ تعلق نہیں نہ سائل اس پر مجبور ہے کہ وہ اس دوکان کو ضرور لے یا اسی کرایہ پر لے جو نمبر ۹۴ کا اقرار پایا تھا اور نہ دوکاندار اس پر مجبور ہے کہ اس کو دے بلکہ تراضی طرفین جو کرایہ طے ہو جائے وہی معتبر ہوگا۔

والدلیل علی ما قلنا اولاً ما فی العالمگیریۃ من باب تسلیم الاجرۃ اذا وقع عقد الاجارۃ صحیحاً علی مدۃ او مسافۃ وجب تسلیم ما وقع علیہ العقد دائما مدۃ الاجارۃ کذافی المحیط. عالمگیری ہندی صفحہ ۱۲۲ ج ۳ والدلیل علی ما قلنا ثانیاً فلا نہ من قبیل حبس المنافع وھی غیر مضمون فی امثال ھذہ الصور

مدرسین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کس شرط سے جائز ہے

(سوال ۷۶۱) مدرستہ الشرع سنبھل کے متعلق جائیداد وقف ہے امسال کی پیداوار اور عدم وصول لگان کی وجہ سے مجلس شوریٰ نے تمام ملازمین مدرسہ کی تنخواہوں میں تخفیف کردی ہے ایک مدرس عربی تخمیناً دس سال سے ملازم ہیں اور دو مدرس امسال شوال سے ملازم ہوئے ہیں ان کے تقرر کے وقت مہتمم صاحب نے یہ ظاہر کردیا تھا کہ اگرچہ اس جگہ کی تنخواہ زیادہ ہے مگر بوجہ کمی سرمایہ کم پر معاہدہ کیا جاتا ہے باوجود اس معاہدہ کے وسط سال میں کمیٹی نے ان دونوں مدرسوں کی تنخواہ میں بھی کمی کردی۔؟

(۱) آیا مدرسین عربی کی تنخواہ میں دوران سال میں کمی جائز ہے یا نہیں۔؟

(۲) مدرسین جدید العہد کی تنخواہ میں معاہدہ مسطورہ کی بناء پر کمی جائز ہے یا نہیں۔؟

(۳) دوسرے ملازمین کی تنخواہ میں تخفیف جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اصل اس باب میں یہ ہے کہ تدریس کے لئے ملازمت مدرسہ احکام دینویہ کے اعتبار سے اجارہ کا حکم رکھتی ہے اگرچہ عنداللہ عبادت ہونے کی توقع ہے اور احکام اجارہ میں اس کی ہر وقت گنجائش ہے کہ تنخواہ میں کمی بیشی کی جائے لیکن جس طرح متولی اور مہتمم مدرسہ کو تنخواہ میں کمی کرنے کا اختیار ہے اسی طرح مدرس کو اس تنخواہ پر رہنے نہ رہنے کا اختیار ہے لیکن یہ سب اس وقت ہے کہ اجارہ اجارہ شہریہ ہو یعنی مدرس بھی ایک مہینہ تک کا پابند ہو اور مہتمم بھی یعنی ختم ماہ پر مدرس اگر ملازمت چھوڑدے تو مہتمم کو کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہوتی ہو اور اگر مہتمم علیحدہ کردے تو مدرس کو حسب قاعدہ کوئی شکایت نہ ہو ایسی صورت میں تو حکم وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ختم ماہ پر مہتمم کو تنخواہ میں تخفیف کرنیکا اور مدرس کو رہنے نہ رہنے کا اختیار ہوگا اور اگر اس کو اجارہ سنویہ (سالانہ) قرار دیا جائے یا کسی معاہدہ وغیرہ سے اجارہ سنویہ ثابت ہو جائے تو پھر نہ مہتمم کو وسط سال میں کوئی تغیر تخفیف تنخواہ کے متعلق جائز ہے اور نہ مدرس کو ختم سال سے پہلے بلاعذر شرعی چھوڑ کر جانا جائز ہے۔

(۲و۳) مدرسین جدید العہد اور جملہ ملازمین کا بھی یہی حکم ہے کہ پہلے یہ دیکھا جائے کہ اجارہ کس قسم کا ہے ماہوار یا سالانہ ہر دو صورت میں مدت اجارہ کی ختم ہو جانے کے بعد تخفیف کا اختیار ہے پہلے نہیں۔ وھذا خلاصۃ ما فی

الدر المختار و الشامی مما یتعلق بالمسئلة

مدرس کو فارغ اوقات میں دوسری ملازمت یا تجارت کس شرط کے ساتھ جائز ہے

(سوال ۷۶۲) مدرسہ کا ملازم مدرس جب اجیر خاص ہے تو اس کے لئے نجی تعلیم دینی (طلبہ یا غیر طلبہ) کو جائز ہے یا نہیں درانحالیکہ مدرسہ کی تعلیم کے اوقات ۶ گھنٹہ مقرر ہیں ایسی صورت میں مدرس ۲۴ گھنٹہ کا ملازم ہوگا یا وقت تعلیم کا۔

(الجواب) اوقات مدرسہ کے علاوہ اوقات میں ملازم مختار ہے کہ نجی تعلیم میں مشغول رہے یا کوئی تجارت وغیرہ کرے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اوقات مدرسہ میں خلل نہ آئے البتہ جس طرح ملازم کو ان کاموں کا اختیار ہے اسی طرح اہل مدرسہ کو بھی اختیار ہے کہ اگر ان کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہمارا ملازم کوئی دوسرا تعلیمی یا تجارتی مشغلہ رکھے تو ایسے شخص کو شروع سے ہی ملازمت نہ دیں جو دوسری کسی خدمت میں مشغول ہونا چاہتا ہے اور اگر پہلے ملازم رکھ چکے ہیں تو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد مثلاً ختم ماہ یا ختم سال پر اس کی ملازمت ختم کردیں لیکن دوران ملازمت میں بحیثیت عقد اجارہ وہ اس کو نجی تعلیم یا تجارت چھوڑنے پر مجبور نہیں کرسکتے- کما هو الظاهر من القواعد المسلمة- والله اعلم. (اضافه)

نکاح خوانی کی مروجہ اجرت کی شرعی حیثیت

(سوال ۷۶۳) معاوضہ نکاح خوانی حق نکاح خواں کا ہے یا حق زمین داری یا محلّہ کی مسجد کے امام کا حق ہے یا زمینداران جس کو دلادیں اس کا حق ہے؟

(الجواب) شرعاً کسی کا حق نہیں بلکہ معاوضہ نکاح خوانی متعارفہ کا لینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ تو جبر فی التبرع ہے اور یا اجارہ فاسدہ اور دونوں ممنوع ہیں مسائل اربعین میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ نے خزانۃ الروایات سے اس کے متعلق عبارت ذیل نقل کی ہے

و محاسنه القضاة فی دار الاسلام ظلم صریح وهو ان یاخذ وامن الانکحة شیئاً ثم یجیز ون اولیاء الزوج و الزوجة بالمناکحة فانهم مالم یرضو بشئ من اولیاء همالم یجیزوا بذالك فانه حرام للقاضی والمناکح انتهٰی- البتہ بشرائط ذیل نکاح خوانی کی اجرت لینا جائز ہے اور وہ نکاح پڑھانے والے کا حق ہوگا خواہ وہ کوئی شخص ہو قاضی نکاح ہو یا کوئی اور شرائط یہ ہیں (۱) نکاح پڑھنے کے لئے کسی کی خصوصیت نہ سمجھی جائے جس کا جس کو جی چاہے بلائے (۲) جس اجرت پر چاہیں جانبین رضامند ہو جائیں (۳) کوئی شخص اپنے کو اس کا مستحق خاص نہ سمجھے (۴) اگر اتفاق سے کوئی دوسرا شخص یہی کام کرنے لگے تو اس کو طبعاً ناگوار نہ ہو- وامثال ذلك من شرائط الاجارة. والله تعالٰی اعلم

ایضاً --- (سوال ۷۶٤) امور مذہبی سرکار نظام کی جانب سے قاضی لوگ مامور ہیں اور ان کا عہدہ قضات نسباً

چلاآرہاہے ان میں سے بعض توایسے ہیں کہ ان کو رشتہ محرمات تک نہیں معلوم ہے صرف خطبہ نکاح اور فارم کی خانہ پری کر لینا جانتے ہیں اور نکاح کے بعد وہ متعینہ روپیہ مثلاً پانچ سو مانگتے ہیں اور اگر اس سے کم دیں تو نہیں لیتے آیا یہ روپیہ دینادرست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا کسی صحابی کا فعل ہے۔؟

(الجواب) اس طرح جبراً لینااور دینادرست نہیں بلکہ آپس میں اگر طرفین کی رضاء سے کچھ طے ہو جائے تواس کو دیدینامناسب ہے اگرچہ لینے والے کے لئے اس کے جواز میں شبہ ضرور ہے۔

جانور کی جفتی پر اجرت لینا

(سوال ۷۶۵) زید گھوڑوں کی تجارت اس لئے کرتا ہے کہ ان کو سانڈ بناکر دیہات میں گشت کر کے عمر، بکر، خالد وغیرہ کی گھوڑیوں کو نطفہ دلاکر اجرت لے۔ کیااس قسم کی اجرت لے کر نفع حاصل کرناازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس کام پر اجرت لیناجائز نہیں. لا تصح الاجارة لعسب الفعل وهو نزوة على الاناث اور شامی میں ہے لا نه عمل لايقدر عليه وهو الاحبال – والله اعلم

مسلمان کے لئے کافر کی ملازمت

(سوال ۷٦٦) مسلمان کے لئے کافر کی ملازمت جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال في الخانية اجر نفسه من نصرانى ان استاجره بعمل غير الخدمة جازوان اجر نفسه الخدمة قال الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل لا يجوز وذكر القدورى انه يجوز و فى الذخيرة فى الفصل السابع فى الاجارة فى خدمة المسلم اذا اجر نفسه من كافر للخدمة يجوز باتفاق الروايات لا نه وان كان يستخدمه قهراً بعقد الاجارة الاانه يستوجب عليه عوضاً من كل وجه على سبيل العهد فينتفى الذل و ينبغى اعتماد هذا كما لا يخفى و قد انهم كلام صاحب الذخيرة انه لا خلاف فى المسألة و ظاهر كلام المصنف ايضاً انه لا خلاف فيما ذكره اى من عدم الجواز لجزمه به و فى البزازية اجر نفسه لكافر للخد مة يجوز و يكره – وقال الفضلى يجوز فيما هو كز راعة لا فيما هوذل كالخدمة اه من حواشى الاشباه للعلامة الحموى اقول وما احسن ما قاله الفضلى من التفصيل وما اليقه بمقام سلم من الشرف والعزوالرفعة (فتاوى كامليه ص ۱۹۷)

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ کافر کی ملازمت کسی ایسے کام کے لئے جس میں مسلمان کی ذلت نہ ہو بالاتفاق جائز ہے اور جس میں ذلت ہو کافر کی خدمت یا اس کے جانوروں وغیرہ کی خدمت یہ مکروہ ہے اور ضرورت شدیدہ بہر حال مستثنے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سرکاری ملازمت

(سوال ۷٦۷) کچھ دنوں سے گمنام اشتہارات اس مضمون کے شائع ہو رہے ہیں کہ جو لوگ سرکاری ملازم ہیں

وہ سب آزادی کی حمایت میں اپنی ملازمتیں چھوڑ دیں اور جب تک گاندھی کو گورنمنٹ نہ چھوڑے اس وقت تک تو ضرور ہی گورنمنٹی ملازمتیں ترک کردی جائیں ان اشتہارات میں مسلمانوں کو بھی خاص طور سے مخاطب کیا گیا ہے کیا مسلمانوں کو اس تحریک پر لبیک کہنا اور بغیر مآل اندیشی کے اپنی ملازمتیں چھوڑ دینا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) جب تک مسلمانوں کے لئے اپنے گزارہ کا کوئی قابل اطمینان انتظام نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو اپنی جائز ملازمت کا ترک ہرگز جائز نہیں مسلمانوں کو اس گمنام پروپیگنڈا سے ہرگز متاثر نہ ہونا چاہئے حدیث میں ہے **کادالفقران یکون کفراً**۔ بلاشبہ فقر و فاقہ کی وجہ سے ہزاروں گناہوں میں ابتلاء کا قوی اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ یہ بھی بعید نہیں کہ دو چار مسلمان جو محض برائے نام سرکاری عہدوں پر ہیں اس بہانہ سے وہ عہدے ان سے خالی کرا کر ہمیشہ کے لئے جگہ پر کردی جائے اس لئے مسلمانوں کو اس اشتہار سے ہرگز متاثر نہ ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الرھن
(گروی رکھنے کا بیان)

رہن کی آمدنی کا حکم

(سوال ۷٦۸) زید ایک شخص سے سو روپیہ کی زمین رہن کرتا ہے اور زید مرتہن راہن کو کہتا ہے کہ اس زمین کو تم ہی کاشت کرو اور میرے حصہ کا ٹھیکہ کردو کہ اس قدر چیز دیتا رہوں گا- یہ معاملہ درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ ایک نوع ہے انتفاع[1] بالرہن کی اور وہ بھی اس طرح کہ نفس عقد میں انتفاع کی شرط صراحۃً لگا رکھی ہے اس لئے یہ صورت باتفاق حرام ہے اور اگر صراحۃً بھی شرط نہ ہوتی تو چونکہ شرط انتفاع عادت متعارف ہے اس لئے کالمشروط ہونے کی وجہ سے بھی انتفاع ناجائز رہتا اور صورت مذکورہ میں تو بوجہ صراحت بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

قال الشامی عن المنح لا یحل له ان ینتفع بشیئ منه بوجه من الوجوه وان اذن له الراهن لا نه اذن له فی الربا الخ ثم قال ثم رایت فی جواهر الفتاوی اذا کان مشروطاً صار قرضا فیه منفعة وهو ربا والا فلا باس ثم قال قلت والغالب من احوال الناس انهم یرید ون عند الدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط او هومما یعین المنع انتهی – والله سبحانه و تعالیٰ اعلم

باجازت راہن بھی مرہون کا نفع لینا جائز نہیں

(سوال ۷٦۹) کیا اجازت راہن سے مرہون کا نفع کھانا مرتہن کو جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) شی مرہون کا نفع حاصل کرنا صحیح یہ ہے کہ باجازت راہن بھی جائز نہیں قال الشامی قلت والغالب من احوال الناس انهم انما یریدون عندالدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مما یعین المنع – شامی کتاب الرهن صفحه ۳۳۹ ج ۵.

جائیداد کے رہن کی ایک صورت

(سوال ۷۷۰) اجارہ ذیل کی صورتوں میں سے کس صورت میں جائز ہوگا اور یہ صورت شرعاً اجارہ کی ہے یا نہیں ایک شخص سے کسی نے کچھ روپیہ بطور قرض لیا اور قرض خواہ کو روپیہ کی ادائیگی تک قرضدار نے کچھ جائیداد انتفاع کے لئے دیدیا تو اب اس کی دو صورتیں ہیں مال گزاری زمیندار کی کاشت والا ادا کرتا ہے یا روپیہ دینے والا کیا دونوں صورتیں جواز کی ہیں یا نہیں؟

---

[1] قال فی الدر المختار لا الانتفاع به مطلقًا لا بالاستخدام ولا بالسکنیٰ ولا لبس ولا اجارة ولا اعارة الخ . ۱۲ ش

(الجواب) یہ صورت اگر اس طرح سے ہے جیساکہ سوال میں مذکور ہے تو رہن کی صورت ہے اجارہ کی نہیں خواہ مال گزاری کوئی ادا کرے اور رہن سے انتفاع اگرچہ باذن مالک ہو قول مفتی بہ پر حرام ہے اور کل قرض جر نفعاً فھو ربوا کے تحت میں داخل ہے جیساکہ شامی نے باب الربوا میں اس کی تصریح فرمائی ہے البتہ بطور اشتیاق کے روپیہ دینے والا اپنے قرضدار کی جائیداد کو اپنے قبضہ میں اس شرط سے رکھ سکتا ہے کہ اس کے کل منافع مالک زمین کو دیدے اور مال گزاری وغیرہ بھی سب مالک ہی ادا کرے۔ واللہ اعلم

راہن اگر اپنی زمین نہیں چھوڑتا تب بھی مرتہن کے لئے رہن کا نفع لینا جائز نہیں

(سوال ۷۷۱) موجودہ رہنوں میں تو نفع ہی کا خیال ہوتا ہے کیونکہ پہلے ہی مرتہن راہن سے پوچھا کرتا ہے کہ بتلا اس زمین میں کتنا غلہ ہوتا ہے غرضیکہ ہر جہتہ سے نفع کا لحاظ رکھ کر پھر عقد رہن کیا جاتا ہے اگر نفع کم آنے کی صورت میں مسلمان کے لئے حلال نہیں ایک شخص کا والد مرتہن تھا باپ کے مرنے کے بعد وہ زمین مرہونہ اولاد کے ہاتھ آئی اولاد کو اس کے نفع کے حرام ہونے کا خیال آگیا اور راہن روپیہ دیتا نہیں کہ اس وبال سے جان چھوٹے جواب سے مطلع کیا جائے۔؟

(الجواب) اس صورت میں مرتہن کے ورثہ کو شرعاً یہ حق ہے کہ اس زمین کو فروخت کرکے اپنا روپیہ وصول کرلیں اور اگر موجودہ حکومت کے قانون میں ان کو یہ گنجائش حاصل نہ ہو تو بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ اس رہن کی آمدنی اپنے پاس جمع کرتے جائیں اور اپنے روپیہ میں مجرا دیتے جائیں حیلہ تبدل املاک اور تداول ایدی سے اس رہن کی آمدنی نفع میں کھانا حلال نہیں ہو سکتا کیونکہ ان حیل کا یہ موقع نہیں۔

رہن کی ایک خاص صورت میں رسالہ صفائی معاملات کی عبارت پر شبہ اور جواب

(سوال ۷۷۲) ایک استفتاء ہے جس کا جواب حاصل ہو چکا ہے مگر رسالہ صفائی معاملات مؤلفہ حضرت تھانوی کی ایک عبارت دیکھ کر جواب میں خدشہ ہو گیا ہے پھر سے عبارت پیش خدمت ہے۔ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے تاکہ تردد رفع ہو (عبارت سوال اول) استفتاء زید نے اپنی اراضی زرعی بکر کے پاس رہن چھوڑ دیں بکر مرتہن ان اراضی سے پیداوار حاصل کرتا رہتا ہے اور جب زید یعنی راہن اپنی اراضی کو فک کرانا چاہتا ہے تو بکر ساتھ زر رہن کا دعویدار ہوتا ہے اور زید یعنی راہن کے واسطے فک رہن کے وقت ایک پیسہ بھی اصل رقم سے کم نہیں دیتا بلکہ پوری پوری رقم وصول کرتا ہے اب ایک راہن اسی قسم کی زمین کو ایک تیسرے شخص کو دینا چاہتا ہے اور یہ معاملہ کرتا ہے کہ تم مرتہن کو روپیہ ادا کردو اور رہن کو بطور ٹھیکہ مثلاً موازی دو روپیہ فی بیگھہ فی سال کے حساب سے اپنے استعمال میں لاؤ یا مثلاً ایک روپیہ فی بیگھ فی سال کے ٹھیکہ پر رہے جب تک روپیہ سارے پورے ہو جائیں اس میں سے پیداوار حاصل کرتا رہے یا جب درمیان میں بقایا روپیہ ادا کردوں تو زمین واپس کردی جائے تو یہ معاملہ بطور ٹھیکہ جائز ہے یا ناجائز فقط۔

(عبارت جواب) الجواب - مرتہن کے واسطے فائدہ حاصل کرنا شئی مرہون سے ناجائز و حرام ہے بوجہ

رباو سود۔ پہلے سے فک کرواکر تیسرے کو دینابطور ٹھیکہ مذکورہ کے جائز ہے فقط۔

(عبارت صفائی معاملات)اور صفائی معاملات ص ۷۱ اختتام بیان سود میں ہے بعض لوگوں نے مرہون سے منتفع ہونے کا یہ حیلہ کیاہے کہ مثلاًاسی روپیہ کوایک زمین رکھی اور راہن نے یہ شرط ٹھیرائی کہ یہ زمین ہم کو ایک روپیہ سالانہ پردے دو اور کرایہ زررہن میں وضع ہوتا رہیگا یہاں تک کہ اسی برس میں کل روپیہ ادا ہو جائے گا اور زمین چھوڑ دی جائے گی اور اس سے قبل چھڑانا چاہیں تو اس حساب سے جس قدر روپیہ باقی رہ گیاوہ لے کر چھوڑ دیں گے چونکہ ایک روپیہ سالانہ کرایہ پر زمین دینا محض اس قرض کے دباؤ سے ہے اور اوپر یہ قاعدہ معلوم ہو چکاہے کہ جو رعایت بوجہ قرض کے ہووہ حرام ہے اس لئے یہ معاملہ حرام اور انتفاع خبیث ہوگا۔ فقط

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ معاملہ مذکورہ بموجب جواب مذکور (یعنی پہلے سے لے کر تیسرے کوبطور ٹھیکہ مذکورہ جائز ہے) صحیح ودرست ہے یا بموجب عبارت صفائی معاملات حرام وناجائز اور بصورت حرام وناجائز ہونے کے اب تک جو نفع کمایاوہ واجب الاداء ہے یا محض معصیت وگناہ۔ ?بنیوا توجروا۔

(الجواب) دونوں عبارتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ یہ دو مختلف صورتوں سے متعلق ہیں اس لئے اپنی اپنی جگہ پر دونوں عبارتیں درست ہیں پہلا معاملہ جو بصورت ٹھیکہ ہے وہ درحقیقت رہن میں داخل ہی نہیں ٹھیکہ مدت طویلہ کے لئے بھی دیا جاسکتا ہے اور ایسی صورت میں یک مشت رقم ملنے کی وجہ سے نسبتاً کم کرایہ پر ہی دینے کارواج ہے جس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

اور دوسرا معاملہ درحقیقت رہن کا معاملہ ہے محض سود سے بچنے کے لئے برائے نام کچھ پیسے کرایہ کے مقرر کئے جاتے ہیں تو اب یہ ایک معاملہ رہن میں دوسرا معاملہ اجارہ کا داخل ہو گیااس بناء پر فاسد ہے نیز اس بناء پر بھی کہ اس صورت میں جو پیسے کرایہ کے مقرر کئے جاتے ہیں وہ محض برائے نام ہوتے ہیں جو ہرگز اس جائیداد کا کرایہ کسی حال میں نہیں ہو سکتا اور اتنی قلیل کرایہ کی رقم محض قرض کے دباؤ کی وجہ سے ہوتی ہے جو نفع ہوا قرض کالہذا ناجائز اور ممنوع ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اضافہ)

کتاب الودیعۃ والعاریۃ والامانۃ واللقطۃ

(امانت اور گمشدہ اشیاء کے مسائل)

امانت رکھنے والا واپس نہ آیا اس کی امانت کو کیا کی جائے

(سوال ۷۷۳) ایک شخص نے جو کہ میرے یہاں بوجہ مراسم کے کرایہ مکان دے گیا کہ جب میں لوٹوں مکان کرایہ پر لوں گا اور یہ میرا صندوق ہے اس کے اشیاء کی حفاظت کرنا اس میں نہ معلوم کیا ہے اس کو عرصہ بارہ سال کا ہو گیا تو میں کیا کروں نہ وہ منگاتا ہے۔ صندوق میں دیمک لگ گئی ہے۔؟

(الجواب) سوال سے معلوم ہوا کہ کسی شخص نے آپ کے پاس صندوق امانت رکھا تھا اور بارہ برس گزر چکے ہیں وہ لینے نہیں آیا حکم شرعی اس کا یہ ہے کہ اگر آپ کو اس شخص کا پتہ معلوم ہے اور زندہ ہے تو اس کو ورنہ اس کے ورثاء کو اطلاع دیں کہ تمہارا صندوق ہمارے پاس محفوظ ہے آکر لے جاؤ یا منگالو ورنہ ہم خود بذریعہ ریلوے بھیجدیں گے وہ نہ منگائیں تو بذریعہ ریلوے پارسل کر کے بھیج دیا جائے اب اگر نہ وصول کریں تو وہ ذمہ دار ہوں گے آپ سبکدوش ہو جائیں گے اور اگر پتہ ہی معلوم نہ ہو تو یہ مال بحکم لقطہ ہے جس کا شرعی حکم یہ ہے کہ خواہ اپنی زندگی تک آپ انتظار کریں اور وصیت کردیں کہ میرے بعد اگر صاحب مال نہ آئے تو صدقہ کردیا جائے اور یا خود اپنے سامنے ہی صدقہ کردیں لیکن صدقہ کرنے کے بعد اگر صاحب صندوق آگیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ آپ سے قیمت صندوق وغیرہ وصول کرے اور ثواب صدقہ آپ کی طرف منتقل ہو جائے۔ کذافی الھدایۃ والدر المختار - واللہ اعلم

(ایضاً سوال ۷۷٤) ایک عورت جوتیاں بغرض فروخت لائی چنانچہ ایک خراب کم قیمت کی جوتی اس نے میرے ہاتھ آٹھ دس آنے زیادہ کو فروخت کی جس کا علم مجھ کو بعد میں ہوا دوسری بار وہ کھڑاویں فروختگی کے واسطے لائی چنانچہ میں نے اس سے وہ جوڑی کھڑاویں لیں قیمت طلب کرنے پر میں نے کہا کہ جوتی میں تم نے مجھ سے آٹھ آنے زیادہ لئے اس میں کھڑاؤں کی قیمت ادا ہو گئی وہ غصہ میں آکر کل کھڑاؤں کو چھوڑ کر چلی گئی یعنی اپنے وطن اس کو تخمیناً چار پانچ سال ہو گئے اور اس کی سکونت کا پتہ نہیں اب بوجہ مجبوری اس کی کھڑاویں اسی قیمت پر جیسا کہ وہ فروخت کرتی تھی فروخت کردی گئیں ان کی قیمت کا کیا کیا جاوے۔؟

(الجواب) جب تک توقع ہو کہ شاید وہ عورت پھر آجاوے گی یا کسی سے اس کا پتہ لگ جائے اس وقت تک اس کا روپیہ جو کھڑاؤں کی قیمت سے حاصل ہوا ہے اپنے پاس یا کسی اور امانتدار کے پاس جمع رکھیں تو بہتر یہ ہے کہ دو آدمیوں کو اس پر گواہ بنالیں کہ فلاں عورت کا اتنا روپیہ میرے پاس امانۃ رکھا ہوا ہے اور جب یہ توقع کسی طرح نہ رہے کہ اب وہ عورت آئے گی یا پتہ لگے گا تو پھر اس روپیہ کو صدقہ کردیں لیکن صدقہ کرنے کے بعد اگر وہ آگئی اور اس نے اپنا روپیہ طلب کیا تو شرعاً آپ کو دینا ہوگا اور اس صدقہ کا ثواب آپ کو ہو جائے گا۔ قال فی الدر المختار علیہ دیون ومظالم جھل اربابھا و ایس من معروفتھم فعلیہ التصدق بقدرھا من مالہ قال الشامی ای الخاص بہ او المحتمل من المظالم شامی من اللقطۃ وقال فی موضع اخر فان جاء مالکھا بعد التصدق خیر بین اجازۃ

خطه ولو بعد ھلاکھا و له ثوابھا او تضمینه۔ نیز یہ بھی معلوم رہنا چاہئے کہ جوتی کی قیمت میں جو اس نے زیادتی کی تھی اس کے بدلے میں شرعاً آپ کو حق نہ تھا کہ گھڑاویں کی قیمت اس کی نہ دیں غایت حق یہ ہو سکتا ہے کہ آپ جوتے کو واپس کر دیں اپنی رضا سے لینے کے بعد تاوان لینے کا کوئی حق نہ تھا۔

مختلف مدات کے چندوں کو مخلوط کرنا

(سوال ۷۷۵) کسی دینی مدرسہ کی رسید بک کسی شخص کے پاس ہے اس کو مختلف مدات مثلاً زکوۃ، نذر، عطیہ وغیرہ کا روپیہ ملتا ہے کیا ان مختلف مدوں کے روپیہ کا اختلاط جائز ہے یا علیحدہ رکھنا ضروری ہے نیز ان روپیہ کے ساتھ اپنے ذاتی روپیہ کا اختلاط یا بوقت ضرورت اس میں سے خرچ کر کے پھر اپنے پاس سے ان میں اس کمی کو پورا کرنا اس قسم کے تصرفات جائز ہیں یا نہیں۔ جزائکم اللّٰہ خیر الجزاء۔

(الجواب) مدز کوۃ و نذر وغیرہ صدقات واجبۃ التملیک کا روپیہ علیحدہ رکھنا واجب ہے اس کو مدرسہ کے موقوفہ رقم قبل از حیلۂ تملیک شامل کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح ذاتی روپیہ کو مدرسہ کی موقوفہ رقم یا مدات زکوۃ و صدقات میں خلط کر دینا یا ان رقوم میں سے اپنے ذاتی خرچ میں بطور قرض صرف کر لینا اور پھر واپس جمع کر دینا یہ سب امور بغیر اجازت چندہ دہندگان کے ناجائز ہیں خازن کو اس کا کوئی حق نہیں اور اجازت سے بھی اگر وہ ایسا کریگا تو اس کا قبضہ قبضہ امانت نہ رہے گا بلکہ وہ ان سب رقوم کا ضامن ہو جائیگا۔ صرح به فی الدر المختار و الشامیة و الھندیة و غیر ھا – واللہ اعلم (اضافه)

مسجد یا ریل وغیرہ میں کپڑے یا جوتے وغیرہ دوسرے سے تبدیل ہو گئے

(سوال ۷۷۶) ایک شخص نے مسجد میں یا ریل یا اسٹیشن وغیرہ میں اپنا کپڑا یا جوتا وغیرہ ایک جگہ رکھا جہاں پہلے سے دوسروں کے جوتے بھی رکھے تھے اتفاقاً ایک آدمی دوسرے کا کپڑا یا جوتا لے گیا خواہ قصداً یا بلا قصد اب دوسرے آدمی کے لئے اس کی جگہ جو جوتا یا کپڑا ملا ہے اس کا استعمال اس کے لئے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جائز نہیں کیونکہ اول تو یہ یقین نہیں کہ جس نے اس کا جوتا یا کپڑا لیا ہے یہ کپڑا جوتا اسی کا ہے اور ہو بھی تو باہمی مبادلہ کا کوئی معاملہ نہیں ہوا اس کپڑے یا جوتے کا حکم لقطہ کا حکم ہے یعنی اول تو کوشش کرے کہ اس کا مالک مل جائے اس کو دے اور جب اس کے ملنے سے مایوسی ہو تو مالک کی طرف سے صدقہ کر دے اگر یہ شخص خود بھی مستحق صدقہ ہے تو بحیثیت صدقہ کے اس کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔ لما فی العالمگیریة.

امرأ ة وضعت ملاء تھا فجائت امر اۃ اخری وضعت ملاء تھا ثم جاء ت الاولی و اخذت ملاء ة الثانیة و ذھبت لا یسع للثانیة ان ینتفع ملاء تھا و الحیلة ان یتصدق الثانیة بھذہ الملاء ة علی بنتھا ان کانت فقیرة علی بنة ان یکون الثواب لصاحبھا ان رضیت ثم تھب البنت الملاء ة منھا فیسعھا الانتفاع بھا کاللقطة و کذا لو سرق مکعبا و ترك عوضا. واللہ سبحانه و تعالی اعلم – دیوبند (اضافة)

کتاب الغصب و الضمان
(غصب اور اس کے تاوان کے مسائل)

غیر کا مال بلا اجازت صدقہ کرنے سے تاوان لازم ہو گیا یا نہیں

(سوال ۷۷۷) ایک شخص عبدالقادر کے مبلغ پچیس روپے گم ہو گئے مزدوروں نے اٹھا لئے اور عبدالخالق کو دیدیئے اس نے وہ روپیہ اسمٰعیل کو دیدیا کہ کار خیر میں خرچ کر دیں جب عبدالقادر کو معلوم ہوا تو وہ عبدالخالق کے پاس گیا اور یہ کہا کہ وہ روپیہ میرا ہے عبدالخالق نے کہا کہ وہ روپیہ ہم نے صدقہ کر دیا ہے یہ روپیہ عبدالقادر کو پہنچتا ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) قال فی فتح القدیر صفحه ۸۱۳ ج ۲. مطبوعه هند فان جاء صاحبها بعد التصدق فهو یأخذ بخیارات ثلث ان شاء امضی الصدقة وله ثوابها الی قوله وان شاء ضمن الملتقط اوالمسکین اذا کان المدفوع الیه هلك فی یده لانه قبض ماله بغیر اذ نه الی قوله و ان کان قائماً اخذه لانه وجد عین ماله و مثله فی الدر المختار و الشامی بضرب من الاختصار.

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ پچیس روپے جو عبدالخالق نے صدقہ کر دیئے ہیں عبدالقادر ان کے پانے کا مستحق ہے اور اس کو اس وقت تین اختیار حاصل ہیں۔

(۱) عبدالخالق نے جو صدقہ کیا ہے اس کو جائز کر دے اور یہ صدقہ اب عبدالقادر کی طرف سے ہو جائیگا اور اس کا ثواب عبدالقادر کو ہو گا۔ (۲) عبدالخالق سے اس کا ضمان وصول کرے (۳) عبدالخالق نے جس غریب مسکین پر یہ روپیہ خرچ کیا ہے اس سے اپنا روپیہ اگر اس کے پاس ابھی تک موجود ہے واپس لے لے اور اگر موجود نہیں تو ضمان لے لے۔ آخر کی دونوں صورتوں میں جو ضمان ادا کرے گا صدقہ اسی کی طرف سے ہو گا اور ثواب اسی کو ملے گا۔
واللہ تعالیٰ اعلم

جس زمین پر مالکوں کا قبضہ متوارث ہے اس کو بغیر کسی حجت شرعیہ کے ان کے قبضہ سے نکالنا حرام اور غصب ہے

(سوال ۷۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین حسب ذیل مسائل میں (۱) موجودہ زمینداریاں زمیندار کی ملک صحیح ہے یا نہیں (۲) تنسیخ زمینداری کا قانون جو کانگریس نے پاس کیا ہے اس کی رو سے برائے نام معاوضہ دیکر زمینداریوں پر قبضہ کیا جائے گا شرعاً یہ غصب جائز ہے یا نہیں (۳) جو زمینداریاں موقوفہ ہیں وہ بھی زمینداری بل سے مستثنےٰ نہیں ہیں یہ صریح ملکیت شرعیہ ودینیہ کا غصب ہے یا نہیں (۴) مسلمانوں پر اس غصب ملکیت شرعیہ دینیہ کو بچانے کی جدوجہد کرنا اور اجتماعی قوت سے اس لوٹ مال وعزت سے بچنے کی تدابیر کرنا لازم وضروری ہے یا نہیں (۵) اپنی ملکیت کو بچاتے ہوئے جو شخص مقتول ہو وہ شہید ہے یا نہیں (۶) ابتلائے عام میں ساکت رہنے والا اس لوٹ وغصب کا مؤید اور رضاء بالعدوان کا مرتکب ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) موجودہ زمینداریاں بلا شبہ ان لوگوں کی ملکیت صحیح ہیں جن کا نام کاغذات سرکاری کے خانہ ملکیت میں درج ہے اور وہ ان میں مالکانہ تصرفات کرتے ہیں خود حکومت وقت نے بھی اول فتح سے آج تک ان کی ملکیت قرار دی ہے اور تمام مالکانہ تصرفات بیع و شراء رہن و ہبہ اور وقف و صدقہ وغیرہ کے اختیارات کو ان لوگوں کے حق میں تسلیم کیا اور بزور قانون خود اس کو نافذ کیا ہے اور کر رہی ہے بہت سے لوگوں نے حکومت سے بڑی بڑی رقمیں دیکر زمینیں خرید لی ہیں اور بہت سے مواقع میں حکومت بھی اپنی ضرورت کے وقت ان کی زمین قیمت ادا کر کے خریدتی ہے یہ سب چیزیں ان کی ملکیت کا بین ثبوت ہے یہ مالکانہ قبضہ اور تصرفات بلا نکیر خود سب سے بڑی اور واضح دلیل ملک کی ہے جس کے ہوتے ہوئے اصحاب اراضی سے ثبوت ملکیت کے لئے کسی اور دلیل اور بینہ کا مطالبہ کرنا بھی حسب تصریحات فقہاء درست نہیں۔

حضرات فقہاء نے مصر و شام اور عراق میں جہاں کی زمینوں کے متعلق وقف ہونے کا احتمال غالب ہے وہاں بھی جن اراضی پر لوگوں کو مالکانہ تصرفات کرتے ہوئے پایا گیا ان کی ملک صحیح قرار دی اور حکام وقت کو اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ وہ ان سے شہادت و ثبوت ملکیت کا طلب کریں۔

ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں سلطان مصر ملک ظاہر بیبرس نے ایک مرتبہ یہ ارادہ کیا تھا وہاں کی جو زمینیں لوگوں کے مالکانہ قبضہ میں ہیں ان سے بذریعہ شہادات و کاغذات قدیمہ اس کا ثبوت طلب کرے کہ وہ جائز طور سے ان کی ملکیت میں آئی ہیں اور جو ایسا ثبوت نہ پیش کر سکے اس سے لے کر بیت المال کے لئے وقف کردیں اس زمانہ کے شیخ الاسلام امام نوویؒ نے سلطان وقت کو اس سے روکا اور یہ بتلایا کہ ایسا کرنا کسی مذہب میں حلال نہیں علماء مذاہب کا اس پر اجماع و اتفاق ہے اور بار بار حکام وقت کو اس پر متنبہ کیا یہاں تک کہ وہ اس ارادے سے باز رہے علامہ شامی نے باب الجزیۃ والخراج میں یہ واقع نقل کیا ہے جس کے چند کلمے یہ ہیں۔

الملك الظاهر بيبرس(۱) اراد مطالبة ذوى العقارات بمستندات تشهد لهم بالملك والا انتزعها عن ايديهم متعللاً بما تعلل به ذلك الظالم فقام عليه شيخ الاسلام الامام النووى و اعلمه بان ذلك غاية الجهل والعنا دوانه لا يحل عند احد من علماء المسلمين بل من فى يده شئى فهو ملكه . لا يحل لا . حد الا عتراض ولا يكلف اثباته ببيّنة ولم يزل النوویؒ يشفع على السلطان و يعظه الى ان كف عن ذلك اه (شامى ص ۳۵۵ ج ۳)

سلطان ظاہر بیبرس نے ارادہ کیا کہ زمینداروں سے ایسی سندات کا مطالبہ کرے جن سے ان کی ملکیت ثابت ہو اور جو ایسی سندات پیش نہ کر سکے اس کی زمین اس سے لے لی جاوے اور اپنے اس فعل کے لئے وہی حیلے بیان کئے جو مصر کے ایک ظالم بادشاہ نے پیش کئے تھے تو اس کے مقابلہ کے لئے شیخ الاسلام امام نوویؒ کھڑے ہوئے اور سلطان ظاہر کو بتلایا کہ یہ فعل انتہائی جہالت اور عناد ہے اور علماء اسلام میں کسی کے نزدیک حلال نہیں

---

(۱) الملك الظاهر بيبرس العلائى – وبيبرس بالباء الموحدة ثم الياء التحية ثم الباء الموحدة ثم الراء والسين وهو الملك مصر من دولة المماليك قولى مصر سن ۶۵۸ھ إلى ۶۷۴ھ فلتبره بالظاهر فازال مكان احدثه سلفه من المكرس – كذافى دائرة المعارف للفريد الوجدى تحت لفظ مصر – محمد شفيع

بلکہ جس شخص کے ہاتھ میں جو چیز ہے وہ اس کی ملک ہے اس لئے اس پر اعتراض کرنا یا ملکیت کو شہادت وغیرہ سے ثابت کرنے کی تکلیف دینا جائز نہیں امام نوویؒ برابر سلطان کو ملامت کرتے رہے اس عمل کے بارے میں اور وعظ ونصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے اس ارادہ سے باز آگئے۔

اور یہی مضمون علامہ شامی نے امام سبکیؒ اور محقق ابن حجر مکیؒ وغیرہ سے بھی بالفاظ مذکورہ نقل کیا ہے اور حضرات علماء کا یہ اجماع مصر وشام کی زمینوں کے بارے میں ہے جہاں کی اراضی کے متعلق علماء کا قول یہ ہے کہ وہ اوقاف ہیں املاک نہیں تو جن بلاد کی اراضی عام طور پر املاک ہوں وہاں یہ حکم اور بھی زیادہ قطعی اور ظاہر ہوگا ہندوستان کی زمینیں اس میں شبہ نہیں کہ مختلف اقسام کی ہیں ان میں بعض خود حکومت کی ملک بھی ہیں لیکن عام اراضی وہ ہیں جو حکومت نے کسی کو بطور عطیہ دیدی ہیں یا اس نے حکومت سے قیمت دیکر خریدی یا فتح سے پہلے جو لوگ زمینوں کے مالک اور قابض تھے انہیں کی ملکیت کو انگریز حکومت نے باقی رکھا اور اراضی ہندوستان کی یہ مختلف صورتیں آج کی نہیں بلکہ ابتداء جب مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا اس وقت سے ہیں کیونکہ بہت سے خطے ہندوستان کے ایسے ہیں جن کے باشندے بوقت فتح مسلمان ہوگئے اور یا انہوں نے مصالحت کرکے امن حاصل کرلیا اور ان کی املاک واراضی کو برقرار رکھا گیا اور بہت سے مواقع میں ایسا بھی ہوا کہ فتح کرنے کے بعد جب مکان بلدہ نے مسلمانوں کی رعیت ہوکر رہنا قبول کرلیا تو ان کی اراضی ان کو واپس دیدی گئیں سندھ کے پہلے فاتح محمد بن قاسمؒ اور ہندوستان کے فاتح محمود بن سبکتگینؒ کی فتوحات میں اس کے شواہد بکثرت وصراحت تاریخ کی مستند کتب کامل ابن اثیر وغیرہ میں موجود ہیں پھر بعد میں ہونے والے سلاطین نے جزوی تغیرات کے سوا کوئی نیا قانون جاری نہیں کیا بلکہ املاک سابقہ کو برقرار رکھا غرض یہاں کی عام زمینوں کا ملکیت ہونا ایسا ظاہر اور صاف ہے کہ مالکان اراضی کو اس پر شہادت وبینہ کی تکلیف دینا بھی باجماع مسلمین وباتفاق مذاہب ظلم ہے۔

(۲) بلاشبہ غصب صریح ہے جس کا کسی سلطان مسلم اور امام وامیر کو حق نہیں غیر مسلم حکومت کو کیسے ہوسکتا ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں فرمایا ہے۔

وليس للامام ان يخرج شيئاً من يداحدالا بحق ثابت معروف اه (شامی ص ۳۵٤ ج ۳)

امام مسلمین کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی شخص کے ہاتھ سے کوئی چیز نکال لے۔ بجز اس کے خلاف کوئی حق ثابت ہو اور معروف ہو۔

اور وہ معاوضہ جس کے قبول کرنے اور زمین دینے کے لئے زمیندار کو بزور حکومت مجبور کیا جاوے وہ حقیقت میں نہ معاوضہ ہے اور نہ اس کی بنا پر یہ صورت غصب کی حقیقت سے نکل سکتی ہے۔

(۳) یہ بھی غصب صریح اور مملوکہ زمین داریوں کی غصب سے بدتر ہے کیونکہ املاک میں تو یہ احتمال بھی ہے کہ کسی وقت مالک راضی ہوجاوے۔ تو قبضہ اس پر صحیح ہوسکے اوقاف نہ کسی کی ملکیت ہیں نہ کسی کی رضاء واجازت سے دوسرے کی ملک بن سکتے ہیں۔ نیز جنگ کے ساتھ تغلب وانقلاب سلطنت کے وقت سلطان فاتح کا استیلاء وقبضہ املاک میں ردوبدل کرسکتا ہے اور مملوکہ زمین حکومت کی ملک میں جاسکتی ہیں اوقاف پر کسی کا استیلاء وقبضہ بھی ہرگز اثر انداز نہیں ہوتا خواہ استیلاء وقبضہ املاک میں ردوبدل پیدا کرسکتا ہے اور مملوکہ زمین حکومت کی ملک میں

اوقاف پر کسی کا استیلاء وقبضہ بھی ہرگز اثر انداز نہیں ہوتا خواہ استیلاء سلطان مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا۔ امام خصاف کی کتاب الاوقاف میں اس پر تصریح موجود ہے بہر حال اوقاف کا غصب املاک کے غصب سے زیادہ ظلم اور اشنع ہے۔

(۴) بیشک مسلمانوں پر لازم اور واجب ہے کہ اس لوٹ اور غصب کے خلاف اپنی قدرت بھر بھر پور جدو جہد کریں کیونکہ اول تو یہ جدوجہد اپنے آپ کو اور دوسرے انسانوں کو ظلم سے بچانے کے لئے جو خود مامور بہ ہے۔ ثانیاً اس لوٹ وغصب کا پس منظر اگر غور سے دیکھا جائے تو فقط زمینوں کی لوٹ نہیں بلکہ مطلقاً مذہب اور تمام مذہبی شعائر کا ہدم ہے کیونکہ یہ قانون جس نظریہ کی ایک قسط ہے وہ سوشلزم کا پہلا نظریہ ہے جس میں کسی چیز پر کسی شخص کی شخصی ملکیت نہیں رہتی اگر خدانخواستہ یہ راستہ کھلا تو کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں رہتا۔ اور جب مالک نہیں رہا تو عبادات مالیہ زکوٰۃ صدقات اور حج اور اوقاف سرے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ والعیاذباللہ العظیم۔ یہی سبب ہے کہ جس ناپاک سرزمین میں اس نظریہ کی ابتداء ہوئی اس میں سب سے پہلے مطلقاً مذہب اور خدا پرستی کے خلاف کھلی جنگ لڑی گئی خدا پرستی اور مذہبیت کو سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا اس لئے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس قانون کے منسوخ کرانے میں اپنی طاقت وقدرت کے موافق پوری کوشش کریں۔

(۵) حسب فرمان نبی کریم ﷺ وہ شخص شہید ہے حدیث میں ہے۔

من قتل دون دینه فهو شهید و من قتل دون عرضه فهو شهید و من قتل دون ماله فهو شهید۔

جو شخص اپنے دین کی حفاظت کے لئے قتل کیا جائے وہ شہید ہے اور جو شخص اپنی آبرو کی حفاظت میں قتل کیا جاوے وہ شخص شہید ہے اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس قانون کی حقیقت پر غور کر کے دین ومذہب کی حفاظت کی نیت سے جدوجہد کی جائے تو اس کی شہادت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

(۶) جب تک حق بات کے اظہار پر قدرت ہو سکوت حرام ہے اور اعانت معصیت اور فرمان الٰہی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان — کے خلاف ہے ہاں عاجز ومضطرب کے احکام جدا ہیں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ محمد شفیع عفااللہ عنہ، دیوبند ۷ ذی الحجہ ۶۵ھ۔ الجواب صحیح شبیر احمد عثمانی ۸ ذی الحجہ ۶۵ھ۔ (اضافہ)

زمین پر موروثی قبضہ جائز نہیں خواہ مسلمان کی زمین ہو یا ہندو کی

(سوال ۷۷۹) اگر موروثی[1] زمین کی آمدنی کھانا حرام ہے تو پھر گاؤں میں ملازمت کرنا اور گاؤں والوں کے گھر کا کھانا بھی حرام ہونا چاہئے۔ کیونکہ ان لوگوں کا گزارہ اکثر موروثی زمین کی آمدنی پر ہے ایک عالم سے معلوم ہوا کہ اگر زمیندار ہندو ہے اور لگان کم ہے اور زمین اچھی ہے تو اس آمدنی کا کھانا جائز ہے اگر زمیندار مسلمان ہے اور وہ زمین چھڑانا نہیں چاہتا۔؟

[1] موروثی زمین انگریزوں کے زمانہ کی ایک اصطلاح ہے اس کے لئے حضرت مفتی صاحب کا رسالہ زمیندار ی مع ملاحظہ فرمائیں محمد عاشق الٰہی

(الجواب) موروثی زمین کومالک کی خلاف مرضی اپنے قبضہ میں رکھنا غصب ہے جو ناجائز ہے اس میں مجھے تو کوئی تفصیل مسلمان یاکافر کی نیز دارالحرب یادارالاسلام کی سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ دارالحرب میں کافر سے جو معاملات فاسدہ اس کی رضاء سے کرلئے جائیں وہ جائز ہو جاتے ہیں۔ غصب اور چوری وغیرہ بحالت عدم جنگ جائز نہیں کما هو مصرح عندالفقهاء. حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں بھی یہ تفصیل جو سوال میں مذکور ہے نہیں ملی۔ لہذا اب موروثی زمین سے نفع اٹھانا بغیر اس کے جائز نہیں کہ مالک زمین راضی ہو۔ اور رضاء بھی قانون کے جبر سے نہیں بلکہ دل سے راضی ہو پھر خواہ مسلمان کی ہو یا ہندو کی۔ اس صورت میں جائز ہے لیکن اس میں بھی چونکہ یہ اندیشہ ہے کہ آئندہ اس کی اولاد اپنا قبضہ خلاف مرضی مالک بھی جاری رکھے اسلئے ایسا کوئی انتظام کردے جس سے یہ اندیشہ قطع ہو جائے۔ باقی رہا گاؤں میں ملازمت کرنا یا گاؤں والوں کے گھر کا کھانا بلاشبہ درست ہے۔ جب تک یہ پوری تحقیق نہ ہو کہ یہ کھانا جو ہمیں کھلایا ہے حرام مال سے تھا۔ کیونکہ ان کے یہاں عموماً مال حرام وحلال مختلط ہوتا ہے۔ اور ایسی صورت میں ان کے گھر کا کھانا جائز ہے۔

دھوبی نے کپڑا بدل دیا تو بدلا ہوا کپڑا لینا کس شرط کے ساتھ جائز ہے ؟

(سوال ۷۰۸) ایک دھوبی نے ہمارے کپڑے کے بجائے دوسرا کپڑا یہ کہہ کر دیا کہ یہی تمہارا کپڑا ہے مگر یہ جانتا ہے کہ میرا کپڑا نہیں اس کے باوجود اپنے کپڑے کا معاوضہ سمجھ کر رکھ لیا تو کیا یہ جائز ہے ؟

(الجواب) جائز نہیں بجز اس کے کہ دھوبی سے یہ کہدے کہ یہ میرا کپڑا تو ہے نہیں مگر میں اپنے کپڑے کے بدلہ میں اس کو رکھتا ہوں اور دھوبی اس پر راضی ہو اس صورت کو امام محمدؒ نے جائز رکھا ہے کما فی فتاوٰی قاضیخان ــ

لیکن ظاہر یہ ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا یہ قول اس صورت میں ہے جب کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ کپڑا دھوبی کا اپنا کپڑا ہے کسی دوسرے کا نہیں۔ قال فی اجارة العالمگیرية من الباب الخامس والعشرين ص/ ٤٦٥ ج/ ٤ طبع ٢ لوان قصاراً اعطاه ثوباً فقال هذا ثوبك وهو ينكر فاخذ ونوى ان يكون عوضاً عن ثوبه قال محمد لايسعه ان يلبس الثوب ولا ان يبيعه الا ان يقول للقصار اخذته عوضاً عن ثوبی فيقول القصار نعم كذا فی فتاوی قاضيخان اه والله اعلم (اضافه)

کتاب الھبة والصدقة

(ہبہ اور صدقہ کابیان)

مدرسہ کے منتظم کو چندہ کے علاوہ ہدیہ دینا

(سوال ۷۸۱) زید ایک مدرسہ اسلامیہ کا مدرس ہے اور منتظم بھی ہے اور بعض حضرات کبھی کبھی زید کو کچھ رقم مدرسہ کے چندہ کے علاوہ ہدیہ تخصیص کے ساتھ دیتے ہیں تو یہ رقم اس کو خود لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) اگر اس ہدیہ کی وجہ سے کوئی ممنوع شرعی لازم نہ آتا ہو تو ہدیہ قبول کرنا فی نفسہ درست و جائز ہے اور اگر اسکی وجہ سے مدرسہ کے چندہ میں نقصان آتا ہو یا کوئی دوسرا محذور شرعی لازم آتا ہو تو جائز نہ ہوگا۔ لما قال علیہ الصلوۃ والسلام فی امر بعض المصدقین ھلا جلس فی بیت امه او ابیه فینظر أ یھدی له ام لا (رواہ البخاری ومسلم) ومحمله عند الفقهاء ما اذا ادی قبول لهدیة الی محذور شرعی۔ ۲۳ ذی الحجه ۱۳۵۰ھ

مدرس کا لڑکوں سے ختم امتحان پر انعام لینا

(سوال ۷۸۲) میں اسکول میں بچوں کو تعلیم دیتا ہوں عام قاعدہ ہے کہ امتحان سالانہ کے بعد سب مدرسین لڑکوں سے پاس ہونے کا انعام لیتے ہیں بعض خوشی سے دیتے ہیں بعض مجبوراً دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) لڑکے جو ختم امتحان وغیرہ پر انعام دیتے ہیں دو شرطوں سے جائز ہے اول یہ کہ اگر لڑکے خود بالغ ہیں تو اپنی رضاء سے دیں اور اگر نابالغ ہیں تو ان کے والدین کا راضی ہونا شرط ہے دوسرے یہ کہ مدرس اپنا طرز ایسا نہ ڈالے جس سے طلبہ کو یہ معلوم ہو کہ اگر انعام نہ دینگے تو ہمیں نقصان پہنچے گا۔ صرح بذلك فی خلاصة الفتاوی من الاجارة ومثله فی الشامیة –

ہبہ قبضہ کے بغیر صحیح نہیں

(سوال ۷۸۳) مسماۃ عائشہ کے دو بیٹے اور دو لڑکیاں تھیں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں اس کی حیات میں مر گئے ایک لڑکے کے دو لڑکے نابالغ تھے عائشہ نے بیٹی کا زیور چار سو روپیہ میں فروخت کر کے اس کے ساتھ خاص اپنا روپیہ شامل کر کے تقریباً ہزار روپیہ لے کر ایک کمپنی میں بطور سرمایا نابالغ نواسوں کے واسطے عبدالقادر مالک کمپنی سے جا کر کہا کہ ان ردیوں کو آپ اپنے نام سے جمع رکھیں ورنہ لڑکوں کا باپ لے کر کھا جائے گا بالغ ہونے کے بعد امانت لڑکوں کو دیدینا مگر کمپنی کے مالک نے اپنے نام جمع کرنے سے انکار کر کے عائشہ کے نام داخل کر لیا بعد چند مدت عائشہ فوت ہو گئی اور نواسے روپیہ کا مطالبہ کرنے لگے تو موافق شریعت کے کمپنی والے نے نواسوں کو محروم بتایا اور عائشہ کا جو ایک بیٹا اب تک موجود ہے اس کو مالک قرار دیا آیا لڑکوں کی ماں کے زیور کے چار سو روپیہ اس مبلغ میں ملانے کا وارث ہی شاہد ہے کیا یہ چار سو روپیہ ہی ملے گا یا تمام روپیہ جو عائشہ

کے نام سے ہے وہ بھی ملے گا یا کچھ نہیں ملے گا۔؟

(الجواب) چار سو روپیہ جو عائشہ نے اپنی بیٹی کے زیور سے حاصل کئے تھے وہ شرعاً اس بیٹی کے وارثوں کا یعنی اس کے نواسوں وغیرہم کا حق ہے وہ اس پر شہادت پیش کردیں کہ عائشہ نے چار سو روپیہ اپنی بیٹی کا زیور بیچ کر حاصل کئے تھے اور یہ روپیہ وصول کرلیں البتہ باقی روپیہ جو عائشہ نے نواسوں کے لئے اپنے نام سے جمع کرلیا تھا وہ ایک ہبہ ہے اور وہ بھی ناتمام کیونکہ ہبہ بغیر قبضہ کے ناتمام رہتا ہے اور صورت مذکورہ میں نابالغ کی طرف سے اس کا ولی یعنی باپ قبضہ کرسکتا ہے دوسرے کا قبضہ معتبر نہیں لہذا یہ ہبہ صحیح نہ ہو بلکہ یہ باقی روپیہ عائشہ ہی کی ملک میں رہا بعد اس کی وفات کے عائشہ کے وارثوں میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوگا۔ قال فی الکنز و هبة الاب لطفله تتم بالعقد وان وهب له اجنبی يتم بقبض وليه الخ . وفى البحر واراد بالاب من له ولاية عليه فى الجملة الى قوله عند غيبة منقطعة بحر الرائق صفحه ٣١٤ ج ٧-

اس سے معلوم ہوا کہ باپ کے موجود ہوتے ہوئے نابالغ کی طرف سے ہبہ پر کوئی دوسرا شخص قبضہ کرنے کا حق نہیں رکھتا اور بغیر قبضہ کے ہبہ تمام نہیں ہوتا۔

ہبہ مشاع کا حکم

(سوال ٧٨٤) واہبین و موہوبین لہما میں جب کہ تعدد ہو تو کیا ہبہ بالعوض میں شیوع مانع ہوگا۔؟

(الجواب) قال فى الدر المختار ولذا يشترط فيه (اى فى عوض الهبة) شرائط الهبة كقبض وافراز وعدم شيوع ولو العوض مجانساً اويسيراً (شامى باب الرجوع فى الهبة صفحه ٧٨٩ ج ٤) وفى البحر الرائق من الرجوع فى الهبة ص ٧٩٢ ج ٧. واشار ا بقوله فقبضه الى انه يشترط فى العوض شرائط الهبة من القبض والا فروز الخ.

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ بالعوض میں بھی شیوع مانع ہے لہذا صورت ہبہ مندرجہ سوال جائز نہیں البتہ ایک حیلہ سے جائز ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ جائیداد مشترکہ موہوب لہما کے ہاتھ فروخت کردی جائے اور جب بیع تام ہو چکے تو پھر ان کو اس کی قیمت سے بری کردیا جائے۔ كذا ذكره الشامى فى كتاب الهبة

مشترک قابل تقسیم چیز کا ہبہ کرنا

(سوال ٧٨٥) زید اپنی خالص مملوکہ جائیداد کو ہندہ و خالدہ ذی رحم محرم کو ہبہ بالعوض کرنا چاہتا ہے اور جائیداد بھی قابل تقسیم ہے مگر تقسیم نہیں کرتا تو کیا صورت مسئولہ میں یہ ہبہ مشاع بحق موہوب لہما جائز ہوگا۔؟

(الجواب) یہ ہبہ مشاع جائز نہیں کیونکہ ہبہ بالعوض میں شرائط ہبہ موجود ہونا ضروری ہے- باب الرجوع فی الهبه بحر صفحه ٢٩٢ ج ٧. واللہ تعالیٰ اعلم

مشترک جائیداد کا ہبہ تقسیم کے بغیر صحیح نہیں

(سوال ۷۸۶) ایک بھائی اور بہن کے پاس ایک مشترکہ مکان تھا بہن نے بھائی کو تحفہ کے طور پر اپنا حصہ اپنے لڑکے اور لڑکی کی رضامندی سے دیدیا جائیداد بھائی کو بہن اور اس کے دو بچوں کی طرف سے چالیس برس ہوئے تحفہ میں دی گئی تھی اور اس وقت رجسٹری بھائی کے حق میں کی گئی تھی مکان تمام عرصہ بھائی کے قبضہ میں رہا بہن کو فوت ہوئے ۳۵ برس ہو چکے ہیں بہن فوت ہونے کے چار پانچ سال بعد دونوں بچوں نے اپنے مکان کا حصہ مانگا اور اب چالیس برس گزرنے کے بعد انہوں نے سول عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے عدالت نے مقدمہ میرے پاس فیصلہ کے لئے بھیجا ہے شریعت کا مسئلہ اس کی بابت جاننا چاہتا ہوں۔

(الجواب) فی هبة الدر المختار شرائط صحتها فی الموهوب ان یکون مقبوضاً غیر مشاع اه وفیه بعد ذلك ولو سلمه شائعاً لا یملکه فلا ینفذ تصرفه فیه. قال الشامی فی الفتاوٰی الخیریة ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعاً لا یملکه حتی لا ینفذ تصرفه فیه (الی قوله) و مع افادتها للملك عند البعض اجمع الکل ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو کان ذارحم محرم من الواهب (ثم قال) وکما یکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الردو تضمن بعد الهلاك کالبیع الفاسد اذامات احد المتبایعین لورثته لانه مستحق الردو مضمون بالهلاك انتهٰی وفی جامع الفصولین وهبة المشاع فیما یحتملها (یعنی القسمة) لم تجز لامن شریك ولا من اجنبی (ثم قال) وهبة المشاع الفاسدة لا تفید الملك ولو قبض الجملة مروی عن درحمه الله وهو الصحیح اه ص ٦٢ ج ٢.

عبارات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ ہبہ جائیداد مشترک کا بدون تقسیم کے صحیح نہیں ایسے ہبہ سے موہوب لہ کی ملک جائیداد موہوبہ پر جمہور علماء کے نزدیک تو ثابت ہی نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک ایک گونہ ملک خبیث اگرچہ ثابت ہو جاتی ہے مگر واہب کو اپنی حیات میں اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو واپس لینے کا اختیار قائم رہتا ہے صورت مندرجہ سوال میں ظاہر یہ ہے کہ بہن نے جو اپنا حصہ بھائی کو ہبہ کیا وہ بدون تقسیم کے حصہ مشترکہ کا ہبہ ہے اگر واقعہ اس طرح ہے کہ جائیداد مشترک کا حصہ قبل از تقسیم ہبہ کیا گیا ہے تو اب بہن کے وارثوں کا مطالبہ استرداد صحیح اور واجب العمل ہے اور ہبہ کے وقت ان کا ہبہ پر راضی ہونا یا اجازت دینا اس حق استرداد سے مانع نہیں اسی طرح مدت دراز گزر جانا بھی ان کے حق کو ساقط نہیں کرتا۔ لتصریح الفقهاء ان الحق لا یسقط بتقادم الزمان. والله سبحانه و تعالٰی اعلم۔ کراچی ۸ رمضان المبارک ٦٧ ہجری (اضافہ)

ہبہ مشترک کے جواز کی ایک صورت

(سوال ۷۸۷) زید کے دو مکان متصل ہیں اور ہر دو مکانوں کی کڑیاں درمیانی دیوار پر چڑھی ہوئی ہیں منجلہ ان دونوں مکانوں کے ایک مکان کو زید ہندہ کے نام ہبہ کرنا چاہتا ہے اور درمیانی دیوار کو مشترک قرار دے کر ہبہ

کرتا ہے یعنی ہبہ کرنے کے بعد اس درمیانی دیوار میں موہوب لہا یعنی ہندہ اور زید کے درمیان اشتراک پیدا ہوتا ہے تو یہ ہبہ عندالشرع صحیح ہے یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ ہبہ عندالشرع صحیح نہیں لمافی الدر المختار وشرائط صحتها فی الموهوب ان یکره مقبوضاً غیر مشاع۔ اور اگر بحالت اشتراک ہبہ کرنے کی ضرورت ہی سمجھی جائے تو اس تدبیر سے کیا جاسکتا ہے کہ پہلے نصف دیوار کو معین کر کے ایک رقم معین کے عوض ہندہ کے ہاتھ کردے اور جب بیع تام ہوجائے تو اس کی قیمت جو بذمہ ہندہ واجب ہوئی تھی وہ معاف کردے اس صورت سے ہبہ مشترک بھی نہ رہا اور کام بھی چل گیا۔ (کذاذکره الشامی فی الهبة ص ۵۵۸ ج ٤. والله اعلم

ہبہ مشترک چیز کا جائز نہیں

(سوال ۷۸۸) زید اپنی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کو اپنے بچوں کو جو کہ نابالغ ہیں ہبہ کرنا چاہتا ہے اور جائیداد میں اس کا بھائی عمر بھی نصف کا شریک ہے اور جائیداد بعض منقولہ اسباب تجارت ہے جس میں دونوں متصرف ہیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہبہ کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے آیا مال کی قیمت لگا کر ہبہ نامہ میں لکھا جاسکتا ہے یا اسباب تجارت کی تقسیم کرنی ہوگی اور پھر زید کی اولاد اپنے چچا عمر کے ساتھ شریک ہو کر تجارت کر سکتی ہے یا زید کا قبضہ جو کہ بچوں کا ولی ہے بوجہ ان کے نابالغ ہونے کے بچوں کا سمجھا جائے گا اور تقسیم کی نوبت نہ آئے گی اور زید بھی بحیثیت ولی نابالغان اولاد کی طرف سے عمر کی شرکت میں تجارت کرتا رہے گا امید ہے کہ جملہ امور کا جواب مرحمت فرمایا جائے تاکہ ہبہ کرنے میں فساد نہ آئے۔ ؟ بینوا توجروا.

(الجواب) ہبہ مشترک سامان وغیرہ کا شرعاً صحیح نہیں ہے اس لئے سامان تجارت کو تقسیم کر کے ہبہ کیا جاوے اور موہوب لہم چونکہ نابالغ ہیں اس لئے ان کی جانب سے ان کے ولی یعنی واہب کا قبضہ کافی ہے نفس عقد سے ہبہ کامل ہوجائے گا اس کے بعد زید کو اختیار ہوگا اگر وہ مفید سمجھے تو نابالغان کے مال میں تجارت کرے درمختار میں ہے۔

وهبة من له ولاية علی الطفل فی الجملة الخ تتم بالعقد. الخ .واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ

سب جائیداد پوتے کی ملک کردی تو دوسرے وارثوں کا اس میں حق ہے یا نہیں

(سوال ۷۸۹) زید نے انتقال فرمایا مرحوم نے اپنی جائیداد اپنی حین حیات میں خود کو روبرو اپنے پوتے کو تحریراً وتقریراً بخشدی تو یہ آیا اس جائیداد کے بخشدیئے جانے کے بعد اس میں کسی اور وارث کا کوئی حصہ شرعاً نکل سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا.

(الجواب) اس صورت میں اگرچہ زید بوجہ وارثوں کو محروم کرنے کے گناہ گار ہوا لیکن اس کے انتقال کے بعد کسی وارث کو جائیداد میں کوئی حق نہیں رہا بلکہ وہ جائیداد پوتے کی ملک ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ ہبہ اور بخشش زید نے مرض موت میں نہ کی ہو بلکہ بحالت تندرستی کی ہو دوسرے اس جائیداد پر پوتے کو قبضہ مالکانہ تمام اشتراکیت سے علیحدہ کر کے دیدیا ہو خلاصہ یہ کہ یہ ہبہ صحیح ہو کر ملک ثابت ہوگی مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ

بلاعذر شرعی ایسا کرنا اور دوسرے وارثوں کو محروم کرنا گناہ ہے البتہ کوئی شرعی عذر ہو تو گناہ بھی نہ ہوگا۔ حدیث میں ہے۔ من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة قال في خلاصة الفتاوى من الهبة ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضا و هو اثم نص عن محمدؒ هكذا في العيون خلاصة ص ۴۰۰ ج ۴ والله تعالى اعلم

بیٹی کو محروم کر کے کل جائیداد نواسوں کے نام پر ہبہ کرنا

(سوال ۷۹۰) ایک عورت نے اپنی حقیقی لڑکی کی موجودگی میں اپنے نواسوں کو تمام جائیداد ہبہ کردی ان کی خدمات کے صلہ میں یہ ہبہ شرعاً صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو جائیداد اور واہبہ کے کتنے جزء پر ہوا اس کی اسناد ہو سکے گا اول الذکر میں ظاہر ہے کہ واہبہ کی لڑکی بے گناہ محجوب الارث ہو جائے گی کیا ازروئے شرع شریف پیش کردہ صورت میں ایسا ہی یک طرفہ نتیجہ پیدا ہوگا اور لڑکی اب کس طرح اپنا شرعی حصہ اپنی ماں کی جائیداد میں نہ پا سکے گی اور واہبہ کا انتقال بھی ہو گیا ہے۔؟

(الجواب) اگر یہ ہبہ اپنی تندرستی کے زمانہ میں بحالت قیام حواس کیا ہے اور اپنی زندگی ہی میں اس پر موہوب لہم کو قبضہ بھی دلایا ہے تو ہبہ تام اور صحیح ہو گیا اور لڑکی کو کچھ حصہ اس میں سے نہیں ملے گا۔ البتہ اگر بلاعذر شرعی ایسا کیا ہے تو واہبہ اس فعل سے گناہ گار ہوئی کہ وارث کو میراث سے محروم کر دیا۔ حدیث میں ہے۔ من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة (مشكوٰة باب الوصية) اور خلاصة الفتاوى میں ہے ولو وهب جميع ماله لابنه جاز في القضاء وهو اثم نص محمد هكذا في العيون (خلاصه ص/۴۰۰) وهذا اصرح منه في الدرالمختار. والله تعالى اعلم.

جو بچہ کسی کی پرورش میں ہو اس کے لئے ہبہ کا طریقہ

(سوال ۷۹۱) زید اپنی زندگی میں ہمیشہ ہی اپنے پوتے نابالغ یتیم کو کہا کرتا تھا کہ یہ سب مال یتیم کا ہے میرا حق اس میں کچھ نہیں ہے۔ بلکہ رجسٹری سرکاری کرنے کے لئے تیار تھا۔ اتفاقیہ زید ایسا بیمار ہو گیا کہ جس سے اس کی جان بری نہ ہوئی۔ اور یہ کام رہ گیا آپ نے تحریر کیا تھا کہ تقسیم ہونا ضروری ہے تقسیم کی کیا صورت ہونی چاہئے زید کی لڑکیاں بھی حصہ لینے کو تیار نہیں کہ ہم یتیم کے مال سے کچھ حصہ نہ لیں گی صرف نابالغ یتیم کا چچا دعویدار ہے یتیم کے چچا کے لڑکے نے ایک مرتبہ زید سے کچھ روپیہ لیا تھا تو زید نے اس سے کہا کہ یہ مال یتیم کا ہے میرا اب کچھ حق نہیں ہے تم اس کو کما کر دیدینا اس قسم کے اور بھی واقعات ہیں جس کی شہادتیں موجود ہیں کیا ہبہ کی صحت کے لئے اس قسم کے واقعات معتبر نہیں ہیں ترکہ کوئی جائداد نہیں بلکہ صرف ایک مکان پختہ رہائش کا اور ایک کچا کچھ زیور کچھ روپیہ کچھ سامان بھی ہے برائے مہربانی جواب سے مطلع کیا جائے ؟

(الجواب) اگر بیان سائل صحیح ہے اور فی الواقع زید نے یہ کہا ہے کہ یہ کل مال نابالغ یتیم یعنی پوتے کا ہے تو ان الفاظ سے ہبہ تام ہو گیا اگرچہ قانونی رجسٹری نہ کرائی ہو لہذا اب اس میں زید کے کسی وارث کا بعد اس کی وفات کے کوئی حق نہ ہوگا۔ قال في الدرالمختار كتاب الهبة وهبة من له ولاية على الطفل في الجملة وهو

كل من يعول فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو في عيالهم تتم العقد الموهوب(الى قوله)لان قبض الولي ينوب عنه واقره الشامي(شامی ص/۵۳۵ ج/۴)

ہبہ میں یہ شرط کہ تاحیات واہب موہوب لہ کوئی تصرف نہ کر سکے

(سوال ۷۹۲)ایک شخص اپنی اولاد کو اپنی جائداد اس شرط پر ہبہ کرنا چاہتا ہے کہ تاحیات اس کی آمدنی کو اپنی مرضی کے مطابق میں خود صرف کروں موہوب لہ میں سے کسی شخص کو روکنے کا مجاز نہ ہوگا اور میری وفات کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصہ میں خود تصرف کرنے کا مختار ہوگا۔آیا کہ اس طرح ہبہ جائز ہے یا نہیں کیا حکم ہے اگر ناجائز ہے تو کیا یہ ہبہ ناجائز ہے بشرط ناجائز ہے اگر بشرط ناجائز ہے تو جواز کی کوئی صورت بتادی جائے جس کی وجہ سے تاحیات واہب موہوب لہ کچھ تصرف نہ کریں؟

(الجواب) یہ ہبہ جائز اور صحیح ہے مگر شرط مندرجہ سوال اس میں لگانا جائز نہیں بلکہ شرط فاسد ہے اور حکم شرط فاسد کا ہبہ میں یہ ہے کہ یہ شرط خود باطل ہو جاتی ہے ہبہ میں کوئی نقصان نہیں آتا اگر کسی نے بشرط مذکور ہبہ کیا تو ہبہ تام و صحیح ہو جائے گا مگر اس شرط کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ موہوب لہم کو کلی اختیار ہوگا جو چاہیں کریں۔لما في الدر المختار من الهبة انما لاتبطل بالشروط الفاسدة (الى قوله)ويبطل الشرط واقره الشامي ص/۵۵۹ ج/۴۔اور ہبہ میں ایسی کوئی صورت نہیں کہ موہوب لہ تاحین حیات واہب کوئی تصرف نہ کر سکے بجز اس کے کہ وہ کوئی اقرار نامہ لکھدے لیکن اس اقرار نامہ کی حیثیت فقط وعدہ کی ہوگی جس کا ایفادیانۃً ضروری ہے مگر حکومت اس کو مجبور نہیں کر سکتی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

محض سرکاری کاغذات میں کسی کا نام درج ہو جانے سے اس کی ملک شرعاً نہیں ہوتی

(سوال ۷۹۳)زید نے کسی وجہ سے اپنے روپے سے اپنی بیوی کے نام اپنی سکونت کے لئے ایک مکان خام دو سو روپیہ میں خرید کر اس کو اپنے روپے سے پختہ تعمیر کرلیا عرصہ تین سال چار ماہ کا ہوا کہ بیوی کا انتقال ہو گیا اس مکان میں اس کے لڑکے لڑکیاں و شوہر رہتے ہیں ایسی صورت میں وہ مکان ملک زید رہے گا یا بیوی کا ترکہ متصور ہو کر وارثان کو تقسیم ہوگا؟

(الجواب)اگر فی الواقع زید نے یہ مکان اپنی زوجہ کی ملک نہ کیا تھا بلکہ کسی مصلحت سے کاغذات سرکاری میں اس کا نام لکھوادیا تھا تو یہ مکان زوجہ کی ملک نہیں ہوا اور بعد اس کی وفات کے اس کے وارثوں کا اس میں حق نہ ہوگا۔بلکہ بدستور زید کی ملک میں رہے گا کاغذات سرکاری میں کسی کا نام درج ہو جانے سے شرعاً اس کی ملک ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ مالک اپنی رضاء سے اس کو مالک نہ بنائے اور قبضہ نہ کرائے۔وهذا كله ظاهر من عامة كتب الفقه ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الحجر

لڑکا اور لڑکی کب بالغ ہوتے ہیں

(سوال ۷۹۴) بلوغت مرد اور عورت کی کس عمر میں ہوتی ہے نیز ولی والدہ ہو سکتی ہے یا نہیں جب کہ اس کے تین چار لڑکے موجود ہیں؟

(۲) اگر لڑکی کی والدہ رضامند ہوں اور بالغ لڑکا ناراض ہو تو نکاح والدہ کی اجازت سے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) لڑکے کا بلوغ اصل میں انزال واحتلام سے ہوتا ہے اور لڑکی کا حیض آنے یا حاملہ ہونے سے یا احتلام سے لیکن اگر کسی لڑکے یا لڑکی میں مذکورہ الصدر علامات بلوغ میں سے کوئی نہ پائے تو پندرہ برس کی عمر سے اس کو شرعاً بالغ سمجھا جائے گا خواہ لڑکی ہو یا لڑکا۔

فی الدر المختار فان لم یوجد فیھا شئ ای من امارات البلوغ فحتی یتم لکل منھما خمس عشر سنة به یفتی قال الشامی ھذا عندھما وھو روایة عن الامام وبه قالت الثلاثة شامی ص ۱۰۷ جلد ۵ باب الحجر.

(۲) لڑکے اگر نابالغہ لڑکی کے حقیقی بھائی یا باپ شریک بھائی ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے والدہ کو حق ولایت نہیں پہنچتا اگرچہ تربیت والدہ ہی نے کی ہو ولی دربارہ نکاح بھائی ہی ہو سکتے ہیں۔ ثم یقدم الاب ثم ابوہ ثم الاخ الشقیق ثم لاب ثم العم الشقیق الخ شامی باب الولی کتاب النکاح ص ۳۱۹ جلد ۲ واللہ تعالی اعلم.

لڑکی کے بلوغ کی تحقیق

(سوال ۷۹۵) ایک لڑکی جس کا باپ فوت ہو گیا دادا حقیقی موجود ہے پہلے اس لڑکی کی ماں نے برضامندی واختیار خود اس لڑکی کا اس بناء پر کہ لڑکی جوان ہے نکاح ہمراہ محمد زمان ولد محمد رمضان کر دیا ہے لڑکی کہتی ہے کہ میں بالغہ ہوں مجھے حیض آتا ہے نکاح خواں منور دین ہے اس کے بعد دادا حقیقی نے لڑکی مذکورہ کا نابالغہ سمجھ کر اس کا نکاح دوسرے شخص کے ہمراہ کر دیا اور دادا کا بیان ہے کہ عمر لڑکی کی ساڑھے تیرہ سال ہے اس کا نکاح خواں احمد دین ہے بیان گواہا مسلکہ استفتاء ہیں اور بیان لڑکی جنت خاتون اور اس کی والدہ اور دادا کا بھی ہمرشتہ سوال ہے کونسا نکاح صحیح ہے اگر پہلا نکاح صحیح ہے اور باوجود علم کے دوسرا نکاح پڑھا گیا تو نکاح خوان اور گواہوں وغیرہ کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) کمتر مدت بلوغ کی لڑکی کے لئے نوسال اور لڑکے کے لئے بارہ سال ہیں اس عمر میں اگر دعوی بلوغ کا کریں اور ظاہر حال دعوی کا مکذب نہ ہو تو دعوی ان کا معتبر ہوتا ہے اور وہ شرعاً بالغ سمجھے جاتے ہیں بناء علیہ دادا کے قول کے مطابق عمر لڑکی مسماۃ جنت خاتون کی ساڑھے تیرہ سال کی ہے اور وہ دعوی بلوغ کا کرتی ہے اور حیض آنا بیان کرتی ہے لہذا قول اس کا شرعاً معتبر ہے اور وہ بالغہ ہے اس کی اجازت سے جو نکاح اس کی والدہ نے ہمراہ

محمد زمان ولد رمضان کیا ہے وہ نکاح صحیح اور منعقد ہو گیا اس کے بعد دادا نے جو نکاح جنت خاتون کا اس کو نابالغہ سمجھ کر ہمراہ شیر محمد نابالغ کے کیا وہ شرعاً صحیح نہیں ہوا اور اس دوسرے نکاح کی وجہ سے دوسرا نکاح خواں احمد الدین اور لڑکی کا دادا اور گواہ اور شرکائے نکاح وغیرہ سب گناہ گار ہوئے توبہ کریں اور اس دوسرے نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان کردیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال اوالا نزال والجارية بالاحتلام او الحيض او الحمل كذافي الدر المختار. وادنٰی مدة بلوغ له بالا حتلام ونحوه فی حق الغلام اثنتی عشرة سنة وفی الجارية تسع سنين الخ فان اخبرابه ولم يكذبهم الظاهر قبل قولهما كما قبل قول المرأة فی الحيض واذا قبلنا قولهما فی ذلك صارت احكامهما احكام البالغين الخ. عالمگيری جلد خامس الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ اور در مختار میں ہے وادنی مدته له اثنتا عشرة سنةً ولها تسع سنين هو المختار كما فی احكام الصغار فان راهقابان بلغا هذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم يكذبها الظاهر الخ. وهما حينئذ كبالغ حكماً الخ وفی الشرنبلالية يقبل قول المراهقين قد بلغنامع تفسير كلٍ بما ذا بلغ بلا يمين الخ. والله تعالٰی اعلم كتبه ، مسعود احمد

كتاب الاكراه

(کسی کام پر مجبور کرنے کا بیان)

اگر کوئی زبردستی زنا کرنے کو کہے تب بھی زنا جائز نہیں

(سوال ۷۹۶) سوال مع جواب باہر سے برائے تصدیق آیا ہے کہ ایک شخص مفلوک الحال کو ایک شخص زبردستی جو کہ اپنے گاؤں میں بڑا مانا جاتا ہے مجبور کرتا ہے کہ تو زنا کر تو ایسی حالت میں اس کے لئے زنا جائز ہو گیا نہیں۔ ؟

(الجواب) زید کے لئے ارتکاب زنا ہرگز جائز نہیں ہوگا کیونکہ حرمت زنا من قبیل ان حرمات کے ہے جو کسی صورت میں ساقط و قابل رخصت نہیں ہو سکتی۔

كذافی كتب الاصول كمافی نور الانوار شرح المنار الحرمات انواع حرمة لا تنكشف ولا تدخلها رخصة كالزناء بالمرءة فانه لا يحل بعذر الكراهة۔ کتبہ محمد یٰسین صاحب اعظمی۔

الجواب صحیح۔ بندہ محمد شفیع غفرلہ

کتاب الامارة والسیاسة
(مسائل متعلقہ سیاست وحکومت)

امیر جماعت کے شرعی احکام

(سوال ۷۹۷) ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر۔ کی کیا تفسیر ہے؟ کیا ہر وقت ایک منظم جماعت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ہونا ضروری ہے یا ہر عالم اپنی اپنی جگہ پر کام کررہا ہے وہ بحیثیت اتحاد فعل جماعت کے حکم کے تحت ہوگا۔

(۲) کیا اس قسم کی جماعت کے لئے امیر ہونا بھی ضروری ہے اور اس امیر کی کیا حیثیت ہوگی کیا وہ جس وقت بھی پکارے لبیک کہنا ضروری ہوگا۔؟

(۳) کیا کسی وقت اس طرح جماعت قائم ہوکر اس کا امیر مقرر ہوکر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کی نظیر پیش کی جاسکتی ہے۔

(الجواب) آیت کا مفہوم اس بارے میں عام اور دونوں صورتوں کو شامل ہے ہر صورت میں مامور بہ ادا ہو جاتا ہے۔

(۲) جماعت کا نظم قائم رکھنے کے لئے امیر بنالینا بہتر اور مستحب ہے

(۳) اصل یہ ہے کہ امر بالمعروف بھی نظام اسلامی کا ایک شعبہ ہے اور ایک خلیفہ وقت کے ماتحت جس طرح محکمہ قضا ہوتے تھے اسی طرح ایک محکمہ احتساب اور امر بالمعروف کا بھی سلف میں ثابت ہے اس کا ایک امیر اور افسر ہوتا تھا متعدد لوگ اس کے ماتحت کام کرتے تھے لیکن جن بلاد میں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں بلکہ اب تو اسلامی سلطنت میں بھی ان چیزوں پر عمل دشوار ہے ایسے وقت میں اگر امر بالمعروف کے لئے کوئی جماعت کوئی خاص نظام شرعی اصول کے موافق بنالے تو بہتر اور افضل ہے فقہاء کی تصریحات ایسے بلاد کے متعلق یہی ہیں کہ ان میں مسلمان اپنے اتفاق سے محکمہ قضاء وغیرہ مقرر کریں اور اپنا امیر بنائیں کذافی جامع الفصولین ومثلہ فی فتح القدیر، وردالمحتار ومبسوط السرخسیؒ مگر وہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ کم از کم ایک یازائد شہروں کے سب مسلمان متفق ہوکر کسی کو امیر یا قاضی بنالیں اور جب یہ بھی متعذر ہو تو کوئی مخصوص جماعت اگر اپنا امیر کسی کو بنائے اس کے احکام امیر شرعی کے تو نہیں ہوں گے مگر حکم کا درجہ ہوگا کہ جب تک چاہیں اس کی اطاعت کرلیں اور جب چاہیں چھوڑدیں مگر بنظر ابقاء نظام بلاوجہ اطاعت چھوڑنا مکروہ اور نامناسب ہوگا مگر خروج علی الامیر کی حد میں داخل نہ ہوں گے امیر واجب الاطاعت مطلقاً وہی ہوسکتا ہے جو تمام مسلمانوں کے اتفاق واجماع سے امیر بنایا جائے اور شرائط امارت اس میں موجود ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ) ۶۲-۴-۲ ہجری

میونسپل بورڈیا کونسل وغیرہ کی ممبری کے لئے ناقابل آدمی کے لئے رائے دینا

(سوال ۷۹۸) کسی فاسق فاجر آدمی کے لئے میونسپل بورڈیا کونسل وغیرہ کی ممبری کا ووٹ دینا کیسا ہے۔؟

(الجواب) ممبری خواہ میونسپل بورڈ کی ہو یا کونسل وغیرہ کی سب کے متعلق رائے دینا درحقیقت اس کی شہادت

دینا ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک امانت دار اور مسلمانوں کا یا قوم کا خیر خواہ اور حق شناس ہے جس شخص کے متعلق رائے دینے والے کو یہ معلوم ہو کہ اس میں یہ اوصاف موجود نہیں اس کے متعلق رائے دینا جھوٹی شہادت ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کسی امیدوار ممبری کو چندہ مسجد کی شرط پر ووٹ دینا

(سوال ۷۹۹) زید محض رئیس ہونے کی بناء پر اپنے شہر کی مجلس نمائندگان کارپوریشن یا میونسپل بورڈ کی رکنیت کے لئے آمادہ ہوتا ہے اور جب رائے دہندگان اس کی قابلیت اور اہلیت کی بناء پر پس و پیش کرتے ہیں تو وہ کسی مسجد کی تعمیر کی اعانت کا وعدہ کرتا ہے اور چند رائے دہندگان کو اطمینان دلاتا ہے کہ اگر وہ رکنیت ممبری میں کثرت آراء سے کامیاب ہو گیا تو مسجد کی امداد کرے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زید سے جب چند رائے دہندگان سودا کرتے ہیں کہ اگر فلاں جگہ کی مسجد یا یتیم خانہ میں چندہ دو تو ہم تمہارے حق میں رائے دیں گے اور زید ووٹ اور ممبری کے لالچ سے مسجد یا یتیم خانہ میں ایک رقم دیتا ہے یا دینا قبول لیتا ہے کیا دونوں صورتوں میں زید کا فعل ثواب میں داخل ہوگا۔؟

(الجواب) اگر واقعات مندرجہ سوال صحیح ہیں تو عام حالات پر نظر کرتے ہوئے ایسا چندہ دینے سے چندہ دینے والے کو کچھ ثواب نہ ہوگا اور چندہ لینے والے اگر اس بہانے سے چندہ وصول کرلیں اور رائے خلاف دیانت نہ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں اور اگر دیانۃً اس شخص کو ممبری کے قابل نہ سمجھتے ہوں محض چندہ کے لئے رائے دیں تو یہ چندہ بھی رشوت ہو جائے گا جو جائز نہیں۔

ممبری کے لئے ووٹ دینا

(سوال ۸۰۰) زمانہ الیکشن میں جس کی طرف سے ووٹ دیا جاتا ہے اس سے روپیہ کافی مقدار میں وصول کرتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر ہمکو اس قدر روپیہ دوگے تو تمہاری طرف سے ووٹ دیں گے یہ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) روپیہ لینا اور دینا دونوں حرام اور رشوت ہیں۔ تفصیل کے لئے پہلے ممبری اور ووٹ کی حقیقت ازروئے شرع سمجھ لینی چاہئے اس کے ساتھ اس کے احکام خود معلوم ہو جائیں گے ممبر خواہ میونسپل بورڈ کا ہو یا کونسل و اسمبلی کا وہ ایک جماعت کا وکیل ہے کہ اس کے خیر وشر کو پہچان کر حاکم کے سامنے یا مجالس مشاورت میں پیش کرے اور (ووٹ) رائے دینے کا حاصل یہ ہے کہ آپ اس کی وکالت تسلیم کرتے ہیں اب ازروئے شرع ممبر اور ممبری کی رائے دینے والوں پر علیحدہ علیحدہ کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں مثلاً ممبر کا پہلا فرض یہ ہے کہ محض خوشامد یا لالچ یا جبر اور دباؤ سے اپنے آپ کو وکیل قوم نہ بنائے بلکہ اگر فی الواقع یہ شخص اہل ہو اور لوگ بھی اس کی ممبری پر راضی ہوں تو ممبر بن جائے ورنہ نہیں۔ اسی طرح رائے دینے والوں کا بھی پہلا فرض یہ ہے کہ محض خوشامد یا جبر واکرہ سے مغلوب ہو کر یا لالچ و طمع میں آکر رائے کسی کے حق میں نہ دیں بلکہ اہل کو تلاش کریں اور اگر

نامزد لوگوں میں کوئی بھی اہل نہ ہو تو اپنی رائے کو محفوظ رکھیں کسی کے حق میں رائے نہ دیں اور اہل کا مطلب یہ ہے کہ چند امور اس میں موجود ہوں (۱) دیندار اور نیک ہو (۲) سمجھدار معاملہ شناس ہو (۳) اپنی رائے کو آزادی کے ساتھ مجلس میں پیش کر سکتا ہو (۴) رفاہ عام کی پوری کوشش کرنے والا ہو۔ لوگوں پر معاملات میں ظلم نہ کرتا ہو۔ پس جو شخص شرائط مذکورہ کے خلاف کسی شخص کو رائے دیتا ہے وہ خیانت کرتا ہے تو ایک گناہ تو خیانت کا ہوا اور اگر کچھ روپیہ لیکر یہ خیانت کی ہے تو دوسرا گناہ اس کا ہوا کیونکہ یہ روپیہ محض رشوت ہے جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کے لئے ووٹ کس کو دیا جائے

(سوال ۸۰۱) دو شخص ممبری ڈسٹرکٹ بورڈ کے واسطے کھڑے ہوئے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کے ووٹ زیادہ ہوتے ہیں ممبر ہو جاتا ہے لہذا اب ان دونوں نے اپنی اپنی کوشش کر رکھی ہے کہ ہم کو زیادہ ووٹ ملیں ان میں ایک شخص مسجدوں کے اندر روپیہ صرف کرتا ہے جیسی جس جگہ ضرورت ہے مثلاً کسی مسجد میں سقایہ کی ضرورت ہے وہاں سقایہ اور جیسی ضرورت ہو لہذا یہ روپیہ مسجدوں میں لگانا جائز ہے یا نہیں۔؟

اور یہ بھی سنا ہے کہ اس شخص کے یہاں کوئی جائیداد وقف ہے اگر یہ روپیہ اس جائیداد موقوفہ کا ہے تو اس کے لگانے میں کیا خرابی ہے عوام کا خیال ہے کہ یہ روپیہ ووٹران کے خوش کرنے کی غرض سے دیا جاتا ہے مگر وہ شخص یہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ میں اللہ کے واسطے دیتا ہوں ووٹ کی قیمت نہیں ہے اگر ووٹ کی قیمت ہوتی تو فرداً فرداً ہر ووٹر کو دست بدست دی جاتی یہ روپیہ وقف کا ہے ہر سال مساجد و مدارس عربیہ پر صرف کرتا ہوں اور اس کا بیان ہے کہ تم کو اگر یقین نہ ہو تو مدرسہ امروہہ و نہٹور و نگینہ و سہارنپور و دیوبند سے تصدیق کر لی جاوے۔؟

(الجواب) اس روپیہ کا مساجد و مدارس میں صرف کرنا تو بلا شبہ جائز و درست ہے اگر جائیداد موقوفہ کا ہے تب تو ظاہر ہی ہے اور اگر یہ اپنی ذات سے محض مسلمان ووٹروں کو خوش کرنے کے لئے بھی دیتا ہے تب بھی روپیہ مساجد میں لگانا بلا شبہ جائز ہے گو اس صورت میں دینے والے کو ثواب نہ ہوگا۔

باقی رہا یہ سوال کہ ایسے شخص کو ووٹ دیا جائے یا نہیں اس کا فیصلہ تنہا اتنی بات سے نہیں ہو سکتا کہ مسجد میں روپیہ خرچ کرے بلکہ ان دونوں میں سے اس شخص کو ترجیح دینی چاہئیں جو رائے دینے والے (ووٹر) کے نزدیک زیادہ دیندار نیک ہو اور زیادہ سمجھدار اور معاملہ فہم اور ممبری کو بہ نسبت دوسرے کے اچھی طرح انجام دیتا ہو یعنی رفاہ عام کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو۔ اور لوگوں پر ظلم نہ کرتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انتخاب ممبران کے متعلق سوال و جواب

(سوال ۸۰۲) اگر الیکشن ڈسٹرکٹ بورڈ کے ایک امیدوار ایک نہایت دیانتدار آدمی ہے اور نمازی بھی ہے اور مسجد میں جب جاتا ہے بلا تحریک کسی دوسرے کے جس چیز کی مسجد میں ضرورت ہوتی ہے اس کو پورا کر دیتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کہتا ہے کہ میں جو روپیہ صرف کرتا ہوں جائیداد موقوفہ کا ہے جس کو مسجد میں صرف کرتا ہوں کسی ووٹر کے خوش کرنے کے لئے نہیں کرتا ہوں اور نہ کسی ووٹر پر احسان ہے اور ایک دوسرا ابھی امیدوار ہے کہ جس نے ایک

مرتبہ یہ کہہ کر پھر گیا کہ اگر میں کامیاب الیکشن میں ہوگیا تو دوسو روپیہ کل حلقہ کی مسجدوں میں صرف کروں گا اور پھر نہیں کیا اور پھر وہ ایسے شخص کے مقابلہ پر کھڑا ہوگیا جو دینی کاموں میں صرف کرتا رہتا ہے ان دونوں میں ترجیح کس کو دیجائے۔؟

(الجواب) اس صورت میں بظاہر حسب بیان سائل ترجیح اس شخص کو ہے جس نے مساجد میں بوجہ اللہ روپیہ لگایا ہے واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ مسعود احمد عفااللہ عنہ

(جواب صحیح ہے) ممبری کیلئے ترجیح اس شخص کو دینی چاہئے جو دیندار ہو اور دین کے کاموں میں حصہ لیتا ہو بشرطیکہ معاملات میں بھی لوگوں پر ظلم نہ کرتا ہو اور ممبری کے حقیقی فرائض اور ذمہ داریوں کا احساس رکھتا ہو کیونکہ ووٹ دینا درحقیقت اس کی شہادت دینا ہے کہ یہ شخص ہمارے نزدیک مسلمانوں کا نمائندہ ہونے کی اہلیت رکھتا ہے اور نمائندگی کی اہلیت کے لئے دیندار ہونا بھی شرط اور معاملہ فہم، قوم کا بہی خواہ ہونا اور اپنی بات کو مناسب انداز سے مجلس کے سامنے پیش کرنے کی قابلیت رکھنا یعنی جس شخص میں یہ دونوں وصف جمع ہوں اس کو ووٹ دینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہ۔

ووٹ دینے کے لئے کوئی معاوضہ لینا رشوت ہے

(سوال ۸۰۳) ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع بجنور کی ممبری کے واسطے دو امیدوار مسلم طبقہ سے حلقہ چھالو سے کھڑے ہوئے ہیں اور یہ دونوں امیدوار باہر کے باشندے ہیں یعنی قصبہ چھالو کے رہنے والے ہیں ان ہر دو، امیدواران میں باہمی نااتفاقی اور ضد ہے اور ہر ایک بڑی کوشش کر رہا ہے ایک امیدوار یہ کہتا ہے ووٹران کو اپنے حق میں رائے دینے کے واسطے یہ الفاظ کہتا ہے کہ یا تو تم لوگ مجھ سے فی ووٹ کے حساب سے اس قدر روپیہ لے لو یا اگر تم لوگ رضامند ہو تو میں تمہارے محلّہ کی مسجد میں پانی پمپ لگوادوں یا کہو تو مسجد میں پانی کا حمام بنوادوں غرض کہ ہر مسجد میں کچھ نہ کچھ تعمیر کرادینے کا وعدہ کیا ہے کیا ایسی صورت میں مساجد کے اندر اس طریقہ سے روپیہ لگانا جائز ہے بلکہ ایک مسجد میں مبلغ پچاس روپیہ نقد واسطے تعمیر سقایہ دے دیئے ہیں اور دوسری مسجد کے واسطے پانی کا پمپ منگایا ہے جو کہ آگیا ہے نقد روپیہ لیکر ووٹ دینا اور اس روپیہ کو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اور یہی امیدوار مذکور یہ کہتا ہے کہ جس نے مسجد میں روپیہ واسطے سقایہ اور پمپ وغیرہ منگادینے کا وعدہ کیا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میرے یہاں جائیداد موقوفہ ہے جس کی آمدنی مدارس اسلامیہ ومساجد میں صرف ہوتی ہے لیکن اس قصبہ میں کبھی کچھ نہیں دیا ہے محض امسال ان ووٹوں کے سلسلہ میں اس موقوفہ آمدنی کو مسجد میں لگانا چاہتا ہے- تو کیا یہ جائز ہے ؟

(الجواب) ووٹر کو ووٹ کے معاملہ میں اپنی ذات کے لئے روپیہ لینا رشوت اور ناجائز ہے البتہ اگر امیدوار ممبری مساجد میں روپیہ صرف کرتا ہے اور دیتا ہے تو شرعاً جائز ہے لیکن اس امیدوار کو چاہئیے کہ مسجد میں جو روپیہ وہ صرف کرے محض لوجہ اللہ صرف کرے ووٹ کے معاوضہ میں اگر دے گا تو ثواب نہ ہوگا اور روپیہ مساجد میں لگانا اور صرف کرنا جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم -کتبہ ، مسعود احمد عفااللہ عنہ

الجواب صحیح -لاریب فیہ -بندہ محمد شفیع غفرلہ

کتاب الجهاد

ہندوستان دارالحرب ہے

(سوال ٨٠٤) ہندوستان دارالحرب ہے یادارالاسلام یادارالامان۔ کیادارالامان بھی دارالحرب کی قسم ہے ؟

(الجواب) ہندوستان موجود زمانہ میں ہمارے حضرات کے نزدیک دارالحرب ہے اور دارالامان اگرچہ دارالحرب کی کوئی قسم نہیں لیکن دارالحرب والوں سے صلح و مسالمت شرعاً جائز ہے اور مسالمت کی صورت میں امن قائم رکھنا ضروری ہو جاتا ہے اس لئے اگر کوئی دارالحرب کو بحالت مسالمت دارالامان کہہ دے تو مضائقہ نہیں۔ هذا هو المستفاد من الشامي باب الاستيمان

مظلومین کشمیر کی امداد میں قید ہونا

(سوال ٨٠٥) موجودہ کشمیر کی تحریک میں جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں اگر خدانخواستہ کشمیر کی تحریک میں کوئی آدمی ڈوگرے کے ہاتھ سے مارا جائے آیا شہید کہلائے گایامردہ کہلائے گالوگوں کو اعتراض ہے کہ بغیر کسی ہتھیار کے جانا اوراپنا سر مارکر دشمن کے سامنے رکھدینا کہاں تک جائز ہے۔ مفصل بیان فرمائیں ؟

(الجواب) مظلومین کشمیر کی جس چیز سے امداد ہوتی ہے وہ جائز ہے بلکہ ضروری ہے اور محض ان کے ساتھ شریک ہو کر مار کھانا کوئی امداد نہیں معلوم ہوتی تاہم جو شخص کسی عالم کے فتوے سے بخیال امداد ایساکام کرے اور خدانخواستہ مارا جائے توانشاءاللہ تعالیٰ شہید ہونے کی توقع ہے کیونکہ ظلماً مارا گیا ہے لیکن مسلمانوں کو قصداً اس طرح جان دینا مناسب نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتاب الدعوی و الشہادات و القضاء والیمین

(دعوی، شہادت، فیصلہ اور حلف کا بیان)

داڑھی منڈانے والے کی گواہی

(سوال ۸۰٦) داڑھی منڈانے والے کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

(الجواب) داڑھی منڈانے والے شرعاً فاسق ہیں اور فتویٰ اس پر ہے کہ فاسق آدمی اگر صاحب وقار مرتبہ اور ذی وجاہت ہو جس کی وجہ سے جھوٹ نہ بولتا ہو الغرض جس کے متعلق ظن غالب یہ ہو کہ اگرچہ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہے مگر جھوٹ نہیں بولتا اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے پس اگر فیصلہ کنندہ علماء کو ان داڑھی منڈانے والوں کے صدق پر غالب ظن ہو تو ان کی گواہی قبول کر سکتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ قال الشامی فی جامع الفتاوی واما شهادة الفاسق فان تحری القاضی الصدق فی الشهادة يقبل والا فلا اه وفی الفتاوی القاعدية هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو ممايحفظ درراول کتاب القضاء والظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتماده شامی کتاب الشهادة ص ٤١٠ جلد ٤، والله تعالی اعلم

مدعاعلیہ پر حلف اس وقت لازم ہے جب مقدمہ کسی حاکم یا ثالث کے سامنے پیش ہو

(سوال ۸۰۷) چار آدمی اپنے وطن سے سفر کی غرض سے نکلے اثناء سفر میں ان چاروں میں سے ایک کے بیس روپیہ چوری ہو گئے صاحب مال کو اپنے ساتھیوں میں سے ایک پر شبہ ہوا اور اس شبہ کی بناء پر اس نے دعوی کر دیا لیکن مدعی چونکہ بینہ سے عاجز تھا اور مدعاعلیہ اس کے دعوی کا منکر تھا اس لئے البينة علی المدعی و اليمين علی من انکر کے ماتحت مدعاعلیہ سے قسم طلب کی گئی اس صورت میں کیا مدعا علیہ کو قسم کھانی چاہیئے یا نہیں اور حدیث مذکور کا حکم عام ہے یعنی ہر صورت میں یہی حکم ہوگا یا حدیث مذکور کا حکم کسی خاص صورت کے لئے اور کوئی خارجی شرط بھی ہے۔ بینوا توجروا؟

(الجواب) اگر مدعاعلیہ سچا ہے تو اس کو قسم کھانی جائز ہے لیکن اس کے ذمہ ضروری اور واجب اس وقت تک نہیں جب تک کہ کسی حاکم مسلم کی طرف سے مرافعہ نہ ہو مدعی از خود اس کو قسم کھانے پر مجبور نہیں کر سکتا اور درصورت انکار از حلف جھوٹا نہیں کہہ سکتا البتہ اگر مقدمہ حاکم کے پاس پہنچے اور اس کے سامنے حلف سے انکار کرے تو یہ شخص جھوٹا قرار پائے گا اور دعوی اس پر ثابت ہو جائے گا الغرض اس صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی جزم کے ساتھ دعوی نہیں کرتا محض شبہ ظاہر کرتا ہے لہذا اس کے خصم پر حلف اٹھانا ضروری نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تحکیم کی ایک صورت اوراس کے شرائط

(سوال ۸۰۸) فریقین مقدمہ تین علماء صاحبان کو حکم شرعی تسلیم کرکے اسٹامپ تحریر کردیتے ہیں جس کی نقل شامل استفتاء ہے ایک فریق اصالتاً خود جھگڑتا تھا اور دوسرے فریق کے وکیل اور ثالثی نامہ میں مطابق شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار تھا اور اس میں بارہ دفعات امور متنازعہ فیہ کے لکھے گئے تھے جن کی پوری تحقیق کے بعد فیصلہ کا اختیار دیا گیا تھا اور میعاد فیصلہ ایک ہی ہفتہ مقرر رکھا گیا تھا اور ثالثوں کو اپنے ضروری اشغال سے اس ہفتہ میں کم فرصت تھی لہٰذا ثالثوں نے از خود امر خلاف مقتضائے اسٹامپ ثالثی اتنے طویل فیصلہ کو ایک دن میں ختم کرنے کی تجویز کی کہ ایک صلح نامہ تحریر کرکے قبل سنانے و مطلع کرنے ہر دو فریق کے العبدین کرالیں یعنی فریق اول بذات خود اور وکیلان فریق ثانی سے اس امید پر العبدین کرالیں کہ غالباً بعد سنانے کے ہر دو فریق مان لیں گے اور تسلیم کرلیں گے لیکن بعد سنانے کے اس مجلس میں فریق دوئم کے وکیلان نے صاف انکار کردیا اور یہ کہا کہ ہم نے آپ صاحبان کو صلح کرانے کا اختیار قطعاً نہیں دیا ہے اور واقع میں انہوں نے صلح کا اختیار نہیں دیا تھا لہٰذا ہم کو اختیار ہے ماننے یا نہ ماننے کا اور ہم یہ صلح نہیں چاہتے۔ اور مؤکلہ سے جاکر پوچھتے ہیں کہ آیا وہ چاہتی ہے یا نہ مؤکلہ نے بھی انکار کیا آیا عندالشرع یہ صلح نامہ درست ہے یا نہیں اور قبل سنانے مضمون کے دستخط کا کوئی اثر ہے یا نہیں؟ ۲ اور بغیر اجازت موکلہ کے وکیل صلح کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبراً صلح صحیح ہے یا نہیں؟ ۴ حق حضانت ماں کے لئے لڑکے کی کتنی مدت ہے اور اجرت اس کی ہے یا نہیں؟ ۷ اور نفقہ جو مقرر کابین نامہ میں ہوچکا ہو دین و قرضہ ہے یا نہیں؟ ۸ اور حق مہر بعد دخول ساقط ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ۹ اور اگر صلح میں عورت اپنا حق حضانت کچھ ساقط کرچکی ہو رجوع کرسکتی ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) ۱ یہ صلح نامہ عندالشرع درست نہیں ہے اس لئے کہ خلاف شرع ہے ثانیاً اس لئے کہ ان ثالثوں کی تحکیم فصل معاملہ کے لئے حسب قانون شرعی کی گئی تھی صلح کرانے کے لئے نہیں ۲ قبل سنانے مضمون کے دستخط کردینا اس وقت کافی ہوسکتا ہے جب کہ فریقین بغیر کسی شرط کے ثالثوں کو مطلقاً یہ اختیار دیدیں کہ جو تم چاہو کردو اور جس طرح چاہو فیصلہ کردو ہمیں بہر صورت منظور ہوگا خلاصہ یہ کہ تحکیم بالکل مطلق اور اختیار کلی کے ساتھ ہو اور صورت مذکورہ میں ایسا نہیں بلکہ ثالثوں کو موافق شرع فیصلہ مقدمہ کا اختیار دیا گیا تھا ان کے دستخط قبل سنانے مضمون کے اسی قسم کے اختیار پر سمجھے جائیں گے مضمون صلح جو اس اختیار کے حدود سے خارج ہے اس کے فریقین شرعاً پابند نہ ہوں گے علاوہ ازیں صلح کے لئے ثالثوں کا اور حکم کا فیصلہ کردینا کافی نہیں بلکہ تراضی فریقین شرط ہے اس کے بغیر صلح نہیں ہوسکتی۔ كذافي اول كتاب الصلح من الهداية والدر المختار اگر مؤکلہ ۳ نے وکیل کو اختیار کلی صلح کرنے وغیرہ کا دیدیا ہے تو وہ بھی صلح کرسکتا ہے اس کے بغیر صلح کرنا ان کا شرعاً معتبر نہیں ۔ درمختار باب الوكالته بالخصومته میں ہے وكيل الخصومة و التقاضي لا يملك القبض (الى قوله) ولا الصلح اجماعاً بحراز حاشیہ شامی مصری ص ۴۲۹ ج ۴.

۴ جبراً صلح صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ صلح کی تعریف میں تراضی طرفین داخل ہے اس کے بغیر صلح کے کوئی معنی نہیں۔

۵ لڑکے کے واسطے ماں کے لئے حق حضانت سات سال کی عمر تک شرعاً حاصل ہے۔
قال فی الدر المختار باب الحضانة الحاضنة اماً او غیر ھا احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی لانه الغالب (از حاشیة شامی مطبوعة مصر ص ٦٥٧ ج ٢)
۶ بحالت نکاح اور بعد طلاق قبل انقضائے عدت اجرت حضانت کی مستحق نہ ہوگی در مختار باب الحضانت میں ہے۔ و تستحق الحاضنة اجرة الحضانة اذالم تکن منکوحة ولا معتدةً لا بیه قال الشامی ھذا قید فیما اذا کانت الحاضنة اما الخ مصری ص ٦٥٤ ج ٢۔
جو نفقہ کابین نامہ میں برضاء طرفین طے ہو چکا ہے وہ بذمہ شوہر دین ہوگا۔ لمافی الدر المختار باب النفقة و النفقة ولا تصیر دینا الا بالقضاء والرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصناقاً او دراهم الخ (از شامی مصری ص ٦٧٦ ج ٢ بعد۸ دخول کے حق مہر بغیر اسقاط زوجہ کے ساقط نہیں ہو سکتا۔ وہو ظاہر۔
۹ رجوع کر سکتی ہے۔ لمافی الشامی واسقطت حقها من الحضانة وحکم بذلك حاکم هل الرجوع یاخذ الولد الجواب نعم لها ذلك. شامی مصری ص ٦٥٣ ج ٢ .واللہ تعالیٰ اعلم

پنچایت نے نکاح فسخ کیا بعد میں سر پنچ کو فیصلہ میں تردد ہو گیا

(سوال ۸۰۹) پنچائت کی گئی اور قریباً ۱۵-۱۶ آدمی جس میں نمبر دار بھی شامل تھے مگر نماز کے پابند اس میں صرف چار آدمی تھے علی ہذا القیاس داڑھی بھی سوائے تین چار آدمیوں کے کسی کی شرعی مقدار پر نہ تھی فیصلہ لکھتے وقت قسما قسم کا حکم دیا گیا مگر بعدہ شک پیدا ہو جانے کی وجہ سے فیصلہ کنندہ کی طبعیت میں تردد پیدا ہو گیا پس اگر فیصلہ پہلا معتبر ہے تو فیصلہ کنندہ کے شک کی وجہ سے جو بعد میں پیدا ہو گیا اس کے نفاذ میں تو کوئی نقص لازم نہیں آتا یا آتا ہے تو فیصلہ سرے سے معتبر نہیں یا گردونواح کے گاؤں میں اکثر بے نماز حالق لحیہ یا قاصر لحیہ لوگ ہیں تو پنچایت دینداروں کی وہاں کیسے منعقد کی جاوے۔؟
(الجواب) یہ پنچائت جس کا ذکر سوال میں ہے شرعاً کافی اور درست ہو گئی اور سر پنچ کا فیصلہ شرعاً نافذ و صحیح ہو گیا بعد میں جو تردد سر پنچ کو پیدا ہوا اس سے فیصلہ کے نفاذ پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلا تامل اس فیصلہ سے نکاح فسخ ہو گیا بشر طیکہ لڑکی کا بفور بلوغ انکار کر دینا حجتہ شرعیہ یعنی دو گواہوں سے پنچایت کے نزدیک ثابت ہو گیا ہو کم از کم تین آدمی دیندار ثقہ پنچایت میں شریک ہوں تو یہ پنچائت شرعاً قابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ قال العلامة الدر دیرفی شرح مختصر الخلیل علی مذهب الامام مالكؒ مانصه والا یوجد واحد منهم یعنی القاضی ووالی الماء فلجماعة المسلمین من صالحی بلدها . (شرح الدر دیر ص ٣٩٩ ج ١) وقد صرح فی فتاوی المالکیه من علماء الحرم النبوی علی صاحبه الصلوٰة والسلام ان الثلاثة العدول یکفی و یطلق علیهم اسم الجماعة.

کتاب القصاص والدیات
(قصاص، خون بہااور کفارہ قتل)

حمل ساقط کرنیکی دیت

(سوال ۸۱۰) ایک عورت نے اپنا حمل عمداً بلا اطلاع ومرضی شوہر کسی حیلہ سے ساقط کردیااور حمل تقریباً چار ماہ کا تھااس اسقاط جنین کی دیت کیا ہے اور کس کس پراس کی ادائیگی لازم ہے عورت کے وارثوں میں سے صرف ایک ماموں اور ایک پھوپھی ہے جواب موافق شریعت مطہرہ مفصل تحریر فرمائیں۔؟

(الجواب) قال فی الدر المختار من الدیات و ضمن العزۃ عاقلة امراۃ حرۃ فی سنة واحدۃ وان لم یکن لها عاقلة ففی مالها فی سنه ایضاً (الی قوله) اسقطته میتا بدواء او فعل کضرب بطنها بلا اذن زوجها – و فی الدر المختار ایضاً قبل ذلك غرۃ نصف عشر الخ (الی قوله) و کل منهما خمس مائة درهم – از شامی ص ۳۸۹ ج ۵.

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس عورت کے عاقلہ پر دیت کے پانسودرہم واجب ہوں گے اور اگر عاقلہ نہ ہو تو خود عورت کے مال میں واجب ہوں گے جن کا ادا کرنا بہر دوصورت سال بھر کے اندر اندر ضروری ہوگا اور ہندوستان میں بالخصوص اس زمانہ میں عاقلہ کا وجود مشکل ہے اس لئے عورت ہی کے مال سے یہ دیت لی جاسکتی ہے۔قال فی الدر المختار ولا عاقلة للعجم وبه جزم فی الدر (ثم قال بعد نقل الخلاف) لکن حرر شیخ مشائخنا الحانوتی ان التنا صرمنتف الآن کلیة للحسد و البغض و تمنی کل واحد المکروہ و صاحبه فتنبه قلت وحیث لا قبیلة فالدیة فی ماله او بیت المال انتهی از شامی ص ۴۲۷ ج ۵.

الغرض اس دیت کا مطالبہ صورت مذکورہ میں عورت ہی سے ہوسکتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

نیند کی حالت میں بچہ اگر دب کر مر گیا تو عورت پر کفارہ اوراس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے

(سوال ۸۱۱) ایک عورت اپنے چھوٹے بچے کو ہمراہ لیکر علیحدہ اپنے خاوند سے سوئی نید کی غشی میں بچہ ماں کے پہلو کے نیچے آکر مر گیااب اس ماں کے لئے شرعاً کیا سزا ہے یعنی دیت ہوگی یاروزے یا کچھ اور۔؟

(الجواب) اس عورت پر کفارہ واجب ہے اوراس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے نیز یہ عورت گناہ گار بھی ہوئی توبہ استغفار کرنی چاہئے۔ قال فی الدر المختار و الرابع ما جری مجری الخطاء کالنائم انقلب علی رجل فقتله لا نه معذور کالمخطی و موجبه (الی قوله) الکفارۃ والدیة علی العاقلة والا ثم دون اثم القتل (درمختار اوائل کتاب الجنایات)—واللہ تعالیٰ اعلم

ایک شخص نے دوسرے پر سانپ پھینکااور وہ مر گیا

(سوال ۸۱۲) ایک مجلس میں چند اشخاص تشریف رکھتے تھے کہ ایک سانپ چھت سے ایک شخص کے بدن پر

گرااس نے گھبرا کر سانپ پھینک دیا اب وہ سانپ دوسرے شخص کے بدن پر گرا اس نے گھبرا کر پھینک دیا غرضکہ سب نے ایسا ہی کیا آخر میں جا کر ایک اخیر شخص کے اوپر گرا اور وہ سانپ کے کاٹنے سے مر گیا اب دیت کس شخص پر لازم ہوگی؟

(الجواب) یہ دیکھا جائے گا کہ آخر کس شخص کو جو سانپ نے کاٹا ہے پھینکنے کے ساتھ ہی فوراً کاٹا ہے یا کچھ دیر کے بعد صورت ثانیہ میں کسی پر دیت نہیں کیونکہ پہلے جن لوگوں پر پھینکا گیا اور وہ بچ گئے تو ان کے پھینکنے والے جنایت سے بری ہوگئے آخر میں جس نے اور ایک شخص کو کاٹا وہ بھی جنایت سے اس لئے بری ہو گیا کہ سانپ نے اس کے پھینکتے ہی نہیں کاٹا بلکہ دیر کے بعد اس کی سستی کرنے کی وجہ سے کاٹا ہے اور اگر فوراً کاٹ لیا ہو تو آخری شخص پر دیت آئے گی کیونکہ یہ قتل کی قسم خامس یعنی قتل بالتسبب میں داخل ہے۔ **وموجبة الدية لا الكفارة ولا اثم القتل. كذافى الدر المختار ص ٣٧٢ ج ٥**. یہ واقعہ اور اس کا جواب مذکور بعینہ امام ابو حنیفہؒ سے ان کی سوانح میں منقول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الحدود والتعزیرات
(شرعی سزاؤں کا بیان)

مالی جرمانہ جائز نہیں

(سوال ۸۱۳) موضع ہوشیار پور ضلع انبالہ میں پانی کے متعلق ہندو جاٹوں سے جھگڑا ہو کر مقدمہ ہو گیا تھا اس مقدمہ میں چند مسلمان شریک تھے اور چند نہیں جو مسلمان مقدمہ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور تین سو روپیہ جرمانہ کیا گیا ہے جن لوگوں پر جرمانہ کیا گیا ہے ان کے یہاں ایک موت ہو گئی تھی اس کے جنازہ کی نماز دوسرے فریق مسلمانوں نے نہیں پڑھنے دی اور بلا نماز پڑھے ہی جنازہ دفن کر دیا گیا ہے دوسرے روز میں نے آکر قبرستان میں جا کر اس کی قبر پر نماز پڑھی ہے اس بارے میں کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) ہندوؤں کے مقابلہ میں باوجود قدرت کے مسلمانوں کی امداد نہ کرنا سخت گناہ ہے اور جن مسلمانوں نے ایسا کیا وہ سخت گناہ گار ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں نے اگر ان لوگوں سے کچھ دنوں کے لئے بطور سزا قطع تعلقات کر دیا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں اس کی بعض نظیریں احادیث میں موجود ہیں اس لئے یہاں تک جو کچھ کیا اچھا کیا لیکن اسلام میں ہر چیز کی ایک حد مقرر ہے اس سے تجاوز کرنا ظلم ہے (۱) اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ اس قسم کے مقاطعات محض چند روزہ ڈرانے کے لئے ہونے چاہئیں مسلمانوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلقات کر دینا کسی گناہ کی وجہ سے جائز نہیں ملنا جلنا سلام کا جواب دینا مریض کی عیادت کرنا مر جائے تو جنازہ کی نماز پڑھنا اور تجہیز و تکفین میں شریک ہونا وغیرہ یہ ہر مسلمان کا حق ہے خواہ کتنا ہی گناہ گار ہو۔ حدیث میں ہے عن ابی ہریرةؓ حق المسلم علی المسلم خمس ردالسلام و عیادة المریض و اتباع الجنائز واجابت الدعوة و تشمیت العاطس رواہ البخاری و مسلم (مشکواة) نیز حدیث میں ہے صلوا علی کل بر و فاجر (شرح المنیه) یعنی ہر نیک و بد مسلمان پر نماز جنازہ پڑھو (۲) اس لئے یہ سخت ظلم کیا گیا کہ ایک مسلمان کے جنازہ کو بغیر نماز کے دفن کیا گیا اگر بعد دفن کوئی اس پر نماز نہ پڑھتا تو اس کا وبال ساری بستی کی گردن پر رہتا (۳) اسی طرح جرمانہ مالی مقرر کرنا یہ بھی ظلم ہے شریعت میں جرمانہ مالی کی کوئی اصل نہیں حاکم شرعی بھی کسی پر مالی جرمانہ واجب نہیں کر سکتا۔

لمافی الشامی من کتاب التعزیر لا یاخذ المال فی المذهب درمختار لا یجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی الی قوله و الحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذالمال شامی مصری صفحه ۱۹٤ جلد ۳

اس لئے اب مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ ان لوگوں سے توبہ کرالیں اور آئندہ کے لئے مسلمانوں کی امداد پر عہد لے کر مقاطعہ کو اٹھا دیں اور جو جرمانہ ان پر عائد کیا گیا ہے وہ واپس کر دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تعزیر کی تعریف

(سوال ۸۱۴) صورت مذکورہ میں اگر متخاصمین کسی ثالث کو حکم مقرر کردیں تو وہ حکم یہ سزائیں جاری کرسکتا ہے یا نہیں اگر جرمانہ اس غرض سے لیا جائے کہ اس کو لے کر کسی کار خیر میں خرچ کردیں گے تو یہ لینا ہے۔؟

(الجواب) جن جرائم پر شرعاً حد واجب نہیں ان میں ہر جرم کی سزا اس کے انداز کے موافق ہے جس کی کوئی کیفیت یا تعداد شرعاً مقرر نہیں بلکہ قاضی یا اس کے قائم مقام حکم وغیرہ کی رائے پر ہے کہ جس جرم کی مناسب جو سزا مار نا یا قید یا زبانی تنبیہ وغیرہ کافی سمجھے اس کا استعمال کرے البتہ اگر مارنے کی سزا تجویز کرے تو اس میں یہ شرط ہے کہ انتالیس کوڑے سے زیادہ تجویز نہ کرے اور اس سزا میں اس شخص کے حال کی بھی رعایت کی جائے جس پر سزا جاری کی جاتی ہے اگر کوئی شریف آدمی ہے جس کے لئے زبانی تنبیہ مارنے پیٹنے کے برابر یا زیادہ سمجھی جاتی ہے تو اس کے لئے زبانی تنبیہ پر اکتفا کیا جائے۔

صورت مذکورہ میں اگر لڑکی نابالغہ تھی اور نکاح صحیح نہیں ہوا تو اب اس کا گھر میں رکھنا اور تعلقات زن شوئی قائم رکھنا سخت جرم ہے اس کی تعزیر انتہائی سخت ہونی چاہئیے اور اگر لڑکی بالغہ تھی اور نکاح صحیح ہو گیا تو لڑکی پر معمولی تعزیر کافی ہے مالی تعزیر و جرمانہ وغیرہ شرعاً معتبر نہیں نہ جرمانہ لینا جائز ہے اور نہ اس کے لئے کوئی مصرف مقرر ہے اگر کوئی دوسری سزا جاری نہ کرسکے تو پھر انسداد جرائم کی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص سے سب مسلمان ایک مدت کے لئے قطع تعلقات کردیں اور ان تمام اقوال کی دلیل شامی و در مختار کی عبارت ذیل ہے۔

شامی استنبولی صفحہ ٤٤٧ جلد ۳. قال الزیلعی ولیس فی التعزیر شئ مقدور انما هو مفوض الی رائی الامام علی ما تقتضی فان العقوبة فيه مختلف باختلاف الجناية الی قوله كذا ينظر فی اقوالهم فان من الناس من ينز جر باليسير ومنهم من لا ينز جر الا بالكثير انتهى وقال فی الدر المختار اكثره (ای الضرب بالتعزير) تسعة وثلاثون سوطاً واقله ثلاثة وقال الشامی قال فی الفتح فلو رای انه ينز جر بسط واحد اكتفی به شامی صفحه ٤٤٥ ج ۳.

قال فی الدر المختار ويقيمه كل مسلم حال مباشرة المعصية واما بعده فليس ذلك لغير الحاكم و الزوج والمولی الی قوله لكن فی الفتح ما يجب حقاً للعبد لا يقيمه الا الامام لتو فقه علی الدعوی الا ان يحكما فيه شامی ص ۲۵۰ ج ۳. وفی الدر المختار لاياخذ المال فی المذهب بحر.

تعزیر جاری کرنے کا حق کس کو ہے

(سوال ۸۱۵) بادشاہت انگریزی میں احکام شرعیہ کا لاجراء تو ہو نہیں سکتا لیکن اگر کسی رئیس کے ذریعہ سے بعض امور میں کوئی قاضی لوگوں کو سزا دے سکے تو کتنے کتنے درے تعزیر الگانا چاہئیے اور مذکر و مونث کی سزاؤں میں کیا فرق ہوگا، اور درے اگر لگائے جائیں تو تمام بدن پر لگائے جائیں یا کہ ایک جگہ پر مثلاً کوئی داڑھی منڈواتا ہے یا کوئی نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے یا کوئی شخص کوئی نماز بوجہ کاہلی کے ترک کردے اس کے لئے کیا حکم ہے اگر کسی شخص نے زناء کیا تو حدود شرعی تو لگا نہیں سکتے تعزیراً اس کے کتنے کوڑے مارے جائیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی شخص تعزیر دینے پر قادر ہے تو وہ ہندوستان میں بحالت موجودہ بھی شرعاً تعزیر دے سکتا ہے اور قاعدہ تعزیر کا یہ ہے کہ اس کی کوئی خاص صورت شرعاً معین نہیں ہوتی بلکہ محض حاکم اور قاضی کے صوابدید پر موقوف ہوتی ہے قاضی جو سزا جرم اور مجرم کی حیثیت کے موافق مناسب سمجھے وہ دیدے خواہ درے لگانا ہو یا قید کرنا یا زبانی زجر و توبیخ کرنا کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں کسی کو ادنی سی تنبیہ کافی ہو جاتی ہے اور کسی کے لئے دڑے بھی کافی نہیں ہوتے اس لئے یہ معاملہ قاضی کی رائے پر مبنی ہے صرف یہ شرط ہے کہ اگر درے یا کوڑے لگائے جائیں تو انتالیس سے زائد نہ ہوں اور کوڑے یا درے مارنے کی صورت تفصیل یہ ہے کہ اگر تھوڑے سے کوڑے مارنے ہیں تو ایک ہی جگہ مارے جائیں تمام بدن پر پھیلائے نہ جائیں اور اگر زیادہ کوڑے مارنے ہیں تو پھیلا دیئے جائیں۔ وکذلک من الدر المختار حیث قال و التعزیر شرعاً تادیب دون الحد اکثرہ تسعة و ثلاثون سوطاً (الی قولہ) ولا یفرق الضرب فیہ وقیل یفرق دوفق بانہ ان بلغ اقصاہ یفرق والالا شرح وھبانیة . ثم قال و التعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الی رای القاضی و علیہ مشائخنا زیلعی ان المقصود منہ الزجرواحوال الناس فیہ مختلفة بحر۔

ماں باپ کو زدو کوب کرنے کی سزا

(سوال ۸۱٦) اگر کوئی شخص ماں باپ کو زدو کوب کرے تو ایسے شخص کو شرعاً کیا سزا دی جائے۔؟

(الجواب) والدین کے مارنے یا نافرمانی کرنے پر شرعاً کوئی حد خاص متعین نہیں بلکہ حاکم اسلام کی رائے اور اختیارات تمیزی کے سپرد ہے کہ مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت کو دیکھ کر جو سزا چاہے تجویز کرے البتہ اگر بید یا کوڑے مارنے کی سزا تجویز کرے تو انتالیس عدد سے زیادہ اور تین سے کم کی تجویز نہ کرے در مختار بہتر تو یہی ہے کہ کوئی خاص سزا متعین نہ کی جائے لیکن اگر اس کا ارادہ ہے تو بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عدد کوڑے یا بید لگائی جائے اور پھر قید کر دی جائے جب تک کہ توبہ نہ کرے اور قرائن سے یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ یہ سچے دل سے توبہ کرتا ہے اس وقت تک قید سے نہ چھوڑے کیونکہ جو شخص عام لوگوں کو بے خطاء مارتا ہے اس کی سزائے تعزیر یہی ہے کہ قید کر دیجائے اور بغیر توبہ نصوح کے نہ چھوڑا جائے۔

والدین کا مارنا یہ دہرا گناہ ہے لہذا اس کی تعزیر میں کچھ کوڑے کی ضرب بھی بڑھا دی جائے. قال فی الدر المختار من التعزیر و من اتھم بالقتل اوالسرقة وضرب الناس حبسه واخلده فی السجن حتی یتوب قال الشامی تظھر امارات التوبة شامی ص ۲٦۰ . باب التعزیر۔

ہندوستان میں بحالت موجودہ زنا کی سزا

(سوال ۸۱۷) عورت منکوحہ غیر مدخول بہا سے زناء کا ثبوت ہو جائے تو اس کے لئے شرعاً کیا سزا ہے جرمانہ لینا جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) زنا اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو صورت مذکورہ میں اس پر حد شرعی ہے یعنی سو کوڑے

مارے جائیں لیکن یہ حکم دارالاسلام کے ساتھ خاص ہے دارالحرب میں حد زنا جاری نہیں کی جاسکتی کما صرح به فی الدر المختار البتہ بستی کے مسلمان پنچایت کر کے بطور تعزیر اس کے ساتھ معاملات کھانا پینا نکاح شادی وغیرہ ترک کردیں جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرے۔ ہندوستان میں آج کل یہی تعزیر جاری ہوسکتی ہے مالی جرمانہ لیناشرعاً درست نہیں– صرح به فی الدر المختار من باب التعزیر

ہندوستان میں بحالت موجودہ زنا کی سزا

(سوال ۸۱۸) کوئی شخص زنا کرے فی زمانا اس کی کیا سزاء ہے محض توبہ کفایت ہے یا اور کچھ سزا ہے شریعت میں جو سزاء مقرر ہے اس دیار میں وہ جاری کرنی مشکل ہے۔؟

(الجواب) زناء کی حد شرعی دارالحرب میں جاری نہیں ہوسکتی کیونکہ اجراء حدود کے لئے دارالاسلام شرط ہے کما صرح به الدر المختار من کتاب الحدود ولہذا فیما بینہ وبین اللہ تو توبہ بھی کافی ہے لیکن اگر مسلمان کسی جگہ متفق ہوں اور سب متفق ہو کر زانی سے قطع تعلقات کردیں اور جب تک توبہ نہ کرے مقاطعہ جاری رکھیں تو مناسب ہے۔ واللہ اعلم (اضافہ)

اگر مرد اپنی بیوی سے زنا کرنے والے کو قتل کردے

(سوال ۸۱۹) زید باہندہ تعلق ناجائز میداشت حتیٰ کہ ہندہ مذکورہ راغضب کردہ در ولایت دیگر برد و چند سال ہندہ را درخانہ خود مثل زن و شوہر داشت شوہر ہندہ واقربائے آں زید را بہ ہندقہ کشتند دریں صورت دیت بر قاتلان شرعاً لازم می آید یانہ ومقتول شہید است یانہ بینوا۔؟

(الجواب) سفر ہندہ بازید اجنبی و بودن او درخانہ زید چند سال مثل زن و شوہر قرینہ است بر وجود زناء یا دواعی زناء پس اگر شوہر ہندہ واقربائے او ایں اغوار الیعنی رفتن ہندہ بازید و ماندن درخانہ وے چند سال مثل زن و شوہر بہ بینہ ثابت کنند بر سر آنہا قصاص یادیت لازم نمی آید و آں مقتول شہید نمی شود۔ قال فی الدر المختار باب التعزیر ص ۱۸۰ رجل رأی رجلامع امراته یزنی بها او یقبلها او یضمها الی نفسه وهی مطاوعة فقتله او قتلهما لاضمان علیه و لا یحرم من میراثها ان اثبته بالبینة اوبالا قرار ولورائی رجلا مع امرائته فی مفازة خالیة اوراء ہ مع محارمه هکذا ولم یرمنه الزنا و دواعیه قال بعض المشائخ حل قتلهما وقال بعضهم لا یحل حتی یری منه العمل ای الزنا و دواعیه اھ۔ ازیں عبارت معلوم شد کہ خلوت یادواعی زنا قایم مقام زناست۔

پس سفر زن بامرد اجنبی و ماندن آں زن درخانہ اجنبی چند سال مثل زن و شوہر بطریق اولی قائم مقام زنا و قرینہ قاطعہ خواہند بود بر وجود زنا ہم معلوم شد کہ اگر کدام کس زن خود رایا محارم خود را ابہمراہ کسے درحالت مباشرت زنا دید یا ملوث بدواعی زنا دید یا درخلوت خاصہ دید پس آں شخص راحلال است کہ آں زن را یا ہر دو را قتل کند و ضمان نمی شود بشرطیکہ ایں مباشرت و مافی حکمہا را بہ بینہ عادلہ ثابت کند۔ قال فی شرح المجلة المادة ص ۸٤۰ احد اسباب الحکم القرینة القاطعة ایضاً المادة ص ۸٤۱ القرینة القاطعة هی الامارة البالغة حد الیقین مثلاً اذا خرج احد

من دارخالية خائفا مدهو شافي يده سكين ملوثة بالدم فدخل فى الداروراى فيها شخصا مذبوحا فى ذالك الوقت فلا يشتبه فى كونه قاتل ذلك الشخص ولا يلتفت الى الاحتما لات الواهية الصرفة كان يكون الشخص المذكور بما قتل نفسه او قتله اخر ثم تسور الحائط لان هذا احتمال بعيد لم ينشاء عن دليل درمختار اه وقال ايضاً فى ردالمحتار اول كتاب القضاء ص ۹۸ و طريق القاضى الى الحكم يختلف بحسب اختلاف المحكوم به الى ان قال والحجة وهى اما البينة اوالاقرار اواليمين اوالنكول عنه اوالقسامة وعلم القاضى بما يريدان يحكم به اوالقرائن الواضحة التى تصير الامر فى حيز المقطوع به فقد قالو الوظهر انسان من دار بيده سكين وهو متلوث بالدم سريع الحركة الخ من الفواكه لابن الورس اه۔ محمد صادق کراچی

جواب صحیح ہے اوراس کی مزید تصریح شامی باب التعزیر میں اس طرح ہے کہ کمن وجد رجلا مع امراء ة لا تحل له الخ در مختار قوله مع امراء ة ظاهره ان المراد الخلوة بها وان لم يرمنه فعلاً قبيحاً كما يدل عليه مایاتی عن منية المفتى انتهى. اورچونکہ صورت مذکورہ میں ہندہ زید کے گھر میں اس کے ساتھ موجود بھی تووہ اس وقت بھی مرتکب جرم خلوت تھالہذا یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ مباشرت معصیت کے بعد غیر حاکم کے لئے تعزیر جاری کرنے کا حق نہیں۔ کما قاله فى البحر و نصه لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية واما بعد الفراغ منها فليس ذلك لغير الحاكم بحر ص ٤٢ ج ٥. محمد شفيع غفرله

جانور سے وطی کرنے کا کیا حکم ہے

(سوال ۸۲۰) اگر کوئی شخص کسی جانور حلال گوشت والے مثلاً گائے بھینس، بکری وغیرہ کے ساتھ پیشاب گاہ میں دخول تام کرے انزال ہو یا نہ ہو اس شخص کے لئے کیا سزا ہے اور ایسے جانور کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) وہ شخص فاجر اور گناہ گار ہے اس کو چاہئے کہ توبہ کرے لیکن اس پر حد نہیں آتی البتہ حاکم اس کو تعزیر دے سکتا ہے اور جانور موطوئۃ ماکول اللحم کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ اس کو ذبح کر کے گوشت جلادیا جائے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا کھانا بھی جائز ہے درمختار کتاب الحدود میں ہے. ولا يحد بوطء بهيمة بل يعزر و تذبح ثم تحرق الخ. ليقطع الاقتداء والتحدث به كلما رئيت وليس بواجب كمافى الهداية و غير ها وهذا اذا كانت ممالا يوكل فان كانت توكل جاز اكلها عنده وقالا تحرق ايضاً الخ. والله اعلم

(جواب صحیح ہے) اوراگر گوشت اس کا کھانا اگرچہ امام صاحب کے نزدیک جائز ہے مگر اس کے آثار خبیثہ سے بچنے کے لئے نہ کھانا اولیٰ ہے۔ بندہ محمد شفیع غفرلہ

جس جانور سے کسی نے برا فعل کیا اس کا حکم

(سوال ۸۲۱) زید نے بہیمہ کے ساتھ ناجائز فعل کیا وہ زید کس سزا کا مستحق ہے اور اس جانور کا کیا جاوے جس کے ساتھ زید نے برا فعل کیا اور شاہد صرف ایک ہے مہربانی فرما کر جلد سے جلد جواب عنایت فرماویں کیونکہ یہ واقعہ

درپیش ہورہاہے آپ کے جواب کے اشد منتظر ہیں۔؟

(الجواب)حاکم زید کو تعزیردے اور جانور موطوءہ کو احتیاطاً ذبح کر کے جلادیا جائے اور اگر وہ جانور ماکول اللحم ہے تو اس کا گوشت کھانا حرام نہیں ہے شامی میں ہے- ولیعزر و تذبح البھیمة و تحرق علی وجه الاستحباب ولا یحرم اکل لحمھابه اه – شامی علی الدر المختار ص ۱۱۲ . واللہ تعالٰی اعلم – کتبه مسعود احمد عفا اللہ عنه

(جواب صحیح ہے)اور سزا کی مقدار و کیفیت کی تعیین شرعاً حاکم کی رائے پر ہے وہ جس قدر مناسب سمجھے سزا دے- کذافی الدر المختار من باب التعزیر واللہ تعالٰی اعلم -بندہ محمد شفیع غفرلہ-

زنااور زانیہ کے بعض احکام

(سوال ۸۲۲) زانیہ عورت جس کو حمل حرام بھی ہو اس کے ہاتھ کا پکاہوا کھانا جائز ہے یا نہیں چونکہ آیت الزانیة والزانی فاجلد واکل واحد منھما مائة جلدة الخ کی رو سے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہے اس کا ملازم رکھنااور اس سے طعام پکواکر کھانا جائز ہے یا نہیں اور محصنہ زانیہ کی سزا قرآن سے سنگسار کرنا ثابت یں ہو تا اس شبہ کا کیا جواب ہے اس سوال کا جواب مولوی نے یہ لکھاہے کہ عورت مذکورہ پر جب تک حد جاری نہ کی جائے اس وقت تک اس سے تعلق رکھنا حرام ہے۔الخ

(الجواب) دارالحرب میں حد زنا جاری نہیں ہو سکتی اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر معاملہ عدالت قاضی میں پہنچے اور بقواعد شرعیہ ثابت ہونے سے پہلے مجرم اپنے جرم سے توبہ کرلے تو شرعی حد ساقط ہو جاتی ہے لہذا عورت مذکورہ اگر توبہ کرلے تو پھر اس کو ملازم رکھنااور اس سے معاملات رکھنا جائز ہو جائے گا۔

قال فی الدر المختار والزنا الموجب للحد وطأ الی قوله فی دارالاسلام لان لاحد بالزنا فی دارالحرب وقال فی الشامی فی اول کتاب الحدود- الظاھران المراد انھا لا تسقط الحد الثابت عند الحاکم بعد الرفع الیه اما قبله فیسقط الحد بالتوبة حتی فی قطاع الطریق الخ شامی مصری صفحه ۱۵۳ جلد ۳ چونکہ ہندوستان میں حد شرعی زنا کی جاری نہیں ہو سکتی اس لئے مجرم کے ساتھ آئندہ معاملات رکھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ توبہ کرے اور مولانا صاحب کا فتویٰ عدم جواز کا غالباً اس وقت کے لئے ہے جب کہ وہ توبہ نہ کرے رہا یہ امر کہ منکوحہ زانیہ کی سزا رجم ہونا قرآن سے ثابت نہیں سو یہ مسئلہ علیحدہ ہے اس کا مفصل جواب اس فتوے میں نہیں ہو سکتا آپ کے اطمینان کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اگر بالفرض قرآن سے ثابت بھی نہ ہو تو حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہونا کیا احکام شرعیہ کے لئے کافی نہیں اور زانی محصن کی سزا کا رجم ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے قولاً اور فعلاً بھی صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت اس کام میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور آپ کے قول و فعل کا مشاہدہ کرنے والی ہے کہ کسی مسلمان کو گنجائش نہیں ہو سکتی کہ سب کو معاذاللہ کاذب کہہ سکے اور ساڑھے تیرہ سو برس سے آج تک امت میں کسی کو اس میں شبہ بھی پیدا نہیں ہوا یہ صرف قادیانی خانہ ساز نبوت کا کرشمہ ہے کہ اس نے تمام قطعیات اسلامیہ میں ایسے ایسے پوچ شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ دین اسلام میں ان کی کسی طرح گنجائش نہیں۔

دارالحرب میں زنا کی تہمت لگانے والے کی سزا

(سوال ۸۲۳) زید نے بکر کی عورت پر الزام لگایا کہ میں عرصہ پانچ سال تک بکر کی بیوی کے ساتھ زنا کرتا رہا اور پانچ گواہ بھی بنائے اور گواہوں نے بھی اس الزام کو مشہور کردیا کہ زید واقعی پانچ سال تک زنا کرتا رہا قومی پنچایت نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کے گواہ قسم اٹھائیں تو قومی پنچایت زید کا فعل بد مان لے گی چنانچہ قاضی صاحب کے پاس گئے قاضی صاحب نے زید کے گواہوں کو فرمایا کیا تم نے زید کو زنا کرتے بچشم خود دیکھا اور اگر دیکھا ہے تو حلف شہادت دو چنانچہ گواہوں نے حلفاً گواہی دینے سے انکار کیا اور کہنے لگے کہ ہم نے زید کو زنا کرتے ہوئے بچشم خود نہیں دیکھا بلکہ سنا ہے تو زید مقر زنا کے لئے کیا حکم ہے جس نے بکر کی عورت پر الزام لگایا ہے اور گواہوں کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے جھوٹی افواہ اڑائی۔؟

(الجواب) اصلی حکم شرعی تو یہ ہے کہ ایسی جھوٹی تہمت لگانے والوں پر حد قذف جاری کی جائے لیکن دارالحرب میں حد قذف جاری نہیں ہوسکتی۔ **لما صرح فی الدر المختار فی باب حد القذف من اشتراط دارالسلام لجریان حدہ** اس لئے اب تو صرف یہ ہی قدرت ہے کہ مسلمان ان لوگوں کے ساتھ معاملات اور میل جول اس وقت تک بالکل چھوڑدیں جب تک یہ علانیہ توبہ نہ کریں۔ واللہ اعلم

کتاب الاقرار و الصلح
(اقرار اور مصالحت)

حصہ میراث سے صلح کی ایک صورت

(سوال ٨٢٤) مسمی مہمند علی فوت ہوا اس کے ورثاء میں دو لڑکیاں زینب نور و عالم نور اور زوجہ متوفی اور چچا زادگان بھائی مسمی عبدالقادر وغیرہ رہے اور متوفی کا ترکہ خلاف شریعت چچازاد بھائیوں نے بروئے قانون حکومت اپنے نام منتقل کر لیا عرصہ پینتیس سال گزرنے کے بعد مسماۃ زینب نور نے ترکہ میت سے اپنے حصہ شرعیہ کا چچا زادگان مسمی عبدالقادر وغیرہ سے مطالبہ کیا بالآخر چند معزز و معتبر اشخاص کے سامنے عبدالقادر نے زینب نور سے کہا کہ میں تم کو زمین موسومہ - منیر کے بوساطت اہل جرگہ دیتا ہوں اگر تم کو منظور ہو مسماۃ زینب نور نے اس زمین کو منظور کر کے اظہار خوشنودی اور رضامندی کیا اور اہل جرگہ صلح کرا کر واپس چلے آئے چند ایام کے بعد مسماۃ زینب نور ایک ابراء نامہ لا دعوی محلے کے امام سے روبرو گواہان لکھوا کر عبدالقادر کو دیدیا اور عبدالقادر نے زمین موسومہ کا مسماۃ زینب نور کو قبضہ دیکر ایک رسید بایں مضمون لکھ دی کہ اب اس زمین کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں طرفین کی اس نوشت و خواند پر مکمل شہادت موجود ہے اب زینب نور از سر نو دعوی کرتی ہے کہ میں پورے حصہ کا مطالبہ کرتی ہوں جو زمین بطور صلح کے میں نے لی ہے اس کو مجری کرتی ہوں اور باقیماندہ حصہ کا مطالبہ کرتی ہوں ابراء نامہ سے دست بردار ہوں کیا مسماۃ مذکورہ اپنے باقیماندہ حصہ کے متعلق شریعت میں اتنی مدت بعیدہ کے بعد دعوی کر سکتی ہے اور وہ اس کی مستحق ہے یا نہیں۔ ؟ اور ابراء نامہ سے اس کا رجوع کرنا درست ہے یا نہیں۔

(الجواب) فی صلح تنویر الابصار. صالح علی بعض مایدعیه لم یصح الابزیادة شئ فی البدل او یلحق به الابراء عن دعوی الباقی. قال فی الدر المختار لکن ظاهر الروایة الصحة مطلقا (ای سواء وجد احدالامرین اولم یوجد فلا تسمع دعوی الباقی شامی) شرنبلالیة و مشی علیه فی الاختیار وعزاه فی العزمیة للبزازیة و فی الجلالیة لشیخ الاسلام و جعل ما فی المتن (ای التنویر) روایة ابن سماعة اه (شامی ص ٦٥٥ ج ٤ کتاب الصلح) وفی صلح الدر المختار ایضاً الصلح ان کان بمعنی المعاوضة بان کان دینا بعین ینتقض بنقضهما ای بفسخ المتصالحین وانکان لا بمعناها ای المعاوضة بل بمعنی استیفاء البعض و اسقاط البعض فلا تصح اقالته ولا نقضه لان الساقط لا یعود قنیة وصیرفیه اه واقره الشامی ص ٦٦٠ ج ٤

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ تخارج اور صلح کی صورت مندرجہ سوال باتفاق ظاہر الروایۃ وروایۃ ابن سماعۃ صحیح اور نافذ ہے اور اب زینب نور کا از سر نو دعوی و مطالبہ باطل اور لغو ہے اور ابراء نامہ سے دست برداری کا حق نہیں ہے کیونکہ ابراء سے رجوع کسی حال صحیح نہیں اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اگر فریقین راضی ہو کر بھی اس صلح کو فسخ کرنا چاہیں تو بھی فسخ نہیں ہو سکتی۔ واللہ اعلم - دیوبند ۹ صفر ۱۳۶۴ ہجری (اضافہ)

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

محض رشتہ داری کی بناء پر حق شفعہ نہیں ملتا حق شفعہ کے ثبوت کے لئے شرائط!

(سوال ۸۲۵) زید نے آراضی مملوکہ معینہ واقع شہر دہلی تعدادی چار کنال خالد پر بیع قطعی کردی بکر پسر زید نے مجلس علم میں طلب شفعہ کیا بعد پورا کرنے شرائط شفعہ کے قاضی کے یہاں دعوی دائر کیا گیا۔

(۱) بکر بوجہ قرابت حق شفعہ رکھتا ہے اور علاقہ قرابت موجب شفعہ ہے یا نہیں۔؟

(۲) بعد وجود سبب شفعہ سکوت بکر مجلس علم میں لا عذر اور عدم طلب علی الفور بلکہ بصورت امتداد مجلس مبطل شفعہ بکر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور فتوی طلب علی الفور پر ہے کہ جو کہ مختار صاحب جواہر الفتاوی ہے یا فتوی قول ابن کمال و متون پر ہوگا۔

(۳) اعلان شفعہ کرنے کے بعد عرصہ چھ ماہ تک شفیع کو قاضی کے یہاں دعوی میں تاخیر کرنے کا حق ہے یا تاخیر کرنے سے شفعہ باطل ہو جائے گا فتوی امام محمدؒ کے قول پر ہے یا ظاہر مذہب پر۔؟

(۴) بکر بوجہ قرابت مستحق شفعہ ہونے پر اس عبارت سے استدلال کرتا ہے **ولو باع الاب دار اوولده الصغير شفيعها كان للصغير اذا بلغ ان ياخذ ها بالشفعة** کیا یہ استدلال صحیح ہے۔؟

(الجواب)(۱) محض قرابت کی وجہ سے بیٹے کو یا کسی دوسرے عزیز کو حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا بلکہ حق شفعہ کا مدار اتصال ملک پر ہے پس اگر اس گھر میں جس کو باپ نے فروخت کیا ہے بیٹے کی کوئی شرکت ہے یا اس کے پڑوس میں اس کا کوئی مملوکہ مکان ہے تو اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔؟

قال فى الدر المختار و سببها اتصال ملك الشفيع بالمشترى بشركة او جوار الخ

(۲) درصورت ثبوت حق شفعہ صحیح و مختار وہی قول ہے جو در مختار نے جواہر الفتاوی سے نقل کیا ہے شامی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہی ظاہر الروایات ہے اور دلیل کے اعتبار سے بھی یہی اقوی ہے **لقوله عليه السلام الشفعة لمن واثبها اخرجه عبدالرزاق فى مصنفه من حواشى الهداية قال الشامى ظاهر الهداية اختياره و نسبه الى عامة المشائخ قال فى شرنبلا لية وهو ظاهر الرواية حتى لو سكت هنية بغير عذر ولم يطلب او تكلم بكلام لغو بطلت شفعته كما فى الخانية و الزيلعى و شرح المجمع وقوله عليه الفتوى ترجيح صريح فى كونه ظاهر الرواية شامى باب طلب الشفعه ص ۱۵۵ ج ۵ وفى فتاوى قاضى خان اما طلب المواثبة فوقته فور علم الشفيع بالبيع ان اخبره بالبيع رجلان او رجل وامرأ تا ن او رجل عدل فسكت هنيةً ولم يطلب الشفعة بطلب شفعة.** صاحب ہدایہ اور قاضی خان دونوں نے جواہر الفتاوی کی روایت کو ترجیح دی ہے اور ان میں سے ایک ترجیح بھی کافی ہے اور جب دونوں متفق ہوں تو ترجیح میں شبہ نہیں رہتا اور شامی نے مختلف مواضع ردالمحتار میں تصریح کی ہے کہ قاضی کی ترجیح سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔ **لانه فقيه النفس.**

(۳) صحیح و مختار یہ ہے کہ اگر طلب خصومت و تملیک میں ایک ماہ بلاعذر تاخیر کرے گا تو حق شفعہ باطل ہو جائے گا۔ وھذا ھو قول محمدؒ وفی الدر المختار وقیل یفتی بقول محمدؒ قال الشامی القائل شیخ الاسلام و قاضی خان فی فتاواہ و شرحہ علی الجامع ومشی علیہ فی الوقایة والنقایة و الذخیرة والمغنی وفی الشر نبلالیة عن البرھان انہ اصح ما یفتی بہ قال یعنی انہ اصح من تصحیح الھدایة الخ شامی ص ۱۵٦ ج ۵

(۴) عبارت مذکورہ سے استدلال بالکل غلط ہے جو عبارت نہ سمجھنے پر مبنی ہے کیونکہ اس میں وہ صورت مذکور ہے کہ بیٹا بوجہ شرکت یا جوار کے حق شفعہ رکھتا ہو جیسا کہ الفاظ ذیل اس کی تصریح کرتے ہیں۔ وولدہ الصغیر شفیعھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حق شفعہ میں قرابت کی قوت یا ضعف کا اعتبار نہیں، مدار نوعیت شرکت پر ہے

(سوال ۸۲٦) ایک مکان ارشاد احمد و بہار احمد برادران حقیقی کی ملکیت تھا ارشاد احمد کا انتقال ہو گیا اس نے چار لڑکے دو لڑکیاں اور ایک بیوی وارث چھوڑے ارشاد احمد متوفی کے بڑے لڑکے اخلاق احمد نے اپنے بہن بھائیوں کا مکان کا حصہ خرید لیا۔

سوال یہ ہے کہ اخلاق احمد بالغان کا علاتی بھائی بوجہ قرابت بہار احمد چچا حقیقی سے اقرب و اولیٰ ہے اس کے مقابلہ میں کیا چچا کو حق شفعہ حاصل ہے جب کہ چچا نے بیع نامہ سے گیارہ ماہ اٹھائیس روز بعد اس کے مقابلہ میں حق شفعہ کا دعویٰ کیا ہے۔

(الجواب) فی الباب الثانی من شفعة العالمگیریة دار و رثھا جماعة عن ابیھم مات بعض ولد ابیھم و ترك نصیبہ میراثاً بین ورثتہ وھم ثلاثة بنین فباع احدھم نصیبہ منھا فشرکائہ فی میراث ابیھم وھم ابناء المیت الثانی و شرکاء اللاب وھم انباء المیت الاول شفعاء فیما لیس بعضھم اولی من البعض کذافی المحیط انتھٰی اہ (عالمگیری مصری ص ۱۸۹ ج ۵)

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ اس حصہ مبیعہ میں اخلاق احمد اور بہار احمد کا حق شفعہ مساوی تھا۔

جب اخلاق احمد نے خرید لیا تو دوسرے شفیع بہار احمد کو اس کے مقابلے میں شفعہ کرنے کا کوئی حق نہ رہا اور یاد رہے کہ حق شفعہ میں قرابت کی قوت و ضعف کا اعتبار نہیں بلکہ مدار نوعیت شرکت پر ہے اور یہ نوعیت حسب تصریح عالمگیریہ۔ اخلاق احمد و بہار احمد میں مساوی ہے لیکن اخلاق احمد نے پہلے خرید لیا لہٰذا دوسرے شفیع کا حق ساقط ہو گیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم دیوبند ۲۵-۵-۱۴ ہجری (اضافہ)

کتاب المزارعة والمساقات
(کھیت اور باغ بٹائی پر دینے کا بیان)

زمین اور درخت بٹائی پر دینا جائز ہے

(سوال ۸۲۷) قابضان اراضی جو کھیت کو خود جوت کر اور تخم ریزی کر کے کسی شخص کو رکھوال اور حفاظت کے لئے دیتے ہیں اور حفاظت کنندہ کو بحساب پیداوار کچھ حصہ طے کر دیتے ہیں اور درختوں میں ایسی شکل کا کیا حکم ہے یا کوئی مالک مویشی گائے بھینس، بکری کے بچوں کو پرورش کرنے کے لئے دوسروں کو دیدیتے ہیں اور ان بچوں میں پرورش کنندہ کا حصہ مقرر کر دیتے ہیں یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) صورت مذکورہ اراضی زراعت اور درختوں میں جائز ہے بشرطیکہ کھیتی پکنے اور پھل کی بڑھوتری بند ہونے سے پہلے پہلے معاملہ کر لیا جائے اس کے بعد معاملہ مذکورہ درست نہ ہوگا اور گائے بیل وغیرہ جانوروں میں یہ صورت ناجائز ہے اور اگر کسی نے ایسا کیا تو جانور پورا اصل مالک کی ملک ہوگا اور پالنے والے کو اتنے دنوں کام کرنے کی اجرت جس قدر اس جگہ کا معمول ہو دینی پڑیگی۔ قال فی متن الدر المختار باب المساقات ھی دفع الشجر الی من یصلحه بجزء معلوم من ثمره وھی کالمزارعة حکماً وخلا فاثم قال لوفیه ای الشجر المذکور ثمره غیر مدرکة یعنی تزید بالعمل دفع کرماً معاملة لایحتاج لماسوی الحفظ ان بحال لو لم یحفظ یذھب ثمره قبل الادراك جاز ویکون الحفظ زیادة فی الثمار وان بحال لا یحتاج للحفظ لا یجوز ولا نصیب العامل من ذلك ثم قال الشامی فان دفعه و قد انتھی عظمه ولا یزید قلیلاً ولا کثیراً الاانه لم یرطب الی قوله و کذلك الزرع مالم یبلغ الاستحصار دوا اذا استحصد لم یجز دفعه لمن یقوم علیه ببعضه شامی باب المساقاة ص ۲۰۰ ج ۵.

وایضاً قال الشامی لو دفع الغنم اوا الدجاج او دودالقز معاملةً لا یجوز کمافی المجتبی ثم قال و کذا لودفع بقرة بالعلف لیکون الحادث نصفین شامی اول کتاب المساقات ص ۱۹۷ ج ۵

سرکاری موروثی زمین میں وراثت نہیں چلتی حقیقی مالک کو واپس کرنا ضروری ہے

(سوال ۸۲۸) محمد حسین فوت ہوا اور تین وارث چھوڑے ایک زوجہ ایک دختر مسماۃ عائشہ ایک بچازاد بھائی عمر اور مرحوم کی اپنی جائیداد کے علاوہ کچھ اراضی موروثی بھی ہیں اب استفسار یہ ہے کہ موروثی زمین ان ورثہ میں کس طرح تقسیم ہوگی۔؟

(الجواب) از مولوی اللہ بخش صاحب سندھ۔

خاص زمین موروثی صرف عصبہ مسمی عمر کو ملیگی زوجہ اور دختر اس جائیداد سے محروم ہوں گے کیونکہ یہ حق کاشت کا ہے اور عورتیں اہل کاشت نہیں اہل کاشت صرف مرد ہے اس لئے وہ عمر عصبہ کو ملنا چاہئے۔

فتاوی حامدیه ص ۲۲۵ میں ہے و اما عدم افتائی بار ثھن فلما قام عندی من الشبة قیاساً علی ارث

الولاء فان النساء لا یرثن الولاء لانه حق مجرد والنساء لسن من اهل الجهاد وکذلک المسکة حق مجرد والنساء لسن من اهل الزراعۃ اور شامی میں بھی ہے وتسمی مشدمسکه ای قوة التمسك ولها احکام ذکرت کثیراً منها فی بابها من تنقیح الحامدیه من انها لا تورث وانها توجه الا بن القادر علیها دون البنت الخ. ایضاً فیها ولا تعطی البنت حصة الخ.

پس تحریرات کتب معتبرہ سے معلوم ہو گیا کہ عورتیں حق کاشت میں مقدار حصہ کی نہیں واللہ اعلم

حررہ ضعیف المتفش اللہ بخش عفی عنہ

(الجواب) موروثی زمین کے وہ احکام جو فتاویٰ حامدیہ اور شامی سے فتویٰ مذکورہ میں نقل کئے گئے ہیں وہ ایک خاص قسم کی موروثی زمین ہے جس میں اول کاشت کے وقت مالک زمین کاشتکار سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ میں کبھی اس کے قبضہ سے اس زمین کو نسلاً بعد نسل نہیں نکالوں گا گویا اس کو پٹہ دوامی لکھ دیتا ہے ایسی زمین کے حق موروثیت کو فقہاء کی اصطلاح میں حق قرار یا مشد مسکہ کہتے ہیں۔

لیکن ہمارے بلاد میں جو زمین موروثی کہلاتی ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے کہ اس میں مالک زمین سے دوامی حق کا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا محض سرکاری قانون بلا مرضی مالکان یہ کر دیا گیا ہے کہ زمین کاشتکار کے قبضہ سے نہ نکالی جائے اس پر احکام مشد مسکہ کے جاری نہیں کئے جاسکتے بلکہ ایسی زمین پر بلا مرضی مالک قبضہ رکھنا ایک قسم کا غصب ناجائز ہے اس میں خود مورث کا ہی کوئی حق نہیں وارث کو کیا پہنچتا ہے اس میں نہ مورث کے لڑکے کا کوئی حق ہے نہ لڑکی کا یہ زمین تو مالک کو واپس کرنا لازم ہے۔

واللہ اعلم کراچی ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۷۰ ہجری (اضافہ)

رسالہ قانون اسلامی بابت پٹہ دوامی!

(سوال ۸۲۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جنگل کا ٹکڑا ۵۰۱ ایکڑ مسلم یا کافر زمیندار سے پاپٹنگ سے نذرانہ دے کر بہ لگان مبلغ ۵۰۴ روپیہ حاصل کیا زمیندار اور زید دونوں قانون گورنمنٹ نافذ الوقت کے اثر سے خوب واقف ہیں کہ زمیندار زید یا ورثاء زید سے اس قطعہ زمین کو کسی وقت بلا رضامندی زید واپس نہیں لے سکتا زید نے بصرف زر کثیر جنگل مذکور کو آباد کر کے قابل زراعت بنایا اور آلات جدیدہ ترقی زراعت کے واسطے لگائے باغ نصب کیا و مکان و چاہ ہائے پختہ تعمیر کئے یعنی ایک چھوٹا فارم کھولدیا جس کے متعلق احکام شرعیہ مطلوب ہیں لہذا سوالات ذیل کا جواب شرعی مدلل مرحمت فرمایا جائے۔؟

(۱) متعاقدین میں سے کسی ایک کی وفات پر شرعاً معاہدہ باطل ہو جاتا ہے تو پھر شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) آیا یہ معاہدہ شرعاً تعریف کاشتکاری موروثی میں داخل ہوتا ہے یا نہیں اگر ہوتا ہے تو وہی احکام کاشتکاری جاری ہوں گے یا اور کوئی صورت جواز بھی ہے۔

(۳) بصورت ابطال معاہدہ زید اگر قابض رہے تو شرعاً جواز قبضہ یا انتفاع منفعت کی صورت کیا ہوگی نیز دوسرے شخص کو اجارہ پر دے سکتا ہے یا نہیں۔؟

(۴) بصورت عدم جواز زید نے جو زر کثیر صرف کر کے زمین آباد کی ہے کیا اس کا مکان باغ وغیرہ کا کوئی معاملہ بصورت تخلیہ زمین زمیندار سے پانے کا مستحق ہے؟ اگر مستحق ہے اور زمیندار یا اس کے وارث دینے سے انکار کریں تو کن کن صورتوں سے وصول کر سکتا ہے۔

(۵) کیا زید جنگل مذکور پر بصورت پٹہ دوامی اپنا قبضہ ہمیشہ نسلاً بعد نسل بلا تجدید معاہدہ رکھ سکتا ہے۔

(۶) پٹہ دوامی کاشتکاری موروثی کا حکم واحد ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) اصل ضابطہ شرعیہ اس بارے میں یہ ہے کہ ہر ایک اجارہ مدت اجارہ ختم ہونے پر یا احد المتعاقدین (کرایہ دار یا زمیندار) کی موت سے ختم ہو جاتا ہے پھر کرایہ دار کو قبضہ باقی رکھنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔

کما هو مصرح فی عامة المتون و الشروح و الفتاوی- اور اسی بناء پر موروثی کاشتکاری اور دخیل کاری کا جو عام قانون اس وقت رائج ہے وہ اپنے عموم کی حیثیت سے بلاشبہ ظلم اور ناجائز ہے لیکن فقہاء متاخرین کے کلام سے بعض صورتیں ایسی بھی معلوم ہوتی ہیں کہ جس میں مستاجر (کاشتکار یا کرایہ دار) کا قبضہ چند شرائط کے ساتھ دائمی نسلاً اور نسل قرار دیا جا سکتا ہے اور جب تک وہ شرائط کا پابند ہے اس کا قبضہ زمیندار کو اٹھانے کا حق نہیں ہوتا کرایہ دار یا زمینداروں میں سے کسی کا انتقال بھی اس معاملہ میں اجارہ کو فسخ نہیں کرتا بلکہ نسلاً بعد نسل یہ معاملہ جاری رہتا ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ جو زمین یا مکان اجارہ پر دیا گیا ہے وہ ابتداء معاملہ ہی سے بطور پٹہ دوامی کر دیا گیا ہو اور کاشتکار یا کرایہ دار کو یہ یقین دلایا گیا ہو کہ یہ جائیداد اس کے قبضہ سے نکالی نہ جائے گی جس کی بناء پر کاشتکار نے اپنا روپیہ اور محنت صرف کر کے زمین کو ہموار کیا اور کنواں وغیرہ بنایا ہے اور کرایہ دار نے اس میں کوئی تعمیر وغیرہ قائم کر لی ایسی جائیداد کو فقہاء کی اصطلاح میں ارض محتکرہ اور کَرْدَار یا جَدَک کہتے ہیں اور اس دائمی حق کو مشد مسکہ یعنی استحکام قبضہ یا حق قرار سے تعبیر کیا جاتا ہے کما فی ردالمحتار۔

اور یہ صورت یا او قاف کی زمین میں ہو سکتی ہے یا بیت المال کی یا ایسی زمین میں جس کے مالک نے کرایہ ہی کی جائیداد قرار دیکر پٹہ دوامی لکھ دیا ہے یا کرایہ دار کو انتقال کا دلایا ہے جس کی بناء پر اس نے اس زمین کو اپنا روپیہ اور محنت صرف کر کے درست کیا ہے اس صورت میں شرعاً بھی کاشتکار یا کرایہ دار کا قبضہ اس وقت تک نہ اٹھایا جائے گا جب تک وہ شرائط ذیل کی پابندی کرے اول یہ کہ جائیداد کا مقررہ لگان یا حصہ بٹائی برابر ادا کرتا رہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی وقت جائیداد کی شرح لگان یا کرایہ عرف ورواج کے اعتبار سے کیا جائے تو کاشتکار یا کرایہ دار اسی شرح سے کرایہ دینا منظور کرے جو اس وقت ہو گیا ہے۔

جس کا حاصل باصطلاح فقہاء یہ ہے کہ کاشتکار و کرایہ دار کو اجرت مثل کی پابندی لازم ہو گی ابتداء معاملہ میں طے شدہ لگان دائمی قرار نہ دیا جائے گا۔

البتہ اجرت مثل میں زمین کی موجودہ حالت جو کاشتکار یا کرایہ دار کے عمل سے پیدا ہوئی ہے مثلاً زمین کو ہموار کر لیا گیا اور کنویں وغیرہ سے پانی کا انتظام کر لیا یا افتادہ زمین پر مکان یا دکان تعمیر کر لی گئی اس حالت کا اعتبار اجرت مثل میں نہ کیا جائے گا بلکہ زمین کی اصلی حالت جس پر کاشتکار یا کرایہ دار کے حوالہ کی گئی تھی اس کا اعتبار ہو گا مثلاً جس افتادہ زمین کا لگان بوقت معاملہ دس روپیہ تھا اگر ویسی حالت وصفت کی زمین کا کرایہ آج پندرہ

روپیہ ہو گیا ہے تو کاشتکار یا کرایہ دار کو اس کی پابندی لازمی ہو گی دس روپیہ کے بجائے پندرہ روپیہ دینے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ کاشتکار یا کرایہ دار اس زمین کو تین سال تک معطل نہ چھوڑے۔

كما في الخيرية اذا ثبت انهم معطلوها ثلث سنين تنزع من ايديهم.

اگر شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کاشتکار یا کرایہ دار کرے گا تو اس کا حق اس زمین سے ساقط ہو جائے گا اور اگر اس نے شرائط کی پابندی کی تو اس کا حق دائمی قرار دیا جائے گا اور اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کی طرف منتقل ہو گا مگر یہ انتقال بحیثیت ملک نہیں بلکہ بحیثیت استحقاق ہے۔

اس لئے قواعد و فرائض میراث کی اس میں رعایت نہیں کی گئی اور اولاد میں اگر لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہیں تو یہ استحقاق صرف لڑکوں کو ملے گا اور نرینہ نہ ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ حق ساقط ہو جائے گا (كما في خراج الدر المنتقى للعلائي) اور بعض فقہاء کے نزدیک اولاد نرینہ نہ ہونے کی صورت میں دختر کو اور اگر وہ نہ ہو تو حقیقی یا علاتی بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو حقیقی ہمشیرہ کو اور اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر ماں کو حق دیا جائے گا (كما في الحامدية وسياتي نقلها)

لیکن چونکہ صورت مذکورا اصل ضابطہ اجارہ اور تصریحات متون و شروح کے بظاہر خلاف ہے اس لئے فقہاء کا کلام اس بارے میں مضطرب نظر آتا ہے علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار کے مختلف مواقع وقف اجارہ بیع وغیرہ میں ان صورتوں پر کلام کیا ہے پھر ایک مستقل رسالہ رسائل ابن عابدین میں اس موضوع پر بنام تحریر العبارة هو اولى بالا جارة تحریر فرمایا ہے اس رسالہ میں اس قسم کے معاملہ اور اس کے نسلاً بعد نسلٍ جاری رہنے کو اولاً متون فقہ کی تصریحات کے مطابق ناجائز نقل کرنے کے بعد جواز پر قنیہ کا فتویٰ پھر خصافؒ سے اس کی تائید نقل فرمائی ہے اور ذکر کیا ہے کہ فتاویٰ خیریہ وغیرہ میں علامہ رملیؒ کا فتویٰ اس بارے میں مضطرب اور متضاد ہے بعض جگہ قنیہ و خصاف کے مطابق فتویٰ دیا ہے بعض جگہ ظواہر متون کے مطابق پھر قنیہ و خصافؒ اور عامہ متون کے اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ قنیہ و خصافؒ میں عام اجارات کا یہ حکم نہیں لکھا بلکہ مخصوص ضرورتوں میں اور خاص صورتوں میں اجازت دی ہے اور متون میں عام قاعدہ مذکور ہے جس سے ان مخصوص صورتوں کو مستثنیٰ کہا جا سکتا ہے جن میں قنیہ وغیرہ نے ایسا معاملہ جائز لکھا ہے اور وہی صورتیں ہیں جو اس تحریر میں اوپر ذکر کی گئی ہیں لیکن خود علامہ شامیؒ کا کلام بھی اس بارے میں بظاہر مضطرب معلوم ہوتا ہے اس رسالہ میں تو مذکورہ صورت پر تطبیق دے کر قنیہ و خصافؒ کے موافق فتویٰ کی گنجائش دی ہے مگر ردالمحتار کتاب الاجارہ کے اوائل میں اس پر شدید نکیر فرمائی ہے اور درمختار میں جو قنیہ کا قول نقل کر دیا ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔

اقول و حيث كان مخالفا للمتون فكيف يسوغ الافتاء به مع انه من كلام القنية لا يعمل بما فيها اذا خالف غيره كما صرح به ابن وهبان وغيره و مافي المتون قد اقره الشراح و اصحاب الفتاوى وانما اختلفوا في تملك الموجر البناء و العزس جبرا على المستاجر كما مر وحيث قدم مافي الشروح على ما اتفق عليه اصحاب الفتاوى في تلك المسئلة فما اتفق عليه الكل اولى بالتقديم فليت المصنف لم يذكره في متنه اه (ص ٢٦ ج ٥)

لیکن اسی کتاب میں چندورق پہلے مطلب مرصدو مشد مسکہ اھ کے تحت ایک کلام سے جواز کی تائید معلوم ہوتی ہے وھذا لفظھہ و فی فتاوی العلامة المحقق عبدالرحمن آفندی العمادی مفتی دمشق جوابا لسوالٍ عن الخلو المتعارف بما حاصله ان الحکم العالم قد یثبت بالعرف الخاص عند بعض العلماء کالنسفیؒ وغیره منه الاحتکار التی جرت بها العادة فی هذه الدیار و ذلك بان تمسح الارض و تعرف بکسرها و یفرض علی قدر من الازراع مبلغ معین من الدراهم و یبقی الذی یبنی فیها یؤدی ذلك القدر فی کل سنة من غیر اجارة کما ذکره فی النفع الوسائل فاذا کان بحیث لو رفعت عمارته لا تستاجر باکثر تترك فی یده باجرا المثل ولکن ینبغی ان یفتی باعتبار العرف مطلقاً خوفاً من ان یفتح باب القیاس علیه فی کثیر من المنکرات والبدع . نعم یفتی به فیما دعت الیه الحاجة و جرت به فی المدة المدیدة العادة و تعارفه الاعیان نکیر کالخلو المتعارف فی الحوانیت وهوان یجعل الواقف اوالمتولی او المالك علی الحانوت قدراً معینا یؤخذ من الساکن ویعطیه به تمسکا شرعیا قال یملك صاحب الحانوت بعدذلك اخراج الساکن و یعطیه به تمسکا شرعیاً فلا یملك صاحب الحانوت بعد ذلك اخراج الساکن الذی ثبت له الخلوولا اجارتها لغیره مالم یدفع له المبلغ المرقوم فیفتی بجواز ذلك قیاساً علی بیع الوفاء الذی تعارفه المتاخرون احتیالاً عن الرباء اھ (شامی ۲۱، ۲۲، ج ۵)

اور رسالہ تحریر العبارة فی من هو اولی با لاجارة میں علامی شامیؒ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

ذکر فی البحر عن القنیة ما نصه استاجرار ضاً وقفاً و غرس فیها و بنی ثم مضت مدة الاجارة فللمستاجران یستبقیها باجر المثل اذا لم یکن فی ذلك ضرر ولوابی الموقوف علیهم الا القلع لیس لهم ذلك انتهیٰقال فی البحر وبهذا یعلم مسألة الارض المحتکرة وهی منقولة ایضًا فی اوقاف الخصاف انتهی . قال الشامی بعد اسطر وحاصله ان کلام المتون والشروح وان کان شاملاً للوقف والملك لکن کلام القنیة حیث اعتضد بماذکره الخصاف صار مخصصاً للکلام المتون و الشروح بالملك ویکون الوقف خارجا عن ذلك فللمستاجر الاستبقاء باجر المثل بشرط عدم الضرر علی الوقف اصلا (لکن) قد اضطرب کلام الخیر الرملیؒ فی فتاوی فتارة افتی بهذا وتارة افتی باطلاق المتون و الشروح حیث (سئل) فی ارض سلطانیة او وقف معدة لغراس الی قوله (اجاب) نعم له الاستبقاء حیث لا ضرر علی جهة ولزوم الضرر علی الغارس ثم نقل مامر عن القنیة والبحر ثم قال وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصاً والناس علی هذا وفی القلع ضرر علیهم و فی الحدیث الشریف عن النبی المختار لاضرر و لاضرار والله تعالی اعلم. (ثم ذکر الشامی عدة فتاوی منه علی خلاف ذلك ثم قال) و یمکن الجواب عما افتی به اولاً بابداء الفاروق وهو ان الارض فی السوال الاول معدة للغرس ولان تبقی فی ایدی غارسیها باجرة المثل کما هو مصرح به فی صدر

السوال فاذا كانت العادة فيها جارية على ذلك فتصير كان الواقف شرط فيها ذلك فيتبع شرطه كالا راضى السلطانية المعدة لذلك ايضا. ويكون المستاجر احق بها لان له فيها حق القرار وهو المعبر عنه بالكردار (ثم اورد الشامى فتاوى عديدة فى جواز الاستبقاء فى ارض الوقف والا راضى السلطانية ثم قال) تنبيه. قد يثبت حق القرار بغير البناء و الغرس بان تكون الارض معطلة فيستاجرها من المتكلم عليها ليصلها للزاعة ويحرثها ويكبها. وهو المسمى بمشد المسكة فلا تنزع من يده مادام يدفع ما عليها من القسم المتعارف كالعشر ونحوه واذامات عن ابن توجه لابنه (الى قوله) ثم نقل عن مجموعة عبدالله آفندى انها عند عدم الابن تعطى لبنته فان لم توجد فلاخيه لاب فان لم يوجد فلاخته الساكنة فيها فان لم توجد فلامه(وذكر العلائى) فى خراج الدر المنتقى تنقل للابن ولا تعطى البنت حصة وان لم يترك ابناً بل بنتاً لا تعطى ويعطيها صاحب التيمارلمن اراداه. وفى الحامدية ايضاً فى مزرعة وقف تعطلت بسبب تعطل قناتها ودثورها اجرها الناظر لمن يعزل قناتها و يعمرهامن ماله ليكون مرصداً له عليها لاضرورة الداعية واذن له بحرثها وكسبها بالتراب وتسويتها ليكون له حق القرار فيها المعتبر عنه بالمسكة وبالغراس والبناء ليكون ذلك ملكاله فانه يصح. (ثم ذكر) واما مافى القنية والحاوى الزاهدى من انه يثبت حق القرار فى ثلاثين سنة فى الارض السلطانيه والملك و فى الوقف فى ثلاث سنين اه.

(ثم ذكر فدلكة الكلام فى فصل فقال)ان المستاجر بعد فراغ مدة اجارته يلزمه تسليم الارض وليس له استبقاء بنائه اوغرسه بلارضى المتكلم على الارض (الى قوله) ان هذا شامل للارض الملك والوقف إلا اذا كانت الارض الوقف معدة لذلك كالقرى والمزارع اللتى اعدت للزراعة والاستبقاء فى ايدى فلاحيها الساكنين فيها والخارجين عنها باجرة المثل من الدراهم او بقسم من الخارج كنصفه وربعه ونحو ذلك كله لايتم عمارته والانتفاع به المعتبر الابقائه بايدى المزارعين فانه لولا ذلك ماسكن اهل القرى المذكورة فيها فانهم اذا علموا انهم اذا فلحوالارض وكروا انهارها وغرسوا فيها اخذت منهم واخرجوا منها مافعلوا ذلك ولا سكنوها فكانت الضرورة راعية الى بقائها بايديهم اذا كان لهم فيها كردار او مشد مسكة مادامو يدفعون اجرة مثلها ولم يعطلوها ثلاث سنين كما مر. (تحرير العبارة جزء رسال ابن عابدين ص/١٥٦ ج/٢)

علامہ شامیؒ کی ان تمام عبارات وروایات میں تطبیق اوران کی رائے جوان کے مجموعہ عبارات سے مستفاد ہے یہ ہے کہ اراضی وقف اور اراضی سلطانیہ جب کہ ان آباد کرنے اوران سے معتدبہ فائدہ اٹھانے کا کوئی ذریعہ بدون اس کے نہ ہو کہ وہ کرایہ داریامزارع کوبطور پٹہ دوامی دیدی جاویں اوران کو حق قرار دیا جائے توان زمینوں کو بطر زند کوراجارہ پر دیدیں اور ہمیشہ نسلاًبعد نسل ان کا قبضہ تسلیم کرلینااس شرط سے جائز ہے کہ وہ اس زمین کی اجرت مثل ہمیشہ ادا کرتے رہیں اوراس کو تین سال تک معطل نہ چھوڑیں اوروقف کا کوئی ضرراس سے محسوس نہ کیا جائے اور جب یہ معاملہ جائز ہوا تو متولی وقف کواس کی پابندی اس وقت تک لازم ہوگی جب تک کہ کاشتکاریا

کرایہ دار سے شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی سرزد نہ ہو۔ ردالمحتار اور رسالہ تحریر العبارۃ میں جس جگہ جواز مذکور ہے اس کا یہی محمل ہے اور جب کسی وقت شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی ہونے لگی تو متولی وقف کو قبضہ میں چھوڑنا اور ان کو قبضہ میں رکھنا ناجائز و حرام ہے۔

ردالمحتار کی کتاب الاجارہ میں عدم جواز کا فتویٰ جو شامیؒ کی عبارت مذکورہ میں گزرا اس کا یہی محمل ہے اور اس کا سبب علامہ شامیؒ نے تحریر العبارۃ میں بھی ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ وهذا كله غير واقع في زماننا۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ شامیؒ کے کلام میں کوئی اضطراب نہیں بلکہ وہ تحقق شرائط کی صورت میں جواز کے قائل ہیں اور فقدان شرائط کی صورت میں عدم جواز کے۔ جن واقعات میں انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے وہ یہی ہیں جو ان کے زمانہ میں پیش کرنے اور جن میں ان کو عدم تحقق شرائط کا جزم ہو گیا۔ اس کلام سے یہ تو معلوم وواضح ہو گیا کہ پٹہ دوامی اور موروثیت کی صورت اگرچہ عامہ متون و شروح کے بظاہر خلاف ہے لیکن قنیہ، خصاف، خیریۃ، حامدیہ، اور شامیؒ وغیرہ کی تحقیق کے مطابق خاص خاص صورتوں میں جائز ہے جن کا ذکر ابتداء تحریر میں آچکا ہے پھر ان صورتوں کا جواز اراضی وقف اور اراضی سلطانیہ نہیں اراضی بیت المال بھی کہا جا سکتا ہے ان میں تو تمام کتب مذکورہ میں مصرح ہے مگر وہ اراضی جو کسی خاص شخص کی ملک ہوں شامیؒ کی عام عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں یہ صورت جائز نہیں کما قال الشاميؒ في تحرير العبارة والفرق ان الوقف معد للايجار فايجاره من ذى اليد باجرة مثله اولىٰ من ايجاره من اجنبى لما فيه من النظر للوقف والنظر للمستاجر الذى وضع السكنىٰ بالاذن وثبت له حق القرار بخلاف الملك فان لصاحبه ان لايوجر ليسكنه بنفسه اويعيره او يرهنه اويبيعه او يعطله اه(رسائل ابن عابدين ص/١٥٤ ج٢)وقال فى الاجارة ردالمحتار تحت قول الدر ولو استاجر ارض وقف وغرس فيها الخ قيد بالوقف لما فى الخيرية عن الحاوى الزاهدى عن الاسرار من قوله بخلاف ماذا استاجر ارضا ملكا ليس للمستاجر ان يستبقيها كذلك ان ابى المالك الاالقلع بل يكلفه على ذلك الااذا كانت قيمة الغرس اكثر من قيمة الارض فيضمن المستاجر قيمة الارض للمالك فيكون الغراس والارض للغارس وفى العكس ليضمن المالك قيمة الاغراس فتكون الارض والاشجار له وكذا الحكم فى العارية اه(شامى ص/٢٦ ج٥)

لیکن علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندیؒ کی عبارت منقولہ از شامی (ص/۲۱، ۲۲ ج/۵) نیز قنیہ اور حاوی زاہدی کی عبارت منقولہ از ردالمحتار جو ابھی گزری ہے اس میں بھی املاک میں مطلقاً اس معاملہ کو رد نہیں کیا بلکہ فیصلہ یہ کیا ہے کہ کرایہ دار یا کاشتکار نے جو مکان یا درخت کرایہ کی زمین پر نصب کر لئے ہیں اگر ان کی قیمت سے زمین کی قیمت کم ہو تب تو کرایہ دار زمین کی قیمت ادا کر کے اس کا بالکلیہ مالک ہو جائیگا۔ اور اگر قیمت زمین کی زائد ہے تو زمیندار اس درخت یا تعمیر کی قیمت ادا کر کے مجموعہ کا مالک ہو جائیگا۔

بناءً علیہ احقر کا یہ خیال ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ یہ معاملہ پٹہ دوامی کا جس طرح اوقاف یا اراضی سلطانیہ میں بضرورت جائز رکھا گیا ہے املاک خاصہ میں بھی عند الضرورت جائز ہے یعنی اگر کوئی زمیندار اپنی زمین کا پٹہ دوامی

کسی کو لکھدے اور ہمیشہ کے لئے حق قرار اسے دیدے تو زمیندار کو ہمیشہ اس کا پابند رہنا لازمی ہوگا۔ اور اس کے بعد اس کے وارثوں کو بھی اس کی پابندی لازمی ہوگی بشر طیکہ کرایہ دار اس کی اجرت مثل ہمیشہ اداء کرتا رہے یعنی اگر کسی وقت جائداد کی شرح کرایہ بڑھ جائے تو وہ اس زیادتی کو قبول کر کے ادا کرتا رہے اور مسلسل تین سال تک زمین کو معطل نہ چھوڑے البتہ اگر کرایہ دار ان شرطوں میں سے کسی کی خلاف ورزی کرے مثلاً جائداد کی اجرت ادا نہ کرے یا بوجہ افلاس ادا نہ کر سکے یا کرایہ بڑھ جانے کی صورت میں زائد کرایہ ادا نہ کر سکے یا جائداد کو تین سال تک معطل چھوڑ دے ان سب صورتوں میں اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس تنقیح کے بعد اصل سوالات کے جواب اس طرح سمجھنے چاہئیں۔

(۱) اگر زمیندار نے صراحۃً پٹہ دوامی لکھ دیا اور کرایہ دار کو حق استقرار دائمی دیدیا ہے تو متعاقدین میں سے کسی ایک کے انتقال سے یہ معاہدہ باطل نہ ہوگا (مگر محض اس بناء پر کہ رائج الوقت قانون میں ہے کہ کرایہ دار یا کاشتکار کو مطلقاً حق استقرار حاصل ہے شرعاً یہ معاملہ دائمی اور پٹہ دوامی قرار نہ دیا جائے گا۔ اگرچہ زمیندار اور کرایہ دار دونوں کو اس کا پورا علم ہو)۔

(۲) موروثی کاشتکاری کا جو مفہوم اس وقت معروف و مشہور ہے کہ جس وقت کاشتکار نے ایک مرتبہ زمین میں ہل ڈالدیا وہ موروثی یا دخیل کار ہو گیا اور زمیندار اس کو بے دخل نہیں کر سکتا یہ سراسر ظلم اور ناجائز ہے پٹہ دوامی کی صورت اس سے جدا ہے وہ حسب تحریر مذکور جائز ہے۔

(۳) معاہدہ بشرائط مذکورہ باطل ہی نہیں ہے لہذا اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔

(۴) اس کا جواب بھی وہی ہے جو (۲) میں گزرا۔

(۵) حسب تحقیق مذکور بشرائط مذکورہ رکھ سکتا ہے۔

(۶) اس کا حکم (۲) میں گزرا۔

تنبیہ: پٹہ دوامی کا معاملہ اگر حکومت موجودہ سے کیا گیا ہے یا کسی وقف کی زمین کے متعلق ہے تو اس میں جواز اس معاملہ کا خصاف اور قنیہ کے موافق شامی اور بحر وغیرہ میں منقول و مصرح ہے۔

اس میں تو احقر کے نزدیک کوئی شبہ نہیں ہے لیکن جو زمین کسی زمیندار کی ملک خاص ہو اس کے بارہ میں چونکہ ان فقہاء متاخرین کے کلام بھی کچھ مختلف ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ دوسرے علماء سے بھی اس کی تحقیق کر لی جائے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (اضافہ ۔۹-۴-۶۲ھ)

کتاب الصید و الذبائح

(شکار اور ذبیحہ کا بیان)

خرگوش حلال ہے

(سوال ۸۳۰) خرگوش کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام؟

(الجواب) بلاشبہ حلال ہے۔ لمافی الھدایة ولا باس باکل الارنب لان النبی صلی الله علیه وسلم اکل منه حین اھدی الیه مشویاً امر اصحابه بالاکل منه لانه لیس من السباع ولامن اکلة الجیف فاشبه الظبی انتھی و مثله فی الدر المختار حیث قال وحل غراب الزرع والارنب الخ۔ اور صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خرگوش کا گوشت تناول فرمایا اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خرگوش بھنا ہوا پیش کیا آپ نے اس وقت خود تناول نہیں فرمایا اور یہ عذر فرمایا کہ مجھے اس وقت خواہش نہیں صحابہ کرامؓ نے آپ کی مجلس میں کھایا اور پہلی حدیث جس میں تناول فرمانا مذکور ہے اس کی معارض نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ دو واقعہ ہوں ایک میں تناول فرمایا دوسرے میں عذر پیش کردیا جب کہ صحابہؓ نے آپ ﷺ کے سامنے تناول فرمایا اور آپ نے منع نہیں کیا اور اس دوسری حدیث سے بھی حلال ہونا ہی ثابت ہوا۔

طوطا حلال ہے

(سوال ۸۳۱) طوطا حلال ہے یا حرام۔ زید کہتا ہے کہ وہ پنجہ سے ہر ایک چیز پکڑ کے کھاتا ہے؟

(الجواب) طوطا بلاشبہ حلال ہے اور زید جو حرمت پر استدلال کرتا ہے صحیح نہیں کیونکہ ذی مخلب جس کو حدیث میں حرام فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہ نہیں کہ پنجہ سے پکڑ کر کسی چیز کو کھائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ جانور جو پنجہ سے شکار کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ طوطا شکاری جانور نہیں اور نہ پنجہ سے جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ قال فی الدر المختار ولا یحل ذوناب یصید بنابه فخرج نحو البعیر او مخلب یصید بمخلبه فخرج نحو الحمامة کتاب الذبائح اور حیٰوۃ الحیوان میں طوطے کے متعلق لکھا ہے۔ ولیست من ذوات السموم ولامن ذوات المخلب ولا امر بقتلھا ولا نھی عنه.

الغرض حنفیہ کے نزدیک بلاشبہ طوطا حلال ہے حیواۃ الحیوان میں علامہ دمیری نے ایک قول حرمت کا بھی نقل کیا ہے مگر دمیری شافعی المذہب ہیں حنفیہ پر ان کا قول حجت نہیں اور انہوں نے بھی دوسرا قول حلت کا نقل کیا ہے صفحہ ۴۰ الفظ ببغاء۔

کوا حلال ہے یا نہیں؟

(سوال ۸۳۲) فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوئم ص ۱۴۵ پر مولانا نے لکھا ہے زاغ معروف یعنی کوا کھانا ثواب ہے اس کو

پڑھ کر نہایت بے چینی ہوئی اس کا جواب مدلل تحریر فرمایا جاوے ؟

(الجواب) اصل بات یہ ہے کہ یہ کوا جو ہمارے یہاں عام طور پر ہوتا ہے اور جو دانہ وغیرہ بھی کھاتا ہے اور بعض نجاسات بھی کھالیتا ہے اس کا حکم مرغی کا سا ہے یعنی حلال ہے شامی وغیرہ میں اس کی تصریح اور فتاوی رشیدیہ میں جو ثواب لکھا ہے وہ ایک وقتی وجہ سے لکھا گیا ہے یعنی جس جگہ لوگ اس کو حرام سمجھتے ہیں وہاں اس کا کھانا ایک حکم شرعی کی تبلیغ واظہار حق کا حکم رکھے گا اور ظاہر ہے کہ اس میں ثواب ہے باقی کوے کی حلت سو یہ فقط فتاوی رشیدیہ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ حنفیہ کی تمام کتابوں شامی، درمختار، بدائع عالمگیری وغیرہ میں موجود ہے۔

کوچھ مچھلی کی تحقیق!

(سوال ۸۳۳) کوچھ مچھلی جس کی صورت بام مچھلی سے ملتی ہے مگر وہ مائل بسرخی اور جناح نہیں جان دم میں تھوڑا سا جناح معلوم ہوتا ہے حلق کی دو طرف سے چھوٹا سوراخ ہے پانی ہی میں رہتی ہے خشکی میں دیر تک رکھنے سے تڑپ تڑپ کر مثل دیگر مچھلیوں کے مر جاتی ہے اس کا گوشت جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں دافع لاغری اور مولد خون ہے المنجد (لغت عربی نوشتہ یکے از نصاری بیروت) میں تصویر دی ہوئی ہے اس کو جلکی کہتے ہیں جلکی کی تصویر ہو بہو کوچھ مچھلی سے ملتی ہے علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان ص ۳۵۱ میں لکھا۔ جلكى كمرمنى متولد بين الحية والسمك اذا ذبح لا يخرج منه دم و عظم رخويو كل مع لحمه يسمن النساء اذا اكل وهو نعم العلاج لذلك والله اعلم کوچھ کے بدن میں خون بہت ہے مگر کاٹنے سے نکلتا نہیں علامہ دمیری نے جریث جری اور مارماہی کو ایک ہی لکھا ہے جس کو ہم بام مچھلی کہتے ہیں یورپ کے ماہرین حیوانات نے کوچھ اور بام کو مچھلی میں شمار کیا ہے آیا یہ حلال ہے۔

(الجواب) قال فى الدر المختار بعد قوله ولا يحل حيوان مائى الاالسمك والا الحريث اسود والمار ماهى سمك فى صورة الحية وافردهما بالذكر للخفاء وخلاف محمد درمختار مع الشامى ص ۲۱۳ ج ۵

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ جریث اور مارماہی کے بارے میں امام محمدؒ کا خلاف قول ہے اور مبنی خلاف کا اس پر ہے کہ اس کے نوع سمک میں داخل ہونے میں شبہ ہے اس طرح تحریر سوال میں جلکی کے حالات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نوع سمک کے اندر داخل ہونا بے غبار اور بے اشتباہ نہیں اس لئے ان تمام انواع سمک کے متعلق احتیاط کی بات تو یہ ہے کہ تعلیم نبوی ﷺ دع ما يريبك الى مالا يريبك پر عمل کیا جاوے اور ان کے کھانے سے اجتناب کیا جاوے (الا بضرورة التداوى كما هو حكم سائر المحرمات) اور گنجائش اس کی بھی ہے کہ جو لوگ انواع حیوانات کے پہچاننے میں بصیرت رکھتے ہیں ان میں معتبر آدمیوں سے دریافت کرے اگر وہ ان کو مچھلی ہی قرار دیں اور اس کو ان کے قول پر اطمینان ہو جائے تو اس کے لئے کھانا جائز ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یہود، نصاریٰ، بت پرست کے ذبیحہ کا حکم

(سوال ۸۳۴) قوم یہود بوقت ذبح زبان سے تکبیر ادا نہیں کرتے چھری پر تکبیر لکھی ہوئی ہے یہ ذبح جائز ہے یا نہیں ؟(۲) یہود و نصاریٰ یا ہندو نے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کر دیا اس کا کھانا ہم کو جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو شخص واقعی یہودی یا نصرانی ہو اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو مسلمان کے لئے حلال ہو جاتا ہے لیکن صرف چھری پر بسم اللہ یا اللہ اکبر لکھنے سے کچھ فائدہ نہیں جب تک زبان سے نہ کہے ذبیحہ کسی حال حلال نہ ہوگا اور جو غیر مسلم اہل کتاب یعنی یہودی یا نصرانی وغیرہ نہ ہو بلکہ مشرک و بت پرست ہو یا مجوسی وغیرہ اس کا ذبیحہ کسی حال حلال نہیں اگرچہ وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آج کل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو دہری ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگرچہ باعتبار مردم شماری نصاریٰ کہلاتے ہیں مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے ان کا ذبیحہ کسی بھی حال درست نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے اس لئے بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ سے بھی تا مقدور احتراز کرے۔

والدليل على ما قلنا ما فى الدر المختار و الشامى صفحه ۲۵۸ ج ۵. استنبولى و شرط كون الذابح مسلماً الى قوله امو كتا بيا قال الشامى ويدخل فى النصارىٰ الا فونج و السائحا نى والا رمن ثم قال والا ولى ان لا تو كل ذبيحتهم ولا يتزوج منهم الا للضرورة كما حققه الكمال ابن الهمام الخ و مثله فى القينة فى نكاح الكفار. والله تعالىٰ اعلم.

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کی حلت و حرمت

(سوال ۸۳۵) بکرا سید احمد کبیر یا غازی مسعود یا شیخ سدو کے نام سے چھوڑ دیتے ہیں اگر ایسے جانور کو اللہ کا نام لیکر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کریں تو کھانا اس کا حلال ہے یا حرام۔؟

(الجواب) جب شیخ سدو وغیرہ کے نام پر نذر کر دیا گیا تو یہ صرف بوقت ذبح اللہ کا نام لینے سے حلال[1] نہ ہوگا **قال فى التفسير النيشا پورى تحت قوله وما اهل لغير الله به قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبيحة و قصد بذبحها التقريب الى غير الله صار مرتداً ذبيحته ذبيحة مرتد. انتهىٰ.**

اور بحر الرائق میں ہے **الاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا يشتعل الذ مة به وانه حرام بل سحت ولا يحق لخادم الشيخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه.**

---

[1] اس مسئلہ میں روایات متشابہ اور علماء کے فتاویٰ مختلف ہیں بوقت تحریر اس فتوی کے احقر کو یہی راجح معلوم ہوا تھا لیکن بعد میں کافی تحقیق کے بعد یہ راجح ثابت ہوا کہ اس جانور کو اگر مالک جانور خود ان کے نام پر ذبح کرے یا کوئی دوسرا آدمی مالک کی اجازت سے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ تنقیح کلام اهل الله فيما اهل به لغير الله میں مرقوم ہے۔ محمد شفیع

ایضاً--- (سوال ۸۳۶) اہل ہنود بیل بکرا، بھوانی اور کالی کے نام یا اپنے بزرگوں کے نام لے کر چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی ملکیت سے خارج کردیتے ہیں ایسے جانور کو پکڑ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرنا اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

(الجواب) یہ بھی بوجہ غیر اللہ کے نام نذر کرنے کے حرام ہوگیا البتہ اگر خود مالک اپنے خیال سے رجوع کرکے اس جانور کو پھر پکڑے اور فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے تو پھر اس کا کھانا جائز ہوجائے گا کیونکہ نجاست و حرمت بوجہ اعتقاد نذر کی تھی جو توبہ ورجوع سے زائل ہوجائیگی اور ملک اس کی ہے زائل نہ ہوئی تھی لہذا اب اس کو فروخت وغیرہ کرنا جائز ہوگا یہی صورت مسئلہ اولی کے ساتھ بھی سمجھنی چاہیئے۔ **ولهذه المسئلة تفصيل لا يسع هذاالمقام . والله تعالى اعلم**

توضیح کلام اهل الله فیما اهل به لغیر الله

(سوال ۸۳۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس ریاست قرولی اندر ایک میلہ کیلادیوی کا ہوتا ہے اور اہل ہنود وغیرہ اس میلہ میں کثرت سے شریک ہوتے ہیں اس دیوی کے مندر کا ایک پجاری ہے جو چڑھاوا اس دیوی پر چڑھایا جاتا ہے وہ پجاری کا حق ہوتا ہے چونکہ اس دیوی کا انتظام ریاست کے تحت میں ہے لہذا میلہ کا انتظام بھی ریاست کی طرف سے ہوتا ہے اور ہمیشہ سے یہ عمل ہے کہ ہر سال پندرہ روز میلے کے ایام کا جو چڑھاوا ہوتا ہے وہ حق راج ہوتا ہے اور نقد وغیرہ جملہ سامان کو ملازمان راج سنبھال لیتے ہیں جس کو تمام لوگ جو چڑھانے والے ہیں خوب جانتے ہیں اور وہ اپنے چڑھاوے کو ریاست کے حوالے کر جاتے ہیں علاوہ نقد زیور وغیرہ کے بکرے اور بھینسے اس پر چڑھائے جاتے ہیں جو لوگ چاہتے ہیں وہ اسی وقت اپنے بکروں کی یا بھینسوں کی اسی مندر پر تلوار سے گردن اڑادیتے ہیں اور جو نہیں چاہتے وہ اپنے بکروں کا کان کاٹکر حوالہ ملازمان راج کردیتے ہیں ایسے جانوروں کو منتظمان ریاست اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں جب میلہ ختم ہوجاتا ہے تو وہ جانور جو کان کاٹ کر چھوڑے گئے اور ملک راج کردیئے گئے ان کو ریاست کی طرف سے فروخت کردیا جاتا ہے اور کچھ جانور بطور انعام ملازمان راج کو تقسیم کردیئے جاتے ہیں اس تقسیم میں مسلمان ملازمان بھی شامل ہیں ان کو وہ بکرے ملتے ہیں اور قصابان بھی کبھی ان کو خرید لیتے ہیں اور ذبح کرکے گوشت فروخت کرتے ہیں اس مسئلہ پر مابین زید وبکر نزاع ہے زید کہتا ہے کہ یہ بکرے جو راج کے حوالہ ہوئے ہیں ان کا ذبیحہ نادرست ہے اور ذبح کرکے کھانا حرام ہے اور یہ **ما اهل به لغير الله** میں داخل ہے جس کی دلیل میں زید تفسیر بیضاوی شریف کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔ **وما اهل به لغير الله . اى رفع به الصوت عند ذبحه لصنم والا هلال اصله روية الهلال يقال اهل الهلال واهللته لكن لماجرت العادة ان يرفع الصوت بالتكبير اذارأى الهلال سمى. ذلك اهلالاً ثم لرفع الصوت وان كان بغيره ص ۱۲۳ ج مطبوعه مجتبائى دهلى**-اور اسی کتاب کے حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے **للضم مقام لغير الله بدليل قوله تعالى وما ذبح على النصب بينهما على ان المقصود بالخطاب هم المشركون لانهم كانوا يستحبون هذه الامور وليس المراد تخصيص الغير كيف وخصوص السبب لا ينافى**

عموم اللفظ کما بین فی الاصول فکل مانووی علیه بغیر اسم الله فهو حرام وان ذبح باسم الله تعالٰی حیث اجمع العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحة وقصد بذبحه التقرب الی غیر الله صار مرتداً و ذبیحته ذبیحة مرتد.

زید کہتا ہے کہ دلائل مذکورالصدر ان گوش بریدہ بکروں اور بھینسوں کی حرمت کے لئے کافی ہے اور یہ گوش بریدہ بکرے وما اهل به لغیر اللّٰه میں داخل ہیں۔

بکر کا قول ہے کہ دلائل مذکورہ سے اس قسم کے آزاد شدہ بکرے وما اهل به لغیر اللّٰہ میں داخل نہیں ہیں بلکہ بحیرہ اور سائبہ میں داخل ہیں اس واسطے کہ عبارت بیضاوی شریف اور اس کے حاشیہ سے صاف ظاہر ہے کہ مااہل سے مراد وہ جانور ہیں جو بوقت ذبح غیر اللہ کے نام پر پکار کر اسی وقت ذبح کیا جائے اور یہاں ایسا نہیں ہو تا بلکہ ان کو رہا کر دیا جاتا ہے ذبح نہیں کیا جاتا یوں ہی تقرب الی غیر اللہ صادق نہیں آتا۔

دوسری دلیل زید پیش کرتا ہے۔ والذابح مهل لان العرب کانو یسمون الاوثان عند الذبح و یرفعون اصواتهم بذکرها ومنه استهل الصبی فمعنی قوله وما اهل به لغیر الله یعنی ماذبح للاصنام وهو قول مجاهد و ضحاك وقتاده- قال الربیع بن انس و ابن زید یعنی ما ذکر علیه غیر اسم الله وهذا القول اوفی لانه اشد مطابقة للفظ وقال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحته وقصد بذبها التقرب الی غیر الله صارمرتدا و ذبیحته ذبیحه مرتد وهذا الحکم غیر ذبائح اهل کتاب اما ذبح اهل الکتاب فتحل لنا تفسیر کبیر ص ۸۱ مطبع حسینیه مصری.

بکر کا قول ہے کہ مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور ابن انس اور ابن زید کا نزاع اختلاف الاصنام اور غیر اسم اللہ میں ہے نہ کہ لفظ اہل پر یعنی مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ جو جانور بتوں کے نام پر ذبح کیا جاوے وہ ما اهل به لغیر الله میں داخل ہے اور ابن انس وغیرہ کا قول ہے کہ چاہے صنم ہو یا مسیح یا موسیٰ علیہ السلام وغیرہ غیر اسم اللہ جس پر بوقت ذبح پکارا گیا ہو وہ مااہل بہ لغیر اللہ میں داخل ہے تفسیر کبیر ص ۸۶ مطبع حسینیہ مصری

فصل رابع فی تحریم ما اهل به لغیر الله کے اندر صاف کھول دیا ہے من الناس من زعم ان المراد بذلك ذبائح عبدة الاوثان الذین کانوا یذبحون لا وثا نهم کقوله تعالٰی وما ذبح علی النصب واجازوا ذبیحة النصرانی اذا سمی علیها باسم المسیح وهو، مذهب عطاء ومکحول والحسن والشعبی و سعید بن المسیب وقال مالكؒ و الشافعیؒ و ابو حنیفهؒ واصحابه لا یحل ذلك والحجة فیه انهم کانو اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اهلو به لغیر الله فوجب ان یحرم وروی عن علیؓ بن ابی طالب انه قال اذا سمعتم الیهود و النصارٰی یهلون لغیر اللّٰه فلا تاکلو اوا ذالم تسمعوهم فکلو الی اخره.

یہ بکر کا قول ہے کہ زید کی کسی دلیل سے گوش بریدہ بکرے وما اهل به لغیر اللّٰه میں داخل نہیں ہیں کیونکہ غیر اسم اللہ پر ذبح نہیں کئے جاتے بلکہ بحیرہ اور سائبہ ہیں جیسا کہ فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد دوم صفحہ ۵۵ یوسفی مفصل درج ہے ماقولکم رحمکم الله اس مسئلہ میں کہ اہل ہنود اشیاء ذوی الاجسام کو مثلاً خصی بکرے کو گنگا چڑھاتے ہیں اور پانی میں زندہ چھوڑ دیتے ہیں اور اس گھاٹ کے زمیندار ہندو ودیگر اشخاص ان جانوروں کو دریا

سے نکالتے ہیں اور بیچتے ہیں چڑھانے والے سے کچھ تعرض نہیں کرتے پس ایسے جانوروں کو خرید کر یا نکال کر ذبح کر کے کھانا حلال ہے یا حرام اور یہ جانور ما اھل بہ لغیر اللّٰہ میں داخل ہیں یا بحیرہ وسائبہ میں اور بحیرہ وسائبہ حلال ہیں یا حرام اور ما اھل بہ لغیر اللّٰہ کے کیا معنی ہیں وما جعل اللّٰہ من بحیرۃ ولا سائبۃ الخ کا کیا مطلب ہے اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے صفحہ ۶۱ پر مولوی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ اس نہج پر ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی تصدیق درج ہے؟

(سوال ۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل ہنود اپنے دیوتاؤں کے یا مردوں کے نام پر گائے کو داغ لگا کر یا بلا داغ چھوڑتے ہیں جس طرح بعض مشرکین شیخ سدو یا پیران پیر وغیرہ کے نام کا بکرا یا مرغ چھوڑتے ہیں اس طرح اہل ہنود گائے کو متبرک سمجھ کر چھوڑتے ہیں اب ایسی گائیوں کی اولاد ہو کر بہت سی ہو گئی ہیں اس طریقے کے جو چھوٹے ہوئے جانور یعنی گائے یا ان کی اولاد کا ذبح کر کے گوشت کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

(الجواب) جو جانور بتوں کے نام پر یا کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں اور ان کی جان لینا مقصود نہیں ہوتا بلکہ سرف کام لینے سے آزاد کرنا مقصود ہوتا ہے اور مااھل بہ لغیر اللّٰہ میں داخل نہیں ہیں ان کو سائبہ کہتے ہیں اور ان کی حرمت صرف بوجہ ملک غیر ہونے کے ہے کہ وہ مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتی اگر مالک کسی کو ان کے ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دیدے تو وہ حلال ہیں اور ایسی گائیوں کی اولاد بھی مالک کی ہوتی ہے پس ان گائیوں کی ان کی اولاد بھی مالک کی ہوتی ہے پس ان گایوں کی یا ان کی اولاد کو بلا اجازت مالک کے کھانا حلال نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم - محمد کفایت اللہ دہلی - محمد کفایت اللہ دہلوی

(الجواب صحیح) علی ما قال مولانا کفایت اللہ سلمہ - اشرف علی

اس لئے عرض ہے کہ جواب صاف اور معہ حوالہ کے تحریر فرمایا جاوے؟

الجواب

حامدا ومصلیا اما بعد تقرب الی غیر اللہ کے لئے کسی جاندار کو نامزد کرنے کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی کا نام اس پر لیا جائے یہ صورت باتفاق وباجماع حرام ہے اور یہ جانور میتہ ہے اس کے کسی جزو سے انتفاع جائز نہیں اور آیۃ کریمہ وما اھل لغیر اللّٰہ میں اس کا داخل ہونا متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذبوحہ حکم میتہ ہے مگر تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے بعض حضرات مفسرین وفقہاء نے اس کو بھی ما اھل لغیر اللہ کا مدلول صریح قرار دیا ہے جیسا کہ حواشی بیضاوی کی عبارت مندرجہ سوال میں مذکور ہے نیز در مختار کتاب الذبائح میں ہے۔ (ذبح لقد وم الامیر ونحوہ) کواحد من العظام (یحرم) لانہ اھل بہ لغیر اللہ (ولو) وصلیۃ (ذکر اسم اللہ تعالی) الخ واقرہ الشامی ص ۲۱۴ ج ۲ - اور بعض حضرات نے اس آیت کو مااھل لغیر اللہ کا مدلول صریح تو نہیں بنایا کیونکہ اس میں بحیثیت عربیت تکلف ہے مگر اشتراک علت (یعنی تقرب الی

غیر اللہ) کی وجہ سے اس کو بھی ما اھل به لغیر الله کے ساتھ ملحق کر کے حرام قرار دیا ہے اور احقر کے نزدیک یہی اسلم واحوط ہے نیز اس صورت کی حرمت کے لئے ایک دوسری مستقل آیت بھی شاہد ہے کہ یعنی آیت کریمہ وما ذبح علی النصب کیونکہ عطف کی وجہ سے ظاہر یہی ہے کہ مااھل به لغیر الله اور ذبح علی النصب دو متغائر صورتیں ہیں پس مااھل به لغیر اللّٰه تو وہ ہے جس پر غیر اللہ کا نام بوقت ذبح پکارا جائے اور ماذبح علی النصب وہ ہے جو نصب کی تعظیم و تکریم کے لئے ذبح کیا جائے خواہ وہ اس پر نام کسی غیر اللہ کا ذکر نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا نام ذکر کریں۔

الغرض یہ صورت ثانیہ اول تو اشتراک علت یعنی ذبح لغیر اللہ اور تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مااھل به لغیر اللّٰه کے ساتھ حکماً ملحق ہے دوسرے آیت ماذبح علی النصب کا بھی مدلول ہے اس لئے یہ بھی حرام ہے اور ایسے مذبوح کا کھانا وغیرہ بھی حرام ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیا جائے نہ اس سے کام لیں اور نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو یہ جانور ما اھل به لغیر اللّٰه اور ما ذبح علی النصب میں داخل نہیں بلکہ اس قسم کے جانوروں کو بحیرہ سائبہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور حکم ان کا یہ ہے کہ یہ فعل تو بنص قرآن حرام ہے لقولہ تعالیٰ ماجعل الله من بحیرة ولا سائبة. الآیه

اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ اس فعل سے یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوتا لیکن یہ بات محل غور و تامل ہے کہ اگر مالک خود اس جانور کو بیع کر دے یا ہبہ کر دے اور ذبح کرنے کی اجازت دیدے تو دوسروں کے لئے اس کا کھانا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں سو اس خاص جزئیہ کے ماتحت تو فقہاء حنفیہ کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری لیکن تعظیم غیر اللہ کے لئے جو نذر یا منت مانی جائے اس کے حرام و ناجائز ہونے کی تصریحات نہایت واضح طور پر کتب فقہ میں موجود ہیں اور بظاہر بحیرہ، سائبہ اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا کہ قصد تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ دونوں میں موجود ہے پس جس طرح وہ شیرینی وغیرہ جو کسی غیر اللہ کی نذر مانی جائے حرام و ناجائز ہے اسی طرح یہ جانور جس کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دیا گیا ہو اور قصد اس کے ذبح کرنے کا نہیں ہے وہ بھی حرام ہونا چاہئے البتہ اگر مالک اپنی نیت تعظیم غیر اللہ سے توبہ کرے تو یہ حرمت رفع ہو جائے گی اور اس کا کھانا اس کے لئے بھی جائز ہوگا اور اس کی اجازت سے دوسروں کے لئے بھی جائز ہو جائے گا۔

الغرض اس صورت میں جانور کے حلال ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں اول[1] یہ کہ مالک اپنی سابقہ نیت سے توبہ کرے دوسرے یہ کہ اس کے کھانے وغیرہ کی اجازت دے۔ والدلیل علی ما قلنا هذه العبارات فی صوم البحر عن الشیخ قاسم فی شرح الدرر واما النذر الذی ینذره اکثر العوام علی ماهو شاهد کان یکون لانسان غائب او مریض اوله حاجة ضروریة فیأتی بعض الصلحاء فیجعل ستره علی راسه فیقول یاسیدی فلان ان ردغائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلك من الذهب کذا اومن

[1] بعد کی تحقیق جو آخر فتوے میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوگا کہ قول مختار یہ ہے کہ یہ شرط اول سائبہ بحیرہ وغیرہ جانوروں میں نہیں ہے۔ البتہ غیر حیوان جو منذور لغیر اللہ ہو اس میں یہ شرط لازم ہے ۱۲ محمد شفیع

الفصة كذا او من الطعام كذا اومن الماء كذا او من الشمع كذا اومن الزيت كذا فهذا النذر باطل بالا جماع لوجوه منها انه نذر للمخلوق والنذر للمخلوق لا يجوز (الى قوله) ومنها ان المنذور له ميت و الميت لا يملك و منها اعتقاد ان الميت يتصرف فى الامور دون الله تعالى واعتقاد ذلك كفر (ثم قال بعد ذلك باسطر) للاجماع على حرمة النذر للمخلوق ولا ينعقد ولا تشتغل الذمة به ولانه حرام بل سحت ولا يجوز لخادم الشيخ اخذه ولا اكله ولا التصرف فيه بوجه من الوجوه الا ان يكون فقيراً اوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب وهم مضطرون فياخذونه على سبيل الصدقة على سبيل الصدقة المبتدأة فاخذه ايضاً مكروه مالم يقصد به الناذر التقرب الى الله تعالى وصرفه الى الفقراء ويقطع النظر عن نذر الشيخ فاذا علمت هذا مما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها و ينقل الى ضرائح الاولياء تقرباً اليهم فحرام باجماع المسلمين مالم يقصد وابصرفها للفقراء الاحياء تولاً واحداً (البحر الرائق قبيل باب الاعتكاف من الصوم ص ۳۲۱ ج ۲) ومثله فى الفتاوى الخيرية من كتاب الصوم ص ۱۸ ج ۱)

اس عبارت میں تصریح ہے جو چیز غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کے لئے نذر کردی جائے عام اس سے کہ جاندار ہو یا بے جان وہ سحت و حرام ہے جب تک نذر کرنے والا اپنی اس نذر سے توبہ نہ کرے اس وقت تک کسی شخص کے لئے اس کا کھانا یا اس کو کسی کام میں لانا جائز نہیں اگرچہ مالک اجازت بھی دیدے۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کے لئے کسی جانور وغیرہ کو نامزد کرنے کی تینوں صورتیں اصل فعل کے اعتبار سے تو باتفاق حرام و ناجائز ہیں اور اس جانور کے حرام ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ پہلی دونوں صورتوں میں جن میں غیر اللہ کے لئے خون بہانا مقصود ہے ان میں یہ جانور بھی باتفاق حرام ہے اور تیسری صورت جس میں غیر اللہ کیلئے جان لینا مقصود نہیں بلکہ صرف ان کے نام پر چھوڑنا مقصود ہے جیسے اکثر ہندو اپنے بتوں یا گنگا وغیرہ کے نام پر چھوڑتے ہیں یا بعض مسلمان اولیاء اللہ کی قبروں پر نذرمان کر چھوڑ دیتے ہیں جیسے شیخ سدو کا بکرا وغیرہ اس کے متعلق صراحۃ فقہاء حنفیہ کے کلام میں کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری اسی لئے علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض حضرات اس کو اپنی اصل پر رکھ کر جائز قرار دیتے ہیں اور جواز کے لئے صرف اجازت مالک کو کافی سمجھتے ہیں اور بعض حضرات اسکو بھی نذر لغیر اللہ کے ساتھ ملحق سمجھ کر حرام قرار دیتے ہیں اور حیثیت دلیل یہی[۱] راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ منذور لغیر اللہ اور سائبہ وغیرہ میں کوئی وجہ فرق کی معلوم نہیں ہوتی اس لئے اس بارے میں احتیاط ہی لازم ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ، خادم دارالافتاء دارالعلوم۔ دیوبند ۲۹ ربیع الاول ۵۴ ہجری

---

[۱] بعد کی تحریر جو عنقریب درج ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اس قول سے رجوع کیا گیا اور راجح قول اول ہے ۱۲ منہ

مسئلہ مذکورہ کے متعلق
حکیم الامتہ سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق

اس مسئلہ میں تیسری صورت چونکہ احقر نے محض قواعد سے لکھی تھی اس لئے اس پر اطمینان نہ تھا بناء علیہ حضرت ممدوح کی خدمت میں عریضہ لکھ کر استصواب کیا یہ خط مع جواب کے بعینہ درج ذیل ہے اوراس کے بعد مسئلہ کاآخری فیصلہ لکھا گیاہے۔(محمد شفیع غفرلہ)

بحضرت سیدی و سندی کھفی ومعتمدی و سیلة یومی وغدی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہ بالخیر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔بعد تمنائے زیارت وآداب نیاز مندانہ گزارش ہے کہ یہ ناکارہ غلام بیس روز تک بیمار رہنے کے بعد الحمد للہ اب تندرست ہوگیاہے مگر نقاہت اور بالخصوص ضعف دماغ بہت ہے ذراسا دماغ کام کرنے سے گھنٹوں تک اثر رہتاہے مدرسہ کاکام آہستہ آہستہ شروع کردیاہے دعاکی ضرورت ہے۔

ایک فتویٰ ریاست قرولی کادربارہ سائبہ وبحیرہ وغیرہ یہاں آیاہواہے جس پر حضرت والا کی بھی تصدیق ہے غالباً تصدیق کی نقل میں تو غلطی نہیں ہے کیونکہ بیان القرآن جدید کے حاشیہ میں بھی حضرت نے اسی صورت کوترجیح دی ہے اور کچھ یاد ہے کہ زبانی بھی حضرت سے چند جملے احقر نے سنے تھے مگر اس میں ایک کھٹک اسی وقت سے چلی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ صورت ثالثہ جس میں اراقت دم لغیر اللہ مقصود نہیں مگر نذر لغیر اللہ کی حد میں تو داخل ہے پھر اور منذور لغیر اللہ کی حرمت پر صاحب بحر نے عبارات ذیل میں اجماع مسلمین نقل کیاہے اس سے معلوم ہوتاہے کہ ایسے جانور کی حلت کے لئے صرف اذن مالک کافی نہیں بلکہ مالک کااپنی نذر سے رجوع کرنابھی ضروری ہوتاہے ہاں اگر سائبہ وغیرہ جانوروں اور منذور لغیر اللہ میں کوئی فرق ہو توبیشک یہ شبہ رفع ہوسکتا ہے مگر مجھے ان دونوں میں کوئی فرق معلوم نہیں ہواکہ اصل علت تقرب الی غیر اللہ ہے وہ دونوں میں یکساں ہے صرف بحیرہ سائبہ میں صیغہ نذر کا نہیں ہے اگر ہوسکے تواس پر نظر فرماکر اس کاحل فرمادیا جاوے تاکہ اشکال رفع ہواوراس کاجواب بھی روانہ کردیاجائے۔والسلام

ناکارہ غلام شفیع غفرلہ ازدیوبند یکم ربیع الثانی ۵۴ہجری

جواب از حضرت ممدوح دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ! یہ سب کو معلوم ہے کہ میری نہ نظر وسیع ہے نہ فکر عمیق ہے مگر اس امید پر لکھ دیا کہ شاید اس سے کوئی مفید بات نکال کر جواب لکھ دیں۔باقی دعاکرتاہوں۔

الجواب

اس مسئلہ کے متعلق میری رائے پر تین دور گزرے ہیں ایک زید کی موافقت کااور میں نے تفسیر میں

اسی کو اختیار کیا ہے دوسرا تردد کا تفسیر کی جلد ثالث کے منہیہ میں اس تردد کو ظاہر کیا ہے تیسرا بحر کی موافقت میں اور امداد الفتاویٰ کے فتویٰ منقولہ سوال میں اسی کا حکم کیا ہے جو کہ تفسیر سے زماناً متاخر ہے پس اخیر رائے یہی ہے اور پہلی دونوں رائیں مرجوع عنہ ہیں جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ سوائب ما اهل به لغير الله میں داخل نہیں کیونکہ ناذر کا مقصد ان کا ذبح نہیں پس ان کی حرمت کسی دوسرے عارض سے ہوگی جس کے ارتفاع سے حرمت اکل بعد الذبح مرتفع ہو جائے گی چنانچہ بکثرت مفسرین نے آیت يا ايها الناس كلو امافى الارض حلالاً طيباً کا سبب نزول اسی تحریم سوائب کو لکھا ہے اور آیۃ سے حلت کا اثبات اور اس حرمت کی نفی کی ہے اور بعض نے جو دوسرا سبب نزول لکھا ہے انہوں نے بھی اس حلت کی نفی اور حرمت کا اثبات نہیں کیا تو مسئلہ متفق علیہا ہو گیا البتہ میری تحقیق میں ما اهل به لغير الله میں ایک دوسرا عموم ہے یعنی منذور بہ لغیر اللہ غیر حیوان کو بھی حکم حرمت کا شامل ہے مگر اس تفصیل سے کہ حیوان کی حرمت تو مدلول نص بلاواسطہ ہے لان الايات وردت قطعاً فى الحيوانات اور غیر حیوان کی حرمت مدلول بواسطہ قیاس ہے لاشتراك العلة وهى نية التقرب الى المخلوق بحر کا فتویٰ اسی قیاس پر مبنی ہے باقی آپ نے جو خلجان لکھا ہے اس کا جواب قواعد یہ ہے کہ منذور بہ لغیر اللہ میں وہ تصرف جس میں تقریر ہے ناذر کی غرض باطل کی حرام ہے لان اعانة الحرام حرام اور جس تصرف میں ابطال ہے غرض ناذر کا وہ جائز ہے پس ما اهل به لغير الله کے ذبح و تناول میں تو تقریر ہے اس کی غرض اراقہ دم کی اس لئے حرام ہے اور سوائب کے ذبح و تناول میں ابطال ہے اس کی غرض کا اس لئے حرام نہیں اور بحر کی جزئیات میں مجاورین کا انتفاع یا ایقاد قنادیل وغیرہ یہ سب تقریر ہے غرض ناذر کی اس لئے حرام ہے اس سے فرق نکل آیا سوائب کے تناول میں اور منذور للقبور کے تناول میں واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی ۳ ربیع الثانی ۵۴ ہجری۔

قول مختار

سیدی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی تحقیق مذکور سے منذور بہ لغیر اللہ جواز قبیل حیوانات نہ ہوں جیسے شیرینی پھول وغیرہ ان میں اور سوائب و بحائر میں فرق واضح ہو گیا کہ قسم اول میں ان چیزوں کا استعمال کرنا نذر کرنے والے کی غرض باطل کی تکمیل اور اس کی اعانت ہے اس لئے اس کی حرمت جو آیت ما اہل لغیر اللہ سے باشتراک حلت ثابت تھی بحالہا قائم رہی۔ جیسا کہ صاحب بحر الرائق وغیرہم کے فتوے میں مصرح ہے اور قسم دوم یعنی سوائب و بحائر میں ان کے ذبح کرنے اور رکھانے میں نذر باطل کرنے والے کی غرض کا ابطال ہے اور نہ کھانے میں اس کی تکمیل اس لئے اس کے ذبح کرنے اور رکھانے کی فی نفسہ اجازت دی گئی۔ اب حلت کے لئے صرف اجازت مالک کی ضرورت رہ گئی جب مالک نے فروخت کر دیا یا بدون معاوضہ کسی کو ہبہ کر دیا تو کھانے کی اجازت ہے الغرض اب مختار احقر کے نزدیک بھی وہی فتویٰ ہے جو مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی اور حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کا سوال میں نقل کیا گیا ہے یعنی تیسری صورت میں صرف اجازت مالک جواز کے لئے کافی ہے اس لئے صورت مندرجہ سوال میں جو جانور کان کاٹ کر مالک نے ملازمان راج یا مندر میں رہنے والے خادموں کے حوالہ کر دیئے وہ اسی تیسری صورت میں داخل ہیں ان کا فروخت کرنا اور خریدنا پھر ذبح کر کے کھانا سب جائز

ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان وبیدہ العصمۃ والصواب وھواعلم بالحق فی کل باب. کتبہ الاحقر محمد شفیع الدیوبندی عفااللہ عنہ، خادم دارالعلوم دیوبند ربیع الثانی ۵۴ھ

مذبوح جانور کے ٹھنڈا ہونے سے قبل سر جدا کر دینا

(سوال ۸۳۸) شخصے بوقت ذبح جانور سر رانی الفور جدا می کند ایں مذبوحہ در شرح چہ حکم دارد؟

(الجواب) ٹھنڈا ہونے سے پہلے مذبوح جانور کا سر علیحدہ کرنا مکروہ ہے مگر ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے قال فی الدر المختار وکرہ کل تعذیب بلا فائدۃٍ مثل قطع الرأس والسلخ قبل ان تبرد حاشیۃ شامی ص/۲۰۵ ج/۵۔

جس جانور کا سر کسی طرح کٹ گیا وہ ذبح کرنے سے بھی جائز نہیں ہوتا

(سوال ۸۳۹) اگر کسی جانور پرندہ کا شکار کرنے کے وقت غلولہ یا تیر یا گز سے سر اڑ جائے اور باقی گردن تا سینہ موجود ہو علامت حیات یعنی اس جانور کو پھڑکتا ہوا پا کر گردن باقی ماندہ پر تا قریب سینہ تکبیر کہہ کر ذبح کیا جاوے تو ایسی صورت ذبح پر وہ جانور حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مرغی کا سر بلی نے کاٹ لیا یا کسی آدمی نے اس مرغی کا سر مروڑ لیا باقی گردن تا سینہ موجود ہو علامت حیات پا کر اور تکبیر کہہ کر ذبح کیا جائے اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) ان دونوں صورتوں میں ذبح کرنے سے ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ لما فی العالمگیریۃ سنور قطع رأس دجاجۃ فالباقی لاتحل بالذبح وان کان یتحرک (کذا فی الملتقط عالمگیری کشوری ص/۱۵۶ ج/۴)

ذبح فوق العقدہ کا حکم

(سوال ۸۴۰) عقدہ کے اوپر سے جانور کو ذبح کیا گیا یعنی عقدہ بطرف گردن اور جسم کے رہ گئی سر کی طرف نہ رہی تو اس طرح کا مذبوح حلال ہے یا حرام عند الذبح عقدہ کا دھڑ کی طرف رہنا لازمی ہے یا نہیں؟

(الجواب) ذبح کا مدار شرعاً اکثر عروق کے قطع ہو جانے پر یعنی منجملہ چار عروق کے حلقوم، مری، ودجین کے تین عروق قطع ہو جائیں متحقق ہو جائے گا خواہ کسی طریق پر قطع کیا جائے فوق العقدہ یا تحت العقدہ بلکہ حلق کی جانب سے ہو یا گدی کی جانب سے البتہ جس صورت میں جانور کو تکلیف زیادہ ہو اس کا اختیار کرنا دوسری حیثیت سے ممنوع و مکروہ ہے لیکن حلت ذبیحہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا اب یہ بات تجربہ کے متعلق رہ گئی کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے عروق ثلثہ قطع ہو جاتی ہیں یا نہیں اگر ہو جاتی ہیں تو ذبیحہ درست ہے ورنہ نہیں لیکن اکثر اہل تجربہ کے بیان سے قطع ہو جانے کی تصدیق ہوئی ہے[۱]۔ وھذا محصل ما اختارہ مشایخنا فی ھذا الباب وھذا ھوالذی ختم الشامی کلامہ علیہ بعد تحقیق حقیق وتفتیش انیق ولفظہ اقولہ والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلاثۃ من العروق فالحق ماقال شراح الھدایۃ تبعاً للرستغفی

---

[۱] اس بارہ میں مزید تفصیل و تحقیق کے لئے امدادالفتاویٰ جلد صفحہ ملاحظہ فرمائیں، محمد عاشق الٰہی۔

والا فالحق خلافه اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اهل المذهب ویظهر ذلك بالمشاهدة او سوال اهل الخبرة فاغتنم هذا المقال ودع عنك الجدال (شامی کتاب الذبائح ص/۲۰٤ ج/۵-)ویؤیده مافی الخلاصة والدرالمختار وغیره وذبحها من قفاها ان بقیت حیة حتی تقطع العروق والالم تحل لموتها بلاز کوٰة از شامی ص۲۰۵ ج/۵-فقد دلت هذه العبارة علی ان مدار الذبح انما هو قطع العروق بای طریق کان -والله تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد شفیع غفرلہ--الجواب صحیح ننگ اسلاف حسین احمد۔

بندوق سے شکار کا حکم

(سوال ۸٤۱)ایک آلہ لوہے کا باریک نوک دار ہے یہ ہوائی بندوق میں رکھ کر چھوڑا جاتا ہے اور چھوٹے پرندوں سے لے کر چیل اور خرگوش تک کو مار لیتی ہے اس چیز سے اگر بسم الله الله اکبر کہہ کر شکار مارا جائے اور شکار مر جائے یا اتفاقاً ذبح نہ کیا جا سکے تو شکار حلال سمجھا جائے گا یا نہیں اور اس کے مارے ہوئے شکار کا ہے یا نہیں ؟

(الجواب)آلہ مذکورہ کی شکل دیکھنے سے نیز اس حال سے جو سوال میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ تیر کی طرح زخم کھولتا ہے بندوق کی عام گولی اور چھروں کی طرح جسم کو کوٹتا نہیں لہذا اس کا حکم تیر ہی کا حکم ہے۔ یعنی اگر بسم اللہ کہہ کر چھوڑ جائے اور جانور اس کے ذریعہ مر جائے تو حلال ہوگا۔ کما هو حکم السهم فی عامة کتب الفقه۔ لیکن یہ مسئلہ چونکہ محض قواعد سے لکھا گیا ہے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا اس لئے دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا چاہئے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

بندوق اور غلیل کا شکار بغیر ذبح کئے جائز نہیں

(سوال ۸٤۲)اگر غلیل یا بندوق کا شکار بسم اللہ اور اللہ اکبر کہہ کر کیا اور جانور مر گیا ذبح کرنے کا موقع نہ ملا وہ جانور حلال ہے یا حرام اس مسئلہ کی پوری تحقیق مطلوب ہے ؟

(الجواب)بندوق کے چھرے اور گولی اور غلیل کے غلے ان سب کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان کے ذریعہ ذبح کا تحقق نہیں ہوتا اگرچہ بسم اللہ کہہ کر بندوق یا غلیل چھوڑی جائے وجہ یہ ہے کہ ذبح کرنے میں جن چاروں رگوں کا قطع کرنا ضروری ہے ان میں یہ شرط ہے کہ ان کو دھار دار چیز سے قطع کیا جائے کسی بوجھل چیز کے صدمہ سے توڑا نہ جائے بندوق کے چھرے گولی اور غلیل کے غلے سے ظاہر ہے کہ دھار دار نہیں ہوتے اس لئے ان سے جو زخم لگتا ہے وہ قطع کرنے کے حکم میں نہیں ہو سکتا یہی مذہب مفتی بہ ہے جس کی تصریح عالمگیری نے کتاب الذبائح میں کی ہے نیز در مختار میں ہے وحل الذبح بکل مااقری الا وداج فانهر الدم درالمختار ص ۲۹٤ کتاب الذبائح جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کے لئے قطع کرنا عروق اربعہ کا ضروری ہے توڑ دینے سے یہ صورت حاصل نہیں ہو سکتی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

تحقیق متعلق غراب اہلی

(سوال ۸۴۳) شکارپور سندھ کے علماء نے کوے کی حرمت پر ایک تحریر[1] لکھی ہے جو ارسال خدمت ہے یہ تحریر چونکہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے اس لئے اس سے متعلق بعجلت ممکنہ تحقیق فرماکر ممنون فرمائیں اس تحریر کے سوال وجواب حسب ذیل ہیں۔

(سوال) غراب ملکی حلال است یا حرام، بینوا توجروا

(الجواب) غراب ملکی حرام است از جملہ فواسق وموذیات است درحدیث شریف فی المؤطا امام مالك عن نافع عن عبدالله ابن عمران رسول اللهﷺ قال خمس من الدواب ليس على المحرم فى قتلهن جناح الغراب والحداة والعقرب والفارة والكلب العقور دور حاشيه مصفى على المئوطا قال البغوى اتفق اهل العلم على انه يجوز للمحرم قتل هذه الاعيان ولا شئى عليه فى قتلها فى الاحرام و الحرم لان الحديث يشتمل على اعيان بعضها سباع و بعضها هوام و بعضها لايدخل فى معنى السباع ولاهى من جمله الهوام وانما هو حيوان مستخبث اللحم و تحريم الاكل يجمع الكل وقالت الحنفية لاجزاء بقتل ما وردفى الحديث وقا سوا عليه الذئب وقالوافى غير- هامن الفهد و النمر والخنزير و جميع مالا يو كل لحمه عليه الجزاء بقتلها الا ان يبتد يه شئى فيد- فعه عن نفسه فيقتله فلا شى عليه و فى البحر معنى الفسق فيهن خبثهن وكثرة العزر فيهن درهدايه مى آر دو المراد الغراب الذى ياكل الجيف و يخلط لانه يبتدى بالاذى وفى بعض النسخ اور يخلط كما نقل عبارتهافى البحراو يخلط الحب بالنجس معناه ياكل الحب تارة والنجس تارة كذافى الحاشية للسيد الشامى على البهر نقلا عن النهر عن البدائع قال ابو يوسف الغراب المذكور فى الحديث الذى ياكل الجيف او يخلط لان هذا النوع هوالذى يبتدى بالا ذى در مسكين شرح كنز تحت قوله ولاشى بقتل الغراب مى آردو المراد به الا بقع الذى ياكل الجيف و يخلط النجس مع الطاهر فى التناول ودرحاشيه علامه ابى السعود مى نويسد الواو بعمنى او اذلا حاجة بضم الخلط الى اكلها (اى اكل) خالفه، كماذكره الحموى انتهى و فقہاء کرام دو نوع غراب را از غراب کہ در حدیث شریف مذکور است استثنی ساختہ اند یکی غراب الزرع دیگر عقعق کمافی عامتہ الکتب بقتل ایں ہر دو نوع بر محرم جزا واجب است در ردالمحتار در تعریف غراب الزرع می نویسد و هوالذى يلتقط الحب ولا ياكل الجيف ولاياتى فى انقرى والا مصار ودر تعریف عقعق می آرد هو طائر نحوالحمامة طويل الذنب فيه بياض و سواد هو نوع من الغربان يتشام به و يقعق بصوت يشبه العين والقاف پس ایں ہر دو نوع حلال اند وازیں جااست کہ فقہاء کرام در کتاب مایحل

---

[1] یہ تحریر کافی ایام تک بندہ کے پاس پڑی رہی۔ مگر جواب کی فرصت نہ ملی۔ بالاخر مولوی محمد تقی صاحب سلمہ اللہ تعالی کے سپرد کی گئی، چنانچہ انھوں نے بحمد للہ تعالی ایسا ہی کافی وشافی جواب تحریر فرمایا جس کی امید ان کی قابلیت سے تھی جس کا اندازہ جواب کے ملاحظہ سے ہوگا زادہ اللہ تعالی علما وعملا وصلاحا۔ ۱۲ رشید احمد عفی عنہ۔

اکله وما لا یحل ہمیں دونوع غراب را حلال نوشتہ اندودر تنویر الابصار می نویسد وحل غراب الزرع الذی یاکل الحب والا رنب و العقعق وھو غراب یجمع بین اکل جیف وحب ولا شك ان غراب دیارنا غیر العقعق وغیر غراب الزراع فیکون داخلا فی الغراب المذکور فی الحدیث فیکون فاسقاوحرا ماکسائر نظائرہ وآنچہ بعض فضلاء ایں غراب ملکی راحلال دانستہ وتمسک گرفتہ بآنچہ بعبارات فقہاواقع شدہ نوع یاکل الحب مرۃ والا خری جیفۃ غیر مکروہ عندالامام الاعظم فانہ یتوھم منہ فی بادی الرای ان الغراب المعروف فی دیارنا غیر مکروہ عند الامام لانہ یخلط بین الحب و النجاسۃ فنقول ان الفقھاء الکرام حصر واھذا النوع فی العقعق قال فی العنایۃ شرح الھدایۃ اما الغراب الا بقع والا سود انواع ثلثہ نوع یلتقط الحب ولا یاکل الجیف و لیس بمکروہ و نوع لایاکل الا الجیف وانہ مکروہ و نوع یخلط باکل الحب مرۃ و الجیف اخری وھو غیر مکروہ عند الامام و مکروہ عندابی یوسف و فی الحاشیۃ السعدیۃ للحلبی اقول قال الزیلعی و نوع یختلط بینھما وھو یوکل عندابی حنیفۃ وھو العقق کما فی المنح وسیاتی وفی حاشیۃ شرح الوقایۃ نوع یجمع بین الحب وا لجیف وھو حلال عند ابی حنیفۃ وھو العقعق الذی یقال لہ بالفارسیۃ عکہ وفی تکملۃ البحر العلامۃ الطر طوسی فی شرح قولہ الا بقع والغراب ثلثۃ انواع الی قولہ و نوع یخلط بینھما وھوا یضاً یوکل عند الامام وھو العقعق پس ظاہر شد کہ ایں نوع کہ جامع است درمیان حب وجیفہ وآں نزد امام حلال است منحصر است در عقعق کہ او موذی نیست وآنچہ درہدایہ وشرح مسکین آوردہ مخلط مراد ازاں آں است کہ او موذی باشدوآں حرام است پس غراب کہ جامع باشد درمیان حب وجیفہ دو صنف است یکی صنف کہ او موذی نیست وآں حلال است منحصر است در عقعق وصنف دیگر او موزیست حرام است۔

در تیسیر القاری شرح صحیح البخاری می آرد فاسق بودن غراب ازانست کہ پشت مجروح دواب راو چشم شتر رامی کند انتہی بزبان سندھی مشہوراست کہ کانوکر کی گڈھ کنبی یعنی وقتیکہ غراب آواز دہد حیوانیکہ ریش داردمی لرزد در مصداق آں در دیار ماہمیں غراب معروف است چنانچہ در اوصاف ذمیمہ او ظاہر است ودر ردالمحتارمی آرد تحت قولہ ولا شئی لقتل غراب الا العقعق لان الغراب دائماً تقع علی دبر الدابۃ کمافی غایۃ البیان ازایں عبارات واضح گردید کہ ایں غراب کہ در دیارماست موذی است ریش دابہ رامی کند دوربردابہ می افتدو چشم شتر رامی کند حرام است و عقعق غیر آنست عقعق رادر سندھی متاہ گویند واللہ اعلم بالصواب المحرر فقیر عبدالحکیم صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ شکارپور

اسماء گرامی مصدقین بالا لفاظ المذکورۃ فی الاصل محمد فضل اللہ مہتمم مدرسہ اشرفیہ شکارپور۔ عبدالقادر ثانی مدرس۔ الفقیر عبدالفتاح۔ مولوی عبدالحق۔ مولوی غلام مصطفے۔ مولوی عبدالمالک۔ مولوی تاج محمد۔ مولوی مظفر دین سومرو۔ مولوی عزیزاللہ۔ الفقیر محمد عظیم۔ عبدالحی جتوئی۔ عبدالکریم چشتی۔ محمد عارف چشموی۔ امید علی جیکب آباد۔ محمد اسمٰعیل عو دوئی ثم الشکار فوری۔ انا عبد العزیز الباندوی العبد

عبد الغنی۔ حامد اللہ بلوچستانی اجمیری۔ عطاء اللہ انقلابی۔ مولوی مظہر الدین مدرسہ ہاشمیہ۔ عبد العزیز جتوئی۔
العبارات والروایات المزیدۃ۔

عالمگیری اردو صفحہ ۴۴۰ جو پرندے نجس ومردار خوار ہیں جیسے دیسی کوا اس کو طبعیت پاکیزہ پلید و خبیث جانتی ہے انتہی۔ عن هشام عن عروة عن ابيه انه سئل عن اكل الغراب فقال ومن ياكله بعد ما سماه رسول الله ﷺ فاسقا يريد به الحديث المعروف خمس فواسق يقتلن فى الحل و الحرم.

كتاب المخصص للا ندلسى يقال الغراب ابن دايه سمى بذالك لانه مولع بالو قوع على الدبر التى على دايات ظهور الابل و العقعق طائر كالغراب صاحب عجل مجلا وهو يد جن والعقعق يسرق كل شئى من الدراهم والد نا نير نهى النبى ﷺ عن كل ذى مخلب من الطير دروى نهى عن كل خطفة و نهبة و الغراب الذى ياكل الحب و الزرع حلال بالا جماع بدائع صنائع صفحه ۳۹ سالت ابا حنيفةؒ عن اكل الغراب فرخص فى غراب الزرع وكره الغداف فسئالته عن الابقع فكره ذالك. بدائع

وفى الموعد الابقع هو الذى فى صدره بياض. قال فى المحكم غراب ابقع يخالط فيه سوادو بياض وهوا خبثها رد المحتار ازعنایہ نقل کردہ نوع لا ياكل الا الجيف وهو الذى سماه المصنف الا بقع وانه مكروه الخ . حقیقت ہمیں است کہ یک نوع غراب ابقع سوائے جیف نمی خورد مراد عنایہ ہمیں نوع است مگر در حدیث از غراب ابقع ہماں مراد است کہ ہر دو خلط می کند كمافى تبيين الحقائق والمراد بالا بقع ما ياكل الجيف و يخلط كذافى الهدايه.

(الجواب) اقول وباللہ استعین۔ فاضل مجیب نے ملکی کوے کے حرام ہونے پر جو استدلال کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ فقہا نے کوے کی جو ایک یہ قسم بیان فرمائی ہے کہ وہ نجاست وغیرہ میں خلط کرتا ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) عقعق جو موذی نہیں (۲) وہ کوا جو خلط کرتا ہے اور موذی ہے ان میں سے پہلی قسم تو حلال ہے لیکن دوسری قسم حرام ہے اور چونکہ ملکی کوا دوسری قسم میں داخل ہے اس لئے وہ حرام ہوگا موذی ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل پر انہوں نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ جس جگہ فقہاء کرام یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں کوے کا قتل کرنا جائز ہے اور اس پر کوئی جزا نہیں اس کے تحت اس کوے کو ابقع اور اس قسم کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں جو نجاست اور زرع میں خلط کرنیکا عادی ہو اور اس کے بعد عقعق کو اس سے مستثنی کر لیتے ہیں [1] ان کے اس فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلط کرنے والے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو موذی ہے اس کو قتل کرنے سے جزا واجب نہیں دوسری عقعق کہ وہ بھی خلط کرتا ہے مگر چونکہ موذی نہیں اس لئے اس کے قتل پر جزا واجب نہیں۔

---

[1] اصل جواب میں شاید سہواً مصفی ہوا ہے جو غلط ہے ۱۲۔ منہ

موذی کوے کے حرام ہونے پر فاضل مجیب نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے مسوی[1] میں لکھا ہے کہ جن پانچ چیزوں کو حدیث میں عام حکم سے مستثنی کر کے یہ کہا گیا ہے کہ ان کے قتل سے کوئی حرج نہیں وہ سب کی سب حرام ہیں، ان کا کھانا ناجائز ہے اور جب فقہاء کی عبارتوں سے یہ معلوم ہو چکا کہ ان چیزوں میں وہ موذی کو ابھی داخل ہے جو خلط کرتا ہو تو مسوی کی اس عبارت سے اس کوے کا حرام ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

خلاصہ کے طور پر استدلال ان مقدمات پر موقوف ہے۔

(۱) خلط کرنے والے کی دو قسمیں ہیں موذی اور عقعق جو موذی نہیں۔

(۲) موذی کوے کو قتل کرنے سے محرم پر جزا واجب نہیں اور غیر موذی کے قتل پر جزا آتی ہے۔

(۳) مسوی کی عبارت میں ہے کہ تمام فاسق خمس جن کے قتل سے محرم پر جزا نہیں آتی وہ حرام ہیں۔

اس استدلال کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا دار۔ ارچونکہ ان مقدمات پر ہے اس لئے ہم ان میں سے ہر ایک پر بحث کریں گے۔

(پہلا مقدمہ) --- ان میں سے پہلا مقدمہ علی الاطلاق صحیح نہیں کیونکہ عقعق بھی کبھی کبھی ایذا پہنچاتا ہے۔

صاحب ہدایہ کے قول **المراد بالغراب الذی یاکل الجیف او یخلط لانه یبتدی بالا ذی اما العقعق غیر مستثنی لانه لا یسمٰی غرابا ولا یبدئ بالاذی الخ.** کے تحت علامہ اکمل الدین بابرتیؒ لکھتے ہیں **قیل فعلی هذا یکون فی قوله فی العقعق ولا یبتدئ بالا ذی لانه یقع علی دبر الدابة انظر (عنایه علی هامش الفتح جلد ۲ ص ۲٦۷)**

اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ **انه دائما یقع علی دبر الد ابه (حاشیه هدایه ج ۱ ص ۲٦۲)**

اس طرح علامہ زین الدین ابن نجیم نے بھی ہدایہ کی اس عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے کہ **فیه نظر لانه دائما یقع علی دبر الدا به کمافی غایة البیان و البحر الرائق (ص ۳٦ ج ۳)** اگرچہ علامہ شامی نے بحر کے حاشیہ پر اور ردالمحتار میں صاحب بحر کے اس اعتراض کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ **و اشار فی المعراج الی دفع مافی غایة البیان بانه لا یفعل ذلك غالبا.** لیکن اس سے بھی عقعق کے اصلا موذی نہ ہونے کا ثبوت نہیں ملتا کیونکہ صاحب معراج نے غالبًا کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کبھی کبھی ایذاء پہنچاتا ہے دوسرے یہ کہ خود علامہ شامیؒ نے آگے چل کر لکھا ہے **ثم روایته فی الظهیریة قال وفی العقعق روایتان و الظاهر انه من الصیو د قلت وبه ظهران ما فی الهدایه هو ظاهر الروایة منح علی البحر ص ۳٦ ج ۳۔** علامہ عثمانیؒ نے بھی فتح الملہم میں ظہیریہ کا قول نقل کیا ہے (ص ۲۳۱ ج ۳) جس سے معلوم ہوا کہ ایک مرجوح روایت عقعق کے بارے میں بھی یہ ہے کہ اس کے قتل سے محرم پر جزا نہیں ظاہر ہے کہ اس روایت کی بناء یہی ہے کہ عقعق موذی ہوتا ہے کیونکہ حنفیہ کے نزدیک خمس فواسق کے قتل پر جزا نہ ہونے کی علت مشترکہ ایذا ہے، جیسا کہ علامہ ابن رشد نے ہدایۃ المجتہد ص ۲۷۰ ج ۱ میں نقل فرمایا ہے۔

(۱) کمافی الهدایة وغیرها ۱۲ منه

(وسیاتی نصہ) پس ثابت ہوا کہ عقعق بھی کسی درجہ میں موذی ہے اگر آپ کے قول کی بناء پر موذی کو احرام ہے تو عقعق بھی حرام ہونا چاہئے (وذلک خلف)

بہر حال مقدمہ اولی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بعض حضرات کی رائے مختلف ہے اور جو حضرات اسے موذی نہیں کہتے وہ بھی کبھی کبھی اس کی ایذا رسانی کے قائل ہیں۔

(مقدمہ ثانیہ)---یہ مقدمہ راجح قول کی بناء پر صحیح ہے اگرچہ علامہ ابن نجیمؒ اس سلسلہ میں تمام لوگوں میں متفرد ہیں اور انہوں نے لکھا ہے کہ **واطلق فی الغراب فشمل الغراب بانواعه الثلاثة** مگر اس کو صاحب نہر، علامہ حصکفیؒ علامہ شامیؒ اور مولانا عثمانیؒ نے رد کیا ہے (شامی ص ۳۰۰ ج ۲، فتح الملہم ص ۲۳۱ ج ۳)

(تیسرا مقدمہ)--- یہ مقدمہ ہرگز صحیح نہیں اور اس کی عدم صحت مسوی کی اصل عبارت دیکھتے ہی واضح ہو جاتی ہے یہ امر بہت افسوسناک اور حیرت انگیز ہے کہ فاضل مجیب نے مسوی کی عبارت نقل کرنے میں مجرمانہ قطع وبرید سے کام لیا ہے جو علماء کی شان سے ازبس بعید اور بہت گھناؤنا اقدام ہے، ہمارے ذہن نے اس فعل کی تاویل تلاش کرنے میں بہت قلابازیاں کھائیں مگر کوئی راہ دکھائی نہ دی ذرا مسوی کی اصل عبارت پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

قال البغوی اتفق اهل العلم علی انه یجوز للمحرم قتل هذه الاعیان المذکورة فی الخبر ولا شئی علیه فی قتلها وقاس الشافعیؒ علیها کل حیوان لا یوکل لحمه فقال لا فدیة علی من قتلها فی الاحرام والحرم لان الحدیث یشتمل علی اعیان بعضها سباع وبعضها هوام وبعضها لا یدخل فی معنی السباع ولاهی من جملة الهوام وانما هو حیوان مستخبث اللحم و تحریم الاکل یجمع الکل فاعتبروه وقالت الحنفیةؒ لا جزاء بقتل ماوردفی الحدیث و قاسوا علیه الذئب وقالو افی غیر هامن الفهد و النمروالخنزیر جمیع مالا یوکل لحمه علیه الجزاء بقتلها الا ان یبتدیه شئ فیدفعه عن نفسه الخ. (مسوی مع مصفی ص ۲۹۳ ج ۱)

خط کشیدہ جملے فاضل مجیب نے نقل نہیں فرمائے جس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ (**تحریم الاکل یجمع الکل**) کا حکم حنفیہؒ نے دیا ہے حالانکہ اصل عبارت دیکھنے سے ہر کس وناکس سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ امام شافعیؒ کے قیاس کے مطابق بیان ہو رہا ہے۔

ہم ذاتیات پر حملہ کرنے کے عادی نہیں مگر اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یوں تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر وقت اپنی عاقبت کو سامنے رکھے لیکن فتوی جیسے نازک مقام پر یہ فرض زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

ایسی بزدلی کا مظاہرہ فتوی میں ایک اور جگہ بھی ہوا ہے کہ فاضل مجیب نے بحر کی عبارت کا ایک ٹکڑا (ومعنی الفسق فیهن خبثهم و کثرة الضرر فیهن) نقل فرمایا ہے اور اس سے کچھ آگے سے صاحب ہدایہ کا مذکورہ بالا قول بھی تاکہ صاحب بحر بظاہر ہمنوا معلوم ہوں حالانکہ یہ اتنی مضحکہ خیز اور افسوسناک حرکت ہے کہنا گفتہ بہ، کیونکہ خود صاحب بحر کے پورے کلام سے فاضل مجیب کے ایک مزعومہ کی تردید!

---

(۱) اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو ۱۲ رشید احمد عفی عنہ ٭ پس اگر ہر مباح القتل جانور حرام ہے تو غراب زرع کی بھی حرمت لازم آئیگی حالانکہ اس کی حرمت کا کوئی بھی قائل نہیں ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

ہورہی ہے صاحب بحر نے لکھا ہے واطلق فی الغراب فشمل الغراب بانواعه الثلاثة اور اس کے بعد صاحب ہدایہ پر بھی اعتراض کردیا ہے کہ انه دائماً یقع علی دبر السداۃ (کما مر آنفا) جس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ صاحب بحر کے نزدیک تمام اقسام غراب کا حکم ایک ہی ہے[1] اور یہ بھی کہ ان کے نزدیک عقعق بھی موذی ہے لہذا اگر ایذا ہی علت حرمت ہوتی تو عقعق بھی ان کے نزدیک حرام ہوجاتا۔ حالانکہ عقعق کی حلت پر تمام فقہاء حنفیہؒ کا اجماع ہے الا ابا یوسفؒ اس کے باوجود فاضل مجیب نے ان کو بھی اپنا ہم خیال ظاہر کرنا شروع کردیا۔ سبحان اللہ ہذا بہتان عظیم۔ نہ جانے واذ قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربی کا ارشاد کون سے لوگوں کے لئے ہے۔

بہر کیف مسوی کی جس عبارت سے فاضل مجیب نے استدلال فرمایا تھا وہ تو امام شافعیؒ کا مسلک ثابت ہوا اب ذرا اس بارے میں حنفیہ کا مسلک دیکھ لیجئے حنفیہؒ کے نزدیک ان پانچ فواسق کو قتل کرنے کی علت ابتداءً بالاذی ہے، اکل نجاست یا خلط نہیں ہے اور نہ حلت و حرمت سے اس کا کوئی تعلق ہے جیسا کہ خود مسوی کی مذکورہ عبارت کے آخری جملوں سے مستفاد ہوتا ہے۔ وقالوا فی غیرها من الفهد والنمر والخنزیر و جمیع مالا یوکل لحمه علیه الجزاء بقتلها الا ان یبتدئیه شئ فیدفعه عن نفسه فیقتله فلا شئی علیه، یعنی اگر کوئی جانور ابتداءبالاذی کرے اور دفاع میں اسے قتل کردے تو کوئی جزاواجب نہیں معلوم ہوا کہ ابتداءبالاذی علت ہے اور علامہ ابن رشدؒ نے بھی حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک یہی نقل فرمایا ہے۔

وقال و المسئلة الثالثة، وهی اختلافهم فی الحیوان المامور بقتلة فی الحرام وهی الخمس المنصوص علیها، الغراب والحداۃ والغارۃ والعقرب والکلب العقور فان قوما فهموا من الامر لها مع النهی عن قتل البهائم المباحة الاکل ان العلة فی ذلك هو کونها محرمة وهو مذهب الشافعیؒ وقوماً فهموا من ذلك معنی التعدی لا معنی التحریم وهو مذهب مالك و ابی حنیفةؒ و جمهور اصحابهما (هدایة المجتهد ص ۲۷۰ ج ۱)

اس عبارت میں وضاحت کے ساتھ حنفیہؒ کا یہ مذہب تحریر کیا گیا ہے کہ حدیث میں مباح القتل فرمانے کی علت ابتداءبالاذی ہے اور اس حدیث سے کسی خاص شے کی حرمت پر دلیل قائم نہیں کی جاسکتی اس کے علاوہ تمام فقہاء کی عبارتوں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی خاص جانور کو قتل کرنے سے جزاواجب ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ابتداءً بالاذیٰ کو مدار ٹھہراتے ہیں کمافی الہدایۃ والبحر والعنایۃ وغیرھا۔

(۱) غالباً مستدل کو بھی اس سے انکار نہیں بلکہ وہ ہر موذی یا بالفاظ دیگر ہر مباح القتل کی حرمت کا مدعی ہے مستدل کی دلیل بصورت شکل اول یہ ہوگی۔ ہر مباح القتل موذی ہے اور ہر موذی حرام ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ ہر مباح القتل حرام ہے پس اس دلیل کا کبری مسلم نہیں۔ اولا اس لئے کہ فقہاء نے حرمت کے اصول میں ایذا کو ذکر نہیں کیا (یاتی ذکر اصول حرمت الطیور. ثانیا اسلئے کہ ملکی کوے کی حلت پر فقہاء کی عبارت صریح آگے آرہی ہیں۔ ثالثا اس لئے کہ صاحب نہر اور ابن عابدین وغیرھما نے صاحب بحر کے قول (۱) لاباحت قتل الغراب بانواع الثلاثۃ پر رد کرتے وقت یہ وجہ پیش نہیں کی بصورت تعمیم غراب ورع اور عقعق کی حرمت لازم آئیگی بلکہ ان کے غیر موذی ہونے سے استدلال کیا ہے ۱۲ ارشید احمد عفی عنہ

جب یہ ثابت ہو گیا تو ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ کوے کے حلال یا حرام ہونیکا مسئلہ ہمیں کتاب الحج میں نہیں ڈھونڈنا چاہئے بلکہ اس کا صحیح مقام کتاب الذبائح کی وہ جگہ ہے جہاں فقہاء غراب کی انواع واقسام پر بحث کرتے ہیں یہی بنیادی غلطی ہے کہ ایک مسئلہ کو اس کے صحیح مقام سے ہٹا کر دوسری غیر متعلق جگہ پر تلاش کیا جارہا ہے حالانکہ کتاب الذبائح میں فقہاء کی عبارات واضح ہیں اور ان سے ملکی کوے کی حلت ثابت ہوتی ہے۔

---

(۱) ملک العلماء کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں (والغراب الذی یاکل الحب والزرع) والعقعق ونحوها حلال بالا جماع (بدائع ص ۳۹ ج ۵)

(۲) شمس الائمہ سرخسی تحریر فرماتے ہیں۔ خمس فواسق لقتلن فی الحرم والمراد به مایاکل الجیف واما الغراب الزرعی الذی یلتقط الحب فهو طیب مباح لانه غیر مستخبث طبعا وقد یالف الآدمی کالحمام فهو والعقعق سواء ولا باس یاکل العقعق وان کان الغراب بحیث یخلط فیاکل الجیف تارة والحب تارة فقد روی عن ابی یوسفؒ انه یکره و عن ابی حنیفةؒ انه لاباس بنالکله وهو الصحیح علی قیاس الدجاجة وانه لا باس باکلها وقد اکلها رسول اللهﷺ وهی قد تخلط ایضاً وهذ ا لان ما یاکل الجیف فلحمه ینبت من الحرام فیکون خبیثا عادة وهذا لا یوجد فیما یخلط (مبسوط سرخسی ص ۲۲۶ ك ۱۱)

(۳) عالمگیریہ میں فتاوی قاضی خانؒ سے نقل کیا ہے وعن ابی یوسفؒ قال سئلت ابا حنیفةؒ عن العقعق فقال لاباس به فقلت انه یاکل النجاسات فقال انه یخلط النجاسة بشئی اخر ثم یاکل فکان الاصل عنده ان ما یخلط کالدجاج لاباس (عالمگیریه کتاب الذبائح ص ۳۲۱ ج ۵)

خط کشیدہ جملوں پر خصوصیت کے ساتھ غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر خلط کرنیوالا کوا حلال ہے رہا یہ اعتراض کہ فقہاء رحمہم اللہ نے خلط کرنے والے کوے کے بارے میں جو حکم دیا ہے وہ حلال ہے اس کو پھر عقعق کے ساتھ محصور کر دیا ہے سو اس کی بناء صحیح نہیں کیونکہ اس کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ فقہا خلط کرنیوالے کوے کی نوع بتا کر آگے فرمادیتے ہیں (وھوالعقعق) اور یہ دلیل چند وجوہ باطل ہے۔

(۱) وھوالعقعق کے الفاظ حصر کے ہرگز نہیں، اگر محصور کرنا مقصد ہوتا تو بصراحت کہا جاتا کہ هذا لنوع محصور فی العقعق کیونکہ حلت وحرمت کا اہم مسئلہ ہے یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء نے ایسا نہیں کیا کہ آخر میں عقعق کی تصریح کر دی ہو جیسے کہ عنایہ، مبسوط اور بدائع وغیرہ میں معلوم ہوا کہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔

(۲) اس کے برخلاف مبسوط، بدائع اور عالمگیریہ کی عبارات عقعق اور غیر عقعق میں تفصیل [1] نہ ہونے پر واضح ہیں صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر خلط کرنے والا کوا حلال ہے خواہ عقعق ہو یا نہ ہو۔

---

[1] یعنی خلط کرنے والے کوے کو عقعق سے جداگانہ مستقل طور پر ذکر کرنا صریح دلیل ہے کہ حلت کا حکم عقعق کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عقعق کے علاوہ دوسرا کوا بھی جو خلط کرتا ہے حلال ہے ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

(۳) دراصل عقعق کے کوا ہونے میں اختلاف ہے بعض لوگ اسے غراب میں داخل مانتے ہیں اور بعض نہیں، جیسالویس معلوف یسوعی نے اپنی لغت کی مشہور کتاب میں لکھا ہے۔

العقعق طائر علی شکل الغراب او هو الغراب (منجد ص ٥٤٤) چنانچہ صاحب ہدایہ کے نزدیک عقعق غراب نہیں، جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے اما العقعق غیر مستثنی لانه لا یسمی غراباً (ھدایه مجتبائی ص ۲٦۲ ج ۱)

اور دوسرے بعض فقہا کی عبارات سے اس کا غراب ہونا معلوم ہوتا ہے تواب جن لوگوں نے عقعق کو غراب میں داخل نہیں ماناوہ حضرات غراب کی انواع بیان کر کے گزر جاتے ہیں اور وھوالعقعق نہیں کہتے بلکہ یا تو سرے سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے یا وکذاالعقعق وغیرہ کہتے ہیں اور جنہوں نے عقعق کو غراب میں شامل کیا ان حضرات نے خلط کرنیوالے کوے کا نام ہی عقعق رکھ دیا اس لئے اس سلسلہ میں فقہا کی عبارتوں میں کچھ تفاوت نظر آتا ہے۔

بہر کیف معلوم ہو گیا کہ وھوالعقعق کہنے سے خلط کرنے والی نوع کا حصر عقعق میں نہیں کیا گیا۔

العبارات المزیدہ کا جواب فتویٰ کے آخر میں جو عبارات مزیدہ پیش کی گئی ہیں ان میں سے کتاب المخص للاندلسی سے جو عبارت نقل کی گئی ہے وہ مندرجہ بالا بحث کے بعد قابل اعتنا نہیں رہتی کمالا یخفی، البتہ چند روایات نقل کرنے کے بعد فاضل مجیب نے جو تحقیق فرمائی ہے وہ بڑی عجیب ہے کہ ابقع کی بھی دو قسمیں ہیں ایک خلط کرنیوالا اور ایک صرف نجاست کھانے والا کیونکہ تبیین الحقائق میں ہے والمراد بالا بقع الذی یاکل الجیف و یخلط کذافی الهدایة اور پھر وہی دلیل پیش کی کہ ابقع حرام ہے چونکہ حدیث میں غراب سے مراد ابقع ہے اور عروہؒ فرماتے ہیں ومن یاکله بعد ما سماه رسول اللهﷺ فاسقا.

اس کا جواب یہ ہے کہ (ابقع لغۃً) اس کوے کو کہا جاتا ہے کہ جس میں سیاہی اور سفیدی دونوں موجود ہوں لہذا اس کا اطلاق کووں کی تینوں قسموں[۱] پر ہو جاتا ہے صرف دانہ کھانے والے کوے کو بھی ابقع کہہ سکتے ہیں خلط کرنے والے کو بھی اور صرف نجاست کھانے والے کو بھی چنانچہ علامہ شامی غراب الزرع کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں قال القهستانیؒ وارید به غراب لم یاکل الاالحب سواء کان ابقع اواسود او زاغاً و تملمه فی الذخیرة (شامی ص ۲٦۸ ج ٥) دوسرے یہ کہ اگر واقعۃً ایسا ہوتا تو فقہا اس کو بصراحت تامہ تحریر فرماتے کیونکہ معاملہ اہم ہے۔ خصوصیت سے کتاب الذبائح میں تو پوری تفصیل سے مذکور ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ فقہاءؒ ابقع کو عام طور سے صرف نجاست کھانے والے میں خاص[۲] کرتے ہیں مثال کے طور پر، عالمگیریہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔هو الغراب الابقع وهو ما یاکل الجیف –

---

[۱] قال فی العنایة واما الغراب الاسود والابقع فهو انواع ثلاثة نوع یلتقط الحب ولایأکل الجیف الخ (عنایة مع الفتح ص ٦۲ ج ۸ ۱۲ رشیداحمد عفی عنه)

[۲] خود مستدل نے شامیہ سے نقل کیا ہے نوع لایاکل الا الجیف وهوالذی سماه المصنف الابقع وانه مکروه وایضاً فیها الغداف وهو المعرو ف عند اهل اللغة بالابقع الخ (ص ۲۳۷ ج ۲ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مباح القتل ملکی کوے کو شامل نہیں مگر جب اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ مباح القتل ہے، ام حیس تو اس کے جواب کی ضرورت نہیں رہتی ۱۲ رشید احمد عفی عنہ

عالمگیریه صفحه ۲٦۸ ج ۱)

رہا حضرت عروہؓ کا قول تو اس سلسلہ میں ہم صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ شمس الائمہ سرخسی نے جو کچھ کوے کے بارے میں لکھا ہے وہ یہ حدیث [۱] نقل کرنے کے بعد لکھا ہے، ان کی پوری عبارت اس طرح ہے۔ **(وعن) هشام بن عروةؓ عن ابيهؓ انه سئل عن اكل الغراب فقال ومن ياكله بعد سماه رسول اللهﷺ فاسقا يريد به الحديث المعروف خمس يقتلن فى الحرام، والمراد به ما ياكل الجيف اما الغراب الزرعى الذى يلتقط الحب الخ (مبسوط سرخسى ص ۲۲٦ ج ۱۱)**

اس لئے اب اس میں کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی البتہ عالمگیریہ اردو کی جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ زیر بحث مسئلہ میں صریح ہو سکتی تھی مگر افسوس کہ عالمگیر اردو ہمارے پاس نہیں اور عربی کی اصل عالمگیری میں تتبع کے باوجود اس مطلب کی کوئی عبارت نہیں ملی بلکہ اس کے خلاف ایک صراحت ملی جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے جب تک اصل عبارت ہمیں نہ ملے اس وقت تک ہم کوئی فیصلہ قطعی اس عبارت کے بارے میں نہیں کر سکتے۔ **لاسيما اذاجر بناما جربنا.**

اور اگر یہ عبارت بالفرض صحیح بھی ہو تو جتنی صراحتیں ہم نے پیش کی ہیں اس کے بعد اس کی کوئی معتدبہ حیثیت نہیں رہتی جب کہ اس کے خلاف خود عالمگیریہ ہی میں اس قدر صریح نص موجود ہے۔

خلاصہ کلام

یہ ہے کہ فاضل مستدل نے تمام استدلال کی بنیاد کتاب الحج کی عبارات کو بنایا ہے حالانکہ یہ بنیادی غلطی ہے کیونکہ حرم یا حالت احرام میں قتل کی اباحت کی علت ایذا ہے [۲] **(كما صرح به ابن رشد ويستفاد من، سائر كتب الفقه)** حرمت یا اکل نجاست وخلط نہیں، بخلاف کوے کی حرمت وحلت کہ وہاں علت صرف نجاست کھانا یا خلط کرنا ہے **(كما صرح به فى الهندية والمبسوط)** اس لئے ایک کا جوڑ دوسرے سے ملا کر کوئی حکم لگا دینا کسی طرح سے صحیح نہیں ہو سکتا۔

بلکہ کوے کی حلت وحرمت کا فیصلہ معلوم کرنے کے لئے کتاب الذبائح میں وہ جگہ دیکھنی چاہئے جہاں فقہاء نے اس مسئلہ کا ذکر کر کے مختلف انواع غراب اور ان کے احکام ذکر فرمائے ہیں اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر خلط کرنے والا کوا حلال ہے خواہ وہ موذی ہو یا نہ ہو اور یہی فیصلہ ہمارے اکابر مثلاً حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

(۱) ابن رشد نے بھی ہدایۃ المجتہد میں اسی حدیث کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابو حنیفہؒ وامام مالکؒ سے حلت کا قول نقل کیا ہے کما مر نصہ حضرت عروہؓ کا فسق سے حرمت پر استدلال مسلم نہیں۔ **قال النووىؒ تسمية هذه الخمس فواسق تسمية صحيحة جارية على وفق اللغة فان الاصل الفسق لغة الخروج فسقت الرطبة اذا خرجت من قشرها فوصفت بذلك لخروجها عن حكم غيرهامن الحيوان فى تحريم قتله او حل اكله او خروجها بالايذا والفساد (نيل الاوطار ص ۲۳ ج ۵)**

وفى الفتح الملهم واما المعنى فى وصف الدواب المذكورة بالفسق فقيل لخروجها عن حكم غيرها من الحيوان فى تحريم قتله وقيل فى حل اكله وقيل لخروجها عن حكم غيرها بالايذاء والافساد وعدم الانتفاع (الى ان قال وهو يرجع القول الاخير والله اعلم. كذا فى الفتح الملهم ص ۲۳۰ ج۳ ۱۲ رشيد احمد عفى عنه (۲) اور ایذا علت حرمت نہیں۔ کما ثبت ۱۲ رشید احمد

هذاما بدالی بعد تحقیق و فوق کل ذی علم علیم

احقر محمد تقی عثمانی غفر اللہ لہ، ۱۴ ربیع الاول ۸۰ ہجری دار العلوم کراچی نمبر ۳۰

حامداً و مصلیا، اما بعد ، قال فی العنایة واما الغراب الاسود والابقع فهو انواع ثلاثة نوع یلتقط الحب ولایا کل الجیف ولیس بمکروه ونوع منه لایا کل الاالجیف وهو الذی سماه المصنف الابقع الذی یاکل الجیف وانه مکروه نوع یخلط یاکل الحب مرة والجیف اخرٰی ولم یذکره فی الکتاب وهو غیر مکروه عند ابی حنیفةؒ مکروه عند ابی یوسفؒ (العنایة علٰی هامش الفتح ص ٦٢ ج ٥)

نوع منه لا یاکل الاالجیف، اور اس کی تفسیر وهو الذی سماه الخ، سے ثابت ہوا کہ صرف وہ ابقع حرام ہے جو محض نجاست کھاتا ہو نیز ونوع یخلط (الٰی قوله) ولم یذکره فی الکتاب سے معلوم ہوا کہ ہر خلط کرنے والا کو احلال ہے، اس میں عقعق کی کوئی تخصیص نہیں، یہ عبارت نہ صرف یہ کہ عقعق کی تخصیص سے ساکت ہے بلکہ عدم تخصیص پر ناطق ہے اس لئے کہ عقعق کا ذکر تو ہدایہ میں اس موقع پر موجود ہے پس ولم یذکرہ فی الکتاب نص صریح ہے کہ نوع یخلط سے مراد عقعق نہیں مبسوط اور بدائع کی عبارت سے بھی یہ ثابت کیا جا چکا ہے - مخدوم عبد الواحد سیوستانیؒ نے بھی غراب اہلی کی حلت کی تصریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ماحکم خرء الغراب الذی یطیرفی الامصار والقری و یخلط بین التقاط الحب و العذرات و ماحکم سوره؟

الجواب- الظاهران الغراب الابقع الذی فیه سواد و بیاض وهو مکروه عند الصاحبین وغیر مکروه عند الامام لمافی السراجیة والابقع الاسواد[1] ان کان یخلط فیاکل الجیف ویاکل الحب قال ابوحنیفه لا یکره وقال صاحباه یکره انتهی ، فیکون ماکول اللحم (الی ان قال) وان لم یکن لخرئه رائحة کریهة یکون طاهر الکون خرئه خرء ماکول اللحم من الطیور التی ترزق فی الهواء الخ (فتاوٰی واحدیه صفحه ٤٩)

عبارات بالا کے علاوہ نص ذیل میں بھی اس کی تصریح ہے کہ حلت و حرمت کا مدار خوراک پر ہے۔

(١) واصل ذالك ان یاکل الجیف فلحمه نبت من الحرام فیکون خبیثا عادة وما یاکل الحب لم یوجد ذالك فیه وما خلط کالدجاج والعقعق فلا باس باکله عند ابی حنیفةؒ وهوالاصح لان النبیﷺ اکل الدجاجة وهی مما یخلط العنایته مع الفتح ص ٦٢ ج ٨.

(٢) فکان الاصل عنده ان ما یخلط کالدجاج لاباس (عالمگیریه ص ٣٢١ ج ٥)

آخر میں امام ابو حنیفہؒ عصر، فقیہ النفس حضرت گنگوہیؒ کا فیصلہ بھی تذکرۃ الرشید سے نقل کیا جاتا ہے ونصہ جب

[1] لعل الصحیح والاسود بحرف العطف ١٢ منه

فیصلہ خود کتب فقہ میں مذکور ہے کہ مدار اس کی خوراک پر ہے پس یہ کوا جو ان بستیوں میں پایا جاتا ہے اگر یہ عقعق نہ ہو تو بھی اس کی حلت میں شبہ نہیں ہے اس لئے کہ جب وہ بھی خلط کرتا ہے اور نجاست و غلہ و دانہ سب کچھ کھاتا ہے تو اس کی حلت بھی مثل عقعق کے معلوم ہو گئی خواہ اس کو عقعق کہا جاوے یا نہ کہا جاوے۔ فقط واللہ اعلم رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

عبارت مذکورہ کے حاشیہ پر ہے جب مخالفین کا اس مسئلہ پر غوغا زیادہ ہوا تو ستر سے زائد علماء کی مواہیر سے ایک رسالہ بنام فصل الخطاب شائع کیا نیز ایک حاجی نے علماء حرمین سے اس کی حلت کا فتوی لیا، وهو هذه الحمدلله وحده، رب زدني علما الغراب المذكور حلال من غير كراهة عند ابي حنيفة وهو الاصح وهو المسمى بالعقعق بتصريح فقهائنا رحمهم الله واصاب من افتى بحله وجواز كله وكيف يلام الحنفى على اكل ماهو حلال عندامامه من غير كراهة والاصل فى حل الغراب وحرمة الغذاء كونه ذامخلب لابصورة ولونه كما يدل عليه تصريحات فقهائنا فى غالب معتبرات المذهب كمافي البحر الرائق والدرالمختار والعناية وغير هاوفيما نصه جامع الرموز اشعار بانه لواكل كل من الثلاثة الجيف والحب جميعا حل ولم يكره وقالا يكره الاول اصح فثبت مما صرح به علمائنا ان الغراب بانواع سواء كان عقعقا او غيره اذا كان يجمع بين جيف و حب يجوزا كله عند امامنا الاعظم والله اعلم، قال بفمه وامر برقمه عبدالله بن عباس بن صديق مفتى مكة المشرفة اسی مضمون کا علماء مدینہ منورہ کا بھی فتوی موجود ہے (تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۱۷۸) اس تحریر کے بعد مسئلہ ایسا واضح ہو گیا کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہی فبای حدیث بعدہ یومنون۔ فقط واللہ الہادی الی سبل الرشاد۔ رشید احمد عفی عنہ از :-دار العلوم کراچی نمبر ۳۰ ۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۰ھ

للہ در المجیب الاول وارشد الرشید الثانی حیث اوضحوا الحق والصواب
بحیث لایبقی منہ ریب مرتاب
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم کراچی نمبر ۳۰ ۳-۲-۲۱

بندوق کا شکار بدون ذبح حلال نہیں

(سوال ۸٤٤) مدت سے اس علاقہ میں بندوق کے شکار کے متعلق علماء وقت کے درمیان اختلاف پڑا ہوا ہے مگر آج کل یہ اختلاف بہت زور پکڑ گیا ہے مسئلہ یہ ہے کہ شکاری تکبیر کہہ کر چھرہ دار کارتوس بندوق میں استعمال کرتا ہے اس سے اگر جانور زخمی ہوا اور خون بہت سا نکل آئے جس پر جرح کا حکم یقینی طور پر صادر ہو سکتا ہو اگر شکاری کے پہنچنے کے قبل یہ جانور مر جائے اور ذبح تک نوبت نہ پہنچ سکے تو یہ شکار حلال ہے یا حرام۔ بعض علماء اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض حلال اس لئے آپ کی خدمت میں التماس ہے جواب سے مطلع فرمائیں۔؟

(الجواب) بندوق کا شکار اگر ذبح کرنے سے پہلے مر جاوے تو وہ حرام ہو جاتا ہے کھانا اس کا حلال نہیں- در مختار میں ہے او بندوقة ثقلة ذات حدة لقتلها بالثقل لا بالحد الخ اور شامی میں ہے۔-قال قاضی خان لا یحل صیدالبندوقة والحجر والمعراض والعصاء وما اشبه ذلك وان جرح لانه لایخرق الی ان قال فاما الجرح الذی یدق فی الباطن ولا یخزق فی الظاهر لا یحل لانه لا یحصل به انهار الدم الخ والاصل ان الموت اذا حصل بالجرح بیقین حل وان بالثقل اوشك فیه ولا یحل حتماً او احتیاطاً اه ولا یخفی ان الجرح بالرصاص انما هر بالا خراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم- والله تعالٰی اعلم کتبه مسعود احمد عفا الله عنه

الجواب صحیح-احقر محمد شفیع غفرلہ

ایضاً --- (سوال ٨٤٥) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شکار کے اصول پر بارود ی بندوق پر تکبیر پڑھ کر بندوق چلائی جائے اور جانور پر قابو پانے سے بیشتر جانور مر جائے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے یا حرام اس کے متعلق دو متضاد اقوال ہیں ان میں سے کس کو ترجیح دیا جائے دلائل وحوالہ کتب ارقام فرمائیں۔ علامہ شامیؒ اس حرمت کے قائل ہیں چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں۔
ولا یحفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالا حراق و الثقل بواسطة اندفاعه الغیب اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم اه (شامی ص ٣٣٥ ج ٥) اور علامہ شوکانیؒ حلت کے قائل ہیں۔ قال الشوکافی واما البنادق المعروفة الان وهی بنادق الحدید اللتی یحصل فیها البارود والرصاص ویرمی بها فلم یتکلم علیها اهل العلم لتاخر حدوثها الی قوله وقد سالنی جماعة من اهل العلم عن الصیدبها اذا مات ولم یتمکن الصائد من تزکیته حیاً والذی یظهر لی انه حلال لانها تخرق و تدخل فی الغالب من جانب منه وتخرج من الجانب الآخر وفی الحدیث الصحیح فی الصحیحین اذا رمیت بالمعراض فخرقة فکله فاعتبر الخرق فی تحلیل الصید اه (حاشیه تفسیر جامع البیان ص ٩٣) نیز اگر ترجیح حرمت کو ہے اور کوئی مسلمان اس کے کھانے پر اصرار کرے تو اس کے ساتھ کھانا درست ہے یا نہیں اور ایسا شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہو گیا نہیں ؟ بینوا توجروا

(الجواب) بندوق کے شکار کے متعلق ہمارے نزدیک علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم وغیرہم کی تحقیق صحیح ہے کہ یہ شکار بدون ذبح کے حلال نہیں اور علامہ شوکانیؒ نے جو استدلال حدیث سے کیا ہے وہ دو وجہ سے مخدوش ہے اول حدیث کے الفاظ وہ نہیں جو استفتاء میں بحوالہ فتح شوکانی سے نقل کئے یعنی خرق بالراء المہملہ بلکہ صحیح لفظ خزق بالخاء المعجمہ والزاء المعجمہ ہے جس کے معنی مجمع البحار میں کسی دھار دار چیز سے زخم کرنے کے نقل کئے ہیں. ولفظه ولا تاکل من صید المعراض الا ان یخزق الی قوله ای قتله بحده فجرحه زکوة وهو معنی الخزق بمعجمة وزاء وان قتل بعد امنه فهو وقیذ انتهی.
دوسرے خود اس حدیث کے آخر میں ایک جملہ موجود ہے جس کو شوکانی نے نقل نہیں کیا اس جملہ سے

صاف ظاہر ہے کہ معراض اگر اپنے عرض کی جانب سے لگ کر شکار کو قتل کردے تووہ موقوذہ کے حکم میں ہے حلال نہیں یہ جملہ حدیث مجمع البحار میں لفظ وخذ کے تحت ذکر کیا ہے **لفظه و منه مااصاب بعرض فهو وقيذ۔**

الغرض معراض کا شکار بھی مطلقاً حلال نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ نوک کی طرف سے لگ کر شکار کو گرائے اور اگر عرض کی طرف سے لگ کر قتل کردے تو حسب تصریح حدیث وہ وقیذیا موقوذہ ہے جس کی حرمت قرآن میں منصوص ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع کراچی شعبان ۶۸ ہجری (اضافہ)

شکار کھیلنا اور اس کا پیشہ بنانا کیسا ہے!

(سوال ۸۴۶) قرآن وحدیث سے شکار کا مباح ہونا ثابت ہے یا نہیں ؟(۲) کہ کہنا کہ صرف تین دن فاقہ کے بعد شکار جائز ہے گناہ صغیر ہے یا نہیں۔ ؟(۳) حلال جانور کا شکار کر کے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) شکار کھیلنا مباح ہے بشرطیکہ اس سے لہوولعب نہ ہو در مختار میں ہے **هو مباح الخ – الا لمحرم فی غیر الحرام و للتلهی کماهو ظاهر الخ** (۲) یہ قول غلط ہے اور قائل گناہ گار ہے۔ (۳) جائز ہے **کما قال فی الدر المختار فالتحقیق عندی اباحة اتخاذه حرفة لانه نوع من الاکتساب و کل انواع الکسب فی الاباحة سواء علی المذهب الصحیح کما فی البزازیة وغیره الخ – والله تعالی اعلم**

عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے

(سوال ۸۴۷) ایک شخص نے اپنی موجودگی میں اپنی زوجہ سے جو پابند صوم وصلوٰۃ تھی ایک مرغ ذبح کرواکر کھایا اور دوسروں کو بھی کھلایا چنانچہ لوگ شورش برپا کر رہے ہیں کہ اس نے حرام کھلایا ہے ؟

(الجواب) عورت کا ذبیحہ بلاشبہ درست ہے جو لوگ اس کو حرام کہتے ہیں وہ گناہ گار ہیں **لمافی الدر المختار ولو الذابح مجنوناً او مراء ة و صبیاً یحل وقال تعالی لم تحرم مااحل الله لك الاية** البتہ چونکہ عورتیں اس کام کو کم جانتی ہیں اور بوجہ ضعف قلب کے یہ بھی احتمال ہے کہ ہاتھ نہ چلے اس لئے بلاضرورت آج کل ان کے سپرد کرنا ذبیحہ کا مناسب نہیں لیکن حلال ہونے میں پھر شبہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم یکم صفر المظفر ۱۳۵۱ھ

کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ والختان
(قربانی، عقیقہ اور ختنہ کا بیان)

چند آدمی مل کر مشترک رقم سے میت کی طرف سے قربانی نہیں کر سکتے

(سوال ۸٤۸) (۱) زید، عمرو خالد تینوں بھائیوں نے چار چار روپیہ کر کے دیا اور مجموعہ بارہ روپیہ سے ایک بکری خریدی اور اس مشترکہ بکری کو اپنے والد مرحوم کی جانب سے قربانی کی تو یہ قربانی شرعاً صحیح ہوئی یا نہیں۔

(۲) اور اگر کسی صاحب نصاب نے اپنی مملوک بکری اپنے والد مرحوم کی جانب سے قربانی کی تو ایسی قربانی سے اس کی واجبہ قربانی ادا ہو جائیگی یا دوسری قربانی کی ضرورت ہو گی۔

(۳) قربانی کی نذر مانی ہوئی بکری کا گوشت حسب ذیل لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں۔ منذور لہٗ ناذر کے اصول و فروع۔ منذور لہ کے اصول و فروع۔ از روئے مہربانی بحوالہ کتب تحریر فرمائیں؟

(الجواب) (۱) اس صورت میں قربانی صحیح نہیں ہوئی۔ صحت کی صورت یہ تھی کہ دو بھائی اپنا اپنا حصہ تیسرے بھائی کو ہبہ کر کے اس کی ملک بنا دیتے اور وہ تیسرا صرف اپنی طرف سے قربانی کر کے ایصال ثواب کر تا۔ (۲) اگر قربانی واجب کی نیت کی ہے تو واجب ادا ہو جائے گی اور نیت یہ نہیں کی تو قربانی واجب اس کے ذمہ لازم رہی۔ (۳) منذور لہ سے کیا مراد ہے واضح کریں۔ واللہ اعلم، کراچی ۱۰ ربیع الاول ۷۰ ہجری

(اضافہ)

قربانی میں زندوں اور مردوں کی شرکت کا حکم

(سوال ۸٤۹) ایک گائے سات آدمیوں نے مل کر قربانی کی بعض نے اپنی طرف سے وجوباً اور بعض نے بغیر وصیت اموات کی طرف سے قربانی کی اور سب کا مقصود تقرب الی اللہ ہو اس صورت میں شرکت فی الاضحیہ زندہ لوگوں کی اموات کے ساتھ درست ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) اس صورت میں وہ زندہ خود ہی اس قربانی کا شریک ہو گا پھر اس کو اختیار ہے کہ اس کا ثواب کسی کو بخش دے یہ خیال غلط ہے کہ مردہ اس قربانی کا شریک ہے کیونکہ مردہ کو شریک قربانی کرنا بغیر اس کی وصیت کے ممکن ہی نہیں، بہر حال اس قربانی کے شرکاء سب زندہ ہی ہیں اور اگرچہ جہات تطوع مختلف ہیں لیکن چونکہ سب کی نیت تقرب الی اللہ ہے اس لئے یہ قربانی جائز ہے۔

لمافی العالمگیریة ولو ارادو القربة فی الاضحیة او غیرها من القرب اجزاهم سواءً کانت القربة واجبةً او تطوعاً او وجب علی البعض و سواء اتفقت جهات القربة اوا ختلفت الخ. عالمگیری مطبوعہ ھند صفحہ ۱۷٦ جلد ٤، البتہ اولیٰ وافضل یہ ہے کہ جہت قربت بھی سب شرکاء کی متحد ہو۔ کما صرح به الشامی

میت کی طرف سے بغیر اس کی وصیت کے قربانی کی جائے تو ثواب میت کو ملتا ہے مگر مالک اس کا خود ذابح ہوتا ہے میت نہیں اس لئے اغنیاء کو اس کا کھانا جائز ہے

(سوال ۸۵۰) میت کی طرف سے بلا امر قربانی کی جائے تو میت کو محض ثواب ملتا ہے اور ملک ذابح کا رہتا ہے کمافی الخلاصہ سئل نضیر عن رجل ضحی عن المیت قال الاجرله والملك لهذا وقال محمد بن سلمة مثل ذلك وقال محمد بن مقاتل مثل ذالك وابو المطیع بمثله (خلاصه ص ۳۲۲ ج ۲)

اور قاضی خان میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ ولو ضحی عن میت من قال نفسه بغیر امر المیت جازوله ان یتناول منه ولا یلزمه ان یتصدق لا نهالم تصر ملکاً للمیت بل الذابح اضحیه سقطت عنه (ص ۳۳۳ ج ٤)

قاضی خان کی عبارت تو بالکل تصریح کر رہی ہے کہ ملک ذابح کا ہے بنابریں اگر ایک بکری یا بکرا دو تین آدمی مل کر اپنے استاد یا نبی کریم ﷺ کی طرف سے بلاامر قربانی کریں تو صحیح نہ ہونا چاہئے کیونکہ ایک بکری میں دو تین آدمی کی شرکت جائز نہیں لیکن یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ عامہ متون وشروح میں مذکور ہے۔ واذا شتری سبعة بقرة لیضحوا بها فمات احدهم قبل النحر وقالت الورثة اذ بحوها عنه وعنکم اجزاهم. تقریر اشکال یہ ہے کہ احدی الشرکاء مرتا ہے اس کے ورثہ اس حصہ کے مالک ہوگئے اور میت کچھ وصیت یا امر نہیں کر گیا ورثہ کی اجازت اس پر دال ہے کہ ملک ہے اور ان کے متعدد ہونے کی صورت میں یہ قربانی صحیح نہیں ہونی چاہئے لیکن تمام متون وشروح میں اس کو جائز اور صحیح لکھتے ہیں براہ کرم اس اشکال کا حل فرمادیں۔

ورثہ کی ضرورت کیوں ہے نیز صاحب ہدایہ کی تعلیل۔ لاتحاد المقصود وهو القربة وقد وجد هذا الشرط فی الوجه الاول لان التضحیة عن الغیر عرفت قربة اه — سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے کما دل علیه قوله ولو مات واحدمنهم فذبحها الباقون — بغیر اذن الورثه لا یجز یهم لانه لم یقع بعضها قربة وفیما تقدم وجدالاذن حق الورثة فکان قربة اه (هدایه ۴۳۳ ج ٤) فقط

(الجواب) اشکال آپ کا بے شک قابل توجہ ہے اس کے حل کے متعلق کوئی تصریح تو ملی نہیں لیکن خود غور کرنے سے جوبات سمجھ میں آئی ہے وہ عرض کر دیتا ہوں دوسرے علماء سے بھی تحقیق کرلی جائے قربانی کے جانور کا کوئی حصہ خریدنے کے بعد خریدنے والا مر گیا تو یہ ایک بین بین صورت ہے نہ تو ملک میت ہے اور نہ ہنوز ملک ورثہ اس میں مکمل ہے بلکہ ایک شئ موقوف کی طرح ہے کہ اگر ورثہ اجازت دیدیں تو منجانب میت قربانی ہو جائے گی اور اجازت نہ دیں تو وہ اس کی قیمت شرکاء سے لے کر ترکہ میں شامل کر کے تقسیم کر سکتے ہیں اس کی ایک نظیر وصیت للوارث یا وصیت بازید من الثلث ہے کہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے کہ میت کا تصرف اگر اس میں پوری طور پر نافذ ہوتا تو اجازت ورثہ کی ضرورت کیا تھی اور اگر ورثہ کی ملک تام ہوتی تو

پھر الاباذن الورثۃ کا استثنا بظاہر مناسب نہیں تھا بلکہ یہ ہوتا کہ ورثہ اس کے مالک ہیں وہ چاہیں کریں اگر دیں تو وہ ہبہ مبتدءۃ ہوگا نہ دیں گو ان کو اختیار ہے الغرض حدیث میں اس کو بعنوان استثناء تعبیر کرنے سے ظاہر یہ ہے کہ ورثہ کی اجازت اس جگہ بالکل ہبہ مستقلہ نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حصہ اضحیہ اگرچہ اجازت ورثہ پر موقوف ہے وہ اجازت نہ دیں تو ترکہ میں شامل ہو جائے گا لیکن جب وہ اجازت دیدیں تو یہ تصرف میت ہی کا نافذ ہوگا اور یہ عمل اسی کی طرف منسوب ہوگا مثل وصیت زائد علی الثلث کہ بعد اجازت ورثہ کے میت کا ہی تصرف ہو کر وصیت ہی کی حیثیت سے نافذ ہوتی ہے ورثہ کا صدقہ یا ہبہ نہیں کہلاتی اور اس صورت میں سبع بقرۃ کا تجزیہ نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲ جمادی الثانی ۷۶ ہجری (اضافہ)

دوسرے شخص کی طرف سے بغیر اجازت قربانی کرنا

(سوال ۸۵۱) کئی اشخاص کی طرف سے قربانی کی جائے ان میں سے ایک شخص یا کوئی اور شخص حصہ داران کے غیر وہاں قربانی کی جگہ موجود ہو اور وہ غیر حاضر صاحبان کی طرف سے نیت کرلے تو قربانی ہو جائے گی یا نہیں؟ (۲) چند حصہ دار اگر بغیر وزن کئے باہم رضامندی سے کم وبیش گوشت لے لیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) ایک شخص دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اجازت واطلاع کے قربانی نہیں کر سکتا اور اگر کردے تو اس شخص کے ذمہ سے واجب ادا نہ ہوگا اور کسی شریک کی بھی قربانی درست نہ رہے گی۔ **لمافی العالمگیریة ولو ضحی ببدنة عن نفسه وعرسه واولاده لیس هذا فی ظاهر الروایة وقال الحسن بن زیاد فی کتاب الاضحیة ان کان اولاده صغاراً جاز عنه و عنهم جمیعاً فی قول ابی حنیفةؒ و ابی یوسفؒ وان فعل بغیر امرهم او بغیر امر بعضهم لا تجوز عنه ولا عنهم فی قولهم جمیعاً لان نصیب من لم یامر صارلحماً فصاراً لکل لحماً عالمگیری ص ۳۱۴ ج ۵)**

(۲) قربانی کا گوشت اندازہ سے یا باہمی تراضی کی بناء پر کم وبیش لینا دینا جائز نہیں اس میں جو زیادتی کسی طرف سے کی جائے گی وہ سود کے حکم میں جائے گی اور کھال اور سری پائے وغیرہ کو کسی حصہ میں لگانے کا جزئیہ جو شامی نے لکھا ہے وہ ہمارے دیار میں مروج نہیں۔ واللہ اعلم

مقروض مفلس کو قربانی کے بجائے ادائے قرض کرنا بہتر ہے

(سوال ۸۵۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انسان کو قربانی کس حالت میں جائز ہے۔ اگر مقروض بھی ہے اور خواہش دلی رکھتا ہو کہ میں قرضہ بھی لے کر قربانی دوں تو اس کو جائز ہے یا ناجائز اور وہ اس کے ثواب کا حق دار ہے یا نہیں اگر کسی نے قربانیاں دی ہیں کیا قربانی دینے والا ثواب کا حق دار ہے یا اس کے اقربا بھی ثواب کا حصہ لے سکتے ہیں؟

(الجواب) جو شخص مالک نصاب ہو یعنی باون روپیہ نقد یا اس قدر روپیہ کا سامان جو حاجات اصلیہ سے زائد ہو

اس کا مالک ہو تو اس پر قربانی کرنا واجب اور ضروری ہے اور اگر اس قدر سامان یا نقد نہ ہو تو ضروری نہیں اور جو شخص مقروض ہو اس کو قرض ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئیے قربانی نہ کرے۔ لیکن اگر کرلی تو ثواب ہوگا- کذا عرف من القواعد الفقهيه والله سبحانه اعلم.

بھیڑ کی قربانی پر ایک شبہ اور اس کا جواب

(سوال ۸۵۳) ایک عالم فرماتے ہیں کہ بھیڑ کی اضحیہ ناروا ہے جس کا ثبوت نص قطعی سے باعتبار لغت پیش کرتے ہیں آیۃ کریمہ من الضان اثنين ومن المعز اثنين ضان کے معنی بلحاظ لغت مالہ الیۃ بھیڑ میں مفقود ہے لہذا قربانی ناجائز ہے اس مسئلہ کا پورا جواب تحریر فرمایا جاوے؟

(الجواب) لغت کی معتبر کتب اور فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ضان کا لفظ عربی زبان میں عام ہے اون والے جانور میں خواہ بھیڑ ہو یا دنبہ یعنی ذوات الالیہ ہو یا غیر ذوات الالیہ لن اثیر میں اور اس کی تلخیص مصنفہ سیوطیؒ میں ہے. ضان كمثل غنم ذات صوف عجاف ضوائن جمع ضائنة وهي الشاة من الغنم خلاف المعز نهايه ص ١٠ ج ٢

اسی طرح عام کتب لغت میں یہ الفاظ اس کی تفسیر میں منقول ہیں۔ ذوالصوف خلاف من الغنم جمعه ضان و ضنين الخ اس سے معلوم ہوا کہ بھیڑ جو عموماً ہمارے دیار میں پائی جاتی ہے یہ بھی ضان کے اندر داخل ہے اس لئے بلاشبہ اس کی قربانی جائز ہے اس کے خلاف جمہور امت کے خلاف ایک قول کا اختیار کرنا شرعاً معتبر نہیں اور جس کسی اہل لغت نے مالہ الیۃ سے تفسیر کردی ہے وہ بلحاظ کثرت فی بلاد العرب ایسا کیا ہے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

خنثٰی اور خصی جانور کی قربانی!

(سوال ٨٥٤) ایک راس بکرا جو پیدائشی طور پر نہ بکرا ہے نہ بکری شکل وصورت میں بکرے جیسی ہے عید قربان پر قربانی کیا جاسکتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو وجہ ممانعت شرعی لکھی جاوے تاکہ تسکین ہو اور آئندہ کے لئے رہنمائی ہو۔؟

(الجواب) یہ راس جس کو لکھا گیا ہے کہ نہ بکرا ہے نہ بکری اگر خنثٰی ہے یعنی بکری جیسی علامتیں بھی اس میں موجود ہیں اور بکرے جیسے بھی تو اس کی قربانی جائز نہیں-قال فی الدر المختار ولا الخنثى لان لحمها لا ينفبح شرح وهبانية - از شامی ص ٢٢٥ ج ٥ اور اگر اس سے مراد خصی ہے تو بلاشبہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خصی بکرے کی قربانی جائز ہے اور سنت سے ثابت ہے

(سوال ٨٥٥) ایک دنبہ ہے جس کو اس طرح پر خصی کیا ہے کہ جس پر کہ اس کے خصیتین کو باہر نکال کر

پھینک دیا ہے پھر چمڑے کو سی دیا ہے آیا ایسے دنبہ کی قربانی میں کوئی کراہت ہے یا بلاکراہت درست ہے۔؟
(الجواب) خصی بکرے اور دنبہ کی قربانی کرنا جائز ہے اور آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ عن جابر قال ذبح النبی ﷺ یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین الحدیث

کشمیر میں گائے کی قربانی کی ممانعت کے قانون کی شرعی حیثیت

(سوال ۸۵۶) ریاست کشمیر میں ڈوگرہ حکومت نے اپنی جابرانہ حکومت میں یہ قانون رکھا ہے کہ گائے کشی ریاست میں کلیتاً ممنوع ہے اور گائے کشی کرنے والے کی سزا سات سال سے دس سال تک۔ نیز ذبح میں مدد کرنے والے اور جن کے پاس کوئی جزو مذبوح گائے کا برآمد ہو وہ سب مستوجب سزا ہیں قربانی گائے بھی کلیتہً ممنوع۔

اب اس وقت قانون میں تجدید ہو رہی ہے مسلمانوں کے بھی تحقیقات اور شکایات دریافت کرنیوالے کمیشن میں دو نمائندے ہیں مذہبی شکایات کے سلسلہ میں گائے کشی کا مسئلہ مسلم شاہدوں نے پیش کیا اس لئے جناب سے رائے طلبی ہے کہ ہم کس حد تک اس مسئلہ میں رواداری کرنے میں شرعاً وسیاستہً حق بجانب ہوں گے؟

(الجواب) مسلمانان کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مذہبی آزادی تسلیم کی جائے اور ان کی عبادات اور شرعی معاملات میں کبھی کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

(نوٹ) چونکہ قربانی اسلام کی مذہبی عبادات میں سے ہے اس لئے اس میں رکاوٹ پیدا کرنا کسی بیرونی طاقت کی وجہ سے اس کو ترک کرنا صراحتہً مذہبی آزادی سلب کرنا ہے گائے کے ساتواں حصہ پر بسا اوقات انسان کو قدرت حاصل ہوتی ہے مگر ایک دنبہ یا بکری یا بھیڑ یا اونٹ کے ساتویں حصہ پر قادر نہیں ہوتا۔ بالخصوص ہندوستان یا کشمیر وغیرہ میں یا اگر قدرت ہوتی بھی تو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے بناء بریں اگر قربانی گاؤ ممنوع ہوتی ہے تو واجب شرعی کا ترک لازم آتا ہے اس لئے قربانی گاؤ پر کسی قسم کی کسی وقت میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہئے۔ (۲) مسلمانان کشمیر کی اقتصادی زندگی بالکل آزاد ہونی چاہئے۔

(نوٹ) چونکہ کشمیر کی اکثریت مسلمان ہیں اور انتہائی غربت وافلاس رکھتے ہیں اور چونکہ مسلم قوم گوشت خور قوم ہے بغیر گوشت خوران کی صحت اور تندرستی قائم نہیں رہ سکتی خصوصاً سرد ملکوں میں ایسی غذا ازبس ضروری ہے اور چونکہ گوشت میں بوجہ امکان تکثیر شوربا مصارف بہت کم ہیں اور چونکہ گائے کا گوشت بہت ارزاں ہے لہذا مسلمانوں کو گائے خوری سے منع کرنا فی زماننا دائرہ حیات کے انتہائی تنگ کردینے کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسلمانوں کا اجتماعی طور پر گائے کی قربانی بالکل بند کردینا جائز نہیں، ایسی تحریک مداخلت فی الدین ہے

(سوال ۸۵۷) ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی اتفاق قائم رکھنے کے لئے بعض مسلمانوں نے تحریک کی ہے

کہ سب مسلمان گائے کی قربانی کرنا چھوڑ دیں کیونکہ خاص گائے کی قربانی واجب نہیں دوسری قسم کے جانوروں کی قربانی کر کے واجب اضحیہ سے سبکدوشی حاصل ہو سکتی ہے گائے کی قربانی کی بھی اجازت ورخصت ضرور ہے مگر واجب نہیں اس لئے اگر سب مسلمان اس کے ترک پر متفق ہو جائیں تو ان کے کسی مذہبی واجب میں خلل نہیں آئے گا اور اس کی وجہ سے جو ہر سال جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہو جاتے ہیں ان سے حفاظت ہو جائے گی کیا مسلمانوں کا اجتماعی طور پر ذبیحہ گاؤ چھوڑ دینا جائز ہے۔؟

(الجواب) قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ **والبدن جعلنا هالكم من شعائر الله** امام المفسرین حضرت عطاء نے لفظ بدن کی تفسیر میں فرمایا البقرة والبعير یعنی قربانی کے گائے اور اونٹ کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ بنایا ہے اور یہی تفسیر حضرت ابن عمرؓ اور سعید بن مسیب اور حسن بصریؒ سے بھی منقول ہے ذکرہ ابن کثیر وابن جریر ابن کثیر نے یہ سب روایات نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ - **واختلفوا في صحة اطلاق البدنة على البقرة على قولين اصحهما انه يطلق عليهما ذلك شرعا كما صح الحديث** اور یہی مضمون تفسیر فتح القدیر اور ابن مسعود وغیرہ میں بھی مذکور ہے آیت مذکورہ بالا اور اس کی تفسیر میں روایات منقولہ سے ثابت ہوا کہ گائے کی قربانی شعائر اللہ میں سے ہے اور بعض ناواقف لوگوں کو جو اس جگہ یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ گائے کی قربانی شریعت میں متعین نہیں بلکہ اختیاری ہے کہ اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بکرا، مینڈھا وغیرہ جو چاہے کرے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس اختیار کی بناء پر اشیاء مذکور سبھی افراد واجب کے ہیں اس میں سے کسی ایک کو منع کرنا ایک واجب شرعی کو منع کرنا ہے اور یہ کھلی مداخلت فی الدین ہے اصطلاح فقہاء میں ایسے واجب کو واجب مخیر کہتے ہیں اس کا ہر فرد واجب ہی ہوتا ہے گو تعین کا اختیار کرنے والے کو ہے لیکن اس اختیار کی بناء پر اس کے کسی ایک فرد کو اجتماعی طور پر متروک کر دینا یا اس پر کوئی قانونی پابندی تا حد اختیار قبول کرنا بلا شبہ حکم شرعی میں ترمیم اور مداخلت فی المذہب ہے جو کسی کے نزدیک جائز نہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ اوقات نماز کئی کئی گھنٹے تک وسیع ہوتے ہیں جس جزو میں چاہیں نماز پڑھ لینے کا اختیار ہے لیکن اگر اس کے کسی خاص جزو کو اجتماعی صورت سے متروک یا قانونی صورت سے ممنوع قرار دیا جائے تو یہ قانون شرعی کی ترمیم و تنسیخ اور مداخلت فی المذہب ہے جو کسی طرح جائز نہیں اسی طرح نماز میں پورے قرآن میں سے تین آیتیں کسی جگہ سے پڑھ لینا ادائے فرض کے لئے کافی ہے اور تعین کا پڑھنے والے کو اختیار ہے لیکن اجتماعی صورت سے کسی خاص جزو قرآن کو متروک و ممنوع قرار دینا کسی حال جائز نہیں ان میں سے کسی ایک کو منع کرنا کھلی مداخلت فی الدین ہے۔

وجہ وہی ہے کہ اس تخیر واختیار کے باوجود واجب و فرض کے تمام افراد واجب و فرض ہی رہتے ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے مطلق اضحیہ واجب اور بکر اور سبع بقر وابل پھر فرمایا وہ غیرھا جزئیات ہیں جس فرد کا آتی ہو آتی فرض ہی ہوگا مباح کوئی بھی نہیں سب فرض ہیں مگر ایک کے اتیان سے سب سے بری ہو جاتا ہے (مکتوب مطبوعہ المفتی ذیقعد ذی الحجہ ۶۰ھ) کتب اصول میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔ (**توضیح تلویح مصری بحث وجوب الاداء يثبت في**

آخر الوقت ص ۲۰۸ مستصفی للغزالی ص ٤٤ ج ۱ باب الواجب ینقسم الٰی مضیق وموسع و شرح منتهی الاصول لابن الحاجب ص ۲۳ ج ۱) مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا کہ قربانی گاؤ واجب اور شعائر اسلام ہے اسکو اجتماعی طور پر متروک کر دینا یا اس پر تاحد اختیار کوئی قانونی پابندی قبول کرنا جائز نہیں اور تاحد اختیار کے لفظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر کسی جگہ مسلمان مقاومت کی قدرت نہ رکھیں تو ان کو چاہئے کہ حکومت سے اپنے تحفظ کا پورا انتظام اور اطمینان کئے بغیر اس پر اقدام نہ کریں اور اپنی جانوں کو خطرہ میں نہ ڈالیں. وذلك لان تعین احد الاصناف مباح لا رخصة لان الرخصة مقابلة العزيمة وهنها ليس بعض الاصناف عزيمة و بعضها رخصة كما هو ظاهر من سياق الآيات والروايات واذااكره على ترك المباح يصير بتركه آثماً و تفصيله فى اكراه الهندية و ردالمحتار — والله سبحانه و تعالٰى اعلم. دیوبند ۱۷ شوال ٦٦ ھ (اضافه)

قربانی کی سری، پائے، سقہ بھنگی وغیرہ کو بمعاوضہ خدمت دینا

(سوال ۸۵۸) ایک شخص جو اپنی قربانی میں سے سری پائے یا کوئی اور حصہ سقہ بھنگی اور فقیر کو ان کا حق سمجھ کر دیتا ہے آیا اس کی قربانی صحیح ہو جاتی ہے یا اس میں کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے اور اگر کوئی پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی کیا تلافی ہے؟

(الجواب) قربانی ادا ہو جاتی ہے مگر کراہت کے ساتھ اور اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے کہ سری پائے کی جو قیمت ہو اندازہ کر کے اس کا صدقہ کرے ورنہ گناہ گار رہے گا اور یہ سب اس وقت ہے جب کہ خدمت پیشہ لوگوں کو مقرر کر کے بطور حق الخدمت دے کیونکہ وہ بحکم بیع ہے اور اگر اتفاقی طور پر کسی خدمت گار کو دے دیا جاوے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ رسم نہ پڑے۔ لمافی الدر والشامية. ولا يعطى اجرة الجزار منها لانه كبيع لان كلامنهما معاوضة الٰى قوله والبيع مكروه (شامی ص ۲۲۸ ج ٥)وفى العالمگيرية ولا يحل بيع شحمها واطرافها و راسها (الٰى قوله) وعند ابى يوسفؒ لا ينفذ (اى البيع) و يتصدق بثمنه انتهٰى عالمگيرى الباب السادس من الا ضحيه. والله سبحانه وتعالٰى اعلم

جس نوکر کی خوراک مستاجر کے ذمہ ہے اس کو قربانی کا گوشت کھلانا درست نہیں

(سوال ۸۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ یہاں نوکر رکھنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ سالانہ تنخواہ مقرر کر لیتا ہے خوراک کا ذکر ہی نہیں ہوتا مگر عرف وعادت کی بناء پر نوکر کی خوراک مستاجر کے ذمہ ہے البتہ مستاجر خوراک سے سبکدوش ہونا چاہے تو مقررہ تنخواہ پر کچھ اضافہ کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی عرف وعادت ہے کہ اگر نوکر نے چندروز مستاجر کا کام کیا مگر ان کے یہاں کھایا نہیں اس صورت میں مستاجر سے کچھ طلب نہیں کر سکتا دوسرا یہ بھی کہ اگر نوکر نے مستاجر کے یہاں کھایا مگر کام نہیں کیا اس صورت میں بھی مستاجر اس سے کچھ طلب نہیں کر سکتا اگر نقد روپیہ میں یہ حالت ہو تو ہر دو صورت

میں طرفین سے ایک دوسرے پر تقاضہ و مواخذہ کرتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذکورہ بالا عرف وعادت کی بناء پر مستاجر کی قربانی گوشت اجیر مذکور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

(الجواب) قربانی کا گوشت جزو تنخواہ سمجھ کر کھلانا جائز نہیں لیکن اس سے قطع نظر کر کے کھلایا جائے تو جائز ہے۔واللہ اعلم کراچی ۲۴ رجب ۶۹ھ

(جواب دیگر از جناب مفتی کفایت اللہ صاحبؒ)

جناب مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وہ گوشت جب مالک نے اپنے گھر کے لئے پکایا تو اس کے تصرف سے قربانی کا حکم ختم ہو گیا اب اس کے گھر میں پکا ہوا اپنے تصرف کے لئے سالن ہے اور اس ملازم کو کھلانے میں کوئی حرج نہیں جس کی اجرت میں کھانا شامل ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

(جواب دیگر از جناب مولانا مہدی حسن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند)

مذکور فی السوال نوکر کے لئے مالک کے یہاں قربانی کا گوشت پکا ہوا کھانا جائز ہے اور اس گوشت عقیقہ یا قربانی کی یہ بیع نہیں یا اجرت میں محسوب نہیں اس لئے کہ جب مالک اور صاحب قربانی نے اپنے گھر میں اس کو پکایا اور اپنے استعمال اور تصرف میں لے آیا تو قربانی اور عقیقہ کے گوشت کا حکم ختم ہو گیا اب استعمال و تصرف کے بعد اس کی خالص ملک ہے قربانی کا گوشت نہیں جس کو اجرت سمجھ کر ناجائز قرار دیا جائے۔

بلکہ اب وہ جس طرح روٹی ہے اسی طرح وہ پکا ہوا سالن ہے اس کے کھا لینے میں کچھ حرج نہیں ہے اگر وہ شخص اپنے استعمال میں نہ لاتا اور اس کو نمک مرچ مصالحہ گھی تیل وغیرہ ڈال کر نہ پکاتا بلکہ ویسا ہی رہتا تو شبہ کی گنجائش تھی جو صورت سوال میں مذکور ہے یہاں یہ صورت نہیں ہے۔

(خلاصہ) کہ تصرف واستعمال میں لانے اور پکانے کے بعد پھر وہ گوشت اس کی خاص ملک ہو جاتا ہے لہٰذا اس میں سے مذکور نوکر کو کھلانا جائز ہے فقط کتبہ سید مہدی حسن مفتی دارالعلوم دیوبند ۳ محرم ۶۹

(پھر اس پر حضرت نے دوبارہ مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا)

غور وفکر کے بعد بھی میرا خیال یہی ہے کہ یہ مسئلہ اتنی کاوش اور تدقیق میں پڑنے اور لوگوں کو بحث میں مبتلا کرنے کی چیز نہیں مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا مہدی حسن صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر اس کی کوئی سند فقہی ان کے پاس موجود ہے تو مسئلہ صاف ہو جاتا ہے مگر چونکہ کوئی حوالہ اور سند مذکور نہیں اور میرے علم میں بھی نہیں اس لئے میرے خیال میں مسئلہ کی بنیاد اس پر نہیں بلکہ اصول و قواعد شرعیہ کی رو سے یہ سمجھتا ہوں کہ جب کسی ملازم کا کھانا اپنے گھر میں ہوتا ہے تو عادۃً کبھی کبھی اس کے حق سے زیادتی بھی ہو جاتی ہے اور کسی وقت کمی بھی گوارا کی جاتی ہے اس لئے جب گھر میں قربانی کا گوشت پکا ہوا اس میں سالن کے سب اجزاء گوشت کے سواء اجرت میں محسوب ہو سکتے ہیں صرف گوشت اجرت میں داخل نہیں اگر کھانے والے نے اس کو جزو تنخواہ ہونے کے قصد سے نہیں کھلایا بلکہ بطور ہبہ زائد حق کھلایا تو صورت یہ

ہوگی کہ اس کے اصل حق میں جو بحساب تنخواہ لازم تھا سالن کے اجزاء میں سے ایک جزو کی کمی ہوگی یعنی گوشت کی اور ظاہر ہے کہ اتنی کمی کا احیانا ملازم بھی تحمل کرتا ہے جیسا کہ اکثر اوقات میں زیادتی کا مستاجر تحمل کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب گوشت کو بحیثیت جزو تنخواہ اجرت کے قصد سے نہ کھلائے تو قربانی پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا فرق اتنا رہ جاتا ہے کہ آج کی تاریخ میں ملازم کو سالن میں گوشت باستحقاق اجرت نہیں دیا سو یہ ایسا لازم نہیں اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہے تو بہت سہل معاملہ یہ ہے کہ کھانا کھلانے کے علاوہ اس کو کچھ پیسے گوشت کی قیمت کے علیحدہ بحساب اجرت دیدے تاکہ جو اس نے کھایا ہے وہ بحساب اجرت ہونے کا شبہ نہ رہے اتنی سی بات کے لئے بحث کے ہنگامے اور فتاوی کی مسلیں بنانا بہت دور از کار ہے اگر از راہ احتیاط اس مسئلہ کی تلقین و تبلیغ ضروری ہی سمجھیں تو لوگوں کو یہ بتلادیں کہ قربانی کے دنوں میں ملازم کو اتنے گوشت کی قیمت دیدیا کریں جتنا اس کے کھانے میں خرچ ہوتا ہے اور دیئے ہوئے پیسوں کو جزو تنخواہ سمجھیں کھلائے ہوئے گوشت کو ہبہ اور ظاہر بھی یہ ہے کہ ایک آدمی کے لئے سالن میں گوشت درکار ہے اس کی قیمت کوئی بڑی رقم نہیں بنتی آنہ دوآنہ کے پیسے ہوں گے جس کا دینا کسی کو بھاری نہیں ہوسکتا یہی منشا میرے سابق فتوی کا تھا کہ جز تنخواہ ہونے سے قطع نظر کر کے بطور ہبہ اس کو کھلائے تو مضائقہ نہیں۔

اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ کسی کا یہ تصور بھی نہیں ہوتا کہ گوشت کی بوٹیاں ملازم کی اجرت میں دے رہے ہیں اس قصد کے بدلنے سے یہ تو یقین ہوگیا کہ قربانی پر کوئی اثر نہیں رہا اب یہ شبہ ہوگا تو اس کا تعلق باب قربانی سے نہیں بلکہ باب اجارہ سے ہوگا کہ ملازم کا حق پورا ادا ہوا یا نہیں۔

سو اول تو عرفاً ملازم اس کمی پر راضی ہوتا ہے پھر کسی کو بہت احتیاط کرنا لازم ہے تو اس کی احتیاطی تدبیر بھی لکھ دی ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ کراچی ۱۰ ربیع الاول ۱۳۷۰ ہجری (اضافہ)

سات آدمیوں کا ایک گائے میں شریک ہوکر عقیقہ کرنا

(سوال ۸۶۰) اگر سات آدمی شریک ہوکر عقیقہ میں ایک گائے ذبح کریں تو درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) عقیقہ میں بھی چند آدمیوں کی شرکت گائے میں جائز ہے لمافی العالمگیریة من کتاب الاضحیة ص ۱۷٦ جلد ٤ مطبوعه هند.

ولو ارادو االقربة فی الاضحیة او غیرها من القرب اجزاهم سواء کانت القربة واجبة او تطوعا قال وکذلك ان اراد بعضهم عن ولد ولدله من قبل کذاذکر محمد فی نوادر الضحایا. ۲۰ صفر ۱۳۵۰ ه

عقیقہ کے گوشت کھال اور ہڈیوں کا حکم

(سوال ۸٦۱) (۱) عقیقہ کی کھال کو فروخت کر کے اس کی قیمت کا ڈرل بنواکر مسجد میں ڈلوادیا تو اس کے پانی سے وضو اور نماز ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کے پانی سے وضو نہیں ہوتا اور اگر بالفرض وضو بھی کر لیا تو نماز نہیں ہوتی چونکہ یہ مسکین کا حق تھا ؟
(۲) عقیقہ کی ایک ران سالم قابلہ یعنی (دائی) کو دینا جائز ہے یا نہیں ؟ یہاں پر لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ ایک ران سالم دایہ کو دینا ضروری سمجھتے ہیں ؟
(۳) عقیقہ کی ہڈیاں دفن کرنا کیسا ہے ؟ چونکہ یہاں پر لوگ ہڈیوں کو ایک جگہ مجتمع کر کے دفن کیا کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان ہڈیوں کا دفن کرنا ضروری ہے بوجہ شرافت کے لہذا ان مسائل کا جواب مع حوالہ کتب تحریر فرماکر ممنون فرمائیں بینوا توجروا ؟

(الجواب) (۱) وضوء اور نماز تو درست ہو جاوے گی مگر اس شخص کے ذمہ واجب ہوگا کہ جس قدر پیسے عقیقہ کی کھال کی قیمت سے وصول کئے تھے اس کا صدقہ کرے ورنہ گناہ گار ہوگا کیونکہ یہ پیسے واجب التصدق تھے۔ (کذافی البحرالرائق) اس نے بجائے صدقہ کے ڈول بنوادیا تو صدقہ کرنا اس کے ذمہ رہا مگر اس ڈول سے وضو کرنے یا اس سے نماز ادا کرنے میں خلل کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم
(۲) عقیقہ کی ران دایہ کو دینا دراصل جائز بلکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے مگر اس کو ضروری سمجھنا بدعت اور گناہ ہے جس جگہ یہ رواج ہو جائے کہ اس کو ضروری سمجھتے ہوں وہاں نہ دینا ہی اولیٰ ہے اصل جواز کی تو یہ حدیث ہے. اخبرنی عبدالملك انه سمعت ابا عبدالله يقول فی عقيقة ويهدی الی القابلة منها يحكی انه اهدی الی القابلة حين عق الحسينؓ يعنی النبیﷺ قال الخلال انبانا محمد بن احمد قال حدثنی ابی ثنا حفص بن غياث ثنا جعفر بن محمد عن ابيه ان النبیﷺ امرهم ان يبعثوا الی القابلة برجل من العقيقة ورواه البيهقی من حديث حسين بن زيد عن جعفر بن محمد عن ابيه ان علياً اعطی القابلة رجل العقيقة (كذافی تحفة الودود باحكام المولود للحافظ ابن القيم ص ۲۷)
اور ضروری سمجھنے سے بدعت و گناہ ہونے کی دلیل شرح منیہ کی عبارت ذیل ہے۔

حيث قال فی ذكر سجدة الشكر اما ما يفعل عقيب الصلوٰة فمكروه لان الجهال يعتقدونه سنة و كل مباح يودی اليه فمكروه (كبيری شرح منيه ص ٦٦٦)
اور طیبی شرح مشکوٰۃ میں حدیث انصراف عن الیمین کے بیان میں مذکور ہے. فيه ان من اصر علی مندوب وجعله عزما ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب من الشيطان فكيف من اصر علی بدعة او منكر راز مجموعة الفتاویٰ ص ۲۹۵ ج ۲. والله تعالیٰ اعلم
(۳) بعض علماء اس کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ عقیقہ کی ہڈیاں توڑی نہ جائیں بلکہ ایک جگہ جمع کر کے دفن کردی جاویں مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ جس طرح عام قربانیوں کا حکم ہے کہ ہڈیاں توڑی جاتی ہیں اسی طرح عقیقہ کا بھی حکم ہے کوئی فرق نہیں۔ كمافی تحفة الودود باحكام المولود قول مالك تكسر

عظا مها ویطعم منها الجیران ص ۲۷ . امام اعظم ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں دیکھی مگر کتب حنفیہ میں اس قدر مذکور ہے کہ عقیقہ عام احکام میں مثل قربانی کے ہے۔

ظاہر اس سے یہی کہ گوشت اور ہڈیوں کے معاملہ میں قربانی ہی کا حکم ہے اس لئے ہڈیوں کو جمع کر کے دفن کرنے کا التزام اور اس کو ضروری سمجھنا اچھا نہیں خلاف مذہب بھی ہے اور اندیشہ بدعت کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ختنہ بعد بلوغ کا حکم

(سوال ۸۶۲) اگر کوئی لڑکا سن بلوغ کو پہنچ جائے اور سنت نہ ہوئی ہو تو اس کی سنت کرنی چاہئے یا نہیں چونکہ پردہ فرض ہے؟

(الجواب) اس کی ختنہ کرانی چاہئے کیونکہ ختنہ شعار اسلام اور خصائص اسلام سے ہے اور قابلہ اور طبیب اور ختنہ کرنے والے کو بقدر ضرورت نظر کرنا اور دیکھنا جائز ہے۔ درمختار حظر اباحت میں ہے ینظر الطبیب الی موضع مرضها بقدر الضرورة اذا لضرورة تتقدر بقدرها وكذانظر قابلة وختان الخ.

کتاب الحظر والاباحة

(حلال وحرام اور مکروہ و مستحب امور کا بیان)

باب الاكل والشرب

کھانے پینے کے مسائل

حرام مغز کھانا درست ہے یا نہیں

(**سوال ۸۶۳**) حلال جانور کا حرام مغز کھانا، درست ہے یا نہیں - فقہ حنفیہ کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں ان میں حرام مغز کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۶۸ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ ندارد اس لئے حضرات علماء سے برائے اطمینان قلب حوالہ مطلوب ہے۔؟

(**الجواب**) احقر کو بھی باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں [1] ملا ممکن ہے کہ حضرت مولانا نے اس نص قرآنی سے استدلال فرمایا ہو جس کو حرمت کے بارے میں فقہاء نے بطور قاعدہ کلیہ کے استعمال کیا ہے یعنی **قوله تعالى يحرم عليهم الخبائث** اضب کی حرمت میں حنفیہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے **كما صرح به الشامى فى الذبائح ص ۲۱۲ ج ۵** - اور ظاہر یہ ہے کہ حرام مغز ایک ایسی چیز ہے کہ طبعیت سلیمہ کو اس سے نفرت اور استقذار لازم ہے بہر حال جب تک کتب مذہب میں اس کی حرمت کی تصریح [2] نہ ملے حنفی کے لئے حرمت میں تامل کی گنجائش ہے اور عمل میں احتیاط یہی ہے کہ ترک کیا جاوے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

سرکہ کی حلت پر دلائل

(**سوال ۸۶٤**) سرکہ انگور وجامن وگڑ سڑا کر بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں کرم پیدا ہو جائیں پھر صاف کر کے پھر سڑایا جاتا ہے پھر کیڑے پڑتے ہیں حالانکہ اس کا اکلا استعمال درست ہے پھر اس میں کیا وجہ ہے کہ ایسی مکروہ شئی کا استعمال درست وجائز ہوا؟

(**الجواب**) اصل وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ قولاً وفعلاً اس کو حلال فرمایا۔ **لماروى مسلم فى صحيحه عن جابر مرفوعاً نعم الادام الخل و فى سنن ابن ماجة عن ام سعد اللهم بارك فى الخل ولم يفتقر بيت فيه الخل زادالمعاد فى ذكر الادويه والا غذية ص ۱۵۱ ج ۱.**

---

[1] بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور مد ظلہم نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انہوں نے بتلایا وہ بعینہ درج ذیل ہے صرح به الطحاوى على الدر ص ۳۰۶ ج ۵ حيث قال وزيد نخاع الصلب ۱۲ محمد شفیع عنہ ۱۰/ صفر ۱۳۶۶ھ

[2] چونکہ اب تصریح مل گئی جیسا کہ حاشیہ [1] میں ذکر کی گئی ہے لہذا حکم حرمت کا کرنا چاہئے ۱۲ ش

باقی عقلی حکمت سووہ بھی بالکل ظاہر ہے وہ یہ کہ سرکہ پر جو مختلف قسم کے انقلابات آتے ہیں ان سے اس میں انقلاب ماہیت پیدا ہو جاتا ہے تمام خواص وآثار بدل جاتے ہیں تو حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے جیسے ہوا اگر پانی بن جائے تو اس سے وضو جائز ہو جاتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے نجاست جل کر اگر خاک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔واللہ اعلم

ایضاً --- (سوال ۸٦۵) سرکہ انگور وجامن وگڑ سڑا کر بنایا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں کرم پیدا ہو جاتے ہیں پھر صاف کر کے سڑایا جاتا ہے پھر کیڑے پڑتے ہیں حالانکہ اکلاً اس کا استعمال درست ہے پھر اس میں کیا وجہ ہے کہ ایسی مکروہ شئی کا استعمال درست وجائز ہوا۔ ؟

(الجواب) اصل وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ قولاً وفعلاً اس کو حلال فرمایا۔ لماروی مسلم فی صحیحه عن جابر مرفوعاً نعم الادام الخل و فی سنن ابن ماجة عن ام سعد اللهم بارك فی الخل ولم یفتقریت فیه الخل زادالمعاد فی ذکر الادویه والا عذیة ص ۱۵۱ ج ۱ .

باقی عقلی حکمت سووہ بھی بالکل ظاہر ہے وہ یہ کہ سرکہ پر جو مختلف قسم کے انقلابات آتے ہیں ان سے اس میں انقلاب ماہیت پیدا ہو جاتا ہے تمام خواص وآثار بدل جاتے ہیں تو حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے جیسے ہوا اگر پانی بن جائے تو اس سے وضو جائز ہو جاتا ہے پیاس بجھ جاتی ہے نجاست جل کر اگر خاک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔واللہ اعلم

روافض کے گھر کا کھانا

سوال ۸٦٦) روافض کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں ؟وہ صحابہ کرامؓ کو گالی گلوچ کرتے ہیں اور کھانا بھی ن کا مشتبہ ہوتا ہے ؟

لجواب) اگر اس میں گمان غالب اس کا ہے کہ انہوں نے کوئی نجاست وغیرہ ملائی ہے جیسا کہ بعض عصب روافض کے متعلق بہت سے لوگوں کے بیانات سے معلوم ہوا ہے تب تو اس کا کھانا ناجائز ہے اور اگر گمان غالب نہیں تو پھر بھی ان کا کھانا کھانا باوجود اس کے کہ وہ صحابہ کرامؓ پر تبرا کرتے ہیں نہایت بے برتی ہے کسی شریف آدمی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی آدمی اس کے باپ دادا کو گالیاں دے اور وہ پھر اس کے ہاں کھانا کھائے البتہ مواضع ضرورت میں اگر ناپاکی کا گمان غالب نہ ہو تو سخت ضرورت کی وجہ سے کھالینا مضائقہ نہیں۔

تمباکو پان میں کھانا

(سوال ۸٦۷) تمباکو کھانا جائز ہے یا حرام پان منہ میں ہوتے ہوئے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) تمباکو کھانا بلا تامل جائز ہے اور تمباکو منہ میں ہوتے ہوئے درود شریف اور قرآن شریف وغیرہ پڑھنا بھی جائز ہے - کذا قال مولانا المحقق عبدالحی لکھنو فی مجموعة الفتاوی جلد دوم

صفحہ ۳۹۵

حقہ پینا بضرورت جائز اور بلا ضرورت خلاف اولیٰ ہے

(سوال ۸۶۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حقہ پینا حرام ہے یا کیا ہے۔ ؟بینوا بسند الکتاب ؟

(الجواب) حقہ پینا مباح ہے کما قال العلامۃ الشامی فی کتاب الاشربۃ وللعلامۃ الشیخ علی الاجھوری المالکی رسالۃ حلۃ نقل فیھا انہ افتی بحلہ من یعتمد علیہ من ائمۃ المذاھب الاربعۃ قلت والف فی حلہ ایضاً سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی رسالۃ سماھا الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان الخ. واللہ تعالٰی اعلم، کتبہ مسعد احمد عفا اللہ عنہ

(جواب صحیح ہے) البتہ اگر بلا ضرورت پیئے تو مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت میں کسی قسم کی کراہت نہیں منہ صاف کر نا بدبو سے ہر حال میں ضروری ہے۔ بندہ محمد شفیع غفرلہ

گرم کھانا کھانا خلاف اولی ہے اور چائے اس سے مستثنی ہے

(سوال ۸۶۹) گرما گرم کھانا اور پینا یہ دوزخیوں کا کھانا اور پینا ہے یہ فرمودہ رسول اکرم ﷺ کا ہے یا نہیں اس کی سند کس حدیث میں ہے اگر یہ صحیح ہے تو مسلمانوں کو گرم گرم کھانا کھانا اور گرم چائے پینا شرعاً ناجائز ہے ؟

(الجواب) حدیث میں ہے ابردوا بالطعام فان الحار لا برکۃ فیہ او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے معلوم ہوا کہ بہت گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی اس لئے خلاف اولی ہے مگر ناجائز نہیں کہہ سکتے اور چائے یا اور ایسی ہی چیزیں جن سے مقصود ہی گرمی حاصل کرنا ہے اس سے مستثنی ہیں بلکہ در حقیقت اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بارات کو کھانا کھلانا!

(سوال ۸۷۰) بارات کو جو کھانا لڑکی والوں کی طرف سے دیا جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور وہ کھانا عقد سے پہلے ہونا چاہئیے یا بعد ؟

(الجواب) اس مسئلہ کا جواب پہلے بھی لکھا گیا ہے جس کا حاصل یہ تھا کہ دعوت خواہ برات کی ہو یا ولیمہ وغیرہ کی اگر تمام منکرات و مکروہات سے پاک ہو تو جائز ہے بلکہ مندوب ہے لیکن حضرت مولانا موصوف نے تجربہ اور عام حالات کی بناء پر محسوس فرمایا کہ ایسی دعوتوں میں منکرات و مکروہات تقریباً لازم اور جزو لاینفک ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ جب کوئی دعوت منکرات مندرجہ جواب پر مشتمل ہو تو بلا شبہ ناجائز ہے بلکہ اگر خود منکرات پر مشتمل نہ ہو مگر دوسرے لوگوں کے لئے ذریعہ بننے کا اندیشہ ہو تب بھی ایسی دعوتوں کو ترک ہی کرنا چاہئے اس بحث کو علامہ شاطبی نے کتاب الاعتصام میں بہت مفصل لکھا ہے اور ایک مستقل

فصل اس پر منعقد کی ہے کہ بعض چیزیں اپنی ذات سے جائزبلکہ مندوب ہوتی ہیں لیکن آئندہ کو ان سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ باعث منکرات بن جائیںگی توان کو بھی ترک کرنا چاہئے۔ و لفظه قديكون اصل العمل مشروعاً ولكنه يصير جارياً مجرى البدعة من باب الذرائع ثم ساق له دلائل من الحديث مافيه مقنع فلير اجع كتاب الاعتصام ص ۹۲ ج ۲ والله تعالى اعلم. كتبه محمد شفيع غفرله

کچھوا حنفیہ کے نزدیک حرام ہے

(سوال ۸۷۱) ما قولكم علماء رحكم الله فى حرمة السلحفاة ام حلال؟

(الجواب) الصحيح فى امر السلحفاة عندنا الحنفية هو قول من حرمها لمافى الدر المختار فى بيان المحرمات والضبع و الثعلب (الى) والسلحفاة برية و بحرية ولقول الزيلعى فى شرح الكنز ولنا قوله تعالى و يحرم عليهم الخبائث وما سوى السمك خبيث و نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن التداوى بدواءٍ اتخذ فيه الضفدع ونهى عن بيع السرطان– ولقوله عليه السلام احلت لنا ميتتان و دمان اما الميتتان فالسمك والجراد الحديث.

جس کنویں کے پانی سے کھانا پکایا گیااس میں مردہ چوہا نکلا تو یہ کھانا حلال ہے

(سوال ۸۷۲) ماقولکم ایہاالفقہاء الکرام در صورتیکہ مردمان دیگ برنج آب چاہ پختہ کردہ نہاد ندبعد ازاں کسے ازچاہ کشید ودرآب موش قدرے آماسیدہ دیدند لیاہمیں طعام دیگ خوردن حلال است یاحرام۔ ؟بینوا لیاناکافیاتو جروا۔

(الجواب) خوردن طعام آں دیگ نزد صاحبین حلال است و مشائخ حنفیہ درباره طعام وغیرہ فتوی بر قول صاحبین دادہ اند۔ قال فى البحروكان الصباغى يفتى بقول ابى حنيفه فيما يتعلق بالصلوٰة وبقولهما فيما سواه كذافى معراج الدراية و فى غاية البيان وما قاله ابو حنيفة احتياط فى امر العبادة وما قالاه عمل باليقين ورفق بالناس وفى تصحيح شيخ قاسم رحمه الله و.فى فتاوى العتباى المختار قولهما. والله تعالى اعلم

کتبہ مسعوداحمد عفااللہ عنہ –الجواب صحیح بندہ محمد شفیع غفرلہ

اسپرٹ چولھے میں جلانا جائز ہے!

(سوال ۸۷۳) اسپرٹ شراب ہےیانہیں اس کوچولھے میں جلاناجائزہےیانہیں؟

(الجواب)اسپرٹ شراب ہی کے حکم میں ہےاور نجس ہے قال الشامى فى كتاب الطهارة وما يستقط من ورد الخمر فنجس حرام لیکن بضرورت چولھے میں فقہائے متاخرین نے اجازت دی ہے–واللہ تعالیٰ اعلم

باب التداوی
(علاج معالجہ کے مسائل)

مانع حمل دواؤں کا استعمال

(سوال ۸۷۴) ایک عورت کو بوقت زائیدگی بچہ از حد تکلیف ہوتی ہے ایسی صورت میں وہ کوئی ایسا علاج کر سکتی ہے جس سے آئندہ بچہ نہ ہو۔؟

(الجواب) خاوند کی اجازت سے ایسا حیلہ کر سکتی ہے جس سے حمل قرار نہ پائے اور اگر خاوند اجازت نہ دے اور بچہ پیدا ہونے کی صورت میں اپنی جان ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو تو بلا اجازت خاوند بھی ایسا حیلہ کرنا جائز ہوگا۔ قال الشامی یجوز لها سدفم الرحم کما تفعله النساء مخالفاً لما بحثه فی البحر من انه ینبغی ان یکون حراماً بغیر اذن الزوج قیاساً علی عزله بغیر اذنها لکن فی البزازیة ان له منع امرأته عن العزل الخ نعم النظر الی فساد الزمان یقید الجواز من الجانبین فما فی البحر مبنی علی ماهو اصل المذهب وما فی النهر علی ماقاله المشائخ شامی مصری، باب النکاح الرقیق صفحه ۳۹۰ ج ۲

بدن پر داغ دیکر مرض کا علاج کرنا

(سوال ۸۷۵) ایک طریقہ علاج کا علاج بالکی بھی ہے آنحضرت ﷺ سے اونٹوں کو داغ دینا احادیث سے بھی ثابت ہے معلوم نہیں کہ انسانوں میں مشروع ہے یا نہیں؟

(الجواب) احادیث قولیہ اس بارے میں مختلف ہیں بعض میں داغ دینے کی ممانعت وارد ہے اور بعض میں جواز اور فعلی حدیث میں صحیح یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود کبھی ایسا علاج نہیں کیا۔ کما صرح به الحافظ فی فتح الباری۔ اور توفیق بین الروایات یہ ہے کہ نہی تنزیہ پر محمول ہے اور جواز اپنی اصل پر۔ کما ذکره الامام القسطلانی فی المواهب و لفظه حاصل الجمع ان الفعل یدل علی الجواز و عدم الفعل لایدل علی المنع بل یدل علی ان ترکه ارحج من فعله ولذا وقع الثناء علی تارکه واما النهی عنه فاما علی سبیل الاختیار والتنزیه و اما فیما لا یتعین طریقاً الی الشفاء (مواهب لدنیه ص ۱٦٦ ج ۲)

اس لئے فقہاء حنفیہ نے اس بارے میں یہ اختیار فرمایا ہے کہ یہ علاج فی نفسہ جائز ہے مگر بلا ضرورت شدید خلاف اولی ہے اور چہرہ پر اس کا عمل کرنا مکروہ ہے۔ قال فی العالمگیریة ص ۲۳٦ ج ٤ کشوری۔ فی الباب الثامن عشر من الکراهیة ما نصه ولا باس بکی الصبیان اذا کان لداء اصابهم وکذا لاباس بکیّ البهائم للعلامة کذافی المحیط للسرخسی ویکره الکی فی الوجه کذافی الفتاوی العتابیة انتهی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ڈاکٹر اور حکیم کی فیس

(سوال ۸۷۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حکیم اور عطار لوگ دوائیں تھوک فروشوں سے یا باہر سے منگواتے ہیں ان کو جو نرخ پڑتا ہے اس سے دونا قیمت پر فروخت کرتے ہیں مثلاً گل بنفشہ منگوایا ان کو فی تولہ ایک آنہ پڑا اور اب وہ اس کو دو آنہ یا چھ آنے میں فروخت کریں یہ جائز ہے یا نہیں ایسے ہی کشتہ ہے اس کو خرید سے دوگنا یا اس سے زائد کر کے فروخت کریں جائز ہے یا نہیں ؟
(۲) حکیم جو اپنی فیس مریضوں سے مقرر کر کے علاج کو جاتے ہیں مثلاً دو روپیہ، یا پانچ روپیہ مقرر کر لیا تو شرع احادیث سے ثابت ہے یا نہیں - حکیم کا فیس لیکر علاج کرنا اس کی کمائی حلال ہے یا حرام - ؟بینوا توجروا-
(الجواب) ہر شخص کو اپنی ملک میں اختیار ہے کہ ارزاں فروخت کرے یا گراں - کتنی ہی کوئی گراں فروخت کرے شرعاً اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا - البتہ ایسی عام حاجت کی چیز کو زیادہ گراں فروخت کرنا مروت اور حمیت کے خلاف ہے اور اقتصادی حیثیت سے اصول تجارت کے بھی خلاف ہے ایسی تجارتیں عادۃ کبھی کامیاب اور ترقی یافتہ نہیں ہو سکتیں -اس لئے مسلمانوں کو ایسی صورتوں سے احتراز کرنا چاہئیے۔
(۲) یہ حکیم کی اجرت جانے اور تشخیص مرض اور تجویز نسخے کی ہے اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے بشرطیکہ حکیم ہو یعنی کسی حاذق طبیب نے اس کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ معالجہ کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب اللباس و الزینۃ
(لباس اور زینت کے مسائل)

لباس مسنون کی تفصیل

(سوال ۸۷۷) مسنون لباس کونسا ہے اور کل لباس کو سرخ کرنا شرعاً روا ہے یا نہیں اور افضلیت کس میں ہے ؟
(الجواب) لباس مسنون (یعنی آنحضرت ﷺ کا لباس) ہمیشہ کے لئے کوئی مقرر نہ تھا بلکہ مختلف حالات صیف و شتا اور سفر و حضر اور دیگر طبعی اقتضاءات کی وجہ سے مختلف اقسام اور الوان منقول ہیں جن کی تفصیل تمام کتب شمائل میں مفصل ہے بالخصوص زاد المعاد صفحہ ۳۴ جلد اول میں اس بحث کو سہل اور صاف مفصل لکھا گیا ہے تفصیل مطلوب ہو تو اس کی مراجعت کی جائے لیکن آپ کے تمام اقسام لباس میں یہ قدر مشترک سب میں موجود تھی۔ کہ
(۱) لباس سادہ ہو زیادہ تکلف نہ ہو - (۲) ریشم وغیرہ جو مردوں پر حرام ہے وہ نہ ہو - (۳) وضع ایسی ہو کہ جو مسلمانوں کے امتیاز قومی کو باقی رکھے - دوسرے اہل مذاہب کی وضع نہ ہو - جیسا کہ کتب، حدیث و شمائل کے تتبع سے ثابت ہے ان امور مذکورہ کی رعایت رکھتے ہوئے پھر عام طرز عمل آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ لباس کی

فکر میں نہ رہتے تھے ۔وقت پر جیسا میسر ہو گیا خواہ عمدہ یا معمولی اسی کو استعمال فرمالیا۔

کمافی زاد المعاد ص ۳٦ جلد اول – والصواب ان افضل الطریق طریق رسول الله ﷺ التی سنها وامر بها و رغب فیها و دوام علیها وهی ان هدیه فی اللباس ان یلبس ما تیسر من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والکتان تارة.

مردوں کو سرخ لباس پہننا

(۲) سرخ لباس پہننے کے متعلق فقہاء کے اقوال مختلف ہیں لیکن اکثر کتب فقہ وحدیث کے تتبع سے جو بات ثابت و مختار معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خالص سرخ کپڑا پہننا مکروہ تنزیہی ہے ۔بشرطیکہ عصفر یا زعفران کا رنگا ہوا نہ ہو۔ اور رنگ میں کوئی نجاست بھی شامل نہ ہو کما فی الدر المختار من المجتبی و غیر ها لا باس ان یلبس الثوب الاحمر و مفاده الکراهة التنزیهیة ص ۲٤۹ جلد ۵
وہ سرخ کپڑا جو عصفر اور زعفران کا رنگا ہوا ہے یا اس کے رنگ میں نجاست شامل ہے اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے – کمافی الشامی ص ۲٤۹ جلد ۵ من الحظر والا باحة فهذه النقول ماذکره عن المجتبی و القهستا فی و شرح ابی المکارم تعارض القول بکراهة التحریم ان لم یدع التوفیق بان حکم التحریم علی المصبوغ بالنجس او نحو ذلك.
(۳) جو کپڑا خالص سرخ نہ ہو بلکہ اس میں سرخ دھاریاں یا بیل بوٹے سرخ ہوں وہ بلا کراہت جائز ہے ایسے لباس کا پہننا آپ ﷺ سے ثابت ہے – کما حققه فی زاد المعاد تحت حدیث ولبس حلة حمراء غلط من ظن انها کانت حمراء بحتاً لا یخا لطها غیر ها وانما الحلة الحمراء بردان یمانیان منسوجات بخطوط حمرمع الاسود الخ – زاد المعاد ص ۳۵ جدل اول هذا – والله تعالی اعلم ۱۳ صفر ۱۳۵۰ھجری

نکاح کے وقت دولہا کے سہرا باندھنا

(سوال ۸۷۸) حسب رواج زمانہ شادیوں وباراتوں میں دولہا کے سر پر سہرا باندھنا جائز ہے یا نہیں –در صورت عدم جواز حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی ؟
(الجواب) سہرا باندھنا دولہا کے سر پر ناجائز ہے (جس کو عرف فقہاء میں مکروہ تحریمی سے تعبیر کیا جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ خاص رسم ہندوؤں کی ہے انہیں کے اختلاط سے مسلمانوں میں چل پڑی ہے یہی وجہ ہے کہ سوائے ہندوستان کے اور کہیں اس کا نام و نشان نہیں اور رسوم کفر و جاہلیت کو جاری رکھنا ناجائز ہے آنحضرت نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور مہمات اسلامیہ کے متعلق خاص شان سے بیان فرمایا ہے انہیں میں ایک جزو یہ بھی تھا کہ کل شئی من امر الجاهلیة موضوع تحت قدمی هاتین (مشکوٰۃ بحواله مسلم فی حدیث طویل ۱۸۹) اس کے علاوہ اس میں تشبہ ہے ہندوؤں کے ساتھ اور کفار کی

مشابہت کا اختیار کرنا احادیث کثیرہ و بعض آیات قرانیہ سے ناجائز ہے قال اللہ تعالی ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من تشبہ بقوم فھو منھم (ذکرہ السخاوی فی المقاصد الحسنۃ وحسنہ) یعنی جو کسی قسم کی مشابہت اختیار کرے اور بعض روایات میں ہے کہ جو کسی قوم کی جماعت کو بڑھائے وہ اسی قوم میں شمار ہوتا ہے اس لئے اس رسم کا چھوڑ دینا ضروری ہے۔ محض گناہ بے لذت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

انگریزی ٹوپی کی ممانعت اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی شرح

(سوال ۸۷۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہیٹ یعنی انگریزی ٹوپی کا مسلمانوں کے لئے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں اس زمانہ میں قریب قریب سب مسلمان گورنمنٹ عہدہ دار خصوصاً سیاحت کنندہ آفیسر اس کو پہنتے ہیں اب اس کی خصوصیت کسی قوم کے ساتھ نہیں رہی البتہ صلحاء وعلماء ہنوز اس کے استعمال سے مجتنب ہیں۔ اب یہ ٹوپی نہایت ہلکی ہے سر و دماغ میں ٹھنڈی ہوا پہنچتی ہے جو لوگ گھوڑے یا بائیسکل پر سوار ہوتے ہیں ان کے لئے دھوپ میں یہ ٹوپی نہایت ہی مفید ہے کیونکہ ایسی حالت میں چھتری کا استعمال دشوار ہے اگر اس میں تشبہ بالنصاریٰ یا بالفساق مان بھی لیا جائے تاہم چونکہ صلاح العباد کا تعلق ہے اسلئے ایسی مشابہت مضر نہ ہونا چاہئے کیونکہ امام ابو یوسف نے باوجود مشابہت بالرہبان کے نعلین مخصوفین بمسامیر کو بسبب صلاح العباد کے استعمال کیا ہے۔ کمافی ردالمختار ص ۴۶۱ جلد ا۔ باب مایفسد بہ الصلوٰۃ۔ حضرت علماء اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

(الجواب) ہیٹ یعنی انگریزی ٹوپی کا استعمال مسلمانوں کے لئے جائز نہیں اورباوجودیکہ آج کل کسی قدر عموم ہو چلا ہے لیکن عرف عام میں اب بھی اس کی خصوصیت انگریزوں کے ساتھ سمجھی جاتی ہے اس لئے تشبہ بالنصاریٰ سے ہرگز خالی نہیں، رہا ضرورت کا سوال سو رفع ضرورت کے لئے دوسری صورتیں بھی ممکن ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کی ٹوپی میں کوئی ایسی صورت بنائی جائے کہ وہ نصاریٰ ٹوپی سے ممتاز ہو جائے اور بالفرض اگر کوئی دوسری صورت نہ بن سکے تو جواز اس کا صرف بقدر ضرورت ہوگا جیسا کہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ ماجاز للضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ تو صرف دھوپ کے وقت اور وہ بھی گھوڑے اور بائیسکل کی سواری کے وقت جائز ہوگا باقی اوقات میں بدستور ناجائز و ممنوع رہے گا اور جو لوگ اس کا استعمال کرتے ہیں وہ ہرگز اس کی رعایت نہیں کرتے اور تجربہ شاہد ہے کہ ایسے معاملات میں اگر کچھ قیود و شرائط لگا کر اجازت دی جاتی ہے تو عوام میں قیود و شرائط سب حذف ہو جاتے ہیں اصل جواز باقی رہ جاتا ہے اس لئے انگریزی ٹوپی کا پہننا ناجائز و ممنوع ہے۔ بالخصوص جب کہ تفاخریا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ سخت گناہ ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ کا ارشاد درحقیقت مسئلہ تشبہ کی دو صورتیں واضح کرنے کے لئے واقع ہوا ہے جن میں سے ایک ناجائز ہے اور دوسری جائز کیونکہ اس جگہ دو چیزیں ہیں ایک تو غیر اختیار مشابہت و مشاکلت اور دوسرے اختیاری طور پر کسی خاص قوم یا شخص کی وضع کو اختیار کرنا پہلی صورت کی

مثال یہ ہے کہ ہر انسان کی صورت و شکل ناک و نقشہ قدر و قامت حرکت و سکون دوسرے سب انسانوں سے مشابہ اور ہم شکل ہے اس میں کفار و فجار سب ہی شریک ہیں جس طرح وہ کھانا کھاتے ہیں مسلمان بھی کھاتے ہیں جس طرح وہ کرتا پاجامہ پہنتے ہیں مسلمان بھی پہنتے ہیں جس طرح وہ سوتے ہیں یہ بھی سوتے ہیں اس کو اصطلاح اور لغت میں مشابہت اور تشابہ کہا جاتا ہے یہ غیر اختیاری امر ہے اس کے متعلق حسب قواعد مقررہ کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا یہ بلا خلاف جائز و مباح ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک وضع یا کوئی لباس یا برتن وغیرہ کسی خاص قوم کی علامت سمجھی جاتی ہو اب مسلمان اس کو اختیار کریں یہ تشبہ میں داخل اور ناجائز ہے پھر اگر قصد و نیت بھی تشبہ اور تفاخر کی ہو تو گناہ عظیم ہے اور بہ نیت نہ ہو تو بلحہ بغیر خیال تشبہ اتفاقاً استعمال کر لیا تو یہ بھی جائز نہیں مگر گناہ میں پہلے سے کم ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنے جواب میں اس کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ ان جوتوں کا پہننا حد تشبہ سے خارج ہے خود نبی کریم ﷺ سے ایسے جوتے پہننے کا ثبوت ہوا ہے جن کو نصاریٰ کے پادری بھی استعمال کرتے تھے مگر اس میں محض اتفاقی مشابہت تھی بقصد و اختیار تشبہ نہ تھا۔

علامہ شامی کی عبارت جو اس واقعہ کی تشریح میں وارد ہے اس کی تائید کے لئے کافی ہے وہی ہذا۔
فقد اشارالی ان صورة المشابهة فیما تعلق به صلاح العباد لا یضر فان الارض مما لا یمکن قطع المسافة البعیدة فیها الا بهذا النوع و فیه اشارة ایضاً الی ان المراد بالتشبه اصل الفعل ای صورة المشابهة بلا قصد (شامی باب ما یفسد الصلوٰة صفحه ٤٦١ جلد ١)

اور اسی تفصیل کی تائید درمختار و شامی کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔ **فان التشبه بهم لا یکره فی کل شئی بل فی المذموم و فیما یقصد به التشبه کما فی البحر (درمختار قال الشامی فانا ناکل و نشرب کما یفعلون بحر)** شامی صفحہ مذکورہ مزید تفصیل کے لئے احقر کا رسالہ تنوہ الاخیار[1] عن التشبہ بالکفار ملاحظہ ہو فرمائیں اور اس سے زیادہ جزئیات کی تفصیل مطلوب ہو تو مولانا محمد طیب صاحب کے رسالہ التشبہ فی الاسلام کا مطالعہ مناسب ہے۔

بچہ کو بوقت ولادت کسی بزرگ کا کپڑا پہنانا!

(سوال ۸۸۰) بوقت پیدائش بچہ کو کسی بزرگ کا کپڑا پہنانا جائز ہے یا نہیں۔ ؟

(الجواب) بلاشبہ جائز ہے اور باعث برکت ہے بشر طیکہ عقیدے میں کوئی فساد نہ ہو احادیث میں اس کی نظیریں ملتی ہیں ـ واللہ تعالیٰ اعلم

سرخ امامہ باندھنا

(سوال ۸۸۱) سرخ عمامہ باندھنا جائز ہے یا ناجائز اور یہ جواز یا عدم جواز علی الاطلاق ہے یا اس میں کچھ

[1] یہ رسالہ ایک دوسرے التصویر لاحکام التصویر کا جزو ہو کر شائع ہوا ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

تفصیل بھی ہے؟

(الجواب) جو کپڑا بالکل سرخ ہو نہ اس میں کسی قسم کی دھاریاں وغیرہ ہوں اور نہ رنگ میں کسی اور رنگ کی آمیزش تو مردوں کو اس کا استعمال مکروہ ہے پھر اگر یہ سرخی زعفران یا عصفر سے حاصل کی گئی ہو یا اس رنگ میں کوئی نجاست شراب وغیرہ پڑی ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی اور جس کپڑے کا استعمال خارج میں مکروہ ہے اس کا نماز میں بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا اور اگر کوئی دھاری دار سرخ [1] ہے تو اس کا استعمال بلا کراہت جائز اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

کمافی زاد المعاد قال الشامی قیل یکرہ اذا صبغ بالا حمر القانی لا نہ خلط بالنجس شامی صفحہ ۲۱٤ جلد ٥ وفی شرح النقایۃ لابی المکارم لا باس بلبس الثوب الاحمر و مفادہ ان الکرھۃ تنزیھیۃ درمختار.

الغرض جو سرخ کپڑا نجاست یا زعفران و عصفر سے رنگا ہوا نہ ہو اس کا استعمال جائز ہے مگر ترک اولی ہے بالخصوص عمامہ میں سرخ کا جواز اور بھی زیادہ صریح ہے۔ **کما فی الشامی ولا یکرہ فی الراس اجماعاً۔ ۲٦ صفر ۱۳٥۰ھ**

ترکی ٹوپی کا نماز میں پہننا

(سوال ۸۸۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکی ٹوپی اوڑھ کر نماز درست ہے یا نہ اگر امام ہے تو اس کے پیچھے والوں کی نماز درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) ترکی ٹوپی اوڑھنا خارج نماز جائز ہے لیکن اہل علم اور علماء کے لئے احتراز افضل ہے اور ترکی ٹوپی اوڑھ کر نماز پڑھنا بالخصوص نماز پڑھانا نماز مناسب نہیں کیونکہ اول تو یہ سرخ محض ہے جس کے متعلق مختار قول یہی ہے کہ مرد کے لئے مکروہ تنزیہی ہے (درمختار کتاب الکراہۃ) ثانیاً ہمارے اطراف میں یہ عموماً ایسے لوگوں کی وضع ہے جو مذہبی پابندیوں سے آزاد ہیں اس لئے کم از کم جماعت و امامت کے وقت اس سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے لیکن بایں ہمہ اگر کسی نے نماز پڑھا دی تو ہو گئی۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

سونے کے دانت بنوانا

(سوال ۸۸۳) کیا مرد سونے چاندی کے دانت بنوا سکتا ہے اگر جائز ہے تو اس کی علت کیا ہے؟

(الجواب) عوام کے لئے مسائل کی علت فقہاء کا فتوی ہے اصل قرآن و حدیث یا قیاس کے دلائل پیش کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ دوسرے احکام میں انہیں علتوں سے اجتہاد کرنے لگیں جس کی نہ ان میں اہلیت ہے اور نہ شرعی اجازت اس لئے صرف نقل فتوی پر اکتفا کیا جاتا ہے اسی کو علت سمجھنا چاہئے مسئلہ کے

[1] بشرطیکہ اس رنگ میں کوئی چیز شراب یا اسپرٹ وغیرہ شامل نہ ہو ۱۲ محمد شفیع

متعلق عالمگیری کتاب الکراہتہ باب عاشر ص ۲۱۴ ج ۴۔ کشوری میں ہے۔ قال محمدؒ یشدھا بالذھب ایضاً وھو روایۃ عن الامام ابی حنیفہ ذکرہ الحاکم فی المنتقی وافتی فی خلاصۃ الفتاوی بجواز اتخاذ السن من الذھب والفضۃ.

ملتے ہوئے دانت کو سونے یا چاندی سے بندھوانا

(سوال ۸۸۴) جب کہ سونے کا استعمال شریعت میں قطعی حرام ہے پس حدیث شریف ماجاءُ فی ربط الاسنا ن با لذ ھب سنن ابو داوٗد میں کس طرح آئی اور شریعت نے سونے کے دانت بنوانے کا کس وقت حکم دیا ہے اور کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے بدلائل احادیث وقرآن مطلع فرمایا جاوے ؟

(الجواب) اگر کسی شخص کا دانت ہلنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کے تار سے باندھنا جائز ہے اور یہی مطلب حدیث سنن ابوداوٗد کا ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے اذا تحرکت ثنیۃ الرجل الی ان قال فشدھا بذھب او فضۃ لا باس بہ ولیس ھذا کالحلی الخ. واللہ تعالیٰ اعلم

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم

(سوال ۸۸۵) آج کل ولایتی گھڑیاں سونے اور چاندی کی جو رائج ہیں ان کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اندرونی پرزے تمام لوہے کے ہوتے ہیں اوپر کا خول جو ہوتا ہے اس میں بھی غالب حصہ دوسری دھات کا ہوتا ہے اور کمتر سونے کا۔ نیز یہ بھی مطلع فرمائیں کہ آیا ایسی چیزوں پر زکوٰۃ دینا چاہیئے یا نہیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ فاؤنٹین پین (ولایتی قلم) جس میں سونے کا نب رہتا ہے اس کا استعمال بھی جائز ہے یا نہیں ؟بینوا توجروا۔

(الجواب) یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لئے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب ومتاع میں داخل ہیں (صرح بہ الھدایہ وغیرہا) لہذا ان کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے اور زکوٰۃ بھی مثل سونے اور چاندی کے ان پر نہیں آتی البتہ اگر تجارت کے لئے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ آئے گی فاؤنٹین پین میں بھی جو نب ہوتا ہے وہ بھی غالباً اصلی سونے کا نہیں ہوتا اس لئے جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سونے چاندی کے بٹن استعمال کرنا جائز ہیں

(سوال ۸۸۶) کیا مرد کو سونے چاندی کے بٹن، قمیص اور شیروانی میں لگانا جائز ہے یا نہیں ؟ اگر جائز ہے تو علت تخصیص کیا ہے۔

(الجواب) اس مسئلہ کی تصریح درمختار کتاب الحظر والاباحتہ میں اس طرح ہے ولا باس بازرار الذھب والفضۃ.

سچی یا جھوٹی زری کا لباس پہننا

(سوال ۷۸۸)ایک استفتاء اس سے قبل جناب کی خدمت میں پیش کیا تھا استفتاء مشہدی لنگی اور زریں کلاہ کے متعلق تھا، جس پر آپ نے تحریر فرمایا کہ مشہدی لنگی اور زرین کلاہ جس پر طلائی کام چار انگشت یا اس سے زیادہ ہونا جائز ہے اور اس پر مولانا شبیر احمد عثمانی کے دستخط بھی ہیں فقیر نے جہاں تک تلاش کیا صراحۃ ---- کے جواز کے متعلق کوئی جزئیہ نہیں ملا۔ طحطاوی در مختار میں ہے والدلیل علی حرمة هذه الاشیاء – انه علیه السلام رای علی رجل خاتم صفر فقال (الی اخره) تو پیتل تانبے وغیرہ کے حرکت کی دلیل تو یہ ہوئی اور مشکوٰۃ شریف میں ہے۔

عن مالکؒ قال انما اکره ان یلبس الغلمان شیئاً من الذهب لانه بلغنی ان رسول الله ﷺ نهی عن التختم بالذهب الحدیث (مشکوٰة) ای اذا کان خاتم الذهب منهیاً فغیره (من الحلی) اولی مرقاۃ تو جب خاتم الذہب کی وجہ سے اور زیور منع ہوئے تو خاتم صفر وکراس کی وجہ سے بھی منہیا عنہ ہے تو جب کہ حلی میں شامل ہیں شامی میں ہے-لان الحلی کما فی القاموس ما یتزیّن به ولا شك ان الثوب المنسوج من الذهب حلی انتهی تو اثواب منسوجه من الصفرة و النحاس بھی حلی میں شامل ہونے کی وجہ سے منع ہونے چاہئیے- تو پیتل تانبے کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کو حرام ہے جوہرہ میں بحوالہ شامی ہے- والتختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروهة للرجال و النساء انتهی- تو اثواب متخذہ من الصفرۃ والنحاس بھی دونوں پر حرام ہونے چاہئیں دوسرے بات یہ ہے کہ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ طلائی کام چار انگشت یا اس سے زیادہ ہو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چار انگشت بھی جائز نہیں عالمگیری میں ہے- اکثر من قدر اربع اصابع اس پر شامی نے لکھا ہے کہ وبه یعلم حکم الوقیة اذا کان احدنقوشها اکثر من قدر اربع اصابع لا تحل ملخصاً تو صحیح بات کونسی ہوئی۔

(۲)اسی استفتاء پر مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی نے تحریر فرمایا کہ طلاء کچھ بھی جائز نہیں اور یہی فتویٰ اس طرف کے علماء کا ہے کیونکہ سچا طلاء تو چار انگشت تک جائز ہے مگر کچی طلاء تو بالکل جائز نہیں ہونا چاہیے بوجوہ مذکورہ بالا-نیز ان ملبوسات محرمتہ الاستعمال کے ساتھ نماز کا کیا حکم ہے-فقط

(الجواب) جس مسئلہ کی تنقیح و تحقیق کے لئے آپ نے اشارہ فرمایا خود در حقیقت قابل تنقیح تھا نظر ثانی کرنے پر آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے ایک غلطی پر تنبیہ فرمائی-جزاکم اللہ تعالی

اب صحیح جواب یہ ہے کہ جس کپڑے کے حاشیہ وغیرہ پر سونے چاندی کا کام چار انگشت یا اس سے کم ہو مردوں کے لئے بھی جائز ہے چار انگشت سے زائد ہو تو مردوں کے لئے جائز نہیں- کمافی الدر المختار لا باس بالعلم المنسوج بالذهب للنساء فاما للرجال فقدر اربع اصابع وما فوق یکره اه (شامی صفحه ۳۰۹ ج ۵)

(۲) جھوٹا یا کچا طلا جو تانبے پیتل کے تاروں سے بنایا جاتا ہے اس کو آپ نے انگوٹھی پر قیاس کر کے مرد و عورت دونوں کے لئے ناجائز لکھا ہے اور احقر نے پہلے جائز لکھا تھا اب نظر ثانی کے وقت اس میں تردد ہو گیا

عدم جواز تو اس لئے یقینی نہیں کہ خاتم پر اس کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ خاتم مستقل زیور ہے اور کپڑے کا کام کپڑے کے تابع ہے اور اس باب میں بہت سی نظائر ایسی ہیں کہ بعض چیزیں اصالتہً جائز نہیں مگر تبعاً جائز رکھی گئیں۔ جیسے ازرار الذہب والفضہ اور اس بناء پر شامی نے لا یتختم الا بالفضة کے تحت میں فرمایا ہے۔ ای بخلاف المنطقة فلا یکرہ فیھا حلقة حدید و نحاس کما قدم وحل حلیة السیف کذالك یراجع اور جواز اس لئے اطمینان نہیں کہ کوئی نقل صریح جواز کی معلوم نہیں علامہ شامی نے بھی یراجع کہہ کر توقف کی طرف اشارہ کردیا احقر بھی اسی کو اختیار کر کے توقف کرتا ہے دوسرے علماء سے تحقیق کرلی جاوے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

یکم صفر ۶۷ھ بمقام دیوبند (اضافہ)

عورتوں کو مردوں کے مثل کپڑے پہننا حرام ہے

(سوال ۸۸۸) کیا پردہ نشین عورت پر مردوں جیسے کپڑے واسکٹ، کوٹ وغیرہ پہننا جائز ہے یا حرام۔ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ کھانے اور کپڑوں میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت مستحب ہے اگر کرے تو بہتر ہے ورنہ کوئی گناہ نہیں ہے؟

(الجواب) عورتوں کو مردوں کے مثل کپڑے پہننا حرام ہے اور سائل کا یہ کہنا کہ کھانے پینے کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ کی متابعت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جس کے ترک سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔کم علمی پر مبنی ہے صحیح بات یہ ہے کہ کھانے پینے کے معاملہ میں جس کھانے یا لباس یا وضع کی ممانعت نبی کریم ﷺ سے منقول ہے اس کا استعمال ناجائز اور گناہ عظیم ہے۔ ہاں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ممانعت نہیں فرمائی ان کا بے شک یہی حکم ہے کہ اس کا اتباع مستحب ہے واجب نہیں مثلاً کدو آنحضرت ﷺ کو مرغوب تھا تو اس کو مرغوب رکھنا واجب نہیں مستحب ہے۔واللہ اعلم اور چونکہ عورتوں کے لئے مردوں کی وضع بنانا اور پھر مرد بھی غیر مذہب والے اس کی صریح ممانعت حدیث میں وارد ہے۔اس لئے بلاشبہ عورتوں کے لئے کوٹ وغیرہ کا استعمال حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سینہ اور ساق کے بال منڈانا

(سوال ۸۸۹) حلق شعر سوائے راس وبطن وعانہ جائز ہے یا نہیں۔؟ مثلاً اگر فخذ یا ساق وغیرہ کے شعر کو حلق کرے یا قصر کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) فخذ اور ساق وغیرہ کے بال کا حلق جائز ہے بعض کے متعلق تو فقہاء نے صرحةً لکھا ہے مثلاً عالمگیری و شامی وغیرہ کے کتاب الحظر والاباحة میں ہے۔ لا باس باخذ الحاجبین و شعر الوجه مالم یتشبه بالمخنث کذافی الینابیع و فی حلق شعر الصدر و الظهر ترك الادب عالمگیری صفحہ ۲۳۹ ج ۲ اور ساق کے بالوں کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں تصریح جواز

بحوالہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام بدن پر سوائے چہرہ کے نورہ کرتے تھے - فتاوی رشیدیہ صفحہ ۶۲ جلد ا

گردن کے بال منڈوانا

(سوال ۸۹۰) گردن کے بال جو کہ کانوں کے لو کے نیچے ہوتے ہیں تراشنے یامنڈانے جائز ہیں یا نہیں ؟
(الجواب) جائز ہیں- كذا يشير اليه بعض الفاظ الشامی من الحظر و الاباحة وكذا صرح به حضرة الشيخ الگنگوهی رحمة الله عليه فی فتاواه ص ۸۳ ج ۲

حلق کے بال منڈانا اور سفید بال اکھاڑنا

(سوال ۸۹۱) حلق کے بالوں کو استرے سے صاف کرنا جائز ہے یا نہیں ؟(۲) سفید بالوں کو اکھاڑنا برائے تزئین کیسا ہے ؟(۳) سر کے بالوں کو حلق کرنا مسنون ہے یا نہیں ؟
(الجواب) حلق کے بالوں کو منڈانا علامہ شامیؒ نے ممنوع لکھا ہے - قال العلامة الشامی فی کتاب الحظر والا باحة فصل فی البیع و لا یحلق شعر حلقه الخ شامی جلد خامس ص ۴۰۱ مطبوعه مصر (۲) مکروہ ہے قال فی الدر المختار ولا باس ینتف الشیب - قیده فی البزازیة بان لا یکون علی وجه التزین (۳) سنت ہے کما قال العلامة الشامی وذکر الطحطاوی ان الحلق سنة و نسب ذلك الى العلماء الثلاثة الخ - کتبه مسعود احمد

الجواب صحیح- حلق کے بالوں کے منڈانے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے شامی سے جو قول منقول ہوا ہے وہ امام صاحب کا مذہب ہے اور اس میں احتیاط ہے لیکن ابو یوسفؒ سے جواز منقول ہے - کما فی العالمگیریة وعن ابی یوسف لا باس بذلك انتهى ص ۳۵۹ ج ۵

داڑھی کے بال ایک مشت سے بڑھ جائیں تو کٹوادینا جائز ہے

(سوال ۸۹۲) داڑھی ایک مشت سے زائد کٹوانا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں اور بزرگان دین کا کیا عمل ہے ؟
(الجواب) در مختار میں ہے ولا باس بنتف المشیب واخذ اطراف اللحیة والسنة فیها القبضه الخ -اس روایت سے معلوم ہوا کہ طریقہ سنت داڑھی کے بارے میں یہ ہے کہ مقدار ایک مشت کی رکھی جائے اور ایک مشت سے زائد کٹوانا جائز ہے اور ابن عمر کی حدیث کا یہی مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ ان زائد بالوں کو جو ایک مشت سے زائد اور بڑے ہوتے تھے ان کو کترادیتے تھے اور داڑھی کو برابر کردیتے تھے-

ایک مشت سے کم داڑھی کو کتروانا یا منڈانا

(سوال ۸۹۳) باعث تحریر آنکہ اس طرف بعض علماء قص لحیہ مادون القبضہ کو جائز کہتے ہیں اور صرف حلق

یامشبہ بالخنثیٰ ہی کی حرمت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حدیث وعبارات فقہاء سے مقدار قبضہ کا وجوب اور قص مادون القبضہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس کی علت مخالفت مشرکین وتشبہ بالمخنثین ہے

اخراج الامام البخاری والمسلم فی صحیحهما عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ خالفو المشرکین اوفر واللحٰی واحفوا الشوارب وفی روایة انهکو الشوارب واعفوا اللحٰی – (۲) قال فی الفرائد شرح الکنز فی کتاب الصوم و صرح فی النهایة بوجوب قطع مازا د علی القدر المسنون وهو القبضة وکان ابن عمر یقطع مازاد علی الکف واما ما فعله الا عاجم و اکثر المغاربة فهو مخالف لا صول الدین کما فی الصحیحین عن ابن عمر احفو الشوارب واعفو اللحی من ان یاخذ غالبها کالرافضة الضالة المضلة قطع الله وابرهم سود وجهم انتهٰی–

(۳) قال فی اللمعات شرح المشکوٰة فی باب السواك هل یجوز حلق اللحیة کما یفعل الجوا لقیون الجواب لا یجوز ذکره فی جنایة الهدایة و کراهیة التجنیس و ظاهر کلا مهم حرمة حلق اللحیة و نقصا نها من القدر المسنون الخ.

قال فی نصاب الاحتساب فی الباب السادس هل یجوز حلق اللحیة کما یفعله الجوالقیون، الجواب لا یجوز ذکره الخ – قال فی فتح القدیر فی باب الصوم واماالا خذ منها ای من اللحیة وهی دون ذلك ای قدر القبضة کما یفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه احد انتهٰی – وکذا ذکره فی الدر المختار فی کتاب الصوم ناقلاً عن الفتح و صاحب فتح المعین شرح المسکین ناقلاً عن الفتح وشر بنلالیة.

(٤) وقال الشیخ المحقق عبدالحق الدهلویؒ دراشعة اللمعات شرح المشکوٰة فی باب السواک و حلق کردن لحیہ حرام است وروش فرنج وجوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند۔

وقال فی فتح الباری وعمدة القاری شروح البخاری قوله خالفوا المشرکین فی حدیث ابی هریرهؓ خالفوا المجوس وهو المراد فی حدیث ابن عمرؓ فانهم کانوا یقصون لحاهم و منهم من کان یحلقها انتهی.

(٥) وقال العلامة عبدالغفور الهمایونی فی فتاواه – نیز کم کردن لحیہ از قدر قبضہ از اثار مخنثہ الرجال ست۔

(٦) وقال فی موضع آخر نیز در آخر حدیث اعفوا اللحیة لفظ خالفوا المشرکین واقع است که بمنزله علت است براعفاء اللحیة و شك نیست که عادت مشرکین حلق هم بودوقص مادون القبضة الخ –

(۷) وقال فی موضع آخر پس ازینجاں ثابت شد کہ حلق لحیہ وتخفیف آں فعل کفر است وتشبہ بکفر فجرہ ممنوع است انتہی۔

مذکورہ بالادلائل سے معلوم ہو گیا کہ حلق وقص مادون القبضة کی حرمت صرف تشبہ بالمشرکین والمخنثة کی وجہ

سے ہے اور زمانہ موجودہ میں کوئی مشرک یا مخنث ایسا نہیں جو حلق یا قص قریب من الحلق نہ کرتا ہو لہذا قص مادون القبضہ جو حلق کے قریب نہ ہو اس پر تشبہ نہیں جو علت ہو حرمت کی اور عدم علت کی وجہ سے معلول بھی معدوم ہو گیا انتہی دلیل الخصمۃ۔

اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ مقدار قبضہ کی علت تو واقعی مذکورہ بالا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ علت زمانہ موجودہ میں پائی نہیں جاتی تو کیا ایسا کوئی حکم ہے کہ واجب تو کسی علت کی بناء پر ہو مگر بعدہ علت کے معدوم ہو جانے کے باوجود اس کا وجوب باقی رہے اگر ہو سکتا ہے تو اس کے چند نظائر تحریر فرما کر تسکین فرمادیں اور قص مادون القبضہ کے جواز کے مثبت چونکہ اس کے جواز میں فتاوی شائع کر رہے ہیں عوام بلکہ خواص کے بھی فتنہ میں پڑ جانے کا احتمال ہے لہذا جواب پوری تحقیق و تدقیق سے مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۲) نیز حضرت مولانا تھانویؒ نے ترک مازاد علی القبضہ کو مباح لکھا ہے کما ھو المشھور فی الخواص ایضاً اور عبارات مندرجہ ذیل سے قص مازاد کا وجوب اور ترک مازاد کی حرمت ثابت ہوتی ہے لہذا اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔ عبارات مثبت وجوب قص مازاد علی القبضۃ یہ ہیں۔قال فی الفرائد شرح الکنز فی کتاب الصوم۔ وصرح فی النھایة بوجوب قطع مازاد علی القدر المسنون وھو القبضة الخ – وقال العلامة الطحطاوی فی حاشیة الدر المختار فی باب ما یفسد الصوم وما یکرہ فیہ – و صرح فی النھایة بوجوب قطع مازاد علی القبضة بالضم و مقتضاہ الاثم بترکہ – الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت– قال فی النھر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النھایة یحب بالحاء المھملہ ولا بأس بہ قلت وھو الذی فی الشرنبلالیة – لکن عبارة النھایة قرینة الی الفھم الوجوب منھا لتعبیرہ بکان المفیدة للمواظبة المفیدة للوجوب ونصھا کمافی النھر یجب قطعہ ھکذا ثبت عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یاخذ من اللحیة من طولھا وعرضھا انتھی. نیز جب امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور اعفوا اللحی میں بھی باتفاق وجوب پر محمول ہے تو قصوا الشوارب میں کسی قرینہ کی وجہ سے وجوب نہیں لیا گیا کہ جملہ فقہاء قص الشوارب کے سنت ہونے کے قائل ہیں وجوب کا کوئی قائل نہیں۔فقط بینوا توجروا؟

(الجواب) قرآن وحدیث کے معانی و مفہوم اور خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد متعین کرنے میں سب سے بڑا اسوہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا تعامل ہے اس سے قطع نظر کر کے جو مراد و مفہوم سمجھ لیا جاوے اس میں اکثر مغالطے پیش آتے ہیں جو اصول آپ نے تحریر فرمایا ہے اگر اس کو اس طرح عام کر دیا جائے کہ احکام شرعیہ کے اسباب وعلل نکال کر ان پر احکام کو دائر کر دیں تو احکام شرعیہ کا اکثر حصہ خود بخود ختم ہو جائے گا نماز کی حکمت و غرض تواضع و عبدیت ہے روزہ کی علت نفس کی خواہشات کو قابو میں رکھنے اور خلاف شرع سے بچنے کی عادت۔زکوۃ کی علت مالی ایثار قرار دیکر اگر کوئی صاحب ان قیود و شرائط سے آزاد ہونا چاہیں جو ان فرائض کی ادائیگی کے لئے آنحضرت ﷺ سے قولاً و عملاً ثابت ہیں تو کیا کوئی اس کو جائز قرار

دے سکتا ہے اذان واقامت کی علت لوگوں کو جماعت نماز کے لئے بلانا ہے یہ علت دو کلمے نماز کے لئے آؤ کہ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے مگر کیا کوئی اہل فہم اس کی اجازت دے گا کہ اذان کے مشروع ومسنون طریقے کو چھوڑ کر اس پر اکتفا کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں ہر ایک حکم کے بہت بہت اسباب و علل ہوتے ہیں ایک سبب یا علت کے موجود و معدوم ہونے پر احکام میں تغیر تبدل نہیں کیا جا سکتا دیکھئے تصویر کی ممانعت کی احادیث میں مختلف وجوہ مذکور ہیں کہیں تشبہ بالکفار کہیں یہ کہ فرشتے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ کہیں یہ کہ یہ آرائش دنیا کی چیز ہے اور فحش و عریاں تصاویر میں دوسری اخلاقی خرابیاں بھی ہیں کہیں مطلقاً تصویر کھینچنے اور اس کے استعمال کو ممنوع قرار دیا ہے تو اگر کوئی شخص یہ کہے ہم ایسی تصاویر نہیں رکھتے جن سے بت پرستوں کی مشابہت لازم آئے بلکہ اپنے احباب اور اقرباء کے فوٹو یا تصویر رکھتے ہیں تو کیا اس سے تصویر کی اجازت نکل آوے گی نہیں جب کہ تصویر کی مطلقاً بھی ممانعت ہے اور مختلف اسباب اس کی ممانعت کے احادیث میں مذکور ہیں تو ایک سبب کا نہ ہونا اس کو جائز نہیں کردے گا۔ جیسے ایک مجرم پر دس دفعات جرم عائد ہوں حاکم اس کو ایک دفعہ جرم سے بری کردے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بالکل بری ہو گیا غرض اپنی طرف سے یا بعض الفاظ حدیث سے کسی حکم شرعی کا کوئی سبب اور کوئی منشا معلوم کر کے تعامل نبی ﷺ و صحابہ کرامؓ سے قطع نظر اس علت و سبب پر حکم کو دائرہ کر دینا کسی اہل فہم کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا ورنہ شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے نشہ کے درجہ سے کم پینا جائز کہنا پڑے گا (معاذ اللہ) ہاں بعض احکام وہ بھی ہیں جن کے اسباب و علل خود حدیث میں بتلائے گئے ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان احکام کا دارومدار اس علت پر ہے وہاں حضرات فقہاء نے بے شک علت بدل جانے پر حکم بدل جانے کا فیصلہ کیا ہے جیسے عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت کا مسئلہ ہے کہ اس کی بناء آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں فتنہ کا خوف غالب نہ ہونے پر تھی (اور اس علت کی تصریحات خود روایات حدیث میں موجود ہیں) اس بناء پر بعد میں حضرات صحابہؓ نے محسوس کیا کہ اب یہ بناء باقی نہیں رہی اس لئے ممانعت کردی صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہؓ کا ارشاد منقول ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ اس وقت کی حالت کا مشاہدہ فرماتے تو یقیناً عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیتے تعامل صحابہ سے ثابت ہو گیا کہ اس اجازت و علت کی بناء اس عدم خوف فتنہ پر تھی اور اسی پر حکم دائر تھا اس لئے عامہ فقہاء نے اس کو قبول کیا اور اسی پر حکم دائر کر دیا اسی طرح خاص خاص کیلی اور وزنی چیزوں کے باہم مبادلہ میں کمی بیشی کو سود قرار دینا خاص علت پر موقوف تھا جس جگہ وہ علت نہ پائی گئی خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ان صورتوں کا جواز ثابت ہے اسی تعامل کے تحت حضرات فقہاء نے اس علت پر حکم کو دائر کر دیا یا داڑھی کے بارے میں اصل تو یہ ہے کہ داڑھی چھوڑو اور مونچھیں کٹواؤ۔ یہ مطلق ہے اس میں کوئی قید و شرط نہیں کسی روایت میں اس حکم کی ایک حکمت یہ بھی بیان کردی کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار سے حفاظت ہو جائے گی لیکن آنحضرت ﷺ اور پوری جماعت صحابہؓ و تابعینؒ میں کسی ایک سے کسی ایک وقت بھی یہ منقول نہیں کہ چار انگشت سے نیچے داڑھی کو کٹوایا ہو اس

علت پر کہ اس سے تشبہ بالکفار باقی نہیں رہا کیونکہ جس طرح آج کل کے کفار یا داڑھی منڈاتے ہیں جیسے ہنود-یا پوری رکھتے ہیں جیسے سکھ و یہود درمیانی حالت کہ کٹوا کر ایک دو انگشت چھوڑ دیں کسی خاص فرقہ کفار کا شعار نہیں اسی طرح قرون مشہود لہا بالخیر میں بھی یہ کیفیت تھی کسی فرقہ کا شعار نہ تھا اگر محض تشبہ بالکفار سے نکل جانا داڑھی کٹوانے کے جواز کے لئے کافی ہوتا تو اتنے طویل زمانہ میں لاکھوں کروڑوں انسانوں میں کوئی اس پر اقدام کرتا۔

الغرض احادیث صحیحہ سے تو یہی ثابت ہے کہ داڑھی بالکل نہ کٹوائی جائے لیکن صحابہ کرامؓ کے تعامل سے اتنا ثابت ہوا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ ایک مشت سے نیچے نہ کٹوائیں اس سے زائد ہو تو کٹوانے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل و قول سے ثابت ہے اس تعامل صحابہؓ سے جو حکم حدیث کا مفہوم و متعین ہو گیا اب اس سے کم کر دینا کسی فقیہہ کے نزدیک جائز نہیں ہو سکتا۔

(۲) تعامل صحابہ سے اس کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ سب صحابہ کرامؓ کا یہ معمول نہ تھا کہ مافوق القبضہ کو کتروائیں اسی لئے روایت حدیث میں اس کو خاص خاص صحابہ کا معمول نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قطع مازاد واجب نہیں اس لئے عام فقہاء نے اباحت ہی کا حکم دیا ہے اور جس کے کلام میں وجوب کا لفظ آ گیا ہے اس کے معنی ثبوت کے قرار دیئے گئے ہیں۔

اور حدیث احفوا الشوارب سے شوارب کا کٹوانا ایسا ہی واجب ہے جیسے داڑھی کا چھوڑنا مجھے کہیں یاد نہیں کہ فقہاء نے اس کے وجوب کا انکار کیا ہو البتہ تعامل سے یہاں بھی ایک حد ثابت ہے کہ اس سے زائد کا کٹوانا واجب ہے اس سے کم رہتے ہوئے گنجائش ہے اور وہ حد لبوں کا حصہ اسفل ہے-واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ)

شوال ۱۳۶۷ھ دیردیوبند

کتاب اللعب و الغناء و التصاویر

(کھیل گانے اور تصاویر کے احکام)

تصویر کشی اور فوٹو وغیرہ کے احکام

(سوال ۸۹٤) تصویر کشی کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تصویر کشی شریعت اسلامیہ میں مطلقاً حرام ہے خواہ قلم سے ہو یا بصورت فوٹو گرافی یا بصورت طباعت و پریس بشرطیکہ کسی جاندار کی تصویر ہو-حدیث میں ہے۔

اشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله رواه البخاری و مسلم عن عائشہؓ مرفوعاً-اور بعض روایات میں اس جگہ لفظ مصورون بھی موجود ہے-کمارواه البخاری و مسلم عن عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے دوسری ایک حدیث میں مروی ہے سمعت رسول الله ﷺ قال الله تعالیٰ من اظلم ممن ذهب یخلق کخلقی بخاری و مسلم اور ایک اور حدیث میں ہے-یقال

لھم احیوا ما خلقتم یعنی مصوروں سے عذاب کے وقت بطور تنبیہ کہا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی صورت میں جان بھی ڈالو۔

ان روایات اور دوسری اسی قسم کی احادیث سے ثابت ہوا کہ تصویر کشی مطلقاً حرام ہے۔ جس میں کسی قسم کا استثناء منقول نہیں۔

ایضاً -- سوال ۸۹۵) فوٹو تصویر ہے یا نہیں اور فوٹو گرافی تصویر کشی میں داخل ہے یا نہیں؟

(الجواب) فوٹو بھی تصویر کی ایک قسم ہے جیسے پریس پر چھپی ہوئی تصویر ایک قسم ہے تصویر کی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دستی اور قلمی تصویروں میں قلم دوات کے ذریعہ سے تصویر کھینچی جاتی ہے اور پریس میں سیاہی کے رول سے اور فوٹو میں عکس پر اس کے مسالہ اور آلات سے۔ آئینہ اور پانی کے عکس پر اس کو قیاس کرنا محض بے معنی اور لغو ہے کیونکہ اس عکس کو کسی مسالہ سے پائیدار اور قائم نہیں کیا جاتا اور اگر بالفرض آئینہ یا پانی میں بھی کسی مسالہ کے ذریعہ سے عکس کو قائم کر دیا جائے تو وہ بھی تصویر کے حکم میں داخل ہو جائے گا پھر وہ عکس نہ رہے گا کیونکہ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک ذی عکس کے تابع ہو اس کے وجود سے جدا نہ ہو سکے اور یہ ظاہر ہے کہ فوٹو کا عکس ذی صورت کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فوٹو گرافی بھی تصویر کشی کے حکم میں ہے۔

ایضاً -- (سوال ۸۹۶) جاندار کی وہ مکمل تصویر جو محض آرائش اور زیب و زینت کے لئے رکھی جاتی ہے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) جو تصویر محض آرائش کے لئے رکھی جاتی ہے اگر وہ کسی جاندار کی تصویر ہے تو اس کا رکھنا ناجائز ہے البتہ اگر اسی کو ذلت و امتہان کی جگہ میں ڈال دیا جائے جیسے جوتوں کے فرش میں یا اور کسی ایسی ہی جگہ تو پھر جائز ہو جاتا ہے۔ کمافی حدیث عائشہؓ عند احمد فی مسندہ و عند البخاری و مسلم بعض روایات حدیث میں صراحۃً مذکور ہے فاما ان تقطع رؤسھا او تجعل بساطاً موطا وقال البدر العینی وبہ قال مالکؒ وابو حنیفۃؒ و الشافعیؒ۔

ایضاً -- (سوال ۸۹۷) وہ مکمل تصویر جو محض طبّی معلومات یا نقشہ جات جنگ یا دوستوں سے خط ملاقات حاصل کرنے وغیرہا کے لئے ہو تو کیا حکم ہے؟

(الجواب) طبّی معلومات یا نقشہ جنگ وغیرہا کے لئے مکمل تصویر رکھنا جائز نہیں اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ ضرورت جس کو لوگ خواہ مخواہ ضرورت بنالیں شریعت اس کی اجازت بھی دے اور دوسرے اس جگہ تو یہ ضرورت اس طرح بھی رفع ہو سکتی ہے کہ ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ تصویریں رکھی جائیں بجز سر کے کہ اس

کی تصویر تیار کرنا بھی جائز نہیں جیسا کہ آئندہ سوال میں ذکر کیا جائے گا۔

ایضاً - (سوال ۸۹۸) صرف چہرہ کی تصویر یا نصف اعلی کی تصویر شرعاً کیا حکم رکھتی ہے ؟

(الجواب) صرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اعلی کی وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔ لمافی روایة الطحاوی عن ابی هریرةؓ الصورة الراس فکل شئ لیس له راس فلیس بصورة معانی الاثار ص ۳۶۶ جلد اول اور شرح احیاء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے کل شئ له راس فهو صورة اتحاف السادہ صفحہ ۵۹ جلد ۷

اور تلقیح فہوم اہل الاثر لابن الجوزی ص ۲۰ میں ہے کان لرسول الله ﷺ ترس فیه تمثال راس کبش فکرهه رسول الله ﷺ فاصبح یوماً وقد اذهبه الله عزو جل۔

تصویر کے متعلق تمام احکام کی تفصیل مع دلائل نقلیہ وعقلیہ اور مع جواب شبہات احقر کے رسالہ التصویر لاحکام التصویر میں مذکور ہیں - ضرورت ہو تو اس کا مطالعہ فرمایا جاوے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم - ۱۵ صفر ۱۳۵۰ ہجری۔

صرف چہرہ یا نصف اعلی کی تصویر بنانا بھی حرام ہے

(سوال ۸۹۹) ماقولکم فی تصویر صورة الانسان اووجهه سواء کان مع البدن الذی لا یعیش الانسان بدونها ام لا سواء کان لما یمتهن او لغیره هل هو حرام ام حلال؟

(الجواب) اس پر جواب مولوی محی الدین صاحب کا لکھا ہوا تھا کہ صرف چہرہ کی تصویر بنانا بھی مطلقاً جائز ہے اس پر مفتی صاحب نے حسب ذیل تحریر لکھی ہے -ومما یویده مارواه الطحاویؒ عن ابی هریرةؓ فی معافی الاثار ص ۳۶۶ ج ۲ الصورة الراس فکل شئ لیس له راس فلیس بصورة انتهی ومافی کنز العمال عن معجم الاسمٰعیل عن ابن عباسؓ الصورة الراس الحدیث کنز العمال ص ۸۰ ج ۸ وایضاً یصرح به ماذکره العلامة الزبیدیؒ فی شرح الاحیاء عن عکرمة کل شئ له راس فهو صورة شرح احیاء ص ۵۹ ج ۸- وقال العینی فی شرح صحیح البخاری المراد من الصورة اللتی فیها الروح ممالم یقطع راسه اولم یمتهن - وفی البدایع من کراهیة الصلوٰة وان لم تکن مقطوعة الرؤس فتکره الصلوٰة فیه فقد ظهر مما ذکر نا من العبارات ان الصورة الممنوعة الاستعمال ماکان لها راس و وجه واما صنعتها فهو حرام مطلقاً لکل تصویر سواء کان استعمالها جائزاً اولا -قال العینی فی شرح الصحیح وهو من الکبائر سواء صنف لما یمتهن اولغیره فحرام بکل حال عمدة القاری ص ۳۰۹ ج ۱۰ (والله تعالیٰ اعلم)

فوٹو کے متعلق شرعی تحقیق

(سوال ۹۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ جدید فوٹو گرافی جو تصویریں کھینچی جاتی ہیں ان میں آئینہ کی طرح عکس آتا ہے البتہ غیر مستقل اور مستقل طور پر صورت قائم ہو جانے کا فرق ہے پس ارشاد ہوا کہ بلا ضرورت شدیدہ مثلاً لازمی پاسپورٹ وغیرہ اس جدید طریقہ فوٹو گرافی سے جاندار کے پورے قد کی تصویر کھینچنا اور کھچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ پس اگر جائز ہے تو کیوں اور اس میں کیا مصلحت ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس طرح سے تصویر کھینچنے والے اور کھچوانے والوں کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز میں اقتدا درست ہے اور کیا یہ لوگ فاسق کے حکم میں داخل ہیں؟ اور اس قسم کی تصویریں اپنے پاس رکھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) کسی جاندار کی صورت بنانا خواہ مجسمہ کی صورت میں ہو یا نقش اور رنگ کی صورت میں اور پھر خواہ قلم سے اس کی نقاشی کی جائے یا پریس وغیرہ پر اس کو چھاپا جائے اور یا فوٹو کے ذریعہ عکس کو قائم کیا جاوے یہ سب بلاشبہ تصاویر و تماثیل ہیں جن کی حرمت پر اس قدر احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں کہ اگر تواتر کا دعویٰ کیا جائے تو غالباً صحیح ہوگا فوٹو کی تصویر کو یہ کہنا کہ یہ تصویر نہیں بداہت کا انکار ہے اور یہ شبہ کہ آئینہ اور پانی میں اپنا عکس دیکھنا ممنوع نہیں بالکل بے معنی اور بے اصل ہے کیونکہ فوٹو عکس نہیں بلکہ عکس کے ذریعہ تصویر بنانا ہے یعنی بجائے اس کے کہ تخمینہ اور نظر سے تصویر کھینچی جاتی فوٹو میں عکس سے تصویر بنائی جاتی ہے مسالہ کے ذریعہ عکس کو پائیدار بنانا یہی تصویر کشی ہے۔ عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک کہ اس کے تخمینہ اور نظر سے تصویر کھینچی جاتی فوٹو میں عکس سے تصویر بنائی جاتی ہے مسالہ کے ذریعہ عکس کو پائیدار بنانا یہی تصویر کشی ہے عکس اسی وقت تک عکس ہے جب تک کہ اس کو پائیدار نہ کیا جاوے اور جب اس کو فوٹو کے ذریعہ سے قائم کر لیا گیا تو وہ عکس کی حد سے نکل گیا اور تصویر بن گیا اس تصویر کے مفہوم سے نکالنا نصوص شرعیہ کی تحریف ہے جو ایک مستقل دوسرا گناہ عظیم ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق احقر کے رسالہ کشف السجان عن وجہ فوٹو غراف اور رسالہ التصویر لاحکام التصویر میں موجود ہے ضرورت ہو تو اس کو دیکھ لیا جاوے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ فوٹو کے ذریعہ تصویر بنانا اور قلم وغیرہ سے تصویر کھینچنا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں تو یہ بھی واضح ہو گیا کہ جاندار کا فوٹو لینا یا فوٹو کھنچوانا دونوں گناہ کبیرہ ہیں حدیث صحیح البخاری و مسلم میں ارشاد ہے۔ **اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ الذین یصورون ھذہ الصور (بخاری و مسلم) بطرق متعددہ والفاظ مختلفۃ۔**

نیز بخاری و مسلم کی طویل حدیث میں ہے کل مصور فی النار۔ یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

وقال تعالیٰ ۔ ولا تعاونو علی الاثم والعدوان الایۃ۔

اور فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

قال اصحابنا وغیر ھم تصویر صورۃ الحیوان حرام اشد التحریم و ھومن الکبار سواء

منه لما يمتهن او لغيره فحرام بكل حال لان فيه مضاهات بخلق الله تعالى و سواء كان فى ثوب او بساط او دينار اودرهم او فلس اوحائط (الى قوله) و به قال جماعة العلماء مالك و السفيان و ابو حنيفةؒ انتهى – و فى رد المحتار ويكره الدخول الى بيت فيه صور على سقفه او حيطانه او على الستر والا زر والوسائد العظام (الى قوله) وكذالك نفس التعليق لتلك الصور الخ (شامى مكروهات الصلوٰة – و مثله فى البدائع ص ۱۱۶ ج ۱)

احادیث مذکورہ اور عبارات فقہاء سے یہ بھی ثابت ہے کہ فوٹو اور مطلقاً تصویر کھینچنا کھنچوانا اور ان کا استعمال کرنا اور ان کا اپنے پاس رکھنا گناہ کبیرہ ہے اور کرنے والا ان افعال کا فاسق ہے اور نماز اس کے پیچھے جب کہ دوسرا صالح امام مل سکتا ہو مکروہ تحریمی ہے - كما صرح به فى ردا المحتار و عامة كتب المذهب – والله سبحانه و تعالى اعلم-

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مدرس دار العلوم دیوبند – ۳ شعبان ۵۶ھ

الجواب صحیح - بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح - محمد اعزاز علی غفر لہ مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح - شمس الحق عفا اللہ عنہ مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح - مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دار العلوم دیوبند

احکام تصویر

(سوال ۹۰۱) جاندار کی تصویر کا بنانا اور استعمال کرنا ؟

(الجواب) تصویر کے متعلق دو امر قابل تذکرہ ہیں ایک تصویر کشی اور دوسرے استعمال تصویر - امر اول کا حکم جمہور علماء صحابہ و تابعین اور آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا مطلق بلا استثناء حرام ہے - روى البخارى عن ابن عباس قال سمعت رسول الله ﷺ كل مصور فى النار الحديث (بخارى و مسلم)

يخرج عنق من النار يوم القيامة لها عينان تبصران و اذ نان تسمعان و لسان ينطق يقول انى وقلت بثلثة– بكل جبار عنيد و كل من دعا مع الله الها اخر و بالمصورين الحديث (مشکوٰۃ) ان احادیث کے اطلاق سے جمہور امت کے نزدیک کوئی چیز مستثنی نہیں اور تصویر کشی خواہ قلم سے ہو یا بذریعہ طباعت یا بذریعہ فوٹو گرافی سب اقسام اس میں داخل ہیں علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں - وفى التوضيح قال اصحابنا وغيره هم تصوير صورة الحيوان حرام اشد التحريم وهو من الكبائر وسواء صنعة لما يمتهن او لغيره فحرام بكل حال لأ ن فيه مضاها ة لخلق الله و سواء كان فى ثوب او بساط او دينار او درهم او فلس اواناء اوحائط واما ما ليس فيه صورة حيوان كالشجرة و نحوه فليس بحرام و سواء كان فى هذا كله ماله ظل و ما لا ظل له وبمعناه قال

جماعة العلماء مالك و الثوری و ابوحنیفةؒ وغیرهم اه (عمدة القاری ص ۷۰ ج ۲۳) اوربعینہ یہی مضمون فتح الباری ص ۳۴۲ ج ۱۰ اور نووی شرح مسلم میں موجود ہے دراہم ودنانیز کی تصویر کی ممانعت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طباعت کے ذریعہ جو کوئی تصویر چھاپی جائے وہ بھی حرام ہے کیونکہ دراھم ودنانیز کی تصویریں مطبوع ہی ہوتی ہیں اور پھر فوٹو کی طباعت اور لیتھو کی طباعت ظاہر ہے احکام میں کوئی فرق نہیں رکھتیں۔

امر دوم جاندار کی تصویر کا استعمال کپڑوں یا دیواروں یا برتنوں وغیرہ میں ۔ سو احادیث کثیرہ جن کا عدد تواتر معنوی کی حد کو پہنچ جاتا ہے تصویر کے استعمال کو ناجائز قرار دیتی ہیں جن کا لکھنا اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں اور زیادہ ضرورت بھی نہیں کیونکہ خاص وعام میں مشہور ومعروف ہے۔ ومن جملتها الحديث المشهور لا تدخل الملائكة بيتا فيه صورة او كلب الحديث - واخرج الشيخان عن عائشةؓ انها قالت قد اتخذت على سهوة لها ستراً فيه تماثيل فهتكه النبی ﷺ فاتخذت منه نمر قتين فكانتا فی البيت يجلس عليهما - (بخاری و مسلم)

لیکن استعمال تصویر کی ممانعت جو احادیث صحیحہ صریحہ میں مذکور ہے اس میں سے چار قسم کی تصویریں شرعاً مستثنیٰ ہیں اور عام فقہاء مذاہب نے ان کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اول سر کٹی ہوئی تصویر (۲) وہ تصاویر جو پامال وذلیل ہوں (۳) اتنی چھوٹی کہ اگر کھڑے ہو کر اور تصویر کو زمین پر رکھ کر دیکھا جائے تو اعضاء کی تشریح پوری نظر نہ آئے (۴) بچوں کی گڑیا جو مکمل تصویر نہ ہوں۔ بلکہ ناتمام تصویریں جیسے پہلے بچوں کی ہوا کرتی تھیں اولین کے جواز کی دلیل جامع ترمذی اور ابوداؤد کی روایت ہے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اتانی جبريل عليه السلام قال آتيتك البارحة فلم يمنعنی ان اكون دخلت الا انه كان على الباب تماثيل وكان فی البيت قرام ستر فيه تماثيل وكان فی البيت كلب فمر براس التمثال الذی على باب البيت فيقطع فيصير كهياة الشجرة ومر بالستر فليقطع فليجعل و سادتين بنو ذتين توطان ومر با لكلب فليخرج ففعل رسول الله ﷺ (ابوداؤد و ترمذی)

علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

وقالو اكره رسول الله ﷺ ماكان ستراً ولم يكره ما يداس عليه و يوطا وبهذا قال سعد ابن ابی وقاص وسالم و عروة و ابن سيرين و عطاء وعكرمة وقال عكرمة فيما يؤطا من الصور (الى قوله) وهذا اوسط المذاهب وبه قال مالك والثوری وابو حنيفةؒ والشافعیؒ اه (عمدة القاری ص ۷٤ ج ۲۳) ومثله فی فتح الباری ص ۳٤٦ ج ۱۰ - وقال فی البدائع - و كذا يكره الدخول الى بيت فيه صورة على الوسائد و الطعام فيه اه (بدائع ص ۱۱٦ ج ۱) اور طحاوی معانی الاثار میں فرماتے ہیں الصورة الرأس كل شئ ليس له رأس فليس بصورة اه (معانی الاثار ص ۳٦٦ ج ۲ اور کنز العمال میں مرفوعاً ہے۔ الصورة الراس فاذا قطع الراس فلا صورة اه (

کنز العمال ص ٤٠ ج ٨) اور علامہ زبیدی نے شرح احیاء میں حضرت عکرمہ کا قول نقل کیا ہے قال عکرمۃ کل شئی لیس لہ راس فھو صورۃ اہ اتحاف السادۃ (ص ٥٩ ج ٧) اوربدائع الصنائع میں ہے- وان لم تکن مقطوعۃ الرأس فتکرہ الصلوٰۃ اہ (بدائع ص ١١٥ جلد ١)

تنبیہ

ان عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ تصاویر جن کو انگریزی میں بسٹ کہتے ہیں یعنی نصف اعلیٰ کی تصاویر وہ بھی شرعاً پوری تصویر کی طرح ممنوع الاستعمال ہیں ام سوم چھوٹے بچوں کے لئے گڑیوں کا کھیل سواس کا ثبوت اولاً یہ حدیث ہے- ان عائشۃ الی قولہ یلعبن بالبنات الخ اور امام بخاری نے مستقل ترجمۃ الباب میں یہ لکھا ہے- الاباحۃ لصغار النساء اللعب باللعب اور علامہ عینی نے شرح بخاری میں یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ اجازت چھوٹے بچوں کے لئے ہے اور امام غزالی اور خطابی وغیرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ درحقیقت یہ اجازت ان گڑیوں کے متعلق ہے جو مکمل تصویر نہ ہوں۔

امر چہارم- یعنی چھوٹی تصویریں ان کے جواز کی دلیل بعض آثار صحابہ ہیں ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عروہؓ کے بٹن میں آدمیوں کے چہروں کی تصویر تھی اھ (طبقات جزء تابعین مدینہ ص ١٣٦) اسد الغابہ میں حضرت انس کے متعلق مروی ہے کہ ان کی انگوٹھی میں ایک شیری کی تصویر تھی اس طرح ابو ہریرہؓ اور حضرت عمرؓ کے پاس اس انگوٹھی کا ہونا ثابت ہے جس میں تصویر تھی اس لئے فقہاء نے چھوٹی تصویر کے استعمال کو جائز کہا ہے اگرچہ بنانا اس کا بھی ناجائز ہے طحطاوی نے شرح درمختار میں اس کی یہ تفصیل کی ہے کہ اگر تصویر زمین پر ہو اور آدمی کھڑا ہو کر دیکھے تو تصویر[1] کے تمام اعضاء کی تشریح مکمل نظر نہ آئے- واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم-

تصاویر کے متعلق ایک فتوے

(سوال ٩٠٢) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہ دیکھتے ہوئے موجودہ زمانہ میں مختلف نوع اقسام کے نقشہ جات موجود ہیں پھر بھی طلبہ کو علم جغرافیہ یاد کرنے میں دقتیں واقع ہوتی ہیں حالانکہ اس کی ضرورت ہر فرد بشر کو ہے اور جب سے بچہ پیدا ہوتا ہے اس علم کو حاصل کرنے لگتا ہے لہذا لغرض حصول استفادہ برائے معلومات علم جغرافیہ طلبہ اردو انگریزی مدارس ایک نقشہ ہند تیار کیا ہے اس کی تیاری میں اس امر کا خاص خیال وکوشش کی گئی ہے کہ تمام ضروری اقسام جو ملک ہندوستان کے جغرافیہ کے متعلق ہیں نہایت آسانی سے معلوم ہو جاویں اور جو وقت طلبہ کا کتب جغرافیہ کے رٹنے میں ضائع ہوتا ہے نہ ہو- اس جغرافیہ میں مثلاً مختلف حیوانات جمادات نباتات تمام ہر قسم کے دار العلوم کے قلعہ جات کنٹونمنٹ

---

[1] وراجع احکام التصویر من السیر الکبیر (ص ٢١٠ ج ٣، ١٢) منہ

تواریخی معلومات تمام لڑائیاں و صلح نامہ مع تواریخ گورنمنٹ برطانیہ کا موجودہ نظام حکومت سابقہ مقبوضہ جات- کس گورنر جنرل کے زمانہ میں کونسا مقام فتح کیا اضلاع ہر صوبہ کے مختلف اوقات ہر مقام کے مشہور مواقع مع فاصلہ مختلف زبانیں مختلف جگہوں کی آبادی ہر شہر و قصبہ بذریعہ نشانات مذاہب مع تعداد مطابق مردم شماری ۱۳۱۷ھ وغیرہ وغیرہ- اب سوال یہ ہے کہ اگر ان کے ساتھ ساتھ تصاویر بنادی جائیں جس سے سمجھنے میں دشواری نہ ہو تصاویر بنانا جائز ہے یا نہیں- اور بغیر تصویر کے مطلب سمجھنا بالکل بیکار رہتا ہے-

طبّی حکماء یا بوقت پاسپورٹ تصاویر لی جاتی ہیں یہ سنا ہے کہ جائز ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع کیا جائے۔؟

(الجواب) تصویر کشی مطلقاً ممنوع اور حرام ہے اس بارے میں کسی قسم کا استثناء منقول نہیں بشرطیکہ جاندار کی تصویر ہو- حدیث شریف میں ہے- اشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهون بخلق الله رواه البخاری و مسلم- عن عائشة رضی الله عنهما مرفوعاً (مشکوٰة) وعن عبدالله ابن مسعودؓ قال سمعت رسول اللهﷺ یقول اشد الناس عذابا عندالله المصورون متفق علیه (مشکوٰة باب التصاویر)

ورنہ جو ضرورت سوال میں لکھی ہے وہ اس طریق سے پوری ہو سکتی ہے کہ حیوانات جاندار کی تصویر بغیر سر کے یا ہر عضو کی تصویر (بجز سر کے) علیحدہ علیحدہ درج کردی جائے تو جائز ہے اور علاوہ جاندار کے دوسری اشیاء کی تصاویر کھینچنا بلا تامل جائز ہے-

فقط واللہ تعالیٰ اعلم- (کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ)

جواب صحیح ہے- اس غرض کے لئے جاندار کی تصاویر بنانا تو جائز نہیں مگر کوئی اصطلاح خاص جاندار کی جگہ مقرر کر کے یا صورت مذکورہ سے یہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے اگر پاسپورٹ کی ضرورت سے فوٹو کے لئے مجبور ہو تو گنجائش ہے- واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ محمد شفیع غفرلہ۔

پاسپورٹ کی ضرورت سے تصویر کھنچوانا یا فوٹو لینا جائز ہے

(سوال ۹۰۳) در سلطنت ایرانیہ ہیچ کس داخل نمی شود مگر آنکہ پاسپورٹ ہمراہ داشتہ باشد ودر پاسپورٹ لازم است کہ عکس صاحب پاسپورٹ ہم باشد ارامیکہ گیرند پاسپورٹ عکس خود را کشیدہ نیاز فواصل پاسپورٹ نمی دہد- آیا بسبب مرتب شدن قانون ایرانیہ ولاچاری گیرندہ پاسپورٹ اجازت می رسد کہ عکس خود را کشید یانہ-؟

(الجواب) اصل دریں مسئلہ ایں است کہ کشیدن تصویر و ساختن آں بالات فوٹو وغیرہ مطلقاً ناجائز است صرح به العلامة العینیؒ فی شرح البخاری باوضح وائمة- وهیچ چیز ازاں مستثنی نہ ساختند- البتہ علامہ شامی در مکروہات صلوٰۃ ردالمحتار روایتے از قہستانی آوردند عبارتش ایں است ویاتی غیر ذی الروح لایکره قال القهستانی وفیه اشعار بانه لا تکره صورة الراس و فیه خلاف کمافی اتخاذها کذافی المحیط شامی مصری ص ۴۳۵. جلد اول -ازیں عبارت معلوم شد کہ کشیدن تصویر چہرہ یا سر یا

مانند آں مختلف فیہ است کہ بعض حضرات فقہاء تجویز کردہ اند اگرچہ تحقیق دریں باب نیز جانب عدم جواز است کہ صاحب بدائع بآں تصریح کردہ اند و روایات حدیث نیز بر عدم جواز صراحۃ وارد شدہ اند مگر در مسئلہ پاسپورٹ کہ مسلمان بسوی آں محتاج است وبدوں کشیدن تصویر وقبول کردنش صورتے نہ بندد وبناچار و مجبور اگر بر قول ضعیف عمل کردہ شود جائز باشد یعنی تصویر نصف اعلیٰ کہ آں را در انگریزی بسٹ می نامند کشیدہ کنانند۔ مر جواز حضرت حق جل شانہ آں است کہ انشاء اللہ تعالیٰ مواخذہ نخواہد شد باز ہم مسلم ر ابابد کہ در ہمچو مسائل خود را متہم داشتہ روبا ستغفار آرد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فٹ بال کھیلنا

(سوال ٩٠٤) فٹ بال کھیلنا صحت بدن کے لئے جس میں تالی بجانی ہے جائز ہے یا نہیں۔؟

(الجواب) کھیل خواہ گیند کا ہو یا کوئی دوسرا۔ اگر اس سے محض کھیل اور لہو ولعب مقصود ہے تو مکروہ ہے اور اگر تفریح طبع یا رفع کسل یا تحصیل قوت مقصود ہو تو جائز ہے۔ بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہو قال شامی اما اذا قصد التلھی او الفخر او التری شجاعتہ فالظاھر الکراھۃ وقال فی الدر المختار اما بدونہ فیباح فی کل الملاعب ثم قال بعد ذٰلک و اماالسباق بلاجعل فیجل فی کل شئ قال الشامی فی کل شئ . ای مما لم یعلم بہ الفروسیۃ ویعین علی الجھاد بلا قصد التلھی کما یظھرون من کلام فقھائنا مستدلین بقولہ علیہ السلام لاتحضر الملائکۃ شئ من الملاھی سواء النضال ای الرمی والمسابقۃ الخ اس سے معلوم ہوا کہ گینڈ کا کھیل بھی اگر بقصد تلہی نہ ہو تو جائز ہے بلا کراہت و قد صرح بہ الشامی عن القھستانی حیث قال عن الملتقط من لعب بالصور لجان یرید الفردوسیۃ یجوز کل ذٰلک من حظر الشامی صفحہ ۳۵۵ جلد ۵

فٹ بال بھی فی نفسہ گیند کا کھیل ہے اس لئے وہ بھی بدلیل مذکور فی نفسہ جائز ہے۔ لیکن آج کل دوسرے مکروہات بلکہ بعض محرمات مثل کشف ستر وغیرہ اس کے ساتھ مثل لازم کے ہو گئے ہیں نیز عموماً اس کھیل کے حامل وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین و مذہب اور مذہبی احکام سے آزاد ہیں اور عموماً نیکر پہن کر کھیلتے ہیں، جس میں کشف عورت ہوتا ہے ان کے ساتھ کھیلنا اور اتنا زیادہ اختلاط بھی کراہت سے خالی نہیں لہٰذا موجودہ صورت کے ساتھ فٹ بال کھیلنا مکروہ ہے ہاں اسکول کے لڑکے قواعد اسکول کی وجہ سے مجبور ہوں تو ان کے لئے مضائقہ نہیں بشرطیکہ دوسرے منکرات سے بچیں۔

ٹینس، فٹ بال وغیرہ کھیلنا!

(سوال ٩٠٥) لہو ولعب ممنوعہ میں کس قسم کے کھیل داخل ہیں لہو ولعب جس کی ممانعت شریعت میں آئی ہے اس کی کیا شناخت ہے۔؟ انگریزی کھیل مثلاً ٹینس، فٹ بال، کرکٹ اور اسی قسم کے دوسرے کھیل کھیلنا کیسا ہے۔؟

(الجواب) قال فی الدر المختار من الکراھیۃ و کرہ کل لھو لقولہ علیہ السلام کل لھو المسلم حرام الاثلثۃ ملا عبۃ اھلہ و تادیبہ لفرسہ و منا ضلۃ بقوسہ – قال الشامی ای کل لعب و عبث الی قولہ والمزماروا لصبح والبوق فانھا کلھامکروھۃ لا نھازی الکفار– الخ شامی ص۲۷۵ مصری جلد ۵ – وفی القھستانی عن الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیۃ یجوز وعن الجواھر قد جاء الاثرفی رخصۃ المصارعۃ لتحصیل القدرۃ علی المقالۃ دون التلھی فانہ مکروہ (شامی کتاب الحظر والا باحۃ ص ۲۸۱ ج ۵) وفی الدر المختار والمصارعۃ لیست ببدعۃ الا للتلھی فتکرہ و فی الشامی اقول قد منا عن القھستانی فی جواز اللعب بالصولجان وھو الکرۃ للفروسیۃ و فی جوازالمسابقۃ بالطیر عندنا نظر و کذافی جواز معرفۃ مافی الیدو اللعب بالخاتم فانہ لھو مجرد (شامی جلد ۵ ص ۲۸۲)

احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں ان سے نیز عبارت فقہیہ مندرجہ بالا سے کھیل کے بارے میں تفصیلات ذیل مستفاد ہوئیں-(الف) وہ کھیل جس سے دینی یادنیوی کوئی معتدبہ فائدہ مقصود نہ ہو وہ ناجائز ہے اوروہی حدیث کا مصداق ہے (ب) جس کھیل سے کوئی دینی یادنیوی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے بشر طیکہ اس میں کوئی امر خلاف شرع ملا ہوا نہ ہواور منجملہ امور خلاف شرع تشبہ بالکفار بھی ہے۔ (ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یادنیوی مقصود ہو لیکن اس میں کوئی ناجائزاور خلاف شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتا ہے جیسے تیر اندازی یاگھوڑدوڑ وغیرہ جب کہ اس میں قمار کی صورت پیدا ہو جائے دونوں طرف سے کچھ مال کی شرط لگائی جائے تووہ بھی ناجائز ہو جاتی ہیں یاکوئی کھیل کسی خاص قوم کفار کا مخصوص سمجھا جاتا ہو وہ بھی ناجائز ہو گا-التشبہ الممنوع۔

لہذا معلوم ہوا کہ گیند کے کھیل خواہ کرکٹ وغیرہ ہوں یادوسرے دیسی کھیل فی نفسہ جائز ہیں کیونکہ ان سے تفریح طبع ورزش و تقویت ہوتی ہے جو دنیوی اہم فائدہ بھی ہے اوردینی فوائد کے لئے سبب بھی-لیکن شرط یہی ہے کہ یہ کھیل اس طرح پر ہوں کہ ان میں کوئی امر خلاف شرع اور تشبیہ کفار نہ ہو لباس اور طرز وضع میں انگریزیت نہ ہو اور نہ گھٹنے کھلے ہوئے ہوں نہ اپنے اور نہ دوسروں کے اور نہ اس طرح اشتغال ہو کہ ضروریات اسلام نماز وغیرہ میں خلل آئے اگر کوئی شخص ان شرائط کے ساتھ کرکٹ ٹینس کھیل سکتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے ورنہ نہیں-آج کل چونکہ عموماً یہ شرائط موجودہ کھیلوں میں موجود نہیں اس لئے ان کو ناجائز کہاجاتا ہے-

تنبیہ : اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہمارے یہاں کے مروجہ کھیلوں میں سے کنکولبازی۔ کبوتربازی-بٹیر بازی اور شطرنج وچوسر وغیرہ یہ کھیل بوجہ بے فائدہ ہونے کے نیز اشتغال شدید کے ناجائز ہیں۔

تاش کھیلنے والے کی نماز کا حکم

(سوال ۹۰۶) ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور تاش خوب کھیلتا ہے تو اس کی نماز کیسی ہے ؟

(الجواب) تاش کھیلنا بہت برا ہے اور اگر اس پر ہار جیت روپیہ پیسہ وغیرہ کی ہو تو جوا ہے اور بالکل حرام ہے لیکن اس کی وجہ سے نماز میں خلل نہیں آتا-البتہ نمازی کو ایسی حرکتوں سے پرہیز لازمی ہے-

تاش کھیلنا گناہ ہے

(سوال ۹۰۷)ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور تاش خوب کھیلتا ہے تو اس کی نماز کیسی ہے ؟

(الجواب) تاش کھیلنا بہت برا ہے اور اگر اس پر ہار جیت روپیہ پیسہ وغیرہ کی ہو تو جوا ہے اور بالکل حرام ہے لیکن اس کی وجہ سے نماز میں خلل نہیں آتا البتہ نمازی کو ایسی حرکتوں سے پرہیز لازم ہے-

راگ مزامیر کا حکم

(سوال ۹۰۸) زید گانا کراتا ہے اور لوگوں کو ترغیب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ گانا کرانے اور سننے سے بی بی پہ طلاق واقع نہیں ہوتی۔

(۲) شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ نے مسئلہ اربعین میں نقل کیا ہے-من سمع الغناء من المغنی او من غیر المغنی او یری فعلاً من الحرام فحسن ذلك الخ یصیر مرتدا فی الحال الخ اس عبارت کا کیا مطلب ہے-(۳) زید کہتا ہے کہ ہم بینک سے سود حرام ہی سمجھ کر کھاتے ہیں اور گانا وغیرہ حرام ہی سمجھ کر سنتے ہیں اور کراتے ہیں-اس صورت میں کیا حکم ہوگا۔ ؟

(الجواب) در مختار کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے-وفی السراج ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام و یدخل علیهم بلا اذنهم لا نکار المنکر قال ابن مسعود صورت اللهو والغنا ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات قلت و فی البزازیه استماع صورت الملاهی کضرب قصب ونحوه حرام لقوله علیه الصلوٰة والسلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفرای بالنعمة فصرف الجوارح الی غیر ما خلق لا جله کفر بالنعمة لا شکر فالو اجب کل الواجب ان یجتنب کیلا یسمع لما روی انه علیه الصلوٰة والسلام ادخل اصبعه فی اذنه عند سماعه الخ.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ گانا سننا اور کرنا حرام ہے اور فسق وفجور ہے لیکن کفر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا اور اس کی زوجہ اس کے نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ البتہ جو شخص فعل حرام کو حلال سمجھ کر کرے اور اس کو بجائے حرام سمجھنے کے اچھا سمجھے اور تحسین کرے تو یہ موجب کفر وارتداد ہے-حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔(۳) ایسا شخص فاجر اور حرام کا مرتکب ہوگا مگر کافر و مرتد نہ ہوگا اور اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔

تھیٹر سینماد یکھنا جائز نہیں

(سوال ۹۰۹) مسلمانوں کو تھیٹر بائیسکوپ میں جانا، تماشا دیکھنا اس میں کام کرنا یعنی گانا بجانا، ناچنا، صورت، شکل لباس کا تبدیل کرنا اختلاط بالنساء عورتوں کا لباس پہننا وغیرہ اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے، ملازمت کرنے کی ترغیب دینا شرعاً کیسا ہے اور ترغیب دینے والے کے لئے کیا حکم ہے؟

(الجواب) سخت گناہ اور بہت سے گناہ کبیرہ کا مجموعہ ہے اور جو شخص لوگوں کو اس کی طرف رغبت دلاتا ہے وہ اعلیٰ درجے کا فاسق ہے- اور شیطان کا کام کرتا ہے- جتنے لوگ اس کی تحریک سے اس گناہ میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اس کو بھی ہوگا اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی تھیٹر اور بائیسکوپ کے تماشے بہت سے گناہوں پر مشتمل ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) قطع نظر تمام دوسرے محرمات سے خود یہ لہو ولعب ناجائز ہے۔

لمافی الدرالمختار و کره كل لهو لقوله عليه السلام كل لهوالمسلم حرام الاثلاثة ملاعبة لاهله وتاديبه لفرسه ومناضلة بقوسه قال الشامى اى كل لهو و عبث فالثلاثة بمعنى واحد كمافى شرح التاويلات والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الاوتاد ومن الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصبح والبوق فانها كلها مكروهة لا نهازى الكفار و استماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام شامى ص ۲۷۵ ج ۵ كتاب الخطر الاباحة۔

(۲) گانا بجانا مستقل ایک گناہ ہے- لقوله تعالى ومن الناس من يشترى لهو الحديث - و الاحاديث فى هذا الباب كثيرة سردها فى الروح المعانى تحت هذه الاية (۳) ناچنا بھی مستقل گناہ ہے اور اس کا دیکھنا بھی جیسا کہ عبارت شامی مندرجہ نمبر ا سے معلوم ہوا- (۴) صورت و شکل بدل کر تلبیس کرنا بھی گناہ ہے بالخصوص مرد کو عورت کی شکل یا عورت کو مرد کی شکل بنانا سخت گناہ ہے حدیث میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے- ارشاد لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء ومن النساء بالرجال.

(۵) اختلاط بالنساء ایک مستقل گناہ ہے اور بہت سے گناہوں کا مقدمہ ہے لقوله عليه السلام اذا خرجت استشرفها الشيطان (۶) اکثر ان تماشوں میں تصاویر سے کام لیا جاتا ہے جن کا بنانا اور استعمال کرنا اور دیکھنا سب گناہ ہیں- والاحاديث فى هذا متواترة المعنى اكثرها مذكورة فى الصحاح وقد جمعتها فى جزء مستقل سميتها التصوير لاحكام التصوير من عام التفصيل فلير اجعه (۷) تصاویر بھی بعض اوقات شرمناک اور حیا سوز ہوتی ہے جن کے اثرات اخلاق کے لئے نہایت مخرب ہوتے ہیں (۸) بعض تماشوں میں خود عورتیں گاتی بجاتی ہیں اور رقص کرتی ہیں وہ علاوہ گانے وغیرہ کے خود بھی ان کی طرف نظر کرنا اور ان کا تماشا دیکھنا ناجائز ہے -(۹) بعض فلم ان تماشوں کے کچھ واقعات کی نقل اتارتے ہیں جن میں بعض اوقات خلاف واقعہ چیزیں بعض لوگوں کی طرف منسوب کر کے دکھائی جاتی ہیں جو افتراء اور بہتان ہوتا ہے-

کیونکہ جس طرح زبان سے افتراء ہوسکتا ہے اسی طرح نقل اتارنا بھی ان کی طرف نسبت کرنا ہے اور

بہتان ہے۔(۱۰) بعض فلم میں ایسے واقعات دکھائے جاتے ہیں جن میں اصحاب واقعہ کی دل آزاری اور توہین ہوتی ہے جو صریح غیبت ہے جس کی حرمت قرآن میں منصوص ہے اور نقل اتارنے کا غیبت ہونا حدیث عائشہؓ میں مذکور ہے۔ قالت عائشہؓ دخلت علینا امرأ ۃ فاومات بیدی ای قصیرۃ فقال علیه الصلوٰۃ والسلام اغتبتها وقال فی الدر المختار بعد نقل هذه الروایة ومن ذلک المحاکات کان یمشی متعارجا او کما یمشی فهو غیبة بل اقبح لانه اعظم فی التصویر و التفهیم ۔اگر پورا تتبع کیا جائے تو اسی قسم کے اور بہت سے گناہ ان تماشوں میں نکلیں گے مسلمان کے لئے اتنے گناہوں کا ہوناہی بچنے کے لئے کافی ہے اور جس کو خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہو اس کے لئے کوئی چیز مانع نہیں۔واللہ تعالیٰ التوفیق وہو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بائیسکوپ اور سینما کے بعض احکام

(سوال ۹۱۰) بائیسکوپ کے پردے پر خلفائے اسلام وشاہان اسلام کی تصویریں محرک ناچتی گاتی اور بولتی دکھائی جائیں اور خواتین اسلام کو بائیسکوپ کے ذریعہ سے بے پردہ پبلک میں پیش کیا جائے تو کیا شریعت اسلامیہ اس فعل کو جائز قرار دیگی یا شریعت اسلامیہ کے نزدیک یہ فعل ناجائز ہے اور کیا حکم دیتی ہے شریعت اسلامیہ ان حضرات کے بارے میں جو اس فعل کے جواز کی حمایت میں پروپیگنڈہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کو محرک تصاویر اور بولتی تصاویر کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔؟

(الجواب) یہ فعل بلاشبہ ناجائز اور بہت سے معاصی وقبائح کا مجموعہ ہے اس کے خود کرنے والے اور اعانت کرنے والے سب گناہ گار ہیں۔ تفصیل ان معاصی کی یہ ہے۔

(۱) کسی جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً بلا استثنا حرام ہے خواہ مجسمہ ہو یا محض نقش اور رنگ سے تصویر بنائی گئی ہو حدیث میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ایک سفر سے تشریف لائے اور میں نے ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا جس میں تصاویر تھیں آپ نے اس کو کھینچ ڈالا اور فرمایا قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں وہ لوگ ہوں گے جو صفت خلق میں اللہ تعالیٰ کی نقل اتارنا چاہتے ہیں اس حدیث سے جانداروں کی تصاویر بنانے کی ممانعت بھی معلوم ہوئی اور بنی ہوئی تصویروں کے استعمال اور بطور زینت رکھنے کی ممانعت بھی معلوم ہوئی احادیث اس بارے میں درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جن میں تصاویر بنانے اور ان کے استعمال کرنے اور دیکھنے وغیرہ کی ممانعت وحرمت صریح مذکور ہے اور اس لئے ائمہ اربعہ اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے۔ قال الشامی فی مکروهات الصلوٰۃ – وظاهر کلام النووی فی شرح مسلم الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان وقال سواء صنعه لما یمتهن او لغیر فصنعه حرام بکل حال لان فیه مضاهات لخلق الله تعالٰی وسواء کان فی ثوب او بساط او درهم اواناء او حائط وغیرها (شامی مصری ص ۷۷ ج ۱)۔

اور تقریباً یہی مضمون فتح الباری اور عمدۃ القاری شرح بخاری میں مذکور ہے اور اگر اس مسئلہ کی مزید تحقیق ادلہ عقلیہ ونقلیہ سے مقصود ہے تو احقر کا رسالہ التصویر لاحکام التصویر دیکھا جائے۔

(۲) پھر تصویر بنا کر اس کا اعلانیہ مظاہرہ کرنا احکام شرعیہ کا صریح مقابلہ ہے اس سے زیادہ اشد گناہ ہے(۳) پھر

اس حرام کی طرف لوگوں کو دعوت بذریعہ اشتہارات ومنادی دینا یہ تیسرا گناہ ہے (۴) پھر جتنے لوگ اس کی دعوت پر شریک گناہ ہوئے ہیں ان سب کا گناہ اس کے سر بھی پڑا اور وہ بھی گناہ گار ہے -لقوله عليه السلام من سن فى الاسلام سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها او كما قال -(۵) علاوہ ازیں یہ سارا تماشہ لہو محض ہے جو مع قطع نظر تصاویر سے بھی ناجائز ہے - قال فى الدر المختار وكره كل لهو لقوله عليه السلام كل لهو المسلم حرام الا ثلاثة ملاعبة اهله وتاديبه لفرسه ومناضلة بقوسه وقال الشامى وعن الجواهر قد جاء الاثر فى رخصة المصارعة لتحصيل القدرة على المقاتلةدون التلهى فانه مكروه وكذافى الشامى ص ۳۹۷ ج ۵ من الحظر والا باحة .

یہ سب معاصی تو وہ ہیں جو مطلقاہر تھیٹر اور سینما وغیرہ میں موجود ہیں اور صورت مسئولہ میں مذکور الصدر گناہوں کے علاوہ معاصی مندرجہ ذیل زائد ہیں -

(۶، ۷، ۸) خواتین کی تصاویر کو بے پردہ پیش کرنا یہ بھی چند گناہوں پر مشتمل ہے اولاً ان کی طرف بے پردگی کو منسوب کرنا جو غیبت بھی ہے اور اگر خواتین مسلمان پردہ نشین ہیں تو افتراء بھی اور دوسرے اجنبی لوگ ان کی طرف شہوت سے نظر کریں تو یہ نظر کرنا بھی گناہ ہے اور اس کا سبب بننا بھی گناہ - کیونکہ اجنبی عورت کے کپڑے وغیرہ کو بھی شہوت سے دیکھنا جائز نہیں تو شکل وتصویر کو دیکھنا بدرجہ اولی ناجائز ہوگا - درمختار باب النظر والاباحۃ میں ہے -ان النظر الى المرأة الاجنبية بشهوة حرام نیز درمختار بحث نظر میں ہے - ان روية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة ولو كثيفا لا ترى البشرة منه اور اگر خواتین مسلمان ہیں اور دیکھنے والوں میں غیر مسلم بھی شریک ہیں تو یہ گناہ کے ساتھ ایک بے غیرتی بھی ہے -

(۹، ۱۰) شاہان اسلام کی تصاویر کا مظاہرہ اور وہ بھی ناچنے گانے وغیرہ کی صورت میں بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے - اول یہ ان کی توہین ہے کہ ان کو آلہ لہو ولعب بنایا گیا حالانکہ مسلمان بادشاہ کی توہین ناجائز ہے حدیث شریف میں ہے - من اهان سلطان الله فى الارض اهانه الله (ترمذی) اور حضرات فقہاء نے اس کو حرام اور بلکہ بعض نے کفر لکھا ہے کہ کوئی شخص واعظ کی نقل اتارے اور لوگ اس کے ساتھ تمسخر کریں (کذافی عامۃ کتب الفقہ عن البحر وغیرہ) دوسرے شاہان اسلام کی تصاویر کی جو ہئیت بنائی گئی اگر اس میں کوئی صورت عیب ہے تو یہ ان کی غیبت کرنا ہے - جیسا کہ فقہا کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کی ایسی ہیئت کے ساتھ نقل اتارنا جس میں عیب ہو یہ عیب میں داخل ہے - اگرچہ عیب فی الواقع اس شخص میں موجود بھی ہو اور اگر یہ عیب اس میں موجود نہیں تو افتراء وبہتان بھی ہو گیا صحیح بخاری غزوہ فتح میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے - ان رسول الله ﷺ لماقدم مكة ابى ان يدخل الخ ان يدخل البيت و فيه الألهة فامر بها فاخرجت فاخرج صورة ابراهيم و اسماعيل فى ايديهما من الازلام فقال النبى ﷺ قاتلهم الله تعالى لقد علمو اما استسقما بها قط ثم دخل البيت - الحديث یہ حدیث گویا مسئلہ زیر بحث کے لئے نص ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر پر انکار فرمایا اور بیت اللہ سے نکلوا دیں اور خاص اس ہیئت پر جداگانہ نکیر فرمائی جو خلاف واقعہ انبیاء کی طرف منسوب کی گئی تھی -

الحاصل اول تو سینما مطلقاً بہت سے معاصی ومنکرات شرعیہ کا مجموعہ ہے اور بالخصوص اس کا یہ خاص فلم جو سوال میں مذکور ہے اور بھی زیادہ شناعت اور بے غیرت اور مسلمانوں کی دل آزادی اور شاہان اسلام کی توہین وغیرہ پر مشتمل ہے جو اگر اپنی اسی حد پر رہے جب بھی اس کا انسداد ضروری ہے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ آگے صحابہؓ اور انبیاء تک نوبت پہنچے گی اور زیادہ اس کے انسداد کی ضرورت ہے تو مسلمانوں پر ضروری ہے کہ اس کی بندش کے لئے کوششیں کریں اور اس کی شرکت سے باز رہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی باز رکھنے کی سعی کریں۔

رسالہ المقالات[1] المفیدہ فی حکم اصوات الآت الجدیدہ

مشتمل بر دو فتوی از حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تمہید۔ ریڈیو کے متعلق خانقاہ امدادیہ سے اول کسی نے ایک استفتاء کر کے جواب حاصل کیا تھا چونکہ اس میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا اس لئے احقر نے دوسرا استفتاء کیا دونوں استفتے مع جواب ذیل میں منقول ہیں۔ الراقم مقبول حسین وصل بلگرامی۔

استفتا اول

(سوال ۹۱۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل ریڈیو کا رواج بہت ہو رہا ہے جس میں خبریں بھی ہوتی ہیں اور تقریریں بھی اور گانا بجانا بھی اور بعض اوقات خوش الحان قاریوں کا قرآن بھی اس میں سنایا جاتا ہے اور جو قاری خوش الحان ریڈیو پر قرآن پڑھتے ہیں ان کو معقول معاوضہ بھی دیا جاتا ہے پس بایں صورت ریڈیو گھر میں لگانا یا اس کا کسی طور سے سننا یا اس پر قرآن پڑھنا اور معاوضہ لینا یا ریڈیو سے قرآن سننا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

(الجواب) اگر کوئی ریڈیو لہو ولعب اور گانے بجانے سے بالکل پاک ہو یعنی اس کے پروگرام میں کبھی یہ خرافات نہ ہوں اور اس میں صرف کسی واعظ یا مقرر اسلام کی تقریر ہو یا خبریں ہوں تو ایسے ریڈیو پر قرآن پڑھنا اور اس سے قرآن سننا فی نفسہ جائز تھا گو قرآن پڑھنے کا معاوضہ لینا حرام ہی ہوتا اور جس ریڈیو میں گانا بجانا بھی ہو تو اس میں تو کسی طرح بھی نہ قرآن پڑھنا جائز ہے نہ سننا بلکہ اس پر قرآن پڑھنا یا سننا قرآن کی بے حرمتی کا سبب ہے کہ قرآن کے ساتھ تلاعب ہے یہ تو اس کا فی نفسہ حکم تھا جس میں تفصیل مذکور تھی لیکن عوام الناس کا حدود میں رہنا عادتاً قریب ناممکن ہے اس لئے علی الاطلاق اس پر قرآن مجید سننے کو روکنا واجب ہے اور اسی تفصیل سے ریڈیو کو گھر پر لگانے اور کسی طور سے اس کے سننے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ قسم اول کا لگانا اور سننا فی نفسہ جائز اور قسم دوم کا حرام ہے مگر چونکہ قسم اول کا تحقق ہے ہی نہیں عام طور سے صرف قسم دوم کا تحقق ہے اس لئے اس کا لگانا اور سننا علی الاطلاق حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ دستخط (مولانا) ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۲ رمضان ۵۶ھ

الجواب صحیح اشرف علی تھانوی عفی عنہ ۲۳ رمضان ۱۳۵۶ھ

---

[1] یہ رسالہ "المقالۃ المفیدۃ" اور اس کے بعد آنیوالا رسالہ دو دفع الحج فی شناعۃ فلم الحج" اگرچہ حضرت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تصنیف میں ہیں لیکن بغرض افادہ انہیں امداد المفتین کا جزو بنایا جارہا ہے ۱۲ محمد رفیع عثمانی

استفتاء ثانی

(سوال ۹۱۲) سوال وجواب مندرجہ بالا کے مطالعہ کے بعد گزارش ہے کہ شاید جواب تحریر فرماتے وقت یہ ذہن میں تھا کہ ریڈیو مثل گراموفون کے ریکارڈ کے ہے جس میں ہر قسم کی آواز محفوظ ہو سکتی ہے اور جب چاہیں اس ریکارڈ کو کام میں لا سکتے ہیں اور ایسے ریکارڈ تیار ہو کر فروخت ہو سکتے ہیں اور خریدے جا سکتے ہیں اس لئے ضرورت اس امر کی ہوئی کہ ریڈیو کا مفہوم اور اس کی حقیقت بیان کردی جائے اس کے بعد جو شرعی حکم ہو تحریر فرمایا جاوے ریڈیو کی حقیقت مثل ٹیلی فون کے ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ ٹیلی فون کی آواز صرف ایک شخص سن سکتا ہے اور ریڈیو کی آواز جتنے سننے والے وہاں موجود ہوں سن سکتے ہیں۔ گراموفون ایک کمپنی کے انتظام میں ہے جس کی غرض صرف تجارت ہے خواہ اس کے ریکارڈ لہو ولعب گانے بجانے ہنسی مذاق یا کھیل تماشہ کے ہوں یا علمی مضامین یا قرآن شریف کی آیات کے ہوں لیکن ریڈیو کا محکمہ گورنمنٹ کے انتظام میں ہے جو کام ہوتا ہے فنی ترقی یا سننے والوں کی دلچسپی کی غرض سے خواہ وہ ہر قسم کا گانا بجانا ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ایک مرتبہ جو آواز سنائی دیتی ہے وہ دوسری مرتبہ نہیں سنائی جا سکتی اس میں سناتے وقت سنانے والے کا موجود رہنا اور اپنی زبان سے سنانا لازمی ہے اور یہ کلام دوسری مرتبہ قائم نہیں رہ سکتا اس میں قرآن شریف ہو یا حدیث ہو یا دید کے اشلوک ہوں یا رامائن کا کوئی باب یا اس کا کوئی ٹکڑا۔ علمی، فنی، جذباتی، افادی مضامین ہوں یا تمدنی اور شعر وسخن کے۔ غرض ہر قسم کا مضمون خواہ کسی قسم کا ہو اور کسی زبان کا ہو۔ نثر ہو یا نظم۔ سنایا جا سکتا ہے محکمہ ایسے لوگوں کی جو محنت کرتے ہیں اور سناتے ہیں ایک مقررہ معاوضہ دیتا ہے اور ان کی قدر کرتا ہے یہ مختصر حقیقت ہے ریڈیو کی۔ ایسی حالت میں ریڈیو لگانا ریڈیو سننا خواہ کسی قسم کا مضمون ہو یا اجرت پر کوئی مضمون پڑھنا اور سنانا۔ جس میں قرآن شریف اور ہر قسم کے مضامین نظم ونثر شامل ہیں جائز ہے یا نہیں۔ ؟بینوا توجروا۔ المستفتی مقبول حسین وصل بلگرامی۔

(الجواب) سوال میں جن آلات کا ذکر ہے وہ اپنی تین اغراض کے اعتبار سے قابل تحقیق ہیں۔ وہ تین آلات یہ ہیں گراموفون، ٹیلی فون، ریڈیو اور تین اغراض یہ ہیں۔ اصوات مباحہ، اصوات محرمہ، اصوات طاعات اور ان تینوں اصوات کے بعض احکام مشترک ہیں اور بعض مخصوص غیر مشترک احکام مشترکہ یہ ہیں کہ اصوات مباح اور اصوات محرمہ حرام اور اصوات طاعات کی نفس ذات کا مقتضا تو اشتراک حکم ہی تھا۔ (یعنی اصوات طاعت کا طاعت ہونا) مگر ایک عارض کے سبب اس میں تفصیل ہو گئی اور وہ عارض ان آلات کا لہو کے لئے موضوع ہونا یا نہ ہونا ہے اور وہ تفصیل یہ ہے کہ جو آلہ لہو ولعب کے لئے موضوع ہے ان اصوات طاعات کے استماع کے لئے اس کا استعمال ناجائز ہے اور جو آلہ تلہی (لہو ولعب) کے لئے موضوع نہیں اس کا استعمال ان اصوات طاعات کے لئے جائز ہے اب اس کی تعیین باقی رہی سو دو کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے یعنی ٹیلی فون کا تلہی کے لئے موضوع نہ ہونا اور گراموفون کا تلہی کے لئے موضوع ہونا۔ سوان کا حکم بھی ظاہر ہے کہ ٹیلی فون کا استعمال ان اصوات طاعت میں جائز ہے اور گراموفون کا ناجائز اور گو قواعد سے یہ حکم ظاہر ہے مگر تبرعاً ایک خاص حدیث بھی اس کی تشئید وتائید کے لئے مع استدلال نقل کئے دیتا ہوں۔ حدیث یہ ہے۔ **فی المشکواۃ باب اعلان النکاح الفصل الاول براویۃ البخاری عن الربیع بنت معوذ ابن عفراء قال جاء النبی ﷺ فدخل حین**

بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسك منی و جعلت جریریات لنایضربن بالدف ویندبن من قتلی من ابائی یوم بدر اذ قالت احدهن و فینا نبی یعلم مافی غد فقال دعی هذه وقولی بالذی کنت تقولین - قال الشیخ الدهلوی فی اشعة اللمعات فی شرح الحدیث۔

وگفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت لعب کہ دروی اسناد علم غیب است - بآنحضرت پس آنحضرت ﷺ رانا خوش آمد وبعضے گویند بجہت آنست کہ ذکر شریف وے دراثنائے لہو مناسب نباشد اھ - میں کہتا ہوں گو اس حدیث کی توجیہ میں دونوں احتمال ہیں اور غور کرنے سے توجیہ ثانی راجح بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر احتمال اول اس کی بناء ہوتی ہے تو ممانعت شدید زجر کے صیغہ سے ہوتی لیکن اس ترجیح سے قطع نظر کرکے بھی علمائے امت کا دونوں کا تجویز کرنا واضح دلیل ہے دونوں بناؤں کے فی نفسہ صحیح ہونے کی گویہاں محقق ایک ہی ہو۔

پس دوسری توجیہ پر تقریر استدلال یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صرف مجلس لہو میں ذکر طاعت پر نکیر فرمایا حالانکہ یہاں آلۃ ذکر یعنی زبان لہو کے لئے موضوع نہیں صرف اقتران فی المجلس کو منع میں موثر قرار دیا - سو جہاں خود آلہ ان اذکار کا لہو کے لئے موضوع ہو وہاں تو قبح وشناعت بہت زیادہ ہوگی۔

اس تقریر سے گراموفون اور ٹیلی فون میں قرآن مجید اور دیگر اذکار طاعت تعبدیہ کے استماع کا حکم معلوم ہو گیا کہ اول میں اس علت مذکورہ کی بناء پر عدم جواز ہے اور ثانی میں جواز جب کہ اور کوئی علت منع کی نہ ہو سوان دونوں کی حالت تو ہم کو پہلے سے معلوم ہے اس لئے ان کا حکم بھی معلوم ہے۔

باقی ریڈیو کی حالت اب تک معلوم نہ تھی اس لئے قبل تحقیق تو اس کے حکم میں تشقیق ہوگی یعنی اگر وہ گراموفون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم گراموفون کے مثل ہے اگر وہ ٹیلی فون کے مشابہ ہے تو اس کا حکم ٹیلی فون کے مثل ہے پہلے فتوی تصدیق کئے ہوئے مدت ہوگئی یاد نہیں اس کی کیا بناء ہوگی مگر غالباً اس وقت ذہن میں یہی ہوگا کہ وہ گراموفون کے مشابہ ہے جیسا کہ جواب کی بعض عبارات سے مفہوم بھی ہوتا ہے۔

اب دوسرے سوال میں اس کی حالت ٹیلی فون کے مشابہ ظاہر کی گئی ہے سو اگر ایسا ہے تو اس کا حکم ٹیلی فون کے مثل ہوگا یعنی اس میں اصوات طاعات تعبدیہ کے استماع کا جواز ہے البتہ اگر باوجود آلہ تلہی نہ ہونے کے کوئی دوسرا عارض مانع جواز ہوگا تو اس عارض کے سبب پھر منع کیا جاوے گا - مثلاً قاری کو اجرت دینا یا مسمع (سنانے والا ۱۲) یا مستمع، (سننے والا ۱۲) - کا غیر طاعت کے قصد سے سنانا یا سننا جیسا کہ فقہائے تصریح فرمائی ہے کہ تاجر کا فتح متاع وفروخت کے لئے تجارتی سامان گاہک کو دکھانا ۱۲) کے وقت ترویج سلعہ یا ترغیب مشترین (اپنے سامان کو چلتا کرنے کے لئے ۱۲) کی غرض سے درود شریف پڑھنا یا حارس (پاسبان ۱۲) کا ایقاظ نائمین - (سونے والوں کو جگانے کے لئے ۱۲) کی غرض سے تہلیل کا جہر کرنا لاالہ الااللہ بلند آواز سے پڑھنا ۱۲) ان سب عوارض کی وجہ سے ممانعت کا کیا حکم کیا جاوے گا -

یہ سب تفصیل اس بناء پر ہے کہ ریڈیو لہو کے لئے موضوع نہ ہو لیکن اگر کسی وقت میں باوجود موضوع للتلہی [1] نہ ہونے کے عام طور پر یا غالب طور پر لہو کے لئے مستعمل ہونے لگے تو اس وقت بھی اس کا حکم مثل موضوع للتلہی ہو جاوے گا- کیونکہ اہل نشر [2] کے اعتیاد بدرجہ لزوم تشبہ کو بھی فقہاء نے احکام میں موثر مانا ہے-

بعض اہل خبرت [3] سے سنا گیا ہے کہ اب اس کی حالت ایسی ہو گئی ہے سوال کے بعض الفاظ سے بھی اس کا شبہ ہوتا ہے سو اس کو اہل [4] استعمال تدین کے ساتھ خود دیکھ لیں اور یہ سب احکام ہیں آلات مذکورہ سوال کے ان کی مناسبت اور ضرورت وقت سے ایک چوتھے آلہ کا حکم بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے گو اس سوال میں اس کا ذکر نہیں مگر دوسرے سائلین اس کے متعلق بھی سوال کرتے ہیں اور وہ آلہ لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبر الصوت ہے جس میں آواز بڑھ جاتی ہے- اس کا اجمالی حکم یہ ہے کہ تقریرات میں اس کا استعمال جائز ہے اور عیدین جمعہ کے خطبہ میں بدعت اور تکبیرات صلوٰۃ میں اس کا اتباع مفسد صلوٰۃ-

اس وقت سب کے دلائل کی گنجائش نہیں اور تکبیرات صلوٰۃ کے حکم مذکور کے دلائل میں احقر کا ایک مستقل رسالہ ہے- التحقیق الفرید فی الۃ تقریب الصوت البعید اس کا ملاحظہ کافی ہے-

یہ سب تحقیقات اپنی معلومات کے موافق لکھی گئیں اگر کسی کو اس سے زیادہ یا اس کے خلاف تحقیق ہو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرلے اور اگر ہم کو مطلع کردے تو ماجور ہوگا- واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم- کتبہ اشرف علی تھانہ بھون- ۱۵ محرم الحرام ۵۷ھ

---

[1] لہوولعب [2] یعنی جو لوگ اس آلہ کے شائع کرنے والے ہیں اگر وہ عادت ہی یہ ڈال لیں کہ لہوولعب میں استعمال کیا کریں جس سے یہ آلہ اسکے مشابہ ہو جائے جو لہوولعب ہی کے لئے وضع ہوا ہے اس کو بھی فقہاء نے اسی آلہ کے حکم میں رکھ کر ناجائز قرار دیا ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ [3] اہل تجربہ [4] استعمال کرنے والے ۱۲-

دفع اللج فی شناعۃ فلم الحج

(از حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانااشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(السوال ۹۱۳) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ-آج بہت مجبور ہو کر اپنی پریشانی کی اطلاع عرض کرتا ہوں کہ دوچار دن سے امرت سر میں ایک فلم (تماشہ کمپنی) آئی ہے جس میں حج کے ارکان وافعال کی تصویریں اوران کا معائنہ کرایا جاتا ہے امر تسر کے کل اہل علم نے فتوی دیا کہ یہ تماشہ دیکھنا منع ہے اور ڈپٹی کمشنر سے درخواست کر کے اس تماشے کو منع کرایا گیا۔

شہر کے بعض مسلمان اشخاص نے دوبارہ درخواست کر کے اس کو پھر جاری کرایااور اشتہار دیا کہ علماء نے غلطی کی کہ اس کے دیکھنے سے منع کیا ہے اس میں حج کا شوق پیدا ہوتا ہے کوئی امر سوائے حجاج کی تصاویر اور حرکات اور عبادات کے نہیں اوران امور کادیکھنا مباح اور ثواب ہے۔

اس اطلاع سے یہ غرض ہے کہ حضرت والا کوئی عنوان موثر اور کوئی آیت یا حدیث جس کی دلالت اس فلم اور تماشہ کی حرمت پر ہو تو اس کی تعلیم فرمادیں-

محمد حسن-از امر تسر

(الجواب)السلام علیکم-اب توایسے رنج وغم کاوقت ہی ہے کس کس چیز کورد کیا جائے پھر جب اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں غم کا سامان جمع ہو میری حالت تو معلوم ہے کہ اب محنت کاکام نہیں کر سکتا مگر کچھ متفرق امور اجمالاً ذہن میں آئے ان ہی کو کوئی صاحب علم مع ان اضافوں کے جوان کے ذہن میں آویں مبسوط اور مربوط کرلیں۔

(۱) فقہاء نے تصریح کی ہے کہ تعریف یعنی واقفین عرفات کی نقل بدعت ہے حالانکہ وہاں دوسرے منکرات نہیں (۲) فلم کمپنی کاآلہ ولعب ہونا ظاہر ہے اورآلات لہو کو مقاصد دینیہ میں برتنا سخت اہانت واستخفاف ہے دین کا۔ حدیث میں جاریہ مغنیہ کا یہ کہنا-وفینا نبی یعلم ما فی غد منہی عنہ-قرار دیا گیا چنانچہ بعض شراح نے یہ وجہ بھی لکھی ہے اور گو اس میں دوسرا احتمال بھی ہے مگر اس توجیہ پر بھی کسی نے نکیر نہیں کی تو اس وجہ کے موثر ہونے پر اجماع ہو گیا گواس محل میں متحقق نہ ہواور یہی مبنی ہے گراموفون سے تلاوت سننے کی ممانعت کااور قرآن مجید میں جماعت کفار کی اس پر مذمت کی گئی ہے کہ - اتخذوا دینھم لعبا ولھوا-اور دین سے اسلام مراد ہے کماصرح لہ -حالانکہ وہ ان کا دین بالقوۃ تھاباعتبار وجوب قبول کے سو جن کا دین بالفعل اسلام ہو ان کا اس کے ساتھ لعب کرنا کس قدر شنیع ہوگا۔ (۳) پھر اکثر افعال حج کے تعبدی غیر ،مدرک بالقیاس ہیں اور مخالفین اسلام بھی دیکھنے والوں میں شامل ہوں گے وہ تمسخر یہ واستہزا سے پیش آویں گے اور یہ لوگ اس کا سبب بنیں گے (۴) اس میں تصویروں کا استعمال اوران سے تلذذ ہوتا ہے اوراس کے قبح میں کسی کو کلام نہیں گو عابدین ہی کی تصاویر ہوں۔

حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام وحضرت اسماعیل علیہ السلام کی تمثال (تصویر ۱۲) جو بیت اللہ کے اندر بنائی گئی تھیں ان کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے معلوم ہے -(۵) نیز اس سے اہل ہوٰی اس رسم کے جواز پر استدلال کریں گے جو چند روز سے ایجاد ہوئی ہے کہ ایک خاص بقعہ (مکان) میں جمع ہو کر حج کی نقل کرتے ہیں ممکن ہے کہ ابتداء میں تحریک حج ہی کی نیت ہو مگر اب اچھا خاصا حج سمجھا جانے لگا جس کے مفاسد میں سب کا اتفاق ہے اس میں اور اس میں فرق کس طرح سمجھا جاوے گا اور جب اس عمل میں اباحت بھی نہیں تو اعتقاد ثواب تو قریب کفر ہوگا نیز فقہاء نے حارس (پاسبان) کے لئے رفع صوت بالتہلیل کو غرض ایقاظ میں استعمال کرنے کو معصیت فرمایا ہے حالانکہ طاعت اور مباح میں اتنا بعد نہیں جتنا معصیت اور اطاعت میں ہے سو معصیت یعنی فلم کو ترغیب حج کا ذریعہ بنانا کس قدر اشنع ہوگا-

کتبہ اشرف علی تھانہ بھون-ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ

شب برات میں آتش بازی کرنا سخت گناہ ہے

(سوال ۹۱۴) مسلمانوں کوایک طبقہ خاص شب برات کے موقع پر آتش بازی فروخت کرتا ہے اور خود بھی چھڑاتا ہے جس سے عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے کسی کے گھر میں آگ لگتی ہے کس کا چھپر پھنکتا ہے اور کوئی خود جلتا ہے-غرضیکہ بہت نقصان ہوتا ہے ایسے اشخاص کے لئے کیا حکم ہے اور ان کی امداد کرنا کیسا ہے ؟

(الجواب) ایسا آدمی سخت گناہ گار ہے اور فاسق ہے اور بہت سے گناہوں کا مرتکب ہے اول تواسرف وتبذیر ہے جس کے کرنے والے کو قرآن میں شیطان کا بھائی فرمایا ہے دوسرے اپنے اور دوسرے مسلمانوں کی جان ومال کو خطرہ میں ڈالنا ہے تیسرے مشابہت ہے کفار کی رسوم کے ساتھ چوتھے یہ خیال کرنا کہ شب برات کے آداب میں سے ہے عقیدہ کا فساد ہے الغرض بہت سے گناہوں پر مشتمل ہے اور شب برات جیسی مبارک رات میں گناہ کرنا اور بھی زیادہ بد نصیبی کی بات ہے اگر اس مسئلہ کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو احقر کا رسالہ "شب برات" ملاحظہ فرمایا جاوے-واللہ تعالیٰ اعلم

معاملات المسلمین باھل الکتاب والمشرکین
(کفار سے معاملات کے احکام)

اسکول میں مسلمان لڑکوں کا ہندو لڑکوں کے ساتھ پراتھنا میں شریک ہونا!

(سوال ۹۱۵) اہل ہنود کے انگریزی مدارس میں مسلمان طلباء تعلیم پاتے ہیں ان مدارس میں یہ قاعدہ ہے کہ روزمرہ اسباق سے پہلے تمام طالب علم و معلم ایک صف میں کھڑے ہو کر خدا کی تعریف کرتے ہیں اور کچھ ہندی زبان کے کلمات بھی پڑھتے ہیں ایک مقامی مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر نے یہ حکم دیا ہے کہ ہندو لڑکوں کے ساتھ مسلمان لڑکے بھی اس پراتھنا میں جوتے اتار کر شریک ہوا کریں یعنی مسلم طلباء سے اپنی تقلید کرنے کے لئے کہا گیا ہے

بصورت عدول حکمی کچھ سزا تجویز کی گئی ہے آیا مندرجہ بالا حکم کے متعلق شرعی حکم کیا ہے اہل ہنود کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) مسلمان لڑکوں کو اس پراتھنا میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اگرچہ ہندی کلمات بھی ہوں اور اگرچہ دعاء میں کوئی چیز اسلامی عقائد کے خلاف بھی نہ ہو کیونکہ تعلیمات اسلامیہ کا ایک اہم جزو یہ بھی ہے کہ اپنی وضع قطع اور طرز معاشرت میں اور بالخصوص عبادات میں دوسری قوموں سے اپنا امتیاز مذہبی قائم رکھیں اور اس کے خلاف کرنے کی شریعت میں ممانعت ہے۔ اذان کی ابتداء جب نبی کریم ﷺ نے فرمائی تو لوگوں نے بجائے اذان کے ناقوس بجا کر مسلمانوں کو وقت نماز کی اطلاع کرنا تجویز کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے صرف اسی لئے اس تجویز کو رد فرمادیا کہ یہ دوسری قوموں کا نشان اور طرز عبادت ہے آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت اسلام نے اسی لئے کی ہے کہ اس وقت آفتاب پرست لوگ عبادت کرتے ہیں کسی مسلمان سے حالانکہ یہ احتمال بھی نہ تھا کہ وہ آفتاب کی عبادت کرے گا لیکن آفتاب پرستوں کی ظاہری شرکت بھی اسلام نے پسند نہیں کی اور اسی مضمون کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمادیا ہے۔ ولا ترکنو االی الذین ظلمو افتمسکم النار اور درحقیقت امتیاز مذہبی اور قومی شعار کا قائم رکھنا ایک عقلی قانون ہے جو ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے اور اسی لئے اکثر عقلاء دنیا اس کے پابند ہیں آج یورپین اقوام اپنے کو آزاد کہتے ہیں لیکن اپنے قومی شعار کے ایسے پابند ہیں کہ شاید کوئی ایشیائی بھی ایسا پابند نہیں کسی یورپین کو آپ کبھی ہندوستانی لباس و وضع میں نہیں دیکھتے اسی طرح ہماری ہموطن دوسری قومیں ہنود وغیرہ بھی اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ وہ ترکی ٹوپی وغیرہ کا استعمال کرتے ہوں یا مسجدوں میں یا مسلمانوں کی مذہبی جماعتوں میں ملکر دعاء و عبادت بجالاتے ہوں مسلمان جو اس سلسلہ میں سب سے آگے ہیں ان کو کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ مذہبی شعار و عبادات میں دوسری قوموں کے ساتھ شریک ہو کر اپنا امتیازی حق کھو بیٹھیں۔ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے ارشاد ہے۔ من کثر سواد قوم فھو منھم الی غیر ذلک من الاحادیث الواردۃ فی الباب ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کفار کی دعوتوں میں شرکت

(سوال ۹۱٦) زید شہر کے معززین میں سے ہے معززین شہر فرداً فرداً ایک مسلمان اعلیٰ افسر کی الوداع پر دعوتیں کرتے ہیں جس میں ہندو، مسلمان، سکھ تمام معززین ہی صرف شامل ہوتے ہیں ہندو یا سکھ صاحبان کے یہاں دعوت ہو تو مسلمانوں کی خوراک کا علیحدہ انتظام ہوتا ہے ان کو کچی رسد مل جاتی ہے جس میں حلال گوشت بھی ہوتا ہے اور مسلمان کے یہاں دعوت ہو تو اسے بھی کچی رسد ہندو، سکھ صاحبان کو دینی پڑتی ہے کیا مسلمان کو جائز ہے کہ وہ کچی رسد میں حصہ کا گوشت دے اور شامل ہونا جائز ہے یا نہیں ؟

(الجواب) ہندوؤں کی نیز دوسرے کفار کی دعوت قبول کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ کھانے کے اندر کوئی حرام چیز شامل نہ ہو اور نہ مجلس طعام میں کوئی راگ باجہ وغیرہ ہو۔ کذافی الدر المختار والشامی من الحظر و الاباحۃ اور پھر بھی بہتر یہی ہے کہ شرکت سے احتراز کرے۔ کفار و مشرکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے متعلق

فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کبھی اتفاق سے کہیں گھر جاوے اور ضرورت سمجھے تو مضائقہ نہیں مگر بلا ضرورت شریک ہونا یا عادت ڈال لینا جائز نہیں ہے۔

لمافی العالمگیریة ان ابتلی به المسلم مرة او مرتین فلا باس واما الدوام علیه فیکره کذا فی المحیط عالمگیری کتاب الکراھیة - واللہ تعالیٰ اعلم

کفار کے ساتھ کھانا کیسا ہے

(سوال ۹۱۷) مسلمان کو ہندو کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) اگر کوئی ضرورت داعی ہو تو جائز ہے کیونکہ فقہاء کافر کے جھوٹے (پسماندہ) کو بھی جائز فرماتے ہیں- کمافی الدر المختار فسور ادمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً الی قوله طاهر۔

لیکن کفار کے ساتھ بلا ضرورت اختلاط فی نفسہ برا ہے کیونکہ اول تو صحبت واختلاط سے ہی محبت بڑھتی ہے اور بالخصوص ساتھ کھانے سے اور زیادہ محبت بڑھ جاتی ہے اور کفار سے تعلق محبت بنص قرآن ممنوع ہے- حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفت اصحاب الجحیم میں اس بحث پر مفصل ومدلل کلام کیا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ کافر سے زائد از حاجات کوئی تعلق نہ رکھے- اختلاط، صحبت میں اور طرز ووضع میں ان کی مخالفت کا اعلان کرے۔

ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا!

(سوال ۹۱۸) ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا مٹھائی پاک ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) جب تک یہ یقین نہ ہو کہ پکانے والے کافر کے ہاتھ یا برتن پاک تھے اس وقت تک کھانا ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے اور اگر یہ یقین ہو جائے کہ ہاتھ یا برتن وغیرہ ناپاک تھے تو جائز نہیں اور اس میں ہندو یا کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں مسلمانوں کا بھی یہی حکم ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ کفر درحقیقت باطنی نجاست ہے ظاہری نجاست وطہارت کا تعلق کفر اور اسلام سے کچھ نہیں- نبی کریم ﷺ سے خود بھی کفار کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا تناول فرمانا ثابت ہے اور اسی سلسلہ میں وہ واقعہ ہے کہ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کو ایک کھانا کھلایا جس میں زہر ملا ہوا تھا یہ واقعہ حدیث کی اکثر کتب میں موجود ہے۔

الغرض کفار خواہ ہندو ہوں یا اور کوئی ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اپنی ذات سے جائز ہے البتہ چونکہ ہندو ہم سے نفرت کرتے ہیں تو غیرت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہم بھی ان سے نفرت کریں اور بلا ضرورت ان سے چیزیں نہ خریدیں نیز بہ نسبت دوسرے کفار کے ہندو کچھ غلیظ الطبع اور نجاسات کے ساتھ آلودہ بھی زیادہ رہتے ہیں اس لئے ان کی پکائی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرنا بلاشبہ اولیٰ وبہتر ہے لیکن نجس وناجائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا

جا سکتا۔

خلاف اسلام تقریر کرنے والے کافر کی تعریف کرنا حرام ہے

(سوال ۹۱۹) زید ایک جلسہ کا صدر قرار پایا اس میں ہندو مسلمان کے درمیان مناظرہ ہونا طے پایا دس دس منٹ وقت دینے کا اقرار کیا پہلے مولوی صاحب نے دس منٹ تقریر کی اس کے بعد مہاشے جی نے اپنی تقریر شروع کی اور اسلام پر اعتراضات شروع کئے۔ قرآن پاک کو بھی اعتراضات سے نہ چھوڑا زید نے بجائے دس منٹ کے ان کو پچیس منٹ وقت دیا۔ جب مولوی صاحب نے فرمایا کہ صدر صاحب نے مہاشے جی کو زیادہ وقت دیا تو صدر صاحب نے فرمایا کہ مہاشہ جی کی تقریر ایسی دلچسپ تھی کہ میں اس میں محو ہو گیا اور اس لئے مجھ کو وقت کا خیال نہ رہا ایسے شخص کے لئے شرع شریف کیا حکم رکھتی ہے زید اسلامی حکم سے کیا حکم رکھتا ہے زید کو تجدید اسلام کرنا چاہیے۔ زید نے اسلام کی توہین کی یا نہیں زید نے کفر کی تعریف کی یا نہیں زید مسلمانوں کا نمائندہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(الجواب) زید نے اگر فی الواقع ایسا کیا ہے تو وہ سخت گناہ گار و فاسق ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے مگر بایں ہمہ اس کو کافر کہنا صحیح نہیں احتیاطاً تجدید اسلام کر لے تو بہتر ہے توہین کی لیکن تاویل کی گنجائش کے ساتھ اس کے کفر کا فتویٰ نہ دیں گے تعریف کی مگر بطر ز ندکور۔ ایسا شخص مسلمانوں کا نمائندہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کا نمائندہ وہ ہو سکتا ہے جو صالح اور دیندار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بھنگی چمار وغیرہ کا مسلمان کے کنویں سے پانی بھرنا

(سوال ۹۲۰) آج کل شدھی وغیرہ کے زمانہ میں اہل ہنود چمار اور چوہڑوں کو شدہ کر کے عام کنوؤں پر چڑھاتے ہیں اس فعل میں بعض جگہ کامیاب ہوتے ہیں اور بعض جگہ ناکامیاب ہوتے ہیں اور اب مسلمانوں میں بھی دو فریق ہیں ایک کہتا ہے کہ ان کنوؤں پر چڑھنے میں کیا حرج ہے جب کہ اور قوم مثلاً سکھ وغیرہ جو کہ مردار خور کو تم کنوؤں پر چڑھاتے ہو ایسے ہی یہ بھی ہیں۔ دوسرے کہتے ہیں کہ امام اعظمؒ کا فتویٰ عام ہے کہ اچھوت اقوام کو چھوڑ کر بقایا اقوام کے ساتھ کھانا پینا حلال ہے عند الشرع اس پر کیا فتویٰ ہے۔؟

(الجواب) پہلے شخص کا قول صحیح ہے اور اگر کوئی چمار چوہڑا وغیرہ جس کے ہاتھ اور برتن یعنی ڈول رسی وغیرہ پاک ہو وہ کنویں سے پانی بھر لیویں تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا لیکن چونکہ ہندوستان میں عام طور سے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ چمار چوہڑے علیحدہ اپنے کنویں سے پانی بھرتے ہیں عام ہندو مسلمانوں کے کنوؤں پر نہیں چڑھتے اور عام ہندو کو مسلمان برا جانتے ہیں اس کے خلاف کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہے اس لئے اگر حسن تدبیر اس کا انسداد ہو سکے تو بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ)

جواب صحیح ہے۔۔۔اور چونکہ یہ قومیں عموماً پاکی ناپاکی کی تمیز نہیں رکھتی اسی طرح ہندو بھی۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے احتیاط ہی برتنا بہتر ہے البتہ اگر اتفاقاً کوئی پانی بھر لے تو کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ایضاً ---- (سوال ۹۲۱) ایک کنواں ہے جس سے ایک ماہ پیشتر صرف ہندو مسلمان سکھ پانی بھرتے تھے اس کے ایک گھاٹ ہے اب چمار درارہ سے پانی بھرنے لگ گئے ہیں اس کنویں سے مسلمانوں کو پانی بھرنا جائز ہے یا نہیں اگر اس کا جواب نفی میں ہے چمار جن کو پبلک کنوؤں سے پانی بھرنے کا قانوناً حق حاصل ہے اور جس کی بابت پنجائت ہائی کورٹ کا فیصلہ موجود ہے ان پر حق کا استعمال کر کے عام کنوؤں سے پانی بھریں تو مسلمان کیا کریں۔آیا بائیکاٹ کریں۔؟

(الجواب) پبلک کنوؤں پر جہاں قانوناً چمار وغیرہ اقوام پانی بھرنے کا حق رکھتے ہیں اور بھرتے ہیں بضرورت مسلمانوں کو پانی بھرنا جائز ہے البتہ جو کنویں اپنے مملوکہ ہیں اور قبضہ میں ہیں ان پر احتیاط یہی ہے کہ چماروں کو پانی بھرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ھذا ھو مقتضاء القواعد الفقھیۃ الشرعیۃ۔

کافر کی عیادت وتعزیت

(سوال ۹۲۲) اہل ہنود کے جنازے کے ہمراہ مرگھٹ تک جانا شرعاً کیسا ہے ؟ (۲) ان کے مکان ماتم پرسی وصبر وتسکین دینے کو جانا کیسا ہے ؟

(الجواب) کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلا عطا فرمائے لیکن کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ مستحق تعظیم۔نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے۔اور ظاہر ہے کہ کافر شفاعت کا اہل نہیں۔ قال فی العالمگیریۃ الباب الرابع عشر من الکراھیۃ ولا باس بعیادۃ الیھودی و النصرانی و فی المجوسی اختلاف کذافی التھذیب ۔ ویجوز عیادۃ الذمی کذافی التبیین الی قولہ۔ واذا مات الکا فرقال لولدہ او قریبہ فی تعزیتہ اخلف اللہ علیک خیراً منہ واصلحک ای اصلحک بالا سلام الخ عالمگیری کشوری ص ۲۲۸ ج ۴ ۔ و صرح باھانۃ جیفۃ الکافر فی جنائز الشامی و الدر المختار حیث قال فیغسلہ غسل الثوب النجس وایضاً قیدہ بالا حتیاج ای اذالم یکن لہ قریب غیرہ من اھل ملتہ ثم قال فلولہ قریب فالا ولی ترکہ لھم ۔ شامی ص ۵۹۷ ج ۱۔

مدارس اسلامیہ میں غیر مسلم گورنمنٹ سے امداد لینا!

(سوال ۹۲۳) مدارس اسلامیہ میں گورنمنٹ سے امداد لینی خواہ چنگی سے یا ڈسٹرکٹ بورڈ سے یا محکمہ تعلیم گورنمنٹ سے جائز ہے یا نہیں ایک زمانہ گزرا کہ مفتی عزیزالرحمٰن صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اس بارے میں منع فرمایا تھا اب بعض کا خیال ہے کہ جب چندہ کی مدرسہ میں کمی ہے تو لینا جائز ہے۔؟

(الجواب) اگر کسی طرح یہ اطمینان ہو جائے کہ گورنمنٹ اور اس کے ارکان امداد دینے کی وجہ سے معاملات مدرسہ مثل نصاب تعلیم وتقرر مدرسین وملازمین وغیرہ میں باضابطہ یا نجی طور پر بے ضابطہ مداخلت نہ کریں گے

تب تو امداد لینا درست ہے ورنہ نہیں لیکن چونکہ عادتاً یہ معلوم ہے کہ امداد دینے کے بعد ان کی مداخلت اگر باضابطہ بھی نہ ہو تب بھی طور پر یقینی اور ضروری ہو جاتی ہے جس سے مدرسہ کے مقاصد میں خلل آنا لازمی ہے اس لئے ہمارے اکابر نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک اس کو روا نہیں رکھا اور مکاتب اسلامیہ کی خیر اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ آزادرہ کر اپنی پرانی تعلیم پڑھائی جائے۔ واللہ اعلم۔

مسجد میں ہندو رکاوٹ ڈالیں تو کیا حکم ہے ؟

(سوال ٩٢٤) ایک مسجد عرصہ دراز سے یعنی ستر سال سے منہدم تھی اب اہل اسلام اس کی مرمت پر کھڑے ہوئے تو ہندو اس میں ہر طرح مانع ہوئے۔ دعوی دیوانی کے بعد مسجد سے خارج ہوئے فرش مسجد پر قابض اب مسلمانان اس مسجد کا فرش بنائیں یا نہ بنائیں ؟

(٢) ہر عدالت میں اپیل کئے فرش کی جازت نہ ملی مجبوراً بلا اجازت ہنود مسلموں نے تھوڑا سا فرش بنایا اس فرش پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

(٣) یہ مسجد شاہی زمانہ کی ہے اس کے جو اوقاف ملک وغیرہ کئی سو بیگہ عطیہ شاہی تھا وہ سب ہندوؤں نے غصب کیا ایسے ہی فرش مسجد بھی غصب کیا اب مسجد کے تینوں دروازوں کے سامنے بالکل ملتی ہوئی دیوار بنانے کے لئے تیار ہیں اور جو فرش مسلمان تین چار سال سے بنا چکے ہیں اس کے توڑنے پر آمادہ ہیں اب ایسی حالت میں مسلموں کے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے فرش کو تڑوائیں اور مسجد کے آگے دیوار بنوائیں یا کچھ شور و شغل مچائیں ؟

(٤) مسجد کے فرش سابقہ کے دیکھنے والے تین آدمی اس وقت موجود ہیں ان میں سے کسی نے چار پانچ جماعت فرش پر اور کسی نے دو تین ہوتے دیکھیں اس لئے مسلموں نے کل دو جماعت کا فرش بنایا اب اہل ہنود مع وکلاء طرح طرح کی تجویزات کر رہے ہیں کہ اس تیار شدہ فرش کو جو غریب مسلمانوں نے بمشکل تمام تیار کیا ہے اور چار سال تک دوران مقدمہ میں نماز پڑھ چکے ہیں اب اس کے سر سے پاؤں تک توڑنے پر آمادہ ہیں اب ایسی حالت میں اہل اسلام درجہ شہادت کا پاویں گے یا نہ یا خاموش رہیں ؟

(٥) اس مسجد شاہی کے درمیانی در کے سامنے قریب ٩ فٹ کے ایک پیپل اور اس کے چوطرفہ چبوترہ اس پر ایک سنگ بے تصویر ہندوؤں نے قریب تیس سال سے رکھدیا ہے جس نے ادب کی وجہ سے مسجد کے سب حقوق غصب کر لئے ہیں اب اہل اسلام کو بھی پتھر کے ادب کی ضرورت ہے یا فرش مسجد کو چھڑانے کی یا جو تیار ہو چکا ہے اس کے بھی سالم رہنے کی حفاظت کریں یا بالکل خاموش رہیں ہندو جو چاہیں کریں ؟

(الجواب) جب کہ یہ فرش قدیم سے مسجد کا تھا تو یہ قیامت تک مسجد ہے کسی کے تغلب سے اس کا مسجد ہونا بدل نہیں سکتا یہاں نماز پڑھنا بلا شبہ درست ہے اس جگہ فرش بنانا (اگر قدرت ہو ضروری ہے)

(٢) بلا شبہ درست ہے (٣) ضرور شور و غل مچائیں اور جہاں تک قتل و قتال اور جانوں کا خطرہ نہ ہو اس حد تک پوری کوشش کریں کہ یہ مسجد کا فرش منہدم نہ ہونے پائے حکام وقت سے فساد کا خطرہ پیش کر کے بار بار استغاثہ کرتے رہیں اور خود بھی ہمت کے ساتھ حفاظت مسجد میں سرگرم رہیں البتہ اگر قتل و قتال کا خطرہ ہو اور اس کی

طاقت نہ ہو تو صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ظالموں کے لئے بد دعاء کریں اور پھر بھی جستجو کو نہ چھوڑیں۔ فقط۔
(۴) چونکہ قوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں اس لئے اگر مسلمان اپنی امکانی سعی کرنے کے بعد خاموش صبر کے ساتھ بیٹھ بھی جائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ گار نہ ہونگے اس لئے اپنی طرف سے قتل وقتال کی نوبت نہ آنے دیں اور اگر سر ہی آپڑے تو حق تعالیٰ پر بھروسہ کر کے ہمت سے کام لیں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی امداد ہوگی حدیث میں ہے لا تتمنوا لقاء العدو واذا لقیتم فاثبتوا وتو کلوا علی اللہ۔ یعنی خود تو لڑائی کی تمنا نہ کرو اور سر پڑ جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو (۵) فرش مسجد کی حفاظت مسلمانوں پر ضروری ہے پتھر کی حفاظت وادب لغو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد پر زبردستی قابض ہونے والوں اور پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا حکم

(سوال ۹۲۵) غیر مسلم قوم (مثل یہود نصاریٰ یا اہل ہنود) کی جماعت کا کوئی فرد مذہب اسلام کی توہین کرتا ہے۔ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخانہ کلمات کہتا ہے مسمانوں کی دل آزاری کرتا ہے اور اپنی جماعت کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا ہے زید جو مسلمانوں کی جماعت کا ایک معمولی شخص ہے اس غیر مسلم کو بلا اتمام حجت دھوکہ سے قتل کرنا چاہتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید کا یہ ارادہ اور یہ فعل ازروئے شرع شریف جائز ہوگا یا ناجائز اور قتل کرنے کے بعد اگر قاتل گرفتار ہو جائے اور اس کو پھانسی دے دی جائے تو قاتل کو درجہ شہادت ملے گا یا نہیں کیا اسلام نے اس قسم کی تعلیم دی ہے کہ غیر مسلموں کو دھوکہ سے قتل کردیا جائے مع حوالہ کتاب تحریر کیا جائے
(۲) بعض کتب سیر میں لکھا ہے کہ محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ وغیرہ صحابیوں نے کعب بن الاشرف یہودی کو اور عبداللہ بن عتیک نے ابو رافع کو دھوکہ دیکر قتل کیا یہ واقعات مستند روایات اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ کیا ان صحابیوں کو حضور سرور عالم ﷺ نے اس طور پر قتل کرنے کی اجازت دی تھی کیا یہ واقعات اس زمانہ کے مسلمانوں کے لئے دشمنان اسلام پر چھپ چھپ کر حملہ کرنے قتل کرنے کے لئے دلیل ہو سکتے ہیں کیا وہ مسلمان جو اس طرح پر حملہ کرنے سے مارا جائے یا بعد میں گرفتار ہو کر پھانسی پائے شہید کہلائے گا۔ اگر ایسا ہے تو کسی مسلمان کو اس سعادت سے محروم نہ رکھنا چاہیئے۔ جواب معقول اور مدلل ہو؟
(۳) یہودی ونصاری یا اہل ہنود کی جماعت جو مقابلہ مسلمانوں کے تعداد میں بھی زیاد ہو اور ہر قسم کے ہتھیاروں مثل تیغ وسنان توپ وبندوق وغیرہ سے مسلح بھی ہو مسلمانوں کی کسی مسجد کی بے حرمتی کرے اور مسلمانوں کو ادائے فریضہ نماز سے باز رکھنا چاہے اور مسلمان ہر امکانی کوشش بجز جہاد مسجد مذکور پر قبضہ پانے کی کر کے عاجز آچکے ہوں تو اس صورت میں مسلمانوں کو ہجرت کرنا چاہئے یا جہاد کرنا چاہئے۔ بعض کتب احادیث میں منقول ہے کہ اگر مسلمانوں کفاروں پر غلبہ پانے کا یقین رکھتے ہوں تو جہاد کریں اس مقولہ پر عمل کرنا درست ہوگا یا نہیں اس زمانہ میں جو ہتھیار حکومت کے پاس ہیں مسلمانوں کے پاس اس کا جواب دینے کے لئے کوئی شے نہیں ہے اس لئے ظاہر ہے کہ اگر مقابلہ کریں گے تو یقینی ہلاک ہوں گے۔ اس صورت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے اگر کوئی شخص ان حالات کی موجودگی میں بجائے جہاد کے ہجرت کو بہتر خیال کرے تو کیا ایمان ضعیف سمجھا جائے گا اور امامت

اس کی مکروہ ہوگی۔ بینوا توجروا۔
(الجواب) کسی عالم سے زبانی دریافت کرلیا جائے۔
(۲) کعب بن اشرف کا واقعہ صحیح ہے اور حکم شرعی یہ ہے کہ عہد کے خلاف غدر کر کے کسی کافر کو قتل کرنا تو حرام ہے لیکن جس کافر سے کوئی عہد و پیمان اور موادعۃ و مصالحت نہ ہوئی ہو اس کو کسی دھوکہ سے قتل کردے یہ غدر نہیں کعب بن اشرف کا قتل بھی اسی قسم سے تھا کما هو مصرح في عامة كتب الحديث والسير۔
(۳) جب یہ ظن غالب ہو کہ مسلمانوں کی قوت بہت مغلوب اور کفار کی غالب ہے اگر جہاد کریں گے تو مسلمان تباہ ہو جائیں گے اور کفار کا کچھ نہ بگڑے گا ایسی حالت میں جہاد کرنا ناجائز ہے۔ قالوا في الحملة على الكفار ولو كان غالب رأيه متى حمل عليهم قتل ولا يكي فيهم نكاية لايحل له ذلك (جامع الفصولين ص ۳۰۸ ج ۲)
ایسے وقت میں اگر فرائض اور شعائر اسلام ادا کرنے پر قادر نہ رہے تو ہجرت واجب ہے بشرط قدرت ورنہ اختیار ہے ہجرت کر جائے یا یہیں رہ کر قوت بڑھانے کی فکر میں لگا رہے اور حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔

قادیانوں کو کسی اسلامی جلسہ یا ادارہ میں شریک بنانا!

(سوال ۹۲۶) قادیانیوں، مرزائیوں اور احمدی ہو یا محمودی میل جول رکھنا ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، شادی بیاہ کرنا اور ان سے مسلمانوں کو اپنی مساجد اور قبرستانوں کے لئے چندہ لینا یا ان کو اشاعت اسلام کی غرض سے چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) وقتی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو اپنی انجمنوں مجلسوں وغیرہ کا قادیانیوں کو ممبر عام اس سے کہ وہ خصوصی ہوں یا عمومی بنا کر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟
(۵) کچھ لکھے پڑھے کہتے ہیں کہ قادیانی یہاں صرف بیس ہی تو ہیں اگر ان کو شامل کرلیا جائے تو کیا حرج ہے مسلمانوں کی شان نہیں کہ وہ اس قلیل مقدار سے خوف زدہ ہو کر اس اشتراک عمل سے باز رہیں یہ ایک مولوی صاحب کا مقولہ ہے لہذا ہم کو بتایا جائے کہ یہ مولوی صاحب ٹھیک فرماتے ہیں یا نہیں؟
(الجواب) مرزا غلام احمد قادیانی باتفاق امت کافر ہیں ان کے وجوہ کفر اور عقائد کفریہ کو علماء نے مستقل رسالوں میں جمع کردیا ہے ضرورت ہو تو رسائل ذیل میں دیکھ لیا جائے اشد العذاب مصنفہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب۔ القول الصحیح فتاوی تکفیر قادیان اور جب کہ یہ لوگ کافر و مرتد ٹھہرے تو ان کو اسلامی اداروں کا رکن بنایا جاوے گا تو گویا خود علماء اسلام ان کو ایک عزت دینے کے عہدہ پر جگہ دے رہے ہیں اس سے عوام پر یہ اثر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو مثل علمائے اسلام کے مقتدا سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے فتوے ماننے لگتے ہیں جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے اور جس قدر مصالح ان لوگوں کی شرکت میں پیش نظر ہیں اس سے بہت زیادہ نقصانات شدیدہ کا خطرہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے اس لئے ہرگز ان لوگوں کو اسلامی مجالس میں شریک نہ کرنا چاہئے ہمارے اکابر اساتذہ نے بہت غور و فکر اور تجارب کے بعد ہی رائے قائم کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قادیانی سے مقاطعہ جائز ہے!

(سوال ۹۲۷) زید نے کہا کہ کمیٹی مجھ کو چھوڑ دے مگر قادیانیوں کو نہیں چھوڑوں گا اس وجہ سے کمیٹی نے زید سے ترک موالات کر لیا اسی باعث کمیٹی والے تقریب وغیرہ میں نہ تو زید کو بلاتے ہیں نہ زید کے یہاں جاتے ہیں مگر زید کے ساتھ کمیٹی والے ہمدردی ہی کرتے ہیں زید کے ساتھ نشست اور خلا ملا ہی ہے تو ایا ترک موالات کامل ہے یا ناقص ترک موالات کی تعریف مشرح طور سے تحریر فرمائی جائے تاکہ اس پر عمل کیا جاوے۔؟

(الجواب) زید کا ایسا کہنا سخت گناہ ہے اور کفر کا اندیشہ ہے لیکن فقط اتنی بات سے خارج نہیں ہوا لہذا جو حقوق عام مسلمانوں کے ہیں ان کا وہ بھی حقدار ہے مثلاً مل جائے تو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا بیمار ہو تو عیادت کرنا وغیرہ اس لئے ایسے حقوق عامہ کو ترک نہ کیا جائے مگر خصوصی تعلقات نکاح شادی وغیرہ بالکل قطع کر دیئے جائیں اور اگر یہ خیال ہو کہ مکمل ترک موالات کرنے اور قطع تعلق کرنے سے وہ راہ راست پر آجائے گا تو اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ چندروز کے لئے بالکل قطع تعلقات کر دیا جائے مگر اس صورت کو ہمیشہ نہ رکھیں۔

وقد صرح العینی فی شرح المنیۃ بکراھۃ المعاشرۃ تبارك الصلوۃ فھذا اولی. واللہ تعالیٰ اعلم

قادیانی کی تجہیز و تکفین اور ان کے نکاح میں شرکت

(سوال ۹۲۸) کسی قادیانی کی تجہیز و تکفین میں دیدہ ودانستہ حصہ لینے والے مسلمان کے حق میں کیا حکم ہے؟ (۲) قادیانی کی شادی میں شریک ہونا اور امداد کرنا کیسا ہے؟ دعوت قادیانی کی مسلمان کے لئے کیسی ہے؟ (۴) علمائے دین کے فتوے کو غلط بتانے والے اور توہین کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ (۵) عزیز واقارب دوست آشنا نیز برادری کے بھائی اور مسلمانان قصبہ، قادیانیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں تاکہ وہ عند اللہ ماخوذ نہ ہوں؟ (۶) قادیانی کی شادی کرنا کیسا ہے؟

(الجواب) مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں جمہور علمائے اسلام کے اتفاق سے کافر و مرتد ہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اور جو کوئی مسلمان شریک ہو وہ گناہ گار ہے توبہ کرنی چاہئے (۲) یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کو اپنی گمراہی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ - ولا تقعد بعد الذکری ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار الایۃ (۳) ہرگز نہ کھانی چاہئے بالخصوص ذبیحہ ان کا بالکل مردار ہے اس سے پرہیز ضروری ہے (۴) ایسا شخص سخت گناہ گار ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے توبہ کرنی چاہئے۔ صرح بہ فی کلمات الکفر من جامع الفصولین و البحر (۵) مسلمانوں کو قادیانوں سے کسی قسم کا تعلق شرکت شادی و غمی وغیرہ کا ہرگز نہ رکھنا چاہئے اگرچہ رشتہ داری و قرابت بھی ہو رشتۂ اسلام کے قطع کرنے والے کے ساتھ رشتہ قرابت کوئی چیز نہیں -(۶) قادیانی مرد یا عورت کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مرتد ہیں اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہو سکتا- قال فی الدر المختار ولا یصلح ان ینکح مرتداً و مرتدۃ احداً من الناس مطلقاً.

قادیانیوں سے اختلاط

(سوال ۹۲۹) مرزائیوں کے دونوں فریق قادیانی ولاہوری بالیقین مرتد خارج عن الاسلام ہیں یا نہیں اگر ہیں تو مرتد کا کیا حکم ہے۔ مرتدین کے ساتھ اختلاط وبرتاؤ کرنا عوام کو ان کی باتیں سننا، جلسوں میں شریک ہونا، ان سے مناکحت کرنا ان کی شادی و غمی میں شریک ہونا ان کے ساتھ کھانا پینا، تجارتی تعلقات قائم رکھنا، ان کو ملازم رکھنا یہ امور جائز ہیں یا نہیں؟

(الجواب) مرزا غلام احمد کا کافر و مرتد ہونا انکے اقوال و کلمات غیر محصورہ کا غیر محتمل للتاویل ہونا اظہر من الشمس ہو چکا ہے اور اسی لئے جمہور علمائے امت ان کی تکفیر پر متفق ہیں اس کی مفصل تحقیق کرنا ہو تو مستقل رسائل مثل اشد العذاب مصنفہ مولانا مرتضی حسن صاحب اور القول الصحیح فی مکائد المسیح مصنفہ مولانا محمد سہول صاحب اور مطبوعہ فتاوی علمائے ہند دربارہ تکفیر قادیانی جس میں ہر ضلع و صوبہ کے علماء کے سیکڑوں دستخط و تصدیق ہیں ملاحظہ فرمائے جائیں پھر مرزائیوں کے دونوں فرقے قادیانی اور لاہوری اتنی بات پر متفق ہیں کہ وہ اعلی درجہ کا مسلمان بلکہ مجدد محدث اور مسیح موعود تھے اور ظاہر ہے کہ کسی کافر مرتد کے متعلق بعد اس کے عقائد معلوم ہو جانے کے ایسا عقیدہ رکھنا خود کفر وارتداد ہے اس لئے بلاشبہ دونوں فرقے کافر و مرتد ہیں اور اب تو لاہوریوں نے جو تحریف قرآن اور انکار ضروریات دین کا خاص طور پر بیڑا اٹھایا ہے اس کے سبب اب وہ اپنے کفر وارتداد میں مرزا صاحب کے تابع ہونے سے مستغنی ہو کر خود بالذات ارتداد کے علمبردار ہیں اس لئے دونوں فریق سے عام مسلمانوں کا اختلاط اور ان کی باتیں سننا جلسوں میں ان کو شریک کرنا یا خود ان کے جلسوں میں شریک ہونا شادی و غمی اور کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا سخت گناہ ہے اور مناکحت قطعاً حرام ہے اور جو نکاح پڑھ بھی دیا جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ اگر بعد انعقاد نکاح مرزائی ہو جائے تو نکاح فوراً منسوخ ہو جاتا ہے البتہ تجارتی تعلقات اور ملازمت میں رہنا یا ملازم رکھنا بعض صورتوں میں جائز ہے بعض میں وہ بھی ناجائز ہے اس لئے بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔

فصل فی متفرقات الحظر والاباحۃ
(حظر واباحت کے متفرق مسائل)

مال حرام کا حکم

(سوال ۹۳۰) زید کی بہن ہندہ نے ناجائز کمائی سے کچھ رقم وجائیداد پیدا کی (۲) ہندہ کے باپ نے کچھ حقیقت زمینداری جائز چھوڑی۔

(۳) ہندہ فوت ہو گئی اس کا ترکہ زید و دیگر ورثاء کو پہنچا زید نے مال متروکہ ہندہ سے تجارت کر کے نفع اٹھایا (۴) زید کے یہاں دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۵) زید کلام مجید حفظ کرتا ہے حافظ کو زید سے تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

(الجواب) قال فی العالمگیریۃ من کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر اکل الرباء کاسب حرام اھدی

الیه اوا ضافه و غالب ماله حرام لا یقبل ولا یاکل مالم یخبره ان ذلك المال اصل حلال ورثه اواستقرضه وان کان غالب ماله حلالاً لا باس بقبول هدیته والا کل منه کذافی الملتقط عالمگیری کشوری ص ۲۲۲ ج ٤- ومثله فی الاشباه القاعدة الثانیة من النوع الثانی ص ۱٤۷ ج اول مصری- عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر اکثر مال حلال ہے تو اس کے یہاں بلا تحقیق و تفتیش دعوت کھانا جائز ہے نیز اس سے استاذ حافظ وغیرہ کو تنخواہ لینا بلا تحقیق وبلا شبہ جائز ہے اور اگر اکثر مال حرام ہے اور اسے کم حلال ہے تو تحقیق کرنی چاہئے اگر وہ یہ کہے کہ میں جو تنخواہ تمہیں دیتا ہوں یا جو کھانا کھلاتا ہوں وہ مال حلال سے ہے یا یوں کہے کہ مجھے وراثت میں ملا ہے تو کھانا اور لینا جائز ہے ورنہ نہیں- صورت مسئولہ میں اول تو خود ہندہ کا مال حلال و حرام کا مجموعہ تھا اور پھر زید نے اس کو اپنی سعی سے بڑھایا جس سے مظنون یہی ہے کہ مال حلال زیادہ ہے حرام کم سو اس لئے اس کے یہاں دعوت کھانا وغیرہ بلا تحقیق بھی جائز ہے- نیز اس کو مال مشتبہ وراثت میں ملا ہے اس نے خود کوئی حرام کا کسب نہیں کیا اس وجہ سے اور بھی زیادہ سہولت پیدا ہو گئی بہر حال جو شخص اس کے یہاں دعوت کھاتا ہے اس کے پیچھے نماز بلا شبہ جائز ہے کسی قسم کی کراہت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خراب نوٹ چلانا!

(سوال ۹۳۱) ایک نوٹ میرے پاس ایسا آگیا ہے جس میں تیل کا اثر ہے معلوم ہوا ہے کہ ایسے نوٹ کا یہ حکم ہے کہ دفتر کرنسی میں بھیج دیا جائے یا نوٹ اسی نمبر کا چھاپ کر بھیج دیا جائے اور چھپائی لے لی جائے گی اگر بازار میں ہم اس نوٹ کو چلادیں تو کسی قسم کا گناہ تو نہیں؟

(الجواب) نوٹ دراصل حوالہ ہے قرض کا اور صورت مذکورہ میں چونکہ اس حوالہ میں حوالہ قبول کرنے والے کا یعنی نوٹ لینے والے کا ضرر ہے کہ اس کو چھپائی کی اجرت دینی پڑے گی اس لئے بغیر اس کی اطلاع و رضاء کے دینا جائز نہیں- وھو ظاھر- واللہ تعالیٰ اعلم

ماہ صفر کی آخری بدھ کو منحوس سمجھنا

(سوال ۹۳۲) (۱) سنا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر جب لگی تو سب اناج کو جمع کر کے کھچڑہ پکایا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۲) ماہ صفر میں آخری بدھ جو ہوتا ہے اس کی کیا اصل ہے سنا ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ کی طبعیت زیادہ خراب تھی مجھے اس دن کیا کرنا چاہئے؟

(الجواب) دونوں باتیں بالکل بے اصل اور غلط ہیں بلکہ حدیث میں ہے ماہ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی ممانعت وارد ہے- قال علیه الصلوٰة والسلام لاهامة ولا صفر الحدیث اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرے کہ یہ فعل حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے یا نہیں سنی سنائی باتوں سے اتباع کرنا بھی گناہ ہے۔

جاہلیت عرب کے سب لوگوں کو ولد الحرام کہنا

(سوال ۹۳۳) زید مدعی ہے کہ جملہ اہل عرب ولد الزنا اور ولد الحرام ہیں اس لئے کہ ایام جہالت میں جملہ قبائل اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں اور ماؤں سے شادی کیا کرتے تھے اور اس پر زید یہ حجت پیش کرتا ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ ''لوگوں تم پر حرام کی گئیں مائیں تمہاری پھوپھیاں تمہاری، خالائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری الخ'' اس سے ثابت ہوا کہ پہلے یہ رواج تھا اس وجہ سے قرآن نے ان باتوں کو حرام قرار دیا اگر ایسا رواج نہ ہوتا تو قرآن کبھی حرام قرار نہ دیتا۔ بر عکس اس کے بکر کہتا ہے کہ یہ احکام ہیں۔ قرآن مجید نے ایک ضابطہ صراحۃً جاری کیا ہے اس لئے یہ مراد نہیں کہ سابق میں معاذ اللہ ایسا ہی ہوا کرتا تھا اہل عرب گو جاہل غیر منظم تھے مگر ان کو اپنی شرافت پر ناز تھا۔ غیرت حمیت مہمان نوازی اور شجاعت وزبان پر غرور تھا پس صورت مذکورہ میں زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا۔ نیز زید کا قرآن کا ثبوت دینا اور آیت مذکورہ کا شان نزول ایام جاہلیت میں ماں بیٹی سے شادی کرنے کی رسم قرار دینا صحیح ہے یا غلط۔ یہ بھی ارشاد ہو کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے۔؟

(الجواب) بکر کا قول صحیح ہے قرآن مجید میں کسی ضابطہ یا قانون کا ذکر کرنا ہرگز اس کی دلیل نہیں کہ اس سے پہلے اس کے خلاف کا عام رواج ہو اور نہ آیت کا وہ شان نزول ہے جو زید کہتا ہے اور عام عربوں کو ولد الزنا کہنا نہایت سخت گستاخی ہے اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے کتب تاریخ ومعاملات جاہلیت عرب دیکھنے والوں سے ہرگز مخفی نہیں کہ جتنے قصے فواحش وزناکاری کے جاہلیت عرب میں مشہور ہیں وہ عموماً کنیزوں اور لونڈیوں کے یا بہت ہی کمینہ خاندانوں کے ہیں۔ ورنہ شرفائے عرب کی غیرت تو اس بارے میں ضرب المثل ہے اور اشعار جاہلیت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرفائے عرب میں ایام جاہلیت میں بھی پردہ نسواں کا خاص اہتمام تھا البتہ خاص واقعات مکروہہ کا انکار کسی قوم میں بھی نہیں ہو سکتا جاہلیت عرب کے جو فواحش کے واقعات عام طور پر بیان کئے جاتے ہیں ان سے لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے ورنہ حقیقت اس کی اس سے زائد نہیں کہ یہ قصے محض باندی، لونڈیوں کے یا بہت ہی کمینہ لوگوں کے ہیں عام عرب خصوصاً شرفاء کی طرف منسوب کرنا محض غلط ہے۔

کسی مسلمان کو اور اس کے باپ دادا کو جاہل کہنا

(سوال ۹۳۴) ایک شخص نے اپنے بزرگ کو کہا کہ تو جاہل تیرا باپ جاہل۔ جس کو کہا اس کا باپ مر چکا ہے آیا اس کلمہ کا عذاب مردہ کو ہو گا یا کہنے والے کو۔

(الجواب) ایسا کہنا نہایت برا اور بڑا گناہ ہے اس کا عذاب کہنے والے کو ہو گا۔ مردہ کو اس سے کچھ عذاب نہیں۔ قال النبی ﷺ سباب المومن فسوق۔

کسی پر الزام لگانا گناہ ہے

(سوال ۹۳۵) جو شخص کسی پر اعتراض کرے اور الزام لگائے اس کے لئے کیا حکم ہے۔؟

(الجواب) اگر بلا وجہ شرعی کسی پر کوئی الزام لگاوے تو سخت گناہ ہے۔ حدیث میں ہے ۔ من قال فی مومن ما لیس فیہ اسکنہ اللہ ردغۃ الخبال (مشکوٰۃ)

عبدالرحمٰن کو رحمٰن کہہ کر پکارنا!

(سوال ۹۳۶) کسی کا نام عبدالرحمٰن ہے اور کسی کا عبدالغفور اور کسی کا عبدالشکور پکارتے ہیں۔ رحمٰن، غفور اور شکور یہ گناہ کبیرہ ہے یا نہیں؟

(الجواب) چونکہ پکارنے والوں کی غرض اس لفظ سے عبدالرحمٰن اور عبدالغفور ہی ہوتی ہے صرف اختصار کے لئے ایسا کرتے ہیں اس لئے گناہ کبیرہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں البتہ ایسا کرنے میں ایک قسم کا سوء ادب ہے اس لئے مناسب ہے اور اسی بناء پر آج کل ایسے نام رکھنا خلاف اولیٰ ہے اور نامناسب ہیں کیونکہ عموماً لوگ ایسا اختصار کرتے ہیں باقی لفظ شکور اس میں تو کوئی مضائقہ ہی نہیں کیونکہ یہ لفظ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں۔ اگر خود کسی کا نام ہی فقط شکور رکھ دیا جائے تو جائز ہے۔ ایسے ہی رحیم اور علی اور کبیر اور رشید وغیرہ جو اسمائے الہیہ میں سے ہیں لیکن مخصوص بذات حق تعالیٰ نہیں وہ بھی اگر کسی کا نام رکھ دیں تو جائز ہے۔ قال فی العالمگیریة فی الباب الثانی والعشرین من کتاب الکراهة احب الاسماء الی الله تعالی عبدالله و عبدالرحمن لکن التسمية بغیر هذه الاسماء فی هذا الزمان او لی لان العوام یصغرون هذا الاسماء للنداء والتسمية باسم یوجد فی کتاب الله کا لعلی والکبیر والرشید و البدیع جائز لانه من الاسماء المشترکة.

عورتوں کے پردہ اور تعلیم کے متعلق چند سوال وجواب

(سوال ۹۳۷) مسلمان آزاد بالغہ عورت منہ وہاتھ وقدم کھول کر باہر آمد و رفت کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) عورت بیٹے کو زبرقع اوڑھ کر کسی غیر محرم سے گفتگو یا تعلیم حاصل کر سکتی ہے۔؟

(۳) آج کل مروجہ طریق سے مسلمان بالغہ لڑکیاں کھلی گاڑیوں میں منہ ہاتھ کھول کر اسکول کالج میں پڑھنے جاتی ہیں اور غیر محرم مدرسوں سے تعلیم حاصل کرتی ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۴) طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة۔ اس سے کونسا علم مراد ہے؟

(۵) کن ضرورتوں کے وقت عورتیں برقع پہن کر باہر آمد و رفت کر سکتی ہیں؟

(۶) شریعت نے عورتوں کے لئے مردوں کی طرح تحصیل علوم و فنون میں اختیار دیا ہے یا نہیں؟ فی زمانہ خصوصاً عورتوں کو تعلیم انگریزی اعلیٰ پیمانہ پر حاصل کرنا جائز ہے یا قطعی حرام؟

(۷) مخالفین قرآن وحدیث سے حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آزاد اور بالغہ مسلمہ کو منہ ہاتھ وقدم کھول کر سینہ گردن و تمام بدن پر چادر ڈال کر جہاں چاہے آمد و رفت کر سکتی ہیں ان کا مستدل یہ آیت ہے۔ یا ایها النبی قل لازواجك وبناتك ۔ الایة ۔ اس آیۃ سے مفسرین نے کیا مستنبط کیا ہے اور جمہور علماء کی اب کیا رائے ہے۔ اور یہی آیت نقاب کو ثابت کرتی ہے یا نہیں؟

(۸) مرد و عورت کے لئے مقدار فرض علوم شرعیہ کو چھوڑ کر دیگر علوم و فنون میں منہمک ہو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۹) اجنبی مرد و عورت اجنبیہ پر معاً نظر پڑ جانے سے سلام مسنون کا کچھ حکم ہے؟

(۱۰) غیر محرم مرد کا غیر محرم عورت کی طرف بلا خواہش دیکھتے رہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) عورتوں کے لئے علم انگریزی سیکھنے کی صورت؟

(۱۲) عورتوں کو نقاب ڈالنا زمانۂ آنحضرت ﷺ یا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟

(الجواب) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ اس مخالفت کا منشاء ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ قرآن وحدیث کو دیکھ کر ان لوگوں کو پردہ کشائی کا حکم معلوم ہوا ہو۔اس لئے وہ پردہ کے خلاف کررہے ہیں بلکہ اس کا منشاء محض یورپ کی کورانہ تقلید ہے اور مذہب سے آزادی ہے اس لئے اس کا جواب وعلاج نہ فتوؤں سے ہے نہ قرآن وحدیث کے صحیح مطالب ان کے سامنے پیش کرنے سے بلکہ اصلی علاج یہ ہے کہ کسی طرح ان کے قلوب میں قرآن وحدیث کی اور خدا اور رسول کی عظمت ومحبت اور خدا کا خوف پیدا ہو۔تو واللہ ان شبہات میں سے ایک بھی شبہ ایسا نہیں جو کسی سمجھدار انسان کو پیدا ہو سکے۔

اس مسئلہ پر ہندوستان میں قدیم سے بہت سے رسائل مستقل لکھے جاچکے ہیں اور ابھی تقریباً تیسرا سال ہوا ہے کہ اخبارات میں اس مسئلہ کا ایسا طوفان اٹھا تھا کہ کوئی پرچہ اس سے خالی نہ تھا اس سلسلہ میں بھی ہزاروں مضامین اور کافی شافی بحثیں ہر ایک آیت وحدیث پر آچکی ہیں اگر کسی کو قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہو تو وہ کافی ہیں اور نہ کرنا ہو تو اس تحریر ہی سے کیا فائدہ ہوگا اس لئے بعض سوالات کے احکام لکھے جاتے ہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس جگہ دو مسئلے جدا جدا ہیں اکثر شبہات تو ان دونوں کے اختلاط اور جہالت سے پیدا ہوگئے ہیں وہ یہ کہ ایک تو حکم ستر نماز کا ہے اور ایک مسئلہ حجاب وپردہ پوشی یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو حکم ہیں ستر نماز کے لئے تو چہرہ اور ہاتھ اور قدم کا ڈھانپنا ضروری نہیں اور جن فقہاء نے ان کے کھولنے کو تجویز کیا ہے وہ ستر نماز ہی کے متعلق لکھا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ یعنی حجاب کے متعلق یہ ہے کہ اس کا اصل مدار فتنہ پر ہے جتنا زیادہ احتمال فتنہ کا ہو اسی قدر اس کا انسداد ضروری۔چہرہ کھولنے میں بالکل ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ فتنہ ہے بازو تک ہاتھ یا کمر وغیرہ کھولنے میں بھی اتنا فتنہ نہیں جتنا چہرہ کھولنے میں ہے اس لئے چہرہ کا اجنبی آدمیوں سے چھپانا مسئلہ حجاب میں نہایت ضروری ہے اگرچہ مسئلہ ستر نماز میں ضروری نہیں یعنی نماز چہرہ کھول کر ہو جاتی ہے۔

مگر اجنبی کے سامنے چہرہ کھول کر جانا جائز نہیں بلکہ یہ ان اشد معاملات میں سے ہے جن میں فقہاء نے اپنی بیوی کو مارنے اور تعزیر دینے کی بھی اجازت دی ہے۔در مختار کتاب التعزیر میں ہے۔ ویعزر الزوج الزوجة علی ترکها الزینة الی قوله او کشف وجهها یعزر محرم۔

اسی طرح عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ میں۔اور عامہ کتب فقہ کی کتاب الکراہۃ وغیرہ میں صراحۃً چہرہ غیر محرم کے سامنے کھولنے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے مگر ان بے علم مجتہد اور آزاد خیال کو کیا کیجئے کہ فقہ کا ایک ہی باب دیکھ کر فتوی جاری کردیا دوسرے باب سے قطع نظر ہے۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ مسئلہ حجاب قرآن مجید میں بتدریج نازل ہوا ہے ابتدائے اسلام میں بالکل پردہ نہ تھا پھر قل للمومنین یغضوا من ابصارهم الآیہ اور تدنین علیهن من جلابیبهن وغیرہ آیات نازل ہوئیں جن میں پردہ کا ابتدائی درجہ مذکور ہے۔اس کے بعد دوسری آیات آئیں جن میں پردہ کا خاص اہتمام ظاہر ہوتا ہے واذا

سئلتموھن متاعاً الی قولہ من وراء حجاب وغیرہ یہاں تک کہ بالکل گھر کے اندر رہ کر پردہ کرنے کا حکم بھی قرآن ہی میں نازل ہو گیا- وقرن فی بیوتکن- لیکن ضرورت شرعیہ مثل نماز جماعت وغیرہ اس وقت تک مستثنیٰ تھی گو حضور ﷺ کے ارشاد سے اس وقت بھی افضلیت اس کی سمجھ میں آتی تھی کہ عورتیں اپنے گھروں میں نمازیں پڑھیں جیسے ارشاد ہے- صلوتھافی بیتھا افضل من حجرتھا او کما قال (مشکوۃ)

لیکن زمانہ نبوت کے بعد نبی کریم ﷺ کے ارشادات وتصریحات کو سمجھنے والے صحابہ کرامؓ نے زمانہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ان ضروریات شرعیہ میں بھی عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کردی- صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہی مضمون صراحۃً مذکور ہے کہ اگر آپ ﷺ اس حالت کو دیکھتے تو یقیناً عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیتے اور اسی لئے جمہور صحابہؓ کی عورتیں خلفاء راشدین ہی کے عہد میں مساجد جانے سے رک گئی تھیں۔

اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جب نماز جیسے اہم کام اور جماعت جیسی اہم فضیلت کے لئے اس کو نکلنے کی اجازت شریعت نے نہ دی تو کسی اور کام کے لئے کیسے اجازت ہو گی۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کو دیکھ کر تمام اصول اسلامیہ اور احادیث نبویہ اور تفاسیر صحیحہ سے قطع نظر کر کے ایک مراد متعین کرنا اور ان سے حکم نکالنا ایک مستقل اصولی غلطی ہے اگر بالفرض یہ حکم اتفاقاً صحیح بھی نکل آتا جب بھی جائز نہ تھا- حدیث میں ہے من فسر القرآن برایۃ فاصاب فقد اخطاء-

یہاں بھی یہی آفت پیش آئی ہے اس لئے ان آیات کو اپنے مدعاء کا مثبت سمجھے ہوئے ہیں- (۱) تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ مسلمان بالغہ عورت یا قرب البلوغ کو منہ ہاتھ کھولکر باہر جانا جائز نہیں (۲) تعلیم حاصل کرنا بھی نامحرم مرد سے جائز نہیں البتہ اگر کوئی مسئلہ پیش آوے اور کوئی محرم ایسا آدمی نہ ہو کسی عالم سے دریافت کر سکے تو برقع وغیرہ کے پردہ کے ساتھ کسی عالم صالح سے مسئلہ پوچھ سکتی ہے لیکن باضابطہ تعلیم کسی مرد اجنبی سے حاصل کرنا جائز نہیں- لخوف الفتنۃ بل تحققھا- (۳) ناجائز ہے (۴) ظاہر ہے کہ یہ بے دینی کا علم مراد نہیں بلکہ علم شرعی ہے-

(۵) ایک ضرورت تو نمبر ۲ میں مذکور ہوئی دوسری ضرورت یہ ہے کہ گزارہ کے لئے اگر کوئی صورت نہ ہو تو برقع وغیرہ پردہ کے اندر کسی کا کام کاج کردے- (۶) انگریزی تعلیم مروجہ مردوں ہی کے لئے جائز ہونا مشکل ہو رہا ہے عورتوں کے لئے کہاں عورتوں کو تو فقط ضروری دینی تعلیم اور امور خانہ داری سکھانا چاہئے اور بس-

(۶) اب تو جن یورپینوں کی تقلید لوگ کرتے ہیں عورتوں کی آزادی و فحاشی سے عاجز آکر وہ بھی اسی تجویز کو تسلیم کر رہے ہیں- چنانچہ دائرۃ المعارف مولفہ علامہ فرید وجدی مصری میں لفظ مراۃ کے تحت میں امریکہ کے بڑے بڑے ماہرین کے اقوال ایسے ہی نقل کئے ہیں-

(۷) جواب نمبر اول سے پہلے تمہید میں آچکا ہے (۸) مرد کے لئے بقدر فرض علم حاصل کرنے کے بعد دوسرے علوم وفنون کی تحصیل اس شرط سے جائز ہے کہ اس میں کوئی دینی خرابی نہ ہو-

اور عورت کے لئے فقط وہی تعلیم ہونی چاہئے جو نمبر ۶ میں مذکور ہوئی (۹) جوان عورت پر اگر نظر بلا

اختیار پڑ جاوے یا ویسے ہی پس پردہ ملنا ہو جائے تو سلام نہ کرنا چاہئیے -بوڑھی عورت کو سلام کرنے میں مضائقہ نہیں- کذافی العالمگیریہ من الکتاب الکراہتہ -(۱۰) جائز نہیں نص قرآن میں یغضو من ابصارھم اسی کی ممانعت کے لئے وارد ہے (۱۱) اول تو اس آفت کے عورت کو سکھانے کی ضرورت ہی کیا ہے اور اگر بالفرض کوئی ضرورت ہو تو اپنے محرم سے سیکھ سکتی ہے-غیر سے نہیں-

(۱۲) ابتدائے زمانہ میں ثابت ہے اور آخری زمانہ خلفائے راشدین میں تقریباً متروک ہو چکا تھا شاذ و نادر واقعات قابل تاویل ہیں-واللہ تعالیٰ اعلم

بحالت جماع کلام کرنا

(سوال ۹۳۸) مرد اپنی منکوحہ سے حالت جماع میں کسی قسم کی گفتگو کر سکتا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) حالت جماع میں کلام کرنا مکروہ ہے- لمافی الدر المختار و یکرہ الکلام فی المسحد و خلف الجنازۃ و فی الخلاء و فی حالۃ الجماع (رد المحتار خطر و اباحت ص ۳۲۷) لیکن یہ جب ہے کہ کسی دوسرے سے کلام کرے اور خود زوجہ سے کلام کرنے میں مضائقہ نہیں۔

مشت زنی کا حکم

(سوال ۹۱۹) ایک شخص ہے وہ مشت زنی کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے کیا تعزیر ہے-اس کا کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) مشت زنی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور حاکم وقت کو شرعاً اختیار ہے کہ جو چاہے سزا دے بشر طیکہ حدود مقررہ سے زائد نہ ہو- قال اللہ تعالیٰ فمن ابتغی وراء ذلک فأئلك هم العادون.

اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز بعض لوگ اس طرح آئیں گے کہ ان کے ہاتھ حاملہ ہوں گے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ وہی ہیں جو مشت زنی کرتے تھے-اسی بناء پر فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے- کذا ذکرہ العلامۃ الشامی فی کتاب الصوم-البتہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ گر جائے کہ زناء میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اور زناء سے بچنے کے لئے مشت زنی کے ذریعہ انزال کرے شہوت رانی مقصود نہ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ توقع ہے کہ اس پر کوئی وبال نہ ہوگا- کذافی حواشی الھدایہ-واللہ تعالیٰ اعلم

رات کو اپنے جانور چھوڑنے کا حکم

(سوال ۹٤۰) بکر کو یہ علم کرادیا گیا کہ تمہارے جانور چھوٹے رہتے ہیں کھیتی کو تباہ کر دیتے ہیں مگر پھر بھی جانور نہیں باندھتا تو آیا بکر مرتکب حق العباد اور گناہ کبیرہ کا ہے یا نہیں ؟

(الجواب) بلا شبہ مرتکب گناہ کبیرہ ہے اور پڑوسیوں کو حق ہے کہ اس کو اپنے جانور باندھنے پر مجبور کریں- صرح فی کراھیتہ خلاصتہ الفتاوی- واللہ تعالیٰ اعلم

دودھ بچانے کے لئے جانور کے بچہ کو مار ڈالنا!

(سوال ۹۴۱) بعض اہل مواشی بچھڑے کٹڑے گائے بھینس بیانے کے بعد ذبح کردیتے ہیں تاکہ سالم دودھ ان کو بچ جائے۔زید کہتا ہے کہ یہ فعل حرام ہے اور ذبیحہ بھی حرام ہے اور دلیل میں فتوی جواہر ونوادر کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔قال ابوحنیفة ولا یجوز للمکلف ان یذبح الفصلان والحملان و العجاجیل حین ولدت من الشاة والجاموس والناقة اور نیز دارمی کی ایک حدیث نقل کرتا ہے وروی عن انس ولد العجل فی بیت رجل فارا دالرجل ان یذبح له وقالت امرأ ته ان لا یذبح له لان مغیره عاجز فوقع المنازعة بینهما فاتیا الرجل والمرأة الی النبی ﷺ وقص ذلك الامر فقال النبی ﷺ الامن ذبح منکم الفصلان و الحملان والعجاجیل لیس لهم شفاعة ولهم جب الحزن ولهم خزی فی الدنیا و عوقب فی النارلانه ظلم عظیم تودعوی زید کاثابت ہے یانہ ؟

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ معروض یہ کہ سوال وجواب بچھڑے کٹڑے کے ذبح کرنے کے متعلق مسئلہ درج ہے اس کی مزید تحقیق کے لئے جناب کو تکلیف دیتا ہوں چونکہ یہ مسئلہ ہمارے یہاں کثیر الوقوع ہے لہٰذا سوا ءآج تک کسی علماء نے اس کی نفی نہیں کی۔

سائل نے کٹڑے بچھڑے ذبح کرنے کی نفی میں ایک توامام صاحب کا قول پیش کیا ہے۔

لا یجوز للمکلف ان یذبح الفصلان و الحملان و العجاجیل حین ولدت من الشاة والجاموس والناقة۔ فصلان وحملان و عجاجیل کی کیا تعریف اور کتنی عمر ہونے تک اس کا ذبح ممنوع ہے۔ حین ولادت سے لیکر کتنی عمر تک ممنوع ہے دوسرے سائل نے نفی میں حدیث دارمی ارقام فرمائی ہے۔ قالت امراة ان لا یذبح له لانه صغیرعا جز فوقع المنازعة بینهما فاتیا الرجل والمرأة الی النبی ﷺ وقص ذلك الامر فقال النبی ﷺ الامن ذبح الفصلان والحملان والعجاجیل لیس لهم شفاعة ولهم جب الحزن و لهم خزی فی الدنیا وعوقب فی النار لا نه ظلم عظیم آیا صغیر عاجز کو کہاں تک کھلایا جائے گا اس کی حد کیا ہے اور حدیث کس درجہ کی ہے۔یہ جو مشہور ہے کہ حدیث موضوع کی علامات میں سے یہ بھی ایک علامت ہے کہ فعل تھوڑا ہو عقوبت سخت اس میں درج ہو اس حدیث میں یہ علامت درج ہے کیونکہ اپنی ملک میں جائز طریق سے تصرف کرتا ہے اگر یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے توبس نفی ذبح میں سائل کے یہ دونوں دلیل صریح نص ہیں اور جواب میں جو فصلان اور حملان کے ذبح کی نفی میں حدیث ابن عباس پیش کی گئی ہے۔قال لا تتخذوا شیئاً لعن الله من فعل هذا اولانه تعذیب للحیوان واتلاف لنفسه و تضییع المالیة۔یہ حدیث، فصلان وحملان کے ذبح کی نفی پر چسپاں نہیں ہوتی بلکہ ہر اس جانور پر صادق آتی ہے جس کو ایذاء دیکر فقط مارا جائے اور پھر پھینک دیا جائے کسی کام میں نہ لایا جائے اس لئے وتضیع کی نفی ہوئی جیسے شکاری تیر وبندوق سے کسی جانور کو بے ضرورت مار کر پھینک دیتے ہیں اگر ضرورت لاحق ہو تو ممنوع نہیں۔اور ضرورتیں دو ہیں ایک جانور کا موذی ہونا دوسرا حلال ہونا پس اگر موذی کو مارا جائے پھر مارنے کے بعد اگر وہ ایسا جانور ہے کہ قابل کھانے کے ہے تو کھایا جاوے اور اگر حرام ہے لیکن کوئی جز قابل نفع ہے جیسا چمڑا وغیرہ تو وہ دباغت سے کام میں لایا جاوے اس لئے امام صاحب کے نزدیک شکار حرام وحلال جائز ہے بامر فاصطادوا ہے۔دیکھو اس جواب میں دوسری حدیث عن عبداللہ ابن عمر

میں صریح تضییع کی نفی کی گئی ہے -قال ان یذبحھا فیا کلھا ولا یقطع راسھا فیرمی بھا- فصلان وحملان کو توذبح کر کے کھایا جاتا ہے۔

پس جو اہل مویش دودھ پر گزران کرتے ہیں تو کٹروں کو ذبح کر کے کھاجاتے ہیں توان پر اتلاف تضییع مال صادق نہیں آتا البتہ فصلان پر رحم کی غرض سے ممنوع ہے تو اس نص کی وجہ سے قیاس ساکت ہے۔

(الجواب) بعد الحمد والصلوٰۃ- مرسلہ سوال وجواب کا مطالعہ کیا اور امداد المفتین کے فتوے پر مکرر نظر کی اس میں سائل کے بیان سے یہ ترشح ہوتا تھا کہ جانوروں کے بچے بوقت ولادت ذبح کردینے سے اس کے سوا کوئی فائدہ مقصود نہیں کہ دودھ سالم بچ جاوے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ابتدائے ولادت کے وقت گوشت عادۃً کھانے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے اس فتوے کا منشایہ تھا کہ جب بچے کے ذبح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں محض اس کو دودھ بچانے کے لئے ضائع کرنا مقصود ہے تو یہ صورت ناجائز ہے اس کی دلیل میں احادیث مندرجہ فتوی پیش کی ہیں لیکن جناب کے بیان سے معلوم ہوا کہ مذبوحہ بچہ بے فائدہ ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے گوشت اور چمڑے وغیرہ سے نفع اٹھالیا جاتا ہے تو یہ صورت دوسری ہے اس میں حکم یہی ہے کہ ذبح کرنا جائز ہے اور ذبیحہ توہر صورت میں حلال ہے-واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم -۶ رمضان ۷۵ ۱۳ھ

مرغ وغیرہ کو پیٹ چاک کر کے خصی کرنا

(سوال ۹۴۲) ہنس اور مرغ کا پیٹ چاک کر کے خصیتان نکال کر خصی بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(جواب) کوئی تصریح اس کی کتب فقہ میں نہیں ملی اور احتیاط یہ ہے کہ ایسانہ کیا جاوے جانوروں کے خصی کرنے میں جن میں پیٹ چاک نہیں کرنا پڑتا ان میں بھی علماء کا اختلاف ہے-صرح بہ فی العالمگیریۃ باب ۱۹ من الکراھۃ ص ۲۶۸ ج ۵ مصری - وبہ صرح الشامی فی الکراھیۃ-واللہ تعالیٰ اعلم

بعض آداب قبلہ

(سوال ۹۴۳) اکثر لوگ عادۃً لاپرواہی سے قبلہ کی طرف تھوک دیتے ہیں یاپان کھاکر تھوک دیتے ہیں یاپان کے علاوہ قبلہ کی طرف پیشاب کردیتے ہیں یا قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ جاتے ہیں غپ شپ اڑاتے ہیں یا قبلہ کی طرف پیر کر کے سوتے ہیں-ایسی حالت میں یہ گناہ گار ہوئے یا نہیں قبلہ کی طرف کسی حالت میں پشت کر کے بیٹھنا یا پیر کر کے لیٹنا درست ہے یا نہیں؟ دکان جماکر قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھ کر سودا سلف فروخت کرنا درست ہے یا نہیں؟

(الجواب) قبلہ کی طرف پیشاب کرنا، پیخانہ یا پیر کرنا یا تھوکنا مکروہ تحریمی ہے-درمختار میں ہے ویکرہ تحریماً استقبال القبلۃ بالفرج وکذا استدبارھا فی الاصح الی ان قال کما کرہ مد رجلیہ فی نوم او غیرہ الیھا- ای عمداً لانہ اساءۃ ادب الخ-البتہ قبلہ کی طرف پشت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے-

کتاب الوصایا

(وصیت کابیان)

جس مسجد کے لئے وصیت کی اسی میں لگائی جائے

(سوال ۹٤٤) ایک عورت نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری موت کے بعد میرے باپ کے مال سے ایک زیور طلائی (دو کڑہ) مسجد پر صرف کرنے کے لئے دے دینا مرحومہ کی وفات کے بعد زیور طلائی اس کی والدہ میرے پاس لائی کہ اس کو فروخت کر کے اپنی مسجد پر لگادو چنانچہ وہ زیور چھیانوے روپیہ میں فروخت کر کے سات سال ہوئے خشت ہائے پختہ مسجد مذکورہ کے لئے خریدی جا چکی ہیں اب مسماۃ کابرادر حقیقی مطالبہ کرتا ہے کہ یہ اینٹیں واپس دو کہ میں دوسری مسجد میں خرچ کرنا چاہتا ہوں۔شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے ؟

(الجواب) جس نے آپ کو یہ زیور سپرد کیا ہے اگر متوفی نے اسی کو وصیت کی تھی یعنی آپ کے سپرد کرنے والا میت کا وصی ہے یا اس کا وکیل تب تو میت کے بھائی کا مطالبہ ناجائز یہ اینٹیں اسی مسجد کی ہو چکیں اور اگر متوفی کا بھائی ہی وصی اس کا تھا اور والدہ نے بلا اجازت اس کے آپ کے سپرد کر دیا تو اس کو حق ہے کہ یہاں سے لیکر دوسری مسجد میں دیدے لیکن اس کے لئے بھی ایسا کرنا مناسب نہیں اور یہ سب اسی وقت ہے جب کہ میت نے خود کوئی مسجد متعین نہ کی ہو اگر متوفی نے کسی خاص مسجد کو مقرر کر دیا ہو تو پھر اسی مسجد میں دینا ضروری ہے والدہ کو اور نہ بھائی کو اس کے خلاف کرنے کا حق نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

بھتیجے کے لئے وصیت کی ایک صورت

(سوال ۹٤٥) اسماعیل خاں نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میرے ترکہ میں سے نصف میرے بیٹے فضل اللہ خاں کو اور نصف میرے بھتیجے یعقوب علی خاں کو دیا جائے اور دختر کو پہلے حصہ دے چکا ہوں اور زوجہ کو ابھی حصہ نہیں دیا اور مرنے کے بعد ایک زوجہ انوار فاطمہ ایک دختر عزیز فاطمہ اور بھتیجا یعقوب علی اور ایک لڑکا فضل اللہ خاں وارث چھوڑے ہیں۔پھر فضل اللہ خاں فوت ہوئے انہوں نے ایک والدہ انوار فاطمہ ایک بہن علاتی عزیز فاطمہ اور ایک برادر چچازاد یعقوب علی وارث چھوڑے تو ترکہ اسماعیل خاں کا کس طرح تقسیم ہوگا اور شریعت کا کیا حکم ہے۔؟اس پر مولوی صاحب نے یہ جواب لکھا تھا کہ ثلث میں سے نصف بھتیجے کو ملے گا۔

(الجواب صحیح) اس پر دیوبند سے یہ لکھا گیا۔و بمثله قال فی الهداية وقال فی البدائع ص ۳۳۸ ج ۷۔ ولواوصی بثلث ماله لبعض ورثته ولا جنبی فانلجاز بقية الورثة جازت الوصية لهما جميعاً و كان الثلث بين الاجنبی و بين الوارث نصفين وان ردوا جازت فی حق الاجنبی و بطلت فی حصة الوارث وقال بعض الناس يصرف الثلث كله الی الاجنبی.

لہذا بھتیجے کے لئے بطور وصیت کل مال کے ثلث میں سے نصف ملے گا باقی مال بعد ادائے دین مہر اور دیگر حقوق مقدمہ علی المیراث حسب تفصیل مذکور یعنی مجملہ ۷۲ سہام کے ۲۳ سہام انوار فاطمہ کو اور ۴۲ سہام

عزیز فاطمہ کو اور ۲ سہام یعقوب علی خاں کو ملیں گے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بدعت اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت باطل ہے نیز وصیت کے متعلق چند دیگر مسائل

(سوال ۹۴۶) ہمارے ملک میں ایک امیر کبیر نے مرض الموت میں قبل یوم وفات فرمایا ہے کہ صد من غلہ از ہر جنس و پچاس نقد دیدو۔ خدام نے کہا کہ حضور کل حسب فرمان فی سبیل اللہ چلادیں اچھا میں زندہ رہا تو تم چلادینا اسی دن وہ مر گیا کیا وارث مال ویسے چلادیں یا جمعرات و قل مروجہ میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں اگر وصیت کے حکم میں ہو جاوے اور جمعرات وغیرہ میں چلانہ سکیں تو اور صدقات کی مثل جو کہ غیر مفروضہ ہیں غنی کو دے سکتے ہیں یا نہ وہ امیر چار یتیم طفل اور دو معصوم یتیمہ اور دو بالغہ اور تین زوجات چھوڑ گیا ہے اور اس کے جمیع مال میں سوم حصہ کی مالک ان کی سوا ایک عورت اس کے خاندان کی ہے وہ اپنے والد صاحب سے وارثہ ہے اس امیر اور اس کا مال ابتداء سے مشترک چلا آتا ہے کیا وہ خرچ زائد فی سبیل اللہ کرنا چاہے اور کہے کہ میرے حصہ میں شمار کرلو اور خرچ کو جدا نہ کرے مال مشترک رہے جتنا خرچ ہوگا ضرور صد ہا وراس کے حصہ سے کم ہوگا کیا وہ خرچ کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر زوجات کہیں کہ ہمیں وصیت جمعرات وغیرہ کی کی تھی اور کوئی مرد اس میں شاہد نہیں ان کے قول پر خرچ ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اس امیر کا زندگی میں ایک مختار عام تھا اور اسی کو بعد مرنے کے کر گیا یعنی وصی بنایا گیا ہے وہ کہے کہ مجھے عام اجازت دیا گیا ہے اس پر شاہد کوئی نہیں بعد مرنے کے جو خرچ کرنا یا مراعات مزارعین کے ساتھ جو کرو تمہارے اختیار میں ہے اس کے قول پر خرچ وغیرہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ورثہ اس کو موقوف کردیں کسی باعث سے وہ باعث خیانت مالی کے ہے وہ موقوف ہو جائے گا یا ویسے ہی وصی رہے گا۔ وہ امیر سخی تھا مہمان نواز بیوگان یتامیٰ، علماء فقراء وغیرہ میں کسی کو خرچ کسی کو محصول مزارعت معاف کسی کے ہاتھ مراعات کثیر کسی کو عام اجازت کاشتکاری میں گھاس وغیرہ کی۔ اور مزارعین کاشتکاروں کے ساتھ بہت مراعات مثلاً رواج تھا بٹائی غلہ گندم وغیرہ کے وقت پانچ سات من مزارع زمین پر چھوڑتا ہے جس کو قس کہتے ہیں کہ حضور یہ قل ہے اس کو تقسیم نہ کرو یہ میرا حق ہے مالک چھوڑ دیتا ہے آباء واجداد سے چلا آتا ہے اسی طرح ایک کاشت میں مثلاً باجرہ میں مونگ ماش قدرے جوار کاشت کی مالک بھی جانتا ہے تمام کو مزارع کھا گیا اور باجرہ جو اصل تھی مالک نے تقسیم کرلی اور باقی کی باز پرس نہیں۔ یہ بھی قدیم سے چلا آتا ہے اسی طرح مشترک میں فقراء کو خیرات حسب گداگر اجازت تھی اور فقراء گداگر کب چھوڑتے ہیں اسی طرح نوکر خاص کو اجازت تھی کہ مراعات مزارعین زیادہ از حق معین مثلاً سوم حصہ جو مالک لیتا ہے اس سے زیادہ دینا مزدور خوش دل کند کار بیش۔ یہ سب کام اب بھی ہو سکتے ہیں یا مزارع و مراعات لینے کرنے والے سب کے سب دم بخود ہو ویں تو اس سے ایک نقصان تو یہ ہے کہ بعض مزارع زراعت چھوڑ دیں گے کہ کس بلا سے یہ برداشت ہووے کہ گھاس کے تنکے کو یا ایک دو آم کو شریک تقسیم کرنے سے آوے یا حساب کی بلاء میں مبتلا ہو جاوے اگر ذرہ ذرہ حساب میں لاوے تو سب، غلہ بٹائی میں وہ مالک لیوے یہ خالی دست گھر آوے اگر نوکر سے رعایت نہ کریں تو کام کیسے چلے بیوگان وغیرہ کیسے کریں سب زمین تو

یتیم کی ہوئی دور د راز تک حق پرست حلال خور کہ جس کی گزران اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایات پر کی تھی وظائف پر وہ کیا کرے سب کورد کرے یا ایک ایک سے کہئے تمام پوچھے کہ یتیم امیر کے مال سے کتنا آپ نے لیا ہے یا نہیں لیا۔

ایک دوسرا زمیندار فوت ہوا ہے وہ ثلث مال تمام سے وصیت فی سبیل اللہ دینے کی کر گیا ہے اب وارث ثلث کامل نہیں دیتے اور جو کچھ خیرات و عطیات کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم اس ایفاء وصیت کی قصد پر کرتے ہیں اور وہ عطیات خیرات مال مشترکہ ورثاء کہ جس میں بعض یتیم ہیں دیا کرتے ہیں اور تمام خرچ ثلث سے بہت درجہ کم ہوگا نہ کھانے والے پرہیز کریں گے نہ دینے والے خرچ ثلث یا کم جدا کر کے دیویں گے کیا کیا جاوے۔

غرض امیروں کا حال اتباع شریعت میں واضح ہے اگر ان کو کہا جاوے کہ وارث بالغ اپنا مال تقسیم کرے اور سب اخراجات میں چلاتا رہے تسلیم کی امید کم ہے ایسی صورت میسرہ خدا تعالیٰ عطا فرمائے کہ لینے والا خاص کر اور دینے والا بھی بچ جاوے۔

(الجواب) الفاظ وصیت سے باعتبار عرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصی کی غرض ان اشیاء کو صدقہ دیدینے کی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ پچاس سے پچاس روپیہ مراد ہے لہٰذا اسی مصرف میں صرف کیا جاسکتا ہے جو عام صدقات کا مصرف ہے اور جمعرات کی رسمیں اور قل مروجہ کل بدعات اور ناجائز ہیں یہ ہرگز مصارف صدقات نہیں اس لئے ان میں اگر کوئی خرچ کرے گا تو ایک بدعت کا گناہ ہوگا دوسرا یہ کہ وصیت کا مال غیر مصرف میں صرف کیا اور شرعاً اس کا تاوان اس کے ذمہ عائد رہے گا۔

نمبر ۲، ۳- غنی کو دینا اور لینا بھی جائز نہیں- انما الصدقات للفقراء - الایہ

نمبر ۴- جس قدر جائیداد اس امیر نے چھوڑی ہے اس کی ملک اسی قدر سمجھی جائے گی جو عورت شریک کا سوم حصہ علیحدہ کر کے بچتی ہے اس کی وصیت بھی اس کے اندر جاری کی جائے گی اور باقی اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگی لیکن عورت جو شریک جائیداد ہے اگر وصیت کو اپنے حصہ میں لگائے یا اور زائد خرچ متوفی کی جانب سے کرے یعنی اس کو ایصال ثواب کرے تو جائز ہے-

نمبر ۵- اگر یہ ثابت بھی ہو جائے اور اس کے گواہ شرعی موجود بھی ہوں کہ متوفی نے جمعرات کی رسوم بدعیہ میں خرچ کرنے کی وصیت کی تھی تب بھی یہ وصیت باطل سمجھی جائے گی اور محض جائز طور پر صدقہ کیا جائے گا- قال فی الدر المختار اوصی بان یتخذ الطعام بعد موته للناس ثلاثة ایام فالوصیه باطلة (شامی) هو الاصح کما فی جامع الفتاوی شامی ص ۴۶۳ ج ۵-

نمبر ۶- جس شخص کو میت نے وصی بنایا ہے اس کو اس قدر مال میں تصرف کا حق ہے جس قدر وصیت میں داخل ہے باقی اموال اس کے وارثوں کی ملک ہیں ان کو اس میں صرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مثلاً جائیداد، جو دین اور وصیت ادا کرنے کے بعد بچے وہ وارثوں کا حق ہے اس کے متعلق اگر مورث نے وصی کو مزارعین کے ساتھ کوئی خاص رعایت کرنے کا کوئی حق بھی دیا ہو تب بھی اس کا کوئی اعتبار نہیں البتہ جس قدر مال کی وصیت کی تھی اور

وہ شرعاً جائز بھی ہے اس میں تصرف کرنے کا اس کو حق حاصل ہے مگر اس قدر جس قدر موصی نے اس کو حق دیا ہے زائد نہیں۔ اور اگر اس وصی کی خیانت ثابت ہو جائے تو مسلمان حاکم جس کو اس قسم کے امور کا فیصلہ کرنے کا حق ہے اس وصی کو معزول کر سکتا ہے اور اگر حاکم مسلم موجود نہ ہو یا اس کی طرف مقدمہ لے جانا مشکل ہو تو پھر دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی شامل ہو اس کو معزول کر سکتی ہے تنہا ورثاء معزول نہیں کر سکتے۔ قال فی الدرالمختار واما عزل الخائن فواجب و فی الشامی بل فی عامة الکتب اذ کان الاب مبذراً فی مال ابنه الصغیر فالقاضی ینصب وصیاً و ینزع المال من یده (شامی ص، ج ۵)

نمبر ۷ لغایت نمبر ۱۱ اجور عایت و سخاوت مورث اپنی حیات میں کرتا تھا اب اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو اسی قسم کی رعایت کا حق ہے اور وارث شرعی اس کی تینوں بیوہ اور چاروں لڑکیاں تو مختار ہیں ان کے حصہ میں جس کے ساتھ جو رعایت کریں کر سکتی ہیں اور جو کچھ کسی کو دینا چاہیں دے سکتی ہیں البتہ جو نابالغ ہیں ان کے حصہ میں ایسی رعایتیں ان تینوں کے مال سے بھی اس کا وصی یا ولی کر سکتا ہے جس کا فائدہ یتیموں کو پہنچتا ہو اور ان کو رعایت سے کوئی فائدہ نہ پہنچے تو یتیم بچے کے حصے میں ایسی رعایت کرنا وصی اور ولی کے لئے جائز نہیں۔

نمبر ۱۲۔ جس قدر مال کی وصیت فی سبیل اللہ کی ہے وارثوں کی ذمہ فرض ہے کہ وہ اس کو بالکل پورا پورا علیحدہ کر دیں لیکن اگر مختلف اوقات میں دیتے رہیں اور اسی طرح ایک مدت میں پورا کر دیں تو گو وہ اس مال وصیت سے انتفاع کرنے میں گناہ گار ہوں گے لیکن وصیت ادا ہو جائے گی بشرطیکہ مال وصیت جس قدر تھا خرچ کر دیں۔

وصیت کے متعلق ایک فتوے

(سوال ۹٤۷) زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے انتقال کے بعد دوسری عورت مسمّٰی طاہرہ سے نکاح کیا چونکہ ہندہ کے نام پر کچھ جائیداد تھی ہندہ نے اپنے انتقال سے پہلے ایک وصیت لکھ چھوڑی تھی جس میں اپنی املاک کی وارث اپنی اولاد کو بتایا ہے اور وہ وصیت شرطیہ ہے کہ اگر اولاد زندہ نہ ہو تو کل املاک مسجد کو وقف کیا جاوے اب زید اور ہندہ کے بطن سے پیدا ہوا ایک لڑکا زندہ ہے املاک مذکورہ شرع شریف کے موافق کس طرح تقسیم ہوگی؟ (۲) ہندہ مذکورہ کے مہر کا کون حق دار ہے؟

(۳) زید مذکورہ نے ہندہ کے انتقال کے بعد چند دوسری ملک خریدی اور اپنی دوسری زوجہ طاہرہ کے نام سے خریدی اب طاہرہ کا ایک لڑکا، ایک لڑکی اور زید تینوں زندہ ہیں اس ملک میں صرف طاہرہ کے بچوں کا ہی حق ہے یا کہ ہندہ کے لڑکے کا بھی۔ دونوں حالتوں میں شرع شریف کس طرح ترکہ تقسیم کرے گا؟

(الجواب) اس صورت میں ترکہ مملوکہ ہندہ متوفیہ کا جس میں اس کا مہر بھی ہے شرعاً بعد ادائے حقوق مقدمہ علی المیراث چار سہام ہو کر ایک حصہ اس کے شوہر زید کو اور تین سہام اس کے پسر کو ملیں گے اور اگر فی الواقع زید نے کسی مصلحت اور مجبوری کی وجہ سے ہندہ کا نام فرضی درج کرا دیا تھا تو مالک اس جائیداد کا زید سمجھا جائے گا لیکن زید نے دوسری جائیداد خرید کر دوسری عورت کو مسمّٰی طاہرہ زوجہ خود کے نام کی ہے اس لئے زید کا قول بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتا اور طاہرہ کے ترکہ میں ہندہ کے بچوں کا شرعاً کچھ حق نہیں ہے البتہ چوتھائی ترکہ کا مستحق اور

وارث زید ہوگا-واللہ تعالیٰ اعلم (کتبہ مسعوداحمد عفااللہ عنہ)
(جواب صحیح ہے) اوروصیت دربارہ وقف جو ہندہ نے کی تھی وہ بہر حال باطل ہوگئی کیونکہ ہندہ کی اولاد میں سے لڑکا موجود ہے اب ہندہ کا دین مہر اور کل اس کے وارثوں میں حسب تفصیل مذکور تقسیم ہوگی بشر طیکہ فی الواقع یہ جائیداد ہندہ کی ملک ہو خواہ خود خریدی ہو یا زید نے خرید کر ہندہ کو اس کا مالک اور قابض بنادیا ہو دونوں صورتوں میں یہ جائیداد ہندہ کی ملک ہو کر ورثہ میں تقسیم ہوگی البتہ اگر زید نے اپنے روپیہ سے خریدی تھی اور ہندہ کو مالک نہ بنایا تھا بلکہ کسی مصلحت سے محض نام اس کا کاغذات میں لکھوادیا تھا تو یہ جائیداد زید ہی کی ملک ہوگی-واللہ تعالیٰ اعلم (کتبہ بندہ محمد شفیع غفرلہ)

مرض الوفات کے کل تبرعات بحکم وصیت میں یعنی ترکہ کے صرف ثلث میں نافذ ہوں گے

(سوال ۹٤۸) ایک شخص مسمی کلو خیراوی جو لاولد تھا اور قریبی ہی رشتہ داروں میں اس کے کوئی نہیں تھا تیسری چوتھی پیڑھی میں رشتہ دار ہیں فوتیدگی سے پانچ چار یوم پیشتر اپنے سالہ عظیم اللہ مستری اور پانچ چھ آدمی برادری کے معتبر موجود تھے اس کے سامنے اپنے سالہ سے کہا کہ بعد میرے مرنے کے میرا مکان فروخت کر کے جس مسجد میں ضرورت ہو لگادینا ورنہ حشر میں دامن گیر ہوں گا-بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ باڑھی لوہاروں کی مسجد کی تخصیص نہیں جگہ تجویز کر کے اس کی قیمت اور چندہ برادری سے لیکر مسجد تیار کرادینا اور میرا مکان بعد مرنے کے کسی رشتہ دار کو نہ دیا جائے مسجد میں دے چکا ہوں پانچ چار آدمیوں نے تیسری چوتھی پیڑھی کے ایک آدمی کو مکان دیدیا ہے اس کے متعلق حضور جلدی فتوی دیدیں-

(الجواب) متوفی نے یہ تصرف (یعنی اپنے ترکہ کو مسجد کے نام کرنا) چونکہ مرض وفات میں کیا ہے اور مرض وفات کے کل تبرعات بحکم وصیت ہوتے ہیں اور وہ ثلث مال ہی میں ہوگی باقی دو ثلث وارثوں کا حق ہے ان میں اس کے کہنے اور وصیت کرنے سے کچھ تغیر نہیں ہوتا لہذا کل مال متروکہ میں سے ایک تہائی تو حسب وصیت متوفی کی مسجد میں لگادیا جائے اور باقی دو ثلث اس کے وارثوں کو ملے گا اور وہ اپنی اجازت سے مسجد میں لگادیں تو جائز ہے اگرچہ وارث کتنی ہی دور کا ہو-وارثوں کے نام اور رشتے بتائے جاتے تو ان کا حصہ بھی لکھ دیا جاتا-واللہ تعالیٰ اعلم

مرض الموت کی تعریف

(سوال ۹٤۹) زید ایک سال زائد سے بیمار ہے لیکن بیماری اس کی شدید نہیں ہے کبھی اچھا ہو جاتا ہے چلتا پھرتا ہے اور کاروبار بھی کرلیتا ہے اور پھر بیمار ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح پر اس کی حالت درست ہو جاتی ہے اس طرح پر ایک مرتبہ بحالت صحت ایک دستاویز تحریر کرتا ہے اور اس کے بعد اس کو ایک دورہ سخت درد گردہ کا پڑتا ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے اندرون حالت جو دستاویز اس نے تحریر کی ہے اس کو بحالت مرض الموت تحریر کرنا کہا جائے گا یا بحالت صحت نفس امید کہ بجواب شرعیہ حسب سوال مذکور عنایت فرماکر مشکور فرمائیں گے-(نوٹ) تحریر دستاویز کے بعد بھی بدستور اپنے کاروبار میں چلتا پھرتا رہا؟

(الجواب) اگر بیان مذکورہ صحیح ہے تو اس تحریر کو مرض الموت کی تحریر نہ کہا جائے گا بشر طیکہ وہ اپنے گھر سے باہر

بازار وغیرہ کے کاروبار سے عاجز نہ ہو اور اس کے مرض کو عادۃً مہلک مرض نہ سمجھا جاتا ہو- قال فی الدر المختار- امتناه مرض عجزبه عن اقامة ماصلحه خارج البيت هو الاصح و فی الشامی بعد بحث نفیس ان علم به مرضاً مهلکاً غالباً وهو یزد ادالی الموت فهو المعتبر وان لم یعلم انه مهلك یعتبر العجز من الخروج للمصالح هذا ما ظهر لی الخ (شامی طلاق المریض ص ٥٦٤ ج ۲)اس عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر شخص کا مرض عادۃً مرض مہلک سمجھا جاتا ہو تب تو باوجود کاروبار کر لینے کے بھی یہ شخص مریض کہا جائے گا اور یہ تحریر مرض الموت کی تحریر قرار دی جائے گی اور اگر مرض مہلک نہ ہو تو پھر یہ تفصیل ہے کہ اگر گھر سے باہر کے کاروبار کرنے سے عاجز نہ تھا تو تندرست سمجھا جاوے گا-ورنہ مریض-واللہ تعالیٰ اعلم

پہلی وصیت دوسری وصیت سے منسوخ ہو جائیگی

(سوال ۹۵۰) زید ایک جائیداد کا جو کہ اس کو اپنے باپ کے ترکہ سے پہنچی تھی مالک تھا اس کو فروخت کر کے زید نے ارادہ سفر حج کیا اس جائیداد کا کچھ روپیہ بذمہ اس کے برادر حقیقی عمر باقی تھا جس کے متعلق زید نے قبل روانگی حج ایک تحریر بدیں مضمون کہ ہر ششماہی پر سو روپیہ عمر سے وصول کر کے مکہ معظمہ بھیجدیے جایا کریں ایک دکاندار کے پاس بطور امانت مع اس تمسک کے جس کی رو سے مطالبہ واجب تھا اور جس میں کہ زید کے بھائی عمر کا اقرار تھا کہ میں سو روپیہ ہر ششماہی پر ادا کیا کروں گا رکھ دیئے اور کہا جاتا ہے کہ دوسری تحریر زید نے بطور وصیت نامہ لکھ کر اس دوکاندر کے پاس رکھدی کہ اگر میرا انتقال ہو جائے اور روپیہ باقی رہ جائے تو بقیہ روپیہ میرے بڑے بھائی بکر کو دیا جائے چنانچہ کل روپیہ ادا نہ ہونے پایا تھا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور مطابق وصیت مذکور بقیہ روپیہ ان کے بڑے بھائی بکر کو ادا ہو جاتا-اب بیان کیا جاتا ہے کہ جو عمر کے مختار عم وکارکن بھی ہیں گزشتہ خطوط عمر بعد انتقال زید بنام خالد وغیرہ وارثان آتے رہے اس میں کوئی تذکرہ بکر کو روپیہ دینے کا نہیں زید مرحوم کی چھوٹی لڑکیاں اور ایک زوجہ زندہ ہیں زید مرحوم نے اپنی حیات میں اپنے قریب زمانہ انتقال مکہ معظمہ سے اپنے ایک لڑکے خالد کو معرفت اپنے بڑے بھائی بکر کے خط بھیجا جس میں تحریر ہے کہ (میرا بقیہ روپیہ عمر سے وصول کر کے اس میں سے صرف پچاس روپیہ ایصال ثواب میں خرچ کریں)اب زید مرحوم کے ورثاء خالد وغیرہ بقیہ روپیہ کا مطالبہ زید مرحوم کی آخری تحریر کے موافق اور بحیثیت وارث ہونے کے کرتے ہیں تو شرعاً کیا حکم ہے یہ روپیہ کس کو ملنا چاہئے آیا اس پہلی وصیت کے مطابق جو دکاندار کے پاس روانگی مکہ معظمہ سے پہلے زید مرحوم نے رکھوائی تھی زید مرحوم کے بڑے بھائی بکر مستحق ہیں یا ورثاء زید وغیرہ بحیثیت وارث اور اس آخری تحریر کے مطابق جو کہ مکہ معظمہ سے زید مرحوم نے اپنے ایک لڑکے خالد کو بھیجی ہے معرفت بکر پانے کے مستحق ہیں؟

(الجواب) یہ وصیت نامہ شرعاً جائز و معتبر ہے اور بعد کے خطوط میں اس کا ذکر نہ کرنے سے یہ وصیت نامہ منسوخ نہیں ہو سکتا البتہ آخری خط جو اپنے بیٹے خالد کے نام بہ معرفت بکر آیا ہے اس میں باقی ماندہ رقم میں سے پچاس روپیہ کا صدقہ خیرات کرنے کو لکھا ہے اس لئے بقدر پچاس روپیہ کے وصیت سابقہ میں سے منسوخ قرار

دیگرباقی بکر کو ملے گا- متوفی کے کل ترکہ میں ثلث مال سے یہ وصیت جاری کی جائے گی اورباقی دو ثلث متوفی کے وارثوں کو حسب تقسیم شرعی ملیں گے اب اگر متوفی نے علاوہ اس روپیہ کے اور مال بھی چھوڑا ہے کہ یہ روپیہ اس مجموعہ کا تہائی ہو سکے تو یہ کل روپیہ میں سے پچاس روپیہ صدقہ خیرات کے نکال کرباقی متوفی کے برادر بکر کو حسب وصیت نامہ مل جائیگااورباقی مال وارثوں میں تقسیم ہو گااور اگر سوائے اس روپیہ کے اور کچھ مال نہیں چھوڑا تواس روپیہ کے تین حصے ہو کر ایک حصہ میں سے پچاس روپیہ صدقات کے لئے نکال کرباقی بکر کو حسب وصیت ملے گااورباقی دو حصے وارثوں میں حسب تقسیم شرع منقسم ہوں گے-کذافی عامۃ کتب الفقہ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتاب الفرائض
(میراث اور تقسیم ترکہ کابیان)

ارض مغصوبہ کی واگذاری کے بعد تمام وارثوں کو حصہ ملے گا

(سوال ۹۵۱) زید نے ایک کہنہ مکان ایک ہندہ سے خریدا اور حسب قانون انگریزی رجسٹری کرالیا کچھ عرصہ کے بعد مکانکا تمام اسباب اٹھالیااور دیواریں منہدم ہو گئیں اوروہ زمین ایک تودہ بن گئی البتہ بعض بنیاد کا کچھ حصہ نمودار ہو گیا-اس کے بعد زید نے وہ مکان بنوانا چاہااور میونسپلٹی سے تعمیر کی اجازت کی درخواست کی مگر میونسپلٹی نے جواب دیاکہ زمین زمیندار کی ہے اور زمیندار عذر کرتے ہیں اس لئے درخواست نامنظور کی گئی تب زید نے زمیندار کو راضی کرنا چاہاز میندار وں نے کہاکہ جب مکان گر گیااور تمام اسباب وملبہ اٹھالیا گیا تو واجب الارض کی رو سے آپ کا کوئی حق باقی نہ رہااور بیع نامہ رجسٹری شدہ کا معاملہ ختم ہو گیا-اب سوالات یہ ہیں۔

(۱)اس صورت میں اس زمین پر زید کی ملک بوقت اس کے وفات کے قائم تھی یازائل ہو چکی ؟

(۲)حامد نے اپنے باپ کی ملک پر قبضہ حاصل کیایاز مین داروں کی چیز پر زبردستی قبضہ کیا؟

(۳) اب اس زمین کا مستحق صرف حامد ہو گایابقاعدہ فرائض زید کے تمام ورثہ منقسم ہو گی ؟

(۴)شرعی حیثیت سے واجب الارض معتبر ہے یانہیں ؟

(الجواب)واجب الارض کا قانون ظاہر ہے کہ بحیثیت قانون توشرعاً معتبر ہو ہی نہیں سکتاکہ سراسر احکام قرآن وحدیث کے خلاف ہے البتہ باہمی تراضی اور معاہدہ سے ہو سکتا ہے سو جن لوگوں نے اول یہ معاہدہ کیا تھاان کے حق میں معتبر ہو گیا(بشرطیکہ اس کی کوئی دفعہ شرعاً حرام نہ ہو)بعد کے لوگوں پر ان کا معاہدہ کوئی حجت نہیں جب تک کہ وہ خود اس معاہدہ کو برضاء تسلیم نہ کریں تواب مدار حکم یہ ہے کہ موجودہ حالت میں زمیندار اور رعیت میں یہ معاملہ مسلمہ ہے یانہیں یعنی جس وقت زمیندار کسی کو کوئی مکان یازمین دیتا ہے اس وقت صراحۃً یہ کہا جاتا ہے یاعادۃً سمجھا جاتا ہے کہ یہ زمین حسب قاعدہ مقررہ قانون واجب الارض کے بطور سکونت دی جاتی ہے بیع نہیں ہے یااس کے خلاف اصل زمین کا بیع نامہ سمجھا جاتا ہے اور لکھا جاتا ہے - پہلی صورت میں بوجہ رضاء طرفین قانون واجب الارض اس بارے میں واجب العمل ہو جائے گا-اوراس معاملہ

کو شرعی اصطلاح میں اجارہ کہا جائے گا اگرچہ بوجہ جہالت کے اجارہ فاسد ہوگا اور دوسری صورت میں قانون واجب الارض پر عمل ضروری نہ ہوگا بلکہ زمین خریدار کی ملک ہوگی اور اس کو ہر قسم کا اختیار ہوگا زمیندار کو اس میں کچھ دخل نہ رہے گا اور ان دونوں صورتوں میں سے ایک کی تعیین بایع نامہ کے الفاظ دیکھنے سے ہو سکتی ہے اور یا مقامی عرف ورواج سے متعلق ہے پس اگر تحریر بیع نامہ کے الفاظ بیع ہی پر دلالت کرتے ہیں اور اس میں واپسی زمین کی کوئی قید نہیں اور نہ عادۃً یہ واپسی ضروری سمجھی جاتی ہے تب تو زید اس زمین کا ملک ہو گیا زمینداروں کا اس پر تغلب ظلم تھا حامد نے جو زبردستی قبضہ کیا یہ اپنا آبائی حق وصول کیا اس کا مستحق تنہا حامد نہ ہوگا بلکہ زید کے تمام ورثہ حسب حصہ شرعیہ وارث ہوں گے البتہ جس قدر روپیہ حامد کا اس زمین کے قبضہ میں لانے پر خرچ ہوا ہے اس کو حسب حصہ سب وارثوں پر تقسیم کر کے ان سے وصول کر سکتا ہے۔ کذا **یعرف من القواعد الفقهیة و عامة الکتب**۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

پورے ترکہ پر ایک ہی وارث قبضہ کرلے تو اس کا حکم

(سوال ۹۵۲) ایک شخص مرلیبوی اور چند لڑکے چھوڑے اور ترکہ میں مختلف اشیاء چھوڑیں مگر بچوں کی والدہ نے تمام ترکہ پر قبضہ کر کے لڑکوں کو بلاوجہ حصہ دینے سے انکار کر دیا ایک لڑکے نے اپنا حصہ چھین لیا یہ جائز ہے یا نہیں اور اس چھینی ہوئی چیز میں سب وارث ہوں گے یا یہ چیز اسی کے حصہ کی ہوگی۔؟

(الجواب) اس طرح چھین لینا جائز ہے بشرطیکہ اپنے حق سے زائد نہ ہو۔ **فی الدر و الشامیة و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال لا سیما فی دیارنا لمدا ومتهم للعقوق انتهی شامیة**۔

لیکن دوسرے وارثوں کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اس کی چھینی ہوئی چیز میں سے بقدر اپنے حصہ کے اس شخص سے وصول کرلیں جس نے چھینا ہے۔ **کما فی باب الصلح فی الدین من الهدایة مانصه واصل هذا ان الدین المشترك بین اثنین اذ قبض احدهما شیئاً منه، فلصا حبه ان یشارکه فی المقبوض (هدایه ص ۲۳۷ ج ۲)** واللہ تعالیٰ اعلم

مورث پر اقدام قتل کیا مگر وہ بچ گیا تو یہ شخص وراثت سے محروم نہیں ہوگا

(سوال ۹۵۳) زید کے دو لڑکے عمرو بکر ہیں زید کے فوت ہونے سے دس سال قبل عمر پر یہ الزام لگا کہ زید کے ایک خاص آدمی کو زید کی موجودگی میں اس نے قتل کیا اور اپنے باپ (زید) پر بھی بندوق کا فائر کیا مگر اتفاق سے زید بچ گیا۔ عمر نے دوبارہ باپ پر گولی چلانی چاہی مگر ایک شخص کی مزاحمت سے ناکامیاب رہا مگر زید کے ایک خاص آدمی کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے از روئے قانون اس کو پھانسی کی سزا تجویز ہوئی مگر بالآخر قید کی سزا قرار پائی اس واقعہ کے بعد عمرو نے اپنے باپ کی اور بھی نافرمانیاں کی ہیں اب زید فوت ہو چکا ہے اس نے تحریر لکھ دی ہے کہ عمرو کو عاق کر چکا ہوں میری جائیداد میں عمرو کا کوئی حصہ نہیں وہ محروم الارث ہے۔ اب یہ امور

دریافت طلب ہیں کیا اس ارادہ قتل اور فائر کرنے اور پختگی عزم کے ہوتے ہوئے عمرو کو باپ کے ورثہ سے محروم کیا جائیگا۔؟

(۲) کیا باپ کا ان وجوہ کی بناء پر اس کو عاق گردانا اور محرم الارث کردینا جائز ہے۔کیا وہ شرعاً محروم ہو جائے گا

(۳) کن وجوہ کی بناء پر باپ اپنے بیٹے کو عاق کر سکتا ہے اور عاق کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔براہ کرم مدلل و مفصل مع نقول تحریر فرماویں والاجر عنداللہ۔

(۴) مذکورہ بالا صورتوں میں عمرو بکر دونوں بھائیوں نے حلفاً یہ اقرار ایک دوسرے سے کر لیا تھا کہ باپ نے اگر ہم میں سے کسی کو کم و بیش جائیداد دیدی جیسا کہ ہم کو اطمینان نہیں ہے کہ وہ مساوات کرے گا تو ہم اس کو بہ حصہ برابر آپس میں تقسیم کرلیں گے اب جب کہ زید فوت ہو گیا اور عمرو کو عاق کر چکا ہے تو بکر پر اس اقرار نامہ یا حلف کا اثر بموجب احکام شرعی وارد ہوتا ہے۔وہ اقرار نامہ جائز ہے یا قابل عمل ہے یا نہیں۔؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) ارادہ قتل میراث میں بحکم قتل نہیں لہذا اس کی وجہ سے عمرو اپنے باپ کی میراث سے محروم نہیں ہوا (۲) عاق کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مورث اپنے مال کو اپنی ملک میں رکھتے ہوئے کسی وارث کے حق میں عاق نامہ لکھدے کہ میرے بعد میری میراث سے اس کو حصہ نہ دیا جائے اس کا شرعاً کچھ اعتبار نہیں۔ بعد الموت مورث یہ وارث اپنا پورا حصہ پانے کا مستحق رہتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی حیات و تندرستی کے زمانہ میں اپنے مال کو اپنی ملک سے نکال دے تاکہ اس وارث کو میراث میں سے کچھ نہ ملے خواہ اس طرح کہ بقیہ ورثہ میں تقسیم کر کے ان کا قبضہ کرادے یا اس طرح کہ وقف وغیرہ کر کے اپنی ملک سے خارج کردے اس صورت میں جس وارث کو محروم کیا ہے وہ شرعاً میراث سے محروم ہو جائیگا اور بعد وفات اس کو مطالبہ کا حق نہ رہے گا باقی رہا یہ کہ ایسا کرنا مورث کے لئے جائز بھی ہے یا گناہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وارث نافرمان اور فاسق ہو تو ایسا کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔الخلاصة ولو اعطی بعض ولده شيئا دون البعض لزيادة رشده لا باس به وان كان سواءً لا ينبغي ان يفصل ولو كان ولده فاسقاً فاراد ان يصرف ماله الى وجوه الخير ويحرمه عن الميراث هذا خير من تركه لان فيه اعانة على المعصية- خلاصہ ص ۴۰۰ ج ۴۔صورت مسئلہ میں چونکہ عمر کا فاسق ،نافرمان ہونا بوجہ قتل ناحق اور ارادہ قتل کے ثابت ہو چکا ہے اس لئے اگر حین حیات میں تقسیم ترکہ کر کے اس کو محروم کردیا جاتا تو جائز تھا لیکن سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا بلکہ صرف عاق نامہ لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے اس لئے اب عمر اپنا پورا حصہ پانے کا مستحق ہے۔

(۳) اس کا حکم نمبر ۲ میں معلوم ہو چکا کہ عمر شرعاً اپنا پورا حصہ پانے کا خود ہی مستحق ہے خواہ باہمی محالفہ اور اقرار نہ ہو اور جب کہ حلفاً اقرار بھی ہے تو بدرجہ اولیٰ اس کو پورا کرنا ضروری ہو گیا۔

کیا زوجہ اپنے خاوند کے ترکہ پربلارضائے ورثہ قبضہ کر سکتی ہے

(سوال ۹۵٤) زید کاانتقال ہواایک زوجہ ایک لڑکانابالغ وارث چھوڑے مسماۃ کادین مہر دوہزارپانچ سوروپیہ ہے جواب تک ادانہیں ہوازوجہ جائیداد پربذریعہ دین مہر بعد وفات شوہر ہی قابض ہو گئی اور ترکہ متوفی دین مہر کے برابر بھی نہیں ہے بلکہ کم ہے لڑکا کے بالغ ہونے کے بعد جائیداد پدری پر قابض ہونے کا طالب ہے دین مہر اداکرتا ہے اور زمانہ گزشتہ کا منافع جائیداد بھی مانگتا ہے آیا مسماۃ نے جو منافع اب تک وصول کیا ہے اس کے منافع کی مسماۃ مالک ہے یالڑکے کوواپس کر دیناچاہئیے ؟

(الجواب) جب کہ زوجہ کادین مہر میت پر ثابت ہے اور زوجہ نے اپناحق وصول کرنے کے لئے جائیداد پر قبضہ کرلیا توبقدر دین مہر کے جائیداد پر ثابت ہے اور زوجہ کا قبضہ شرعاً درست ہو گیااور اس کی آمدنی اس کی ملک میں داخل ہو گئی اب کسی کواس کے منافع کے واپس لینے کا حق نہیں ہے -شامی میں ہے

فاذا اظفر بمال مديونه له الاخذ ديانةً بل له الاخذ من خلاف جنسه نیز اشباہ والنظائر میں ہے والدين المستغرق للتركة يمنع ملك الوارث قال فى جامع الفصولين من فصل الثامن والعشرين لو استغرقها دين لا يملكها بارث الا اذا برء الميت غريمه واداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء (اشباه ص ٥٣٤)

خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۴۱ جلد ۴ کتاب الوصایامیں ہے-

(۱) المرأة ياخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة ان كانت التركة دراهم او دنانير وان كانت شيئاً مما يحتاج الى البيع تبيع ما كان اصلح و تستوفى صداقها سواء كانت وصية من جهة زوجها او لم يكن و تاخذ من غير رضى الورثة-

(۲) وفى الخلاصة ص ۲٤۱ ج ٤- كتاب الوصية ولا يملك الوارث بيع التركة المشغولة بالدين المحيط الا برضى الغرماء - وفى الفتاوٰى المهد ويه ص ۲٤۳ وفى حواشى الدر هذا (اخذ التركة) مقيد بمااذلم تتفق الورثة على اداء الدين كله من مالهم و فى الخلاصة ص ۲٤۱ ج ۲- وهكذا ذكر فى نكاح الفتاوٰى ان القول قول المرأة بعد وفاة الزوج ان قالت لى عليه الف درهم ان كان مهر مثلها قوم فقط كذافى المجموعة الفتاوٰى ص ۸٥ ج ۱-

صورت مذکورہ میں کہ حسب بیان سائل دین مہر تمام ترکہ کو مستغرق ہے اس لئے ترکہ ابھی تک ورثاء کی ملک میں داخل ہی نہیں تھاکہ زوجہ نے اپنے حق کے موافق اس پر قبضہ کرلیااور یہ قبضہ روایت شامی وخلاصہ کی بناء پر جائز ہے اور بیوی اس کے تمام منافع کی مالک ہے لہذا اب اس سے کسی کو مطالبہ کا حق نہیں- واللہ تعالیٰ اعلم

سامان جہیز اور مہر کے حقدار کون کون ہیں

(سوال ۹۵۵) جہیز جووقت شادی لڑکی کودیا گیا ہے اس کے مرنے کے بعد اس میں نانی کا بھی حق ہے یا نہیں

مہر کے حقدار کون کون ہیں؟
(الجواب) جہیز کا سامان اور دین مہر اور جملہ وہ سامان جو لڑکی کی ملک ہے اس کے سب ورثاء میں حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوں گے نانی بھی اس کی وارث اور حق دار ہے-واللہ اعلم

بیوہ اگر نکاح ثانی کر لے تو پہلے شوہر کی میراث سے محروم نہیں ہوتی

(سوال ۹۵٦) زید کے فوت ہونے پر جب کہ وہ حسب ذیل وارث چھوڑ کر فوت ہوا کہ ترکہ کس کس حساب سے اور کس کس کو پہنچتا ہے حقیقی بھتیجی یک-اپنے مرحوم لڑکے کی بیوی اور اس نے نکاح ثانی بھی کر لیا ہو تایازاد بھائی کا لڑکا اور دوسرے تایازاد بھائی کی لڑکی-تائی زاد تیسرے بھائی کی ایک بیوہ ان صورتوں میں کس کس کو حصہ پہنچتا ہے؟
(الجواب) اس صورت میں حسب بیان سائل ترکہ زید متوفی کا شرعاً بعد ادائے حقوق مقدمہ علی المیراث اس کے تایازاد بھائی کے لڑکے کو ملے گا باقی اشخاص محروم-واللہ تعالیٰ اعلم

وارث کو عاق کرنا

(سوال ۹۵۷) زید اپنی اولاد کی نالائقیوں سے تنگ آکر ان کو عاق کرتا ہے اس کے خیال میں ایسا کرنے سے اس کا لڑکا فرزندی سے خارج ہو جاتا ہے اور حق وراثت سے محروم سمجھا جاتا ہے اس باب میں شرع کا کیا حکم ہے عاق کرنے والا خاطی ہے یا نہیں-اس کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور لڑکی کو عاق کر سکتا ہے یا نہیں؟
(الجواب) عاق و محروم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اپنا تمام مال و جائیداد اس وارث کے علاوہ دوسرے وارثوں یا غیر وارثوں میں تقسیم کر کے مالک بنا دے اور اس کے لئے کچھ نہ چھوڑے اس صورت میں اس کا یہ تصرف اس کی ملک میں نافذ ہے پھر اگر اس نے بلا وجہ وارث کو محروم کیا ہے تو سخت گناہ گار ہوگا-حدیث میں ہے من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنه رواه ابن ماجه و البیهقی کذافی المشکوٰة باب الوصیة اور اگر اس وارث کی ایذاؤں اور تکالیف سے یا فسق و فجور سے تنگ ہو کر ایسا کیا ہے تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں-

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی حیات میں کسی کو مالک نہیں بنایا بلکہ بطور وصیت زبانی یا تحریری یہ طے کر دیا کہ فلاں شخص کو میری میراث نہ ملے تو یہ کہنا اور لکھنا فضول و بیکار ہے شرعاً اس کا کوئی اثر نہیں-بعد وفات حسب حصہ شرعیہ اس کو میراث ملے گی-

نافرمان اور فاسق لڑکوں کو میراث سے محروم کرنا

(سوال ۹۵۸) ایک شخص کے چھ لڑکے دو لڑکیاں ہیں-منجملہ چھ لڑکوں کے چار لڑکے مطابق احکام شریعت ہر وقت اطاعت والدین میں مصروف رہتے ہیں وجملہ اخراجات خورد و نوش و دیگر خدمات بھی

حسب منشاء والدین بجالاتے ہیں اور جملہ ضروریات والدین کے کفیل رہتے ہیں اور والدین کو حج بیت اللہ بھی کرادیا ہے اس لئے والدین ان چاروں لڑکوں سے بہت زیادہ خوش ہیں اور باقی دو لڑکے اپنے والدین کے ساتھ نہایت بد سلوک کرتے ہیں یعنی والدین کی توہین کے علاوہ ہر دم گالیاں دیتے اور مقابلہ بھی کرتے ہیں-اور ہر قسم کی ایذاء پہنچاتے رہتے ہیں اور شراب پیکر بحالت نشہ مکان میں گھس کر اپنے والدین کو مارنے کے واسطے تیار ہو جاتے ہیں اور ایسی گالیاں دیتے ہیں جس سے والدین کے قلوب مجروح ہیں اور سخت ناگواری ہوتی ہے-

دریافت طلب امر یہ ہے کہ والدین بوقت تقسیم جائیداد جس کے وہ مالک ہیں ان دونوں نافرمان اور بد کردار لڑکوں کو بوجہ ان کی بد سلوکی اور بد کرداری کے جائیداد و مال موجودہ سے محروم کریں اور کل مال و جائیداد ہر چہار فرمان بردار لڑکوں و لڑکیوں کو دیدیں تو یہ عمل والدین کا عند اللہ و عند الرسول خلاف شرع تو نہ ہوگا-

والدین کو شرعاً یہ حق حاصل ہے یا نہیں کہ ان دونوں لڑکوں کو محروم کردیں اور اگر ان کی بد کرداری کی بناء پر بالکل مال و جائیداد سے محروم کردیا جاوے تو والدین سے مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(الجواب) صورت مذکورہ میں بلا شبہ جائز ہے کہ ایسے نا فرمان فاسق لڑکوں کو کچھ نہ دے بلکہ اگر یہ خطرہ ہو کہ جو مال ان دونوں لڑکوں کو ملے گا اس کو معصیت شراب نوشی وغیرہ میں صرف کریں گے تو افضل یہی ہے کہ ان کو میراث سے محروم کردیں لیکن اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنی زندگی اور تندرستی کے زمانہ میں خود اپنے مال کو اولاد وغیرہ میں حسب منشاء تقسیم کردے اور ان کو مالک بنا کر قبضہ دیدے کیونکہ اگر اپنے سامنے نہ کیا بلکہ وصیت کی یا عاق نامہ لکھ کردیا تو شرعاً اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا بلکہ بعد انتقال وہ اپنے حصہ شرعیہ کے مستحق ہوں گے ہاں اس تقسیم میں یہ بھی خیال رکھنا چاہئیے کہ اپنی حیات میں جو چیز اولاد میں تقسیم کی جائے اس میں لڑکوں اور لڑکیوں کا حصہ برابر لگانا چاہئے- میراث کے قاعدہ پر لڑکی کا حصہ آدھا نہ کرنا چاہئیے- **والدلیل علی جمیع ما قلنا ما فی خلاصة الفتاوی من کتاب الهبة ص ٤٠٠ ج ٤- وهذه عبارته و فی الفتاوی رجل له ابن، و بنت ارادان یهب لهما شیئا فالا فضل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد و عند ابی یوسف بینهم سواء وهو المختار لورود الاثار ولو وهب جمیع ماله لا بنه جاز فی القضاء وهو اثم نص عن محمد کذافی العیون ولو اعطی بعض ولده شیئا دون البعض لزیادة رشده لا باس به وان کان سواء لا ینبغی ان یفضل ولو کان ولده فاسقاً فارادان یصرف ماله الی وجوه الخیر و یحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة انتهی-و بمثله قال الشامی و صاحب الدر المختار وفیه ولا باس تفضیل بعض الاولاد فی المحبة و کذافی العطایا ان لم یقصد به الاضرار شامی کتاب الهبة ص ٧٠٧ ج ٤-**

عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اولاد اگر فرمانبرداری اور نیکی کے اعتبار سے برابر ہو تب تو ایک دوسرے سے زائد دینا شرعاً ممنوع ہے لیکن باعتبار فرمانبرداری اور نیکی کے متفاوت ہوں تو بعض کو بعض سے ترجیح دینا جائز ہے اور فاسق ہونے کی صورت میں بالکل محروم کردینا بھی جائز ہے-واللہ تعالیٰ اعلم

باپ کا بیٹے کو عاق کرنا

(سوال ۹۵۹) عبدالعزیز نے اپنے بیٹے رفیع الدین کو نافرمانیوں سے تنگ آکر آدمیوں کے سامنے بمقابلہ رفیع الدین اس طرح عاق کیا کہ آپ لوگ گواہ رہیں کہ میں نے اپنے بیٹے رفیع الدین کو عاق کیا اس طرح سے عبدالعزیز نے اپنی زبان سے نو مرتبہ کہا تو فرمایئے رفیع الدین عاق ہو گیا یا نہیں۔؟

(الجواب) فقط زبانی یا تحریری کہہ دینے اور عاق کر دینے سے یا عاق نامہ لکھ دینے سے رفیع الدین اپنے ترکہ پدری سے محروم نہیں ہو بلکہ اپنا پورا حصہ پانے کا مستحق ہے البتہ اگر وہ عبدالعزیز اپنی حیات اور صحت میں اپنا ترکہ خود اپنی رائے کے موافق اپنے باقی ورثہ یا احباب میں تقسیم کر دیتا اور رفیع الدین کو محروم و عاق کر تا تو اس کو بوجہ رفیع الدین اپنے لڑکے کی نالائقی کے یہ حق حاصل تھا لیکن جب اس نے اپنی زندگی میں اپنا ترکہ تقسیم نہیں کیا تو مرنے کے بعد اس عاق کرنے کا کچھ اعتبار نہیں ہو گا-واللہ تعالیٰ اعلم

ہندو قانون کے مطابق لڑکی کو حق نہ دینا

(سوال ۹۶۰) فدوی کی قوم میں ہندو لا رائج ہے اور وارث کے معاملہ میں ہندو لا سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک بیوی اور ایک لڑکی، دو برادر چچازاد وارث چھوڑے تو محمدن لا کے مطابق دو آنہ بیوی کو اور آٹھ آنہ لڑکی کو اور چھ آنہ برادران چچازاد کو تقسیم کیا گیا اب لڑکی فوت ہوئی اس کی والدہ چاہتی ہے کہ ہندو لا پر عمل کر کے کل حصہ اور ترکہ لڑکی کا حاصل کر کے اس کی طرف سے وقف کر دے اغلب ہے کہ اس کو دوسرے وارث بھی منظور کر لیں ایسی حالت میں ہندو لا پر عمل کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟

(الجواب) لڑکی متوفی کے انتقال ہوتے ہی اس کا کل ترکہ اس کے شرعی وارثوں کی ملک ہو چکا اب اس کو کسی قانونی حیلہ سے اپنے قبضہ میں لانا اور پھر وقف کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر ایسا کر دیا گیا تو شرعاً وقف قابل قبول نہ ہو گا بالخصوص ہندو لاء پر اپنے اختیار سے عمل کرنا یا کرانا کہ دوسرا مستقبل گناہ کبیرہ ہے بلکہ اندیشہ کفر کا ہے- **قال الله تعالی ومن لم یحکم بما انزل الله فاولئك هم الفاسقون وفی اية اخرىٰ الكافرون**- اور ظاہر ہے کہ حکم کرنا اور کرانا ایک ہی حکم رکھتا ہے لہذا وارثوں کا شرعی حصہ ان کے وارثوں کو ہی دیا جائے اس میں مرحوم کے لئے ثواب زیادہ ہے اس کے خلاف کرنے پر آپ لوگوں کو مفت میں گناہ عظیم ہو گا اور مرحوم کو اس ناجائز طریق سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا البتہ اگر سب وارث راضی ہو کر مجموعہ کا یا ان میں سے بعض فقط اپنے حصہ کا وقف کسی کار خیر پر بغرض ایصال ثواب مرحوم کر دیں تو بلا شبہ جائز اور وارث اور مورث دونوں کے لئے باعث ثواب عظیم ہے اور جب کہ بقول سائل وارث راضی ہو سکتے ہیں تو پھر ہندو لا پر عمل کرنا سراسر غلط ہے-واللہ تعالیٰ اعلم

ہندوستان کی ریاستوں کا حکم کہ وہ مملوکہ جائیدادوں
کی طرح وراثت میں تقسیم کی جائیں گی یا نہیں

(سوال ۹۶۱) مسلمانوں کے ایک خاندان میں قدیمی یہ دستور تھا کہ جاگیردار کے بڑے فرزند کو ولی عہد

قرار دیکر والد کی وفات پر ولی عہد حکومت جاگیر قائم ہوتا تھا حالانکہ شریعت کے یہ امر صریح خلاف ہے کہ اس کی رو سے دوسرے بیٹوں کو بھی حق وراثت مساوی پہنچتا ہے جیسا کہ بیگم صاحبہ بھوپالی نے اپنی بحث میں جو ولایت جاکر کری لیکن اب بھوپال میں بجائے بڑے پوتے کے بیگم صاحبہ مرحومہ کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا اور آئندہ غالباً شریعت کے مطابق عمل ہوگا۔

پرانے رواج کی رو سے جاگیر دار (الف) نے اپنے پہلے بیٹے (ب) کو اس کی پیدائش پر ولی عہد قرار دیا چونکہ اس (الف) کے نرینہ اولاد ۳-۴ سے زیادہ تھی اس کے دوسرے بیٹے (ج) نے اہل عملہ سے سازباز کر کے اپنے بھائی ولی عہد کے خلاف عمل کر کے خود جاگیر پر قابض ہو گیا اور اعلان یہ کیا کہ (الف) شراب خوار ہے اور اگرچہ مسلمان ہے ہندو درویشوں سے موانست رکھتا ہے اور (ج) کے ساتھ سرکشی کرنے سے حق دار باپکی جاگیر کا نہیں ہے اور قابل حد شریعت ہے جس پر اس کو قتل کر دیا گیا ان صورتوں میں شریعت نبوی ﷺ (ج) کے قتل کو جائز رکھتی ہے اگر جائز نہیں تو کس سزا کا-(ج) مستوجب ہے جواب بقید حکم صریح ہونا چاہیئے۔؟

(الجواب) ہندوستان کی موجودہ ریاستیں دو قسم پر ہیں ایک تو وہ جو با قاعدہ سلطنت و حکومت کی شان رکھتی ہیں جن میں سکہ اور فوج مستقل ہیں دوسرے وہ کہ زمیندار کی حقیقت سے متجاوز نہیں چونکہ دونوں قسموں پر لفظ ریاست کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اس لئے تنقیح کی ضرورت ہے کیونکہ احکام دونوں کے جدا جدا ہیں۔

قسم اول کی ریاستیں ولی عہد یا نواب کی ملک نہیں ہیں اور نہ ان کو مالکانہ تصرفات ریاست کے خزانہ میں کرنے کے حقوق حاصل ہیں اور عموماً ایسا کیا بھی نہیں جاتا بلکہ خزانہ ریاست کا حساب و کتاب اور آمد و خرچ اور تمام کاروبار جدا ہوتا اور ولی عہد اور نواب کی ذاتی جائیداد و مالیات اس سے بالکل ممتاز ہوتے ہیں اس کا عملہ جدا رکھا جاتا ہے۔اور قسم کی ریاستیں رئیس و نواب کی مملوک ہیں اور ان میں یہ صورتیں نہیں ہوتیں۔

قسم اول کی ریاستیں اصل میں سلطنت دہلی و لکھنؤ کے صوبے اور ان کے نواب سلاطین دہلی یا لکھنؤ کی طرف سے صوبہ دار مقرر تھے جب نظم سلطنت میں خلل آیا تو یہ صوبے خود مختار اور مستقل ہو گئے انگریزی عملداری کے بعد خود مختارانہ حیثیت کلی طور پر تو باقی نہ رہی لیکن بہت سے اختیارات ملکی مستقل فوج اور مستقل سکہ اور اندرون ملک مستقل قانون کا رواج وغیرہ ان کے قبضہ میں رہے اس لئے ان کا شرعی حکم مملوکہ جائیداد جیسا نہیں کہ نواب کے انتقال کے بعد میراث کی طرح تقسیم ہوں بلکہ سلطنت و حکومت کا حکم رکھتی ہیں اور ان کے رئیس و نواب امیر و بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن چونکہ کامل اختیارات اور اس قدر قوت نہیں رکھتے جو امیر المومنین کے لئے ہونی چاہئیں اس لئے عام احکام میں خلیفہ و امیر کے احکام ان کے لئے جاری نہیں کئے جاسکتے۔

اور قسم دوم کی ریاستیں البتہ مملوکہ جائیدادیں ہیں اور ان کا حکم شرعی یہی ہے کہ بعد وفات مورث ورثہ حسب حصص شرعیہ تقسیم ہوں اور اس کے خلاف کرنے والے اگر بلا رضاء دیگر ورثہ کرتے ہیں تو ظلم کرتے ہیں لیکن صورت مسئولہ میں خواہ ریاست قسم اول سے ہو یا قسم دوم سے (الف) کا قتل کرنا جائز نہ تھا کیونکہ شراب خوری یا ہندو درویشوں سے موانست کے الزام پر (اگر یہ الزام ثابت بھی ہو جائے) قتل مسلم جائز نہیں اسی طرح یہ کہنا ہی غلط ہے کہ (الف) بوجہ (ج) سے سرکشی کرنے کے باپ کی جاگیر کا حقدار نہیں رہا کیونکہ اگر خود باپ کی بھی سرکشی کرتا تب بھی میراث سے محروم نہ تھا اس کے ولی عہد کی سرکشی سے کیسے

محروم الارث ہو سکتا ہے اور ولی عہد کوئی خلیفہ وقت یا امیر المومنین نہیں اس کی سرکشی کرنے پر بغاوت کا حکم دیا جائے اور باغی کو واجب القتل سمجھا جائے جب تک وہ کوئی اور ایسا کام نہ کرے جو موجب قتل ہو لہذا (ج) کا (الف) کو قتل کرنا حرام ہے پھر چونکہ یہ قتل قتل خطاء میں داخل ہے اس لئے (ج) پر کفارہ قتل اور دیت اس کے عاقلہ پر واجب ہے اور کفارہ قتل ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے اور قتل خطاء ہوتا اس کا اس وجہ سے ہے کہ اس نے ہنود کے ساتھ موانست اور شراب خوری وغیرہ کی وجہ سے اس کو کافر سمجھ کر یا اپنے کو امیر یا بادشاہ اور اس کو باغی سمجھ کر قتل کیا ہے (اگرچہ اس کا یہ خیال حقیقۃً غلط تھا)۔

قال فی الدر المختار والثالث خطاء وهو نو عان لا نه اما خطاء فی ظن الفاعل كان يرمى شخصا ظنه صيداً او حربيا او مرتداً فاذا هو مسلم (الى قوله) و موجبه ای موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطاء وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة– من الشامى ص ۳۸۲ ج – وقال الله تعالىٰ فتحرير رقبةٍ ودية مسلمة الى اهله– والله تعالىٰ اعلم

کتاب المتفرقات

(متفرق مسائل جو کسی خاص باب سے متعلق نہیں)

لفظ میت و منتشر کی لفظی تحقیق

(سوال ۹۶۲) یہاں پر دو لفظوں میں آپس میں بہت بحث و تکرار ہو رہی ہے۔ میت۔ منتشر۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ دونوں لفظ یعنی میت و منتشر اور میت و منتشر بالفتح اور بالکسر دونوں طرح سے صحیح ہیں معاملہ بہت طول پکڑ گیا ہے آخر یہ قرار پایا ہے کہ مدرسہ دیوبند سے دریافت کیا جائے جس طرح وہاں سے لکھا ہو آجائے گا وہ درست ہے مفصل جواب سے مطلع فرمایا جاوے۔؟

(الجواب) اصل یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ عربی ہیں اور جو لوگ نزاع کرتے ہیں انہوں نے اردو عربی میں امتیاز نہیں کیا اور ایک لغت کو دوسرے لغت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا صحیح یہی ہے کہ میت اور منتشر دونوں بکسر یاء وکسر شین بالفتح درست نہیں۔ میت تو عربی اصطلاح میں صیغہ صفتہ بروزن فیعل ہے اور صیب۔ شیب۔ سید۔ بین وغیرہ اس کی نظیریں ہیں البتہ ان میں سے بعض الفاظ جو اردو میں کثرت سے استعمال ہونے لگے ہیں مثلاً سید مرحمت۔ اب عربی لغت کے اعتبار سے تو دونوں میں کسرہ یا ہی صحیح ہے فتحہ غلط ہے، لیکن اگر اردو زبان میں عام طور پر فتحہ استعمال ہونے لگے اور اردو کے ماہر استعمال کرنے لگیں تو اردو کی حیثیت سے یہ بھی صحیح ہو جائے گا اور الفت و محبت کا قافیہ اردو میں بن جائے گا عربی میں پھر بھی درست نہ ہوگا اسی طرح منتشر۔ صیغہ اسم فاعل ہے لیکن اردو زبان میں اگر کوئی تغیر حرکت عام طور پر مان لیا گیا ہو تو وہ غلط العامۃ فصیح کے قاعدہ میں داخل ہو کر

اردو زبان میں صحیح مانا جائے گا اور اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ عمامۃ عربی میں بغیر تشدید میم صحیح ہے اور تشدید میم غلط - لیکن فارسی اردو میں عمامہ بالتشدید صحیح مانا گیا ہے اور حافظ شیرازیؒ نے مشدد ہی باندھا ہے --

اگر بعمامہ کسے کوس فضیلت میزد گنبد مسجد شہر از ہمہ اولی تربود

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

متفرق، مسائل بابت قضاء نماز، تیمم وایصال ثواب وقبرستان، نفل نماز وزوجہ مفقود ودعاء گنج العرش وتفویض طلاق وفاتحہ بر طعام وامامت

(سوال ۹۶۳) ظہر کی سنت پڑھنے کے بعد جماعت میں دیر ہے تو جو صاحب ترتیب نہیں ہے وہ قضاء نماز پڑھ سکتا ہے؟ (۲) تلاوت قرآن مجید کے لئے تیمم درست ہے یا نہیں؟

(۳) قرآن مجید پڑھ کر اگر مردے کو بخشا جاوے تو ثواب پہنچانے والے کو بھی اجر ملتا ہے یا کیا؟ (۴) اگر قبرستان کے احاطہ میں نماز جنازہ ادا کی جائے اور جنازہ اور نمازیوں سے سمت مغرب میں قبریں واقع ہوں تو نماز جنازہ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۵) قبرستان میں جو قبروں کے پٹاؤ کے ٹکڑے بچے ہوئے پڑے ہوتے ہیں یا جو لکڑیاں قبر کے گرد کھڑی کر دی جاتی ہیں اگر ان کو بوقت سردی جلا کر اہل جنازہ تاپیں تو کیسا ہے؟

(۶) بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ مردے کو جمعرات یا جمعہ کے سپرد کر دو یہ کیا اصطلاح ہے - یعنی اگر کوئی بدھ کے دن مرے تو اس کو مغرب کے قریب دفن کریں کہ جمعرات شروع ہو جائے - سوال وجواب میں تخفیف کا سبب ہے اس کی کیا اصل ہے؟

(۷) جو شخص ظہر کی پوری نماز پڑھ چکا ہے اور جماعت شروع ہو گئی تو وہ امام کے پیچھے نفل کی نیت کرے گا حالانکہ امام فرض پڑھا رہا ہے آیا یہ درست ہے اور بعد فرض ۲ سنت و نفل ظہر پڑھے یا پہلے پڑھ چکا ہے وہ کافی ہے؟ (۸) شوہر کے لاپتہ ہونے پر زوجہ کے لئے عقد ثانی ممکن ہے مدت انتظار میں عورت کیسے گزر کرے گی -؟

(۹) دعائے گنج العرش کی کیا اسناد ہیں - مطبوعہ تعریفات کیسی ہیں؟

(۱۰) امام کی جیب میں اگر ناپاک کپڑا ہو تو نماز ہو جائیگی یا دہرائی جائے۔

(۱۱) اگر کوئی ولی لڑکی کے نکاح میں دولہا سے یہ الفاظ کہہ کر ایجاب وقبول کرالے کہ اگر شوہر سے عورت کا اتفاق نہ رہا تو زوجہ مختار ہو گی کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دے دے اگر زوج زوجہ کو بلا رضامندی اپنے خسر کے کسی دوسرے جگہ لے جاوے تو عورت پر طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور دولہا کہے کہ میں نے بدیں شرائط مسماۃ کو اپنے نکاح میں قبول کیا یہ جائز ہے یا نہیں -

(۱۲) جب کہ ہر کام کا دار مدار نیت پر ہے تو اگر کوئی کھانے پر فاتحہ دیکر خود کھالے تو اس کی نیت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۱۳) امام کو محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا درست ہے یا نہیں؟ اور تنہا پڑھ سکتا ہے یا نہیں -اگر محراب کو چھوڑ کر اندر کھڑا ہو جاوے اور جماعت باہر صحن مسجد میں کھڑی ہے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(الجواب) پڑھ سکتا ہے کوئی حرج نہیں البتہ سنتوں اور فرضوں کے درمیان کوئی دنیوی کاروبار نہ کرے (۲) درست ہے اور بلا تیمّم بھی جائز ہے (ومستنده فی حدیث مهاجربن قنفذؓ) (۳) ملتا ہے بلکہ دو گنا -ایک قرآن شریف پڑھنے کا اور دوسرا اپنے بھائی مسلمان کی اعانت کا (۴) نماز تو ہر حال میں ہو جاتی ہے لیکن اگر نمازی اور قبروں کے درمیان کوئی پردہ وغیرہ حائل نہیں نیز اتنی دور بھی نہیں کہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس کی نظر قبر پر نہ پڑھے تو مکروہ اور درمیان میں پردہ ہے یا اتنی دور ہے کہ سجدہ کی جگہ نظر رکھنے سے قبر پر نظر نہیں پڑتی تو مکروہ بھی نہیں -کذافی الطحطاوی علی مراقی الفلاح والخلاصۃ مفصلا

(۵) بغیر اجازت مالکان جائز نہیں اور اگر عادۃ مالکان ان لکڑیوں کو اسی کام کے لئے چھوڑ دیتے ہیں تو بلا اجازت صریحہ بھی استعمال اور تاپنا جائز ہوگا-

(۶) یہ کہنا تو لغو وفضول ہے البتہ اتنی اصل ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یارات میں مرے تو وہ انشاء اللہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا لیکن اس خیال سے کہ جمعہ کے روز دفن کریں گے مردہ کو پہلے سے ڈالے رکھنا جائز نہیں اور نہ اس سے کچھ فائدہ کیونکہ حدیث میں تاکید ہے کہ مرنے کے بعد مردہ کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرنی چاہئیں-

(۷) بہ نیت نفل امام کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے اور نیت میں یہ سوچنا دل میں کافی ہے کہ میں نماز نفل پڑھتا ہوں زبان سے بھی کہہ لے تو مضائقہ نہیں- کذافی الہدایہ -(۸) اگر عورت کے پاس نان نفقہ کا سامان نہیں یا اس کو یہ خیال ہے کہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گی تو بلا مدت انتظار کے نکاح فسخ ہو سکتا ہے کسی مسلمان حاکم یا مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کر کے فسخ کا حکم حاصل کرے اور بعد تین حیض گزرنے کے دوسری جگہ نکاح کرے کذافی مختصر الخلیل علی مذهب المالکیة ۲ و الفتوی فی هذه المسئلة علی مذهبهم منذ برهة من الزمان وقد افتی به الشامی فی زمانه-(۹) سب غلط ہیں (۱۰) نماز نہ ہوگی-

(۱۱) نکاح میں یہ شرط لگالینا درست ہے نکاح بھی نافذ رہے گا اور شرط بھی صحیح ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے یہ کہا جائے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار مجھے دے دیا جائے جب میں چاہوں گی طلاق واقع کرلوں گی اور پھر مرد اس کو قبول کرے اور معاملہ برعکس ہو یعنی مرد نے کہا کہ میں تجھ سے اس شرط کے ساتھ نکاح کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تجھے ہوگا تو نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ شرط صحیح نہ ہوگی یعنی عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا- صرح به الشامی باب الرجعة مسائل التحلیل ص ۵۵۵ ج ۲ ولفظه ولو خافت ان لا یطلقها زوجتك نفسی علی ان امری بیدی- زیلعی درمختار قال الشامی ولو قال لها تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك او مضافاً الیه ولم یوجد الی قوله و الحاصل ان الشرط صحیح اذا بتدأت المراة لا اذا بتداء الرجل الخ-

۱؎ اس مسئلہ کی مفصل تحقیق اور فتویٰ سابق سے مجموع کی تفصیل آگے "اختیار الصواب فی مختلف الابواب" کے عنوان میں آئے گی۔ محمد رفیع عثمانی

۲ تفصیله فی رسالة الحیلة الناجزة للحیلة العاجزة. ۱۲ ش

اس سے معلوم ہوا کہ شرط مندرجہ سوال کے ساتھ نکاح درست ہے اور جب عورت شوہر سے کسی معاملہ میں ناراض ہو گی تو اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہو گا خواہ کوئی معاملہ ہو البتہ اگر کسی معاملہ کو مثلاً اپنے گھر یا وطن سے باہر لے جائے وغیرہ کو مستثنےٰ کر دینے سے وہ مستثنےٰ ہو جائے گا حکم مسئلہ تو یہی ہے لیکن عورتیں ناقصات العقل ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ اتنا اضافہ ضرور کر دیا جائے کہ اگر مجھے خاوند سے کوئی ایسی شدید تکلیف پہنچی جو عادۃً برداشت نہ کی جا سکے اور دو عادل نیک آدمی اس کا فیصلہ کر دیں کہ واقعی میں یہ تکلیف ایسی ہی ہے تو مجھے طلاق کرنے کا اختیار ہو گا۔

(۱۲) کھانے پر فاتحہ دینا یا پڑھنا خود ہی بدعت مذموم ہے اس پر کیا ثواب ہوتا۔ البتہ اگر کوئی کھانا بغرض صدقہ و خیرات یا ایصال ثواب پکایا تھا اور پھر اس کو خیرات و صدقہ میں خرچ نہ کر سکا مثلاً یہ خود یا اس کے اہل و عیال بھوکے تھے مجبوراً ان کو کھلا دیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کو صدقہ کا پورا ثواب ملے گا۔

(۱۳) اس محراب کے اندر بھی اگر امام تنہا کھڑا ہو اور مقتدی باہر ہوں تو مکروہ ہے البتہ اگر محراب سے باہر کھڑا ہو یعنی اس کے اکثر قدم محراب سے باہر ہوں اگرچہ سجدہ محراب کے اندر کرتا ہو تو نماز میں کراہت نہ رہے گی اور تنہا نماز پڑھنا اس محراب میں نیز مسجد کی دیوار قبلہ میں جو محراب ہوتی ہے اس میں بلا کراہت درست ہے۔ کذا فی عامۃ کتب الفقہ - واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

ایک انجمن کی شرکت کے متعلق

(سوال ۹٦٤) میرٹھ میں ایک انجمن قائم ہے اس کی عملی کارروائی سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس انجمن کے قیام کی غرض بعض بانیان کی مخالفین کی توہین اور دل آزاری کرنا ہے۔

(۲) انتخاب ممبران میں قابلیت کا کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔

(۳، ۴) اپنے زعم کی وجہ سے ہر مخالف رائے کو گو وہ کیسی ہی مفید اور شرعاً جائز ہی کیوں نہ ہو اپنی اکثریت سے مسترد کر دیا جاتا ہے اور اپنی رائے ناجائز اور غیر مفید کو قائم رکھا جاتا ہے۔

(۵، ٦) انجمن کے قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفعہ بھی داخل ہے کہ جو شخص انجمن کا ساتھ نہ دے اس کو قوم و ذات سے خارج کر دیا جائے اور جو اس خارج شدہ شخص کا ساتھ دے اس کو بھی ذات و قوم سے خارج کر دیا جائے اسی دفعہ کی وجہ سے قوم میں بجائے تنظیم کے ہیجان پھیلا ہوا ہے۔ (۷) انجمن کے گروہ میں نہ حفظ مراتب کی پرواہ ہے نہ ایک کو دوسرے پر اعتماد اور اس قدر خود سری ہے کہ یک طرفہ فیصلہ کرتے ہیں اور سالہا سال کے قومی تنازعات کو از سر نو زندہ کر کے تصفیے کرنا چاہتے ہیں۔ (۸، ۹) مفید اور ضروری باتوں کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

(۱۰) طلاق بائنہ پر بلا نکاح ثانی اور طلاق مغلظہ ہو جانے پر بلا حلالہ بدستور زوجیت کو قائم رکھا جاتا ہے اور عذاب خداوندی سے نڈر ہو کر اس کی معاونت کی جاتی ہے۔

(۱۱) قوم کی مستورات میں انگریزی لباس کھڑا ایڑی کا جوتہ۔ انگریزی طریقہ پر بال بنانا اور بالوں پر کنگھا لگانا رواج پا رہا ہے اس کو نہیں روکا جاتا (۱۲) کسی کا شوہر ابتدائے عقد سے بیسیوں سال تک شراب نوشی اور قماربازی اور عیاشی میں مصروف ہو اور زوجہ کے نان نفقہ کے لئے کچھ پرواہ نہ کرتا ہو تو ایسی صورت میں شوہر اور اس کے حامی شخص سے

ذمہ داری نان ونفقہ کی لیکر جانا مناسب ہے یاذمہ داری اور آئندہ اپنی عزت وناموس زندگی کوبرباد کرنا جائز ہے۔ ؟
(۱۳)جوگروہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے مقابلہ میں خدااور رسول اور علمائے شریعت کو ہیچ سمجھے اور علماء کی خدمت میں برائے تصفیہ حاضر ہونے سے پہلو تہی وانکار کرے اور عذاب خدا سے نڈر ہو-افتراء کرکے توہین ودل آزادی کرے وعدہ خلافی کرے،اللہ کے حرام کو حلال جانے اور حلال کو حرام-اور یہ کہے کہ دوسوآدمیوں کے مقابلہ میں دو آدمیوں کی بات نہیں مانی جاسکتی اگرچہ وہ بات کیسی ہی شرع کے مطابق اور مفید قوم ہو-(۱۴) ایسی انجمن کے بانی، معاون کارکن،یاجو شرکت کرے یاشادی بیاہ میں اس کے احکام کااتباع کرے اس کے متعلق حکم شریعت کیاہے ؟
(الجواب) اگرواقعات مندرجہ تحریر صحیح ہیں توبلاشبہ یہ انجمن ایک عظیم الشان دینی اور دنیوی فتنہ کی بنیاد ہے اس کی شرکت وحمایت اور اس کے احکام کی پابندی سخت گناہ بلکہ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے جن لوگوں نے اس کی شرکت وحمایت پر حلف کئے تھے ان کو بھی اس سے علیحدہ ہوجاناواجب ہے اور کوئی کفارہ کسی قسم کاان پر عائد نہ ہوگا کیونکہ حلف میں اس کی تصریح ہے کہ انجمن کے احکام کی اطاعت دائرہ شریعت کے اندر کرے گااور جو واقعات درج سوال ہیں ان سے ثابت ہوا کہ یہ انجمن سراسر احکام شرعیہ کے خلاف حکم کرتی ہے لہذااس کا خلاف کرنااپنے حلف کا خلاف نہ ہوگا- حالات انجمن مندرجہ سوال بہت سے کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہیں بالخصوص نمبر ۱۰،۱۱،۱۲توصراحتہً شریعت اسلام کامقابلہ ہے جس کے حق میں ارشاد خداوندی ہے ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك هم الفاسقون اور دوسری آیت میں اولئك هم الظالمون اور تیسری آیت میں اولئك هم الكافرون مذکور ہے-اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تفرقہ پردازی اور احکام شرعیہ کی نافرمانی سے محفوظ رکھے آمین فقط توضیح نمبر ۱۲ ذمہ داری لیکر جانا مناسب ہے بغیر اس کے جانا بھیجنالڑکی کی حق تلفی ہے-ہرگز نہ چاہئے واللہ تعالیٰ اعلم

چند فضول سوالات کاجواب

(سوال ۹۶۵) زمین چکر کرتی ہے یاآسمان چکر کرتا ہے سورج اور چاند کے رہنے کی کیا جگہ ہے اور یہ کہاں سے طلوع ہوتے ہیں اور کہاں غروب ہوتے ہیں ستارہ کس جگہ پر ہیں اور ان کے طلوع اور غروب ہونے کی کیا کیفیت ہے ؟
(الجواب)حدیث میں ہے من حسن الاسلام المرء تركه مالا يعنيه -اور امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے علامۃ اعراض اللہ تعالیٰ عن العبد اشتغالہ بمالایعنیہ الخ اس لئے ان فضول سوال وجواب میں پڑنا مناسب نہیں اس کے بجائے کام کی بات پوچھئے جودین کے لئے مفید ہو۔

تقریظ وتنقید بر رسالہ فیصلہ حقانی دہلی

(سوال ۹۶۶) متعلقہ رسالہ فیصلہ حقانی کہ کتاب معتبر ہے یانہیں اور اس کے مضامین قابل العمل ہیں جواب سے مطلع کیاجاوے۔ ؟
(الجواب) الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی-امابعد- رسالہ حقہ مئولفہ جناب مولوی محمد حنفی صاحب

اعظم گڈھی مدرس مدرسہ مظہر الاسلام دہلی ۲۸ صفحہ تک احقر نے دیکھا اس رسالہ کو اسم با مسمی پایا اس حصہ میں جو کچھ دیکھا وہ بالکل تمام اہلسنت والجماعتہ اور بالخصوص حنفیہ کے صحیح عقائد ہیں مصنف مدظلہ کے طرز سے باقی کتاب میں بھی اس کی توقع ہے کہ اسی طرح مستند بزرگوں کے کلام سے اہلسنت کے عقائد لکھے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس رسالہ کا نافع ہونا قبول فرمائے اور مصنف کو جزائے خیر دے البتہ اثناء مطالعہ میں بعض الفاظ ایسے نظر سے گزرے جو اگرچہ مراد مصنف کے موافق اور فی نفسہا صحیح ہیں لیکن خلاف مراد کا ایہام ہو سکتا ہے جس سے ممکن ہے کہ عوام شبہ میں پڑ جاویں بہتر ہے کہ آئندہ طباعت میں اس کی توضیح کر دی جائے۔

(۱) صفحہ ۲۸- پر ایک حدیث کا ترجمہ جس میں عجمی لوگوں کے اس ذبیحہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جو وہ اپنی عیدوں میں ذبح کرتے ہیں اس حدیث میں عجمیوں سے مراد کفار عجم ہیں بلاد عجم کے رہنے والے مسلمان اس میں داخل نہیں وجہ یہ ہے کہ اس وقت عجم سب کا سب کفر سے بھرا ہوا تھا تو اکثر احادیث میں اعاجم اور عجم بول کر کفار مراد لیا گیا ہے یہاں پر بھی ایسا ہی ہے اس لئے بہتر ہے کہ عجم کا ترجمہ اس جگہ کفار کے ساتھ کیا جائے تاکہ مسلمانان سکان عجم کو شبہ نہ ہو۔

(۲) صفحہ ۲۸- میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے لئے کوئی جانور ذبح کیا تو وہ کافر ہو گیا اس سے مراد یہ ہے کہ جانور کو بجائے تقرب الی اللہ تقرب الی الرسول کی نیت سے ذبح اور آپ کے نامزد کرے لیکن اگر کوئی شخص جانور کو محض تقرب الی اللہ کی نیت سے ذبح کرے اور اس سے جو ثواب حاصل ہوا ہے اس کا ثواب آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کو بخشنا ہے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ تو موجب ثواب اور حضرات صحابہؓ سے ثابت ہے۔

(۳) طرز بیان میں کسی قدر تیزی سے کام لیا گیا ہے اس سے عوام کو اس کا شبہ ہو سکتا ہے کہ مصنف صاحب بزرگان سلف و اولیاء کے پورے معتقد نہیں اس لئے بہتر ہو تا کہ عنوان نرم ہو تا اور اس کو اچھی طرح سے واضح کر دیا جاتا کہ بعض بزرگان دین و اولیاء عظام کو جو کبھی کبھی کچھ تصرفات جزئیہ بعض امور میں عطا فرما دیئے جاتے ہیں اس کا کسی کو انکار نہیں انکار صرف اس کا ہے کہ تصرف کلی بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں یہ مضمون اگرچہ رسالہ میں ہے مگر اس کی وضاحت پوری نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اختیار الصواب فی مختلف الابواب

(یعنی وہ فتاویٰ جن سے حضرت مفتی صاحب نے رجوع کرلیا ہے)

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر کے فتاویٰ اور دوسرے مؤلفات کے متعلق کبھی خود نظر ثانی کے وقت اور کبھی کسی بزرگ یا دوست کے متنبہ کرنے سے جہاں کہیں حذف داز دیا یا رجوع و تفسیر کی ضرورت محسوس ہوئی اس کو اختیار الصواب کے عنوان سے امداد المفتین کا جزو قرار دیتا ہوں اور اس سلسلہ میں اس وقت مندرجہ ذیل فتاویٰ درج ہوتے ہیں آئندہ بھی جن فتاویٰ سے احقر کا رجوع ثابت ہو جائے گا وہ معہ مرجوع الیہ فتاویٰ کے یہاں درج کئے جائیں۔

نماز جنازہ قبرستان میں پڑھنا

(سوال ۹۶۷) زید نے ایک مقبرہ عامہ سے ایک مخصوص قطعہ کو برائے اپنے اموات جدا کرلیا، حالت یہ ہے کہ اس قطعہ مخصوصہ میں چند قبور موجود ہیں بعض شمالاً بعض غرباً تو نماز جنازہ اس مخصوص قطعہ میں صحیح ہے یا نہیں؟ قبر اور مصلی کے درمیان کوئی حائل بھی نہیں، پھر میت کی چارپائی مصلی اور قبر کے درمیان سترہ ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور اس حدیث صحیحہ کو جو کہ صحاح ستہ نے بطور نہی عن الصلوٰۃ فی المقبرۃ نقل فرمایا ہے عام ہے یا مخصوص، اگر نماز جنازہ اس سے مستثنی ہو تو مخصص کیا ہوگا۔؟

(الجواب) مقبرہ میں نماز پڑھنا جب کہ قبور بجانب قبلہ اور مصلی کے سامنے ہوں مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے وتکرہ فی اماکن کفوق کعبۃ و فی طریق ومزباۃ و مجزرۃ و مقبرۃ الخ – وقد عقد الحدیث العلامۃ نجم الدین الطر سوسی فی منظومۃ الفوائد فقال نھی الرسول احمد عن البشر عن الصلوٰۃ فی بقاع تعتبرمعا طن الجمال ثم مقبرۃ مزبلۃ طریق ثم مجزرۃ ، و فوق بیت اللہ والحمام و الحمد للہ علی التمام– کتبہ مسعود احمد

(جواب صحیح ہے) اور حدیث نھی عن الصلوٰۃ فی المقبرۃ عام ہے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف کی دلیل تعامل سلف ہے کہ نماز جنازہ قرون اولیٰ سے لے کر عہد ائمہ تک اور زمانہ بعد میں بھی مقابر میں پڑھنے کا دستور نہ تھا اور روایات فقہیہ بھی اس بارے میں صریح ہیں کہ مقبرہ میں نماز مطلقاً ممنوع ہے، البتہ ایسی صورت میں کہ مقبرہ کی کسی جانب میں جگہ مقابر سے خالی ہو اور قبریں سامنے قبلہ کے نہ ہوں یا اتنی دور ہوں کہ نمازی کی حالت نظر خشوع ان پر نہ پڑے یا کوئی حائل مثل دیوار وغیرہ کے درمیان میں ہو تو پھر نماز مطلقاً خواہ جنازہ کی ہو یا فرائض الوقت میں سے جائز ہے لیکن جنازہ کی چارپائی کا سترہ کافی نہیں ہوتا۔

وذلک لمافی العالمگیریۃ و فی الحاوی وان کانت القبور ماوراء المصلی لا یکرہ فانہ ان کان بینہ بین القبر ما لو کان فی الصلوٰۃ و یمر انسان لا یکرہ فھٰھنا ایضا لا یکرہ (عالمگیری مصری فی مکروھات الصلوٰۃ ص ۱۰۰ – ۱۲۰) و صرح بالجواز مع الحائط و نحوہ فی الخلاصۃ واللہ

تعالٰی اعلم (کتبہ محمد شفیع غفرلہ (از امداد المفتین طبع ۱۳۸۴ھ ص ۲۹۶ ج ۱ –

مسئلہ مذکورہ کے بارے میں ایک سوال وجواب مع رجوع از تحقیق مذکورہ[1]

(سوال ۹۶۸) رسالہ المفتی[2] بابت ماہ رجب ۵۷ھ امداد المفتین کے صفحہ ۳۴۳ پر مقبرہ میں نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق ارقام ہے کہ حدیث نہی عن الصلوٰۃ فی المقبرۃ عام ہے تخصیص کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف کی دلیل تعامل سلف ہے کہ نماز جنازہ قرون اولی سے لیکر عہد ائمہ تک اور زمانہ مابعد میں بھی مقابر میں پڑھنے کا دستور نہ تھا اور روایات فقہیہ بھی اس بارے میں صریح ہیں کہ مقبرہ میں نماز مطلقاً ممنوع ہے البتہ ایسی صورت میں کہ مقبرہ کی کسی جانب میں جگہ مقابر سے خالی ہو، اور قبریں سامنے قبلہ کے نہ ہوں یا اتنی دور ہوں کہ نمازی کی نظر بحالت خشوع ان پر نہ پڑے یا کوئی حائل مثل دیوار وغیرہ کے درمیان میں ہو تو پھر نماز مطلقاً خواہ جنازہ کی ہو یا فرائض الوقت میں سے جائز ہے۔ وذلك لمافی العالمگیریة وفی الحاوی وان كانت القبور ما وراء المصلی لا يكره فانه ان كان بينه و بين القبر مقدار لو كان فی الصلوٰة ويمر انسان لا يكره انتهٰی. اس پر اشکال یہ ہے کہ جس میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھنے کے دفن کیا ہو اس پر تین روز تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کو فقہا جائز لکھتے ہیں تو کیا وہاں بھی سترہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ اگر چند قبروں کے بیچ میں ہو تو اس وقت کس طرح نماز پڑھی جائے؟

تتمہ جلد اول فتاوی امدادیہ صفحہ ۴۹ پر مولانا سلمہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ قبر نفس نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کے سامنے ہونا جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کے فتاوی رشیدیہ جلد اول صفحہ ۱۱۲ پر ہے کہ قبروں میں اگر نماز جنازہ پڑھ لیوے تو درست ہے مگر خارج از قبور ہونا بہتر ہے اس سے معلوم ہوا کہ جائز اور امداد المفتین کی عبارت سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور عالمگیری کی عبارت سے نماز غیر جنازہ معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے فقط غیر اولیٰ فرمایا ہے اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے البتہ یہ بات کچھ کھٹکتی ہے کہ مولانا تھانوی سلمہ نے جو فرمایا ہے کہ (قبر نفس ونعش سے زیادہ نہیں) قبر کو نعش کے مساوی جاننا محل تامل ہے معلوم ہوتا ہے کیونکہ نعش مردہ مثل قائم کے ہے اور قائم کے ساتھ پڑے رہنے سے نماز جائز ہے خلاف قبر کے جو کہ قبر پرستی کے مشابہ ہے جو تحقیق ہو ارقام فرمادیں براہ عنایت عبارات فقہیہ نقل فرماویں۔

(الجواب) اصل جواب وہی ہے جو حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا ہے کیونکہ صلوٰۃ جنازہ صلوٰۃ نہیں بلکہ دعا ہے اس لئے نعش پر اور قبر پر جائز ہے تو قبرستان میں بھی جائز[3] ہے نہی عن الصلوٰۃ فی المقابر سے مراد نہی عن

[1] آگے جو مضمون آرہا ہے تبویب جدید میں یہ امداد المفتین مطبوعہ کراچی ۱۳۸۴ھ کے صفحہ ۸۱۲ سے یہاں منتقل کیا گیا ہے۔ ۱۲

[2] یہ ماہوار رسالہ حضرت مفتی صاحب مد ظلہم کی ادارت میں دیوبند سے شائع ہوا کرتا تھا ابتداء اسی میں مذکورہ بالا فتاء شائع ہوا تھا۔ ۱۲ محمد رفیع عثمانی ۲۸ / ۱۲ / ۱۳۹۴ھ

[3] واضح رہے والد ماجد حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب مد ظلہم نے اس فتویٰ سے بھی رجوع فرمایا ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا ۱۲ محمد رفیع عثمانی ۲۸ / ۱۲ / ۱۳۹۴ھ

الصلوٰۃ الحقیقۃ ہے، مگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے میں نہی عن الصلوٰۃ فی المقبرہ کے ظاہری عموم کی بھی رعایت کرلی گئی ہے کہ صلوٰۃ سے گو مراد حقیقیہ ہے مگر لفظ بظاہر عام ہے جو صلوٰۃ جنازہ کو بھی فی الجملہ شامل ہے اس لئے احتیاط اولیٰ ہے باقی حضرت مولانا کے فتوے پر جو آپ نے شبہ کیا ہے اس سے بڑھ کر شبہ صلوٰۃ علی القبر پر واقع ہوگا حالانکہ بالاجماع جائز ہے دوسرے نعش مردہ کو مثل قائم کے کہنا غلط ہے نماز سجدہ رکوع کے ساتھ نعش مردہ کو آگے رکھ کر مکروہ نہ ہے اور قائم کے سامنے جائز ہے دونوں کی مساوات غیر مسلم ہے اور نماز جنازہ میں قبر پرستی کا شبہ ہی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم - کتبہ ظفر احمد عفا اللہ عنہ -

(الجواب) جناب کا سوال اور امداد الفتاوٰی اور فتاوٰی رشیدیہ کے جوابات اور مولانا ظفر احمد صاحب کا جواب دیکھا ان سب کو دیکھ کر اب یہی صواب معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ قبور کے درمیان بھی جائز ہے اور کراہتہ صلوٰۃ بین المقابر صلوٰۃ حقیقیہ کے ساتھ مخصوص ہے صلوٰۃ جنازہ عام صلوٰۃ کے مفہوم میں درحقیقت داخل نہیں ہے اس لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور مستقل دلیل اس کی کراہتہ بین القبور پر کوئی نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ علی القبور کا جواز اس کے جواز کی دلیل ہے اس لئے پہلے جواب سے رجوع کرتا ہوں - واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و جزاکم اللہ تعالیٰ علی ما نبھتمونی - بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

اس سلسلے کی آخری تحقیق

فتاوٰی دار العلوم جلد چہارم ص ۳۴۳ میں ایک فتوٰی مقبرہ میں نماز جنازہ کی کراہت کے متعلق حوالہ عالمگیری شائع ہوا تھا پھر اس پر کچھ اشکالات پیدا ہوئے اس لئے عالمگیری کا جزئیہ کافی نہیں بلکہ مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل موجود نہیں بناء علیہ عنوان مذکورہ بالا کے فتاوٰی دار العلوم جلد چہارم کے آخر میں اس مسئلہ سے رجوع کر کے جواز کا حکم اختیار کیا گیا تھا کچھ عرصہ کے بعد جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ایک روایت حدیث جامع صغیر سے نقل کر کے بھیجی جس میں عدم جواز کی تصریح تھی اور اپنے فتوے سے اس کی بناء پر رجوع کر کے احقر کے سابق فتوے یعنی کراہت کو اختیار کر لیا لیکن احقر کو اس حدیث سے استدلال میں کچھ تردد تھا اس لئے اسی رجوع پر قائم رہا اور وجہ تردد مولانا موصوف کی خدمت میں لکھ بھیجی جس کے جواب میں ممدوح نے بھی ایک تحریر لکھی اور پھر اسی عرصہ میں سیدی وسندی حضرت حکیم الامتؒ کی ایک تحریر ترجیح الراجح میں اس حدیث کے متعلق شائع ہوئی اس سے احقر کا تردد رفع ہو گیا اب پھر احقر اپنے اسی سابق فتوی کو جو فتاوٰی دار العلوم جلد چہارم میں شائع ہو چکا ہے اختیار کرتا ہے کیونکہ اس سے رجوع کی بناء دلیل کراہت کا نہ ملنا تھا اب بحمد اللہ دلیل مستقل مل گئی اب فتوی یہی ہے کہ مقبرہ میں قبروں کے سامنے ہوتے ہوئے نماز جنازہ مکروہ ہے اتمام فائدہ کے لئے اپنا خط مع جواب کے نیز ترجیح الراجح کی تحریر کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے -

مخدوم بندہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ - گرامی نامہ صادر ہوا - یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ احقر کا قول حدیث کے موافق پڑ گیا لیکن فتوی میں ہنوز مجھے یہ خیال ہے کہ کیا ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ براہ راست حدیث سے استدلال کریں جب کہ فقہی فتاوی سے کوئی چیز اس کے خلاف معلوم ہو تو عمل ہم فتوی پر کریں گے یا ظاہر

حدیث پر برائے کرم اس کے متعلق کچھ رائے ہو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

مکرمی المحترم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - فقہی فتاویٰ میں صراحتہً یہ مسئلہ موجود نہیں ہے کہ مقبرہ میں صلوٰۃ جنازہ بلا کراہت جائز ہے محض صلوٰۃ علی القبر وصلوٰۃ علی النعش پر اس کو قیاس کیا گیا تھا - سو صلوٰۃ علی القبر کا مخصوص باضرورۃ ہونا معلوم ہے اور صلوٰۃ نعش اور صلوٰۃ المقبرہ میں یہ فرق کیا جاسکتا ہے کہ جس میں احتمال پرستش نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی نے بھی نعش کی پرستش نہیں کی اور قبور میں احتمال عبادت ہو سکتا ہے مشرکین نے اولاً صلحا قبور ہی کی پرستش کی تھی پھر مجسمے بنائے تھے - واللہ تعالیٰ اعلم - ظفر احمد عفا عنہ

تحریر ترجیح الراجح

از سیدی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم

فصل سی وچہارم در تحقیق کراہت صلوٰۃ جنازہ در مقبرہ - میں نے ایک زمانہ میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا تھا چنانچہ تتمہ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۹۴ پر وہ فتویٰ درج ہے اور اس جواز کی تقویت میں اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ قبر خود نعش سے زیادہ نہیں اور نعش کے سامنے جائز ہے تو قبر کے سامنے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اھ -

لیکن ایک عزیز نے شرح جامع صغیر میں یہ حدیث دکھلائی **نهى ان يصلى على الجنائز بين القبور (طبس عن انس)** اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ **فانها صلوٰة شرعية والصلوٰة فى المقبرة مكروه تنزيها** - اور یہ بھی کہا ہے کہ اسنادہ حسن یہ اس باب میں صریح روایت ہے اور روایت محقہ پر روایت مقدم ہے لہٰذا اس فتوے سابقہ سے رجوع کرتا ہوں گو نماز ادا ہو جائے گی مگر کراہت کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ عزیزی کا قول اوپر نقل کیا گیا ہے اور غور کرنے سے اس روایت کا جواب بھی ذہن میں آگیا وہ یہ کہ فقہا نے نمازی کے سامنے شمع وسراج کے ہونے کو جائز فرمایا ہے اور انگارے کے سامنے ہونے کو مکروہ فرمایا ہے اور وجہ فرق کی یہ بیان کی ہے کہ **لم يعبدهما احد المجوس يعبدون الجمر لا النار الموقدة (درمختار و ردالمحتار)**

پس یہی فرق قبر اور نعش میں ہو سکتا ہے کہ قبر کی پرستش معتاد ہے نعش کی معتاد نہیں پس درایت کا شبہ بھی ساقط ہو گیا اور کراہت کا حکم محفوظ رہا - واللہ اعلم

خلاصہ یہ ہے کہ روایت ودرایت میں تعارض نہیں اور اگر تعارض ہوتا تب بھی روایت پر عمل ہوتا۔

فرع - چونکہ میرے فتویٰ سابقہ کو دیکھ کر مولانا محمد شفیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے فتوے کراہت سے رجوع کر لیا تھا کما فی رسالۃ المفتی لشوال ۵۵ھ تحت عنوان اختیار الصواب مفصلاً - اس لئے اپنی تحقیق حال کی اطلاع ان کو بھی ظاہر کر دی ہے - اشرف علی ۲۳ ذیقعدہ ۵۷ھ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ خادم دارالعلوم دیوبند ۲ ذیقعدہ ۵۹ھ

اس سلسلے میں بحر کی ایک عبارت

کراہت نماز جنازہ بین القبور کے بارے میں جو تحقیق اوپر بحوالہ حدیث جامع صغیر لکھی گئی ہے بعد میں اس کے متعلق اپنی کتب فقہیہ میں بھی تصریح مل گئی منجملہ ان کے البحر الرائق کی عبارت یہ ہے - **ولا ينبغى ان يصلى**

علی میت بین القبور و کان علیؓ و ابن عباسؓ یکرهان ذلك فان صلوا أجزأهم (البحر الرائق ص ۱۹۵ ج ۵)

(ازامداد المفتین طبع ۱۳۸۴ھ ص ۳۰ ج ۱)

رساله اماطة التشکیك

فی

اناطة الزکوٰة بالتملیك

بسم الله الرحمٰن الرحیم- الحمد لله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفٰی

امابعد! مصرف زکوٰۃ کے متعلق باتفاق فقہاء یہ شرط ہے کہ مال زکوٰۃ پر مستحق زکوٰۃ کا مالکانہ قبضہ ہو جائے جس کی وجہ سے رفاہ عام کے تمام کام اور بہت سے خیراتی ادارے نکل جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ضرورت ان کی بھی اہم ہے اس کے پیش نظر اس مسئلہ کے متعلق اکثر سوالات آتے رہتے ہیں۔

محرم ۱۳۶۱ھ میں جب کہ احقر دارالعلوم دیوبند میں خدمت فتوٰی پر مامور تھا مندرجہ ذیل سوال آیا اور اس زمانہ میں اور بھی سوالات اس مضمون کے آئے تھے اس لئے اس کا تفصیلی جواب لکھ کر سیدی حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں بغرض استصواب بھیج دیا تھا حضرت سرہ نے اس کو پسند فرما کر اس کا ایک مستقل نام "اماطۃ التشکیک فی اناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک" تجویز فرمایا مگر اس وقت رسالہ کی صورت میں شائع کرنے کی نوبت نہ آئی اب بیس سال کے بعد محرم ۱۳۸۲ھ میں جب اس کی اشاعت کا ارادہ ہوا تو نظر ثانی میں بہت سے جدید اضافے ہو گئے امید ہے کہ اہل علم اور عوام کے لئے مفید ہوگا-والله المستعان و علیه التکلان- (بندہ محمد شفیع-کراچی نمبر ۵ محرم ۱۳۸۲ھ

استفتاء --- حضرات علماء ئے دین و حاملین شرع مبین کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش کی ہے کہ ادائے زکوٰۃ کیلئے فقہائے احناف جزاہم اللہ خیر الجزاء نے شرط لگائی ہے کہ زکوٰۃ جس شخص کو دی جائے اسے مال زکوٰۃ کا پورا مالک قرار دیا جائے اور اسی لئے رفاہ عام کے کاروبار میں جو سرمایہ داخل کیا جاتا ہے اور مختلف ضرورتوں میں حسب مصلحت صرف کیا جاتا ہے وہاں مال زکوٰۃ دینے سے روکا جاتا ہے مثلاً خیراتی مدارس مذہبی میں جہاں نادار طلباء درس حاصل کرتے ہیں اور ان کے واسطے مدارس میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے جو طلباء عاریۃً لیتے ہیں اور بعد فراغ مدرسہ میں واپس کر دیتے ہیں یا طلبہ کی خوراک کے واسطے کوئی سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ بسر اوقات کرتے ہیں ایسے موقعوں پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں کرتے ایک اور مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے اس میں جہاد کے لئے آلات جنگ اور گھوڑے دیئے جاتے ہیں تو وہ بھی جس شخص کے تصرف میں دیا جاتا ہے اس چیز کا مالک قرار دیتے ہیں اور گھوڑا یا ہتھیار لینے والا اختیار رکھتا ہے کہ وہ جہاد میں صرف کرے یا تجارت کے کاروبار میں استعمال کرے یا فروخت کر دے اور ایسی صورتوں میں مال کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فائدہ کم رہ جاتا ہے اس کے بجائے اگر سامان جنگ خود اسلامی حکومت کی ملک قرار پائے اور اغراض جہاد میں صرف کرنے کے لئے اسے

خزانہ میں محفوظ رکھیں تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ یہ شرط لگانے کے ساتھ سختی سے اس کی پابندی کرنے کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس شرط کی بناء کس دلیل پر اور کب رکھی گئی۔

قرآن کریم میں زکوٰۃ کا ذکر بار بار اور تاکید سے آیا ہے اور اس کے مصارف بھی بیان فرمائے گئے ہیں اور نبوت کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے زمانے میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ کے دیہات اور قریوں میں زکوٰۃ وصول کرنے والے دورہ کرتے تھے وصول کرنے والوں کا بھی قرآن مجید میں عاملین کے نام سے ذکر ہوا ہے اور انہیں اسی سرمایہ زکوٰۃ میں سے اجرت دی جاتی ہے وہ تمام قلمرو سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور دینے والے انہیں دیکر فریضہ زکوٰۃ سے فارغ البال ہو جاتے تھے مال عاملین زکوٰۃ باہر سے لاکر داخل خزانہ کرتے تھے تو کارکنان خزانہ بھی زکوٰۃ بے تنخواہ نہیں پاتے تھے پھر حاکم یا اس کے مشیروں کے فیصلہ سے زکوٰۃ صرف ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی بھی مالک قرار نہیں پاتا تھا مگر مفصلات کے زکوٰۃ دینے والے اپنے فریضہ سے انہی غیر مالکوں کو دے کر بری الذمہ ہو جاتے تھے اور جن لوگوں کی ضرورتوں پر مال صرف ہوتا ہوگا انہیں مالک سمجھیں تو سمجھیں ورنہ حاکم وقت سے لیکر سب مالکوں کی طرف سے بطور وکیل کے تصرف کرتے تھے پس یہ وکیل بننے کا اختیار جو حاکم وقت کو اور اس کے ماتحتوں کو دیا گیا ہے ایسا ہی اختیار مہتممان مدارس اور منتظمان جنگ و جہاد سے کس بنا پر روک لیا گیا ہے مہتممان مدارس خود مالک قرار نہ پائیں مگر سرمایہ کو مدرسہ کی ملکیت قرار دیں اسے اپنے ذاتی تصرف میں نہ لائیں اور کتب خانہ خوراک، طلبہ اور تنخواہ مدرسین پر خرچ کردیں اسی طرح منتظمان جنگ و جہاد، حکومت اسلامیہ کو مالک تصور فرما کر اغراض جنگ کا سامان ہتھیار رکھیں اور کتابوں کو طلباء کی ملکیت اور گھوڑوں کو سواروں کی ملکیت قرار دینے کے بجائے جسے وہ فروخت کرکے ضائع بھی کر سکتے ہیں ہمیشہ کے لئے مدرسہ اور حکومت کی ملکیت قرار دیکر رفاء عام کا مدعا زیادہ استقلال سے اور دیر تک پورا کر سکیں۔

پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم صادر ہوتا ہے جس شکل سے اس کی تعمیل قرن اولیٰ میں ہوئی اور اسلامی حکومت کے تمام زمانہ قیام حکومت میں ہوتی رہی اس سے یہ شرط کب استنباط ہوتی ہے کہ لینے والے زکوٰۃ کا مالک قرار دینا ضروری ہے اور جس حدیث میں زکوٰۃ کی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ اغنیاء سے لی جائے اور فقراء کو دی جائے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے جس صورت میں فائدہ زیادہ ہو وہی صورت ہونی چاہئیے اور انتظام کرنے والوں کو اس میں مصلحت دیکھنے کا اختیار ہونا چاہئیے۔ پس استدعا ہے کہ حضرات علماء عظام اس عقدہ کو حل فرمانے کی زحمت برداشت کریں اور اس دشواری کو مسلمانوں کے دماغ سے دور کرنے کا ثواب لیکر رفاہ عام کے کام کو سہل تر بنائیں۔ والسلام!

(الجواب) (۱) فی شرح السیر باب الوصیة فی سبیل اللہ تعالٰی والمال یعطی قال محمد بن الحسنؒ اذ قال الرجل فی مرضه ثلث مالی فی سبیل اللّٰہ ثم توفی فھذا جائز و یعطی ثلثه للفقراء فی سبیل اللہ یعنی یعطی اھل الحاجة ممن یغزو (الی قوله) والمراد منه الجهاد فکان قصد المیت من ھذا ان یصرف ثمنه الی جھة الغزو فیصرف الی ما نواہ و قصدہ و یکون ما یعطون من ذلك لھم حتی ان من مات منھم قبل ان یخرج فی سبیل اللّٰہ (بعد ما دفع الیه کان ذلك میراثا لورثته ان شاؤا اخرجوا وان

شاؤا لم یخرجوا) قال شمس الائمة فی شرح لان هذا جعل ثلث ماله فی سبیل الله علی وجه الصدقة والصدقة تملیك من اهل الحاجة قال تعالٰی انما الصدقات للفقراء الی ان قال و فی سبیل الله وتلك الصدقة شرط صحتها التملیك فكذلك الثلث اذا جعل فی سبیل الله كانت صدقة تملیك والصدقة تملك بالقبض (شرح سیر ص ۲٤٤ ج ٤)

(۲) وفی مبسوط شمس الائمة لا یجزی فی الزكوٰة عتق ولا الحج ولا قضاء دین المیت و لا تكفینه ولا بناء المسجد والا صل فیه فعل الایتاء فی جزء من المال ولا یحصل الایتاء الا بالتملیك فكل قربة خلت عن التملیك لا تجزی عن الزكوٰة (مبسوط ص ۲۰۲ ج ۲)

(۳) وفی احكام القرآن للجصاص تحت قوله تعالٰی وفی الرقاب و ایضا فان الصدقة تقتضی تملیكا والعبد لم یملك شیئا بالعتق وانما سقط عن رقبته وهو ملك للمولی (الٰی قوله) فلا یجوز ان یكون مجز یامن الصدقة اذ شرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق علیه (ص ۱۲۵ ج ۳)-

(٤) وفی البدائع (من فقه الحنفیة) وقد امر الله تبارك و تعالٰی الملاك بایتاء الزكوٰة لقوله عزوجل واتو الزكوٰة والایتاء والتصدق تملیك فیصیر المالك مخرجا قدر الزكوٰة الی الله تعالٰی بمقضی التملیك سابقا علیه (الی ان قال) وبهذا یخرج صرف الزكوٰة الی وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقایات واصلاح للقناطر و تكفین الموتی و دفنهم انه لا یجوز لانه لم یوجد التملیك اصلا وكذا اذا اشتری بالزكوٰة طعاماً فاطعم الفقراء غداءً وعشاءً ولم یدفع عین الطعام الیهم لو یجوز لعدم التملیك (بدائع ص ۳٦ ج ۲)

(۵) وفی زكوٰة فتح القدیر تحت قول الهدایة لا یبنی بها مسجد ولا یكفن بها میت لانعدام التملیك فان الله تعالٰی سما ها صدقة و حقیقة الصدقه تملیك المال من الفقیر وهذا فی البناء ظاهر وكذا التكفین لانه لیس تملیكا للكفن من المیت ولا الورثة (فتح ص ۲۰ ج ۲)

(٦) وفی المغرب تصدق علی المساكین اعطاهم الصدقة وهی العطیة اللتی یبتغی بها المثوبة من الله تعالٰی - واما الحدیث ان الله تعالٰی تصدق علیكم بثلث اموالكم فان صح كان مجازاً عن التفضل (مغرب ص ۲۹۹ ج ۱)

(۷) قال الراغب فی مفردات القران- والایتاء الاعطاء وخص دفع الصدقة- فی القران بالا یتاء نحو اقاموا الصلوٰة وا توا الزكوٰة-

ائمہ فقہا کی مذکور الصدر تصریحات سے دوباتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ باتفاق فقہاء ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ مستحق زکوٰۃ کواس پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے-

دوسرے یہ کہ یہ شرط قرآن مجید کی انہیں آیات سے ثابت ہے جن سے زکوٰۃ کا فرض ہونااور مصارف صدقات میں صرف کرنا ثابت ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں انما الصدقات سے شروع فرماکر زکوٰۃ کو مجملہ صدقات کے قرار دیا ہے اور صدقہ کی حقیقت لغۃً اور شرعاً یہی ہے کہ مستحق صدقہ کواس کا مالک

بنادیاجائے جیساکہ مفردات القرآن امام راغب اصفہانی اور مغرب کی تصریحات مذکورہ (۶، ۷) اس پر شاہد ہیں اورمغرب نے اس کو بھی واضح کردیا ہے کہ صدقہ کے حقیقی معنی یہی ہیں اور جن روایات حدیث میں عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے وہ مجازی معنی ہیں اسی لئے امام ابوبکر حصاص نے احکام القرآن کی عبارت مذکورہ (۳) میں فرمایا شرط الصدقة وقوع الملك للمتصدق عليه - یعنی صدقہ کی ادائیگی کی شرط یہ ہے کہ جس کو صدقہ دیا جائے اس پر ان کی ملک ہو جائے۔

اور شمس الائمہ سرخسی نے شرح تفسیر کبیر مذکورہ (۱) میں اسی لفظ صدقہ شرط تملیک پر استدلال کیا اور ملک العلماء نے بدائع میں اور امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں ایک دوسرے لفظ سے شرط تملیک پر استدلال کیا ہے جو وجوب زکوٰۃ کی اکثر آیات میں آیا ہے وہ لفظ ایتاء ہے کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کے لئے عموماً یہی لفظ اختیار فرمایا گیا ہے۔

اقاموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة. اقيموا الصلوة واتوالزكوٰة. اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة. وتؤتواه الفقراء وغیرہ بہت سی آیات قرآن میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم اسی لفظ ایتاء کے ساتھ وارد ہوا ہے اور ایتاء کے معنی لغتہً وشرعاً اعطاء کے ہیں یعنی کسی کو عطیہ دینا صرف اس صورت میں صادق آتا ہے جب کہ کسی کو کسی چیز کا بدون کسی معاوضہ کے مالک بنادیا جائے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے زکوٰۃ کو فقراء کا حق قرار دیا ہے وفي اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم۔ اور ظاہر ہے کہ کسی صاحب کا حق ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ اس حق پر اس کو مالکانہ قبضہ دیدے اس کے فائدہ کے لئے کوئی کام کردینا یا اس کی دعوت کرکے کھانا کھلا دینا وغیرہ ادائے حق کے لئے کافی نہیں اگر کسی کا قرض کسی کے ذمہ ہے تو اس کی ادائیگی عرفاً اور شرعاً جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ یہ قرض کی رقم پر صاحب قرض کا مالکانہ قبضہ کرادے نہ کسی مسجد کے بنانے سے اس کا قرض ادا ہوتا ہے نہ شفاخانہ وغیرہ سے اگرچہ ان چیزوں سے وہ صاحب قرض بھی فائدہ اٹھائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تملیک کی شرط خود انہیں آیات قرآنیہ سے ثابت ہے جن سے زکوٰۃ کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور عہد رسالت اور خلفاء راشدین ہی کے زمانہ کا تعامل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اگرچہ اسلامی بیت المال میں مختلف قسم کے اموال جمع ہوتے تھے لیکن صدقات کا مال بالکل علیحدہ اس کے مخصوص مصارف ہی میں صرف کیا جاتا تھا اسلامی حکومت کی عام ضروریات اور مسلمانوں کے اجتماعی اور رفاہی اداروں وغیرہ میں صدقات کا مال صرف نہ ہوتا تھا بلکہ ایسے مصارف عموماً مال فئی سے کئے جاتے تھے اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور پورے خاندان بنو ہاشم کے لئے صدقات کا استعمال ممنوع تھا اور اس حکم کی پابندی اس حد تک تھی کہ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے صدقہ کا ایک چھوارہ منہ میں رکھ لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے منہ سے نکال لیا اور فرمایا کہ آل محمد ﷺ کے لئے صدقہ حلال نہیں (بخاری و مسلم) اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو ایک چھوارہ پڑا ہوا ملا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہے تو میں اس کو اٹھاکر کھالیتا (بخاری و مسلم)

ایک طرف تو صدقات کے بارے میں اس قدر شدت ہے کہ آل محمد اور آپ کے ذوی القربیٰ کو صدقات سے اس طرح روکا گیا ہے دوسری طرف بیت المال کے دوسرے مدفیٔ خمس غنیمت اور خمس فیٔ میں آپ کے ذوی القربیٰ کا باقاعدہ حصہ قرآن کریم میں منصوص ہے واعلمو انما غنمتم من شئی فان لله خمسه و للرسول ولذی القربی (انفال) اور سورہ حشر میں مصارف فئی کے ذکر میں فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ کیا ہے اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ذوی القربیٰ اور بنو ہاشم کو بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا تھا اگر بیت المال میں اموال صدقات اور خمس غنیمت وفیٔ وغیرہ کے مدات سب گڈمڈ ہوتے تو صدقات کو بنی ہاشم سے روکنے کی کیا صورت ہوتی اسی طرح اغنیاء صحابہؓ جو صدقات قبول کرنے سے بڑی شدت کے ساتھ احتیاط فرماتے تھے مگر بیت المال کا وظیفہ لیتے تھے۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے دودھ پیا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ صدقہ کا تھا تو قے کر کے نکال دیا اس کے باوجود بیت المال کے دوسرے مدات سے حصہ لینا فاروق اعظمؓ کا بھی ثابت ہے۔ رسول کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ کو بحالت کفر کچھ مال عطا فرمایا جس کو بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ یہ مئولفتہ القلوب ہونے کی حیثیت سے مال صدقہ دیا گیا ہے مگر حفاظ حدیث بیہقی ابن سید الناس ابن کثیر ابن حجر وغیرہم نے روایات سے ثابت کیا ہے کہ یہ مال صدقات کا نہیں بلکہ غزوہ حنین کے مال غنیمت کے خمس میں سے تھا جو بیت المال کا حق تھا (تفسیر مظہری ص ۲۳۵ ج ۱) اگر بیت المال میں صدقات اور خمس غنائم وغیرہ علیحدہ علیحدہ نہ ہوتے تو اس کہنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔

اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ بیت المال کے مختلف مدات عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین ہی کے زمانہ سے جدا جدا رہتے تھے اور ہر ایک کے جداگانہ مصارف تھا اپنے اپنے مصارف میں خرچ کئے جاتے تھے اسی بناء پر حضرات فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ شرعی بیت المال کے چار حصے علیحدہ علیحدہ ہونے چاہئیں جن میں صرف حساب ہی علیحدہ نہیں بلکہ اموال بھی الگ الگ رکھے جائیں تاکہ ہر ایک مد کی رقم اسی مد میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے۔

درمختار کتاب الزکوٰۃ میں نظم ابن شحنہ کے چند اشعار بیت المال کے مذکورہ مدات کی تفصیل کے بارے میں نقل کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

شرعی بیت المال کے چار مدات

اول خمس غنائم یعنی جو مال مسلمانوں کو بذریعہ جنگ حاصل ہوا اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے باقی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے اسی طرح خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے نیز خمس رکاز یعنی جو قدیم خزانے کسی زمین سے برآمد ہوں اور مالک ان کا معلوم نہ ہو تو اس کا بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کے ایک ہی مد میں شامل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں- جس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ-صدقۃ الفطر اور ان کی زمینوں کا عشر داخل ہیں-

تیسری مد خراج اور مال فئی ہے-یعنی غیر مسلمانوں کی زمینوں کا اخراج اور ان سے حاصل شدہ جزئیہ اور تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اموال جو مصالحانہ طور پر غیر مسلموں کی رضامندی سے حاصل ہوں-

چوتھی مد ضوائع-یعنی لاوارث مال ہے-

ان چاروں مدات کے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں لیکن فقراء و مساکین کا حق ان چاروں مدات میں رکھا گیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت اور شرعی بیت المال کا اصل مقصد اسی کمزور طبقہ کو ابھارنا اور درست کرنا اور پوری قوم کا اقتصادی توازن صحیح کرنا ہے جس کا مشاہدہ عہد صحابہؓ میں ہو چکا ہے جب فقر و فاقہ تھا پوری قوم پر تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسانی اور فراخی عطا فرمائی تو پوری قوم نے اس سے حصہ پایا جو در حقیقت اسلامی حکومت ہی کا طغراء امتیاز ہے ورنہ دنیا کے عام نظام کسی خاص طبقہ کو بڑھاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو مالدار ہیں وہ اور زیادہ مالدار بنتے جاتے ہیں اور جو فقیر محتاج ہیں وہ اور زیادہ فقیر و احتیاج میں مبتلا ہوتے جاتے ہیں ان کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں ملتا جس کے رد عمل نے دنیا میں اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا مگر وہ خود ایک غیر فطری اصول ہے جو نہ اصولاً چلنے کے قابل ہے اور نہ اشتراکیت والے ہی اس کو چلا سکے بلکہ اس میں ترمیمیں کر کے پھر وہی اونچ نیچ اس زمین پر بھی قائم ہے جو مساوات کا ڈھنڈورہ پیٹتی ہے اور انسانی اخلاق کے لئے تو وہ سم قاتل ہے-

خلاصہ یہ ہے کہ بیت المال کے چار مدات الگ الگ رکھے گئے ہیں اور فقراء مساکین کو ان چاروں میں شریک رکھا گیا ہے اور ہر مد کے لئے مصارف کا جداگانہ قانون ہے جن میں ابتدائی تین مدات کا قانون تو خود قرآن کریم نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے پہلی مد یعنی خمس غنائم کا بیان سورہ انفال دسویں پارہ کے شروع میں تفصیل سے آیا ہے دوسری مد یعنی صدقات کا بیان سورہ توبہ کی آیت انما الصدقات میں تفصیل سے مذکور ہے- تیسری یعنی مال فئی کا خمس اس کا بیان ہے سورہ حشر میں مفصل موجود ہے اسلامی حکومت کے اکثر مدات فوجی اخراجات، عمال حکومت کی تنخواہیں- تعلیم و تبلیغ کی خدمات وغیرہ سب پر اسی مد سے خرچ کیا جاتا ہے چوتھی مد یعنی لاوارث مال کے احکام رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے تعامل سے لاپاج اور محتاجوں اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے (شامی کتاب الزکوٰۃ)

حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ فقہا کی تصریحات

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک کی شرط پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ائمہ حنفیہ کی تصریحات ہیں جن میں وضاحت کے ساتھ شرط تملیک کو قرآن کریم سے ثابت کر کے اس پر تفریعات کی گئی ہیں لیکن ان تفریعات سے جو مسائل لکھے گئے ہیں وہ صرف حنفیہ ہی کے مسلمات میں سے نہیں بلکہ امت کے چاروں امام ابو حنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبلؒ سب ہی ان پر متفق ہیں اور سب ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ بناء مساجد اور مدارس اور رفاہ عام کے ادارے اور لاوارث میت کی تجہیز و تکفین وغیرہ پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ سے خرچ

نہیں کیا جاسکتا اگرچہ عنوان مسئلہ کا انہوں نے یہ نہیں رکھا کہ اس میں تملیک کی یہ شرط نہیں پائی جاتی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ قرآن کی مقرر کردہ آٹھ قسموں میں داخل نہیں اس لئے یہ صورتیں مصرف زکوٰۃ نہیں ہو سکتیں ان میں سے چند روایات درج ذیل ہیں۔

امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ جو دوسری صدی ہجری میں تفسیر و حدیث اور فقہ وادب کے مشہور امام ہیں اور اسحٰق بن راہویہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک امام شافعی اور احمد بن حنبل سے زیادہ افقہ [1] ہیں۔ان کی مشہور تصنیف کتاب الاموال میں ہے۔

فاما قضاء الدین عن المیت والعطیة فی کفنه و بنیان المساجد واحتفار الانهار وما اشبه ذلك من انواع البرفان سفیان واهل العراق وغیرهم من العلماء اهل العراق وغیرهم من العلماء مجمعون علی ان ذلك لا یجزئی من الزکوٰة ولانه لیس من المصارف الثمانیة (کتاب الاموال ص ۶۱۰)

لیکن کسی میت کی طرف سے قرض ادا کرنا یا اس کے کفن کے لئے پیسے دینا اور مساجد کی تعمیر نہروں کی کھدائی اور اس کی مثل دوسرے رفاہ عام کے کام سو حضرت سفیان ثوری اور تمام علماء عراق اور دوسرے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ کام زکوٰۃ فنڈ سے جائز نہیں کیونکہ وہ زکوٰۃ کے معین کردہ آٹھ مصارف میں داخل نہیں۔

نیز اسی کتاب الاموال میں جہاں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص نے مال زکوٰۃ اپنی ملک سے الگ کر کے خود رکھ لیا یا کسی دوسرے کو سپرد کر دیا۔ کہ وہ فقراء میں تقسیم کرائے اور پھر اتفاق سے یہ مال ضائع ہو گیا تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گا۔اس میں فقہاء کا اختلاف نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق یہ لکھی کہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی دوبارہ ادا کرنا چاہئے اس کی دلیل میں فرمایا۔

لان الفرض علی الاغنیاء اداء الصدقة الی الفقراء اوالی الامام وان المضیع غیر مؤد لمالزمه قال الله تعالی وان تخفو هاو تؤتوها الفقراء فهوخیر لکم وان هذا لم یؤ تهم شیئا (اموال ص ۶۰۱)

کیونکہ اغنیاء کے ذمہ فرض یہ ہے کہ فقراء کو صدقہ ادا کریں یا امام المسلمین کو ادا کریں اور جس کا مال ضائع ہو گیا اس نے نہ فقراء کو دیا نہ امام المسلمین کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم صدقہ کو خفیہ رکھو اور خفیہ طور سے فقراء کو دے دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کو دینے کا حکم دیا ہے۔

یہ بعینہ وہ استدلال ہے جو شمس الائمہ سرخسی اور جصاص نے لفظ صدقہ سے اور صاحب بدائع نے لفظ ایتاء سے شرط تملیک کے لئے پیش کیا ہے۔

اور فقہاء مالکیہ میں سے شیخ دردیر نے مختصر خلیل کی شرح میں لکھا ہے۔

لا تصرف الزکوٰة فی سور حول البلدة لیتحفظ به من الکفار ولا فی عمل موکب یقاتل فیه العدو۔ (ص ۱۶۱ ج ۱)

کسی شہر کی شہر پناہ (چہار دیواری)، دشمنوں سے حفاظت کے لئے بنانے میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں اسی طرح دشمنوں سے جہاد کے لئے کوئی جہاز وغیرہ بنانا اس رقم سے یہ بھی جائز نہیں۔

[1] مقدمہ کتاب الاموال

اور فقہاء حنبلیہ میں امام موفق ابن قدامہ نے مغنی میں تحریر فرمایا۔

ولا یجوز صرف الزکوٰۃ الی غیر من ذکر اللہ تعالی من بناء المساجد و القناطر والسقایات واصلاح الطرف وسد البثوق و تکفین الموتی والتوسعة علی الاضیاف واشباہ ذلك من القرب اللتی لم یذکر ھا اللہ تعالی (مغنی)

زکوٰۃ کا خرچ کرنا سوائے ان مصارف کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے جائز نہیں۔ مثلا مساجد، دریاؤں کے پل، پانی کی سبیلیں۔ سڑکوں کی مرمت، مردوں کا کفن۔ مہمانوں کی مہمانداری وغیرہ جو بہت ثواب کے کام ہیں مگر زکوٰۃ کے معینہ مصارف میں داخل نہیں۔ اس لئے زکوٰۃ ان میں خرچ نہیں ہو سکتی۔

اس جگہ مذاہب ائمہ اربعہ کی نقول جمع کرنا مقصد نہیں اور نہ اس کی ضرورت صرف چند عبارتیں ان حضرات کی پیش کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ان تمام مسائل میں حنفیہ اور دوسرے ائمہ سب متفق ہیں۔

شبہات اور جوابات

موفق نے مغنی میں حضرت انسؓ اور حضرت حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ما اعطیت فی الجسور والطرق فھی صدقة جاریة۔ تم نے جو کچھ پل بنائے یا سڑک درست کرنے میں خرچ کیا وہ صدقہ جاریہ ہے۔

اس کے معنی بعض لوگوں نے یہ سمجھے کہ پلوں اور سڑکوں کی مرمت میں جو رقم خرچ کی جائے وہ صدقہ کے لئے کافی ہے اس معنی کے اعتبار سے یہ تمام ان روایات اور اقوال سے مختلف ہوگا جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اس لئے موفق نے اس کو نقل کر کے فرمایا والاول اصح یعنی پہلی بات کہ ان کاموں میں رقم زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں زیادہ صحیح ہے کیونکہ آیت صدقات میں صرف آٹھ قسمیں مصارف صدقات کی متعین کردی گئی ہیں اور یہ ان میں داخل نہیں اور امام ابو عبید نے اس قول کے معنی یہ بیان فرمائے کہ اس سے مراد پلوں اور راستوں کی تعمیر یا مرمت نہیں بلکہ مال زکوٰۃ ان عاشروں کو دینا مراد ہے جو پلوں اور راستوں پر زکوٰۃ وصول کرنے ہی کے لئے مقرر ہوا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ عاملین علیہا میں داخل ہو کر مصرف زکوٰۃ ہیں اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج میں مصارف صدقات کا بیان کرتے ہوئے ایک جملہ یاد آیا۔

وسھم فی اصلاح طرق المسلمین۔ (کتاب الخراج ص ۸۱)

مگر اس جملہ کی صحت اس لئے مشتبہ ہے کہ اول تو اس میں اصلاح طرق کو ایک مستقل سہم قرار دیا ہے حالانکہ قرآنی تصریح کے مطابق یہ ان آٹھ سہام میں سے نہیں جو قرآن میں مذکور ہیں یہ ممکن تھا کہ اس کو فی سبیل اللہ کے عموم میں داخل فرماتے مگر خود امام ابو یوسفؒ سے مبسوط سرخسی میں اس کے خلاف یہ منقول ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اگرچہ عام ہے اور تمام قربات اور طاعات کو شامل ہے لیکن عرف میں اس کو جہاد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے آیت میں بھی وہی معنی مراد لئے جائیں گے۔ (مبسوط سرخسی ص ۱۰ ج ۳)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ امام ابو عبید نے جو تاویل حضرت انسؓ کے قول کی فرمائی ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی اصلاح طرق سے مراد اس کی مرمت نہ ہو بلکہ چوروں، ڈاکوؤں سے راستوں کو صاف رکھنا مقصود ہو اور یہ کام انہیں عاملین صدقہ کے سپرد ہوتا تھا جو راستوں پر زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر ہوتے تھے اس لئے اصلاح طرق میں دینے کے معنی ان عاملین کو دینے کے ہو سکتے ہیں-واللہ تعالیٰ اعلم

بہر حال امام ابو یوسفؒ کا تنہا یہ جملہ جب کہ وہ تمام ائمہ حنفیہ کی تصریحات کے خلاف ہے احکام کے معاملہ میں معتمد نہیں ہو سکتا-

مدارس کے مہتمم یا سفراء عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں ہو سکتے

اب رہا یہ سوال کہ قرون اولیٰ میں عاملین صدقہ زکوٰۃ وصول کرتے تھے اور ان کے وصول کر لینے سے اصحاب اموال کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی تھی حالانکہ عاملین اس روپیہ کے مالک نہ بنائے جاتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ مالک بنانے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس کو مالک بنانا ہے خود اس کے قبضہ میں دے دیا جائے دوسرے یہ کہ اگر اس کا کوئی وکیل ہے تو اس وکیل کا قبضہ کرا دیا جائے -وکیل کا قبضہ اصل موکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے جب کسی فقیر کے وکیل مختار نے اس کی طرف سے کسی مال زکوٰۃ پر قبضہ کر لیا تو ایسا ہی ہو گیا جیسے وہ خود قبضہ کر تا اس صورت میں بھی دینے والے کی زکوٰۃ اسی وقت ادا ہو گئی جب وکیل نے قبضہ کیا-

پھر وکیل کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی شخص یا جماعت کسی شخص کو اپنے لئے صدقات وصول کرنے کا وکیل مختار باقاعدہ بناوے اور یہ لکھ دے کہ یہ میرا وکیل مجاز ہے-دوسرے یہ کہ منجانب شرع کسی شخص یا جماعت کو ولایت عامہ عطا کر دی جائے جس کے سبب وہ قدرتی طور پر عوام کا وکیل بن جاتا ہے-

خلیفہ وقت اور امیر المومنین کو منجانب شرع ایسی ہی ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے ملک کے غرباء فقراء کی ذمہ داری اس پر عائد ہو جاتی ہے اور وہ شرعی طور پر ان تمام فقراء کا وکیل متصور ہوتا ہے اس کا یا اس کے مقرر کردہ نائب کا مال زکوٰۃ پر قبضہ خود فقراء کا قبضہ سمجھا جاتا ہے عاملین صدقہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے وصول صدقات کے لئے مامور ہوں وہ بھی اسی ضابطہ کے تحت فقراء کے وکیل ہیں جب مال زکوٰۃ ان کو دے دیا اسی وقت اصحاب اموال کی زکوٰۃ ادا ہو گئی-

اب اگر کہا جائے کہ مہتممین مدرسہ بھی مثل عاملین صدقہ کے وکیل فقراء یعنی وکیل طلباء ہیں تو اول یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ یہاں نہ تو طلباء کی طرف سے کوئی معاملہ وکالت کا کیا گیا ہے اور اگر کیا بھی جائے تو وہ معدود و محدود طلباء کی طرف سے ہو گا جو ان کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جائے گا پھر از سر نو دوسرے طلباء سے معاملہ کرنا ہو گا جو ظاہر ہے کہ نہ کہیں ہوتا ہے نہ عادۃ ہو سکتا ہے کیونکہ طلباء ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور نہ مہتمم مدرسہ کو ولایت عامہ خود حاصل ہے اور نہ وہ کسی امیر المومنین صاحب ولایت عامہ کی طرف سے مامور ہے جس کی بناء پر اس کو شرعی طور پر وکیل فقراء قرار دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ اور اس کے سفراء سب اصحاب اموال کے وکیل ہیں جب تک مال ان کی تحویل میں رہے گا وہ ایسا ہی ہو گا جیسے خود مالک کے پاس رہے زکوٰۃ کی

ادائیگی اسی وقت ہوگی جب کہ یہ حضرات اس کو مصرف زکوٰۃ میں صرف کردیں بلکہ فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ والی عامہ امیر المومنین اور اس کے عمال کو بھی ہر حال اور ہر مال میں سے صدقات وصول کرنے کا حق نہیں بلکہ صرف ان اموال ظاہرہ میں جن کے تحفظ کی ذمہ داری عمال حکومت پر عائد ہوتی ہے اور وہ بھی صرف اس وقت تک کہ عمال حکومت اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرسکیں اور اگر کسی وقت حکومت اسلامیہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ کرسکے تو اس کو صدقات اموال ظاہرہ بھی وصول کرنے کا حق نہیں رہتا۔ روایات ذیل اس پر شاہد ہیں۔

وفی المبسوط وثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجة الی الحمایة و فی الدر المختار فی شرط العشر هو حر مسلم غیر هاشمی قادر علی الحمایة من اللصوص والقطاع لان الجبایة بالحمایة (شامی ص ۵۲ ج ۲) وقال الشامی قبل ذلك و یظهر لی ان اهل الحرب لو غلبوا اعلی بلدة عن بلادنا كذلك (ای یؤدی المالك بنفسه ولا حق للسلطان فیه) لتعلیل اصل المسئلة بان الامام لم یحمهم والجبایة بالحمایة (شامی ص ۳۲ ج ۲)

اس لئے مہتمم مدارس کو کسی طرح وکیل فقراء مثل امیر المومنین یا عاملین صدقہ کے قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ نہ اس کو ولایت عامہ حاصل ہے نہ اس کی حمایت کو تحفظ اموال مسلمین میں کوئی دخل ہے اور بالفرض اگر اس کو امیر المومنین جیسے اختیارات ہوتے بھی تو خود امیر المومنین کے لئے یہ کب جائز تھا کہ اموال زکوٰۃ کو بلا تملیک فقراء رفاہ عام وغیرہ کے کاموں میں صرف کرسکے اس لئے جو مشکلات پیش کی گئی ہیں وہ مہتمم کو امیر المومنین یا عامل صدقہ فرض کرلینے کے بعد بھی رفع نہیں ہوتیں اور ان مشکلات کا حل اموال زکوٰۃ سے کسی طرح نہیں ہوسکتا بلکہ اگر حکومت اسلامی ہو تو ان کے لئے بیت المال کے دوسرے مدات کھلے ہوئے ہیں اور اگر حکومت اسلامی نہیں تو مسلمان حسب مقدرت واستطاعت ان خیرات ومیراث یا اوقاف وغیرہ کے لئے مستقل چندہ کریں یا شخصی طور پر پورا کریں جیسا کہ ہندوستان وغیرہ ممالک میں اسلامی سلطنت اٹھ جانے کے بعد سے آج تک اسی طرح ہوتا بھی رہا ہے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ - مفتی دارالعلوم دیوبند -

یکم محرم ۱۳۱۱ھ سیدی وسندی حضرت حکیم الامتہ مجدد الملتہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا مکتوب گرامی

احقر نے رسالہ ہذا حضرت والا کی خدمت میں بھیجا تھا اور چونکہ حضرت کے ضعف کا حال پیش نظر تھا اس لئے باستیعاب ملاحظہ فرمانے کی درخواست کو مناسب سمجھ کر یہ درخواست کی تھی کہ کہیں کہیں سے ملاحظہ فرمالیا جاوے مگر اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا۔

ایسا شغل تو بوجہ تنشیط کے دافع ضعف ہے۔ میں نے کل کا کل دیکھا اور دل سے دعا نکلی صرف دو جگہ استنباط کی جگہ استدلال لکھ دیا ہے استنباط سے غیر منصوص ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔

نیز احقر نے فرمایا کہ اجمالی نظر کے بعد اگر تصدیق کے الفاظ لکھنا خلاف مصلحت نہ ہو تو لوگوں کے لئے زیادہ موجب اطمینان ہوگا اشاعت کی ضرورت اس لئے ہے کہ آج کل بہت سے لوگوں نے اس مسئلہ کو اڑانے کی ٹھان لی ہے اور اخبارات میں بھی یہ بحث چل پڑی ہے استاذی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت برکاتہم بھی اس کو باستیعاب ملاحظہ فرما چکے ہیں مختصر سی کوئی اپنی تحریر بطور تقریظ کے لکھنے کا بھی ارادہ ظاہر فرمایا ہے اس پر حضرت ممدوح نے تحریر فرمایا ہے۔

آپ لکھ کر بھیجدیں میں اپنے مذاق کے موافق بنالوں گا لیکن احقر نے اس مکتوب گرامی کو تصدیق کے لئے کافی سمجھ کر پھر کوئی مستقل تحریر لکھنے کی تکلیف نہیں دی۔ اس طرح حضرت مولانا عثمانی دامت برکاتہم کی ملاحظہ اور تصدیق سے میرا اطمینان تو ہو چکا تھا ان کے مشاغل کی وجہ سے ان سے بھی تصدیق کے لئے دوبارہ عرض کرنے کی جرات نہیں ہوئی احقر نے رسالہ کا نام تجویز کرنے کے لئے بھی سیدی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم سے عرض کیا تھا اس پر تحریر فرمایا۔

مجھ کو کیا لیاقت ہے مگر بے تکلف ایک نام خیال آیا۔ "اما طة التشکیك فی اناطة الزکوٰة بالتملیك" اس کی عربیت خود دیکھ لیجئے۔

هذا وما وفقنی ربی لتوضیح المسئلة وهو سبحانه و تعالٰی اعلم وهو المستعان و علیه التکلان۔

تحقیق مذکور پر ایک اشکال اور تحقیق مذکور کے ایک حصہ سے رجوع کریں۔

(السوال) آں محترم نے اپنے رسالہ "اماطة التشکیك فی اناطة الزکوٰة بالتملیك" میں مہتممین مدارس کو عاملین صدقہ کے حکم میں قرار نہیں دیا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مہتممین کے وصول کرنے سے اصحاب اموال کی زکواۃ ادا نہیں ہوتی جب تک کہ وہ مستحقین زکوٰۃ پر خرچ نہ کردیں چنانچہ امداد المفتین ص ۴۲۳ کتاب الزکوٰۃ پر تحریر ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ مہتممین مدرسہ بھی مثل عاملین صدقہ کے وکیل فقراء ہیں۔ یعنی وکیل طلباء ہیں تو اول یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ یہاں نہ تو طلبہ کی طرف سے کوئی معاملہ وکالت کا کیا گیا ہے اور اگر کیا بھی جائے تو وہ معدود و محدود طلبہ کی طرف سے ہوگا جو ان کے چلے جانے کے بعد ختم ہو جائے گا پھر از سر نو دوسرے طلبہ سے معاملہ کرنا ہوگا جو ظاہر ہے کہ نہ کہیں ہوتا ہے اور نہ عادۃً ہو سکتا ہے کیونکہ طلبہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور نہ مہتمم مدرسہ کو ولایت عامہ خود حاصل ہے اور نہ وہ کسی امیر المومنین صاحب ولایت عامہ کی طرف سے مامور ہے جس کی بنا پر اس کو شرعی طور پر وکیل فقراء قرار دیا جائے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ اور اس کے سفراء سب اصحاب اموال کے وکیل ہیں جب تک مال ان کی تحویل میں رہے گا وہ ایسا ہی ہوگا جیسے خود تک کے پاس رہے زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت ہوگی جب کہ یہ حضرات اس کو مصرف زکوٰۃ میں صرف کردیں بلکہ فقہا نے اس کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ والی عامہ امیر المومنین اور اس کے عمل کو بھی ہر حال اور ہر مال میں سے صدقات وصول کرنے کا حق نہیں بلکہ صرف ان اموال ظاہرہ میں جن کے تحفظ کی ذمہ داری عمال حکومت پر ہوتی ہے اور وہ بھی صرف اس وقت تک کہ عمال حکومت اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر سکیں اور اگر کسی وقت حکومت اسلامیہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ کر سکیں تو اس کو صدقات اموال ظاہرہ بھی وصول کرنے کا حق نہیں رہتا۔

مروایات ذیل اس پر شاہد ہیں۔

وفی المبسوط وثبوت حق الاخذ باعتبار الحاجة الی الحماية- وفی الدر المختار فی شروط العاشر ھو حر مسلم غیر ھاشمی قادر علی الحماية من اللصوص والقطاع لان الجباية بالحماية (شامی ص ۵۲ ج ۲)

وقال الشامیؒ قبل ذلك و يظهرلی ان اهل الحرب لو غلبوا علی بلدة عن بلادنا كذلك (أی يؤدی المالك بنفسه ولاحق للسطان فيه) لتعليل اصل المسئلة بان الامام لم يحمهم والحماية (شامی ص ۳۲ ج ۲)

اس لئے مہتمم مدارس کو کسی طرح وکیل فقراء مثل امیر المومنین یا عاملین صدقہ کے قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جب کہ حضرت تھانویؒ کی مکاتبت چند مسائل میں حضرت مولانا خلیلؒ احمد سے ہوئی یہ مکاتبت فتاوٰی امدادیہ طبع قدیم مجتبائی ہند کے ج چہارم ص ۲۲۷ سے ص ۲۳۶ اور طبع جدید امداد الفتاوٰی ج ششم ص ۲۶۸ تا ص ۲۷۷ پر بعنوان "بعضے از تحریرات سیدنا مولانا خلیل احمد صاحب دامت برکاتہم کہ در جواب سوالات صاحب فتاوٰی صدور یافتہ بمناسبۃ مقام درآخر ملحق کردہ شد" مذکور ہے ان صفحات میں اس مسئلہ کے متعلق عبارات متفرق ہیں ضمیمہ خوان خلیل صفحہ ۱۸ اپر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم نے ان متفرق عبارات کو یکجا ذکر کردیا ہے جن کی پوری تفصیل یہ ہے۔

"مدرسہ میں جوروپیہ آتا ہے اگر یہ وقف ہے تو بقاء عین کے ساتھ انتفاع کہاں ہے اور اگر یہ ملک معطی کا ہے تو اس کے مرجانے کے بعد واپسی ورثہ کی طرف واجب ہے۔

(الجواب) عاجز کے نزدیک مدارس کا روپیہ وقف نہیں مگر اہل مدرسہ مثل عمال بیت المال معطین اور آخذین کی طرف سے وکلاء ہیں، لہذا اس میں نہ زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ معطین واپس لے سکتے ہیں۔

مکرر سوال -- حضرت مخدومنا! ادام اللہ ظلال فیوضہم علینا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ - شفانامہ مزیل مرض ہوا لیکن اساس شبہ ہنوز قطع نہیں ہوئی۔ (اس کے بعد پہلا نمبر تو معجزات کے متعلق ہے اور دوسرا نمبر یہ ہے) عمال بیت المال منصوب من السلطان ہیں اور سلطان کی ولایت عامہ ہے اس لئے وہ سب کا وکیل بن سکتا ہے اور مقیس میں ولایت عامہ نہیں ہے اس لئے آخذ کا وکیل کیسے بنے گا کیونکہ نہ تو وکیل صریح اور نہ دلالت ہے اور مقیس علیہ میں دلالت ہے کہ سب اس کے زیر طاعت ہیں اور وہ واجب الاطاعت ہے۔

(الجواب) سیدی ادام اللہ فیوضکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - بندہ کے خیال میں سلطان میں دو وصف ہیں ایک حکومت جس کا ثمرہ تنفید حدود وقصاص دوسرا انتظام حقوق عامہ امر اول میں کوئی اس کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، امر ثانی میں اہل حل وعقد بوقت ضرورت قائم مقام ہوسکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اہل حل وعقد کی رائے و مشورہ کے ساتھ نصب سلطان وابستہ ہے جو باب انتظام سے ہے لہذا اہالی انتظام مدارس جو برضا مالک وطلبہ ابقاء دین کے لئے کیا گیا ہے بالاولٰی معتبر ہوگا ذرا غور فرمائیں انتظام جمعہ کے لئے عامہ کا نصب امام معتبر ہونا ہی جزئیات میں اس کی نظیر شاید ہوسکے - والسلام خلیل احمد عفی عنہ ۸ رجب ۱۳۲۵ھ"

اسی طرح کا ایک سوال کسی نے حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ سے کیا تھا اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے مرحمت فرمایا تھا جس کا ذکر تذکرۃ الرشید حصہ اول ۱۶۴ پر موجود ہے جس کی عبارت یہ ہے۔

"شبہ۔ مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صرف بالاسہلاک ناجائز۔ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل تو معطی چندہ اگر مر جائے تو غرباء وورثاء کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے زمانہ شارع علیہ السلام و خلفاء میں جو بیت المال تھا اس میں بھی یہ اشکال جاری ہے بہت سوچا مگر قواعد شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہونا چاہئے اور مستہلک ملک مستہلک ہو کر جو صرف کیا جائے اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا اگر یہ ہے تو اہل مدرسہ یا امین انجمن کو سخت دقت ہے امید کہ جواب باصواب سے تشفی فرمادیں۔

(الجواب) (از حضرت قطب عالم) مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ جیسا امیر نائب جملہ کا عالم ہوتا ہے پس جو شی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اگرچہ وہ مجہول الکمیت والذوات ہوں مگر نائب معین ہے پس موت معطی کے ملک ورثہ معطی کی اس میں نہیں ہو سکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہو سکتا ہے، بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے (واللہ تعالیٰ اعلم)

(تذکرۃ الرشید حصہ ص ۱۶۴، ۱۶۵) مطبوعہ ساڈھورہ وضمیمہ خوان خلیل ص ۲۹، ۳۰) امداد المفتین میں چھپے ہوئے رسالۃ اماطۃ التشکیک فی اناطۃ الزکوٰۃ بالتملیک" میں مہتممان مدارس کو عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں رکھا گیا بلکہ معطیین چندہ کا وکیل قرار دیا گیا ہے۔ حضرت گنگوہی اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مذکور الصدر فتاویٰ کے بعد اب آپ کی تحقیق اس معاملہ میں کیا ہے؟ اس کی توضیح کی ضرورت ہے۔ "بینوا تو جروا"

السائل: العبد امین اشرف عفا اللہ عنہ

متعلم درجہ تخصص فی الفقہ دار الافتاء دار العلوم کراچی نمبر ۱۱، ۵ ذیقعد ۱۳۹۵ھ

(الجواب) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد! تملیک زکوٰۃ کے مسئلہ سے متعلق میرا رسالہ جو سن ۱۳۶۱ ہجری میں لکھا گیا تھا اور امداد المفتین کا جزو ہو کر بار بار شائع ہوا اس میں مہتممین مدرسہ کا حکم عاملین صدقہ کے حکم سے مختلف اس شبہ کی بنیاد پر لکھا گیا تھا جو خود سیدی حضرت حکیم الامتؒ نے پیش فرمایا لیکن جب اس شبہ کو خود حضرتؒ نے راس الفقہاء حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے سامنے پیش فرمایا اور حضرت موصوف نے اس کا جواب تحریر فرمایا تو حضرت حکیم الامتؒ کا وہ شبہ رفع ہو گیا اور وہ اسی حکم پر مطمئن ہو گئے جو حضرت ممدوح نے لکھا تھا یعنی آج کل کے مہتممین مدرسہ اور ان کے مقرر کردہ چندہ وصول کرنے والے عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہو کر فقراء کے وکیل ہیں معطیین چندہ کی وکالت صرف اس درجہ میں ہے کہ انہوں نے ان حضرات کو وکیل فقراء تسلیم کر کے اپنا چندہ ان کے حوالے کر دیا تو جب بحیثیت وکیل فقراء رقم ان کے قبضہ میں چلی گئی تو وہ فقراء کی ملک ہو گئی اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو گئی بات تو اتنے ہی سے صاف ہو گئی تھی لیکن اس کی مزید تائید و توثیق ابو حنیفہؒ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اس فتوے

سے ہو گئی جو تذکرۃ الرشید میں مولانا صادق الیقین صاحبؒ کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا جس میں اس کی تصریح ہے کہ اگرچہ یہ طلباء فقراء مجہول الکمیت والذوات ہیں اس کے باوجود ان کی وکالت مہتممان مدرسہ کے لئے عرفی طور پر ثابت ہو گئی اور ان کا قبضہ فقراء کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت گنگوہیؒ کے اس مدلل فتوی اور حضرت مولانا خلیل احمد قدس اللہ سرہ کی تحقیق اور اس پر حضرت حکیم الامتؒ کی تسلیم و تصدیق کے بعد مسئلہ میں تو کوئی اشکال نہیں رہا تا ہم احقر نے جب پاکستان آنے کے بعد کراچی میں دارالعلوم قائم کیا تو احتیاطاً یہ صورت اختیار کی کہ جن طلبہ کو دارالعلوم میں داخلہ دیا جاتا ہے ان کے داخلہ فارم پر یہ توکیل کا مضمون ہر طالب علم کی طرف سے برائے مہتمم مدرسہ یا جن کو وہ مامور کرے طبع کر دیا گیا ہے اور ہر داخل ہونے والا طالب علم باقاعدہ مہتمم مدرسہ کو اپنی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا بھی وکیل بناتا ہے اور عام فقراء کی ضرورتوں پر خرچ کرنے کا بھی اس طرح مہتمم مدرسہ ہر سال داخل ہونے والے متعین طلباء کا وکیل ہوتا ہے۔ اور ان کی طرف سے تمام مصارف طلباء پر خرچ کرنے کا مجاز۔ اس طرح مجہول الکمیت والذات ہونے کا شبہ بھی باقی نہیں رہتا اس لئے میں امداد المفتین میں اس مسئلہ سے متعلق شائع شدہ عبارت سے رجوع کر کے اسی فیصلہ کو تسلیم کرتا ہوں جو فیصلہ ان سب اکابر کا ہے یعنی موجودہ زمانے کے مہتممان مدارس یا ان کے مامور کردہ حضرات جو چندہ یا زکوٰۃ وصول کرتے ہیں وہ بحیثیت وکیل فقراء کے وصول ہوتی ہے اور ان کے قبضہ میں پہنچتے ہی معطیین زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

ضروری تنبیہ ۔۔۔ اس تحقیق میں مہتممان مدارس کے لئے ایک تو آسانی ہو گئی کہ ان کو ہر ایک شخص کا مال زکوٰۃ اور اس کا حساب الگ الگ لکھنے کی ضرورت نہیں رہی اور قبل از خرچ معطی چندہ کا انتقال ہو جائے تو اس کے وارثوں کو واپس کرنے کی ضرورت نہ رہی معطیان چندہ کو بھی یہ فائدہ پہنچا کہ ان کی زکوٰۃ فوری طور پر ادا ہو گئی لیکن مہتممان مدارس کی گردن پر آخرت کا ایک بڑا بوجھ آپڑا کہ وہ ہزاروں فقراء کے وکیل ہیں جن کے نام اور پتے محفوظ اور یاد رکھنا بھی آسان نہیں کہ خدانخواستہ اگر اس مال کے خرچ کرنے میں کوئی غلطی ہو جائے تو ان سے معافی مانگی جا سکے اس لئے اگر مہتممان مدارس نے فقراء طلباء کی ضروریات کے علاوہ کسی کام میں اس مال کو خرچ کیا تو وہ ایسا ناقابل معافی جرم ہو گا جس کی تلافی ان کے قبضہ میں نہیں اسی لئے ان سب حضرات پر لازم ہے کہ مدارس کے چندہ کی رقم کو بڑی احتیاط کے ساتھ صرف ان ضروریات پر خرچ کیا جائے جن کا تعلق فقراء و طلباء سے ہے مثلاً ان کا طعام و لباس اور دواء و علاج ان کی رہائشی ضرورتیں، ان کے لئے کتابوں کی خریداری وغیرہ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴، ۷ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ

جب کہ اس سے صرف تین ہفتہ قبل احقر ایک خطرناک قلبی مرض میں مبتلا ہو کر دو ہفتہ اسپتال میں رہ کر آیا ہے "فلله الحمد اوله، واخره، وظاهره و باطنه"